ہماری ویب ای بُک

ڈاکٹر شیخ ولی خان المظفر

DR SHAIKH WALI KHAN ALMUZAFFAR

ہماری ویب پر شائع شدہ تحریروں کا مجموعہ

E-BOOK SERVICES

Collection of Published Articles
By "Dr. Shaikh Wali Khan Almuzaffar"
at Hamariweb.com

عربی ہی ضروری کیوں؟

ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے گزشتہ دنوں ہماری ایک طویل نشست ہوئی ،جہاں قرآن وحدیث اور سیرت نبوی ﷺ کے متعلق عوام وخواص سب ہی میں قلّت واقفیت کا شکوہ ہورہا تھا،اس حوالے سے چند معروضات پیشِ خدمت ہیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی کی تاریخی شخصیت اور ان کی گراں قدر فلسفیانہ اور عالمانہ تصنیفات سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ وہ مولانا مملوک علی کے غیر معمولی شاگرد تھے اور ایسے میں پھر اس بات کی حیثیت ایک غلط مفروضے کی ہوگی کہ وہ ایک عام سے مولوی تھے، جنہوں نے دین کی خدمت کے لیے ایک مکتب کھولا اور بس یہی ان کا ہدف تھا۔ یہ کیوں اور کیسے تسلیم کیا جائے، جبکہ مولانا مملوک علی دہلی کے ایک عربی کالج کے پرنسپل رہیں اور مولانا نانوتوی ان کے ذہین وفطین شاگرد۔

1857 کی جنگ آزادی اور اس میں مسلمانوں کی عارضی شکست ان کے سامنے تھی۔ فرنگی استعمار اور ہندو ثقافت کے یکے بعد دیگرے ہندوستان پر پنجے گاڑنے کی کوششوں سے وہ باخبر تھے اور اسلام اور مسلمانوں کی سرزمین ہند سے بیدخلی کا جو خواب دشمن دیکھ رہا تھا، وہ ان کے علم میں تھا،پھرایک طرف سید الطائفہ

حاجی امداد اللہ مہاجر مکی بھی ہند میں اسلام اور اسلامی تعلیم کی بقاء کے لیے فکر مند تھے ، اس کے نتیجے میں پھر قصبہ دیوبند میں ایک "مدرسہ عربی" قائم ہوتا ہے ، اس پر مفکرین و مصلحین امت سر جوڑے بیٹھتے ہیں اور مسلمانوں کی تقدیر بدلنے کا خواب دیکھتے ہیں تو پھر ضرور یہ کوئی غیر معمولی مدرسہ تھا، وگرنہ انار یا کیکر کے درخت تلے یا کسی چبوترے کے نیچے، کسی گھر کے صحن میں، کہیں کسی ڈیوڑھی پر تو اور بھی ملا محمود اور طالب علم محمود جیسے بہتیرے پڑھنے بیٹھے ہوں گے، مگر تاریخ تو ایسے کسی کردار کو نہیں جانتی اور اِدھر ان کا قصہ ہے کہ زبان زد عام و خاص ہے۔ دین سیکھنے سکھانے کا عمل بھی اسلامیان ہند میں مکاتب، مساجد اور کم از کم گھروں میں تو رہتا ہی ہوگا، پھر دیوبند کے اس مکتب کو یہ رجوع اور قبول کیوں کر حاصل ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ازھر الہند کے رتبہ پر کیسے فائز ہوا۔

مطالعہ اور تجزیہ کہتا ہے کہ دیوبند کے "مدرسہ عربی" میں دو باتیں نہایت اہم ہیں، ایک اس کا نظریاتی پس منظر اور اس کی خمیر میں شامل فکر و فلسفہ، جس کے حامل اور علمبردار ہندوستان کے اس وقت کے چوٹی کے اہل اللہ اور عبقری شخصیات تھیں اور دوم اس کا یہ سادہ سا عنوان جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ 'فارسی مکتب" اور انگریزی اسکول" کی طرح ایک "مدرسہ عربی" ہے، بظاہر جس کا مقصد فقط ایک زبان کی بول چال یا لکھت پڑھت سکھانا ہے، جو ایک معمول کی

چیز ہے اور ادھر حقیقت یہ ہے کہ اس سادہ عنوان کی پشت پر ایک فلسفہ اور سوچا سمجھا مقصد ہے اور اس کی ذیل میں اہداف واغراض کی ایک لمبی فہرست ہے۔

دہلی کے عربی کالج کے پرنسپل سے سبق لینے والا طالب علم بس ویسے ہی تو "مدرسہ عربی" کے مہتمم نہیں بنے ہوں گے، بلکہ ضرور ان کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ ہند والوں کو عربی پر عبور حاصل ہوجائے اور پھر اس کی بنیاد پر عربی کا طالب علم عرب دنیا میں یا یہاں کسی عربی شعبے میں ملازمت تلاش کرنے کو منزل نہ بنائے، بلکہ اس کی صلاحیتیں قرآن وسنت کے سمجھنے میں صَرف ہوں اور یہاں سے کوئی بخاری، ترمذی، نسائی، مسلم، ابوداؤ، ابن ماجہ، ماتریدی، رازی، غزالی، نسفی، عسقلانی، قسطلانی جیسے ائمہ اور موجِدین پیدا ہوں، جو بیشتر غیر عربی ہیں اور ان کے علوم وخدمات کے عرب وعجم یکساں ممنونِ احسان ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پھر جب دیوبند کے اس "مدرسہ عربی" کی غیر منقسم ہندوستان کے اطراف واکناف میں اور بعد ازاں موجودہ پاکستان، بنگلہ دیش میں شاخیں پھیلنے لگیں، تو وہ بھی اپنے اصل سرچشمے کی پیروی میں عربی مدارس ہی کہلائی جانے لگیں۔ علامہ یوسف بنوری مرحوم نے بھی اپنے ادارے کا نام "المدرسۃ العربیۃ" اسی تناظر میں رکھا تھا۔ وجہ وہی ہے کہ یہاں اصل تعلیم عربی کی دی جاتی تھی اور دین کا علم اس کے ضمن میں خود ہی آجاتا تھا، چناں چہ آج تک اس نصاب میں

عربی ہی عربی چھائی ہوئی ہے، جس میں گرامر سے لے کر اسالیب انشاء اور ادب عالی تک سب چیزیں شامل ہیں اور درجہ تکمیل میں جاکر پھر دینیات یعنی تفسیر اور تقریباً پورے ذخیرہ احادیث کا ایک دورہ کرایا جاتا ہے۔

بد قسمتی سے کچھ عرصے سے اس نصاب سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے ہیں۔ مقاصدِ فنون، طلبہ کیا مدرسین کو بھی معلوم یا کم از کم مستحضر نہیں ہوتے اور ذی استعداد سمجھے جانے والے مدرسین کو بھی عام سی عربی تحریر و تقریر سمجھنے میں عموماً سخت دشواری اور شرمندگی کا سامنا رہتا ہے، دقیق اور جدید چیزیں تو دور کی بات ہے اور اعتذار یہ ہوتا ہے کہ ہم نے جدید عربی نہیں پڑھی اور کہیں یہ لطیفہ کہ عربی بطورِ زبان کا علم سے کوئی تعلق نہیں، ستم ظریفی یہ ہے کہ سالہا سال سے تفسیر و حدیث پڑھانے والے، چوٹی کی عربی نثر و نظم کی کتابیں پڑھانے والے بھی عربی نہیں جانتے اور نوبت بایں جا رسید کہ اب علماء اور اہل مدارس کے سامنے بھی عربی کے فضائل و اہمیت پر لمبی چوڑی تقریریں کرکے انہیں اس کا قائل کرنا پڑتا ہے اور اس طرح کی کوششوں سے پھر کہیں جاکر مدارس میں عربی شعبے قائم کرنے کے امکانات پیدا ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں کیا یہاں فقہائ، مجتہدین اور مجددین، جن کی امت کو ضرورت ہے، پیدا ہونے کا کوئی امکان ہے؟ جبکہ علوم اسلامیہ کا اصل اور اور کلاسیکل اثاثہ عربی میں ہے؟

مقامِ اطمینان ہے کہ برقی ایجادات اور سائنسی ترقیات کی بدولت آج ایک مرتبہ پھر عربی زبان کا زبردست غلغلہ ہے۔ مدارس (چندایک ہی سہی) ایک نئی کروٹ لے رہے ہیں اور عربی لینگویج سینٹر، عربی رسائل ومجلات، عالم عرب کے ساتھ رابطہ، عربی خطبات خصوصاً ائمہ حرمین کی تلاوتیں اور خطبات، عربی نغمات کی دستیابی، عربی ویب سائٹس پر جانے اور ان سے استفادہ کا رجحان بڑھ رہاہے اور عربی کی ترجیح رواج پارہی ہے۔ ایسے میں علماء اوراہل مدارس کو اپنی اس کھوئی ہوئی پونجی اور شناخت کو دوبارہ حاصل کرنے اور اس کی بازیابی کے لیے جدوجہد تیز کرنے اور صحیح معنوں میں قرآن وحدیث سے وابستگی کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔

علماء بلاغت کا یہ قیاس کہ پیغمبر اسلام کی نبوت اعجازِ قرآن کریم پر موقوف ہے اور اعجازِ قرآن بلاغت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے ہے۔ سو نبوت محمدیہ کا اپنے ثبوت میں بلاغت کے ساتھ چولی دامن کا تعلق ہے، یہ منطق اگر کوئی معنی رکھتی ہے تو کیاعربی زبان سے آشنائی کے بغیر اس گھاٹی سے گزرنا ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر عربی سے یہ بیر اور عربوں پہ نفور کیوں؟ اور عربی زبان کی اس واجبی اور سرسری سی تعلیم پر اکتفا کیوں اور کب تک؟ کیا اس قیاس کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ عربی زبان کم از کم عربی مدارس والوں

کی تورگ و پے میں ہی بس جائے۔ ان کا اوڑھنا بچھونا اور ذوق و دلچسپی کا میدان بنے۔ مگر ایسا نہیں ہو رہا اور وہی مساجد میں رٹے رٹائے خطبے ہیں جو عموماً خود خطیب کے پلے بھی نہیں پڑتے اور تقریر وتدریس کی سلطنت بھی مواعظ اور شروحات کی بنیاد پر قائم ہے۔ لب و لہجہ طرز و اسلوب، تحریر و تقریر وغیرہ پر وہی اردو، ہندی اور فارسی کا راج ہے اور بقولِ علامہ ابنِ تیمیہ "ان اعتیاد اللغۃ موثر فی العقل والخلق والدین تاثیراً بیّناً"۔ کہ زبانیں بہر حال اپنا ایک واضح اثر رکھتی ہیں، جس سے ثقافت و معاشرت ہی نہیں ذوق و فکر اور اخلاق و نظریات بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔ (مزید تفصیل ہفتے کے کالم میں)

2) عربی ہی ضروری کیوں؟

مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع مرحوم (کچھ حذف واختصار کے ساتھ) فرماتے ہیں، ہمارے اسلاف نے جب جزیرۃ العرب سے شمع ہدایت لے کر عجم کی طرف قدم بڑھایا تو جس طرح اسلام کی اشاعت و تبلیغ کی کوششیں کیں اسی طرح عربی زبان اور عرب کی وضع قطع، تہذیب وتمدن اور عادات واخلاق کو بھی عام کرنے کی سعی فرمائی، تھوڑے ہی عرصہ میں وہ حیرت انگیز کامیابیاں حاصل کیں کہ عالم میں اس کی نظیر نہیں ملتی، ایک طرف اگر دنیا کا جغرافیا بدل ڈالا تو دوسری طرف طبقات وممالک کی زبانیں بدل ڈالیں، عربی زبان کے اس عموم وشیوع میں خود اس زبان کی شیرینی اور وسعت وسہولت کو بھی بڑا دخل ضرور ہے لیکن ساتھ ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ حضرات صحابہ وتابعین کی حکمت عملی اور اہتمام خاص کے بغیر کایا پلٹ جانا ممکن نہ تھا۔ اسی حکمت عملی کا ایک پہلو یہ تھا کہ یہ اساطینِ امت جس خطہ میں اترے جب خطبہ دیا تو عربی زبان میں دیا، حالانکہ مخاطبین تاحال اس زبان سے بالکل ناواقف تھے، اور یہ حضرات اس پر قادر تھے کہ خود یا کسی ترجمان کے ذریعے خطبہ کو علاقائی زبان میں مخاطبین تک پہنچا دیں، لیکن انھوں نے ایسا نہ کیا اور ضروری احکام کو مخاطبین کی ملکی زبان میں پہنچا دینے کے لیے دوسرے

انتظامات کرکے خطبوں کو صرف عربی زبان میں منحصر رکھا،تاکہ مخاطب کو خود اس طرف رغبت ہو کہ امام وامیر کی تقریر کا مفہوم سمجھنے کے لیے عربی زبان سے آشنا ہونا ضروری ہے ،چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

ہاں اس حکمت عملی میں بھی مسلمانوں نے اپنے امتیازی وصف یعنی اعتدال اور حفاظتِ حدود کا ایسا خیال رکھا کہ دوسری قوموں میں اس کی نظیر نہیں مل سکی ۔وہ چاہتے تھے کہ جلد سے جلد عربی زبان عام ہو جائے ،لیکن اس مقصد کو ترغیب کی حد سے بڑھنے نہیں دیا کہ جبر واکراہ کی نوبت آجائے اور اقوام عالم کی کسی ایسی ضرورت کو عربی زبان پر موقوف نہیں رکھا جس کے بغیر گزارہ مشکل ہو،البتہ یہ ترغیب کا ایک بہترین اور معتدل ذریعہ تھا کہ طبعی طور پر مخاطب کو رغبت ہوتی ہے اپنے حکمراں کی تقریر سمجھنے کی۔

بخلاف صلیبی قوتوں کے ،جب ان کو اس گُر کی خبر ہوئی اور انھوں نے اپنی زبان کو عام کرنے کی ناکام سعی شروع کی تو اس مقصد کے لیے خلق اللہ کی زندگی تنگ کردی ،انھوں نے سفر وحضر اور معاملاتِ بیع وشراء رزق وروزی کو اپنی زبان جاننے پر موقوف کردیا،ان کی ازلی محرومی اور زبان کی تنگی وسختی اگر درمیان میں نہ ہوتی تو بلاشبہ آج دنیا میں انگریزی کے سوا دوسری زبانوں کا نام ونشان نہ رہا ہوتا،اسی پر دیگر استعماری قوتوں کو قیاس کیجیے۔

لیکن یورپ کا مشہور ڈاکٹر گستادلی بان، زبان عربی کی ہمہ گیری پر حیران ہو کر لکھتاہے: ''عربی زبان کی نسبت ہم کو وہی کہنا ہے جو ہم نے مذہب عرب کی نسبت کہا ہے یعنی جہاں پہلے کے فاتحین اپنی زبان کو مفتوحہ ممالک میں جاری نہ کر سکے تھے، عربوں نے اس میں کامیابی حاصل کی اور مفتوحہ اقوام نے ان کی زبان کو بھی اختیارکیا، یہ زبان ممالک اسلامی میں اس درجہ پھیل گئی کہ اس نے یہاں کی قدیم زبانوں یعنی سریانی، قبطی، یونانی، بَربَری وغیرہ کی جگہ لے لی، ایران میں بھی ایک مدت تک عربی زبان قائم رہی، اگرچہ اس کے بعد فارسی کی تجدید ہوئی لیکن اس وقت تک علماء کی تحریریں اسی زبان میں ہوتی تھیں، ایران کے کل علوم ومذہب کی کتابیں عربی ہی میں لکھیں گئی ہیں، ایشیاکے اس خطہ میں زبان عربی کی وہی حالت ہے جو ازمنہ متوسطہ میں لاطینی کی حالت یورپ میں تھی، ترکوں نے بھی انہی کی طرز تحریر اختیار کرلی اور اس وقت تک ترکوں کے ملک میں کم استعداد لوگ بھی قرآن کو بخوبی سمجھ لیتے ہیں۔''

لاطینی میں بھی عربی زبان نے اپنے تسلط کے بین آثار چھوڑے ہیں، موسیوڈوزی اور موسیو انگلمین نے مل کر زبان اندلس اور پرتگال کے ان الفاظ کی جو عربی سے مشتق ہیں ایک لغت تیار کرلی ہے، فرانس میں بھی عربی زبان نے بڑا اثر چھوڑا ہے، موسیو سدیےو نہایت درست لکھتے ہیں کہ ادورن اور شوٹرمین کے بھی زبان عربی الفاظ سے زیادہ معمور ہوگئے ہیں اور ان کے ناموں کی صورت بھی بالکل عربی ہے، ڈاکٹر سلمان ابو غوش کہتے ہیں کہ موجودہ انگریزی میں دس

ہزار الفاظ عربی کے ہیں ”عشرۃ آلاف کلمۃ انجلیزیۃ من اصل عربی“ ان کی کتاب کا نام ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ بلاد مغرب ویورپ میں دخول اسلام کو نصف صدی گزرنے نہ پائی تھی کہ وہاں کے عام سکّان وباشندگان نے بَربَری اور لاطینی زبان کو دفن کردیا کہ ان ممالک میں نصاریٰ کے پادری اس پر مجبور ہوگئے کہ اپنے مذہب کی نماز وعبادت کا ترجمہ عربی زبان میں کرکے مسیحی قوم کے سامنے پیش کریں تاکہ وہ اس کو سمجھ سکیں۔

الغرض امراء اسلام نے اشاعت زبان کے اہم مقصد کے ساتھ رعایا کی سہولت وآسانی کا بھی خاص اہتمام رکھا ہے، اقوام یورپ کی طرح دنیا کو اس پر مجبور نہیں کیا، بایں ہمہ جس طرح اسلام ناسخ الادیان مسلم تھا اسی طرح لسان عرب ناسخِ اَلسنہ ہوگئی۔ 22 دسمبر 1947 میں قائدِ اعظم محمد علی جناح کی ایک بھی اس واضح دلالت کرتی ہے۔

آپ غور کیجئے کہ اسلاف نے عربی زبان کی اشاعت میں یہ کوشش کیوں کی؟ اس کا ایک سیاسی مقصد تو ظاہر اور عام ہے کہ حاکم ومحکوم اور سلطان اور رعیت میں ارتباط وانبساط بڑھے۔ دوسرا ایک اہم مقصد بھی ان حضرات کا مطمحِ نظر تھا کہ

جب قرآنی زبان لوگوں میں رائج ہوگی تو قرآنی اخلاق و معاشرت بھی ان میں باآسانی پیدا ہو سکیں گے چنانچہ عربی زبان کے عموم کے ساتھ ہی یہ دونوں مقاصد حاصل تھے۔

آج کل یورپ کو اپنی ہمہ دانی پر ناز ہے وہ اپنے آپ کو تہذیب و تمدّن اور سیاست کا مالک سمجھتا ہے اسی کی ایک مثال پر نظر ڈالیے۔

شیخ محمد کرد علی جو مصر میں مجمع اللغۃ العربیۃ کے صدر تھے، اپنے سفر نامہ میں، اندلس وپرتگال کے چشم دید واقعات اور اس کے ماضی وحال کا موازنہ بتلاتے ہوئے لکھتے ہیں :

"نہ فقط وہ ممالکِ یورپ جو اسلام کے زیر نگیں آچکے تھے، اسلامی زبان واسلامی معاشرت کے دلدادہ ہوگئے، بلکہ گردوپیش کے ممالکِ یورپ بھی اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، جلالقہ، لیوتیون، نارفاریون کے تعلیمیافتہ لوگ عربی زبان لکھتے تھے، وہ مسلمانوں کے تمدّن و معاشرت پر ایسے فریفتہ تھے کہ اپنے مذہبی اصول کو چھوڑ کر مسلمانوں کی عادات وخصال مسلمانوں کی طرح اپنی عورتوں کو پردہ میں رکھنے کے عادی ہوگئے تھے"۔

افسوس کہ ہم کیا سے کیا ہوگئے، کہاں سے کہاں جاپہنچے، تہذیبوں کی موجودہ

جنگ میں سلف کی اس ناخلف اولاد نے کس طرح ان کی عزت کے نشانات کو مٹایااور غیروں کی غلامی کا طوق اپنے ہاتھوں سے اپنی گردن میں ڈال لیا۔ان کی قائم کی ہوئی بنیادوں کی ایک ایک اینٹ اور لگائے ہوئے چمن کا ایک ایک درخت نکال دیا۔صد افسوس کہ جو قومیں ہماری نقالی (بجاطور پر) فخر سمجھتی تھی آج ہم (بے جاطور پر) ان کے نقال بن گئے، وضع قطع ان کی اختیار کرلی، زبان ان کی لے لی، بے ضرورت بھی انگریزی لفظ بولنے کو فخر سمجھنے لگے، صحیح لفظ بھی نہ آتا ہو تو غلط ہی سہی، صاحب بہادر کی مشابہت کا تو ثواب مل ہی جاتا ہے، عورتوں کو پردے سے نکالا اور مردوں کے دوش بدوش لا کھڑا کیا، ہم نے اول صرف ان کی زبان اور وضع اختیار کی اور سمجھا کہ ایمان واسلام کا تعلق قلب سے ہے،ظاہری وضع وتراش کو اس میں کیا دخل، لیکن تجربہ نے بتلادیا کہ یہی ایک بجلی کی رو تھی جو قلب ودماغ پر چھا گئی اور انگریزیت ونصرانیت دلوں کی تہہ میں بیٹھ گئی۔

ایک شخص ابتدامیں صرف انگریزی جوتا استعمال کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ اس سے ہم انگریز نہیں بن گئے، لیکن تھوڑے ہی عرصہ میں وہ دیکھ لے گا کہ یہ انگریزی جوتا اس کے بدن سے اسلامی پاجامہ اتروا کر ٹخنوں سے تلے پتلون پہننے پر مجبور کردے گا، پھر یہ عمل اس کا اسلامی کرتا اور عبا اتروائے گا، اور جب اعضاء وجوارح اور بدن انسانی کی پارلیمنٹ کے سب ارکان مغربی رنگ کے ہوگئے

تو مجبور ہو کر ان کا تابع بننا پڑے گا، انگریزی ٹوپی اسلامی عمامہ کی جگہ لے لے گی اور جب خود گھڑے گھڑائے صاحب بہادر بن گئے، تو سمجھ لیجئے کہ اب گھر کے قدیم اصول ورواج کی خیر نہیں، کیوں کہ یہ کسے کسائے صاحب بہادر کسی مسند پر نہیں بیٹھ سکتے دستر خوان پر کھانا تناول نہیں فرما سکتے، نماز کے لیے بار بار وضو نہیں کر سکتے، رکوع، وسجدہ نہیں کر سکتے، غرض گھر کا پرانا فرنیچر رخصت، پرانی وضع قطع رخصت، رسم ورواج رخصت، طہارت وعبادات رخصت۔ غور کیجیے، ایک انگریزی جوتے کی آفت کہاں تک پہنچی اور کس طرح اس نے دین ودنیا کو تباہ کر ڈالا۔

حقیقت میں گناہوں کا ایک سلسلہ ہے، جب انسان ایک گناہ اختیار کرتا ہے تو دوسرا خود بخود اس کے ساتھ لگ جاتا ہے، ایک حدیث میں ہے کہ نیکی کی فوری جزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسری نیکی کی توفیق مل جاتی ہے اور گناہ کی فوری سزا یہ ہے کہ اس کے بعد دوسرے گناہوں میں آدمی مبتلا ہو جاتا ہے۔

آج مسلمانوں کی نظر اس قدر سطحی ہو گئی ہے کہ اپنے بزرگوں کے برتے ہوئے مجرّب اصول اور ان کے بتلائے ہوئے گُر ان کی سمجھ میں نہیں آتے، انہیں قرآن وحدیث کے ارشادات سنائے جاتے ہیں تو ان کے دل اس کے قبول کے لیے نہیں کھلتے، سلف صالح کے حکمت آموز کلمات واصول بتلائے جاتے ہیں تو وہ ان کی نظر میں

نہیں آتے ، وہ علماء کو یہ رائے دیتے ہیں کہ عربی زبان کے رہے سہے آثار بھی مٹادیں ۔ خطبے اردوزبان میں پڑھیں ، عربی کا نام نہ آنے دیں ، اس لیے آخر میں ہم خود اس قوم کے چند واقعات پیش کرتے ہیں جس کی کورانہ تقلید نے ہمارے بھائیوں کو مصائب وذلت کا شکار بنارکھا ہے ۔

زوال اندلس کے وقت جب یورپی علاقے مسلمانوں کے ہاتھوں سے نکل کر نصاریٰ کے زیر نگیں ہوگئے ،تو نصاریٰ نے ہر طرح کے جبر واکراہ سے یہ چاہا کہ رعیّت کواپنا ہم رنگ اور ہمنوا بنالیں ، مگر صدیوں کی پیہم کوششوں کے باوجود اس میں کامیابی نہ ہوئی تووہاں کے تجربہ کار اس تفتیش میں لگے کہ اس کا سبب کیا ہے؟ ایک کمیشن اس کے لیے بنایاگیا ،اس کمیشن کی رپورٹ یہ ہوئی کہ ہم نے اگرچہ مسلمانوں کو اپنے ملک سے نکال دیاہے لیکن اسلامی زبان (عربی)کے مدارس اور اس کی تعلیم وتعلم ابھی تک ہمارے ملک میں عام ہے ،اسلامی معاشرت وتمدّن رائج ہے ، اسی نے سب کے قلوب کو مسخر کیا ہواہے ، جب تک اسلامی زبان ،اسلامی کتب اور اسلامی معاشرت کو یہاں سے ختم نہ کردیا جائے گا، ہم اپنی کوشش میں کامیاب نہیں ہو سکتے ۔1501ء میں یہ رپورٹ سامنے آئی ،اسی وقت سے حکومتوں نے اپنا تمام تر زور اس پر خرچ کردیا کہ اسلامی نشانات یہاں سے فنا کردئے جائیں ،چنانچہ اس سال قشتالہ وغرناطہ سے ایسے پکّے مسلمانوں کو بے سر وسامان نکل جانے پر مجبور کردیاگیا جن کے متعلق حکومت کو یقین تھا کہ

یہ اپنی زبان ومعاشرت کو نہ چھوڑیں گے۔1511ء میں انہوں نے اسلامی قلمی کتابوں کو اطراف وجوانب سے جمع کر کے غرناطہ کے میدان میں ایک عظیم الشان انبار لگادیا، جو عالم اسلام کے منتخب افراد کی صدیوں کی عرق ریزی ومحنت کے نتائج اور علوم شریعت وحکمت اور فلسفہ وریاضی کے علمی خزائن تھے ، ان ظالموں نے یہ عظیم الشان انبار نذر آتش کر دیا اور اسی پر بس نہیں کیا بلکہ کسی اسلامی کتاب کا رکھنا قانونی جرم بنادیا اور جس جگہ کتاب ہاتھ آئی اس کو ضبط کر لینے اور جلادینے کا حکم عام کردیا، مورخین کا بیان ہے کہ پچاس سال تک حکومت کی یہ کوشش جاری رہی جب جاکر اسلامی کتابوں کو مٹایا جاسکا۔

آپ اس سے ایک طرف توعلوم اسلامیہ کی ہمہ گیری اور جاذبیت کا اندازہ کر سکتے ہیں اور دوسری طرف یورپین نصاریٰ کی اوندھی ذہنیت ، کینہ طبیعت اور اسلام دشمنی کا کچھ تخمینہ کر سکتے ہیں کہ یہ علوم ومعارف کے خزائن جو ہر قوم کے لیے کام آنے والی چیز تھی اور ہزاروں فاضل علماء کی عمر بھر کی کمائی اور یکتا موتیوں سے زیادہ قیمتی خزائن تھے ان درندوں نے اس کے ساتھ کیا وحشیانہ سلوک کیا، خود یورپ کے غیر متعصب عیسائی ان کے ظلم وستم پر ماتم کررہے ہیں اس لیے نہیں کہ وہ مسلمانوں پر رحم کھاتے ہیں ، بلکہ اس لیے کہ وہ خود ان کتابوں اور علوم کے محتاج تھے۔

1526ء میں فیلپ نے اپنی قلمرو میں یہ حکم جاری کردیا تھا کہ کوئی شخص کوئی عربی جملہ نہ بول پائے، جن لوگوں کے نام عربی ترکیب پر مشتمل ہیں ان کے نام بدل دیئے جائیں اور جو لوگ اس کو منظور نہ کریں وہ اس کی قلمرو سے نکل جائیں، چنانچہ لاکھوں مسلمانوں کو اسی قانون کے ماتحت بے سروسامان جلاوطن کردیا گیا۔ یہ ناموں کی تبدیلی والا بعد میں کئی دیگر ممالک میں بھی چلا اور اب بھی جاری وساری ہے۔

الغرض نصاریٰ اور مغربی اقوام اس گُر کو سمجھتے ہیں جس کی بدولت ہمارے اسلاف نے اسلام اور عرب کا سکّہ لوگوں کے قلوب پر بٹھایا تھا اور اپنی کامیابی کا راز اس میں وہ سمجھتے ہیں کہ اسلامی آثار و شعائر اور زبان و معاشرت کو فنا کردیں۔

اسلام کا نام لینے والے اب بھی اس کو نہیں سمجھتے، بلکہ جو کام فیلیپ نے بزور قانون اپنی رعیّت سے کرایا تھا ہمارے سادہ لوح مسلمان وہ خود اپنے ہاتھوں سے خوشی خوشی اس کو انجام دے رہے ہیں اور یہی نہیں کہ وہ اتفاقی اس بلا میں لگ گئے ہوں، بلکہ اس سم قاتل کو آب حیات اور مرض کی دوا سمجھ رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم سب صحیح سمجھ نصیب فرمائے۔

کراچی کو کسی کی نظرِ بد لگ گئی ہے

محمد لبید خان المظفر

عروس البلاد کراچی کی روشنیاں عرصہ سے ماند پڑ گئی ہیں، شہر پر خوف کی پر چھائیاں چھائی ہوئی ہیں، ہر سو اک انجانے اضطراب اور غیر یقینی کی سی صورتحال ہے ،وہ مزدور جو دن بھر محنت و مشقت کرکے شام کو کسی فٹ پاتھ پر آ کر لیٹ جاتے تھے، ابھی کہیں نظر نہیں آ رہے ہیں ، اعلیٰ سوسائٹیوں کے باشندگان جو ہوا خوری کی غرض سے بعض شاہراہوں کو چہل قدمی کی سعادت بخشتے تھے، اب ڈرائینگ رومز تک محدود ہو کر رہ گئے ہیں، بازاروں میں جو کبھی تل دھرنے کی جگہ نہیں ہوتی تھی ،آج سنسان پڑے ہیں ، کراچی میں پاکستان کی ہر تہذیب کا رنگ جھلکتا ہے، کئی تہذیبیں پروان چڑھ رہی ہیں ، یہ گنگا وجمنا ، مہران اور دریائے کابل کی تہذیبوں کا سنگم ہے ، اپنی آبادی کے لحاظ سے اسلامی دنیا کا سب سے بڑا شہر ہونے کی حیثیت سے اس کے باسیوں پر جو ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، آج اگر حقیقت پسندی سے ان کا تجزیہ کیا جائے تو اس معاشرے میں ان کا فقدان نظر آ رہا ہے ،ہر برادری اور قوم اپنی انوکھی پہچان اور علحدہ پہچان بنانے میں کوشاں رہنے سے اس شہر کا امن وسکون غارت ہو چکا ہے، خصوصاً اس وقت جبکہ ملک انتہائی نازک صورتحال سے گزر رہا ہے سرحدات پر بیرونی خطرات منڈلا رہے ہیں ،پورے

خیبر اور بلوچستان میں میں علیحدگی پسند تحریکوں اور جاری آپریشن کی وجہ سے لٹے پٹے قافلے اس شہر میں پناہ ڈھونڈنے کی غرض سے آ رہے ہیں ، یہ دوسرا موقع ہے کہ اس شہر کا رخ مصیبت زدہ لوگ کر رہے ہیں ، قیام پاکستان کے موقع پر ہندوستانی مہاجرین نے بڑی بے بسی کی حالت میں بوریاں بستر گول کر یہاں پناہ لی تھی، آج خیبر اور بلوچستان کی عوام کی نقل مکانی کو بھی اس تناظر میں دیکھنے کی ضرورت ہے ، کیونکہ یہاں برسر روزگار ان مزدوروں کی وجہ سے اس شہر کی رونقیں بحال ہیں، ان کی ضرورت کسی بھی طرح نظرانداز نہیں کی جاسکتی ہے، ٹرانسپورٹ کا پورا نظام یہ کمیونٹیاں چلارہی ہیں، شہر میں جہاں کہیں کھدائی کرتے پسینے میں شرابور مزدور ہیں ، یا عصر کو تھکے ماندے شہریوں کو چائے کی گرم دم پیالیاں پیش کرنے والے بیرے ہیں ، ان کا مقصد صرف اپنااور اپنے بچوں کا پیٹ پالنا ہے، اس شہر کے کلیدی عہدوں پر قبضہ کرنا انکا مقصد ہرگز نہیں ، اگر کسی سرکاری ادارے میں اپنی قابلیت کے بل بوتے پر جائے بھی تو بحثیت ایک پاکستانی ان کا حق ہے ، جسکو اس سے چھین لینا انصاف کے منافی ہے ، ان معمولی باتوں اور باہمی رنجشوں کو ذریعہ بنا کر نفرتوں اور کدورتوں کی ہوا کو جنم دینے سے اس شہر کی فضا کی خرابی یہاں مقیم تمام قوموں اور جماعتوں کے لئے یکساں نقصان دہ ثابت ہوگی ، جس سے اس شہر کی جامعات میں تعلیم حاصل کرنے والے
طالبعلم، فیکٹریوں میں ڈیوٹی دینے والے افراد اور چوباروں پر ٹھیہ لگا کر روزی کمانے والوں کی زندگی متاثر ہوگی ، ملکی معیشت کا انحصار بھی اس شہر پر

ہے ،اسکی داخلی انارکی کیوجہ سے بیرونی سرمایہ کاری رک جائیگی، جو انتہائی نقصان دہ اور خطرناک اقدام ہے۔ لہٰذا شہر قائد کے بااثر حلقوں سے دردمندانہ گزارش ہے کہ باہمی ملی یکجہتی اور پرامن ماحول کے لئے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں، یوسی ،ٹاؤن اور ضلعی سطح پر امن کمیٹیاں تشکیل دی جائیں، ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا ماحول پیدا کیا جائے۔اللہ تعالیٰ بھی کرم کا معاملہ فرمائینگے۔

آسیہ عارف کا عربیت میں کمال

عارف صدیق معروف معنوں میں عالم فاضل نہیں ہیں، لیکن اسلام میں علم و فضل یہی ہے کہ آدمی قرآن وحدیث سمجھ سکتا ہوں۔ اللہ و رسول کی باتوں سے بلا کسی معاون وترجمان کے استفادہ کر سکتا ہو، ذکر واذکار اور نماز ودیگر عبادات میں اپنے رب سے مناجات کے مزے لُوٹ سکتا ہو، خالق سے ہم کلامی اور راز ونیاز کیلئے اس کے پاس قرآن وحدیث کا بتلایا ہوا وافر ذخیرہ موجود ہو، بس وہی عالم بھی ہے فاضل بھی ہے ۔چونکہ موصوف عربی زبان کے شناور ہیں، تحریر وتقریر ایسی کہ عالم عرب کے اخبارات اور ٹی وی چینلز بلاتامل ان کے افکار شائع کرتے رہتے ہیں۔

انہوں نے اپنی ننھی سی ہونہار آٹھ سالہ صاحب زادی آسیہ عارف کی ایسی تربیت کی، کہ وہ عربی زبان میں ان کو دنیا بھر میں شہرت مل گئی، پچھلے دنوں اسلام آباد کنونشن سینٹر میں اُس کی تقریر نے بڑے بڑوں کو نہایت مبہوت، حیران اور انگشت بدنداں کردیا تھا، ان کی عربی نظمیں بھی ماشاء اللہ خوب ہیں، عربی اشعار ومفردات ان کو ایک ماہر ادیب کی طرح مستحضر ہیں، سوشل اور پرنٹ والیکٹرانک میڈیا میں ان کے کئی انٹرویوز شائع کرچکے ہیں ہمارے ''جہان پاکستان'' کے رنگین پر ان کی صلاحیتوں کی خاصی مدح سرائی ہوچکی ہے۔

حال ہی میں وہ اپنے والد گرامی کے ساتھ عمرے پر گئی ، وھاں انہوں نے عربی کی تعلیم وترویج کے حوالے سے ''سہل ممتنع'' انداز میں ایک ایسی کتاب لکھ ڈالی ، کہ نظرپڑتے ہی مجھے خوشی بھی ہوئی اور حیرانی بھی ، ان کی کتاب ''العربیہ لغۃ آسیہ'' چالیس اسباق پر مشتمل ہے ، ہر سبق میں دس باہمی مربوط ، دلچسپ اور عام فہم جملے ہیں ، کتاب کی ترتیب علی سبیل الترقی ہے، عربی زبان سے بالکل ناآشنا آدمی یا بچہ اگر ان اسباق کے ساتھ اسی ترتیب سے سمجھ کر ازبر کرلے تو اسے اچھی خاصی عربی بہت آسانی کے ساتھ آجائیگی ان کا کمال صرف یہ نہیں کہ انہوں نے عالم طفولیت میں ایک تصنیف کر ڈالی بلکہ اس پر مستزادیہ کہ ایک تیسری زبان میں انہوں نے اپنے موضوع کے لحاظ سے ، عین مناسب اور نہایت مفید کارنامہ سرانجام دیا ، ان کی اس کتاب کے سو نسخے پاکستان میں سعودی سفیر نے دیکھتے ہی خرید لیئے ، میں نے اپنے کئی دوستوں کو مشورہ دیا ہے کہ یہ کتاب بچوں کے لئے نصاب میں شامل کی جائے ۔

اسی مناسبت سے پاکستانی طالب علم مطیع الرحمٰن صغیر احمد بھی قابل صد تبریک ہے جنہوں نے مدینہ اسلامی یونیورسٹی میں امسال بی اے کے امتحان میں پہلی پوزیشن لی، ہے اور وہ بھی کلیۃ اللغۃ العربیہ میں ، نیز صبا فاروق ایک پاکستانی طالبہ نے کنگ سعود یونیورسٹی ریاض میں ایم اے کے امتحانات میں ٹاپ

پوزیشن لی ہے۔امریکہ میں خان اکیڈمی کے پاکستانی نژاد سلمان خان تو کسی تعارف کے محتاج نہیں، شیخ یوسف القمر مدیر جامعۃ اللغۃ العربیۃ المفتوحۃ کی تازہ کاوش ''التعبیر الجدید لتعلیم اللغۃ العربیۃ'' بھی اسی سلسلے کی ایک مضبوط کڑی ہے۔اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ پاکستان کو جتنا اغیار بدنام کر رہے ہیں، اس سے کہیں زیادہ اس وطن کے بچے اس کا نام روشن کر رہے ہیں، اور سینئر پاکستانی نہ صرف مالی طور پر ملک وملت کی بے غرض خدمت کر رہے ہیں، بلکہ تعلیم، ہنر اور صنعت میں بھی وہ ملک کے لئے سرمایہ ہیں۔ عارفہ کریم جیسی بچیاں اور بچے یہاں اور بھی ہیں، عارفہ کے حوالے سے تو عظمت علی رحمانی نے ۴۰۰ صفحات پر مشتمل ایک وقیع تالیف فرمائی ہے، گذشتہ دنوں نیشنل پریس کلب اسلام آباد میں اس کی تقریب رونمائی بھی ہماری صدارت میں ہوئی تھی، اللہ کرے کہ آسیہ عارف، صبا فاروق، مطیع الرحمٰن سلمان خان اور عارفہ کریم مرحومہ کے مانند سب پاکستانی یوں ہی کامیابیوں کے جھنڈے گاڑتے رہیں اور ابنائے وطن خوب سخاوت کے ساتھ ان کو داد دیتے رہیں۔اللہم آمین۔

حقوق نسواں اور عاصمہ جہانگیر

8 مارچ خواتین کے حقوق کے طور پر تقریباً ایک صدی سے منایا جارہا ہے ،افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اس دن یا اس عنوان تلے جب بھی خواتین کے حقوق کی بات ہوتی ہے ، ان کی مزید تذلیل ، تحقیر اور اھانت کی ہوتی ہے ، روزگار، آزادی اور نمائندگی گفتگو کے محور ہوتے ہیں ، جبکہ در حقیقت روزگار ان کا کام ہی نہیں ، صرف اور صرف مجبوری ہے ، آزادی اس دنیا میں کس کو حاصل ہے ، ہر کوئی کسی نہ کسی کا ماتحت ہے ، ایک خدا کی ذات ہے جو سب سے مستغنی ہے اور بقیہ سب محتاج ہیں ، ظاہر سی بات ہے کہ محتاج اپنی حاجت براری کے لئے بطور بیٹا، باپ ، بیٹی ، ماں، بہن ، بھائی ، میاں ، بیوی ، حاکم محکوم اور خادم ومخدوم سب ایک دوسرے خواہی نہ خواہی غلام اور تابع ہیں ،
نمائندگی کا مسئلہ بھی کچھ اسی طرح ہے ، خواتین کی فطری کمزوریاں اور بیماریاں انہیں کہاں عوامی اجتماعات اور امورِ عامہ کی انجام دہی کی اجازت دیتی ہے ،ایک خالی الذہن آدمی اگر ٹھنڈے دل سے سر جوڑ کر بیٹھے گا، تو اسے روز روشن کی طرح نظر آجائے گا کہ مذکورہ منہاج کے مطابق حقوقِ نسواں کے نعرے جو کہ فزیکلی ناممکن ہیں دھوکہ دہی اور خود فریبی کے سوا کچھ نہیں ۔
ہاں اگر اعتدال اور توازن کے ساتھ مذاہبِ عالم اور دنیوی حکومتی نظاموں میں

کہیں حقوق نسواں کی بات نظر آتی ہے تو وہ فقط اسلامی نظام میں ہے۔قرآن وحدیث میں ماں کے قدموں تلے جنت ہے ، بیٹی رحمت ہے ، بہن نعمت ہے ، خالائیں اور پھوپھیاں ماں کے درجے میں ہیں ، ماں کی خدمت اگرفرض عین ہے تو بیٹی کی تعلیم وتربیت اور پرورش عین واجب ہے ، رضاعی مائیں ، بہنیں اور دیگر حقیقی رشتہ داروں کے برابر ہیں ، بیوی ایک شریک حیات ہے ، خریدے ہوئے مال کی طرح نہیں ہیں ، باندھیوں کے متعلق بھی حکم ہے کہ جو خود کھاؤ، وہ انہیں کھلاؤ ، جو خود پہنو، وہ انہیں پہناؤ، یہاں تک کہ غیر مسلم معاشروں کی طرح بیوی کو اپنے نام کے ساتھ شوہر کے نام کا لاحقہ ضروری نہیں ، جہالت کی بنیاد پر ہمارے یہاں کچھ حضرات محترمہ بے نظیر بھٹو پر اعتراض کیا کرتے تھے ، کہ شادی کے بعد اب ان کو بے نظیر زرداری کہلوانا چاہئے ، حالانکہ اسلامی نقطۂ نظر سے وہ بے نظیر بھٹو ہی تھی ، وجہ یہ ہے کہ باپ والی نسبت کی تبدیلی ممکن نہیں ہے اور شوہر کی طلاق یا فوتگی وغیرہ کی صورت میں ممکن ہے، تہمینہ دِرانی ، تہمینہ کھر ، تہمینہ شہباز ۔۔۔کی مثالیں ہمارے یہ دوست بھول جاتے ہیں ، نام عَلَم ہے اور قانون یہ ہے کہ ''الأعلام لاتتغیر ولاتتبدل'' وضع شدہ نام تغیر پذیر نہیں ہوتے ۔

اسلام نے خواتین کے لئے میراث میں ان کی حیثیتوں کے مناسبت سے حصص مقرر ، کردیئے ہیں ، ہمارے یہاں سورۂ نساء کے مطابق میراث کی تقسیم نہیں ہوتی

خواتین کو محروم کردیا جاتاہے۔ اس لئے وہ مارے مارے پھرتی ہیں۔ پوری دنیا میں 90 فیصد اشرافیہ اور مال دار طبقے کا تعلق خاندانی مالدار لوگوں سے ہے۔ گویا ان کو سب کچھ میراث میں ملا ہوا ہے۔ جبکہ ہمارے یہاں ماؤں بہنوں کو اس بنیادی حق سے محروم رکھا جاتاہے، جس کی وجہ سے وہ مفلس ہوجاتی ہیں۔ وہ شوہر، باپ، بیٹے اور بھائی کی دست نگر بن جاتی ہیں، وہ کسی جائداد کی مالک نہیں ہوتیں۔ اب آپ ہی بتایئے کہ وہ اپنی صنفی کمزوریوں کے باوجود وافر مال صرف اپنی کمائی سے کیسے حاصل کرسکتی ہیں، میری ناقص رائے میں تو کوئی مرد بھی ایسا نہیں کرسکتا، تو یہ بے چاری کیونکر؟

مرادر قعرِ بحر افگندئی، باز می گوئی کہ دامن تر مکن

آپ کے معاشرے نے خود ہی انہیں تہی دست کردیا، پھر آپ ان کے حقوق، آزادی نمائندگی اور روزگار کے نعرے لگاتے ہیں۔ بھلا تہی دست کے بھی کوئی حقوق درندگی کے اس عالم میں ہیں؟

عاصمہ جہانگیر کی خدمت عالیہ میں گزارش ہے کہ اگر آپ اس میدان کی حقیقی چیمپین ہیں، تو آغاز اسلامی نظام میراث سے کیاجائے۔ نظام میراث سے فیوڈلزم جیسے ناسور بھی ازخود تہ وبالا ہوجاتے ہیں۔ فیوڈلزم، خانزم اور سردارانہ نظام ختم ہوں گے تو خواتین کو اپنے حقوق کی تحصیل میں نمایاں

آسانی مل جائیگی، لیکن مسز جہانگیر کی اس میدان میں الٹی گنگا بہانے کو جب بھی میں دیکھتا ہوں، یقین ہونے لگتا ہے کہ مرض کی صحیح تشخیص اور علاج کی بنیادی باتوں سے ناواقفیت کی یہ مثال ہی عقلِ خاتون کی نقص پر کافی شافی دلالت کرتی ہے، اغیار کے اشاروں پر اس قسم کے بہت سے لوگ اس عنوان سے اسلام کو بدنام کرنے کی لاحاصل کوششیں کرتے ہیں، ذرہ بھی اگر ان کو اس موضوع سے اخلاص ہو تو یہ اسلامی نظامِ وراثت پر عمل کرائیں، پھر دیکھیں انسانی سوسائٹی میں کتنا بڑا اور صحت مند انقلاب برپا ہوتا ہے، لیکن۔۔۔

بنے ہیں شہ کے مصاحب، پھرے ہیں اتراتا
ورنہ اس شہر میں غالب کی آبرو کیا ہے

مجھے ان کے حقوق کی متعدد جہتوں سے ضیاع کا بخوبی ادراک ہے، اس لئے میں ذاتی طور پر حقوقِ نسواں کے عالمی دن کی تائید میں ہوں "تحریک احیائے میراث پاکستان" کا مؤسس وبانی ہوں، اس حوالے سے میرے پاس علماء اور وکلاء کی ایک ٹیم بھی ہے، جو خواتین وحضرات بین الاقوامی قانون اور قرآن وحدیث کے تناظر میں اس حوالے سے کام کرنا چاہیں وہ ہماری Email پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

عرب اسلام سے قبل ایک بہت بڑی قوم تھی ۔ آثارِ قدیمہ کے ماہرین نے حال ہی میں یہاں ایک لاکھ سال قبل کی تہذیب وتمدن کی نشان دہی کی ہے ۔ان میں ہزاروں سال پہلے مدائن صالح کی ترقی اور تعمیری شان وشوکت پر آج بھی ان کے محلات وکھنڈرات دلالت کرتے ہیں ۔ یمن میں بلقیس کی قومِ سبا بحیثیت ملک وقوم بہت ترقی یافتہ تھی ۔ ''مارب'' ڈیم اور اس کے نتیجے میں یمن سے سوئے شام نہروں کے دونوں جانب ہرے بھرے باغات کے تسلسل کا جو نقشہ قرآن کریم نے کھینچا ہے ، تاریخِ انسانی میں اسکی مثال ملنا اگر ناممکن نہ ہو، تو دشوار ضرور ہے ۔ تَبابِعَہ اور مَناذِرہ وہ جلیل القدر ملوک تھے ،جو بادشاہ تُبَّع اور نعمان بن منذر کی طرف منسوب ہیں ۔ ان کی عالیشان درباروں اور جرّار لشکروں کا اندازہ ان پر بنی ہوئی عربی فلموں سے لگایا جا سکتا ہے ۔ حجاز بطورِ خاص مکہ قبیلۂ قریش کی وجہ سے ہمیشہ ایک آزاد نظم ونسق کے تحت قبائلی نظام کے تابع رہا ، شامِ عرب ، عراقِ عرب اور سیستانِ عرب میں بھی قدیم تاریخ کے اوراق میں عرب حکمرانوں کا مفصّل تذکرہ ملتا ہے ۔تاریخ کے علاوہ جدید ڈی این اے ٹیسٹوں سے بھی یہ ثابت ہو چکا ہے کہ جزیرۃ العرب انسانیت کا مرکز رہا ، انسانی سوسائٹی یہیں سے ہوتے ہوتے پوری آباد دنیا میں پھیلی ۔ان حقائق کے تناظر میں جب محقق اس قوم اور اس کے وطن

پر نگاہ ڈالتا ہے، تو اسے آسانی سے پتہ چل جاتا ہے، کہ یہ علاقہ اور یہاں کی قوم میں صدیوں سے سیاست رہی ہے، قبائلی نظام میں ویسے بھی بچہ بچہ سیاسی ہوتا ہے، قبائل اور برادری میں جرگوں کے نظام سے وہ بہت کچھ سیکھتا ہے، دیہات میں ان کے یہاں ہر گھرانے سے ایک فرد حجرے کی پارلمنٹ کا ممبر ہوتا ہے اور مختلف دیہاتوں میں ہر دیہات سے ممبر لئے جاتے ہیں، یہ کوئی باقاعدہ تحریر شدہ معاھدے کے تحت نہیں ہوتا بلکہ سینہ بہ سینہ محفوظ روایات ان کے اس نظام کی محافظ ہوتی ہیں، حجاز میں اسی طرح، کا قبائلی نظام ہی رائج تھا، جسے عربوں کے یہاں (عُروبۃ) کہا جاتا ہے، مشکل یہ تھی کہ اس وقت کا قبائلی نظام آج کے نازی ازم اور فیوڈل ازم کی طرح خون، نسل اور قوم پر قائم تھا، جس سے خونی اور نسلی تعصب عروج پر چلا جاتا تھا، اس نظام میں لڑاکا لوگوں کی اہمیت بہت ہوتی ہے، رئیس، سردار، خان اور نواب سے محبت پوجا کی حد تک ہوتی ہے، خواتین اور نوزائیدہ بچیاں یہاں تعذیب کا شکار ہوتی ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی، مرد انہیں اپنے لئے ویک پوائنٹ سمجھتے ہیں، اسی لئے نومولود بچیوں کو تو زندہ در گور بھی کیا جاتا ہے، اس معاشرے میں طاقتور کمزوروں کا خون چوستے ہیں، ان کی روز افزوں اہانت ہوتی ہے، طاقتور ماوراء یا مافوق الفطرت رومانوی سمجھے جاتے ہیں، اہل طاقت اور اہل غربت کی طاقت و غربت نسلوں میں چلتی ہیں۔

جناب نبی کریم ﷺ کی پیدائش کے وقت تمام عربوں میں یہی خونخوار نظام رائج تھا تبابعہ، مناذرہ، اہل سبا اور قوم صالح کی بادشاہتیں بھی ناپید ہو چکی تھیں، بات بات پر لڑائی چھڑ جاتی، تو برسوں تک اس میں قتل وغارت گری کا بازار گرم ہو جاتا،

حربِ بَسوس کی لڑائی کسی کے چراہ گاہ میں فاختے کے انڈوں پر ایک اونٹنی کے پیر پڑ جانے سے شروع ہوئی تھی، جس میں عربوں کا ایک عظیم رئیس کلیب اور شاہ تُبع کے ساتھ ساتھ ہزاروں جانیں ضائع ہوئی تھیں، لیکن جنگ تھی جو کسی طرح ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی، یہی ایام تقریباً آپ ﷺ کی ولادت باسعادت کے ہیں۔

آپ ﷺ نے خاموشی کے ساتھ اس قوم میں اپنی حیاتِ طیبہ کی چالیس بہاریں ایسی گذاریں کہ کردار، گفتار، حیاء، عفت، سیرت، صورت، امانت، دیانت، شجاعت، اور معاشرت میں ''امین وصادق'' کے القاب اور ایوارڈز حاصل کرلئے، حلف الفضول نزاعات کے پر امن حل کا ایک معاہدہ ہوا، آپ ﷺ نے اس کی مکمل تائید وتاکید فرمائی، بیت اللہ کی تعمیر میں حجر اسود کے اپنے مقام پر رکھنے کا معاملہ ہوا، جس پر کشت وخون کا خطرہ سب محسوس کرنے لگے، آپ ﷺ نے حجر کو ایک چادر میں رکھکر سب رؤسائے قبائل سے اٹھوایا اور پھر اپنے مبارک ہاتھوں سے مخصوص شدہ مقام پر رکھدیا تجارت میں آپ ﷺ نے مکہ وشام میں شفافیت کے جھنڈے گاڑ دیئے، حضرت، خدیجۃ الکبری سے عقد اسی وجہ سے ہوا۔

لیکن ان تمام صفاتِ حسنہ وعالیہ کے باوجود آپ ﷺ کو چین نہیں تھا، آپ ﷺ ہوش سنبھالنے کے بعد سے ہر وقت متفکر رہتے۔انسانیت کی اس ناہمواری، معاشرے میں ظلم وزیادتی اور جنگوں میں اس بے دریغ خونخواری کے حوالے سے سوچتے، یہاں تک کہ یہ سوچ آپ ﷺ کو غارِ حراء جیسے ایک گوشہ میں کئی کئی دن رات گذارنے پر مجبور کر گئی۔ حسنِ اتفاق سے آپ کی زوجۂ محترمہ متمول بھی تھی اور سمجھ دار بھی، وہ آپ ﷺ کے لئے توشہ تیار کرکے آپ ﷺ کے وہاں جانے پر صاد کرتی۔ قوموں اور پوری انسانیت کے لئے سوچ بچار کرنا اور عیش وعشرت کی زندگی گذارنا، مستیاں کرنا، محلات اور بڑی بڑی کوٹھیوں میں رہنا اگر جمع کرنا ممکن ہوتا توکاشانۂ خدیجہ آپ ﷺ کیلئے کافی تھا، لیکن فہمِ سیرت ہمیں بتاتی ہے کہ جب، معاشرے بگڑ جائیں، سماج تباہ ہوجائے، اقوام اور انسانیت تباہی کے دہانے پر ہو اور آپ کو اس کے متعلق تفکرات لاحق ہوں، تو پھر رات دن ایک کرکے طویل افکار اور سوچوں کے تلاطم خیز سمندروں میں غوطے لگا کر آپ اقوال وگفتار کے وہ ہیرے ڈھونڈ نکال سکتے ہیں، جس کی چمک اور روشنی میں صدیوں تک انسانیت راہ پاتی ہو۔ آج بھی قائدین وزعمائے انسانیت کو اسی طرح سرجوڑ کر بیٹھنا ہوگا، تاکہ انسانی معاشرے کو ہلاکت خیزیوں سے نکال کر کامیابیوں کے قریب لایا جاسکے، انہیں گردابوں سے نکال کر امن وآشتی کے ساحلوں سے ہمکنار کیا جاسکے۔

چنانچہ ان طویل و عمیق تفکرات کے نتیجے میں اللہ تعالی کو اپنے اس حبیب ﷺ پر رحم آیا اور انہیں انسانیت کے فلاح و بہبود کے لئے ایک مکمل ضابطۂ حیات دینے کی ابتدا فرمائی ،آپ ﷺ اپنی قوم اور اپنے ہی معاشرے وشہر میں رہے ، وہیں پر آپ ﷺ نے ’’ الاقرب فالاقرب‘‘ سے دعوت شروع کی ، ساتھی و رفقائے کار بناتے رہے ، جوں جوں دعوت و تبلیغ کا سلسلہ پھیلتا رہا، مخالفتیں اور عداوتیں بھی اتنی ہی ہمہ گیر ہوتی رہیں ،آپ ﷺ اپنی حکمت بالغہ سے ان کا مقابلہ فرماتے رہے ، کچھ ساتھیوں پر ظلم کے پہاڑ بھی توڑے گئے ،آپ ﷺ کے خلاف سازشیں ، پروپیگنڈے اور تمسخرات کا بھی ہجوم رہا، لیکن پائے استقامت میں فکری یا عملی کہیں لغزش نہ آئی ، حتی کہ شِعبِ ابی طالب میں آپ ﷺ کو بمع خاندان واہل اسلام تین سال تک مقاطعہ ، سوشل بائیکاٹ اور جلاوطنی کا سامنا بھی کرناپڑا، عرب کی گرمی اور موسم سرماکی سردی ، بچوں بوڑھوں ، عورتوں اورجوانوں کی کھلے آسمان تلے بے یارومددگار ، بھوک وافلاس کے وہ دن اتنے خطرناک ہیں کہ چشم تصور سے بھی بدن لرزہ براندام ہوجاتاہے ، لیکن اصولوں پر سودے بازی، ’’کچھ لو اور کچھ دو‘‘ کے مذاکرات ، لہجے میں ترتراہٹ نام کی چیز وہاں عنقا اور معدوم تھی، اس استقلال واستقامت کے بدولت قریش کو ناک رگڑ کراس ظالمانہ ، بہیمانہ اوروحشیانہ معاھدے سے دست بردار ہوناپڑا، مگردعوت و تبلیغ اور مقاومت ومقابلہ دونوں پھر بھی زوروں پر تھیں ،آپ ﷺ نے اپنے دوستوں کو ، شاہِ حبشہ نجاشی کے پاس بھیجا،انہیں وہاں تمکنت دعزت ملی

تو مخالفین بھی پہنچ گئے، لیکن اس سیاستداں نے اپنے پیروکاروں کو اصولِ سیاست اتنے ازبر کرائے تھے کہ قریش کو وہاں بھی منہ کی دکھانی پڑی۔

آخر کار جب چشم فلک نے آپ ﷺ کے استقلال اور مخالفین کے "استغلال" کو برداشت نہ کیا، تو آپ ﷺ کو ہمراہ اپنے اصحاب کے مدینہ منورہ ہجرت کی اجازت دی گئی، گویا آپ ﷺ ایک مرتبہ پھر جلاوطن کئے گئے، مدینہ منورہ پہنچ کر آپ ﷺ نے ایک عظیم سیاسی رہنما کی طرح نہایت بالغ نظری کا ثبوت دیتے ہوئے وہاں کے عرب قبائل اور یہود سے؛تاریخی "میثاقِ مدینہ" تحریر کرواکر مختلف النوع نسلی ومذہبی اکائیوں کے باہمی امن و سلامتی کی داغ بیل ڈالی، جس پر خود بھی سختی سے کار بند رہے اور دوسروں سے پابندی کراتے رہے، یہ میثاق قیامت تک متنوع نظریات وافکار کی حامل سوسائٹیز کے لیے مینارہ نور اور مشعلِ راہ ہے۔

بایں ہمہ جب یہاں بھی قریش نے آپ ﷺ کو چھیڑنے کی کوشش کی، تو آپ ﷺ نے اقدامی ودفاعی ہر طرح کی جنگوں کے سامانِ حرب وضرب کی تیاری شروع کی،

بقول ایک اسرائیلی سابق خاتون وزیر اعظم: "ہم نے سیاست اس سیاسی پیغمبر ﷺ سے سیکھی، جس کے گھر میں کھانے کو کچھ نہیں، پہننے کو کچھ نہیں، تعیش نام کی چیز نہیں لیکن آلاتِ حرب ایک سے ایک تھیں"، یہی وہ نکتہ ہے، جو قوموں کے عروج وزوال

کا سبب بنتا ہے، مشکل حالات میں، دشمن گھات میں بیٹھا ہو اور حکمراں داد عیش دے رہے ہوں، تو تباہی یقینی ہے، اور ہر قسم کے حالات میں عوام اور، حکمراں کفایت شعار ہوں، لیکن دشمن کے دانت کھٹے کرنے کیلئے وہ ہر طرح مسلح ہوں تو پھر کامیابی ان کے قدم چومتی ہے۔

آپ ﷺ نے مدینے میں ایک ایسی مثالی جمہوری، فلاحی ریاست قائم فرمائی، جس کی نظیر دنیا میں ملنا مشکل ہے، نہ وہاں بادشاہوں کی پوجا ہوتی ہے، نہ وزیروں کے نخرے ہیں، نہ پولیس کا رعب داب ہے، نہ اشرافیہ ہے، عوام ہیں نہ خواص، برابری و مساوات ایسی کہ آپ ﷺ خود بھی "عبداللہ ورسولہ" اللہ کے بندے اور ان کے رسول کے علاوہ نہ شہنشاہ ہیں، نہ رئیس ہیں، نہ صدر ہیں، نہ وزیر اعظم ہیں، نہ امپائر ہیں، نہ آپ ﷺ کے علاوہ کوئی اور، آپ ﷺ تک رسائی ہر کس و ناکس کی بس میں ہے اور آپ ﷺ کے کبارِ صحابہ تک بھی پہنچ ایک عام انسان کی طرح ہے، اسی لئے آپ ﷺ کی جماعت اور دائرہ کار میں روز افزوں وسعت ہورتی رہی اور آس پاس کے جعلی خداؤں کے بت گرتے رہے، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے صراحت کے ساتھ اپنے مابعد کسی جانشیں کا تعین بھی نہیں فرمایا، بلکہ اسے عوام پر چھوڑ کر وصال فرماگئے، کیا دنیا کی تاریخ ان مشکلات کے ساتھ حکومت وریاست حاصل کرکے ایک بے تاج بادشاہ بن جانے والے پھر اسی طرح جمہور عوام میں چھوڑ کر اسے نسلوں میں چلنی والی مملکتوں سے دور رکھکر جانے والے کی کوئی مثال دے سکتا ہے؟

آپ کی سیاست اپنی ذات، قبیلے اور خاندان کیلئے نہ تھی، مفادات کیلئے نہ تھی، نام ونمود کے لئے نہ تھی، انسانیت کے لئے تھی، ''کافر کافر ہی رہے لیکن معاشرت کے اصولوں سے تجاوز نہ کرے''کے اصول کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپ ﷺ حقیقی معنوں میں رحمت للعالمین تھے، صرف اہل اسلام نہیں منکرین کے لئے بھی، سیاست کا تعلق ہی عوام سے ہے اور عوام میں سب ہیں، لہٰذا آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کی روشنی میں آج بھی پوری دنیا کے مسائل کا حل موجود ہے، بشرطیکہ فہمِ سیرت اور فقہِ سیرت کی استعداد ہو، اور مخالفینِ اسلام تعصب کو بالائے طاق رکھ کر اس سیاستداں پیغمبر ﷺ کی سیاست سے استفادہ کرنے کی صحیح نیت کریں۔

صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم۔

مولانا بجلی گھر پشتو نُطق وخطابت کا تاجدار

انسان مناطقہ کے یہاں دیگر حیوانات سے وصف تکلم کے ذریعے ممتاز ہوتا ہے، ورنہ دیگر تمام اوصافِ انسانیت حیوانوں میں بھی کسی نہ کسی درجے میں پائے جاتے ہیں، اکل وشرب، مصاحبت، شعور، الم ودرد، خوشی ومسرت، نشونما، اعضاء اور باہمی مودّت ومحبت جیسی صفات انسان کے امتیازات واختصاصات نہیں ہیں، نطق وکلام اور معلوماتِ مُدرکہ میں غور وفکر کرکے انہیں ترتیب دے کر ان کا تجزیہ کرکے، وہ بعض مجہولات تک رسائی حاصل کرتا ہے، ان میں سے کچھ کا تعلق ماضی سے، کچھ کا حال سے اور کچھ کا استقبال سے ہوتا ہے، فکر کے ان نتائج کو جب وہ زبانِ قال سے بیان کرتا ہے یا لکھتا ہے، تو ایسے شخص کو مُدرِک، ناطق، متکلم، مفکر اور خطیب کہا جاتا ہے، خطابت وتکلم کا وصف اعلیٰ یا ادنیٰ ہر انسان میں مِن حیثُ الانسان پایا جانا اہل منطق وفلسفہ کے یہاں بالاتِّفاق مسلم ہے۔

انسان، شیطان اور جن کو باری تعالیٰ نے اس عظیم الشان وصف سے نواز کر اپنے ساتھ اور اپنی نورانی مخلوق فرشتوں کے ساتھ اظہار بیان میں شریک کیا، فرشتے ہمہ وقت تسبیح وتقدیس میں مشغول ہیں، ابلیس شیطانی اور نافرمانی کا پیکر ہے، رسالت ونبوت میں جن انسان کے تابع ہیں، جبکہ انسان ملائکہ کی خیر اور

شیاطین کے شر دونوں کا فطری طور پر علَم بردار ہے، خیر کی قوتیں انہیں اپنی طرف کھینچ سکتی ہیں، شر کی قوتیں اسے بدی کی دعوت دیتی ہیں، دونوں کی دعوت غیر اجباری اور غیر محسوس ہے۔

لہٰذا محسوس اور مشاھدے کے انداز میں بھی انسان کو رہنما کی ضرورت تھی، اس کیلئے حق تعالٰی نے مرسلین وانبیاء کا سلسلہ وحی کے رابطے سے شروع فرمایا، جس کا اختتام جناب سرور کائنات محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیا گیا، اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ انسانیت تا قیامت موجود اور اَوامرِ الٰہی کی مکلّف ہے، جبکہ رہنماؤں کا انتظام ختم کر دیا گیا، تو اس کیلئے کلّی یا جزئی تمام اقوام وازمان یا خاص قوموں اور زبانوں کیلئے مجدّدین اور مجتھدین کا ہر صدی اور ہزار یئے میں بندوبست کیا گیا، جو انسانیت کو اللہ تعالٰی کے پیغامات کی تذکیر و یاددہانی کے فرائض زبان و قلم سے دیتے رہینگے، انسانیت کی تفہیم و فہمائش ان کی ذمہ داری ہوگی، وعظ، خطاب، تقریر، دعوت و تبلیغ، اور تبشیر و تخویف میں جُتے ہوں گے، ان کا یہ کام زیادہ تر نطق وکلام "لساناً و قلماً" کے ذریعے ہوگا، یہ اللہ جل شانہ کی حکمت بالغہ کے طفیل انسانیت کیلئے اتمام حجت ہے۔

انسان حواسِ خمسہ سے بھی ایمانیات کا ادراک کر سکتا ہے، عقل سے بھی، لیکن

وحی چونکہ قطعی اور اٹل ہے ،اس لئے کلیات کیلئے اسے مدار بنایا گیا ،مذکورہ طویل تمہید سے یہ بات معلوم ہوئی کہ انسان کی تخلیق کچھ مقاصد جلیلہ کیلئے ہے ،اور ان مقاصد کی سمجھ نطق وکلام پر منحصر ہے ،جو انسان کا وصف امتیازی اور خاصہ ہے ، اب اس وصف میں جو ممتاز ہوگا وہ انسانیت میں بھی ممتاز ہوگا ، انسانیت پر اس کے کلام کے نیک وبد اثرات کی پرچھائیاں ابد تک یا دیر تک قائم رہینگی۔

چنانچہ تاریخ انسانی پر جب آپ طائرانہ ہی سہی نگاہ ڈال تے ہیں، تو اس میدانِ تخاطب کے عباقرہ کی فہرست اللہ تعالی کے فرستادہ انبیاء کے علاوہ بھی بہت طویل ومدید ہے : فلیپ، سکندر اعظم ، قُس بن ساعدہ الایادی ، عمرو بن معدیکرب الزبیدی ، ھانی بن قبیصہ الشیبانی عبدالمطلب ، عمر فاروق ، علی مرتضی ، سحبان بن وائل ، حجاج بن یوسف ، طارق بن زیاد ، زیاد بن ابی سفیان ، نپولین کا استاذ فیختہ ، داؤد بن علی ، شبیب بن شبہ ، عبد اللہ ندیم ، مصطفیٰ کامل ، سعد زغلول ، جمال عبد الناصر ، شاہ فیصل ، ابوالکلام آزاد ، محمد علی جوہر ، شوکت علی جوہر ، عطاء اللہ شاہ بخاری ، شورش کاشمیری ، جون ایف کنڈی مالکم ایکس ، ذوالفقار علی بھٹو ، صدام حسین ، نیلسن منڈیلا ، الطاف حسین ، مولانا فضل الرحمٰن ،طاہر القادری ، طارق جمیل اور مولانا محمد امیر بجلی گھر ان میں سے ہیں۔

بجلی گھر مرحوم پشتو خطابت میں لاثانی تھے ، گردشِ ایام نے پشتو میں ان جیسا باکمال جوشیلا، حاضرین کے جذبات سے کھیل کرہنسانے رولانے والا، شیریں بیان ،جری ، بذلہ سنج ، پر کیف اور پوری دنیاکے پٹھانوں میں مشہور خطیب کبھی بھی نہیں دیکھا، رحمان وخوشحال اگر پشتو شعر کے شہنشاہ ہیں ،تو مولانا بجلی گھر پشتو نطق وکلام اور خطابت کے تاجدار تھے،زندگی کے مختلف میدانوں میں متعدد لوگ صحرانوردیاں کرتے اورخاک چھانتے ہیں ،امر ہونا کسی کسی کی نصیب میں ہوتاہے،وہ خوش قسمت تھے کہ کارزارِخطابت میں امر ہوگئے ہیں۔کلام میں کچھ تضمین کے ساتھ ،پشتوشاعر انہیں خیبر کے گلے کاہاراور اس کے چمن کا بہار قرار دے رہاہے، ملاحظہ ہو:

خیبرہ ستانا تپوسونہ کوم
پہ زڑہ زخمی یمہ آہونہ کوم
ستاد غاڑے خکلے ہار سہ شو
ستادچمن خکلے بہارسہ شو

وہ سیاسی طورپر کچھ نہ کچھ جمعیت علماء اسلام سے وابستہ رہے ، لیکن انہوں نے اپنے آپ کو کبھی متنازع نہیں ہونے دیا، وہ عہدوں اور مناصب سے گریزاں رہے، انہوں نے حامیوں ہی نہیں مخالفین کو بھی اپنی خطابت اوراپنے علم

ودانش کے سحر میں گرفتار کئے رکھا، اس لئے ہر کوئی ان کا مداح تھا، ان سے محبت کرنے والوں میں لبرل، سیکولر، جدت پسند، قدامت پسند، چھوٹے، بڑے، دیہاتی شہری، دینی مدارس کے تعلیم یافتہ، عصری اداروں کے سٹوڈنٹس، دیوبندی، بریلوی، شیعہ، جہادی، غیر جہادی، شاعر، ادیب، صوفی، تبلیغی، گلوکار، مزاحیہ نگار، فلموں کے پرستار، عوام اور حکمراں ہر کوئی ہے۔

ذکر ان کا چھیڑ کر دیکھے کوئی اے عارفی
بے خودی کیا چیز ہے وارفتگی ہوتی ہے کیا

اللہ تعالی نے انہیں حسن سیرت، صورت، تکلم، لے، نغمہ، لباس، علم، ادبیت، بہادری نکتہ رسی، ہمہ گیریت، تبحر علمی، ذھانت، فطانت، حافظہ، خاندانی شرافت، فصاحت، بلاغت، سیاست اور للکار جیسی گوں نا گوں صفات سے متصف کر دیا تھا، مگر تھے وہ خطیب ہی، ان کی شخصیت پر خطابت ہی کا وہ رنگ غالب تھا، جس میں ان کا ہمسر پختونوں کی تاریخ میں کوئی نہیں گذرا، ویسے اردو، عربی، فارسی، ہندکو اور پنجابی میں بھی موقع و محل کی مناسبت سے خطابت کرلیا کرتے تھے، البتہ بنیادی طور پر پشتو زبان ہی ان کی جولاں گاہ تھی، ان کی خطابت کے دوران کے اقوال عام پختونوں میں بطور استعارات و ضرب الامثال استعمال ہوتے ہیں۔

وہ ایک ایسے سخنور تھے جو زندگی کے ہر شعبے اور شہریوں کے ہر طبقے سے متعلق

عام فہم اور دلچسپ انداز میں بالکل کرنٹ موضوعات پر سحر انی کرتے تھے ،خواتین کی بے پردگی ، حکمرانوں کا کرپشن اور استعماری قوتوں کی چیرہ دستیاں ان کا خاص موضوع تھا عربی ،فارسی ، اردواور پشتوکے اشعار ان کی نوکِ زبان پر تھے ، حکمرانوں کی کرپشن پر ، ان کا فارسی کا یہ شعر مشہور تھا :

گربہ میرو سگ وزیر موش را حیراں کنند
ایں چنیں ارکانِ دولت ملک را ویراں کنند

پولیس کے خلاف بولتے ،تو یہ ان کی عبقریت تھی کہ خطبے ہی میں یہ الفاظ ملادیتے ،"نعوذ باللہ من شرور انفسنا و من سیئات اعمالنا، ومن ڈی ایسپینا ، والیس پینا، و من کمشنرنا"

۔

علماء کے خاص مجمعے میں ان کی بھی خوب خبر لیتے،ان کے لیے عربی میں خطاب کرتے دارالعلوم سرحد کے جلسۂ دستاربندی میں موصوف کی مشہور عربی تقریر اسی سلسلے کی کڑی ہے۔

وہ میرے استاذ الاساتذہ تھے ، میں ان سے ملنے جاتا تھا،ان کے بیان کا شوقین تھا،ان کی خطابت کا تعلق ان کے ایکشن اور ڈائیلاگ سے بھی تھا،صرف آواز سن کر بسا اوقات ان کی بات سمجھنا آسان نہیں ہوتا تھا،اور بعض اوقات ان کے

اشاروں سے ہی بات مکمل طور پر ذہن نشیں ہو جاتی ، وہ طنز و مزاح میں سمجھانے کا ڈھنگ جانتے تھے، سامعین کو ساتھ لیکر چلتے تھے۔ قصے کہانیوں کے بجائے وہ اخلاقی اور معاشرتی برائیوں پر بیشتر گفتگو کرتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے قید و بند کی صعوبتیں بھی برداشت کیں ، ان کے خلاف لاہور تک ماڈرن خواتین نے جلوس نکالے ، مارشلاؤں میں نظر بندیوں کے اسیر رہے ، سیاسی پارٹیوں نے انہیں دھمکانے کی کوششیں کیں، اخبارات میں ان کے خلاف مضامین چھپے ، پشتو کے مشہور مزاحیہ شاعر میر اویس کو بھی ان کے خلاف استعمال کیا گیا، مگر وہ اکیلے ان سب پر مرتے دم تک بھاری رہے۔

وہ ایک جید عالم دین ہونے کے ساتھ ساتھ پُر وقار شخصیت کے مالک ، عربی ادب کے شہسوار اور انگریزی خواندہ بھی تھے ۔ان کا نورانی چہرہ ان کے تقوی، للّٰہیت اور اخلاص کا ترجمان تھا،ان کے کلام میں اثر اور طاقتِ پرواز تھی، وہ (پشاور پاور ہاوس) بجلی گھر مسجد کے امام وخطیب تھے ، مگر معاش کیلئے وہ ایک بڑے میڈیکل اسٹور کے مالک تھے ، مسجد کمیٹی کے نمک خوار نہ تھے، وہ اپنی آواز کی حریت پر ہرگز سمجھوتہ کرنے کے لیے تیار نہ تھے،وہ گلستانِ پشتو ادب کے صحیح معنوں میں وہ دیدہ ور تھے جس کے لیے نرگس ہزاروں سال اپنی بے نوری پہ روتی ہے۔ 85 سال کی عمر پائی، خیبر پختونخوا کے عظیم ترین جنازوں میں سے ان کا جنازہ تھا، جس میں لاکھوں کا اجتماع تھا،اللہ تعالی جنۃالفردوس میں اعلی مقام

نصیب فرمائے۔

رورہی ہے آج ایک ٹوٹی ہوئی مینا اسے
کل تلک گردش میں جس ساقی کے پیمانے رہے۔

پورٹ الزبتھ: حیوانوں کی انسانی تربیت

جوہانسبرگ سے بذریعہ ہوائی جہاز ہم P.E پہنچے ، مولانا اسماعیل ڈیسائی شہر و مضافات کے علماء ،فضلاء اور عمائدین کے ساتھ استقبال کے لئے موجود تھے ، شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان ایک عظیم مدرس ، محدث ، مصنف ، مہتمم اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان واتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کے عرصۂ دراز سے صدر ہیں یہاں جنوبی افریقہ کے علماء میں ان کے تلامذہ و مسترشدین کی تعداد بے شمار ہے،پانچ چھ سال قبل حضرت شیخ ان ہی علماء کی دعوت پر وہاں جلوہ افروز تھے ،ساؤتھ افریقہ کے علماء منظم بھی ہیں اور دینی کام کے ساتھ بطور خاص رفاہی خدمات کا پورے ملک میں ان کا مستحکم نیٹ ورک بھی ہے ، سیاست کے بجائے خدمت ان کا شعار ہے،ان کا سکول تعلیم کے ساتھ ساتھ دینی تعلیم کیلئے مکتب سسٹم قابل دید اور قابل تقلید ہے۔

پورٹ الزبتھ ایک خوبصورت ،کشادہ اور چمن زار شہر ہے، یہاں کالے ، گورے ،انڈین ،کلرڈ، مسلم ،عیسائی ، یہودی اور ہندو سب باہمی احترامِ انسانیت کے ساتھ رہتے ہیں ، غلام یہ بھی رہ چکے ہیں ، شہر کے نام ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے ، ڈچ اور انگریزوں کے مظالم کا تخمینہ آپ صرف اس سے لگائیں کہ ان

استعماری قوتوں نے جنسی زیادتی کو بطور ہتھیار اتنا استعمال کیا کہ آج یہاں گورے مرد اور کالی عورت کی یہ نسل جو کلرڈ (مُلوّنین) کہلاتے ہیں ۳۵ لاکھ سے متجاوز ہے ، اللہ تعالی کو ان پر ترس آیا تو انہیں نیلسن منڈیلا دے دیا ، جو آج صرف ساؤتھ افریقہ نہیں دنیائے انسانیت کے عظیم رہنما سمجھے جاتے ہیں ، ہم لوگ کم فہمی سے چونکہ ہر لال ڈاڑی والے کو شاہ گل سمجھتے ہیں اس لئے یہاں اگر کوئی قومی مجرم ایک دو ماہ جیل کاٹ کریا جلاوطن رہ جائے تو ہم اسے منڈیلا کا لقب بڑی ارزانی سے دے ڈالتے ہیں ، حالانکہ ہر کس وناکس کو منڈیلا سے تشبیہ دینا ان کی طویل ترین جدوجہد کی توہین ہے، کبھی موقع ملے تو ان کی خود نوشت ''آزادی کی شاہراہ'' پر ضرور مطالعہ فرمایئے گا۔

مولانا ڈیسائی نے کہا کہ حضرت مولانا مسیح اللہ خان مرحوم جب ساؤتھ تشریف لاتے تو پی ای ضرور قدم رنجہ فرماتے ، ایک مرتبہ انہیں '' ڈولفن شو'' میں لے گئے وہ بڑے محظوظ ہوئے تھے ، چونکہ حضرت مولانا سلیم اللہ خان ان ہی کے ہاں جلال آباد میں پڑھے تھے ، ان کے شاگرد اور حلقۂ ارادت سے وابستہ تھے ، یہ حوالہ دے کر ڈیسائی صاحب نے شیخ سلیم اللہ خان کو وہاں جانے پر قائل وراضی کرلیا تھا۔

یہاں گورنمنٹ نے تفریحِ طبع کی خاطر آبی حیات سے متعلق زندہ ونوشتہ قسم قسم

کی معلومات اکٹھی کی ہیں، وہ سب کچھ دیکھنے سے تعلق رکھتا ہے، مگر ڈولفن کی جو تربیت کی گئی وہ نمایاں ہے۔ ان کا معلّم ان کے ساتھ تیراکی و پیراکی بھی کر رہا تھا۔ فٹبال بھی کھیل رہا تھا، زیر تربیت ڈرائیور کی طرح ان کو مختلف مگر مناسب زگ زیگ راستوں سے بھی گذار رہا تھا، انہیں کھلا بھی رہا تھا، کبھی یہ پانی میں اتر کر ان سے کھیلتا اور کبھی وہ خشکی میں آکر ان کے قدموں کا بوسہ لیتے، کبھی ناظرین پر ان سے اس طرح پانی پھینکوا تا کہ سب بھیگ جاتے، یہ آواز دیتا، وہ جواب دیتے، قریباً ڈیڑھ گھنٹے تک یہ تماشا رہا۔

نیٹ پر ہاتھیوں کو سونڈ سے لکھتے ہوئے، بندروں سے کام لیتے ہوئے تو دیکھا تھا، اور کبوتروں سے پیغام رسانی تو بہت مشہور ہے، لیکن اتنی پرفیکٹ تربیت بچشم خود پہلی مرتبہ دیکھنے میں آئی، میں سوچ رہا تھا کہ ایک گونگے حیوان کی تربیت یہ لوگ اتنا بہترین کر سکتے ہیں، اور خود ان حیوانات کے خالق کی شناسائی سے بے بہرہ ہے، آخر کیوں ؟

سیلانی کی طرح میں سوچتا رہا، سوچتا رہا اور سوچتا چلا گیا۔

ایک دن اس کا شاید ناقص سا جواب ہی سہی مگر مجھے مل گیا، وہ یہ کہ ہم اہل اسلام شاید ''دعوت و تبلیغ'' کے تقاضے صحیح طرح پورے نہیں کرتے، اور الزام

انہیں دیتے ہیں ، ہمارے قول و فعل کا تضاد نہ صرف مسلمانوں کو بلکہ اسلام کو بھی عالمی سطح پر بدنام کر رہا ہے۔ ہماری سیاست ، معیشت ، تعلیم ، میڈیا ، رفاہی خدمات ، عدلیہ شہریت اور مسالک کیا چیز ہے جو اغیار کے لئے متاثر کن ہو؟ یا تو ہمارا اپنا عقیدہ و ایمان، اسلام اور پیغمبر اسلام کی تعلیمات کے متعلق پختہ نہیں ، الاماشاء اللہ ، اور اگر پختہ ہے اور ہم اہل حق ہیں تو پھر ہمیں سوچنا ہو گا کہ خرابی کہاں ہے ، اغیار کفر میں بضد ہیں یا ہمارا فہم اور فہمائش ناقص ہے ، کیونکہ دنیا کو دورِ حاضر کی ترقی یافتہ جہالت کا سامنا ہے، لوگ نجات کی راہوں کے متلاشی ہیں، اسلام ہی راہ نجات ہے، لیکن اسلام کی وسعت نظری ، وسعت ظرفی ، ہمہ گیریت کو کون سمجھے اور سمجھائے ، اسلام سلامتی سے ہے اور ایمان امن سے ہے ، دنیائے بشریت کو آج اگر کسی چیز کی ضرورت ہے ، تو وہ "امن و سلامتی" ہے، اسلام کے امن و سلامتی والے پہلو کو اجاگر کرنے کی ضرورت ہے اگر ہم اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ حیوانات کی تربیت کر سکتے ، ہیں تو ہم اُن انسانوں کی کیونکر نہ کر سکے۔

سانحہ لال مسجد..اصل گیم کیا تھا

جامعہ فریدیہ ،لال مسجد اور بالخصوص جامعہ حفصہ نے بہت تھوڑی مدت میں جو عظیم الشان خدمات انجام دیں ،جامعہ کے بانی مولانا عبد اللہ شہید اور ان کے فرزند کے اخلاص اور انتھک جدوجہد کا ایک نمونہ ہیں، ملک بھر بالخصوص اسلام آباد جیسے آسائش پسند ماحول میں انہوں نے بڑی قربانیوں کے ساتھ دینی تعلیم وتربیت، مثالی نظم وضبط اور اخلاص وللّٰھیت کا ماحول بنایا ،اسلام آباد کے رہنے والوں کو قرآن وسنت کی مبارک تعلیمات کے قریب کیا، ان کو بامقصد زندگی کی تعلیم دی ،لوگوں کو اسلام کا بھولا ہوا سبق پڑھا کر ان میں دینی حمیت ، دوسروں کے لیے درد مند ہونا اور اسلام کی سربلندی کے لیے جینا مرنا سکھایا۔

۸ اکتوبر ۲۰۰۵ کو اسلام آباد سمیت ملک کے شمالی حصہ پر جس قیامت خیز زلزلے کی لہر آئی تھی، یہی مولانا عبد العزیز اور جامعہ فریدیہ کے معصوم طلبہ تھے، جو سب سے پہلے اپنے بھائیوں کی مدد کے لیے کشمیر کے پہاڑوں اور ہزارہ کے دیہاتوں میں پہنچے، جس وقت فوج سمیت کسی تنظیم اور این جی اوز نے حرکت بھی نہیں کی تھی ،انہوں نے امدادی کیمپ لگائے اور خیمہ بستیاں قائم کیں، یتیم بچوں اور بچیوں کو غیر ملکی خونخوار، ایمان وغیرت کے مہذب ڈاکوؤں کے رحم

وکرم پر چھوڑنے کی بجائے والدین جیسا سہارا دیا، ان کی عزت وناموس کا خیال رکھا، نا صرف یہ کہ باعزت چادر، محفوظ چاردیواری فراہم کی ؛ بلکہ ان کی تعلیم وتربیت کا بھی معقول انتظام کیا، یہی بہی خواہی ، ہمدردی اور محبت مولانا عبد العزیز اور غازی عبد الرشید شہید کے حصہ میں آئی جو گولیوں کی بوچھاڑ اور توپوں کی گونج گرج سے ذرا بھی متاثر نہ ہوئی ، دنیا نے استاد اور شاگرد کے بے مثال تعلق ومحبت کا مظاہرہ دیکھا، اِس مقدس رشتے کے پاس ولحاظ اور احترام کے عجیب وغریب مناظر دیکھے ۔

جامعہ فریدیہ ،لال مسجد اور جامعہ حفصہ کی بڑھتی ہوئی مقبولیت اوران کا وسیع نیٹ ورک اسلام دشمن عناصر کے لیے ایک بڑا چیلنج بنا ہوا تھا، سازش کار دیکھ رہے تھے کہ یہ خالص دینی آواز اسلام آباد کی بند گلیوں اور خاموش کوٹھیوں میں بڑی تیزی کے ساتھ داخل ہورہی ہے، دیکھتے ہی دیکھتے اسلام آباد کی سڑکوں پر نورانی ، معصوم چہروں والے طلبہ اور حجاب میں ملبوس حیادار طالبات کی چہل پہل شروع ہوئی ،جو کسی مثبت تبدیلی کا اشارہ دے رہی تھی ،یہ حکمرانوں کو بھی راست نہیں آرہا تھا ؛چنانچہ ۱۷ اکتوبر ۱۹۹۸ء کو لال مسجد کے صحن میں دن دیہاڑے فائرنگ کرکے مولانا عبد اللہ کو شہید کیا گیا،اور اس کے بعد بھی کئی بار اس مدرسے کو بند کرنے کی کوششیں کی گئیں،راقم السطور کی موجودگی میں مختلف بااثر حکومتی شخصیات نے کئی بار مذاکرات کے دوران جامعہ

فریدیہ یہاں سے منتقل کرنے کی بات کی، جنرل احسان الحق، شوکت عزیز اور اعجاز الحق سمیت کئی لوگوں کی کوشش یہی تھی، جس کے گواہ صدر وناظم اعلی وفاق، مفتی محمد رفیع عثمانی، مفتی منیب الرحمان وغیرہ حضرات موجود ہیں، پولیس ایکشن، چھاپوں اور لال مسجد انتظامیہ کے خلاف جھوٹے مقدمات قائم کرنے سمیت تمام اوچھے ہتھکنڈوں میں ناکامی کے بعد یہ نیا راستہ اختیار کیا گیا؛ تاکہ پوری قوت کے ساتھ اس تحریک کو دبایا جائے، یہ کوئی فوری فیصلہ نہیں تھا بلکہ اس کے لیے ایوانِ صدر اور سازشیوں میں پہلے سے رابطے تھے۔

اس واقعے کے حوالے سے ملکی تاریخ میں نہایت پیچیدہ اور نازک حالات کے اندر رہتے ہوئے بھی وفاق کی قیادت بالخصوص صدر وفاق نے جس مثالی عزم واستقلال کا ثبوت دیا اور نہایت سنجیدگی ومتانت کا مظاہرہ کرتے ہوئے لال مسجد کی تحریک کے مقاصد کو پرامن طریقے سے حاصل کرنے کی کوشش کی اور بڑے دور رس فیصلے کیے، ان کو سمجھنے کے لیے تمام واقعات کا پس منظر، ملکی وغیر ملکی پروپیگنڈوں سے الجھائے ہوئے تلخی کے ماحول کو سمجھنا اور تیزی سے بدلتے ہوئے حالات کی تہہ تک پہنچنا بہر حال ضروری ہے۔

جولائی ۲۰۰۷ سے ۱۱ جولائی تک دو قومی نظریہ کی بنیاد پر بننے والی مملکت اسلامی ۳ جمہوریہ پاکستان کے دارالحکومت ’’اسلام آباد‘‘ میں تباہی وبربادی

کا جو کھیل کھیلا گیا۔ اور اسلامی نظریہ حیات کی آواز بلند کرنے والوں کے ساتھ جو ظلم روا رکھا گیا۔ وہ تاریخ کے اوراق پر ثبت ہو چکا۔

اب رہتی دنیا تک آنی والی نسلیں اس خونی منظر نامہ کو تاریخ کے اوراق میں پڑھتی رہے گی۔ اس عظیم سانحہ کے پس منظر کو سمجھنے کی کوشش کرتی رہے گی یہ واقعہ کیوں رونما ہوا؟ اسکے لیے کیا کیا اسباب پیدا کیے گیے؟ کون کون لوگ تھے جو بہتے معصوم لہو کی بھاری قیمت وصول کر رہے تھے۔اور غیر ملکی آقاؤں سے دادِ تحسین پا رہے تھے؟ ہر شخص اپنے ذہنی پس منظر کے مطابق اور وقت وزمانے کی رعایتوں اور تاریخی عوامل کے زیر اثر رہ کر اس خونچکاں داستان کو رقم کرے گا۔ اور اپنے اپنے مطلب کے نتائج برآمد کرنے کی کوشش کرے گا۔یقینا کچھ لوگ ایسے بھی ہونگے جوان تمام واقعات کا پس منظر عینی شاہد کے طور پر بیان کرینگے۔ واقعات کو صرف واقعہ کے طور پر لکھنے اور واقعی نتائج فراہم کرنے کا دعوی کرینگے۔ مگر ہر تاریخی سانحہ کی طرح یہاں بھی صحیح صورت حال بیان کرنے والے کم ہی ہونگے۔

لال مسجد کے اس تاریخی واقعہ میں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا کیا کردار رہا، وفاق کی قیادت نے کیا کیا خدمات انجام دیں، کیا کوششیں بروئے کار لائی۔ وفاق کا موقف کیا تھا اور کیوں تھا، یہ سب کچھ بھی زیر بحث آئے گا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ جامعہ فریدیہ، جامعہ حفصہ اور لال مسجد کا وفاق المدارس کے ساتھ جو گہرا روحانی، تاریخی اور تنظیمی تعلق تھا اور سرپرستی کا رشتہ تھا۔ اس لحاظ سے اس کی قیادت پر ان حالات کی بھاری ذمہ داریاں تھیں، ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے اور حالات سے نبرد آزما ہونے کا ایک بڑا بھاری بوجھ قیادت کے کاندھوں پر تھے انھوں نے اپنے ذمہ داریوں کو نباہتے ہوئے جو عظیم کردار ادا کیا، ان حالات میں، نہایت سنجیدگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے جو درست سمت اختیار کی اور صحافتی دنیا کے بازیگروں کے رات دن بدلنے والے آراء اور چلتے پھرتے تجزیوں سے ایک طرف ہو کر دانشمندانہ فیصلے کئے وہ بھی تاریخ کا ایک اہم حصہ ہیں۔

وفاق کی قیادت کا موقف اور ان کا کردار سمجھنے کی اہلیت وہ آدمی رکھتا ہے جس کو وفاق کا پس منظر معلوم ہو، اس کا دائرہ کار اس کے سامنے رہے، پھر حالات کی سنگینی، مغربی دنیا کے پروپیگنڈے، ملک وملت اور دینی جامعات ومدارس کو کنٹرول کرنے والی سب سے بڑی تنظیم کے خلاف ان کی سازشوں اور سازشی عناصر پر اس کی گہری نظر ہو۔

بہر کیف وفاق المدارس کا ملک بھر میں اپنا ایک وسیع نیٹ ورک ہے، جس کے ساتھ

ہزاروں مکاتب قرآنیہ، مدارس عربیہ اور جامعات منسلک ہیں، یہ سب ادارے عظیم قومی امانت ہیں، جو بڑی قربانیوں اور انتھک جدوجہد کے بعد وجود میں آئے ہیں، یہ تمام دینی ادارے اپنی اپنی جگہ پر اسلام اور مسلمانوں کی تعلیمی، تربیتی اور فلاحی خدمات انجام دے رہے ہیں، ان اداروں کے ساتھ ہزاروں اساتذہ اور استانیوں کا تعلق ہے لاکھوں طلبہ وطالبات یہاں زیر تعلیم وتربیت ہیں، لاکھوں یہاں سے فارغ التحصیل ہو چکے ہیں، وفاق کی تنظیم بجائے خود وہ عظیم ورثہ ہے جو اکابر کی بہترین تعمیری صلاحیتوں تعلیمی تجربات اور اتفاق واتحاد کا مظہر ہے، پھر اس کے زیر اثر مدارس وجامعات کا حلقہ، اثر وارادات اور دائرہ کار بھی صرف پاکستان تک محدود نہیں؛ بلکہ بیرون ملک افریقہ، امریکہ، یورپ، آسٹریلیا، روس اور تمام ایشیائی ممالک اس کے اندر شامل ہیں، وفاق کی سند اور وفاق کے بزرگوں کے اعتماد کے بل بوتے پر ہی دنیا بھر میں وفاق سے وابستگان اور فضلاء مختلف فورمز پر اسلام اور مسلمانوں کی خدمات انجام دے رہے ہیں، جو اسلامی نظام حیات ہی کا حصہ ہیں، آج جو کچھ دینی بہار نظر آرہی ہے وہ انہی کے کوششوں کا ثمرہ ہے، مدارس ومساجد کے ذریعے جو دینی خدمات جس طور وطریقہ سے بھی انجام دیے جارہے ہیں ان کو اسلامی نظام معاشرت سے الگ یا متضاد نہیں خیال کیا جاسکتا۔

،مغربی سازش کاروں نے پوری دنیا کی میڈیا کو لال مسجد کی طرف متوجہ کیا تھا

پل پل کی خبریں ساری دنیا میں پھیلائی جارہی تھیں ، کٹھ پتلی انتظامیہ کو سمجھایا گیا تھاکہ ایک لائبریری پر نیم قبضہ کرنے والی یہ تحریک.بڑی ہی خطرناک ہے ،اس کو پوری قوت سے دبایا جائے،تاکہ حالات مزید دگرگوں ہو جائے ،اور دینی مدارس کو مشتعل کرکے میدان میں دھکیل کر جدید اسلحوں سے لیس فوجوں سے انہیں ٹکرایا جائے ،یہ صورت حال وفاق کی قیادت کے لیے بہت.بڑا چیلنج اوران کی سمجھ داری کے امتحان کے طور پر سامنے آئی، قیادت سالہا سال کی محنت ومشقت کے ثمرات ونتائج کو بیک لمحہ ختم نہیں کر سکتی تھی، جبکہ سازشی ایجنڈا یہی تھا کہ دینی قوتوں کے عوام پر روحانی تسلط کو چیلنج کیا جائے،اوران کو پاش پاش کرنے کے لیے ماحول اور اسباب فراہم کئے جائیں ۔

صدر وفاق نے شروع سے اخیر تک پرامن طور پر اس مسلہ کے حل کے لئے کوششیں کیں ، بار بار اسلام آباد کا سفر کیا، لال مسجد کی انتظامیہ سے مشاورت کی، حکومت سے مذاکرات کئے، سب طرف سے مایوسی کے بعد بھی پرامن راستہ تلاش کرنے کے لیے دن رات ایک کرکے آخری کوشش کرتے رہے، لیکن پرویز مشرف اور حکومتی ٹولہ معصوم بچیوں کو زندہ درگور کرنے پر بضد تھے ۔

افسوسناک واقعہ کے رونما ہونے کے بعد بھی وفاق کی قیادت نے قانونی چارہ جوئی کے لیے مشاورت جاری رکھی، سپریم کورٹ آف پاکستان کی مداخلت کا سہارا لیا

جامعہ حفصہ کے انہدام پر نوٹس دلوایا، صدر وفاق ہونے کی حیثیت سے جابر حکمران،
کے اس ظالمانہ اقدام کو عدالت کے اندر چیلنج کیا۔لال مسجد کی تحریک،ان کے منشور کی
حفاظت ،اساتذہ اور طلبہ کی رہائی، جامعہ فریدیہ اور لال مسجد پر سے پابندیاں ہٹانے
جامعہ حفصہ کی تعمیر،وفاقی درجات میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کے سالانہ امتحان کے،
لیے سہولت فراہم کرنے سمیت دوسرے اقدامات کئے۔

وفاق کی قیادت کو شہید کردہ مساجد کی دوبارہ تعمیر،دیگر مساجد ومدارس کے خلاف
گھناؤنی کاروائی کا نوٹس واپس لینے اور ان کی قانونی حیثیت کا باضابطہ اعلان کرنے سمیت
تمام مطالبات سے مکمل اتفاق تھا؛اور وہ اس بات پر اچھی طرح یقین رکھتی تھی کہ یہ
مطالبات نہ صرف تمام اہل وطن کے جذبات کا حصہ ہیں، طریقہ کار اس انداز سے ہو کہ
اپنے مطالبات منوانے کے لیے ماحول مناسب بنایا جائے ؛تاکہ خاطر خواہ نتائج کی امید
رکھی جاسکے ۔کیونکہ اخلاص اور للھیت کی بنیاد پر جب بھی کوئی ایسی تحریک اٹھائی گئی
جس کے اہداف بھی درست بتائے گئے،مگر تحریک پر کسی نظر نہ آنی والی قوت کا،
اثرجب بھی غالب رہااس کے نتائج تحریک کے عوامی منظر نامہ پر ابھرنے والے قائدین
کی خواہشات کے مطابق نہیں نکلے بلکہ سبوتاژ کئے گئے، اور یوں مخلص اور جانباز لوگوں
کی قربانیوں کو پس پردہ اغراض ومقاصد حاصل کرنے کے لیے آسان ذریعہ

بنایا گیا۔ عالمی منظر نامہ پر گہری نگاہ رکھنے والے جانتے ہیں کہ پچھلی کئی دہائیوں سے دینی قوتوں اور علمائے کرام کی کوششوں ،ان کی تحریکوں کے ساتھ یہی سلوک روا رکھا جارہاہے۔ وفاق کی قیادت کے سامنے یہ سارے خدشات بھی گردش کرتے رہے ،اور وہ چاہتی تھی کہ فیصلے وہ کئے جائیں جس کے نتائج کے لیے بھی نہ صرف پاکستان کی حد تک وہ تیار ہو ، بلکہ پوری دنیا میں جو بھی رد عمل سامنے آئے اس سے مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچے، اور دنیا بھر میں چلنے والے دینی سلسلے اس کی وجہ سے متاثر نہ ہو ں؛ کیونکہ وفاق اور اس کے فضلاء ،مدارس ،جامعات ، ان کے معاونین اور تربیت یافتہ داعیوں کا دائرہ کار ان سب ممالک کو شامل تھا جو اس واقعہ اور تحریک پر پہلے دن سے گہری نظر رکھے ہوئے تھے اور ہر اقدام کو کسی دوسرے پس منظر میں دیکھنے کی کوشش کررہے تھے، اور مستقبل کے حوالے سے اس بات کا اندازہ لگانا چاہتے تھے کہ ایک دینی مدرسہ یا مسجد کیا کچھ کر سکتی ہے۔

ہم بحیثیت ایک دوست کے اپنے ساتھیوں سے گذارش کرینگے ،کہ قربانی دینے سے قبل کچھ اپنے پس وپیش کے نازک حالات ، مشورہ دینے والے ساتھیوں اور چاروں طرف سے آنی والی تحسین و تنقید کی آوازوں کا نہایت غور سے جائزہ لیں ،تاکہ المیوں سے بچاجاسکے ، اور نتائج ۹۹ فیصد بھی نہیں سو فیصد ہو ں۔

مسلم اقلیات کیا سوچتے ہیں؟

گزشتہ دنوں ہمارا فیجی آئی لینڈ کا ایک سفر ہوا جس میں فیجی مسلم لیگ کے ساتھ ایک اجلاس ہوا، اجلاس کے بعد حسب پروگرام فیجی مسلم لیگ کے صدر جناب حفیظ الدین خان (جو کہ بقول ان کے ورلڈ بینک میں ہمارے سابق وزیر اعظم شوکت عزیز کے باس بھی رہ چکے ہیں) نائب صدر جناب ماسٹر عبدالقیوم صاحب، جناب مفتی زین العابدین صاحب اور احقر کے درمیان مسلم اقلیات کے مسائل پر تقریباً دو گھنٹے تک جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ نذرِ قارئین ہے۔

☆......حفیظ الدین خان صاحب فیجی پارلیمنٹ کے ممبر بھی ہیں، انہوں نے کہا: ''نقاب'' کا مسئلہ ہمارے یہاں آج کل بہت چلا ہوا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے اور ہم اس سے کس طرح نمٹیں؟

......میں نے عرض کیا کہ پہلے ہمیں اس مسئلے کا صحیح تجزیہ کرنا ہوگا، پھر جا کر بات سمجھ میں آئے گی، دیکھیں! ایک ہے چہرے کا نقاب اور دوسرا ہے سر کا دوپٹہ، جہاں تک سر ڈھانپنے کے لیے دوپٹے کی بات ہے، تو اس کی مخالفت انتہاپسندوں کے علاوہ کوئی کر ہی نہیں سکتا، لہٰذا اسے تو مسلم خواتین کو اختیار کرنے

میں عام طور پر کوئی مشکل شاید پیش نہیں آئے گی۔

دوسری چیز چہرے کا نقاب ہے، اس کی ذرا سی تفصیل ہے اور وہ یہ ہے کہ چہرے کا نقاب بھی غیر محرموں کے سامنے جمہور فقہاء کے ہاں ضروری ہے، جبکہ شیخ ابن باز اور ان کے تلامذہ کے علاوہ بعض عرب جدید فقہاء اسے لازم وضروری نہیں سمجھتے، دونوں فریقوں کے پاس دلائل کی کوئی کمی نہیں ہے، لہذا ہم یہاں اس محاکے میں نہیں پڑتے کہ ترجیح کس کو ہے، البتہ ہمارے یہاں ہندوپاک کے فقہاء نے فتنہ وفساد اور چہرے کی جاذبیت کی بناء پر عموماً جمہور کے قول کو لیا ہے، لیکن مخصوص حالات میں اس کے عدم ضرورت کا فتوی دیا ہے۔

☆..... خان صاحب نے کہا: دہشت گردی اور بنیاد پرستی کے اس دور میں خاص کر مسلم اقلیت ہونے کی بناء پر ہمارے لیے کچھ مشکلات ہیں۔

میں نے عرض کیا کہ ضرورتیں بعض مرتبہ ممنوعات ومحظورات میں اباحت پیدا ...... کردیتی ہیں۔ نیز اقلیات اور اکثریات کی وجہ سے بھی فقہی مسائل میں فرق ہوتا ہے، لہذا اگر واقعی کہیں ایسی مشکل ہو جس کی وجہ سے کسی مسلمان کو جسمانی یا روحانی، مادی یا معنوی ضرر کا اندیشہ لاحق ہو، تو ایسی صورت میں اھون البلیتین پر عمل کرکے بقول مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی (برطانیہ) نقاب کی

بجائے صرف دوپٹے کو اختیار کیا جائے، لیکن اس فرق کے ساتھ کہ ضرورت کی حد تک ہو، اس میں اپنی اشتہا شامل نہ ہو، کیونکہ اصل حکم قرآن کریم کا صرف دوپٹے یا نقاب کا نہیں بلکہ (وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاہلیۃ الاولی) یعنی خواتین کو گھر پر ہی رہنا چاہیے، اور اسلام سے قبل کی جاہلیت والے انداز میں شتر بے مہار کی طرح خواہ مخواہ کے لیے باہر گھومنا نہیں چاہیے، یہاں ہماری بعض مسلمان بہنوں کو یہ مغالطہ یا خوش فہمی ہو جاتی ہے، کہ مکمل پردہ کرکے جب چاہیں باہر جائیں جب چاہیں گھر میں رہیں، ایسی بات نہیں ہے، بلاضرورت مسلم خواتین کو گھر سے نہیں نکلنا چاہیے۔ میں نے یہ بھی کہا کہ خواتین کی آزادی یا حقوق نسواں کے ڈھنڈورے پیٹنے والے مغربی مفکرین بھی ایک نہ ایک دن حقوق نسواں یا آزادی نسواں کی اپنی اس افراط و تفریط سے واپس ہو کر اسلام کے اعتدال اور وسطیت والے راستے کی طرف ضرور آئیں گے۔

☆...... خان صاحب نے فرمایا: کیا اس دور میں کسی مسلمان مرد یا خاتون کے اہل کتاب سے رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونے کا جواز ہے؟

میں نے عرض کیا کہ اسلامی شریعت میں اہل کتاب سے مناکحت کی اجازت دی گئی...... ہے۔ میں نے مزید عرض کیا کہ آپ فیجی مسلم لیگ کے ذریعے یہ پیغام پھیلائیں کہ مسلمان یہاں کے مستقل باشندوں اور مختلف النسل لوگوں کے ساتھ شادیاں کریں

تاکہ آیندہ کے لیے یہاں اسلام اور مسلمان کی حفاظت بھی ہو، اور دعوت و تبلیغ کی راہوں میں وہ بچے سنگ میل کا کردار ادا کریں۔ نیز یہاں کے مسلمان اپنی عددی برتری کے لیے اپنی شریعت کے تعدد ازدواج والے فارمولے کو ضرور استعمال کریں، اور اس کی ترغیب بھی دیا کریں، تاکہ مسلم آبادی میں خاطر خواہ اضافہ ہوسکے۔

میں نے کہا کہ مسلمانوں نے بلا سوچے سمجھے اس عظیم الشان فارمولے کو غیر مسلموں سے متاثر ہو کر قیل وقال، چہ میگوئیوں اور پیچ در پیچ سوالات کا گورکھ دھندا بنا دیا ہے، جبکہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کے یہاں تعدد ازدواج کی مثالیں بے شمار ہیں، جن سے مسلمانوں کی عددی برتری کے علاوہ ان کی جنسی ضروریات کا جائز اور قانونی حل بھی نکلتا ہے، ورنہ ......

☆...... ایک سوال یہ کیا گیا کہ ہم عالم اسلام سے کس طرح اپنے روابط بڑھائیں؟

میں نے عرض کیا کہ عالم اسلام کی بجائے آپ دنیا کے کونے کونے میں موجود مسلم ...... اقلیات سے اپنے ارتباطات قائم کریں، اپنے تجربات انہیں بتائیں، ان کے تجربات سے آپ استفادہ کریں، اور یوں O.I.C کی طرح عالمی سطح کی مسلم اقلیات

پر مشتمل ایک مؤثر جمعیت اور ایک پلیٹ فارم بنائیں، کیونکہ آج جتنے مسلمان مسلم ممالک میں ہیں تقریباً اتنے ہی غیر مسلم ممالک میں بھی ہیں، پھر اسلامی تنظیم کانفرنس میں وہ جان بھی نہیں جو ہونی چاہیے۔

اس پر ان حضرات نے کہا کہ کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ اسلامی تنظیم کانفرنس کو مسلم اکثریتی ممالک تک محدود کرنے کی بجائے اس سے تمام ممالک میں موجود مسلمانوں پر محیط بنایا جائے، تاکہ اس تنظیم میں ہر قسم کی قوت اور فعالیت لائی جاسکے؟

میں نے کہا کہ بالکل، اس کی کوششیں مسلم اقلیات کی طرف سے بھی برابر رہنی چاہییں، تاکہ او آئی سی کو اپنا بین الاقوامی کردار ادا کرنے میں اطراف عالم سے تایید وحمایت حاصل ہوجائے۔ میں نے کہا؛ حقیقت تو یہ ہے کہ عالم اسلام اور عالم غیر اسلام کوئی چیز نہیں ہے، ''مسلم ہیں ہم، ہے سارا جہاں ہمارا'' کو مدنظر رکھ کر یہ کہا جاسکتا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بین الامم والاقوام اور للعالمین والکائنات رسالت کے پیش نظر ہمیں گلوبلائزیشن کے اس دور میں بطور خاص پوری دنیا کو اسلامی دنیا کہنا چاہیے، لیکن انتظامی لحاظ سے کچھ فروق کا اعتبار ظاہری طور پر کرنا ہی پڑتا ہے۔

اسی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے یہ عرض کیا گیا کہ عالم اسلام سے قطع رابطہ کی بات نہیں ہو رہی، بلکہ مسلم اقلیات کو باہمی ایک دوسرے سے استفادے پر زور دیا جا رہا ہے، لیکن عالم اسلام یا دیگر مسلم اقلیات سے تعلقات میں اس کا سختی سے اور نہایت باریک بینی کے ساتھ خیال رکھا جائے کہ ان کے فرقہ وارانہ انتشارات، تشتتات، باہمی نزاعات، اختلافات ودیگر امراض کی بجائے ان کی خوبیوں اور اچھائیوں پر نظر ہو، ورنہ اس سے مزید نقصان کا اندیشہ ہے۔

حفیظ الدین خان صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا کہ آپ کی بات ٹھیک ہے چونکہ پوری یا پھر صہیونیوں کی حکومت ہے، اس لحاظ سے تمام ملکوں اور UN دنیا پر اس وقت قوموں اور مذاہب کی شماریات کو اگر دیکھا جائے تو گویا یوں کہا جا سکتا ہے کہ مسلمان بین الاقوامی سطح پر یا بالفاظ دیگر بین الاقوامی حکومت میں ''اقلیت'' ہی ہیں، اس پر ماسٹر عبدالقیوم صاحب نے انہیں برجستہ کہا کہ یہ آپ کا ورلڈ بینک کا تجربہ ہے۔

میں نے موضوع کو پھر سے لے کر کہا؛ آپ کی ''فیجی مسلم لیگ'' ہندوستان کی جمعیت علماء ہند'' ساؤتھ افریقہ کی ''جمعیت علماء جنوبی افریقہ'' انگلینڈ کی ''جمعیت علماء برطانیہ'' امریکا کی ''کیر'' وغیرہ ایسی تنظیمیں ہیں، جن

میں باہمی مختلف جہتوں سے بہت حد تک یکسانیت ہے، اگر ہم اپنے ملک پاکستان میں پانچ وفاقوں کو متحد کرکے ایک اتحاد تنظیمات مدارس بنا سکتے ہیں ورکنگ ریلیشن شپ کے لیے، تو آپ بھی اسی طرح مذکورہ بالا جماعتوں سے ابتداء کرکے کام شروع کیجیے۔ پھر دیکھئے کہ آپ کو کتنے مثبت اور زوداثر نتائج ملتے ہیں۔

☆...... مفتی زین العابدین صاحب نے کہا کہ ہماری تعلیم کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں گے؟

میں نے کہا کہ مفتی صاحب آپ کو ملک کے معروضی حالات کے مطابق فکر و تعلیم...... دینی ہوگی، یہ عالمی سطح پر ''نظریاتی جنگ'' کا زمانہ ہے، اس میں اگر آپ کا طالب علم اپنے اردگرد کے ماحول سے لاعلم ہوگا، تو وہ بے پناہ نقصان اٹھائے گا۔ چنانچہ آپ اپنے ماحول کے مطابق تقابل وتعارفِ ادیان کا پیریڈ ضرور رکھا کریں، اور یہ یاد رہے کہ ادیان سماویہ کا تعارف کافی نہیں ہوگا، بلکہ ان کے ساتھ ادیان وضعیہ یا اصطناعیہ جیسے سوشلزم، کمیونزم، کیپٹلزم، نیشنلزم، فاشزم وغیرہ اور ان کے بانیوں اور قائدین کا بالتفصیل تذکرہ بھی شامل ہوگا، نیز عربی، انگریزی اور ماحول کے مطابق اہم زبانوں کے ساتھ آئی ٹی کے شعبے کو بھی اپنے طلبہ کے لیے فعال کرنا ہوگا، تب جاکر اس تلاطم خیز طوفان اور گھمسان کی جنگ میں آپ کے طلبہ سے کچھ کامیابی کی امید کی جاسکتی ہے۔

میں نے

عرض کیا کہ آپ کو فقہ الاکثریات کی بجائے فقہ الاقلیات اور مسلم اقلیتوں کے لیے فقہی رخصتوں کو بھی نمایاں جگہ دینی ہوگی۔

نیز میں نے یہ بھی کہا کہ یہاں فیجی آئی لینڈ، جنوبی افریقہ اور موزمبیق میں دینی مدارس چلانے والے علما سے ہمیں ایک شکایت ہے، کہ ان کے ممالک میں سرکاری زبان انگریزی یا پرتگیش اور ہماری مذہبی زبان عربی ہونے کے باوجود ان کے مدارس میں زبانِ تعلیم اردو ہے، جس سے کماحقہ فوائد ان ملکوں میں سامنے نہیں آرہے ہیں۔

اس پر حفیظ الدین خان صاحب نے کہا کہ مولانا! آپ سے بھی ہماری یہی درخواست ہے کہ ہمارے طالب علم جو آپ کے ملک میں اسلامی تعلیم کے لئے آئے، انہیں آپ عربی اور انگریزی میں مہارت کے علاوہ ان کو ہمہ جہتی معاملات خصوصاً رفاہی خدمات کے لئے تیار کیا کریں، میں نے کہا کہ آپ کا یہ پیغام اپنے دینی مدارس کے منتظمین کو پہنچاؤں گا۔

میں نے گزارش کی کہ آپ اپنے ملک کے تمام شعبوں میں خدمت کے لیے مسلمانوں کی ایک نئی نسل تیار کریں، جو اقتصادیات میں، سیاسیات میں، فلسفے میں، کھیل میں، سائنس میں، ٹیکنالوجی میں، میڈیا میں، تعلیم وتربیت میں غرض ہر میدان میں

ایسے کارنامے انجام دیں جس سے مسلمانوں کے وقار میں اضافہ ہو، مثلاً آپ انڈیا کے سابق صدر عبدالکلام کو لے لیں، فرانس کے زیڈان کو لے لیں، محمد علی کلے کو لے لیں، تاکہ لوگ انہیں بطور نمونہ کے پیش کر سکیں، اب تو صورت حال یہ ہے کہ جدید دنیا میں مسلم اقلیات ہی کیا مسلم اکثریات بھی قدرتی وسائل سے ہٹ کر صنعتی دنیا کے لیے بوجھ بنے ہوئے ہیں، ہمیں یہ سب تھیوری بدلنی ہوگی، تب جا کر کہیں امت کا سر فخر سے بلند ہوگا، اس کی بنیاد آپ کے نصابِ تعلیم و نظام تربیت پر ہے۔

بہرحال اس طرح کی کئی موضوعات پر نہایت سیر حاصل گفتگو ہوئی، اپنی ڈائری میں سے یہ چیدہ چیدہ باتیں میں نے اپنے دوستوں کے لیے مرتب کیں۔

جمہوریہ مالی میں فرانس کی گرم مداخلت

دنیا کا بیسواں بڑا ملک اور قدرتی وسائل سے مالا مال موجودہ جمہوریہ مالی مغربی افریقہ میں الجزائر، نائیجر، برکینافاسو، آئیوری کوسٹ، گنی، سینیگال اور موریطانیہ کے درمیان واقع ہے، اس کا کل رقبہ 1240000 کیلومیٹر ہے، آبادی تقریبا15 ملین ہے، دارالحکومۃ ''بماکو'' ہے، ''تمبکتو'' اس کا تاریخی، علمی اور شہرہ آفاق شہر ہے، اسکی سطح زمین پر دریائے نائیجر وسینیگال دونہریں بہتی ہیں، جن کی وجہ سے زراعت اور مچھلی کے شکار پر اسکا اقتصادی ڈھانچہ قائم ہے، قدرتی وسائل میں سے سونا یورینیم فاسفورس کے مرکبات، گرینائٹ، نمک اور چونے کی بیش بہا وسیع وعریض کانیں بکثرت ہیں، تقریباً پچانوے فیصد لوگ سنی صوفیاء مسلمان ہیں، ایک فیصد عیسائی، بقیہ متفرق ہیں، مالی میں دنیا کی قدیم ترین جامعات میں سے ایک ''جامعہ سان کورے sankore '' تمبکتو میں ہے، شرح تعلیم ساٹھ فیصد ہے، مسلمانوں کا ہمارے یہاں کے درس نظامی کی طرح اپنا مستقل نظام ونصاب تعلیم ہے، جو گریجویشن اور ڈاکٹریٹ کی ڈگریوں تک کی تعلیم مہیا کرتا ہے، فرانسیسی استعمار کی وجہ سے سرکاری زبان فرنچ اور مراعات یافتہ طبقہ عیسائی ہیں، لیکن یہ دونوں یہاں آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں، ''میندن'' اور '' فولو'' قوموں کی زبانوں بمبارا وفولانی کے بعد یہاں بربر اور طوارق کی وجہ سے تعلیم یافتہ لوگوں کی

زبان عربی ہے ،جامعۃ الازہر ،مدینہ یونیورسٹی ، کنگ سعود یونیورسٹی، اور لیبیا کی الفاتح یونیورسٹی میں مالی طلبہ کی تعداد بہت ہے۔ میندن کی سلطنتِ مالی (mali empire) 1235 ء میں قائم ہوئی۔ گنی آئیوری کوسٹ ، نائیجر ، سینیگال اور سونغائی بھی اس کے حصے رہے ، 1645ء کے بعد یہاں مراکشیوں نے اور 1880 میں فرانسیسیوں نے ''مداخلت کی ،فرانس نے uppre senegal '' بالائی سینیگال کو فرنچ سینیگال کانام دے کر مستقل نوآبادیاتی ملک بنایا، یہ پوراعلاقہ 14اکتوبر 1958 تک ٹوٹ پھوٹ اور شناختوں کے لحاظ سے تغیر اور تبدل کا شکار رہا،25نومبر 1958 میں مالی کو'' فرنچ سوڈان ''کا نام دیاگیا،1959 میں فرنچ سوڈان اور سینیگال نے ''مالی فیڈریشن'' کی بنیاد رکھی، لیکن یہ اتحاد تادیر قائم نہ رہ سکا،20اگست 1960 کو سینیگال الگ ملک بنا، فرنچ سوڈان مالی کے نام سے الگ اندرونی خود مختار جمہوریہ قرار پایا، 22 ستمبر 1960 کو مالی نے استعمار سے جدائی اختیار کرکے مکمل آزادی حاصل کی ۔ یاد رہے سوڈان ایک الگ ملک ہے جو قدیم تاریخ میں مصر کا حصہ تھا اور اب سوڈان اور جنوبی سوڈان دو ملکوں میں تقسیم ہو چکا ہے ،اس کا دارفور کا حصہ بھی خدانخواستہ علیحدگی کی راہوں پر ہے ،فرنچ سوڈان کا اس سوڈان سے کوئی تعلق نہیں ہے ،نہ کبھی اس کا نام سوڈان رہاہے، استعمار نے مالی کو فرانسیسی سوڈان کانام دے دیا تھا۔ قیصر روم (اٹلی) کی نوآبادیات میں شام ، مصر اور مغربی افریقہ کے ممالک کے جو جو علاقے آتے تھے ، صلیبی طاقتوں نے وہاں باقاعدہ

پلاننگ کے تحت بعد میں فرانس کو فری سیگنل صدیوں سے دے رکھا ہے، جب کہ برٹش امپائر، ڈچ، جرمن اور روس کو اس کے علاوہ علاقے دیئے ہوئے ہیں، یہ ایک تفصیل طلب مضمون ہے اللہ کرے کوئی اس پر قلم اٹھائے۔

مالی و مضافات میں اسلام دوسری اور تیسری صدی ہجری بمطابق آٹھویں نویں صدی عیسوی مراکش کے بربروں اور طارق بن زیاد کی طرف منسوب طوارق کے ہاتھوں بذریعۂ تجارت وسیاحت پہنچا، بعد میں اہل تصوف کے مختلف سلاسل کے پیروکاروں نے یہاں اسلام کی نشرواشاعت اور دعوت تبلیغ میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، تمبکتو میں احمد بابا کا مزار ہے ہمارے یہاں کے داتا دربار کی طرح، ہمہ وقت معمور رہتا ہے۔

مالی کا علمی و صنعتی شہر تمبکتو اور اس جمہوریہ کا قدیم شہنشاہ ماضی وحال کی دنیا کا متمول ترین شخص مانسا موسیٰ دونوں تاریخ میں بہت بڑا نام رکھتے ہیں۔

جوہرۃ الصحراء" تمبکتو: "تین" بربری میں بڑھیا اور "بکتو" مکان کو کہتے ہیں،" یہاں قبیلۂ طوارق کی ایک بڑھیا کے پاس قدیم زمانے میں تُجّار سامانِ تجارت اور نقود بطور امانت رکھتے تھے، جس کی وجہ سے یہ علاقہ تین

بکتو بعد میں تبدیل ہو کر تمبکتو بنا، یہ شہر مالی کا ثقافتی صنعتی اور اثری مرکز ہے، دنیا کے سیاح اپنے پاسپورٹوں پر مالی کا ویزا تمبکتو کی وجہ سے اپنے لئے فخر سمجھتے ہیں، یہاں کی لائبریریاں مخطوطات کے لئے مشہور ہیں، یہ افریقہ، عرب، بربر، اسپین اور فرانس کی تہذیبوں، ثقافتوں اور آثار قدیمہ کا محور ہے، لیکن یہاں عربوں کا اثر ورسوخ سب سے زیادہ ہے، الجزائر، مراکش اور موریطانیہ کے علاوہ اسپین سے نکالے ہوئے عرب بھی یہاں آباد ہیں، ان تمام عرب قبائل کے اس منطقہ کو '' ازواد '' کہا جاتا ہے۔ ''گاؤ'' اس کا دوسرا بڑا مرکز ہے صحرائے کبری، کیدال، تاہو، آغادیس، جنوبی الجزائر اور شمالی نائیجر میں بھی یہ ازوادی قبائل آباد ہیں۔ یہ بنیادی طور پر تین قومیں کہلاتی ہیں، 1- کنتہ -2 انصار 3- -بربر، مگر منطقہ پورا کا پورا ازواد اور من حیث المجموع یہ لوگ- طوارق مشہور ہیں، طوارق عرصہ دراز سے اس علاقے میں اپنی آزاد اور مستقل جمہوریہ ازواد قائم کرنے کے لئے تگ ودو کر رہے ہیں، کرنل قذافی نے کئی بار تمبکتو کا دورہ بھی کیا تھا اور ان کی حق خود ارادیت کے وہ بڑے علمبردار بھی تھے، حالیہ لڑائی مالی میں انہوں نے ہی شروع کی تھی اور اس منطقہ میں جمہوریہ ازواد کے استقلال کا اعلان بھی کیا تھا، مگر وہاں القاعدہ اور دیگر جہادیوں نے جہاد شروع کرکے اسلامی امارت قائم کردی، جس کے پاداش میں فرانس کو مداخلت کا جواز مل گیا۔

مانسا موسیٰ'' یہاں کا وہ عظیم شہنشاہ گزرا ہے، جو تعمیر مساجد وجامعات ،جود''
وسخاء، مال ودولت اور زہد اور عبادت کا مجسمہ تھا، ان کے ذاتی سونے کے ذخائر آج کی
نقد کرنسی ڈالر میں آٹھ سو ارب ڈالر سے متجاوز تھی ، گزشتہ دنوں دنیا کے متمول ترین
شخصیات کے حوالے سے عرب وانگلش میڈیا میں ایک احصائیہ شائع ہوا تھا، جس کے
مطابق مانسا موسیٰ تاریخ انسانی کا سب سے بڑا ارب پتی قرار دیا گیا تھا، اس کے بعد ان
کی شخصیت وکردار اور دولت وثروت پر پے درپے مقالے بھی شائع ہوئے۔

ان کی زندگی کا اہم واقعہ ان کا سفر حج ہے، جس میں انہوں نے سونا، چاندی کی شکل میں
اتنی خیرات فقراء میں تقسیم کی تھی کہ دنیا میں سونے کے بھاؤ حد سے زیادہ گر گئے تھے
یہ شہنشاہ مانسا موسیٰ بھی مالی کے شہر تمبکتو کا تھا، جمہوریہ مالی کے اس عظیم الشان ،
تاریخی ، معدنی اور مالی پس منظر پر جب نگاہ ڈالی جائے تو اندازہ ہوگا کہ یہاں مستعمرین
کیوں تیغ وتفنگ لے کر حملہ آور ہوتے ہیں ، یہاں وہ کیا لینے آتے ہیں ، اور ان کی کیا
لالچیں ہوتی ہیں۔

شام میں بیسیوں ہزار لوگوں کی ہلاکتیں ،لاکھوں کی پناہ گزینی اور گرفتاری، شہروں
گھروں ، سڑکوں ،ایرپورٹوں کی انفراسٹرکچر کی تباہی کے باوجود وہ وہاں کے بجائے.
، یہاں کا رخ کرتے ہیں ،.برما میں مسلمانوں پر شدید ترین مظالم

فلپیین اور چیچنیا، بوسنیا اور کشمیر و فلسطین میں ان کو حقوق انسانی پامال ہوتے نظر نہیں آتے ، اور افریقہ کے بے چارے کالے جنہیں یہ انسان بھی نہیں سمجھتے ، وہاں انہیں جنیوا کنونشن کی قراردادیں اور حقوق انسانی کے چارٹر یکدم ازبر ہو جاتے ہیں ، آخر وجہ کیا ہے؟ ایسٹ تیمور ، جنوبی سوڈان ، اور اریٹیریا اگر انفصال واستقلال کا اعلان کریں، تو وہ حق بجانب ، فلسطین ، ازواد، بوسنیا، داغستان ، انگوشتیا، تاتارستان، ابخاریا، چیچنیا اور کشمیر وغیرہ میں ان کے دیدہ نادیدہ ونابینا ہو جاتے ہیں ۔

القاعدہ اور جہادیوں کا بہانہ بنا کر بڑی بے دردی سے یہ قوتیں چڑھ دوڑتی ہیں ، بلکہ بعض تو ان نام نہاد تنظیموں کو خود ایسے علاقوں میں دھکیلتے ہیں ، جہاں مداخلت ان کے پلان اور پری پلان کا حصہ ہوتا ہے، مالی میں بھی یہی سب کچھ یہاں کے ذخائر پر قبضے یا لوٹ مار کے لئے ہو رہا ہے، مزے کی بات یہ ہے کہ ایسی جنگوں میں جنگ کی قیمت بھی مسلم ممالک سے لی جاتی ہے ، چنانچہ مالی کے جنگ کے سارے اخراجات عرب امارات اٹھا رہا ہے، اسے اپنوں کی سادگی اور غیروں کی عیاری کہئے یا اپنوں کی حماقت اور غیروں کی طوطا چشمی ۔

ڈاکٹر اے کیو خان کے ساتھ ایک نشست

گذشتہ جمعہ محمد علی سوسائٹی میں ڈاکٹر صاحب کے ساتھ ان کی ہمشیرہ کے گھر پر عصر سے عشاء تک ایک بھرپور، خوشگوار اور پُر مغز مجلس ہوئی۔ اسلام آباد سے تحریک تحفظ پاکستان کے نائب صدر شاہد باجوہ کی پچھلے دنوں کال آئی، کہ ڈاکٹر صاحب کراچی آرہے ہیں، ہمارے درمیان آپ کا تذکرہ کچھ تفصیل کے ساتھ ہوا ہے، اب خان صاحب کی خواہش ہے کہ کراچی میں جناب سے مفصَّل ملاقات ہو، میں نے کہا ،بسر و چشم۔

ڈاکٹر خان کی شخصیت میں کئی حوالوں سے بڑی کشش ہے، ہر کوئی چاہتا ہے کہ اگر کرمِ باریابی ہو، رہے عزوشرف، کیونکہ وہ پاکستان ہی نہیں دنیا بھر کے مسلمانوں اور مقہور و مظلوم اقوام کی آنکھوں کا تارا ہیں، سب کا بلاشک ہیرو ہیں، صاحب طرز ادیب ،منجھے ہوئے بیورکریٹ اور کہنہ مشق منتظم ہیں، ان سب پر مستزاد ان کا ایک نمایاں وصف اخلاقی پہلو سے ہمالیہ کے مانند بلند وبالا ان کی ''انسانیت'' ہے، ان کی ہمشیرہ ،برادرِ بزرگ اور بہنوئی کی ہمہ جہتی گفتگو سن کر اندازہ ہوا کہ یہ پورا خانوادہ علم و ہنر کا گہوارہ ہے، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ وہ بڑھکیں نہیں مارتے ،طاہر القادری کی طرح اپنوں کو قافلۂ حسینیت اور رائے میں اختلاف رکھنے والوں کو یزیدی نہیں کہتے، انہوں

نے کہا، شاید مجھے سیاست میں گھسیٹنے والے کوفی ہوں، لیکن میں حسینؓ ہر گز نہیں ہوں، تحریکِ تحفظ پاکستان ممکن ہے کوئی سونامی نہ لاسکے لیکن ایک دو نشستیں بھی ہماری موجودگی کا پتہ دے گی، ملک اور عالم اسلام تشتت کے شکار ہیں، بے یقینی کے بادل ہر جگہ منڈلا رہے ہیں، ایران، شام، خلیج اور مغربِ عربی میں اضطراب ہے، حل بہت آسان ہے، کم سے کم مسلم ممالک تو باہمی اندرونی و بیرونی تنازعات سے گریز کریں، اغیار کے اشاروں پر نہ چلیں، ان کے سازشوں کو سمجھیں، ایران و خلیج حسنِ جوار کا ثبوت دیں، یہ دونوں امت کے قلب میں واقع ہیں، ایک اگر قلب ہے، تو دوسرا جگر ان کے اچھے برے اثرات پوری امت کے جسم مجروح پر پڑتے ہیں، ان کے لیڈرز عقل، مندی سے کام لے کر اپنے معاملات افہام و تفہیم سے حل کریں، آل نہیان، مہاتیر اور مراکش کے سلاطین کا بھی تذکرہ ہوا، انہوں نے کہا میں سب کو بہت قریب سے جانتا ہوں، ان سے سب سے میرے نہایت دوستانہ مراسم ہیں، ان میں سے ہر کوئی اپنا اپنا فرض پورا کرے، ان سب کا اپنا اپنا مقام ہے۔

وہ اپنی باتوں میں جابجا قرآنِ کریم کی آیتوں سے حافظ اور احادیث کی کتابوں سے عالم کی طرح اقتباسات پیش کر رہے تھے، انہوں نے کہا، ہمیں ڈرنا نہیں چاہئے، رونا نہیں چاہئے کیونکہ " ہمیں وہی تکلیف پہنچی گی جو اللہ تعالی نے ہمارے مقدر میں لکھی ہو، وہ ہمارے آقا ہیں، اور ایمان والے تو اس پر ہی توکل کرتے ہیں، سورۃ توبہ 51، بلکہ ہمارے کام منصوبہ بندی، پلاننگ، حکمت عملی، غور

وخوض اور فکر وتدبر ہیں، انہوں نے کہا، مسلمان کو ڈرنا ہے، تو اللہ سے ڈرے اور رونا ہے تو اس کے سامنے روئے۔

ملک کی سیاسی صورتِ حال پر گفتگو کے دوران وہ خائف نظر نہیں آئے، ناامیدی او رقنوطیت کے وہ قائل ہی نہیں ہیں، ان کا کہنا تھا، حالات اگرچہ بظاہر گمبھیر ہیں، لیکن بہتری کی صورتیں بھی ان میں مضمر ہیں، اللہ تعالی مہرباں ہے، اخلاص، درد مندی اور سمجھ داری کے ساتھ ملک کی کشتی کو گرداب سے نکالنے کی اگر کوشش جاری رہے گی، تو ان شاء اللہ تعالی قوم ساحل پر ہوگی، بہادر لوگ طوفانوں کا مقابلہ کرتے ہیں گھبراتے نہیں ۔۔

مذہبی اختلافات کے متعلق ان کا کہنا تھا، قرآن وحدیث حتمی ہیں، .بزرگوں کے اقوال اور قرآن وحدیث میں فرق کیا جائے، تو ہمارے درمیان کوئی اختلافات نہیں رہیں گے، میں نے جو سمجھا، گویا وہ فرقِ مراتب کی بات کر رہے تھے، کہ قرآن پھر حدیث پھر ائمہ وبزرگوں کے اقوال۔ ہمارے یہاں مشکل یہ ہے کہ اپنے اپنے بزرگانِ دین رحمہم اللہ تعالی کے اقوال کو حرف آخر مانا جاتا ہے، حالانکہ حرف آخر اور قول فیصل اللہ تعالی کی کتاب ہے، احادیث بھی اسی کی تشریحات ہیں، اس کے تابع ہیں ۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ بسا اوقات قرآنی آیت اور صریح حدیث کے مقابلے میں کچھ عقائد وافکار آتے ہیں، ان پڑھ قسم کے لوگ ان اصول کو

چھوڑ کر ان فروع کے پیچھے ایسے ہو لیتے ہیں کہ انہیں سمجھانا مشکل ہو جاتا ہے، چونکہ ہمارے یہاں عربی زبان رائج نہیں ہے، اس لئے عامۃ الناس قرآن و حدیث کے مزاج ومذاق سے ناآشنا ہیں۔

چونکہ وہ بنیادی طور پر ایک انجینیئر ہیں، اس لئے وہ دو اور دو چار کے حقائق کی تناظر میں ملکی انتظامی اصطلاحات پر اس انداز میں روشنی ڈل رہے تھے، ایٹمی اور میزائیل ٹیکنالوجی پاکستان جیسے ملک کو دینے کے بعد وہ یہاں اسی طرح کے فول پروف انتظامات کے لئے پُرعزم تھے، میڈیا میں ان کی نحافت و نقاہت والی تصویروں کے مقابلے میں وہ آمنے سامنے۔ الحمدللہ۔ صحت مند نظر آرہے تھے، علم وفضیلت کی وجہ سے ان میں تواضع ومسکنت، شرافت اور گفتگو میں شیرینی کے اوصاف ان میں بہت نمایاں تھے، جتنا وہ خود بولتے تھے اتنا ہی وہ دوسروں کو سن بھی رہے تھے۔

جماعتِ اسلامی کی طرف ہاتھ بڑھانے کی توجیہ انہوں نے یہ بیان کی کہ ان میں نظم وضبط ہے، باقی جماعتوں کے لئے وہ ایک بڑے کی طرح نظر آرہے تھے، جیسے بڑے چھوٹوں پر شفیق اور ان کی غلطیوں کو معاف کرنے کی عادت رکھتے ہیں ویسے ہی وہ تھے، جہاں جہاں تنقید واصلاح کی ضرورت ہوتی ہے، اس میں مصلحت کے شکار ہوئے بغیر جو کچھ بڑے کرتے ہیں، یہاں بھی وہی نظر آیا، امریکہ ومغرب کے

بارے میں انہوں نے کہا وہ سب پاکستان کی خدمت کی وجہ سے میرے مخالف ہیں ، وہ ہرگز نہیں چاہتے تھے کہ پاکستان بھی وہ کچھ حاصل کرے جوان کے پاس ہے ، ان کے ، گفتگو کا خلاصہ کچھ یوں تھا

اذا الشعب یوماً اَرادالحیاۃ

فلابدّ اَن یستجیب القدر

ولابدّ للیل ان ینجلی

ولابدّ للقید اَن ینکسر

یعنی قومیں جب ایک مرتبہ زندہ رہنے کا فیصلہ کردیتی ہیں،تو پھر قضاء وقدر بھی ضرور ان کا ساتھ دیتے ہیں،راتوں کے اندھیرے بھی چھٹ ہی جاتے ہیں،اور قید وبند کے اسباب بھی ٹوٹ ہی جاتے ہیں۔

شیخ الاسلام"۔۔۔مراتب علماء سے متعلق اصطلاحات"

طاہر القادری صاحب کی وجہ سے لفظِ ''شیخ الاسلام''ہر کسی کی زبان اور نوکِ قلم پر ہے، عرفان صدیقی اور عطاءالحق قاسمی تو ہاتھ دھوکے اس کے پیچھے پڑ گئے ہیں،ماحول کی اس مناسبت سے ہم نے سوچا کہ مراتبِ علم و علماء سے متعلقہ اصطلاحات کی تحقیق وضاحت کچھ یوں کی جائے:

طالب ،طَلِیب ،ج طَلَبہ وطلباء :تلاش کرنے والا ، طلب علم میں مصروف شخص ، کسی تعلیمی ادارے کاباقاعدہ طالب علم ،اردو اور پشتو میں اس کی جمع طالبان ہے ،جو عربی میں صرف دو (تثنیہ)کے لئے آتا ہے ،فی زمانہ یہ ایک شہرۂ آفاق تنظیم ''طالبان'' کا نام میڈیا کے ذریعے پڑ چکا ہے،افغانستان کے مُلّا محمد عمر اس کے بانی و امیر سمجھے جاتے ہیں، لیکن حقیقت میں اس نام کی تنظیم کسی نے رجسٹرڈ کرائی ہے نہ ہی کسی باضابطہ اجلاس میں اس کی منظوری دی گئی ہے،بلکہ افغان مجاھدین روسی انقلابی کے بعد جب باہمی نزاعات میں الجھ کر رہ گئے، تو وہاں کے دینی مدارس کے طلبہ نے ایک قسم کی انقلابی تحریک چلا کر ملک کی باگ ڈور سنبھالی ،انہیں دیکھ کر عام لوگوں کی زبان پر تھا ،''طالبان آگئے ،طالبان آگئے''،چنانچہ یہیں سے ان کا یہ نام پڑ گیا،بعد میں ان کی دیکھا دیکھی شاید تحریک طالبان پاکستان کے نام سے گروہ منظم ہوا ہے ،یا خدا جانے رحمان ملک

جیسے لوگوں نے منظم کرایا۔

حافظ ،ج حُفّاظ : حفاظت کرنے والا ،قرآن کریم از بر یاد کرنے والا ، جیسے حافظ حسین احمد ،چونکہ نابینا بچوں کو قدیم زمانے میں حفظ قرآن ہی کرایا جاتا تھا ،اس لئے عرف عام میں نابیناؤں کو علی سبیل العموم ''حافظ جی ''کہا جانے لگا۔احادیث کا معتد بہ ذخیرہ مع سندوروایات حفظ کرنے والا ، جیسے حافظ ابن حجر عسقلانی ،''حفیظ ''اللہ تعالی کے ننانوے ناموں میں سے ایک نام ۔قاری ،ج قراء : پڑھنے والا ، حفظ قرآن کے بعد دوسالہ تجوید وقراءت کورس کا فاضل۔

مولوی، مولانا : مولی بمعنی آقا،یا مولی کی طرف منسوب : اللہ والے ،بر صغیر میں یہ لفظ مسجد ومدرسہ سے متعلق حضرات کیلئے مستعمل ہے ، بعض لوگ ہر داڑھی والے کو مولوی کہتے ہیں، عالمِ عرب میں مولوی کے لیے لفظِ''مُطَوِّع ''اور ایران میں ''حُجَّۃ الاسلام ''زبان زدِ عام ہے۔

عالم ،ج عالمین ،علماء : جاننے والا ، سمجھ بوجھ رکھنے والا ،اصطلاح میں درس نظامی کی تکمیل کرنے والا۔ ''علیم''، باری تعالی کا نام ہے۔عرف عام میں مدارس کے تحصیل علم سے فارغ حضرات کو فضلاء بھی بولا جاتا ہے ،۔فاضل اور

صاحب الفضیلۃ، گریجویٹ بیچلراور بی اے پاس کو کہاجاتا ہے،ایم اے پاس کو (ماسٹر کا معرّب)ماجستَیر کہتے ہیں ،علماء کی سند'' شہادۃالعالمیۃ'' ڈگری آف ماسٹر کاترجمہ ہے یعنی عالِمیت (بکسر اللام) کی سند۔

مفتی،ج مفتِین : فتوی دینے والا، مستفتی،: فتوی طلب کرنے والا۔درس نظامی کے بعد فتوی نویسی کا دو سالہ کورس مکمل کرنے والے کو مفتی کہتے ہیں ،یہ اور اس طرح کے دوسالہ کورسز دینی مدارس وجامعات میں مختلف فنون وعلوم ،مثلًا تفسیر، حدیث، فقہ ادب عربی ،اور تقابل ادیان وغیرہ کے علماء وفضلاء کو کرائے جاتے ہیں ،اس سند کے حامل کو متخصص اور اس مرحلۂ تعلیم کو تخصص کہاجاتا ہے، یہ ایم فل کے برابر ڈگری ہوتی ہے، بعض اوقات اسی متخصص سے اگلے سالوں کسی فن میں طویل تحقیقی مقالۂ مشیخت بھی تیار کرایا جاتاہے، یوں اسے پی ایچ ڈی اور ڈاکٹریٹ (دکتوراہ) کامساوی بھی سمجھاجاسکتاہے، اس آخری مرحلے پر پہنچنے والے طالب علم کوعلامہ کہاجاسکتاہے، البتہ علّام کا اطلاق صرف اللہ تعالی کے ساتھ خاص ہے، اسی علامہ کو شیخ، ج (شیوخ ومشائخ) بھی کہتے ہیں ،مہارتِ تامہ کے بعد شیخ التفسیر، شیخ الحدیث اور شیخالادب وغیرہ ان ہی میں سے بنتے ہیں۔ نیز شیخ عربوں کا خان اور چودھری کی طرح ایک لقب ہے،بوڑھے کے لیے بھی بولا جاتاہے۔اصطلاح میں ''شیخ الاسلام'' اور مفتیَ اعظم مترادف وہم معنی الفاظ ہیں،جو بنیادی طورپر مہتمم،وائس چانسلر،چیئرمین

اور وزیرِ مذہبی امور کے مانند مرکزی حکومت یا کسی ہیئتِ بالا سے منظور شدہ انتظامی القاب ہیں، شیخ الاسلام کی ابتدا و انتہا ترکوں کی خلافتِ عثمانیہ میں ہوئی، ان سے قبل وبعد یہ عہدہ کسی کے پاس نہیں رہا۔ مفتیٔ اعظم بطورِ حکومتی منصب مصر، سعودیہ، قطر وغیرہ میں اور بطور صرف لقب برصغیر پاک وہند میں مستعمل ہے، ایران میں اس عہدے پر ''رہبر'' ہوتا ہے، لیکن اس کے اختیارات لا محدود ہیں۔

حضرت ،ج حضرات : مرد، عالم ، صاحب ،بزرگ ، کسی ادارے کا سربراہ، پیر و مرشد ۔جبکہ اعلی حضرت اور سماحۃ الشیخ دونوں پیرانِ پیر، شیخ الکل، شیخ المشائخ، آیۃاللہ اور استاذ الاساتذہ کے معنی میں ہیں ان سب سے آگے بڑھنے والے کو ''امام'' کا لفظ مستخدم ہے۔

مجتھد، ج مجتھدین، : اجتھاد کرنے والا، محنت کرنے والا، قرآن وحدیث کی کلیات کومد نظر رکھکر پیش آمدہ جزئیات کے متعلق شریعت کے احکام معلوم کرنے والا، اجتھاد کے مترادف الفاظ قیاس ،استنباط اور استقراء بھی ہیں، کسی فقہی مذھب کا مقلِد جب اجتھاد کرتاہے، تواسے مجتھد فی المذھب اور غیر مقلد کو مجتھد مطلق کہاجاتاہے۔

مجدِّد، ج مجدّدین: تجدید کرنے والا، دین کا احیاء کرنے والا، جب کوئی شخص خاص مکان یا زمان اور بعض علوم وفنون کی تجدید کرتا ہے تو اسے مجدّد جزئی اور اگر عمومِ زمان ومکان اور جمیع اسلامی علوم کی تجدید کا کوئی بیڑا اٹھاتا ہے، تو اسے مجدّد کلی کہا جاتا ہے، جیسے مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی۔ حدیث شریف میں مجددین کی صفات وتفصیلات وافر مقدار میں موجود ہیں، ایک روایت میں انہیں انبیاءؑ سے صرف ایک درجہ کم قرار دیا گیا ہے، سابق مرسلین علیہم الصلاۃ والسلام کے بعد ان سے مرتبے میں کم انبیاء تجدید دین کا کام کرتے تھے، اس امت میں تجدید واحیائے دین کی ذمہ داری علماء پر عائد کی گئی ہے، چنانچہ یہ اس امت کا خاصہ ہے، اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا: میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے انبیاء کے برابر ہیں۔اللہ تعالیٰ ان القاب کے تمام حاملین کو قول وفعل میں تضاد سے بچائے۔

پرویز کی غیر مشرف آمد

پرویز کے غیر مشرف دور میں دینی مدارس اور مذہبی جماعتوں کے ساتھ جو ناروا سلوک روا رکھا جارہا تھا، وہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے ،ان مدارس کے معصوم طالب علم اور سیدھے سادے کارکن خوف وہراس کے شدید شکار تھے ، کئی مدارس پر بمباری کرکے دسیوں طلبہ ،ان کی دینی کتابیں اور حفظ وناظرہ پڑھنے والے بچوں کے قرآن کریم جابہ جا شھید کردئے جاتے ، جامعہ بنوری ٹاؤن کے سابق مایہ ناز استاذ اور بعد میں اورکزئی ایجنسی کے ایک عظیم الشان مدرسے کے بانی و مہتمم شیخ الحدیث مولانا محمد امین اورکزئی کو دورانِ خطاب جمعہ ٹارگٹ کرکے شھید کیاگیا، ہر ٹوپی اور ڈاڑھی والا دہشت گرد نظر آنے لگا، بنوری ٹاؤن کی قال اللہ وقال الرسول ﷺ سے ہمہ وقت معمور مسجد پاکستان میں لال مسجد کے بعد نعوذ باللہ دوسری "مسجدِ ضرار" قرار دی جانی لگی، طوائف الملوکی کے شکار مسلم اسپین کی تاریخ دھرا کر ہزاروں مجاھدین اور مجاھد نماافراد کو دشمنوں کے حوالے کیاگیا، عافیہ صدیقی اور ان کے چھوٹے چھوٹے بے گناہ جگرپاروں کا معاملہ کسے نہیں معلوم، 12 مئی کا المناک واقعہ کون نہیں جانتا، معزز عدلیہ کے ساتھ ان کے سنگین مذاق سے ہر کوئی واقف ہے،کارگل سے راہِ فرار اختیار کس نے کی،نواز شریف کو منت ساجت کے لئے کس نے واشنگٹن بھیجا، یہ سب کچھ ہر کس وناکس کو اچھی طرح معلوم

ہے۔

ان کے دور میں پرویز الٰہی کے ساتھ ہماری ایک میٹنگ تھی، جس میں رائے ونڈ کے علماء مولانا اخلاق اور حافظ عمار بھی تھے، رائے ونڈ عالمی تبلیغی مرکز جیسے بے ضرر ادارے پر شب خون مارنے کا حکم تھا، اور ہم ان کے سامنے ہاتھ جوڑ رہے تھے، کہ خدارا پہلے صحیح معلومات تو حاصل کریں، کہ وہاں ہوتا کیا ہے، ان کا سیاست اور میدانی جہاد و قتال سے کوئی تعلق نہیں، لیکن انتظامیہ ایکشن کے لئے بضد تھی، وہ تو خدا کا کرنا ہوا کہ راسخ الٰہی کو پتہ چل گیا، وہ پکے تبلیغی ہیں، انہوں نے بند باندھ دیا۔

آرمی ہاؤس میں قلعہ بند بش کی ایک کال پر ڈھیر ہونے والے اس ''نہ ڈرنے والے خان بہادر'' سے ایک ایسے ہی ملاقات میں بزرگ علماء و مشائخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان، مفتی منیب الرحمٰن، قاری حنیف جالندھری، مولانا عبد المالک، میاں نعیم الرحمٰن، ڈاکٹر سرفراز نعیمی مرحوم اور علامہ ریاض حسین نجفی کے ساتھ ان کا انداز تخاطب ایسے ہی تھا، جیسے ایک سکول ماسٹر اپنے شاگردوں کی ڈانٹ ڈپٹ کر رہا ہو، ایک موقع پر جب شیخ سلیم اللہ خان نے ذرہ گرجدار انداز میں انہیں آئینہ دکھادیا، تو پسینے چھوٹ گئے، کہنے لگے، مجھے ذرہ درمیان میں پانچ دس منٹ کے لئے ایک اور ضروری ملاقات کرنی ہے، ازراہ کرم آپ حضرات انتظار

فرمائیں، میں نے ان کی چوکیداری پر مامور ایک '' فل جنرل '' سے پوچھا، بوس کہاں گئے، انھوں نے ناک چڑھا کر غصے کے انداز میں کہا، آپ کے یہ بزرگ بات بھی نہیں مانتے اور الٹا سرزنش کر رہے ہیں، وہ واش روم گئے ہیں، ابھی آجائینگے۔

لال مسجد کی زلزلہ زدہ، یتیم و معصوم بچیوں اور بوڑھے اکبر بگٹی کو دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد سمجھنے والا یہ بزدل انسان جس کا کسی اللہ والے کی غضبناک آواز سے پیشاب خطا ہو جاتا ہے، کس لائق ہے، کہ منہ اٹھائے پھر سے چلا آرہا ہے۔

گذشتہ کئی دنوں سے پرویز کی آمد تک جب سے ڈاکٹر عبد القدیر خان کے متعلق لکھا ایک صاحب گاہے گاہے رات گئے ہمیں فون کرتے، دیر تک بے تکی باتیں کرتے،، ڈاکٹر صاحب اور جنرل حمید گل کے متعلق زیادہ اور نواز بے نظیر کے متعلق ذرہ کم خشمگین باتیں کرتے، محمود شام اوریا مقبول جان اور کچھ دیگر کالم نویسوں پر بھی ناراضگی کا اظہار کرتے، اپنے آپ کو نجات دھندہ قرار دیتے، پارسا بھی کہتے، اور اپنے خاص لب ولہجے میں بار بار ''میں کسی سے نئی ڈرتا'' کہتے، مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے، کعبۃ اللہ میں داخلے اور مسٹر اوبامہ سے اپنی ملاقاتوں کا تذکرہ چلتا، پھر بتاتے میں کون ہوں، میں اپنے

آس پاس ہم نشینوں کو بھی آواز اونچی کرکے سناتا، وہ سب بیک زباں کہتے "یہ وہی بزدل، بے ایمان، بے غیرت ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ہے"۔
پتہ نہیں وہ کون تھا، اور اُن ہی نمبرز پر بعد میں ان کے فون کیوں نہیں آتے۔

موجودہ حالات میں ائمہ مساجد درس قرآن کا اہتمام کریں

ملک بھر اور عالم اسلام میں فرقہ واریت ، لسانیت اور تعصب کی بیماریاں خطرناک صورت اختیار کرچکی ہیں، بیرونی سازشیں ہیں اور اندورنی ناپختہ ذہنوں کا استعمال ہے، کوئٹہ میں ہزارہ برادری کا اندوہناک واقعہ اس سے قبل بلوچ علاقوں میں نوجوانوں کی بکھری لاشیں ، زائرین کی بسوں پر حملے، چیچن مسلمانوں پر رینجرز کی بہیمانہ فائرنگ ، کراچی میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے مشائخ ،اساتذہ ، طلبہ نیز تمام فرقوں ، جماعتوں ،سیاسی پارٹیوں ،کاروباری،برادری اور بہت سے معصوم لوگوں کا قتل عام ، میرپور ماتھیلوں کا واقعہ ، خیبر پختونخواہ، فاٹا اور گلگت میں لاشوں ، زخمیوں اور کھنڈرات کے انبار ، ادھر شام ، عراق اور لبنان میں لاکھوں جانوں کا بے دردی سے ضیاع ، پناہ گزینی ، جیلیں اور تشدد اس پر مستزاد ،ایران میں عرب اھواز کی بغاوتیں اور آئے روز ان کی پھانسیاں ،افغانستان، مالی اور کشمیر میں ہلاکتوں کی تعدادِ بے شمار۔

کل معروف اشاعتی ادارے[مکتبۂ لدھیانوی] کے روح رواں طلحہ طاہرعلوم القرآن سے متعلق ہماری نئی طبع شدہ کتاب [اللمعان] جب لے کرآئے تومذکورہ عنوان پرذہن مرکوز ہوا،اورخیال آیا کہ ان سنگین حالات میں حکومتیں ، سیاسی

قائدین، سماجی کارکنوں سے کہیں زیادہ ذمہ داری تمام مکاتبِ فکر کے علماء کی بنتی ہے ۔
قرآن کریم جو قیامت تک کے لئے پوری انسانیت کا رہنما ہے ، اس میں احکام بھی ہیں اور ترغیب وترہیب بھی ، اسے خود بنظر غائر بھی مطالعہ فرمایا کریں، سمجھا کریں اور پھر اس کی روشنی میں جمعہ کے خطبات اور روزانہ مختصر مختصر قتل انسانی ، ایذارسانی ، آخرت عذاب ، دوزخ ، اور نہ ختم ہونے والی زندگی کے اچھے برے احوال اپنے مقتدیوں کو حسین پیرایہ میں سمجھایا کریں ، مثلاً: " جو کسی (مسلم یا غیر مسلم) کو ناحق اور بلا جواز قتل کرے ، گویا اُس نے پوری انسانیت کو قتل کردیا اور جو کسی (مسلم یا غیر مسلم) کی جان بچائے ، گویا اس نے پوری انسانیت کو زندہ کردیا"
" جو کسی مؤمن کو قصداً قتل کرے گا ، تو اسکی سزا جہنم ہے ،اس میں ہمیشہ کے لئے رہے گا ،اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے ،اور اللہ تعالیٰ نے اس کے لئے عذابِ عظیم تیار کررکھاہے "، "اور مؤمن کو کسی مؤمن کا قتل زیب نہیں دیتا"۔
ان آیتوں کے ذیل میں مفسرین نے ذخیرہ احادیث میں سے مختلف روایات نقل کی ہیں ان میں دو حدیثیں یہ ہیں ، حضرت عبداللہ بن عباس کہتے ہیں ، میں نے تمھارے نبی ﷺ سے فرماتے ہوئے سنا ہے " قیامت کے دن مقتول ایک ہاتھ میں اپنا سر اور دوسرے ہاتھ میں قاتل کی گریبان پکڑے اس کیفیت میں عرش الٰہی کے سامنے آجائے

گا کہ اس کی رگوں سے تازہ خون بہہ رہا ہوگا، اللہ تعالی کی دربار میں استغاثہ کرے گا کہ اے میرے رب اس قاتل نے مجھے قتل کیا تھا، تو اللہ تعالی اس قاتل سے کہیں گے تیری ناس ہو، پھر اسے جہنم میں لے جایا جائے گا''۔ حضرت ابوھریرہؓ نے آپ ﷺ، کا ارشاد نقل کیا ہے: کہ آسمان وزمین والے سارے اگر کسی ایک بھی مؤمن کے خون کرنے میں شریک ہوگئے (اشارۃً، کنایۃً، حکماً یا عملاً) تو اللہ تعالی اس ایک مسلمان کے خون کے احترام کی پامالی کی پاداش میں ان سب کو جہنم رسید کردینگے''۔

یہ تو آخرت کے عذابات ہیں، دنیا میں بھی قاتل اور مجرم کبھی چین وسکون حاصل نہیں کرسکتا، اپنی ذات کے حوالے سے بھی اور اپنے مقتول دشمن کے حوالے سے بھی، ہٹلر نے یہودیوں کو قتل کیا تو کیا یہودی ختم ہوئے، روس نے اہل اسلام کو تہ تیغ کیا تو کیا وہ فنا ہوگئے، مشرکین نے بچیوں کو زندہ درگور کیا اور آج بھی انڈیا وغیرہ میں یہ سلسلہ جاری ہے، تو کیا دنیا میں خواتین ناپید ہیں، ہزارہ کو کوئی ختم نہیں کرسکتا، بنوری ٹاؤن اسی طرح قائم ودائم ہے، شیعہ سنی، بریلوی، سلفی، کفر اور اسلام تا قیامت رہینگے، ختم صرف ظالم اور قاتل ہوتا ہے، اس کی دنیا بھی گئی اور آخرت بھی، کیا نمرود ابراہیم کو، فرعون موسی کو، جالوت طالوت کو اور ابوجہل حضرت محمد ﷺ کو ختم کرسکے ہیں؟ ختم وہی کرسکتا ہے جس نے اس کو پیدا کیا، وہ ختم نہ کرنا چاہے تو ساری مخلوق

جمع ہو کر بھی کسی کو ختم نہیں کر سکتی، پھر کیوں خامخواہ کے لئے قاتل اور ظالم اپنامنہ کالا کرتے ہیں، ذرا سوچئے۔

جہنم کی دھکتی ہوئی آگ، اژدہے اور سانپ، چیخ وپکار، ڈانٹ اور مار، ارے کہاں جارہی ہے آدم کی قاتل اولاد، عجیب بات یہ ہے کہ اپنے لئے جہنم اور دشمن کے لئے جنت کا ساماں کررہے ہیں، سچ فرمایا قرآن کریم نے کہ یہ " انسان بڑا ہی ظالم اور بڑاہی جاہل ہے"۔

اللہ تعالی اپنے کلام کی طرف دعوتِ غوروفکر دے رہے ہیں، فرمایا: " تم کیوں قرآن میں تدبر اور غوروفکر نہیں کرتے، اگر یہ کلام حق تعالی کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتاتو تم ضرور اس میں بہت سے تضادات دیکھتے، لیکن یہ کلام ایک ہی نہج پر انسانیت کی فلاح وبہود) کی طرف سیدھے انداز میں بلارہاہے"۔ " اس مبارک) کتاب کو ہم نے تیرے قلب پہ اتارا، تاکہ لوگ اس میں غوروخوض کریں، اور عقل مند لوگ اس سے نصیحت حاصل کریں"۔ " یہ لوگ قرآن کریم کو سمجھنے کی کوشش " کیوں نہیں کرتے، کیا ان کے دلوں پر قفل (تالے) لگ گئے ہیں

۔ پس اہل علم پر بقدر استطاعت واجب ہے کہ کلام اللہ کے مطالب عوام کو بتائیں

یکھائیں، اور ان کشیدہ حالات میں جگہ جگہ اجتماعات بلاکر، میڈیا میں جاکر لوگوں کی، رہنمائی کریں، باری تعالی نے فرمایا: ”ہم نے کتاب سمجھنے والوں سے عہد لیاہے، کہ وہ اسے بیان کرتے رہیں، اور چھپائیں نہیں، لیکن ان لوگوں نے قرآن کو پیٹھ پیچھے ڈال دیاہے، اور اس کے بدلے دنیاکی طلب کے پیچھے پڑ گئے ہیں، ان کا یہ سودا نہایت ہی برا سوداہے،“ نیز فرمایا: ” جولوگ اللہ کے عہد وپیاں اور اپنی قسموں کو تھوڑی سی رقم کے بدلے بیچتے ہیں، ان کے لئے آخرت میں کوئی حصہ نہیں، ان سے اللہ تعالی قیامت کے دن بات تک نہ کرے گا، نہ ان کی طرف نظرِ رحمت سے دیکھے گا، نہ انہیں پاک کرے گا، بلکہ ان کے لئے دردناک عذاب ہے“۔ یہ بھی فرمایا: ”کیااب تک وہ وقت نہیں آیا، کہ مسلمانوں کے دل اللہ کے ذکر اور ان کی طرف سے آئے ہوئے اس حق کلام سے کانپ اٹھیں، اور ان کی طرح نہ ہو جائیں، جنہیں ان سے پہلے کتاب دی گئی تھی، لیکن کچھ زمانہ گذرتے ہی ان کے دل سخت ہوگئے، اور ان میں سے اکثریت نافرمان ہو گئی، جان لو مردہ زمین کو نئی زندگی دینا اللہ ہی کا کام ہے، اور ہم نے تمہیں سمجھانے کے لئے اپنی آیات نازل کردی ہیں“۔

قرآنِ کریم میں سماجی اور اخلاقی تمام امراض کاتریاق موجود ہے، کیا کوئی ہے جوبیمار دلوں اور ذہنوں کا اس دواسے کامیاب علاج کرے؟

قطر۔۔۔۔ عرب سربراہ کانفرنس

قطر عالم عربی کا بظاہر ایک چھوٹا سا ملک ہے ، دنیا کے نقشے پر ایک نقطے سے زیادہ وہ کچھ اور نہیں ، نہ ہی کوئی بڑی فوج اور دیو ھیکل کار خانوں ،ملوں اور فیکٹریوں کا وہاں کوئی وجود ہے ، ایٹمی صلاحیت کے حصول کے لئے اس کا اتنا رقبہ ہی نہیں کہ اس پر اس کا بنیادی سٹرکچر قائم کیا جائے ، لیکن پھر بھی اپنی قیادت کی بدولت نہ صرف عرب دنیا میں بلکہ مشرق ومغرب میں اپنا ایک شایانِ شان مقام رکھتا ہے، فلسطین ہو یا شام ،مصر ہو یا لیبیا، تونس ہو یا یمن ،جہاں بھی بحران آئے ،حکومتیں اور عوام مشکلات میں آگئیں ،امیر قطر نے وہاں ایسا تعمیری اور اصلاحی کردار ادا کیا ، جس کی وجہ سے ان کے قد میں خاصا اضافہ ہوا، اسپین ،یونان ، اور امریکہ تک کے ساتھ بعض مالیاتی گمبیھر مسائل میں تعاون کیا۔۔

پچھلے مہینوں امیر قطر نے شام کے انقلابی رہنماؤں کو یکجا کرکے تمام اکائیوں کا اتحاد بنایا ، اسی کے نتیجے میں وہاں ایک عبوری حکومت قائم ہو رہی ہے، غسان ھیتو بطور وزیر اعظم منتخب ہو چکے ہیں ، عرب لیگ میں شام کی معلق رکنیت بحال ہوئی ہے،،بروز منگل 26 مارچ کوانقلابی اتحاد کے سربراہ احمد معاذ الخطیب نے شام کی طرف سے اس سربراہ کانفرنس میں شرکت کی اور ایک تاریخی خطاب بھی

کیا۔

امیر قطر عرب دنیا کے وہ پہلے حکمراں تھے، جنھوں نے غزہ کے محاصرے کو توڑ کر وہاں کا تفصیلی دورہ کیا، اس کے بعد ملائشیا کے وزیر اعظم، عرب وزرائے خارجہ اور مصری وزیر اعظم ہشام قندیل قدم رنجا ہوئے۔

منگل کو ہونے والے اس چوبیسویں عرب سربراہ کانفرنس میں عرب لیگ کی صدارت بھی عراق سے قطر منتقل ہو گئی ہے، گویا اب شیخ حمد بن خلیفہ آل ثانی امیر قطر کے پاس عرب لیگ کے توسط سے پوری عرب دنیا کی قیادت بھی آ گئی ہے۔

بالکل بجا امید کی جا سکتی ہے کہ وطن عربی موجودہ حالات میں مسائل کے جس آتش فشاں پر کھڑا ہے، امیر قطر اپنی تمام تر صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لاکر ایک نجات دھندہ کے طور پر ابھر کر سامنے آئینگے، عراق، شام، لبنان، اردن، فلسطین، یمن مصر، الجزائر اور صومالیہ سب ہی اندرونی بیرونی خانہ جنگیوں، لڑائیوں اور سیاسی، بحرانوں کے زد میں ہیں، اسرائیل موجودہ حالات سے بھرپور غلط فائدہ اٹھا رہا ہے، فلسطینیوں کی آبادیاں مسمار کرکے جدید یہودی کالونیاں رات دن تعمیر کر رہا ہے، فلسطین جو حال ہی میں اقوام متحدہ کا مبصر رکن بنا ہے، اسرائیل کو اقوام متحدہ کا یہ فیصلہ منظور نہیں ہے، گو وہ ہمیشہ سے بین الاقوامی برادری کے قرار داروں کو جوتی کے نوک پر رکھتا رہا ہے، لیکن

حالیہ دنوں اس میں کچھ زیادہ ہی تیزی دیکھنے میں آ رہی ہے۔
عرب لیگ بطور تنظیم بھی اصلاحات کا محتاج ہے، اس کی تشکیل نو اور فعالیت کی ضرورت جتنی آج ہے شاید پہلے کبھی نہ تھی، یہ اس لئے بھی کہ او آئی سی ایک مردہ گھوڑے کی طرح ہو گئی ہے۔اب اگر عرب لیگ کا بھی یہی حال ہو تو اہل اسلام کھلے آسمان تلے رہ جائینگے، او آئی سی کا خیمہ اگر نہ سہی تو عرب لیگ کی چھتری تلے کم از کم عرب دنیا ایک میز پر بیٹھنے اور اپنے مسائل اور وسائل شیئر کرنے کے تو اہل ہوں گے، لیکن جب عالم اسلام اور عالم عربی خود سے اپنی قوت نہیں بنائینگے اور اپنے مسائل اور وسائل پر کنٹرول حاصل نہیں کرینگے، باہمی مربوط اور متحد نہیں ہوں گے۔تو اقوام متحدہ اور اس کا سیکورٹی کونسل ''مدعی سست گواہ چست'' کیسے بنیں گے، مدعی کو چست ہونا پڑیگا، گواہ بھی کچھ نہ کچھ چستی دکھائے گا۔
اللہ تعالی کا فرمان ہے: کہ وہ کسی کی تقدیر اس وقت تک نہیں بدلتے جب تک وہ اپنے آپ تقدیر کی تبدیلی کیلئے کوشاں نہیں ہوں گے۔
کیا خوب کہا ہے:

تو اپنی سرنوشت اپنے قلم سے لکھ
خالی رکھی ہے خامۂ تقدیر نے تیری جبیں

صدر مرسی کا دورہ۔۔ دوررس اثرات

گزشتہ دنوں اسلام آباد کلب میں کچھ دوستوں کے ساتھ پاکستان کے خارجہ تعلقات کے حوالے سے گفتگو ہورہی تھی ، چائنا ،انڈیا ، مغرب اور عالم عربی میں سے قریب تر دوست کسے کہاجائے ، چائنا کے متعلق ہر طرح کے اطمینان کے بعد یہ بات سامنے آئی کہ ان کی تہذیب وثقافت اورہماری تہذیب وثقافت میں فرق ہے ، انڈیا اس حوالے سے بظاہر تو کوئی مسئلہ نہیں ہے ، لیکن ۲۴ دسمبر ۱۹۴۷ کا قائد اعظم محمد علی جناح رحمۃاللہ علیہ کا وہ بیان جس میں وہ اسلامی تہذیب کو انڈین کلچر کے متصادم قرار دے چکے ہیں اور حقیقت بھی کچھ اسی طرح ہے ، البتہ زبان میں قربت ہے، مغرب شاطر ہے ،۱۹۷۱ میں ان کا بیڑ بعد میں جنرل ضیاء الحق کا اسلام آنے میں یکساں تاخیر کرنے والے تھے ، مغرب شاطر بھی ہے، مفادپرست بھی ہے ، نیز ڈرون حملوں میں پاکستان کی رِٹ کا ستیاناس کردیاہے ،۔ عالمِ عربی تہذیب ،بودوباش اور عقائد وعلم کلام میں ہمارے قریب ترہیں ، اردو میں عربی کے الفاظ کا بیش بہا خزانہ بھی عربی کا ہے ، مخلص بھی ہے ، ہمیں ہمیشہ دے رہاہے ،لے نہیں رہا، ہمارے لاکھوں پاکستانی وہاں سے زرِ مبادلہ کی صورت میں اربوں ڈالرز بھی ارسال کررہے ہیں ، لیکن ٹیکنالوجی اورجدید حرب وضرب تینیک میں وہ بذاتِ خود محتاج ہیں ۔ بالآخر بات اس پر جاکر ختم ہوئی کہ اگرہم عالم عربی یا شرق اوسط بشمول

ایران وترکی کے قریب ہو جاتے ہیں، تو اس طرح وہاں کی ثروت ودولت اور ہمارے یہاں کی محنتی افرادی قوت اور سائنس و ٹیکنالوجی سے ہم سب مستحکم ہو سکتے ہیں۔ بات ایران خلیج تناؤ کی آئی، تو اس کا حل بھی پاکستان کے پاس ہے، اخلاص اور حکمت عملی کے ساتھ اگر کوشش کی جائے تو پاکستان اس تناؤ کو دور کر سکتا ہے، یوں امہ کی یہ مشکل بھی حل ہو جائیگی۔

مصر عالم عربی کا ایک طاقتور ملک ہے، سائنس و ٹیکنالوجی کے علاوہ فکر اسلامی کی تشکیل جدید میں اس کے پاس ماہرین بھی ہیں، دنیا بھر میں اس کی افرادی قوت بھی ہے مشرق اوسط سمیت افریقی ملک ہونے کے ناتے پورے بر اعظم میں اس کا اپنا ایک مقام، ہے، جامعۃ الازھر نے اس کے اسلامی تشخص اور تعلیمی حیثیت کو دوبالا کر دیا ہے، دس بارہ سال قبل شیخ الازھر سید محمد طنطاوی پاکستان تشریف لائے تھے، ان کو وہاں وزیر اعظم کا اسٹیٹس بلحاظِ عہدہ کے حاصل ہے، اسلام آباد اور کراچی میں بہت سی ان کے اعزاز میں تقریبات سے انہوں نے بہت پر مغز گفتگو بھی کی تھی، الفاروق عربی کے لئے میں نے ایک انٹرویو بھی کیا تھا۔

گزرے پیر کو مصر کے صدر ڈاکٹر محمد مرسی تشریف لائے، صدر آصف علی زرداری وزیر اعظم پرویز اشرف نے ان کا پر تپاک استقبال کیا، گارڈ آف آنر بھی پیش کیا گیا،، دونوں ملکوں کے قومی ترانے بھی بجائے گئے، دونوں صدور کے درمیان

خلوت میں ایک طویل ملاقات بھی ہوئی، دونوں ملکوں میں سربراہ سطح کی دوسالہ بنیاد پر اجلاس منعقد، رواں سال کے اواخر میں مشترکہ وزارتی کمیشن کا چوتھا اجلاس بلانے، تجارتی حجم ۴۰۰ ملین ڈالرز کی موجودہ سطح سے آگے بڑھانے اور آزاد تجارتی معاہدہ کرنے پر اتفاق بھی ہوا۔ تحریک انصاف کے سربراہ عمران خان سے بھی خصوصی ملاقات ہوئی۔ مصری صدر نے عربی زبان میں تقریر کرتے ہوئے پاکستان اور مصر اسلامی دنیا کے دوستون قرار دئے، اور کہاکہ ان دونوں ملکوں کا مسلم امہ اور خطے میں اہم کردار ہے اور رہیگا، صدر مرسی کے ساتھ، وزیر دفاع جنرل محمد عبد الفتاح السیسی، وزیر خارجہ محمد کمال عمرو، بین الاقوامی تعلقات میں صدر کے معاون ڈاکٹر عصام احمد الحداد، وزیر صنعت وخارجہ تجارت حاتم عبدالحامد الصالح، وزیر نشریات واطلاعات انجینئر طہ نجیب، صدارتی کابینہ کے سربراہ محمد رفاہ الطنطاوی بھی موجود تھے۔

صدر مرسی اور ان کے ساتھ آنے والے بھاری بھرکم وفد سے اندازہ لگایاجاسکتاہے، کہ یہ دورہ کتنی اہمیت کا حامل تھا، پھر یہ بھی کہ مذکورہ تمام عہدیداروں کے مقابلے میں پاکستان میں ان کے ہم منصبوں سے ملاقاتیں، مشاورتیں نہایت درجے کی حامل ہیں، ہمارے میڈیامیں پتہ نہیں کیوں اس دورے کو وہ کوریج نہیں دی گئی جتنا اس کا حق تھا۔

مصر ہر لحاظ سے خطے کا وہ ملک ہے جو کسی بھی طور نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، پاکستان اور مصر کا باہم مربوط رہنا امہ کے کئی مسائل کے حل کا ضامن ہے، استفادے کے مواقع بھی بہت ہیں، بالخصوص تعلیم وتربیت کے میدان میں مصر نہ صرف عالم اسلام کا بلکہ مغرب کے کئی ملکوں کا استاذ مانا جاتا ہے۔

اللہ کرے دونوں ملکوں کے بیور کریٹ اور اسٹبلشمنٹ کے ذمہ داران اس سلسلے کو آگے لے جانے میں سنجیدہ ہوں تاکہ یہ بھی امہ کی تقریب کا ایک سبب بنے۔

میانمار میں مذہبی تشدد

میانمار جسے پہلے برما کہا جاتا تھا، یہ انڈیا، بنگلہ دیش، تھائی لینڈ، لاؤس اور چین کے درمیان بحر ہند کے کنارے پر واقع خاصا بڑا ملک ہے، یہاں مسلمان 20 % فیصد ہیں، لیکن میانمار کی ہڈھسٹ حکومت انہیں 4% فیصد بتانے پر مصر ہے، 860 عیسوی میں یہاں مسلمانوں نے اشاعت اسلام کیلئے قدم رکھے، ان مسلمانوں میں عرب، فارسی، ترکی، فلپینی، ہندوستانی، بنگالی، پٹھان، چینی، اور ملایشین بڑی تعداد میں ہیں، مگر برمی نسل کے مسلمان بھی بہت ہیں، ''بائین'' شہر کے تمام باشندگان مسلمان ہیں ''اراکان'' صوبے کے اکثریت بھی اہل اسلام میں سے ہیں، ''مرتبان'' اور ''میدگو'' میں عرصۂ دراز تک مسلم تہذیب وثقافت کا بول بالا رہا، ''میدگو'' کی اکثری آبادی عرب ہیں۔

برما کے شہنشاہ اعظم ''انارواتا'' (1077_1044) نے اپنے دورِ شہنشاہی میں ایک عرب نسل کے ٹیچر کو اپنے ولی عہد شہزادے ''ساؤلو'' کیلئے اتالیق مقرر کردیا تھا، جس کے بیٹے رحمان خان اور شہزادہ ساؤلو میں اس رشتۂ تعلیم کی وجہ سے گہری دوستی ہوگئی تھی، اسی لئے ساؤلو نے اپنے دورِ حکومت میں رحمان خان کو ''بیگو'' صوبے کا بااختیار گورنر تعینات کیا تھا، یہ بھی لکھاہے مؤرخین نے

کہ ساؤلو کو رحمان خان کے والد صاحب کے ہاں جب تعلیم وتربیت کے لئے بادشاہ نے حوالے کیا تھا، اس وقت وہ شیر خوار تھے ،اتالیق کے بیگم انہیں دودھ بھی پلاتی تھی ، یو ں ساؤلو اور رحمان خان رضاعی بھائی بھی تھے ، چونکہ دونوں میں دوستی تھی ، شطرنج ساتھ کھیلتے تھے ،ایک موقع پر ساؤلو کو اپنے خواص کے سامنے رحمان خان کے ہاتھوں شکست ہوئی ، جس کی وجہ سے ساؤلو نے طیش میں آکر خان کو جنگ کا چیلنج دیدیا، اسے شکست ہوئی ، اور گھسان کی جنگ میں ہلاک ہوئے ، خان فتحیابی کے بعد دھوکے میں مارے گئے ، لیکن نئے شہنشاہ ''کیا نیتا'' نے مسلمانوں کو اپنے ملک وفوج میں بڑے بڑے عہدے اور مناصب دیدیئے، '' ارھی اور سلامات '' کے ناموں سے فوج میں دو مستقل رجمنٹ مسلمان فوجیوں پر مشتمل اسی وقت بنائے گئے تھے۔

بعد میں سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں یہاں کے ملوک نے ہندوستان میں شورش کی وجہ سے بہت سی سورتی اور دیگر مسلمان خاندانوں کو ہزاروں کی تعداد میں بلاکر اپنے ملک میں بسایا، تاکہ عسکری اور دیگر امور میں ان کی خدمات حاصل کی جاسکیں ،ان ہی مسلمانوں کو بعد میں شاہی دستے بھی حوالے کئے گئے تھے، کیونکہ بادشاہ کو ان کے علاوہ کسی پر اعتماد نہیں تھا، ''باغان'' نے 1850 میں اپنے دور حکومت میں کئی صوبوں کے گورنر ، مرکزی وزراء ، مشیرانِ مملکت اور سفراء ان ہی مسلمانوں میں سے چنے تھے ، مؤرخین نے ان مسلمانوں

کے عظیم الشان حکومتی، تعمیر اور عسکری کارناموں پر مفصل روشنی ڈالی ہے، ''ینگ انڈین رجمنٹ'' کے کمانڈر ولی خان کے والد عبدالکریم خان نے میانمار کی سرزمین پر انگریزوں کو جو شکستیں دی تھیں، وہ آج ان کے اور ان مشہور جنگی میدانوں کے نام سے زبان زد خاص وعام ہیں،یاد رہے باغان کے دور میں عابد شاہ الحسینی ایک عرب نژاد برمی دفاع اور جنگی وبین الاقوامی امور کے وزیر تھے، مسلمانوں کی ان شاندار کارناموں کے بدولت شہنشاہ ''مندون' نے بعد میں قصر شاہی میں مسجد، مسلمانوں کے لئے حلال گوشت اور برمی حجاج کے لئے مکہ مکرمہ میں ''بیت البور میے ن'' کے احکام جاری کئے، ''مندلائی'' شہر میں اسی مندون نے مسلمانوں کو مستقل سوسائیٹیز الاٹ کی تھیں۔

نیز میانمار سے لے کر فلپین تک مسلمانوں کی تین بڑی بڑی سلطنتیں بھی تاریخ میں رہی ہیں، جہاں کا سرکاری مذہب اسلام اور قومی زبان عربی تھی، ان کے سلطنتوں کے نام ''سولو'' ''ماغیندناؤ'' اور ''تیرنات'' رہے ہیں، دائرہ معارف میں ان امپائرز کی شان وشوکت اور رعب ودبدبہ کی تفصیلات پڑھ کر آدمی محو حیرت واستعجاب ہوجاتاہے، ان سلطنتوں کے میانمار کے پورے علاقے پر تہذیبی، ثقافتی اور تعمیری بے انتھا احسانات بھی ہیں۔

لیکن جب سے حالیہ فوجی آمیریت یہاں مسلط ہے، مسلمانوں کا جینا دوبھر ہوگیاہے

ارکان میں ظلم وتشدد کی داستانیں دو تین عشروں سے رقم کی جارہی ہیں ، لیکن شاید ، شام کی صورت حال سے عالم اسلام کی توجہ منقسم کرنے کیلئے اب روس وبھارت نے یہاں پورے میانمار میں مسلم خون کی ارزانی کا نیا بازار گرم کررکھا ہے، مساجد ،مدارس تو ہیں ہی ہدف ، مسلم محلے اور مارکیٹیں بھی لپیٹ میں آچکی ہیں ، کل ہی ایک مدرسے کے دسیوں معصوم طلبہ کو نہایت بے دردی سے شہید کیا جاچکا ہے، قیام پاکستان کے زمانے میں اہل خبر جانتے ہیں کہ یہاں کے مسلمانوں نے پاکستان کی اس وقت کتنی بڑی غذائی مدد کی تھی ، اب شاید پاکستان کی باری ہے کہ وہ عالمی ،علاقائی اور ہر سطح پر اپنا کردار ادا کرکے ان کی داد رسی کرے اور ''ھل جزاء الاحسان الا الاحسان'' کے اصول کے مطابق ان کے احسانات کا بدلہ چکائے ۔

سری لنکا میں مذہبی منافرت کی تازہ لہر

خلیج بنگال کے دروازے پر ایک جزیرہ جمہوریہ سری لنکا 1972 سے قبل جسے سیلان، سیلون اور قدیم تاریخ میں سراندیپ کہا جاتا تھا. الف لیلة کی عجیب وغریب کہانیوں میں اس سراندیپ کا تذکرہ کچھ زیادہ ہی ملتا ہے، یہاں کے ''جبل نور'' کے متعلق مشہور ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کا نزول مبارک بھی اسی پر ہوا تھا.

انگریزوں کے دور میں شہرت پانے والا علاقہ ''کالا پانی'' جو بطور جیل کام میں لایا جاتا تھا، وہ بھی اس کے پڑوس میں ہندوستان کے آخری کنارے پر ہے۔16ویں صدی عیسوی سے 19ویں صدی عیسوی تک سری لنکا پرتگال ، ہاؤلنڈ اور برطانیہ کی یکے بعد دیگرے کالونی رہی ، جاپان کے خلاف دوسری عالمی جنگ میں اتحادی قوتوں نے اسے بطور بیس استعمال کیا، جاپان پر فضائی اور بحری حملوں کی کمان یہاں سے کی جاتی تھی، 1948 میں انگریزی استعمار سے اسے آزادی ملی۔

یہاں بدھ مت ، ہندومت اور اسلام کے پیروکاروں کے علاوہ قلیل تعداد میں کرسچن بھی آباد ہیں ، 1981 سے 2001 تک سری لنکا کے شمال میں تامل ٹائیگرز آزادی اور خود مختاری کے حصول کے لئے مرکزی حکومت سے لڑتے رہے، مگر بالآخر ان میں صلح ہو گئی ، یہ دنیا کا واحد ملک ہے جہاں نوے کی دھائی میں ماں بیٹی''

چندریکا کمارا ٹنگا اور بندرانائیکا'' بیک وقت بالترتیب صدارت اور وزارت عظمی پر فائز رہی ہیں۔

یہاں 500 کے قریب اسلامک سکولز اور قریباً 200 اربک انسٹی ٹیوٹ ہیں، کئی دارالیتامی، متعدد کالجز اور دینی وعصری علوم کی مسلم یونی ورسٹیاں ہیں ،اتوار سکولز بھی یہاں بہت مشہور ہیں، یہ مسلمان بچوں کی دینی ومذہبی تربیت کے لئے حکومت ہی کے سکولوں میں چھٹی کے ایام میں تعلیم وتربیت فراہم کرتے ہیں ،اسلامک لائبریریز،اسلامک کلچر ہالز اور مکاتب تحفیظ القرآن کا بھی جال بچھا ہوا ہے۔

محمود سامی بارودی سابق وزیر اعظم مصر کو انگریزوں نے کالاپانی کے بجائے سری لانکا جلاوطن کر دیا تھا،جہاں انہوں نے 17 برس گذارے تھے، اور آخری عمر میں مصر واپس ہوئے ، چارسال کے بعد وفات پائی ، انہوں نے یہاں خود تو انگریزی پر عبور حاصل کرلیا تھا، فارسی اور ترکی میں بھی وہ ید طولی رکھتے تھے، کولمبو میں انہوں نے اپنی جلاوطنی کے زمانے میں عربی زبان کے نشرواشاعت کے متعدد انسٹی ٹیوٹ قائم کئے تھے، ان ہی کے وجہ سے آج بھی یہاں ایسے ادارے ہیں ،جہاں سری لنکا کے علاوہ انڈونیشیا، ملائیشیا،برما، تھائی لینڈ، اور ہندوستان سے مسلمانوں کے بچے عربی زبان سیکھنے کے لئے رختِ سفر

باندھتے ہیں ، بارودی صاحب کی وجہ سے یہاں شافعی مذہب بہت پھیلا، اگرچہ اسلام یہاں پہلی اور دوسری صدی ہجری میں داخل ہوا تھا، نیز عرب تاجر اور سیاح کی یہاں قبل از اسلام بھی آمد و رفت تھی ، مگر محمود سامی بارودی کی جدوجہد نے یہاں مسلمانوں کی موجودگی کو مہمیز بخشی ، بارودی عرب دنیا کے عصر حاضر کے بہت بڑے ادیب ، شاعر اور دانشور شمار کئے جاتے ہیں ، ان کی لازوال نظم ''قصیدۃ سراندیب'' عربی ادب کا ایک عظیم شاہکار ہے، دسیوں اس کی شرحیں لکھی گئی ہیں، ادبِ عربی کی تاریخ میں چند نامور قصائد میں ''قصیدۃ سراندیب'' ایک سنہری اضافہ ہے۔

اسلامی رفاہی اداروں اسلامک مشنری تنظیموں ، تبلیغی جماعت ، جماعت اسلامی، جمعیت علمائے سری لنکا، جمعیت البخاری ، جماعت مسلمہ اور جمعیت انصار السنۃ کی اس جزیرے میں نمایاں خدمات ہیں ۔

سیاست میں بھی یہاں کے مسلمان ماضی کے زمانوں سے اِن ہیں ، وزارت ، سفارت بیوروکریسی اور اسٹیبلشمنٹ کے علاوہ ان کی اپنی سیاسی جماعت سریلنکن پیپلز کانفرنس، بھی فعال ہے۔

حالیہ دنوں میانمار کی طرح سری لنکا میں بھی مسلمانوں کے خلاف مذہبی منافرت

کی آگ بھڑکائی گئی ہے۔الشرق الاوسط کی رپورٹ کے مطابق، باحجاب خواتین، مسلم مارکیٹیں، مسلمانوں کی دکانیں، ''حلال'' مارکہ غذائی مصنوعات، مساجد اور مدارس کو بطور خاص ہدف بنایا گیا ہے۔ رپورٹ کے مطابق بعض مسلم خواتین کو بسوں تک سے صرف اس لئے اتارا گیا کہ وہ مسلمان ہیں۔ عقیل الدین جو ایک ٹیچر ہے کے بقول سکول میں ایک بڈھسٹ بچے نے جب مسلم بچے سے پانی مانگا تو دوسرے نے چلّا کر روکا کہ حلال ہے، عام سڑکوں پر کچھ جنونیوں نے مسلمان خواتین سے عبائیں کھینچ کر اتارنے کی کوشش بھی کی۔ کئی مساجد کو عارضی اور ایک دو کو مستقل بند کرایا گیا ہے۔ کولمبو میں ایک سپر سٹور کے مالک رضوان نے بتایا کہ ''بوڈھو بالا سینا'' بڈھسٹ جنونی تنظیم کی وحشیانہ کارروائیوں کے بعد سے میں صبح اپنے تین بیٹوں سمیت کاروبار کے لئے آتا ہوں اور شام خالی ہاتھ لوٹتا ہوں۔ جلال بوڈھا گنانا سارا جنرل سیکرٹری بوڈھو بالا سینا نے ان بڈھسٹ خواتین وحضرات کو جو'' مسلم مارکیٹس بائیکاٹ ''کا خیال نہیں رکھتے، گندے انڈے قرار دیا ہے، اور انہیں سخت سزائیں دینے کا عندیہ بھی دیا ہے۔

ان حالات میں امت مسلمہ کو اتحاد واتفاق کا مظاہرہ کرنا چاہئے، عالمی فوروموں پر اپنی آواز بلند کرنی چاہیۓ، نیز انسانی حقوق کی تنظیموں اور انسانیت کے نام پر شہرۂ آفاق شخصیات کو بھی آگے بڑھ کر منافرت وتشدد کی ان کارروائیوں پر شدید تنقید کرنی ہوگی اقوام متحدہ اور اس کے ذیلی،

اداروں کا بھی فرض بنتا ہے کہ اقلیات کے ساتھ زیادتیوں پر قدغن لگائے ،تاکہ دنیا
میں کمزوروں سے نفرت کا یہ سلسلہ رک جائے۔

غریب کو روٹی ایسے ملے گی

ہمارے ملک کیا پورے بر صغیر میں معاشی عدم مساوات ایک نا سور بن چکا ہے، ویسے بھی یہ منطقہ عالمی ترقی کی دوڑ میں مستحکم ملکوں کے دوش بدوش نہیں ہے، رہی سہی کسر حکمراں واہل ثروت کی بے حسی سے دوبالا ہو جاتی ہے، یہاں بیورو کریسی ، اسٹبلشمنٹ اور سیاسی وابستگی سے کسی بھی طرح اقتدار تک پہنچ جانے والے لوگ ،تاجر اور امراء صرف جمع کرنا جانتے ہیں ، خرچ کرنے اور بجا خرچ کرنے میں وہ بخل اور تقلیل مال سے خائف نظر آتے ہیں ، یہ کوٹھیوں میں رہتے ہیں ،بڑی بڑی گاڑیوں میں گھومتے ہیں ، فائیو اسٹار بار بی کیو رکے کھانے کھاتے ہیں ،جہازوں میں سفر کرتے ہیں ، گرمیوں میں اے سی اور سردیوں میں ہیٹر استعمال کرتے ہیں ،دامادوں سے بھاری بھر کم مہر لیتے ہیں ، بچیوں کو اسراف کی حد تک لگژری جہیز دیتے ہیں ،شادیوں کے کھانے عالی شان میرج ہالوں میں کھاتے ، کھلاتے اور ضائع کرتے ہیں ، تعلیمی اداروں میں زیادہ سے زیادہ فیسیں بطور فیشن ادا کرتے ہیں۔

یہ سب کچھ انہیں مبارک ہو، اللہ تعالٰی مزید برکتوں سے نوازے ، لیکن انہیں ان نعمتوں ،برکتوں اور رحمتوں کو زوال پذیر ہونے ، نظر بد لگنے اور اپنی اولادوں کے مستقبل کو عدم استحکام سے بچانے کیلئے ، گویا اپنے ہی فائدے کیلئے مال

وہ دولت جمع کرنے کے ساتھ ساتھ انفاق کے وہ طریقے بھی اختیار کرنے ہوں گے، جن سے ان ہی کی یہ دولت وثروت قائم دائم رہے، ان کو نظر بد نہ لگے، عیش وعشرت لمحوں کی خطاؤں سے صدیوں تک سزاؤں میں نہ بدلیں، مزدور، غریب، لاوارث، یتیم واسیر، مقروض، بیوہ اور ستم رسیدہ کی رال انہیں دیکھ کر نہ ٹپکے، غربت وکسمپرسی پر مشتمل اکثریتی معاشرے میں یہ اقلیت بن کر نہ رہیں، کل کلاں دشمنوں، حاسدوں اور مخالفین کے سینے ان کی کلفتوں، مصائب اور حشر سامانیوں سے ٹھنڈے نہ ہوں، غریب کے بچے ان کے بچوں کو گھور کر نہ دیکھیں، انہیں لاچاروں کے خون چوسنے والے نہ سمجھیں، ان پر خود کش حملوں کیلئے کسی کی بھینٹ نہ چڑھیں، بیوائیں اور غریب بچیاں ان کے ہاتھوں تعمیر کردہ اس بے توازن سماج میں اپنی عزتیں نہ لٹائیں، ان کے گھروں میں ان ہی کے ملازمین سامانِ تعیش کے حصول کیلئے ان پر ڈاکے نہ ڈالیں، ان کی نیندیں حرام نہ کریں، انہیں خود یا ان کے بچوں کو اغوا برائے تاوان کے منصوبے نہ بنائیں نوجوان بھتہ مافیا بن کر ان سے زبردستی اموال نہ چھینیں، بلکہ وہ ہر موڑ پر ان کی، حفاظت، سیکورٹی اور خدمت کو اپنے لئے فخر سمجھیں، غریبوں کی اولادیں، ماں باپ اور ان کی جمیع متوسلین ومتعلقین ان کیلئے ہمہ وقت بارگاہ ایزدی میں دست بدعا بنے رہیں۔

سویڈن کا ایک فارغ التحصیل عالمِ دین ہمارے پاس گذشتہ سالوں عربی ادبیات

کاطالب بن گیا،ایک دن وہ بتانے لگا،ہم دو بھائی ہیں، میرا بھائی اسپیشل چلڈرن میں سے ہے، جن کی دیکھ بھال کے لئے حکومتی قانون کے مطابق دو ملازم فراہم کئے جاتے ہیں،چنانچہ میرے ماں باپ نے اس ملازمت کیلئے درخواست دی، ان کا تقرر بھی ہوگیا،اب وہ دونوں اپنے ہی گھرپر اپنے ہی بچے کی خدمت کرکے گورنمنٹ جاب کرتے ہیں۔

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک فقیر حاضر ہوئے،اپنی حاجت براری کی درخواست کی،آپؐ نے فرمایا، فلاں دکاندار کے پاس میرا کھاتہ چلتاہے، جاکے میرے نام پر اپنی حاجت کی چیزیں لے لیں،وہ گئے، مجلس میں حضرت عمرؓ بھی تھے عرض کیا،یارسول اللہ ،یہ اشیاآپ کے پاس موجود ہوتیں،توآپ دیدیتے،دکانوں، سے اپنے اوپر قرضے چڑھاکر دلانا مناسب نہیں،اتنے میں ایک غیر معروف صحابی نے فورا کہا، نہیں یارسول اللہ،آپ اسی طرح انفاق فرماتے رہیں اور عرش والوں سے تقلیل وقلت کا خوف نہ کھائیں،نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور حضرت عمر بن خطاب کی مداخلت سے متغیر ہوگیا تھا،جواس دوسرے صحابی کے جواب سے دوبارہ کھل گیا،آپ نے فرمایا عمر کیا تمھیں پتہ نہیں میں رحمۃ للعالمین ہوں۔

ایک موقع پر آپ مسجد نبوی میں خطاب فرمارہے تھے،اے لوگوں تم میں سے اگر کوئی فوت ہوجائے اور پیچھے چھوٹے بچے یا بوڑھے والدین اور بیوہ چھوڑدیں،تومیں

ان کی کفالت کا اعلان کرتا ہوں، وہ اپنے حوائج میں ہم سے رجوع کریں، اے لوگوں تم میں سے اگر کوئی مقروض ہو کر مرتا ہے، قرض خواہ اس بارے میں ہمارے پاس آئے ہم ادا کرینگے، اور اے لوگوں تم میں سے اگر اس حال میں اس دنیائے فانی سے گذرا، کہ اس نے اموال چھوڑے تو اس سے ہمارا کوئی سروکار نہیں، وہ ان کے وارثوں کے ہیں

۔

کیا ہم ان نبی کے امتی اور پیروں نہیں، کیا ہم ان کے وارث نہیں، کیا جہانوں کیلئے رحمت ہونے میں وہ ہمارے لئے ماڈل اور ان کے توسط سے پوری امت عالمین کیلئے رحمت نہیں، کیا اس نبی پر نازل شدہ قرآن کریم میں اسراف اور بے جا خرچ کرنے والوں کو شیاطین کے بھائی (اخوان الشیاطین) نہیں قرار دیا گیا، کیا اس قرآن میں ظلم، زیادتی غصب حقوق، ریاکاری، اور بخل کو حرام نہیں کرایا گیا، کیا اس کتاب میں ان اموال، وخزائن کو برزخ ودوزخ میں گنجے سانپوں اور بچھوؤں کی شکل اختیار کرنے اور ان مالکان کو ڈنک مارنے کا نہیں بتایا گیا؟

کمانے اور لوٹنے کیلئے ہم جتنا سوچتے ہیں، اس سے کہیں زیادہ ہمیں ان کے صحیح مصارف پر غور کرنا ہوگا، حدیث میں آتا ہے، دوسروں کو دوگے تو ہم دینگے، اور مال ہرگز صدقات وخیرات سے روبقلت نہیں ہوتے۔ حاتم طائی اور عثمان بن عفان کے اموال توکم نہیں ہوئے، بل گیٹس اور نوبل کو دیکھیں، کیا رونالڈو نے

اپنا سونے کا فٹبال بوٹ فلسطینی بچوں کیلئے وقف کرکے پوری دنیا میں عزت ودعائیں اور نیک تمنائیں نہیں کمائیں۔

ہم یا تو اموال کے اسلامی وسرکاری حقوق ادا نہیں کرتے یا ان رفاہی اور سیاسی.بڑے بڑے اداروں اور شخصیات کو دیتے ہیں، جو اپنے فنڈ کا بہت سا حصہ اپنے اور ادارے کی تشہیر واشتہارات پر لگاتے ہیں، آپ صرف رمضان نہیں سال بھر محلے ،رشتے اور پیشے کے اعتبار سے اپنے قریب ترین، غریب ، فقیر، عیال دار، یتیم ،اسیر ، ذہنی یا جسمانی معذور، ضعیف وعمر رسید، بیوہ او مقروض کو تلاش کیا کریں ،ان کی تاک میں رہیں ،ان کا تفقد کریں ،ان کی خبر گیری کریں،اور اسراف نہیں بقدر ضرورت ان کو اپنی اموال میں سے دیتے رہیں ،زائد از ضرورت سامان خانہ اور روز کا بچا ہوا کھانا مہیا کرتے رہیں دیہاتوں میں فقیروں کے بچے آس پاس کے دس پندرہ گھروں سے دوپہر شام خانہ، بخانہ دستک دے کر روٹی سالن مانگتے ہیں ،شہروں میں آپ ہر محلے کی سطح پر اس بنیادی ضرورت کا بندوبست اسی طرح کرائیں ،یوں غریب کو روٹی بھی مل جائیگی ، ان کی دکھوں کا مداوا بھی ہوگا، ان کی دعاؤں کی بدولت اہل اقتدار کی حکمرانی اوراہل ثروت کی توانگری کو دوام بھی ملے گا۔۔۔۔توکیا ہے کوئی نصیحت وعبرت حاصل کرنے والا ؟؟؟

شادیاں ایسی بھی ہو سکتی ہیں

جمعرات کی شام ایک دوست کے صاحب زادے کا ولیمہ تھا، مہر میں سونا اور ولیمہ میں کھانا دونوں میں اسراف اور تبذیر سے اتنا کام لیاگیا تھا کہ خوشی کے موقع پر بھی دل ہی دل میں افسوس ہی ہوا ، سمجھ نہیں آتی ،لوگوں کو سادگی اپنانے اور غمی خوشی کے موقع پر افراط و تفریط سے کیسے بچایاجائے ، کونسی زبان میں انہیں سمجھایاجائے، کیاسید التابعین حضرت سعید بن مسیب کا اپنی بیٹی بیاہنے کا طریقہ ہم میں سے کسی کے لئے نمونہ نہیں بن سکتا ؟

امام غزالی احیاء علوم الدین میں رقمطراز ہیں: عبداللہ بن ابو وداعہ کہتے ہیں، میں حضرت سعید بن مسیب کی خدمت میں حاضر رہا کرتا تھا،اتفاق سے مجھے کئی دن ناغہ کرناپڑا، آپ نے میری غیر حاضری کے بارے لوگوں سے سوال کیا ،جب میں حاضر خدمت ہوا، آپ نے پوچھا: تم کہاں تھے ؟میں نے عرض کیا، میری اہلیہ کا انتقال ہو گیا تھا، میں اسکی تجہیز و تکفین اور تعزیت کے امور میں لگاہوا تھا...آپ نے فرمایا، مجھے کیوں نہیں بتایا؟میں بھی شریک ہوجاتا، پھر میں نے اٹھنا چاہا، آپ نے فرمایا : تم نے کوئی لڑکی دیکھی ہے؟میں نے عرض کیا : خدا آپ کا بھلا کرے ، اب مجھ سے کون نکاح کرائے گا۔ میرے پاس شاید دو

یا تین درھم ہوں۔

فرمایا: میں اپنی بیٹی سے تمہارا نکاح کراتا ہوں۔ میں نے تعجب سے کہا: آپ نکاح کرائیں گے ؟ فرمایا: ہاں، چنانچہ اسی وقت آپ نے خطبہ پڑھا اور میرا نکاح کرادیا، میں آپ کی مجلس سے اٹھا تو مارے خوشی کے مجھے کچھ سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ میں کیا کروں، پھر میں نے اپنے گھر کی راہ لی، راستہ میں سوچنے لگا کہ کسی سے کچھ قرض لوں ؟ کسی سے کوئی رقم ادھار لوں ؟ لیکن کچھ بھی نہ کرسکا، مغرب کی نماز ادا کی اور اپنے گھر لوٹا، گھر پہنچ کر میں نے چراغ جلایا، میرا روزہ تھا، ماحضر اپنے سامنے رکھا، وہ بھی کیا تھا ؟ روٹی اور زیتون کا تیل تھا، اچانک مجھے محسوس ہوا کہ کوئی دروازہ کھٹکھٹا رہاہے، میں نے کہا: کون ہے ؟ آواز آئی: سعید !

میں نے سعید نامی ایک آدمی کا تصور کیا، کہ وہی سعید ہوسکتا ہے، لیکن سید التابعین، عظیم محدث اور اہل مدینہ کے امام حضرت سعید بن المسیبؒ کی طرف میرا ذہن بھی نہیں گیا، کیونکہ چالیس سال کا عرصہ ان پر ایسا گزرا کہ وہ گھر سے مسجد تک کے علاوہ کہیں نہیں گئے، میں لپک کر دروازے پر پہنچا، دیکھا، حضرت سعید بن المسیبؒ ہیں، مجھے وہم ہوا کہ شاید آپ کا ارادہ بدل گیاہے، میں نے عرض کیا: ابو محمد (یہ حضرت سعید کی کنیت ہے) اگر آپ

اطلاع کر دیتے، میں خود آجاتا، آپ نے فرمایا نہیں! تم اس کے زیادہ مستحق تھے، کہ تمہارے پاس آیا جائے، میں نے عرض کیا: فرمایئے کیا حکم ہے؟ انہوں نے فرمایا: تم غیر شادی شدہ تھے، اب تمہاری شادی ہو گئی ہے، اس لئے مجھے اچھا نہیں معلوم ہوا کہ تم رات کا کھانا بھی تنِ تنہا کھاؤ... یہ تمہاری بیوی حاضر ہے، میں نے دیکھا، تو آپ کی صاحبزادی، یعنی میری اہلیہ آپ کے بالکل پیچھے کھڑی ہے، آپ نے صاحبزادی کو دروازے سے اندر داخل ہونے کا کہااور خود لوٹ کر تشریف لے گئے، وہ بیچاری شرم و حیا کی وجہ سے وہیں گر گئی، مگر معاً سنبھل گئی، میں نے دروازہ بند کیا اور اپنا فقیروں والا کھانا'' روٹی اور زیتون کا تیل'' چراغ کے سامنے سے جلدی جلدی ہٹا دیا، تاکہ اس کی نظر نہ پڑے، پھر مکان کی چھت پر چڑھ کر پڑوسیوں کو آواز دی، لوگوں نے جمع ہو کر پوچھا: کیا بات ہے؟ میں نے کہا: حضرت سعید بن المسیبؒ نے اپنی صاحبزادی سے میرا انکاح کر دیا ہے، اور وہ خود ابھی اس کو پہنچا گئے ہیں۔ لوگوں کو بہت تعجب ہوا کہنے لگے: کیا واقعی حضرت سعید نے اپنی صاحب زادی سے آپ کی شادی کرادی؟ میں، نے کہا، ہاں! انہوں نے کہا: دلہن تمہارے گھر میں ہے؟ میں نے کہا: جی بالکل! چنانچہ پڑوسی خواتین اسی وقت آگئیں، اور میری بوڑھی والدہ تک بھی خبر پہنچ گئی، وہ بھی اسی وقت تشریف لے آئیں، والدہ نے کہا: تین دن تم اس کے قریب نہیں آؤ گے، تاکہ ہم اس کو تیار کرلیں، ورنہ تمہارا منہ نہ دیکھوں گی۔

تین دن کے بعد جب میں نے اس سے تخلیہ کیا، وہ حسن وجمال میں یگانۂ روزگار تھی، اسے کلام پاک خوب یاد تھا، احادیث نبوی ﷺ اس کی نوک زباں پر تھیں، شوہر اور سسرال کے حقوق کے متعلق اسے کامل واقفیت حاصل تھی، ایک ماہ تک میں حضرت مرشد کی خدمت میں نہیں گیا اور نہ ہی وہ تشریف لائے، پھر جب میں حاضر ہوا تو وہاں لوگ خوب جمع تھے، میں سلام کرکے بیٹھ گیا، حضرت نے سلام کا جواب دیا لیکن کوئی اور بات نہیں کی، پھر جب سب احباب چلے گئے، حضرت نے فرمایا: اُس، انسان کا کیا حال ہے؟ میں نے عرض کیا: اے ابو محمد! نہایت بہتر ہے، یہاں تک کہ دوست دیکھ کر خوش ہوں اور دشمن دیکھ کر جلیں۔ حضرت نے فرمایا: اگر کوئی نا گوار بات دیکھو تو لاٹھی سے خبر لینا۔ پھر میں اپنے گھر لوٹ آیا، حضرت سعید بن المسیبؒ نے ایک شخص کے ذریعے بیس ہزار درہم مجھے بھجوا دیئے۔

یہ سیدھی سادی اور مبارک شادی کا دلچسپ اور نہایت سبق آموز سچا واقعہ ہے، قابلِ توجہ بات یہ بھی ہے کہ حضرت کی اس صاحبزادی سے خلیفۂ وقت عبد الملک بن مروان نے اپنے بیٹے ولید بن عبد الملک کی شادی کیلئے رشتہ مانگا تھا، لیکن امام اہل مدینہ حضرت سعید بن المسیبؒ نے انکار کردیا، اور اپنی اس پیاری حسین وجمیل، حافظہ، عالمہ، فاضلہ اور دین دار بیٹی سے نکاح اپنے غریب

مگر صالح متوسل سے کرادیا۔

خانہ آبادی یا خانہ بربادی

شادی انسانی معاشرے کی ایک بنیاد ہے ، کرہ ارض پر گھروں کی آبادی کی ضامن شادی ہی ہے، عہد جاہلیت میں اس کی شکلیں متعدد اور متنوع تھیں ، دیگر ادیان اور تہذیبوں میں ان شادیوں کی جھلک آج بھی موجود ہے، اسلام نے بنی نوع بشری کی اس ضرورت اور بنیاد کو منضبط اور نہایت مستحکم انداز میں پیش کیا، اسلام کی حقیقی روح کی ساتھ اگر شادی کے اس عمل کو انجام دیا جائے تو صحیح معنوں میں یہ خانہ آبادی ہے،اور اگر ان اصولوں کو پامال کرکے انجام دہی کی کوشش کی جائے تو یہی خانہ آبادی خانہ.بربادی میں بدل جاتی ہے۔

دو گواہوں کے سامنے ایجاب وقبول اور مناسب مہر یہ اس کی لازمی شرطیں ہیں ،خطبہٴ نکاح ،ولیمہ ،بقدر کفایت جہیز اور دف وغیرہ کے ذریعے اس کی تشہیر یہ اس کے مختصر سنن وآداب ہیں ،ازواج مطہرات ،بنات النبی صلی اللہ علیہ وسلم بطور خاص نکاح سیدہ فاطمہؓاور صحابہ کرام کے باہمی بندھنیں ،اس کی لازوال مثالیں ہیں ، صرف حضرت زینب سے عقد نکاح کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بکری کا ولیمہ روایات میں ملتاہے،بقیہ نکاحوں میں اس سے کم کی روایتیں ہیں ، سیدۃالکائنات حضرت فاطمہ کا جہیز ایک دو جوڑے لباس ایک چکی ،ایک مشکیزہ ،اور

مہر صرف چاندی کے پانچ سو درھم ہیں۔ جانبین میں انتخاب کیلئے سب سے زیادہ جس بات پر شریعت نے زور دیا ہے وہ دین داری ہے، مال داری ،حسب ونسب اور حسن وجمال اس انتخاب میں اسلام کی نظر میں ثانوی حیثیت رکھتے ہیں۔

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم ان سیدھے سادھے ھدایات کے ساتھ اپنی طرف سے فخر وتفاخر کیلئے ایسے اضافے کر دیتے ہیں ، جن سے یہ معاشرتی ادارہ فساد کی طرف مائل اور تباہی وبربادی کی راہوں پر گامزن ہوجاتا ہے، بسااوقات یہ ادارہ طلاق کی صورت میں انہدام سے دو چار ہوجاتا ہے، بلکہ بے جا شروط، رسومات اور اضافوں کی بناء پر اس ادارے کا قیام مشکل بھی ہوجاتا ہے، جس کی سزا والدین کے ساتھ قابل زواج بچیوں اور بچوں کو مجرد زندگی گذارنے کی صورت میں بھگتنی پڑتی ہے۔

آپ عصر حاضر میں سرمایہ دارانہ نظام کے بدولت امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتے دیکھ رہے ہیں ،مالیاتی بحرانوں نے بڑے بڑے ملکوں اور اتحادوں کو ہلا کر رکھ دیا ہے ،ایسے میں پاکستان اور دیگر اسلامی ملکوں جیسے ترقی پذیر یا غریب ممالک کی حالت زار ہر خاص وعام کے مشاھدے میں ہے، غربت ،بے روزگاری، کساد بازاری امن وامان کی ابتری ،مقامی کرنسیوں کا روزافزوں تنزل کسی دلیل وبرھان کے محتاج، نہیں ۔

ان حالات میں شادی جیسے ایک بنیادی ضرورت میں ہم سب افراط و تفریط کے شکار ہیں
کہیں کثرت جہیز کی لعنت ہے، کہیں بہتات مہر کا اژدھا ہے، تو کہیں ولیمے اور دیگر
رسومات کا آتش فشاں ہے، شہری علاقوں میں جہیز اور مہندی کے رواجوں کے ساتھ
ساتھ ولیمے کیلئے مفاخرانہ شادی ہالوں کی بکنگ ایک عقدۂ لاینحل بنتا جارہا ہے، ادھر
دیہاتی علاقوں میں مہریں لاکھوں سے متجاوز ہو کر ملینوں تک جا پہنچی ہے، سرداروں کی
صاحبزدیاں غلوفی المھر کے سبب رشتۂ ازدواج کی اس رحمت وبرکت سے اگر محروم
ہیں ، تو ارب پتی ولکھ پتی شہری تاجروں کی اولادیں جہیز کمانے میں تھکان ہو رہی ہیں ۔
ان رسومات کا زیادہ تر اثر تو شروع میں ان ہی لوگوں پر پڑتا ہے، جو اسے حرزِ جاں بنائے
ہوئے ہیں ، مگر انفعالی طور پر اس کے اثرات زہر قاتل کی طرح پورے معاشرے میں
سرایت کر جاتے ہیں ، اپنا بھرم رکھنے کیلئے لوگ بنکوں سے لون اور رشتے داروں سے
قرضے لیتے ہیں ، ان مضر اور موذی معاملات کی پر چھائیاں دولہا دلہن پر جب پڑتی ہیں
تو بات طعن و تشنیع سے بڑھ کر علیحدگی پر منتج ہو جاتی ہے، طلاق یافتہ مرد وخواتین کی
تعداد میں آئے دن زیادتی اسی کے باعث ہے، ان کی آگے چل کر مشکلات کیا ہوتی ہیں
وہ ایک الگ داستاں ہے۔
خدارا انسانی معاشرے کو بچائیے ، اپنی اپنی چادروں تک پیر پھیلائیں ، امیر

قارون نہ بنیں اور غریب گداگر نہ بنیں ، بے جا رسومات ورواجات اپنا کر امراء غلط رخ نہ دیں ،اور فقراء جہیز میں مقابلہ آرائی کرکے اپنے جگر گوشوں کی زندگیاں داؤ پر نہ لگائیں ،یہ بچے اور بچیاں مظلوم ہیں ،یہ ظالم اور برق رفتار دور کے فتنوں کی زد میں ہیں یاد رکھئیے مظلوموں کی آہیں بارگاہِ قہار وجبار میں بلاروک ٹوک باریابی حاصل کرتی ہیں ،اگر ان سب مظلوم بچوں اور بچیوں نے آہیں نکالیں تو نہ امیر کی ٹیپ ٹاپ رہیگی اور نہ ہی فقیر کی سکون کی نیند ہو گی ۔

رحمان ملک کا سچ

62-63 کی شقوں کو ہمارے یہاں جس طرح الیکشن کے ان ایام میں ملغوبہ یا ملعوبہ بنایا گیا ہے ،اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ قانونِ توہین رسالت ﷺ کی طرح متنازع ہو جائے گا ،بالخصوص انسانی حقوق کے لیے آواز اٹھانے والی تنظیمیں اس کے خلاف واویلا شروع کر دیں گی۔ عین ممکن ہے کہ ''صادق وامین'' کے جو معنی یہاں لیے جارہے ہیں، وہ ایک مذاق بن جائے، چنانچہ اس کو بنیاد بنا کر ختم کرنے کی کوششیں شروع ہو جائینگی۔

دعائے قنوت، شش کلمے ، سورہ کوثر تو ہمارے یہاں 3 سے لیکر 7 سال کی عمر میں اکثر بچوں کو یاد ہو جاتے ہیں، پارلیمنٹ میں جانے کے لیے ایک طرف ہائی ڈگریوں کو لازم کیا گیا، کہیں ڈگریاں جعلی قرار دے کر متعدد ممبران کو فارغ بھی کیا گیا، جبکہ طرفہ تماشا یہ کہ الیکشن کمیشن کے ذمہ دار خود پریپ ون اور پریپ ٹو کے مواد کا امتحان لے رہے ہیں، کم از کم ''الصادق الامین'' کے لغوی اور اصطلاحی معنی پوچھتے، یہ وہ صفات تھیں جن کی وجہ سے جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ کو مکہ کے مشرکین، قیصر روم اور نجاشی جیسے لوگ صادق اور امین باور کرتے تھے، ہمارے ملک میں دھوکہ دہی ،فراڈ، غبن اور کرپشن کر کے لوگ وطن سے ہجرت

صرف اس لیے کرتے ہیں، کہ ان کے پاس جو ناجائز کمائی ہے، اسکا احتساب نہ ہو، میرے ماں باپ ان پر قربان، کہ وہ جب ہجرت فرما رہے تھے تو پائی پائی کا حساب حضرت علی رضی اللہ عنہ کو سمجھا کر اور تفصیلات کے ساتھ ان کی پوٹلیاں بتا کر نکلتے ہیں، تاکہ ان کی امانت پر حرف نہ آئے۔ امانت و دیانت کے متعلق ذخیرہ احادیث میں بیشمار روایتیں اگر آپ کی ہیں تو یہ آپکو زیبا بھی ہیں۔

صادق کے ساتھ قرآن کریم میں ایک اور لفظ ملا کر حضرت اسماعیل علیہ السلام کے حوالے سے یوں کہا گیا ہے ''اِنہ کان صادق الوعد'' کہ وعدے میں سچا ہو، یہاں وعدوں کا لحاظ نہ کرنے کے لیے جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ وعدہ ہے، کوئی قرآن کی آیت تو نہیں، ارے بھائی وعدے کے متعلق احکام اور یہ لفظ وعدہ قرآن کریم میں ہی تو ہے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام نے کسی سے وعدہ کیا کہ فلاں جگہ فلاں وقت ملیں گے، حسبِ وعدہ تشریف لے گئے، وہ صاحب ایک دو دن کے بعد آئے، حیران رہ گئے کہ حضرت اسماعیل وہاں وعدے کے مطابق دو دن سے انتظار میں ہیں۔ ابن جریر طبری نے اپنی تفسیر میں مذکورہ واقعہ بھی اور یہ بھی لکھا ہے کہ انہیں صادق الوعد اس لیے کہا جاتا تھا کہ جب انھوں نے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ اپنے خواب کے مطابق مجھے ذبح کرنے کا عمل کر گزریے، میں

انشاء اللہ ثابت قدم رہوں گا، موت کو وعدے کے سامنے آتا دیکھ کر بھی وہ ذرہ برابر تذبذب کا شکار نہ ہوئے۔اس لیے انہیں صادق الوعد کے لقب سے خود باری تعالیٰ نے نوازا۔

اب مشرف صاحب ایک الیکشن آفیسر کے پاس صادق اور امین ہے، دوسرے کے پاس نہیں ،ایاز میر اور مسرت شاہین کا بھی یہی معاملہ ہے، جمشید دستی اور ملک بھر میں مشرف کا ساتھ دینے والے اور انہیں بار بار باوردی صدر منتخب کرنے والے، حتیٰ کہ امیر مقام جیسے آدمی جو ان کے خادموں کو بھی آقا کہتے تھے،وہ سب صادق اور امین ہیں،وہ خود نہیں۔

ہمشہ جھٹلانے والے نبیل گبول اور ذوالفقار مرزا کو چیلنج کرکے رحمان ملک نے صدی کا سب سے بڑا سچ بولا کہ میں انتخابات میں اس لیے حصہ نہیں لے رہا کہ صادق اور امین نہیں ہوں ۔ سورۂ اخلاص میں ان سے غلطی ہوئی تھی، وہ غلطی اسے آج بھی یاد ہے، کیا دنیا کی کوئی طاقت ان کے سچ کو جھٹلا سکتی ہے۔لیکن شاید پھر بھی ان کے صدق وامانت میں شکوک اور شبہات پیدا کیے جاتے ہیں،تاکہ وہ انتخابی عمل سے باہر ہی رہیں۔ ’’الصادق،الامین‘‘ جناب نبی کریم ﷺ کی اور دیگر انبیاء وملائکہ علیہم السلام کے مبارک القاب ہیں ان کو اس طرح بازیچہء اطفال نہ بنایا جائے کہ کل کلاں جب بھی ان الفاظ کا تذکرہ ہو،تو

ہمارے یہاں کے وہ صادق اور امین حاشیہ خیال میں آ کر وارد ہوتے ہوں جو اپنے اقوال وافعال میں صدق وامانت کے متضاد واقع ہوئے ہوں۔ اگر صادق اور امین معلوم کرنے ہیں تو ایک آسان حل ہے درخواست گزار سرکاری یا غیر سرکاری جس شعبے سے ان سے طلب کی جائے، یہ نہیں کہ ان کی رٹہ میں مہارت noc بھی آیا ہو وہاں کی وذہانت کا امتحان لیا جائے۔

خود احتسابی میں ترقی کا راز اور 63/62

آج ہم بحیثیت انفرادی و اجتماعی اس لئے زوال پذیر ہیں کہ خود احتسابی کے عمل سے اپنے آپ کو نہیں گزارتے۔ دوسروں کے امتحانات تو لیتے ہیں، مراقبے کرواتے ہیں خود اپنے اعمال و نیتوں کا مراقبہ نہیں کرتے۔ اگر کسی بھی جگہ ہم امتحان کے لئے پیش ہوتے ہیں، تو ممتحن خواہ کوئی ادارہ ہو یا فرد ان کے سوالات سے قبل اپنی تیاری کے بجائے سوچ اور حکمت عملی یہ ہوتی ہے کہ امتحان میں دھوکہ دہی اور فراڈ کے کون سے طریقے کام میں لائے جائیں، چنانچہ نقل، سفارش اور دباؤ اس کے معروف راستے بن چکے ہیں، ہم حکمراں، علماء، صحافی، ججز، بیوروکریٹ انتظامیہ اور فوجی بنتے ہیں، ان اداروں میں لوگ عزت، وقار اور عظمت پاتے ہیں، ہم خوار ہوتے ہیں، ۶۳،۶۲ کی زد میں آجاتے ہیں اور بعد میں لوگوں کو منہ نہیں دکھا سکتے، وجہ کیا ہے، خود احتسابی کا فقدان، کیونکہ اپنا محاسبہ و مراقبہ شاہ کلید اور مسائل و بحرانوں کے حل میں تریاق ہے۔

خود احتسابی کی تعریف یہ ہے کہ انسان ایک خاص وقت میں اپنے یومیہ، ہفتہ وار، ماہانہ، اور سالانہ کارکردگی کا جائزہ لے، اپنے حقوق کی تحصیل اور دوسروں کے حقوق کی ادائیگی جس کو علمی اصطلاح میں "مالہ وماعلیہ" سے

تعبیر کیا جاتا ہے، پر تنہائی یا اپنے کچھ مخلص اور سمجھدار دوستوں کی مجلس میں نگاہ ڈالے
اپنے اہلیت وناالیت کو خود ہی چھلنی سے گزارے۔ حکماء نے لکھا ہے کہ اس عمل پر،
مداومت انسان کو جو غلطی کا پتہ لاہے، قلّت خطاً کی طرف کھینچ کر اسے انسانی ترقی کے
میدان میں بامِ عروج پر پہنچا دے گا، پھر جو چھوٹی موٹی غلطیاں ہوں گی بھی وہ خود بخود
اس کمال وترقی میں مستور وپوشیدہ ہو جائینگی۔

قرآن کریم نے خود احتسابی کی طرف ایک جگہ یوں رہنمائی کی ہے" بلکہ انسان اپنے
آپ کا نگہبان ہے" سورۃ القیامۃ، ۱۴

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا" آج کے دن، اے انسان، تو ہی اپنے احتساب کے لئے کافی
ہے" سورۃ اسراء ۱۴

مصر کے حکمراں حضرت یوسف کا قول قرآن کریم میں منقول ہے: " اور میں اپنے
آپ کو خطاؤں سے بری نہیں سمجھتا، بے شک ہر نفس برائیوں کا کچھ زیادہ ہی حکم دیتی
ہے، سوائے اس کے جس پر میرا رب مہربان ہو" سورۃ یوسف، ۵۳

قرآن وحدیث میں جس اعمال نامے کا ذکر ہے، وہ بھی خود احتسابی اور خود

گرفتگی ہی ہے۔ انسان نے جوکچھ کیاہوگا وہ سب اس کے سامنے گویا کسی سکرین پر اس کی زندگی کی پوری فلم کی طرح چلادی جائیگی ، پھر بطور گواہوں کے انسانی اعضاء :آنکھیں،کان ،ہاتھ اور پیر وغیرہ شہادت دیدینگی ، گویا کہاجائیگا،

آپ خود ہی اپنی اداؤں پہ ذرہ غور کریں

ہم اگر عرض کرینگے توشکایت ہوگی

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص میرے لئے اپنے دونوں جبڑوں کے درمیان (زبان) کا اور دونوں ٹانگوں کے درمیان (شرمگاہ) کا ضامن ہوجائے ، (میں اس کے لئے جنت کا ضامن بننے کو تیار ہوں ۔ (بخاری

اپنے ایمان ،اسلام ، جہاد اور ہجرت کا کسی نے محاسبہ کرنا ہو، توآنی والی حدیث کو لکھ کرجیب میں رکھیں یااپنی نشست کے سامنے والی دیوار پر کندہ کریں : ”کیا میں تمھیں مؤمن نہ بتاؤں ؟ لوگوں کی جان ومال جس سے مامون ہو وہی مؤمن ہے ،اور جس کی زبان اور ہاتھ سے لوگ سلامت رہے وہی مسلم ہے ،جو اپنی نفس کو اللہ کی اطاعت میں لگادے وہی مجاھد ہے، اورجو غلطیوں اور برائیوں کو چھوڑ دے وہی مہاجر ہے (۔“ (بیھقی

حضرت عمرؓ ہر رات اپنا مجاسبہ خود کرتے تھے اورفرماتے تھے ، ”اپنا محاسبہ

دوسروں کے احتساب سے پہلے کیا کرو، اپنا وزن دوسروں کے تولنے سے قبل معلوم کیا کرو" (احیاء علوم الدین)

علم و معرفت کی فضائل دنیاکے تمام ادیان اور تہذیبوں میں بکثرت وارد ہیں ، لیکن پوری دنیائے علم و فلسفہ اس پر متفق ہے کہ ہر انسان سب سے زیادہ اپنے آپ کو جانتا ہے ،اسی لئے کہاجاتا " انا" اعرف المعارف ہے ، یعنی معلومات میں سب سے بڑی چیز اپنی ذات ہے ،اور "انا" کی معرفت کو افضل العلوم بھی قرار دیاگیا ہے، لہٰذا جس کو اپنی افتادِ طبع ، اپنی نیت ،اپنے عمل ،آپ بیتی اور اپنی کارکردگی کا احتساب نہ ہو وہ دوسروں سے حساب کیسے مانگ سکتاہے۔

ہر کس کہ نہ داند، ونہ داند کہ نہ ادند

درجہل مرکبّ ابدالدھر بماند

کہتے ہیں جو خود احتسابی کرکے اپنی کسی غلطی کا اعتراف کرلیتاہے ، وہ ایک ہی مرتبہ وہ غلطی کرتاہے اور جو اپنا محاسبہ نہیں کرے گا، وہ اسے بار بار دھراتارہے گا۔

عرب : منطقہ، قوم اور زبان

دنیا کے نقشے پر اگر بنظر غائر نگاہ ڈالی جائے تو ایسا معلوم ہوتا ہے گویا عالم عربی اس جسم کا قلب ہے،

بقیہ مناطق اس کے دیگر اعضاء ہیں، جزیرۃالعرب، اقلیم شام، بر اعظم افریقہ کا شمال مشرق و مغرب، ترکی کا دیار بکر اور پاک ایران کے صوبہ اھواز، سیستان (بلوچستان) قلات تک یہ سب ماقبل الاسلام سے دور حاضر تک عالم عربی کے حصے رہے ہیں۔

حرمین شریفین اور مسجد اقصیٰ بالخصوص، دیگر انبیاء، صلحاء، اور اولیاء کرام کے مقدس مقامات بالعموم ان بلاد عرب کا امتیاز ہیں، بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے حضرت آدم علیہ السلام مکہ مکرمہ کے قریب پہاڑی سلسلے (جبال خندمہ) پر اترے تھے، اور حضرت حواء جدہ میں اتری تھی، اس شہر کا نام شاید اسی مناسبت سے (جدہ) ہے، یہاں ایک مزار بھی حضرت حواء کی طرف منسوب ہے، گذشتہ دنوں الجزیرہ کی رپورٹ کے مطابق کچھ سائنسدانوں نے اقوام عالم کے معتدبہ افراد کے ڈی این اے ٹیسٹز لئے، جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انسانیت کی نشوئنما کی بنیاد جزیرہ عرب ہے، چنانچہ انہوں نے اس رپورٹ کا عنوان لگا

یا تھا (الانسانیۃ تشعّبت من الجزیرۃ العربیۃ) انسانیت جزیرہ عرب سے پھیلی ۔
عرب قوم اپنی ذات وصفات میں بھی دنیا کے تمام اقوام سے افضل وبہتر ہے ، اس بات کا اعتراف ہر سلیم الطبع موٴرخ نے کیا ہے ، ضیافت ، سچائی ، دوستی ، اوشجاعت میں یہ قوم بے نظیر ہے ، سازشیں ، دسیسے اور چیرہ دستیاں ان کے مزاجوں سے کوسوں دور ہے، ابن تیمیہ کا فتوی ہے کہ تمام اقوام میں عرب کو فضیلت ہے پھر ان میں مضر ، پھر قریش ، پھر بنی ھاشم اور ان میں سے جناب رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم افضل الخلائق ہیں، انہوں نے یہ بھی تصریح کی ہے کہ ان کو بالترتیب جو افضیلت حاصل ہے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے نہیں ہے ، بلکہ یہ نسلا بعد نسل افضل چلے آرہے تھے اسی لئے ان میں باری تعالی نے اپنے آخری نبی کا انتخاب فرمایا ، جنکی بعثت سے ان کی فضیلت میں مزید اضافہ ہوا ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے ، عربوں سے محبت رکھو، کیونکہ میں عربی ہوں ، قرآن کریم ان کی زبان میں ہے اور اہل جنت کی زبان بھی ان ہی کی زبان ہے۔
(عربوں سے محبت جزء ایمان اور ان سے بغض کفر ونفاق کا حصہ ہے (الحدیث

سلمان مجھ سے بغض نہ رکھنا ورنہ دین اسلام سے محروم ہو جاؤگے ۔یارسول اللہ کیا میں آپ سے بغض رکھ سکتاہوں جبکہ آپ کے ذریعے سے ہمیں ہدایت ملی ہے ، عربوں سے بغض ہوگیا تو وہ ہم سے بغض ہوگا اور اسطرح ہدایت سے محروم ہو جاؤگے (الحدیث) ۔اس آخری روایت میں اہل فارس کیلئے حضرت سلمان فارسی کی ذات گرامی کے توسط سے ایک پنھاں پیغام ہے ۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء سابقین کے فرامین میں عرب علاقوں اور قبیلوں کے جزئی فضائل بھی وارد ہیں ،ادیانِ سابقہ اور فرق اسلامیہ کی تحقیقات پر مشتمل راقم کاکام ہمارے دوستوں کو معلوم ہے ،اس مطالعے کی روشنی میں کم از کم دیگر اقوام ومناطق کے فضائل کسی مقدس کتاب یا ہستی سے منقول ہماری نظروں سے نہیں گذرے۔

عربی زبان ام اللغات ہے اغیار اور بد خواہوں نے اسکی اس حیثیت کو متاثر کرنے کی بسیار کوششیں کی ہیں ، لیکن جس زبان میں زبانوں کے خالق کاآخری پیغام قیامت تک موجود ہو ،اس کاآخری نبی یہی زبان بولتاہو، ان کے بندگانِ خاص جنۃ الفردوس میں اسی زبان میں گفتگو کرتے ہوں ،حج وعمرہ میں پوری امت کی اجتماع گاہ کی زبان یہی ہو،اس زبان کی فصاحت وبلاغت ، ہمہ گیری ، حلاوت وشیرینی میں کوئی اور اسکی ہمسر نہ ہو ،ایسی زبان کا بھلا کون مقابلہ کر سکتاہے ،چنانچہ مختلف روایات میں عربی زبان وادب اپنانے کی تائید کی گئی ہے ۔

عربوں کی اس جغرافیائی، قومی، اور لسانی اھمیت اور مقام و مرتبے کے باوجود یہاں عہد نبوی اور خلافت راشدہ کے علاوہ ہمیشہ سے سیاسی طور پر عدم استقرار رہا ہے، جنگیں رہی ہیں، اور کشت وخون کا بازار گرم رہا ہے، اسکی کچھ وجوھات میں سے پڑوس کی اقوام کا حسد وبغض، یہود ونصاری کی مذھبی منافرت، ایشیا، یورپ اور افریقہ جیسے عظیم بر اعظموں کے بالکل درمیان ان کا محل وقوع، بین الاقوامی آبی گذرگاہوں بحر قلزم، بحر ابیض، اور بحر عرب کے کناروں پر ان کا وجود، خلیج عرب جو کہ تیل کا ایک بحر زخار ہے پر شروع سے ان کا کنٹرول اس منطقے میں طالع آزمائی کے محرکات ہیں۔

موجودہ دور میں یہاں (عرب بہار) کی اصطلاح چل چکی ہے، تونس سے ہوتے ہوئے مصر، لیبیا اور شام میں خیمہ زن ہے، آخر الذکر میں اس بہار کا انتہائی شدت اور سفاکی سے سامنا ہوا لیکن یہ رکا نہیں بلکہ یہاں بھی کامیاب ہونے کو ہے، شام کے بعد یہ کہاں کہاں ڈیرہ ڈالے گا اس حوالے سے کچھ کہنا شاید قبل از وقت ہو، نیز یہ حقیقت میں بہار ہے یا بیرونی قوتوں کی کارستانی ہے، جسکا عالم عربی ہمیشہ سے شکار رہا ہے اسکے متعلق بھی کوئی حتمی رائے قائم نہیں کی جاسکتی۔

عرب بہار، شام میں کشت وخون ، فلسطین کا مسئلہ ، مسجد اقصی اور القدس کا حقدار کون، خلیج تعاون کونسل ،اھواز کا تاریخی اور سیاسی وجغرافیائی پس منظر، عرب میڈیا، شمالی وجنوبی امریکہ کی تعمیر وترقی میں عربوں کا کردار، موجودہ ہسپانیہ اور عرب دور حکمرانی جیسے بہت سے موضوعات پر ان شاء اللہ تعالی روزنامہ (جہان پاکستان)کے صفحات پر گفتگو کا سلسلہ جاری رکھینگے ۔

سندھ وپنجاب کا ایک سفر

پچھلے دنوں اسلام آباد کے دو پے در پے سفروں کے بعد سندھ وپنجاب کے تفصیلی سفر کا موقع ملا، جناب صاحبزادہ عزیز الرحمٰن رحمانی، جناب مرسلین صاحب اور مولانا عبدالقدوس میمن کے ساتھ بیر شریف جانے کا اتفاق ہوا، حضرت مولانا عبدالکریم بیر شریف مرحوم کے صاحبزادے مولانا عبدالعزیز آف بیر شریف سے بہت تفصیلی ملاقات ہوئی، پاکستان اور عالم اسلام کے موضوع پر ان کی نگاہ بڑی عمیق اور دور رس تھی، حضرت بیر شریف اور ان کے آباؤ اجداد کے کارناموں، کرامتوں، سیرتوں اور مخطوطات ومسودات پر بھی گفتگو ہوئی، مولانا عبدالرشید ومولانا عبد الوحید حفیدگان بیر شریف نے حضرت بیر شریف والوں کے جد امجد حضرت مفتی محمد صاحب مرحوم کا ایک مخطوطہ'' مخزن الروایات'' کے نام سے دکھایا، جو ریشم کے لباس میں ملبوس تھا، دو جلدوں پر مشتمل یہ مجموعہ تقریباً ہزار بارہ سو صفحات کا تھا، ہم نے دارالفکر بیروت سے اس کے چھپوانے کی بات کی جس پر ان حضرات نے نہایت فراخدلی سے حامی بھری۔

بیر شریف سے براستہ قمبر، لاڑکانہ، رتوڈیرو، گڑھی خدا بخش پہنچے، جہاں ذوالفقار علی بھٹو مرحوم جنہوں نے تکفیر قادیانیت، جمعے کی چھٹی، شراب پر

پابندی، ایٹمی صلاحیت کی بنیاد ڈالنے اور جمہوریہ پاکستان میں ''اسلامی'' کا لفظ بڑھانے جیسے کارہائے نمایاں انجام دیئے تھے، ان کے مزار پر فاتحہ پڑھی، مرحومہ بے نظیر بھٹو نے ''مائی فادر'' میں لکھا ہے کہ ہمارا تعلق یمن کے ایک عرب قبیلے سے ہے، نیز بھٹو صاحب کے اسلامی بلاک بنانے، عالم اسلام کی ایک ہی کرنسی ''الدینار الاسلامی'' ڈیزائن کرنے، او آئی سی منظم کرنے اور تکفیر قادیانیت آرڈیننس پر دستخط کرنا ان کی گرفتاری اور پھانسی کے اسباب بتائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد ہم سیدھے سومرانی شریف کیلئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی بارگاہ میں حاضر ہوئے، لنگر کا کھانا نوش کیا اور حضرت سے دعائیں لیں، حضرت پیر عزیز الرحمٰن رحمانی صاحب نے خلوت میں بھی کچھ دیر تک استفادہ کیا اور پھر کہروڑ پکا کیلئے عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر مرکزی حکیم العصر شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب کی خدمت میں باب العلوم روانہ ہوئے، حضرت مفتی ظفر اقبال صاحب نے حسب روایت مہمان داری میں مبالغہ کیا، اللہ تعالیٰ انہیں اس کا اجر جمیل وجزیل نصیب فرمائے، حضرت اقدس سے دینی مدارس میں عربی دوروں اور مختلف موضوعات ومسائل پر سیر حاصل بحث ہوئی، الحمد للہ بے پناہ استفادہ کا موقع ملا ان کو بہاولپور مفتی مظہر اسعدی صاحب والوں کے یہاں ختم بخاری میں جانا تھا، دوپہر، واپسی پر ایک اور نشست ہوئی اور پھر شام کو وہاں سے حضرت کی دعائیں لے کر ہم واپسی کیلئے روانہ ہوگئے،

خان بیلہ میں کچھ دیر کیلئے ٹھہرے، عشاء کے وقت رحیم یار خان میں پٹھانستان چوک کے قریب لیور.برادرزمیں اشفاق صاحب کے یہاں کچھ خفیف لیکن پر تکلف فطور تناول کیا، رات کو مولانا طہ صاحب.برادر خورد حضرت مولانا طلحہ صاحب والوں کے یہاں مدرسہ تحفیظ القرآن مدنیہ صادق آباد میں عشاء اور قیام کا انتظام تھا، موصوف جامعہ ام القری مکہ مکرمہ کے فاضل ہیں، عربی زبان وادب کے شہ سوار ہیں، علماء کی مجلس کے درمیان وہ یا تو عربی میں بولنا شروع فرمادیتے ہیں اوریا پھر عربی ضرب الامثال اور موقع و محل سے متعلق جملوں کا سہارا لیتے ہیں، اپنے ادارے میں بالکل غیر محسوس انداز میں ''العربیہ للناشئین''اور''العربیہ لغیر الناطقین بھا''اس طرح ضم کئے ہوئے ہیں کہ اپنا موجودہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان کا نصاب ونظام بھی باقی رہے اور عربی لکھت پڑھت اور تکلم بھی طلبہ کو بآسانی آسکے، ان کے تجربہ سے اہل مدارس وجامعات نیز وفاق المدارس کے ذمہ داران استفادہ کر سکتے ہیں، جامعہ بنوری ٹاؤن کے مولاناسعید عبدالرزاق اور موصوف ام القریٰ میں زملاء درس رہیں، حرمین شریفین کے تذکرے میں گاہے گاہے سعید صاحب کاحوالہ بھی دے دیتے ہیں۔

اگلے دن ہم ڈھرکی کے علاقے.برچونڈی شریف گئے جہاں سندھ کے تمام صوفیاء و اولیاء کے شیخ حافظ صدیق صاحب کامزارومدرسہ ہے،فاتحہ اورمدرسے کے معاینے

کے بعد قافلہ ہالیجی شریف (پنو عاقل) کی طرف پابہ رکاب تھا، شیخ المشائخ حضرت مولانا عبدالصمد ہالیجوی صاحب، ان کے صاحبزادے مولانا عبدالقادر صاحب اور جامعہ حمادیہ ہالیجی شریف کے مایہ ناز استاد مولانا خالد محمود (فاضل معہد و دورہ حدیث جامعہ فارقیہ کراچی) سے بہت تفصیلی ملاقات ہوئی، پیر عزیزالرحمان رحمانی صاحب اور حضرت مولانا عبدالصمد ہالیجوی صاحب کی باہمی گفتگو سے ایسا لگ رہا تھا کہ گویا ایک ہی خانوادے کے چشم وچراغ ہوں، بعد میں پتہ چلا کہ حضرت بنوری رحمتہ اللہ علیہ کو ارشادوخلافت کی خلعت یہیں سے ملی تھی، شیخ ہالیجوی نے مولانا سلیمان بنوری مولانا احمد بنوری، مولانا طلحہ رحمانی، مفتی حذیفہ رحمانی اور اسامہ رحمانی کا ایک، ایک کرکے حال احوال پوچھا،ڈھیر ساری ضخیم ضخیم مصنفاتِ ہالیجوی مرحوم بھی ہدیہ کیے، الوداعی کلمات کے ساتھ یہ پیغام بھی حوالہ کیا کہ آپ حضرات مرکز میں ہیں علماء سے درخواست کیا کریں کہ زمانہ صحابہؓ سے اختلافی مسائل میں تنازعات سے گریز کیا جائے، دونوں موقف بتائے جائیں اور کسی ایک کو اسلام اور دوسرے موقف کو کفر قرار نہ دیا جائے، علم الکلام اور فقہ کی وسعتوں اور گنجائشوں کو بحال رکھا جائے، ہاں دلیل اور منطق کی بنیاد اپنے اپنے موقف کے پرچار کا حق ہر ایک کو ہے۔

شام کو ضلع روہڑی کے علاقے ''علی واہن'' میں برلب نیشنل ہائی وے مدرسہ

عربیہ مدینۃ العلوم کے منتظم مولانا میر محمد موسیٰ خیل صاحب کے پاس تھے ، باب العلوم کہروڑ پکا کے فاضل اور حضرت شیخ لدھیانوی کے متوسلین میں سے ہیں ، یہ ادارہ اور جامعہ بحر العلوم کوئٹہ ایک عامی آدمی جناب حاجی عبدالستار خان مرحوم کے قائم کردہ ہیں ، ان دونوں اداروں کا علمی مقام اہل علم و فضل خوب جانتے ہیں ،اس ادارے کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ مولانا میر محمد صاحب مسجد کی تنگی کا تذکرہ بغل میں واقع زمین کے مالک ایک ہندو سے کیا اوران سے رقم دے کر جگہ لینے کی بات کی ، سیٹھ صاحب نے کہا کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر زمین کی ضرورت ہے تو مسجد و مدرسہ کی توسیع کیلئے ایک بہت بڑے رقبے کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ یہ سب جگہ تمہاری ہو گئی اور کاغذات بھی وہاں تک کے بنوا کر دیدیے ، یہ مدارس دشمنوں کے منہ پر طمانچہ ہے۔

اس کے بعد ہم سکھر کے مضافات میں شکار روڈ پر واقع محبوب گوٹھ کی جانب محوِ سفر تھے ، جہاں مولانا عبدالہادی مہر صاحب کے قائم کردہ مدرسے کے پاس ہی ایک وسیع وعریض رقبے پر پھیلے قبرستان میں اصحاب رسول ﷺ حضرت عمرو بن عبسہ حضرت عمرو بن اخطب اور حضرت معاذ بن عبداللہ الجہنی رضی اللہ عنھم کی مبارک آخری آرام گاہیں ہیں ، فاتحہ ، سورہء اخلاص اور درود و سلام کا ایصال ثواب کرنے کے بعد ان مزارات کے متعلق مولانا مہر صاحب سے تبادلہء خیالات دیر تک ہوتا رہا ، پشاور پنجاب اور بہاولپور کے ساتھ ساتھ ملک بھر کے متعدد مقامات پر حضرات

صحابہ کرامؓ کی قبور پر مستند حوالوں سے گفتگو ہوئی، ہمارے ملک میں صدیقی فاروقی، عثمانی، علوی، قریشی، شیخ اور سادات کی تعداد سب ملا کر کروڑوں میں ہے،، افغان جہاد کے بعد عالمی استعماری قوتیں اگر افغان عرب کے خلاف منظم اور منصوبہ بند سازش کر کے انہیں یہاں سے واپس جانے پر مجبور نہ کرتیں تو خطے میں عربوں کی تعداد میں ایک نیا اور مفید اضافہ ہوتا، محبوب گوٹھ سے ہمیں پیر جو گوٹھ پیر پگاڑا کے خاندانی بزرگوں اور اپنے وقت کے عظیم مجاہدین کی قدیم خانقاہوں پر جانے کا ارادہ تھا مگر کچھ راستے کی مشکلات کی وجہ سے یہ ارادہ فی الوقت ملتوی کرنا پڑا اور یوں ہم، سیدھے کراچی صبح فجر میں پہنچ گئے، الحمد للہ علی السلامۃ۔

امت مسلمہ ایک مرتبہ پھر خطرناک جنگ کے دھانے پر

سوویت یونین کی تمام ترتگ وتاز کا خلاصہ یہ تھا کہ کسی طرح گرم پانی تک رسائی ہو ،تاکہ اس کے سمندری حمل و نقل کے جہازوں ،بیڑوں اور آبدوزوں کو عالمی بحری شاہراہوں میں کُھل کھیلنے کا موقع ملے ۔اس کا جغرافیاالاسکا میں امریکہ ،یوکرائن میں یورپ ،انتہائی شمال میں قطب شمالی اور جنوب میں چین ،افغانستان ،ایران اور ترکی سے مل رہاتھا، مغربی اتحادیوں نے ترکی کو نیٹو کا ممبر بناکراور ایران میں اسلامی انقلاب کا راستہ نہ روک کر ان دونوں ملکوں کو غیر محسوس انداز میں مستحکم کیا ، غازی امان اللہ خان کو مسٹر بنا کر ہم نوا بنانے کی کوشش کی ، مگر ''سرخ ریچھ ''وہاں تب تک پنجے گاڑ چکا تھا، چنانچہ ظاہر شاہ کے دور میں بھی ان کا خاصا اثر ورسوخ رہا۔ برصغیر کی تقسیم سے افغانستان کو ایک دھچکا یہ لگا کہ ڈیورنڈلائن کے سو سالہ معاھدے کے تحت آنے والی زمین پاکستان کا حصہ بن گئی ، ریکارڈ درست رکھنے کے لئے اقوام متحدہ میں انہیں مجبوراًپاکستان کے خلاف ووٹ دیناپڑا ، جواِن دونوں برادر ملکوں کے درمیان بداعتمادی کا ازلی سبب بنا ، اس سے فائدہ اٹھاکر روس اُن کو اپنے قریب کرتے کرتے مداخلت کر بیٹھا، مقصود افغانستان کی سنگلاخ پہاڑیاں ہرگز نہ تھیں ، بلکہ بحر اسود سے بحر ابیض متوسط تک ان کا راستہ گرم پانی تک بذریعہ ترکی نیٹو کی وجہ

سے ناممکن ہوگیا تھا، خلیج عرب ،آبنائے ہرمزاور بحرِ عرب تک ان کا راستہ ایران کے اسلامی انقلاب نے پورے عالم اسلام میں اپنی پذیرائی سے روک رکھا تھا،اب درہ خیبر اور اسپین بولدک کے راستوں سے وہ سندھ سے متصل بحر عرب تک آس لگائے بیٹھا تھا۔

چنانچہ مغربی قوتیں روس کی اس نیت کو بھانپ چکی تھیں، انھوں نے لابنگ کرکے تمام مسلمانوں سے یہاں جہاد کرانے کا فیصلہ کرلیا، یہ ان کے درمیان پہلی اوردوسری عالمی جنگوں کے بعد ایک تیسری مگر سردجنگ تھی ، امت نے ایک اسلامی ملک پر جارحیت کی وجہ سے یہاں ویسے بھی جہاد کو ضروری سمجھا تھا،اب ان کو عالمی کولیشن بھی میسر آگیا، پھرپاکستان کو اپنی بقاکا مسئلہ بھی درپیش تھا، اس لئے اسلامی ممالک نے کارزار میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، نتیجتاً سوویت یونین کا شیرازہ بکھرگیا، سرخ ریچھ مختلف بحرانوں میں گِھر کر اپنے ہی زخم چاٹنے لگا ، کئی اسلامی وغیر اسلامی ممالک کو روس کے شکنجے سے خلاصی بھی ملی ،کچھ نے آزاد ہونے کی تحریکیں چلائیں ، جنگیں لڑیں ، مگر پوٹن کے پہلے دور ہی میں بش کے تعاون سے وہ ناکام ہوگئیں ۔

اس تمام ترصورتِ احوال میں امریکہ نے فیصلہ کیاکہ افغانستان اور سینٹرل ایشیامیں اپنے ایسے مضبوط اڈے بنائے کہ آئندہ کے لئے رشین فیڈریشن بھی اور

زور پکڑتا چائنا بھی دم نہ مار سکے۔ اس کیلئے افغانستان و عراق میں فوجیں اتاری گئیں جو اتفاق سے ناکام ہو گئیں ۔ان کی ناکامی کی وجہ سے خود امریکہ اور اتحادی بکھر کر تاریخ کا حصہ بننے لگے ، ہزاروں ارب ڈالروں سے بھی اُن کا سنبھلنا مشکل ہوگیا۔ایسے میں اُن کے اقتصادی بزرجمہروں نے سر جوڑ کر نیا پلان تشکیل دیا، چائنا کے خلاف جہاد کا فتویٰ لیا جائے اور پورے عالم اسلام کو اس میں دھکیلا جائے ، اسلحہ بیچا جائے ، چین کا سپر پاور بننے کا خواب بھی شرمندۂ تعبیر نہ ہوگا اور امت مسلمہ کا خون چوس کر بڑی مقدار میں بھاری اسلحہ بھی بک جائے گا، یوں دشمن بھی کمزور اور مالیاتی بحران سے اپنے آپ کو نکال کر اپنا گھر بھی مضبوط ۔ لیکن عالمِ اسلام کے کچھ دور اندیش رہنماؤں کی صائب فکری نے امت کو بچالیا (تفصیلات پھر کبھی) ۔ ان ہی دنوں ایک یورپین خاتون صحافی ہمارے دفتر بی بی سی کے ایک نمائندے کے ساتھ رات گیارہ بجے تشریف لائی ، تین گھنٹے تک انہوں نے ہم سے انٹرویو کیا۔ایک سوال کے جواب میں راقم نے ان سے کہا، چین کی ترقی ہمارا گناہ ہے ؟یا اس ترقی کی راہ میں سدّباب بن کر ایندھن نہ بننا ہمارا گناہ ہے ؟سرخ ریچھ کا مقابلہ ہم سے کروایا اور پھر ہمیں بھی مارا۔اب مغرب پر بھروسہ بھی نہیں اور چین ویسے بھی ہمارا پرامن اور معاون دوست ہے۔اسے ہم دشمن کیوں بنائیں ؟ اس پر وہ تلملا اٹھی ۔

بہرحال شکاری اپنا جال پھینکتے رہے ،انھوں نے رشین فیڈرشن کے وہ پاکٹس جو مڈل ایسٹ میں تھے کو عرب اسپرنگ سے چھیڑا، فیڈرشن شروع میں سمجھ نہ سکا، لیکن یہ سلسلہ جب شام پہنچا، انہیں سمجھ میں بات آ گئی کہ اب بحرابیض متوسط سے انہیں نکالا جارہاہے ، چنانچہ انھوں نے مقابلے کی ٹھانی ۔برادر اسلامی ملک ایران کی بشارالاسد سے دیرینہ تعلقات اور مسلکی وابستگی سے فائدہ اٹھاکر شام میں انہیں جنگ میں دھکیل دیا ان کا ایٹمی مسئلہ اس پر مستزاد تھا، بحرین میں ان کا اثرورسوخ خلیج کیلئے دردِ سر تھا، اب، ان شکاریوں نے ترکی کو بھی الرٹ کردیا، عراق میں ایرانی تایید یافتہ نوری مالکی کی حکومت کے خلاف بھی ان شکاریوں نے میڈیاوار شروع کردیا، اھواز جس پر ایران کی 85 فیصد معیشت کا دار ومدار ہے میں انتشار پھیلایاگیا، 2014 کو ایران میں عرب اسپرنگ لانے کا منصوبہ بنایاگیا، اس پس منظر وپیش منظر میں ایران نے روس کے ساتھ کچھ ایسے امن معاھدے کر دیئے ، جن کی روسے اُنہیں خلیج عرب آبنائے ہرمزاور بحرعرب تک رسائی حاصل ہوگی، یمن کے حوثیین کے لئے بھاری ہتھیار بحری راستوں سے روانہ کر دیئے ، جن میں سے کچھ بحری جہاز پکڑے بھی گئے ، عالمی میڈیا پر اس کی تفصیلات بھی آگئیں، متحدہ عرب امارات کے متنازع جزائر میں فوجی چھاؤنی قائم کردی ، ایران کی حمایت یافتہ حزب اللہ تنظیم نے بھی کچھ اشتعال انگیز حرکتیں کیں ، پاکستان میں شیعہ سنی مسئلہ ہولناک انداز میں بھڑکایاگیا، ہزارہ گان کا تعلق بامیان سے ہونے کی وجہ سے طالبان اور افغان

اہل تشیع کو نفرت میں ڈھالنے کی منحوس کوششیں ہوئیں ، جیسے پاکستان کے ایٹمی ہتھیار کو اسلامی بم قرار دیا گیا تھا،اسی طرح ایران کی ایٹمی کاوشوں کو عربوں کے سامنے فارسی بم ظاہر کیا گیا۔

ان چیرہ دست شکاریوں کو محنت بہت کرنی پڑی ، مگر بظاہر وہ کامیاب نظر آرہے ہیں ،اس سیناریو میں اب ان قوتوں کو دو فائدے گویا ایک تیر سے دو شکار یا ایک بال سے دو وکٹیں گرانے کا موقع ملے گا ، اولاً: ان کا عالمی نمبروَن دشمن ''روس'' جنگ کی بھٹی میں ہوگا ، تقریبا 2000 ہزار ارب ڈالر اقتصادی مشکلات سے نکلنے کیلئے صرف امریکہ کو ضرورت ہے ، یہ ہدف اسلحہ ،ماہرین، فوجی جوان اور بحری بیڑوں کی قیمت اور کرائے کی صورت میں عرب ملکوں سے وصول ہوگا، ایک نیا اور خطرناک فائدہ ان کو اس طرح حاصل ہوجائے گا، کہ عالم اسلام کو شیعہ سنی یا عرب فارسی بلاکوں میں تقسیم کردیا جائے گا، جن میں نفرتیں تا قیامت راسخ ہوجائینگی ، یوں انہیں مستقبل قریب وبعید میں امت مسلمہ سے بھی کوئی اندیشہ نہیں ہوگا، جب چاہینگے ان کو آپس میں لڑائینگے مذکورہ تفصیلات میں کہیں میدان جنگ ان کا علاقہ نہیں ہوگا ، تباہی ان سے دور ہوگی، ہم پاکستانیوں کو بھی وہ دانہ ڈال رہے ہیں ، انڈوپاک کے بجائے ''اف پاک ''کی نئی ، اصطلاح وضع کی جاچکی ہے، پیش رفت کے کچھ اشارات میڈیا میں واضح نظر آرہے ہیں، ہماری حالت کیا پورے عالم اسلام کی حالت دگرگوں ہے ، اکھاڑا تیار ہے، خون مسلم کی

ایک مرتبہ پھر ارزانی ہے ، کراچی اور ملک بھر میں شیعہ سنی فسادات یہی سب کچھ ہے ہمارے یہاں جنگجو بہت ہیں ، حیلہ گر کے پاس برین واشنگ نا قابل یقین مگر زمینی ، حقیقت ہے، ان حالات میں کیا شیعہ سنی علماء ،دانشور ،میڈیا اینکر، حکمراں، مفکرین عقل کے ناخن لینگے ؟ بچ بچاؤ کا کوئی راستہ نکالینگے ؟ دشمن کی چالوں اور سازشوں کو سمجھنے کی کوشش کریں گے ؟ یہ علی خامنہ ای ، حسن نصراللہ ،ملاعمر، شاہ عبداللہ ،ڈاکٹر مرسی ، طیب اردگان ، مہاتیر محمد اور پاکستانی قیادت کا امتحان ہے ۔

مدارس کا نصابِ تعلیم

انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی اسٹڈیز اسلام آباد نے اس موضوع پر چند ماہ قبل ہماری صدارت میں ایک سیمینار رکھا تھا، جس میں ہم علالت کی وجہ سے حاضر نہیں ہو سکے، ایک مختصر اور جامع مقالہ بھی تحریر کیا تھا، جس کا لب لباب یہاں ہم اس لئے پیش کیے دیتے ہیں کہ پچھلے کئی دنوں سے مولانا زاھد الراشدی جیسے نامور اہل قلم نے متعدد بار مختلف جرائد واخبارات میں اس مسئلے کا ذکر چھیڑ دیا ہے۔

یہ طے ہے کہ نصاب تعلیم، نظام تدریس اور مقاصد امتحانات کو جمود کا شکار ہر گز نہیں ہونا چاہیے، زمان ومکان کے تقاضوں، ضروریات اور حوائج کو مد نظر رکھنے میں بھی دو رائے نہیں ہو سکتی، نصاب تعلیم کی بنیادیں کیا ہوں، طرق تدریس میں نت نئے اور استفادہ کرنے والوں کے اذہان کے قریب تر کیا کیا انداز وذرائع ہوں، امتحانات میں مطلوبہ معیار کے لیے کن کن تکنیک کو بروئے کار لایا جائے، اس پر جدید دنیا میں مضامین، مقالوں، کتابوں اور یونیورسٹیز میں باقاعدہ ایجوکیشن ڈیپارٹمنٹز کا بہت بڑا اہتمام کیا گیا ہے، نیز روز افزوں اس پر مزید کام ہو رہا ہے، طرق التدریس واسالیب الامتحان کے حوالے سے پانچ سو صفحوں پر مشتمل عربی میں ہم نے بھی ایک کتاب تیار کی ہے

وفاق المدارس میں بطور ناظم ورکن نصاب کمیٹی ایک طویل مدت (۲۳ سال) تک خدمات بھی انجام دی ہیں، ہمیں معلوم ہے کہ مذکورہ موضوع کی اہمیت کا انکار کبھی بھی نہیں رہا۔

دینی مدارس کے نصابِ تعلیم، نظام تدریس اور طریقہ ہائے امتحانات میں ماشاء اللہ بہت مفید تبدیلیاں لائی گئی ہیں، وفاق المدارس اور اتحادِ تنظیماتِ مدارس کے بزرگوں شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان، مفتی احمد الرحمٰن مرحوم، مفتی منیب الرحمٰن اور قاری محمد حنیف جالندھری نے بڑی حکمت، دانشمندی اور دور اندیشی سے عصر حاضر کے تقاضوں کے ادراک کے ساتھ ساتھ قرآن وحدیث اور اسلامی فقہ کے اصولوں کو مد نظر رکھکر ضروری حد تک عربی وانگریزی کے فروغ کو شامل کرکے بڑے وقیع اساسی اور مفید ونافع ایسے تغیرات کئے ہیں کہ نصاب کا اصل حلیہ بھی بحال رہے اور، جامعیت کا لبادہ اوڑھے ہوئے مقاصد بھی پورے ہوں۔ البتہ جمود سے بچنے کیلئے وقتاً فوقتاً اس پر سیمینارز، مذاکروں اور مجالس کا انعقاد ضروری ہے، عربی، انگریزی، بین الاقوامی تعلقات، تاریخ، جغرافیا، مکالمہ بین الادیان، کمپیوٹر اور اوپن ایجوکیشن سسٹم کی طرف مزید پیش قدمی ہونی چاہیے۔

یہاں ”یار من ترکی ومن ترکی نمی دانم“ والا لطیفہ بھی ہے۔ منتظمین مدارس سے جدید علوم کو شامل کرنے کا مطالبہ ہوتا ہے، اور ادھر سے انکار

دِکھتایا دکھایا جارہاہے۔۔حقیقت یہ ہے کہ نور وبشر، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے علم غیب جاننے نہ جاننے، شہادت حسین اور فلسفۂ حسینیت میں اختلافات کی طرح یہ ایک فرضی نزاع ہے۔

باہم مل بیٹھ کر ایک دوسرے کا مدعا جان کر جیسے یہ مسلکی اختلافات کوئی سنگ حائل نہیں ،بلکہ سب نقطہ ہائے نظر اپنے اپنے قیود کے ساتھ قابل قبول ہیں ایسا ہی نصاب کا مسئلہ بھی ہے۔

مثلا،اردو، معاشرتی علوم ،شہریت ،حساب ،مطالعۂ پاکستان اور انگلش شامل کرنے والوں کا مطالبہ دورۂ حدیث یا اس کے لیے اساس دیگر اسلامی وعربی علوم کے پیریڈ میں نہیں ہے ، بلکہ طلبۂ مدارس کو مفید شہری بننے ،زمانہ سے مربوط رہنے اور قومی دھارا یا مین اسٹریم میں لانے سے متعلق ہے ،جو میٹرک تک کے جنرل نصاب سے ممکن ہے ، اس کے بعد تو ویسے بھی اسپیشلائزیشن اور مختلف علوم وفنون کے کلیات کا دور ہوتا ہے، لہٰذا مطالبہ کرنے والے درس نظامی کا نام لیے بغیر مدارس کے نظام میں شامل مڈل تک کی تعلیم کو میٹرک تک بڑھانے کا ہونا چاہیے ،اس صراحت کے ساتھ کہ اوپر کی تعلیم درس نظامی کو یونیورسٹی میں دیگر فیکلٹیز کی طرح ایک کلیاتی حصہ سمجھا جائے ، گویا میٹرک کے بعد جس طرح سکولوں کے بچے میڈیکل ،سائنس اور انجینئرنگ جیسے شعبوں میں جاتے ہیں ،مدارس

والے درس نظامی کے شعبے کو اپنائے۔
مدارس والے بھی نصاب میں تبدیلی کو قرآن وحدیث ، فقہ ومبادیات کے متعلق نہ لیں ، بلکہ جیسے انہوں نے مڈل تک کی تعلیم کواجباری قرار دیا ہے، پہلے اختیاری اور مرورِ زمانہ کے ساتھ اجباری ثانوی تعلیم جسے عرف عام میں میٹرک کہاجاتاہے ، نصاب کا حصہ بنائیں ، اس کے بعد بنات کی طرح اگر چاہیں تو بنین کیلئے نصابِ درس نظامی چھ سال کرکے توافق وتطابق کیلئے سولہ سالہ کردیں ، نہ کرنا چاہیں توانہیں اس پر مجبور نہ کیا جائے ۔
تنازع اس پر ہے کہ درس نظامی میں تبدیلی کی جائے ،ادھر سے کہا جاتاہے کہ یہ مبادیات وضروریاتِ دین میں تبدیلی کا مطالبہ ہے ، لہٰذا مسترد کیا جاتا ہے ، حالانکہ ایسا نہیں ہے ،درس نظامی میں تبدیلی نہیں جنرل تعلیم میں تبدیلی واضافہ کا مطالبہ ہے ، لیکن عنوان میں درس نظامی کا لفظ شامل ہوگیاہے، مدارس کی طرف سے بھی جنرل تعلیم کا انکار کب کیاگیا ہے ؟ انکار تو درس نظامی میں تبدیلی کا ہے ، میڈیکل ،انجینئرنگ اور سائنس کے نصاب میں کیا ہوناچاہئے ، یہ اس کے ماہرین جانتے ہیں ، بالکل اسی طرح یہا ں دینی علوم میں کیا ہو،کیانہ ہو ، یہ اسکے ماہرین جانتے ہیں ، کہتے ہیں ایک روٹی پر مختلف زبانوں کے دوآمیوں میں جھگڑا ہوا ، دونوں زبانوں کے ایک شناسانے ریفری بن کر ہرایک کامد

عاسنا، روٹی آدھی آدھی کرکے دیدی، مسئلہ رفع دفع ہوگیا، کیونکہ دونوں آدھی روٹی کا دعوی کر رہے تھے، مگر زبان ناشناسی کی وجہ سے خامخواہ کیلیے بات گریبانوں تک پہنچی، یہاں بھی شاید بایک دیگر سمجھنے کا مسئلہ ہے۔

”مقدمہ“ شفاء ورحمت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد للّٰہ ربّ العالمین، والصلاۃ والسلام علیٰ سید الأنبیاء والمرسلین، وعلی الہ وصحبہ واھل بیتہ الاطھار ومن تبعھم باحسان الی یوم الدین، امابعد:

فقد قال اللّٰہ تعالی فی کلامہ المجید:

(وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین ولایزید الظّٰلمین الا خسارا) صدق اللّٰہ العلی العظیم۔

علامہ قرطبیؒ نے اس آیت کریمہ کی تفسیر میں دو قول یا دو تفسیریں ذکر کی ہیں:

(۱) شفاء للقلوب بزوال الجہل۔ (جہالت کے امراض کو دور کرنے کے لئے یہ قرآن کریم شفاء ہے۔)

(۲) شفاء من امراض ظاہرۃ بالرقی والتعوذ ونحوہ۔ (جسمانی امراض کے لئے یہ قرآن کریم شفاء ہے، دم درود اور تعویذ وغیرہ کے ذریعے۔)

امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے صحیح البخاری کی کتاب الطب میں مستقل باب

: باندھا ہے: باب الرقی بالقرآن والمعوذات ۔ یہاں انہوں نے روایت نقل کی ہے
عن عروة عن عائشة رضی اللہ عنھا ''ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم کان ینفث علی نفسہ فی المرض الذی مات فیہ بالمعوذات ، فلما ثقل، کنت انفث علیہ بھن، وامسح بید نفسہ ''لبرکتھا.....ای علی یدیہ ثم یمسح بھما وجھہ ۔

ترجمہ : حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنھا فرماتی ہیں کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مرض الوفات میں اپنے آپ کو معوذات سے دم کیا کرتے تھے، جب مرض نے شدت اختیار کی، تو پھر میں معوذات پڑھ کر ان کو دم کرتی تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہاتھوں پر دم کرکے اپنے چہرہ مبارکہ پر دونوں ہاتھوں کو پھیرتے تھے،
حضرت عائشہ کہتی ہیں کہ میں بھی معوذات خود پڑھ کر ان کے ہاتھوں پر پھونک مارتی اور تبرک کے لئے ان ہی کے ہاتھوں کو ان کے چہرہ اقدس پر پھیراتی تھی ۔
امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس قسم کی ایک روایت بیان کی ہے، لیکن اس میں مرض الوفات کی تخصیص نہیں ہے بلکہ عموما جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف ہوتی معوذتین پڑھ کر اپنے اوپر دونوں ہاتھوں کو پھیراتے۔
: سنن میں دار قطنی نے ایک لمبی روایت ذکر کی ہے

حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم تیس (۳۰) آدمیوں کی جماعت کو ایک قوم کے پاس بھیجا، جب ہم وہاں گئے، ان سے مہمان نوازی چاہی، انہوں نے عالم عرب کے اقدار کے برخلاف ہماری ضیافت سے انکار کردیا، اتنے میں ان کے سردار کو بچھو نے ڈس لیا، وہ ہمارے پاس آئے، کہ کیا تم میں سے کوئی بچھو کے زہر کا علاج جانتا ہے؟ ابن قتیبہ نے اس روایت میں یہاں تک ذکر کیا ہے کہ وہ کہنے لگے کہ سردار مرنے کو ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ نے فرمایا: جی میں کرسکتا ہوں، لیکن مفت میں دم نہیں کروں گا جب تک عوض نہ لوں۔ انہوں نے کہا کہ ہم آپ کو تیس بھیڑ، بکریاں دیدینگے۔ وہ فرماتے ہیں: میں نے سورۂ فاتحہ سے انہیں سات مرتبہ دم کیا، چنانچہ وہ صحتیاب ہوگئے، اب انہوں نے ہماری ضیافت بھی کی اور بھیڑ بکریاں بھی دیں۔ ہم نے کھانا تناول کیا اور بکریوں کو صحیح سالم اپنے ساتھ مدینہ منورہ لے کر آئے، بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضری دے کر پورا واقعہ بتایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ دم درود ہے۔ میں نے کہا کہ مجھے تو کوئی پتہ نہیں تھا، البتہ دل میں یہ بات آئی اور دم کردیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خود بھی کھاؤ اور ہمیں بھی ان بھیڑ بکریوں میں سے کھلاؤ۔ (امام بخاری اور امام مسلم نے بھی اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ امام بخاری نے تو باب الرقی (بفاتحۃ الکتاب کا بالاستقلال ترجمہ قائم فرمایا ہے۔

سورہ فاتحہ اور معوذات کے حوالے سے ذخیرہ احادیث میں بہت کچھ ملتا ہے، قرآن کریم اور الفاظ حدیث کے مختلف الفاظ اور جملوں و آیتوں سے ماہرین علاج روحانی نے متعدد امراض کے نسخے متعین فرمائے ہیں۔ شارح بخاری علامہ ابن بطال نے کہا ہے کہ معوذات میں دعاء اور دم دورد کے متعلق جامع کلمات وارد ہیں۔

اذھب الباس رب الناس ، اشف انت الشافی، لاشفاء الا شفاء ک، شفاء لایغادر سقما""

یہ الفاظ حدیث ہیں، جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خاص کر نظر بد اور دیگر امراض کے لئے بالعموم یہ پڑھ کر دم فرماتے تھے، اکثر صحابہ رضی اللہ عنھم کو یہ کلمات یاد ہوگئے تھے، وہ بھی روحانی علاج کے لئے ان الفاظ کو پڑھ کر دم کیا کرتے تھے۔

ایک حدیث میں یہ بھی مذکور ہے کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس بن شملیؓ کے اوپر کچھ پڑھ کر پانی پر دم فرمایا اور وہ پانی ان پر چھڑکا گیا، پانی پر دم کرکے پلانا اور چھڑکانا دونوں مشروع ہے۔ حدیث کی کتابوں میں عجیب وغریب اور بہت جامع صیغے دعاؤں اور مختلف امراض وحاجات کے لئے مروی ہیں۔ اہل علم سے رجوع کرنے پر ان مفید تر اور حسین تر کلمات سے استفادہ کیا جاسکتا ہے۔

(بعض روایات میں نشرہ، رقیہ (دم) ، تمیمہ (تعویذ)، تِولہ (دھاگے گنڈی

ودعۃ (سیپیاں) کی تحریم کا ذکر ہے۔ یہ درست ہے۔ لیکن اسکی تفصیل ہے۔ خلاصہ اس تفصیل کا یہ ہے:

علامہ قرطبیؒ کے بقول مذکورہ بالا اسبابِ علاج چار شرطوں سے مشروط ہیں:

علاج روحانی کلام اللہ، اسماء اللہ یا صفات اللہ تعالیٰ کے ذریعے ہو۔ (۱)

اس حوالے سے مکتوب یا مقروء کوئی بھی عبارت ہو تو وہ عربی زبان میں ہو۔ (۲)

ان تمام اسباب کو مؤثر حقیقی نہ جانا جائے۔ بلکہ اسباب کی حد تک ان کو تسلیم (۳) کیا جائے۔

شرک، سحر، غیر معروف المعنی والدلالۃ کلمات سے اجتناب کیا جائے۔ (۴)

بعض علاقوں میں علاقائی ٹوٹکے بھی نظربد دور کرنے کے لئے استعمال ہوتے ہیں وہ بھی اگر مذکورہ بالا شرطوں کے مطابق ہوں تو درست ہیں۔ علماء نے مختلف مواقع پر اس کے جواز پر کلام فرمایا ہے۔

علاج بالاحجار بھی ایک طریقۂ شفاء ہے۔ جیسے بعض جڑی بوٹیوں میں ماہرین کے بقول خواص ہوتے ہیں ایسے ہی بعض احجار کریمہ کے بھی خواص ماہرین جانتے ہیں، مثلا بلڈ پریشر، سر درد، سر کا چکرانا، اور بخار وغیرہ کے لئے بعض حضرات علاج بالأحجار کا اہتمام کرتے ہیں۔

یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی ڈیپرین اور پیراسٹامول ڈاکٹر کے کہنے پر استعمال کرتا ہو۔ البتہ مذکورہ بالا علامہ قرطبیؒ کے شرائط ہر جگہ ملحوظ ہوں۔ مصر کے ڈاکٹر زکریا ہمیمی پروفیسر سائنس کالج قاہرہ نے اس پر بین الاقوامی، تاریخی، علمی اور سائنسی حوالوں سے بہت خوبصورت مقالہ لکھا ہے۔ انہوں نے اس کے جواز اور مختلف احجار (الماس، یاقوت، زمرد، عقیق، مرجان) سے علاج بھی لکھے ہیں۔

ڈاکٹر ہمیمی کی کتاب ''القدرۃ الشفائیۃ للأحجار الکریمۃ'' قابل دید ہے۔ انڈیا کے ڈاکٹر وجایا کمار نے بھی اس پر تحقیق کی ہے۔

علاج بالقرآن پر اجرت لینا بالاتفاق جائز ہے، البتہ حنفیہؒ کے یہاں تعلیم القرآن پر اجرت لینا جائز نہیں ہے۔ لیکن قرّاء کے تقید بالوقت والمکان کی وجہ سے متاخرین نے اسے بھی جائز کہا ہے۔

ہاں ان تمام امور کے لئے ماہر ہونا مستند ہونا اور معتمد ہونا شرطِ اولیں ہے۔ آج کل نہ صرف ہمارے ملک میں بلکہ دنیا کے چپّے چپّے پر جعلی عاملین اور جادوگروں نے جھوٹ، دغا اور فریب کے بازار گرم کر رکھے ہیں۔ کچھ نے پیٹ پوجا

کے لئے جو بڑا جرم نہیں ہے، لیکن کچھ نے انسانیت یا امت کو گمراہ کرنے کیلئے یہ بازار سجا رکھے ہیں۔ کمزور ایمان واعتقاد کے عام لوگ اور خواتین بالخصوص ان کے جالوں میں بڑی آسانی سے پھنس جاتی ہیں۔ جس سے اعتقادی بے راہ روی اور جلب منافع کے ایسے ایسے افسوسناک واقعات رونما ہوتے ہیں، جنھیں سن کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں دل خون کے آنسوں رونے لگتا ہے۔ پھر فقہاء کرام اور اہل افتاء سداً للذریعۃ ان ہی، حرکتوں کی وجہ سے عملیات کے تمام اقسام اور سب ماہرین پر قدغن لگانے پر مجبور ہوجاتے ہیں۔ لیکن ہم سمجھتے ہیں، یہ مسئلے کا حل نہیں ہے، بلکہ صحیح العقیدہ، قرآن وسنت اور اسلاف کے علوم وافکار وعملیات کے ایسے امین اور معتبر لوگوں کو اس پر توجہ دینے کی ضرورت ہے، تاکہ صحیح کو سقیم اور غلط سے الگ کرکے اس میدان میں مکمل نظریاتی اور فکری انداز میں کچھ حضرات کو آگے لایا جائے، یوں عوام کے دکھوں کا مداوئی اور عقائد ونظریات کی حفاظت و درستگی بہم پہنچائی جائے۔

ہمارے حضرت پیر صاحبزادہ عزیز الرحمٰن رحمانی نے بقدر استطاعت اسی انداز میں جن بر گر فیمیلیز میں اصلاح کا کام کیا ہے، اس دور میں یہ ان ہی کا خاصہ ہے۔ راقم کو قریبًا تین (۳) سال سے ان سے نہایت قربت کا موقع ملا ہے، عربی ادب سے تعلق کی بناء پر میں بذات خود ان امور سے گریزاں واقع ہوا ہوں، لیکن حضرت علامہ بنوریؒ اور حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب نوراللہ مرقدیھما کے ان

صاحبزادے کو قریب سے دیکھ کر میں متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

صاحبزادہ عزیز الرحمٰن رحمانی ایک جید عالم اور خانوادۂ علم و عرفان کے چشم وچراغ کے علاوہ ملک بھر اور دنیا بھر کے اہل حق بزرگوں سے گہرے مراسم رکھتے ہیں۔ حضرت خواجہ خان محمد کندیاں شریف رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا نفیس شاہ الحسینی مرحوم مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ، حضرت مولانا عبد المجید صاحب مدظلہٗ کہروڑ پکا اور عرب کے کئی مشائخ سے ان کو کسب فیض کا موقع ملا ہے۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین شامزئی اور دمشق کے ایک رفاعی شیخ نے انہیں خلافت بالمجاز سے بھی سرفراز فرمایا ہے۔

ہم نے ان کے ساتھ خیبر پختونخواہ، اسلام آباد وپنڈی، پنجاب سندھ اور بلاد حرمین شریفین کے متعدد اسفار کئے ہیں۔ جہاں کے بزرگوں سے وہ مسلسل رابطے اور اکتساب میں رہتے ہیں، پاکستان میں جہاں کہیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اوراولیاء عظام کے قبور ومزارات ہیں ان پر مسنون طریقے سے حاضری ان کی طبیعت ثانیہ اور مزاج ہے۔

علاج بالقرآن ہی ان کا محور ہے، لیکن استشفاء بکلمات الحدیث اور کہیں کہیں علاج بالاَحجار میں بھی میں نے انہیں دیکھا ہے۔

سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کام کو انھوں نے دنیوی منافع کا ذریعہ نہیں بنایا، بلکہ ان کے یہاں الحمد للہ بہت بڑے کاروباری پروجیکٹ ہیں۔ اہل علم اور غریب مریضوں کو اپنی جیب سے ہمیشہ نوازتے ہیں، خیراتی کاموں میں رازداری پر انکا اصرار رہتا ہے۔ ورنہ میں تفصیل کچھ نہ کچھ یہاں ذکر کر دیتا۔ شبہائے جمعہ اور رمضان المبارک میں ان کے یہاں ذکر واذکار اور تلاوت کے جو زمزمے ہوتے ہیں انہیں دیکھ کر آدمی معمور ومخمور ہو جاتا ہے۔

اللہ تعالی ان کی کاوشوں کو قبول فرمائے ان کے فیض کو عام فرمائے اور نہج صحیح پر انہیں استقامت نصیب فرمائے، ان کی زبان وقلم میں غیب سے شفاء کلی عطاء فرمائے۔

آمین۔

وما ذلک علی بعزیز

یمن کی حکمت عملی

باری تعالی کا ارشاد ہے: " اپنے رب کی راہ کی طرف حکمت اور عمدہ اندازِ وعظ ونصیحت کے ذریعے دعوت دیں ،اور مکالمہ ومناقشہ بھی خوبصورت پیرائے میں کریں ، بے شک تیرے پرودگار کو ان کے راستے سے بھٹکے ہوئے اور راہ یافتہ بخوبی معلوم ہیں " النحل 125

جناب نبی کریم ﷺ کا اہل مدینہ کو ارشاد ہے : یمن والے تمہارے پاس آئے ہیں ،یہ قلب وجگر کے لحاظ سے بہت نرم ہیں ، ایمان ہو تو یمن والوں کا ،حکمت ہو تو یمن کی ، فخر وغرور اونٹوں کے چرواہوں میں ہے ، سکون اور وقار بھیڑ بکریوں والوں میں ہیں " ۔ صحیح بخاری

حکمت کی تعریف بصیرت سے کی گئی ہے ، نیز فکر کو سمندر اور حکمت کو اس سمندر کی موتیاں قرار دیا گیاہے، عالم اور حکیم میں فرق یہ ہے ،اول الذکر کو جب کسی شے کا علم حاصل ہونے لگتا ہے ، تب تک ثانی الذکر اسے پختہ کرچکا ہوتا ہے۔

پس تمہید یہ کہ،بروز منگل صبح میرے دفتر میں مولانا ساجد کے ساتھ دو یمنی

ساتھی ابو علی العمری اور ابو علا القحطانی تشریف لائے ، وہ ہم سے ایسے گھل مل گئے جیسے ہم لنگوٹھی کے یار ہوں ، فصاحت وبلاغت بلا کی ، نشست وبرخاست اور گفت وشنید، میں مذکورہ حدیث کے مصداق ،بات بات میں کلام اللہ اور سنت نبوی ﷺ سے استدلال واستشہاد، یمنی فوج میں اعلی عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود تکلفات اور فخر وغرور سے کوسوں دور ، وہ یہاں کراچی علاج کے غرض سے آئے تھے، لیکن ساتھ ساتھ انہوں نے ایک جہاں دیدہ اور باریک بین دانا شخص کی طرح یہاں کی مختلف سیاسی ، سماجی ، تعلیمی اور ثقافتی جہتوں کا جائزہ بھی لیا، وہ پاکستان کو اپنا ملک ،پاکستانیوں کو اپنے بھائی اور یہاں کے عوام وخواص پر دل وجان سے فدا تھے۔

میں نے ان سے یمن کے حالات پر تبصرہ چاہا،انہوں نے علی عبداللہ صالح کی طویل حکمرانی سے لوگوں کے تنگ آنے کو حالیہ انقلاب کا مرکزی سبب قرار دیا، اور یہ بھی بتایا کی ان میں اقرباپروری تو شروع ہی سے کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی ، مگر اخیر میں وہ زیدی فقہ کے حوالے سے فرقہ واریت کے شکار بھی ہوگئے تھے۔

ملک کو عالمی سطح پر اتنی تنہائی پر لے گئے تھے، کہ دور کیا جائیگے ، خلیج تعاون کونسل میں میں بھی یمن کا نام مفقود ہوگیا تھا، OIC بھی ہم ممبر نہیں مبصر ہیں ، عرب لیگ اور دیگر بین الاقوامی اداروں میں صورتِ حال اس سے بھی

بدتر ہو گئی تھی۔

چناں چہ تونس اور مصر کے بعد قوم نے انقلاب کا نعرہ لگایا، صالح نے انقلابیوں کو کچلنے کا اعلان کیا، مگر یمنی آرمی کے صف اول کے جرنیل اپنی قوم پر گولیاں چلانے سے انکاری ہو گئے، صالح کو مصالحت پر مجبور کیا گیا GCC نے پرامن طریقے سے انہیں 33 سالہ حکمرانی سے ہٹایا اور موجودہ صدر ''عبد ربہ منصور ھادی'' کو زِمام حکومت پکڑا دی، علی عبداللہ صالح بغرض علاج سعودی عرب چلے گئے اور ان کا بیٹا احمد علی صالح امارات میں سفیر تعینات ہو گئے، اس طرح پرامن انتقال اقتدار کے مراحل طے ہو گئے، یمن کی تہذیب بہت پرانی ہے، یہاں کے ملوک حِمیَر، تُبّع اور ملکۂ بلقیس کے تذکرے قرآن وحدیث کے علاوہ تاریخ وادیان کی دیگر کتب میں بھی ہیں۔

ہمارے یہاں کی ملالہ یوسفزئی کی طرح یمن کی ایک بچی'' توکل کرمان '' بھی انقلاب کے دنوں بہت مشہور ہوئیں، انہیں نوبل انعام بھی دیا گیا، عالمی سطح پر ان کے افکار کو پذیرائی ملی ہے، حجاب، پردے اور دیگر اسلامی تعلیمات کے متعلق ان کی سوچ بہت مثبت اور معتدل ہے۔

یمن کے لوگ سو فیصد عرب قبائل ہیں، فصیح عربی ان کی شناخت ہے، معتدل

کے علاوہ کئی میدانوں میں یمن اور پاکستان ایک دوسرے کے دست وبازو بن سکتے ہیں ارباب اقتدار واختیار نیز تاجر برادری اور جدید ٹیکنالوجی کے ادارے دونوں قوموں کو باہم قریب لانے میں مددگار ثابت ہوں گے ۔

بے نظیر بھٹو نے " مائی فادر " میں لکھا ہے، کہ ہمارا خاندان دراصل یمنی عرب ہیں یہ بالکل ممکن ہے، کیونکہ بحر عرب پر سندھ ویمن دونوں پڑوسی ہیں ،ڈاکٹر عبدالقدیر، خان نے میمن قوم کے حوالے سے بھی اپنے ایک کالم میں لکھا ہے کہ یہ یمنی عرب ہیں ۔

ان تاریخی حوالوں کا جب تذکرہ مہمانوں کے سامنے ہوا، تو انھوں نے کہا کہ آپ ہمیں حصہ کم دے رہے ہیں ، یمن اور پاکستان دونوں بھائی ہیں ، ہم سب ایک ہیں ، ہم سب حضرت آدم کی اولاد ہیں ، ہمیں پوری دنیا کے اقوام کے فلاح وبہبود اور خیر سگالی کے لئے آج کے زمانے میں انسانیت کے رشتے کو مدنظر رکھ کر کردار ادا کرنا ہوگا۔ بین الاقوامی برادری کی تعمیر میں جس کا جتنا مثبت اور فیصلہ کن کردار ہوگا وہ اتنا ہی پاور فل ہوگا۔

میں نے عرض کیا کہ اسی لئے تو میرے آقا ﷺ نے فرمایا تھا: " ایمان ہو تو یمن

کا، حکمت ہو تو یمن کی''۔

تیرا استاد کون؟

آجکل دینی مدارس وجامعات کے طلبہ وطالبات ہوں،یا اسکول،کالج اور یونیورسٹیز کے سٹوڈنٹس، سب ہی کے بارے میں یہ شکایت زبان زدِ خاص وعام ہے کہ ان میں مطلوبہ ٹیلنٹ، استعداد و قابلیت پیدا نہیں ہو رہی، ماضی کی طرح رجالِ کار اور علوم وفنون کے ماہرین پیدا نہیں ہو رہے، کسی علم و فن کا ماہر چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا، قحط الرجال کا دور ہے۔ طلبہ تحصیل علم کے لیے محنت کرتے ہیں اور نہ ہی دلچسپی لیتے ہیں روز بروز انحطاط بڑھ رہاہے، طلبہ کو اس کا احساس ہی نہیں، بلکہ بسااوقات ان کا تو کوئی ہدف ہی نہیں ہوتا۔۔۔

اس علمی انحطاط وزوال کا سارا ملبہ طلبہ وطالبات پر ہی گرایا جاتاہے،اور انہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتاہے،اساتذہ،انتظامیہ اور والدین کی جانب سے طعن و تشنیع کا نشانہ بھی یہی مخلوق بنتی ہے، یہ بات ایک حد تک تسلیم کی جاسکتی ہے کہ طلبہ میں ماضی کی طرح علم کی محبت وحرص، بلند ہمتی اور مستعدی، تحصیل علم میں اخلاص،اساتذہ کی تعظیم اور تحصیل علم کیلئے سفر، ماہرین فنون کی تلاش، استفادے کا شوق، اور ہدف کا فقدان ہے ، لیکن اس حقیقت

کا ایک دوسرا رخ بھی ہے، جس کی طرف میں قارئین کو دعوتِ فکر دے رہا ہوں، وہ یہ کہ ہم نے کبھی سوچا ہے، یہ کمزور طلبہ (جو بعد میں کمزور اساتذہ بنتے ہیں) کہاں سے پیدا ہو رہے ہیں؟ان کو پڑھانے والے اساتذہ کون ہیں؟ کن صفات کے حامل ہیں؟کیا وہ تدریس کا پورا حق ادا کرتے ہیں؟کیا وہ علمی امانت کو طلبہ میں سپرد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں؟ کیا وہ ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہیں؟وہ محترم ضرور ہیں، لیکن کیا تنقید سے بالاتر ہیں؟ کیا وہ طلبہ کی کمزوری کے ذمہ دار نہیں؟کیا وہ اس سے مبرا ہیں؟ یہ ایک تسلیم شدہ حقیقت ہے، اساتذہ قابل ہوں تو شاگرد بھی قابل، اساتذہ کمزور تو شاگرد بھی نالائق ہوتے ہیں۔ دنیا میں یہ بات مسلّم ہے کہ جب بھی کوئی انسان کسی عبقری اور قابل وماہر شخصیت سے متاثر ہوتا ہے تو اس سے کوئی یہ نہیں پوچھتا، جناب آپ نے کونسی کتاب پڑھی ہے؟ بلکہ اس سے یہ سوال ضرور کرتے ہیں ''تیرا استاد کون ہے؟'' کیوں کہ انسان کے اندر کمال استاد سے پیدا ہوتا ہے، محض کتاب سے نہیں، لہٰذا طلبہ کی کمزوری اور انحطاط کا ذمہ صرف انہی کو ٹھہرانا اور معلّمین کو اس سے بری الذمہ کرنا کسی طرح قرین انصاف نہیں، اگر ہم طلبہ سے یہ گلہ کرتے ہیں کہ ان میں ماضی کے طلبہ جیسے اوصاف نہیں تو ہم اس کہنے میں بھی حق بجانب ہونگے کہ اس دور کے اکثر اساتذہ بھی دور سابق کے اساتذہ جیسے اوصاف سے متصف نہیں۔

معلم تعلیم دینے میں انبیاء علیہم السلام کا نائب اور وارث ہے، معلم سب سے پہلے پختہ عقیدہ رکھے گا کہ تعلیم ایک ربانی عمل ہے، حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دی اور قلم کے ذریعے سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا، معلم اس بات کا استحضار کرے کہ درس وتدریس بڑا مقدس مشغلہ ہے کیونکہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشغلہ رہاہے، رسول اللہ ﷺ کو معلم بنا کر بھیجا گیاہے، معلّمین انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، تو تعلیم بہترین مؤرثین کی اعلیٰ میراث ہے، جب معلم اپنے عظیم منصب کااحساس کریگا تو اپنے اعمال واخلاق بھی اس جیسے اپنائے گا، اور اس کے اندر فکری بلندی پیدا ہوگی، سچاجذبہ پیدا ہوگا، محض تنخواہ وملازمت اس کا ہدف وترجیح نہ ہوگی۔ معلم کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ جوکتاب وفن اسے پڑھانے کے لئے سپرد کیا جائے، اس فن کی متعلقہ تمام معلومات طلبہ کو فراہم کرے اور یہ تب ہو سکتاہے کہ وہ پہلے خود اس سے مالا مال ہواگر وہ خود اس سے تہی دست و محروم ہے تو طلبہ کو کیا دیگا؟ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ انسان کے پاس جو چیز خود موجود نہ ہو وہ دوسرے کو نہیں دے

سکتا۔ تخصصات اور اسپیشلائزیشن کا رجحان واہمیت اسی نکتے سے پیدا ہواہے کیونکہ کسی فن میں تخصص کرنے سے انسان اس فن کی معتدبہ معلومات کا حامل بن جاتاہے، اس فن کے نشیب وفراز سے خوب واقف ہوجاتاہے، اس سے وہ قابو میں آجاتاہے، پھر وہ ماہرِ فن جس اسلوب

ویرانے میں چاہے اپنا فن پڑھا، سمجھا سکتا ہے، علم کے حریص طلبہ کو اسی طرح کی شخصیات کی تلاش ہوتی ہے، اور وہ اسی کا رخ کرتے ہیں۔

فن کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ تربیت کے طریقے جانتا ہو، کیونکہ طالبِ علم کسی آلہ کا نام نہیں کہ جسے آپ اپنے سامنے رکھ کر تمام معلومات اس میں بھر دیں، بلکہ وہ انسان ہے، اس کے اندر روح ہے، عقل ہے، اس کے جذبات و نفسیات ہیں، اس لیے معلم ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے ہر طالبِ علم سے مناسب برتاؤ کرتے، اس کے لیے طرقِ تربیت سے آگاہی لازمی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سمجھانے کا گُر جانتا ہو، اس کے کلام میں فصاحت و بلاغت ہو تاکہ اس کی مدد سے وہ طلبہ تک اپنی معلومات، افکار، توجہات اور مہارتیں بآسانی پہنچا سکے، اس کی چند بنیادیں ہیں:

معلم کی زبان صاف ہو، گفتگو واضح ہو، جسے تمام طلبہ آسانی سے سمجھ سکیں، کلام میں وقفہ ہو، لگاتار نہ ہو، آواز بقدرِ ضرورت بلند ہو، نہ زیادہ بلند ہو کہ باعثِ تکلیف بنے اور نہ زیادہ پست ہو کہ نہ سنی جائے، کلمات کی نوعیت، جملوں کی بناوٹ عقلی معیار و استعداد کے موافق ہو، تفہیمِ درس کے لیے مختلف اسالیب کی قدرت رکھتا ہو، مشکل الفاظ استعمال کرنے سے احتراز کرتا ہو، بسا اوقات ایک معلم ایک لفظ کو آسان سمجھ کر اس خیال سے استعمال کرتا ہے کہ سب طلبہ اس کا معنی سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا، سیدا

لمعلمین رسول اللہ ﷺ جب گفتگو فرماتے تو اہم بات کو تین مرتبہ ارشاد فرماتے تاکہ اچھی طرح سمجھی جائے۔ معلم کی کامیابی کا اولین راز اس کا تدریسی شوق اور، اشاعتِ علوم کا جذبہ صادقہ ہے، معلم میں جب تک پڑھانے کا شوق و جذبہ اور علمی امانت کو بحسن وخوبی آگے پہنچانے کا عزمِ مصمم نہ ہو، تو وہ اپنے اس مقدس مشغلے میں مخلص نہیں ہو سکتا، بالفاظ دیگر وہ تدریس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

طلبہ میں جو نقصِ عام پایا جارہاہے کہ وہ کام کے آدمی ثابت نہیں ہوتے، اس کا اولیں سبب یہ ہے کہ ماہرینِ فن کا قحط ہے، اور پھر کوئی ماہر بھی ہو تو اسے اشاعتِ علوم کا جذبہ نہیں، اور یہ کام ہمیشہ سچے جذبے سے ہوتا ہے، محض مشاہرہ وملازمت سے نہیں۔ معلم اس عظیم اجر وثواب کی طرف دیکھیں جو اس کو اللہ کی طرف سے ملتاہے بشرطیکہ نیت درست ہو، نیز اس بات کا دھیان رکھے کہ یہ طلبہ مستقبل میں معاشرے کے معمار اور قائدین ہیں۔ گویا ٹیچرز اور اساتذہ مستقبل کے معاشرے کی بنیادیں رکھ رہے ہیں۔ جس میں خشتِ اول کا صحیح و مستقیم ہونا ازحد ضروری ہے۔ ورنہ:

خشتِ اول چوں نہد معمار کج۔۔تاثریا می رود دیوار کج۔

سلمان خان اکیڈمی ۔۔۔ ایک موڈل

امریکہ کے سلمان خان پاکستانی نژاد شہرۂ آفاق ٹیچر، پروفیسر، لیکچرار، مدرس، استاذ اور معلم ہے، وہاں جاکر انہوں نے تعلیم کے میدانوں میں اعلیٰ ڈگریاں امتیازی مارکس کے ساتھ حاصل کیں، وہیں پر ان کو ایک بہت بڑی مالیاتی کمپنی میں اچھی خاصی تنخواہ پر جاب بھی مل گئی، وہ شادی بھی وہیں کرچکے تھے، 2004 میں 2000 کیلو میٹر کے فاصلے پر امریکہ ہی میں مقیم ان کی 13 سالہ کزن نادیہ نے ان سے ریاضی میں اپنی کمزوری کی شکایت کی، سلمان خان نے انہیں کہا کہ آپ فکر نہ کریں، ہم یوٹیوب کے ذریعے ریاضی کے اسباق آپ کو سمجھائینگے، چنانچہ وہ کمپیوٹر کے ذریعے 8 سے 15 منٹ کے دورانیئے کے ہفتہ واری پانچ پانچ سبق کی ویڈیوز تیار کرنے لگے، ان ویڈیوز میں پڑھانے والا نظر نہیں آتا، البتہ اسٹک کے توسط سے اسکرین پر ایسی تدریس ہورہی ہوتی ہے گویا استاذ کلاس روم میں بلیک بورڈ یا وائٹ بورڈ کے سامنے کھڑے تشریح کررہا ہو، اس طرح دن کو ملازمت اور رات کو گھر آکر، اِن دروس کی تیاری سلمان خان کا ایک مشغلہ بن گیا، اُدھر نادیہ نے بذریعہ ای میل ارسال شدہ ویڈیوز اپنے اساتذہ، استانیوں اور کلاس فیلوز بھی کو دکھائیں، سب نے پسند کئے اور سب بچے ہوم ورک کے وقت انہی ویڈیوز سے استفادہ کرنے لگے، امتحانات میں کی تیاری میں یوں ان کو تقریباً ایک مفت سہولت میسر آگئی، اب نادیہ نے ان سے میتھ کے ساتھ ساتھ کیمسٹری، فیزکس، اکنامکس، ہسٹری، کمپیوٹر

سائنس وغیرہ میں بھی مدد چاہی، چنانچہ سلمان خان اس میں ایک کامیاب مدرس بن کر ابھرے، اب کیا تھا کہ پورے امریکہ میں بچے، ان کے سرپرست اور والدین ان دروس کی نیٹ میں سرچنگ کرنے لگے۔ یہاں تک کہ 2009 میں سلمان خان نے اپنی بیوی بچوں سے ملازمت ترک کرنے اور نئی نسل کو اوپن یا الیکٹرانک تعلیم کی ٹھانی۔ بقول شاعر

:

اے زندگی تیرے لیے میں نے بہت رقص کیے ہیں
اب ذرہ سوچا ہے، کہ تجھ کو نچا کر دیکھیں

انہوں نے مذکورہ علوم وفنون کے علاوہ حیاتیات وطبیعات میں بھی قدم رکھا، اور کل مجموعی 32 ہزار ویڈیوز تیار کرکے نیٹ میں ڈالدیں، رفتہ رفتہ مائیکروسوفٹ کے بانی ومالک بل گیٹس کے بچے بھی ان سے مستفید ہونے لگے، اسی بناء پر بل گیٹس نے انہیں 15 لاکھ ڈالر کی خطیر رقم ادا کی، سلمان خان اب ایک اوپن اکیڈمی میں تبدیل ہوچکے تھے جس کا ویب پتہ ہے: www.salmankhanacademy.com

نیٹ میں دنیا کی مشہور ترین سرچ مشین google کی انتظامیہ نے بھی 20 لاکھ ڈونیشن اور دیگر بڑے بڑے عالمگیر چینلز نے بھی انہیں مدعو کیا، واشنگٹن bbc, cnn، دیدی پوسٹ، نیوزویک اور ٹائم نے بھی ان کی خوب خوب عزت افزائی کی، ٹائم نے تو، سلمان خان کو دنیا کے 100 مؤثر ترین شخصیات میں شامل کردیا، خان اکیڈمی کا بانی ''سٹار'' بن چکا ہے، متعدد امریکن سکولز نے انہیں اپنی نصاب کمیٹیوں کا ممبر بنادیا، انکی قابلیت واستعداد سے بھرپور استفادہ کیا جارہا ہے، کئی ملکی وبین الاقوامی کانفرنسز میں انہیں

مہمانِ خصوصی کا درجہ ملتا ہے، مسٹر اوبامہ کی انتظامیہ ان سے گھنٹوں میٹنگیں منعقد کر کے اقتصادی بحران میں ان سے مدد لے رہی ہے. لیکن سلمان نے اپنی زیادہ تر توجہ اس ویڈیوز ٹیچنگ کے کام کے لیے وقف کر دی ہے ، الجزیرہ کی 3 ماہ قبل کی رپورٹ کے مطابق ان کے ویڈیوز سے استفادہ کر چکنے والوں کی تعداد 80 ملین یعنی 8 کروڑ سے تجاوز کر چکی تھی ، جو یقیناً اب دس کروڑ اور 100 ملین ہو گئی ہو گی ، دنیا کی تمام بڑی زبانوں میں ڈبنگ شدہ ان کی ویڈیوز کے ترجمے بھی آ چکے ہیں ، عالم عربی میں مصر ، اردن ، مراکش ، امارات ، قطر اور سعودیہ میں سلمان خان اکیڈمی کے تراجم کیلئے مستقل دار التراجم کے نام سے ادارے بھی قائم ہو چکے ہیں ، فارسی میں نیٹ سے پتہ چلتا ہے ان ویڈیوز کے پرشین ٹرانسلیشن پر بہت بڑا کام ہو رہا ہے۔

اوپن نظامِ تعلیم انتہائی سرعت کے ساتھ رو بترقی ہے. ہمارے یہاں علامہ اقبال اوپن اور جامعۃ اللغۃ العربیۃ المفتوحۃ نے اپنی اپنی بساط (vu) یونی ورسٹی. ورچل یونی ورسٹی کے مطابق اس میدان میں کچھ کچھ قدم آگے بڑھائے ہیں، مگر ابھی منزل بہت دور ہے، یہ ایک سستا باسہولت اور کسی کی پہنچ کا نظام ہے. اس کی طرف آنے کی ضرورت ہے، خان اکیڈمی اور اس کے پاکستانی نژاد چیئرمین سے بھی اس میں بڑی آسانی سے راہنمائی لی جا سکتی ہے۔

جہانِ پاکستان ''کے ان صفحات پر سلمان خان اکیڈمی کا تذکرہ انہیں خراج تحسین ''

بھی ہے اور یہاں کے والدین، سرپرستوں اور بچوں کے لئے سوغات اور تحفہ بھی۔

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

موسکو سے سیکورٹی معاہدہ طہران کو لے ڈوبے گا

شطرنج کا کھیل جب عالمی جغرافیاکے گلوبل پر کھیلا جارہاہو اور کھلاڑی افراد کے بجائے بڑے۔بڑے ممالک یا اتحادی گروپوں کی شکل میں ہوں،تو اس ٹیبل پر کھیلنا ہر کھلاڑی کے بس میں نہیں ہوتا ۔ یہاں معمولی سے غلطی بھی قعرِمذلت اور تحت اثری تک کھلاڑیوں کے ساتھ ان کی قوموں کو بھی پہنچا دیتی ہے، نمرود ،سکندر ،فراعنہ ، تبابعہ ، اور قیصر وکسری اس کے ماہرین تھے ۔ حضرت سلیمان علیہ السلام ،جنابِ محمد رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین نے تمام اقوام کو اس ہولناک کھیل یعنی بندوں کو بندوں کی غلامی سے نکال کرسب کی توجہات کو کرہ ارض کے خالق کی طرف مبذول کرایا، لیکن مرورِزمانہ کے ساتھ اموی ، عباسی ، اور عثمانی ادوارِخلافت میں ہمیشہ سے صلیبی کھلاڑیوں نے اس گیم کو زندہ رکھنے کی کوششیں جاری رکھیں ، 17 ویں صدی کے اواخر میں ،برطانیہ ،فرانس ،روس ، امریکہ ,جرمنی ،جاپان ،اسپین ، اور پرتگال نے جب نئی انگڑائیاں لیں ،تو ایک صدی کے بعد دنیا کا نقشہ تبدیل کرکے رکھ دیا، چنانچہ 22 رجب 1924 کو خلافت کا اختتام ہوا اور مصطفیٰ کمال اتاترک،اسرائیل اور بعد میں چین بھی اس گیم میں کود پڑے ، عالم اسلام کا محل وقوع کرہ ارض کے بالکل وسط میں ، بین الاَقوامی آبی گذرگاہوں اور گرم پانی پر ہونے کے وجہ سے سب کی نظریں اس خطہ پر مرکوز ہوگئیں ،لہٰذا اُسے ٹکڑے ٹکڑے کردیاگیا، حصے بخرے کرنے اور عالم اسلام کے بھی قلب شرق اوسط پر قبضہ جمانے میں

برٹش امپائر اور امریکہ سب سے آگے آگے تھے ، جزیرۃ العرب کو 14 حصوں میں تقسیم کردیاگیا: سعودی عرب ، جنوبی یمن ، شمالی یمن ، عمان ،امارات ، قطر، بحرین، کویت ، عراق ، شام ،اردن ، لبنان ، فلسطین ، اسرئیل اور اھواز ۔ یہاں اسرائیل کو اپنا فوجی مستقر بنا کرپورے علاقے پر نگاہ رکھنے کے لئے یہودیوں کو لابسایا،تاکہ بحر متوسط کے آس پاس ، ترکی ،یونان ، مصر، لیبیا، الجزائر ، تونس ، مراکش ، موریتانیہ ، پرتگال ، اسپین فرانس ،اٹلی ،مالٹا، قبرص ،اور بحر اسود کے اہم ترین اسٹرائی جیکل علاقے پر ان کی نظر ، اور سرپرستی ہو ،اسرائیل کے جَوار میں عرب علاقوں کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں تبدیل کرکے ،لبنان میں فرانس کو بھی حصہ دیاگیا،تاکہ ان میں سے کوئی اس'' لے پالک ''کیلئے خطرہ نہ ہو ،اور موقع کی مناسبت سے فرانس جیسی طاقت سے بھی استفادہ کیاجاسکے ۔ خلیج کے ملکوں میں بھی یہی سیاست اپنائی گئ ،اُدھر اھواز کوایران کے حوالے کردیاگیا،تاکہ ایران روسی سرخ ریچھ کے مقابلے کے لئے اھواز کے تیل وگیس اور قدرتی وسائل سے مستفید ہوکراس کا گرم پانی کی طرف راستہ روکے ، شاہ ایران کی خوب خوب سرپرستی کی گئ ، افغانستان کے غازی امان اللہ خان کو بھی جدت سکھائی گئ ،برصغیر میں پاک وہند کی بھی استقلال کے بعد ہمیشہ امداد کی گئ ،لیکن پھر بھی جب ، روس گیم میں غالب آنے لگا 13 مسلم ریاستوں کو ہڑپ کرنے کے بعد افغانستان اور پھرپاکستان کی طرف بڑھنے لگا، توطاقت کے ذریعے مگرپسِ دیوار اُن کا مقابلہ کیاگیا۔مدنظر یہ رکھاگیاکہ یہود مرے یا عرب ، افغان مرے یا مسلمان ، ایرانی مرے یا روسی ، فائدہ عالمی استعماری قوت امریکہ وبرطانیہ کا ہی ہو، چنانچہ ان سب کو

مروایاگیا، مگراپنے خود کاشتہ القاعدہ وطالبان کے خلاف جنگ لڑ کر انہیں سیاسی ، عسکری اور اقتصادی خسارے کے ساتھ ساتھ ایک بڑا نقصان یہ ہوا کہ روس نے پھر سے سر اٹھالیا، شام میں ایران اور چین کو ساتھ ملا کر نیو ورلڈ آرڈر کے روڈمیپ (عرب بہار)کا راستہ روکا، کیونکہ بالآخر اس بہار نے آگے چل کر ان ہی تینوں ملکوں میں ابھر نا تھا، مشرقی جرمنی ، افغانستان ، یمن اور لیبیا میں شکست کھانے کے بعد سویت یونین ٹوٹ چکا تھا، اب بقیہ رشین فیڈریشن جس نے چیچن ،داغستان اور ابخازیا وانگو شتیا میں ظلم کے پہاڑ توڑے تھے ، بحر متوسط کے آخری اڈے طرطوس (شام) میں بھی اس کا بوریا بستر گول ہونے کو تھا، اوراب بھی ہے۔ اس نے ایران کو ساتھ ملا کر خمینی انقلاب ، شیعہ برادری اور حزب اللہ کے حسن نصراللہ کو بھی عالمی سطح پر بدنام کر دیا، گویا شام میں اس وقت ''افغانستان بطور جنگی محاذ ''کی طرح عالمی جنگ ہو رہی ہے ، ایران ہر لحاظ سے اپنے پیروں پر کھڑا ہونے کو تھا، مسلمانوں کی ہمدردیاں بین الاقوامی پابندیوں کے خلاف ان کے ساتھ تھیں ، مگر کے جی بی کے دام میں آکر اب ایران کے اندر عرب اھواز، بلوچ، ترکمن اور آذری قوموں کو ابھارا جائے گا، مجاہدین خلق کو بھی دہشت گرد تنظیموں کی فہرست سے نکال کر اس پر سے پابندی ہٹادی گئی ہے، بدقسمتی سے روس جس کے قریب ہوا،اس کے ساتھ اتحاد کی بجائے اسے ہڑپ کرنے کی اسکی تاریخ بہت داغدار ہے، موسکو تہران معاھدے میں 5 لاکھ سیکورٹی عناصر کی بھرتی ،ایران میں انہیں تربیت ، عرب بہار کو روکنے کے لئے انہیں اذیت وتعذیب کے نت نئے طریقوں کی تعلیم ،اور خلیج عرب میں امریکی موجودگی کی وجہ سے آبنائے ہرمز تک روس کی رسائی، جنگی مشقیں، خود روس میں

انسانی حقوق،فرد کی آزادی،اندرونی خود مختار ریاستوں میں ظلم وستم یہ وہ عوامل ہیں جسکی وجہ سے روس ایران بدامنی سے دوچار ہوں گے ۔ترکی ایران کا رقیب ہے، ہر طرح مسلح ہے، ترقی یافتہ ہے ، اندرونی استقرار ہے ،اقتصادی طور پر دنیا کی دسویں قوت بننے کو ہے ، نیٹو کا رکنِ رکین ہے، شام جنگ کی وجہ سے وہاں پیٹریاٹ نصب ہو چکے ہیں عراق میں نوری مالکی کے خلاف عرب بہار شروع ہو چکا ہے ، سعودی عرب لبرل ہونے کو ہے ، شہزادہ طلال اسے مزید لبرل بنانے کے مشورے دے رہا ہے ، امارات میں پارلیمنٹ کی اسپیکر ایک خاتون تک تبدیلی آچکی ہے، قطر عرب دنیا میں ایک چھوٹا سا نقطہ ہونے کے باوجود گیم میں ایک سمجھ دار قوت کی طرح آچکا ہے ۔

ان حالات میں احمدی نثراد کا عرب بہار سے ڈر کر اور حواس باختہ ہو کر روس کی طرف ہاتھ بڑھانا ، ان کو اندر تک آنے کی اجازت دینا، شام میں ان کے شانہ بشانہ عوام کی طاقت سے لڑنا ،اہل حرمین کی مخالفت کرنا، مسلمانوں کے سواد اعظم اہل سنت بالخصوص عرب کے مقابلے میں لاکھڑا کرنا، صرف خمینی انقلاب ، ایران حکومت ومملکت ہی نہیں حضرت حسین رضی اللہ تعالی عنہ کے غم میں تاحال غمگین اور بین الاَ قوامی سطح پر نسبتًہ پر امن اہل تشیع کے لئے بھی آیندہ دکھوں کا باعث ہوگا ، کاش ڈاکٹر علی شریعتی ، آیت اللہ سیستانی اور لبنان کے عرب بہار حامی شیعہ علما کی کوئی سن لے ، خدا کرے کہ غلطی صرف احمدی نثراد پر ڈالِی جائے ، اہل بیت اطہار کے نام لیواؤں کو اس سے دور سمجھا جائے ، اللہم ھل بلّغتُ ؟؟

لسانیت ..... تقسیم در تقسیم ہے

برصغیر میں اسلام جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ میں داخل ہوچکا تھا،ملیبار کی موجودہ مسجد شیرامین ۸۰ھ میں قائم ہوئی تھی ،نیرن (حیدرآباد) عہد نبویؐ ہی میں پانچ صحابہ کرامؓ کی آمد سے حلقہ بگوشِ اسلام ہوچکا تھا،ادھر افغانستان کاوفد حضرت قیس عبدالرشید کی سربراہی میں مدینہ منورہ جاکرآپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں بیعت کرچکا تھا،بعد میں بلادِ سندھ وہند کوباقاعدہ اسلامی خلافت میں ضم کرنے کیلئے جہاں محمد بن قاسم جیسے سپہ سالارآئے ، وھاں صحابہ وتابعین نے بغرض تجارت و تبلیغ یہاں کارخ کیا، کراچی سے پشاورتک مؤرخین نے ان جلیل القدر ہستیوں کی پانچ سو مقابر کی نشاندہی کی ہے ،جزائر برونائی مالدیپ اور سری لنکاان تاجر صحابہ وتابعین کی برکت سے توحید وسنت سے ہم کنار ہوئے ، محمود غزنوی ہویا ابدلی ، غوری ہو یا سوری ، صوفیاء ہوں یا حکمراں ، علماء ہوں یا مفکرین ،سب نے ظلمت کدۂ ہند میں دیاجلانے اور روشنی پھیلانے کی پے درپے کاوشیں کیں ۔کسی کو یہاں دعوت توکسی کواجابت وتسلیم، کسی کو ھجرت توکسی کو نصرت ، کسی کوجہادتوکسی کوانفاق، کسی کواقدام توکسی کودفاع کے فضائل برسوں سے حاصل ہیں ۔

نکتے کی بات یہ ہے کہ یہاں برصغیر میں اور اُدھر اسپین میں اہل اسلام کو تقریباً ہزار سال قابض حکومتیں قائم کرنے کا اتفاق ہوا، ان مسلم حکمرانوں کے کارنامے زیر نگیں علاقوں میں سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں ۔۔۔ یہ سب اپنی جگہ مگر جب دنیا عالم گیریت کی طرف گامزن ہوئی ،اور بین الاقوامی طور پر ہمارے یہاں کی کسی بھی معمولی سے ہاؤسنگ سکیم کے مانند کرۂ ارض کی جغرافیائی پلاٹنگ ہوئی ،اس موقع پر خلافت عثمانیہ مرد بیمار کہلایا جارہا تھا، جبکہ برٹش امپائر، روس ،امریکہ ،اور فرانس وغیرہ اپنے جوبن میں تھے، ان نامساعد حالات میں بھی ہمارے آباء واجداد نے ہر طرف سے مسلم دشمنی کے باوجود قاعدے قانون کی وہ جدوجہد کی جس کی نظیر ملنا مشکل ہے، متحدہ ہندوستان یا تقسیم ہند کی آزادی کیلئے قید وبند، شہادت و سرفروشی ،مذکرات و مجاھدات کی ایک تاریخ رقم کی ،چنانچہ تقسیم برصغیر کے بدولت ہمیں بھی یہاں دو پلاٹ الاٹ کر دیئے گئے ،مشرقی و مغربی پاکستان کے نام سے ،ملکیت زمین کے ہمارے اس حق کو پوری دنیا بشمول ہندوستان نے بھی تسلیم کرلیا،اب قبضہ نہیں ملکیت کی حیثیت سے اسلام اور مسلمان یہاں موجود ہیں ،افسوس کہ اسپین میں ایسا نہ ہوسکا۔ خاکم بدھن، کل کلاں اگر ہندوستان بھی ہمارے ان پلاٹوں پر فوج کشی کرے گا، قابض کہلائے گا،اس سے یہاں کے مسلمانوں کو اگر ایک خود مختار خطۂ ارض دستیاب ہوا تو دوسری طرف عالم اسلام کے رقبے میں بھی ایک بیش قیمت اضافہ ہوا،ایک تو تقسیم ہند اور حضرت قائداعظم پر اعتراض

کرنے والوں میں سے اکثر وبیشتر اس جغرافیائی الاٹمنٹ کے اہم ترین مقام سے ناواقف ہیں ،دوسری طرف لسانیت ،صوبائیت وعلاقائیت کے علم بردار دقیانوسی، تنگ نظری ، رجعت پسندانہ اور بچکانہ سوچ کی وجہ سے عصر جاھلیت کے قبائل کی طرح یہاں قومیت،تعصب ،رنگ ونسل ،اور زبان کی بنیاد پر تقسیم در تقسیم پر تلے ہوئے ہیں ،وہ یہ بھول جاتے ہیں کہ یہ دور مخابرات، خفیہ ایجنسوں اور ملٹی نیشنل کمپنیوں کا ہے، ان اداروں کی چیرہ دستیوں اور تخریب کے متعلق عربی میں ''المخابرات فی العالم'' نامی کتاب پچیس جلدوں میں بیروت سے چھپ چکی ہے ،یہ دانستہ یا نادانستہ خواص وعوام کو کس طرح استعمال کرتے ہیں ،ساری تفصیلات اس میں موجود ہیں۔

لیکن ان سب سے ہٹ کر عقل عام کے تناظر میں اگر دیکھا جائے تو کیا خیبر پختونخواہ میں پشتونوں کے علاوہ کوھستانی ،چترالی، تنولی ،کھڑال ،گجراور ہزارے وال نہیں ہیں پنجاب میں پنجابیوں کے سوا سرائیکی، نیازی ،رانگڑاور پوٹھوہار والے نہیں ہیں، بلوچستان میں بلوچوں کے علاوہ پشتون ،براہوی اور مکرانی نہیں ہیں ،سندھ وکراچی، میں سندھیوں اور مہاجروں کے ساتھ ساتھ بلوچ، سرائیکی ،پنجابی ،قدیم خاصخیلی ودرانی پختون، جدید آباد کار پٹھان ،گجراتی، میمن ،کچھی ،براہوی ،ہزارے وال، میگوار اور بہاری نہیں ہیں ،کیا بنگلہ دیش کی علیحدگی پر وھاں محصورین کا مسئلہ ایک دردناک داستان نہیں ہے

کیا بنگلہ دیش نے اسلام اور مسلمانوں کے نام پر حاصل کردہ وقف یا مسلمانوں کے ، مشترکہ قطعہ کو اپنا کر کوئی ثواب کمایا، کیا انہوں نے الگ ہو کر کوئی چین وسکون حاصل کیا۔

عالم گیریت اور گلوبلائزیشن کے اس دور میں عظیم تر اقوام متحد ہو رہی ہیں ،ایک تجزیے کے مطابق اگلے پچاس سالوں میں پوری دنیا کی ایک ہی زبان ہو گی ،کیا ان حالات میں کنویں کے مینڈک بن کر رہنے کو ہی ترجیح ہو گی ؟؟ یا پھر گلوبلائزیشن کے اس چیلنج کو باہمی اتحاد سے چانس میں تبدیل کرنے کا عزم نہیں ہونا چاہیے ؟؟۔

نیز یہ بٹوارے یا رنگ ونسل اور زبان کی بنیاد پر تحریکیں ہجرت ونصرت کرنے والوں کی روحوں کے ساتھ غداری نہیں ہے ،کیا موجودہ ہندوستان کے مسلمان کشمیر ،جوناگڑھ حیدرآباد دکن ، بھوپال ،ٹونک اور روھیلہ کھنڈ میں ظلم کے شکار اور پورے ملک میں ، دوسرے درجے کے شہری نہیں ہیں ،کیا قرآن کریم نے تمام اہل ایمان کو بھائی نہیں ٹھہرایا ،کیا پیغمبر اسلام نے عصبیت پر مرنے ،خرچ کرنے اور اس کی طرف دعوت دینے والوں کو" ہم میں سے نہیں ہیں " نہیں گردانا، کیاان نعروں کو آپؐ نے بدبودار نعروں سے تعبیر نہیں فرمایا؟؟

آخر ان نسبتاً بڑی زبانیں بولنے والوں کے پاس وہ کون سی گیدڑ سینگی ہے جس سے
چھوٹی لیکن مستقل شناخت رکھنے والوں کو وہ قائع وراضی کرلینگے ۔اگر کچھ ہے تو اسی
فارمولے کو پورے ملک میں آزمایا جائے ۔ورنہ خبردار ۔بات صرف یہاں نہیں
رُکیگی،پھر مکافات عمل کے طور پر تقسیم در تقسیم کیلئے تیار ہو جائیں۔۔۔

فقر وغنٰی۔۔۔ ایک عبرت آموز واقعہ

مال دار فقیر اور فقیر مال دار کیسے بنتے ہیں ، یہ قدرت الٰہی کے کرشموں میں سے ہے، دن کو رات ،رات کو دن ۔ گرمی کو سردی ، سردی کو گرمی ۔ بادشاہ کو غلام ، غلام کو بادشاہ۔حاکم کو محکوم، محکوم کو حاکم۔ زبردست کو زیر دست ،زیردست کو زبردست بوس کو پی اے،پی اے کو بوس خادم کو مخدوم، مخدوم کو خادم۔ قیدی کو آزاد ،آزاد کو قیدی۔ عزت مند کو ذلیل ،ذلیل کو عزت مند۔ صحت مند کو مریض، مریض کو صحت مند ۔بچے کو جوان ، جوان کو بوڑھا۔ یہ سب اس کی طاقتِ خیر کی کارستانی ہے، ورنہ اس کی تو اتنی عظیم قدرت ہے کہ وہ سب کو یکساں فقراء یااغنیاء ۔۔۔۔ بنائے ، لیکن وہ اپنے بندوں کے مختلف احوال میں اچھے اعمال وکارکردگی دیکھنا چاہتے ہیں " لیبلوکم ایکم احسن عملاً" ۔

اسکی مثال آپ ایک کلاس ٹیچر سے سمجھئے۔اپنے شاگردوں کے امتحان لینے سے پہلے بھی اسے پتہ ہوتاہے کہ کون کتنے پانی میں ہے ،لیکن اتمام حجت اور تلامذہ کے مابین چہ می گوئیاں ختم کرنے کے لئے وہ سوال نامہ بناتاہے ،امتحان منعقد کرتاہے، احسن عمل دیکھنا چاہتاہے، امتحان کا مقصود ہی قابل لوگوں کو پاس کرکے آگے اعلیٰ درجات تک پہنچانا ہے ،فیل کرنا مقصود نہیں ہوتا، لوگ خود

نکمے ہوتے ہیں وہ پاس نمبرز تو کیا رعایتی نمبرز جو ایک ممتحن کا احسان ہے کے بھی مستحق نہیں ہوتے ، تو تب جا کر فیل ہی ہو جاتے ہیں ، بعض متنبہ ہو کر ضمنی امتحانوں کے چانسز میں نکل بھی جاتے ہیں ، بعض مرتبہ قابل طالب علم سے بھی کوئی ایسی فحش غلطی ہو جاتی ہے کہ پیپر میں فیل ہو جاتا ہے، یا پھر دانش گاہ ہی سے خارج ہو جاتا ہے، فیل یا خارج ہونے میں قصور اس کا اپنا ہوتا ہے ،مدیر اور ممتحن کا نہیں،اسی سے اللہ تعالی کے ان فرامین کو سمجھنے کی کوشش کی جانی چاہیے ،کہ'' اللہ تعالی اپنے بندوں کے لئے ایمان کو پسند کرتا ہے، کفر کو نہیں'' ،اب ''جو چاہے ایمان لائے ، جو چاہے انکار کرے''، لیکن یہ یاد رکھیو کہ'' ، تمہیں جو تکلیف پہنچے گی وہ تمہارے ہی کیے کی سزا ہو گی'' ۔

علامہ ابن جوزی نے دنیاکے اس امتحان گاہ میں ایسے ہی ایک پاس آدمی کے فیل ہونے اور ایک فیل کے پاس ہونے کا عجیب وغریب سبق آموز اور عبرت انگیز واقعہ نقل کیا ہے،اصفہان میں ایک بہت بڑا رئیس اپنی بیگم کے ساتھ دستر خوان پر بیٹھا کھانے میں مصروف تھا، دستر خوان اللہ کی نعمتوں سے بھرا ہوا تھا، اتنے میں ایک فقیر نے صدا لگائی : اللہ کے نام پر کچھ کھانے کے لئے دے دو بھائی۔ اس شخص نے اپنی بیوی کو حکم دیا، کہ سارا دستر خوان اس فقیر کی جھولی میں ڈال دو، بیوی نے حکم کی تعمیل کی،اتنے میں اچانک اس نے اس فقیر کا چہرہ دیکھا،تو دھاڑیں مار کر رونے لگی، اس کے شوہر نے اس سے پوچھا،جی بیگم کیا ہوا ؟ اس

نے کہا، آپ کو کیا بتاؤں؟۔۔۔۔جو شخص فقیر بن کر ہمارے گھر پر دستک دے رہا تھا، وہ چند سال پہلے اس شہر کا سب سے بڑا مالدار، ہماری اس کوٹھی کا مالک اور میرا سابق شوہر تھا۔۔۔۔چند سال پہلے کی بات ہے کہ ہم دونوں اسی جگہ دستر خوان پر آج کی طرح ایسے ہی بیٹھ کر کھانا کھا رہے تھے، اتنے میں ایک فقیر نے صدا لگائی کہ میں دو دن سے بھوکا ہوں، اللہ کے نام پر کچھ کھانے کے لئے دے دو، یہ شخص غصے میں آ کر دستر خوان سے اٹھا اور اس فقیر کی اس قدر پٹائی کی کہ وہ لہولہان ہوگیا، نہ جانے اس فقیر نے کیا بددعا دی کہ اس کے حالات دگرگوں ہوگئے، کاروبار ٹھپ ہوگیا، کوٹھی بھی چلی گئی، یوں وہ شخص فقیر وقلاش ہوگیا، اس نے مجھے بھی طلاق دے دی، اس کے چند سال کے بعد میں آپ کی زوجیت میں آگئی۔شوہر بیوی کی یہ باتیں سن کر کہنے لگا، بیگم، کیا میں آپ کو اس سے زیادہ تعجب خیز بات نہ بتلاؤں؟ بیوی نے کہا ضرور بتائیں، کہنے لگا، جس فقیر کی آپ کے سابق شوہر نے پٹائی کی تھی، وہ مضروب کوئی دوسرا نہیں، بلکہ میں ہی تھا۔گردش دوراں کا ایک عجیب نظارہ یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اس بدمست اور غضبناک مال دار کی ہر چیز، مال، کوٹھی، حتّٰی کہ بیوی بھی چھین کر اس شخص کو دے دی، جو فقیر بن کر اس کے گھر پر آیا تھا اور چند سال بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اس شخص کو فقیر بنا کر اسی کے در پر لے آیا، واللہ علی کل شیء قدیر۔

اس واقعے میں ہر برسر روزگار، صاحب منصب، اہل اقتدار، اہل علم، عزت دار، مال دار، فیکٹری مالک اور بھاری مینڈیٹ والے، مکے لہرانے والے، اپنوں پر رٹ قائم کرنے کے لئے خون کی ندیاں بہانے اور اغیار کے ایک فون پر ڈھیر ہونے والے حاکم کے واسطے کافی شافی درس اور عبرت ہے۔ جاہ وجلال، مال اور اقتدار کے بھوکوں میں کوئی ہے جو اس عبرت آموز واقعہ سے نصیحت حاصل کرے؟؟؟

گلوبلائزیشن۔۔۔امت اور انسانیت

گزشتہ دنوں اسلامی نظریاتی کونسل کے چیئرمین حضرت مولانا محمد خان شیرانی صاحب نے ''امت مسلمہ اور اس کے مسائل ومشکلات'' کے عنوان سے نہایت پر وقار اور عظیم الشان سہ روزہ کانفرنس منعقد کی، جس میں ملک بھر کے تمام مکاتبِ فکر کے نامور علماء اور جدید عصری اداروں کے اہل فکر و دانش سکالروں کو دعوت دی گئ تھی، کانفرنس کی کل پانچ نشستیں تھیں ،ہر نشست کے ابتدائی اور اختتامی کلمات خود چیئرمین صاحب فرمایا کرتے تھے، مختلف مجلسوں میں مرکزی خطاب، صدارت اور اسٹیج پر بطور مہمان خصوصی تمام مکاتب فکر نیز قدیم وجدید کے حاملینِ فہم و دانش کو مدعو کیا جاتا تھا، پروگرام حسنِ انتظام، لطافت ،وقار، متانت ،ہماگیریت، اپنائیت اور ضیافت ومہمان نوازی کا عمدہ نمونہ لئے ہوئے تھا۔

مولانا شیرانی ہر نشست میں اپنے خاص وضع قطع کے ساتھ اپنے دستِ راست اور دست چپ میں دو دو بزرگوں کے درمیان اسلامی نظریاتی کونسل کے صحیح معنوں میں'' حق بحقدار رسید'' کے مصداق بطور چیئرمین خوب جچتے تھے اور بجا طور پر ان سے یہ امید کی جاتی کہ اب جا کر کہیں اس ادارے کا'' لاشہ '' اپنی اس روح کی برکت سے کچھ نہ کچھ ارتعاش میں آجائے گا۔

شرکائے اجلاس کے فرمودات مرتب کرنے کا کام مولانا انعام صاحب کے ذمے تھا، جبکہ اس کی کمپوزنگ وغیرہ مولانا نصیر شاہ کے سپرد تھی ۔۔۔۔۔۔ہم نے جو معروضات پیش کیں تھیں اسکا خلاصہ کونسل کے اراکین نے اپنے ریکارڈ کے لئے یوں قلم بند کیا تھا:

شیخ ولی خان المظفر نے کہا کہ قرآن کریم نے متعدد بار جناب رسالتِ مآب ﷺ کی ذاتِ گرامی کو (کل کائنات) کے لئے رحمت قرار دیا ہے، ان کی رسالت کو (پوری انسانیت) کے لئے لازم اور ان کی لائی ہوئی کتاب کو کل صحف سماویہ کا آخری ایڈیشن قرار دیکر اقوام عالم کے لئے سرچشمۂ ہدایت بنایا۔ چنانچہ انسانیت۔۔۔اور عالمیتِ رسالتِ محمد ﷺ پر غیر مسلم اسکالرز نے ایسی ایسی کتابیں لکھی ہیں کہ آدمی دنگ رہ جائے ۔

جب ہمارا دین گلوبل، ہمارا پیغمبر گلوبل، ہماری کتاب گلوبل تو ہمیں بھی بین الاقوامی اور بین المللی افکار وتصورات سمجھنے، پیش کرنے اور عالم بشری کی فلاح وبہبود کے لئے فیصلے کرنے ہوں گے۔ انہوں نے زور دے کر کہا کہ امت مسلمہ کو عالم بشریت کے اس ترقی یافتہ زمانے میں غیر مسلموں کو متاثر کرنے کے لئے ان مسلمہ نظریات کے پرچار کے لئے کمربستہ ہونا ہوگا، جن میں بلا تفریق پوری انسانیت یا کل کائنات کی بات ہوئی، کائنات اس لئے کہ آج یوم الارض اور یوم الحیوانات وغیرہ بھی منائے جاتے ہیں ۔اس لئے ہمیں اپنا فریم

ورکٹ وسیع تر دکھانا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ امت مسلمہ اس دور میں بین الاقوامی برادری کی بغیر نہیں رہ سکتی ۔لہذا بین الاقوامی برادری کے مسائل و مشکلات کو سامنے رکھ کر کام کرنے کی ضرورت ہے ۔ جناب نبی کریم ﷺ نے میثاق مدینہ میں اس تصور کو ملحوظ رکھ کر یہود و نصاریٰ اور مسلمانوں کے درمیان معاہدہ کیا تھا، آج بھی اس طرز کے ایک میثاق العالم البشری کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ امت مسلمہ کی مثال آج کے اس نہایت ترقی یافتہ دور میں بھی قدرتی وسائل رکھنے کے باوجود فکری و تکنیکی افلاس کی وجہ سے ،کَلّ علیٰ مولاہ اینما یوجہہ لایات بخیر کی مثال ہے ۔

آج اسلامی نظریاتی کونسل کو اسلامی جمہوریہ پاکستان جیسے ملک میں آکر محمد خان شیرانی جیسی عبقری شخصیت مل چکی ہے، جنہوں نے اس مردہ گھوڑے کے جسم میں جان ڈال دی ہے۔ یہ ہمارے لئے ایک غنیمت ہے کہ ہم اس کرشماتی، فکری، روحانی اور نظریاتی انقلابی شخص کے دست و بازو بن کر دامے درمے سخنے ان کے شانہ بشانہ کھڑے ہو کر صرف امت ہی نہیں انسانیت بھی نہیں بلکہ کائنات کی ڈوبتی ناؤ کو کنارے لگانے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں۔

انہوں نے کہا کہ اب وہ وقت آچکا ہے جس میں ہم اپنے دین، پیغمبر اور کتاب کی عالمگیریت، بین الاقوامیت اور رحمت للعالمین ہونے کو ثابت کریں، اپنی

مسلم اقلیات اور مسلم اکثریات کو بٹھا کر نئے پیغامات نئے اندازِ تخاطب اور دعوت کی نئی اصطلاحات ایجاد کریں۔ اسلام، قرآن اور محمد ﷺ نہ صرف عربوں کے ہیں، نہ صرف مسلمانوں کے ہیں اور معاف کرنا نہ صرف مولویوں کے ہیں، یہ کل کائنات اور پورے عالم کے لئے ہیں ،افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ کوئی بھی نبی جب بھی آیا وہ ہمیشہ اپنی قوم کی زبان کا ماہر آیا، آج انبیاء کے وارث جتنے بین الاقوامی زبانوں اصطلاحات اور مزاجوں سے نا واقف ہیں، اتنا کوئی اور نہیں اور تو اور عربی ایک عالمی، زبان ہے اور ہمارے دین ، پیغمبر ﷺ اور قرآن کی زبان ہے ،اس کے اسالیب و آداب سے یہ حضرات آج پچانوے فیصد نا واقف ہیں، تو وہ مولوی کیوں کر اس دین اس پیغمبر ﷺ اور اس کتاب کے پیغامات کو صحیح معنوں میں سمجھ سکتا ہے ؟؟،

آخر میں انہوں نے کہا کہ امت کے عوام، علماء اور حکمران تینوں طبقات کو سر جوڑ کر بیٹھنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ گلوبلائیزیشن میں اپنا کردار ادا کر سکیں اور اس دور میں اپنا حصہ ڈال سکیں۔ یہاں تعلیم، اقتصاد، تجارت، معدنیات، دفاع، سیاست ،میڈیا وغیرہ کے مختلف میدانوں کے حوالے سے مفصل مسائل و مشکلات کا تذکرہ کیا گیا ہے ۔ میری ایک تجویز تو یہ ہے کہ ان سب کو سنجیدگی سے لیا جائے اور ہر ایک کے لئے نہایت با صلاحیت جدید وقدیم کے حاملین افراد پر کمیٹیاں تشکیل دی جائیں اور عالم اسلام ہی نہیں پورے عالم

بشری کو مدنظر رکھ کر پالیسیاں تشکیل دی جائیں۔

دوسری تجویز یہ ہے کہ عربی زبان کو پاکستان کی سرکاری زبان قرار دینے کے لئے اسلامی نظریاتی کونسل بامعنی اور مؤثر سفارشات سینیٹ اور قومی اسمبلی سے کو بھیجے،اور انہیں منظور کرانے کے لئے قائدِجمعیت مولانا فضل الرحمٰن اپنا بھرپور کردار ادا کرے،یقیناً قوم ان کا ساتھ دے گی۔

مولانا محمد خان شیرانی کی کرشماتی شخصیت پاکستان کے اس فکری ادارے کو پورے عالم کے لئے صلاح و فلاح اور خیر ونجاح کا ادارہ بنانے پر قادر ہے،وہ یہ کر سکتے ہیں،بشرطیکہ اخلاص وللہیت کے ساتھ ساتھ مختلف میدانوں اور زبانوں میں ہم ان کا ہاتھ بٹائیں۔

اللہ تعالٰی ہمارا حامی و ناصر ہو۔

فرقہ واریت۔۔۔ایک آسان حل

ہمارے ملک میں بالخصوص اور عالم اسلام میں بالعموم فرقہ واریت ایک سنگین اور لا علاج مرض بنا ہوا ہے،ہزاروں معصوم لوگ اس کے بھینٹ چڑھ چکے ہیں ، علماء ، عوام ، حکمراں ،دانش ور سب ہی اس عفریت کا نشانہ بنے ہیں اور سب ہی اس کے حل کے تلاش میں ہیں ، محرم الحرم ہو یا ربیع الاول پورے ملک میں ایمر جنسی یا مار شل لا کی سی کیفیت شروع ہوجاتی ہے۔ تعلیم ،اقتصاد ، تجارت ، معیشت ، معاشرت اور اس قسم کے دیگر تمام شعبے اس سے بری طرح متاثر ہو جاتے ہیں ، حیرت کی بات یہ ہے کہ تمام تر حفاظتی انتظامات کے باوصف خون کی ہولی کا کھیل پھر بھی کھیلا جاتا ہے ، سیکورٹی ادارے خود کش کی لاش کی شناخت اور اہل سیاست مذمتی بیانات جاری کردیتے ہیں، غم رسیدہ اور رنجیدہ عوام جنازوں پر جنازے اور لاشوں پر لاشے اٹھا اٹھا کر تھک گئے ،درد مند اور ملک وملت کیلئے فکر کرنے والے کف افسوس ملتے اور بارگاہ الٰہی میں گر یہ وزاری کرتے رہتے ہیں ، لیکن بیماری کی صحیح تشخیص اور پھر اس کا کافی شافی علاج نہ ہونے کی وجہ سے مسئلہ فقط جوں کا توں نہیں بلکہ روبترقی ہے۔

یہودیت میں بھی مختلف فرقے ہیں ، عیسائیت کے کیتھولک،آرتھوڈوکس،اور پروٹسٹانٹ مستقل مذاھب کی صورت اختیار کرگئے ہیں ،تاؤمت ،بدھ مت، ہندومت، سکھ مت ، جین مت، شنتومت،

اوز رتشت و مجوسیت تمام میں باہمی اختلافات اور نقطہ ہائے نظر کا تفاوت پایا جاتا ہے، پر اس قدر خون ریزی کہ خود کش حملے تک کئے جائیں، عبادت گاہوں ،مذہبی شخصیات اور شعائر ومناسک بجالانے والوں کو نشانہ بنایا جائے شاید وباید۔

عالم گیریت کے اس دور میں ذرائع ابلاغ کے متنوع بہتات کے باعث دنیا میں اسلام تیزی سے پھیل رہاہے، سین اسٹون، انڈر ٹیکر، مائکل جیکسن، ڈیانا، محمد علی کلے ،روجیہ جارودی اور ایوان ریڈلی جیسی نامور شخصیات حقانیت اسلام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے، لیکن مسلمان بدنام ہورہاہے، دنیاکے کونے کونے میں لوگ حلقہ بگوش اسلام ہوناچاہتے ہیں ،مغرب میں ہمارے کئی دوست اور شاگرد ہم سے رابطہ کرتے ہیں کہ جی یہاں کچھ حضرات اسلام قبول کرنا چاہتے ہیں ، لیکن وہ کونسا اسلام اختیار کریں اس میں انھیں تذبذب ہے،ہم کہدیتے ہیں ، سمپل اسلام قبول کریں ،ماقبل الفِرَق الاسلامیہ قرون اولی والااسلام قبول کریں ،کلیات لے لیں ،جزئیات پر نہ جائیں ، پھنس جائینگے قرآن وسنت اپنے محکم مدلولات میں واضح ہیں ،جہاں متشابہات ہیں ان کی ٹھوہ میں، نہ پڑیں۔

مجھے برا عظم آسٹریلیاکے فیجی آئی لینڈ میں ایک انڈین نے کہا، میں مسلمان ہونا چاہتاہوں ،لیکن مسلمانوں کی حالت زار اور فرقہ بندی کو دیکھتا ہوں توپریشان اور متردد ہوجاتاہوں ،میں نے کہایکدم شیخ الاسلام بننے کی کوشش نہ کریں ،کلمہ پڑھیں اور دیگر ایمانیات واعمال کو دھیرے دھیرے اور اسٹرائی جیکل انداز میں اپنانے کی

کوشش کریں ،انھوں نے ڈاکو یہ منٹیشین کے اس دور میں نام بدلنے اور ختنے کی بات کی ، میں نے کہا یہ ضروری نہیں ہے ، شروع میں آپ کیلئے صرف کلمہ پڑھنا کافی ہے اسی کا ورد کریں ، سکون واطمینان نصیب ہوگا ،اور اگر بالفرض والتقدیر آپ کچھ اور نہ کر سکیں تو کلمہ آپ کی نجات فی الآخرت کیلئے کافی ہے،جنت میں داخلہ مل جائے گا،اور اگر کسی کو جنت میں بھی اعلی سوسائٹی اور لگژری اپارٹمنٹ کی خواہش ہے تو اس کیلئے اس دنیا میں جو تگ ودو ہوتی ہے اسی طرح کی وہاں کیلئے بھی کرنی ہوگی ،چنانچہ وہ مسلمان ہو گئے ،الحمد للہ علی ذلک۔

ایران کے روحانی پیشوا جناب خامنہ ئی صاحب کے ساتھ ہماری ایک نشست تھی ،آخر میں کسی نے کہا سرکار، ہمیں کچھ نصیحت فرمائیں ،انھوں نے کہا نصیحت نہیں گذارش کر سکتا ہوں ، وہ یہ کہ امت میں خلا دیکھا کریں ، جہاں جہاں خلا نظر آئے اسے پر کیا کریں ۔یہ نہایت مختصر مگر انتہائی جامع بات ہے ،ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم پر کی ہوئی جگہوں کو پر کرتے ہیں ۔

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان متحدہ مجلس عمل اور ملی یکجہتی کونسل میں تمام فرقوں کے رہنما شریک ہوتے ہیں ،ایک ہی ساتھ کھانا بھی کھاتے ہیں، باجماعت نماز بھی پڑھتے ہیں ،پھر مسئلہ کیا ہے کہ سڑکوں پر خون کی نہریں جاری ہیں ۔

بات ایک علمی نوعیت کی ہے، جس کا تعلق خالصۃً درسگاہوں سے ہے، قرآن وسنت کی روشنی میں اجتہاد کرکے استنباط کرنے کی بات ہے۔اب یہ دلیل ومنطق کا معاملہ تھا، جسے عوام میں لایاگیاتوڈنڈوں، تلواروں ، گولیوں اور بم دھماکوں تک آگیا۔

باری تعالی سے زیادہ طاقتور کون ہے، وہ اگر چاہتا،اہل باطل کو پیدا ہی نہ کرتا، یا پھر بعد از پیدائش نیست ونابود کردیتا، مگرانہوں نے ایک لاکھ چوبیس ہزار کم وبیش انبیاء علیہم السلام ،ایک سو چودہ صحیفوں اور چار باقاعدہ کتابوں کا انتظام کیا،تاکہ طاقت کے بجائے دلیل اورزبردستی کے بجائے تفہیم کو بروئے کارلایاجائے، کیونکہ انہیں اپنے بندوں سے محبت ہے، وہ انہیں نافرماں نہیں فرماں بردار دیکھنا چاہتے ہیں،اور جہاں اللہ سے خوف کھانے کا حکم ہے ،وہ خوفِ دہشت یاوحشت نہیں ،بلکہ خوف احترام اور بلندئی مقام کالحاظ ہے، کیاکیجئے گاان پنہاں رازوں کو سمجھنے سے فرقہ واریت کے علم بردار قاصر ہیں ۔ تخریبِ محبت آساں ہے تعمیر محبت مشکل ہے ۔۔تم آگ لگانا سیکھ گئے تم آگ بجھاناکیا جانو

اسلامی نظریاتی کونسل کے موجودہ چیئرمین مولانا محمد خان شیرانی نے گزشتہ سے پیوستہ سال اس پیچیدہ مسئلے پر کونسل کے آڈیٹوریم میں ملک بھرکے چیدہ چیدہ علمائے کرام کا ایک روزہ اجتماع منعقدکیا، ایک نشست کی صدارت میں اپنے ساتھ احقرکو بھی شریک کیا،آخر میں جس بات پر اتفاق ہوا،وہ یہ کہ تمام مکاتب فکر اپنے اپنے بزرگوں

کے فرمودات کے نشر واشاعت اس انداز میں کریں کہ اسمیں دوسروں کی تنقیص نہ ہو اور اپنے نظریات کو لااکراہ فی الدین اور لکم دینکم ولی دین کے تناظر میں دوسروں پر نہ تھوپیں، کسی کو اس پر مجبور نہ کریں کہ جو ہماری رائے ہے اسے قبول کرو، ورنہ موت کیلئے تیار ہو جاؤ، علمی و تحقیقی اصطلاح میں اسے تحمیل کہتے ہیں۔

فرعون اسی خبط وپاگل پنے میں الجھ کر رہ گیا تھا، وہ کہتا تھا، مااریکم الا ماارى میں اسی رائے اور فکر و نظر کا تمہیں حکم کرتا ہوں جو میرے دل ودماغ میں ہے گویا اپنی رائے نظریہ، عقیدہ اور فکر وفلسفہ زبردستی غیروں پر تھوپنا یا تحمیل کرنا ایک فرعونی منشور ہے، جو ان کی ہلاکت اور بربادی کا سبب بنا۔

صحابہ کرام کو اگر کوئی معیارِ حق تصور کرتا ہے تو اہل بیتِ اطہار کا کون انکاری ہے، حضرت ابو طالب کو اگر کوئی تصدیق بالقلب کی بناپر مسلمان سمجھتا ہے، تو ان کے مقام ومرتبے کا انکار مخالف کو بھی نہیں ہے، پیغمبر کو اگر کوئی نور کہتا ہے، تو بشریت کا انکار وہ بھی نہیں کر سکتے، تقلید شخصی کا اگر کوئی منکر ہے، تو صدیق حسن خان، ابن قیم، ابن تیمیہ اور امام بخاری کی تقلید عمومی کے وہ بھی خلاف نہیں ہیں۔ اگر ٹھنڈے دل سے سوچا جائے تو پتہ چلتا ہے یہ سب نزاع لفظی ہے پھر جھگڑا کس بات کا؟

اجتھاد میں اپنی رائے کو اقرب الی الحق اور مخالف رائے کو اقرب الی الخطا کا محتمل

سمجھا جاتا ہے، گویا ترجیحات کی بات ہے، جسے ظاہر بین کفر واسلام کا مسئلہ بنا دیتے ہیں۔
کیا گلوبلائزیشن کا یہ پر فتن زمانہ، ترقی کا یہ برق رفتار دور، اسلام و مسلمانوں پر اغیار کی ہر طرف سے یلغار اور فلسطین، شام، کوسوفو، فلپائن، برما، کشمیر چیچنیا، افغانستان و صومالیہ میں بارود کی بارش امہ کو اس نزاع لفظی پر اس قدر ارتکار کی اجازت دیتے ہیں؟ آپ کہینگے حل کیا ہے؟ حل تو بہت آسان ہے اور میں دعوے سے کہتا ہوں کہ یہ حل تریاق ہے۔اپنے عقائد و نظریات پر دوسروں کو مجبور نہ کریں، دوسروں کے نظریات اور اکابر کو ھدف تنقید نہ بنائیں اس سے برداشت، تحمل، بردباری اور صبر کا ماحول پیدا ہوگا۔

یہی اصول بین الاقوامی طور پر مکالمہ بین المذاھب کا ہے، اسی کو مکالمہ بین الفِرَق الاسلامیہ کا قانون بھی تسلیم کریں، اسی سے باہمی بعد کے بجائے قربت، نفرت کے بجائے الفت ہوگی۔

خلاصۂ کلام دو لفظ ہیں: تحمیل و تنقیص سے گریز۔

ایک علمی وفکری نشست

گذشتہ دنوں جے یو آئی سندھ کے سابق امیر مولانا شیر محمد مرحوم کے صاحبزادے مولوی محمود نے ایک شایانِ شان علمی، فکری اور ادبی نشست کا اہتمام فرمایا، جس میں بطور خاص جمعیت علماء اسلام کے رہنما مولانا محمد خان شیرانی صاحب مدعو تھے، مولانا شیرانی صاحب سے ہمارا تعلق خاصا قدیم ہے، ہماری پہلی ملاقات یا بالفاظ دیگر ملاقاتیں 1994ء میں دوران عمرہ حرمین شریفین میں ہوئیں، جامعہ بنوری ٹاؤن کے استاذ اور ہمارے کرم فرما جناب مولانا محمد یاسین صاحب کے یہاں ان کی مسجد کے حجرے میں بھی ایک دو دفعہ سوال وجواب پر مشتمل طویل ترین نشستیں حضرت مولانا سے رہی ہیں، نیز مولانا نصیب علی شاہ مرحوم (سابق ممبر قومی اسمبلی ورکن مجلس عاملہ وفاق) کے جامعۃ المرکز الاسلامی بنوں میں مجھے 20 سے 25 دن وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے جعلی اسناد کیس کے سلسلے میں رہنے کا اتفاق ہوا، ان دنوں مولانا شیرانی صاحب نے اپنے مہینے کی تقسیم یوں کردی تھی: 10 دن اسلام آباد میں سیاسی امور نمٹانے کیلئے، 10 دن اپنے آبائی علاقے اور بلوچستان جمعیت کے مسائل کے لئے، اور 10 دن جامعۃ المرکز میں فکری مجالس کیلئے، یہاں بھی موصوف کو قریب سے دیکھنے، سننے اور استفادہ کرنے کا موقع ملا، ویسے چھوٹی موٹی ملاقاتیں بہت رہیں۔

مولانا شیرانی صاحب اسلامی تاریخ کے بعض ان رجال میں سے ہیں، جن کے متعلق اہل آراء کی آراء انتہائی متضاد ہیں۔ ابن عربی کو اگر کچھ لوگ گمراہ سمجھتے ہیں، توانہیں امام اور شیخ الکل ماننے والوں کی بھی کمی نہیں ہے۔ شیرانی صاحب کے ساتھ بھی کچھ اس طرح کا معاملہ ہے۔ اپنی مخصوص وضع قطع کے علاوہ طالبان، ایرانی انقلاب، شیعہ سنی اختلافات جیسے مسائل میں ان کی رائے جمیعت کے احاطے سے باہر ہی نہیں بلکہ اندر بھی ہمیشہ الگ تھلگ منفرد یا ''تفرد'' کا شکار رہی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ایسے حضرات سے میڈیا والوں کو از خود رابطہ کرکے ان کے افکار کا ''غربلہ'' یعنی چھان پھٹک کرنی چاہیئے، کیونکہ فی زمانہ ''فنِ رجال ''بظاہر ناپید ہے، مگر اس کے ماہرین اہلِ صحافت کے جامے میں موجود ہیں، چنانچہ ہماری صحافتی برادری کو جذباتیت اور سطحیت سے ہٹ کر ملک بلکہ عالم اسلام کے ایسے رجال کا تنقیدی جائزہ لینا چاہیئے، اور کھوٹے کھرے کو معلوم کرکے اس پر اپنا حکم بے لاگ تجزیہ کی صورت میں لگا دینا چاہیئے، تاکہ فاسد کے فساد سے امت اور انسانیت محفوظ رہے اور صالح کی صلاح سے ان دونوں کا نفع ہو، اسی تناظر میں ہم یہاں مولانا سے کی گئی گفتگو میں سے کچھ منتخبات پیش کرتے ہیں:

...... ''جناب کی عام تقریریں فوجیوں اور جرنیلوں کے خلاف سنی ہیں، جبکہ پرویز مشرف کی آپ حمایت کرتے رہے ہیں'' کے جواب میں شیرانی صاحب نے کہا: دیکھیں جی! جرنیلوں کی مخالفت تو ہم اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمارے جرنیل پینٹاگون سے ایک ڈائریکٹ پائپ لائن کے ذریعے آتے ہیں، اور یہاں ہمارے لئے وبالِ جان بنتے ہیں، جب کہ ایک فرد کی مخالفت میں ہم نے اس لئے بڑھ چڑھ کر حصہ نہیں لیا کہ جہاں کلیات میں ہماری تائید

نہیں کی جاتی، تو جزئیات میں ہم کسی کی تائید کیوں کریں، اب اگر آپ ایک جزئی کو کے مانند، اُسی طرح کی دوسری (Pins) کی پنوں (Stapler) ہٹادیتے ہیں تو اسٹیپلر جزئی اُس کی جگہ لے لیتی ہے، تو پہلی والی جزئی کو ہٹانے سے فائدہ کیا؟

طالبان کے حوالے سے انہوں نے کہا کہ اب اس طرح کے سوالات بعد از وقت ...... اور بلاسود ہیں۔

امریکہ سے ہمارا اختلاف کیا ہے؟''کے جواب میں انہوں نے عجیب بات کہی، وہ'' ...... یہ کہ امریکہ سرمایہ دارانہ نظام کی قیادت کر رہا ہے، رشیا چائنا اشتراکیت واشتمالیت کے علمبر دار ہیں، اور ہم محمد عربی ﷺ کی لائی ہوئی شریعت کے پابند ہیں.انسانیت کی بنیادی ضروریات وحوائج کے حوالے سے کیپیٹلزم سرمایہ کو معیار بناتا ہے، کمیونزم محنتِ مزدور کو معیار بناتا ہے، الہذا کیپیٹلزم والے کہتے ہیں، سرمایہ بڑھاؤ جتنا سرمایہ زیادہ ہوگا اتنی خوشحالی ہوگی، جائز ناجائز، حرام اور مباح کے فروق کو چھوڑ کر تمام تر توجہ جب سرمایہ پر ہوگی تو سب سے بڑا متنفع بھی سرمایہ دار ہوگا، الہذا مزدور اور صارف دونوں کا نقصان۔ اور کمیونزم والے کہتے ہیں کہ سرمایہ بذات خود کوئی معنی نہیں رکھتا، اصل شے محنت ہے، الہذا تمام تر آسائشیں مزدور کو دی جائیں، اور سب سے بڑا متنفع بھی وہ ہو، اس سے رب المال اور صارف کا نقصان، اسلام کہتا ہے، ضرورت صارف کو دیکھا جائے، سرمایہ اس کی ضرورت کے لئے لگایا جائے، محنت اس

کی ضرورت کے لئے کی جائے۔ ادھر صارف کو بھی اسراف، تبذیر اور بے جاخرچ سے منع کیا گیا ہے۔ اور سرمایہ دار اور مزدور کے حقوق ان کے پسینوں کے خشک ہونے سے پہلے دینے کا مطلب انتہائی عجلت اور تندہی کے ساتھ ادا کرنے ہیں، اب آپ ہی فرمائیں کہ سرمایہ برائے سرمایہ، یا مزدوری برائے مزدوری کوئی چیز ہے؟ ہرگز نہیں، جبکہ ضرورتِ صارف پر انسانی معاشرے کی بنیاد ہے اس لئے ہم کیپیٹلزم اور کمیونزم کے مخالف ہیں جن کی قیادت امریکہ وروس جیسی جارح قوتیں کر رہی ہیں۔

اسلام فحاشی، عریانی اور زناکاری کا اتنا شدید مخالف کیوں ہے؟'' اس کے جواب '' ...... میں انہوں نے فرمایا کہ دیکھیں فحاشی عریانی دونوں جاکر زناکاری پر منتج ہوتے ہیں اور زناکاری اس لئے قابل نفرت ہے کہ ''عورت'' یا آزاد ہوگی یا کسی کی منکوحہ، ہر دونوں صورتوں میں اس کی مثال زمین کی ہے، اب آپ ہی بتائیں کہ پوری دنیا میں کوئی قطعہ ارضی ایسا بھی ہے جس کا کوئی مالک نہ ہو، اگرچہ وہ جنگل وبیابان ہو؟ نہیں ہے، لہذا اب اگر کسی زمین کی شخصی الاٹمنٹ نہیں تو آپ جاکر قانونی طریقے سے اس کے مالک بن جائیں، یعنی آزاد عورت سے نکاح کرلیں اور اگر وہ کسی کی منکوحہ ہے، تو ظاہر ہے، وہ کسی کی ''مزرعہ'' کی طرح جس کے لئے تمام قانونی طریقے اپنا کر اس نے اسے حاصل کیا ہے، اور اب وہ اس میں اپنی مرضی کا بیج بونا چاہتے ہیں، جبکہ حرام کاری والا اس میں وہ بیج بو دیتا ہے، جو اس کی جنس نہیں ہے، اس سے ''دخل در معقولات'' کے علاوہ ایک تو زمین خراب ہوجاتی ہے، دوسرا یہ کہ اس کی فصل بھی آئندہ استعمال کے لحاظ سے اور محفوظ

کرنے کے لحاظ مفسد اور مخرب ہوتی ہے، اب ایسی صورت میں کوئی عقلمند اس فساد وتخریب کی اجازت دے سکتاہے؟

کہیں کہیں یوں لگتاہے کہ حافظ ابن تیمیہ اور علامہ ابن قیم کی طرح بعض اہل علم "...... اللہ تعالیٰ کے لئے انسان کی طرح جسمیت کے قائل ہو جاتے ہیں؟" کے جواب میں انہوں نے کہاکہ ایک بات سمجھنے کی کوشش کریں، کہ اگر انسان کی بنائی ہوئی اشیاء کسی ایسے سیارے پر منتقل کردی جائیں، جہاں کے باشندوں نے انسان کو بالکل دیکھاہی نہ ہو، اور ان سے کہا جائے کہ یہ چیزیں انسان نے بنائی ہیں، جس کے پاس اتنی عقل، اتنی طاقت اور قدرت ہے تو بتایئے کیاگاڑی کودیکھ کریا بجلی کی مصنوعات یا دیگر ایجادات کو دیکھ کر کوئی ان کے موجد کی ماہیت و حقیقت کا ادراک کر سکتاہے؟ ہرگز نہیں، لہذا اس ایک مثال سے (لیس کمثلہ شیئ) کو سمجھو۔

کسی نے کہاکہ مغرب والے کہتے ہیں کہ اسلام اگر تلوار سے نہیں پھیلا، تو پھر محمد "...... بن قاسم کو راجہ داہر کی سرکوبی کی کیا ضرورت تھی؟" مولانا نے ہنستے ہوئے برجستہ جواب دیا کہ آپ اہل مغرب سے کہیں، کہ محمد بن قاسم توایک "دہشت گرد" کو مارنے کے لئے آئے تھے، جیسے آپ عراق و افغانستان میں "دہشت گردوں" کو مارنے کیلئے آئے ہیں۔

بیع اور ربوا دونوں میں جلبِ منفعت ہے، پھر (احل اللہ البیع وحرّم الربوا) بیع ''......
حلال اور ربوا حرام کیوں ہے؟'' اس کے جواب میں فرمایا کہ بیع میں جلب منفعت بمقابلہ ضرورت ودفع مضرت ہے، جبکہ ربوا میں جلب منفعت ہے لیکن بمقابلہ دفع ضرورت نہیں ہے، بلکہ یہاں تو ''اضرار'' ہے، نیز سود لینے والے کے ساتھ رب العالمین کی جنگ بھی اس لئے ہے کہ اللہ تعالیٰ خالق ہے، خالق وموجد مالک ہوتا ہے، اور مالک پر نان ونفقہ واجب ہے اور سود والا اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی ضرورتوں کو ختم کرنے کی بجائے اسے مزید ایسی مشکلات سے دوچار کردیتاہے کہ اسے جان کے لالے پڑ جاتے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ ایسے بندوں اور نظاموں سے کھلی جنگ کا اعلان فرماتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ اگر کفر کو پسند نہیں کرتے تو کفر کو پیدا کیوں کیا؟'' اس کے جواب میں '' ......
فرمایا کہ ایک ہے ''خلقِ شر''، اللہ تعالیٰ خیر وشر سب کے خالق ہیں، اور ایک ہے کسبِ شر''، اللہ تعالیٰ کاسبِ شر نہیں ہیں اور راضی بالشر بھی نہیں ہیں، مثلاً موجدِ '' بندوق، خالق شر ہے، مگر بندوق سے ناحق لہو بہانے کو یہ موجد بھی نہیں چاہتا۔
عالم اسلام کو موجودہ گلوبلائیزیشن کے زمانے میں اپنا کیا کردار ادا کرنا چاہیئے؟'' ......
کے جواب میں انہوں نے کہا کہ عالم اسلام اور عالم کفر، یا دار الاسلام ودارالحرب کی'' اصطلاحات بین الاقوامیت کے اس دور میں شاید بے معنی ہوچکی ہیں، کہ

اقوام متحدہ کے ساتھ الحاق کی صورت میں اب رکن ممالک کو دارالحرب کہنا آسان نہیں ہے، اور عالم اسلام کے ممالک کو دارالاسلام کی بجائے غیر مسلم اکثریتی علاقوں میں سے کسی جگہ مسلمانوں کے تجمع کو فقہاء کی اصطلاح میں جو دارالمسلمین کہا جاتا ہے، یہ مسلم ممالک اب بین الاقوامی برادری کے نظام کے تحت اپنی آزادانہ حیثیت کھودینے کی وجہ سے دیارالمسلمین ہی ہیں، نہ کہ دیارالاسلام۔

ججز کی بحالی کے متعلق ایک سوال کے جواب میں کہنے لگے، کہ وہ اچھے تھے یا برے ..... اس میں ہم نہیں پڑیں گے۔ البتہ ان کی معزولی بہت بری بات تھی، مشرف کے سیاہ کارناموں کی فہرست میں یہ سیاہ ترین کارنامہ ہے، لیکن اب ان کی بحالی اسلام کی رو سے صحیح نہیں ہے کیونکہ غضبناک قاضیوں کے فیصلے شریعت میں قبول نہیں ہیں۔

شیرانی صاحب جو اسلامی نظریاتی کونسل کے ممکنہ چیئرمین ہیں، اگر اپنے لب ولہجے میں تبدیلی لائیں، اپنی باتوں میں تقریب الی الاذہان والمفاہیم کا عنصر اپنائیں اور اربابِ علم ودانش سے اپنے مراسم بڑھائیں تو کچھ بعید نہیں کہ ان کی مدلل گفتگو سے ملک وملت کو روشنی کی کرنیں ملیں۔

کبھی سرمایۂ محفل تھی میری گرم گفتاری

جی ہاں اور "کبھی سب کو پریشان کر گئی میری کم آمیزی"، سچ پوچھیے تو دانائے راز اپنے اقلیم تخیل کے جس ہمہ جہت اور محیر العقول مرد کامل کے متعلق نغمہ سرا ہے، اسکی ایک جیتی جاگتی تصویر ہمارے اس دور کی وہ عہد ساز شخصیت ہے، جو کردار و گفتار کے حسنِ امتزاج کی بہترین آئینہ دار ہے،اور جسے دنیا خطیبِ اسلام مولانا محمد اجمل خان لاہوری کے نام سے جانتی ہے، ہم نے اپنے بچپن اور لڑکپن میں (جسے گذرے ہوئے قریباً دو دہائیاں بیت گئی ہیں) جن چند ایسی شخصیات کو دیکھا، جن کا خوش گلو اور بلند بانگ طوطی تمام تر آب وتاب سے ملک کے چپے چپے میں بولتا تھا اور ہنرِ گفتگو کی طرح جن کا کمال جستجو بھی وجد آفرین ہوا کرتا تھا،ان ہی میں ایک عظیم نام مولانا اجمل خان کا ہے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا

مولانا لاہوری کا جس ولی اللهی قافلے سے تعلق تھا،وہ ہماری تجزیہ کاریوں اور حاشیہ آرائیوں سے ماوراء اور بالاتر ہے،تاہم مرحوم کے سوانحِ حیات کی اشاعت کے موقع پر جب بات تعمیل حکم کی ہوتی ہے تو پھر کچھ خامہ فرسائی

ضروری ہوتی ہے۔

ہم جب اپنے دور کے خطباء کا مولانا اجمل خان لاہوری سے موازنہ کرتے ہیں، توان کے کچھ امتیازات ایسے سامنے آتے ہیں جن کا معاصر خطابت پیشہ طبقے میں نام ونشان بھی نہیں ملتا اور کچھ ایسی خوبیاں بھی دیکھنے کو ملتی ہیں جو خال خال دوسرے ناموروں میں بھی نظر آتی ہیں.

آج کل خطابت کا کمال اور ملکۂ تقریر وبیان کی انتہا اسکو سمجھا جاتاہے کہ خطیب صاحب ایک عدد دہن دریدہ رنگیلی ٹوپی زیب جبین کرے اور گلو بند بدوش سو قیانہ اسٹائل میں فلم کاروں جیسے ڈائیلاگ سے سامعین وناظرین کو کچھ اسطرح محظوظ کرے کہ کبھی ہاتھوں کو تسلسل سے فضاء میں لہرائے، توگاہے ن مقلر ہوامیں اچھال کر توجہ حاصل کرنے کی کوشش کرے، نہ گفتگو میں وقار ہو، نہ حرکات وسکنات میں کوئی سلیقہ ،نہ علم کی گہرائی ہو،نہ سوچ کی پختگی ۔ سنجیدہ پیغام ہونہ قابل قبول ھدف، بس ادائیں ہوں ، اچھل کود ہو،جذبات گرمانااور محفل سجانا مطمح نظر ہو، اور ایک وہ خطباء تھے، جو تول تول کربولتے تھے ، کھڑے ہوتے، تو سراپا جلال وتمکنت ،الفاظ وانداز نرالا ہوتا،اشارات وکنایات کابر محل استعمال اس میں مزید نکھارپیدا کرتا، حقائق ومعارف سے ان کا خطاب لبریز ہوتاتھا،اور خود مجسم عمل وکردار ہوتے تھے۔

ان کے حلقہائے اثر میں اہل علم ودانش ہوتے تھے، جو اپنی علمی تشنگی بجھانے حاضر ہوتے تھے، متلاشیانِ حق اپنے مطلب کی دلائل ولطائف سے جھولی بھرتے تھے طالبانِ عمل اپنی اصلاح کا سامان کرتے تھے، تو ارباب ذوق بھی گھنٹوں ان کی شیریں بیانی اور تقریر کی دلپذیری پر عش عش کرتے، ابوالکلام، آزاد عطاء اللہ شاہ بخاری، شورش کاشمیری، اور ہمارے مولانا اجمل خان اسی سلسلے کے رجال کار تھے، علامہ اقبال نے شاید ایسے ہی پاکباز، راست گو خدامست بندوں کے متعلق کہا تھا۔

ہزار خوف ہو لیکن زباں ہو دل کی رفیق
یہی رہا ہے ازل سے قلندروں کا طریق
ہجوم کیوں ہے زیادہ شراب خانے میں
فقط یہ بات کہ پیر مغاں ہے مردِ خلیق

جی ہاں ہزار خطرات اور بے شمار اندیشوں کے باوجود حق گوئی اور جراتِ اظہار کی روش پر قائم رہنے والے رجال کار میں مولانا عصر حاضر میں ایک نمایاں مقام رکھتے تھے، اور ان کے میخانۂ خطابت وارشاد میں خلق خدا کا ہجوم ان کے اخلاق وکردار اور طبعی شرافت ونجابت کی بدولت ہوتا تھا۔

جمعیت علماء اسلام جب مشیئت ایزدی اور کچھ دیدہ ونادیدہ اسباب وعوامل کے

باعث دو دھڑوں میں تقسیم ہوئی، تو مولانا اجمل موصوف حضرت درخواستی کے گروپ میں چلے گئے، مولانا فضل الرحمٰن اس وقت نوجوان تھے اور اجمل خان صاحب ان کے مقابلے میں بزرگ، تو قدرتی طور پر حضرت درخواستی اور مولانا فضل الرحمٰن میں ان کی ترجیح اول الذکر بزرگ ہوتے جو مولانا فضل الرحمٰن تو کیا اجمل خان صاحب کیلئے بھی پیر و مرشد کا درجہ رکھتے تھے اور پھر حضرت درخواستی کا علم و معرفت اور خصوصاً تفسیر وحدیث میں جو بلند مقام تھا، وہ بھی رجحان و میلان کا ایک بڑا سبب تھا، سو حضرت لاہوری کا تقابل اور ترجیح کی صورت میں ان کے پاس جانا قرین قیاس تھا، تاہم پھر جب کچھ بہی خواہوں کی کاوشوں سے جمعیت کے یہ دونوں دھڑے متحد ہوگئے، مولانا اجمل خان ایک مستقل حلقۂ اثر کے ہوتے ہوئے بھی نہ صرف اس میں رکاوٹ نہیں بنے، بلکہ اسے ممکن بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اور مزے کی بات یہ ہے کہ بعد میں جب بد قسمتی اور کچھ عناصر کی کج کلاہی کے باعث اس اتحاد کو پھر سے تہس نہس کرنے کیلئے کمر کس لی گئی اور حضرت درخواستی کی عدم آمادگی اور عدم دلچسپی کے باعث اب مولانا سمیع الحق کی قیادت میں جمعیت کا دوسرا دھڑا فعال کرنے کا عمل شروع ہوا، تو مولانا اجمل خان نے عظیم بصیرت کا ثبوت دیتے ہوئے مولانا فضل الرحمٰن کی ہمراہی اختیار کی اور تمام توانائیاں انہیں مضبوط کرنے میں صرف کیں، مولانا فضل الرحمٰن سے زمینی اور زمانی قربتیں نہ ہونے کے باوجود انہوں نے جس وفاداری بشرط استواری کا ثبوت دیا وہ نہایت لائق تحسین ہے اور نادرۂ روزگار ہے، پھر

وقت گزرنے کے ساتھ مولانا فضل الرحمٰن کی قیادت وبصیرت ملک وملت کیلئے جس طرح شجر سایہ دار ثابت ہوئی اور سفینۂ حق کیلئے ہر طوفان وطغیان کے وقت وہ نگہبانی وپشتیبانی کا جو کردار ادا کرتے رہے ا، تنی ہی اس سے مولانا لاہوری کی مردم شناسی اور دور اندیشی کی وسعت کا اندازہ ہوا۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ تاحیات اس جماعتِ اکابر کے امیر اور صحیح معنوں میں خادم رہے۔

آج صاحبزادہ مولانا امجد خان بھی الحمدللہ ''الولد سرلأبیہ'' کا مصداق بن کر اسی وضع داری ،بردباری، سنجیدگی اور استقامت کے ساتھ اپنے والد گرامی کا مشن آگے بڑھا رہے ہیں ،وہی حلیہ ،وہی مزاج وہی انداز خطابت اور وہی کاروان جمعیت کی شانہ بشانہ ہم راہی وہم آہنگی۔

اللہ تعالی اس خانوادہ مبارکہ اور سلسلۂ خیر کو یوں ہی قائم ودائم اور روبہ ترقی رکھے۔

پاکستان میں عربی زبان ..... ایک قابل غور پہلو

شیخ ولی خان المظفر

ممبر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیہ (ریاض)

رئیس المجمع العالمی للدعوۃ والادب الاسلامی

ممبر الملتقی العالمی للعلماء والمفکرین المسلمین

استاذ حدیث ورئیس شعبہ ادب جامعہ فاروقیہ کراچی

ترجمان اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان

نو مئی بروز جمعہ ”جنگ“ کی ممتاز لکھاری محترمہ کشور ناہید کا کالم نظر سے گزرا، جس میں انہوں نے برصغیر کے علماء پر عربی زبان وادب سے ناواقفیت کے حوالے سے کچھ یوں اپنے خیالات کا اظہار کیا تھا:

”میں نے امریکیوں کے کارندے سے پوچھا، کہ آخر پاکستان سے لے کر انڈونیشیا تک مولویوں کا کاروبار کیوں اتنا تیز ہے، وہ زیرک انسان تھا، بولا سعودی عرب سے لیکر خلیجی ممالک سب کے سب عربی بولتے ہیں، اس لئے وہ قرآن کو سمجھتے ہیں، وہاں کا مولوی اس لئے بے ضرر ہے، جبکہ ہمارے سارے ملکوں میں عربی کسی کو نہیں آتی، مولوی دو چار آیتیں پڑھ کر مجمع کو ڈرا دیتا ہے، لوگ سہم جاتے ہیں، جبھی

تو ہے کہ سعودی بادشاہ، اسرائیلی وزیراعظم سے ملاقات کرتا ہے، تو کوئی طوفان نہیں اٹھتا، پچھلے دنوں قطراور یمن کے وزیراعظم نے بھی اسرائیلی وزیراعظم سے ملاقات کی کوئی نہیں بولا، کوئی طوفان نہیں اٹھا، پاکستانی ملاقات کرلے تو گویا عذاب الٰہی نازل ہو جاتا ہے، ابھی گزشتہ دنوں ڈنمارک کی فلم پہ ہمارے ملک میں غیظ و غضب کا اظہار اتنا کیا گیا کہ سینیٹر بابر اعوان تو جواباً فلم بنانے کا منصوبہ بنا بیٹھے، سوچئے کسی عرب یا خلیجی ملک نے ایک لفظ بھی کہا؟ تو گویا یہ نتیجہ نکلا کہ ہماری کم علمی، کم فہمی اور عربی نہ جاننے کا نتیجہ، ان کو بھی القاعدہ بنا دیتا ہے جو سپین میں مسلمان ہوں کہ افریقہ میں ہوں"۔

عربی زبان کے حوالے سے یہ بات بھی قابل اخذ ہے، کہ اقوام متحدہ نے جن پانچ زبانوں کو اپنی باقاعدہ رسمی لینگویج کا شرف بخشا ہے، ان میں دوسرے نمبر پر عربی زبان بھی ہے، یہ اپنی جگہ مسلم ہے کہ ہمارے یہاں بہت سے مذہبی یا فرقہ وارانہ مسائل کی بھرمار اکثر و بیشتر عربی زبان وادب اور قرآن و حدیث کے لب ولہجے سے ناواقفیت کی بناء پر ہے، نیز جو عربی اصطلاحات اردو زبان میں مستعمل ہیں، ان میں بھی بیشتر کے مفاہیم میں عربی لغت کے ساتھ تضاد پایا جاتا ہے، مثلاً صداقت اردو میں سچ، عربی لغت میں دوستی، بربریت اردو میں ظلم، عربی میں بربر قوم کی طرف نسبت مدرسہ اردو میں سکول عربی میں مکتبہ فکر کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔

اور عربی زبان وادب کی اہمیت وضرورت توظاہر ہے ، قرآن حکیم عربی زبان میں ہے نماز کے تمام ارکان از اول تا آخر عربی میں ہیں ، عیدین و جمعہ کے خطبے عربی زبان ، میں ہیں ، احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ عربی میں ہے ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نسباً عربی ہے ، عام اسلامی دعائیں ،اذکاراور درود شریف سب عربی زبان میں ہیں ،اللہ تعالی کے پیارے ننانوے مبارک نام عربی میں ہیں ، تمام عرب ممالک حجاز مقدس ،مکہ ، مدینہ ، لبنان ، شام ، مصر ، طرابلس ، الجزائر ، تیونس ، مراکش ، بحرین ، کویت ، وغیرہ چھوٹے بڑے کئی ممالک کی زبان عربی ہے، ان سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے عربی زبان کی شدید ضرورت ہے ،ان ممالک میں جو عربی لٹریچر دینی ، ٹیکنیکی اقتصادی اور سیاسی حوالوں سے ہزاروں کتب، رسائل واخبارات سمعی مرئی اور ، الیکٹرانک میڈیا میں شائع ہورہے ہیں ان کا تو ٹھکانہ ہی کیا۔

ان ممالک کو معلموں ،انجنیئروں،ڈاکٹروں اور زندگی کے دیگر مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کی ضرورت وحاجت ہے ،ان ممالک میں تجارت کے ذرائع پیدا کرنا، کارخانے قائم کرنا ،اپنے ملکی اور ملی سیاسی مقاصد ومفادات کی وہاں اشاعت کے لئے عربی زبان کی شناسائی نہایت ضروری ہے ، عالم عرب کے متعلق روزنامہ جنگ میں وقتاً فوقتاً شائع ہونے والے معروف کالم نویس ثروت جمال اصمعی ،ڈاکٹر مرزا

اختیار بیگ ، ان کے برادر خورد مرزا اشتیاق بیگ اور انور غازی کے تجزیے اس پر شاہد عدل ہیں۔

امام شافعی کے مذہب میں تو کچھ نہ کچھ عربی سیکھنا فرض عین کا درجہ رکھتا ہے ، امام ابو حنیفہ ،امام مالک ،امام احمد بن حنبل نیز علامہ ابن قیم اور حافظ ابن تیمیہ جیسے اساطین علم وفضل کے نزدیک بھی عربی سیکھنا فرض کفایہ ہے ،چنانچہ وفاق المدارس العربیہ پاکستان اور اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کے صدر عالم اسلام کے مشہور و معروف عالم دین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان کی فکر نہ صرف مذکورہ بالا ائمہ کے ہم آہنگ ہے ، بلکہ انہوں نے عربی زبان وادب کے فروغ اور نشر واشاعت کے لئے اپنے ادارے جامعہ فاروقیہ شاہ فیصل ٹاون کراچی اور ملک بھر میں متعدد گراں قدر ایسے اقدامات اٹھائے ہیں جن میں انہیں اتحاد تنظیمات کے دیگر قائدین ڈاکٹر سرفراز نعیمی ، قاری محمد حنیف جالندھری ، مفتی منیب الرحمٰن ، مولانا عبدالمالک منصوری پروفیسر ساجد میر، علامہ ریاض حسین نجفی ، مفتی محمد رفیع عثانی ، ڈاکٹر عبد الرزاق، اسکندر ، حافظ فضل الرحیم اور مولانا انوار الحق کی تائید وحمایت شامل حال رہی ۔

ادبی اعتبار سے بھی عربی زبان کی صفات و خصوصیات بے حد لطیف اور تفصیل طلب ہیں کاش روز اول سے ہمارے ملک میں یونیورسٹیز ، کالجز ، سکولز اور بالخصوص دینی مدارس، وجامعات کے ارباب انتظام واختیار اس کے مقام اور مرتبے کو محسوس کرتے ہوئے اس طرف توجہ دیتے ، تو عالم اسلام اور عالم عرب کے اتحاد اور قرآن و حدیث کی

تعلیمات کو باحسن وجوہ سمجھنے کے لئے یہ زبان ایک موثر ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی،اب بھی اگر ہمارے حکمراں دین کے لئے نہ سہی اپنے سیاسی اور دنیاوی مقاصد کے لئے اس زبان پر توجہ دیں تو عالم اسلام میں پاکستان کی حیثیت کچھ اور ہو۔

نیز1973ء کے آئین کے مطابق حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عربی زبان کی ترویج واشاعت کی طرف توجہ دے،آئین کے باب دوم کے آرٹیکل نمبر31 شق 2 میں مذکور ہے:

(2)The State shall endeavor,as respects the muslims of pakistan (a) to make teaching of Holy Quraan and islamiat compulsory,to encourage and facilitate the learning of Arabic language and secure corrct and exat printing and publishing of the Holy Quraan.

(b) to promote unity and the observance of the Islamic morl standards;and (c) to sucure the proper organization of Zakat,Ushr auqaf and mosques."

یعنی ملک میں ایسے اقدامات اٹھائے جائیں گے ، جن کی وجہ سے مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے بنیادی عقائد کے مطابق گزار سکیں ،ملک میں قرآن کریم اور اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی جائے گی ، نیز عربی زبان کی تعلیم وترویج کی حوصلہ افزائی کی جائے گی ، اور مملکت قرآن کریم کی طباعت و اشاعت کا بندوبست کرے گی

۔۔۔۔مذکور اقتباس سے عربی زبان کے فروغ اور نشر

اشاعت کے متعلق ہمارے ملک کے آیئنی و دستوری فریضے کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے

۔

ہر چند اس تمام صورت حال کو مد نظر رکھ کر محترمہ کشور ناہید صاحبہ کے مجموعی فکر سے ہمارا اختلاف ہوتے ہوئے انہوں نے اپنے مضمون میں عام مسلمانوں خصوصاً اہل علم کے جس نقص کو فوکس کیا ہے، اس کی وجہ سے ہم ان پر تنقید کی بجائے ان کے متشکر ہیں، کہ روزنامہ جنگ جیسے وقیع جریدے کے قیمتی صفحات پر اپنے ہفتہ وار کالم میں اس پہلو کو واضح کرکے حقیقت میں گویا انہوں نے ایک اہم پیغام دیدیا۔
اسی مناسبت سے ہم یہاں یہ بھی عرض کرینگے کہ دور جائے بغیر حال ہی میں 6 اور 7 مئی کو دار العلوم ندوۃ العلماء کے بعد برصغیر میں عربی زبان وادب کے لئے شہرت کے حامل ادارے " جامعہ فاروقیہ کراچی " میں دو روزہ عظیم الشان کانفرنسز منعقد ہوئیں جن میں ایک سیکشن عربی تقریری مقابلے کا بھی تھا، ویسے تو دونوں دن پروگرام از، اول تا آخر عربی ہی میں رہے، لیکن اس مقابلے میں جن شرکاء نے حصہ لیا، ان کی وہ عربی تقریریں قابل دید وشنید تھیں، پروگرام میں مقامی علماء کرام کے علاوہ مملکت سعودی عرب کے اسلام آباد میں قائم مکتب الدعوہ کے ڈپٹی ڈائریکٹر ممتاز سعودی سکالر شیخ عبد الرحمٰن المحمود، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے مستشار رئیس الجامعہ جناب ڈاکٹر ہزاع بن عبد اللہ الغامدی

اور کراچی میں متعین سعودی کونسل جنرل جناب ڈاکٹر حسن عبد الرشید العطار مدعو تھے
میزبان مولاناڈاکٹر محمد عادل خان کے کلمات تشکر وامتنان سے قبل اور راقم کے،
کلمات ترحیب کے بعد مہمان حضرات نے جامعہ فاروقیہ کراچی کے عربی مجلّہ الفاروق،
شعبہ تخصص فی الادب العربی، معہد اللغۃ العربیۃ ،النادی العربی اور دیگر تمام طلبہ،
مقررین اور انتظامیہ کے بارے میں اپنے جن مثبت اور حوصلہ افزا تاثرات کا اظہار کیا
ہے، وہ ریکارڈ پر ہے۔

موجودہ زمانے کا ابن بطوطہ..... محمد بن ناصر العبودی

پچھلے دنوں سماحۃ الامام المحدث الشیخ سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ اور استاذِ مکرم حضرت مولانا عبید اللہ خالد صاحب کے معیت میں حرمین شریفین کی زیارت نصیب ہوئی، جہاں کئی علمی شخصیات اور متعدد بین الاقوامی سطح کے اداروں کو دیکھنے کا موقع ملا۔

رابطہ عالم اسلامی کے ڈپٹی سیکرٹری جنرل اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ کے سابق پروفیسر جناب محمد بن صالح العبودی سے ان کے آفس میں سب سے طویل ترین بیٹھک رہی، ہمارے داخل ہوتے ہی انہوں نے مرحبًا بالاخ الباکستانی بکل الرحب والسعۃ اور اس طرح کے مزید خیر سگالی وترحیبی معطر کلمات سے ہمارا استقبال کیا۔

ہمارے بیٹھتے ہی انہوں نے پاکستان کی سیاست اور دیگر احوال کے متعلق پوچھنا شروع کردیا، صوبہ سرحد اور متعلقہ آزاد قبائل، درۂ خیبر وغیرہ کے متعلق اس طرح باریکی کے ساتھ انٹرویو کرنے لگے، جیسے وہاں ہی پلے بڑھے اور پروان چڑھے ہوں۔ امریکی بمباری، دہشت گردی اور دیگر امور کے متعلق ہمہ جہت گفتگو

ہوئی، دینی مدارس وجامعات کا موضوع بھی چھیڑا، میرے رفیق مولوی اسامہ کو میں نے کہا آپ بھی اپنی کرسی قریب کرلیجئے، تاکہ وہ بھی گفتگو اور استفادے میں برابر کا شریک رہے، چونکہ اسامہ ایک زیرک، مستعد اور بعید الفہم لڑکا ہے، اس لئے میں نے چاہا کہ وہ بھی ساتھ ساتھ رہے، اور اپنے آنے والے کل کے لئے بساط بھر خوشہ چینی کرتا رہے۔

عبودی صاحب نے لاہور کے اپنے ایک سفر کا تذکرہ کیا جو انہوں نے قریبا 27, 28 سال قبل کیا تھا، لاہور جیسا کہ معروف ومشہور ہے کہ زندہ دلوں کا شہر ہے، وہاں ایک مرتبہ جانے والا شخص اس شہر اور اس کے باسیوں کو تاحیات بھلا نہیں سکتا۔

لاہور سے بذریعہ بس براستہ راولپنڈی، پشاور، درہ خیبر، طورخم، جلال آباد، کابل تک کے لئے سفر کا بلا تکان تذکرہ ان کے نوکِ زبان پر تھا۔

اس زمانے میں مفکرِ اسلام حضرت مولانا مفتی محمود نوراللہ مرقدہ صوبہ سرحد کے وزیر اعلیٰ تھے، ان کے پاس جانے، قیام وطعام اور ان کے علم وفضل، تفقہ وتدبر کا مسلسل ذکر چل رہا تھا، مولانا فضل الرحمٰن صاحب سے اپنی ملاقاتوں کا بھی ذکر کیا، اور ان کی سیاسی سوجھ بوجھ کو داد دیتے رہے، پھر ایک دم

انہوں نے محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمہ اللہ اور جناب ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب کی طرف اپنی گفتگو کا رخ موڑا۔بڑی شان سے وہ ان کی مدح سرائی فرمارہے تھے، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب سے تو یہاں سب ہی صغار وکبار مانوس ہیں۔

ہم نے حضرت شیخ کی آمد کا تذکرہ کیا،بڑے افسوس سے کہنے لگے کہ ابھی ابھی میری ریاض کے لئے بکنگ ہے گویا میں پابہ رکاب ہوں، میرا گھر وہیں ہے، میں ہفتے کی صبح سے بدھ کے دوپہر تک یہاں ہوتا ہوں اور بدھ کی دوپہر سے سوموار کی صبح تک ریاض میں، کاش! آپ مجھے تھوڑی دیر پہلے کہتے، ہم حضرت شیخ صاحب کی خدمت میں حاضر ہوتے، لیکن قدّر اللہ ماشاء.

محترم جناب عبودی صاحب دنیا کے چپے چپے کا سفر کرچکے ہیں، اور اپنے اسفار کو ''ادب الرحلات'' کی دنیا میں اتنا بڑا مقام دے چکے ہیں کہ اب جب بھی ابن بطوطہ، البیرونی، ابن حوقل جیسے سیاحوں اور اساطینِ رحلات کی فہرست ہوگی، وہاں محمد بن ناصر العبودی شاید مستقبل میں سب سے نمایاں نظر آئیں گے، کیونکہ سفر ناموں اور رحلات پر جتنی مفصل اور کثیر کتب ان کی ہیں، شاید ہی کسی اور کی ہوں، ہمیں انہوں نے ان کے پاس موجود سفر ناموں میں سے کئی کتابیں بطور ہدیہ پیش کیں، جن میں بعض متعدد جلدوں میں بھی ہیں۔ 23 x36=16

سائز کے ڈھائی سو سے لے کر چار سو صفحات کی یہ کتب ہیں۔ ان کی مطبوعہ وغیر مطبوعہ سفر ناموں کی فہرست ان کی بعض کتب کے بیک ٹائٹلز پر تقریباً 98 تک پہنچی ہوئی ہیں، یہ تعداد میں نے ان کی کتاب ''الرحلۃ الروسیۃ'' سے لی ہے، جو 1993 میں چھپی تھی، امید ہے کہ بعد میں یہ تعداد ڈیڑھ سے دو سو تک پہنچ چکی ہوگی، صرف بنگلہ دیش، کشمیر، پاکستان اور ہندوستان پر ان کی کتب کئی کئی جلدوں پر مشتمل ہیں، مثلاً: ۱-مقال فی بلاد البنغال، ۲-سیاحۃ کشمیر، ۳-بلاد الہند والسند: باکستان، ۴-علی اعتاب الھملایا، ۵-نظرات فی شمال الہند، ٦-فی اقصی شرق الہند، ۷-فی وسط الہند، ۸-الاعتبار فی السفر إلی ملیبار، ۹-الشمال الغربي من الہند، ۱۰-راجھستان: بلاد الملوک، ۱۱-بورما: القبر والعیان، ۱۲-رحلات فی جنوب الہند، ۱۳-زیارۃ لسلطنۃ برونائی، ۱۴- رحلۃ إلی جزر مالدیف، ۱۵-فی نیبال: بلاد الجبال، ۱٦-رحلۃ إلی سیلان.

اہل علم وفضل جانتے ہیں کہ سفر وسیاحت بجائے خود قرآن وسنت کی نظر میں محمود ہیں، اور امام شافعی رحمہ اللہ نے سفر کے بہت سے فوائد اپنے اشعار میں بیان فرمائے ہیں۔
عبودی صاحب کی رحلات (سفر ناموں) کو بڑے بڑے حصوں اور ابواب میں تقسیم کردیا جائے، تو تفصیل کچھ یوں ہوگی:

الرحلات العربیۃ، ۲-الرحلات الافریقیہ، ۳-الرحلات الاوروبیۃ، ۴-الرحلات-۱ الآسیویۃ، ۵-الرحلات الہندیۃ، ۶-الرحلات الامریکیۃ الجنوبیۃ، ۷-الرحلات الامریکیۃ الشمالیۃ، ۹-الرحلات الصینیۃ، ۱۰-الرحلات الروسیہ، ۱۱-الرحلات البلقانیۃ، ۱۲-رحلات استرالیا۔

قاری یہ سمجھتا ہوگا کہ جناب ناصر العبودی صاحب نے یہی رحلات وسفر ناموں کا کام ساری زندگی کیا ہوگا، ایسی بات نہیں ہے! عبودی صاحب عالم اسلام اور مسلم اقلیات میں شاید اتنے کانفرنسوں، جلسوں اور سیمناروں میں شرکت کر چکے ہیں، جتنی شاید ہی کسی نے کی ہو، اور کہیں بھی صرف شرکت نہیں کی، بلکہ لیکچرز، محاضرے اور مقالے بھی پیش کئے، یا ارتجالاً فی البدیہہ خطاب کیا ہے، ان کی ان کانفرنسوں اور مؤتمرات وغیرہ میں پڑھے گئے مقالوں اور کی گئی تقاریر پر بھی متعدد کتب ہیں۔

یہ کیا! اس کے علاوہ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں باقاعدہ پروفیسر رہے ہیں، اسی لئے ان کی رحلات سے ہٹ کر دیگر علوم وفنون پر ان کی انتہائی وقیع تصانیف وتالیفات کی تعداد قریباً تمیں کے لگ بھگ ہے، لیجئے! ایک طائرانہ نظر ان میں سے چندایک پر بھی ڈالتے ہیں:

،(معجم بلاد القصیم (۶ جلدیں) ، ۲- الأمثال العامیۃ فی نجد (۵ جلدیں -۱

المقامات الصحراویۃ (مقامات کے طرز پر)، ۴- حِکَم العوام (ضرب الأمثال)، ۵-فی-۳ لغتنا الدارِجۃ: کلمات قضت (لغت پر)، ۶- الکنایۃ والمجاز فی اللغۃ العامیۃ (لغت)، ۷- حکایات تحکی (قصص)، ۸- نفحات من السکینۃ القرآنیۃ، ۹- مأثورات شعبیۃ، ۱۰- سوانح ادبیۃ، ۱۱- کتاب الثقلاء، ۱۲- صور ثقیلۃ، ۱۳- کلمات عربیۃ لم تسجّلھا المعاجم۔

بہر کیف کہنا یہ چاہ رہا تھا کہ اہل علم ودانش اگر اپنے اسفار کو مرتب بھی کیا کریں، تو اس سے کثیر الجہات فوائد حاصل ہوتے ہیں، جو کسی بھی اہلِ نظر سے مخفی نہیں ہو سکتے۔ عبودی صاحب اس خاص صنفِ ادب میں اتنا ضخیم کام کرکے ہماری نگاہ میں کنگ فیصل ایوارڈ'' کے بھی مستحق ہو چکے ہیں۔ کنگ فیصل ایوارڈ کی کمیٹی کو ان کا نام'' بھی شامل کرنا چاہیے۔

بلکہ یہاں میں تو یہ بھی عرض کروں گا، کہ اہل علم کو اپنی آپ بیتیاں بھی مرتب کرنی چاہئیں۔ اس سے بھی مابعد والوں کو اپنی زندگی کی تاریک راہوں میں قندیلیں ملا کرتی ہیں، طٰہٰ حسین کی ''الایام'' ، احمد امین کی ''حیاتی''، علی طنطاوی کی ''ذکریات''، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کی ''آپ بیتی''، مولانا ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی ''کاروانِ زندگی''، مولانا عبدالماجد دریا آبادی کی ''آپ بیتی'' ، صدرِ وفاق حضرت شیخ الحدیث

مولانا سلیم اللہ خان صاحب کی ''میری تمام سرگزشت''، عمران خان کی ''میرے چاروں طرف'' ، اے پی جے عبدالکلام صدر جمہوریہ ہند کی ''پرواز''، نیلسن منڈیلا کی آزادی کی شاہراہ پر'' ،ٹالسٹائی کی''ٹالسٹائی'' اور روسو کی ''اعترافات'' وغیرہ اس کی'' لازوال مثالیں ہیں۔

سفر ناموں اور رحلات کی طرح آپ بیتیاں بھی ادب کی ایک اہم صنف ہے، اور ان دونوں کا آپس میں جوڑ بھی ہے، ہمارے ساتھی اگر اس ادب کو اختیار کرنا چاہیں تو یہ کوئی مشکل بھی نہیں ہے، مرتب کرنے اور محفوظ کرنے میں کسی کوہِ گراں کے حائل ہونے کا کوئی بڑا اندیشہ بھی نہیں ہوتا، بس مشاہدات اور تاثرات کو اپنے اسلوبِ بیان میں ڈھالنے کی دیر ہے۔

بہر حال جناب شیخ محمد بن ناصر العبودی ، درس وتدریس اور انتظامی ورفاہی خدمات کی انجام دہی کے ساتھ ساتھ ادب اور علم ومعرفت سے جڑے رہے، یہی ان کا کمال ہے، کیا کوئی ہے جو اپنی ڈیوٹی اور منصبی فرائض کے ساتھ علم وفضل اور فن وادب کا دامن تھامے رکھے؟

بیٹی امیر شہر کی فاقوں سے مرگئی

چند برس قبل مولانا نذیر (رکن پارلمان) اور مولانا محمد علی مہتمم جامعہ انس بن مالکؓ کی دعوت پر ہم جو ہانسبرگ سے ایک ہفتہ قبل موزمبیق کے دارالحکومت مپوٹو پہنچے تھے، کہتے ہیں کہ " جبرالٹر" کی طرح یہ موسیٰ بن بیک کے نام میں لہجے کے تغیر سے موزمبیق بن گیا ہے، نیز یہاں کی کرنسی کا نام" میٹکال" مثقال سے بنا ہے، یہاں کی سرکاری زبان پرتگیش ہے، انگریزی، عربی، زولو اور افریکانو کا رواج بھی عام ہے ، مسلم آبادی 70 فیصد ہے، لیکن حکومتی اعداد و شمار میں انہیں لبنان کی طرح 70 کے بجائے 30 فیصد قرار دیا گیا ہے، "مپوٹو" ایک ساحلی خوبصورت ترین شہر ہے، عام لوگ اخلاق میں دیگر اقوام کے سامنے بطور مثال پیش کئے جا سکتے ہیں، مسلمانوں نے نیٹ کیبل کی طرح محلوں کی مساجد کے لاؤڈ سپیکروں کے مرکزی نظام سے اپنے گھروں کو مربوط کیا ہوا ہے، گھر کے تمام کمروں اور مہمان خانے کی چھتوں سے بہت دھیمے انداز میں اذان، اقامت، قرات، جمعہ، عیدین، اور دیگر تقریبات کے بیانات سے اہل خانہ بڑی آسانی سے محظوظ ہوتے ہیں، مساجد کے ماحول سے ہمہ وقت ارتباط بھی رہتا ہے، اور جب چاہے، سوئچ آف کر دیں، یوں اگر کوئی نہ سننا چاہے، تو وہ بھی ممکن ہے، یہاں ہمیں بتایا گیا، کہ پاک و ہند کے مدارس دینیہ

کے فضلاء کے حوالے سے مشہور ہے کہ عربی بول چال پر قدرت نہیں رکھتے ، تو برائے کرم آپ مفصّل و مطوّل خطاب فرمائیں ، ہمیں چونکہ عربی ہی میں بات کرنی تھی ، اس لئے بطور خاص ہم سے ہی یہ استدعا کی گئی ، چناں چہ مسلسل 2 گھنٹے تک ہمیں خطاب کرنا پڑا۔

ساؤتھ افریقہ اور موزمبیق میں ، برصغیر سے قرون وسطی اور استعمارات کے ازمنہ میں جاکر آباد ہونے والے مسلمان نسبتہً متموّل ہیں ، مقامی مسلمان کئی حوالوں سے کمزور ہیں ، لیکن ہم نے اپنے بھائیوں سے کہا ، کہ وہ یہاں غربت مٹانے ، علاج معالجہ کی سہولیات فراہم کرنے اور جدید تعلیمی ادارے قائم کرنے میں بنی نوعِ بشری کو مد نظر رکھیں ، پیام انسانیت کے عنوان تلے کام کریں ، اگر مسلمان یہاں مذہبی نقطۂ نظر سے بالاتر ہو کر عام باشندوں کے فلاح و بہبود کے لئے خدمات انجام دینگے ، تو اس سے خود بخود اسلام اور مسلمانوں کا امیج بہتر ہوگا ، ان کی دعوت اور فکر و فلسفے کو تقویت ملے گی ، اسلام چونکہ بنیادی طور پر ویلفئیر اور فلاحی مذہب ہے ، جو انسانیت کی بہتری کے لئے اور پوری دنیا میں امن و سلامتی کے لئے خالق کائنات نے وضع کیا ہے ، ہمیں اسلام کے اسی ماٹو کو اجاگر کرنا ہوگا ، اور انسانیت کے نام پر اپنی کاوشوں اور مساعی کو ذہن نشین کرانا ہوگا۔ ہم نے یہ بھی بتلایا کہ مسلمان دیارِ غیر میں جاکر مستعمر ، مستبد اور سازشی قوموں کی انسانیت سوز حرکتوں کے بجائے

تعمیر انسانیت کا کردار ادا کرے ،مال بٹورنے اور غریبوں کا خون چوسنے کے وہ طریقے جس سے امیر امیر تر اور غریب غریب تر ہوتا جاتا ہے، سے احتراز کریں ، شاعر نے کسی ایسے ہی موقع پر کیا خوب کہا ہے:

وہی ہے صاحبِ امروز، جس نے اپنی ہمت سے
زمانے کے سمندر سے نکالا گوہرِ فردا

آج کی دنیا میں اسلام کو سمجھنے اور مشرف بہ اسلام ہونے کی جتنی صلاحیت ہے ، وہ پہلے کبھی نہ تھی ، لوگوں میں معلومات کی رغبت بھی بڑھ گئی ہے اور وسائل معلومات کی بہتات ہے، مسئلہ صرف یہ ہے کہ ہم مسلمان اپنے دین ومذھب اور اسکے صحیح پیغام کو حسین، پرکشش اور دلچسپ انداز میں پیش نہیں کرسکتے ، غیر مسلموں کو ازلی کافر سمجھنے کے بجائے ہمیں اپنے اندر عالم گیریت ، وسعت فکری ، اختلاف کو برداشت کرنے کا مادہ اور ڈائیلاگ میں معقول انداز اپنانا ہوگا۔ بہرحال اسلام کے حوالے سے اپنے '' مائنڈ سیٹ '' سے نکل کر ایک آزاد طریقے سے ہمیں سوچنا ہوگا کہ کہیں ہم ہی تو اسلام کے پھیلنے پھولنے میں رکاٹ نہیں؟۔

مزدوروں کے عالمی دن کے موقع پر اس کالم کا اصل میں باعث ایک عجیب واقعہ ہے:

ایک شام میں ایسے ہی پیدل میوٹو کی سڑکوں پر تنہا ٹہلنے کے لئے نکلا ، کیا

دیکھتا ہوں کہ ایک ننھی سی کلی پھول بیچ رہی ہے ، میں اس کے قریب جاتے ہوئے سوچتا رہا، کہ یتیم ہو گی ، حاجتمند ہو گی، یا کسی مزدور کی بیٹی ہو گی ، پتہ نہیں کیا قصہ ہو گا، زبان بھی نہیں جانتا کہ پوچھ لوں ، ماجرا کیا ہے، مجھے ایسے بچوں پر ہمیشہ ہی بہت ترس آتا ہے، میں نے جا کر ایک گل دستہ ان سے خریدا، وہ مسکرا کر کھل گئی ، گل دستہ لے کر تھوڑی دور گیا، خیال آیا کہ مجھے تو ان پھولوں کی ضرورت نہیں ، میں ان کی مدد کرنا چاہ رہا تھا پلٹ کر میں دوبارہ ان کے سامنے آیا، گل دستہ انہیں واپس کیا، وہ کھلی ہوئی کلی یک ، دم مرجھا گئی ، اشاروں کی زبان میں اسے میں نے سمجھایا کہ یہ پیسے بھی تمھارے اور پھول بھی تمھارے ، وہ دوبارہ گلاب کے پھول کی طرح مسکرا کر کھل گئی ،اور بے اختیار کھل کھلا کر ہنسی ، اس ایک کلی کے دوبار کھل جانے پر میں خوشی سے معمور تھا، یہ کئی سال پہلے کی بات ہے ، مگر وہ معصوم کلی آج بھی میرے خیالات کی اسکرین پر کھل جاتی ہے ، پھر کھل کھلا کر ہنس جاتی ہے اور مجھے یک گونہ غم و سرور ایک ساتھ محسوس ہونے لگتے ہیں اور میں مندرجہ ذیل شعر دیر تلک گنگنانے لگتا ہوں۔

گندم امیر شہر کی ہوتی رہی خراب
بیٹی کسی مزدور کی فاقوں سے مر گئی

عمران خان : سیرت صدیقؓ ملحوظ رکھیں

گاہے گاہے جامعہ فاروقیہ کراچی میں خطابت وامامت کے فرائض راقم کو ادا کرنے ہوتے تھے، کرکٹ سے فراغت اور اس میں ملک وملت کے ہیرو بننے کے بعد عمران خان رفاہِ عامہ اور سیاست کے میدان میں اترے تھے ، بارہ تیرہ سال قبل وہ ایک جمعے میں ہمارے یہاں صفِ اول میں شریک ہوکر بعد میں ہمارے آفس تشریف لائے ، خاطر تواضع کے دوران باہمی دلچسپی کے امور پر گفتگو کا سلسلہ بھی جاری رہا، موقع کو غنیمت جان کر الفاروق عربی (جس کا یہ ناکارہ تقریبا ۲۰ برس مدیر رہا) کے لئے غیر رسمی انٹرویو کا مواد بھی مل رہا تھا۔

خان صاحب ملک کی مخدوش صورت حال ، کرکٹ میں ورلڈکپ ، شایانِ شان کینسر ہسپتال، نمل یونی ورسٹی ، برق رفتار عالمی تغیرپذیر حالات ، قوموں کے عروج وزوال ، جمائمہ سے رشتۂ ازدواج وغیرہ پر سیر حاصل گفت وشنید جاری رکھے ہوئے تھے ۔ نئے عزم ، ولولے اور جوش وجذبے کے ساتھ سیاست میں اپنی آمد کا تذکرہ بھی کررہے تھے ، سیرتِ نبوی ﷺ ، سیرت خلفائے راشدین ، اور اسلامی تاریخ کے جھروکوں سے جھانک جھانک موتیاں بھی چنتے رہے۔ ان دنوں ہمارے ایک کالم

جمائمہ خان، مرا بخیرِ تو امید نیست، شر مرساں "پر انھوں نے کہا، خیر ہو گی ان شاء" اللہ، فکر نہ کریں۔ بہر کیف، اس وقت سب سے زیادہ ان کی جس بات نے ہمیں متاثر کیا تھا، وہ سیرت خلفائے راشدین خصوصاً حضراتِ شیخین صدیق وفاروق رضی اللہ تعالی عنہما کے مشکل ترین ادوار میں انتہائی باریک بینی کے ساتھ امت کی رہنمائی اور قیادت پر نگاہ تھی۔ میں نے جب ان سے یہ سوال کیا کہ دنیا میں ادیان ومذاہب کے مقابلے میں الحاد، لامذھبیت، لادینیت اور زندقہ وارتداد بامِ عروج پر ہے، آپ ان حالات کا مقابلہ ایک مسلمان لیڈر کے طور پر کیسے کرینگے، ان کا جواب بڑے دلیرانہ، بے باکانہ اور دو ٹوک الفاظ میں یہ تھا، کہ ابو بکر صدیقؓ نے منکرین ختم نبوت اور منکرین زکاۃ کے ارتداد کا جس حکمت وبالغ نظری سے مقابلہ کیا تھا، اور جس طرح حضرت عمر فاروق نے ان کے شانہ بشانہ دست وبازو بن کر ان کا ساتھ دیا تھا، کیا اس میں ہمارے لئے مشکل حالات میں سنگِ گراں بن کر مقابلے کے ادراک کا ساماں نہیں ہے؟ جواب سن کر ہمارے دفتر کا ہال سبحان اللہ کے نعروں سے گونج اٹھا تھا۔

سیرت صدیقؓ کا ایک باب رفاقت نبوی ﷺ میں وفاداری بشرط استواری کا ہے، دوسرا باب ارتدادی فتنوں کے کمال مہارت، استقامت اور پامردی کے ساتھ مقاومت کا ہے، ان دونوں ابواب میں ان کا کیا مقام ہے، یہ حضرت عمر جیسے جلیل القدر اور عبقری خلیفہ سے پوچھتے ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ ابو بکر اگر

غارِ ثور میں تاج دار ختم نبوت ﷺ کے ساتھ اپنی گذاری ہوئی وہ ایک شب مجھے دیدیں، تو میں اپنی ساری زندگی کی عبادتوں ریاضتوں ، جہاد ، قیادت اور خلافت کا ثواب انہیں دیدوں گا۔ نبی کریم ﷺ کے پردہ فرمانے کے بعد نبوت سے خلافت کی طرف انتقالِ قیادت کے اس حساس مرحلے میں امت کو جوڑ کر رکھنا اور پیغام نبوت کی حرف بحرف پاسداری کرنا ان ہی کا طرۂ امتیاز ہے ، یہ وہ شخصیت و کردار ہے کہ ان کے بعد جب ارتدادی فتنے اٹھے اور امت کا شیرازہ بکھرنے لگا، تو ہر خاص وعام کی زبانوں پہ یہ جملہ تھا'' ردۃ ولا ابابکر لھا'' بھلاابوبکر کے بعد اب کون ہے جواس ارتداد کے طوفان کا رخ موڑ دے ۔آج یومِ صدیقِ اکبر کے موقع پر سیرت صدیقؓ کو سمجھنے کے لئے دی میسج کے فار مولاساز ، عظیم مصری ادیب و نقاد مصطفیٰ عقاد کی شاہ کار اور لازوال تصنیف '' عبقریۃ الصدیق '' کا مطالعہ مسلم وغیر مسلم نوجوان ، عالم ، ادیب ، دانشور ، تجزیہ نگار ، مؤرخ ، اور سیاستداں کے لئے ایک سوغات ہے ، ہمارا ملک آج جن مشکلات میں گھرا ہے، ان میں ہمیں بقول ڈاکٹر مبارک علی ماضی کی تاریخ کے ہم مثل واقعات وحوادث میں قوموں کو جادۂ حق دکھانے والے رہنماؤں کے کرداروں سے استفادہ کرنا ہوگا، نیز اللہ تعالی سے اپنے حبیب ﷺ کے صدقے دعائیں مانگنے کا اہتمام بھی ضروری ہے۔

اے خاصۂ خاصانِ رسل وقت دعاء ہے
امت پہ تیری آکے عجب وقت پڑا ہے

مجھے امید ہے کیونکہ میں عمران کو جانتا ہوں وہ حضرت صدیقؓ کا سچا غلام ہے، ختم نبوت اور توہینِ رسالت کے معاملات وہ بخوبی جانتے ہیں، انھوں نے اہل ارتداد کی طرف ہاتھ نہیں بڑھایا ہوگا، لیکن اگر ایسی کوئی بات انکے ماتحتوں میں بھی ہے، تو انہیں چاہئے کہ وہ ہوشیار ہو کر احتیاط کے پہلو کو مد نظر رکھتے ہوئے ان کی خدمت میں شاعر کا یہ کلام ضرور پیش کریں:

جب کچھ نہ بن پڑا تو ڈبو دینگے سفینہ
ساحل کی قسم "منتِ طوفاں" نہ کرینگے

بین الاقوامی زبان ..... عربی

بین الاقوامی زبان ..... عربی

عام مسلمانوں کے توجہ کی مستحق

کائنات میں لاتعداد بولیاں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لئے الگ بولی اپنی حکیمانہ قدرت سے وضع کی ہے۔ پھر مخلوقات میں کئی انواع واجناس ہیں۔ ان انواع واجناس میں ایک ایک نوع کی کئی بولیاں اور زبانیں مروج ہیں جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کے سامنے اظہار مافی الضمیر کرتے ہیں لیکن بعض زبانیں علاقائی، بعض صوبائی، بعض قومی، بعض مذہبی اور بعض ہمہ گیر ہوتی ہیں۔ اسی آخری قسم میں عربی زبان بھی ہے۔ اس سے تو مسلموں اور غیر مسلموں، عربوں اور غیر عربوں کا تعلق اور ربط یکساں ہے۔ کیونکہ یہ ایسی زبان ہے جو دنیا کے کونے کونے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ مسلمانوں کا تعلق عربی زبان سے دین کے رشتہ سے ہے محض ایک زبان کے اعتبار سے نہیں۔ عربی زبان فصاحت و بلاغت، اعجاز وایجاد میں اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن اس سے ہماری محبت فقط اس کی فصاحت وبلاغت یا دیگر خوبیوں کی وجہ سے نہیں۔ ہمارا تعلق تو اس اعتبار سے ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کے آخری کلام قرآن

کریم کی زبان ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان ہے، اللہ تعالیٰ کے پیارے بندوں اور جنتیوں کی زبان ہے، یعنی عربی زبان صرف دنیا کی نہیں بلکہ اس سے آگے دائمی حیات اور رب العزت کے ساتھ راز و نیاز کی زبان ہے۔ جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عربی زبان ہماری دینی و مذہبی زبان ہے تو اس سے ہمارا مدعا یہ نہیں ہوتا کہ دوسری تمام زبانیں غیر اسلامی اور غیر مذہبی ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ عربی کو ہم مذہبی یا اسلامی زبان اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ یہ اسلام کی ترجمان ہے۔ اسلام کو سمجھنے کا آلہ ہے وحی الٰہی کی سمجھ کا ذریعہ ہے۔ کلام اللہ واحادیث شریفہ، فقہ، اسماء الرجال، تاریخ اسلام اور علم العقائد کے علوم وفنون، دقائق و رموز کا خزینہ ہے اور اسلام سے متعلق دوسرے تمام علوم کی امین ہے۔ اسلامی تہذیب وثقافت کا گنجینہ ہے۔ لہٰذا اس زبان کے مقدس اور بابرکت ہونے میں شک وتردد کا کوئی مقام نہیں۔ عربی زبان کو اگر مسلمانوں نے، مسلم ممالک نے اور مسلم سرکردہ شخصیات واداروں نے اہمیت نہ دی تو ڈر ہے کہ یہ قوم اسلام کے ورثہ، اسلام کی روح اور اسلامی علوم وفنون کے ذخائر سے یکسر محروم ہو جائے۔

قرآن مجید عربی زبان میں صرف نازل نہیں ہوا بلکہ عربی کی طرف دعوت بھی دے رہا ہے اور اس کی فصاحت وبلاغت کا عَلَم بردار بھی ہے۔ اللہ جل شانہ اس حقیقت باہرہ کو بڑے اہتمام کے ساتھ کئی مختلف آیات میں مختلف طریقوں سے دہرایا ہے

اور بار بار ارشاد فرمایا کہ عربی ایک فصیح و بلیغ واضح اور روشن زبان ہے۔ اس میں کجی یا اونچ نیچ نہیں۔ اس کا انداز بیان غیر مبہم اور صاف ہے اور اس سے معانی کی طرف رسد و وصول بہت ہی سہل ہے۔ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور اس کی وسعت وسہولت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کا انتخاب ہی اس لئے اپنے کلام کے لئے فرمایا تھا کہ یہ دنیا کی کل زبانوں کے مقابلے میں ہر حیثیت سے بہت افضل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے بلکہ اس کی پیدائش سے بھی پہلے پیدا فرمایا تھا۔ دوسری زبانیں تو طوفان نوح علیہ السلام کے بعد رائج ہوئی تھیں مگر اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی قرآن مجید کا عربی میں ہونا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام عربی زبان جانتے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام وحی عربی میں لایا کرتے تھے اور انبیاء کرام پھر اس کی ترجمانی اس قوم کی زبان میں کیا کرتے تھے۔ اس قسم کی ایک روایت مستدرک و بیہقی میں مذکور ہے۔

امام شافعی جو بے مثال عالم و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست ادیب بھی تھے، فرماتے ہیں کہ عربی زبان وسیع زبان ہے اور اس کے تمام لغات کا احاطہ نبی کے سوا کسی عام انسان کے بس کا کام نہیں۔ ابن درید جمھرہ میں اور خلیل کتاب العین میں اپنی معلومات کی بناء پر کہتے ہیں کہ عربی زبان کے کل لغات پانچ

کروڑ چھ لاکھ انسٹھ ہزار چار سو ہیں۔ ان میں تقریباً اتالیس ہزار چار سو متروک ہیں، باقی سب مستعمل ہیں۔ پھر ان میں دو حرفی کلمات کی تعداد سات سو پچاس اور تین حرفی کی تعداد انیس ہزار چھ سو پچاس ہے۔ چار حرفی تین لاکھ تین ہزار چار سو اور پانچ حرفی چھ کروڑ تین لاکھ پچھتّر ہزار ہیں۔ (المعجم)۔

: عربی زبان کی فضیلت کے بارے میں قرآنی آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو

بلاشبہ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔ (سورہ یوسف: ۱۲)

(بے شک ہم نے قرآن کو عربی میں بنایا تاکہ تم سمجھ لو۔ (زخرف:۔ ۴۳

اور اس طرح ہم نے تمہاری طرف وحی کی، قرآن عربی میں۔ (شوریٰ: ۴۲

(اور اس طرح ہم نے اس سے نازل کیا حکم، عربی زبان میں۔ (رعد: ۳۸

(اور یہ (قرآن کی) زبان ہے روشن عربی۔ (نحل: ۱۰۴

ایک کتاب ہے جس کے آیتیں جدا جدا کی گئی ہیں، عربی زبان میں سمجھ والوں کے لئے۔ (سجدہ: ۴۱)

اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے، (اپنے سے پہلی کتابوں کی) عربی میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور خوشخبری ہے نیکی کرنے والوں کے لئے۔ (احقاف: ۴۶)۔

(قرآن عربی زبان میں ہے ہر کجی کے بغیر ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (زمر: ۳۹

قرآن کریم جو خالق کا کلام ہے، اس کے ان ارشادات کو پڑھ کر ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ عربی زبان جانے بغیر قرآن فہمی و تفہیم اور اسلام وقرآن کی ترجمانی کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ ایسے شخص کو یا تو آپ خوش فہمی میں مبتلا یا (بے ادبی معاف) احمق ہی کہیں گے۔ کیونکہ جو شخص عربی کے قواعد، محاورات، ضرب الامثال اور لغت سے ناواقف و ناآشنا ہے، وہ نہ کلام الٰہی کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اپنی زندگی کے لئے ہدایت ربانی حاصل کر سکتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کا پیر و مرشد یا امام بنے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ پہلے خود صحبتے با اہل دل سے مستفید ہوں پھر ان اللہ والوں کی ہدایت کے مطابق کسی بھی انداز میں بڑھ چڑھ کر اسلام کی خدمت کریں، اس میں اسلامی روح کارفرما ہوگی۔ خود بھی ہدایت پائے گا، دوسروں کی بھی ہدایت کا سبب بنے گا اللہ والوں کی صحبت ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی عالم اور دیندار آدمی بھی مستغنی نہیں ہو سکتا ورنہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔

صحبت صالح تُرا صالح کند

صحبتِ طالح تُرا طالح کند

جن لوگوں کا لادین معاشرہ سے تعلق ہو، یورپی سوسائٹی وافکار سے متاثر ہوں اور اہل اللہ کی صحبت سے لاتعلق ہوں، ایسے لوگوں کو قرآن و حدیث اور فقہ کی بحث و تمحیص میں نہیں الجھنا چاہیے۔ بلکہ پہلے اللہ والوں کی صحبت سے مستفید

ہونا لازمی ہے اور اہل اللہ تو چونکہ عربی زبان کے رموز سے واقفیت رکھتے ہیں اس لئے وہ اس شخص کی استعداد کے اعتبار سے دینی خدمت لیں گے۔

اگر کوئی دیدہ دلیر عربی زبان میں مہارت رکھے بغیر کلام پاک کی تشریح و تفسیر کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور ایسی زیادتی ہے جس کی کوئی مثال نہیں ۔ ایسے لوگوں کو اہل اللہ اور علماء حق سے پہلے عربی زبان سے مہارت حاصل کرنا لازمی ہے۔ علمائے حق سے اس لئے کہ معاملہ قرآن فہمی کا ہے، عربی انشاء پردازی کا نہیں۔

دنیا کی کوئی عدالت ایسے شخص کو وکالت کے فرائض انجام دینے کی اجازت نہیں دیتی، جو قانون دانی میں ماہر نہ ہو۔ جس نے قانون پڑھا نہ ہو، اور کسی ماہر قانون سے اس کی تصدیق وسند حاصل نہ کی ہو۔ لہٰذا لازم ہے کہ ہم کلام اللہ کی زبان سیکھیں تاکہ اس کے معارف کو پہچانیں اور اس کی حکمتوں، دقائق و حقائق کو جانیں اور پھر اس کے بیان کے لئے کمربستہ ہو جائیں اور اگر اس کے بغیر ہم نے تفسیر بالرائے یا اردو، انگریزی کتب سے استفادہ کرکے بیان کرنا شروع کی تو بخدا امت میں اختلاف و افتراق کے سوا ہم کچھ اور کارنامہ کبھی انجام نہیں دے پائیں گے۔

عربی دنیا کی وہ منفرد زبان ہے جو اپنے قواعد کے اعتبار سے بھی اور لفظ اور ہجے کے اعتبار سے بھی ایک کامل و مکمل زبان ہے اس کا کوئی لفظ بھی نہ خلاف قاعدہ لکھا جاسکتا ہے اور نہ پڑھا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی لفظ مقررہ قواعد کے خلاف ہے تو اس کے استثناء کے بھی ضابطے موجود ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریر و تحریر میں غلطی کا امکان نہیں رہتا اور معانی کے تعین میں کوئی ٹھوکر نہیں لگتی۔

عربی کے کمال کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ محض زبان کی درستی، اصلاح اور حفاظت کے لئے ایک درجن سے زیادہ علوم موجود ہیں۔ مثلاً علم الصرف، علم النحو، البیان، المعانی، البلاغۃ الانشاء، التجوید والقراءۃ وغیرہ۔ ان میں ہر علم ایک بحر بیکراں ہے۔ ہر موضوع پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں اور ہر علم کے ماہرین جدا جدا ہیں۔

عربی زبان کی وسعتوں کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس زبان کا ایک ایک لفظ بے شمار معانی کا حامل ہے۔ اور ایک ایک چیز کے لئے اس زبان میں کئی کئی الفاظ مستعمل ہیں، اور ہر مفہوم کے تعین کے لئے قرائن و شرائط موجود ہیں۔

عربی ایک بین الاقوامی زبان ہے، جو دجلہ سے بحر اوقیانوس کے سواحل تک بولی جاتی ہے۔ اس نے دنیا کی ہر زبان کو متاثر کیا ہے۔ اس کے الفاظ آپ کو دنیا کی ہر زبان میں ملیں گے۔ اس نے ہر قوم کی ادبیات پر اپنا گہرا اثر ڈالا ہے۔ ایشیا کی زبانیں تو براہِ راست عربی کی بدولت پروان چڑھیں اور یہ سب زبانیں اپنی ترقی کے لئے عربی زبان کی مرہون منت ہے۔ یہ کسی ایک آدھ ملک کی زبان نہیں کہ اس سے کوئی یوں ہی نظر انداز کر سکے۔ یہ دنیا کے چھوٹے بڑے کم و بیش بیس ملکوں کی قومی و سرکاری زبان ہے، جن میں سعودی عرب، مصر، شام، عراق، اردن، یمن، بحرین، لیبیا، مراکش، کویت، سوڈان، تیونس، عمان، فلسطین اور الجزائر سرفہرست ہیں۔ جب کہ تمام اسلامی دنیا کی مذہبی زبان بھی عربی ہے۔ ان ملکوں میں یہودی، عیسائی، قبطی اور دوسری غیر مسلم قومیں بھی ہیں جن کی مادری زبان عربی ہے اور انہیں اس پر فخر بھی ہے۔

اس دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے جو آواز ہر مسلمان بچے کے کان میں پہنچتی ہے وہ اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائے دلنواز ہے اور اس دنیا سے رخصت ہونے پر ہر مسلمان جو آخری آواز سنتا ہے وہ تلقین شہادتین ہے اس کے باوجود بھی اگر مسلمان عربی زبان سے ناآشنا رہیں تو یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ کیونکہ پنجگانہ نمازوں میں بھی عربی مستعمل ہے، نہ کہ کوئی اور زبان۔

عربی زبان کی جامعیت اور اختصار کا یہ عالم ہے کہ بڑے سے بڑے مفاہیم کو چند لفظوں میں نہیں بلکہ چند حروف میں ادا کیا جاسکتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ہم صرف ایک مثال دیتے ہیں اس سے آپ خود اس کی جامعیت وایجاز کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ اردو میں کہیں گے ''اس (ایک مرد) نے مجھے مارا''۔ اس کو آپ عربی میں کہیں گے: ضربنی فرق واضح ہے۔

غیر مسلموں نے عربی زبان میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ خود ہمیں اپنے آپ پر شرم آتی ہے، انگلستان، امریکہ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، ہندوستان اور کئی دوسرے مغربی ممالک میں بطور خاص عربی زبان کی تدریس و تعلیم کا اہتمام موجود ہے۔ ان ممالک میں متعدد ادارے عربی زبان میں تصنیف وتالیف اور تحقیق وتدقیق کے لئے قائم ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ آج کے دور میں مسلم ممالک کے طلباء اور علمی تحقیق کے شغف رکھنے والے فضلاء مجبور ہیں کہ وہ یورپ کی لائبریریوں کی طرف رجوع کریں۔ اور مغرب کے غیر مسلم اساتذہ کے تبحر علمی سے استفادہ کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ خالص اسلامی معلومات اور موضوعات پر کام کرنے کے لئے اس طرف رخ کرنا پڑتا ہے۔ کیا مسلمان اب بھی موعظت وعبرت حاصل نہ کریں گے۔ کیا مسلمانوں میں اتنی غیرت بھی نہیں؟ کیا مسلمان اتنے وسائل پیدا نہیں کر سکتے؟ مگر غالباً

اصل بات وسائل کی نہیں۔ بات ہے علمی شغف، شوق و ذوق کی اور اپنے دین سے والہانہ محبت کی۔ اس پر مسلمانوں کو سوچنا چاہیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ مسلمان خود اپنی اس بے مثال دینی زبان کے لئے کیا کر رہے ہیں۔

ہم نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے دین کا اجارہ دینی مدارس کو دیا ہوا ہے۔ ان کے وجود سے گویا ہمارا کفارہ ادا ہو جائے گا حالانکہ یہ مدارس بھی مالی زبوں حالی، وسائل کی کمی، حکومت کی بے جا پابندیوں اور قوم کی بے توجہی کی وجہ سے جن مسائل و مصائب کا شکار ہیں، وہ خود ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ ہمارے ہاں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحقہ مدارس عربیہ کی تعداد چند سال بیشتر تقریباً چھوٹے بڑے ملا کر ۱۶۰۰ تھی جس میں کل طلباء کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۱۶۰۰۰ سمجھ لیں۔ جب کہ ہائی اسکولوں میں صرف فیل ہونے والے طلبہ اتنے ہوتے ہیں۔ جب کہ اسکولوں میں ابتدائی پانچ درجات میں تو عربی نام کی کوئی چیز نہیں اور مڈل و میٹرک کے نصاب میں بھی ہے لیکن وہ بھی اختیاری۔

آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے کہ ہم نے اپنے آخری کلام کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اسکی وجہ واضح اور واشگاف الفاظ میں یہ بتلائی ہے کہ بندوں کو سمجھ میں آنے اور غور و فکر میں آسانی ہو۔ مگر یہ بات قرآن سے تذکیر و نصیحت حاصل کرنے کے لئے ،

قرآن کی تشریح و تفسیر کے لئے نہیں۔ لیکن افسوس بعض نا سمجھوں نے قرآن سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے جس معمولی درجہ کی عربی سیکھنے کی ضرورت ہے، اس کے متعلق بھی یہ پراپیگنڈہ کیا کہ یہ بہت مشکل زبان ہے اور اس کو اتنے شد و مد سے بیان کیا کہ بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو بھی غلط فہمی ہو گئی کہ واقعی عربی زبان بہت دشوار ہے۔ اس بے بنیاد پراپیگنڈہ نے مسلمانوں کو اتنا متاثر کیا کہ وہ سمجھ گئے کہ عربی زبان سیکھنا آسان نہیں۔ حالانکہ عربی بے حد آسان ہے، حد درجہ قریب الفہم ہے۔ اور خصوصاً اردو جاننے والوں کے لئے تو وہ انتہائی سہل الحصول زبان ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنی بے خبری کے سبب آسان کا نام مشکل ودشوار رکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ پس ہے کوئی سمجھنے والا (قمر: ۵۴) اس اعلانِ خداوندی کے باوجود اگر کوئی شخص قرآن اور اس کی زبان کو مشکل کہے تو یہ ایک بے بنیاد الزام کے سوا کچھ نہیں۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے نہ علمی مباحث میں الجھنے کی ضرورت ہے اور نہ دور از کار شواہد پیش کرنے کی حاجت ہے۔ بس قرآن مجید کی پہلی سورۃ الفاتحہ پر ہی نظر ڈال لیجئے۔ اس سورۃ کی آیات سات ہیں جو پچیس لفظوں پر مشتمل ہیں، ان میں سے ۱۲ الفاظ تو جوں کے توں ہم روز مرہ اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً الحمدللہ رب العالمین میں حمد، اللہ، رب اور عالم اور دوسری

آیت کے دونوں لفظ رحمٰن اور رحیم اور اسی طرح تیسری آیت کے تینوں لفظ مالک، یوم اور دین آخری آیت میں ہدایت، صراط، مستقیم ایسے لفظ جو ہمارے روز مرہ کا حصہ ہیں۔ یہ تو میں نے صرف ایک سورۃ کا تجزیہ کیا۔ آپ پورے کلام مجید کا تجزیہ کریں تو یہی نتیجہ نکلے گا تو کیا پھر بھی عربی زبان مشکل ودشوار ہے۔

عربی زبان کی اہمیت اور اس ملک کے موجودہ حالات اور عربی کے ساتھ سلوک کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک عالمی زبان کا مسئلہ نہیں، دین کی فہم و تفہیم اور اسلام کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ اس لئے جہاں ہم سرکاری نظام تعلیم میں بھی عربی زبان کی تدریس کے لئے مناسب راہیں نکالیں، وہاں نجی طور پر بھی عربی کی تعلیم وترویج کے لئے مخلصانہ سعی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔

(ہفت روزہ ختم نبوت، وماہنامہ عزم نو، کراچی)

انتخابات میں اخلاق کا جنازہ 2013

انسانیت ،مذہب، قومیت، آئین ، اور معاشرتی اقدار کیا ہیں ، دنیا جہاں کے دانشور اس پر متفق ہیں کہ ان سب کا ایک ہی خلاصہ ہے۔ اخلاق ،اخلاق اور صرف اخلاق۔کہتے ہیں قومیں تب تباہ ہوتی ہیں جب ان کے اخلاق تباہ ہو جاتے ہیں ۔باری تعالی نے اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو جو نبوت کے بعد سب سے بڑا تمغہ دیا ہے، وہ یہ کہ "بے شک آپ اخلاق کے اعلی پیانے پر فائز ہیں" (القلم،4) حضرت عائشہ رضی اللہ رتعالی عنہا سے پوچھا گیا، آپ ﷺ کی سیرت کیا ہے، فرمایا وہ اخلاقِ حسنہ میں قرآن کریم کی چلتی پھرتی تصویر تھے ۔ خود نبی پاک ﷺ نے فرمایا : کامل ترین مؤمن تم میں سے بہترین اخلاق والا ہے۔

عملی اخلاقیات کی بربادی میں تو ہماری قوم دنیا کی گنی چنی اقوام میں سے ہے ، کرپشن ،لوٹ مار ، رشوت ،وعدہ خلافیاں ،اقرباء پروری ، نسل پرستی ، فرقہ واریت ، عدم تحمل وقلتِ برداشت ، تنگ نظری وکم ظرفی ،رشوت ستانی ، دھوکہ بازی ، غنڈہ گردی ، دہشت گردی .... کے جن ہمارے معاشرے میں سرچڑھ کر بول رہے ہیں ، یہ بیماریاں ہمارے خواص وعوام کے رگ وپے میں ایسی پیوست ہو گئی ہیں کہ ان کے بغیر تو اب یہاں چلنا اور زندگی گزارنا ناممکن نہیں تو

دشوار ضرور نظر آرہاہے۔ترقی یافتہ اقوام کا مذہب کوئی بھی ہو، لیکن ان برائیوں کے خاتمے کے متعلق ان کی ایک طویل اور تاریخی جدوجہد ہے، تب ہی ان کی مثالیں مسلم ملکوں میں بھی پیش کی جاتی ہیں۔جو ہانسبرگ میں ایک سرکاری ہسپتال جانا ہوا، تو وہاں کے ہمارے میزبان نے مریض کے پاس تھوڑی ہی دیر بیٹھ کر جانے کا کہا، ہم جب گاڑی میں آ گئے، تو میں نے اتنی عجلت سے اٹھ جانے کا سبب دریافت کیا، انہوں نے کہا، شیخ یہاں جب دس پندرہ منٹ سے زیادہ آپ گاڑی پارک کرینگے، تو ان منٹوں سے سمیت جتنی دیر آپ رکے ہوں گے، اتنا ہی ٹیکس ادا کرنا ہوگا، نیز انہوں نے بتایا کہ اس سے ہسپتال کے عملے اور مریضوں کو تکلیف بھی ہوگی، اس لئے یہ قانون یہاں کے تمام ہسپتالوں میں اختیار کیا گیا ہے، میں نے ان سے پوچھا، کیا آپ کو معلوم ہے یہ قانونی شہ پارہ ان کو کہاں سے ملا ہے، انہوں نے نفی میں سرہلایا، میں نے عرض کہا، یہ رحمت کائنات ﷺ کا ارشاد ہے، کہ مریض کے پاس عیادت کے وقت زیادہ بیٹھ کر اسے اور اسکے اہل خانہ کو بور نہ کرو، ہمارے پیغمبر اور مذہب کی تعلیمات میں انہوں نے غور کیا، ان پر عمل کیا اور کرایا، وہ مہذب ہوگئے، ہم نے بات بات پر ایک دوسرے کو بدعتی، گمراہ، ملحد، زندیق، منافق، ایجنٹ، باطل پرست اور کافر تک کے القاب سے نوازا، نیز دین کا خلاصہ ہمارے یہاں یہ ہے کہ کون کون دائرہ اسلام میں داخل ہے، کون کون بے دین ہیں، وسعت ظرفی سے اہل تحقیق نے یہ کبھی نہیں سوچا، کہ کون کون دائرہ اسلام میں داخل ہے، کون کون کلیات اسلام سینے

سے لگائے ہوئے ہیں ، جزئیات اور وہ بھی زمان ومکان کے ساتھ محدود کو ہم نے اسلام سمجھ لیاہے، اب اس مخصوص اور تنگ دائرہ میں ہم ساری امت کو داخل کرناچاہتے ہیں ، ورنہ ان پر تکفیر تفسیق ، نفاق اور بدعتی کے نازیبا الفاظ وافر انداز میں چسپاں کردیتے ہیں۔

طرفہ تماشہ یہ ہے کہ لبرل اور سیاسی پارٹیاں بھی اب اس وبا کا شکار ہوگئی ہیں ،کانگریسی ، مسلم لیگی ، بھٹوازم ، نسل پرستی ، زبان پروری، صوبائیت، اور مذہبی ولامذہبی بٹواروں میں پوری قوم تو پہلے ہی بٹ چکی تھی، فی الوقت 2013 ء کے انتخابات میں اپنا منشور اپنامدّعی ،اپنے اہداف اور اپنے سیاسی مثبت نعروں کے بجائے مخالف امیدوار ، لیڈراورپارٹی کی کردار کشی پر اشتہارات ، جلسوں اور کارنر میٹنگوں میں پورازورلگایا جارہاہے، ایک دوسرے کی ایسی تضحیک کی جارہی ہے ،جس کی دنیاکے اخلاقیات میں کوئی مثال نہیں ملتی ،ہمارے یہاں تعلیم ، بجلی ، پانی ، خوراک ، ریلوے اور بدامنی کے مسائل کوکیسے ختم کیاجائے ، اس کے لئے قابل عمل حل کوئی پیش نہیں کرتا، اخبارات کے مطالعے سے مجھے تو کوئی خاصا فرق کے ساتھ نمایاں جماعت اس حوالے سے نظرنہیں آرہی ،اللہ جانے کیاہوگا، عمران کو صحت نصیب فرمائے ، بہرکیف سیاست کے کارپردازوں اور قومی لیڈروں سے یہ درخواست ہے کہ خدارا ! کردار کے بعد اب کم سے کم گفتار میں بھی اخلاقیات کا جنازہ تو نہ نکالیں۔

نوٹ : گزشتہ دنوں عالمی سطح پر وڈنبرگ انٹرنیشنل کالج اینڈ آرگنائزیشن

کی جانب سے 100 (waldenburg enternational college and org)

متاثر کن شخصیات میں ہمارے نام کی شمولیت پر دنیا بھر سے مبارکباد، نیک تمنائیں اور

دعائیں دینے والوں کا تہِ دل سے مشکور ہوں

انتخابات میں واضح اکثریت کسی کی نہیں ہوگی

حالیہ انتخابات 11 مئی 2013 کے نتائج کے متعلق کوئی دوٹوک پیش گوئی تو بظاہر ناممکن ہی ہے ۔البتہ اوپر کے حلقوں کی کھسر پھسر سے روشنی کی جو کرنیں چھن چھن کرآرہی ہیں ،وہ یہ بتاتی ہیں کہ 2014ء میں افغانستان سے امریکی انخلاء اگر یقینی ہے، تواس کے لئے پاکستان میں سازگار ماحول اور معقول لیڈر شپ کی ضرورت ہوگی ،اس تناظر میں کہاجاسکتاہے کہ مولانا فضل الرحمٰن چونکہ طالبان اور دیگر مجاھدین کے ساتھ ساتھ بین الاقوامی برادری میں احترام کی نگاہ سے دیکھے جاتے ہیں ، اس لئے کچھ مدت ہی سہی وزارت عظمیٰ کی ھماان کے سرپر بٹھائی جائیگی ،تاکہ خطہ کی صورتِ حال کے پیش نظر اگلے مرحلے میں ان کی قیادت کو متحارب فریقوں کے درمیان موجود خلیج کو عبور کرنے کے لئے بطورپل استعمال کیاجاسکے۔نیزپاک فوج اورپاکستانی طالبان کے مابین مصالحت کا عقدہ لاینحل بھی ضرور مطمع نظر ہوگا۔اگراس تجزیہ کو کسی حدتک صحیح مان لیا جائے ،توپھر ان کے اور عمران خان کے درمیان مستقبل میں درپردہ اتحاد کی کوششیں بروئے کار لائی جائینگی ،100 سے 120 کے درمیان اگر مسلم لیگ (ن)، یا پی پی پی قومی اسمبلی کی نشستیں حاصل بھی کرلیں ، توان کے علاوہ صف دوم وسوم کی چھوٹی موٹی جماعتوں کو ملاکر مرکزی حکومت سے ملانے کی بار آور تگ ودو کی راہ ہموار کی

جائیگی۔ لیکن پاکستان کرکٹ ٹیم کی ہمیشہ سے غیر متوقع اعلی وادنی کارکردگی کی طرح پاکستانی سیاست میں کچھ بھی ہونے کے امکانات کو مسترد کرنا شاید قرینِ قیاس نہ ہو۔

نوٹ: گزشتہ دنوں عالمی سطح پر ولڈنبرگ انٹرنیشنل کالج اینڈ آرگنائزیشن کی جانب سے (waldenburg enternational college and org) 100 متاثر کن شخصیات برائے سال 2013ء میں پاکستان سے جنرل اشفاق کیانی اور عمران خان کے ساتھ ساتھ ہمارے نام کی شمولیت پر دنیا بھر سے مبارکباد، نیک تمنائیں اور دعائیں دینے والوں کا تہِ دل سے مشکور ہوں۔

اسپیشل افراد توجہ کے زیادہ مستحق ہیں

انسان دوسرے انسان کے لئے ہر حال میں محترم ہے، کسی انسان کے افعال و نظریات سے نفرت اور لا تعلّقی ممکن ہے، مگر انسانیت کے ناتے بغیر تمیزِ صورت وسیرت اور بلا تفریق رنگ ونسل بنی نوع بشری کا ہر فرد واجب الاحترام ہے۔اسی کو بنیاد بنا کر بین الاقوامی سطح پر ''انسانی حقوق''کا چارٹر تیار کیا گیا ہے۔انسانی حقوق کی بنیاد جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا شہرہ آفاق خطبۂ حجۃ الوداع ہے، حقوق نسواں، مدرڈے اور حقوق الاطفال وغیرہ بھی اسی انسانی حقوق کے زمرے میں آتے ہیں،اقوام متحدہ نے 1982 میں اسپیشل افراد کے حقوق کا ایک مسوّدہ منظور کیا تھا،جس کے تحت 1992 کو اسپیشل افراد کا سال قرار دیا گیا،تاکہ رکن ممالک اپنی اپنی حکومتوں میں معذورین کی بہتری اور فلاح وبہبود کے اقدامات پر خصوصی توجہ دے، ان میں جو ابھی بچے ہیں انکی تعلیم وتربیت اور تعمیر وترقی کیلئے فعال اور توانا منصوبے بنائے۔

یہ لوگ عام انسانوں کے مقابلے میں خصوصی اورزیادہ توجہ کے اس لئے مستحق ہیں کہ یہ ان کے مقابلے میں ذہنی یا جسمانی طور پر کمزور اور ناتواں ہوتے ہیں،یہی وہ باعث ہے جو ان کی ہر طرح مدد کی طرف دیگر انسانوں بالخصوص اہل

اختیار واقتدار کو کھینچتا ہے۔

قرآن وحدیث میں مستضعفین ،اہل ضرر واضطرار اور عذر والوں کو ہر معاملے میں خصوصی رعایت اور چھوٹ دی گئی ہے ،اسپیشل افراد کا عالمی دن ہر 3 دسمبر کو پوری دنیا میں منایا جاتاہے ، ان کے حقوق ،واجبات اور ضرورتوں پر خصوصی سیمینارز ،کانفرنسز اور تقریبات منعقد کی جاتی ہیں ،ترقی یافتہ معاشروں میں ان افراد کے لئے حکومتی خدمتگار بھی باقاعدہ ملازم رکھے جاتے ہیں ، لیکن غریب اور ترقی پذیر ممالک میں ان کا پرسانِ حال نہیں ہوتا ، انہیں حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے ،ان سے جان چھڑانے کی کوشش کی جاتی ہے،ان سے بھیگ منگوائی جاتی ہے ،انہیں بوجھ سمجھا جاتا ہے ،انہیں باعث شرمندگی قرار دیا جاتا ہے ،ان کے حقوق پامال ہوتے ہیں ،ان کی تعلیم وتربیت توکیا انہیں بسا اوقات مزاروں پر چھوڑا جاتا ہے ،اوراللہ معاف کرے کہیں انہیں زندہ درگور بھی کیا جاتا ہے ،انسانی حقوق کے چیمپین بے چاری خواتین کا رونا روتے ہیں صنف ثالث کا واویلا کرتے ہیں ، وہ سب کچھ بجا،لیکن وہ توایک حد تک اپنی مدد آپ کر سکتی ہیں ، یہ تو اس سے بھی لاچار ہوتے ہیں ، قابل ترس اور قابل رحم ہوتے ہیں ، ہم عمر،رشتے دار،برادری،خاندان ،حکومت اور معاشرے ان کے ساتھ حسن سلوک سے گریزاں ہوتے ہیں۔

کلکتہ میں 80 سال کی ایک بیمار بُڑھیا ''مدر ٹریسا'' رہتی تھی، اس کی صحت کا بلیٹن انڈیا کے نیشنل پریس میں صفحۂ اول پے شائع ہوتا تھا، کبھی کسی نے سوچا، ایسا کیوں تھا؟ اس کا کارنامہ یہ تھا، کہ کلکتہ کی سڑکوں، محلوں اور گلی کوچوں سے اس نے 32 ہزار سے زائد کوڑھیوں، اپاہجوں، لنگڑے لولوں، معذوروں اور جذامیوں کو اٹھا کر صحتی مراکز میں ڈال دیا تھا، وہ ان کا علاج کراتی، اور کہتی کہ یہ میں عبادت کر رہی ہوں، وہ اپنے اس عمل سے امر ہو گئی ہے، کیا ہمارے کسی لیڈر، رہنما اور محیِّر کے بارے میں کوئی پریس نوٹ یا ہیلتھ بلیٹن کسی اخبار میں چھپا؟ بس یہی سوال ہر لیڈری چمکانے والے، ہر تکلف پیشوا بننے والے اور ان کے حاشیہ بر داروں سے ہے۔

عبدالستار ایدھی ایک گجراتی مسلمان عرصہ سے یہی کام کر رہا ہے، بے چارا پڑھا لکھا نہیں ہے، لاوارث لوگوں اور بچوں کے علاوہ زخمیوں، تعفن زدہ لاشوں، زلزلہ
زدگان، سیلاب زدگان لاپتہ شدگان اور ہر قسم کے مصیبت رسیدہ افراد کی دکھوں کا وہ مداوا کرتے ہیں، آج وہ اس طرح کی رفاہی خدمات کا امام ہے۔ طاہر القادری، عمران خان اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان اس میدان میں کامیابی کے جھنڈے بہت آسانی سے گاڑھ سکتے ہیں، لیکن .....
پچھلے دنوں میمن خدمت فورم، المظفر ٹرسٹ انٹر نیشنل اور اسلامک انسٹی ٹیوٹ فار

ایجوکیشن کے بانی وچیئرمین حاجی مسعود پاریکھ نے زینب اسکول فار اسپیشل چلڈرن کے سالانہ پروگرام میں خصوصی دعوت دی، مقامی ہال وزراء، عمائدین اور ان بچوں کے والدین سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔اس پروگرام کے مہمانانِ خصوصی یہی اسپیشل بچے تھے اکلوتا صاحبزادہ سلمان پاریکھ ان کی خدمت پر مامور تھا۔زینب ٹرسٹ کی چیئرپرسن، مسزپاریکھ نے ان بچوں کی کیا تربیت کی تھی، آج کی یہ محفل اس کا ثمر تھا۔صاف ستھرے انداز میں ان بچوں کی معصومانہ ادائیں،اور مختلف ٹیبلو دیکھ کر دل باغ باغ ہوا۔اللہ کرے ملک بھر میں قائم سرکاری وغیر سرکاری اسپیشل چلڈرن سکولز اینڈ سینٹرز اسی طرح انہیں توجہ دیں،انہیں کسی کام کا بنادیں،انہیں ایڑیاں رگڑ رگڑ زندگی گزارنے کے بجائے سر اٹھا کر جینے کا حوصلہ دے،شاید ان ہی کے طفیل آسمان والے زمین والوں پر مہربان ہو اور جابجا بھنوروں میں پھنسی ہوئی انسانیت کا بیڑا پار ہو۔

از معروف کالم نویس جناب محمد فاروق قریشی: خوش جمال وخوش خصال شیخ ولی خان المظفر جدید عربی ادب کے افق کا روشن ستارہ ہے۔ خیر سے ابھی جواں سال ہیں، لیکن ان کے علمی وادبی کمالات کے بارے میں سن کر آدمی حیران ہوجاتا ہے۔ ان کے ذوق علمی کا اصل میدان عربی زبان وادب ہے، علماء کے بقول اس قلمرو میں ان کا سکہ رواں دواں ہے۔ عربی کا جدید لہجہ، طرز تکلم اور انداز تخاطب ایسا کہ ''علی میاں'' کی یاد تازہ ہوجاتی ہے۔

شیخ ولی خان کی مادر علمی جامعہ فاروقیہ کراچی ہے۔ بقیۃ السلف مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ کی گوہر شناس نگاہوں نے پوت کے پاؤں ''پالنے'' میں ہی دیکھ لیے اور جامعہ میں شعبہ عربی کی تدریس کے علاوہ ماہنامہ ''الفاروق'' عربی کی ادارت میں شامل کرلیا۔ مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ سے اکتساب فیض نے انہیں صیقل اور کم وبیش 23 برس کی عربی تدریس اور مجلے کے لیے قلمی جواہر پاروں کی مشقِ مسلسل نے کندن بنادیا۔

مولانا سے تعلق خاطر انس ومحبت کے مراحل طے کرتا عشق کی منزل کو پہنچ گیا،

ایسا کہ کسی طور فرقت گوارا نہ ہوتی۔ مجھے یاد ہے کہ افغانستان پر امریکی حملے کے دور میں الجزیرہ ٹی وی نے ولی خان صاحب کو انتہائی پر کشش پیکیج کی پیشکش کی، لیکن احباب کے مشورہ کے باوجود انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں اپنے حضرت کو نہیں چھوڑ سکتا۔ استاذ و مربی حضرت مولانا سلیم اللہ خان مدظلہ نے بھی شفقت و عنایت ارزانی میں کوئی کمی نہ کی۔ انہوں نے وفاق المدارس کے انتظامی معاملات میں بھی قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ماہنامہ "وفاق" ملتان میں مدارس سے متعلقہ موضوعات پر عموماً مضامین لکھتے رہے، روزنامہ اسلام میں بھی ان کے کالم مظفریات" کے عنوان سے ادارتی صفحہ کی زینت بن رہے ہیں۔"

شیخ ولی خان صاحب کے علمی جواہر پارے مختلف جرائد اور روزنامہ اسلام میں بکھرے ہوئے تھے کہ ان کے محبین نے "مظفریات" کے نام سے یکجا کر دیا ہے، جس پر وہ یقینا ہدیہ تبریک کے مستحق ہیں۔ کتاب کی ترتیب و تبویب بقول مرتب یوں ہے:

ان کے مضامین مختلف رسائل واخبارات میں چھپتے رہے لیکن ان کو جمع کرنے کی کوئی" منظم صورت نہ تھی، بلکہ زیادہ موزوں الفاظ میں صاحبِ مضامین کی اس طرف توجہ نہ تھی۔ اس لیے امتداد زمانہ کے ساتھ ساتھ کچھ تو تلف ہو گئے، جو بہم پہنچے ان کو قارئین کے استفادے کی خاطر کتابی صورت میں شائع کیا جا رہا ہے۔

''مضامین کی ترتیب تاریخ کے اعتبار سے الاوّل فالاول کی بنیاد پر رکھی گئی۔

چالیس سے زائد عنوانات پر خوبصورت مضامین کا مجموعہ ''مظفریات'' کے نام سے مکتبہ لدھیانوی نے اپنے حسن معیار کے مطابق شائع کیا ہے، جو اہلِ فکر و نظر کے لیے کسی تحفے سے کم نہیں۔

مفکر اسلام مولانا مفتی محمود کے افکار و نظریات کی تدوین و ترویج کے لیے قائم ادارہ مفتی محمود اکیڈمی کے زیر اہتمام پرل کانٹی نینٹل ہوٹل کراچی میں ''مفتی محمود بحیثیت قومی راہنما'' کے عنوان سے 25 اکتوبر 98ء کو تاریخی سیمینار منعقد ہوا تھا، جس میں پیش کیے گئے مقالات و خطبات کو اسی عنوان سے مرتب کرکے خاکسار نے کتاب کی صورت میں شائع کرایا تھا۔ مذکورہ کتاب کی تقریب رونمائی 15 نومبر 2000ء کو کراچی میں ہوئی، جس میں مولانا سعید احمد جلال پوری، مفتی محمد جمیل خان، پروفیسر این ڈی خان اور شیخ ولی خان نے شرکت کی۔ مولانا سعید احمد جلال پوری اور شیخ ولی خان صاحب کے ذمے مقالات تھے، جبکہ پروفیسر این ڈی خان صاحب نے تقریر کرنی تھی۔ انہوں نے موضوع کی مناسبت اور کتاب کے حوالے سے عرب مبصرین کے طرز پر مفصل انداز میں مقالہ تحریر کیا تھا۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ مولانا نے وہ قیمتی مقالہ مظفریات'' میں شامل کرکے محفوظ کردیا ہے، اس لیے مفتی محمود اکیڈمی ان کا''

شکر گزار ہے۔

شیخ سے ہمارا تعلق جامعہ فاروقیہ کراچی کی تدریس کے دور سے ہے۔ گاہے بگاہے جامعہ فاروقیہ جانا ہوتا، تو اس حسین آدمی سے ملاقات کے بغیر واپسی ناممکن ہوتی۔ تعلقات کے بارے میں ہم جوش ملیح آبادی کے مقلد ہیں، جن کے نزدیک ''آدمی حسین ہو یا ذہین'' اور جہاں دونوں خصوصیات بدرجہ اتم موجود ہوں، وہاں آدمی کیسے صرف نظر کرسکتا ہے؟ ولی خان صاحب حسن صورت وسیرت کے علاوہ علم وادب کے عرفان سے بھی مالامال ہیں۔ ان کے نام کے ساتھ ہی دماغ میں حسن وذہانت کا مرقع متشکل ہوجاتا ہے۔ چہرے پر بشاشت، ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرتے عربی لہجے میں اہلاً وسہلاً کہتے ملتے ہیں، تو آدمی نہال ہوجاتا ہے۔

ایک مدت تک جامعہ فاروقیہ میں تدریسی وانتظامی خدمات کے بعد اپنا علیحدہ ادارہ المظفر ٹرسٹ انٹرنیشنل'' کے نام سے قائم کرکے ''افضل الاشغال خدمۃ الناس'' کی'' عملی تصویر بن گئے ہیں۔ عوامی خدمت کے میدان میں نبرد آزمائی کے ساتھ ساتھ جدید عربی زبان وادب کی منفرد انداز میں تعلیم وتدریس میں جتے ہوئے ہیں۔ ان کے تربیت یافتہ طلبہ عالم عرب کی معیاری یونیورسٹیوں اور جامعات میں مزید تعلیم وتحقیق کے اہل قرار پاتے ہیں۔ اس طرح شیخ ولی خان عالم اسلام میں علمی رابطے کا اہم فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

تمیزی صاحب کی دعوت پر ان کے دولت کدے جانا ہوا، ایک چھوٹی سی میز پر قد آدم کتابوں کے انبار، چاروں طرف اوپر تلے مختلف کھلی ہوئی کتابیں، جابجا تراشے، ضخیم مجلدات سے جھکی ہوئی الماریاں اور خود ڈاکٹر صاحب کی اس وقت کی ہیئت کذائی دیکھ کر ہارون الرشید اور ان کے وزراء کا ایک واقعہ آیا، خلیفہ نے ایک دن اپنے وزراء ومعاونین سے کہا، میری ایک تمنا تھی جو پوری نہ ہو سکی، عرض کیا گیا، وہ کیا، کہنے لگے میں چاہتا تھا کہ ایک لاجواب مدرّس بنوں، تشنگان علم کی فکری، علمی اور نظریاتی سیرابی کا فریضہ انجام دوں، لیکن اے بسا آرزو کہ خاک شد، کچھ وزراء نے سرگوشی اور اشارات میں لمحہ بھر میں مشاروت کی اور تھوڑی ہی دیر میں تمام کے تمام حضرات کتابیں لیئے طالب علم بن کر حضرت الاستاذ کے سامنے زرق برق پوشاک میں ملبوس زانوئے تلمذ تہِ کر گئے، خلیفہ نے ان پر نگاہ ڈالی اور کہا، ''لستم بھم''، نہیں بھائی تم وہ لوگ نہیں، شاگرد بنے وزراء نے کہا، کیوں؟ کیا ہم میں وہ صلاحیت نہیں؟ ایک طالب علم کے بھی برابر نہیں، خلیفہ نے کہا، نہیں وہ تم نہیں، ان کے کپڑے واجبی سے، ناخن لمبے لمبے، بدن میلے میلے، بال پراگندہ، ان کی نظر معنویت پر ہوتی ہے اور تمہاری نظر مادّیت پر ہے۔

عہد نبوی ﷺ کی نعتیہ شاعری'' سے معنون تبریزی صاحب نے کراچی یونیورسٹی ''
سے پی ایچ ڈی کے لئے ایک ہزار صفحات پر مشتمل عظیم الشان تاریخی، تحقیقی اور ادبی
ایک ایسا مقالہ لکھاہے، جس کے ذریعے انھوں نے اپنی زندگی کی قیمت چکادی ہے، ایک
عجیب نسبت دیکھئے کہ عہد نبوی ﷺ کی نعتیہ شاعری پر کام کے لئے ان کو عمر نبوی ﷺ
سال کا عرصہ لگا ہے۔ ۲۳

یہ علمی و تحقیقی جائزہ، سات ابواب پر مشتمل ہے، اس میں ڈیڑھ سو سے زائد صحابہ کرامؓ
وصحابیاتؓ کا نعتیہ کلام یکجا کیا گیا ہے۔

باب اوّل پانچ فصول پر مشتمل ہے، اس میں شاعری کے حوالے سے اسلام کا نقطۂ نظر
قرآن وحدیث کی روشنی میں پیش کیا گیاہے، جس میں یہ بتایا گیاہے کہ شاعری ،قرآن،
کی نظر میں معیوب نہیں ،اس باب میں شعر کی حکمت وعظمت ،احادیث کی روشنی میں ،
حضورؐ کا ذوق شاعری اور آپؐ کی شعر فہمی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، اس باب کا اہم
موضوع ''شعرائے خاندان رسالت کی نعتیہ شاعری'' ہے ،اس میں خاندان رسالتؐ
کے اڑتیس شعراء وشاعرات کا کلام دیا گیاہے، اس باب کا ایک عنوان جہادی اشعار بھی
ہیں ، یہ بابِ اول آٹھ سو اٹھاسی حوالہ جات پر مشتمل ہے۔

باب دوم تین فصلوں پر مشتمل ہے ،اس میں صحف قدیمہ ،تورات ،زبور وانا جیل میں مذکور نعتیں شامل ہیں اور '' کتب سماویہ میں نعوت محمدیؐ '' کے عنوان سے انبیائے سابقین کی بشارتیں اور احبار ورہبان وکہان کی پیش گوئیاں یکجا کی گئی ہیں ،اس باب کا بڑا حصہ عبرانی زبان پر مشتمل ہے، ان نعوت وبشارات عبرانیہ کا عربی ،انگریزی اور اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔

باب سوم چھ فصول پر مشتمل ہے، اس میں ولادت وبعثت نبویؐ سے قبل کی نعتیہ کلام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے ، جس میں بالخصوص شاہ یمن تبّع ثانی کی آج سے ڈھائی ہزار سال اور آپؐ کی ولادت سے ایک ہزار سال قبل کہی گئی وہ نعت شامل ہے، جس میں اس نے اپنے اسلام لانے کا تذکرہ کیا ہے ،اس باب کی ایک فصل جنات کی نعتیہ شاعری پر مشتمل ہے، نیز یہ کہ عربی زبان کا پہلا باقاعدہ نعتیہ قصیدہ کس نے اور کب کہا؟ اس باب میں '' قرآن کریم اور نعوت محمدیؐ '' بھی ایک اہم عنوان ہے۔

باب چہارم میں چھ فصلیں ہیں، اس میں عہد نبویﷺ کی نعتیہ شاعری کے عنوان سے بعد از ولادت وبعثت بشارات مصطفیٰ کو یکجا کیا گیا ہے ، جس میں جنات وغیرہ کی بشارات شامل ہیں، اس کی فصل سوم اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس میں صحابہ کرام

اور صحابیات کی نعوت کو مع تذکرہ یکجا کیا گیا ہے ، نیز اس میں سرزمین حبشہ ،مکہ اور مدینہ میں کہی گئی نعتیں شامل ہیں اور اس میں مدینہ میں کہی گئی اولین استقبالی نعت ''طلع البدر علینا..... '' بھی شامل ہے ، اس باب میں خلفائے راشدین کی نعتیہ شاعری اور '' خواتین کی نعتیہ شاعری '' بھی ہے۔

باب پنجم تین فصلوں پر مشتمل ہے ، اس باب میں حضورؐ کی دفاع میں ، میدان کارزار میں کہے گئے نعتیہ اشعار یکجا کیے گئے ہیں ،اس کی فصل اول میں دربار رسالتؐ کے چار شعراء کا مفصل تاریخی نعتیہ جائزہ پیش کیا گیا ہے اور فصل دوم میں جہادی نعتیہ اشعار درج کیے گئے ہیں ، جو دفاع رسولؐ میں کہے گئے۔

باب ششم تین فصلوں پر مشتمل ہے ،اس میں عہد نبویؐ میں صحابہ کرامؓ وصحابیات کی نثری نعوت کے نمونے ہیں ۔

دنیائے نعت میں کہے گئے تمام نثری نعتیہ کلام میں خوب صورت ترین ، طویل ترین اور بے مثل وبے نظیر نمونے، حضرت ام معبد الخزاعیؓ کی نثری نعت بھی ہے ،آپ تاریخ اسلام کی اولین وآخرین خاتون صحابیہؓ ہیں، جنھوں نے حضورؐ کی طویل ترین نثری نعت بیان فرمائی ہے ،اس باب کی فصل دوم میں نعتیہ شاعری میں '' سوانحی ، حیاتی اور تاریخی عناصر کا ارتقاء'' بیان کیا گیا ہے ، جو کہ نبی

کریمؐ کے عہد میں وقوع پذیر ہوا اور عہد نبویؐ ہی میں اس صنف کو عروج حاصل ہوا، عہد نبویؐ کی نعوت میں آپؐ کی مکمل سوانح حیات اور آپؐ کی سیرت و حیات کا مکمل نقشہ موجود ہے، جسے آپؐ کے عہد کے شعرائے اسلام نے منظوم و منعوت کیا ہے، اس باب کا ایک اہم عنوان ''عہد نبویؐ میں نعتیہ قصائد کا ارتقاء'' اور ''عہد نبویؐ میں نعتیہ مراثی کا ارتقاء'' بھی ہے، اس باب میں خواتین کے نعتیہ مراثی بھی وافر مقدار میں ہیں۔

ساتواں باب چار فصول پر مشتمل ہے جس میں عہد نبویؐ میں نعتیہ شاعری بحوالہ شمائل رسولؐ، سیرت رسولؐ، حدیث رسولؐ اور بحوالہ عشق رسولؐ شامل کیا گیا ہے، اس باب کا ایک اہم موضوع ''عہد نبویؐ کی نعتیہ شاعری کے مآخذ'' اور نعت صحابہؓ کے مضامین و موضوعات'' ہیں،۔

عہد نبویؐ اور عصر حاضر کی نعتیہ شاعری کا علمی و تقابلی جائزہ'' بھی اس باب کا ایک '' اہم موضوع ہے، اس میں عہد حاضر کے شعراء کی نعتیہ شاعری میں '' زبان و بیان کی بے اعتدالیاں و بے احتیاطیاں'' بھی بیان کی گئی ہیں، یہ باب چھ سو چودہ حوالہ جات پر مشتمل ہے۔

سات ابواب کی تیس فصول پر مشتمل اس مقالے میں کل تین ہزار ایک سو انچاس

حوالہ جات درج ہیں ،جب کہ اس مقالے کی تکمیل کے لئے عربی زبان کی پچانوے اردو کی ایک سو، فارسی کی ایک اور انگریزی کی چار کتب ،یعنی کل دو سو کتب سے، استفادہ کیا گیا ہے۔

ما ان مدحت محمداً بمقالتی ''

'' ولکن مدحت مقالتی بمحمدی

کے تناظر میں اگر اس مقالہ کو دیکھا جائے ،تو یہ نتیجہ نکالنا بہت آسان ہوگا کہ محمد ﷺ تو امر ہیں ہی ،ان کی برکت سے اب تبریزی صاحب بھی امر ہو گئے۔

نواز شریف کے پاس اب غلطی کی گنجائش نہیں

انتخابات 2013 کے دوران بذریعہ ووٹ پنجاب و خیبر پختونخواہ میں تبدیلی آ گئی ہے ،جس کے نتیجے میں اول الذکر میں نواز شریف اور ثانی الذکر میں عمران خان ابھر کر سامنے آ گئے ، سندھ اور بلوچستان میں کوئی بڑی اور نمایاں تبدیلی وقوع پذیر نہ ہوئی ، البتہ بلوچستان میں بنسبت سندھ کے کچھ نہ کچھ جنبش نظر آئی ہے ، کچھ علاقوں میں ملکی وغیر ملکی تجزیہ نگاروں کے بقول ووٹ کے ذریعے تبدیلی کے بجائے ووٹ خود ہی تبدیل ہو گئے ، مجموعی جائزے کے مطابق خفیہ ہاتھوں اور برسر زمین طاقتوں کی رسہ کشی میں طاقت کا توازن آخری لمحات میں انڈر گراونڈ کھلاڑیوں کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

بہرحال جو بھی ہوا، انتخابات ہو گئے اور نواز لیگ واضح اکثریت کے ساتھ مرکز و پنجاب میں سب پے پہازی لے گئی ہے ، تحریک انصاف عرب اسپرنگ کے مانند نوجوان خون کو زیادہ متحرک تو نہ کر سکی ، البتہ انہیں ناکام کہنا بھی انصاف کے تقاضوں سے شاید ہم آہنگ نہیں ہوگا۔

پاکستان پیپلز پارٹی اور اے این پی نے گزشتہ پانچ سالوں میں جو بویا تھا وہی

کاٹا ہے مفاہمت کی پالیسی اور پانچ سالہ دور مکمل کرنے کی کوششوں میں انہوں نے ملک و قوم دونوں کو جس اضطراب اور جانکنی کے عالم میں رکھا، اس کے بدلے میں گویا انہیں یوں جواب دیا گیا:

اب نزع کا عالم ہے، تم اپنی محبت واپس لو
جب کشتی ڈوبنے لگتی ہے، بوجھ اتارے جاتے ہیں

پی پی، متحدہ اور دینی احزاب کا ووٹ بینک نظریاتی یا جماعتی ہے، نواز شریف اور عمران خان کا ووٹ ایسا نہیں ہے، نہ ہی ان کی جماعتوں میں ان کی شخصیتوں جتنی جان ہے، انہیں اگر ووٹ ملتا ہے، تو وہ ان کی شخصیاتی کشش کا کرشمہ ہے، جس میں ملک سنوارنے اور قوم کو چین و سکون فراہم کرنے کے جذبات کارفرما ہیں، ان دونوں میں عمران خان کی ذات رفاہی، تعلیمی اور کھیل کے میدانوں میں ان کی قابلِ تقلید کارکردگی کی بناء پر نواز شریف سے زیادہ متاثر کن ہے، لیکن نواز شریف کا پیسہ، برادری، لیگی عنوان اور پنجاب بطور خاص لاہور میں ان کے ترقیاتی کام نیز زبان و بیان میں بے احتیاطیوں سے گریز ان کے نمایاں اوصاف ہیں۔ حقیقت تو یہ ہے کہ پی پی اور نواز لیگ کے دو دو مرتبہ برسر اقتدار آکر بھی کسی بھی وجہ سے ناکام ہونے کے بعد قوم کو انہیں مسترد کرنا چاہیے تھا، لیکن یہ پاکستانیوں کے دل گردے ہیں یا بھول پنا کہ وہ ماضی کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں، اور پھر ساد ھے میر کی طرح اسی عطار کے لونڈے سے بار بار دوا لیتے

ہیں۔

کہتے ہیں ”جبل گردد، جبلت نہ گردد“، لیکن پھر بھی اگر نواز شریف نے ماضی کی طرح کانٹوں سے الجھنے کے بجائے اپنی خُو تبدیل کی ہے، تو اس ملک میں ضرور تبدیلی آ ئیگی، عمران خان کے پاس ہسپتال جاکر عیادت اور دورانِ انتخابی مہم آپس کی تلخیوں کو معاف کرنے کا اعلان مزاج میں اگر تبدیلی کا سگنل ہے، تو کوئی وجہ نہیں کہ نواز شریف دیگر سیاسی قوتوں کو ساتھ لے کر پاکستان کو جنوبی ایشیا کا ٹائیگر اور خود وہ پاکستان کے لئے ملائیشیا کے مہاتیر محمد بڑی آسانی سے بن سکتے ہیں، انہیں چاہئے کہ ملک و بیرون ملک اپنی کامیابیوں سے تاریخ میں اپنے نام لکھوانے والے رہنماؤں سے مسلسل مشاورت اور استفادے میں رہے، ان کے افکار، تجربات، تجزیات اور آئیڈیاز کو اپنا نصب العین بنائے۔ابھی حال ہی کی بات ہے، پوٹن نے اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے بدولت رشین فیڈریشن کے مردہ گھوڑے میں اتنی بھرپور جان ڈال دی ہے کہ سوویت یونین کی بحالی کا آوازہ ہے۔

نواز شریف کو یوں قوم کے امنگوں پر پورا اترنے اور ملک وملت کے لئے کچھ کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے نام کو تاریخ میں سنہری حروف سے درج کرنے کے مواقع فراہم ہوں گے۔

ورنہ بصورت دیگر خلافت عباسیہ کے طاقتور ترین حکمراں معتصم باللہ ،جس کے زمانے میں رومیوں کے علاقے کی ایک مظلوم خاتون نے جب "واہ معتصماہ" کا نعرہ لگایا، تو وہ ایک لمحہ دیر کئے بغیر بغداد سے اٹھا اور روم جاکر عموریہ شہر فتح کرکے اس ستم رسیدہ خاتون کی داد رسی کا وہ کارنامہ انجام دیا، جو رہتی دنیا تک ایک ضرب المثل بن گیا، لیکن اسی معتصم باللہ کی زندگی کے تاریخی کربناک آخری لمحات بھی ملاحظہ ہوں : "اگر پر شکوہ محلات ، عالی شان باغات ،زرق برق لباس ،ریشم وکمخواب سے آراستہ وپیراستہ آرام گاہیں ، سونے ، چاندی، ہیرے اور جواہرات سے بھری تجوریاں ، خوش ذائقہ کھانوں کے انبار اور کھنکھناتے سکوں کے جھنکار ہمیں بچاسکتی ،تو تاتاریوں کی ٹڈی دل افواج بغداد کو روندتی ہوئی معتصم باللہ کے محل تک نہ پہنچتی ۔آہ ! وہ تاریخ اسلام کا کتنا عبرت ناک منظر تھا جب معتصم باللہ ،آہنی زنجیروں اور بیڑیوں میں جکڑا، چنگیز خان کے پوتے ہلاکو خان کے سامنے کھڑا تھا۔ کھانے کا وقت آیا، تو ہلاکو خان نے خود سادہ برتن میں کھانا کھایا اور خلیفہ کے سامنے سونے کی طشتریوں میں ہیرے اور جواہرات رکھ دیئے ، پھر معتصم سے کہا: " جو سونا چاندی تم جمع کرتے تھے، اسے کھاؤ" ۔بغداد کا تاج دار بے چارگی وبے بسی وبے کسی کی تصویر بنا کھڑا تھا، بولا : " میں سونا کیسے کھاؤں ؟"
ہلاکو نے فوراً کہا : " پھر تم نے یہ سونا چاندی جمع کیوں کیا ؟" وہ کچھ جواب نہ

دے سکا،ہلاکو خان نے نظریں گھما کر محل کی جالیاں اور مضبوط دروازے دیکھے او رسوال کیا: ''تم نے ان جالیوں کو پگھلا کر آہنی تیر کیوں نہ بنائے؟ تم نے یہ جواہرات جمع کرنے کے بجائے اپنے سپاہیوں کو رقم کیوں نہ دی، تاکہ وہ جانبازی اور دلیری سے میری افواج کا مقابلہ کرتے'' خلیفہ نے تاسف سے جواب دیا'' اللہ کی یہی مرضی تھی'' ہلاکو خان نے کڑک دار لہجے میں کہا: ''اب تمہارے ساتھ جو ہونے والا ہے، وہ بھی خدا کی مرضی ہوگی۔'' پھر ہلاکو خان نے معتصم کو مخصوص لبادے میں لپیٹ کر گھوڑوں کی ٹاپوں تلے روند ڈالا اور بغداد کو قبرستان بنا ڈالا۔

فرعون، بہادر شاہ ظفر، چاؤشسکو، صدام حسین، کرنل قذافی اور مشرف کے انجام آپ کے سامنے ہیں: ''کم ترکوا من جنات وعیون، وزروع ومقام کریم، ونعمۃ کانوا فیہا فاکہین'' (سورہ دخان: 27,26,25)۔کتنے ہی ایسے باغات، چشمیں، فصلیں، عزت وتکریم کے محلات اور نعمتیں انہوں نے پیچھے چھوڑیں، جن میں وہ مزے اڑاتے تھے۔

مجھ کو بھی جستجو ہے تجھ کو بھی جستجو ہے

لانگ مارچ کے بعد طاہر القادری کا دھرنا ان سطور کی تحریر تک جاری ہے ، بلوچستان حکومت کی برطرفی ، وزیر اعظم کی گرفتاری کا آرڈر، چیرمین نیب کا استعفاء ، صدر کی دبئ روانگی اور عرب اسپرنگ کی آمد جیسے کچھ واقعات اور کچھ افواہیں بعض مبصرین کے یہاں اس تحریک کے برگ وبار ہیں ، ''سیاست نہیں... ریاست بچاؤ'' نعرہ اب معنی خیز لگتا ہے ، مسلح افواج کے عسکری ڈاکٹرائن میں تبدیلی '' بیرونی نہیں اندرونی خطرات'' اس کی واضح غمازی کرتے ہیں ، جمہوریت ہر باشعور شہری کو عزیز تر ہے ،اس کے لئے بے پناہ قربانیاں بھی دی گئی ہیں ، جدید دنیا کے ساتھ ہم آہنگی کیلیے منتخب ادارے لازمی ہیں، ہمارے آس پاس جن ملکوں میں آمریت یا آمریت نما جمہوریت ہے،وہ بھی دسیوں ہزار جانوں کو قربانی کرکے اپنے خودسر حکمرانوں اور ان کی انداز حکمرانی سے جان چھڑانا چاہتے ہیں ،ایسے میں ہمارے یہاں شیڈو پارلیمنٹ ، ٹیکنو کریٹس، قومی حکومت یا بالفاظ صریحانہ فوجی حکمرانی کی طرف نگاہیں آخر کیوں اٹھتی ہیں ؟

آپ خود ہی اپنی اداؤں پہ ذرہ غور کریں
ہم اگر عرض کرینگے تو شکایت ہوگی

حالات کے جبر میں آکر جب کسی صوبائی جمہوری حکومت کو برخاست کرنے کے علاوہ آپ کے پاس کوئی چارہ نہ ہو، توکیا اسی کو مرکز برخاستگی کے لئے کوئی طالع آزماجواز نہیں بنا سکتا؟ لاشوں کے انبار وہاں کب سے لگ رہے تھے، کیا یہ دگرگوں حالات کسی سے پوشیدہ تھے، کیا ہر کسی کو اپنا دکھ درد محسوس کرانے کے لئے اپنے پیاروں کی محترم لاشیں لے کر بچوں، بوڑھوں اور خواتین سمیت کئی کئی دن رات گرمی سردی کا پرواہ کئے بغیر سڑکوں پے دھرنے دینے ہوں گے ؟

ملک کے سربراہ کا ذاتی سیکورٹی چیف جب بھرے بازار میں کسی ٹھیلے والے پر فائرنگ کرے پھر وہ ہسپتال بھاگ کر بے چارے مریضوں میں جاگھسے، اب اگر کوئی شقی القلب اس '' معصوم '' کو وہیں جاکر ڈھیر کردے تورونا کس کا رویاجائے ؟ملک کے سب سے بڑے صوبے کا گورنرتک کو ملک کے کیپیٹل ہی میں علی روٗس الاشہاد گولیوں سے چھلنی کردیا جائے، اور ان کے غمزدہ صاحبزادے کو طویل مدت تک اغواکیاجائے، دونوں دلخراش واقعات پر حکمرانوں کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگے، توایک عام شہری کس سے توقع رکھے ؟

قومی وصوبائی وزراء، زعماء، سیاسی قائدین کے علاوہ فوجی ونیم فوجی دستے علماء اور صحافتی برداری آئے دن خون میں میں لت پت ہوں، ان کی لاشیں بکھری پڑی ہوں اور وزارت داخلہ پر سپریم کورٹ پاکستان کی طرف سے باربار نااہل

شدہ۔براجمان مسخرے دانت دکھاتے ہوئے مزاحیہ انداز میں صرف اتنا کہہ دے کہ یہ ظالمان'' کی کارروائی ہے ، تو نذیر بھٹی ، بشیر بلور، موسیٰ خانخیل ، ولی بابر اور مولانا'' رفیق الخلیل جیسوں کے پسماندگاں کہاں جائے ؟

جس ملک سے امریکی اپنے وہ دہشت گرد شہری جن کا جرم روز روشن کی طرح عیاں ہو، ڈنکے کے چوٹ پر حکام بالاسے ساز باز کرکے لے جائے ، اور اس ملک کی اپنی بیٹی آمرانہ دور کے زمانے سے بے ثبوت گناہ کے جرم میں المناک وکربناک حالت میں قید زنداں کے سپرد ہو ، اس کے بچے تتر بتر اور نامعلوم کردیے گئے ہوں ، ان کی کوئی شنوائی نہ ہو ، انہیں ایسی جمہوریت یا آمریت سے کیا غرض ؟

ملک کے ایک حصے کشمیر میں کنٹرول لائن پر فورسز دشمن کے نشانے پر ہوں، دوسرے حصے گلگت بلتستان میں فرقہ وارانہ آگ بھڑک رہی ہو، تیسرے حصے خیبر پختون خوا میں لاکھوں لوگوں کو پناہ گزین بناکر بھی دہشت گردی جوں کی توں ہو ، ایک جانب ڈرون حملوں میں ملکی خود مختاری داؤ پے لگی ہو ، تو دوسری طرف معصوم جانیں بے رحمانہ وبے دریغ آہن آتش کی زد پر ہوں ، باپردہ خواتین اور ناتواں بچوں کی خون میں رنگین اور اعضاء بریدہ لاشیں سوشل میڈیا میں آئے دن دکھائی جارہی ہوں ،اوپر سے مقامی فورسز کے آپریشن پر آپریشن ہوں اور مزید علاقوں میں اسکی آوازیں ہوں ، انہیں آپ کی سلطانئ جمہور سے کیا فائدہ ؟

چوتھے حصے میں علیحدگی کی تحریکیں چل رہی ہوں، تعصب کی بنیاد پر وہاں سو سو لوگ جان سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہوں، ایرانی زائرین کی بسوں کے پر خچے اڑتے ہیں، وھاں آپ کے نعرے ''جمہوریت بہترین انتقام'' کا کیا معنی ؟

پانچویں حصے میں شریکِ اقتدار پارٹی کے وزراء ہٹ لسٹ پر ہوں، بعض شہید بھی ہو چکے ہوں، ان کے نوجوانوں کی لاشوں کو اٹھا اٹھا کر ان کی مائیں اور بہنیں تھک چکی ہوں، خونی، لسانی، اور تفرقہ بازی کا بازار وہاں گرم ہو، کیا سندھی، کیا مہاجر، کیا پٹھان، کیا بلوچ سب ہی اس آگ کی لپیٹ میں ہوں، حکمرانوں کے پاس اس کا کوئی پائیدار حل نہ ہو، پھر ایسے جمہوری حکمراں کس کام کے ؟

پنجاب میں جان سے مارنے کا اگر مسئلہ نہ بھی ہو، تو جہاں بجلی نہ ہو، گیس نہ ہو، پانی نہ ہو، جسکی وجہ سے بچے صبح ہاتھ منہ دھوئے بغیر چہرے اترے ہوئے اور بال بکھرے ہوئے بے استری لباس میں سکولوں کو رواں دواں ہوں، روزگار نہ ہو، کارخانے بند ہوں، ہسپتالوں میں ہڑتالیں ہوں، تعلیم گاہوں میں تعلیم نہ ہوں اور لیپ ٹاپ کے حقائق جعلی ہوں، رقوم عوام پر خرچ کرنے کے بجائے اسراف کی حد تک سڑکوں اور چوراہوں کی نذر ہوں، جہاں حکمراں محلات اور عوام

جھونپڑں میں ہوں ، ضدی ہوں ، منتقم مزاج ہوں ، مرکز گریزاں ہوں ، رعونت پسند ہوں ، ماضی کو بھول چکے ہوں ، نام کے خادم اعلی ہوں ، اپنے زعم میں وہ ''انا ربکم الاعلی '' کے مصداق ہوں ، مستزادیہ کہ ان کا گورنر کھوسہ ہوں جو گیند مارے تو گیند آگے کو گرے یا نہ گرے وہ خود چاروں خانے چت ضرور گرے ،کیا یہی مثالی جمہوریت ہے،یا نام نہاد جمہوری حکمرانوں کی ناکامی کی ایک مثال۔

جہاں ملک میں بار بار سیاستدانوں کی نا اہلی کو جواز بناکر مارشل لا لگائے جاچکے ہوں، صدر اپنے بچوں کی عظیم ماں کے قاتلوں کو پانچ سال میں بھی پہچان یا گرفتار نہ کرسکے وزیر اعظم صدر کے کرپشن کیس میں کورٹ سے تعاون نہ کرنے پر بر طرف ہو،، دوسرا نامزد بھی ملزم ہو ، تیسرا نیب کو مطلوب ہو، وزیر خارجہ بھاگ کر حزب اختلاف کی صفوں میں شامل ہو، وزیر داخلہ جمہوریت مارچ کرنے والوں کو بچے سمجھ کر طالبان کو ''بَوّ'' بنا رہا ہو، خود سورۃ اخلاص یاد نہ ہو اور علامہ کی ٹوپی لباس کا پتلی تماشہ بن کر مذاق اڑا رہا ہوں ، سفراء بیرون ملک بیٹھ کر اپنے ہی ملکی اداروں کے خلاف سازشوں کے تانے بانے بُن رہے ہوں ، جہاں سب کے سب اہل اقتدار بھی اور اہل اختلاف بھی ہوں ، کسی حزب اختلاف کا کوئی پتہ جب چلتا ہو جب ان کے مخصوص مفادات کا اندیشہ ہو ، کراچی اور اسلام آباد جیسے شہروں تک میں بجلی ناپید ہو، سیاسی پارٹیوں میں انتخابات ڈھونگ ہوں، بین الاقوامی صورت حال دگرگوں ہوں ، سر حدات غیر محفوظ

ہونے کی وجہ سے سیلاب اور جندروٹ جیسے واقعات ہوں، ہر بچہ پیدائشی مقروض ہو، ملکی کرنسی گر رہی ہو، لیکن تجوریوں کے تلاطم میں اضافہ ہو، یہ ''مشتے از خروارے'' اور اس طرح کے بے شمار ناگفتہ بہ حالات ہوں، تب بھی ہم تو جمہوریت ہی چاہتے ہیں لیکن مکافاتِ عمل کے قانونِ فطرت کے تحت اوپر والے ہاتفِ غیبی منادی کر رہے ہیں۔

:

بے چین تو زمیں پر، مضطرب میں آسماں پر
تجھ کو بھی جستجو ہے، مجھ کو بھی جستجو ہے

امام اہل سنت حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰن نور اللہ مرقدہ

کسی شاعر نے کہا ہے۔

یادوں کے پھول سوکھ نہ جائیں اسی لئے
آنکھوں کو اشک بار کیا ہے کبھی کبھی

آج جس نابغہ روزگار ہستی کے ذکرِ مشک بار سے آنکھیں اشکبار کرنی ہیں وہ ہے حضرت مفتی احمد الرحمٰن کی شخصیت۔

جامعہ دار العلوم کراچی کے مرکز امتحان کا جائزہ لے کر ہم جامعہ فاروقیہ کراچی کی طرف آرہے تھے، عظیم پورہ اور شرافی گوٹھ کے درمیان موجودہ عظیم الشان پل سے پہلے کچا راستہ تھا، جو گھنے جنگلات اور باغات میں گھرا ہوا تھا، دیہات کیطرح یہاں چھپر ہوٹل، تازہ سبزیوں کی دکانیں اور ٹھیلوں پر تروتازہ قسم قسم کے پھل فروٹ اور میوے سجے سجائے گذرنے والوں کو اپنی طرف راغب کرتے، حضرت مفتی جمیل خان مرحوم کے پاس ان دنوں ایک ہائی روف تھی، وہ ڈرائیونگ میں مصروف تھے، راقم الحروف حضرت امام اہلسنت کے ساتھ وفاق کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے امتحانات کے مختلف امور پر گفتگو کر رہا تھا، جسمیں زیادہ تر نظم امتحان کے متعلق کارگذاری کا بیان تھا، حضرت ناظم اعلیٰ صاحب مرحوم نے اس دوران مفتی جمیل خان صاحب کو روکنے کا اشارہ

فرمایا اور مجھ سے فرمانے لگے : ولی خان وہ ٹھیلے والے کو دیکھو، میں نے کہا، حضرت جی تازہ تازہ پھل، فرمایا: بیر لے آؤ، اور سنو اچھے خاصے لے آؤ، گاڑی میں بھی رکھ لینگے، آرام سے کھائینگے، یہ مجھے بہت پسند ہیں، میں نے دوڑ کر ڈھیر سارے بیر لئے اور ہم کھاتے ہوئے جامعہ فاروقیہ آگئے، پھر دیگر سینٹروں میں بھی گئے، اور دوپہر کا کھانا بنوری ٹاؤن میں امتحانی عملہ کے ساتھ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر تناول فرمایا، خود تو زیادہ نہیں لیتے تھے، مگر خدام کو کبھی دستر خوان کی ایک طرف کبھی دوسری طرف مہمانوں کی طرف بار بار متوجہ فرمارہے تھے، امتحان کے حوالے سے ان سے گفت وشنید بھی ہو رہی تھی، آخر میں راقم، مفتی جمیل خان مرحوم اور مولانا امداداللہ صاحب کو امتحان کے دنوں میں چوکس رہنے کی تلقین فرمائی اور گھر تشریف لے گئے۔

میں جب بھی ان کے پاس آتا ایسا لگتا تھا کہ کہیں دور دراز کے شہر سے آیا ہوں، بہت مفصل خیریت دریافت فرماتے، شفقتوں سے نوازتے اور اپنائیت کا وہ احساس دلاتے کہ جیسے لمبے عرصے کا مسافر بہت دنوں بعد اپنے گھر لوٹ آئے، حضرت شیخ صدر وفاق اور جامعہ فاروقیہ کے بارے میں بھی کئی بار پوچھتے، اور ہر بات پر سبحان اللہ، الحمد للہ ماشاء اللہ، کے الفاظ سے خوشی ومسرت کا اظہار فرماتے۔۔

یہ سب کچھ کیوں نہ ہوتا، آخر وہ حضرت مولانا عبد الرحمٰن کامل پوری کے ایک ہونہار اور لائق فائق فرزند تھے، اپنی ذات میں، ظاہری باطنی، ، روحانی جسمانی محاسن وکمالات کے جامع تھے، قرآن وسنت کے دارس، مدرس، محقق، اورماہر تھے، حضرت العلامۃ بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور جامعہ العلوم الاسلامیہ، بنوری ٹاؤن کی عظیم نسبتوں کے امین تھے، علماء کے سرمایہ افتخار واعتزاز وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ، جمعیت علمائے اسلام پاکستان کے سرپرست دنیا بھر کے فضلائے بنوری ٹاؤن کی امیدوں کے چراغ اور امام اہل سنت تھے، علامہ بنوری قدس سرہ جب انہیں اپنا مسند نشین مقرر فرماتے ہیں تو کیا کچھ رقمطراز ہیں، ذرا ملاحظہ ہو:

”بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفی، اما بعد، عرصہ دراز سے خیال تھا، کہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کے مشاغل وخدمات روز افزوں ہیں، اور میری مصروفیت، ضعف وپیرانہ سالی بھی روزافزوں ہے۔ ضرورت تھی کہ ایسا شخص میرا نائب ہو، جس میں حسب ذیل خصوصیات ہوں:

(۱) پختہ عالم ہو، تدریس اور طلبہ کا تجربہ رکھتا ہو (۲) علم کے ساتھ تدبر اوراخلاص سے معمور ہو (۳) سنجیدہ، حلیم اور بردبار ہو، شعلہ مزاجی اور جلد بازی سے محفوظ ہو (۴) مدرسہ عربیہ اسلامیہ سے گرویدگی اور شدید قلبی تعلق ہو، اپنی زندگی کا سب سے اہم مشغلہ مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی خدمات سمجھتا ہواور ہرکام پر مدرسہ عربیہ اسلامیہ کو ترجیح دیتا ہو۔

کافی عرصہ غور و خوض کرکے اور تمام رفقائے کار کی صلاحیتوں کے ملاحظہ کے بعد اس کام کے لئے موجودہ احوال میں .برادرم عزیزم مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب خلف الرشید مرحوم حضرت عبد الرحمٰن کامل پوری ، صدر مدرس جامعہ مظاہر العلوم سہار نپور رحمۃ اللہ سے بہتر اور کوئی نظر نہیں آیا ،اس لئے توکلاً علی اللہ اس خدمت کے لئے موصوف کا انتخاب عمل میں لایاگیا۔ استخارہ اور مشورہ کے بعد یہ فیصلہ کیا گیا اور تمام اساتذہ کو اسکی اطلاع کردی گئی ،الحمد للہ سب نے اتفاق کیا اور خوشی و مسرت کا اظہار کیا ، نیز عزیز موصوف سے کہا گیا کہ اپنی زندگی کو مدرسہ عربیہ اسلامیہ کی خدمت کے لئے وقف کرنی ہوگی اور جمعیت علمائے اسلام پاکستان کی رکنیت سے استعفاء دینا ہوگا ، تاکہ مدرسہ کے کسی ذمہ دار شخص کو سیاسی امور حاضرہ سے کوئی تعلق فکری ، ذہنی اور عملی نہ ہو ،اللہ تعالی اس انتخاب کو مبارک کرے۔

میری غیر موجودگی۔ حیاً ومیتاً۔ میں میرے تمام تصرفات واختیارات ان کو حاصل ہوں گے ،اور مدرسہ وغیرھا کے میری تمام چیک بکوں پر دستخط ان کو کرنے ہوں گے ،

میرے اعزازی دو معاونین مولانا محمد اسمٰعیل بھام جی اور جناب میر عالم خان لغاری کو بدستور محولہ فرائض انجام دینے ہوں گے ،البتہ ان (مفتی صاحب) کا مشورہ لیتے رہینگے ، تمام اساتذہ کو اس کی اطلاع دی جاتی ہے۔

محمد یوسف بنوری عفااللہ عنہ ۲۵ ربیع الثانی ۱۳۹۶ھ /۲۶ اپریل ۱۹۷۶ء تایید ودستخط کنندان : مفتی احمد الرحمٰن ، مولانا معاذ الرحمٰن ، مولانا رضاء الحق ، مولانا مولی بخش ، مفتی محمد شاہد ، مولانا محمد یوسف ، مفتی عبد اللہ ، مولانا محمد اسحاق سندیلوی ، مولانا عبد القیوم ، مولانا سید مصباح اللہ شاہ ، مولانا محمد ادریس میرٹھی ، مولانا محمد اسمٰعیل ، مولانا عبدالرزاق سکندر ، مولانا محمد داؤد ، مولانا بدیع الزمان ، قاری عبد الحق ، جناب میر عالم خان لغاری ، مولانا عبدالحکیم ، قاری مفتاح اللہ ، مولانا محمد انور بدخشانی ، مولانا حبیب اللہ مختار ، مولانا محمد سواتی ، مولانا محمد ولی درویش ''۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگایئے کہ حضرت بنوری صاحب قدس سرہ کا اعتماد وانتخاب اور وہ بھی کن تاریخی اور سندی القاب والفاظ کے ساتھ ، پھر ذیل دستخطی حضرات مشائخ کی کلی تایید وتاکید، کیا کسی عالم دین اور پیشوائے امت کیلئے اپنے اکابر واسلاف اور معاصرین ورفقائے کار عباقرہ علم کی اس سند اور شہادۃ سے کوئی بڑا سرمایہ افتخار ممکن ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ انہیں جوانی ہی میں امامت ، سیادت اور قیادت پر فائز کر دیا گیا تھا، لوگ فرزدق کا آنے والا مشہور شعر ہر جگہ منطبق کرتے نہیں تھکتے ،حالانکہ وہ اگر کہیں صحیح معنوں میں کسی مقام یا شخصیت پر جچتا ہے ، تو وہ یہی ہے : اولائک آبائی

فجئنی بمثلھم : اذا جمعتنا یا جریر المجامع

یہ ہیں میرے آباء واجداد، پس لائیے ان کی کوئی مثال برائے فخر، جب ہم قوم کے اجتماعات میں جمع ہوں۔

نیز قصیدے میں تھوڑا سا آگے چل کر وہ جریر کو مزید چیلنج کرتے ہوئے کہتے ہیں :

واین الوجوہ الواضحات عشیۃ۔۔ علی الباب، والأیدی الطوال النوافع

ارے جریر تم کہاں سے لاؤگے وہ منور، روشن، مبارک، اور مقدس چہرے جن کے سخی نفع رساں اور خیرات وانعامات تقسیم کرنے والے ہاتھ شام کے اوقات میں جب وہ، دروازوں پر دراز ہوں۔

حضرت مفتی احمد الرحمٰن مرحوم ومغفور نے اپنے شیخ کے مشن اور فکر ونظر کو کتنا آگے بڑھایا اور اس میں کس حد تک کامیاب ہوئے، یہ آپ جامعہ بنوری ٹاؤن کی تاریخ سے واقف خواص وعوام سے پوچھ سکتے ہیں، انہوں نے ایک ادارے کو ایک ایسے تحریکی نیٹ ورک میں تبدیل کر دیا کہ دیکھتے ہی دیکھتے اس ادارے کی کئی شاخیں کراچی شہر، ملک اور پورے عالم میں متعدد حوالوں سے آگے نکل گئیں، لیکن تمام کے تمام مرکز سے وابستہ وپیوستہ، کئی شاخوں کو مستقل

ادارے قرار دے کر وہاں کے منتظمین کو ترقی دے کر بالاستقلال مہتممین بنادیا، اور کمال یہ ہے کہ اپنا دست تعاون کبھی بھی ان سے نہیں کھینچا، بلکہ ان کی سرپرستی ومعاونت بالتسلسل تاحیات فرماتے رہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ناظم اعلیٰ کی حیثیت سے حضرت صدر وفاق کے ساتھ مل کر متوسطات کا نیا نظام ونصاب متعارف کروایا، سابق ناظم امتحانات مفتی محمد انور شاہ صاحب سے مسلسل رابطہ اور مولانا امداداللہ کو اپنا معاون بناکر شب وروز وفاق کی فعالیت، تنظیم اورتاثیر ودائرہ کار کو حکمت، حسن، تدبیر وتدبر، اور انتھائی جانفشانی سے ترقی کی راہوں پر گامزن کیا، انکی آمد سے جہاں وفاق کو تقویت ملی وہاں صدر وفاق کی پرعزم اور ولولہ انگیز قیادت کو مہمیز اور نصاب ونظام کے حوالوں سے اعتماد ومساعدت میسر آئی، ان کے دور نظامت علیا میں وفاق ہر لحاظ سے ایک مٹھی کی طرح متحد، منظم، فعال اور سرگرم عمل رہاجو آج بھی صدر وفاق کی دانش مندی حزم واحتیاط، اکابر و اصاغر کے اعتماد اوران کی بے انتہاء بصیرت کی وجہ سے روبترقی ہے۔

لیکن اس حقیقت کے تسلیم کرنے میں کوئی دورائے ممکن نہیں کہ نظامت علیاپران کی طرح ہر لحاظ سے متفق علیہ شخصیت صرف ان ہی کی تھی۔

ان کا سب سے بڑا وصف یہ تھا کہ میدان عمل میں رہ کر، دین کے ہر شعبے میں جوہر دکھا کر اور باطل کی سرکوبی اور شکست وریخت کا ساماں کرکے بھی وہ اہل حق اور علماء ربانیین کے یہاں ہمیشہ کیلئے غیر متنازع رہے، ان کی ذات، ان کے افکار و نظریات، ان کے دائرہ عمل کی سرگرمیوں اور نشاطات پر کہیں سے بھی انگلی نہیں اٹھائی گئی۔

انھوں نے انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام کے نقش قدم پر چلتے ہوئے رجال کار کی تیاری پر خوب خوب توجہ دی، چنانچہ انھوں نے تلامذہ، وابستگان جامعہ اور ہر میدان کیلئے اپنی نظر ثاقب سے ایسے ایسے حضرات کا انتخاب ونامزدگی فرمائی، کہ رہتی دنیا ان کے علوم ومعارف، جہود ومساعی اور فکر ونظر سے تا قیامت مستفید ہوتی رہیگی، اور امت ان کے نقش پا کو اپنی لئے سنگ میل اور راھنما خطوط تصور کریگی۔

اداروں اور شعبوں پر ان کی ایسی دوررس نگاہ پڑتی تھی، کہ ذرہ ذرہ اشارے سے وہ ادارے اور شعبے نئی زندگی اور حیات جاوداں پاتے تھے، جامعہ بنوری ٹاؤن آج اہل دیوبند وعلمائے حق اور پوری امت کا ایک علمی قبلہ ہے، تو اس میں حضرت بنوری قدس سرہ کے بعد بلاشبہ امام اہل سنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن صاحب نور اللہ مرقدہ کا سب سے بڑا اور زرین کردار ہے۔

اپنے شیخ کے اعتماد پر پورا پورا اترنے اور وفاداری بشرط استواری کی وہ لازوال مثال قائم کردی کہ تا قیامت ان کے پہلو ہی میں جاکر دم لیا۔

۔۔ ان کی حیات مستعار پر اردو، عربی اور انگریزی میں پی ایچ ڈی لیول کے ایک ضخیم اور مفصل مقالے کی ضرورت ہے۔اس حوالے سے ان کی خاندانی، علاقائی تاریخی پس منظر، حصول تعلیم، درس وتدریس، اسفار ورحلات حضرت بنوری کی جانشینی اور جامعہ کا اہتمام، جمعیت علمائے اسلام کی امارت، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نظامت علیا، امامت وخطابت، مشیختِ تصوف وسلوک، دینی تحریکات وتنظیمات کی سرپرستی، طلبہ، اساتذہ اور علماء کی تربیت، عربی اردو تقاریر ومحاضرات، باطل کا علمی، عملی، میدانی، اور قلمی تعاقب، تحریرات ومقالات، مدارس ومراکز دینیہ کی تاسیس وقیام، عالم اسلام اور امت کیلئے ہمہ جہتی غم وفکر، ملک وملت کیلئے خدمات، مشاہیر کے نام اور ان کی طرف سے ان کے نام مکاتیب، عربی کلاسوں کی ترویج وترقی کیلئے منصوبہ بندی، عربی اردو اور فارسی ادب میں ان کی عبقریت وکمال، وسعت فکری، اتحاد امت، رفاہی خدمات، یکسوئی، زہد وقناعت۔ قلندری میں پادشاہی سفر آخرت، علماء شعراء، حکام اور میڈیا کا خراج عقیدت، پس ماندہ وپسماندگان جیسے عنوانات پر آسانی سے قلم اٹھایا جاسکتا ہے۔تاکہ جن نوجوان علمائے کرام نے انہیں دیکھا، ان سے شرف باریابی حاصل نہ کرسکے، کم از کم

ان کی سیرت و کردار کو پڑھکر اس کی روشنی میں اپنے مستقبل کی راہیں متعین کر سکیں،
.برادرم صاحبزادہ عزیز الرحمٰن رحمانی اور جامعہ بنوری ٹاؤن کے منتظمین کو (ھل جزاء الاحسان الاالاحسان)مد نظر رکھکر جلد سے جلد اس کام پر توجہ دینے کی ضرورت ہے۔

حضرت مفتی صاحب کے حوالے سے مجھ جیسے طالب علم کے ان چند بے نظم کلمات کامقصد فقط ان سے اپنی والہانہ عقیدت کااظہار ہے ورنہ ان کی شخصیت ہماری مدح سرائی سے بالاتر ہے کہ بقول عرب شاعرابونواس:

اذانحن أثنینا علیک بصالح

فانت کما تثنی وفوق الذی تثنی

جب کبھی ہم آپ کی مدح سرائی کرتے ہیں توآپ ایسے ہی ہوتے ہیں (جیسے ہم نے کہا) اوراس سے کہیں بڑھ کر۔

امام الحرم شیخ سُبَیل کا سانحۂ ارتحال

18دسمبر کو بعد نماز عصر مسجد حرام کا منظر نہایت عجیب وغریب تھا، معہد الحرم المکی کے طلبہ ،اساتذہ، حرم کے ائمہ ،مؤذنین ، خطباء ، سعودی شہزادے ،باشندگان مکۃ المکرمہ ،مدینہ منورہ،جدہ ،ریاض ،طائف ،دمام ،بریدہ، قصیم اور عالم عرب کے اطراف واکناف سے آئے ہوئے علماء، مشائخ اور سرکاری وفود، نیز ساتوں براعظم کے معتمرین وزائرین آج اس شخصیت کا جنازہ لئے جارہے تھے ،جنھوں نے ۴۲برس سے زائد اسی حرم میں ہزاروں مسلمانوں کے جنازے پڑھائے تھے ،لاکھوں کی امامت کرائی تھی اور کروڑوں کے اذھان کو اپنے معتدل ،پرکشش اور رقت انگیز خطبات سے معطر ومنوّر کیا تھا،جو نصف صدی سے روئے زمین پر سب سے قدیم ترین، مقدس ترین اور افضل ترین خانۂ خدا کے ساتھ یک جان دو قالب کے مانند تھا، میری ان سے ملاقات تھی ، بہت بڑے سخی، علم دوست ، غریب پرور اور مہمان نواز تھے ،جب بھی انہیں دیکھا عربی چوغے ہی میں دیکھا،آج بھی ان کا جسدِ مبارک ان کے اسی چوغے میں لپٹا ہوا تھا، ٹھاٹھیے مارتے ہوئے سمندر میں ادب واحترام کی وجہ سے دھکم پیل نہ شور وغل تھا، وقار، سکون اور طمانیت کا تلاطم خیز بحرِ زخار دیکھکر پردۂ خیال پر یہ شعر بار بار نمایاں ہورہا تھا:

کہہ رہاہے شور دریاسے سمندر کا سکون جس کا جتنا ظرف ہے وہ اتنا ہی خاموش ہے

چلاؤ گھیراؤ، آہ وبکاء ، گریہ وزاری کا نام ونشان نہیں تھا، بس سب کا وِردِزبان تھا: (اِنّا للہ وَاِنااِلیہِ راجِعون) ۔کاش ہمارے یہاں کے مسلمان بھی غمی خوشی میں اغیار کے بجائے اپنے دینی وروحانی مراکز حرمین شریفین اور مسجد اقصی کو فالو کریں ، جس میں ان کو قلبی اطمینان ، فکری ونظریاتی استقامت اور دنیا وآخرت کی کامیابی نصیب ہوگی۔

شیخ محمد بن عبد اللہ السبیل ۱۹۲۴ کو قصیم میں پیدا ہوئے تھے ، ابتدائی بنیادی تعلیم اور تحفیظ وتجوید کے مراحل 14 سال کی عمر میں طے کیے،علوم عالیہ کیلئے بلادِ عرب کے مختلف اور دور دراز شہروں کے اسفار کئے ، تفسیر ، حدیث ، فقہ ، عربی ادب اور علم القراء ات میں پائے کے مشائخ سے کسب فیض کیا ، بچپن سے فراغت تک جہاں جہاں رہے اوقات نماز میں اذان دینے کی ذمہ داری خود لیتے ،اخلاص اور عشق ومحبت سے معمور قلب وجگر سے جب ان کی آواز اٹھتی تو سنائی کے حدود تک وہ خطہ بقعۂ نور بن جاتا، اسی لئے برسوں تک حرم میں امام وخطیب رہنے کے باوجود اپنے تمام تر قریبی لوگوں میں وہ مؤذن صاحب سے مشہور تھے۔

1953 سے 1965 تک سعودی عرب کے مشہور شہر بُریدہ کے المعہد العلمی کے نگراں

وروح رواں رہے،1965 سے 1985 تک مسجد حرام کے امام وخطیب اور شعبۂ دینیات ومدرسین کے سربراہ رہے، 81 میں ترقی کرکے دونوں حرموں مکہ ومدینہ کے معاملات کے مسؤل یعنی شاہی فرمان کے مطابق رئیس شؤن الحرمین الشرفین بنائے گئے، انتظامی امور کے ساتھ ساتھ حرم مکی کی ایک دونمازوں کی امامت اور مہینے میں ایک دومرتبہ امامت وخطابت جمعہ کے فرائض بھی انجام دیتے۔

مسجد نبوی میں شیخ علی الحذیفی ،اور مسجد حرام میں شیخ شُریم، شیخ سدیس کی طرح شیخ سبیل کے ایک صاحبزادے شیخ عمر سبیل نے بھی کافی شہرت پائی تھی ،مگر روڈ حادثے میں وہ آج سے دس بارہ سال قبل وفات پاگئے تھے۔

شاہ فیصل ،شاہ خالد، شاہ فہد اور موجودہ شاہ عبداللہ چار بادشاہوں کے ادوار میں وہ امام الحرم اور امام المسلمین رہے،ان ادوار میں یہاں حرم پر قبضے اور بعض ممالک کے حجاج کی طرف سے تقدس حرم سے ناموافق حالات بھی پیش آئے مگران کی بصیرت دانشمندی اور معاملہ فہمی نے ہمیشہ ان ناساعد حالات میں بھی انہیں سرخ رُو کیا۔

وہ اسلامی عربی علوم کے ساتھ ساتھ عصر حاضر کے ضروری علم بھی رکھتے تھے ،متعدد تصنیفات بھی کی ہیں ،ان کی خطباتِ حرم پر مشتمل دیوان الخُطب

دنیا بھر کے ائمہ وخطباء میں مشہور ہے۔ 88 سال کی عمر میں 17 دسمبر 2012ء کو ان کا انتقال ہوا، حرم میں چالیس سال سے زائد انھوں نے امت اور انسانیت کی فلاح و بہبود کیلئے رو رو کر جو دعائیں کیں ہیں، اللہ تعالی انہیں سب سے پہلے ان کے حق میں وہ قبول فرمائیں، انہیں کروٹ کروٹ جنت الفردوس نصیب فرمائیں اور ان کے پسماندگان وجمیع مسلمانوں کو صبر و تحمل عطا فرمائیں۔

کچھ فارغ التحصیل فضلاء کی خدمت میں

دینی مدارس میں تعلیمی سال اپنے اختتام کے قریب ہے اور طالب کیلئے آغاز اور اختتام سال نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے ان دو مواقع پر اگر اس کا حس بیدار ہو اور وہ اپنے اہداف و اغراض کی تعیین اور استحضار کرے تو اس کے دور رس اثرات سے نہ صرف وہ بلکہ پورا معاشرہ مستفید ہو سکتا ہے خصوصا فارغ التحصیل ہونے والے حضرات کو اگر اپنی حساس حیثیت اور بھاری ذمہ داریوں کا احساس ہو تو وہ کس قدر مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور بصورت دیگر یہ کتنا بڑا المیہ ہوتا ہے اہل نظر کو اس کا بخوبی ادراک ہے ۔

بڑی جامعات میں گذشتہ ایک عرصے سے یہ ریت چلی ہے کہ فراغت حاصل کرنے والے طلبہ تمام شرکاء درس کے ایڈیسز کچھ اساتذہ کے تاثرات اور کچھ اپنے کتابی شکل میں شائع کرتے ہیں مجھ سے ساتھیوں نے کچھ لکھنے کیلئے کہا تو میں نے لکھا :

احمد اللہ العظیم واصلی واسلم علی رسولہ الکریم

میرے عزیز طالب علم ساتھیو !

طالب علمی کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد آج آپ اپنی زندگی کے ایک اہم دوراہے پہ کھڑے ہیں ،آپ کی تعلیم رسمی طور پر پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی اور دستار فضیلت آپ کے سروں پر بندھ گئی، فھنیئاً لکم واَبشرُوا باَحسن ما عنداللہ تعالی ! اس موقع پہ یقینا آپ کا دل خوشی سے معمور ،آپ کا دماغ فرط افتخار سے مخمور اورآپ کے جذبات واحساسات محوِ پرواز رفعت ہوں گے۔آپ میں سے بہت سوں کو تو اپنے سروں اور کندھوں سے ایک بوجھ سا اترتا محسوس ہوگا، اور وہ اپنے آپ سے یوں سرگوشی کررہے ہوں گے کہ بہت ہو گئی یار، اب آؤ ! ذرا ستایئں، ذرا خوش منظر کائنات کا کھل کر نظارہ کریں، کچھ اس سہانے ماحول اور پر فضا موسم سے محظوظ ہوں، اور اس برسوں کے تھکن وماندگی کے بعد عیش وطرب کے چند لمحے گذار دیں پھر کچھ کریں گے ......اور آپ ہی میں سے یقینا کچھ ایسے بھی ہوں گے جو ہموم وافکار میں گھرے ہوں گے، انہیں یا تو اپنی محرومی اور بے بضاعتی کا احساس سوہان روح بن کر پریشان کر رہا ہوگا ،اور یا پھر فکر معاش اور غم روزگار ان کے اعصاب پر سوار ہوگا، اور وہ اس سوچ میں ہوں گے کہ اب عملی زندگی میں داخل ہو رہے ہیں تو کس ذریعہ معاش کو اختیار کیا جائے ،اور نان جویں کیلئے کس راہ کا انتخاب کیا جائے ......؟

میرے دوستو ! یقین جانیئے یہی وہ مقام ہے جہاں آپ کی زندگی کی تشکیل جدید ہوتی ہے ،اس موقعہ پہ آپ کی حیات وممات کا فیصلہ ہوتا ہے ،اور یہی وقت آپ

کے روشن یا تاریک مستقبل کیلئے فیصلہ کن گھڑی کی حیثیت رکھتا ہے، آج گویا زمانہ آپ کو خبر دار کر رہا ہے کہ "فیصلہ تیرا تیرے ہاتھوں میں ہے دل یا شکم"۔

لہذا پہلی بات تو یہ یاد رکھو کہ آج آپ عملی زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں مگر آپ کی علمی بلکہ تعلیمی زندگی کا خاتمہ نہیں ہونا چاہئے، آپ کی "طالب علمی" بھلے ختم ہو مگر تعلیم بدستور جاری رہنا چاہئے، اور جب تک آپ باضابطہ پڑھ سکیں ضرور پڑھیں، اور اگر آپ کے حالات آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتے تو کتاب بینی اور کتاب خوانی کی عادت کم از کم نہیں چھوٹنی چاہیے۔

دوسری بات یہ کی بعد از فراغت آپ کا پہلا قدم ہی آپ کے مستقبل کا رخ متعین کرے گا، اس واسطے آپ "پہلا قدم" خوب سوچ سمجھ کر درست سمت میں اٹھائیں۔ اور مادے کو روح پر، دنیا کو دین پر ترجیح دینے کے خطرناک اقدام سے بچیں؛ کیوں کہ آپ کو مدرسے میں اول وآخر یہی سبق پڑھایا گیا کہ زندگی کے اس دلدل میں آپ کا معیار "فاظفر بذات الدین" والا ہونا چاہئے۔

تیسری بات یہ کہ خوب غور وخوض سے اپنے آپ کا جائزہ لیں اور اپنی استعداد اور مزاج کو پرکھ کر اپنے لئے دین کے کسی ایک شعبے کا انتخاب کریں، اور پھر اپنے وسائل ذرائع اور صلاحیتوں کو اس کیلئے وقف کردیں، ہر لائن میں قسمت،

آزمائی کرنے سے آپ ضائع ہو جائیں گے اور آپ کی خدمت سطحی اور غیر مؤثر رہیگی

۔

چوتھی بات یہ کہ تعقل، سمجھداری، مشاورت اور عواقب اندیشی کو زاد راہ بنائیں اور تفرد، تشتت، توغل اور تصنع سے اجتناب کریں اور یاد رکھیں کہ دین کے ساتھ جذباتی وابستگی کافی نہیں، نظری اور نظریاتی رشتہ ہی آپ کے حسن عاقبت کا ضامن بن سکتا ہے۔

پانچویں بات یہ کہ اعمال صالحہ کے التزام اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کا اہتمام کریں ؛کیوں کہ علم (دانستن) فی نفسہ کوئی خوبی کی بات نہیں ہے، مستشرقین بعض دفعہ تحقیق وتدقیق میں مسلمان اہل علم سے بھی آگے نکل جاتے ہیں مگر یہ علم ان کو فائدہ نہیں دیگا۔

چھٹی بات یہ کہ معاملات میں خود بھی کوتاہی نہ کریں اور دوسروں سے بھی ناجائز رعایت نہ برتیں کہ معاملات میں ہی انسان کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے اور اسمیں بڑے بڑے زہاد وعباد بسا اوقات پھسل جاتے ہیں۔

ساتویں بات یہ کہ اسلام کے اور امت مسلمہ کے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچانے والا کوئی کام ہرگز نہ کریں۔

آٹھویں بات یہ کہ کسی اللہ والے سے رابطہ رکھیں، ان سے اصلاحی تعلق جوڑیں ورنہ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے آرزو ہی آرزو میں زندگی گذر جائیگی۔
نویں بات یہ کہ دین کا صحیح فہم پیدا کرنے کیلئے ہمیشہ فکر مند اور مصروف عمل رہیں، اور اس سے کبھی مستغنی نہ ہوں، طفلانہ تصورات اور روایات ہی سے چمٹے رہنے سے ایک عالم کی شان بہت بلند اور ماوراء ہے، تاہم شتر بے مہار کیطرح اصول دین اور مسلمات میں عقل کے گھوڑے نہ دوڑائیں بلکہ تحقیق طلب امور کو پہچانیں ،اور صحیح مصرف میں اپنی ذہن اور عقلی صلاحیتیں استعمال میں لائیں، تحقیق وتدبر کیلئے میدان کے انتخاب میں بڑوں بڑوں نے ٹھوکریں کھائیں ہیں اور یہی سے ان کی بے راہ روی کا آغاز ہوا ہے۔
دسویں بات یہ کہ خود اعتمادی، استقامت اور پختگی سے اپنے مشن پر کار بند رہیں کہ حیات جاودانی مردان باہمت ہی کے قدم چومتی ہے۔
اسأل اللہ العظیم ان یوفقنی وایاکم لمایحب ویرضی۔ آمین

کاش، تبدیلی انسانی ضمیر کی ہو

حالیہ انتخابات میں بطور خاص عمران خان اور عام طور پر تمام سیاسی رہنماؤں نے تبدیلی کا نعرہ لگایا، عالم عربی میں بھی پچھلے دو برس سے تبدیلی کے نام پر کئی ملکوں میں حکومتیں تبدیل ہوئیں ، بعض میں تاحال اس حوالے سے خونریز جد وجہد جاری ہے، اور بعض دیگر میں سیاسی قیادتیں اس کے لئے پر تول رہی ہیں ۔۔۔ امریکہ ،روس ،چین ،فرانس اور ایران کے انقلابات تاریخ میں بہت مشہور ہوئے، لیکن حقیقی تبدیلی یاانقلاب حکومتوں کی برخاستگیوں سے نہیں آیا کرتے ،اگرچہ کچھ عرصہ تک کے لئے چہرے اورنعرے بدل جاتے ہیں ،مگرمعاشروں میں ظلم ،انتہا پسندی ، رشوت، سفارش ، غربت وغیرہ کی بیماریوں کا علاج نہیں ہوپاتا، اس لئے وہی انقلابی عوام اور تبدیلی چاہنے والے نوجوان ایک قلیل مدت کے بعد پھر سے مایوسی کے عالم میں اٹھ کھڑے ہوتے ہیں ، اور شعلہ بداماں بن کر حکومتی ایوانوں کو جلادینے، بھسم کرنے اور خاک وخون میں ملادینے کے لئے سر بکف نکل پڑتے ہیں ، عوام کے غیظ وغضب سے بدحواس ہوکر نظام ہائے حکومت پھر سے گر بھی جاتے ہیں ،نئے چہرے اور مہرے تختِ اقتدار پر براجمان بھی ہوجاتے ہیں ،مگر حقیقی تبدیلی پھر بھی نہیں آتی، آخر وجہ کیا ہے؟

اگر بنظر غائر دیکھا جائے ،تو بڑی آسانی سے معلوم ہوگا کہ تبدیلیاں جو کائنات میں آتی ہیں، وہ خالق کائنات کی پیدا کردہ فطری نظام کا حصہ ہیں،انسان اپنی طبیعت میں جدت پسند اور عجلت پسند واقع ہوا ہے ۔ کسی بھی معاشرے میں جب زمان ومکان کی جدت اور تغیر کے باوجود تبدیلی کے بجائے جمود آجاتا ہے ، وہاں گھٹن پیدا ہوجاتی ہے، عام طور پر یہی گھٹن انسانی سوسائٹی میں انقلاب کا سبب بنتی ہے ۔ اگر انقلاب اسی گھٹن کے رد عمل میں آیا ہے، تو اس سے ترقی کہنا ہماری کم فہمی ہوتی ہے، ہاں اس سے اتنا ضرور ہوجاتا ہے کہ تنگی اور حبس کے بجائے آبادیوں میں ارتعاش آجاتا ہے، جو یک گونہ تفریح طبع ،اور سکون کا ''بادل چھٹنے تک'' باعث بنجاتا ہے، اسکے بعد وہی تاریکی ، ظلم وظلمت ، ناانصافی ، حقوق کی پامالی ، تکبر ، عناد ، لاقانونیت اور خون ریزی ۔

حقیقی تبدیلی ایک مثبت عمل ہے ،رد عمل نہیں ، جو انسان کے اندر فکر ونظر کی تبدیلی سے آتی ہے، جب تک قلب وجگر اور سوچ ودماغ میں انقلاب نہیں آئے گا، زبانی جمع خرچ سے اس کی توقع رکھنا عبث اور بے کار ہے، خالق کائنات نے اسی راز کو طشت ازبام کرنے کے لئے فرمایا: '' کہ اللہ تعالی کسی قوم میں تبدیلی اس وقت تک نہیں لاتے جب تک وہ خود دل ودماغ کے اعتبار سے متبدل ومتغیر ہونا نہیں چاہتی ہو'' ،اس نکتہ کو جو رہنما سمجھے اور اپنے اندر انسانیت کی فلاح

وبہبود کے لئے سوچ کا انقلاب برپا کردے، وہ اس لائق ہے کہ اپنی عوام سے بانگ دھل کہہ دے، میں نے خود کو یوں بدلا ہے، تم لوگ بھی اسی طرح اپنے آپ کو بدلو۔ پیغمبروں کی سیرتیں اپنی اقوام کے لئے آخر کیوں نمونہ، اسوہ، اور قدوہ ہوتی ہیں، کہ انہوں نے سب سے پہلے تبدیلی کا آغاز اپنی مبارک ذات سے کیا ہوتا ہے، چناں چہ یہ ایک پیانہ ہے، اب تبدیلی چاہنے والے اپنے آپ اور اپنے زعماء کو اس کسوٹی پر پرکھیں اگر وہ اس پر پورا اترتے ہوں، تب تو وہ نئے پن کے نعرے لگائیں، ورنہ دھوکہ، کھائینگے۔

موجودہ دنیا میں جہاں جہاں ترقی ہے، اسے ہمارے یہاں کے نوجوان دیکھ کر اور سن کر اسی طرح کی ترقی وارتقاء کیلئے آپے سے باہر ہو جاتے ہیں، انہیں یہ سمجھنا چاہئے کہ بنیادی چیز فکر و نظر ہے، عمل اور انتظام وانصرام اس کے ثمرات ہیں، فکر و نظر میں پختگی کے لئے ملکوں، خطوں اور معاشروں کو بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں، اور طویل جدوجہد کرنی ہوتی ہے، اسی لئے کہا ہے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

ہمارے یہاں آپ کو مسجد کے ممبر و محراب سے لے کر پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا تک میں کہاں فکری استحکام نظر آتا ہے، ہمارے سیاستدانوں میں مفکرین کتنے ہیں، تھنک ٹینک کا تو نام ہی ہمارے یہاں اجنبی ہے، لہٰذا جب تک ہم میں سے ہر فرد، فیملی، ادارہ، محکمہ، اتھارٹی، جماعت، فرقہ، محلّہ، علاقہ، ضلع، صوبہ اور پورا ملک اندر سے حقیقی تبدیلی کی کوشش نہیں کرینگے، صرف حکومتوں کی تبدیلیوں یا خالی خولی نعروں سے انقلاب لائینگے تو ایں خیال است و محال است و جنوں۔

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے رازی نہ صاحبِ کشاف

عقیدہ ختم نبوت

ختم نبوت اسلام کا وہ اساسی عقیدہ ہے ، جس پر پورے دین کی بنیاد ہے، قرآن کریم میں ایک سو سے زائد آیات اور دو صد سے زائد احادیث میں پوری تفصیل سے ختم نبوت کے ہر پہلو کو اجاگر کیا گیا ہے ،قرن اول سے آج تک امت مسلمہ کا اجماع چلا آرہا ہے ،کہ حضور اکرم ﷺ کے بعد نبوت کا دعویٰ کفر ہے ،بلکہ امام ابو حنیفہؒ کا یہ فتویٰ ہے کہ :''من طلب منہ علامۃ فقد کفر'' جس نے حضور ﷺ کے بعد کسی مدعی نبوت سے دلیل طلب کی ،وہ یقیناکافر ہوگیا،اس سے عقیدہ ختم نبوت کی اہمیت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

سرور کون ومکاں حضرت محمد ﷺ کی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں منکرین ختم نبوت پیدا ہوگئے تھے ،آپ ﷺ کی رحلت کے بعد بھی نبوت کے اس مضبوط قلعہ پر کئی طالع آزماؤں نے ناکام حملے کئے ،اگر چہ کچھ متنبیوں اور فتنہ پروروں نے بعض اوقات میں کچھ شوکت ودبدبہ بھی حاصل کرلیا، ہر طرف ان کا چرچا تھا، مگر رفتہ رفتہ وہ فتنے کمزور پڑتے رہے اور ان کی جگہ نئے فتنے مختلف انداز سے مگر ایک ہی منشور کے ساتھ جنم لیتے رہے۔

گزشتہ چند صدیوں کے دوران بعض خانہ ساز متنبیوں کو اپنے گروہ بنانے اور اپنے فاسد اثرات پھیلانے کے خاصے مواقع میسر آئے۔ان میں سے مندرجہ ذیل چار فتنے دور حاضر میں منکرین ختم نبوت کی صف اول میں شامل ہیں۔

: درزی فتنہ

اس فتنے کے بانی نشطکین الفارسی المجوسی الدرزی ہے، تمام انبیاء کے متعلق کفریہ زبان درازی، الوہیت سیدنا علیؓ اور حج بیت اللہ کے انکار کے ساتھ ساتھ اپنے الگ مصحف کے یہ لوگ قائل ہیں، وہ ان کے یہاں ''المصحف المستقل بذاتہ'' کے نام سے ایک پوشیدہ صحیفہ ہے۔یہ اسرائیل، لبنان ،اور شام میں آباد ہیں، فتنہ نصیریہ علویہ اور درزیہ کا یہاں گٹھ جوڑ ہے، ولید جنبلاط اس وقت اس فتنے کے روح رواں ہے۔

: ذِکری فتنہ

847ھ میں ہندوستان کے اندر سید محمد جونپوری نامی ایک شخص نے مہدویت کا دعویٰ کیا اور فرقہ مہدویہ کی بنیاد رکھی، اس کی وفات کے بعد اس کے پیروکاروں میں سے ایک شخص ملا محمد اٹکی نے 977ھ میں بمقام (سرباز) ظاہر ہو کر مہدی کا دعویٰ کیا اور پھر کوہ مراد (بلوچستان ،پاکستان) میں چھپ گیا، کچھ عرصہ بعد ظاہر ہوا، مسیح ہونے کا ،دعویٰ کیا ،اس مذکورہ فتنہ کا احیاء کیا

اور اس کانام ''ذکری مذہب'' رکھا۔

ذکری فرقہ کی زیادہ تعداد پاکستانی بلوچستان کے جنوبی اضلاع میں آباد ہے، اس فرقہ کے لوگ ملا محمد اٹکی کو پیغمبر، مہدی اور خاتم المرسلین مانتے ہیں اور شریعت محمدیہ ﷺ کو منسوخ تصور کرتے ہیں، اٹکی نے نماز، روزہ کی فرضیت ختم اور کوہ مراد کو ''مقام محمود'' قرار دیا، جہاں یہ ہر سال 9 ذی الحجہ اور 27 رمضان کو بغرض حج وعمرہ جمع ہوتے ہیں، وہاں صفا، مروہ اور عرفات بھی بنائے گئے اور ایک چشمہ کو زمزم سمجھا جاتا ہے ان کا کلمہ ''لاالہ الا اللہ نور پاک نور محمد مھدی رسول اللہ'' ہے، نیز یہ فرقہ اٹکی کو، تمام انبیاء سے افضل قرار دیتا ہے اور ان کا کہنا ہے کہ قرآن میں اٹکی کو روح القدس، روح امین اورامام مبین قرار دیاگیاہے۔

:بہائی فتنہ

یہ فتنہ ایران میں پیدا ہوا، اس کا مؤسس علی محمد باب تھا، وہ مہدی ہونے اور وحی کا مدعی تھا، کہتا تھا کہ میرے بعد ایک شخصیت الملقَب بہ ''من یظھرہ اللہ'' ظاہر ہوگی، جب وہ فوت ہوا، تو اس کی مسند پر صبحِ ازل نامی ایک شخص جانشیں ہوا، ان کا بھائی مرزا حسین علی المعروف بہ (بہاء اللہ) نے اعلان کردیا، کہ میں ہی وہ شخص ہوں، جس کی باب نے خبر دی تھی، دوات عثمانیہ نے

صبحِ ازل کو قبرص ،اور بہاء اللہ کو فلسطین کے شہر ''عکہ'' بھیج دیا۔
بہائیوں کے نزدیک قرآن منسوخ ہے، انھوں نے اپنا قبلہ بدل کر بجائے مکہ کے ''عکہ'' بنالیا، یہ لوگ نظریہ وحدتِ ادیان کے قائل ہیں ،عکہ کو مقدّس حرم مانتے ہیں، ان کی مذہبی کتاب کے پارے 19 ہیں ،سال کے مہینے 19اور ہر مہینے کے 19دن ہیں ۔

: قادیانی فتنہ

قادیانی فتنہ کی بنیاد ، ہندوستان میں فرنگی استعمار نے اپنی ساکھ مضبوط کرنے ، وحدت اسلامی کوپارہ پارہ کرنے اور جہاد کو ختم کرنے کے لئے اپنے ایک جانثار غلام احمد قادیانی کے ہاتھوں رکھی ، مرزاغلام احمد 1839-40ء میں مقام قادیان (تحصیل بٹالہ ضلع گورداسپور، مشرقی پنجاب ، بھارت) میں پیدا ہوا۔
مرزاغلام احمد قادیانی نے بتدریج، مُلھَم، محدث،مأمور من اللہ ، مہدی ،مثیلِ مسیح، مسیح ابن مریم، نبی، حاملِ صفات باری تعالی عزوجل اور اس کے علاوہ دیگر بھی لاتعداد اور متضاددعوے، 1883ء سے 1908ء تک کئے،2مئی 1908ء کو لاہور میں وبائی ہیضہ سے اس کی ہلاکت ہوئی اور حکیم نوردین اس کا جانشین اول

بنا۔3 مارچ 1914ء کو نور دین کی وفات کے بعد قادیانی پارٹی دو گروہوں میں منقسم ہو گئی۔ قادیان کے اصل مرکز پر مرزا غلام احمد قادیانی کے بیٹے مرزا محمود نے تسلط جمالیا اور دوسری پارٹی کی سربراہی مرزا محمد علی نے سنبھالی اور بجائے قادیان کے لاہور کو اس نے اپنا مرکز بنایا۔

تقسیم ہندوستان کے دوران انہوں نے اپنے آپ کو مسلمانوں سے الگ شمار کرتے ہوئے اپنی علیحدہ فائل ریڈ کلف کمیشن کے سامنے پیش کی، تاکہ انہیں الگ ریاست دی جائے ،ناکامی پر انہوں نے چنیوٹ میں ایک مقام کا نام ''ربوہ'' رکھکر عالمی ہیڈ کوارٹر بنایا، بعد میں مرزا کے جانشین دوم مرزا محمود کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے مرزا ناصر نے قادیانی کے جانشین سوم کا چارج سنبھالا۔

7/ستمبر 1974ء کو پاکستان کی قومی اسمبلی نے قادیانیوں کے ہر دو گروہوں کے خارج از اسلام و خارج از جماعت مسلمین قرار دینے کا دستوری فیصلہ کیا ،پاکستان کے اس فیصلہ سے قبل اسی سال 10 اپریل 1974ء کو رابطہ عالم اسلامی نے مکہ مکرمہ میں قادیانیوں کے کفر کا متفقہ فیصلہ صادر کیا تھا۔9 جون 1982ء کو مرزا ناصر کے مرنے کے بعد اس کا چھوٹا بھائی مرزا طاہر اس مسند پر جماعت کے چوتھے سربراہ کی حیثیت سے متمکن ہوا، قادیانی چونکہ اپنے آپ کو مسلمان

اور مسلمانوں کو غیر مسلم سمجھتے تھے ،اپنے مذہب کی اسلام کے نام سے تبلیغ کرتے تھے اور طرفہ یہ کہ مسلمانوں کی مخصوص مذہبی اصطلاحات اس خانہ ساز نبی اور اس کی امت کے لئے استعمال کرتے تھے، اس وجہ سے صدر ضیاء الحق نے قادیانیوں کی خلافِ اسلام سرگرمیوں کو روکنے کیلئے 26اپریل 1984ء کو"امتناع قادیانیت آرڈیننس" جاری کیا،، مرزا طاہر یکم مئی 1984ء کو پاکستان سے لندن گیا، 18اپریل 2003ء کو وہیں مر کر مدفون ہوا۔

قرآن حکیم کی سورہَ صف میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک بشارت کا ذکر ہے، کہ میرے بعد ایک نبی تشریف لائیں گے جن کا اسم گرامی "احمد" ﷺ ہوگا، قادیانی اس پیشگوئی کا مصداق غلام احمد قادیانی کو قرار دیتے ہیں ،اس وجہ سے وہ اپنے آپ کو" احمدی "اور تمام دنیا کے مسلمانوں کو"غیر احمدی "کہتے ہیں۔

قادیانیوں کے فاسد عقائد میں سے یہ بھی ہے کہ وہ دین مردہ دین ہے، جس میں سلسلہ نبوت بند ہو، نیز ان کے نزدیک حضرت عیسیٰ علیہ السلام سولی پر لٹکائے گئے

قادیانیوں کے نزدیک قادیان مکہ مکرمہ کی طرح ارض حرم ہے،اطاعت انگریزان کے، نزدیک واجب ہے ،جو مسلمان جہاد کے نام پر کسی سے لڑے گا، وہ بغاوت

ہو گی اور وہ غدار ہو گا، مرزا کے نزدیک تلوار اور بندوق کا جہاد اس وقت بالکل ختم ہو گیا ہے۔

حضرت مولانا منظور احمد چنیوٹیؒ نے قادیانیت کا تعاقب کرنے کے لئے 1954ء میں جامعہ احمدیہ ''کے مقابلے میں ''جامعہ عربیہ ''چنیوٹ کی بنیاد رکھی اور 1970ء میں '' ادارۂ مرکزیہ دعوت وارشاد'' قائم کیا، واشنگٹن میں بھی ادارہ دعوت وارشاد چنیوٹ'' کی ایک شاخ ہے۔اسی مقصد کیلئے حضرت چنیوٹی نے ختم نبوت یونیورسٹی کے قیام کا اعلان فرمایا، جس کا سنگ بنیاد رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹری جنرل جناب ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف نے اپنے دست مبارک سے رکھا تھا۔

اسلامک اکیڈمی مانچسٹر یورپین ممالک میں ختم نبوت کے تحفظ کا مرکز ہے، اس کے نگراں ومشرف علامہ ڈاکٹر خالد محمود ہیں۔

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت:

1953ء کے دوران پاکستان میں ختم نبوت کی ملک گیر تحریک کے بعد اس کا قیام وجود میں آیا، پہلے امیر سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ، جنرل سیکرٹری مولانا محمد علی جالندھری منتخب ہوئے، مجلس تحفظ ختم نبوت کے اغراض ومقاصد کی روح

رواں عقیدہ ختم نبوت کا تحفظ اور منکرین ختم نبوت کے مقابل ختم نبوت کی تبلیغ ہے، بعد میں اس کی صدارت علامہ سید محمد یوسف بنوریؒ نے فرمائی۔ایک ہفتہ روزہ ختم نبوت" شائع کیا جاتا ہے۔اندرون ملک کے علاوہ بیرون ملک بھی لندن میں ان کا" دفتر موجود ہے۔ عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر بعد میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد مرحوم عرصۂ دراز تک رہے،اب موجودہ امیر حضرت مولانا عبد المجید لدھیانوی مد ظلہ ہیں۔لٹریچر کے حوالے سے اس میدان میں حضرت انور شاہ کشمیری، شہید اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی اور مولانا اللہ وسایا کے اسمائے گرامی بہت نمایاں ہیں۔

: تحریک تحفظ ختم نبوت

عالمی مجلس احرار اسلام نے 21 - 22 جولائی 1934ء کو مونا لانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی کی سرپرستی میں ختم نبوت کے تحفظ کیلئے قادیان میں پہلی ختم نبوت کانفرنس کاانعقاد کیا، جس کی صدارت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاریؒ نے کی تھی۔ عالمی مجلس احرار اسلام کا شعبہ تا حال بھی اس کام میں متحرک ہے لیکن اب اس کا نام تحریک تحفظ ختم نبوت ہے۔

: انٹر نیشنل ختم نبوت موومنٹ

مورخہ 17 ربیع الاول 1416ھ بمطابق 14 اگست 1995ء بروز سوموار "انٹر نیشنل ختم

نبوت موومنٹ" کے قیام کا اعلان کیا گیا۔ اس کا مرکزی دفتر لندن میں ہے۔
ان کے ساتھ ساتھ ملکی اور علاقائی سطح پر بھی کئی تنظیمیں یہ کام کر رہی ہیں، ان میں آل انڈیا مجلس تحفظ ختم نبوت دیوبند (انڈیا) مجلس تحفظ ختم نبوت ڈھاکہ (بنگلہ دیش) انجمن فدایان ختم نبوت ملتان (پاکستان) تحریک پاسبان ختم نبوت (جرمنی) اور مولانا سہیل باوا کی ختم نبوت اکیڈمی (انگلینڈ) قابلِ ذکر ہیں۔

انقلاب کے نعرے

میڈیا میں بار بار دہرایا جارہا ہے ''انقلاب انقلاب انقلاب''، گویا کسی بھی قوم کے لیے آگے بڑھنے ،بحرانوں سے نمٹنے ،ترقی کرنے اور استحکام کے راستے پر چلنے کے لیے پہلے ملک قوم کے وجود کو خطرے میں ڈالا جائے ،پھر از سر نو تعمیر کیا جائے ، قوم کو متواتر یہ سمجھایا جارہا ہے، چونکہ سازشوں کی وجہ سے ہم تباہ حالی سے دوچار ہیں ،اس لیے تحفظ پاکستان ، بچاؤپاکستان کے تناظر میں انقلاب ضروری ہے۔

آج کے دور میں حکمراں و قائدین کی نااہلیوں ،حماقتوں اور مجرمانہ غفلتوں کا جواز فراہم کرنے کے لیے ''سازش'' کی تھیوری سب سے آسان فارمولا ہے ، ،بلا شبہ امریکہ ،اسرائیل اور بھارت ہمارے مفادات کو زک پہنچاتے رہے ہیں،ان سے ہمیں بارہا نقصان پہنچا ہے، لیکن اسکا راستہ ،اسکا ذریعہ کس نے بنایا ؟کیا وہ خود ہم نہیں ؟کیا وہ ہمارے لیڈر ،ہمارے رہنما نہیں ؟چاہے وہ سیاسی ہو ں یا دانشور کہاجاتا ہے کہ اسلام کے خلاف ،پاکستان کے خلاف یہ سب طاقتیں کام کر رہی ہے ،مگر ذرا اپنی بھی حرکتیں ملاحظہ ہو ں، گذشتہ سال ممتاز امریکی جریدے ''نیوز ویک''میں ایک بڑے تجزیہ نگار کا مضمون چھپا ہے ،جس میں امریکہ میں متعین پاکستانی سفیر حسین حقانی کی کتاب "

PakistanBetween Mosque and

سے اقتباسات لئے گئے ہیں ،ہماری افواج اور انکا نظریہ پاکستان سے تعلق "Military"
اور پھر ان دونوں کی وجہ سے ہونے والے ''ملک وقوم کو نقصانات ''پر جس طرح
اظہار خیال کیا گیا ہے ،انکا اندازہ کوئی بھی ''سفیر پاکستان ''کی کتاب سے لگا سکتا ہے ،اس
میں نیوز ویک کا سب سے دلچسپ یہ فقرہ بھی شامل ہے ''پاکستانی سفیر آج خود اپنی ہی
کتاب کا ایک کردار بن کر حقیقت کا روپ دھار چکے ہے اور وہ خود اسی کے حق میں
دلائل دے رہے ہیں ،جس کی وہ اس کتاب میں مذمت کر چکے ہیں ۔'' بتانا یہ ہے کہ
ہم جو کچھ بو رہے ہیں وہی کاٹ رہے ہیں ،ضرورت اس بات کی نہیں کہ ہم بونا ہی
چھوڑ دیں، بلکہ ضروری بات یہ ہے کہ ہم صحیح بیج بوئیں تاکہ جو فصل کاٹیں وہ وہی ہو
جس کی ہم آرزو کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں ،ہاں،اس کا ایک اور پہلو یہ بھی ہے کہ
انقلاب کی وجہ سے ملک کا وجود خطرے میں پڑ جانے کے بعد دوبارہ زندگی مل جائے''
گی ۔'' یہ مشورہ انتہائی خطرناک ہے ۔تاریخ کچھ اور بتاتی ہے مسلمانوں کی تاریخ پر نظر
ڈالی جائے ،تو کئی مرتبہ اس کے بہت ہی تباہ کن نتائج سامنے آئے ہیں، آج جس مقام پر
مسلمان من حیث القوم کھڑے ہیں ،اس کی بڑی وجہ اس قسم کے خطرات کی پیش بندی
نہ کرنا اور خطرات میں گرنے کے بعد ان کا صحیح ادراک، تجزیہ اور مقابلہ نہ کرنا رہا ہے
۔

سقوط غرناطہ ،جس کے بعد مسلمانوں کی اسپین میں آٹھ سو سالہ حکومت نہ صرف

ختم ہو گئی ۔ بلکہ یورپ سے (سوائے ترکی) مسلمانوں کا نام ونشان ہی مٹ گیا ۔اس تباہی سے پہلے اسپین میں مسلمانوں کی زبوں حالی کی جو وجوہ تھیں ۔ان میں انکی طوائف الملوکی، بے تدبیری ، کمزوریاں ، علم وہنر سے دوری ۔انتظامی فیصلوں میں حماقتیں قومی اتحاد کا پارہ پارہ ہونا اور سب سے بڑھ کر اپنے ارد گرد منڈلاتے ہوئے خطرات، سے غفلت شامل ہے۔

مؤرخین بتاتے ہیں کہ آس پاس کی عیسائی حکومتیں اسپین کی کمزور مسلم مملکت کی بنیادی کمزوریوں کو بھانپ چکی تھیں ، اس پر وار کرنے کو تھیں ۔آخر ایسی صورت میں وہ سفارتی سیاسی اور فوجی اقدامات کیوں نہیں کیے گئے ، جن سے تباہی سے بچنا ممکن ہوتا؟ ہمیں غرناطہ کے آخری سلطان کا وہ واقعہ یاد ہے، جب غرناطہ کی شکست کے بعد ابو عبداللہ ایک پہاڑ کی چوٹی پر تھا ۔وہ اپنے شاندار ماضی اور حالیہ شکست کو یاد کر کے رونے لگا ،پاس ہی کھڑی ماں نے تھپڑ رسید کرتے ہوئے کہا: ’’جس مملکت کو تو بہادر مردوں کی طرح بچا نہ سکا ،اس پر شکست کے بعد ناتواں عورتوں کی طرح آنسو بہانا بے کار ہے۔‘‘ بہادروں کی طرح بچانے سے ان کی مراد یقینا وہ تمام اقدامات تھے ،جو ایسے حالات میں اپنے ملک کو بچانے کے لیے قیادت اپنی دور اندیشی اور تدبر سے کرتی ہے ،جو فلسفی ، دانشور اور تجزیہ نگار ’’انقلاب‘‘ کی تھیوری کو کامیابی کی ضمانت بتاتے ہے کیا وہ نہیں جانتے کہ اسپین کی شکست مسلمانوں کے لیے کس اندوھناک ،

باب کی حیثیت رکھتی ہے ؟وہ غالباً ہمارے عالمگیر زوال کی پہلی کڑی تھی ۔اس کے بعد سقوط بغداد لیجیے، خلافت عباسیہ بغداد تک محدود ہو چکی تھی، بلکہ اس میں جو بھی مختلف گروپ اور فرقے تھے ،ان پر خلافت کی گرفت نہ ہونے کے برابر تھی ، عدم شورائیت بحث مباحثہ ، فیصلے کی قوت کا فقدان، دنیاوی عیش و عشرت ، نفاق ،مذہبی گروہ بندی، غالباً شاید ہی کوئی دینی اور دنیاوی نقاہت ہو ،جس سے خلافت کے آخری تاجدار کی، حکومت بچی ہو ،اس پر مستزاد یہ کہ آس پاس کی مسلم ریاستیں بالکل خود مختار ہو چکی تھیں، مسلم دنیا میں مکمل طوائف الملوکی تھی ،ایسے میں چنگیز خان اور ہلاکو خان کے زیر قیادت تاتاری اٹھے اور مسلم دنیا کی اینٹ سے اینٹ بجادی ۔

اسی طرح سقوط دہلی کی تاریخ ہے ،اورنگزیب کے بعد ہندوستان میں اس کے بیٹے نااہل ثابت ہوئے ،دربار باہمی سازشوں کی آماجگاہ بن گئے ،صوبے آزاد وخود مختار ریاستیں بن گئیں ،جو ہمہ وقت ایک دوسرے کے خلاف برسرپیکار رہیں، ہندوستان بھر میں کوئی متحدہ اتھارٹی نہ رہی ، کہیں مرہٹے دندناتے پھر رہے تھے ، تو کہیں سکھوں کا راج تھا مغل بادشاہ تاش اور شطرنج کا بادشاہ بن کر رہ گیا تھا، جس سے ہر طاقتور حریف اپنی ، چال کے لیے استعمال کرتا ،لوگ حال سے بے حال تھے ،ایسے میں اگر بیرونی طاقتوں نے اس سے آسان شکارگاہ سمجھا تو قصور کس کا تھا ؟

نہ حکمرانوں کو اپنا ہوش ،نہ دانشوروں میں دانش وتدبر ،نہ وزیروں ، سفیروں میں دور اندیشی ، چنانچہ وہی ہوا جو ہونا چاہیے تھا، جو فطرت کا تاریخ میں بار بار عمل دخل رہا انگریز آیا اور حکمراں ہوگیا، مغل شہنشاہ صرف اشعار کہنے کے لیے رنگون میں پناہ گزیں، ہو گئے، جبکہ غالب وحالی ہماری زبوں حالی پر روتے رہے۔

سقوط ڈھاکہ جسے بمشکل 38 سال ہوئے ہیں ،امریکہ ،روس ،بھارت ،اسرائیل ،برطانیہ اور نہ جانے کس کس کو ہم اس المیے میں کردار ثابت کرتے ہیں، لیکن آخری بات فیصلہ کن ہو گی کہ مشرقی پاکستان کے بحران میں پاکستانی قیادت اور عوام نے اس صلاحیت کا مظاہرہ نہیں کیا ،جو اس خوفناک صورتحال سے نکلنے کے لیے ضروری تھی ،ہم نے سقوط ڈھاکہ کے بعد اپنی تسلی کے لیے سیکڑوں جواز فراہم کیے '' آج کا پاکستان زیادہ متحد ہے'' ،''بنگلہ دیش اب بھی مسلمان ملک ہے''،''مسلمان ملکوں کی تعداد بڑھ گئی''، لیکن درحقیقت سقوط مشرقی پاکستان ہماری شکست ورسوائی کی ایک انمٹ شہادت ہے۔

اگر وجود کو خطرہ لاحق ہو جائے تو پھر کیا کیا جائے ؟یعنی پاکستان کو موجودہ بحران سے کیسے نکالا جائے ؟بہت سے لکھنے والوں نے کئی مرتبہ جا

پان، جرمنی ،فرانس اور چین وغیرہ کی مثالیں پیش کی ہیں ،ان میں سے تین مکمل شکست سے ہمکنار ہو چکے تھے ،یعنی سقوط جاپان ، سقوط جرمنی اور سقوط فرانس ہو چکا تھا لیکن اس کے بعد صرف دس سالوں میں یہ دوبارہ ایک طاقت بن کر ابھرنے لگے اور، تیس سالوں میں ایسی طاقتیں بن چکے تھے ،جن کی نہ صرف مثال دنیا دے رہی تھی بلکہ ان سے رہنمائی حاصل کر رہی تھی ۔

ہم امریکہ سے خوش نہیں ، نیٹو سے شکایات اپنی جگہ ،یورپ ہماری مدد اس طرح نہیں کر رہا جس طرح ہم چاہتے ہیں ، لیکن دیکھنا یہ ہے کہ کیا ہم صرف شکایات ہی کر سکتے ہیں، یا اس پوزیشن میں ہیں جہاں اپنی بات منوائی جاسکے ؟ہمیں یقین ہے کہ اس کا جواب جاننے کے لیے کسی ’’تصور و تصدیق پر مشتمل منطق ‘‘کی ضرورت نہیں ،ہماری صورتحال ہمارے ملک کا بچہ بچہ جانتا ہے، مصنوعی غیرت وحمیت سے ہمارا کام نہیں چل سکتا، بیکار کی انا ہمارے کسی کام کی نہیں ،ہاں ٹھوس راہ عمل ہمارے بحران کا حل ہے ، لسانیت، فرقہ واریت ،صوبائیت، دشمنیاں ، مخالفتیں ، سازشوں کے انکشافات ہمیں کیا دے گئے اور کیا دے رہے ہیں ، غور کرنے کا وقت ہے، وقت ہے تو سر جھکاکے کام کرنے کا ،یعنی بابائے قوم کے مطابق ’’کام کام اور صرف کام ‘‘،لیکن ہماری صورت حال یہ ہے ’’آرام آرام اور صرف آرام ‘‘،ہم ہر چھوٹی بڑی بات پر چھٹیاں مناتے ہیں ۔

اگر کراچی بند ہوا، اربوں کا نقصان ہوا، تو کیا غم، ہمارے جذبات کی تسکین تو ہو گئی ہم جیت گئے، ہماری بات مان لی گئی، اس نقصان کو پورا کرنے کے لیے قوم کو کس، کس کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑیں گے، اس درد سر میں کون پڑے، قومی معاملات میں سمجھوتے کی کیا ضرورت، ہم تو وہی کریں گے جو ہمیشہ سے ہماری عادت ہے، توانائی کے لیے کسی اور سے بھیک مانگ لیں گے، یہ ہے ہمارے رویے، کیا اس انداز سے بحرانوں کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے ؟۔

ایک اور بات ہمیں سمجھ لینی چاہیے، یہ انیسویں صدی سے پہلے کی دنیا نہیں، ٹیکنالوجی کی برق رفتاری انقلابی تبدیلیاں لے آئی ہیں، اگر اٹھارویں صدی ''ایج آف ریزن'' تو انیسویں صدی ''ایج آف سائنس'' بیسویں صدی ''ایج آف ایٹم'' تو آج اکیسویں صدی ایج آف انفارمیشن اینڈ کمیونی کیشن '' ہے، گلوبل ولیج کے ہمہ گیر اثرات نے سب کچھ '' بدل دیا، نہ آپ کچھ چھپا سکتے ہیں، نہ بڑھا چڑھا سکتے ہیں، لمحوں میں بات مشرق سے مغرب تک سفر کر لیتی ہے، آج دنیا کی سیاست اور سفارت، حد یہ ہے کہ فوجی قوت کے مظاہر اور دور دراز علاقوں پر تسلط کا انداز یکسر تبدیل ہو چکا ہے، جو محدود زمان و مکان کل تھے وہ آج نہیں، ہمیں بھی اس بدلے ہوئے دور سے مطابقت پیدا کرنا ہو گی انیسویں، بیسویں اور اکیسویں صدیاں در حقیقت اقتصادی تسلط کی صدیاں ہیں، آج کی، فوجیں بھی تجارت اور مالیاتی حربیں ہیں، اسی لیے فوجوں کو بھی اسی قوت کے تابع کر دیا گیا ہے

آخر جیت یا فتح اقتصادیات کی ہوئی ہے، چین کی حالیہ مارکیٹنگ فتوحات یا جاپان و امریکہ کی پیش قدمی اسی دائرے میں ہوئی ہیں، سپر طاقت اور بڑی طاقت بننے کے لیے ایٹم بم نہیں معاشی قوت چاہیے، سوویت یونین ہزار ایٹم بم رکھتے ہوئے ٹکڑے ٹکڑے ہوگیا، جاپان بغیر ایٹم بم کے ''دھماکوں'' پر دھماکے کر رہا ہے، بھارت، چین برازیل، جرمنی، سب کی قوت کا رازِ پنہاں ان کی معاشی طاقت ہے، کوئی ایسی ٹیکنیک، ایجاد ہوئی نہ کوئی ایسی تدبیر اور مثال موجود ہے، کہ صرف وجود کو خطرے میں ڈال کر آگے بڑھا جاسکے، ترقی کی جاسکے۔ ترقی اور استحکام کا تو ایک ہی راستہ ہے، سب کچھ بھول کر سارے تنازعات اور مسئلوں کو فراموش کرکے، ایک لگن کے ساتھ ملک وقوم کی تعمیر و ترقی کے لیے کام کیا جائے، سرمایہ حاصل کیا جائے، ٹیکنالوجی حاصل کی جائے، جدید انتظامی طریقے اور مالیاتی داؤ پیچ اپنائے جائیں، آرام اپنے اوپر حرام کر لیا جائے، چھٹی کا نام و نشان اپنی ڈکشنریوں سے مٹا دیا جائے۔ یہی سب سے بڑی طاقت ہے۔

شام کی داستانِ الم

شام جہاں حضرت امیر معاویہ نے انتہائی شان و شوکت کے ساتھ ایک مستحکم حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی ، عبد الملک بن مروان نے جسے پروان چڑھایا تھا ، عمر بن عبد العزیز کے اصلاحاتی عمل کے بعد ان کی قلت عمری کی وجہ سے تعمیر نو کا مرحلہ نہ دیکھ سکی ، ان کے بعد مرکز بغداد منتقل ہو گیا ، جہاں بظاہر بنو عباس اور حقیقت میں اہل فارس یا ترکی حکمراں ہوا کرتے تھے ۔

سوریا ، اردن ، لبنان ، فلسطین ، اور اسرائیل ، ان پانچوں ریاستوں پر مشتمل قدیم شام ماقبل الاسلام سے سقوط خلافت عثمانیہ (۱۹۲۴) تک بطور صوبہ و اقلیم کے رہا ، عالم اسلام پر انگریزی ، روسی ، ولندیزی اور فرانسیسی استعماروں کے انخلاء کے بعد دیگر اسلامی ممالک کی طرح اس علاقے کو بھی چھوٹے چھوٹے مذکورہ پانچ ملکوں میں تقسیم کر دیا گیا ۔

استعمار نے رخصت ہونے کے بعد عالم اسلام کے اکثر ممالک میں اقلیتی عناصر کو اپنے مابعد زمام حکومت حوالے کی ، نیز بعض منطقوں میں ایسے خطرناک سرحدی تنازعات وراثت میں چھوڑے کہ برسہابرس کے بعد بھی ان کا کوئی پائیدار حل

نظر نہیں آ رہا۔

فرقہ واریت، نسلیت، صوبائیت، اور کہیں کہیں مذہبی تعصب کے ایسی بیج بوئی کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی اس کی بیخ کنی کی کوئی صورت اہل دانش کے یہاں معدوم و مفقود ہے۔

گزشتہ سال عرب لیگ کے دعوت پر ہمیں لبنان جانے کا اتفاق ہوا، جہاں ہمارا قیام بیروت کے روتانا ہوٹل میں تھا، طرابلس، صیداء اور بعلبک کے علاوہ شام کے بارڈر پر بعض علاقوں کے بھی دیکھنے کا شرف حاصل ہوا، یہاں آ کر اندازہ ہوا کہ شام اور لبنان دو جڑواں بچوں کے طرح نشیب وفراز، مزاج ومذاق، لب ولہجہ اور خون وخو میں بالکل یکساں ہیں۔

شام میں عرب آبادی 93% فیصد بقیہ کرد ترکمن وغیرہ ہیں، جبکہ اہل سنت ۸۵% علوی نصیریہ، ۵% کریچن، ۳% دروز، اسماعیلی اور اثنا عشری ہیں۔ ۹%،

اپریل ۱۹۴۶ میں شام کو فرانس سے استقلال نصیب ہوا، ۱۹۷۰ تک یہاں اکثر ۱۷ وبیشتر فوجی حکمرانی رہی ۱۹۷۱ء سے تاحال ۹ فیصد علوی آبادی سے تعلق رکھنے والے خانوادہ اسد حکمراں ہیں، جنھوں نے یہاں کچھ دیگر عرب ملکوں کی طرح

بزعم خویش بادشاہت بصورت ڈکٹیٹر شپ قائم کی ہوئی ہے، نظام حکومت مافیا کے طرز پر چلا رہے ہیں، اس درمیان شام کے لوگوں نے حافظ الاسد سے چھٹکارے کیلئے تحریکیں چلائیں، جس میں ہزاروں لوگ سیکورٹی فورسز کے ہاتھوں لقمۂ اجل بنے، پر یہ لاوا بجھا نہیں، اندر ہی اندر دھکتا رہا، دور حاضر میں عرب بہار کی ہوائیں چلنے لگیں، جس کی بدولت بعض ملکوں میں خزاں کے موسم رخصت ہوئے، وہاں آزادی، حریت اور جمہوری اقدار کے لہلہاتے کھیت اور رنگ۔برنگ پھول نمودار ہوئے، ۱۵ اپریل ۲۰۱۱ کو شامیوں نے انقلاب کے نعرے فیس بک، ٹویٹر، اور شہروں کے نمایاں دیواروں پر دیکھنے کے بعد، درعا شہر میں پر امن مظاہرہ کیا، جس پر حکومت نے پکڑ دھکڑ کرکے جیلوں اور انڈر گراونڈ عقوبت خانوں میں تحریکی کارکنوں کو بدترین تشدد کا نشانہ بنایا، اسکی خبریں میڈیا پر سنسر کی وجہ سے سینہ بسینہ اور سوشل میڈیا کے ذریعے عام لوگوں میں پھیلنے لگیں، ۱۵ مارچ کو دمشق کی جامع مسجد اموی کے سامنے ایک عظیم الشان مظاہرے کا اہتمام کیا گیا، جس کو حکومت نے زبردستی منتشر کیا، سرکردہ افراد کے ساتھ پہلے سے زیادہ آہنی ہاتھ کا معاملہ کیا، بس پھر کیا تھا، اس کے اگلے ہی دن سے نہ تھمنے والے مظاہروں کا سلسلہ شروع ہوا، دمشق سے حمص، حلب، حماہ، بوکمال، رستن، تلبیسہ، ادلب، لاذقیہ اور معرۃ النعمان جیسے تمام شہروں میں روز۔بروز پھیلتا چلا گیا۔

جواب میں حکومت نے پولیس ،بری ،بحری ،فضائی فوج اور شبیحہ (سادھالباس میں حکومتی جیالوں) کو کھلی چھوٹ دیدی ،جنھوں نے وحشت و بربریت کی وہ تاریخ رقم کی جس کی مثال تاریخ انسانیت اور اقوام عالم حتی کہ صھیونیوں تک میں ملنا مشکل ہے بے دریغ نوجوانوں کو شہید کیا جانے لگا،خواتین کی بے حرمتی جنسی زیادتیوں کی شکل، میں ہونے لگی ،مکانوں ،محلوں ،مسجدوں ،اور مارکیٹوں کو بے رحمانہ گولہ باری بمباری اور بارود تک سے اڑا کر ملیامیٹ کر دیا گیا۔

نیٹ میں راقم الحروف نے خود ایک ایسی ویڈیو دیکھی ،جس میں کسی نوجوان کو گڑھے میں سیدھا کھڑا کرکے دفنایا جارہاہے ،فوجی ان سے مخاطب ہیں :ارے گدھے لاالہ الا بشار کہہ دو چھوٹ جاؤگے ،لیکن وہ لاالہ اللہ پر مصر ہے ،اسی حالت میں اس پر مٹی .برابر کر دی جاتی ہے۔

انقلابی تحریک کو دبانے کیلئے گھر والوں کے سامنے ماں ،بیٹی ،بہن ،اور بہو کو.برہنہ کیا گیا ان سے جنسی زیادتی کی گئ ،گھروں سے دسیوں نوجوانوں کو گرفتار کرکے انہیں کھلے، عام گولیاں ماری گئیں ،ایک ایک محلے اور ایک ایک لبستی میں بے شمار بچوں ،بوڑھوں اور عورتوں کو چھریوں سے ذبح کیا گیا ،جنگوں میں بین الاقوامی طور پر ممنوع بموں کا بے تحاشا استعمال کیا گیا،شورش زدہ علاقوں کے باغات کو ویران ،پلوں کو مسمار ،بجلی کو منقطع اور

پانی کی لائنیں کاٹ دی گئیں۔

اقوام متحدہ، سیکورٹی کونسل اور امریکا نے روس اور چین کے ویٹو کو بہانہ بناکر کنارہ کشی اختیار کی، ایران اور حزب اللہ نے وحشی حکومت کی مادی، معنوی اور فوجی مدد کھلے عام جاری رکھی، جب عالم اسلام اور عربی ممالک حسب سابق قرار دادوں اور مذمتوں سے آگے نہ بڑھ سکے، یومیہ ایوریج کے مطابق 150 سے 200 کے درمیان شہادتوں کا سلسلہ رواں دواں ہوا، تو انقلابیوں نے شروع میں پر امن مظاہرین کی حفاظت کیلئے ہلکے پھلکے ہتھیار اٹھائے، مگر حکومت کی ہٹ دھرمی کے باعث یہ معمولی مسلح جتھے ایک آزاد آرمی کی شکل اختیار کر گئے، جن میں سرکاری فوج کی صفوں سے نکل نکل کر عام سپاہی سے لیکر جنرلوں تک آملے، مختلف محکموں کے آفیسروں اور سفیروں سے لیکر وزیر اعظم تک انقلابی سیاستدانوں سے مل گئے، بد غضب حکومت نے گن شپ ہیلی کاپٹروں، جنگی طیاروں اور بھاری توپ خانوں سے پورے ملک کو ویران کرنا شروع کیا، تو کچھ ملکوں نے آزاد آرمی کو اسلحہ فراہم کیا، یوں شام کا یہ مقدس اور خوبصورت علاقہ اپنے ہی خون میں نھاگیا اور نہاتا ہی جارہا ہے، ابتک یہاں اسی ہزار سے زائد شہید، ایک لاکھ کے قریب لاپتہ ہوچکے ہیں اور چھ ملین پڑوس کے ملکوں ترکی، عراق، لبنان، اور اردن میں پناہ گزیں، جبکہ ہزاروں دنیا کے مختلف ملکوں میں ہجرت کرچکے ہیں۔۔

استشراق کیا ہے؟

استشراق کا لغوی معنی مشرقی بننا اور اصطلاح جدید میں استشراق سے مراد مغربی اقوام ان کی زبانوں، ان کی تہذیبوں، آداب، علوم، خصائل، عادات اور ان کے عقائد ونظریات کا مطالعہ کرنا ہے۔

نویں اور دسویں صدی سے قبل جہاں بغداد، قاہرہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ میں علم ودانش اور حکمت ومعرفت کی تاباں کرنیں پھوٹ رہی تھیں، عین اسی وقت مغرب جہالت ونادانی کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، تہذیب وثقافت، لیاقت وشائستگی شرافت وانسانیت، اخلاق وآراستگی، جس سے مشرقی معاشرہ معمور تھا، اس کا تھوڑا سا حصہ یا تو گرجوں میں موجود پادریوں کو ملا تھا جو بزعم خویش علم وعرفان کے دعوے دار تھے، یا ان امراء ورؤسا کو جنھوں نے انسانی اقدار کی کچلی ہوئی لاشوں پر اپنی بلند وبالا عمارتیں تعمیر کی تھیں، یہی لوگ اپنی رعایا کے لئے علم اور کتابیں زہر ہلاہل سمجھتے تھے۔ احساس کمتری اور ظلم واستبداد کی چکی میں پسی ہوئی مغربی اقوام جب مشرقی علوم وفنون کی چکا چوند روشنی کو دیکھتیں تو ان کے عقل واذہان پر پڑے جہالت کے پردے یکایک اٹھنے لگتے، آنکھیں علم وعرفان وکمال انسانی کے منابع کی تلاش وجستجو میں

لگ جاتیں ، پس انہوں نے اس گوہر نایاب کو عربوں کے پاس ہی پایا، اور راز ترقی عربی زبان کو پایا، اس میں پیہم اور انتھک کوششوں سے کمال حاصل کیا، ایسے لوگوں کو مستشرقین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، عربی زبان اور اسلامی علوم کے ارتقاء میں ان لوگوں کی ناقابل فراموش خدمات بھی ہیں۔

۱۱۳۰ء میں بشپ ریمانڈ کے زیر سرپرستی طلیطلة میں ایک مدرسے کی بنیاد پڑی ، جس میں عربی کتابوں کو لاطینی زبان میں منتقل کیا جاتا تھا، قلیل عرصے میں تقریبا چار سو کتابوں کا ترجمہ کیا گیا، جس میں زیادہ تر امام رازی ، ابو القاسم زہراوی، ابن رشد اور ابن سینا کی کتابیں شامل تھیں ، جو پانچ چھ صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب رہیں۔

وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ استشراقیت کے معانی ومفاہیم بدلنے شروع ہوگئے اور اس کا دائرہ کار عربی اور مشرقی تہذیب وثقافت سے بہرہ ور اور مستفید ہونے تک محدود نہ رہا، بلکہ اس کا مقصد تجارتی ،استعماری اور دینی تخریب کی تحقیق وتلاش بن گیا، چنانچہ مستشرقین نے مشرقی علوم کے آثار کی کھوج اور ان کے آداب کو نشاۃ ثانیہ دینے اور ان کے فنون کو منصہ شہود پر لانے کو اپنا لائحہ عمل بنادیا، اس غرض سے مخطوطے جمع کیے گئے ، نہایت نفیس اور معیاری کاغذ کی کتابیں چھاپی گئیں، متون کی دقیق علمی شروحات لکھی گئیں، اسماء ، موضوعات اور امکنہ کے اعتبار سے ان کی فہرستیں تیار کی گئیں ، تفسیر، سیر

فقہ، لغت، ادب، منطق، فلسفہ پر نہایت قابل قدر کام کیا گیا۔
ڈاکٹر محمود احمد غازی رقم طراز ہیں:
مستشرقین عیسائیوں کی وہ جماعت ہے جو بظاہر غیر جانبدار علمی تحقیق کے حوالے سے "متعارف ہے، لیکن اگر ان کی سرگرمیوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے، کہ مستشرقین کا تبشیری گروہ سے بڑا گہرا تعلق ہے، بلکہ کرسچن حکمرانوں کے ساتھ بھی ان کے روابط بڑے مضبوط ہیں، آج سے چالیس برس قبل لبنان کے ڈاکٹر عمر فرخ نے بڑی تحقیقی کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے " العلاقة بین الاستعمار والتبشیر" ہے، اس میں انہوں نے دلائل کے ساتھ واضح بلکہ ثابت کیا ہے کہ مغربی حکمرانوں کے ساتھ عیسائی مبلغین (مستشرقین) کا گہرا رابطہ ہے۔ "
چونکہ مشترقین بنیادی طور پر دھریہ، یہودی اور عیسائی نظریات کے حامل تھے، لہٰذا مذہبی بغض وعناد میں آکر ان سے جابجا علمی خیانتوں کا دانستہ ارتکاب بھی ہوگیا، چند مستشرقین کا اختصاراً ذکر کیا جاتا ہے۔
فرانس کے مشہور مستشرقین : ا۔ویٹر vetter، متوفی ۱۶۶۷ء، انہوں نے چند اسلامی کتابیں فرنچ زبان میں منتقل کر دی تھیں، جن میں ابن سینا کی امراض عقلیہ، طغرائی کی لامیہ شامل ہے۔

۲۔ sedillot : متوفی ۱۸۳۲ء عربوں کے ہاں یہ علم فلکیات میں ماہر جانے جاتے تھے، انہوں نے ابن القیم کی کتاب نبذۃ فی الہند کا ترجمہ کرکے چھاپ دیا۔

۳۔ Deparceval: متوفی ۱۸۳۵ء انہوں نے صقلیہ میں مسلمان بادشاہوں کی تاریخ لکھی، سبع معلقات، امثال لقمان اور مقامات حریری کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

جرمن مستشرقین : ۴۔ فریڈگ : متوفی ۱۸۶۱ء بون کالج میں استاذ تھے چند کتابوں کا جرمن زبان میں ترجمہ کیا، جن میں دیوان حماسہ ابن ندیم کی زبدۃ الطلب فی تاریخ حلب اور ابن عربشاہ کی فاکھۃ الخلفاء شامل ہے نیز عربی لاطینی میں ۴ جلدوں کی ضخیم لغات مرتب کی ہے۔

۵۔ گستاپ فلوجل : متوفی ۱۸۷۰ء نے چند کتابوں کا ترجمہ کیا جن میں کشف الظنون اور ابن ندیم کی فہرست امام ثعالبی کی مونس الوحید اور قطلوبغا کی طبقات الحنفیہ شامل ہیں۔

۶۔ ویلیم میور، متوفی ۱۹۰۵ء ان کی تالیفات میں حیات النبی، تاریخ اسلام

اورتاریخ الخلافہ شامل ہیں، جو ہندستان اور انگلینڈ کے یونیورسٹیوں میں معتمد مراجع میں شامل ہیں۔

نیز استشراق کے سلسلے میں روجیہ جارودی، جرجی زیدان، جبران خلیل جبران، پطرس بستانی، ناصیف یازجی، ابراہیم یازجی، محمد اسد اور امریکی محققہ کیرن آرم اسٹرانگ وغیرہ کے نام بھی سرفہرست ہیں۔

موجودہ دور میں کینیڈا کی ٹورنٹو یونیورسٹی میں اسلامک ڈپارٹمنٹ کے یہودی ڈین جناب جیمس سمتھ (James smith) نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد المدنی رحمۃاللہ پر اپنا ڈاکٹریٹ (P,H,D) کا مقالہ لکھاہے۔ اسلامیات میں ان کی مہارت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ نارتھ امریکا میں مسلموں، غیر مسلموں، علماء اور میڈیا کو اگر کسی اسلامی موضوع میں مبنی پر تحقیق بات کی ضرورت پیش آئے تو وہ ان سے رابطہ کرتے ہیں۔

گرم جہاد میں اسلامی اخلاقیات کا نفاذ

۲۹ مئی ۱۳ء کو مہران ہوٹل میں icrc اور کراچی یونی ورسٹی کے اشتراک سے سہ روزہ اسلامک لاء ٹریننگ کورس کا انعقاد ہوا، جہاں ہم نے ذیل کی معروضات پیش کیں:

معزز سامعین کرام، میں نے ادارے کے طرف سے دیئے گئے عنوان " مسلح تصادم میں اسلامی قوانین کا نفاذ، تاریخی تناظر" میں کچھ تبدیلی کرکے " گرم جہاد میں اسلامی اخلاقیات کا نفاذ" سے معنون کیا ہے، مجھے امید ہے کہ کارپردازانِ ادارہ اسے تحسین کی نگاہ سے دیکھیں گے۔

عزیز دوستو، ایمان اور اسلام دونوں اصطلاحوں کے الفاظ میں غور کرنے سے بڑی آسانی سے یہ بات معلوم ہوسکتی ہے، کہ ان کا مأخذ امن وسلامتی ہے، یہ دونوں عنوان اس بات کا دعوی ہے کہ یہ مذہب نہ صرف انسانی معاشرہ بلکہ پوری کائنات میں امن وامان اور سلامتی وخیر سگالی کا داعی ہے، کیا آپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ اس دین کی پانچوں بنیادیں بنی نوع بشری میں تفرق کے بجائے اجتماعیت اور توڑ کے بجائے جوڑ کے مظاہر ہیں، کلمہ طیبہ، اقامت صلاۃ، ادائے زکاۃ، صیام رمضان اور حج بیت اللہ میں سے ہرایک امن، سلامتی، اجتماعیت، جوڑ، خیر سگالی، الفت، محبت اور مودت پر شاہد عدل ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اسلام کے ان ارکانِ خمسہ کا جائزہ لے کر اس دین کے امن وسلامتی کے

دعوے کو مبنی بر حقیقت ہونے کا دو اور دو چار کی طرح نتیجہ نکال سکتا ہے، تو کیا ضد عناد اور ہٹ دھرمی سے بچا ہوا کوئی قلبِ سلیم رکھنے والا دانش ور، تجزیہ نگار اور مؤرخ، ہے جو دنیا کے سامنے اس حقیقت کو طشت از بام کردے؟

معزز سامعین کرام، جہاد اسلام کے بنیادی ارکان خمسہ میں سے نہیں ہے، یہ ایک ضرورت ہے، یہ ایک اضطراری حالت ہے، بالفاظِ دیگر یہ ایک رد عمل کا نام ہے، ظاہر سی بات ہے کہ جب آپ اپنے مکان، ادارے، محلے، شہر، ملک اور کل کائنات میں امن سلامتی، حسن اخلاق، حسن معاشرت، حسن سیرت و کردار کے داعی ہیں، رحمۃ للعالمین، پیا مبر کے وارث ونائب ہیں، آپ ایک مثالی اور ماڈل معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں، آپ اور آپ کے اسلاف نے اس کے لئے جانی و مالی بیش بہا قربانیاں بھی دی ہیں، لیکن کچھ افراد، اقوام، ممالک، گروہز اور کچھ افکار و نظریات آپ کے اس مشن کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں، اس میں رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں، تو کیا آپ ہابیل کی طرح قابیل کے سامنے ہاتھ پر ہاتھ دھرے کھڑے رہینگے، یا پھر اپنے تعمیر کردہ چمن زار و گلستاں کو بچانے کے لئے جان و مال کی پرواہ کئے بغیر میدان میں کو دپڑینگے، کیا اس نقطۂ نظر کو پیش رکھکر آج چودہ سو سال کے بعد مہذب اقوام نے ان کے خلاف دہشت گردانہ کارروائیوں کے مقابلے کے لئے ''گرم تعاقب'' کے نام سے یہی تکنیک نہیں اپنائی؟ کیا اس میں دفاعی اور اقدامی سب شامل نہیں ہیں، تو اگر انسانی عقل اپنی نارسی سے اس نکتے تک صدیوں اور ہزاریوں میں پہنچ سکتی ہے، تو وحی اور نبوت کی شکل میں دینی نقل اگر پہلے ہی فرصت میں اس تک پہنچ گئی

تو اس میں تردد اور تذبذب کیوں اور کیسے ؟؟۔
یادر کھیئے گا ایمان امن چاہتا ہے ، اسلام سلامتی چاہتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ زمین اور کائنات میں اضطراب اور بے راہ روی روکنے کے لئے اسلام میں اقدامی اور دفاعی دونوں طرح کے جہاد ہیں ، اسلام کفر و کافر کو تخریب ، نقض امن اور دنگا وفساد سے جب بھی روکتا ہے، اسے جہاد کہتے ہیں ، چنانچہ کفر اور کافر جہاں بھی پر امن ہیں ، انسانیت کی تباہی کے چکروں میں نہیں ہیں ، اسلام اور ایمان ان سے تعرض نہیں کرتے ، اس کی مثال آپ اسلامی حدود اور قصاص سے سمجھئے کہ کسی کا قتل و جرائم سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو حدود و قصاص کا اس سے کیا تعلق ، گویا جہاد کفر و اہل کفر اور بغاوت و اہل بغاوت کی حال میں تخریبی عمل اور استقبال میں تخریبی سوچ کا رد عمل ہے، اسی لئے مجاہد حسب حالات کبھی دفاع اور کبھی اقدام پر مجبور ہوتا ہے۔ بہر حال یہاں ہم اس حوالے سے اسلام کے چند زرین قوانین پیش کرتے ہیں :
نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنگ کا مقصد دشمن کا جسمانی طور پر خاتمہ کرنا نہیں ہے ، جدید بین الاقوامی انسانی فلاحی قوانین بھی یہ کہہ کر کہ جنگ کا مقصد دشمن کی جنگی طاقت اور جنگی استعداد کو کمزور کرنا ہونا چاہیئے،اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جونہی دشمن کی جنگی استعداد کمزور ہوجائے ، حملوں کو روک دینا چاہئے ۔
جنگ کے اصول و قوانین میں اسلام نے جو بنیادی اصلاح کی ہے وہ یہ ہے کہ طاقت کے

استعمال کو صرف شریکِ جنگ تک محدود کیا جائے۔

اسلام کے قانون جنگ کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ قانونی طور پر تسلیم شدہ سیاسی حکومت کی اجازت کے بغیر طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔

اسلام کے قانون جنگ کا تیسرا اصول عملی طور پر جنگ میں حصہ نہ لینے والے افراد سے متعلق ہے، طبّی امداد دینے والے اور اسی قبیل کے دوسرے افراد، حتی کہ اگر وہ جنگجوؤں اور حملہ آوروں کو مدد بھی فراہم کر رہے ہوں، انہیں جنگ میں شریک افراد کا حصہ نہیں سمجھا جاتا، رعایت نہ صرف طب سے متعلقہ لوگوں کو دی گئی ہے، بلکہ دوسرا امدادی عملہ جن میں نرسیں، خدمت گار، کھانا پکانے والے، شہری ضروریات کی فراہمی کرنے والے، بہت عمر رسیدہ سپاہی اور وہ بوڑھے افراد جو جنگ میں حصہ نہ لے رہے ہوں، بھی اس رعایت میں شامل ہیں ان سب افراد کو قتل اور طاقت کے استعمال سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس میں دھوکہ دہی کا عنصر شامل ہو، اس بات قرآن پاک کی دلیل حاصل ہے، قرآن پاک کی بہت سی آیات ہیں جن میں دھوکہ دہی اور کسی چیز کو، حتی کہ دشمن سامنے بھی غلط انداز میں پیش کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

اس طویل تمہید کے بعد اگر ہم جہاد کی لغوی واصطلاحی تعریفوں، یا انواع واقسامِ جہاد اور اس کے احکام میں لگ جائینگے، تو شاید مقررہ وقت کا دامن ہمارے ہاتھ سے چھوٹ جائے، بنابریں ہم یہاں "جہاد میں جہاد" کے کچھ نمونے پیش کئے دیتے ہیں۔

☆ بنو نظیر نے ایامِ صلح میں معاہدۂ امن کے باوجود پیغمبرِ اسلام ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک کوشش کی، جس کے رو سے ان کو مدینہ میں رہنے کی گنجائش ختم ہوئی، تو انہیں صرف جلا وطن کیا گیا۔ بنو قریظہ نے حالت جنگ میں اس طرح کا غدر کیا، اور تمام مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے کی سازباز کی، چنانچہ ان کے صرف مردوں کو ان کے مقرر کردہ حَکَم کے کہنے پر تہِ تیغ کیا گیا۔ "گرم تعاقب" کی اصطلاح میں اگر دیکھا جائے تو یہ عین انصاف ہے، اس شریر قوم سے تنگ آکر ہٹلر نے کیا کیا تھا، وہ آپ کے سامنے ہے۔

☆ حضرت علیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ غزوۂ خندق میں ایک موقع پر جب وہ اپنے مد مقابل انتہائی طاقتور دشمن (عمرو بن عبد وَدالعامری) کو پچھاڑ چکے، تو انہوں نے حضرت علیؓ پر نیچے سے تھوک دیا، تو وہ ان سے یکدم پرے ہٹ گئے، کسی نے پوچھا، حضرت اس وقت تو آپ ان کا کام بڑی سے تمام کر سکتے تھے؟ فرمایا، میری ان سے ذاتی کوئی دشمن نہیں ہے، نہ ہی ہم اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام لیتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۳، ۴۳۲) اسی واقعہ کے ذیل میں بعض مؤرخین نے حضرت علی کا اس جنگ میں ایک اور، عجیب وغریب واقعہ

بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک مبارز کو انجام تک پہنچایا، اور انکی تلوار، ڈھال اور زرہ لئے بغیر خالی ہاتھ لوٹے۔ نبی کریم ﷺ یا حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر بتایا، ان کی شرمگاہ کھل گئی تھی، میں شرم کے مارے سب کچھ چھوڑ کر واپس چلا آیا۔۔۔یقیناً دنیا کی تاریخ کسی بھی گھمسان کی جنگ میں حسنِ اخلاق کے اس کردار کا نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

☆ دوسرے خلیفہ راشد کے زمانے میں، مسلمانوں اور ایرنیوں کے مابین جنگ ہو رہی تھی، ایک ایرانی درخت پر چڑھ گیا اور اسکی چوٹی پر پناہ لے لی، ایک مسلمان سپاہی نے اسے پالیا اور فارسی میں اسے کہنے لگا، ماترس، یعنی مت ڈرو، ایرانی فوجی یہ سمجھا کہ شاید اسے پناہ اور تحفظ دے دیا گیا ہے، چنانچہ وہ نیچے اتر آیا، تاہم مسلمان فوجی نے اسے قتل کر ڈالا، حضرت عمرؓ کو اس معاملے کی خبر دی گئی، انہوں نے ایک پالیسی بیان جاری کیا جس میں انہوں نے یہی فارسی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص دشمن فوجی کو ''ماترس'' اور بعد میں اسے قتل کرتے پایا گیا تو اس پر قتل کا مقدمہ چلایا جائے گا اور وہ سزائے موت کا حق دار ہوگا، ایسے عمل کو دوسرے خلیفہ راشد نے قتل کے برابر گردانا صرف اس وجہ سے کہ ارادے کو غلط انداز میں پیش کیا گیا، یہاں دھوکہ دہی کو اس کے لغوی معنوں سے کہیں زیادہ وسیع کرکے منع کر دیا گیا۔

☆ مسلمان حکومت نے جدید ترکی اور مصر کی سرحدوں کے قریب کہیں آباد غیر مسلم لوگوں سے معاہدہ کرلیا، یہ لوگ مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کیا کرتے تھے ، خاص طور پر وہ تجارتی قافلے جو عرب اور یورپ کے درمیان سفر کرتے تھے یہ انہیں لوٹ لیا کرتے ۔ سلطنت امیہ کے بانی حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا تاہم مسلمانوں نے ان سے جو معاہدہ کررکھا تھا اس میں وقت کی پاسداری ضروری تھی اور اس معاہدے میں ہر سال توسیع کردی جاتی تھی ۔ ان کے خلاف قدم اٹھانے کے لئے خلیفہ نے انتظار کی یہاں تک کہ یہ معاہدہ ختم ہونے کو آگیا، اس معاہدے کے ختم ہونے سے ایک ماہ قبل ، انہوں نے تیاری کی اور اپنی کمان میں فوج کو حکم دیا کہ وہ اس علاقے کی جانب سے پیش قدمی کریں جہاں یہ مشکلات پیدا کرنے والے لوگ رہائش پذیر تھے، ان کا خیال تھا کہ وہ معاہدے کی آخری تاریخ تک انتظار کریں گے اور پھر معاہدے میں توسیع کرنے کے بجائے ، اگلی ہی صبح ان لوگوں کو سزا دیں گے، تکنیکی لحاظ سے ، قانونی ،آئینی اور آج کی زبان میں بین الاقوامی قانون کی رو سے ان کا یہ قدم جائز ہوتا، وہ اپنے ہی علاقے میں نقل وحرکت کررہے تھے اور معاہدے کے عرصے میں ان کے خلاف کوئی قدم بھی نہیں اٹھارہے تھے، لیکن یہ خلیفہ کی ذاتی رائے تھی اور اس پر دوسروں سے مشاورت نہیں کی گئی تھی ، ایک صحابی رسول ﷺ عمر بن انباسہؓ گھوڑے پر سوار ہوکر تیزی سے اس جانب بڑھے جس سمت مسلمان فوج پیش قدمی کر رہی تھی ، خلیفہ کو خبر دی گئی کہ کوئی شخص نزدیک آرہاہے، جب وہ قریب آئے تو دیکھا گیا کہ وہ صحابی رسول ﷺ عمر بن ابناسہؓ ہیں، جب حضرت عمرؓ نے مسلمان فوج کو جالیا وہ زور وشور سے چلارہے تھے

وفاء لاغدر" اپنا وعدہ پورا کرو، دھوکہ دہی کے مرتکب نہ ہو"۔"

خلیفہ تک پہنچنے کے بعد انھوں نے معاہدے کے متعلق اپنے فہم اور تعبیر کو واضح کیا اور یہ کہ خلیفہ کا یہ قدم کیسے دھوکہ دہی میں شامل ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب ایک مسلمان ریاست کچھ افراد کے ساتھ کوئی معاہدے کر بیٹھتی ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ ۳ باوجود اس کے کہ ان کے ارادے دشمنی کی جانب مائل ہوں، پر امن رہا جائے طرفین کو جذباتی طور پر پر امن رہنا چاہئے، یہ حقیقت کہ ایک مسلمان حکمران نے معاہد قوم کے خلاف فوجی کارروائی کا سوچا اور اس ارادے کے ساتھ اپنی فوجوں کو حرکت بھی دی اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ معاہدے کی اصل روح یعنی معاہدے کے عرصے میں پر امن رہنے کے عزم کے خلاف ایک حرکت کے مرتکب ہوئے۔

چنانچہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ معاہدے کو ختم کرنا چاہیں تو انہیں اپنے ارادے کا اعلانیہ اظہار کرنا چاہیے تاکہ دشمن کی موجودہ حالت کے بارے میں آگاہ ہو جائے اور اسے پتہ چل جائے کہ مسلمان ان کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں چنانچہ وہ بھی اسی طرح تیار رہے، صرف اسی صورت میں مسلمان ان کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں جن کے ساتھ ان کا امن کا معاہدہ تھا، خلیفہ حضرت معاویہؓ (۶۰۲ء ،۶۸۰ء) سمیت مسلمان فوج نے اس تشریح کو قبول کیا اور فوراً ہی اپنے اقدامات کو ختم کرکے دمشق واپس روانہ ہوگئے۔

☆ ۱۰۵ھ اور ولید ابن عبد الملک کا عہد تھا، جب اسلامی فوجیں سمرقند میں فاتحانہ داخل ہوئیں، دیکھتے ہی دیکھتے سمرقند اسلامی ریاست کا حصہ بنادیاگیا، عدلیہ سمیت تمام محکمے وجود میں آگئے۔ ابھی مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ سمرقند کے مقامی مذہبی پیشوا، اسلامی عدالت کے روبرو پیش ہوئے اور موقف اختیار کیا کہ سمرقند میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت خود اسلامی قانون کی رو سے ہی ناجائز اور غیر قانونی ہے۔ لہٰذا عدالت اس حکومت کو ختم کرکے مسلم فاتحین کو سمرقند سے نکل جانے کا حکم جاری کرے۔ قاضی نے انہیں اپنے موقف کے حق میں دلائل پیش کرنے کو کہا، تو ان کی پہلی ہی دلیل آخری اور حتمی بھی ثابت ہوئی۔ مذہبی پیشواؤں کا استدلال تھا، آپ کے مذہب کے قانون کے تحت مسلم افواج کے کمانڈر پر لازم ہے کہ کسی ریاست پر حملہ کرنے سے قبل وہ دعوت اسلام دے، اگر یہ دعوت رد کردی جائے، تو پھر وہ جزیئے کی شرط کے ساتھ سرنڈر کا حکم دے، اگر یہ مطالبہ بھی رد کردیا جائے، تو تب مسلم افواج اس ریاست پر حملہ آور ہوسکتی ہیں۔ قاضی نے تصدیق کی کہ بالکل ایسا ہی ہے، تو ان مذہبی پیشواؤں نے انکشاف کیا، کہ فتح سمرقند کے موقع پر مسلم فاتحین نے اس قانون کو مکمل طور پر نظر انداز کیا، نہ تو دعوت اسلام دی گئی اور نہ ہی جزیئے کی شرط کے ساتھ سرنڈر کا مطالبہ کیا گیا، قاضی کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا، اس نے فوری طور پر سمرقند کے فاتح نامور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کو عدالت میں طلب کرلیا، قاضی نے قتیبہ بن مسلم سے صرف ایک سوال کیا، کیاواقعی ایسا ہی ہوا ہے، جیسا یہ مذہبی پیشوا بیان کررہے ہیں؟

قتیبہ بن مسلم نے ان کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے کچھ وضاحتیں اور وجوہات پیش کرنی شروع کردیں ، عدالت نے تمام وضاحتیں مسترد کرتے ہوئے پہلی ساعت پر تاریخ ساز فیصلہ صادر کردیا، مسلم عدالت نے سمرقند پر اسلامی حکومت کو ناجائز اور غیر قانونی قرار دیتے ہوئے ،نہ صرف اس کے خاتمے کا حکم دیا، بلکہ بلاتاخیر سمرقند سے نکل جانے کا حکم دیا، فیصلہ سناتے ہی قاضی نے اپنا قلمدان سمیٹا اور کمرۂ عدالت خالی کردیا، مسلم لشکر نے سمرقند سے کوچ شروع کیا، تو شہر کے باہر وہی مقامی مذہبی پیشوا ایک بار پھر قاضی اور قتیبہ بن مسلم کے سامنے آ گئے ،انہوں نے ان کے گھوڑوں کی لگام پکڑ کر کہا، سمرقند نے اپنی تاریخ میں ایسا منصف فاتح کبھی دیکھا اور نہ ہی مستقبل میں کبھی دیکھ سکے گا، خدارا ہمیں چھوڑ کر نہ جائیں اب یہ ہماری ہی خواہش ہے کہ آپ ہی ہم پر حکومت کریں ،یوں سمرقند پر اسلامی حکومت قائم ہو گئی ، یہی واقعہ اہل سمرقند کے قبول اسلام کا بھی سبب بنا۔

☆تاریخ شاہد ہے صلیبی جنگوں کے دوران مسلم عوام اور حکمرانوں کے ساتھ مغربیؒ غارت گروں نے کیا ناروا سلوک کیا ، اور اہل اسلام کے ہاتھوں ان حملہ آور فوجیوں اور بعض مقامات پر یورپی بادشاہوں کی قید وبند کی حالت میں کتنا عجیب حسن معاملہ کیا گیا۔

☆ فی زمانہ ایوان ریڈلی اور ان جیسے بہت سے مغربی قیدیوں کے واقعات میڈیا نےؒ کھل

کر بیان کئے ہیں ، مجاہدین انہیں اذیتیں دے سکتے تھے ، انہیں بھوکا پیاسا رکھ سکتے تھے ، خواتین قیدیوں کے ساتھ جنسی کے امکانات موجود تھے ، لاشوں کی بے حرمتی ممکن تھیں ، لیکن سب کچھ اگر کسی نے کیا تو وہ ان لوگوں نے کیا جو مہذب کہلاتی ہیں ، عافیہ صدیقی کے ساتھ ظالمانہ سلوک ، مساجد و معابد اور سکول ہسپتالوں کو نشانہ بنانا، ڈروں حملوں میں معصوم لوگوں کو ہدف کرنا، باگرام ،ابو غُریب اور گوانتانا موبے میں انسانیت کی لرزہ خیز تذلیل ، قرآن کریم کی بے حرمتی کے متعدد واقعات ، لاشوں پر پیشاب ، پورے مذہب کو بدنام کرکے اسلامو فوبیا کا ہوا کھڑا نا ، قانون بین الاقوام میں ممنوع انگنت اقسامِ اسلحہ استعمال کرنا، یہ کس کے کارنامے ہیں ، افسوس سے کہنا پڑتا ہے ، یہ ان لوگوں کے کارنامے ہیں ، جو دنیا کو تہذیب وتمدن ، حقوقِ انسانی اور بین الاقوامی قوانین کی پاسداری سکھاتے ہیں ، ہم مغربی اقوام کا احترام کرتے ہیں ، ان کی ترقی کو سلام کرتے ہیں، مگر کاش ،ان اقوام کو بحیثیتِ اقوام عقل وہوش آجائے، کہ ان کے حکمرانوں اور ان کے اہل اقتدار نے انہیں دنیا میں کتنی نفرت دلائی ، انہیں کس قدر بدنام اور رسوا کیا، ان کے دامن کو کس حد تک داغدار اور تار تار کردیا،اے کاش۔

☆ اب ایک جھلک یہ بھی ،طالبان کے جیلر بابا جیلانی سے میں نے ایک موقع پر پوچھا آخر کیا وجہ ہے کہ یہ نیٹو سپاہی تمھارے ہاتھوں جسمانی قیدی بننے کے بعد آپ کے، روحانی قیدی بن جاتے ہیں، کہیں برین واش تو نہیں کرتے آپ لوگ ، وہ ہنستے ہوئے کہنے

لگا، نہیں جی،برین واش نہیں کرتے ، شکم واش کرتے ہیں، خود روکھی سوکھی کھاتے ہیں ، انہیں بادام ، پستہ ، مکھن اور دودھ و گھی میں توڑی ہوئی روٹی کھلاتے ہیں،ان کی عزت کرتے ہیں،احترام کرتے ہیں، مہمان کی طرح رکھتے ہیں،ان کے خاندانوں سے ان کے رابطے کراتے ہیں،ان کے لئے اور ان کی اقوام کے لئے دعائیں کرتے ہیں، نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

ایک جرمن خاتون صحافی نے مجھ سے میرے آفس میں انٹرویو کے درمیان پوچھا،یورپ میں خواتین کے حقوق کا بہت خیال رکھاجاتاہے ، مسلمانوں کے یہاں اس حوالے سے کوتاہی کی بات کی جاتی ہے،آپ کیا کہینگے ؟ میں نے کہا،اس کا جواب عافیہ اور ریڈلی کی صورت میں پوری دنیاکے سامنے موجود ہے۔

☆ فلسطین میں مسلمان بچوں ، بوڑھوں ، نوجوانوں ، قیدیوں اور مساجد ورہائشی بستیوں میں کیاہورہاہے، کیایہ حالات آج کے کسی ذی شعور سے مخفی ہیں ، کیاان سب کچھ میں صہیونیوں کو یورپ اور بالخصوص امریکہ کاآشیرباد حاصل نہیں ہے؟

لمثل ھذا یذوب القلب من کمد۔ ان کان فی القلب اسلام وایمان

☆ لیبیاکے کرنل معمر قذافی کے خلاف کارروائی ہویا مالی کے بے چارے طوارق افغانستان کی امارت اسلامیہ ہویا صومالیہ کے کمزور قبائل ، عراق کے لیڈر صدام، حسین

ہو، یا چیچینیا کے رشین فیڈریشن میں محصور رہنما جو ہر دوودالیف، ان تہذیب یافتہ کہلانی والی اقوام نے بھوکے بھیڑیوں کی طرح ان پر کس بے رحمانہ، بے باکانہ، بے ترسانہ اور توہین آمیز انداز میں یلغار کی، یہ آیندہ نسلوں کے لئے ایک سوہانِ روح اور غم تاریخ ہے۔

☆ بوسنیا میں جب تک خون کی ندیاں نہ بہائی گئیں، عزتیں نہ لوٹی گئیں، نسلی تطہیر کی شرمناک کردار ادا نہ کئے گئے، اس وقت تک ان طاقتور اقوام کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی، آج جب وہی تاریخ مکمل طور پر شام میں اور ایک حد تک برما میں دھرائی جارہی ہے، تاریخ انسانی کا ایک المناک سانحہ رقم کیا جارہاہے، ان متمدن اقوام پر مشہور ضرب المثل سو فیصد منطبق ہو رہی ہے کہ ”خوئے بد را بہانہ بسیار“۔

لیکن اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اہل اسلام نے یہاں ان بدترین حالات میں بھی حق اور سچ کا دامن تھامے رکھا، کوئی سچا واقعہ جو ان حق پرستوں کے لئے آیندہ کی انسانی تاریخ یا قانون بین الاقوام میں باعث شرم وخجالت ہو، دنیا کی کوئی طاقت پیش نہیں کرسکتی، کیا اس ”صورۃ منتزعۃ“ اور مجموعی صورتِ حالات سے مسلح تصادم میں اسلامی اخلاقیات کے نفاذ کی چمکدار اور خیرہ کن کرنیں نہیں پھوٹتیں؟ پر اللہ تبارک وتعالی نے سچ فرمایا ہے: ”فانھا لا تعمی الابصار، ولکن تعمی القلوب التی فی الصدور“۔

برصغیر میں عربی زبان وادب کے نشر واشاعت کے کچھ عوامل

فضیلۃالشیخ ولی خان المظفر

عربی زبان وادب سے برائے نام اور ادنی سی مناسبت کی وجہ سے متعدد طلبہ، فضلاء اور مدرسین، مشافھۃً ومراسلۃً عربی تکلم اور مضمون نویسی کے متعلق راقم سے رابطہ فرماتے رہتے ہیں۔ ہمارے بعض ساتھیوں کا خیال ہوتا ہے کہ عربی تقریر و تحریر کے لئے شاید انگریزی دواؤں کا کوئی اس قسم کا آسان فارمولا ہوگا، کہ جسے استعمال میں لاتے ہی انسان میں یہ وصف ابھر کر نمودار ہوجائے گا اور ساتھ ہی ساتھ اس میدان میں ضعف و نقاہت کی بیماری یکسر ختم ہوجائے گی، لیکن ایسا کہاں؟؟

بہر حال یہ بھی غنیمت ہے کہ عربی مدارس سے متعلق طلبہ واساتذہ بالخصوص اور عامۃ المسلمین بالعموم تعلیم وتعلم اور فہم قرآن وسنت کے لئے اس اہم عنصر کی طرف خاصے متوجہ ہوگئے ہیں، میری ناقص رائے کے مطابق کچھ سالوں سے اس توجہ میں اضافے کے کچھ اسباب یہ ہیں:

دارالعلوم دیوبند جوام المدارس والجامعات ہے: میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم

کا کردار اس حوالے سے بنیادی کردار ہے، بالخصوص حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا وحید الزمان کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ جنہوں نے تقریباً اپنی عمریں اس مقصد کے لئے وقف کردی تھیں، مذکورہ حوالے سے ان کی خدمات زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

تین چار دہائیوں سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں (بلکہ غیر مسلموں کا بھی) عالم عرب کے ساتھ سفارتی، اقتصادی اور تعلیمی ارتباط۔

طاقت ور الیکٹرانک میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ و وسائل نشر و اشاعت کی بناء پر سمعی و مرئی ادبیات ولٹریچر کا برائے استفادہ آسانی سے دستیابی۔

دینی مدارس کے نیٹ ورک کی وسعت، ہمہ گیریت اور تاثیر۔

جہاد افغانستان میں عرب مجاہدین کی عملی، مالی، تحریری اور لسانی شرکت اور یہاں کے مقامی مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لئے مختلف مواقع پر عالم عرب میں ان کا استقبال وترحیب۔

پاکستان کے متعدد شہروں بالخصوص پشاور میں جہادی کار کے حوالے سے کئی

پاکستانی، افغانی اور عرب تنظیموں کا عربی میڈیم مدارس و جامعات اور عربی زبان میں شاندار قسم کے مجلات و جرائد کا اجراء۔

چودھویں صدی کے اوائل سے آج تک پاکستان کے بین الاقوامی شہرت یافتہ کچھ عربی و دینی جامعات سے باقاعدہ عربی رسائل کا اصدار (مثلا الفاروق عربی، البعث الاسلامی اور الداعی) اور ان ہی مدارس وجامعات کے زیر نگرانی شعبہ ہائے عربی، اسلامیات اور معہد اللغۃ العربیہ، القسم العربی اور تخصص فی الأدب العربی نام کے نہایت فعال اور عظیم الشان اداروں کی تاسیس۔

قریباً ایک دھائی سے ملک کے چپے چپے میں مدارس البنات کا قیام، جن سے اسلامی علوم و فنون اور عربی ادب واصطلاحات کا پھلنا پھولنا۔

اور اب سال ۱۴۲۵ھ سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب بنین و بنات میں دیگر اہم تبدیلیوں اور اضافوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کے قدیم وجدید میں امتزاج کے علاوہ کچھ ایسی بنیادی کتب ومضامین کا ارباب وفاق کی طرف سے مستزاد ہونا، جن سے اس خلا کو پر کرنے کی طرف سالہائے گزشتہ کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ رجحان کا پایا جانا، مثلاً اقناع الضمیر مع التمارین، تعریب علم الصیغۃ، مختارات من ادب العرب، التاریخ الاسلامی اور البیان فی علوم

القرآن کی نصاب میں باقاعدہ شمولیت۔
بڑی عمر کے خواتین و حضرات کے لئے حضرت صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان امام المحدثین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کا ایک ایسا سہ سالہ عوامی سطح پر انقلابی اور جامع کورس (منہج الدراسات الدینیہ) مرتب فرمانا، جس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم و فنون کے ہمرشتہ ادب عربی کا ضرورت کی حد تک حصہ شامل کردینے سے عربیت کی جڑوں کو توانائی ملنے کی توقع ہے۔
وفاق المدارس کے امتحانات میں فصحی عربی میں جواب دینے پر فی پرچہ دس نمبرات کا اضافہ۔
تخصصات کے ضمن میں تخصص فی الادب العربی کی باقاعدہ وفاق کی مجلس عاملہ سے منظوری اور آئندہ سے اس کے امتحانات منعقد کرکے شہادات کا اجرا کرنا (جامعہ فاروقیہ کراچی میں اس شعبے کا باقاعدہ اجراء اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے ہوگیا ہے)۔
دورہ حدیث کے طلبہ کے لئے ملک گیر سطح پر وفاق کے زیر نگرانی عربی مقالہ

نویسی کا اضافہ ایک حوصلہ افزا پیش رفت ہے۔

لیگ آف نیشنز، یونائیٹڈ نیشنز، آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس اور عرب لیگ جیسی مقتدرہ اور عالمی سطح کی تنظیموں اور ان کے ذیلی اداروں میں عربی زبان کا باقاعدہ بین الاقوامی وبین التنظیمی حیثیت کا اعتراف (جس کی بنا پر ان اداروں کے اجلاسوں میں گفتگو، خطاب اور ان سے مراسلت نیز ان کے ریکارڈ کی حفاظت ان سب کا عربی زبان میں بھی ہونا، لہذا جنرل اسمبلی یا سلامتی کونسل سے خطاب میں یا نکتہ اعتراض پر کسی بات کا جواب اگر کوئی عربی میں دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

عالم گیریت کے اس دور میں پوری دنیا کی یونیورسٹیز اور کالجز میں مختلف مقاصد کے تحت شعبہ ہائے لسانیات کا قیام۔ ظاہر ہے کہ لسانیات کا شعبہ جہاں کہیں ہوگا اس میں عربی کا شعبہ ضرور ہوگا جو قرآن و حدیث، فقہ اسلامی وغیرہ کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ قریباً چھوٹے بڑے ۲۳، ۲۴ عرب ممالک کی سرکاری زبان بھی ہے۔ جہاں کسی بھی خدمت کی انجام دہی کے لئے عربی کے بغیر چارہ کار نہیں۔

دعوت و تبلیغ سے وابستہ بیرون ممالک سے حضرات کی آمدورفت اور ان کے ساتھ

جڑنے والے علماء واحباب کی وجہ سے برصغیر میں عربی زبان کو فروغ حاصل ہونا۔
اسلام آباد کی بین الاقوامی یونیورسٹی کا قیام، جامعہ ازہر اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں برصغیر کے طلبہ کی تعلیم وتربیت۔
شخصیات کی سطح پر بالخصوص محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا مختلف عرب دنیا کے اسفار اور نہایت عمیق عربی لغت وادب پر عبور کی وجہ سے بار بار اس کی شدومد کے ساتھ ترغیب پھر امام الادب العربی فی الہند حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی ۔رحمۃ اللہ علیہ۔ کی اپنی تالیفات، محاضرات، ندوۃ العلماء کا تعمیری کردار اور البعث الاسلامی، رابطۃ الأدب الاسلامی العالمیۃ وغیرہ کی صورت میں لازوال اور انتھک مساعی وخدمات اور اب امام المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کا نہ صرف جامعہ فاروقیہ کراچی کی سطح پر عربی زبان وادب کے لئے عملی اقدامات (بطورِ خاص معہد اللغۃ العربیۃ والدراسات الاسلامیۃ اور تخصص فی الأدب العربی) اور بیس سال سے مسلسل شائع ہونے والا مجلۃ الفاروق القسم العربی بلکہ پورے وفاق المدارس کی سطح پر وقتاً فوقتاً اپنی بے پناہ بصیرت، دور

اندیشی اور شغف علمی کی بناء پر قرآن وسنت کے تمام علوم اور ان کے فہم وادراک کے لئے بطور موقوف علیہ کے کل فنون جن میں عربی ادب نمایاں ہے، کو فروغ دینے کی کوششیں واقفان حال کے سامنے اظہر من الشمس ہیں۔

بہرکیف یہ بات مسلم ہے کہ کچھ دہائیوں سے برصغیر میں عربی زبان وادب ماضی کے مقابلے میں کافی زیادہ پروان چڑھ رہا ہے۔ مگر اسے منظم، مفید سے مفید تر اور حسب طلب مختلف سطحوں کے افراد کی دسترس میں کیسے لایا جائے؟ اس حوالے سے مزید سوچ وبچار کی ضرورت ماضی کے مقابلے میں اب کہیں زیادہ ہے۔

نواز شریف، یہ حکایت ضرور مد نظر رکھیں

ایک چوہے اور ایک جادوگر کی عرصۂ دراز سے رفاقت و دوستی تھی، چوہے بلی کی دشمنی بھی فطری اور ابدی ہے، جادوگر کے گوشے میں بعض اوقات بلیاں بھی آجاتی تھیں، جس کی وجہ سے چوہا خوف کے مارے اپنی بل میں گھس جاتا تھا، ایک دن چوہے نے ساحر سے کہا، منتر پڑھ کر مجھے بلی بنادو، تاکہ میں بلیوں کے شر سے مامون ہو جاؤں، ساحر نے حامی بھرلی اور اپنے دوست چوہے کو بلی کی شکل میں تبدیل کر دیا، اب بلی کی شکل میں چوہے کے جغرافیائی حدود میں اضافہ بھی ہوا، چنانچہ بل کے بجائے اسے گلی کوچوں میں گھومنا پڑتا، وہاں اس کی ملاقات کتوں سے ہو جاتی، کتا بھی بلیوں کے لئے خطرہ ہونے کی وجہ سے، بلی نما چوہا کتوں کے زیر عتاب آنے لگا، چوہا نئی جنگ اور نئی کھینچاتانی میں پڑگیا، مصیبت بھی ماقبل سے بڑھ کر تھی، اس نے جادوگر کی خدمت میں آداب بجالا کر ایک نئی درخواست پیش کر دی، برائے مہربانی ہمیں کتے کی شکل وصورت میں ڈھالا جائے، دوستی کے حقوق کا پاس رکھتے ہوئے حضرتِ ساحر نے سحری وظیفہ پڑھ کر چھو کر دی، وہ کتے کی شکل میں متشکل ہوگیا، عمل داری میں مزید اضافہ ہوا، حدود وقیود میں وسعت آ گئی، شہر بھر اور اطراف میں اس سگ نما چوہے کو تلاشِ رزق اور دل بہلانے کے لئے دور دور نکلنا پڑتا، وقتاً فوقتاً جنگلوں کا بھی رخ کرنا ہوتا، وہاں ایک نئے قوی

الجثہ ،خوفناک ھیکل اور چھوٹے جانوروں کا شکار کرنے والے طاقتور شیروں کو بھی دیکھنے کا اتفاق ہوگیا، اتفاق کیا ہوا، جان کے لالے پڑ گئے ،بڑی مشکل سے جان بچا کر اپنے پیرو مرشد کی بارگاہِ نیاز مندی میں باریابی کے شرف کے بعد پھر وہی رونا دھونا جادوگر نے کہا، ارے چوہا صاحب ،کیا ہوا، پریشانی کا یہ عالم کیوں ہے، چوہا کہنے لگا،، حضرتِ والا، یہاں اس دنیا میں مصائب ومشکلات ایک سے ایک ہیں ، جادوگر نے کہا، نئی بلا بتاؤ، انہوں نے کہا شیر اتنی بڑی بلا ہے کہ ان کے سامنے کسی کی نہیں چلتی ، کتے کی تو شکل ہی اسے منحوس لگتی ہے، ایسا لگتا ہے وہ ان کی نسلی تطہیر کا ارادہ رکھتا ہے ، کسی کتے کی خیر نہیں ہے۔ حضور جی ہم آخری درخواست کرنے آئے ہیں ،وہ یہ کہ ہمیں شیر کی شکل میں بدلا جائے، یوں ہم تمام خطرات سے باہر ہوجائینگے ،جادوگر نے کہا یہ کونسا مشکل کام ہے، لو جی شیر بنو، چناں چہ چوہا اب شیر نظر آنے لگا، یوں وہ شہر اور اہل شہر کے پس خوردوں سے بھی محروم ہوگیا، کیونکہ شیر وں کا بسیرا جنگلات ہیں ، شیروں والی تلاش رزق سے وہ اپنی فطرت یعنی چوہا ہونے کی وجہ سے عاجز تھا۔ کمزور بھی ہوگیا، فطری چوہا تھا، ڈرتا بھی تھا، بیماریوں میں بھی مبتلا ہوگیا، بخار ، سر درد، ہائی بلڈ پریشڈ ، یرقان ، ٹینشن ،کیا کیا امراض لاحق ہو گئے ، گرتا پڑتا ، ہائے ہائے کرتا کسی طرح جادوگر کے پاس پہنچ گیا، انہوں نے دیکھا، تو حیران رہ گیا، نقاہت وعلالت کے اسباب پوچھے ، بہت دیر تک مزاج پرسی اور تیمار داری کی ۔آخر میں مریض سے پوچھے بغیر ایک

کڑوی دوا کا علاج یہ کیا گیا کہ منتر پڑھ کر اسے واپس چوہا بنایا جائے، نصیحت ووصیت کی ، کہ آیندہ کبھی بھی اپنے جثّے سے بڑا حصے طلب نہ کریں، ورنہ یہ حقیر وفقیر نہ ہوگا اور تم ہلاک ہوجاؤگے ، چوہے نے تشکرات وامتنانات کے انبار لگا دیئے ،اللہ کا شکر ادا کیا کہ ایسے مردِ کامل سے ان کی دوستی ، صحبت یا فنگی ،رفاقت اور شناسائی ہے ، طبیعت بھی بحال ہوگئی ،دونوں پھر سے خوشی خوشی گزر بسر کرنے لگے ۔

عبرت بھری یہ کہانی ہم نے تیسری بار نو منتخب وزیر اعظم نواز شریف اور ان کے رفقائے کار کے لئے پیش کی ہے، ''کلیلہ ودمنہ'' میں اس قسم کے سیاسی حکایات بزبان حیوانات وافر مقدار میں موجود ہیں ۔

میاں نواز شریف اور نون لیگ کو وزارتِ عظمی اور حکمرانی صد بار مبارک ہو ، لیکن کا غذی شیر ماضی میں دو مرتبہ اپنی علالت ونقاہت کی وجہ سے اصل فطرت میں جو رجوع کرچکاہے ، وہ سب کے سامنے ہے ، اللہ کرے کہ اس بار وہ حقیقی شیروں کا جتھا جمع کریں اور خود بھی اصلی شیر ثابت ہوں، ورنہ نتیجہ ماضی ہی جیسا ہوگا۔

تصوف کیا ہے؟

وہ ذرا سی بات جو تصوف کا حاصل ہے، وہ یہ کہ جس طاعت وعبادت میں سستی وکاہلی ہو، اس میں نفس کا اور شیطان کا مقابلہ ومقاومہ کرکے اس طاعت وعبادت کو بجا لائے اور جس گناہ ونافرمانی کا تقاضا یا خواہش ہو، اس نفسانی و شیطانی اشتہا کا ایسا مقابلہ وسامنا کیا جائے کہ اس معصیت، گناہ اور نافرمانی سے بچا جائے۔ بس جس کسی کو یہ بات یا یہ ملکہ، وصف اور خاصیت حاصل ہو گئی، اس کو سب کچھ مل گیا، گویا قلندری میں سکندری مل گئی، کیونکہ یہی بات تعلق مع اللہ پیدا کرنے والی ہے، یہی تصوف، تزکیہ، طریقت اور احسان کی محافظ ہے، اور یہی اس کو بڑھاوا دینے والی ہے،
(فاتقواللہ مااستطعتم واسمعوا واطیعوا۔۔۔) (التغابن: 16) اس آیت کریمہ کا اگر بغور جائزہ لیا جائے اور حضراتِ مفسرین وصوفیائے کرام کی تشریحات جو اس کی ضمن میں ہیں کا باریک بینی سے مطالعہ کیا جائے، تو خلاصہ ومصداق وہی ہو گا جو اوپر والے پیرا گراف میں مرقوم اور آنے والے شعر میں مذکور ہے۔

زندہ کنی عطائے تو، ور بکشی فدائے تو جاں شدہ مبتلائے تو، ہر چہ کنی رضائے تو

لیکن ہمارے یہاں کا تصوف کچھ وجوہات کی وجہ سے اس راہ سے ہٹا ہوا ہے، دوسری صدی ہجری ہی میں اسلام اور اہل اسلام سے سرزمینِ ہند وپاک متعارف ہو گئی تھی، اسلامی فوجیں ملتان تک آ گئی تھیں اور عرب وہند کے باشندوں کی آمد ورفت اور انتقال آبادی کی راہیں کھل گئی تھیں، مگر بد قسمتی سے قرامطہ، اسماعیلیہ اور باطنی صوفیا، جن کے عقائد وخیالات کی سرزمینِ عرب میں کوئی جگہ نہ تھی، ان کے خیالات کے حاملین کی گردنیں اڑادی جاتی تھیں، ان لوگوں نے ہندوستان کا رخ کرلیا، جہاں صدیوں سے وثنیت وصنم پرستی کا راج تھا، یہ سرزمین مشرکانہ عقائد ونظریات کے لئے بہت سازگار تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ یہاں اسلام کے نام پر اسلام کے متوازی ''عجمی اسلام'' رواج پاگیا جس کا اصل اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا، پاک وہند میں تعارف اسلام کا دوسرا بڑا ذریعہ ترکستان اور ماوراء النھر سے آنے والے وہ اہل علم تھے جن کا علمی سرمایہ منطق وفلسفہ، ہندسہ وریاضی، فقہ وحکمت، علم الکلام کے مسائل اور دوسرے عقلیات وغیرہ تھا، اصحاب فقہ وفتاوی کی نظر اجتہاد کے بجائے الفاظ کے ظاہر پر تھی جب شیر شاہ سوری نے مغل بادشاہ ہمایوں کے خلاف بغاوت کرکے اسے ہندوستان، بدر کیا تو ہمایوں کو ایران میں پناہ لینا پڑی، اور ایرانیوں ہی کے تعاون سے وہ دوبارہ ہندستان پر قابض ہوا تو ایرانی اثرات بالخصوص باطنی عقائد کا اثر ونفوذ یہاں بہت بڑھ گیا۔

عرب وترکستان اور افغانستان سے آنے والے مسلمان ہوں یا ہندستان کے نو مسلم چونکہ انہیں ہندوستانی معاشرے میں رہنا تھا، اس لئے معاشرتی اقدار ورسوم کے اثرات نے بھی اپنا رنگ دکھانا تھا، یوں دسویں صدی ہجری تک مسلمانوں اور اہل اسلام کے عقائد کی شکل وصورت قبور پرستی، اللہ تعالی سے بے خوفی اور غیر اللہ بالخصوص اولیاء وصالحین سے خوف خشیت، اہل قبور سے استعانت واستغاثہ، ان سے فریادرسی، حاجت براری کی توقع، دعا واستغفار، استمداد وطلبِ حوائج، ان کی خوشنودی کے لئے ان کے نام کی نذر منت اور حیوانات کے ذبیحے، رسول ﷺ بعض صحابہؓ، اہل بیت اور ہزاروں بزرگان دین کے ساتھ الوہیت کے درجے کا اعتقاد، انہیں صفات ربانی سے متصف سمجھنا، ان کو علم الغیب، سمیع وبصیر جان کر حاجات ومشکلات میں غائبانہ پکار جیسے عقائد شامل ہوگئے۔

حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندیؒ پہلے شخص تھی جنہوں نے ارض ہند میں قرآن وسنت کی بالادستی کا علم بلند کیا اور قرآنی عقائد اور نبوی اعمال کی پوری قوت سے دعوت دی، غیر قرآنی عقائد واور غیر نبوی اعمال کی پرزور مخالفت کی اور فصوص کے مقابلے میں نصوص کی اہمیت کو واضح کیا، جس کا اندازہ ''مکتوبات امام ربانی'' کے مطالعے سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے اس سلسلے کو آگے بڑھایا اور درس قرآن کے علاوہ

اس وقت کی دفتری و سرکاری، علمی و تصنیفی زبان فارسی میں قرآن پاک کا ترجمہ کرکے اور اس کے درجنوں بلکہ سینکڑوں نسخے تیار کرواکے ہندوستان میں قرآن فہمی کی بنیاد رکھ دی، اور اس سے کس کو انکار ہے کہ قرآن توحید ربانی کی سب سے بڑی دستاویز ہے، جو شرک اور توحید کے درمیان نہ صرف فارق ہے، بلکہ قرآن شرک کی تمام رگوں کو کاٹ کر رکھ دیتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب کا یہ کارنامہ ان کے دوسرے تمام علمی کارناموں اور دینی خدمات پر بھاری ہے، کیونکہ اس کے بعد ہندوستان میں قرآن فہمی کی تحریک پیدا ہوگئی، چند روایتی اور کلامی مولویوں نے شاہ صاحب کی زبردست مخالفت بھی کی، مگر جو کام قدرت کی طرف سے مقدر تھا، وہ ہوچکا تھا، شاہ صاحب نے بھی اس مخالفت کی پرواہ نہ کی اور یہی بہتر تھا، یہ وہ زمانہ تھا جب اردو زبان نے فارسی کی جگہ لینا شروع کردی تھی اور بارہویں صدی ہجری کے آخری عشروں میں اردو میں تصنیف و تحریر کا سلسلہ شروع ہوگیا تھااور جلد ہی اردو زبان میں بھی ترجمہ قرآن کی ضرورت محسوس ہونے لگی تھی، جسے ان کے صاحبزادے شاہ عبد القادر نے پورا کیا، اس کے بعد شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے اردو ہی میں تحت اللفظ ترجمہ کرکے قرآن فہمی کی ایک اور منزل سر کردی، ان بزرگوں کے کام کو اسی خاندان کے دو افراد شاہ اسماعیل اور شاہ اسحاق دہلویؒ نے آگے بڑھایا۔ تصوف کو ان ہی بزرگوں کے انداز پڑھا اور سمجھا جائے، ورنہ فکری

اضطراب کا اندیشہ ہو گا۔

عمرہ کے دو قدیم سفروں کا احوال

جدہ ایک مرتبہ احقر نے 1994ء میں بھی دیکھا تھا،جب عمرے کے لئے اپنے کزن جناب سراج الدین تقی اللہ صاحب کے پاس اور پھر بعد میں محترم مولانا حمد اللہ صاحب (امیر جمعیت علماء اسلام جدہ سٹی)کے پاس رمضان سے اختتام حج تک قیام پذیر رہا تھا، ان دنوں ہم مولانا شمس الحق ، قاری رفیع اللہ ، مولانا عبد الرشید، مولانا شریف الرحمٰن آف اوگی ، مفتی عزیز اللہ ،حاجی زر رحمٰن سے ملتے رہے، مولانا فتح اللہ صاحب بانی و مہتمم جامعہ افضل العلوم گلستان جوہر رفیقِ سفر تھے ، مولانا کی علمی پختگی اور سادگیٔ طبع سے میں دوران سفر برابر محظوظ ہوتا رہا،اور استفادہ کرتا رہا، مولانا ہی نے اس وقت کسی صاحبِ خیر کے ذریعے اپنے لئے اور احقر کے لئے ٹکٹ کا انتظام کرایا تھا،اللہ جل شانہ سے دعاء ہے کہ انہیں اورانکے اس کرم فرما دونوں کو اپنے شایانِ شاں اجرِ عظیم نصیب فرمائے۔

اس وقت ویزے میں بہت مشکلات پیش آئیں تھیں ، مگر اللہ تعالیٰ مفتی جمیل خان صاحب مرحوم ومغفور کی قبر پر برکات وانوارات کی بارشیں برس فرمائیں ، کہ انہوں نے لمحوں میں وہ کام کر دکھایا جو مہینوں سے اٹکا ہوا تھا، (رحمۃ اللہ علیہ رحمۃً واسعۃً)۔

:سعودی ریڈیو کو ایک انٹرویو

اسی سفر میں ایک مرتبہ ہمارے عزیز ابراہیم (باباصاحب) کہیں کام کے دوران بُری طرح جل گئے تھے، جن کی مزاج پُرسی کے لئے جدہ میں شارعِ فلسطین پر (مستشفیٰ سلیمان الفقیہ) سلیمان فقیہ ہسپتال جانا ہوا تھا، جہاں سعودی ریڈیو کے کچھ نمائندے مریضوں سے انٹرویو کیلئے آ گئے، ابراہیم سے بھی چند سوالات کئے، کئی سالوں سے سعودیہ میں رہنے کے باوجود فصیح عربی زبان پر قدرت نہ ہونے کی وجہ سے صحیح جوابات نہ دارد کا سامنا تھا، جس پر ریڈیو والے پاس میں بیٹھنے والوں کی طرف متوجہ ہوئے، انہوں نے ہماری طرف اشارہ دیدیا، ہم نے اللہ کے فضل وکرم سے پوری تفصیل بتادی، جس پر وہ لوگ بہت خوش ہوئے، اور ہم سے کہنے لگے، کہ جناب نے یہ عربی کہاں سیکھی ہے، ہم نے جامعہ فاروقیہ کراچی اور پاکستان کا بتایا، تو وہ حیران سے ہوگئے، پھر کچھ باہمی مشاورت کے بعد کہنے لگے، کیا ہم آپ سے اس وقت کچھ انٹرویو کر سکتے ہیں، ہم نے جب اثبات میں جواب دیا، تو اُن حضرات نے وہیں پر ہم سے پاکستان، افغانستان، جہاد، دینی مدارسُ وجامعات، پاکستان میں عربی زبان اور جامعہ فاروقیہ کراچی کے حوالے سے ایک مفصل گفتگو کی، جو کہ بعد میں شام پانچ بجے سعودی ریڈیو سے شائع ہوئی،

فللہ الحمد والمنۃ۔

حضرت مولانا عاشق الٰہی مرحوم کی خدمت میں :اسی سفر میں شیخ عاشق الٰہی البرنی نوراللہ مرقدہ کی خدمت میں ایک ہفتہ تک از مغرب تا فجر مسجد نبوی ﷺ میں رہنے کا موقع ملا، انھوں نے اجازت حدیث بھی مرحمت فرمائی ، بعد میں مکاتبت و مراسلت کا سلسلہ بھی رہا،ان سے یادوں کے لئے شاید ایک مستقل مضمون کی ضرورت ہو گی : لیکن ایک بات یہیں ذکر کئے دیتا ہوں،

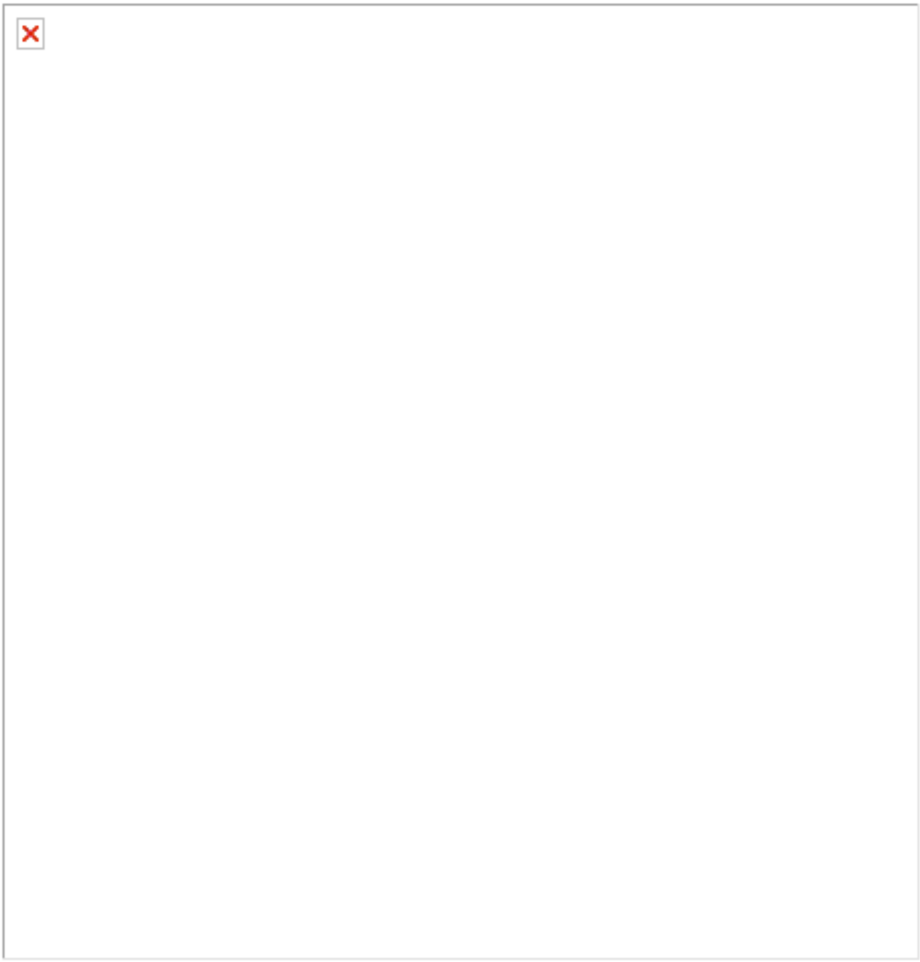

جدہ کے ساحل میں واقع بلند ترین شاور

سماحۃالشیخ عبدالعزیزبن عبداللہ بن بازرحمہ اللہ کے نام خط:
وہ یہ کہ ایک مرتبہ رات کوحضرت دامت برکاتہم کی مجلس میں یہ بات چھڑ گئی ، کہ جناب حدیث شریف میں تو آیا ہے کہ ''اجعلوآخرصلاتکم با للیل وترا''کہ وتر

کو اپنی رات کی آخری نماز بناؤ، جبکہ یہاں حرم نبوی ﷺ میں تراویح میں بھی وتر باجماعت ادا ہو رہی ہے اور بعد میں قیام اللیل بھی ہوتی ہے،اس وقت قیام اللیل میں وتر کی باجماعت نماز نہیں ہو رہی تھی ،جس پر حضرت نے احقر کو حکم دیا کہ آپ ایک خط اس موضوع پر تیار کریں حضرت شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز (مفتی اعظم مملکت سعودی عرب)کے نام اوراس مسئلے کو اس میں تفصیل سے بیان کریں ، چنانچہ میں نے وہ خط تحریر کرکے حضرت مولانا عاشق الہی صاحب مرحوم کو دکھادیا ، انہوں نے اپنے ایک خادم کے ذریعے اسے شیخ ابن باز مرحوم کے پاس بھجوایا،جس پر اگلے دو دنوں بعد ان کا حکم آیا کہ تراویح کے بعد وتر باجماعت کے بجائے قیام اللیل میں وتر کی جماعت کرائی جائے۔

اس خط کی کاپی میرے کاغذات میں دیر تک رہی ،اب بھی شاید کہیں مختلف خطوط وغیرہ کے ذخیرہ میں موجود ہوگی، صحیح یاد نہیں۔

"مطوَّع"کے بھیس میں:

اس کے بعد ایک مرتبہ پھر ربیع الثانی 1427ھ میں اللہ رب العزت نے کرم فرمایا تھا،اس میں بھی صرف چار دن مکہ اور 24 گھنٹے مدینے میں رہے تھے ، مولوی عبدالغفور مُحکَم فاضلِ جامعہ فاروقیہ کراچی وخرِیج الجامعۃالاسلامیۃ بالمدینۃالمنورۃ جو مولانا عبد اللہ حیدری صاحب کے دست راست بھی تھے ،نے جمع

کے دن زیادہ بھیڑ کی وجہ سے عربی جبہ وچغہ پہنا کر بالکل "مطوّع" (ھیئتِ امر بالمعروف والنہی عن المنکر کے نگراں عالمِ دین) کی طرح بنا کر حرمِ نبوی ﷺ میں روضۂ اقدس میں پہنچادیا تھا، اللہ رب العزت انہیں جزائے خیر نصیب فرمائے، مکہ سے مدینہ منورہ جانے کیلئے اپنی گاڑی بھی لیکر آیا تھا، طائف میں بھائی عبد الحلیم خلیلی بخاری کے پاس جانے کا اصرار بھی کر رہا تھا، لیکن میں نے اُن لیگلی ہونے کی بناء پر منع کر دیا تھا، خلیلی صاحب کو باری تعالی اجرِ جمیل عطا فرمائے، کہ انہوں نے خود زحمت فرما کر ملاقات کے لئے قدم رنجائی گوارا کی۔

اس سفر میں وقت کی تنگیٔ داماں کی بناء پر کسی کو اطلاع نہیں کی تھی، البتہ عبد القیوم خان صاحب جو ہمارے پاس (معھد اللغۃ العربیۃ والدراسات الاسلامیۃ) میں دو سال پڑھ چکے ہیں، کو اُنکے زمیلِ درس مولانا سید زکی احمد صاحب نے وہیں کراچی سے اطلاع کر دی تھی، وہ حرم میں احقر کو تلاش کرتا رہا، ملنے پر حد سے زیادہ خاطر تواضع کی، انکی کارکردگی وکارگذاری سن کر بیانتہاء خوشی ہوئی۔

اس سفر کی ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ ایرپورٹ کیلئے میں نے مولانا زکی صاحب فاضل و سابق استاد جامعہ فاروقیہ و فاضل جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے کہہ

دیا تھا، وہ جب اپنے برادر عزیز وقاص صاحب کے ساتھ میرے ساتھ ایرپورٹ کراچی جارہے تھے، تو کہنے لگے کہ استاذ جی، ریال کتنے لئے ہیں، میں نے کہا ایک بھی نہیں، کہا پاکستانی کتنے لئے ہیں میں نے کہا پانچ ہزار، کہا گذارہ کیسے ہوگا؟ میں نے کہا کہ بیچنے میں جارہے ہیں، اللہ تعالیٰ خیر کرے گا، فوراً جیب سے 200 کے قریب ریال نکال کر دئے اور کہا کہ عبدالقیوم کو بھی فون پر بتا دیا، ہاتھ کشادہ رہا، دینے والے اللہ ہی ہیں، سبب کسی کو بنادیتا ہے۔

تجدید و احیائے دین میں نمونہَ

جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد باجماع امت خلفائے راشدین مجددیت کے مقام پر فائز ہیں، ان کے بعد مختلف محققین نے مختلف فہرستیں مرتب کی ہیں، جن میں حضرت حسین، عمر بن عبدالعزیزؒ، امام احمد بن حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام ابوالحسن اشعریؒ، امام غزالیؒ، ابن حزم الظاہری، علامہ ابن رشد، حافظ ابن تیمیہ، حافظ ابن القیم، صلاح الدین ایوبی، سلطان محمود غزنوی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ، شیخ محمد بن عبدالوہاب نجدی، جمال الدین افغانی، شیخ محمد عبدہ، مولانا نانوتوی، شیخ الہند مولانا محمود حسن، مولانا محمد الیاس، ابوالکلام آزاد، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا اشرف علی تھانوی، ترکی کے شیخ بیرم اور سعودی عرب کے شیخ ابن باز شامل ہیں۔

بہر حال ہمیں چونکہ شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے سے یہاں بحث کرنی ہے، لہذا ہم ان کے چیدہ چیدہ صفات اور کارنامے ذکر کرکے یہ ثابت کریں گے کہ اللہ تعالی نے ان سے بھی تجدید واحیائے دین کا کام

لیا ہے ،ان کی حیاتِ مبارکہ ،کارنامے اور بچپن سے پیرانہ سالی اور شہادت تک جدوجہد بعد میں آنے والوں کیلئے صحیح معنوں میں ایک نمونہ ،اسوہَ ،ماڈل اور سنگ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

دوران تعلیم درجہ سابعہ کے سال شہرہ آفاق اور کلیدی حیثیت کی حامل حدیث کی کتاب مشکاۃ المصابیح کی شرح ''التقریر النجیح'' لکھی، یہ شرح کسی استاذ کی آمالی نہیں بلکہ طبع زاد تھی ، میرے ناقص مطالعے کے مطابق شاید ہی آج تک کسی طالب علم نے دورانِ تعلیم اتنی بڑی عظیم الشان اور مہتم بالشان کتاب کی اس طرح شرح لکھنے کی ہمت کی ہو۔ قاری سعید الرحمٰن صاحب مرحوم نے ایک بات نقل کی ہے :رفیق درس ہونے کی وجہ سے بڑی بے تکلفی کا سلوک رہا،افغانستان کے سفر میں فرمایا''وہ واقعہ یاد ہے کہ ایک بار ہم دونوں امتحان دے رہے تھے ،کہ کسی نے امتحان گاہ میں پرچی پھینکی اور ہم دونوں نے اس کو ہاتھ بھی نہ لگایا۔

مشالِ زیست سرِراہ جلادی ہم نے ایسی دنیاتو نہ تھی جیسی بنادی ہم نے لائے کوئی اس زمانے میں ایسا دیانتدار طالب علم ،میں عرصۂ دراز تک وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے امتحانات کا منتظم رہاہوں ، مختلف مراکزِامتحان کے دورے بھی کیئے ،بڑے بڑے سورماؤں کو نقل کرتے کراتے سرگوشیاں کرتے اور وفاق کے نگرانوں سے پوچھ پوچھ کران کی ناک میں دم کرتے دیکھاہے ،امتحانی پرچہ جات کی آؤٹنگ کی کہانیاں اس پر مستزادہیں۔جدید عصری اداروں کا حال تواس بارے میں

بہت تباہ کن حد تک پہنچ گیا ہے۔

تعلیم سے فراغت پر لائلپور میں مشکاۃ شریف تک تمام کتابیں پڑھانے کی نوبت آئی،اس کے بعد ماموں کانجن میں قریباًدس سال مدرس رہے۔۱۹۶۶ سے ۱۹۷۴ تک جامعہ رشیدیہ ساہیوال میں بھرپور تدریسی خدمات انجام دیں،پھر دفتر ختم نبوت ملتان کے روح رواں رہے ۱۹۷۷ء میں جامعہ بنوری ٹاؤن سے بطور استاذ الحدیث منسلک ہوئے اورتادم شہادت یہاں اکناف واطراف عالم سے آئے ہوئے تشنگان علوم نبوت کی آبیاری فرماتے رہے۔

ابتدائی دوسالوں میں مشکاۃ تک تدریس، مدرس حضرات اچھی طرح جانتے ہیں کہ یہ ہرایرے غیرے نتھوخیرے کاکام نہیں۔مشکاۃ تک تدریس کیلئے اچھے خاصے مدرسین گل سڑ کر کبھی پہنچ جاتے ہیں اور کبھی ان کی یہ حسرت یوں ہی رہ جاتی ہے۔ان کی تدریس کتنی جامع مانع اور تیر بھدف تھی اس کا اندازہ آپ ان کے حدیث کے متعلق درسی مجموعے ''جواہرالحدیث'' سے بخوبی لگا سکتے ہیں۔

ایسے ائمہ وخطباء پر نکیر وارد ہوئی ہے جن سے ان کے مقتدی نالاں ہوں، حدیث کے اس مفہوم کے تناظر میں اگر حضرت شہید اسلام کے اس گوشے پر نگاہ ڈالی جائے، تو حیرت واستعجاب کی انتہاء نہیں رہیگی، ان سے ان کے مسجد والے اور دور دراز سے ان کے

جمعہ ، عیدین کی خطابت سننے کیلئے کتنے بے تابانہ حاضر ہوتے تھے ، الفلاح مسجد کو ایک عظیم اصلاحی ، دینی رہنمائی اور رشد وہدایت کی مرکزیت حاصل ہو گئی تھی ۔ حضرت ہی کے الفاظ میں ذرہ امام مسجد کو دیکھئے کیا کرنا ہوتا ہے :

تہجد میں جب اٹھتا ہوں ، تو روزانہ صلوۃ التسبیح اسی وقت پڑھ لیتا ہوں ، پھر ذکر کا معمول ” پورا

کرتا ہوں ، پھر اگر وقت ہوتا ہے تو مناجات مقبول اور ذریعۃ الوصول کی منزل بھی پڑھ لیتا

ہوں ، اتنی دیر میں اذان فجر ہو جاتی ہے ، تو دو رکعت فجر کی سنت پڑھ کر مسجد میں آ جاتا ہوں اور جماعت ہونے تک تلاوت کرتا رہتا ہوں ،، (بینات شہید اسلام نمبر ص ۳۳۰)

خطبات میں حضرت کی زبان وبیان کا اندازہ ان کے اصلاحی خطبات سے لگایا جا سکتا ہے ۔ تقریباً دس جلدوں میں خطبات شہید اسلام ہمارے آج کے ائمہ کرام کیلئے ایک عظیم اور گرانقدر سوغات ہے ۔

زمانۂ طالب علمی ہی میں درجہ تکمیل کے سال حضرت اقدس مولانا خیر محمد سے سلسلۂ اشرفیہ ، امدادیہ ، صابریہ میں بیعت کی ، اور علوم ظاہری کے ساتھ تعمیر باطن میں ان کے انوار وخیرات سے استفادہ کیا ۔ حضرت جالندھری کی وفات کے

بعد شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سے رجوع کیا، شیخ نے خلافت واجازت کی خلعت سے سرفراز فرمایا۔

التقریرا لنجیح فی شرح مشکاۃ المصابیح'' ان کی پہلی کاوش ہے، صحیح بخاری اور جامع'' ترمذی پر اساتذہ کرام کی آمالی بھی زیب قرطاس کیں۔ فراغت کے بعد ماہنامہ ''بینات ہفت روزہ ''ختم نبوت''، ماہنامہ ''اقراڈائجسٹ'' کے علاوہ ملک کے مشہور علمی،'' رسائل وجرائد میں شائع شدہ سیکڑوں مضامین ومقالات آپکی قلمی تحریری اوراعلی صحافتی معیارکے شاہدِ عدل ہیں، یہ مضامین ومقالات مختلف ناموں سے خوبصورت اور دیدہ زیب کتابوں کی صورت میں زیور طبع سے آراستہ ہوچکے ہیں۔

حضرت شہیداسلام کی تصنیفات وتألیفات: تحفۂ قادیانیت (مکمل چھ حصے) اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم (حصہ اول)۔اختلافِ امت اور صراطِ مستقیم (حصہ دوم)۔دنیا کی حقیقت جلد اول)۔ دنیاکی حقیقت (جلد دوم)۔آپ کے مسائل اوران کا حل۔ رسائل یوسفی) ۔ترجمہ فرمان علی پرایک نظر۔انکارحدیث کیوں؟۔اشتباہ المومنین (ایک شیعی مغالطے کا حل)۔ عورت کی سربراہی۔کیاذکری مسلمان ہیں؟ تنقیداور حق تنقید۔شیعہ سنی اختلافات اور صراط مستقیم۔اصلاحی مواعظ۔ شخصیات وتأثرات: جلداول۔ شخصیات وتأثرات: جلد دوم: اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ﷺ

۔رجم کی شرعی حیثییت۔ حسن یوسف ۔خاتم النبیین ﷺ ۔عصر حاضر حدیث نبوی ﷺ کے آئینہ میں ۔عہد نبوت کے ماہ وسال ۔دور حاضر کے تجدد پسندوں کے افکار ۔دعوت و تبلیغ کے چھ بنیادی اصول ۔ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ ۔قطب الاقطاب حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا مہاجر مدنیؒ ۔حجۃ الوداع وعمرات النبی ﷺ ۔بولتے حقائق۔ اسلام کا قانون زکوۃ وعشر۔معاشرتی بگاڑ کا سدّباب ۔ مقالات وشذرات۔ارباب اقتدار سے کھری کھری باتیں۔علامہ تورپشتی کی کتاب ِعقائد کا آسان اور دلنشین اردو ترجمہ ۔جواہر الحدیث۔

حضرت شہیداسلام کے قلم میں بلاکی روانی تھی ،طوفان کی تیزی تھی اور تلوار کی کاٹ تھی ،انہوں نے جس موضوع پر بھی قلم اٹھایا لکھنے کا حق ادا کردیا، وہ نہایت انوکھے اوراچھوتے انداز میں لکھتے اور دلائل وبراہین کے انبار لگادیتے ،فریق مخالف کو چاروں خانے چِت کرکے فتح وکامرانی کا جھنڈا لہرادیتے ۔

لیکن غضب کی گرفت بھی تھی ،چنانچہ آپ کے قلم میں جہاں اعداء اسلام دین بیزاروں اورباطل پرستوں کے لئے فولاد کی سی سختی اورضرب ید اللّٰہی کا اثر تھا، وہاں احباب واکابر کے حق میں وہ ابریشم سے زیادہ نرم وگداز تھا۔

جناب مودودی صاحب پر جرح کرتے ہوئے ان کے مقام ومنصب کا بھی خیال رکھتے

ہیں ہوئے لکھتے ہیں : ” مولانا مودودی صاحب کی تمام ذاتی خوبیوں اور صلاحیتوں کا کھلے دل سے اعتراف کرتے ہوئے مجھے موصوف سے بہت سی باتوں میں اختلاف ہے اول مولانا کے قلم کی کاٹ اور شوخی ان کی سب سے بڑی خوبی سمجھی جاتی ہے مگر اس ناکارہ کے نزدیک ان کی سب سے بڑی خامی شاید یہی ہے ان کا قلم مومن وکافر دونوں کے خلاف یکساں کاٹ کرتا ہے“ ۔

دار العلوم دیوبند پر تجدید واحیائے دین کے حوالے سے کتنا حسین تبصرہ فرمارہے ہیں : ”دار العلوم دیوبند آپ چاہیں تو کہہ سکتے ہیں ، مجددین امت کا جو سلسلہ چلا آ رہا تھا دار العلوم دیوبند اپنے دور کے لئے مجددین امت کی تربیت گاہ تھی ، یہیں سے مجدد اسلام حکیم الامت تھانویؒ نکلے ، اسی سے دعوت و تبلیغ کی تجدید کی تحریک ابھری ، جس کی شاخیں چار دانگ عالم میں پھیلی ہوئی ہیں ، یہیں سے تحریک حریت کے داعی تیار ہوئے ، یہیں سے فرق باطلہ کا توڑ کیا گیا ، یہیں سے محدثین ، مفسرین ، فقہاً ، اور متکلمین کی کھیپ تیار ہوئی ، مختصر یہ کہ دارالعلوم دیوبند نے نہ صرف یہ کہ نابغہ شخصیتیں تیار کیں ، بلکہ اسلام کی ہمہ پہلو تجدید واحیاً کے لئے عظیم الشان اداروں کو جنم دیا ۔ اس لئے دار العلوم کو اگر تجدید اور احیائے دین کی یونیورسٹی کا نام دیا جائے تو شاید یہ اس کی خدمات کا صحیح عنوان ہوگا“ ۔

ان کے والد ماجد اور دادا جان سے لیکر ان کے برادر بزرگوار جناب جی عبدالستار صاحب تک ہر ایک اپنے اپنے دور میں غریبوں ، مسکینوں ، بے کسوں ، بیواؤں اور یتیموں کے ماوی وملجا رہے ہیں ، اپنے گھر میں اپنی اولاد کیلئے کچھ ہے یا نہیں مگر ان بے سہارا لوگوں کیلئے ان کے دونوں ہاتھ ہر وقت فیاض وسیال ہوتے تھے ، والد گرامی کی وفات پر خاندان کو تسلّی دینے کے بجائے خود خاندان والے ان بے چاروں کی تعزیت کرتے جو ان کے وصال پر دھاڑے مار مار کر روتے رہے کہ تنگی اور مشکل اوقات میں اب ہم کس سے رجوع کرینگے ، محترم طلحہ طاہر صاحب نواسۂ حضرت اقدسؒ نے مجھے بتایا کہ ایک بار ایک صاحب نے حضرت اقدسؒ کا دروازہ کھٹکھٹایا ، حضرت خود ہی باہر تشریف لے گئے تو دیکھا کہ خیرات مانگنے والا ہے، آپ اندر تشریف لائے اور پانچ روپے لیکر ان کو پکڑاتے ہوئے فرمانے لگے : دو اسمیں سے واپس کر دو ، اس نے واپس کر دیئے، تھوڑی ہی دیر بعد ایک اور صاحب نے دروازہ کھٹکھٹایا ، آپ تشریف لے گئے ، دیکھا کہ کوئی سوالی ہے ، آپ اندر تشریف لائے اور بیس تیس ہزار کی ایک گڈی انہیں پکڑادی ، گھر والوں نے پوچھا کہ پہلے والے سے تو آپ نے پانچ میں سے بھی دو روپے واپس کرنے کو فرمایا اور دوسرے کو اتنی خطیر رقم عطا کی ، فرمایا : اس کا پیشہ ہی مانگنا تھا ، دو تین سے اس کا کام چل جائے گا ، دوسرا بھکاری نہیں ہے وہ صرف میرے ہی پاس آئے تھے ، اس لئے اسے زیادہ

دیئے، یہ خیرات میں بھی فرق مراتب اور حیثیت شناسی کا حسین نمونہ اور مثال ہے۔
جمعہ ، عیدین، رمضان ، اور بالخصوص ایام اعتکاف میں ان کی مسجد ٹھاٹھیں مارتی ، آپ فرائض سے فارغ ہو کر گیٹ پر جو چالیس پچاس چندہ جمع کرنے والے بیٹھے ہوتے ، ان کے پاس آ کر کھڑے ہو جاتے ، اور نمازیوں کو ترغیب دیتے رہتے کہ بھائی ان کی مدد فرمائیں، بعض اوقات کسی کے پاس چندہ کم ہو جاتا تو ان ہی کی طرف لوگوں کو دعوت دیتے کہ ارے بھائی ان کی چادر میں تو نہ ہونے کے برابر ہے، انہیں دیدو، کیا عجب تواضع ، انکساری ، ہمدردی ، اور مکارم اخلاق کی جیتی جاگتی مثال ہے۔
عشق رسول کے حوالے سے کچھ لکھنے کی ضرورت نہیں ہے ، ایک تو اس لئے کہ ان کی خدمات و مواقف کا یہ باب بہت طویل ہے ، دوم اس لئے کہ یہ اظہر من الشمس فی رابعۃ النھار ہے ، اتنا کہنا کافی ہو گا کہ اس بارے میں ان کا نام ہی کافی ہے ، وہ اس میدان میں '' من تو شدم تو من شدی '' کا مصداق تھے۔
وہ جس محفل یا کارواں میں ہوتے آقا ، قائد، اور میرِ کارواں ہی ہوتے ، لیکن اپنے آپ کو ہمیشہ تواضع اور عجز وانکساری میں چھپائے رکھتے ، گویا وہ فرماتے :

ہم سا کوئی گمنام زمانے میں نہ ہوگا
گم ہو وہ نگیں جس پر کھدے نام ہمارا

دورہ حدیث کے سال پہلی پوزیشن اور بعد میں دسیوں عربی مشکل ترین کتب کے اردو تراجم وحوالے ، ان کے رسوخ فی العلم جسکا تعلق ہی عربی زبان وادب سے ہے پر دال ہیں ، حرمین شریفین کے علماء سے تفصیلی فی البدیہہ عربی زبان میں انتہائی پیچیدہ موضوعات پر مکالمے اور مباحثے ان کی عبقریت فی الادب العربی کی روشن مثالیں ہیں ، حرمین شریفین میں علوی مالکی اور ان کے متوسلین کے بریلویت وابتداع کی طرف میلان کی وجہ سے سخت مخالف اور ناقد تھے ، بقیہ تمام شیوخ ائمہ حرمین اور سعودی حکمرانوں کی جوار بیت اللہ ، تکریم ضیوف الرحمٰن اور خدمت حرمین کی وجہ سے بے انتہاء معترف اور قدرداں تھے ، انہوں نے جن کتابوں کے تراجم لکھے ہیں ، ان میں بعض عبارتیں ایسی ہیں کہ بڑے بڑے ماہرین عربیت وہاں ترجمے کی تعبیر کیلئے حیران و پریشان ہوتے اور حضرت اقدس نے جس " سہل ممتنع " انداز میں انہیں پیش کیا ، یہ انہی کا طرہ امتیاز تھا۔

انہوں نے جن جن گوشہائے دین میں کام کیا ہے ، ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے گویا اپنی پوری زندگی اسی پر تج دی ہے ، لیکن ایسا نہیں ہے ، بلکہ دین کے ہر شعبے میں اپنا بھرپور اور توانا حصہ ڈالنے کی کوشش نے انہیں جامعیت کے مقام پر فائز فرمایا ہے ، البتہ " دعوت و تبلیغ " اور اشاعت دین " کاکام ان کے

تمام جد وجہد اور مساعی کا کریم ہے ، اسی مقصد اعلیٰ کیلئے انہوں نے دامے ، درمے ، سخنے اپنا تن ، من ، جان ، وقت ، مال ، اولاد ، اور تلامذہ و متوسلین کو وار دیا ہے ، حضرت ، مولانا محمد الیاس رحمۃ اللہ علیہ کے کام اور مشن سے انہیں عشق اور والہانہ لگاؤ تھا ، مستر شدین ومریدین اور عامۃ المسلمین کو اس کی طرف اپنے مواعظ وبیانات اور خاص مجالس میں متوجہ فرماتے ، تبلیغی اجتماعات ، جوڑوں اور شبہائے جمعہ میں بنفس نفیس شر کت فرماتے ،الفلاح مسجد میں اگر کوئی جماعت آ ئی تو خادمانہ اور مشفقانہ انداز میں ان کی خدمت ، حوصلہ افزائی اور رہنمائی کرنا اپنا فرض سمجھتے تھے ، دعوت کے کام پر اعتراض کرنے والوں کو دندان شکن جواب دیتے ، مشائخ تبلیغ کے ہر فیصلے کو استحسان کی نظر سے دیکھتے ، شروع شروع میں جب مستورات کی جماعتیں نکلیں ، کئی اطراف سے جماعت والوں پر تیر اندازی کی گئی ، حضرت شہیدؒ نے اسکا بھی لسانی و قلمی ایسا دفاع کیا ، کہ ان معترضین کی زبانیں گنگ ہو گئیں ۔

مولانا نعیم امجد سلیمی صاحب ان سے روایت کرتے ہیں :

"میں بڑی عمر میں اپنے بیٹے کا قرآن مجید سنتے سنتے حافظ ہوا ہوں اور الحمد للہ کئی بار تراویح میں بھی سنایا ہے اور اس وقت میری اولاد میں بیٹے ، بیٹیاں ، پوتے ، پوتیاں ، نواسے ، نواسیاں ، اکثر حافظ ہیں ۔ حاضرین مجمع سے فرمایا کہ میری ایک بات مانو ، وہ یہ کہ اپنے بچوں میں سے ایک بچے کو ضرور

'' حافظ بنالو تاکہ تمہاری نجات کا ذریعہ ہو جائے۔

شہید اسلام نے جہاں عوام کی اصلاح کے لئے صحافتی زندگی سے وابستگی اختیار کی، وہیں امامت وخطابت کے ساتھ درس قرآن کا سلسلہ بھی جاری رکھا، مولانا اپنی مسجد میں تقریباً ۲۲ سال سے درس قرآن دے رہے تھے، مولانا کے بعض معتقدین اس درس قرآن کو آڈیو کیسٹ پر ریکارڈ کرتے رہے، اس ریکارڈ کا کچھ حصہ دفتر ختم نبوت میں محفوظ ہے اور کچھ حصہ ایک معتقد کے پاس محفوظ ہے یہ مکمل درس قرآن تین سو سے زائد آڈیو کیسٹ میں محفوظ ہے۔

یوں تو حضرت شہیدؒ نے ہر میدان میں قائدانہ کردار ادا فرمایا، مگر دور حاضر کے فتنوں کے تعاقب اور مسلک اعتدال کی نشاندہی میں انہوں نے جس طرح سے بے نظیر خدمات سرانجام دی ہیں، وہ ان ہی کا حصہ تھا۔ ذیل میں ان فتنوں کی فہرست پیش خدمت ہے: رافضیت، غیر مقلدیت، بریلویت، مودودیت، انکار حدیث، دین دار انجمن فتنۂ گوہر شاہی، آغاخانیت، فرقہ مہدویہ، ذکری فرقہ، فتنۂ محمد شیخ، فتنۂ ڈاکٹر مسعود، عثمانی، فتنۂ بہائیت، فتنۂ خارجیت، فتنۂ علوی مالکی، فتنۂ جماعت المسلمین، فتنۂ تنظیم اسلامی۔

حضرتؒ کی تحریر کی جامعیت کا اندازہ آپ اس جواب سے بھی لگا سکتے ہیں جو

انہوں نے " صراط مستقیم " کے محرک کے جواب میں لکھا تھا، میرے خیال میں پیش نظر تحریر کا یہ حصہ سائل کے پورے خط کا جواب ہے اور پوری امت کیلئے اس میں اصلاحی پہلو بھی ہے۔

محدث العصر حضرت محمد یوسف بنوریؒ جن کی علمیت کے اہل عجم ہی نہیں عرب بھی قائل تھے، وہ اس نابغۂ روزگار شخصیت کے علوم و معارف اور تبحر علمی کا اعتراف کرتے ہوئے اردو ترجمہ " خاتم النبیین " کے، مقدمہ میں انہیں مندرجہ ذیل الفاظ میں خراج تحسین پیش فرماتے ہیں: " الحمد للہ کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیق کار مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانویؒ کے حصہ میں آئی، اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس ترجمہ و تشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے "۔

مفتی محمد جمیل خان کیا کہتے ہیں ذرہ دیکھئے: "مئی ۷۸ء میں ادارہ جنگ کے مالک میر شکیل الرحمٰن مولانا مفتی احمد الرحمٰن، مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی سے درخواست کرتے ہیں کہ میں جنگ میں اسلامی صفحہ شروع کرنا چاہتا ہوں۔ حضرت کو اس کی ادارت کے لئے اجازت دے دیجئے۔ حضرت شہیدؒ اخبارات کو ایک فضول، لایعنی چیز اور جھوٹ کا پلندا قرار دیتے ہوئے انکار فرماتے ہیں مگر امام اہلسنت مفتی احمد الرحمٰن مستقبل پر نگاہ کئے ہوئے ہیں اور ذرائع

: ابلاغ کی اہمیت کا احساس کرتے ہوئے حضرت شہیدؒ سے فرماتے ہیں
آپ نے اس کام کو سنبھالنا ہے'' چنانچہ شہیدؒ اسلام مولانا محمد یوسف لدھیانوی اخبار ''
ی صنعت میں جدت فرماتے ہیں اور مضامین کے ساتھ دینی رہنمائی کے لئے '' آپ
کے مسائل اور ان کا حل'' کے عنوان سے ایک کالم کا آغاز فرماتے ہیں۔ یہ کالم آپ کی
دینی خدمات کو عالمی وسعت دینے کا نیا مرحلہ ہے''۔

حضرت شیخ کو حق تعالیٰ نے محبوبیت کا بلند ترین مقام عطا فرمایا تھا، اور '' ثم یوضع لہ
القبول فی الارض'' کے مطابق ان کی یہ محبوبیت عطیہ آسمانی تھا۔ وہ جس محفل میں
ہوتے ، خواہ یہ بادشاہوں کی ہوتی یا درویشوں کی ، طلباءَ کی یا دانشوروں کی ،احباب کی
یا اغیار کی ، وہ سب پر بھاری نظر آتے ۔

لاکھوں افراد نے آپ سے اصلاح حاصل کی ۔لندن ،افریقہ اور دیگر ممالک میں آپ
کے مریدین کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہے ، حضرت مولانا فضل الرحمٰن ، حضرت
مولانا مفتی نظام الدین شامزئی، مولانا عزیز الرحمٰن جالندھری ،ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر
مولانا محمد اعظم طارق، مولانا احمد میاں حمادی ، مفتی منیر احمد اخون، مولانا مسعود اظہر،
مولانا منظور احمد الحسینی ، مولانا محمد سلیم ،

دھورات ، مولانا اسمٰعیل ، قاری محمد طاہر رحیمی ، قاری محمد یسین ، قاری محمد صدیق رحیمی ، قاری محمد عبد اللہ رحیمی ، محمد سلیمان ہوشیار پوری، مولانا رب نواز ، حافظ فیروز الدین ، قاری عطاء اللہ ، قاری نثار احمد ، حافظ عبد القیوم نعمانی ، مفتی اسلم ، مولانا سعید احمد جلال پوری ، مفتی فضل الحق، حافظ عبد اللطیف ، مولانا نعیم امجد سلیمی ، ڈاکٹر وسیم احمد ، مولانا ابو الاشرف احمد، قاضی قائم الدین، مولانا ایوب الرحمٰن ، مولانا عبید اللہ ، مولانا غلام مصطفیٰ، مولانا عبد القیوم سندھی، مولانا ابرہیم ہاشمی امریکی ، مفتی نعیم میمن ، خواجہ متین الدین ، مولانا اقبال اللہ ، مولانا احسان اللہ ، مفتی محمد جمیل خان، مولانا طارق جمیل ،اللہ وسایا ، مولانا محمد انور فاروقی ، شیخ عبد السمیع فقیر ، قاری عبد الر شید، امیر عبد اللہ، مولانا محمد افضل خان، قاری طیب نقشبندی آپ کے خلفاء ہیں ۔

اکابر علمائے حق نے کبھی دین کے چھوٹے اور بڑے کام میں تعرض نہیں کیا بلکہ سرپر ستی ہی فرمائی اور یہی شان حضرتؒ کی بھی تھی ۔ حضرتؒ کو اتحاد امت کی بڑی فکر تھی اور علماءِ امت کے اتحاد کو اس کا نکتہ آغاز سمجھتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپؒ نے ختم نبوت کے مشن سے خصوصی قلبی لگاؤ کے باوجود علماءِ حق کے ہر نمایاں کام میں اپنا بھرپور اور موثر حصہ ڈالا۔ تبلیغی جماعت کی بھرپور تائید و نصرت فرمائی اور حضرت مولانا طارق جمیل صاحب مد ظلہ کو

خلافت سے سرفراز فرمایا۔ سپاہ صحابہ کی مظلومیت کے دور میں کارکنوں کے سروں پر دست شفقت رکھااور مولانا اعظم طارق کو جیل میں خلافت عطا فرمائی۔

جمعہ کے دن کی نماز کے لئے ۱۲ بجے مسجد میں آجاتے اور بیان شروع فرمادیتے، تقریباً ایک بجے تک بیان ہوتا اس کے بعد سوالات کے جواب دئے جاتے، سوا ایک بجے پہلی اذان ہوتی، دس منٹ سنتوں کی ادائیگی کا وقفہ، پھر دوسری اذان و خطبہ اور نماز ہوتی ۔آپ دین کاکام کرنے والے ہر انسان کو گلے لگاتے، اس سے خوش ہوتے، اور اس کو اپنا سمجھتے، اس کی سرپرستی کرتے۔ نکاح پڑھانے کے لئے دولہاکے شرعی لباس، وضع قطع، .صورت وسیرت کو دیکھ کر نکاح پڑھاتے ۔کام سے اتنی لگن کہ جنگ میں ’’ آپ کے مسائل اور ان کا حل‘‘ کیلئے شہادت کے بعد تک آگے کا کام کر گئے۔شفقت والفت اور محبت ایسی فرماتے کہ آپ کی شفقت دیکھ کر ماں، باپ اور استاذ کی محبت بھول جاتی۔ سفر و حضر میں تہجد کا اہتمام والتزام فرماتے۔فضول مجلس آرائی سے مکمل اجتناب فرماتے۔

حضرت کی شہادت کی خبر سنتے ہی پورا کراچی بلکہ پورا پاکستان غم واندوہ میں ڈوب گیا، دیکھتے ہی دیکھتے مسجد فلاح اور اس کے آس پاس کا علاقہ لوگوں کے ٹھاٹھیں مارتے سمندر سے بھر گیا۔ ہر شخص اشک بار تھا اور ہر دل رنجیدہ تھا

۔عشاء تک عشاق نے لائن لگا کر اپنے اس محبوب قائد کے رخ زیبا کی زیارت کی۔
حسب پروگرام عشاء کی نماز کے بعد شہید کے جسد خاکی کو بنوری ٹاؤن لایا گیا۔ جنازہ
کے ساتھ چلنے والے جلوس میں بلامبالغہ ہزاروں کاریں، بسیں اور لاکھوں موٹر
سائیکلیں تھیں، یہاں پہنچ کر منظر اور بھی حیران کن تھا کہ مسجد ومدرسہ اور چھتوں
دکانوں، مکانوں، سڑکوں، اور گلیوں میں بنائی گئی صفوں کے علاوہ مسجد کی مغربی،
جانب لاکھوں کا مجمع تھا۔ خواجہ خواجگان حضرت خان محمد صاحب زید مجدہ نے نماز جنازہ
پڑھائی، تقریبا رات ایک بجے علم وفضل کے اس تاجدار کو جامع مسجد خاتم النبیینؐ کے
پہلو میں سپرد خاک کر کے ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ان کے عشاق کی نظروں سے او جھل کر
دیا گیا۔ ہلچل زمیں پہ مچ گئی افلاک ہل گئے یارب کسی کی آہ تھی یا نفخ صور تھا

شیخ صابونی کی صحبت میں

ایک مرتبہ زیارتِ حرمین شریفین کے دوران، عصر کے بعد حرم مکی میں عالمِ اسلام کی نابغۂ روزگار شخصیت مشہور مفسر شیخ محمد علی الصابونی الحنفی (مصنف ''صفوۃ التفاسیر'' و''التبیان فی علوم القرآن'' وغیرہ) سے حضرت سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان کی ایک مفصل ملاقات ہوئی، بہت دیر تک عالم اسلام، دینی مدارس، پاکستان کے حالات، مناہج و نصاب مدارس پر گفتگو جاری رہی، قہوہ، کھجور اور عطایا وہدایا کا تبادلہ ہوا، شیخ صابونی مطاف میں رکن یمانی اور حجر اسود کے درمیان صف اول میں تشریف فرما ہوتے ہیں، کچھ کتابوں کا بھی انہوں نے فرمایا، جو اگلے ہی دن اسی وقت اسی جگہ ہمیں ملنی تھیں۔

ملاقات کے وقت انتہائی گرمی کا موسم تھا، علامہ صابونی صاحب کے پاس ہاتھ کا پنکھا تھا، وہ مسلسل اپنے بابرکت ہاتھوں سے اسے جھولا کر حضرت شیخ کو ہوا دے رہے تھے، ہم سب نے بہتیری کوشش کی، کہ ہمیں خدمت کا موقع دیا جائے، لیکن وہ نہ مانے، البتہ حضرت شیخ نے باصرار وہ پنکھا ان سے لیا، اور دیر تک جھولاتے رہے۔

علامہ صابونی صاحب کے ساتھ اس مجلس اور مدینہ منورہ میں جامعہ اسلامیہ کے دورے سے یہ اندازہ ہوا کہ عالَم عرب کے اہلِ علم ودانشور حضرات کو پاک وہند کے اہلِ حق برصغیر کے مکتبہائے فکر اوران کے نظریات سے کماحقہ واقف نہیں کراسکے ہیں، حالاں کہ یہ کام بھی کرنے کا تھا، جس کے بروقت انجام نہ ہونے کی وجہ سے یہاں کے بہت سے اہلِ زیغ وانحراف کو وہاں مشیخت وامامت کے القاب دیئے جاتے ہیں۔

علامہ صاحب کی کتاب (التبیان فی علوم القرآن) جو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے درجہ سابعہ میں شاملِ نصاب ہے،احقر کو تین چار مرتبہ اسکے پڑھانے کا اتفاق ہوا ہے، کتاب بے مثال وبے نظیر ہے،تدریس کے ایام میں اسکے اردو ترجمہ وتشریح کا کام بھی بحمداللہ مکمل ہوچکا ہے، جس کی کتابت،ترتیب اور پھر کمپوزنگ بھی عزیزم مولوی عطاء الرحمٰن شاہ بخاری نے کی ہے، حق سبحانہ وتعالی کے فضل وکرم سے مذکورہ ترجمہ وتشریح اللمعان"کے نام سے مکتبۂ لدھیانوی سے چھپ کر ماکیٹ میں آگئی ہے، نیز عربی متن" میں ابواب وفصول کے لحاظ سے بھی کچھ تقدیم وتاخیر ہے، جس کا تذکرہ احقر نے علامہ صاحب سے کیا تھا،انہوں نے فرمایا کہ،آپ یہ تبدیلیاں بترتیبِ مذکور کرکے ہمیں ارسال کردیں،تاکہ ان پر ایک نگاہ ڈال کر کتاب نئے انداز سے شائع کی جاسکے۔

برادرم مولانامزمل سلاوٹ صاحب استاذ ورکن شعبۂ تصنیف وتالیف جامعہ فاروقیہ کراچی نے اب یہ کام

کردیا ہے، جو بالکل تیار ہے، علامہ صاحب اور ان کے صاحبزادے جناب احمد صابونی صاحب سے اس بارے فون پر تفصیلی بات بھی ہو گئی ہے، یہ کتاب مکتبۃ البشری والے اب نئے آب وتاب سے شائع کر رہے ہیں۔

بہرحال شیخ صابونی کی شخصیت پر مستقل لکھنے کے لئے "ماجستیر ودکتوراہ" طرز کے مقالے کی ضرورت ہے۔

کیا نواز شریف تیسری بار برخاست ہوں گے؟

سیاست ،ادارت اور کاروبار میں ہٹ دھرمی تباہ کن عمل ہے ، ضد اور انتقام یہاں مانند کینسر ہے، گھمنڈ ، غرور اور تکبر اس بیابان میں زہر قاتل ہے، مصالح عباد و بلاد یہاں مقدم ہیں ، علاقائیت ، لسانیت ، اقربا پروری ، تنگ نظری ، خوش فہمی ، خود بینی ، بلادت وغباوت اور غفلت اس معرکے میں آستین کے سانپ ہیں ، یہاں طاقت ، مقبولیت، پذیرائی ، مال ودولت ، حسن وجمال ، تجارت وتوانگری بظاہر کچھ خوشنما وہ اسباب ہیں جن سے سیاست میں استفادہ کیا جاسکتاہے، لیکن یہ سیاست نہیں ہیں ، سیاست چرواھاپن ہے، اس کا لغوی معنی بھی یہی ہے ،ہر لفظ کے لغوی ، عرفی اور اصطلاحی معانی میں باہمی ربط ہوتاہے، چرواھا ریوڑھ میں سیاہ وسفید ، چھوٹے بڑے ، شریف وشیطان ، کمزور وطاقتور کے درمیان کبھی بھی فرق نہیں کرتا، اسی لئے حدیث شریف میں آتاہے کہ کوئی نبی ایسا نہیں گزرا جس نے بھیڑ بکریاں نہ چرائی ہوں ، حضرت امیر معاویہؓ نے فرمایا تھا کہ میرے اور عوام کے درمیان اگر ایک بال بھی ہو ،توجب وہ کھینچ دینگے تو ہم ڈھیلا چھوڑ دینگے، اور جب وہ ڈھیلا چھوڑ دینگے توتب ہم کھینچ کر اپنی طرف لائینگے ، یوں وہ بال کبھی بھی نہ ٹوٹے گا، ان کو صحابیت کے بعد اگر کوئی بڑا لقب دیا جاسکتاہے ،تو وہ ''سیاستداں'' ہی ہے۔

یہ عجیب میدان ہے، اس میں مناظرے، حجت بازیاں، الفاظ کے پیچوں میں الجھنا، دنداں شکن جوابات دینا کوئی کمال نہیں ہے، یہاں عمل، کارنامہ اور دور اندیشی کے ساتھ اہداف کی طرف پیش قدمی کام آتی ہے۔
عالمی منظر نامے پر نظر دوڑائیں، خطے کی آتش فشاں صورت حال کو دیکھیں، یا پھر اندرونی گوں ناگوں مسائل و مشکلات کی وجہ سے جاں بلب ملک و ملت کو دیکھیں، ہر طرف خطرات، آہن و آتش کا گرم بازار، باہر کی سازشوں اور گھر کی ناعاقبت اندیشی کو ملاحظہ فرمائیں، تو بڑی آسانی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ نومنتخب وزیر اعظم نواز شریف کے سامنے کتنے طوفاں منہ کھولے کھڑے ہیں، ان گھمبیر حالات میں اگر وہ اپنے آپ کو ایک سیاستداں ثابت کردیں، تو مخلوق خدا پر احسان، وفاداری، اور نیک نامی کے ساتھ ساتھ وہ تاریخ کا ایک روشن ستارہ بن سکتے ہیں، چیلنجز کو چانسز میں بدل کر وہ ہیرو کا لقب پا سکتے ہیں، لیکن انتخابی مہم سے لے کر اب تک کی ان کی کارکردگی کا اگر صحیح جائزہ لیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک دلدل کی طرف رواں دواں ہیں۔
2008 کے انتخابات میں اپنے دوستوں سے وعدہ کیا، انتخابات میں حصہ نہیں لینا اور پھر انہیں تنہا چھوڑ کر خود الیکشن میں کود گئے، انتخابات میں خاصی کامیابی لیکر قاف لیگ وغیرہ کو ساتھ ملاتے تو حکومت بنا سکتے تھے مگر وہی پرانی خام خیالی، پانچ سال انتظار کرنے کے دوران اپوزیشن میں تنہا ناکام

پرواز اور وہی ہٹ دھرمی، 2013 کے انتخابی مہم میں مذہبی جماعتوں اور دائیں بازو کے کچھ لوگوں کو اتحاد کی آس دے کر پھر وہی "انا ولا غیری"۔ انتخابات میں مشکوک مینڈیٹ کو حسب سابق حقیقی مینڈیٹ سمجھ کر ثرید کے کاسہ کو اپنی ٹانگوں کا ہالا دے کر نسبتاً قریب تر اور تجربہ کار سیاستدانوں کو زبان حال سے "پرے ہٹ" کی دھتکار، مختصراً مذکورہ شدہ یہ عوامل واسباب اگلے صدارتی انتخابات میں نواز شریف کو یقیناً شکست سے دوچار کر سکتے ہیں، پھر کیا ہوگا، وہی ہوگا، جو ماضی میں ان کا مزاج ومذاق رہا:

وزارت اعلیٰ کے دور میں وزیر اعظم سے لڑائی، وزارت عظمیٰ کے دور میں صدر سے لڑائی، عدلیہ سے لڑائی، فوج سے لڑائی جمعے کے بجائے اتوار کی چھٹی میں مذہبی حلقہ سے لڑائی۔ تعجب ہے دنیا اتنی ترقی کر چکی ہے، لیکن فطرت وہی ہے، لوہار کبھی سونار نہیں بن سکا، گاؤں کے ترکھان کبھی انجینیر نہیں بن سکے، سبحان تیری قدرت۔

مرکزی کابینہ ہو، یا صوبائی پورا پاکستان لاہور اور گوجرانوالہ میں سمٹ کر آگیا ہے، بلوچستان، پختون خواہ، سندھ، گلگت اور فاٹا کی ناگفتہ بہ صورت حال اور مرکزی کابینہ میں ان کی "کالعدم" نمائندگی، متحدہ اور طالبان سے پنجہ آزمائی کے ارادے، بجلی، گیس اور توانائی کے دیگر بحرانوں کا حال جوں کا توں، بلکہ سندھ بالخصوص میں انتقاماً لوڈ شیڈنگ میں اضافہ ہو رہا ہے، عوام

کے غیظ وغضب کے سامنے قذافی ، حسنی مبارک ، صدام حسین کی کرشالی شخصیتیں کام نہ آئیں ، تو میرا اور آپ کا یہ مینڈیٹ کونسی مافوق الفطرت قوت ہے؟

دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اپنی ذات ، پارٹی ، اور تعصب سے نکل کر نواز شریف ملک کے تجربہ کار سیاستدانوں ، تمام اکائیوں ، اداروں اور معروف چنیدہ شخصیات کو ملا کر بحرانوں کا مردانہ وار مقابلہ کریں ، ہمت سے کام لیں ، میثاق جمہوریت سے زیادہ میثاق مدینہ کو نصب العین بنائے ، حکومت اگرچہ بظاہر نون لیگ کی ہو مگر اپنی ذاتی کشش سے وہ سب سے مشاورت کا ایسا عمل جاری رکھیں کہ وہ ایک قومی حکومت نظر آئے ، ورنہ پچھلے ہفتے عدالت میں معصوم عافیہ کی پٹائی اور حلف برادری کے دوران ڈرون سے امریکی سلامی اگر ابتداء ہے، تو اللہ نہ کرے ، انتہاء پھر وہی منتخب وزیر اعظم کی نالائقی و برخاستگی ہوگی۔

ترکی: تحریر سکوائر سے تقسیم سکوائر تک

جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال فرمانے کے بعد خلافت شروع ہوئی ، صحابہ میں بوبکر وعمر، عثمان وعلی ، حسن ومعاویہ اور عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم اجمعین کے بعد یہ سلسلہ تابعین تبع تابعین ،بنی امیہ اور بنی عباس سے ہوتے ہوئے عثمانی ترکوں کے جدامجد عثمان کے نام سے خلافت عثمانیہ کی شناخت کے ساتھ 22رجب 1924تک قائم رہا، اس دوران مرکز خلافت مدینہ ، کوفہ ، دمشق ،بغداد اور استنبول یکے بعد دیگرے رہے ، اس عرصہ میں اندرونی خلفشار اور بیرونی یلغار کا مسلسل سامنا بھی رہا، بعض اوقات خلافت بالکل برائے نام رہی، اور بعض دیگر اوقات میں ہارون الرشید جیسے عبقری شخص کی وجہ سے اپنے آب وتاب میں رہی ، یہ بھی ہوا کہ خلافت سے منسلک لیکن اندرونی بااختیار ریاستیں گاہے گاہے مرکز سے بھی زیادہ طاقتور اور مؤثر رہیں ، مگر سلسلہ جو ٹوٹا وہ کمال اتاترک کے 1924کے الغائے خلافت کے اعلان سے ٹوٹا،اس کے فوراً بعد سعودی عرب کے شاہ عبدالعزیز آل سعود نے عالم اسلام کے رہنماؤں کی ایک بین الاقوامی کانفرنس بلائی، جس میں امت مسلمہ کو مربوط رکھنے کے لئے ایک تنظیم کی داغ بیل ڈالی گئی ،مگر تادیر وہ سلسلہ بھی قائم ودائم نہ رہ سکا، پھر شاہ حسن ثانی ،شاہ فیصل اور

کے نام سے مسلم ملکوں کی تنظیم سازی کی گئی ۔ OIC ذوالفقار علی بھٹو کی کاوشوں سے بین الاقوامی حلقوں میں اس کی شنوائی نہ ہونے کی بناپر اسے اسلامی تنظیم کانفرنس سے اسلامی تعاون کانفرنس کے نام سے موسوم کیا گیا، مگر مریض کی حالت روز افزوں روبصحت ہونے کے بجائے مزید نقاہت کی طرف رواں دواں تھی اور ہے۔ایک نئی کوشش یہ کی گئی کہ اسلامی بلاک کے بجائے آج کے جدید دنیا میں اجتماعی سوچ سے ہٹ کر ہر ملک اپنا اپنا سوچیں ، چنانچہ سب سے پہلے پاکستان ، مصر اولاً ، اردن اولاً وغیرہ کے نعرے سامنے آئے۔

سکندر مقدونی جب دنیا کو فتح کرتا ہوا مشرق ومغرب کو روندچکا، تو اس نے اپنے اتالیق ارسطو سے مشورہ لیا کہ سرحدات میں دوری ودرازی نظم حکومت میں خلل پیدا کر رہی ہے ، ارسطو نے کہا کہ آپ خود مفتوحہ علاقوں میں حکمرانی نہ کریں ، بلکہ ان کو چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور ملکوں میں تقسیم کردیں ، ان کے حدود وقیود کا تعین کردیں ، ان کے سربراہوں کا بھی کوئی ایسا نظام بنائیں کہ ان کا اقتدار میں آنا اور اقتدار سے جانا آپ کے ہاتھوں میں ہی ہو ، یوں آپ کو معدودے چند افراد پر حکومت کرنی ہوگی ، اندرونی جھگڑے وہ سنبھالینگے ، اپنے نزاعات واختلافات میں آپ ہی سے رجوع کرینگے ، پھر جو روڈمیپ انہیں آپ دینگے ، وہ اس پر چلینگے ،اس صورتِ حال کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ یہ لوگ ایک دوسرے کے سامنے کبھی بھی نہیں جھکینگے ،آپس میں ایک دوسرے کے لئے

شیر ہوں گے اور آپ کے سامنے بکریاں ، عالم اسلام کے لئے عصر حاضر میں ہنری کسنجر جیسے لوگوں نے یہی نسخہ تیار کیا، اور آزمایا بھی گیا، ایران ، ترکی ، عالم عربی ،افغانستان پاکستان اور افریقی مسلم ممالک سب کے سب بطور ملک ،سب سے پہلے اپنا ملک کے، فارمولے پرآئے ، ان میں سے کچھ نے اس انداز سے بھی کامیابی کے جھنڈے گاڑھ دیئے پر پس پردہ عالمی بساط سیاست کے جغادریوں سے یہ بھی برداشت نہ ہوا، انہوں نے ان، ممالک کے اندر لاقانونیت ،فرقہ واریت ، تعصب اور دیگر قسم قسم کے وائرس روانہ کردیئے ، لیکن ترکی نے ثابت قدمی دکھائی ، انقلاب بھی جمہوری طریقے سے آیا، فرقہ واریت ،لسانیت ، صوبائیت وغیرہ کی بیماریاں بھی ان کے صحتمند جسم کو نہ لگ سکیں ، کردستان کی طرف سے وہاں حالات خراب کرنے کی کوشش کی گئ تھی ، جن کے ساتھ اردوان نے مصالحت کردی ، اسرائیل نے معافی مانگی ، اقتصاد ، تجارت اور نظم وضبط میں اس نے تیزترین ترقی کی ، مشرق اوسط،یورپ اور دنیا میں احترام وعزت کا مقام حاصل کیا، 50 لیکن فیصد سے زیادہ ووٹ کے حامل ہونے کے باوجود وہاں غازی پارک بنانے پر میدان تقسیم مظاہروں کا مرکز بن گیا، مخالف میڈیا نے اسے بڑھاچڑھا کر پیش کیا، عرب اسپرنگ کی دھائی بھی دی جانی لگی، لیبرل قوتوں یا پھر ترکی کے ابدی دشمنوں نے اسے غنیمت جان کر اسے طیب اردوان اور عبداللہ گل کی باہمی لڑائی بھی قرار دی،اللہ کا شکر ہے کہ ترکی وزیراعظم نے دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے غازی پارک کے منصوبے کو ترک کرنے کا اعلان کردیا، ورنہ

ایک اور مسلم ملک میں شورش اور انارکی کا خطرہ تھا، یہ سمجھ داری کا تقاضا بھی تھا کیونکہ حکمرانوں کو ضد کے بجائے حکمت سے کام لینا چاہیئے، مقتدر طبقہ اگر معاملہ فہم ہو، ان میں لیاقت کا جوہر ہو، تو معاملات کو کنٹرول کرنا زیادہ مشکل نہیں ہوتا۔

علامہ اقبال مرحوم نے کیا خوب کہا ہے:

اِدھر نہ دیکھ، اُدھر دیکھ، اے جوانِ عزیز
کہ بلند زورِ دروں سے ہوا ہے فوّارہ

جامعہ فاروقیہ کراچی - ایک مکمل عربک یونیورسٹی

پچھلے دنوں جامعہ بنوری ٹاؤن کے ناظم تعلیمات مولانا عطاء الرحمٰن صاحب طیارہ حادثے میں شہید ہوئے، تو ملک بھر اور مختلف ممالک سے جامعہ میں تعزیت کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا، ساؤتھ افریقہ سے جامعہ کے فاضل وسابق استاذ مولانا اسماعیل مُلّا اور جناب فیصل سالوجی صاحب بھی کراچی تشریف لائے، چونکہ ان دونوں حضرات کی سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان صاحب سے سابقہ عقیدت و تعلق ہے، مجھے فون کرکے انہوں نے جامعہ فاروقیہ جانے کا کہا، میں نے حضرت صدرِ وفاق کے ساتھ رابطہ کرکے ملاقات کا وقت مانگا، حضرت نے اگلے دن صبح نو بجے آنے کا فرمایا، ہم وقت مقررہ پر پہنچے، حضرۃ الاستاذ مولانا عبیداللہ خالد صاحب کے ساتھ دفترِ اہتمام میں چائے نوش کی، اور پھر حضرتِ والا کی بیٹھک میں چلے گئے، باہمی خیریت دریافت کرنے کے بعد حضرت نے جامعہ فاروقیہ کراچی فیز II ساتھ جانے کا اشارہ فرمایا، فیصل سالوجی صاحب کے ساتھ ان کے گھر والے بھی تھے، وہ زنان خانے چلے گئے تھے، اور وہیں سے اپنے قیام گاہ شیرٹن ہوٹل واپس ہوئے۔

اِدھر راقم، حضرت شیخ صاحب، حضرت مولانا اسماعیل مُلّا صاحب، جناب فیصل سالوجی صاحب، مولانا عبیداللہ خالد صاحب، مولانا محمد صدیق حسن زئی، مولانا

عبدالہادی اور مولوی حماد خالد ائرپورٹ، ملیر کینٹ اور بائی پاس سے ہوتے ہوئے پہنچ گئے۔ ۱۱ بلوچستان کے سرحدی شہر حب چوکی کے قریب جامعہ فاروقیہ فیز
مولانا عبیداللہ خالد صاحب نے بہت تفصیل سے جامعہ کے نئے پلان، رہائشی و تعلیمی حصے کے معاینے کے بعد جامع مسجد محمد بن قاسم کے منصوبے پر روشنی ڈالی، ''بیس منٹ میں داخل ہوئے تو خوشی اس بات کی ہوئی کہ وہ حصہ اس توازن کے ساتھ بلند اور'' زیر زمین رکھا گیا ہے کہ اندر جانے والا یہ قطعاً محسوس نہیں کرتا کہ وہ کسی تہ خانے میں آگیا ہے، بلا تکلف دن کی روشنی اور تازہ ہواء کی آمد ہے، یہ مسجد چوڑائی میں جامعہ بنوری ٹاؤن کی عظیم الشان مسجد سے 20 فٹ زیادہ ہے اور لمبائی میں شاید اس کے ڈبل نہیں ٹرپل ہے، اس مسجد کا ابتدائی کام اس بیس منٹ اور چاروں طرف پکی بھرائی کی وجہ سے مکمل ہے،اوپر کے بقیہ حصے کا آغاز ہوا چاہتا ہے، اس ضخیم مسجد سے پاکستان میں جہاں بڑی اور تاریخی مساجد کی فہرست میں ایک حسین اور پر وقار اضافہ ہوگا، وہاں جامعہ کے طلبہ کیلئے نمازوں، امتحانات اور حلقاتِ تحفیظ القرآنِ کے علاوہ دیگر روح پرور تقاریب میں بے پناہ سہولت میسر آئیگی۔ لیکن اسکے ساتھ ساتھ اساتذہ ودیگر منتظمین کی رہائش گاہوں کی ضرورت یہاں شدت سے محسوس کی جارہی ہے،اصحابِ خیر کی توجہ کی ضرورت ہے۔

جامعہ فاروقیہ کراچی فیز ۲ کی تدریس کو عربی کے ساتھ مختص کیا گیا ہے، اولی سے سابعہ تک ان وسیع و عریض درسگاہوں میں تعلیمی نظام مکمل طور پر عربی میں ہے، تدریس، امتحانات، تعلیمی اعلانات، اساتذہ کی میٹنگیں اور بین الطلبہ والأساتذہ باہمی گفتگو سب ہی کچھ عربی میں ہے، شیخ عبد اللطیف ایک قابل استاذ ہے، عربی تحریر و تقریر پر اچھی خاصی قدرت رکھتے ہیں یہاں مدیر التعلیم وہی ہیں، دوسری طرف مدیر عام مولوی عمر فاروق ہیں، جو عربی زبان وادب میں صرف ماہر ہی نہیں اس کے عاشق بھی ہیں، دیگر تمام اساتذہ کا انتخاب بھی اسی فارمولے کے تحت عمل میں لایا گیا ہے، جس سے اس میدان کے تازہ دم شہسواروں کا ایک خوبصورت گلدستہ تیار ہوگیا ہے۔

کسی زمانے میں جامعہ فاروقیہ کراچی کی نادی عربی کا چرچا تھا، اس وقت شیخ عبداللطیف طالب علم تھے اور ان نشاطات میں سرگرمی سے حصہ لینے والوں میں سے تھے، چنانچہ وہی باغ وبہار انہوں نے یہاں بھی سجایا ہوا ہے۔

طلبہ اور اساتذہ میں تحریری صلاحیتوں کو اجاگر کرنے کیلئے مجلّہ الفاروق عربی اپنا کردار ادا کرتا تھا، وہ بھی یہاں منتقل ہوگیا ہے، جس سے عربیت کو اس ماحول میں مزید ترقی ملے گی، کیونکہ اس سے ''الفاروق'' اوراس کے تبادلے میں آنے والے عربی مجلات کی ان طلبہ واساتذہ کے ہاتھوں میں دستیابی ہوگی۔

علمائے دیوبند کا دارالعلوم دیوبند سمیت۔بر صغیر میں اس حجم کے ساتھ خالص عربی ادارہ نہیں تھا، جسکی ضرورت عرصے سے محسوس کی جارہی تھی، ڈاکٹر امجد صاحب کا جامعہ عائشہؓ و جامعہ ابن عباسؓ ، اس سلسلے کی شاید پہلی کڑی ہے، مولانا طارق جمیل صاحب کا جامعۃ الحسنینؓ اور مولانا عبدالستار کا جامعہ بیت السلام بھی اس حوالے سے نمایاں ہیں، ملک بھر کے دیگر بڑے اداروں میں معاہد یااقسام عربیہ کا وجود ایک شعبے کے مانند ہے، البتہ صدر وفاق اور مولانا عبید اللہ خالد صاحب کا کلی طور پر (۸۰) ایکڑ کے قریب ایک بین الاقوامی لیول کی جامعہ کو اس مقام پر لانا یقیناً اہل دیوبند اور اسلامیان پاکستان کے لئے نوید مسرت سے کم نہیں ہے۔

جامعہ فاروقیہ کراچی کا شاہ فیصل والا حصہ ایک تو تنگیٔ داماں کا شاکی ہے، تو دوسری طرف وہاں باطل فرقوں کی یلغار ہے، اب سے چند ماہ قبل جامعہ کے طالب علم مولانا قمر الدین صاحب ایم این اے کے جواں سال صاحبزادے کو جس بے دردی کے ساتھ شہید کیا گیا تھا، اس کی ویڈیو دیکھ کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، جبکہ اس سے قبل جامعہ کے درجۂ علیا کے اساتذہ کو بھی شہید کردیا گیا تھا، جن میں حضرت مولانا عنایت اللہ خان، مولانا سید حمید الرحمٰن اور مفتی

محمد اقبال کراچوی سرفہرست تھے، اس کے مقابلے میں یہ جگہ نسبۃً پر سکون اور اطمنان بخش ہونے کے علاوہ جامعہ میں داخلہ لینے کیلئے آنے والے طلبہ کی کثیر تعداد اور صدر وفاق کے دنیا بھر سے آنے والے مہمانوں کیلئے نہایت کشادہ اور تعلیمی ماحول سے کہیں زیادہ ہم آہنگ ہے۔

جامعہ فاروقیہ کراچی کی عربیت کے میدان میں ترقی اچانک نہیں ہوئی بلکہ حضرت شیخ کے حکم پر شاہ فیصل میں آج سے ۲۵ سال پہلے مجلّہ الفاروق عربی کا اجراء ہوا، اٹھارہ بیس برس قبل معھداللغۃالعربیۃ والدراسات الاسلامیہ کی بنیاد رکھی گئی، جس میں اولی تا سادسہ درس نظامی کے تمام اسباق عربی زبان میں ہوتے تھے، بعد میں معہد کو تقویت دینے کیلئے حضرت مولانا شفیق احمد خان بستوی کی خدمات حاصل کی گئیں، جنھوں نے جدید مدرسینِ جامعہ کو تخصص فی الادب العربی کا باضابطہ تخصص کرایا، آگے چل کر نادی عربی قائم کی گئی، مجلات جداریہ کا اہتمام کیا گیا، تبلیغی جماعت کی تعلیم کا عربی شعبہ فعال کیا گیا اور آخر میں دوسالہ تخصص فی الادب العربی کا انتظام کیا گیا، ان تمام سرگرمیوں کی سرپرستی زیادہ تر حضرت مہتمم صاحب نے بنفس نفیس فرمائی اور یوں جامعہ فاروقیہ کراچی میں عربیت کی وہ بنیادیں پڑگئیں جس کی مثال ملنا مشکل ہے۔

ہمارے یہاں لوگ اکثر ندوۃ العلماء کی مثالیں دیتے ہیں، لیکن اسلافِ دیوبند کے طور وطریق کو مکمل اپنا کر اور درس نظامی ہی کو بنیاد بنا کر جامعہ فاروقیہ کراچی نے ایک مکمل عربک یونی ورسٹی میں ڈھل کر ثابت کر دیا کہ ہمارا نصاب ونظام اور وضع قطع کسی کمال کے حصول میں رکاوٹ کے بجائے ممد معاون ہے، بشر طیکہ صحیح حکمت عملی، اخلاص وللہیت اور جہد مسلسل ہو.

اے خدا ایں جامعہ قائم بدار فیض او جاری بود لیل ونہار

رابطۃ الأدب الاسلامی العالمیۃ

1_تاسیس اور دفاتر:

اس حوالے سے 1980ء سے شروع ہونے والے مختلف اجتماعات میں فیصلہ کیا گیا کہ ایک ایسا ادارہ قائم کیا جائے ، جو تمام ادباء کو ایک پلیٹ فارم پر لا کھڑا کرے۔
اپریل1981ء میں علامہ ابوالحسن علی الندویؒ نے ایک عالمی سیمینار ہندوستان کے شہر لکھنو میں منعقد کروایا، جس میں عالم اسلام کے بلند پایا ادباء ، مفکرین اور دانشور حضرات کو مدعو کیا گیا، ان شرکاء نے ''رابطہ'' کے قیام کے لئے اہم کردار ادا کیا۔
پھر مئی 1982ء میں اسلامی ادب کے حوالے سے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں ایک کانفرنس اور اپریل 1985ء میں جامعۃالامام محمد بن سعودالاسلامیہ بالریاض کے زیر اہتمام اسی قسم کی ایک کانفرنس ہوئی ۔اور اسی دوران تاسیسی کمیٹی جو بہت جلد استقبالیہ کمیٹی کی شکل اختیار کر گئی تھی' نے 1984_11_24 کو ''رابطۃ الأدب الاسلامی العالمیۃ'' کے قیام کا اعلان کیا۔

تاسیس کے بعد اطرافِ عالم سے جب ادباء کی ایک بڑی تعداد رابطہ سے منسلک ہوئی تو تاسیسی کمیٹی نے 1406ھ بمطابق جون 1986ء کو جامعہ ندوۃ العلماء لکھنو میں کانفرس منعقد کی' جو رابطہ کے بنیادی نظام اور مولانا سید ابوالحسن علی الندوی کے تاحیات رئیس ہونے کے اعلان پر ختم ہوئی، رابطہ کا ہیڈ کوارٹر لکھنو منظور ہوا، پھر علامہ ابوالحسن علی الندوی کی وفات کے بعد" رابطہ "کا ہیڈ آفس سعودیہ عربیہ کے شہر "ریاض" منتقل کردیاگیا، اوردکتور عبدالقدوس ابو صالح کو رابطہ کا رئیس منتخب کیاگیا۔

رابطہ کے اہداف:

جدید وقدیم ادبِ اسلامی کو مربوط کرنااور اس کی مختلف جہات کو واضح کرنا۔1_

ادبی نقد کو مستحکم کرنا۔2_

ادبِ اسلامی کو مکمل استدلالی ڈھانچہ میں ڈھالنا۔3_

جدید ادبی فنون کے مناہج کو واضح کرنا۔4_

مسلم قوموں کے لٹریچر میں ادبِ اسلامی کی دوبارہ کتابت کرانا۔5_

ادبی لٹریچرز، عالمی زبانوں میں کیے جانے والے تراجم کو جمع کرنا۔6_

بچوں کے لٹریچر کی طرف توجہ کرنااور اس کے لئے منہج وضع کرنا۔7_

عالمی مکاتبِ ادب کی تنقید، انکے مناہج، اور اس کے متنوع پہلوؤں کو واضح کرنا۔8_

ادب اسلامی کی تنظیم وتنسیق کرنا۔9_

اسلامی ادباء کے درمیان تعاون قائم کرنا۔10_

ادب اسلامی کے ذریعے مسلم نسلوں کی تربیت کرنا۔11_

رابطہ کے لئے نشرواشاعت کی سہولت پیدا کرنا۔12_

رابطہ کے ادبی حقوق اور اس کے اراکین کا دفاع کرنا۔13_

:رابطہ کے اہداف ومقاصد3_

ادب اسلامی ایک ایسی فنی تعبیر ہے جس کاہدف انسان ، اس کی زندگی اور کائنات1_
ہے۔

ادب اسلامی سے متعلقہ ادباء اسلامی ضابطہَ اخلاق کے پابند ہوں گے۔2_

پرامن اسلامی سوسائٹی بنانے کے طریقوں میں سے ایک اہم طریقہ '' ادب'' کا3_
ہے۔

ادب اسلامی امت مسلمہ کو عصری آزمائشوں سے نکالنے میں بھرپور کردار ادا کرے4_
گا۔

ادبِ اسلامی کی خصوصیات تمام مسلم قوموں کے لئے مابہ الاشتراک ہیں ۔5_

ادبِ اسلامی سختی سے تردید کرتاہے کہ جدید وقدیم ادب کے درمیان انقطاع ہے۔6_

ادبِ اسلامی ایسی ادبی نقد کو ٹھکراتاہے جس کی بنیاد مشتبہ کلمات یا تحقیر شخصی پر ہو،7_
اور اسی طرح ایسی زبان اختیار کرنے سے بھی گریزاں ہے جو ابہام پیدا کرے، یا ایسی
اصطلاحات استعمال کی جائیں جو ذو معنی ہوں،اور

ایسے ہی وہ اشارات جو باعثِ تشویش ہوں، بلکہ ادبِ اسلامی ایک واضح اور بنیادی نقد کی دعوت دیتا ہے۔

_8 ادبِ اسلامی اپنے سینہ میں جدید لٹریچر کے لئے جگہ رکھتا ہے، اور اس بات پر حریص ہے کہ اس کو لوگوں تک پہونچایا جائے۔

_9 فصیح عربی زبان ہی ادب اسلامی کی پہلی زبان ہے۔

_10 اسلامی ادب امت کی فکر اور اس کے اساسیات کا امانت دار ہے۔

_11 اس میں کوئی شک نہیں کہ "رابطہ االأدب االاسلامی العالمیہ" کے درمیان اصل رابطہ عقیدہ کا ہے، مزید اس میں جس رشتے کا اضافہ کیا جاتا ہے وہ "ادبی دوستی" ہے؛ کیونکہ ادباء مسلمانوں کو ایک کرنے میں اہم کردار ادار کرتے ہیں۔

رابطہ کی رکنیت:

_1 اعزازی ممبر _2 فعال ممبر _3 سپورٹر ممبر

مذکورہ بالا تین قسم کے اراکین رابطہ میں مختلف قسم کے مفوضہ امور سرانجام دیتے ہیں۔

رابطہ کے مین آفس:

رابطہ کے لئے دو مین آفس تشکیل دیے گئے ہیں۔

ان میں سے ایک ہندیا اس کے قرب وجوار میں اور دوسرا عربی ممالک یا ان کے قرب وجوار میں منتخب کیا جاتا ہے۔

اسپیشل کیمٹیاں:

شعر کمیٹی۔1_

2ڈرامہ نگاری، قصہ گوئی، اور سیرت نگاری کی کمیٹی۔_

بچوں کے ادب کی کمیٹی۔3_

ادبی نقد کی کمیٹی۔4_

بحث و تحقیق کی کمیٹی۔5_

ترجمہ کی کمیٹی۔6_

ایک شام خلیل بلیدی کے نام

یہاں اسلام آباد میں پچھلے ہفتے شہریار سنٹر کے ایک ھال میں شعر و سخن سے وابستہ کچھ حضرات نے تربت کے تحصیل بلیدہ سے حضرت مولانا خلیل بلیدی صاحب کے اعزاز و تکریم میں (ایک شام خلیل بلیدی کے نام) سے موسوم ایک عظیم الشان تقریب کا انعقاد کیا،ان کی طبع شدہ شعری مجموعہ ''دیوانِ خاطر''اور غیر مطبوعہ ''تسویدِ خاطر''پر تبصرےاور ان کی دواوین کے کچھ منتخبات خوش الحانی کے ساتھ پیش کیے گئے ، مشہور نعت خواں حافظ وقارالامین نے جس حسن ادائیگی کے ساتھ دیوان خاطر کے مختلف ابواب : حمد باری تعالیٰ ، نعت سرور کونین ﷺ ، عزم جواں ، گلِ سرخ ، طنز و مزاح ، کنول اور وصیت نامہ کی چیدہ چیدہ نظمیں پڑھیں اس سے حاضرین نہایت محظوظ ہوے،اس کے بعد بلیدی صاحب سے بالاتفاق استدعا کی گئ ، کہ وہ بنفس نفیس ''تسوید خاطر'' میں سے کچھ کلام اپنے مخصوص انداز میں سنائے ،چنانچہ ان کے خود کے پڑھنے سے ہمنشینانِ محفل کو بارہا رلا بھی دیا اور ہنسا بھی دیا۔ آگے بلیدی صاحب کے مختصر سے تعارف کے بعد ہم یہاں اپنے روزنامہ ''اسلام'' کے قارئین کے ''تفریح خاطر کیلئے ان کے اشعار میں سے (مشتے از خروارے) ہدیہ کرینگے۔''

بلیدی صاحب کا دادھیال بلوچ اور ناھیال پختونوں کے سدوزئی درانی شاخ سے

ہے،ان کے والد گرامی، دادا نانا اور کئی ماموں دارالعلوم دیوبند، تعلیم الدین ڈابھیل اور مظاہر العلوم سہارنپور کے فضلاء ہیں، نابغہ ہند علامہ انور شاہ کشمیری، شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد مدنی، محدث العصر حضرت علامہ محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا بدر عالم میر ٹھی، حضرت مولانا عبدالرحمٰن امروہی اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہم اللہ تعالی اجمیعاً سے ان دونوں خاندانوں نے مختلف اوقات و مقامات میں کسب فیض کیا ہے، بلیدی صاحب نے اپنی تعلیم کی ابتداء تعلیم الدین ڈابھیل سے کی ہے، ۱۹۷۱ء کے جنگ کے بعد یہ خاندان بغرض وطن واپسی امرتسر تک آیا، مگر راستوں کے مسدود ہونے کے باعث واپس ہوا، ۷۳ء میں جب ان کی عمر صرف پانچ سال کی تھی والد ماجد حضرت مولانا محمود الحسن صاحب کا سایہ شفقت بھی ۴۵ سال کی عمر میں اٹھ گیا، اس کے دو چار سالوں کے بعد خدا خدا کرکے انہیں وطن واپسی کے اسباب ان کے نانا جان حضرت ابوالخیر عبدالصمد سدوزئی درانی ثم الایرانی خلیفہ مجاز حضرت مولانا بدر عالم میر ٹھی کے طفیل میسر ہوئے۔

۱۹۸۷ میں ہم نے جب شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب مد ظلہم العالی کی باغ و بہار شخصیت کے زیر سایہ جامعہ فاروقیہ کراچی میں داخلہ لیا اور دورہ حدیث کی کلاس میں نشستیں متعین ہوگئیں، تو اتفاق سے محبوب الاساتذہ والطلبہ حضرت مولانا خلیل احمد بلیدی صاحب اور ہمارے درمیان ایک

ہی ساتھی مولانا مفتاح اللہ عبد الباقی پروفیسر بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد حائل تھے۔

بلیدی صاحب کی شخصیت میں متانت، سنجیدگی، حاضر دماغی، امور طلبہ میں قیادت اور خوش لباسی کی وجہ سے بلا کی کشش تھی، مولانا سمیع الحق سواتی اور مولانا خلیل بلیدی دونوں ہی ہماری کلاس کے جھومر تھے۔فراغت کے بعد ہم مادر علمی ہی میں مشغول ہوگئے، بلیدی صاحب نے بلیدہ میں ایک عظیم الشان ادارہ مدرسہ خیرالعلوم محمودیہ قائم کیا اور حال ہی میں ایک ملک گیر قسم کی ''مجلس دارالقضاء والافتاء'' قائم فرمائی، درس وتدریس کے ساتھ جے یو آئی کی مرکزی مجلس شوریٰ کی رکنیت تک رسائی،

شعر وشاعری، صنعت و تجارت، ہاوسنگ و تعمیرات اور متنوع معاشرتی و رفاہی خدمات میں وہ ایک معزز نام کما چکے ہیں، ہندوستان میں پیدائش اور ابتدائی تعلیم نے بلیدی صاحب کو اردو ادب کا ذوق دیا ہے، راغب مرادآبادی، سحر انصاری، عبرعین عبر داور دیگر شعراء نے ان کے کلام کو سراہا ہے، موسم کے متعلق وہ کہتے ہیں:

موسم بڑا حسیں ہے، نظارہ حسین ہے
محبوبہ مہ جبیں ہے، زمانہ حسین ہے
ساحل پہ تند و تیز ہواوں کا شور ہے
دل میں صدف کے لولو و مرجان مکین ہے

صحرا کے بیل بوٹوں میں پھولوں میں جوش ہے
جس کو بھی ہم نے دیکھا وہ خندہ جبین ہے
ہر شخص کہہ رہا ہے، صدا دے رہا ہے آج
خاطر بھی شعر کہنے میں کتنا ذھین ہے اج

خاطر'' بلیدی صاحب کا قلمی تخلص ہے۔ زلفوں کے حوالے سے وہ لکھتے ہیں۔''

بادلوں کی اوٹ سے ظاہر ہے کچھ کرنیں تیری
زلف کے بازو میں ہیں لٹکی ہوئی قرنیں تیری
گرِد تیری روشنی کے ،رات بھر پھرتا رہا
دیکھ لی ہیں اس شب تاریک میں دھرنیں تیری
سر پھرا خاطر نظر رکھتا ہے تیری چال پر
چل پڑا ہوں کو بہ کو میں داستاں پڑھنے تیری

انتظار کے متعلق وہ لکھتے ہیں

تیرے ہی انتظار میں بیٹھے ہوے ہوئے ہیں ہم
نظریں ہیں منتظر کہ تاکے ہوئے ہیں ہم
ہر سمت جھانک جھانک کے ہم دیکھتے رہے
سینے میں درد، عشق کا پالے ہوئے ہیں ہم

جگنو کے بارے میں

جگنو لئے چراغ پھرتا ہے رات بھر
محبوب در پہ ،اور بھٹکتا ہے رات بھر
یہ کیا ہوا کہ آج بھی آنے میں دیر کی
سورج ڈھلا ہوا ہے کہ ڈھلتا ہے رات بھر
جو آپ نے لکھا تھا وہ میں نے پڑھ لیا
خاطر کو کیا ہوا کہ روتا ہے رات بھر

زندگی میں سکون و چین کے حصول کے بعد کی کیفیت کا اظہار کرتے ہوے لکھتے ہیں۔

بے چینیاں بڑھتی گئیں جب چین کی منزل ملی
بے قراری تھی چار سو جب سے قرار آنے لگا
دولتِ دنیا ہمہ گر بردرت انداختن
مفلسی بڑھتی گئ جب فخر کی منزل ملی
روشنائی سے لکھا اوراق کالے ہو گئے
تاریکی چھانے لگی جب نور کی منزل ملی
بزدلی بڑھتی گئ جب سے تناور ہو گئے
جب خاطری قلب و جگر کو فہم کی منزل ملی
فصل و وصل

فصل اسکا مجھے اک بہانہ لگا
وصلِ محبوب میں اک زمانہ لگا
زیر لب وہ جوں ہی مسکرانے لگے
ان کا ہنسنا مجھے دوستانہ لگا
میں نے دیکھا تو اک سرسراہٹ ہوئی
پیشگی عشق کا یہ بیعانہ لگا

پتہ یاد نہیں

وہ یہیں پر کہیں رہتے ہیں پتہ یاد نہیں
اسی اطراف میں بستے ہیں پتہ یاد نہیں
میرے چوکھٹ سے پرے روز گزرتے تھے کبھی
یہ خطا کیسی ہوئی مجھ کو پتہ یاد نہیں
وہ پتہ دے کے گئے عشق کا جو مجھ سے کیا
جب لگا اس کا پتہ گھر کا پتہ یاد نہیں

زیر عنوان ، چارو لاچار، میں گویا ہیں

نام لے لے کے تیرے نام کی تمرین ہوئی
ہم بہر حال تیرے نام کے عامل تو ہوئے
سنگ پہ سنگ بھی برسائیں کوئی بات نہیں
سنگ ہاتھوں میں لئے ، مجھ پہ وہ راِمل تو ہوئے

میں جو عاشق تیرا کہلایا،بڑا اعزاز ہے یہ
حسن کی تعریف میں ہم تیرے قابل تو ہوئے
نقاب کے متعلق وہ یوں رقمطراز ہیں۔
چہرہ نظر نہ آیا کہ بند تھا نقاب میں
انداز کہہ رہا تھا کہ گل تھا شباب میں
وہ جارہے تھے دفعتاً میری نظر پڑی
نظروں میں عکسِ یار تھا دل تھا عذاب میں
خاطر کو تھام لو کہ تڑپتا ہے رات بھر
یہ بھی شباب میں ہے،اور وہ بھی شباب میں
اور
آنکھ سے آنکھ ملائی ذرا دل تو ملا دے خاطر
ہاتھ تو اس نے بڑھایا ذرا سینہ ملا دے خاطر
:اور رخصتی کے موقع پر
وہ رخصت ہوئے مرحبا کہتے کہتے
مڑا میں انہیں بے وفا کہتے کہتے
میرے دل کے گوشوں میں مسکن تھا ان کا
اچانک اٹھے وہ برا کہتے کہتے

نچھاور تھا شبنم میری دوستی کا
بچھڑتے گئے یا خدا کہتے کہتے
محبت کا نشتر چلا دے تو خاطر
کہ لوٹے یہاں، آگیا کہتے کہتے

خالص قدیم اردو کی آمیزش کا ایک نمونہ ان کے ان اشعار میں ملاحظہ فرمائیں:

تن تنکوں کے مٹکے ابن کر من پر سجتا جائے
مٹکے دل پہ آہنگ بن کر روز سلجھتا جائے
کاہے کا آنگن، کاہے کے کنگن، کاہے کو کرتی نخرے
من رت کے وہ دیپ جلائے گیت وہ گاتا جائے
نینا آئی صبح سویرے صبح کے نغمے گاتی
جھاڑوں کی جھرمٹ میں میرا پھول مہکتا جائے
خاطر کے انگ انگ کے شرارے کس دھن میں گھر آئے
سے کے لَے سے نکتہ ٹپکے روپ نکھرتا جائے

اور اخیر میں وصیت کرتے ہوئے:

خدا کے دین پر سر دھڑ کی بازی تم لگا لینا
نہ پیچھے تم کبھی ہٹنا میری سن لو وصیت کو

مبلغ یا معلم یا مؤلف یا مجاہد بن
خدا کے دین کو ایسے ہی سمجھا دو رعیت کو
مجھے امید واثق ہے دعاؤں میں نہ بھولو گے
اگر یہ ہو سکے کچھ پڑھ کے بخشو میری میت کو

خدارا، مذاکرات، مذاکرات اور مذاکرات

مردان وزیارت کے تازہ المناک اور افسوسناک واقعات سب کے سامنے ہیں، اب اس بحث میں پڑنے کا تو شاید کوئی فائدہ نہیں ہوگا کہ ملک کے موجودہ خانہ جنگی کا سبب کون بنا؟ عسکریت پسند یا عسکری قوت ؟ عوام یا علما ؟ حکمران یا سیاست داں ؟ جو اس المیے کو گزشتہ ایک عرصہ سے رونما ہوتا دیکھ رہے تھے ،انھوں نے اسے ٹالنے کے لئے کیا کردار ادا کیا ؟وہ کوئی کردار ادا کر بھی سکتے تھے یا نہیں ؟ اس حوالے سے بھی کچھ کہا جا سکتا ہے نہ شاید کچھ کہنے کا فائدہ ہے کہ اس میں کس فریق کے ساتھ اندرونی اور بیرونی ہمدردوں کی کتنی اور کیسی ہمدردی، رہنمائی، ہمراہی، اور ہمنوائی رہی ہے اوراب بھی ہے ، اس وقت افواج پاکستان عسکریت پسندوں کو راہ راست پر لانے اور وزیرستان کے طالبان کو راہِ نجات دکھانے کی فیصلہ کن مہم پر ہیں، یہاں بھی بے شمار سوالات ہیں ، طالبان اور مجاہدین کون ہیں ؟ان کی تخلیق کس نے کی ؟کن مقاصد کے لئے کی ؟ان کے اپنے مقاصد کیا ہیں؟ ان میں اچھے کتنے ہیں اور برے کتنے ہیں ؟وہ کوئی حقیقی طاقت ہیں یا تصوراتی ؟ اگر حقیقی ہیں تو ان کو کتنا نقصان ہوا اور ہو رہا ہے؟ اس خانہ جنگی کا ذمہ دار کون ہے؟اور کیا اس طرح عسکریت پسندی ختم بھی ہو جائے گی یا اس میں مزید اضافہ ہوگا؟ یہ جنگ ہماری اپنی ہے یا غیروں کی ؟یہ ساری چیزیں اِمکان و

احتمال کے درجے میں ہیں، صرف اتنی بات طے ہے کہ دونوں جانب بے شمار معصوم لوگوں کو بہ " راہِ راست " خالق حقیقی سے ملانے اور دنیوی زندگی سے " نجات " دلانے کا انتہائی سفاکانہ و بے رحمانہ عمل اپنے جوبَن پر ہے۔

قوموں کی زندگی میں ایسے حالات آتے رہتے ہیں، اور ان حالات میں مقتدر اور با اختیار قوتوں کی آزمائش ہوتی ہے، چنانچہ ان کے فیصلوں کی بنیاد پر قومیں عروج یا زوال کی راہ پر چلتی ہیں، اور دوسروں کے لئے نشانِ راہ چھوڑ جاتی ہیں یا خود نشانِ عبرت بن جاتی ہیں، وطنِ عزیز میں اس وقت جو صورتِ حال ہے، وہ دوربین و دوراندیش قیادت کے فقدان اور بیرونی پُرپیچ مداخلت کا ایسا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس کی نظیر ماضی میں حقیقتاً (نہ کہ مبالغتاً) نہیں ملتی، اب نفاذ شریعت کے لئے مسلح جد وجہد کے قائل اور اس کے حامی لوگوں سے اختلاف اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے، فوجی قیادت سے اختلاف رائے بھی اپنے پروانۂ موت پر دستخط کرنے سے کم نہیں ہے، گویا ہر طرف موت کا رقص ہے، منطق، دلیل، برہان، مشاورت اور مفاہمت کی راہیں آئے روز مسدود اور معدوم ہوتی جا رہی ہیں۔

حالات سے غافل رہیں، تو بزدلی اور کم ہمتی کا احساس ڈستا ہے، اور اگر باخبر رہیں، تو مایوسی اور دل شکستگی بے چین و بیمار کرتی ہیں، تاریخ کے اوراق میں

موجود جنگوں، المیوں ، مصیبتوں اور فتنوں کی وہ داستانیں جو کبھی گرمیٔ محفل کے لئے سنائی جاتی تھیں ، جوش خطابت میں غازی گفتار اور زورِ کتابت میں قلمی شیروں کا سرمایہ تھیں،آج سمعی وبصری آلات کے ذریعے اور بہ چشم خودہزاروں ایسے دیکھ دیکھ کر وہ سب سچ معلوم ہوتی ہیں، سانحہ لال مسجداور سوات آپریشن کے بعد قوم کتنی راحت محسوس کرتی ہے ؟یہ سب کے سامنے ہے،آج 18 کروڑ اہلیان وطن اس سے جس قدر متاثر ہیں ،اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے ،اس وقت بظاہر تو وہی اندھے فتنے والی صورتِ حال ہے ، کوئی حل سمجھ میں نہیں آرہا ہے اور کسی کو نہیں آرہا ہے ، بہر حال رجائیت اور امیدِ خیر کو کسی طرح ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے ،اور جو ہوااور ہو رہا ہے اس پر بجائے رونے دھونے کے حالات کی اصلاح ، صورتِ حال کی بہتری ، متاثرین کی مدد اور معاونت ،اجتماعیت کو فروغ دینے، وحدت ویکجہتی کا ثبوت دینے کی اپنی بساط کے مطابق کوششیں کرنی چاہیئں،حکومت کو غرور وتکبر نیز طاقت کے گھمنڈ سے گریز کرنا ہوگا،غیر مقتدر قوتوں میں سے ہر فرد اور ہر جماعت کو بغاوت و نفرت کے خاتمے، امن وبھائی چارے کے قیام اور الفت ومحبت کے فروغ کے لئے اپنی صلاحیتیں صرف کر نی چاہئیں ، دعاؤں اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا چاہیے، بعید نہیں ہے کہ اللہ تعالی قوم اور امت کے حق میں کوئی بہتر فیصلہ فرمادے ،اس لئے کہ پاکستان بہر حال امت کی امیدوں کا مرکز اور مسلمانوں کا گھر ہے ، جسے متحد، خوش حال ،روبہ ترقی اور قائم ودائم رہنا چاہیے ،اور اس

کے لئے ہمارا اجتماعی اور انفرادی کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے، سو آج اگر افغانستان کے طالبان قطر میں دفتر کھول سکتے ہیں، افغان حکومت اور امریکہ ان سے مذاکرات پر آمادہ ہیں، تو ہمیں کیا ہوگیا ہے کہ ہم آج بھی تونس، لیبیا، یمن، عراق، مصر، شام اور لبنان کے دگرگوں حالات سے کوئی سبق نہیں سیکھتے؟ اور بزبانِ چودھری نثار جلتی پر تیل چھڑک کر طالبان اور بلوچستان کے لڑاکا عناصر کو للکار رہے ہیں، کیا ہم اتنے بد نصیب ہیں کہ ہمیں کوئی عقل مند آدمی کہیں بھی میسر نہیں؟

شیخ ولی خان المظفر کا کام

بقلم: عزیز الرحمٰن عظیمی (سوات آپریشن کے موقع پر لکھا گیا)

ہم بھی کیا سخت جان اور آفات آشنا لوگ ہیں، ہر گذرتے دن کے ساتھ ہماری مشکلات ومسائل میں اضافہ ہورہاہے، آئے روز نئے نئے المیے رونما ہوتے ہیں، ہر اگلا المیہ پچھلے کو سنگینی اور ہمہ جہتی میں مات دے کر بھلاہی دیتاہے، دہشتگردی کے مختلف واقعات اور بیرونی مداخلت وجارحیت کی تشویش ناک صورت حال سوہانِ روح بنی ہوئی تھی کہ اوپر سے سوات آپریشن شروع ہوا، اس میں فریقین کے علاوہ کتنے ہی معصوم لوگوں کو جان سے ہاتھ دھونا پڑا، یہ تو رہاایک طرف بلکہ زیادہ مناسب الفاظ میں اس کو تو کردیاگیاایک طرف، ادھر لاکھوں وہ لوگ جو نہ تو عالمی حالات کی نزاکت کا ادراک رکھتے ہیں، نہ انہیں اپنے آج اور کل کے بارے میں معلوم ہے نہ ہی وہ کسی کے ساتھ یا کسی کے مخالف ہیں، وہ ایسے خانماں برباد اور بے گھر وبے آسرا ہوگئے، جان وآبرو کے حوالے سے سخت خطرات محسوس کرنے لگے کہ پوری قوم کو اب انہی کا غم کھائے جارہاہے، اب جو مارے گئے وہ مجرم تھے، یا بے گناہ، مطلوب یا مظلوم، کتنے تھے اور کیسے مارے گئے، ان لاحاصل بحثوں میں پڑنے کا کسی کے پاس وقت نہیں ہے، کہ وہ اب

ان تبصروں و تجزیوں سے بے نیاز ہیں، اب بات ان کی ہو رہی ہے، جو مبتلائے مسائل ہیں، سوچنے والے ایک طبقے کا خیال ہے اور بجاہی ہے کہ پختون قوم جن کے وجود کا اسلام کے بغیر تصور بھی نہیں ہو سکتا، نیز اسلام میں مطلوب محمود صفات، غیرت وحمیت، شرم وحیا، سخاوت ومہمان نوازی، جرات وبہادری، تصلب وہمت وغیرہ جن میں نہ صرف پیدائشی طور پر پائی جاتی ہیں، بلکہ اِن کا تحفظ وبقاان کے لئے زندگی اور موت جیسی اہمیت کا حامل مسئلہ ہے، اس قوم کو بے گھر وبے وطن کرنے کا جو سب سے بھیانک پہلو ہے، وہ یہی ہے کہ ان کی خودی کو متاثر کیا جا رہا ہے اور جس قوم کو اپنے علاقے کی خوبصورتی، اپنی ثقافت ومعاشرت کی انفرادیت، زبان کی حلاوت قدکاٹھ کے تناسب اور جمالیاتی ذوق پر ناز تھا انہیں کھلے میدان اور تپتے صحرا میں لاکر، اقوامِ عالم کے سامنے بے آبرو کر دیا، دست نگر بنادیا گیا کہ اس کے تصور سے ہی رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، خدا جانے مزید وہ اپنی خودی کی کتنی قیمت ادا کریں گے دردِ دل رکھنے والے اہلیانِ وطن کی نظریں اسی لیے اب صرف متاثرین پر مرکوز ہیں، بہت سارے اصحاب وسعت واستطاعت بڑھ چڑھ کر اس حوالے سے اپنی خدمات پیش، کر رہے ہیں اگرچہ وہ سب ملاکر بھی مطلوب خدمت کا عشر عشیر بھی نہیں ہے، مگر بہر حال "مالایدرک کلہ لایترک کلہ" (جہاں پورا مقصد حاصل نہ کیا جا سکتا ہو، وہاں پورے کو چھوڑنا بھی نہیں چاہیے۔ بلکہ جو کچھ ہو سکتا ہے وہ تو کر ہی لینا چاہیے)۔

متاثرین میں سے جو بہت تھوڑی تعداد (جو ہزاروں میں ہے) کراچی آئی شاید اس شہر کی دریا دلی، خوشحالی اور غریب پروری کے بارے میں سن سن کر ان کی آلام پُرسی اور خبر گیری کے لیے کراچی کا ایک ہر دلعزیز فرزند شیخ ولی خان المظفر اٹھے، شیخ کا اصل میدان علم وادب ہے اور اس میں انہوں نے ملک وبیرون ملک میں اپنا لوہا جما دیا ہے مگر تعلیمی اور تبلیغی سرگرمیوں کے ساتھ وہ ہمیشہ قوم وملت بلکہ پوری انسانیت کے لیے، فکر مند رہے ہیں اور اس حوالے سے مختلف میدانوں میں کام کرنے والوں کو رہنما خطوط دینے اور بلا تفریق خدمتِ انسانیت کی طرف توجہ دلانے کا کام تو وہ پہلے بھی کر تے رہے مگر وہ جو شیخ کی فطرت اور مخصوص طبیعت ہے اپنے کاز کے لیے جنون اختیار کر نے کی وہ اب تک تعلیم وتعلم کے سلسلے سے متعلق تھی، اب جب سے سوات کا آپریشن شروع ہوا ہے اور غم والم کی لرزہ خیز کہانیاں گردش کر رہی ہیں، خود شیخ کے کلاس فیلوز اور قریبی دوست اکی لپیٹ میں آ گئے، کانجو ایف سی کے خطیبِ اعلی مولانا نعیم اللہ بے گھر ہو گئے، مولانا سمیع الحق سواتی کی اھلیہ بچوں سمیت نشانہ بنیں اور دیگر بہت کچھ تو شیخ سے رہا نہیں گیا اور اللہ کا نام لے کر انہوں نے کچھ کرنے کے لئے بھاگ دوڑ شروع کر دی، اُن کی توجہ متاثرین کے حوالے سے ان کی خدمت پر مرکوز ہو گئی، ان کے جنون نے اب یہ رخ اختیار کر لیا ہے۔ مولانا محمود علی شیخ الحدیث جامعہ عائشہ (جوبلی)، مولانا ساجد اللہ کے ساتھ ایک دو رکنی

مشاورت کے بعد مولانا عبید اللہ کی مصطفیٰ مسجد میں اللہ کا نام لے کر حقیقی معنوں میں اللہ کے آسرے بیٹھنے والے اس قلندر کی طرف اللہ نے متاثرین اور موثرین دونوں کا تانتا بندھ جانے کی ایسی صورت بنا دی کہ وہ خود بھی انگشت بدنداں رہ گئے ،اب تک ان کے پاس 3200 سے زائد فیملیاں رجسٹرڈ ہو چکی ہیں ، جن کو شیخ کی طرف سے گھر راشن اور دیگر ضروریات زندگی کی فراہمی کا سلسلہ شروع ہے ۔

عجیب بات یہ ہے کہ ان کے پاس نظم اور ڈسپلن کی کوئی چکا چوند ہے ، نہ پروفیشنل ٹیم ہے، نہ میڈیا کوریج، نہ سیکورٹی کا کروفر، اور نہ ہی کوئی دھکم پیل ،بڑی سادگی سے صبح ہی چند نوجوان آتے ہیں اور آتے ہی کام میں مگن ہو جاتے ہیں رات گئے تک مختلف الجہات کام ہوتا ہے ۔ اجناس کی وصولی واندراج ، رجسٹریشن ، پیکیجز کی تیاری ، گھر گھر جا کر تقسیم کرنا ، مختلف وبائی ، متعدی اور لاعلاج امراض کے فری میڈیکل کیمپز لگانا اسپتالوں میں لیجا کر مریضوں کا علاج کرانا ،آنے والوں کے لیے قیام وطعام ، بچوں کی، تعلیم کا بندوبست ، بعض ضرورت مندوں کی واپسی کا انتظام ، بعض کی شادی بیاہ کا بندوبست ،ان تمام حوالوں سے کام ہو رہا ہے، اللہ کا شکر ہے کہ امت کی غالب اکثریت نے ہمیشہ ماؤف دلوں ، مجروح دماغوں اور مایوس ذہنیتوں میں امید کے دیے جلائے ہیں ، متاثرین کے حوالے سے حضرت شیخ کو بھی اس شہر نے مایوس نہیں کیا ، ان

کی توقعات سے کہیں بڑھ کر ان کو اصحاب دل اور اہل ثروت کی طرف سے رسپانس ملا، مختلف اہل علم اور مخیّر حضرات کی توجہ مردان وصوابی کے کیمپوں میں موجود متاثرین پر ہے اور ظاہر ہے انہیں اس کی ضرورت ہے کہ اہل وطن ان کا دکھ درد بانٹیں ان کی حسب استطاعت مدد کریں اور ان کو اپنائیت کا احساس دیں، مگر کراچی آنے والے متا ثرین جن میں بعض تو اپنے رشتہ داروں کے آسرے پر آئے ہیں جب کہ عموماً وہ رشتہ دار خود بھی غریب ہیں اور پھر ایک ایک کے پاس کئی کئی خاندان آئے ہیں، جب کہ دوسرے کچھ لوگ کیمپوں کے نا قابل تصور و تحمل زندگی اور پھر سرکار کی لگی بندھی ریلیف کے اور مختلف این جی اوز کے حیاسوز اور صبر آزما تماشوں کے متعلق سوچ اور سن کر اس امید پر کراچی آئے کہ شاید اس کاروباری شہر میں کوئی روزگار مل جائے اور لاکھوں کی اس آبادی میں سر چھپانے کے لیے کوئی گھر مل جائے جہاں ان کی عزت وناموس محفوظ ہو اور وہ کسی کے رحم وکرم پر لحات زندگی نہ گذاریں، بلکہ اپنی ضروریات وحوائج کے لئے انہیں کمانے یاقرض لینے کی سہولت میسر ہو، ایسے لوگ ہزاروں میں تھے اور اگر شیخ کے دل میں اللہ تعالی نہ ڈالتے تو معلوم نہیں ان کا کیا بنتا متاثرین کے اس طبقے کے ہر فرد کی ایسی داستانِ درد والم ہے، جسے کمزور دل والے سن، ہی نہیں سکتے، ان کا گھربار مال مویشی اور کاروبار کیسے تباہ ہوا، پھر انہیں نکلنے میں اور یہاں آنے میں کتنی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، اس کی تفصیلات ؁47 کی ہجرت کی یادیں ،تازہ کرتی ہیں، ایسے رنجیدہ

دل گرفتہ اور احساس محرومی اور بیگانگی کے مارے ہوئے لوگوں کو ٹھکانہ اور کھانے پینے کا سامان فراہم کرنا، کتنا ضروری تھا اور حضرت شیخ جیسے بے وسائل آدمی کے لیے کتنا مشکل تھا، اس کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے، مگر کوئی قدم جب درد مندی اور بے غرضی سے اٹھتا ہے، تو اللہ تعالی اسے کامیابی سے ہی ہمکنار کرتے ہیں، شیخ کے کام میں بھی اول سے آخر تک جو قوم کا اعتماد اور انہماک دیکھنے میں آیا، اس پر سب مسرت

آمیز حیرت کا اظہار کر رہے ہیں، پھر شیخ ولی خان المظفر کو قریب سے دیکھنے والے جانتے ہے، کہ ان کو جب کوئی ٹاسک ملتا ہے، یا وہ کسی کام کا ارادہ کرتے ہیں، تو پھر بقول خود اُن کے وہ کام اُن پر سوار ہو جاتا ہے، اس کے لئے وہ منصوبہ بندی سے نہیں زبردستی سے کام لیتے ہیں، ان کی عادت چیلنجز سے نمٹنے میں جان کھپانے کی ہے، نہ کہ جان بنانے کی، دھیرے دھیرے اور پھونک پھونک کر قدم اٹھانے کی وہ تحسین کرتے ہیں، مگر خود اپنا معمول مردانہ وار دوڑنے کی ہے، یہاں بھی ان کا وہ جنون کام آیا، توقعات سے کہیں زیادہ کام ہوا اور ہو رہا ہے، ان کا علمائے کرام میں ایک معتبر نام ہے، شہر کے بہت لوگ اس حوالے سے معلومات حاصل کرنا، یا متاثرین کی مدد کرنا چاہتے ہیں، اگر یہ کام دیکھنے یا اس میں حصہ لینے کی خواہش ہو تو شیخ سے رابطہ کریں اور اپنے اسلامی اور ملکی بھائیوں کی مدد کریں، اب اگلا مرحلہ متاثرین کی بحالی کا ہے، جو نہایت مشکل اور توجہ طلب ہے اسے پوری قوم مل کر ہی حل کر سکتی ہے، اس سلسلے میں

بھی مولانا کے حلقے میں کافی غور وخوض ہو رہا ہے۔

(نوٹ: یہ 2009 کی تحریر ہے)

دینی مدارس ۔۔ تصویر کا دوسرا رخ

فرد اور معاشرے کے اصلاح اور تعمیر میں مسجد اور مدرسے کا کردار ایک نا قابل انکار حقیقت ہے ، اس کردار ہی کی بدولت مسلم معاشرے میں اور مسلمان گھرانوں میں عموماً علما اور دینی تعلیمی اداروں کو عزت احترام کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ، ان کی توہین اور تحقیر کو خطرناک اور باعث نقصان وخسران تصور کیا جاتا ہے، اس واسطے اسلام اور مسلمانوں کے خیر خواہ غالباً مدارس اور اہل مدارس میں پائے جانے والی کمزوریوں کو بھی نہیں چھیڑتے ، کہ معاشرے پر کوئی اچھا اثر پڑنے کی بجائے اس سے اس کار خیر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ محسوس کیا جاتا ہے اور مذہب بیزار طبقے کی تخریبی سوچ اور منفی پروپیگنڈے کو تقویت ملتی ہے، محلے کی مسجد ہی میں قوم کے معصوم بچے جاکر قاری صاحب اور امام صاحب سے جو کلمے نماز فرائض وواجبات اور ضروری احکام سیکھتے ہیں ، ناظرہ وحفظ قرآن کریم یا ترجمہ وتفسیر کا سبق لیتے ہیں ، اسکو زیادہ اہمیت نہیں دی جاتی ہے، مگر اسلامی معاشرے اور صالح مسلم گھرانے کی تشکیل میں اسکا بڑا بنیادی کردار ہوتا ہے ، کیونکہ بچے کے شفاف اور سپاٹ لوح ذہن پر نقش ہونے والے وہ الفاظ اور بنیادی اسلامی تعلیمات تادیر بلکہ اکثر تاحیات موجود رہتے ہیں اور زندگی کے ہر موڑ پر ضمیر کو جھنجھوڑتی ہیں ۔

اسی طرح مدرسے کا پڑھا ہوا نوجوان مسجد کے امام وعلاقے میں دینی رہنما کی حیثیت سے اور دار الافتاء کے مفتی کے طور پر آج بھی حلال، حرام، جائز ناجائز اور دینی مسائل کے عمل کے سلسلے میں بلاشرکت غیرے مرجع الخلائق ہے اور عامۃ المسلمین اپنے ذاتی دینی احکام عائلی مسائل، کاروباری مسائل، تنازعات ومعاهدات و دیگر ضروریات کے سلسلے میں علما ہی پر اعتماد وانحصار کے قائل ہیں، عملًا بھی وہ مولوی ہی سے اپنے یہ مسائل حل کراتے ہیں، یہ ایک بڑی حوصلہ افزا صورت ہے، تاہم مدارس کے ناقدین میں کچھ رایسے بھی ہیں، جو جارحیت، مذمت یا بد خواہی وناپسندیدگی نہیں تعمیر کی تنقید کے انداز میں مدارس اور اہل مدارس کے اصلاح احوال کیلئے فکر مند اور ہم دردی وبہی خواہی کے ساتھ کوشاں ہیں۔

معاشرے کی زبوں حالی اور اخلاقی زوال کے شکار کسی بھی قوم وملت کا اگر جائزہ لیا جائے تو لامحالہ اسکے مختلف طبقوں اور تمام اداروں میں کمزوریاں اور بے عملیاں ں نظر آئینگی، مسلمان جب بھی من حیث القوم زوال وانحطاط کے راستے پر پڑتے ہیں بنظر غائر جائزہ لیا جائے تو ان میں مسجد ومدرسے کے کردار کا فقدان یا ضعف واضمحلال ضرور نظر آئے گا، پھر اگر اس اضمحلال وانتشار کو محسوس بھی نہیں کیا جاتا، یا اسکے اظہار پر ناگواری کا اظہار

کیاجاتا ہے، تو یہ مزید نقصان کا سبب بنتا ہے، بہی خواہانہ تنقید میں بجاطور پر جو بات زیادہ زور و شور سے کہی جاتی ہے، وہ یہ ہے کہ مدارس و مساجد کا کردار محدود سے محدودتر ہوتا جارہا ہے، بلکہ انسانی دنیا کی تیز ترین اور ہمہ جہت ترقی کی بنا پر اسلامی معاشرے کی ضروریات ومشکلات اور مسلمانوں کو درپیش چیلنجز میں مسلسل اضافہ ہورہاہے، جس کا تقاضایہ تھا کہ مسجد ومدرسے کی فعالیت اور کردار کی وسعت بھی اسی رفتار سے بڑھتی رہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ ایسا نہیں ہورہا ہے، چناں چہ مدارس دینیہ میں نئی آمدہ قومی زبانوں کو سکھانے، مسلم اور غیر مسلم ورلڈ کی تفصیلات اور مختلف تہذیبوں اور ثقافتوں سے اپنے فضلاء کو روشناس کرنے کا کوئی معقول ومربوط نظام نہیں ہے، اسی کا نتیجہ ہے پرنٹ والیکٹرانک میڈیا میں اسلامی تعلیمات کے اوریجنل اور پیور قسم کے حاملین ناپیدیا نہ ہونے کے برابر ہیں، تعلیم و تبلیغ اسلام کے ذمہ داروں کو سوسائٹی کے ایک محدود ومغلوب حصے پر قناعت کی ایسی لت پڑی ہے کہ کبھی ان کی نگاہ خوشحال اور پوش طبقے کی طرف غلطی سے بھی نہیں اٹھتی اور اسمیں جہاں علما کی دنیا میں عدم دلچسپی کارفرماہے، اتنی ہی کچھ کی نااھلی اور عدم استعداد بھی اسکا سبب ہے، مسجد ومدرسے والوں کو تصویر کے دونوں رخ سامنے رکھ کر اپنا کردار ادا کرنا چاہیئے اورہر تنقید کو ردی کی ٹوکری میں ڈالنے اورپائے حقارت سے ٹھکرانے کی تباہ کن روش سے اجتناب کرنا چاہئے۔

نوشہرہ ومردان میں ۔۔۔امداد وعطا کا بحر بیکراں

رواں ماہ کی 21تاریخ کو دن ایک بجے ایئر بلو کی فلائٹ سے مفتی محمد عاصم زکی ،قاری زبیر احمد چترالی اور مولانا عرفان میمن کی معیت میں ہم پشاور کیلئے محوِپرواز تھے، ایئر پورٹ پر مولوی احمد الرحمٰن برادرِ خورد شیخ عطاء الرحمٰن مدیر تعلیم جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن اپنے دوستوں کے ساتھ خیر مقدم کیلئے موجود تھے ، وہاں سے علی طول قافلہ مردان سٹی میں فضل حق کالج کے قریب حضرت قاری اسداللہ کے عظیم الشان اور مثالی ادارے جامعہ احیاء العلوم پہنچے ،کچھ خاطر تواضع اور عصر کی نمازِ سفرانہ سے فراغت کے بعد اب ہم اپنی منزلِ مقصود تحصیل کاٹلنگ (اسکاٹ لینڈ)کے علاقے میں واقع حضرت مولانا امداداللہ استاذ حدیث وناظم جامعہ بنوری ٹاؤن کے قائم کردہ دانشگاہ جامعہ اسلامیہ بابوزئی کے پرنور وپرسکون فضاؤں کے رخ پر تھے، یہاں رات بعد از مغرب ایک مسابقہ ومقابلہ تحفیظ القرآن الکریم منعقد تھا، جسمیں ضلع مردان ومضافات کے مختلف مدارس ومکاتب حفظ کے چھوٹے اور معصوم طلبہ شریک تھے، بطور جج صاحبان کے جناب قاری زبیر احمد چترالی اور دبئ سے تشریف لائے ہوئے جناب مولانا قاری لطف الرحمٰن مسندپر براجمان تھے، شرکائے مسابقہ سے طے شدہ نظام کے مطابق تین تین سوالات کی ذمہ

داری جناب قاری ہارون صاحب کے سپرد تھی، پوزیشن حاصل کرنے والے کیا سب ہی طلبہ اس لائق تھے کہ ہر ایک کو علماء ومشائخ کے اس عظیم مجمع میں ڈائس پر آکر تلاوت کرنے پر انعام دیا جائے اور داد دی جائے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ سب کو انعامات سے نوازا گیا، اخیر میں احقر کو خطاب کیلئے بلایا گیا، میں نے اپنے معروضات میں علامہ اقبال مرحوم کا یہ شعر بھی پیش کیا:

تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے رازی نہ صاحب کشاف

رات گئے پروگرام سے فارغ ہوئے، جامعہ کے شعبہ جات، تعمیرات اور ماحول کا تفصیلی دورہ ہوا، بہت خوشی اس بات کی ہوئی کہ جامعہ کے درودیوار میں عربی زبان وادب کا غلغلہ ہے، وسعت فکری کے ساتھ ساتھ بالکل دیہات میں جدت کا حامل اور گلوبلائزیشن کے تقاضوں سے ہم آہنگ علمی، نظریاتی اور صاف ستھرا ماحول ہے، مولانا امداد اللہ صاحب کا پور (اخیل خانہ) علم ومعرفت کے شناور ودلداہ ہیں، جامعہ بنوری ٹاؤن کا مزاج ومذاق بالکل یکدم نمایاں ہیں، (بابوزئی) کے مشرق میں یعنی پشت پر آسمان سے راز ونیاز کرتے پہاڑ اور مغرب میں سبزے کی شال میں لپٹا ہوا میدانی علاقہ ہے، جو جنگی میکنزم کے حوالے سے انتہائی اسٹراٹیجک سمجھا جاتا ہے، شیخ عطاء الرحمٰن صاحب کے مستجاب الدعوات والد گرامی قدر کی خدمت اقدس میں علماء، خواص اور عوام سب ہی کا تانتا

بندھا رہتا ہے، اللہ تعالی صحت کاملہ کے ساتھ اس شجر سایہ دار کو زندہ وتابندہ رکھے،
پٹھانوں کی ضیافت اور مہمان داری دیکھنی ہو تو یہاں کا سفر ضرور کیا جائے، مزاجوں، مذاقوں، تبصروں اور تجزیوں کا صحیح توازن دیکھنے کیلئے رحیم اللہ یوسفزئی بطور نمونہ سب کے سامنے ہے، یہاں کے کوہستانی سلسلے میں (کشمیر غار) بھی سیاحوں کیلئے نہایت پرکشش وجاذب ہے، اس غار کی انتہا تک آج تک کسی کی رسائی شنید کے مطابق نہیں ہوئی، جامعہ بنوری ٹاؤن کی سمر کلاسز کیلئے (تعلیم وتربیت) نامی کتابوں کا نصاب ونظام یہاں کے اسکولوں اور کالجوں میں بھی باقاعدہ منظور شدہ نافذ العمل ہے، جامعہ اسلامیہ بابوزئی اور بدرہائی اسکول کی کچھ اس طرح کی کلاسوں کے معاینے کا موقع ملا، مولانا محمد بشیر کی کوششوں اور کاوشوں کو دورے کے علماء ومشائخ داد دیئے بغیر نہ رہ سکے، یہاں کے بچوں اور بڑے اسٹوڈنٹس کو عربی، اردو، انگریزی اور پشتو چار زبانوں کی تعلیم وتربیت اور تکلم وحوار کی عجیب وغریب تربیت دی جاتی ہے، چنانچہ آپ ان سے کوئی سوال ان چاروں زبانوں میں سے کسی ایک میں کریں اور جواب علی الترتیب چاروں زبانوں میں سماعت فرمائیں، ان جبلی علاقوں کے یہی وہ اسباب وعوامل ہیں جو مولانا امداد اللہ وشیخ عطاء الرحمٰن کو اہل کراچی کی بے پناہ محبت وعزت افزائی کے باوجود یہاں کی مستقل سکونت کے بجائے وہاں کھینچ لیجاتی رہتی ہیں، اس وقت خوشحال خان کا یہ مصرع دل ودماغ پر بار بار دستک دے رہا ہے۔

دَ دھلی تخت هیر و مه چه رایاد کڑم ـ ستاد خکلی پختونخوا دَ غرو سرونه
یعنی تخت دھلی بھول جاتا ہوں جب مجھے آپ کے حسین پختونخوا کے پہاڑوں کی چوٹیاں
،یاد آجاتی ہیں، یہیں قریب میں عبدالرحمٰن بابا کا گاؤں (بھادر کلے) بھی ہے
،جس کے متعلق ان کا کہنا ہے

بادشاهان به دَ دھلی ناست وی په تخت ـ مارحمان لره بهادر کلے دھلے دے
شاہان دھلی اپنے تخت پر جلوہ افروز ہوں گے تو ہوں گے، عبدالرحمٰن کیلئے تو بھادر کلے دھلی سے کم نہیں ہے، ان علاقوں میں حضرت سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید کی حکومتیں قائم تھیں، یہاں جگہ جگہ (شہیدان بابا) کے قبرستان ہیں، یہاں ان مجاہدین کو سروں پر بٹھایا گیا تھا، ان کی تکریم واحترام کی مثالیں یہاں کا متاع گراں ہے، یہیں مردان شہر کے قریب حکیم الامت مجدد الملت حضرت تھانوی رحمتہ اللہ علیہ کے دادا یا پردادا شیخ ومرشد کا مزار (سنگر بابا) کے نام سے مشہور ہے، حضرت نفیس شاہ الحسینی رحمتہ اللہ علیہ کی آمد ورفت یہاں برابر رہتی تھی۔
بہر کیف اگلے دن یہاں جامعہ اسلامیہ بابوزئی میں تقریب ختم بخاری شریف کا

انعقاد تھا، علماء وصلحاء، اولیاء، طلبہ، مشایخ اور عامۃ المسلمین کا ایک دریا امڈ آیا تھا، شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا محمد زرولی خان صاحب، شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری مفتاح اللہ صاحب کی آمد نے محفل کو وہ رونق بخشی تھی کہ کیا کہنے۔ مولانا زرولی خان صاحب کا فصیحانہ، بلیغانہ اور ادیبانہ اندازِ بیان بڑا مسحور کن تھا، وہ محدث العصر حضرت بنوری، مفتی اعظم پاکستان حضرت ٹونکی اور امامِ اھلسنت حضرت مفتی احمد الرحمٰن رحمھم اللہ کا بڑا والہانہ تذکرہ کررہے تھے، مولانا حافظ شیر محمد آف پیر بابا، مولانا عاصم زکی، شیخ عطاء الرحمٰن اور راقم الحروف نے بھی اپنا اپنا حصہ بقدر جثہ لیا تھا، مولانا انعام اللہ، مولانا شعیب اور مولوی ادریس کی خوشیاں دیدنی تھیں، مفتی سلیم الدین شامزئی کے چاروں طرف دوستوں اور محبت کرنے والوں کی کہکشاں لگی رہتی تھی، حضرت مفتی صاحب شہید کے تذکرے ہی تذکرے تھے، حافظ شیر محمد صاحب کے بیان کے اخیر میں تو تبلیغی سہ روزوں، چلوں اور چار ماہ کی تشکیلیں بھی ہوئیں، شیخ عطاء الرحمٰن کی عربی لہجے میں پشتو بہت پسند کی گئی، رابعہ کے ایک طالب علم کی عرب لب ولہجے کی تقریر اتنی اچھی لگی کہ وہیں پر عام مجمع سے انعامات کی بارش کی گئی۔

بروز جمعرات 23 جون کو صبح لفظ "امداد" و "عطا" کا معنی مزید ابھر کر سامنے آیا، جب ان دونوں شخصیات کی کوششوں سے 136 جوڑوں کی شادیاں نوشہرہ سٹی

ہیں ہونے جارہی تھیں، اس باغ وبہار تقریب کا نظم ونسق دیکھنے کا تھا، مولانا عطاء الرحمٰن سابق وفاقی وزیر سیاحت ،ڈاکٹر شیر علی شاہ ، مفتی محمد زرولی خان ، قاری مفتاح اللہ ، مفتی کفایت اللہ ، مولانا حامد الحق حقانی اور دیگر بیسیوں علماء وبزرگوں نے اسٹیج کو رونق بخشی ہوئی تھی، مولانا عطاء الرحمٰن نے جامعہ بنوری ٹاؤن اور علامہ بنوری ٹرسٹ ایسوسی ایشن کے اس کردار کے تناظر میں دارالعلوم دیوبند اور جمعیت علماء کا جو حسین نقشہ کھینچا اس پر پورا مجمع انگشت بدنداں تھا اور سب ہی کہہ رہے تھے کہ فرزندِ مفتی نے حق ادا کردیا، مولانا امداداللہ صاحب نے کشمیر وہزارہ کے زلزلے ، زیارت زلزلہ ، مالاکنڈ کے آپریشن زدگان اور حالیہ سیلاب زدگان کیلئے جامعہ بنوری ٹاؤن کے چاروں صوبوں اور مختلف علاقوں میں خدمات کا تفصیلی خاکہ پیش کیا، جس کا میزانیہ کروڑوں میں تھا، انہوں نے کہا کہ ماہ گزشتہ مانسہرہ کے علاقے (بٹل) میں جامعہ نے 150 جوڑوں کی شادیاں کرائی تھیں اور یہاں 136 کا انتظام تھا، ان کا کہنا تھا کہ یہ سلسلہ جامعہ کی طرف سے ملک کے مختلف پسماندہ اور آفت زدہ علاقوں میں برابر چلایا جائے گا،جب دولہوں سے استدعا کی گئی کہ وہ حضرات اپنے اپنے نکاحوں کی وکالت حضرت قاری مفتاح اللہ صاحب کو سپرد کرنے کیلئے ہاتھ اٹھائیں تو شرکائے مجمع سب ہی نے ہاتھ اٹھادیئے ، جس پر مولانا امداد اللہ صاحب نے مولوی حفظ الرحمٰن صاحب سے مائیک لیتے ہوئے مزاحاً کہا کہ : ہر ایک چاہتا ہے کہ ہو اوج ثریا پہ مقیم۔ پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلبِ

سلیم

اس اجتماع کے قریب ہی (محبت آباد) واقع ہے جو کہ حضرت العلامہ محمد یوسف بنوری رحمتہ اللہ علیہ کا جنم علاقہ ہے میں دل ہی دل میں کہہ رہا تھا اپنے آپ سے کہ علامہ بنوری مرحوم کی سخاوت دیکھئے کہ حاتم طائی کی طرح بعد از وصال بھی اپنے علاقے کے لوگوں کو خوشیوں میں ہدایا و تحائف تقسیم فرمارہے ہیں، ہرگز نمیرد ہرکہ دلش زندہ شد بعشق۔ ثبت است برجریدۂ عالم دوامِ ما۔

اس موقع پر عوامی حلقوں کی طرف سے جامعہ بنوری ٹاؤن کو زبردست داد دی جارہی تھی، بالاخیر حکیم عبدالودود صاحب ٹرسٹی جمعیت تعلیم القرآن کے یہاں مدرسے میں مفتی عمیر صاحب نے مہمانوں کیلئے دوپہر کھانے کا انتظام کیا تھا، جس کے بعد اطراف واکناف سے آئے ہوئے حضرات اپنی اپنی منزلوں کی طرف گامزن ہوئے، ہم مولانا محمد یاسین، مولانا رزین شاہ اور مولانا محب اللہ صاحب کے ساتھ مولانا سمیع الرحمٰن کی امارت میں (بشخالی) کیلئے روانہ ہوئے، جہاں بھادر کلے میں خاندان میں ہمارے چچا جناب مولانا عبدالشکور صاحب ہیں، مولانا محمد یاسین صاحب کے سسر ہیں، سال گزشتہ مولانا کی بلڈنگ کے انہدام کا جو واقعہ پیش آیا تھا اس میں ان کی صاحبزادی اور صاحبزادے علیم اللہ کی شہادت بھی ہوئی تھی، تعزیت کیلئے حاضری دی، وہ بے حد خوش ہوئے، ہمارے والد بزرگوار

جناب حاجی مظفر خان مرحوم کا بار بار تذکرہ کیااور دعائیں دیں ، ہمارے والد صاحب کے ماموں زاد و پھوپھی زاد بھائی جناب محمد ایوب خان صاحب اور بھانجے مولانا شریف الرحمٰن اشرف بھی وہیں تھے، مولانا محمد یاسین چغرزئی کی طرح یہ دونوں بھی مولانا عبدالشکور کے داماد ہیں، عصر میں ہم مولانا سمیع الرحمٰن آف دیر بالا اور حاجی اقرار خان کے ساتھ شمس الاسلام کی رہبری میں جامعہ عربیہ شیر گڑھ آ گئے، مولانا محمد قاسم تشریف فرما تھے، جامعہ کے بانی و مہتمم حضرت مولانا حاجی محمد احمد صاحب سابق ایم این اے و امیر جمعیت علماء ضلع مردان، نیز ان کے مرحوم صاحبزادے حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کی روح کو ایصال ثواب کیلئے فاتحہ واخلاص پڑھنے کے بعد مولانا قاسم اور مولانا محمد طیب نے پورے ادارے کا دورہ کرایا، ایک عظیم الشان جامع مسجد زیر تعمیر تھی، جو شاید ملک بھر کی عظیم مساجد میں سے ایک ہوگی، شعبہ جات واداروں کا بھی مفصل معائنہ ہوا، دو روز بعد ان کے یہاں ختم بخاری کا پروگرام تھا، جس کیلئے تیاریاں عروج پر تھیں، جامعہ حقانیہ اکوڑہ خٹک کی طرح سینکڑوں طلبہ یہاں شریک دورہ حدیث ہیں ، اس ادارے کا سالانہ بجٹ کروڑوں میں ہے، حکومت سے امداد یا مہتمم کا حکومت میں سرگرم ہونے کے باوجود کسی بھی کرپشن سے حاصل کی گئی رقم کا یہاں داخلہ تو کجا دور دور تک بو بھی نہیں، للّٰہیت اور روحانیت کی یہاں کرنیں پھوٹتی ہیں، عربی زبان کی ترویج واشاعت کیلئے یہاں کوششیں ہو رہی ہیں، مولانا محمد قاسم تو ایک نابغہ ء روزگار ہی ہے کئی اساتذہ بھی

عربی ادب کے شہسوار ہیں، یہیں پر ہم بیٹھے ہی تھے کہ ضلع مردان کے ایک نوجوان محقق ومدقق علامہ سجاد ابن الحجابی بھاگم بھاگ تشریف لائے، پشاور یونیورسٹی کے لیکچرار جنید اکبر صاحب بھی ان کے ہمراہ تھے، دونوں جامعہ فاروقیہ کراچی کے معہد میں ہمارے پاس تھے، طالب علمی ہی سے زرخیزی کے آثار دونوں پر نمایاں تھے، وسعت مطالعہ اور حصول علم کیلئے گھاٹ گھاٹ کا پانی پینا ان کا مشغلہ ہے، یہ دونوں حضرات جامعہ اسلامیہ بابوزئی کے روحانیت سے بھرپور فضاؤں میں بھی ہماری ملاقات اور تقریب میں شرکتکے لئے قدم رنجائی کرچکے تھے، علامہ ابن الحجابی تو علمی حلقوں میں خاصے مشہور ہیں، مولانا جنید کے علمی وادبی تگ وتاز کیلئے اتنا کافی ہے کہ ڈاکٹر قبلہ ایاز کے معتمد اور پشاور یونیورسٹی میں ان ہی کے ہاتھوں کا کاشت کیا ہوا پودا ہے۔

چنانچہ مغرب کے بعد ہم تینوں مردان تبلیغی مرکز میں شبِ جمعہ میں شریک ہوئے دھیمہ بیان جیسے کانوں ودلوں میں رس گھول رہا ہو، پوری انسانیت، پوری دنیا اور کل کائنات کی بات چل رہی تھی، بشارتوں پر زور اور مشرف باسلام ہونے کے نئے نئے اور آسان پیکجز پیش ہورہے تھے، سب کو ساتھ لیکر چلنے کی دعوت دی جارہی تھی، مولانا حبیب الحق (شوے مولئی صاحب) مسؤل جماعت مردان سے عربی اور پشتو میں دیر تک گفتگو ہوئی، حالیہ دنوں چلہ لگانے والے فنکار نعمت

سرحدی، شہنشاہ، گلزار عالم ودیگر بھی ملنے آئے۔ کسی نے چھ سو فلموں میں کام کیا تھا تو کسی کی چار ہزار کیسٹیں مارکیٹ میں تھیں۔ اور اب اللہ کے ذکر میں مگن ایک نئی زندگی کیلئے عازم سفر تھے۔ رات مولانا جنید اور راقم انٹرنیٹ، لیپ ٹاپ اور ایکسٹرنل ہارڈ ڈیسک میں لگے رہے۔ فجر کی اذان ہوئی محلے کی مسجد میں باجماعت نماز ادا کی اور راستے میں سید احمد شہید رحمتہ اللہ علیہ کے بعض شہید مجاہدین کی قبروں پر فاتحہ پڑھتے ہوئے پشاور کیلئے روانہ ہوئے۔ امداد وعطا کے کردار، معنی اوران کی ذوات میں ان اسماء کے اثرات پر غور کرتے کرتے ہم ایئرپورٹ پہنچے اور دن کے 9 بجے کراچی میں تھے۔

دنیا محوِ حیرت ہے

دنیا میں عجیب وغریب انقلابات رونما ہو رہے ہیں، نوجوانوں کے غول کے غول اٹھ جاتے ہیں ،اور ملکوں وحکومتوں کو خس وخاشاک کی طرح اڑا لے جاتے ہیں، یہ آج سے 0 50 سال یا 100 سال قبل کی دنیا نہیں ، یہ قلعوں اور شاہی محلات کی دنیا نہیں، پچھلے دس بیس سالوں میں دنیا کی ترقیوں نے اس عالم ہست بود کو کچھ سے کچھ بنادیا ہے، جو لوگ ترقی یافتہ دنیا کے ساتھ ساتھ تبدیل ہو کر اپنی اپنی قوموں کے لائف سٹائل میں تبدیلی کے لیے کچھ کرنا جانتے تھے، وہ فی الحال بچ گئے، اور جو اس تبدیلی کو نہ سمجھ سکے وہ تنکوں کی طرح قوموں کے انقلابی ریلوں میں ایسے بہہ گئے کہ آج ان کی حکمرانی اور رہنمائی کا نام ونشان بھی نہیں ، مسئلہ یہ نہیں کہ اس تبدیلی کو سمجھا نہیں گیا بلکہ اس کی سرعت کو سمجھا نہیں گیا، یا تبدیلی اتنی تیز تھی کہ اسے قابو کرنا مشکل ہو گیا۔

آپ برازیل کو لے لیجئے کیا ہو رہا ہے؟ آج سے پانچ چھ روز قبل فٹبال ورلڈ کپ کی تیاریوں پر بے تحاشا خرچ کے خلاف ایک شہر میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے، اگلے دو چار روز میں یہ احتجاج برازیل کے ایک سو شہروں تک پھیل گیا اور کہیں رکنے کا نام نہیں لے رہا، تعجب کی بات یہ ہے کہ برازیل میں منتخب حکومت ہے، وہاں

کی خاتون صدر نے مظاہرین سے مذاکرات کرکے تفاہم کا راستہ اپنانے کی کوشش بھی کی۔برازیل آج دنیا کی بہت بڑی اقتصادی طاقت بھی ہے، وہ آج برکس (brics) کا نمبروں رکن بھی ہے، جس میں برازیل، روس، انڈیا، چین اور ساؤتھ افریقہ ہیں، یہ عالمی سطح کی ابھرتی ہوئی بڑای طاقتیں ہیں، اقوام متحدہ میں برازیل کی ہمہ گیر ترقی کی وجہ سے اسے سلامتی کونسل میں مستقل ممبر شب بھی ملنے کو ہے، نیز اہل برازیل فٹبال کے شائقین وعاشقین بھی ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ اس ورلڈکپ میں برازیل کے عالمی چیمپئن بننے کے امکانات بھی ہیں، پھر بھی لاوا پک گیا ہے اور پھٹ پڑا ہے، اب کیا ہوگیا، کوئی بھی صحیح پیش گوئی نہیں کرسکتا، کیوں؟اس لئے کہ وہاں اس سب ترقی کے ساتھ کرپشن، رشوت ستانی، استبداد، ناانصافی اور چور بازاری کا دورودورہ ہے، اس لئے یہ سب چکاچوند بھی اب مظاہرین کے سامنے کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔

یہی کچھ یونان میں بھی ہوا، جب انہوں نے عالمی اولمپک کھیلوں کی میزبانی قبول کرکے باہروالوں کو خوش کرنے کی کوشش کی، تو اندر والے ایسے تباہ ہوئے کہ تاحال یونان کی کمر سیدھی نہیں ہوئی، لوگ 1968 میں عوامی حقوق تحریک امریکا میں، ،اور انہی دنوں طلبہ تحریک فرانس میں بھول جاتے ہیں، حالانکہ یہ دونوں جمہوری ملک ہیں، پھر بھی یہاں کی حکومتوں نے گھٹنے ٹیک دیئے تھے۔

ترکی کو آپ لیجئے، طیب اردوان نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا، مگر میدان تقسیم تھا جو ٹھا ٹھے مار رہا تھا، کہنے والے کہتے ہیں کہ آگ بجھی نہیں، ابھی چنگاریاں باقی ہیں۔ شام میں ایک لاکھ لوگ مارے گئے، اتنے ہی اپاہج اور معذور ہوئے، ملینوں پناہ گزیں ہوئے، املاک تباہ ہو گئیں، کاروبار ٹھپ ہے، خوف وبدامنی کا ایسا عفریت ہے جو سایہ کی طرح وہاں کے ہر باشندے کے ساتھ لگا ہوا ہے، پوری دنیا محو حیرت ہے کہ کوئی حل نکالا جائے، مگر بظاہر مرض بڑھتا گیا، جوں جوں دوا کی۔ 30 جون مصر میں ڈاکٹر مرسی اور اخوان کے اعصاب پر سوار ہے، کیونکہ سول نافرمانی (حرکتہ التمرد) کا اعلان ہو گیا ہے، فوج نے بھی طاقت استعمال کرنے کا اعلان کر دیا ہے، مگر جانبین سے تیاریاں عروج پر ہیں، دونوں طرف صف آرائی ہو رہی ہے، کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ انڈیا، روس، چین، ایران اور افغانستان میں بھی لاوے پک چکے ہیں، پھٹنے کی دیر ہے، ہر جگہ سوشل میڈیا بام عروج پر ہے۔

پاکستان میں بجلی نہیں ہے، امن نہیں ہے، گیس نہیں ہے، یونٹی نہیں ہے، نظم نہیں ہے نئی حکومت کے شروع دن بہت اہم ہوتے ہیں، کوئی نمایاں تبدیلی یا راحت نہیں ہے،، بجٹ نے جلتی پر تیل کا کام کیا ہے، ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہئے۔

اگر کچھ کہا جا سکتا ہے، تو وہ یہ کہ دنیا میں ایک نئی دنیا جنم لے رہی ہے، ایک نئے عالم کی پیدائش ہو رہی ہے جو موجودہ عالم سے ہٹ کر ہوگا، اس وقت وہ فرضی ہے، مگر زمینی حقیقت بننا چاہتا ہے، دیکھئے کیا ہوتا ہے؟؟

وفاق المدارس کا نظام امتحان

اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

پچھلے ہفتے وفاق المدارس العربیۃ پاکستان کے سالانہ امتحانات ہوئے ،اب پرچوں کی چیکنگ زور وشور سے جاری ہے۔

طلبہ میں پوشیدہ و مستور صلاحیتوں کا اندازہ امتحان ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔ امتحان دور جدید میں تعلیم و تعلم کا ایک رکن رکین ہے، اور تعلیمی سلسلے کا نچوڑ ہے۔ طلبہ میں جو مختلف صلاحیتیں ہوتی ہیں ان کو مستند اور اجاگر کرنے کی سبیل امتحان ہی ہے۔

امتحان کا سلسلہ درس نظامی میں بطور ایک اہم عنصر کے شامل ہے۔پاک وہند کے تقریباً تمام مدارس میں باقاعدہ امتحانات کا رواج ہے۔ کہیں یہ امتحانات سہ ماہی ہوتے ہیں اور کہیں ششماہی۔

چونکہ ''وفاق المدارس العربیۃ پاکستان'' انہیں مدارس کا تسلسل ہے، اس لیے

وفاق نے بھی اپنے ملحقہ مدارس وجامعات کو سہ ماہی یا ششماہی امتحانات کا پابند کیا ہے تاکہ یہ قلیل المدتی امتحانات سالانہ امتحان کے لیے بطور مدد ومعاون ثابت ہوں۔

وفاق کا امتحانی نیٹ ورک وسیع و عریض ہونے کے لحاظ سے شاید دنیا کا سب سے بڑا نیٹ ورک ہے۔ ملک کے چاروں صوبوں، دارالحکومت، آزاد کشمیر، شمالی علاقہ جات اور فاٹا میں یہ نیٹ ورک قریباً ایک ہزار مراکز امتحان برائے طلبہ کتب اور تقریباً دو ہزار مراکز امتحان برائے طلبہ حفظ پر مشتمل ہے۔ جن میں ایک لاکھ کے قریب طلبہ کتب اور ساٹھ ہزار کے قریب طلبہ حفظ امتحانات میں شرکت کرتے ہیں۔ اس نیٹ ورک کی ایک زبردست خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کے تمام مراکز امتحان میں "بیک وقت" ہر ایک مرحلہ تعلیم کے لیے "ایک ہی پرچہ" تیار ہوتا ہے جو کراچی، لاہور، پشاور، کوئٹہ، اسلام آباد، مظفرآباد اور گلگت کے طلبہ یکساں طور پر حل کرتے ہیں اور اسی لیے وفاق میں پوزیشن پر آنے والے طلبہ ملک کے مختلف اطراف کے ہوتے ہیں۔ اس سے جہاں دور دراز کے علاقوں کے مدارس و جامعات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے وہیں ان مدارس و جامعات کو پروان چڑھنے اور مسابقت میں رہنے کا بہترین موقع بھی فراہم ہوتا ہے۔ جبکہ بڑے مدارس وجامعات کی قدر و منزلت میں اس سے کہیں کمی نہیں آتی بلکہ اس ہمہ گیر ارتباط کی وجہ سے انہیں کارکردگی و معیار کے لحاظ سے امتیاز بھی حاصل

ہو جاتا ہے۔ بہرحال وفاق کا نظم امتحان حتی الآن ایک بے نظیر عمل ہے جو عالم اسلام کے دیگر ممالک کے لیے ایک قدوہ اور آئیڈیل بھی ہو سکتا ہے۔ مناسب ہوگا اگر دیگر اسلامی ممالک کے علماء اکرام آکر اس کا مشاہدہ فرمائیں۔ اللہ جل شانہ اسے نظر بد سے محفوظ رکھے۔

وفاق سے ملحقہ مدارس میں امتحانات کی ترتیب کچھ یوں ہے۔

امتحان حفظ قرآن مع ذکر واذکار، یہ روضۃ (نرسری) کے مساوی امتحان ہوتا ہے جو تقریباً پنج سالہ تعلیم وتربیت پر مشتمل ہوتا ہے۔

امتحان متوسطہ (مساوی مڈل) یہ حفظ قرآن و مبادیات کے بعد تین سالہ کورس کا امتحان ہوتا ہے۔

امتحان ثانویہ عامہ (مساوی میٹرک) یہ دو سالہ کورس کا امتحان ہے۔

امتحان ثانویہ خاصہ (مساوی ایف۔ اے) اس کی مدت تعلیم بھی دو سالہ ہے۔

امتحان عالیہ (مساوی بی۔ اے) اس کی مدت تعلیم بھی دو سالہ ہے۔

امتحان عالمیہ (مساوی۔ ایم۔ اے) اس کا کورس بھی دو برس پر مشتمل ہے۔

امتحان دراسات دینیہ سال اول۔

امتحان دراسات دینیہ سال دوم۔

امتحان دراسات دینیہ سال سوم۔

مذکورہ مراحلِ تعلیم میں سال دوم کے اسباق کا امتحان اختتام مرحلہ پر لیا جاتا ہے اور اس سے قبل کے تمام، سہ ماہی، ششماہی، سالانہ امتحانات کا انتظام ملحقہ مدارس اپنے طور پر کرتے ہیں۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ذمے ملحقہ مدارس وجامعات کے امتحانات کے علاوہ کئی امور ہوتے ہیں، مثلاً نصاب کی تیاری وانتخاب، مدارس کا دفاع، اسناد وفاق کا سرکاری اسناد سے معادلہ وغیرہ وغیرہ۔ لیکن ان سب سے بڑا، اہم اور پُر مشقت کام امتحانات کا انعقاد ہے۔ کام کے لحاظ سے اگر وفاق کو صرف اور صرف ''امتحانی'' بورڈ کہا جائے تو بجا ہے کہ عملۂ وفاق سال بھر امتحان اور اس کے متعلقہ امور ہی کی انجام دہی میں مشغول ومصروف ہوتا ہے اور ملحقہ مدارس وجامعات کا وفاق سے اکثر وبیشتر رابطہ بھی اسی حوالے سے ہوتا ہے۔ امتحانی عمل کے بھاری پن کا اندازہ آپ اس سے بآسانی لگا سکتے ہیں کہ ایک ربیع الاول سے سوالیہ پرچہ جات کے متعلق کام شروع ہوتا ہے اور اگلے سال تک کہیں جاکر ان پرچوں پر مبنی امتحانات اور اس کے متعلقات سے فارغ ہوکر دوسرے ربیع الاول میں اسانید کی ترسیل ہوتی ہے۔ ان دونوں ربیعوں کے درمیان کا عمل مسلسل اور قدم بقدم جاری وساری رہتا ہے۔

وفاق کا امتحانی عمل:

آمدم بر سر مطلب، اگلی سطور میں وفاق کا مرحلہ وار امتحانی عمل طائرانہ نظر میں پیش خدمت ہے:

امتحانی سال کے پہلے مرحلے میں مختلف جامعات کے سرکردہ مدرسین کو وفاق کی امتحانی کمیٹی مختلف پرچوں کی تیاری کے متعلق خطوط جاری کرتی ہے، جس میں نہایت رازدارانہ انداز اختیار کیا جاتا ہے اور اس میں متعلقہ شخص سے بھی رازداری کی درخواست ہوتی ہے، یاد رہے کہ ایک ایک پرچہ کی تیاری متعدد حضرات سے کرائی جاتی ہے۔اور متعلقہ مدرسین اپنے اپنے پرچے تیار کرکے ناظم اعلیٰ وفاق کے نام ارسال کردیتے ہیں۔ناظم اعلیٰ ان تمام پرچوں کے متعلق اپنے دیگر رفقاء کمیٹی سے مشورہ کرکے ان میں سے بعض پرچے مکمل، بعض کے کچھ اجزاء منتخب کرلیتے ہیں اور بعض کو بالکل مسترد کرکے کمیٹی از خود از سرنوا سے تیار کرلیتی ہے۔اس میں یہ طریقہ اس واسطے اختیار کیا گیا ہے تاکہ کوئی بھی پرچہ تیار کنندہ اپنے پرچے کو حتمی نہ سمجھے، اور یوں اس میں خیانت کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔اس طرح یہ پرچے حضرت ناظم اعلیٰ اور حضرت صدر وفاق کی نگرانی میں کمپیوٹر اور پھر طباعت کے مراحل سے گزر کر مختلف مراکز امتحان کے لیے ایام امتحان کے اعتبار سے چھ تھیلیوں میں بند کردیے جاتے ہیں اور اس کے بعد ملک بھر میں معتمدین وفاق تک بائی ہینڈ پہنچائے جاتے ہیں۔ معتمد روزانہ ایام امتحان میں امتحان شروع ہونے سے کچھ ہی دیر قبل انھیں لیکر مراکز امتحان تک پہنچاتا ہے۔ امتحان ہال میں موجود معاون نگران اور

نگران اعلیٰ جمع ہو کر پرچوں کا یہ پیکٹ شرکاء امتحان (طلبہ) کو دکھلا کر ان کی سیل کھولتے ہیں، پرچہ طلبہ میں تقسیم کردیا جاتا ہے اور یہ سوالیہ پرچہ جات کا اختتامی مرحلہ ہوتا ہے۔

اُدھر جن دنوں مدرسین کو پرچوں کے متعلق خطوط ارسال ہوتے ہیں انہی دنوں گزشتہ سال کی اسانید کی ترسیل بھی ہو رہی ہوتی ہے۔ ان اسانید کے لفافوں میں سال آیندہ کے لیے مختلف درجات کے طلبہ کے امتحانی فارموں کے ساتھ امتحان ہال میں نگرانی کرنے والے حضرات مدرسین کے متعلق بھی ایک سادہ سا فارم ارسال کردیا جاتا ہے جس میں متعلقہ مدرسہ جامعہ سے کم سے کم دو نگرانوں کے نام بمع تعلیمی قابلیت ورہائشی پتہ طلب کیے جاتے ہیں۔ جن مدارس کو یہ فارم کسی وجہ سے وصول نہیں ہوتا، وہ اپنے لیٹرپیڈ پر اپنے اساتذہ کے نام برائے نگرانی ارسال فرمادیتے ہیں۔ ان فارموں کی ایک ایک کاپی ناظم مرکزی دفتر وفاق علاقہ وائز مختلف فائلوں میں لگا کر متعلقہ مسؤلین امتحان کو ارسال کردیتا ہے۔ علاقائی مسؤلین امتحان ان استمارات (فارمز) کو مد نظر رکھ کر مختلف مراکز امتحان میں ان حضرات کی تقرری کرکے مرکزی دفتر کو مطلع کردیتے ہیں، جس کی بناء پر مرکزی دفتر مقررہ افراد کو امتحانی ہال میں نگرانی کے لیے اتھارٹی لیٹر جاری کردیتا ہے۔ وفاق المدارس میں نگران اعلیٰ کے علاوہ معاونین کا تقرر پچیس طلبہ پر ہوتا ہے گویا کہ سو بچوں کے لیے چار

نگرانوں کا تقرر ہوتا ہے۔ نگران اعلیٰ کا کام وفاق اور متعلقہ جامعہ سے رابطہ، امتحان کے حوالے سے نظم وضبط، طلبہ و معاونین پر نگاہ کے علاوہ امتحانی مرکز کی پوری مسؤلیت بھی اس کے ذمے ہوتی ہے۔ معاونین کا کام شرکاء امتحان کی نگرانی ہے کہ کہیں وہ نقل وغیرہ کی کوشش نہ کریں۔ یہ حضرات اپنی روزانہ کارگذاری یومیہ ڈاک کے ذریعے مرکزی دفتر وفاق بھیجتے رہتے ہیں اور سینٹر سے متعلق تمام امور وفاق سے مہیا کردہ ایک فائل میں درج کرتے رہتے ہیں جو بعد میں مرکزی دفتر وفاق بھیجی جاتی ہے۔ اسی طرح یہ حضرات روزانہ کے پرچوں کو اختتام وقت پر تھیلیوں میں سیل کرکے مرکز امتحان کے حوالے کرتے ہیں جنھیں وہ ڈاک کے ذریعے مرکزی دفتر وفاق ارسال کرتا ہے۔

یہ تو ہوئی بات نگرانوں کی، رہی بات شرکاء امتحان کی تو جیسا کہ پہلے عرض کیا جاچکا ہے ان کے لیے مرکز سے ارسال کردہ فارمز کو متعلقہ مدارس و جامعات ان سے بھروا کر، فیسیں وصول کرکے یکم ربیع الثانی سے ۱۶ جمادی الاولیٰ تک سنگل فیس کے ساتھ اور ۳۰ جمادی الاولیٰ تک ڈبل فیس بعد میں تگنی اور چوگنی کے ساتھ مرکزی دفتر وفاق ارسال کردیتے ہیں جہاں ان فارموں کی جانچ پڑتال ہوتی ہے۔ اگر کسی فارم میں کوئی کمی رہی ہو، تو دفتر وفاق اسے متعلقہ مدرسہ برائے ممکنہ اصلاح بھیج دیتا ہے اور اگر اصلاح کا امکان نہ ہو تو اسے رد کردیا جاتا ہے۔

اس مرحلے کے بعد ان فارموں کی تعداد کو ملحوظ رکھ کر مختلف مراکز امتحان کا تعین ہوتا ہے۔ وفاق کے قانون کے مطابق ۵۰ طلبہ کتب بنین اور ۲۵ طالبات کتب بنات اگر کسی مدرسے کے شریک امتحان ہوں تو وہ اپنے لیے مستقل سینٹر کا مطالبہ کرسکتا ہے۔ یوں سینٹروں کے تعین کے بعد شرکاء امتحان طلبہ کے لیے ورقۃ الموافقہ یعنی رول نمبر سلپ یا ایڈمیٹ کارڈ کا اجراء ہوتا ہے۔ جس میں ان کا رول نمبر بھی ہوتا ہے۔ شرکاء امتحان رول نمبر اپنے اپنے مدارس سے وصول کرکے مقررہ شیڈول کے مطابق ایام امتحان میں مراکز امتحان کا رخ کرتے ہیں اور انھیں اس سلپ کو دکھانے پر امتحان ہال میں داخلے کی اجازت ملتی ہے۔ امتحان ہال میں جوابی کاپی اور بوقت ضرورت ضمنی کاپیاں انھیں وفاق کے مقرر کردہ نگران، وفاق کی طرف سے عطا کرتے ہیں۔ اکثر وبیشتر مراکز امتحان ملک کے طول و عرض میں بڑی بڑی مساجد ہی ہوتی ہیں۔ ان مساجد میں جب یہ ضیوف الرحمٰن محوِ امتحان ہوتے ہیں تو ان کا یہ نظارہ قابل دید ہوتا ہے۔ نہایت خاموشی، اطمینان، وقار اور سکون کے ساتھ امتحان میں مشغول ان طلبہ کے متعلق جامعہ کراچی کے کلیہ معارف اسلامیہ کے عمید نے جب ایک مرتبہ ہمارے یہاں جامعہ فاروقیہ کے امتحانی ہال کا معائنہ فرمایا تو ان کے الفاظ تھے: ''یہ تو آپ انسانوں کا نہیں، فرشتوں کا امتحان لے رہے ہیں۔'' یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ نگران اعلیٰ و معاونین کی کارکردگی پر نظر رکھنے کے لیے

وفاق کی مرکزی قیادت کے علاوہ اراکین عاملہ اور علاقائی مسؤلین ملک کے طول و عرض میں امتحانی ہالوں کے چھاپہ مار طوفانی دورے فرماتے رہتے ہیں۔

حفظ کے امتحان کے لیے سال گزشتہ کی سندوں کے ارسال کرتے وقت فارم امتحان بھی ارسال کیے جاتے ہیں۔ جن میں ایک ایک فارم میں ۱۴ طلبہ کے نام، ولدیت، پتہ، کارڈ نمبر، نتیجہ اور رجسٹریشن نمبر کے مختلف خانے ہوتے ہیں۔ ان فارموں کے بھی ارسال کے اوقات وہی ہیں جو کتب کے لیے ہیں۔ اس کے بعد کسی طالب کا داخلہ قبول نہیں کیا جاتا۔ دفتر وفاق ان فارموں کی دو دو کاپیاں بنوا کر علاقائی مسؤلین وفاق کو ارسال کر دیتا ہے۔ جہاں مسؤلین اپنے اپنے علاقوں میں مختلف آزمودہ کار قراء کا انتخاب کرکے یہ فارم ان کے سپرد کر دیتے ہیں اور ان کے لیے بھی امتحانی شیڈول، مراکز امتحان اور ایام امتحان جو ۲۰ رجب سے ۱۰ شعبان تک کا عرصہ ہے مقرر کر دیتے ہیں۔ قراء حضرات امتحان لے کر مسؤل کو یہ فارم واپس کر دیتے ہیں اور مسؤلین ان فارموں کو دفتر وفاق ارسال کر دیتے ہیں جہاں سے متعلقہ مدارس کو نتائج ارسال کر دیے جاتے ہیں اور سندات پر فوری کام شروع ہو جاتا ہے۔ دو تین مہینوں میں سندات تیار ہو کر متعلقہ مدارس کو ارسال کر دی جاتی ہیں۔

کتب کے امتحانات کے اختتام پر پہلے سے مختلف مدارس و جامعات سے منتخب

ومطلوبہ تین سو کے لگ بھگ افراد پرچے چیک کرنے کے لیے ایک دو روز میں دفتر وفاق پہنچ جاتے ہیں۔ جہاں مختلف پرچوں پر مامور دفتری عملہ پرچوں پر سے چپکی ہوئی رول نمبر سلپ اتار کر فرضی رول نمبر لگا کر پرچے ان حضرات کو بتوسط صدر ناظم اعلیٰ مہیا کرتے رہتے ہیں، جن کی چیکنگ کے بعد دفتری عملہ رجسٹر میں موجود اصل رول نمبر کے سامنے اس کے نمبر لگاتے رہتے ہیں، یوں یہ عمل بھی تقریباً ہفتہ ڈیڑھ جاری رہنے کے بعد اختتام پذیر ہو جاتا ہے۔ واضح رہے کہ پرچہ چیک کرنے والے درجہ وار ٹولیوں میں دفتر میں تشریف فرما ہوتے ہیں جن پر ہر کلاس کے اعتبار سے ایک ایک نگران ہوتا ہے جو وقتاً فوقتاً اپنے ماتحتوں کے بعض چیک کردہ پرچہ جات دوبارہ چیک کرتا ہے، تاکہ اندازہ ہو کہ چیک کرنے والے بالکل صحیح نمبر لگا رہے ہیں جبکہ ان نگرانوں پر نگرانی کرنے کے لیے صدر وفاق بنفس نفیس وہاں موقع پر ایک ہفتہ تک موجود رہتے ہیں (اس سے آپ وفاق کے معاملات میں نظم وضبط اور امانت و دیانت کا بخوبی اندازہ لگا سکتے ہیں)، جس کے بعد صدر وفاق یا ناظم اعلیٰ وفاق نتائج کا اعلان کر کے اخبارات و جرائد خاص کر سہ ماہی ''الوفاق'' میں شائع کرانے کے بعد مرکزی دفتر متعلقہ مدارس و جامعات کو یہ نتائج ارسال کیے جاتے ہیں۔ بعدازاں کامیاب ہونے والے طلبہ کے لیے اسانید کی تیاری کا کام شروع ہوتا ہے جسکے کئی ماہ بعد مکمل ہونے پر اسانید کی ترسیل شروع ہوتی ہے اور یوں ایک امتحانی سال اختتام پذیر ہو جاتا ہے''۔

بظاہر مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں یہ امتحان اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے مگر شاعر (علامہ اقبال) کُل کی کُل زندگی کو امتحان قرار دے کر کہہ رہا ہے:

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانندِ حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی

دنیا بدل رہی ہے

امریکہ اب وہ امریکہ نہیں رہا، جو بذات خود دنیا کی تاریک غاروں میں مخالفین کا متلاشی تھا، اب اسے تلاش کرنا پڑتا ہے ، ملک ، ادارے اور لوگ جب ڈوبنے لگتے ہیں ،تو ان کے فون مصنوعی مصروف یا بند ملتے ہیں ، افغان طالبان اور القاعدہ نے عراق میں جنگی محاذوں پر اس عفریت کو چکنا چور کردیا، تو کوئی مانے یا نہ مانے شام ولبنان کے حوالے سے طہران نے اپنے آپ کو عالم مشرق کا جنیواثابت کرکے اور برطانیہ کا یہ بیان کہ شامی مسئلے کے حل کی چابی روس کے پاس ہے نے سرد جنگ کے بعد امریکن نیو ورلڈ آرڈر کو خاک میں ملا دیا ہے ، افغان عراق جنگ نے امریکہ کو کھوکھلا کردیا ہے ، 1929ء کے عالمی اقتصادی بحران کی طرح 2008ء میں جو بحران مغربی ممالک میں آیا تھا، امریکی اس کو 2008 سے بہت پہلے بھانپ چکے تھے ، اسی لئے انہوں نے امریکہ کا گورباچوف بننے کے لئے ایک گورے اور عیسائی النسل صدر کے بجائے کالے اور مسلم نسل کے صدر کا انتخاب کیا، بیل آوٹ پروگرام نے وہاں کے بینکوں کو کچھ سہارا دیا ، مگر حقیقت یہ ہے کہ امریکہ شدید ترین اقتصادی بحران اور مالیاتی قرضوں کے بھاری بوجھ تلے دبا ہوا ہے ، انہوں نے اسی لئے نئی جنگوں میں کودنے سے گریز کیا، افغان وعراق کے بعد ان کو شام میں خون کی ہولی،انسانی حقوق کی پامالی کے علاوہ مڈل ایسٹ کے شامی

زون کا رشین فیڈریشن بلاک میں جانے کا بخوبی اندازہ ہے، اس کے باوجود وہ وہاں کوئی مرکزی کردار ادا کرنے کے بجائے، روسی موقف کو اپنانے پر آمادہ نظر آ رہے ہیں بلکہ الجزیرہ اور الشرق الاوسط کے بقول امریکہ و یورپی یونین نے رشین فیڈریشن کے، ساتھ دنیا کے کچھ ممالک میں اپنے اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے بھاؤ تاؤ کر لیا ہے، ان میں سرفہرست شام ہے، شام کا مسئلہ اگر کسی تبدیلی کا اشارہ ہے، تو یہ عالمی سطح پر یک محوری سپرپاور کی جگہ لینے کے لئے متعدد الطاقات نظام کی آمد کا بھی واضح اشارہ ہے شام کے بعد لبنان اور سوویت یونین دور کے ممالک کی طرف بھی پوٹن کی قیادت میں، روس پیش قدمی کرنے والا ہے، ایران، انڈیا اور چین بھی ان کے حامی ہیں، اور اگر چین و روس کسی اتحاد پر آمادہ ہو جاتے ہیں، تو دنیا کے کئی ممالک سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا بوریا بستر گول ہو جائے گا، مشرق اقصی بالخصوص جاپان و شمالی و جنوبی کوریا کا کیا بنے گا، مشرق اوسط بالخصوص خلیج کے ممالک کیا راستہ اختیار کریں گے، یا کس راہ پر مجبور ہوں گے، اس کے متعلق شاید اب حتمی بات کہنا قبل از وقت ہوگا، اتنا ضرور ہے کہ ان دونوں منطقوں میں جغرافیائی تشکیل جدید کا اندیشہ ہے، کیونکہ امریکہ کے بااختیار اداروں نے فیصلہ کیا ہے کہ عالمی معاملات میں زیادہ کردار کے بجائے اندرونی اصلاحات پر توجہ دی جائے، تاکہ اگر امریکہ عالمی نمبرون طاقت نہ رہے، تو نہ رہے، لیکن شریک سپرپاور کے طور پر ضرور قائم رہے، ادھر چین بھی کئی ٹریلین ڈالر کیش کا

مالک ہے، یورپ وامریکہ کے علاوہ دنیاکے تمام براعظموں میں مارکیٹ پر چھایا ہوا ہے مقابلے میں صرف امریکہ ہی نہ ہی یورپین بھی یورو کی انحطاط کی وجہ سے خود انحطاط، اور زبوں حالی کا شکار ہے، انہوں نے چین سے امداد کے لئے درخواستوں پر درخواستیں دے رکھی ہیں، فرانس، برطانیہ اور جرمنی جو یوروزون کے اہم کھلاڑی ہیں وہ احتیاط کی طرف گامزن ہیں، نیٹو کے کمزور ہونے کا یقینی خطرہ ہے، سرمایہ دارانہ نظام بھی ڈوب رہاہے، یہی جہادیوں اور القاعدہ کی اسٹراٹیجی تھی، اللہ جانتاہے لیکن سوویت یونین کے بعد وہ اسکو گرانے میں کامیاب نظر آرہے ہیں۔

ایسے میں اگر امہ اور بالخصوص پاکستان نے بدلتے حالات کا صحیح ادراک نہیں کیا، تو عالم اسلام کے کچھ ممالک جن میں سردست پاکستان ہے خاکم بدہن ناکام ریاستوں میں شامل ہوجائینگے، بین الاقوامی بڑی استعماری قوتیں یہاں نئے بٹوارے پر تلی نظر آرہی ہیں، خلیج اور ایران بھی مدمقابل ہیں، افغانستان مجروح ہے، بنگلہ دیش سب کے سامنے ہے، انڈیا دشمن ہے، اب اس پڑوس کی اس ناگفتہ بہ صورت حال میں ہمارا کیا بنے گا، ایک ایٹمی ذمہ دار طاقت کے طور پر ہم اپنے آپ اور اپنے جوار کے ممالک عالم عربی، عالم اسلام بلکہ عالم انسانیت کے لئے کیا کرسکتے ہیں، یہ سب سوچنے کی باتیں، ہیں، کیاہمارے سیاسی لیڈران، سیاسی جماعتیں، عسکری قیادت، اسٹبلشمنٹ، علماء، ،دانشور

میڈیا اینکرز اور ملک کے نامور ھیروز، اپنی اپنی ذمہ داریوں کا احساس کرکے امہ یا کم سے کم اسلامی جمہوریہ پاکستان کو بچا سکینگے ؟؟

خدارا ! ! کچھ کریں۔

فیصل آباد کا ایک سفر

عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کی طرف سے شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب فیصل آباد میں عظیم الشان ختم نبوت کانفرنس کی صدارت کے لیے مدعو تھے۔ 5اپریل بروز اتوار 2:30 کی فلائٹ تھی، جو5:30، پھر6:00، پھر 6:20تک مؤخر ہوتی رہی۔
آخر کار فلائٹ روانہ ہوئی تو اعلان ہوگیا کہ پہلے لاہور اور پھر فیصل آباد جائے گی، حالانکہ روڈ میپ یہ نہ تھا بلکہ یہ فلائٹ فیصل آباد کے لیے ڈائریکٹ تھی، مسافروں کے پلین کے اندر وباہر بہت شور مچانے اور عملے سے تکرار تک کی نوبت آئی، مگر ہونا وہی تھا جو پی آئی اے والوں نے کرنا تھا۔ ویسے بھی ہمارے یہاں اخلاقیات، نظم وضبط کی خلاف ورزی اور اس حوالے سے بدمعاملگی کوئی عار کی شے نہیں رہی ہے۔
ایئرپورٹ پر مولانا سعید احمد جلال پوری اپنے ساتھیوں سمیت ملے، انہوں نے بھی اس کانفرنس میں شرکت کرنی تھی، عصر کی نماز ایئرپورٹ پر پڑھ کر وہ لاؤنج کی طرف روانہ ہوئے اور ہم حضرت کا انتظار کرنے کے لیے وہیں رہے، موبائل کی گھنٹی بجی، مفتی انس نے کہا: حضرت باہر گیٹ پر آچکے ہیں، میں حاضر ہوا، حضرت کو لیکر اندر آئے اور سیدھے جہاز میں چلے گئے، حضرت کی طبعیت رات کو بہت خراب تھی مگر بعد میں دوا لینے سے افاقہ ہوا، لیکن آج کا دن جس طرح انتظار

اور بد نظمی کا شکار ہوا اس سے دوبارہ گھبراہٹ، اضطراب اور بے چینی پیدا ہوئی۔ میں نے اخبارات پیش کر دیے، ان میں بھی کچھ خوش کن خبریں نہ تھی، وزیرستان پر ڈرون حملوں اور کنٹینر میں شہید ہونے والے افغانیوں کی تفصیلات بھی امت کا درد محسوس کرنے والے کے لیے بجلی کی کڑک سے کم نہ تھیں۔

ادارتی صفحوں پر گئے تو وہاں کسی خاتون کو کوڑے مارنے کی جعلی ویڈیو کے تذکروں اور تبصروں کی بھرمار تھی۔ حامد میر نے پچھلے دنوں حضرت مدنی اور مفتی کفایت اللہ دہلوی پر جو (شاید اپنی عاقبت خراب کرنے کے لیے) بے ہودہ الزام تراشیاں کی تھیں، ان کے رد میں برادرم محمد شفیع چترالی اور مشتاق احمد قریشی کے کالم تھے، ان دونوں نے اچھا انداز اختیار کر کے ریکارڈ کی درستگی کی کوشش کی تھی، لیکن پھر بھی حضرت شیخ میر صاحب کی مکرر حرکت پر دل گرفتہ تھے۔

مولانا عزیز الرحمٰن سواتی آف انگلینڈ نے پچھلے دنوں احقر کو حضرت مدنی کی ایک آڈیو کلپ دی تھی، جس میں وہ اپنے مریدین کو بیعت کرا رہے ہیں، جو میرے موبائل سیٹ میں تھی، وہ حضرت کو سنائی تو ان کے چہرے پر ذرا سی بشاشت آ گئی اور فرمانے لگے یہی لہجہ ہوتا تھا حضرت مدنی کا سبق میں بھی۔ دیوبند کا تذکرہ ہو جائے یا حضرت مدنی کا، ہم نے بارہا دیکھا ہے کہ حضرت شیخ کی طبیعت

میں تازگی اور مسرت دوڑ جاتی ہے۔
حامد میر ایک سلجھے ہوئے آدمی ہیں مگر انہیں کیا ہو جاتا ہے کہ کبھی کبھار انحطاط میں چلے جاتے ہیں، دارالعلوم دیوبند کے ڈیڑھ سو سالہ خدمات کانفرنس کے موقع پر بھی انہوں نے حضرت مدنیؒ اور ان کے فرزند ارجمند مولانا اسعد مدنی پر کچھ ناجائز اتہامات لگائے تھے، اللہ کے بندے کو یہ نہیں معلوم کہ ان عظیم شخصیات پر بہتان تراشی سے ان کی کوئی نیک نامی نہیں ہوگی بلکہ الٹا ان کے پیشہ وارنہ کیرئیر کو نقصان ہوگا۔
مارچ 2009ء ڈھاکہ براستہ کراچی اور ملتان فیصل آباد کے لیے جامعہ فاروقِ اعظم 2 فیصل آباد کے مہتمم حضرت مفتی نذیر احمد شاہ بخاری صاحب آئے، کراچی ائیر پورٹ پر حضرت مدنی کے حوالے سے ان کا ایک واقعہ یہاں ذکر کرنے کا ہے، وہ فرما رہے تھے:
کراچی ایئر پورٹ کے لاؤنج میں ایک صاحب ادھیڑ عمر کے، خواتین کے جھرمٹ میں بیٹھے ہوئے کہہ رہے تھے: ہم نے اپنی کتاب میں کسی کو معاف نہیں کیا، پھر انہوں نے کئی حضرات کا تذکرہ کیا، حضرت مدنیؒ کے متعلق بھی کچھ نامناسب کلمات کہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا: پہلے تو میں نے سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ بجائے رکنے کے بڑھتے چلے گئے چنانچہ میں نے آستین چڑھا کر جب ان کو پکڑنے کی کوشش کی تو وہ بھاگ کھڑے ہوئے، چاروں طرف سے لوگوں کا

ہجوم ہوا، جب ہم نے واقعہ بتایا تو سب نفریں بھیجنے لگے۔ (یہ اتفاق ہے کہ آج کل یہاں فیصل آباد میں بھی ہر کہتر و مہتر میر صاحب کی بد تمیزی پر افسوس کا اظہار کر رہا تھا)۔
صوفی عبد المالک مدنی صاحب حضرت مولانا عبدالغفور عباسی مدنی کے خاص متوسلین میں سے ہیں۔ حکیم الامت حضرت تھانوی، مولانا حاجی محمد احمد، مولانا عبدالمالک کاندھلوی جیسے اکابر کے صحبت یافتہ ہیں، شیخ العرب والعجم حضرت مولانا سید حسین احمد مدنیؒ جب مسجد نبوی شریف میں اپنے جد امجد علیہ الصلاۃ والسلام کے جوار میں درس حدیث دیا کرتے تھے اس وقت کا ایک عجیب و غریب واقعہ انہوں نے ہمیں بیان فرمایا، صوفی صاحب کہنے لگے کہ: حضرت مدنی ایک مرتبہ درسِ حدیث میں مشغول تھے، اتنے میں ایک عرب تشریف لائے عرض کیا: آپ حضرات علمائے ہند حیات النبی کے قائل ہیں اس کی کوئی توجیہ؟ حضرت وجد میں آگئے، اور روضہ مبارکہ کی طرف اشارہ کرکے فرمایا: دیکھ دیکھ، اور اتنے میں جنابِ رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم اور حاضرینِ مجلس کے درمیان تکوینی طور پر پردے ہٹ گئے۔ اور انہوں نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی (سلوک واحسان تصوف وطریقت سے ناآشنا لوگ اس کی حقیقت کا ادرک نہیں کر سکتے) یہ وہ حضرت مدنی ہیں جن کی توہین کرکے میر صاحب نے اپنے نامہ اعمال میں ایک سیاہ باب کا اضافہ کر دیا ہے۔

فیصل آباد ایئر پورٹ پر حضرت مفتی نذیر احمد شاہ بخاری، مولانا قاری محمد یاسین، مولانا محمد طیب شیخ نذیر، مولانا زبیر رفیع عثمانی، جناب عبدالقدوس نیازی، قاری زکریا ذکی، جناب عبداللہ بخاری، جناب عبید نذیر شاہ صاحب و دیگر استقبال کے لیے موجود تھے، سیدھے ہم جامعہ فاروقِ اعظم گئے وہاں عشاء وعشا سے فارغ ہو کر جلسہ گاہ گئے، اسٹیج پر حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری، مولانا عبدالغفور حیدری، حافظ حسین احمد، مولانا الیاس منظور چنیوٹی و دیگر عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے قائدین اور رہنمایان تشریف فرما تھے۔ وقفہ وقفہ سے بارش کی بوندیں پڑ رہی تھیں، لیکن قاری حنیف جالندھری کے خطاب کے دوران یہ بوندیں موسلادھار بارش میں تبدیل ہو گئیں۔
آفرین ہو حاضرین اور منتظمین کے لیے کہ کوئی اپنی جگہ سے نہ ہلا، قاری صاحب نے تقریر دورانِ بارش ہی ختم کی، اور ہم جلسہ گاہ سے نکل آئے، ہم میں سے ہر ایک کی حالت دیکھنے کی تھی، بارش کے پانی کی جھڑیاں کپڑوں سے رواں دواں تھیں، کانفرنس رات دو بجے جا کر ختم ہوئی۔ منتظمین ہر لحاظ سے قابلِ صد تحسین تھے، سیکورٹی، نظم وضبط، نشستگاہ و اسٹیج کی ترتیب وغیرہ سب کچھ بہت مناسب تھا۔
چونکہ کانفرنس کا انعقاد عالمی تحریک تحفظِ ختمِ نبوت نے فیصل آباد کے

مدارس کے تعاون سے منعقد کیا تھا، اس لیے اگلے دن تمام مدارس میں اسباق کی چھٹی تھی، منتظمین بھی تھکے ہوئے تھے، اس دن حضرت صدر وفاق المدارس کے ساتھ یہاں کے سربراہانِ مدارس وجامعات کی ایک نشست بھی تھی، مگر وہ ظہر کے بعد تھی، چنانچہ اس میں حضرت شاہ صاحب، حضرت مولانا قاری محمد یاسین اور مولانا محمد طیب بطورِ خاص شریک تھے۔

جے یو آئی کراچی کے رہنما جناب مولانا ساجد اللہ کے والد صاحب کے انتقال کی خبر بھی مولانا عبداللہ حسن زئی نے فون کرکے دی، ان کے والد ایک عابد وزاھد شب زندہ دار بزرگ تھے، ان کیلیے اس موقع پر مغفرت ورفعِ درجات اور پس ماندگان کے لیے صبر جمیل کی دعاء کی گئی۔

رات 8.20 پر ہماری واپسی تھی، جو پی آئی اے کی مہربانی سے رات سوا دس بجے تک موخر ہوئی، بدانتظامی کی وجہ سے تمام مسافروں کے چہرے نہایت اداس تھے۔ جامعہ دارالعلوم کراچی کے حضرت مولانا مفتی زبیر رفیع عثمانی بھی ہمارے ساتھ اسی جہاز پر سفر کررہے تھے۔

رابطہ عالم اسلامی

رابطہ عالم اسلامی ایک اسلامی، عوامی اور بین الاقوامی تنظیم ہے۔ اس کا مرکز مکہ مکرمہ میں ہے۔ ''رابطہ'' دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات اور ہرزہ سرائی کا مؤثر طریقے سے جواب دیتی ہے۔ مسلمانوں کی تعلیمی، تربیتی اور ثقافتی مشکلات کے حل میں معاونت کرتی ہے۔ مکہ مکرمہ کے ایک اجلاس منعقدہ 14 ذی الحجہ، 1381ھ موافق 18 مئی 1962ء میں ایک قرارداد پیش کی گئی جس کے نتیجے میں ''رابطۃ العالم الاسلامی''کا قیام عمل میں آیا۔ ''رابطہ'' مندرجہ ذیل مواقع میں نمائندگی کرے گا:

☆ اقوامِ متحدہ کی مختلف تنظیموں میں بطور مبصر ممبر۔

☆ oic میں بطور مبصر۔

☆ ''یونسکو'' میں نمائندگی بطور ممبر۔

☆ بچوں کی بین الاقوامی تنظیم ''یونیسیف'' میں نمائندگی بطور ممبر۔

میثاق:

☆ پوری دنیا میں دینِ اسلام کی دعوت و تبلیغ اور نشرواشاعت کریں گے۔ اور ہم بالتصریح کہتے ہیں کہ دنیا میں سلامتی اسلام کے لائے ہوئے نظامِ حیات کے

بغیر ممکن نہیں۔

☆ ہم تمام مذاہب /ملتوں کو انسانیت کی بھلائی اور خیر خواہی کے لیے میدانِ عمل میں دعوت دیتے ہیں۔ اور تمام طبقات کے انسانوں کو بغیر کسی امتیاز کے انفرادی واجتماعی انصاف و عدل کی یقین دھانی کراتے ہیں۔

☆ ہم اللہ رب العزت کو اس پر گواہ بناتے ہیں کہ ہم کسی بھی ایسے کام کے مرتکب نہ ہونگے جو فساد اور انتشار کا باعث ہواور نہ ہی ہم کسی پر تسلط اور حکمرانی کے خواہاں ہونگے۔

☆ مسلمانوں کے مابین اختلاف کی وجوہ، اسباب اور عناصر کو ختم کرکے ان کو متحد کرنے میں ہم اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں گے۔

☆ ہم ہر اس شخص/ تنظیم / کمیٹی/ بورڈ کی مدد کریں گے جو بھلائی اور خیر کے کام سے وابستہ ہو۔

☆ ہم اپنے عہد پورا کرنے میں ظاہری، باطنی اور تمام تر قوتوں کو بروئے کار لائیں گے۔

☆ مذکورہ اغراض کے حصول تک ہم اپنی کوششوں کو مثبت انداز میں جاری رکھیں گے۔

☆ جدید اور قدیم جہالت پر مبنی نعروں سے ہم دور رہیں گے۔

☆ ہم اس بات کا اعلان کرتے ہیں کہ اسلام میں تعصب کی اہمیت ہے اور نہ ہی عنصریت کی۔

:اہداف اور حصولِ اہداف کے وسائل

رابطہ اہداف کے حصول کیلئے وہ تمام وسائل بروئے کار لائے گا جو شریعت سے متصادم نہ ہوں:

☆ انفرادی، اجتماعی اور بین الاقوامی سطح پر شریعتِ اسلامیہ کے احکام کی تطبیق وتنفیذ۔

☆ نفاذِ اسلام کے لیے سرگرم عمل لوگوں/ تنظیموں/ اداروں کی حمایت۔

☆ قرآن وحدیث کے مطابق دینِ اسلام کے موافق اسلام کی نشرواشاعت۔

☆ ثقافتی، تعلیمی، تربیتی، دعوتی اور میڈیائی پروگرامز کے لیے جدوجہد۔

☆ کانفرنسز، محاضرات اور تربیتی کونشنز کا انعقاد۔

☆ ایام حج سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اصحابِ فہم ودانش کو مدعو کرنا۔

☆ مجمع الفقہ الاسلامی کی نگرانی کرنا اور دورِ حاضر کی مشکلات کا حل طلب کرنا۔

☆ عربی زبان کی ترویج کی کوشش کرنا۔ عرب وعجم میں عربی بطور تعلیمی زبان رائج کرنا۔

☆ ایسے مکاتب اور بورڈز قائم کرنا جو اسلامی اہداف میں مدومعاون ثابت ہوں۔

☆ علی الفور ان تمام مسلمانوں کی مدد کرنا جو جنگ یا طبعی حوادث سے دور چار ہوں۔

☆ مساجد کی تاسیس اور ان کی مرمت میں اعانت کرنا۔

مجالس الرابطہ

:المؤتمر الاسلامی العام

المؤتمر الاسلامی العام کے اجلاس متعدد بار منعقد ہوئے ہیں۔

☆اس کا ایک اجلاس 1381ھ موافق 1962ء کو ہوا۔ جس میں ایک قرارداد کے نتیجے میں ''رابطۃ العالم الاسلامی'' کا قیام عمل میں آیا۔

:المجلس التاسیسی

یہ رابطہ کا ایک اعلیٰ سطحی بورڈ ہے۔ یہ بورڈ 60 ارکان پر مشتمل ہوتا ہے۔

:المجلس الاعلی العالمی للمساجد

یہ مجلس مساجد کی تعمیر، ترقی، مرمت اور دیکھ بھال کا کام کرتی ہے۔ اور اس مجلس سے متعلق مسلمانوں کے دنیاوی اور دینی مسائل کے حل میں تعاون کرتی ہے۔ مسجد کی طہارت، تقدیس، حفاظت اور مسجد میں کام کرنے والے افراد کے لیے تنخواہ کا انتظام کرنا اس کی ذمہ داری ہے۔

:الملتقی العالمی للعلماء والمفکرین المسلمین

یہ بھی رابطہ عالم اسلامی کی ایک مجلس اور گویا تھنک ٹینک ہے، جو مسلم دنیا کے مشہور و معروف علماء اور مفکرین پر مشتمل ہے۔

زائرینِ حرمین کی خدمت میں

حرمین شریفین جا کر عبادت و ریاضت ضرور کریں، ان مقامات مقدسہ کی زیارتوں سے خوب خوب مستفید ہوں، لیکن ان کے آداب، ان کے متعلق معلومات اور مسائل ودیگر چیزیں بحسن وخوبی ذہن نشیں فرما کر وہاں جائیں، تاکہ ان کے جانے سے وہاں راحت ہو، ورنہ بصورتِ دیگر اہل حرم کے لیے وبالِ جاں نہ بنیں، ان کے لیے مشکلات ومصائب کا باعث نہ ہوں، حرمین واہل حرمین کو کچھ دیکر آئیں، نہ یہ کہ وہاں کے اسفار دنیوی مال ومتاع بٹورنے کے لیے ہوں، وہاں کے رفاہی منصوبوں، تعلیمی اداروں، اور سرکاری پالیسیوں، قوانین اور نظم وضبط میں ان کے ساتھ مختلف النوع تعاون اور امداد کے لیے اپنے تن من دھن واریں، تاکہ اس طرح ہم سب حرمین کو ان کے بین الاَقوامی مرکزیت ومرجعیت میں ان کا صحیح اور جائز مقام و مرتبہ دلا سکیں، اور اس حوالے سے اپنا خفیف ہی سہی پوراوزن ڈال سکیں۔ نیز حرمین شریفین جانے والوں سے یہ بھی گذارش ہے کہ جانے سے قبل عربی زبان کے کچھ ضروری جملے اور اس سفر کے لازمی اصطلاحات کو بھی از.بر کریں۔ جمعہ وعیدین کے اجتماعات کے لئے اسلام میں جس طرح پاکیزگی، شائستگی اور نظافت ونفاست کی ضرورت پر زور دیا گیا ہے، یہاں کے لیے بھی ان کو ضروریات میں سے گردانا جائے، کہ یہاں سے.بڑھ کر اجتماعات

!!!!!! کہاں ممکن ہیں

☆ کچھ ممالک اپنے حجاج و معتمرین کی صحیح تربیت کراکے انہیں حرمین روانہ کرتے ہیں، لیکن برِ صغیر کے خطے کے ممالک ایسا نہیں کرتے ، یہ قابلِ تشویش ہے۔ نیز سعودی حکومت، رابطۃ العالم الاسلامی، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ ام القریٰ وغیرہ کو مل کر یہاں ڈیوٹی پر مامور جمیع موظفین کی ہمہ جہتی ٹریننگ وتربیت کرنی چاہیے،تاکہ وہ ان زائرین کی صحیح خدمت ورہنمائی کرسکیں، جن میں سے بہت سوں نے نہ دنیا اس سے قبل دیکھی ہوتی ہے، نہ ہی حرمین ،اور یوں وہ سہمے ہوئے ، ڈرے ہوئے اور بدکے ہوئے چڑچڑے سے ہوتے ہیں، ان میں خواتین ، بوڑھے اور بچے زیادہ قابلِ رحم وشفقت اور قابل توجہ ہوتے ہیں۔

☆ اہل علم کو یہاں کے علماء، دینی اداروں اور مشایخ وبزرگوں کی خدمت میں بھی جانا چاہیے ،تاکہ ان سے کسبِ فیض کرسکیں، ان کی حوصلہ افزائی کرسکیں، ان کی خدمت کرسکیں اوران سے عالم اسلام کے مسائل شیئر کرسکیں۔باہر سے آنے والے علماء کرام ومشایخِ عظام کی خدمت میں عرض ہے کہ وہ اپنی علاقائی ، قومی ، مسلکی اور مشربی آراء وافکار کازیادہ پرچار حرمین میں نہ کریں، بلکہ حرمین کے علماء کی آراء وافکار کا احترم کرتے ہوئے انہیں کی طرف لوگوں کو

یہاں متوجہ کرائیں۔ بعض مرتبہ دیکھا گیا ہے کہ مسلم اقلیات میں بھی بجائے اس کے کہ اسلام کا مجموعی پیغام پھیلایا جائے، اپنے اپنے مسالک و مکاتب فکر کے مخصوص نظریات کی نشر واشاعت کا اہتمام ہوتا ہے۔ جس سے وہاں کی قلیل تعداد مسلمانوں بھی میں ناگفتہ بہ چپقلشیں بسا اوقات رونما ہوتی ہیں، جن کا سدِّ باب بھی بعض اوقات ناممکن ہوجاتا ہے۔ برصغیر اور بعض دیگر مسلم ممالک کے کچھ علما ایسے ہیں جو حرمین اور ارضِ حرمین میں اپنی اپنی ڈیڑھ اینٹ کی مساجد کے لیے کوشاں رہتے ہیں، جس کی وجہ سے حج کے موسم میں بطورِ خاص اور دیگر اوقات میں بالعموم بدگمانیوں کا شائبہ ہوجاتا ہے، اس قسم کے لوگوں سے ہمارے لیے دو قسم کے نقصانوں کے اندیشے ہیں :

1۔ ان افکار سے مشائخِ عرب کا بدظن ہونا۔

2۔ ان سے علمائے حرمین شریفین کے بارے میں تذبذبات کا شکار رہنا۔

گویا مذکورہ بالا حضرات تعلقات کے انقطاع میں دودھاری تلوار کی طرح کام آتے ہیں۔

☆ عالم عرب اور بالخصوص ارضِ حرمین میں موجود ہمارے علماء وفضلاء میں اکثریت ان حضرات کی ہے جو عربی زبان وادب سے کماحقہ نابلد ہوتے ہیں، جس کی وجہ سے ان کی شہرت و پذیرائی وہاں سوالیہ نشان بنی رہتی ہے، بعض اوقات یہ بھی ہوتا ہے کہ عرب دنیا کے اہل علم ودانش اپنی قومی ترقیوں کی وجہ سے

انتہائی ایڈوانس اور ترقی یافتہ ہوتے ہیں، اور ظاہر ہے اس سے ان کی فکر میں جدت وندرت کا واقع ہونا ایک فطری عمل ہے، جبکہ ہمارے بعض احباب میں فرسودگی اور فکری بوسیدگی ہوتی ہے، عرب علماء اکثر جہاں دیدہ، گلوبل اور اور عالم گیر ہوتے ہیں، جبکہ ہمارے ساتھی ایک مخصوص و محدود قسم کی فکر وفلسفے اور مخصوص و محدود قسم کی اصطلاحات و لہجے کے پابند ہوتے ہیں، یہ چیزیں بھی ہمارے ساتھیوں کی قبولیت و مقبولیت میں رکاوٹ بنتی ہیں۔

☆ عرب حضرات کی نگاہیں اکثر قرآن وحدیث کی نصوص وعبارات پر ہوتی ہیں، استدلال واستشہاد میں بھی یہی چیز ان کے یہاں نمایاں ہوتی ہے، جبکہ بدقسمتی سے ہمارے بعض دوست اس کے مقابلے میں اکابر کی عبارات و ملفوظات پیش کرتے رہتے ہیں، جس سے کہیں کہیں تقابل وتعارض کی صورت پیدا ہوجاتی ہے۔ مثلاً ہم یہ خیال کرتے ہیں، کہ ہماری وہ حکمت عملی جو ہمارے مشائخ نے یہاں برصغیر پاک وہند اور پڑوسی ملکوں میں قرونِ وسطی میں اسلام کی ترویج واشاعت کے لئے اور مسلمانوں کی بقاء کے لئے اپنائی ہوئی ہوتی ہے، وہ ہر وقت، ہر علاقے اور ہر قوم کے لئے ہے، اور اس پر سختی سے کاربند رہناہے، جبکہ درحقیقت وہ شی ہر زمان ومکان کی نہیں ہوتی، مثلاً: ذکر بالجہر غیر مسلم علاقوں میں بعض اذکار کی تعلیم، تلقین، تحفیظ اور خاص ماحول کے انشاء کے لئے نسخہ اکسیر ہے، مگر حرمین میں اگر اس کے حلقے لگ جائیں، تو اس سے وہاں کتنا خلل ہوگا، واضح

سی بات ہے!!!! ملنگی اور درویشی کی بعض مخصوص صورتوں میں ہمارے مشایخ اور دیگر بڑے اولیاء اللہ جیسے داتا گنج بخش، نظام الدین اولیاء، بہاء الدین زکریا، لعل شہباز قلندر، پیربابا، پیر مہر علی شاہ گولڑوی وغیرہ نے جو مبنی بر مصالحِ دینیہ اپنی اپنی حکمت عملیاں مرتب کیں، جس سے ان علاقوں میں ان کے ایک ایک کے ہاتھوں لاکھوں لوگ مشرف باسلام ہوئے، کیا بعینہٖ وہی طریقے آج بھی ہر دم ہر قدم اسی طرح نافذ کئے جائیں؟؟ کیا آج بھی مجمع بنانے کے لئے ڈگ ڈگی بجائی جائے؟؟ لنگر بانٹے جائیں ؟؟ قوالیاں کی جائیں؟؟ یا ان اسٹراٹیجیز میں زمانے کے تقاضوں کے پیشِ نظر تبدیلی کی اجازت اور گاہے گاہے ضرورت ہے؟؟

☆ اس دور میں عالم عرب کے علماء وحکام ردّ فِرق کے بجائے ردّادیان و تقریب بین المذاہب الاسلامیہ سے زیادہ حوار و مکالمہ بین الأدیان پر زور دے رہے ہیں، تاکہ دنیا کے چپے چپے پر موجود مسلم جماعتوں، تنظیموں، افراد وخاندانوں کے لئے پرامن بقائے باہمی کے کچھ اسباب مہیا ہوں، اور ہم اندرونِ خانہ تکفیر، تبدیع، تفسیق اور تضلیل وتحمیق پر تُلے ہوئے ہیں۔.....ببین تفاوتِ راہ از کجاہست تابکجا؟؟؟

☆ ایک کام عرب ملکوں، اداروں اور تنظیموں کے کرنے کا یہ بھی ہے کہ وہ اپنی

زبان وادب کے فروغ کے لئے جدید تکنیکی طریقوں کو اپنائیں، عالم عرب میں کام کرنے والے لوگوں کو عربی سکھائیں، صحیح عربی جاننے والوں اور نہ جاننے والوں کے لئے ویزے اور دیگر مراعات میں واضح فرق رکھیں، تاکہ یوں خود بخود عالم عرب کی مادیت سے استفادہ کرنے والے مسلم وغیر مسلم یہاں کی زبان وثقافت کی سیکھنے پر مجبور ہوں، ورنہ ہو یہ رہا ہے کہ اب عربی زبان بعض شہروں میں انگریزی اور ہندی کا خلطہ بن چکی ہے کیا انگریزی زبان کے ترویج کے جو تکنیک آج پوری دنیا میں رائج ہیں، وہ عربی کے احیاء وترویج کے لئے معاون نہیں ہو سکتے ؟؟؟

☆ ہمارے یہاں مُلَقّبین ب ''حضرت، اعلی حضرت، شیخ التفسیر، فقیہ ملت، علامہ، حجۃ الاسلام، شیخ الاسلام، امام، مجدد، شیخ العرب والعجم کا جب وہاں تعارف ہوتا ہے، تو آگے سے وہ خطاب و محاضرات تو درکنار عام تکلم کے لئے بھی فرماتے ہیں: ''ترجمان کہاں ہیں؟'' مشہور صحافی مصطفیٰ صادق صاحب نے مودودی صاحب کے متعلق اپنے ایک ایسے ہی مشاہدے کا تذکرہ اپنے نوائے وقت کے ایک کالم میں مذکور کیا ہے، اس سے آپ ہمارے یہاں ان القابات کی ارزانی کا اندازہ بڑی آسانی سے لگا سکتے ہیں۔

☆ عرب لوگ بت پرستی کے سخت ترین مخالف ہیں، جبکہ ہم اپنے ملکوں میں آئے دن

بدعتیوں اور مشرک نما لوگوں کو دیکھ دیکھ کر قبروں اور مزاروں کی پوجاپاٹ سے مانوس ہوگئے ہیں، اس لئے ہمارے بہت سے حضرات جب حرمین کا سفر کرتے ہیں تو وہاں مزارات کے انہدام کا رونا روتے
ہیں ، اور بنا بریں آل سعود پر تنقید و تبری کرتے ہیں، سفر نامے لکھتے ہیں، تو بھی یہی موضوع نمایاں نمایاں تحریر میں ہوتا ہے، شورش کاشمیری مرحوم ومغفور جیسے بزرگوں کے مصاحب" کو دیکھئے، اپنے سفر نامے میں یہی رونا روتے ہیں۔ نیز عرب" لوگ طبعًا وفطرۃً آتش پرستی ، مجوسیت، ثنویت اور مانویت کے بھی شدید تر مخالف ہیں، اور ہم ہیں کہ ان کی اصطلاحات دھڑلے سے اپنی تقریر و تحریر میں استعمال کرتے ہیں فارسی شیریں است "کا ہمارے اوپر اتنا اثر ہے کہ جتنا خود عربی کے مقابلے میں انتھائی" باریک بینی کے ساتھ اس نعرے کے لگانے والے چاہتے تھے ، ہماری کتابوں کے نام فارسی میں، مضامین کے عنوانات فارسی میں ، اور عبارات میں ترکیبِ کلمات تک فارسی دخیل ہے، یہی مرحوم شورش صاحب جو کہ ختمِ نبوت کے ایک عظیم سپوت تھے، کو لیجئے کہ خود ان کا نام ولقب "شورش" اور حرمین کے متعلق ان کے سفر نامے کا نام شب جائے کہ من بودم" اردو خواں طبقے کے لئے مکمل وضع قطع کے ساتھ ٹھیٹھ" فارسی میں ہیں ، جبکہ ہمیں اپنا وزن فارسی ، یا اور کوئی بھی زبان جو عربی کے علاقائی، بین الاَقوامی یا کسی اور طور پر مقابل ہو کے بجائے عربی زبان وادب کے پلڑے میں ڈالنا چاہیے۔ واضح رہے۔ ہم یہ باتیں عربی زبان سے محبت اور اس کے احیاء کے زمرے

میں لکھ رہے ہیں، نیز ہم بحیثیت ایک مسلمان کے عربی پر کسی بھی زبان کو فوقیت یا ہمسری دینے کے قائل نہیں ہیں، یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہم مسلم اقوام میں سے کسی کی زبان یا تہذیب وثقافت کے مخالف ہیں، حاشا وکلا۔

☆ عرب حضرات مزاجاً وفطرۃً بہادر، سیدھے اور کھرے ہیں، اسلام نے ان کے ان خوبیوں کو دوبالا کردیا ہے، جبکہ ایرانی ہندوستانی معاشرے ان کے مقابلے میں چوں چرا، بے جا تکلفات، القابات، انسان پرستی، غلامانہ ذہنیت، شخصیت پرستی، نفاق، بزدلی، جھوٹ، چالاکی، دھوکہ دہی اور بظاہر کچھ اور اندر کچھ کے مسائل سے دوچار ہیں۔ صد افسوس یہ کہ ہمارے یہاں کے معاشروں میں ایسی صفات کے حاملین زیرک اور ہیرو سمجھے جاتے ہیں، جبکہ عربوں کی نظر میں ایسے لوگ "زیرو" ہیں۔

☆ قرآن وسنت اور قرون اولی کی تعلیماتِ اسلام کو عجمیوں نے دانستہ یا نادانستہ کافی نہیں سمجھا، چنانچہ اپنے اپنے علاقائی کچھ رسم ورواج کو اسلامیات کا حصہ بنایا گیا، ترکوں نے بدعات کا ارتکاب کیا، قبوں شبوں کی خوب پرورش کی، ان کے دور کی حرمین میں پرانی تعمیرات اس پر شاہد ہیں۔۔۔اتراک نے خلافتِ عثمانیہ کے دور میں عالم اسلام کو تعلیمی لحاظ سے جتنا پسپا کیا، اتنا شاید ہی کبھی ہوا ہو، عربوں کو مفتوحہ اقوام کی طرح رکھا، "تجہیل

العالم الاسلامی ''کو اپنی خلافت کا ''رمز سری'' بنایا، اپنی زبان وثقافت کو عرب زبان وثقافت پر ترجیح دینے میں فارسیوں کا مقابلہ کیا۔ نتیجۃً..... عرب لٹیرے، ڈاکو اور قطاع الطریق بن گئے، جب انہوں نے دیکھا کہ ترکوں سے خلاصی ممکن ہے تو اس میں دریغ نہیں کیا، اور خلافتِ عثمانیہ کے بعد اس قلیل مدت میں عرب اقوام، زبان، ادب اور تہذیب وتمدن نے جتنی ترقی کی اس کی مثال نہیں ملتی، اموی اور عباسی ادوار خلافت کے بعد اور اس انفتاح کے دور کے مابین ایسے لگتا ہے کہ عرب قوم گویا مقبور ومدفون تھی، ان حقائق کا ادراک نہ کرنے سے بھی مشکلات اور الجھنیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ اس کی ایک مثال ہمارے یہاں کی ہے کہ علامہ اقبال مرحوم غلام قادر روھیلہ کو معتوب کرکے کہتے ہیں:

غلام قادر روھیلہ بڑا ظالم تھا

نکالی شاہِ تیموری کی آنکھیں نوکِ خنجر سے

اس سے ظاہر بین لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ روھیلہ نے شاہِ تیموری کی آنکھیں نکال کر بڑا ہی ظلم کر دیا، جبکہ اسی حضرت کو یہ نہیں پتہ ہوتا کہ شاہ تیمور جیسے بظاہر سنجیدہ اور مہذب آقاؤں نے غلام قادر روھیلہ جیسے بے چارے ماتحتوں کی کیا چیزیں نکالیں تھی، اور کس طرح ان کی نشیں اور..... کاٹ کر انہیں بے نسل کر دیا تھا۔۔ یہاں عربوں پر بھی خلافتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کا الزام بڑے زور وسے لگایا جاتا ہے، مگر یہ کوئی تحقیق کرنے کے لئے تیار نہیں ہے کہ ترکوں

:سے اپنے ادوار میں عربوں کے حوالے سے کیا کیا سنگین غلطیاں سرزد ہوئیں تھیں
☆ ایک ستم یہ کہ عربی زبان کی کچھ اصطلاحات ایسی ہیں جنہیں عرب لوگ کچھ اور معنی میں استعمال کرتے ہیں اور ہم نے کچھ اور معنی میں لیا ہوا ہے، مثلاً: صداقت ان کے یہاں دوستی اور ہمارے یہاں سچ کے معنی میں ہے اس طرح کے الفاظ کا مسئلہ تب کھڑا ہوتا ہے جب ہم عربوں سے گفتگو
کرتے ہیں اور یہ الفاظ اپنے مزعومہ معنی میں استعمال کرتے ہیں۔ نیز حروف کی ادائیگی قاف، کاف، عین، غین، ذال، زاء، ح، خ) حرکات وسکنات کے تلفظ (مُشاہدہ، مُشاہِدہ۔ اِنتَخاب، اِنتِخاب۔ وِفاق، وَفاق۔ وُکَلَاء، وُکلاء) میں بھی ہم مضحکہ بن جاتے ہیں۔.....اصطلاحات، مثلاً: پاکستان جو ایک جمہوریہ ہے ہم اسے ہمیشہ مملکت کہتے ہیں، ملت فارسی لفظ ہے۔
☆ ہم اگر عربی داں بھی بنتے ہیں، یا کچھ ہم عجمیوں میں سے عربی زبان وادب پر کچھ دسترس رکھتے ہیں، تو اس میں بھی یہ بہت بڑا نقص ہوتا ہے کہ ہم سوچتے اپنی عجمی زبانوں میں اور اس کے لئے عربوں سے مسموع یا منقول عربی کے بجائے اپنی مصنوعی عربی استعمال کرتے ہیں، اس سے تمام الفاظ و تعبیرات کا خلفیہ، پس منظر و پیش منظر اور سیاق سباق کا کوئی تعلق نہیں ہوتا، چنانچہ ہم عربی بول یا لکھ رہے ہوتے ہیں اور عرب اسے سمجھ نہیں پا رہے ہوتے، اس قسم کی مسامحات پر مشتمل تعبیرات وعبارات سے ہم جیسے اعجمیوں کی عربی بھری ہوئی

ہے، املاء وترقیم عربی لہجہ ورسم الخط میں بھی بے شمار کمزوریاں ہوتی ہیں ۔...... یہ اللہ تعالیٰ کا شکر اور اِحسانِ عظیم ہے کہ عربوں کا یَدِ یَدِ عُلیا ہے اگر ان کا یَدِ یَدِ سُفلیٰ ہوتا اور وہ عجمیوں کے بارِ اِحسان تلے دبے ہوتے، تو اور کیا کیا تماشے ہوتے۔... مجھ پہ احسان ہوتا جو احسان نہ کرتے۔

☆ قرآن کریم پڑھنے والے قراء وعلماء اگر عجمی ہوں، تو ان کی لَے بھی عجمی ہوتی ہے، إلاماشاء اللہ۔ ایسا ہی ہمارے علماء وطلباء جب کتابوں یا مخصوص احادیث کی کتب کی عبارتیں پڑھتے ہیں، تو اس میں بھی عربی پڑھتے ہوئے بھی کوئی عجمی زبان پڑھ رہے ہوتے ہیں، قرآن کریم اور دیگر عربی کتب کو عربی سمجھ کر اور مفہوم و معنی کو مد نظر رکھ کر اگر پڑھا جائے، تو سننے والے بشاشت وانبساط سے جھوم جاتے ہیں۔ اگر ہمارے کچھ یہاں کے پڑھے ہوئے نوجوان وہاں جا کر کسی بھی مسجد و مدرسے والے کام میں تعینات ہو جاتے ہیں، تو ان کی اس مشکل کی وجہ سے وہ لوگ انتہائی ضیق اور تنگی وترشی میں مبتلی ہوتے ہیں (مستثنیات کا اعتبار ملحوظ رہے)، رمضان شریف کی تراویح والی ہمارے یہاں والی تلاوتیں سب کو معلوم ہیں ۔ جمعہ وعیدین کے خطبے لیجئے، کہ خطیب ایک ((گیت)) آنکھیں بند کرکے پڑھ رہا ہوتا ہے، اور آنکھیں کھولیں بھی ہو، تو اس کے دونوں بازو جس طرح اس کے دونوں پہلوؤں سے پیوست ہوتے ہیں، اور سر اوپر

اٹھائے ٹکٹکی باندھ کر ایسا کھڑا ہوتا ہے، جیسے سربراہانِ مملکت یا جناح کے مزار پر گارڈز ہوتے ہیں۔ کہ اگر انہیں کہیں دائیں بائیں دیکھنا بھی ہو، تو سر موڑے بغیر صرف اور صرف کن آنکھیوں پر اکتفا کرتے ہیں، کبھی کبھی تو بالکل صنم اور بت کی طرح لگتے ہیں۔.....الفاظ کا بھی کیا کہئے گا! رٹے رٹائے الفاظ اور خطبے ہوتے ہیں 99 فیصد نہ خود سمجھتے ہیں نہ ہی عوام کو سمجھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور اگر فتوے اور شیخی بگارنے کا موقع آجائے، تو ابن حنبل، ابن عربی، ابن تیمیہ اور ابن قیم نیز کچھ تو مجتھدین کرام امام ابو حنیفہ ودیگر ایمۂ متبوعین کو ایسی ایسی ڈانٹ پلاتے ہیں، گویا کہ وہ حضرات ان کے معاذ اللہ نالائق وناخلف شاگرد ہوں۔.....پھر اگر کہیں اس میں جدت و تحدیث کی کوشش کی بھی گئی ہو، تو وہ تکلفاتِ محضہ پر مبنی مقفی و مسجع تک بندیاں ہوتی ہیں۔
مذکورہ امور پر اگر لطائف وطرائف کی لکھنے کی کوشش کی جائے، تو اچھی خاصی ضخیم کتاب ہوگی۔

☆ ہمارے ہاں بعض حضرات طلبہ کو جامعہ ازہر، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ، جامعہ اُمّ القریٰ، جامعہ اسلامیہ عالمیہ اسلام آباد اور جامعۃ الایمان (یمن) میں پڑھنے اور داخلہ لینے سے کیا روکتے ہیں' جامعہ فاروقیہ کراچی کے معھد اللغۃ العربیۃ ودیگر جامعات کے معاہد میں بھی داخلے سے روکتے ہیں، عذر یہ کرتے ہیں کہ فنون میں پختگی نہیں ہوگی اور کبھی یہ کہتے ہیں کہ عربی

جاننے والے طلباء بے ادب وبد تمیز ہوتے ہیں، بلکہ یہاں تک کہتے ہیں کہ سلفی ولامذہبی بن جائیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ دھلوی اور ان کے خانوادہ وسلسلہ کے دیگر بزرگوں سے لے کر حضرت نانوتوی، حضرت شیخ الھند، حضرت حکیم الامت تھانوی، حضرت مدنی، حضرت ندوی، حضرت شیخ الادب مولانا اعزاز علی، حضرت مفتی محمود، حضرت کیرانوی، حضرت ڈاکٹر سکندر اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی، یہ سب اس میدان کے شہسوار ہیں، ان میں سے تو کوئی بھی بے ادب یا بد تمیز نہ بنا، نہ ہی ان میں سے کوئی سلفی یالامذھبی بنا، تو پھر یہ واویلا کیسے ؟؟؟۔

بہر حال اس تمام بصر خراشی سے کسی کی تنقیص یا توھین مقصود نہیں ہے، بلکہ عالم عرب سے ارتباط اور حرمین شریفین سے جو ایمان کا آفتاب طلوع ہوا تھا، جس کی وجہ سے ساری دنیا یہاں کی زیارت وسفر کرتی ہے، اس سے حقیقی معنوں میں کسبِ فیض کا ذریعہ بنایا جائے۔

شیخ ولی خان المظفر کی متنوع تالیفات

بقلم: لبید خان المظفر۔۔۔

تعریب علم الصیغہ مع خاصیاتِ ابواب:

فن صَرف میں حضرت مولانا مفتی عنایت احمد کاکوروی رحمۃ اللہ علیہ کی لازوال فارسی تالیف کا سلیس اور شستہ ورفتہ عربی ترجمہ اور مشکل عبارتوں کی تسہیل، مع خاصیاتِ ابواب، نیز تمرینی سوالات، وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی نصابی کمیٹی کی طرف سے ثانویہ عامہ کے لئے منظور شدہ۔ مضبوط جلد بندی، اور پر کشش سرورق کے ساتھ نیا ایڈیشن۔

اللامذہبیۃ۔۔ خیانات وافتراءات:

یہ مولانا ابوبکر غازی پوری کی کتاب ''کچھ دیر غیر مقلدین کے ساتھ'' پر مولانا ابن الحسن عباسی زید مجدہ کا علمی اور تحقیقی مقدمہ ہے، جس میں انہوں نے علماء دیوبند کے خلاف غیر مقلدین کی مشہور کتاب ''الدیوبندیہ'' کا ایک تنقیدی جائزہ لے کر مؤلف کی خیانتوں کی نشاندہی، علمی اور تاریخی شخصیات اور فنِ تصوف کے متعلق اکابر علمائے دیوبند کے مسلک کی وضاحت، نیز عرب کے

موجودہ سلفی علماء اور علمائے دیوبند کے درمیان مابہ النزاع مسائل کی تفصیل کرکے خوب دادِ تحقیق دی ہے۔ چونکہ ”الدیوبندیہ“ عربی زبان میں لکھی گئ تھی، اس لئے علمی حلقوں کی طرف سے اصرار تھا کہ اس تحقیقی مقدمہ کو بھی شستہ عربی زبان کے قالب میں ڈھال کر، الگ کتابی صورت میں شائع کرکے عالم عرب میں پھیلائی جائے۔ یہ ترجمہ جامعہ فاروقیہ کے استاذ حدیث اور سہ ماہی ”الفاروق“ عربی کے مدیر شیخ ولی خان المظفر زید مجدہ نے کیا ہے، علمی موضوع سے قطع نظر یہ کتاب شائقین ادب کے لئے عربی ادب وانشاء کا بھی وقیع نمونہ ہے۔

التاریخ الاسلامی مع القول السلیم:

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب میں شامل تاریخ کے موضوع پر ڈاکٹر ابراہیم الشریقی کی شاہکار تألیف، جس میں مؤلف نے عہدِ نبوت سے عہد حاضر تک اسلامی تاریخ کے عروج وزوال کی داستان اختصار اور جامعیت کے ساتھ منفرد اور دلچسپ ادبی پیرایہ میں پیش کی ہے۔ مبادیات تاریخ اور ہجری تقویم کے موضوع پر سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان کے علم افروز مقدمے اور عربی زبان کے شہرۂ آفاق ادیب شیخ ولی خان المظفر کی توضیحات وتعلیقات کے ساتھ کتاب کا نیا ایڈیشن، دلکش سرورق کے ساتھ مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

: (محاضرات فی الفِرق والادیان۔یعنی (مکالمہ بین المذاہب

ادیان ومذاہب، فرق ومکاتب ،افکار ونظریات اوراس موضوع سے متعلق ضروری تفصیلات اور قیمتی فوائد پر مشتمل ایک ایسی جامع ترین کتاب، جوایک قاری کو مستند معلومات بھی فراہم کرتی ہے، صحیح فکر بھی، اور عصر حاضر کی نظریاتی جنگ الغزوالفکری) میں اپنے فرائض کا احساس بھی دلاتی ہے، یہ کتاب منظر عام پر آتے ہی (ہاتھوں ہاتھ نکلی ہے، اورالحمدللہ تیزی کے ساتھ نکل رہی ہے۔ تقریباً ۴۰۰ صفحات کی یہ کتاب اب مزید اضافوں کے ساتھ اپنے تیسرے ایڈیشن کی تیاری میں ہے۔ خوبصورت اور جاذب نظر ٹائٹل کے ساتھ۔

: سفر نامۂ فیجی آئی لینڈ

شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کے سفر فیجی کی مکمل روداد۔

: (مظفریات (اردو

الفاروق اردو، روزنامہ اسلام، روزنامہ جہان پاکستان اور دیگر رسائل وجرائد میں چھپنے والے مصنف کے مضامین ومقالات کا مجموعہ۔

: مطالعاتی دورہ ایران

اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان کے قائدین کا ایک اہم دورۂ ایران۔

: سفر نامۂ حرمین شریفین

سماحۃ الامام المحدث الشیخ سلیم اللہ خان الموقر کا سفرِ عمرہ، ملاقاتوں، زیارتوں اور مختلف مراکز علم کا تذکرہ۔

: (اللمعان اردو ترجمہ وتشریح (التبیان فی علوم القرآن

عالم اسلام کے مشہور مفسر شیخ محمد علی الصابونی کی اصول تفسیر پر وہ شاہکار کتاب جو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے سابعہ (عالمیہ / سنۂ اولیٰ) کے نصاب میں شامل ہے، شیخ ولی خان المظفر کے اردو ترجمہ مع حل مشکل الفاظ، ترتیب وحواشی: مفتی عطاء الرحمٰن شاہ بخاری۔

: (المظفریات (عربی

لبنان کے مجلّہ (التقویٰ) ، مکہ مکرمہ کے ہفت روزہ اخبار (العالم الاسلامی) اور بالخصوص جامعہ فاروقیہ کراچی (فاروقیہ بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی) کے شہرۂ آفاق میگزین مجلّہ الفاروق (عربی) میں چھپنے والے عربی مضامین ومقالات کا مجموعہ۔

: اقامات

مقامات حریری کے ابتدائی دس مقامات کی عربی ٹو عربی لازوال شرح، جو عربی معاھد کے طلبہ واساتذہ کے لئے یکساں مفید ہے۔

: کشکول المظفر

مطالعے کے دوران اور مختلف مواقع پر پیش کئے گئے حکمت ودانائی سے بھرپور، وہ استعارات، ضرب الامثال، ملفوظات اور مختصر مضامین، جنہیں پڑھ کر قاری ایک خوشگوار کیف بھی محسوس کرے گا اور ضرورت پڑنے پر کہیں بھی بطورِ استدلال واستشہاد پیش کرسکے گا۔

: ہیا بنا إلی جنوب إفریقیا و موزمبیق

ساؤتھ افریقہ اور موزمبیق کا رودادِ سفر۔

: توضیح الفکر

اردو ترجمہ وتشریح شرح نخبۃ الفکر۔

: (طرق التدریس واسالیب الامتحان (عربی

جامعۃ الرشید کراچی میں تدریس وامتحانات کے متعلق دو لیکچرز، 450 پر مشتمل اس کتاب میں ۲۵ طریقے تدریس کے اور ۱۲ طریقے امتحان کے مذکور ہیں۔

: عربی ہی ضروری کیوں ؟

یہ شیخ ولی خان المظفر کی ان تحریروں کا مجموعہ ہے ،جو عربی زبان وادب کی ضرورت و اہمیت کے متعلق لکھی گئی ہیں۔

والد محترم کا سانحہٗ ارتحال

والد محترم حضرت حاجی مظفر خان صاحب رحمہ اللہ کے ہم سے جدا ہوئے آج چار سال ہوئے ہیں، ہفتہ 17 جولائی 2010 کو مغرب سے قبل انہوں نے ہسپتال میں معمولی علالت کے دوران کچھ اسطرح داعئ اجل کو لبیک کہا کہ ارد گرد والوں اور تیمارداروں کو ان کی طبیعت بگڑنے کا اس کے علاوہ کوئی اندازہ ہی نہیں ہوا کہ ان کی زبان پر کلمہ طیبہ کا وِرد جاری ہوا، پھر جب بھائی جان ''باچاخان'' نے انہیں پکارا تو کوئی جواب نہیں آیا، بغور نبض ٹٹولنے پر اندازہ ہوا کہ ان کی روح قفصِ عنصری سے پرواز کرچکی ہے، ان کی وفات کی خبر کس قیامت کی طرح بن کر میرے دل و دماغ پر گری، اسکا مجھے ہی اندازہ ہے اور یا پھر کچھ نہ کچھ انہیں جو والد کے سایۂ عاطفت اور شفقت پدری سے محروم ہوچکے ہیں، زندگی میں یہ دن بھی دیکھنا ہوگا اس کا عقیدۃً اور عقلًا تو یقین تھا، مگر اسکی شدت کا اب تک اندازہ اور کڑواہٹ کا اس قدر احساس نہ تھا۔

آج صحیح معنوں میں سیدہ فاطمہ بنت رسول ﷺ کے مرثیے ''صبت علی مصائب لواتھا ۔۔ صبت علی الایام صرن لیالیا'' میں پنہاں خواطر و احساسات کا تھوڑا بہت نقشہ لوح قلب پر نمودار ہوا، کیوں کہ کسی بھی شخص کا والد شاید اس کا

زندگی کا سب سے بڑا سرمایہ اور سہارا ہوتا ہے اور کیوں نہیں ہوگا کہ وہ بعد از خدا انسان کی ہستی کا سب سے بڑا سبب اور اولیں باعث ہوتا ہے ”عرفت ربی بفسخ العزائم کی نشانی قدرت کا آج ایک مرتبہ پھر تجربہ ہوا کہ والدین۔برادرِ خورد“ حاجی بحر اللہ خان المظفر“ صدر المظفر ٹرسٹ انٹرنیشنل کے ہمراہ بارگاہ الٰہی میں عمرہ کی سعادت حاصل کرنے اور دربار رسالت ﷺ پر حاضری دینے کی تیاری کر رہے تھے اور دو چار روز میں عازم سفر تھے کہ ادھر اللہ جل مجدہ نے ہمیشہ ہمیشہ کیلئے باباجی مرحوم کو اپنے پاس بلا لیا،امید ہے کہ انہیں جس وصال محبوب کی تمنا تھی، وہ پوری ہو گئی ہوگی اور اُدھر سعودی عرب میں ہمارے کرم فرماؤں میں سے ہمارے دوست علی بھائی ،جناب قاری عبدالاحد ،بھائی سراج الدین اور محترم واقف شاہ صاحب نے ان کے لئے فوری طور پر عمرہ بھی ادا کر دیا،کچھ دوستوں اور رشتے داروں نے تو رمضان مبارک میں بھی والد صاحب مرحوم کیلئے مزید عمرے کرنے کے عزم کا اظہار فرمایا ہے ،اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر نصیب فرمائیں۔

راقمِ اثیم للہ کے فضل واحسان سے متعدد علمی دینی اور رفاہی سلسلوں سے جُڑا ہوا ہے اور عرصہِ دراز سے ٹوٹی پھوٹی خدمات انجام دے رہا ہے، میرے والدین کی نیک خواہشات ،اچھے عواطف وجذبات، مفید مشورے اور مقبول دعائیں میری ان مبارک سلسلوں سے وابستگی کی شاید سب سے بڑی وجہ تھیں اور آج جب میرے والد

ماجد اس دنیا میں نہیں رہے تو میرے لئے سب سے زیادہ رنجیدگی کی بات یہ ہے کہ اب میرے لئے دنیا میں وہ ہستی نہیں رہی جو ہمہ وقت رب کے حضور دست بدعاء اور دنیا ومافیھا سے مستغنی ہو کر مشغول راز ونیاز رہتے تھے ،ان کا پختہ ایمان اور ضعف وپیرانہ سالی کے باوجود اعمال کا اہتمام دیکھ کر ہمیشہ ان پر ترس آتا تھا، مگر ہمارا میانہ روی کا طویل لیکچر سُن کر وہ پائے استقامت میں لرزش تو کیا اسکی طرف نظر التفات بھی گوارانہ کرتے ۔ مجھے اندر ہی اندر یہ خیال کھایے جارہا ہے کہ ہماری اوٹ پٹانگ حرکتوں پر جس ذات کی وجہ سے اللہ جل شانہ پردہ ڈالتے تھے اب وہ بھی نہیں ہیں معلوم نہیں ہم سیہ کاروں کا کیا ہوگا۔

نہ جانے کون دعاؤں میں یاد رکھتا تھا

میں ڈوبتا تھا سمندر اچھال دیتا تھا

ہاں مگر باباجی مرحوم ہی کا یہ کرم تو شاید تا حیات ہی میرے لئے متاعِ گراں اور حرزِ جاں رہے گا کہ ہمیں انہوں نے جس رُخ پے ڈالا، اسمیں اللہ کی مہربانیوں سے کچھ ایسی نفوس قدسیہ میسر آئیں جو قدم قدم پر ہماری رہنمائی اور دستگیری کرتی رہیں اور ہماری معنوی شخصیت کی نشو ونما میں دامے درمے سخنے دلچسپی اور سرگرمی سے حصہ لیتی رہیں، آج جب ہمارے والد صاحب کا انتقال ہوا اور میری آنکھوں کے سامنے گویا اندھیرا چھا گیا تو میرے مرشد ساحة

الامام الشیخ سلیم اللہ خان اطال اللہ بقاء ھم کے قدوم میمنت لزوم سے میرے دکھی دل کا مداوا ہوا اور مردہ جسم میں پھر سے جان آ گئی۔

حضرت شیخ مدظلہم نے باباجی مرحوم کا جنازہ پڑھا کر جہاں اپنے نالائق خادم اور ادنی طالب علم پر احسان فرمایا، وہاں والد محترم کی بزرگ اور متدین شخصیت کی بھی گویا آخری خواہش پوری کی، ان کی حسن خاتمہ اور سعادت مندی پر مہر تصدیق ثبت کی، ان کی روح کو بھی سکون بخشا اور میری عزت افزائی اور دل جوئی میں بھی کوئی کسر نہ چھوڑی، میں حضرت مدظلہم، آپ کے صاحبزادے حضرت مولانا خالد صاحب، مادر علمی جامعہ فاروقیہ کراچی کے تمام اساتذہ و طلبہ، اور دیگر وابستگان دینی مدارس وجامعات، اکابر علماء، حضرت اقدس مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب (کہروڑ پکا) حضرت مولانا پیر شمس الرحمان عباسی صاحب، حضرت مولانا محمد زیب صاحب، شیخ نور الہدی صاحب، حضرت مفتی فیروزالدین ہزاروی صاحب، مولانا عبدالکریم عابد، صاحبزادہ پیر عزیزالرحمٰن رحمانی، مولانا احمد بنوری، مولانا طلحہ رحمانی، دیگر رہنماؤں اور میرے تمام کرم فرما علماء وطلبہ، میرے اساتذہ وتلامذہ، علاقائی و قبائلی عمادین سماجی کارکنان، اہل صحافت، سول سوسائٹی سے تعلق رکھنے والے ورکرز، اعزہ واقرباء، اوران جمیع مسلمان بھائیوں کا ممنون ہوں جنہوں نے جنازے میں شرکت کی اور جو بعد میں تعزیت کے لئے ایک بار یا بار بار تشریف لائے، ملک اور بیرون ملک سے

جن دوستوں اور میڈیا کے نمائندوں نے فون پر یا پرنٹ و الیکٹرونک میڈیا پر تعزیت کی، میں ان سب کا شکر گذار ہوں ان کے لئے دعا گو اور والد محترم کے لئے ان سے مزید دعاؤں کا خواستگار ہوں۔

تعزیت کے لئے آنے والوں میں قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمٰن، حضرت مفتی مختارالدین صاحب (کربوغہ شریف) مولانا محمد خان شیرانی صاحب، مولانا انوارالحق صاحب (اکوڑہ خٹک) مولانا عبد الغفور حیدری صاحب، قاری محمد حنیف جالندھری صاحب، مفتی منیب الرحمٰن، سینیٹر ڈاکٹر خالد محمود صاحب، قاضی عبدالرشید صاحب راولپنڈی) مفتی کفایت اللہ صاحب (ایم پی اے) مولانا قاضی محمود الحسن اشرف) صاحب (کشمیر) مفتی صلاح الدین صاحب (چمن) مولانا عبد المجید صاحب (ناظم مرکزی دفتر وفاق) ڈاکٹر سیف الرحمٰن صاحب (حیدرآباد) مولانا ارشاد صاحب (کبیر والا) مولانا حسین احمد صاحب (پشاور) مولانا محمد صاحب و مولانا جان محمد (ڈیرہ اسماعیل خان) مولانا زبیر اشرف صاحب (دارالعلوم کراچی) مولانا اسد اللہ عباسی صاحب اسلام آباد) مولانا انور افضل خان صاحب (شاہ پور) مولانا عبد الرحمٰن سندھی، قاری) محمد عثمان، علامہ اورنگزیب فاروقی پروفیسر این ڈی خان، صلیب احمر و ہلال احمر کے جملہ آمدہ مندوبین و نمائندگان، کے ڈی ایل بی و کے پی ٹی کے تمام لیبرز وعہدیداران، فون پر تعزیت کرنے والوں میں امیر اشاعت التوحید والسنۃ مولانا محمد طیب صاحب مرکزی،

رہنما جمعیت علماء اسلام حافظ حسین احمد صاحب ، حضرت مولانا مغفور اللہ صاحب (شیخ الحدیث آف اکوڑہ خٹک) مولانا عبد الحفیظ مکی (مکہ مکرمہ) مولانا محمد رفیق ہتھورانی جوہانسبرگ) مفتی عزیز اللہ (طور غر) خصوصاً میرے شکریے کے مستحق ہیں ۔)

تعزیت کے لئے آنیوالوں کی ایک طویل فہرست ہے ،مذکورہ احباب ان میں سے چند ہیں ،دیگر تمام تشریف لانے والوں کا بھی میں فرداً فرداً تہہ دل سے شکر گزار ہوں ، جنہوں نے اس مشکل گھڑی میں بندہ کی حوصلہ افزائی کی اور ہمت بندھائی ،باری تعالی سب کو عافیت ،سلامتی اور حفظ وامان میں رکھے۔ اللہ ان سب کو جزائے خیر اور ہمارے باباجی مرحوم کو کامل مغفرت اور مجھ سمیت جملہ پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

(آمین)

روزہ سے متعلق کچھ بنیادی مسائل

بقلم: عظمت علی رحمانی۔۔۔

رمضان کا لفظ ''رمضا'' سے نکلا ہے اور رمضا اس بارش کو کہتے ہیں جو کہ موسم خریف سے پہلے برس کر زمین کو گرد وغبار سے پاک کر دیتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے یہ مہینہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رحمت کی بارش کا نزول ہی ہے جس کے برسنے سے مسلمانوں کے گناہ دھل جاتے ہیں۔ عربی زبان میں روزے کے لئے صوم کا لفظ استعمال ہوا ہے جس کے معنی ''رک جانا'' کے ہیں، یعنی انسانی خواہشات اور کھانے پینے سے صرف اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے صبح صادق سے لے کر غروب آفتاب تک رک جاتا ہے اور اپنے جسم کے تمام اعضاء کو برائیوں سے روکے رکھنا ہے۔ روزہ اسلام کے بنیادی ارکان میں سے اہم رکن ہے۔ انسان کائنات میں رہتے ہوئے جو بھی کوئی کام کرتا ہے، اس کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت اور ایک خاص مقصد ہوتا ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے رمضان المبارک کی غرض و غایت اور وہ خاص مقصد'' تقویٰ ''قرار دیا ہے۔ ایک مسلمان روزہ کی وجہ سے برائیوں کو ترک کر دیتا ہے اور نیکیوں کی طرف راغب ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کا ایمان بڑھ جاتا ہے۔ تقویٰ نام ہی اس چیز کا ہے کہ تمام برائیوں سے انسان نفرت کرنے

لگے اور نیکیوں کی طرف لپک کر جائے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے کسی نے پوچھا کہ اے امیر المومنین تقویٰ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تیرا گزر کبھی خاردار جھاڑیوں سے ہوا ہے؟ تو وہاں سے کیسے گزرتا ہے؟ عرض کی کہ اپنے دامن کو سمیٹ کر، کانٹوں سے بچ کر گزرتا ہوں کہ کہیں خاردار کانٹوں کی وجہ سے میرا جسم زخمی نہ ہو جائے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہی تقویٰ ہے کہ مسلمان اس دنیا میں گناہوں سے اپنے دامن کو بچا کر گزر جائے اور آخرت کا رختِ سفر باندھ لے۔

اسلام کے اکثر احکام کی طرح روزے کی فرضیت بھی بتدریج عائد کی گئی ہے۔ نبی کریم ﷺ نے ابتداء میں مسلمانوں کو ہر ماہ صرف تین روزے رکھنے کی ہدایات اور حکم دیا تھا۔ مگر یہ روزے فرض نہ تھے۔ پھر ۲ھ میں رمضان کے روزوں کا حکم قرآن میں نازل ہوا۔ مگر اس وقت بھی ان میں اتنی رعایت رکھی گئی تھی کہ جو لوگ روزے کو برداشت کرنے کی طاقت رکھتے ہوں اور پھر بھی روزہ نہ رکھیں وہ ہر روزے کے بدلے ایک مسکین کو کھانا کھلادیا کریں، بعد میں ایسے بوڑھے لوگوں کے لئے جن میں روزے کی طاقت نہ ہو اس رعایت کو بدستور قائم رہنے دیا گیا۔

روزے کے بارے میں عام مسلمانوں کو احکامات ، سنن ،واجبات، مکروہات ، مباحات کا علم نہیں ہوتااور دیگر شرعی تقاضوں کا علم بھی نہیں ہوتا جس کی وجہ وہ نادانستہ طور پر بعض ایسی کمی اور کوتاہی کے مرتکب ہو جاتے ہیں کہ جس کی

وجہ سے روزہ مکروہ،اور فاسد بھی ہو سکتا ہے۔لہٰذا ایک عام آدمی کیواسطے روزہ کے مطلق بنیادی اور اہم معلومات سے آگاہی کے لئے،روزے کے بارے میں کیا کیا احتیاطی تدابیر اختیار کی جاسکتی ہیں، کس مریض کے لئے کہاں تک روزے کی چھوٹ ہے اور کیا بیماری کے بعد روزہ دوبارہ رکھے گا یا کفارہ ادا کرے گا،کیا کرے گا؟ بعض مرض ایسے ہیں جس میں روزہ دار کیلئے اس کی بیماری بڑھنے کا خدشہ زیادہ رہتا ہے مثلا گردے کا مرض، شوگر کا مریض وغیرہ ان کے لئے کیا احکام ہیں؟

اس حوالے سے ممتاز اسکالراور معروف مصنف و محقق الشیخ ولی خان المظفر دامت برکاتہم کا کہنا ہے کہ ایمۂ مساجد کا فرض بنتا ہے کہ وہ حضرات رجب اور شعبان ہی سے روزہ کے متعلق تربیتی کورسزیا کم از کم بیانات کا اہتمام فرمائیں،بالخصوص شعبان کے آخری عشرے میں ماحول بنانے کی کاوشیں تیز کی جائیں،ان کے علاوہ پرنٹ و الیکٹرانک میڈیا، عام علماء ،اہل تصوف و سلوک ، تبلیغی ، مذہبی ، دینی جماعتوں اور اداروں کے بھی حیّ علی رمضان) کی صدا لگانے کی ذمہ داری بنتی ہے۔نیز فضائل ومسائل رمضان کے) متعلق چھوٹے بڑے رسائل بھی مارکیٹ اور نیٹ میں دستیاب ہیں، ان سے استفادہ کیا جاسکتا ہے،رفاہی ادارے بھی عام لوگوں کو اس بابرکت ماہ کی طرف متوجہ کرنے کے لئے پمفلٹ بڑی مقدار میں شائع کر سکتے ہیں۔

رمضان شریف کو مد نظر رکھ کر اپنا اور اپنی معمولات کا ٹائم ٹیبل بنایا جائے، اپنا ایسا بجٹ بنایا جائے کہ اپنے اور گھر والوں کے علاوہ اس ماہِ مبارک میں غریبوں، مسکینوں اور بے کسوں پر بھی انفاق کا بھرپور اہتمام ہو، عید تو ایک دن ہوتی ہے رمضان کی ہر افطاری میں عید کا سماں ہوتا ہے، افطاری کرانے کا بھی خوب خوب، انتظام ہو، کیوں کہ یہاں اصل اہتمام ہی ہے۔

مریض کے لئے رخصت (اجازت) ہے، عالم باعمل اور ماہر ڈاکٹر کے کہنے کے بعد، مریض صرف قضاء کریگا، اس پر کفارہ نہیں ہے۔

شوگر، گردہ، حمل وغیرہ کچھ امراض کی نشاندہی علماء نے کی ہے، ان مریضوں کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ نیز ہر وہ مرض جس کے بڑھ جانے کا اندیشہ ہو اس میں بھی عدمِ صوم کی رخصت (اجازت) ہے۔

مولانا عطاء الرحمٰن شہید.....کچھ یادیں، کچھ باتیں

دو چار روز قبل ہی کی بات ہے، جامعہ بنوری ٹاؤن کے سامنے سے میں ایسے ہی کسی کام
سے پیدل جارہا تھا، حضرت مولانا کسی کے ساتھ بائک پر ہم رکاب تھے، دیکھ
کر فوراً اتر گئے اور اپنے بارونق، پرُوقار، پرُبہار اور نہایت بابرکت چہرہ انور کے ساتھ
اپنے خاص ہنس مکھ انداز میں راقم سے گویا ہوئے : یہیں کہیں ہو، مگر کہیں نظر نہیں
آتے۔ارے بھائی کبھی کبھار غلطی سے تو جامعہ میں تشریف لایا کریں۔ عرض
کیا: حضرت اقدس جہانگیر روڈ کے ایک غار میں ریٹارمنٹ کی زندگی گذار رہاہوں، آپ
حضرات کاایک ایک لمحہ قیمتی ہے، کیوں ضائع کروں۔فرمانے لگے یہی تو آپ کامغالطہ
ہے، اسلام اور اسلامی خدمات کی انجام دہی میں ریٹائرمنٹ کانام ونشان نہیں ہے، یہ
ڈیوٹی آخری دم تک کی ہے۔

شہادت کی خبر سنتے ہی وہ پورا منظر میری آنکھوں میں ایک فلم کی طرح گھومنے لگا، میں
پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا، حضرت مولانا محمد یسین چغرزئی صاحب کاایک
شعر خود بخود وِردزبان بن گیا:

مائے مخ تہ زوَر زیر کتلی نہ وو۔چہ یار مخ پہ کفن پٹ کڑو ارمان راغے

(یعنی میں نے ان کے چہرہ پرُانوار پرٹِک کر نگاہ کیوں نہ ڈالی، اب جب ان

(کا چمکتا دمکتا چہرہ روپوشِ کفن ہوا تو ارمان آنے لگا
مذکورہ ملاقات سے قبل ایسے ہی ایک اور آمنا سامنا بھی یاد آنے لگا، راقم، مولانا عبدالرحمٰن سندھی، علامہ سعید الحسنی اور یاسر عرفات نقشبندی کسی ضروری کام کیلئے دفتر المظفر سے نکلے۔ قاری محمد اقبال ناظم امور عامہ جامعہ بنوری ٹاؤن کو بھی لینا تھا، مجلس دعوت و تحقیق اسلامی کے سامنے کھڑے تھے کہ حضرت اقدس شہید آ کر ہمارے پاس بائیک سے اترے، علیک سلیک کے بعد راقم کے ظاہری جبّے قبے پر طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے گویا ہوئے: کیا بااااات ہے! کیا جچ رہا ہے، میں نے عرض کیا، ایک شو میں جانا ہے، کہا: اللہ اکبر، شو،،، کیا کہہ رہے ہو، میں نے ہنس کر کہا، حضرت دعوت میں قاری اقبال صاحب مہمان خصوصی ہیں، ہم دیگر ساتھی طفیلی ہیں، سوچا کہ لوگ کھانا ظاہری لباس کو دیکھ کر کھلاتے ہیں، اس لیے ذرا بن ٹھن کے نکلے ہیں۔ کہا: حالات کا کوئی پتہ نہیں چلتا، ذرا احتیاط۔
آج یہ سطور لکھتے ہوئے حیران ہوں کہ ان اللہ والوں کو شاید کچھ دن قبل ہی رفیق اعلیٰ سے ملنے کا پتہ چل جاتا ہے۔ آپ غور فرمائیں ان کے ان الفاظ پر اور ان کے آخری دم تک ریٹائرمنٹ نہ ہونے کے کلمات پر، جمعرات تک آن ڈیوٹی رہے، تدریس تعلیمات، امامت اور جمعے کے دن آخری خطابت اور اس کے بعد اپنی بیمار ہمشیرہ، کو گھر پہنچانے کیلئے اسی دن بعد از امامت وخطابت اگلے روز فرائض کی انجام دہی

کیلئے واپسی کی فکر، ہم جیسے غافلوں کو کیا سبق دے رہے ہیں، شاید ان ہی کیلئے کہا تھا کسی نے :

جب کبھی اہل وفا یاد کریں گے ہم کو
جانے کیا کیا میری روداد کے عنواں ہوں گے

۱۴۰۸ھ سے جب جامعہ فاروقیہ کراچی میں راقم کا تقرر ہوا، تب سے مولانا امداد اللہ اور مولانا عطاء الرحمٰن شہید سے قریبی، برادرانہ، بے تکلفانہ اور وفاق المدارس کے امور سے متعلق مشاورانہ تعلق رہا، جو روز بروز گہرا اور بڑھتا ہی رہا، امتحانی معاملات امتحانی کمیٹی، نصاب کمیٹی، شوریٰ وعاملہ کی مجالس، مختلف مراکز امتحان میں ایک ساتھ، نگرانی، مختلف مراکز کے دورے ایسے بہت سے امور تھے، جن میں صحبت کے مواقع بہم نصیب ہوئے، مجال ہے ان کی پیشانی پر کسی لمحہ بھی بل نظر آئے ہوں، ہمہ وقت قربان زلبِ یار گہے گل گہے غنچہ'' کی تصویر بنے ہوتے۔ شفقت، مہربانی اور حوصلہ'' افزائی تو ان کی خمیر کا حصہ تھیں، صالح مسجد اور جامعہ بنوری ٹاؤن پر رشک آتا تھا کہ ایسے ایسے ظاہر و باطن کے محاسن و کمالات کے حاملین یہاں جلوہ افروز ہیں۔

حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد ساحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان صاحب کی ایک مجلس میں جامعہ بنوری ٹاؤن کے حوالے سے کچھ

گفتگو ہو رہی تھی، حضرت صدر وفاق نے فرمایا: ارے بھائی مفتی صاحب کا خلا تو پُر ہونا یقیناً مشکل ہے، لیکن وہاں حضرت مولانا عطاء الرحمٰن صاحب جیسے لائق فائق حضرات جب تک ہیں، فکر کی ضرورت نہیں ہے، پھر فرمانے لگے: مولانا عطاء الرحمٰن صاحب بخاری ترمذی، سمیت درس نظامی کے ہر فن مولیٰ ہیں۔ میں نے کسی مناسب موقع پر حضرت الامام کے یہ کلمات بابرکات ان کو نقل کئے، جھوم اٹھے اور کہنے لگے ''من آنم کہ من دانم'' پر حضرت اقدس کے یہ تاثرات میرے لئے سرمایہ، حیات ہیں۔

ادب و عربیت میں ان کو کمال حاصل تھا، ایسی شستہ اور رواں عربی بولتے کہ آدمی عش عش کے رہ جائے، عالم عربی کی معلومات، وہاں کے اسفار، عرب شیوخ کے خاص خاص مقام پر چیدہ چیدہ تعبیرات ان کی نوکِ زبان ہوتے تھے، عرب اور عربی زبان کی فضیلت، اھمیت، وسعت اور ہمہ گیریت پر جب کلام فرماتے تو ایک بحر بیکراں ٹھاٹھیں مارتا ہوا ظاہر ہوتے۔ مصری لہجہ، سعودی لہجہ اور فصحیٰ عربی میں بسا اوقات بے ساختہ شروع ہو جاتے، جامعہ بنوری ٹاؤن میں جامعۃ الازہر کے مبعوث شیوخ کو اپنے مختلف دوروں اور امتحانی ھالوں میں نگرانی کے لئے ساتھ رکھتے، علمی نکات اور ظرافت ولطافت کے چشمے رواں دواں ہوتے، اب یہ وقت بتائے گا کہ ان کے دوستوں، تلامذہ اور متوسلین میں کون کون ان کے کردار، اخلاق اور اعلیٰ علمی صلاحیت کو اپنا کر ان کے مشن کی تکمیل کرے گا اور کون ان کے اوصاف حمیدہ

کو چھوڑ کر ماتم کرنے والوں کی طرح صرف آہ وزاری پر اکتفا کرے گا۔ان کی شہادت اپنے پسماندگان کو یہ دعوت فکر دیر تک دیتی رہے گی۔

سال گذشتہ ان کے گاؤں بابوزئی میں سالانہ جلسہ میں دیگر اکابر و رفقاء کے ساتھ اس ناچیز کو بھی انہوں نے اور حضرت مولانا امداد اللہ صاحب نے دعوت دی تھی مولانا شہید کے رفیق سفر و حضر اور خادم خاص مولوی عرفان میمن شہید بھی ہمارے، ہمراہ تھے ،ان میں بھی حضرت کی روح رچ بس گئی تھی ،ہمہ تن خادم اور ہشاش بشاش روزنامہ اسلام میں اس سفر کے احوال ہم نے اپنے شکستہ اور ناپیوستہ انداز میں ان، دنوں نذر قارئین کردئے تھے۔

لیکن یہاں اتنی بات ضرور عرض کروں گا کہ مہمان نوازی ،اعلی ظرفی ،وسعت قلبی فقیری میں بادشاہی اور حسن اخلاق کے جو کرشمے ہم نے ہمیشہ سے حضرت مولانا میں، دیکھے تھے ،ان کی پختگی کے سرچشمے ان کے والد ماجد اور خانوادے سے پھوٹ تے تھے طہارۃ الاخلاق من کرم الاعراق ’’یعنی حسن اخلاق کا تعلق نسلوں کی شرافت سے ہم‘‘ رشتہ ہوتی ہے۔کیا چھوٹے ،کیا بڑے، سب ہی مکارم اخلاق اور حسن معاشرت کے مینار تھے۔

اب سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ ان کی تعزیت کس سے کی جائے ،ان کے خاندان سے

جامعہ بنوری ٹاؤن سے ، مولانا امداداللہ صاحب اور حضرت شہید کے صاحبزادگان سے ،
یا پورے ملک اور عالم اسلام سے ۔ کہ دنیا میں ایسی ہستیاں تو صدیوں میں بھی پیدا نہیں ،
ہوتیں ۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نواز شریف۔ بجلی ورنہ عوام کے غیظ وغضب کا آتش فشاں

کاشغر سے گوادر ہائی وے چین کی ضرورت ہوگی، تو ہو، کراچی تیز ترین ٹرین آپ کا شوق ہو، تو ہو، ملک میں بلٹ ٹرین اور لاہور کی بس سروس تاریخی کارنامے ہوں ،توہوں۔لیکن بجلی عوام کا وہ مسئلہ ہے ،جس کی وجہ سے پوری قوم جاں بلب ہے ، بجلی آج کی دنیا کی روح ہے ،اس کے بغیر یہ دنیا اور اس کے مکین مردہ ہیں،ہر قسم کاکاروباراور کُل معاملات آج بجلی پر موقوف ہیں، سحر وافطار تو کیا تراویح میں بھی یہ مسئلہ حل نہ ہوسکا، دس بارہ گھنٹے کی لوڈ شیڈنگ کراچی جیسے روشنیوں کے شہر میں موت ہے موت۔

گرومندر کے قریب ہماری رہائش ہے، جمشید روڈ، جہانگیر روڈ، تین ہٹی، لسبیلہ چوک اور گرومندر جو کراچی کا قلب ہے، یہاں جمعے کی رات 11 بجے سے 1 بجے تک، پھر سحری میں 3 سے 4 ،دن کو صبح 9 سے 11، نمازِ جمعہ کے فوراً بعد 2 سے 3، پھر 4 سے 6،رات 11 سے 1،اوراب اس سحری کے وقت 3 بجے سے آگے کب تک بجلی مرحومہ غائب رہیگی یہ keSCوالے یا پھر آپ حکمراں ہی بتا سکتے ہیں،چناں چہ یہ سطور میں ٹارچ کی روشنی میں تحریر کررہاہوں۔گھروں میں بجلی نہ ہونے کی وجہ سے صرف اس علاقے کی خواتین وحضرات، چھوٹے اوربڑے اگر ٹہلتے ٹہلتے مزارِ قائد کی طرف دھرنے کے لئے نکل پڑے،اور وہاں ڈیرے ڈالدے، شور مچانا شروع کردے،بنیادی

ضروریات کے لئے اپنے گھروں میں آئے، اپنا کام کاج بھی کرے، تفریح بھی ہو اور دھرنا بھی جاری وساری رہے، تو قاضی حسین احمد مرحوم کے بغیر بھی یہ لوگ کتنا طویل دھرنا دے سکتے ہیں، اس کا آپ خود ہی اندازہ لگائیں۔

کیا ہماری حکومتوں میں اتنے بھی سمجھ دار وزراء نہیں ہوتے، جو مسائل کو ''الاَوّل فالاَوّل اور الاَھم فالاَھم'' کے طور پر جنگی بنیادوں پر حل کریں، یا حل کرنے کی تجاویز پیش کریں، کیا یہ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ہمیں بھاری مینڈیٹ ملا ہے، ہم پانچ سالوں میں آرام آرام سے دھیرے دھیرے اسے حل کرلینگے، حاشا وکلّا۔ اگر صورت حال جوں کی توں رہی، تو ہم نہیں سمجھتے کہ عوام کے غیظ وغضب کے آتش فشاں کا لاوا جب پھٹ پڑے گا، تو حکمراں اسے روک لینگے، یا اس کے سامنے کوئی بند باندھنے پر قادر ہوں گے، ہرگز نہیں۔

کیا آپ کے علم میں نہیں ہے، کہ کچھ قوتیں آپ کو تیسری بار وزیر اعظم نہیں دیکھنا چاہتی تھیں، انہوں نے آپ کے دور میں ہی کئی بار شیڈو پارلیمنٹ اور ٹیکنو کریٹس کی pp حکومتوں کے لئے لابنگ کی تھی، تحریک انصاف ہو یا طاہر القادری یہ سب کچھ کیا آپ کے راستے میں رکاوٹیں کھڑی کرنے کی کوششیں نہیں تھیں، کیا پہلے بھی آنجناب کو بھاری مینڈیٹ نہیں ملا تھا، پھر کیا وجوہات اور اسباب تھے، کہ آپ اپنے سابقہ ادوار مکمل نہیں کرسکے۔ آپ کو یاد ہو کہ نہ ہو، ہمیں

یاد ہے ذرہ ذرہ۔

کیا یہ کسی بھی ذی شعور سے پوشیدہ ہے کہ ترکی مصر اور پاکستان کے حالات یکساں ہیں، اگر تقسیم اسکوائر طیب اردگان کو ہلا سکتا ہے، اور تحریر اسکوائر ڈاکٹر مرسی کو معزول کر سکتا ہے، تو کیا وجہ ہے کہ مزار قائد، لبرٹی چوک، آب پارہ، یادگار چوک اور مینار پاکستان آپ کے حق میں کچھ بھی فیصلہ کر سکتے ہیں۔

مصر میں مرسی کی آمد بادلِ ناخواستہ تھی، انہیں ایک وقت تک عوام کے ووٹوں کے بدولت برداشت کیا گیا، کچھ ملکی، علاقائی اور بین الاقوامی قوتیں تاک میں تھیں، اور آخر کار نتیجہ وہی نکلا، اب دونوں طرف سے ان کے مخالفین اور مؤیدین ایک ہی ملک کے شہری مر رہے ہیں، خانہ جنگی بھی ہو سکتی ہے، مصر کمزور یا کچھ اور بھی ہو سکتا ہے، یہی حالات آپ کے ساتھ بھی ہیں، کچھ ملکی، علاقائی اور بین الاقوامی قوتیں یہاں بھی گھات لگائے بیٹھی ہیں، توقعات کے برعکس آپ ان کو مواقع خود ہی فراہم کر رہے ہیں، مہنگائی میں شدید اضافہ ہو رہا ہے، شدید گرمی اور رمضان کے روزوں میں لوڈشیڈنگ ایک قہر خداوندی ہے، جو ستائے ہوئے عوام، ہاں صرف اور صرف عوام، جو اس ملک کا جمہوری اکثریت ہے، پر دن رات اور ہر گھڑی نازل ہوتا رہتا ہے، بد دعائیں بھی لگتی ہیں، اور تنگ

آمد بجنگ آمد کا کلیہ و قانونِ فطرت بھی ان کے سامنے ہے، پہلے تو کبھی آپ آرمی چیف یا صدر مملکت کو ساتھ لے ڈوبتے تھے، اب کی بار کہیں آپ ہی پر پنجاب کارڈ کی وجہ سے ملک کو، اللہ نہ کرے، توڑنے کا الزام نہ آئے۔

آپ بادشاہ گر بنتے، نیلسن منڈیلا اور مہاتیر محمد کی طرح اقتدار کی سرپرستی کرتے، خامیوں پر نظر رکھتے، خلا دیکھتے پُر کرنے کا اشارہ دیتے، اصلاحات کرتے، اوراب بھی اس کا وقت گیا نہیں۔ بصورتِ دیگر اگر حکمراں ہی بننا تھا، تو فیس بک، ای میل یا ٹویٹر کے لئے کوئی نمبر مشہور کراتے، 24 گھنٹوں میں sms دیتے، یا پھر id پر اپنی عام ایک ایک گھنٹہ یا دو بار آدھا آدھا گھنٹہ اس پر بنفسِ نفیس نگاہ ڈالنے کے لئے جمہور کا دیا ہوا وقتِ حکمرانی صرف کرتے، عوام کے مسائل کا آپ کو براہِ راست پتہ بھی چلتا، تدارک بھی کرتے، یوں آخرت کیلئے دعائیں بھی لیتے اور دنیا میں باعزت اقتدار کے مزے بھی لُوٹتے۔

لیکن موجودہ صورتِ احوال میں ایم کیوایم شکنجے کی وجہ سے چیخنے کو ہے، پیپلزپارٹی آپ کی مد مقابل طاقتور حریف ہے، مولانا فضل الرحمٰن خیر سے نیمے دروں نیمے بیروں کی کیفیت میں ہے، ملک دشمن عناصر وممالک دوربین لگائے بیٹھے ہیں، عوام کا جینا خاص کر بجلی کی وجہ سے دوبھر ہے، تحریک انصاف یا طاہر القادری جیسے لوگوں نے اگر اب وہی نعرہ مستانہ لگادیا، تو آپ کی نون لیگ جس

کے اکثر زعماء وہ طالع آزما ہیں، جو چار دن پہلے مشرف لیگ میں یا مشرف حکومت میں
تھے، تالیاں بجتے ہی چڑیوں کی طرح اڑ جائینگے، بایں ہمہ آپ مرسی کا انجام ذرہ یاد کریں
اور پھر دیکھیں، کیا ہونے جارہا ہے؟،
دعوتِ فکر ہے یارانِ نکتہ داں کے لئے۔

مظفریات اور تاریخ سے ہماری جنگ

بقلم: محمود شام۔۔۔۔۔تاریخ کبھی میرے روبرو ہوتی ہے۔ کبھی میں تاریخ کی
عدالت میں نادم و گریاں کھڑا ہوتا ہوں۔
مگر آج کل تاریخ اور میں دوبدو ہیں۔
کبھی تاریخ حملہ آور ہوتی ہے۔ کبھی میں تاریخ کو پسپا کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہوں
۔
'مظفریات' کے اوراق پلٹتے ہوئے تو تاریخ سے جنگ کچھ اور تیز ہو گئی، مجھے سطور کے
درمیان گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیتی رہیں، سنانیں چمکتی رہیں ۔
پاکستان یوں تو کبھی بھی مستحکم اور پر سکون نہیں رہا، لیکن ان دنوں تو یہ فی الحقیقت انتہائی
فیصلہ کن موڑ پر کھڑا ہے۔
کھڑے ہیں اب تو وجود و عدم کی سرحد پر
بس ایک لغزش پا پر ہے فیصلہ ہونا

کئی انتہاؤں میں بٹا ہوا معاشرہ کیسے استحکام حاصل کر سکتا ہے۔ یہ انتہائیں بھی سمٹنا نہیں چاہتی ہیں اور نہ ہی مقتدر طاقتوں میں سے کوئی ان کو قریب لانے ان کے درمیان دوریاں مٹانے کے لئے آمادہ ہے۔ بلکہ حکمران طبقوں نے تو شعوری طور پر کوشش کی ہے کہ یہ فاصلے بڑھتے رہیں۔ میری یہ آرزو رہی ہے کہ دو بہت ہی واضح انتہاؤں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے ایک تو وہ پاکستانی ہیں جو عام نظام تعلیم کے ذریعے پرورش پا کر کالجوں یونیورسٹیوں سے گزرتے ہوئے عملی زندگی میں داخل ہو رہے ہیں۔ سیاست، تجارت اور دوسرے شعبوں میں قیادت کر رہے ہیں، دوسری طرف وہ پاکستانی ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں جن کا اپنا جہان ہے جو دینی مدارس میں تربیت پا رہے ہیں، قرآن پاک کو سمجھتے ہیں، احادیث کا ادراک حاصل کرتے ہیں، عربی زبان کے وسعتوں میں علم کے موتی چنتے ہیں، دنیاداروں کو دین کی طرف راغب کر رہے ہیں، عام پاکستانی اس حلقے سے بے خبر ہے، اس لئے اسے اندازہ ہی نہیں ہے کہ یہاں کیسی تربیت ہوتی ہے، کن زبانوں سے شناسائی ہوتی ہے۔ عالم اسلام سے ان کے کیا روابط ہیں مختلف اسلامی ممالک میں جو تحریکیں چل رہی ہیں ان کی منزل کیا ہے، دنیاکے بعض، ملکوں میں مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں ان پر کیا گزر رہی ہے۔ پاکستانی ہی نہیں مسلمانوں کی اکثریت ایک دوسرے کے بارے میں مغربی میڈیاکے ذریعے معلومات حاصل کرتی ہے۔ اس لیے حقیقت حال سے ناآشنا رہتی ہے۔

شیخ ولی خان المظفر سے جب بھی ملاقات ہوئی ہے مجھے یہ حوصلہ ملا ہے کہ دونوں انتہاؤں کو قریب لانے کے لئے موثر کوششیں ہو سکتی ہیں۔

پاکستان کے سیاسی، معاشی، سماجی حالات پر تو ان کی بہت گہری نظر ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ وہ عالم اسلام اور بالخصوص عرب دنیا کے بارے میں حقائق سے خوب آگاہ ہیں۔ جدید عربی زبان پر عبور ہونے کے باعث وہ ان ممالک کے اخبارات وجراید کا براہِ راست مطالعہ کرتے ہیں، یہاں کی ممتاز شخصیتوں اور علمی مراکز سے ان کے روابط ہیں۔ جدید اطلاعاتی ٹیکنالوجی پر بھی ان کی گرفت ہے، اس لیے آج کے مواصلاتی دور میں وہ ہر شعبے میں ہونے والی پیشرفت کی خبر رکھتے ہیں۔

مظفریات' _ مختلف اخبارات وجرید میں چھپنے والے متنوع مضامین ومقالات کا انتخاب ہے۔ عام طور پر اخباری کالم ایک سرسری حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تحریریں ایک مقصد رکھتی ہیں اور ایک سمت۔ پڑھنے والے کو حالات وحقائق سے مطلع رکھنے کا جذبہ ہر سطر میں کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ برادر ملک ترکی کے سلسلے میں مضامین آج کے ترکی کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ سنگاپور میں اسلام بھی تازہ ترین صورت حال سامنے لاتا ہے۔ کتاب کی مرکزی افادیت یہ ہے کہ

پاکستان کے دینی مدارس نے جو دنیا آباد کر رکھی ہے وہ اس کے مناظر بہت خوبصورت پیرائے۔ دل نشیں زبان میں ہماری نظروں میں اپنی جگہ بناتے ہیں، جس سے عام پاکستانی پر یہ حقیقت تہ در تہ کھلتی ہے کہ اس جہانِ دگر میں علم و عمل کے کیا انداز ہیں۔ ان مدارس سے پاکستان کے ساتھ ساتھ جنوبی افریقہ اور دوسرے ممالک میں اسلامی تعلیمات کی خوشبو کس طرح پھیل رہی ہے۔

وہ پاکستانی حلقے جو اپنے آپ کو اعتدال پسند اور روشن خیال قرار دیتے ہیں اور یہ تمنا رکھتے ہیں کہ پاکستان میں ایک متوازن اور معتدل فکر کا غلبہ ہونا چاہیئے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ ان مضامین کا مطالعہ کریں، یہ انہیں اس مختلف پاکستان کے قریب لائے گی اور پورے پاکستان کو ایک منزل کی طرف لے جانے میں ممدود معاون ہوگی۔

اللہ تعالیٰ سے میری انتہائی عاجزی سے دعا ہے کہ شیخ ولی خاں المظفر کو مزید استطاعت دے کہ وہ مذہب ،تاریخ اور سائنس کے امتزاج کی کوشش اسی طرح جاری رکھیں اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم ان کی تحریں سے استفادہ کرتے رہیں ،تاکہ ہمارے علم میں اضافہ ہوتا رہے۔ ہم تاریخ کے جبر سے نجات حاصل کرسکیں۔

(رابطۃ العالم الاسلامی (۲

رابطہ سے ہماری شناسائی کی بنیاد (الفاروق عربی کی ادارت ہے،اس میں اضافہ 1990ء میں رابطہ کی جانب سے عالمی سطح پر منعقدہ ادبی مقابلہ مضمون نویسی میں دوسری پوزیشن حاصل کرنے سے ہوا،1992ء میں رابطہ کی طرف سے اسلام آباد میں ایک کانفرنسبعنوان: (المؤتمر العالمی الاول للعلماء)کا انعقاد ہوا،جس میں راقم بھی مدعو تھا،پھر ہمارے مضامین رابطہ کے مجلات وجرائد میں شرفِ طباعت واشاعت پاتے رہے، مراسلت بھی جاری رہی،بلکہ بعد میں لبنان کے مجلۃ"التقوی" میں کالم نویسی اور ان کی طرف سے" ادبی ایوارڈ"کا باعث بھی یہی رابطہ ہے، اللہ تعالی ہمارے اس "رابطے "کومزید مربوط اور مستحکم فرمادیں۔

رابطہ عالم اسلامی کے عظیم الشان سیکریٹریٹ (الامانۃ العامۃ)کا بیرونی منظر تمام مسلم ممالک کے پرچم عمارت پر لہرارہے ہیں۔

رابطہ عالم اسلامی کے سیکریٹریٹ میں:

صبح نو بجے کے قریب میں نے مولوی اسامہ مکی کو بلایا،وہ اپنی کار لائے،اور

ہم رابطۃ العالم الاسلامی کے (الأمانۃ العامۃ) جنرل سیکرٹریٹ چلے گئے، وہاں گیٹ پر ہم سے شناختی کارڈ اور پاسپورٹ رکھ لیا گیا، اور ایک بیج دیا گیا کہ اسے جیب پر لگایا جائے چنانچہ چند ہی لمحوں بعد ہم اپنے دوست مجلۃ (الرابطۃ) کے مدیر التحریر منیر حسن منیر، کے آمنے سامنے کھڑے تھے، عرب دنیا میں میرے مضامین پر تصویر اور ان کے بھی مضامین پر تصویر کی وجہ سے بلا کسی تعارف کے وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کر ہمارے استقبال کو آگے بڑھے اور ہم ایک دوسرے سے انتہائی پُر تپاک انداز میں بغلگیر ہوئے، وہاں ڈاکٹر ابو زید صاحب بھی تشریف فرما تھے، جو چیف ایڈیٹر (رئیس التحریر) ہیں، ان سے بھی بہت خوشگوار ماحول میں گفتگو ہوئی۔

منیر حسن منیر پہلے ہفت روزہ ''العالم الاسلامی'' کے مدیر التحریر رہے ہیں، اور اب مجلۃ الرابطۃ'' کے مدیر التحریر ہیں، نہایت خلیق، متواضع اور پورے عالم کے حالات کے'' ساتھ ساتھ مسلم اقلیات، استعماری سازشوں اور مسلم دنیا میں دینی ودنیوی تعلیم پر نہایت عمیق اور دقیق معلومات کے حامل ہیں۔

مدار السارعۃ'' کے نام سے ان کے مضامین چھپتے ہیں، جو مجلّہ'' الرابطہ ''اور ''العالم'' الاسلامی ''کے علاوہ دیگر مجلات و جرائد کی بھی زینت بنتے ہیں، پاکستان میں بھی ان کے مضامین و تجزیئے اردو میں ترجمہ ہوتے رہتے ہیں۔

ان کے بعد ہم نے شیخ محمد بن ناصر العبودی سے ایک مفصل ملاقات کی ،پھر شیخ عبد الحمید اللبنانی کی معیت و رہنمائی میں جناب ڈاکٹر سعد الشہرانی چیف ایگزیکیٹو ''الملتقی العالمی للعلماء والمفکرین المسلمین ،برابطۃالعالم الاسلامی ''کے آفس گئے ،جہاں عربی قہوہ اور کھجوروں کے علاوہ اس ملتقی کیلئے رکنیت کے دوفارم ہم نے وصول کئے ،جن میں سے ایک ہم نے شیخ سلیم اللہ خان صاحب کے لئے اورایک اپنے لئےپُر کرکے دیدئے،دکتور سعد شہرانی صاحب نے کہاکہ آپ صرف ممبر نہیں ،بلکہ مزید ممبر سازی کا کام بھی ہماری شرائط کے مطابق اپنے ملک میں کرینگے ،اس پر انہوں نے ایک تحریر لکھ کر ہمیں دی، جس پر ہم نے ان کاشکریہ ادا کیا۔

ہم نے ان سے یہ بھی عرض کیاکہ ہم دکتور عبداللہ بن عبد المحسن الترکی (جنرل سیکرٹری رابطہ عالم اسلامی) سے بھی ملاقات کرنا چاہتے ہیں ،انہوں نے فرمایا کہ بالکل، آیئے نماز کا وقت ہے ،وہ نماز میں آتے ہیں اور امامت خود کراتے ہیں ،وہیں پر بہت آسانی سے ملاقات ہو جائیگی ۔

:ڈاکٹر عبداللہ بن عبد المحسن الترکی سے ملاقات

چنانچہ ہم مسجد گئے ،ڈاکٹر صاحب بھی پہنچ گئے ، سنتیں پڑھیں ، نماز کی امامت انہوں نے خود کرائی،جماعت کے بعد اطمینان اور سکون سے سنتیں اور نوافل ادا

کر کے ملنے والوں کی طرف متوجہ ہوئے، ہماری طرح بہت سے لوگ ملاقات کے لئے تشریف لائے تھے، ہم بھی ملے ، نہایت محبت ، شفقت اور مہربانی سے پیش آئے، ہم نے شیخ صاحب کا بھی بتایا کہ وہ بھی حرم کے قریب تشریف فرما ہیں ،انہوں نے فرمایا کہ ملاقات کا کیا طریقہ ہے ؟ ہم نے تفصیل بتائی، کہا کہ جمعرات تک ہم سفر میں ہوں گے جمعرات اور جمعہ تو عام چھٹی ہے ،ہفتے کو ہم کوئی پروگرام ترتیب دیکر رابطہ کریں،

گے،تاکہ " رابطہ "کا صدرِوفاق وصدر اتحادِ تنظیمات ِ مدارسِ دینیہ پاکستان سے باضابطہ رابطہ ہو جائے ، ہم نے انہیں اپنا نمبر دیدیا اور چلے آئے ۔

مندرجہ ذیل معروف حضراتِ علماء اور عظیم شخصیات بالترتیب رابطہ کے ناظمین اعلی رہے: شیخ محمد سرور الصبان، شیخ محمد بن صالح القزاز، شیخ محمد بن علی الحرکان، ڈاکٹر عبداللہ عمر نصیف، ڈاکٹر احمد محمد علی، ڈاکٹر عبداللہ بن صالح العبید اور ڈاکٹر عبداللہ بن عبدالمحسن الترکی۔

ان میں سے ہر بزرگ ایک سے ایک ہے، کیونکہ رابطہ کی نظامتِ علیا کے لئے ہر ایرے غیرے کا انتخاب نہیں ہوتا، بلکہ کسی مشہور، معتمد اور معتبر شخصیت کا چناؤ ہوتا ہے، چنانچہ موجودہ امین عام دکتور ترکی ہی کو لیجئے ، کہ سابقہ نہیں ان کے حالیہ مناصب جن پر وہ بیک وقت فائز ہے وہ بیس (۲۰) سے

زائد ہیں۔ مثلاً:

صدر اسلامک یونیورسٹیز مانیٹری فنڈ (۱

صدر الندوۃ العالمیۃ للشباب الاسلامی (۲

صدر رابطۃ الجامعات الاسلامیۃ الدولیہ (۳

(چیئرمین انٹرنیشنل اسلامک کونسل (لندن (۴

صدر جنرل سیکریٹریز کونسل کنگ فیصل یونیورسٹی چاڈ (۵

صدر جنرل سیکریٹریز کونسل اسلامک سینٹر آف ایڈنبرا (۶

صدر انٹرنیشنل کونسل برائے امتحانات اسلامک اینڈ اربک سکولز (۷

صدر مدرسین وصدر نصابی کمیٹی بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی اسلام آباد (۸

ممبر خصوصی رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ (۹

اس کے علاوہ تقریباً گیارہ (۱۱) بین الاقوامی لیول کے مختلف اداروں کے مرکزی بورڈز میں ڈاکٹر صاحب ایک سرگرم ممبر کے طور پر کام کر رہے ہیں، جبکہ ان کے سابقہ عہدوں میں سے سعودی وزارتِ مذہبی امور، مشیر قصر شاہی، رکن کبار علماء بورڈ مملکتِ سعودی عرب اور جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیۃ بالریاض کی نظامتِ علیا۔ اس سے قاری ان کی شخصیت کی ہمہ گیریت اور فعالیت کا اندازہ بآسانی لگا سکتا ہے۔

امت کا محسن طبقہ

بقلم: مفتی محمد زبیر حق نواز۔۔۔۔ سرکار دو عالم ﷺ پر جب پہلی وحی آئی، تو چونکہ ان کے لئے یہ وحی کا پہلا تجربہ تھا، اس لئے اسکی وجہ سے آپ پر ایک خاص قسم کا اثر ہوا اور گھبراہٹ طاری ہوئی ،اسی حالت میں آپ ﷺ اپنی غمگسار بیوی ام المومنین حضرت خدیجہ کے پاس تشریف لائے ،اس موقع پر حضرت خدیجہ نے جو تاریخی جملے ارشاد فرمائے، وہ خاص طور پر امت کے طبقۂ علماء اور اہل ثروت کو اپنے دل پر نقش کر لینے چاہئیں، فرمایا آپ نہ گھبرائیں، اللہ کبھی آپکو ضائع نہیں ہونے دیگا، کیونکہ آپ ﷺ بے سہاروں کا سہارا بنتے ہیں ، محتاجوں کی مدد کرتے ہیں، صلہ رحمی کرتے ہیں اور مہمانوں کی خدمت کرتے ہیں۔

اس قصہ میں قابل غور نکتہ یہ ہے کہ حضرت خدیجہ کے یہ تاریخی جملے نبوت کا پہلا تعارف ہیں، کیونکہ اس اہم موقع پر حضرت خدیجہ نے نبی ﷺ کی نماز ،ذکر مراقبہ یا نبی کی کسی اور صفت کا ذکر نہیں فرمایا ،بلکہ نبی کی خدمت خلق کا ذکر فرمایا، گویا نبوت کا پہلا تعارف ہی یہی ہے کہ مخلوق خدا کی خدمت کی جائے۔

علماء چونکہ نبی کے وارث ہیں، لہٰذا اس وراثت کی بناء پر علم کے علاوہ خدمت خلق علماء کے اولین فرائض میں شامل ہے۔حال ہی میں متاثرین سوات کے سلسلے میں امت کے مختلف طبقے اپنا کردار ادا کررہے ہیں۔ یہ مبارک فریضہ انجام دینے والا امت کا ہر فرد یقیناً نہایت قابل قدر ہے، خدا ان خدام کے اعصاب مضبوط فرمائے۔ تاہم خاص طور پر امت کے طبقۂ علماء کا اس سلسلے میں بڑا اُجلا اور نمایاں کردار سامنے آیا ہے، ان علماء نے اپنے ان مسلمان بھائیوں کی جس طرح خدمت کی اور کررہے ہیں، اسکی مثال نہیں ملتی، لیکن چونکہ یہ غیر سیاسی خالص تدریسی علماء ہیں، جو اشتہارات، پوسٹر، بینر اور پبلسٹی کی روایتی دنیا سے کوسوں دور رہتے ہیں اور انہیں ستائش اور صلہ کی تمنا ہوتی ہے نہ یہ لوگ ووٹ کے طالب ہوتے ہیں، اس لئے یہ اپنے امدادی کیمپوں کا کسی صحافی کو دورہ کرانے اور میڈیا کے تکلفات سے آزاد ہوتے ہیں۔ یہ روایتی این جی اوز اور حکومتی وزیروں کی طرح امدادی سامان اور رقوم کی ترسیل کے اخباری مناظر اور تقسیم امداد کی تصویر کشی کو پسند نہیں کرتے اور ان جھنجٹوں سے دور رہ کر صرف اور صرف کام پر یقین رکھنے والے عمل پسند لوگ ہیں۔ سرحد کے کئی مدارس کے علاوہ کراچی کے بعض ممتاز دینی اداروں نے اس سلسلے میں قیادت اور اپنے بڑے پن کا خوبصورت مظاہرہ کیا، خاص طور پر دارالعلوم کراچی، بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ، جامعہ بنوریہ جامعۃ الرشید اور دارالعلوم الصفہ اور انکے علماء امت کیلئے شجر سایہ دار کے طور پر سامنے آئے۔ ان دینی اداروں

سے واقف ہر قریبی شخص جانتا ہے کہ کشمیر کا زلزلہ ہو، یا زیارت کا، یا سوات اور بونیر کے متاثرین کا معاملہ ہو انھوں نے کس طرح دلسوزی، کڑھن اور ہمدردی کے اعلی جذبات کے ساتھ اپنے مسلمان بھائیوں کی خدمت کی۔ ان اداروں نے متعلقہ علاقوں میں اپنے شاگردوں کے توسط سے رہائشی اور میڈیکل کیمپس، راشن ڈپوز، عارضی مساجد اور، قرآنی تعلیم کے عارضی مکاتب قائم کئے اور منظم ترتیب قائم کی، وہاں کے کئی مدارس ومکاتب کے طلبہ بھرپور انداز میں انتہائی لگن اور تندہی کے ساتھ اپنے اساتذہ کی زیر نگرانی میں شب وروز متاثرین کے قیام وطعام کے انتظام میں مصروف عمل ہیں۔ کراچی کے علمائے حق میں مفتی محمد رفیع عثمانی اور مفتی محمد تقی عثمانی عالم اسلام کی عظیم علمی وفقہی شخصیات ہونے کے علاوہ امت کیلئے دل دردمند رکھتے ہیں، وہ امت پر آئی ہر ایسی قدرتی آفت یا مصیبت کے موقع پر تڑپ جاتے ہیں اور خاموشی کے ساتھ انسانیت کیلئے مرہم کا سامان فرماتے ہیں۔ بنوری ٹاؤن کے علماء میں مولانا امداد اللہ مولانا عطاء الرحمٰن، مفتی عاصم زکی، جامعہ فاروقیہ کے مولانا ولی خان المظفر جامعۃ الرشید کے مفتی عبد الرحیم، مفتی ابو لبابہ، بنوریہ کے مفتی محمد نعیم، مولانا غلام رسول دارالعلوم الصفہ کے مولانا حق نواز، مولانا فداء اللہ، مولانا اعجاز نے انتہائی مربوط اور، منظم انداز میں بھرپور خدمات انجام دیں اور دے رہے ہیں۔ جامعہ بنوریہ کے علماء نے اپنے ریڈیو امریکہ پر ہونے والے ہفت روزہ بیانات میں سے احقر کے دو بیانات صرف

اسی مقصد کیلئے مختص کرکے امریکی مسلمانوں سے چندہ کرکے انہیں خود متاثرہ علاقوں میں تقسیم کرنے کی دعوت دی اور اسکا انتظام کیا۔ لیکن خاص طور پر جامعہ فاروقیہ کے مولانا ولی خان المظفراپنی علمی وادبی صلاحیتوں کے ساتھ ساتھ حال ہی میں ”خدمت خلق،، کے حوالہ سے نمایاں طور پر ابھر کر سامنے آئے ہیں ،انھوں نے بتیس سو سے زائد خاندان یعنی دس ہزار افراد کو پناہ اور ٹھکانہ مہیا کیا ہے اور اس کیلئے سب سے پہلے اپنے گھر سے ابتداء کی پھر اپنے جاننے والوں سے عارضی رہائش کیلئے ”مکانات کا چندہ،، کیا۔ کراچی کی نیک طبیعت عوام نے اپنے مکانوں کی چابیاں مولانا کو فراہم کیں مولانا متاثرین کو ان میں ٹھہراتے رہے، پھر انکے لئے راشن اور میڈیکل کا بھی نہایت مربوط انتظام کیا ،اب انکے ساتھ انکے جفاکش رفقاء متاثرین کی خدمت میں جتے ہوئے ہیں۔

امت کے محسن مذکورہ علماء کی تین ایسی بنیادی خصوصیات اور صفات ہیں ،جو خاص طور پر فلاحی خدمت کرنے والوں کیلئے بنیاد کی حیثیت رکھتی ہیں جنھیں خدمت کے شعبے سے وابستہ ہر ادارہ اور فرد کو اپنانا چاہیئے، نمبر ایک یہ کہ جو رقوم اور اموال وصول کئے جائیں، انہیں نہایت امانت داری اور احتیاط کے ساتھ مستحقین پر خرچ کرنا۔ آج کل چونکہ امانت کا معیار بہت پست ہوگیا ہے اور ہر طرف خیانت کا دور دورہ ہے، اس لئے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ مختلف حکومتی اداروں ،این جی اوز اور فلاحی تنظیموں میں یہ وباء عام ہو گئی ہے کہ یہ اموال اور رقوم جمع کرنے کے بعد” ایڈمنسٹریشن فیس،، کے نام

پر بھاری رقوم علیحدہ کرلی جاتی ہیں۔اور اللہ بچائے ایسے سنگین مواقع پر بھی اپنوں کو نوازنے کے مختلف چور دروازے کھول لئے جاتے ہیں، سفر خرچ انتظام ،اور اسٹاف وعملہ کے قیام وطعام اور ہوٹلنگ کے بھاری اخراجات اور بل ،ان اماتی رقوم سے نکال کرایسی '' مہذب خیانت،، کی جاتی ہے کہ جسکی عطیہ دھندگان کی طرف سے کسی طور اجازت نہیں ہوتی ۔ یہ البتہ درست ہے کہ مستحقین تک امداد پہنچانے کی حد تک واجبی اور ضروری اخراجات کی شاید فتوی کی رو سے گنجائش نکل سکتی ہو، مگر متاثرین کی امداد کے راستے سے اپنے جسم کی امداد، تکمیل خواہشات ،اور نامی گرامی ہوٹلوں میں پر تعیش رہن سہن اور پر تکلف کھانوں پر ان رقوم سے مسرفانہ اخراجات کا کوئی جواز نہیں ہے۔ اس حوالہ سے بھی مذکورہ علماء کا کردار لائق تحسین ہے اور معاشرہ کیلئے قابل تقلید۔ صرف نقدی کی صورت میں معقول رقم کی امداد لیکر جانے والی ایک جماعت علماء میں جانے سے پہلے '' سستے ذریعۂ سفر کی تلاش،، خاصا موضوع بحث رہا، پھر قدم قدم پر اس جماعت علماء نے دیانت کی خوبصورت مثالیں قائم کیں، انمیں سے ایک بزرگ نے متاثرہ علاقوں میں پہنچنے کے بعد خود راقم سے فون کرکے یہ مسئلہ پوچھا کہ کیا شرعاًاس ا مدادی رقم سے یہاں کی ضرورت کے پیش نظر اپنے موبائل میں (محض سو روپے کا) فون کارڈ ڈال سکتا ہوں ؟ اسی طرح ایک اور موقع پر ہوٹل سے خریدے جانے والے کھانے کی نوعیت بتاکر اس کی رقم کی ادائیگی کا سوال پوچھا گیا،اس پرفتن دور میں امانت ودیانت کی ایسی مثالیں بہت کم ہوگئیں ہیں۔دوسری

صفت ان علماء کی یہ ہے کہ عام طور پر ایسے مواقع پر صحیح مستحق اور مصرف تک پہنچانا بھی خاصا دشوار ہوتا ہے، عموماً دیکھا یہ گیا ہے کہ امداد تو بڑے جوش وخروش سے جمع کرلی جاتی ہے، مگر تقسیم میں ”کوئی حقدار چھوٹے نہ اور غیر حقدار لینے نہ پائے،، کے اصول کا لحاظ نہیں رکھا جاتا، ایسے کئی مواقع پر مشاہدہ کیا کہ بس امدادی سامان کا ٹرک لیجا کر کھڑا کردیا گیا اور دیکھتے ہی لوٹ کا بازار گرم ہوگیا، بلکہ بعض جگہوں پر دیکھنے میں آیا کہ امدادی خدمت گاروں نے متعلقہ علاقہ میں سامان اس طرح اتارا، گویا سر سے بلا اتاردی۔اس کے بجائے یہ علماء ماشاء اللہ خود مقامی رہبر علماء سے مل کر دور دراز پہاڑی اور مضافاتی علاقوں میں کئی ایسے خاندانوں تک پہنچے، جنکا نہ کوئی ٹھکانہ کوئی رشتہ دار اور کوئی پرسان حال، ایک بھوکا پیاسا خاندان جو تازہ تازہ ٹریکٹر کے ذریعہ پہنچا تھا اور روڈ کے کنارے اس سوچ میں کھڑا تھا کہ اب کہاں جائیں ایسے لوگوں کو ان علماء نے مدد اور ٹھکانہ فراہم کیا اور ایسے ہی کئی خاندانوں کی کھود کرید اور گہری تحقیق کرکے صحیح مصرف تک امداد پہنچائی گئی، یہ چیز تمام فلاحی خدمت انجام دینے والے ہر ادارہ اور فرد کیلئے لازم ہے، کیونکہ تجربہ یہی بتاتا ہے کہ امداد جمع کرنے سے زیادہ مشکل کام صحیح مستحقین تک پہنچانا ہے۔ تیسری صفت جسے اپنا کر یہ علماء خدمت انجام دے رہے ہیں وہ ہے متاثرین و مستحقین کی ذاتی توقیر وعزت نفس کا خیال رکھنا، اس وقت بھی حصول، امداد کیلئے متاثرین کی لمبی لائنیں، جن میں

طویل اوقات تک کھڑے رہنے کی بے عزتی اور اذیت کے تکلیف دہ مناظر سامنے ہیں، ذرہ سے منظم سسٹم سے ایسی تکلیف دہ صورتحال سے بچا جاسکتا ہے، ان علماء نے مستحقین کو بلانے اور قطاروں میں کھڑا کرنے کی بجائے، اپنے مقامی رہبر علماء کے ذریعہ تحقیق کروانے کے بعد خود متاثرہ افراد کے ٹھکانوں پر جاکر امدادی رقوم کے لفافے تسلی کے کلمات کے ساتھ تقسیم کئے اور قبول کرنے پر متاثرین کا شکریہ ادا کیا۔ یہی اسلام کا مزاج ہے شریعت میں زکاۃ کی ادائیگی سے زیادہ تقسیم زکاۃ کے طریقے کو باعزت اور باوقار بنانے کا حکم ہے، کیونکہ مستحق انسان مسلمان کی عبادت کا محل اور ذریعہ ہے، جس طرح مسجد انسان کی عبادت نماز کی ادائیگی کا محل اور زریعہ ہونے کی وجہ سے لائق احترام ہے۔ اسی طرح مستحق بھی انسان کی زکاۃ وصدقہ جیسی عظیم عبادات کا ذریعہ ہونے کی وجہ سے لائق توقیر ہے، لہٰذا اسکی تحقیر کے بجائے توقیر کا خیال رکھنا لازم ہے، بلکہ انسان کو شکرگذار ہونا چاہئے کہ اس کے ذریعہ سے اسکی عبادت ادا ہوئی۔ بہر حال آج کی نشست میں خدمت خلق کے حوالہ سے علماء کے ان زریں اصولوں (ریاکاری سے احتراز ،امانتوں میں احتیاط ، صحیح مصرف تک پہنچانے کی فکر اور اہتمام) کو پیش نظر رکھنے کے ساتھ ساتھ امت کے اس مخلص طبقہ کی قدردانی کا بھی عزم کرنا چاہئے۔ آج علماء کے اس طبقہ نے علم کے ساتھ ساتھ خدمت خلق میں وراثت انبیاء کا کردار ادا کیا ہے، ہمارے کئی تجدد پسندوں کی زبانیں صبح وشام علماء پر دراز ہوتی رہتی ہیں، کیا انہیں اپنی

چشم بینا سے علماء کا یہ اجلا کردار نظر آتا ہے ؟ ان سے درخواست ہے کہ کچھ دیر کیلئے تنقید وتردید سے بالاتر ہو کر متاثرہ علاقوں میں خود جا کر مکاتب ومدارس کے طلبہ کی خدمت جانفشانی اور متاثرین سے محبت بھرے برتاؤ کا نظارہ فرمائیں۔ سلام ہو امت کے ان مخلص محسنین پر۔ مولانا محمد الیاس رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے اخلاص والے ہدایت کے چراغ ہوتے ہیں خدا ان چراغوں کو روشن رکھے۔

"ولی المظفر کو کام کرنا نہیں آتا"

...... تحریر: سیلانی کے قلم سے

کراچی کے ایک دور افتادہ علاقے کی مسجد میں داخل ہوتے ہوئے سیلانی نے خود سے بڑبڑاتے ہوئے کہا "ولی المظفر کو کام کرنا نہیں آتا" اور دائیں بائیں گردن گھما کر جائزہ لینے لگا، یہ ایک زیر تعمیر مسجد اور مدرسہ تھا، جس میں داخل ہوتے ہی دائیں طرف قطار سے کمرے بنے ہوئے تھے اور بائیں ہاتھ پر مسجد تھی، سامنے برقع پوش خواتین بھی دکھائی دے رہی تھیں اور مرد بھی۔ سیلانی دائیں بائیں دیکھتا ہوا آگے بڑھا اور ان لوگوں کے پاس پہنچ گیا۔ یہاں کھلے آسمان تلے دیوار کے سائے میں ایک نوجوان کرسی ڈالے زانو پر رجسٹر رکھے حساب کتاب میں الجھا ہوا تھا۔ ایک تو گرمی اور پھر اس بیچارے کو لوگوں نے گھیر رکھا تھا، اس کا لباس پسینے سے شرابور اور چہرہ سرخ ہو رہا تھا، وہ اپنے سامنے بنی قطار میں کھڑے لوگوں سے پرچی لیتا اور رجسٹر پر کچھ نوٹ کرکے اسے آگے بڑھنے کا اشارہ کر دیتا اور اگلے شخص کی جانب متوجہ ہو جاتا۔

سیلانی نے ایک بار پھر دائیں بائیں نظر دوڑائی، لیکن اسے ایسا کچھ دکھائی نہیں دیا، جو ایسی جگہوں پر عموماً ہوتا، دل گداز تحریروں والے بینر نہ

دیوار پر چسپاں پوسٹر ...... مسجد کے گیٹ پر راہ گیروں میں پمفلٹ تقسیم کرتے ہوئے نوجوان......چندے کی صندوقچیاں، چھنکاتے خدائی خدمت گار ...... جھولیاں پھیلا پھیلا کر ایک دنیا سّتر آخرت کی آوازیں لگانیوالے تربیت یافتہ ''رضاکار''......لاؤڈ اسپیکر پر ثوابِ دارین کے حصول کی ترغیبات ...... نہیں ایسا کچھ بھی نہیں تھا......وہاں نہ کسی سیاسی جماعت کا پرچم تھا نہ بینر۔ لاؤڈ اسپیکروں کی گھن گھرج والا کوئی کیمپ بھی نہیں تھا اور سب سے زیادہ حیرت اسے اس بات پر ہوئی کہ وہاں اسے میڈیا کا غول بھی دکھائی نہیں دیا۔ کسی اخبار کا فوٹو گرافر تک نہیں تھا۔اس سادہ لوح پٹھان کی جگہ کوئی اور ہوتا، تو یہاں کتنے صوبائی وزراء باچھیں پھیلائے نظر آتے۔ وہ ٹی وی چینلوں کے نو بجنے والے پرائم ٹائم خبر ناموں میں شامل ہوتا۔ اخباروں میں اس کی وزراء کے ساتھ تصاویر شائع ہوتیں۔ اس کے سیل فون میں وزراء کے ذاتی فون نمبر آجاتے۔ پولیس کے اعلیٰ افسران بھی مسکرا مسکرا کر ملتے۔ خبریں لگتیں، واہ واہ ہوتی، پروٹوکول ملتا اور وہ بھی معززینِ شہر کی فہرست میں شامل ہو جاتا۔ لوگ تو اس واہ واہ کے لئے کیا کچھ نہیں کرتے ......اسے ویمن جیل کی ایک تقریب یاد آگئی۔ دفتر میں موصول ہونے والے فیکس پر دو دو وزراء کا ذکر تھا کہ ویمن جیل میں خواتین قیدیوں میں سامان تقسیم کریں گے، سیلانی سمجھا کوئی بڑا پروگرام ہوگا کہ ایک نہیں دو دو وزراء آرہے ہیں۔ وہ وقت پر پہنچ گیا۔ وہاں صحافی حضرات بھی پہنچ گئے، حسب سابق پروگرام قدرے تاخیر سے شروع ہوا ویمن جیل کے احاطے میں گاڑے گئے

شامیانوں میں خاتون وزیر نے عوامی حکومت کے فوائد گنوائے، مژدہ سنایا کہ سکھ کے دن آیا ہی چاہتے ہیں۔ پھر اس سے وزیر صاحب نے مائیک لیا اور اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا، بتایا کہ عوامی اور جمہوری حکومت کیا انقلابی اقدامات کر رہی ہے۔ اسے کتنا خیال ہے، عوام کے غم میں سب گھل رہے ہیں وغیرہ وغیرہ ..... پھر وزراء صاحبان قیدی خواتین کے لئے گراں قدر امداد دینے کیلئے کیمروں کے سامنے آ گئے۔ یہ امداد پنکھوں اور کپڑوں کے جوڑوں پر مشتمل تھی۔ سب ملا کر لگ بھگ بیس ہزار روپوں کا ...... سامان تھا۔ سیلانی کیا سارا میڈیا ہی بڑبڑانے لگا کہ ان وزرا کو کیا ہوگیا ہے

اور یہاں تو معاملہ ہی مختلف تھا۔ یہاں تو لاکھوں روپوں کی امداد خاموشی سے دی جارہی تھی کہ مسجد سے باہر گزرنے والوں کو خبر تک نہ تھی۔

سیلانی کو علم ہوا کہ اورنگی ٹاؤن قصبہ کالونی کے چھوٹے چھوٹے گھروں میں رہنے والے بڑے دل کے مکینوں نے انصار مدینہ کی یاد تازہ کردی ہے۔ انھوں نے سوات، مالاکنڈ بونیر کے لٹے پٹے بہن بھائیوں کے لئے دلوں کے ساتھ ساتھ گھروں کے دروازے، بھی کھول دیئے ہیں۔ آنے والے بھائیوں کو سینے سے بھی لگارہے ہیں اور بہنوں کے سروں پر چادر بھی رکھ رہے ہیں۔ سیلانی کئی دنوں سے جامع مسجد مصطفی جانیکا سوچ رہا تھا، مگر روز ہی کوئی نہ کوئی مصروفیت

نکل آتی ۔آج اللہ کا حکم ہوا تو وہ پوچھتے پچھاتے قصبہ کالونی پہنچ ہی گیا۔
اسے متجسس نظروں سے اِدھر اُدھر دیکھتا دیکھ کر ایک دراز قامت نوجوان اس کی جانب بڑھا چلا آیا۔سیلانی نے اپنا تعارف کرایا تو ولی المظفر کے بازو پُر جوش معانقے کیلئے پھیل گئے۔ باریش ولی المظفر عربی ادب کے بہترین عالموں میں سے ہیں۔پکے سند یافتہ مولوی ہیں۔یہ سارا انتظام ان کے اور ان کے ساتھیوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ولی المظفر محبت سے سیلانی سے ملے اور خاطر مدارات پر تُل گئے۔سیلانی نے نرمی سے معذرت کی اور ان کے ساتھ چلتا ہوا لوگوں کی قطار کے پاس چلا آیا۔یہ سب اپنے ہی ملک میں بے گھر ہونے والے لوگ تھے ،جن کے ہاتھ کبھی دینے والے ہوا کرتے تھے جو کبھی دکھ درد میں دوسروں کے کام آیا کرتے تھے اور آج تقدیر انہیں یہ دن دکھا رہی تھی۔یہ سب لوگ بہت دل گرفتہ اور دکھی تھے۔وہ کسی نہ کسی طرح کراچی تو پہنچ گئے تھے ،لیکن اب جسم و جان کے رشتے کو برقرار رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ رشتہ دار، عزیز و قارب تھے مگر یہ کب تک بوجھ بنے رہتے۔یہاں کے حالات ایسے نہ تھے کہ کہیں نوکری ملتی۔اسی قطار میں ایک نوجوان کو ایک اخبار نویس کی آمد کی اطلاع ہوئی، تو وہ سیلانی کے پاس آکر کہنے لگا ”سر! ہم کیا اس ملک کے شہری نہیں۔ہمارا سوات ایشیا کا سوئٹزر لینڈ کہلاتا ہے۔ لاہور کراچی میں گرمی پڑتی تھی ،آپ اپنی بہن بیٹیوں بچوں کے ساتھ سوات آتے تھے، تو ہم کیا سلوک کرتے تھے ؟کیا ایسا

کبھی ہوا کہ کوئی کراچی والا، حیدر آباد والا، لاہور والا نے کسی کا دروازہ بجایا ہو اور کسی ضرورت کا کہا ہو اور وہ خالی ہاتھ لوٹا ہو...... میں یہاں ایک کمپنی، فیکٹری میں گیا کہ نوکری دے دو۔ کوئی کام دے دو، مگر سوات کا شناختی کارڈ دیکھ کر ہی ہم کو واپس کردیتے ہیں۔ یہ اللہ بھلا کرے ان علمائے کرام کا یہ ہماری مدد کررہے ہیں، تو ہمارے بچوں کے پیٹ میں کچھ جارہا ہے''۔

اس نوجوان کا شکوہ اپنی جگہ لیکن اسی کراچی ہی میں جہاں اسے ملازمت نہیں مل رہی تھی، کچھ دل والوں نے اسے سہارا تو دیا تھا۔ سامنے کا کمرہ اشیائے خرد ونوش سے بھرا ہوا تھا۔ قطار میں لگے افراد باری باری واٹر کولر، آٹا، چاول، چینی، وغیرہ لے کر جارہے تھے اور دعائیں دے رہے تھے۔ ولی المظفر بہت مصروف تھا، وہ سیلانی سے بات چیت بھی کرتا جارہا تھا اور اپنا کام بھی نمٹاتا جارہا تھا۔ سیلانی کو تجسس تھا کہ ایک اکیلا نوجوان جسے ایسے کسی کام کا تجربہ بھی نہ ہو، یہ سب کیسے کررہا ہے؟ سیلانی کے کرید نے پر ولی المظفر کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی ''سب اللہ کے حکم سے ہورہا ہے، اس کی مدد شامل ہے، ہمیں خود پتہ نہیں چلتا، لوگ آرہے ہیں اور امداد دے کر جارہے ہیں یہاں لوگوں نے سات سو ساٹھ خاندانوں کو پناہ دے رکھی ہے (نوٹ: اب دس ہزار، خاندانوں کے قریب ہے) قصبہ کالونی، منگھوپیر، اتحاد ٹاؤن اور دیگر علاقوں میں۔ یہ ہمیں یہاں کے لوگوں نے اپنے مکانات دئے ہیں کہ یہ ہمارے

گھر ہیں ان میں سوات سے آنے والوں کو ٹھراؤ اور آپ یقین کریں اس وقت ہمارے پاس اسّی مکانوں کی چابیاں فاضل ہیں۔جب کوئی ضرورت مند آئے گا، تو ہم تصدیق و تحقیق کرکے اسے مکان کی چابی بھی دیں گے اور ضرورت کا سامان ''

'' یہ سب ہوا کیسے ''

سیلانی بھائی ! یہاں میرا بھائی رہتا ہے ،ایک دن میں اس سے ملنے آیا ، میں بیٹھا ہوا تھا'' کہ ایک نوجوان آیا اور کہنے لگا، حضرت ! ایک مسئلہ تو

بتادیں ، میں اپنے والد کو بہت چاہتا ہوں ، محبت اور عزت کرتا ہوں ، لیکن کیا میں ان کا گلا دبا سکتا ہوں ، میں نے یہ سنا تو چونک پڑا ، کہ یہ کیا کہہ رہا ہے ۔میں نے اس سے پوچھا کہ معاملہ کیا ہے ،ذرا بتاؤ تو سہی ، جس پر وہ بولا ہم سوات سے جان بچا کر آ تو گئے ہیں ، لیکن اب سمجھ نہیں آ رہا کہ اپنے پچانوے سال کے باپ کو کہاں لے کر جاؤں ۔ان کی حالت یہ کہ ہم انہیں رضائی میں لپیٹ کر اٹھاتے ہیں ۔ہمارے پاس رقم ہے اور نہ کوئی ٹھکانہ ۔یہاں کوئی رشتہ دار بھی نہیں ۔گاؤں سے لوگ جان بچا کر نکلے ، تو ہم بھی ان کے ساتھ بس میں بیٹھ کر کراچی آ گئے ۔اب کیا کریں ، سر چھپانے کیلئے کوئی ٹھکانہ نہیں،اس وقت میں نے سوچا کہ جو ہو سکتا ہے کرنا چاہئے ۔میں نے ابتداء اپنے گھر سے کی اور سات خاندانوں کو مہمان بنالیا۔پھر کام چل پڑا۔ہم نے اس مسجد مدرسے کو مرکز بنالیا۔دوست احباب کو ساتھ لیا اور جاننے والوں سے رابطے کئے۔اللہ نے

مدد کی اور کام بڑھتا رہا اور چلتا رہا۔اب بھی کس طرح چل رہا ہے، ہمیں خود پتہ نہیں۔سامان ختم ہوتا ہے، اللہ پاک کہیں نہ کہیں سے انتظام فرمادیتے ہیں۔کچھ دن پہلے کی بات ہے، راشن ختم ہو گیا، ہم بھی پریشان ہو گئے، کہ کیا کریں، اسی وقت ایک صاحب نے سامان سے بھری گاڑی بھجوادی......اور سیلانی بھائی مزے کی بات یہ کہ تعاون میں اردو بولنے والے بھائی آ گئے ہیں۔ مکانوں کی چابیاں دینے والوں میں سب سے زیادہ ایثار ان ہی کا ہے۔ہم تو لوگوں کا جذبہ دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں"

ولی المظفر سیلانی سے بات کر رہا تھا کہ سیل فون بجا،اس نے معذرت چاہتے ہوئے کال وصول کی اور کہنے لگا" جی جی بات کر رہا ہوں ......جزاک اللہ ...... جیسے آپ مناسب سمجھیں"

ہمارے ایک ساتھی کے گھر سے فون تھا، وہ خواتین کے لئے لان کے سو جوڑے بھیج رہے ہیں۔اب اللہ اس طرح کام چلا رہا ہے، تو ہمیں کیا ضرورت ہے چندے کی۔لوگ خود ہی فون کرکے حصہ ڈال رہے ہیں"۔

ولی المظفر اور ان کی ساتھی صرف راشن ہی تقسیم نہیں کر رہے۔ڈیڑھ سو مریضوں،زخمیوں کا علاج بھی کرا چکے ہیں (نوٹ :اب تک عدد چوبیس سو سے تجاوز

کرچکا ہے)۔ایک ادارے نے انہیں ڈاکٹر کی پیشکش کر رکھی ہے۔ایک ادارے نے بچوں کی تعلیم کے لئے کاپیاں کتابیں دینے کی یقین دہانی کرائی ہے۔یہ سب دیکھ کر سیلانی کا تو ایمان تازہ ہوگیا۔وہ حیران حیران نظروں سے پسینہ پونچھتے ہوئے ولی المظفر کو دیکھتے ہوئے سوچنے لگا۔اسے واقعی کام کرنا نہیں آتا......خدا کرے کہ اسے اور اس کے ساتھیوں کو این جی اوز کی طرح کام کرنے کا سلیقہ آئے بھی نہیں۔جو نمک کی تھیلیاں بانٹ کر اخباروں میں تصویریں چھپواتی ہیں اور ان تصویروں کو کشکول بنا کر ڈونروں سے مال بٹورنے پہنچ جاتی ہیں۔اچھا ہے ولی المظفر ایسے ہی ''بے ڈھنگے پن'' سے کام کرتا رہے۔سیلانی نے کن آنکھیوں سے سادہ مزاج ولی پر نگاہ ڈالی۔وہ ایک فیملی کے کاغذات دیکھ رہا تھا۔سیلانی دھوپ میں کھڑے ہو کر اپنے بہن بھائیوں کے لئے سائے کا انتظام کرنے والے ولی المظفر کو ستائشی نظروں سے دیکھتا رہا۔دیکھتا رہا اور دیکھتا چلا گیا۔

ولیِ مکرم کا چشمہ

ہماری کتاب ''مکالمہ بین المذاہب'' پر ایک عبقری کالم نگار رعایت اللہ فاروقی کا تبصرہ
۔۔۔۔ کوئی بائیس برس گزرنے کو ہیں کہ درجہ سادسہ میں ایک نوعمر لڑکا آکر داخل
ہوا۔ وہ عمر میں مجھ سے دو برس کم، کلاس میں دو برس آگے اور لیاقت میں اس قدر
فائق تھا کہ آج بائیس برس بعد بھی مسافت کے تخمینے میں خود کو ناکام پاتا ہوں، شاید
نہیں یقینا۔ اس لئے کہ ہر گزرتے دن کے ساتھ یہ مسافت بڑھتی جا رہی ہے، اس کی
تخلیق پر مامور فرشتے خدا جانے کس سبب خوشگوار موڈ میں رہے کہ دماغ میں ذہانت
انڈیلنی شروع کی، تو بس انڈیلتے ہی چلے گئے۔ پہلی بار اسے دیکھا، تو یہ ذہانت اس
روز بھی اس کی آنکھوں میں رقص کرتی نظر آئی، میں بلا کسی رسمی تعارف کے اس کے
پاس جا بیٹھا، تو حاشیہ خیال میں بھی نہ تھا کہ یہ نشست عمر بھر پر محیط ہو جائے گی اور عالم
یہ ہے کہ خود کو آج بھی اسی نشست کے تسلسل میں پاتا ہوں۔ تکرار و مطالعے کے رسمی
تکلف سے آزاد اس لڑکے نے دورۂ حدیث محض سولہ برس کی عمر میں جامعہ فاروقیہ
کراچی سے ملک گیر سطح پر ممتاز ترین حیثیت میں پاس کیا۔ اس کی ذہانت ہی کا کرشمہ
تھا کہ محض تین ماہ ڈاکٹر عبداللہ عزام شہید اور شیخ اسامہ شہید کی صحبت میں گزار
کر لوٹا، تو ''مالِ غنیمت'' کے طور پر ''عربی ادب'' لے آیا۔ وہ اٹھارہ برس کی عمر میں
وفاق المدارس سندھ

بلوچستان زون کا ناظم اعلیٰ منتخب ہوا۔ انیس برس کی عمر میں عربی مجلّے ''الفاروق'' کا نائب مدیر بنا۔ چوبیس برس کی عمر میں جامعہ فاروقیہ کراچی کے عربک ڈیپارٹمنٹ معہد اللغۃ العربیہ والدراسات الاسلامیہ '' کا سربراہ بنا اور محض اٹھائیس برس کی عمر میں '' پاکستان کی اسلامی علوم کی اس تیسری بڑی درسگاہ کی مسندِ حدیث تک جا پہنچا۔ وہ سفرناموں سے لے کر دقیق علمی موضوعات تک دو درجن سے زائد کتابوں کا مصنف بھی ہے۔ عربی ادب میں اس کا مقام اس کی بین الاقوامی شہرت کا سبب ہے۔ وہ مولانا سید ابوالحسن علی ندوی نوراللہ مرقدہ کے بعد غالباً واحد عجمی ایشیائی ہے، جسے عربی ادب میں گراں قدر خدمات کے اعتراف میں لبنان سے ایوارڈ ملا ہے، جبکہ عرب دنیا سے ملنے والے دیگر اعزازات اس کے علاوہ ہیں۔ وہ ہر ماہ ''ریڈیو ٹیکساس'' پر دو گھنٹے براہ راست اصلاحی و علمی خطاب بھی کرتا ہے، غرضیکہ اس نے '' لڑکے '' سے اپنی ذات میں ایک ''انجمن '' تک کا سفر حیران کن سرعت سے طے کیا ہے۔ میں بائیس برس قبل جسے ''یا اَکا'' (اے لڑکے۔ تب میری عمر سولہ جبکہ اس کی چودہ برس تھی) کہہ کر پکارتا تھا۔ آج اسے ''ولی مکرم '' سے مخاطب کرتا ہوں جبکہ باقی دنیا انہیں حضرت شیخ ولی خان المظفر کے نام سے جانتی ہے۔

ولی مکرم کی ایک تازہ کتاب ''مکالمہ بین المذاہب '' یونس عالم کے توسط سے مجھ تک پہنچی ہے۔ یہ کتاب تقابل ادیان کے موضوع پر ولی مکرم کے درسی

لیکچرز کا قلمی اسلوب ہے۔ تین سو پچھتّر صفحات کی یہ کتاب ادیان ومذاہب اور ان کے ذیلی فرقوں سے لے کر تاریخِ عالم کے مختلف موڑوں پر ظہور پذیر ہونے والے ہر نوع کے مذہبی وسیاسی نظریات وشخصیات کا ایک ایسا بھرپور احاطہ ہے کہ شاید ہی کوئی فرقہ ونظریہ اس کے دائرے سے باہر رہا ہو۔

اس کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔پہلا باب ادیان ومذاہب کے عنوان سے 165 صفحات پر مشتمل ہے، جس کے 175 ذیلی عنوانات ہیں۔ دوسرا باب فرق ومکاتب کے عنوان سے 85 صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جبکہ ذیلی عنوانات 102 ہیں۔ تیسرا باب افکار ونظریات کا عنوان رکھتا ہے، یہ باب 65 صفحات اور 88 ذیلی عنوانات پر مشتمل ہے۔اشتات و متفرقات کے عنوان سے قائم چوتھا باب 46 صفحات اور 54 ذیلی عنوانات کا احاطہ کرتا ہے۔ذیلی عنوانات کے بطور خاص تذکرے کی ضرورت اسلئے محسوس ہو رہی ہے کہ چند ایک کے سوا ہر عنوان کسی مذہب، فرقے، نظریئے یا شخصیت کا نام ہے، جس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ یہ کتاب اپنے موضوع پر احاطے کا کس قدر وسیع دامن رکھتی ہے۔

ولی مکرم کی اس کتاب کی ممتاز ترین خوبی ''فتوے بازی'' سے مکمل گریز ہے۔ ورنہ عصر حاضر کے مذہبی مصنفین اس نوع کے موضوع پر قلم اٹھائیں اور وہ چار لاکھ انسانوں کو دائرۂ اسلام سے خارج نہ کردیں، تو ان کی ''اسلامی خدمت

کی حس کو تشفی نصیب نہیں ہوتی۔ میں ہمیشہ سے اس تصور پر کاربند رہا ہوں کہ آپ ''ستھرائی کو بیان کر دیجئے، غلاظت خود بخود جدا ہو جائے گی، زبان اور ماحول کو پراگندہ کرنے کی کیا ضرورت؟ ولی مکرم اس کتاب میں یہی کرتے نظر آتے ہیں۔ وہ ہر مذہب نظریئے، فرقے اور شخصیت کا بس تعارف کراتے چلے جاتے ہیں اور وہ بھی جذباتیت، سے بالکل عاری، نہایت، شائستہ زبان میں، جوش وخروش اور بے مقصد تلاطم، جسے بالعموم ''غیرت اسلام'' کا عنوان دیا جاتا ہے اس کتاب کی کسی ایک سطر میں بھی نہیں پائے جاتے۔ ہر مذہب، فرقے یا نظریئے کی وہی باتیں تعارف میں بیان کی گئی ہیں جن کا ان کی جانب سے برملا اظہار ہوا ہے۔ مستشرقین کے حوالے سے ایک اقتباس سے اس کتاب کے مزاج کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

''تفسیر، حدیث، فقہ، لغت، ادب، منطق اور فلسفہ پر (مستشرقین کی جانب سے) نہایت قابل قدر کام کیا گیا، چونکہ مستشرقین بنیادی طور پر دھریہ، یہودی اور عیسائی عقائد کے حامل تھے، لہٰذا مذہبی بغض وعناد میں آکر ان سے جا بجا علمی خیانتوں کا دانستہ یا نادانستہ ارتکاب بھی ہو گیا''۔

اس اقتباس میں ''دانستہ یا نادانستہ'' کے الفاظ ولی مکرم کی کشادہ ظرفی کا بھرپور پتہ دیتے ہیں، ورنہ غور کیجئے ایک مسلم اسکالر کو ضرورت کیا پڑی تھی کہ وہ ''نادانستہ'' کی رعایت دے؟ روایتی قسم کے مصنفین اس قسم کے

تکلفات ''میں نہیں پڑا کرتے، مگر ولی مکرم کی خوبی یہی ہے کہ وہ بھیڑ چال کا شکار نہیں ہوتے اور یہی خوبی انہیں ہم عصروں میں ممتاز کرتی ہے۔

ولی مکرم کے یہ گراں قدر لیکچرز ہوا میں تحلیل ہوجاتے اگر بشیر احمد بن اظہار میاں پورے تعلیمی سال کے دوران انہیں ضبط تحریر میں لاکر محفوظ نہ کرلیتے، جبکہ ناصر بن ابی سعید نے حوالہ جات کی تخریج کا کٹھن کام کرکے کتاب کی ہر ہر سطر کو مقام ''مستند'' پر فائز کردیاہے۔

ان دونوں نوجوانوں کی یہ کاوش کسی احسان سے کم نہیں ہمارے ہاں مطالعہ کتب کا ذوق ہمیشہ سے کمزور چلاآیاہے، نوجوانوں نے توجیسے درسی کتب کے سوا مطالعے سے گریزاں رہنے کی قسم کھا رکھی ہے، ذوقِ مطالعہ یہاں بڑھاپے کا مشغلہ بن چکاہے، رہی سہی کسر انٹرنیٹ نے پوری کردی ہے حالانکہ مغرب میں انٹرنیٹ کتاب کے متبادل کی حیثیت اختیار کرنے میں آج بھی ناکام ہے، وہاں آج بھی مطالعۂ کتب پورے عروج پر ہے نہیں بھولنا چاہیئے کہ قوموں کی ترقی کی راہیں کتب کے اوراق سے پھوٹتی ہیں۔ذوقِ مطالعہ سے آشنا جو قارئین تقابل ادیان اور فرق و نظریات کے حوالے سے علمی تشنگی محسوس کرتے ہیں، ان کیلئے ولی مکرم کا چشمہ بے نظیر شے ہے!

عمرہ کا طریقہ

عمرہ کا احرام:

اپنے مقامی ائیر پورٹ سے عمرہ کا احرام باندھ کر دو رکعت نماز پڑھ یں، قبلہ رو بیٹھے سر کھول کر اسی جگہ درج ذیل طریقہ پر نیت کریں: "اَللّٰھم اِنّی اُرِیدُ العُمرَۃَ فَیَسّرِھا لِی وَتَقَبَّلھامِنّی" نیت کے بعد مرد بلند آواز سے اور عورت پست آواز سے یہ تلبیہ پڑھے:

"لَبَّیکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیکَ لَاشَرِیکَ لَکَ لَبَّیکَ ، اِنَّ الحَمدَ وَالنِّعمَۃَ لَکَ وَالمُلکَ، لَاشَرِیکَ لَکَ"

نیت کرنے اور تلبیہ کہنے کے ساتھ ہی آپ کا احرام شروع ہو گیا، عمرہ کے سلسلہ کا پہلا عمل یہ احرام ہے۔

مسجدِ حرام میں داخلہ:

مکہ مکرمہ میں اپنے مقام پر اسباب وغیرہ رکھنے کا بندوبست کر کے سب سے پہلے مسجدِ حرام میں حاضر ہونا چاہیے۔ تلبیہ پڑھتے ہوئے نہایت خشوع وخضوع کیساتھ دربارِ الٰہی کی عظمت وجلال کا لحاظ کرتے ہوئے مسجدِ حرام میں دعا پڑھ کر داخل ہوں، کعبۃ اللہ پر پڑنے والی پہلی نظر دعا کی قبولیت کی گھڑی ہوتی ہے، لہٰذا جونہی نظر پڑے تو جی بھر کر بصد آداب وشکر اپنی خوش قسمتی پر نازاں، نہایت عجز و نیاز سے دین ودنیا کی ساری جائز اور نیک خواہشات کی دعا کیجئے۔

عمرہ میں کل چار کام کرنے ہوتے ہیں

1_ احرام۔

2_ طواف کرنا (یہ رکن اور فرض ہے)

3_ عمرہ میں سعی کرنا (یہ واجب ہے)

4_ بال کٹوانا یا منڈوانا (یہ بھی واجب ہے)

طواف:

طواف کے معنی بیت اللہ کے چاروں طرف ایک خاص طریقے سے سات چکر یعنی سات مرتبہ گھومنا ہے، طواف کی ابتداء حجرِ اسود سے ہوتی ہے، اس لیے کعبۃ اللہ کے جس کونہ میں حجرِ اسود لگا ہوا ہے، حکومت سعودیہ نے اس جانب کالے پتھر کی ایک لمبی لکیر بنادی ہے اس طرف پہنچنے کی کوشش کریں لکیر کے قریب پہونچ جائیں، تو لکیر سے آدھا فٹ قبل بائیں طرف بیت اللہ کی جانب منھ کرکے کھڑے ہوجائیں، اس کے بعد اضطباع کریں یعنی داہنے کندھے کے نیچے سے چادر نکال کر بائیں کندھے پر ڈال دیں، اس کے بعد طواف کی نیت کریں، اور یہ بات یاد رکھیں کہ طواف میں نیت فرض ہے، بغیر نیت کے طواف ادا نہیں ہوگا، نیت کے الفاظ یہ ہیں: ''اَللّٰھُمَّ اِنِّی اُرِیْدُ طَوافَ بَیْتِکَ الْحَرَامِ، سَبْعَۃَ اَشْوَاطٍ لِلّٰہِ تعالٰی، فَیَسِّرہ لی، وَتَقَبَّلْہُ مِنِّی''۔ اب دائیں طرف پھریں تاکہ آپ کے پاؤں کالی لکیر پر آجائیں اور حجرِ اسود ٹھیک سے آپ کے سامنے

ہو جائے اس کے بعد یہ دعا پڑھیں: ''بِسمِ اللهِ، اللهُ اَکبر، وَلِلہِ الحَمد'' مذکورہ دعا کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائیں جس طرح نماز میں کانوں تک اٹھاتے ہیں پھر چھوڑ دیں اور حجرِ اسود کو استلام یا بوسہ دیکر داہنی طرف گھوم کر طواف شروع کریں، مرد پہلے تین چکروں میں رَمَل کرے یعنی تیزی کے ساتھ چلے، قدم زور سے اٹھائے، قدم نزدیک نزدیک رکھتے ہوئے مونڈھوں کو پہلوانوں کی طرح خوب ہلاتا ہوا چلے، اور مابقیہ چار چکر اپنی نارمل رفتار سے پورے کرے۔ آپ کو بیت اللہ کے گرد گھوم کے سات چکر پورے کرنے ہیں، ہر چکر حجرِ اسود والے کونے سے شروع ہوگا اور وہیں پہ آکر پورا ہوگا، ہر چکر پورا ہونے پر آپ کو ''بِسمِ اللهِ، اللهُ اَکبر، وَلِلہِ الحَمد'' پڑھ کر حجرِ اسود کو بوسہ یا استلام کرکے نیا چکر شروع کرنا ہے اور جب جب رکن یمانی پر پہونچیں تو اس کو دونوں ہاتھ یا صرف دائیں ہاتھ سے چھولینا سنت ہے، اس کو بوسہ دینا خلافِ سنت ہے، اگر رکنِ یمانی پر ہاتھ لگانے کا موقع نہ ملے، تو بغیر ہاتھ لگائے گذر جائیں، اس طرح جب سات چکر پورے کرکے ساتویں چکر کے اختتام پر حجرِ اسود کو بوسہ دینگے تو یہ اس طواف کا آٹھواں بوسہ ہوگا، ایک بوسہ وہ جو طواف شروع کرتے وقت لیا تھا اور سات بوسے سات چکروں کے اس طرح مجموعی آٹھ بوسے ہونگے۔

دورانِ طواف کوئی خاص دعا کرنا ضروری نہیں، عربی میں کوئی دعا یاد نہ ہو تو

اپنی مادری زبان میں بھی دعا کر سکتے ہیں۔ مگر اچھا یہ کہ کم از کم درج ذیل دو دعائیں ضرور یاد فرمالیں۔

1_ سُبحَانَ اللہِ، وَالحَمدُ لِلہِ، وَلَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ، وَاللہُ اَکبر، وَلَاحَولَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللہِ العَلِی العَظِیم۔

2_ رَبَّنَا اٰتِنَا فِی الدُّنیَا حَسَنَۃً وَّفِی الاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّقِنَا عَذَابَ النَّار۔

ساتوں چکروں میں حجرِ اسود سے رکنِ یمانی کے درمیان پہلے نمبر کی دعا اور رکنیمانی سے حجرِ اسود کے درمیان دوسرے نمبر کی دعا پڑھتے رہیں۔

دوگانہ طواف:

طواف کے بعد طواف کی دو رکعت نماز مقام ابراہیم کے پیچھے یا اس کے آس پاس جہاں بھی جگہ مل جائے پڑھ لیں۔ نماز اور دعا سے فارغ ہو کر اگر ممکن ہو تو ملتزم پر جائیں، اگر ملتزم سے چمٹنے کا موقع نہ مل سکے تو حرم میں کہیں سے بھی ملتزم کی جانب منہ کرکے اس پر نظریں جما کر دعا کریجیے۔

زمزم کا پانی پینا:

دعا کرکے زمزم شریف پر آیئے اور قبلہ رو ہو کر بسم اللہ پڑھ کے تین سانس میں

:خوب سیر ہو کر آبِ زمزم پی جیئے۔ زمزم پی کر الحَمدُ لِلہ کہہ کر یہ دعا پڑھیں
"اللھم اِنّی اَسئلکَ عِلماً نافِعاً، وَرِزقاً وَاسِعاً، وَشِفاءً مِن کُلِّ داء۔"

:صفا مروہ کے درمیان سعیہ

صفا اور مروہ کے درمیان مخصوص طریقہ پر سات چکر لگانے کو سعی کہتے ہیں، حج اور عمرہ کرنے والے پر سعی کرنا واجب ہے۔ حجر اسود کی نشانی والی کالی پٹی والی جگہ کی سیدھ میں چلیں، اسی جانب صفا پہاڑی کا مقام ہے اور وہاں عربی اور انگلش میں الصفا کا بورڈ لگاہواہے وہاں سے تھوڑا آگے بڑھنے کے بعد پہاڑ کی علامت شروع ہو جاتی ہے۔ اب
:دل میں سعی کی نیت کریں اور زبان سے اس طرح پڑھیں
اللھم اِنّی اُرِیدُ السَّعی بَینَ الصَّفا والمَروۃَ سَبعَۃَ اَشواطِ لِوَجہِكَ الکَرِیم فَیَسّرہ لی وتقبلہ "
مِنّی"۔

پھر دونوں ہاتھ اس طرح اٹھائیں جس طرح دعا میں اٹھائے جاتے ہیں اور خوب دعائیں مانگیں تقریباً پچیس آیات پڑھنے کی مقدار کھڑے رہ کر اپنی رفتار سے ذکر کرتے ہوئے

صفا مروہ کے درمیان سعی کا ایک منظر

دعامانگتے ہوئے مروہ پہاڑی کی طرف چلیں۔ صفا مروہ کے بیچ بھی دل کی گہرائیوں سے دعائیں مانگے۔ اور یہ دعا پڑھتے رہیں:

''رَبِّ اغفِر وَارحَم وَاَنتَ الاَعَزُّالاَکرَم''

صفا مروہ کے درمیان جب وہ جگہ آنے لگے جہاں دیوار میں سبز رنگ کے ستون لگائے ہوئے ہیں اور وہ جب قدر چھ ہاتھ کے دوری پر ہو تو درمیانی چال سے دوڑنا شروع کریں۔ اور دوسرے سبز ستونوں کے بعد بھی چھ ہاتھ تک دوڑیں، پھر اپنی چال چلنے لگیں، آگے مروہ پہاڑی آیگی اسپر چڑھیں اور بیت اللہ کی جانب رخ کرکے کھڑے ہو کر جس طرح صفا پہاڑی پر ذکر وشکر اور دعائیں کی تھیں اسی طرح یہاں بھی کریں، اب آپ کا ایک چکر مکمل ہوگیا، اس کے بعد مروہ سے صفا، یہ آپ کا دوسرا چکر ختم ہوا، بس اسی طرح آپ کو سات چکر مکمل کرنے ہیں۔ ساتواں چکر مروہ پہاڑی پر ختم ہوگا۔

)اِنَ الصفا والمَروۃَ مِن شَعائرِاللہِ(

بالوں کا حلق یا قصر:

عمرہ کے تمام اعمال پورے ہوگئے اس لئے مسجد سے باہر نکل کر سر کے بالوں کا حلق یا قصر کروائیں، اب آپ کا عمرہ پورا ہوگیا اور آپ کا احرام بھی ختم ہوگیا،

اب احرام کی کوئی پابندی آپ پر نہیں رہی۔

عربی زبان وادب کے متعلق روزنامہ امت سے گفتگو

پینل: عظمت علی رحمانی، علی احمد صدیقی

”شیخ ولی خان المظفر جامعہ فاروقیہ کراچی کے فاضل ہیں اور سالہا سال سے جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے ہیں، استاذ حدیث، معهد اللغة العربية والدراسات الاسلامية کے مدیر اور تخصص فی الادب العربی کے نگران رہے، عربی زبان کے مایہ ناز ادیب وخطیب ہیں، لیکن اردو ادب کے ساتھ بھی گہرا لگاؤ ہے، پابندی سے آپ کے اردو کالم اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں، جبکہ عربی مضامین بھی عرب ممالک کے موقر اخبارات وجرائد میں چھپتے رہتے ہیں، مزید برآں الفاروق عربی رسالے کے ایڈیٹر اور صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان سماحة الامام الشیخ سلیم اللہ خان کے آپ پرسیکریٹری رہے ہیں، آپ اتحادامت اور گلوبل احترام انسانیت کے پرزور داعی ہیں، علمی، ادبی، رفاہی اور انتظامی میدانوں میں آپ کی قابل قدر خدمات ہیں، ابھی حال ہی میں ولڈ نبرگ انٹر نیشنل کالج اینڈ آرگنائزیشن اور ہیومن رائٹس انٹر نیشنل کونسل نے آپ کے نام کو دنیا کی 100 متاثر کن شخصیات میں شامل کیا، جو ہم سب پاکستانیوں، مسلمانوں اور بالخصوص طبقۂ علماء کے لئے باعثِ فخر ہے، یاد رہے، رابطہ عالم اسلامی

اور جمہوریہ لبنان کی طرف سے بین الاقوامی اعزازات کے بعد شیخ کو عالمی سطح کا ملنے والا یہ تیسرا عظیم الشان ایوارڈ ہے، یہاں آپ کے خیالات وافکار کی کچھ جھلکیاں نذرِ قارئین ہیں:''

☆ اپنے تعارف اور خاندانی پس منظر کے حوالے سے کچھ فرمایئے؟

ہمارا تعلق پٹھانوں کے یوسف زئی قبیلے کی ایک شاخ سے ہے۔

☆ ابتدائی تعلیم آپ نے کہاں سے حاصل کی ہے؟

زیادہ تر تعلیمی مراحل عالم اسلام کے عظیم علمی مرکز جامعہ فاروقیہ کراچی میں مکمل کئے

۔

☆ فراغت کے بعد آپنے درس وتدریس کو صوابدیدی طور پر اختیار کیا، یہ آپ کی مجبوری تھی یا شوق؟

کسی بھی میدان میں امت کے لیے مفید بننے کے لئے علمی پختگی ضروری ہے، درس وتدریس ہی ایک ایسا مشغلہ ہے، جس میں دینی علوم کی خدمت کے ساتھ ساتھ کسی بھی فاضل کی صلاحیتیں خوب اجاگر ہوتی ہیں اور علم میں گہرائی وگیرائی آجاتی ہے۔

☆ جامعہ فاروقیہ کو آپ نے کیوں منتخب کیا؟ اور یہاں پڑھاتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا؟

جامعہ فاروقیہ میری مادر علمی ہے اس سے میرا قلبی لگاؤ اور عقیدت مندانہ تعلق ہے، بانی جامعہ سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان کو میں اس زمانے

کا مجدد سمجھتا ہوں ۔آپ کے اس تجدیدی اور عالم گیر مزاج کے سبب جامعہ فاروقیہ شروع ہی سے مختلف شعبوں اور مختلف میدانوں میں کام کے لئے مشہور ہے ، میری افتادِ طبع میں بھی اس سے ہم آہنگی تھی اس لئے میں نے یہیں سے اپنے علمی زندگی کے آغاز کی خواہش ظاہر کی جسے نوعمری اور نالائقی کے باوجود میرے شیخ نے شرف قبولیت بخشا اور آج میں جو کچھ بھی ہوں جامعہ اور بانی جامعہ کی طفیل ہوں ۔

☆آپ نے بہت سارے فنون میں سے ادب عربی کو کیوں خاص طور پر چنا؟حالانکہ عموماً لوگ صرف ونحو اور تفسیر وفقہ وغیرہ کو لیتے ہیں ؟

دراصل ہمارے دینی مدارس جن کو کچھ ہی زمانہ پہلے عربی مدارس کہا جاتا تھا اور اب بھی وفاق المدارس العربیۃ میں (المدارس العربیۃ) کا ذکر واضح ہے، ان کا مقصدِ تاسیس ہی عربی زبان سیکھنا سکھانا ہے ،ظاہر ہے کسی بھی دوسری زبان کی طرح عربی بھی گرائمر (صرف ونحو)کے بغیر نہیں سیکھی جاسکتی ، سو صرف ونحو کی تعلیم ضروری ہوئی ، مگر ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ گرائمر کو مقصود بالذات سمجھ لیا جائے اور اسی پر اکتفا کیا جائے. مگر بدقسمتی سے ہمارے ہاں گذشتہ ایک عرصے سے ایسا ہی ہو رہا ہے ،حالانکہ دس بارہ سال عربی ہی عربی پڑھنے کے بعد آپ کو عربی پڑھنا لکھنا بولنا سب آنا چاہیے اور اس کے مختلف اسالیب ، باریکیوں ، فصحی اور عامیہ میں فرق اور دونوں پر عبور حاصل کرنا چاہیے ۔مجھے شروع ہی سے یہ بات محسوس ہوئی اور پھر میں اس کے درپے ہوا

توکچھ نہ کچھ کرگیا، میں نے ہمیشہ یہ بات شدت سے محسوس کی ہے کہ عالم دین کو، جدید علوم اور انگریزی تو نہیں آئی، چلیں خالص عربی علوم میں مشغول رہنے اور ماہر دینیات بننے کی خواہش کی بنا پر، مگر عربی نہ آنے کا تو اس کے پاس کوئی عذر اور جواز نہیں عرب ملکوں میں جانے والے عام لوگوں سے بھی ہم نے مولویوں پر عربی نہ آنے اور، نہ سمجھنے کا اعتراض بکثرت سنا ہے۔

☆ کیا اردو ادب کے ساتھ بھی دلچسپی رہی ہے ؟

ادب من حیث الادب کے طور پر تو ہم نے اردو نہیں پڑھی ، ہاں اردو زبان میں ادب تاریخ ، جغرافیا، سیاست ،افکار و نظریات اور شخصیات کے متعلق بہت پڑھا ہے ، مختلف، شعراء کو بھی پڑھا ہے ،اردو سے پاکستان میں مستغنی یا غافل رہنا تو ممکن بھی نہیں ہے۔

☆ ایک غیر عربی ملک میں آپ نے عربی پر عبور کیسے حاصل کیا، جبکہ یہاں اس کا ماحول بھی نہیں ہے اور اس کی طرف توجہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے ؟

ہمارے دینی مدارس کے قیام کا مقصد جب عربی زبان سیکھنا سکھانا ہے، تو پھر عربی پر عبور حاصل کرنا عجیب نہیں بالکل قرین قیاس ہے، بلکہ عربی میں یہاں مہارت حاصل نہ کرنے پر تعجب ہوتا ہے، ہاں چونکہ مدارس میں لینگویج پر توجہ نہیں دی جاتی اور لغوی اعتبار سے اس کی تعلیم قدرے خشک ہے ،اس لئے عربی میں مہارت حاصل کرنے کے لئے محنت بہت کرنی پڑتی ہے، میں نے ایک عرصے تک دیوانہ وار اس کے لئے محنت کی ہے، جس کا ثمرہ مجھے اللہ کے فضل سے مل گیا

ہے، ہمارے ہاں جامعہ فاروقیہ میں عرب اخبارات اور میگزین بھی بکثرت آتے ہیں، اس کا بھی ہمیں بہت فائدہ ہوا ہے۔

☆ عربی زبان کی ہمیں کیا ضرورت ہے؟

عربی زبان کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہونے کے ساتھ ساتھ یہ اتحاد بین الامت کا بھی بہترین ذریعہ ہے، جس کی بدولت آپ امت کے بکھرے شیرازے کو احسن طریقے سے یکٹ جا کر سکتے ہیں، پھر یہی نہیں بلکہ ہماری ثقافت، ہمارے مذہب اور تمام اسلامی علوم وفنون کا تو خزینہ ہی عربی زبان وادب کے ساتھ وابستہ ہے، اس لئے ان علوم سے واقفیت ہونے کے لئے بھی عربی زبان سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔

☆ کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ جامعہ فاروقیہ میں معہد اللغۃ العربیۃ اور تخصص فی الادب العربی کا قیام آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے؟

معہد اللغۃ العربیۃ کا قیام چونکہ ہمارے مدارس کے لئے ایک نیا اور جدید شعبہ تھا، اس لئے سماحۃ الشیخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے حکم سے حضرت مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب کی نگرانی میں کمیٹی بنادی گئی تھی، جس کے ارکان میں میرے علاوہ شیخ غلام اکبر غلام قادر، شیخ محمد عیاض علی محمد، شیخ اسلام الدین، شیخ حسین رشید، شیخ اسماعیل بلتی اور مولانا شفیق احمد خان بستوی تھے، ابتداء میں کچھ مشکلات تو پیش آئیں، لیکن الحمد للہ چند ہی برس بعد یہ شعبہ اپنی ترقی کی منازل طے کرنے لگا، جہاں تک تخصص فی الادب العربی

کا تعلق ہے اس کا قیام حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی خصوصی دلچسپی سے عمل میں آیا، پھر ہم نے معہد کی طرح اس کی کامیابی کے لئے بھی سر دھڑ کی بازی لگائی۔

☆ پاکستان کی قومی زبان قرار دادِ مقاصد اور دستورِ پاکستان میں عربی زبان کو قرار دیا گیا تھا، اس پر عمل کیوں نہیں ہوا؟

قیام پاکستان کے بعد اکابر علماء کرام اور دین دار طبقہ کی یہی خواہش اور کوشش رہی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی زبان عربی ہی ہونی چاہیے، لیکن بعض نادیدہ قوتیں ان کوششوں کو عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹ بنی رہی، جس کے نتیجے میں وہ خواہش اور کوشش بار آور ثابت نہ ہو سکی۔

☆ آپ عربی زبان کی ترویج واشاعت کو اپنا مشن قرار دیتے ہیں، یہ غیر معمولی اہمیت آپ اسے کیوں دیتے ہیں؟

عربی زبان کا اِحیاء ضروری ہے، ہمارے مسلم حکمرانوں، علماء، دانشوران اور دینی جامعات ویونیورسٹیز نے اگر عربی زبان کی ترویج واحیاء کے حوالے سنجیدہ محنت نہ کی تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ امت اپنے اسلاف کے علمی وروحانی ورثہ سے ہاتھ دھو بیٹھے گی، یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام ابن تیمیہؒ جیسے اساطین علم نے عربی زبان کے سیکھنے کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ احکام دینیہ کے اصل مآخذ تک پہنچنا ہی عربی زبان کے سیکھنے پر موقوف ہے۔

☆ دینی مدارس میں عربی زبان میں درس وتدریس کیا اس کے لئے معاون ثابت نہیں ہوگی یا ایسا ممکن نہیں ؟

الحمد للہ دینی مدارس میں اس حوالے سے رجحان پایا جارہا ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ تعلیمی زبان عربی بنانے کے لئے مدرسین کی وہ مقدار موجود نہیں جس کی اس حوالے سے انہیں ضرورت ہے۔

☆ کونسے ایسے موانع اور اسباب ہیں جو علماء اور عوام کو روک رہے ہیں؟

موانع اور اسباب تو یہاں میرے خیال میں کچھ نہیں ہیں، کیونکہ بنیادی چیز اس معاملے میں عربی گرائمر سے واقفیت ہونی چاہیے، جس سے الحمد للہ علماء وطلباء کی ایک بڑی تعداد واقف ہے، کوتاہی اگر رہتی ہے تو وہ صرف اس گرائمر کی عملی مشق کی ہے، یعنی عربی زبان میں تکلم، اگر تکلم کی حدتک عربی زبان کو توجہ دیجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک حدتک کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

☆ جناب وفاق المدارس العربیہ پاکستان والے یہ اقدام کیوں نہیں کرتے ، وہ مدرسے میں امتحانی پرچہ جات کو عربی میں حل کرنے کو لازم قرار دیں ؟

وفاق المدارس والوں کی شروع سے یہ خواہش رہی ہے کہ امتحانی پرچہ جات عربی ہی میں حل کئے جائیں ،چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا ہرپرچہ پر یہ نوٹ لکھا ہوا موجود ہوتا ہے : عربی میں پرچہ حل کرنے والا طالب علم اضافی دس نمبر کا مستحق ہوگا۔

☆ کہا جاتا ہے کہ عربی زبان دنیا کی واحد زبان ہے ،جو مسلمانوں کو ایک صف

میں جمع کر سکتی ہے، کیا آپ اس سے متفق ہیں ؟

سو فیصد۔ عربی زبان اس حیثیت سے ایک قوم کو نہیں بلکہ کئی اقوام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر سکتی ہے کہ ان اقوام کے خیالات وافکار اور جذبات کی ترجمانی عربی ہی کے ذریعے ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ عربی زبان آسمانی تعلیمات کی زبان ہونے کے ناطے کسی نہ کسی حد تک دنیا کی ہر قوم کے لئے جانی پہچانی اور مقدس ہے، اسی کے سبب اسے بقاء ودوام بھی ملا ہے، لہذا دنیا کی مختلف برادریاں اس کی بدولت ایک صف میں متحد ہو سکتی ہیں۔

☆ کیا پاکستانی قوم کے اتحاد واتفاق کے لئے بھی عربی زبان سبب بن سکتی ہے ؟

جی ہاں ! پاکستانی قوم اگر لسانی تعصب اور مغرب کے تاثر سے بالاتر ہو کر دین اسلام ہی کی زبان پر متفق و متحد ہو جائے، تو میں سمجھتا ہوں کہ اس قوم کی تقدیر ضرور بدل سکتی ہے۔

☆ آپ کی خواہش ہے کہ پاکستان کا ہر نوجوان عربی زبان بولنے والا بنے ؟

جی ہاں !تاکہ اسلاف کی جس میراث کو ہم نے ثریا سے زمین پر دے مارا ہے، اسے ہم پھر وہیں پہنچادیں اور وہ ہمیں پہنچادے۔

☆ عربی زبان سے رشتہ جوڑنے سے آپ سمجھتے ہیں ہمارا کلچر بھی بدل جائیگا ؟

چونکہ کسی بھی زبان کے سیکھنے اور اس میں دلچسپی کے نتیجے میں اس زبان کے

کلچر کی طرف بھی رغبت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ہماری خواہش اور کوشش یہ ہے کہ پاکستانی قوم بھی عربی کے نتیجے میں عرب کے اسلامی کلچر کو اپنا لے، یوں وہ مغربی کلچر سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔

☆ پاکستان اور عرب ممالک کے درمیان رابطے میں آپ کے خیال میں عربی زبان کوئی کردار ادا کر سکتی ہے؟

یہ تو اظہر من الشمس ہے ہی، اس کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ اس حوالے سے یہ ہوگا کہ قوم اسلام کی اصل روح سے بخوبی واقف ہو جائی گی، نیز جس افتراق نے ہمارے درمیان جنم لے کر ہمیں آپس میں دست و گریبان کر کے رکھ دیا ہے، جس کے نتیجے میں اغیار ہم پر ہنستے ہیں وہ افتراق کسی حد تک ختم ہو سکتا ہے۔

☆ آپ رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ

ریاض) کے رکن ہیں اس حوالے سے آپ کے کیا اہداف ہیں؟)

پاکستان اور عرب ممالک کے درمیان بُعد کی بنیادی وجہ دونوں اطراف کے علماء کرام کے درمیان رابطے کا نہ ہونا ہے، اس حوالے سے علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو مدعو کر کے اور اعلیٰ سطح پر تعارفی دورے کروا کے دونوں طرف موجود خلیج میں پل کا کردار ادا کریں، عربی زبان اس میں بہترین مددگار ثابت ہو گی، ہم حتی الوسع اس کوشش میں ہیں کہ پوری امت ایک کلمۂ توحید پر متفق ہو کر آپس میں بھائی چارگی قائم کر کے تعاون علی البر والتقوی کا عملی نمونہ پیش کریں۔

☆آپ نے اس حوالے سے اس کے لئے کوئی حکمت عملی بنائی ہے ؟

ہمارے بعض دوستوں نے مختلف اکیڈ میز اور مجامع کا منصوبہ بنایا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطافرمائے اور پوری انسانیت کے لئے بھلائی کا ذریعہ بنائے۔

☆آخری سوال، ادیان عالم وفرق مختلفہ پر آپ کی گہری نظر ہے،اس حوالے سے آپ کی کیا خدمات ہیں ؟

ہمارے ہاں جامعہ میں ہر سال یہودیت ، عیسائیت وغیرہ کے متعلق بعض لیکچرز ہمارے حوالے تھے ، اس کے علاوہ ہماری ایک کتاب (مکالمہ بین المذاہب)کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے، جس کی علمی طبقوں میں کافی پذیرائی ہوئی ہے اور چند سال قبل عربی زبان میں (اللامذہبیۃ۔۔۔ خیانات وافتراءات) بعض سلفی حضرات کے اعتراضات کے جواب میں چھپی ہے۔

اسم اعظم

رمضان المبارک کی یہ بابرکت ساعات اور گھڑیاں انتہائی قیمتی ہیں ، ان میں عبادت ،ریاضت ، صدقہ وخیرات ، تراویح وقیام اللیل ،تلاوت وذکر واذکار ، اور سحری وافطاری کا بطور عبادت اہتمام تو سب ہی کو کرنا چاہیئے ،اور عموماً اہل اسلام دنیا بھر میں مذکورہ اعمال ان ایامِ سعادت میں ذوق وشوق سے بجالاتے بھی رہتے ہیں ، لیکن ان سب میں اجروثواب اور دنیوی واخروی ، ظاہری وباطنی ، نیز جسمانی وروحانی طور پر جو قیمتی ترین مفید ترین اور آسان ترین عمل ہے ، وہ ''دعاء'' ہے ،آپ ﷺ نے فرمایا: دعاء عبادات کا مغز ہے ،کلام اللہ میں باری تعالی نے متعدد مواقع پر فرمایا : میرے بندوں کو بتادیجئے ، میں ان کے قریب ہی ہوں ، دعاء مانگنے والے کی دعاء قبول کرتاہوں ، جب وہ مجھے پکار کرتے ہیں ، اور فرمایا : مجھے پکارو، میں تمھاری دعا قبول کرونگا۔قرآن کریم میں یہ بھی ہے: نوح نے ہمیں پکارا، توہم نے بہت اچھے انداز میں ان کی دعاء قبول کی ۔ حضرت یونس علیہ السلام نے جب مچھلی کے پیٹ اور تہِ بہ تہ تاریکیوں میں اپنے رب کے سامنے اپنی عاجزی اور ان کی پاکی بیان کرتے ہوئے ان الفاظ '' لَا اِلٰہَ اِلّا أنْتَ سُبْحَانَکَ اِنّی کُنْتُ مِنَ الظّالمِیْنَ '' سے دعاء کی ، تو اللہ تعالی

نے اسے غم سے نجات دی، بطن حوت سے نکال کر ساحل سمندر پر ڈال دیا اور ساتھ ہی ان کے لئے وہاں خورد ونوش کا بھی فوری فوری انتظام فرمایا۔ حضرت ایوب علیہ السلام کی بیماری کا واقعہ بہت مشہور ہے، انہوں نے جب اپنے رب کو "رَبِّ اَنِّی مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ" کے توسط سے پکارا، اللہ تعالی نے ان کو شفاوعافیت اور ہر قسم کی نعمتوں سے نوازا، یہاں تک کہ ان پر سونے کی بارش کردی، حضرت ابرھیم علیہ السلام کے لئے دعاء کے ذریعے آگ سلامتی والی ہو گئی۔

بہر حال قرآن وحدیث اور دیگر کتب سماویہ میں دعاء کی اہمیت، اس کے آداب، اس کے مواقع، اس کے الفاظ اور صیغے بکثرت وارد ہیں۔ ماہِ صیام کے ان مبارک اوقات، خاص کر مغفرت کے اس عشرے اور بعد میں عشرۂ لیلۃ القدر میں خود نیٹ وغیرہ سے دعا کے وہ الفاظ اور اسم اعظم تلاش کرکے یا پھر اپنے متعلقہ لوگوں میں سے اہل دل واصحاب بصیرت سے رجوع کرکے اس عظیم ترین عبادت کے ذریعے سے اپنے خالق ومالک اور رازق کو منایئے، اور ان سے اپنے آپ کو بھی منوایئے۔

اب آیئے ہم آپ کو بتائے دیتے ہیں کہ ان الفاظ اور صیغوں میں اسم اعظم کہاں کہاں ہے، بسم اللہ، سورۃ الفاتحہ، آیۃ الکرسی، اور سورۂ اخلاص میں جو الفاظ یا اسمائے الٰہی وارد ہوئے ہیں، ان کے متعلق اکثر محققین نے صراحت کی ہے کہ ان میں اللہ تعالی کا وہ اسم اعظم ہے، جس کے ذریعے کوئی بھی دعاء کی جائے

اس کی قبولیت واجابت ضرور ہوتی ہے، نیزایک کامیاب طریقہ یہ ہے کہ مصحف، شریف کے شروع وآخر میں اسماء اللہ الحسنی مطبوعہ ہوتے ہیں اگر کسی کو اللہ تعالی کے نام یاد نہ ہوں، تو وہاں سے دیکھ کرپڑھا کریں، یوں جب وہ تمام اسماء الٰہیہ پڑھ کر ۹۹ دعاء کرے گا توظاہر سی بات ہے کہ اللہ کا اسم اعظم ان ہی میں سے ہوگا، گویا اسی کے ذریعے دعاء کی گئی، سورہ حج کی رکوع نمبر ۸ اور سورہ حشر کے رکوع نمبر ۲ کے متعلق بھی بعض مشائخ نے کہاہے کہ اس میں حق سبحانہ وتعالی کا اسم اعظم ہے۔

حضرت اسماء بنت یزید کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی کا اسم اعظم "والٰھکم الہ واحد، لاالہ الا ھو الرحمٰن الرحیم" اور "الم اللہ لا الہ الا ھو الحی القیوم" میں ہے۔ انسانوں کے ہر ہر نام کے مطابق اسم اعظم الگ الگ نکالنے کا بھی ایک معروف طریقہ ہے، جو تکمیل حوائج وضروریات میں نسخۂ اکسیر ہے۔

حضرت ابو ھریرہ آپ ﷺ سے روایت کرتے ہیں: والد، مظلوم اور مسافر کی دعائیں بلاشک وشبہ قبول ہوتی ہیں۔ایک اور روایت میں ہے کہ مجاہدین کی صف آرائی، بارش برسنے اور فرض نمازوں کی جماعت قائم ہونے کے وقت آسمان کے دروازے کھلتے ہیں۔ لہٰذا ان اوقات میں دعاء کا اہتمام کیاجائے، نیز رات کے آخری پہر اور تنھائی و خلوت میں اللہ تعالی سے جو راز ونیاز ہو،اس کی قبولیت کے متعلق

وافر روایات ہیں ، حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے،آپ ﷺ نے فرمایا: دعایا تو فوراً قبول ہوجاتی ہے، یا آخرت کے لئے بطور اجر وثواب کے ذخیرہ کردی جاتی ہے، یا دعاؤں کے ذریعے اللہ تعالی کسی آنے والی مصیبت، تکلیف اور بلا کو ٹلا دیتے ہیں۔

دعاء میں سب سے پہلے اللہ کی تعظیم ،کبریائی اور پاکی بیان کی جائے، اپنی عبدیت کا کھل کر اعتراف کیا جائے، پھر آپ ﷺ پر درود شریف پھر اپنی حاجت اور ضرورت کے لئے دعاء کی جائے، اس میں جمیع مؤمنین ومومنات، مسلمین ومسلمات کو شامل کرنے سے اللہ تعالی کی رحمت جوش میں آتی ہے، آخر میں پھر اسی طرح باری تعالی کی تمجید، تحمید اور تسبیح اور جناب نبی کریم ﷺ پر صلاۃ وسلام۔ وصلی اللہ علی النبی الامی وآلہ وصحبہ وسلم۔

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
ا: روزہ دار کا سونا عبادت ہے اور اسکا خاموش رہنا تسبیح ہے۔ (یعنی روزہ دار اگر خاموش رہے، تو اسے تسبیح پڑھنے کا ثواب ملتاہے) اور اسکا عمل (ثواب میں) بڑھتا جاتا ہے۔ (یعنی اس کے اعمال کا ثواب بہ نسبت اور دنوں کے ان مبارک دنوں میں زیادہ ہوتا ہے) اور اسکی دعا مقبول ہے۔ (یعنی روزے کی حالت کو قبولیت دعا میں خاص دخل ہے) اور اسکے گناہ بخش دئے جاتے ہیں۔ (یعنی گناہ صغیرہ معاف ہوجاتے ہیں)۔
۲: روزہ ڈھال ہے اور مضبوط قلعہ ہے دوزخ سے بچانے کے لئے۔ (یعنی جس طرح ڈھال اور مضبوط قلعہ سے انسان دشمن سے بچتاہے اسی طرح روزے کے ذریعہ سے دوزخ سے نجات حاصل ہوتی ہے)۔
۳: روزہ ڈھال ہے جب تک اسے نہ پھاڑا جائے۔ (یعنی برباد نہ کرے روزہ دار) اس کو جھوٹ اور غیبت سے۔ (یعنی روزہ ڈھال کا کام دیتاہے، جبکہ اسکو گناہوں سے محفوظ رکھے اور اگر روزہ رکھا اور غیبت اور جھوٹ وغیرہ گناہوں سے باز نہ

آئے ، تو گو فرض ادا ہو جائیگا اور روزے کی جو برکت حاصل ہوتی اس سے محرومی ہو گی)۔

۴: روزہ ڈھال ہے دوزخ سے ، سو جو شخص صبح کرے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہو، پس نہ جہالت کرے ، اس روز جب کوئی آدمی اس سے جہالت سے پیش آوے ، تو اسے بدلہ میں) برا نہ کہے اور اس سے بری گفتگو نہ کرے اور چاہیئے کہدے، میں روزہ) دار ہوں اور قسم اس ذات کی ، جسکے قبضہ میں محمد ﷺ کی جان ہے، بیشک جو بدبو روزہ دار کے منہ سے آتی ہے، وہ زیادہ محبوب ہے، خدا کے یہاں مشک سے بھی۔

۵: روزے دار کو ہر افطار کے وقت ایک ایسی دعا کی اجازت ہوتی ہے جس کے قبول کرنے کا خاص وعدہ ہے۔

۶: جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو آدمیوں سے فرمایا کہ تم روزہ رکھو، اسلئے کہ روزہ ڈھال ہے دوزخ سے بچنے کے لئے اور زمانہ کی مصیبتوں سے بچنے کے لئے یعنی روزہ کی برکت سے دوزخ اور مصائب و تکالیف سے نجات ملتی ہے)۔)۔

۷: تین ایسے آدمی ہیں کہ ان سے کھانے کا حساب (قیامت میں) نہ ہو گا ، جو کچھ بھی کھاویں، جب وہ کھانا حلال ہو، (اور وہ) روزہ دار ہے اور سحری کھانے

والا اور مجاہد خدا تعالی کے راستہ میں، (یعنی جو اسلام کی سرحد میں مقیم ہوا اور کافروں سے ملک اسلام کی حفاظت کرے، یہاں سے بہت بڑی رعایت روزہ دار کی اور سحری کھانیوالے کی اور مجاہد اسلام کی ثابت ہوئی، کہ ان سے کھانے کا حساب ہی معاف کردیا گیا)۔

۸ : جو روزہ دار کو روزہ افطار کرائے، تو اس (روزہ افطار کرانے والے) کو اس روزہ والے کے ثواب کے برابر ثواب ملے گا بغیر اس بات کے کہ روزہ دار کا کچھ ثوب کم ہو، کروزہ دار کا ثواب کچھ کم نہ ہوگا، بلکہ حق تعالی اپنے فضل و کرم سے اپنی طرف سے) روزہ افطار کرانے والے کو اس روزہ دار کے برابر ثواب مرحمت فرمائیں گے)، اگرچہ کسی معمولی ہی کھانے سے روزہ افطار کراوے، گو پانی ہی ہو۔

۹: بیشک اللہ تعالی نے (ثواب) مقرر کیا ہے بنی آدم کی نیکیوں کا دس گنے سے سات سو گنے تک، فرماتا ہے اللہ تعالی مگر روزہ (یعنی روزہ میں سات سو کی حد نہیں ہے) اور روزہ خاص میرے لئے ہے اور میں ہی اسکی جزا دونگا (اس سے روزہ کے ثواب کی عظمت کا اندازہ کرنا چاہیئے، کہ جس کا حساب ہی نہیں معلوم، کہ وہ ثواب کس قدر ہے اور خود حق تعالی اسکو عطا فرمائیں گے، اور اسکا بندوبست ملائکہ کے ذریعہ سے نہ ہوگا، سبحان اللہ کیا قدر دانی ہے حق تعالی کی تھوڑی سی محنت پر کس قدر عوض مرحمت فرماتے ہیں۔ اور بیشک روزہ دار کے لئے دو خوشیاں

ہیں۔ ایک خوشی جب ہوتی ہے جبکہ روزہ افطار کرتا ہے اور دوسری خوشی قیامت کو ہوگی خدائے تعالی سے ملنے کے وقت جیساکہ بعض احادیث میں تصریح بھی آئی ہے)۔)

جب رمضان مبارک کی پہلی رات ہوتی ہے، کھولدئے جاتے ہیں دروازے آسمان : ۱۰ کے اور ان دروازوں میں سے کوئی دروازہ رمضان کی آخر رات آنے تک بھی بند نہیں کیا جاتا ،اور ایسا کوئی مسلمان نہیں ہے ،کہ نماز پڑھے کسی رات میں رمضان کی راتوں میں سے، مگر لکھے گا اللہ تعالی اس کے لئے ڈھائی ہزار نیکیاں عوض ہر رکعت کے، (یعنی ایک رکعت کے عوض ڈھائی ہزار نیکیوں کا ثواب لکھاجاتاہے) اور بنادیگا اس کے لئے ایک مکان جنت میں سرخ یاقوت سے ،جس کے ساٹھ دروازے ہونگے اور ہر دروازے کے لئے ایک سونے کا محل ہوگا، جو آراستہ ہوگا سرخ یاقوت سے پھر جب روزہ دار) روزہ رکھتاہے رمضان کے پہلے دن کا، تو اسکے گناہ معاف کردیئے جاتے) ہیں جو رمضان (گذشتہ) کی اس تاریخ تک کے ہیں ۔ پچھلے رمضان کی پہلی تاریخ تک اور مغفرت طلب کرتے ہیں اس کے لئے روزمرّہ ستّر ہزار فرشتے صبح کی نماز سے آفتاب چھپ جانے تک اور رہلیگا اسکو بدلے میں ہر رکعت کے جسکوپڑھتاہے رمضان کے مہینہ میں رات میں یادن میں ایک درخت (جنت میں) ایسا جس کے سایہ میں سوار پانچ برس چل سکتاہے ۔ (کس قدر بڑی فضیلت ہے روزے کی۔ مسلمانو! کبھی قضانہ ہونے دو ،بلکہ ہمت ہو تو نفل روزوں

سے بھی مشرف ہولیا کرو اور اللہ تعالی سے پوری طور پر محبت کرو، جس نے اسقدر رحمت سے کام لیا کہ معمولی محنت میں اسقدر ثواب مرحمت فرمایا، کم سے کم اپنے مطلب ہی کیلئے کہ جنت میں بڑی بڑی نعمتیں ملیں گی تو خدا کو اپنا محبوب بنالو)۔

۱۱ : بیشک جنّت سجائی جاتی ہے ابتدائے سال سے آخر سال تک رمضان کے مہینے کیلئے اور بیشک حوریں بڑی بڑی آنکھوں والی بناؤ سنگار کرتی ہیں ابتدائے سال سے آخر سال تک رمضان کے روزہ داروں کے لئے پس جب رمضان آتا ہے جنت کہتی ہے، اے اللہ میرے اندر داخل کردے اس مہینہ میں اپنے بندوں کو (یعنی حکم فرما دیجئے کہ قیامت کو میرے اندر داخل ہوں) اور بڑی بڑی آنکھوں والی حوریں کہتی ہیں، اے اللہ مقرر فرمادے ہمارے لئے اس مہینہ میں خاوند اپنے بندوں میں سے، سو جس شخص نے نہ لگا ئی اس مہینہ میں کسی مسلمان کو تہمت اور نہ پی اس مہینہ میں کوئی نشہ لانیوالی چیز مٹادیگا حق تعالی اس کے سال بھر کے گناہ۔

۱۲ : جب تم میں سے کسی کے سامنے کھانا قریب کیا جائے اس حال میں کہ وہ روزہ دار ہو (یعنی روزہ افطار کرنے کے لئے کوئی چیز اسکے پاس رکھی جائے) تو چاہیئے کہ کہے یعنی افطار سے پہلے یہ دعا پڑھے) بسم اللہ والحمد للہ اللھم لک)

صمت وعلی رزقک افطرت وعلیک توکلت سبحانک وبحمدک تقبل منی انک انت السمیع العلیم
۔

۱۳ : جب تم میں سے کوئی روزہ افطار کرے تو مناسب ہے کہ چھوہارے سے افطار کرے ،اسلئے کہ وہ برکت ہے ۔ پھر اگر نہ پاوے چھوہارہ تو مناسب ہے کہ افطار کرے پانی سے اسلئے کہ تحقیق وہ پاک کرنے والی چیز ہے، (بعض احادیث مین پانی ملے ہوئے دودھ سے افطار کرنیکا بھی حکم وارد ہوا ہے)۔

۱۴ : جس نے روزے رکھے چالیس دن اس حال میں کہ وہ نہیں طلب کرتا ہے اس (روزہ رکھنے) سے مگر خدا کی رضامندی ،تو نہ مانگے گا وہ اللہ سے کچھ، مگر دیگا اللہ اسکو وہ چیز۔

۱۵ : جس نے روزہ رکھا،ہر محترم مہینہ میں جمعرات اور جمعہ اور سنیچر کو،لکھے گا اللہ تعالی اس کے لئے سات سو برس کی عبادت (یعنی سات سو برس کی عبادت کا ثواب اس کے لئے لکھا جاتا ہے ۔مگر دسویں ۔گیارہویں ۔بارھویں ۔ تیرہویں ذدلاحجہ کو روزہ رکھنا منع ہے) ۔

۱۶ : جس نے روزہ رکھا تین دن کسی محرم (رجب، شوال،ذوالقعدہ ،ذوالحجہ) مہینے

میں جمعرات اور جمعہ اور سنیچر کے دن لکھے گا حق تعالی اس کے لئے دو سال کی عبادت
یعنی اللہ تعالی اسکو دو سال کی عبادت کا ثواب ان تین روزوں کے عوض قیامت کے
دن مرحمت فرمائینگے اور اس وقت یہ ثواب نامۂ اعمال میں لکھ لیا جاوے گا)۔

عربی زبان وادب کے متعلق روزنامۂ اسلام سے گفتگو
پینل: زبیر احمد ظہیر، منیر فاروقی، ابنِ شہزاد حقانی

’’مولانا ولی خان المظفر صاحب جامعہ فاروقیہ کے فاضل ہیں اور سالہا سال سے جامعہ میں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں، آپ استاذ حدیث، معہد اللغۃ العربیۃ والدراسات الاسلامیۃ کے مدیر اور تخصص فی الادب العربی کے نگران ہیں، آپ عربی زبان کے مایہ ناز ادیب ہیں، لیکن اردو ادب کے ساتھ بھی گہرا لگاؤ ہیں، وقتاً فوقتاً آپ کے اردو کالم اخبارات میں چھپتے رہتے ہیں، جبکہ عربی مضامین بھی عرب ممالک کے موقر جرائد میں چھپتے رہتے ہیں، مزید برآں الفاروق عربی رسالے کے ایڈیٹر اور صدر وفاق المدارس العربیۃ پاکستان سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان کے پرسنل سکریٹری ہیں، علمی میدانوں میں آپ کی قابل قدر خدمات ہیں، آپ اتحاد امت کے پرزور داعی ہیں، یہاں آپ کے خیالات وافکار کی کچھ جھلکیاں نذر قارئین ہیں:‘‘

☆ اپنے تعارف اور خاندانی پس منظر کے حوالے سے کچھ فرمایئے؟

ہمارا تعلق سوات کے یوسف زئی پختون قبیلے کی ایک شاخ چغرزئی سے ہے، جو

موجودہ ضلع شانگلہ ،کالا ڈھاکہ اور آس پاس کے علاقوں میں لاکھوں کی تعداد میں آباد ہیں، ایک پس ماندہ اور تمدن وترقی سے یکسر محروم خطہ ہونے کے باعث یہاں کے لوگ ناخواندہ اور غریب ہیں اور خال خال ہی کوئی بچہ دینی یا عصری تعلیم میں قابل ذکر کامیابی حاصل کرتا ہے ،ویسے یہاں دینی تعلیم کا رجحان ہے، مگر وسائل اور ماحول کی عدم فراہمی کے باعث عموماً کوئی خاص پیش رفت اور معتدبہ ترقی کا موقع نہیں ملتا، میں نے والد صاحب کے دینی ذوق اور علم دوست مزاج اور کچھ اپنے شوق سے تمام تر ناہمواریوں اور حوصلہ شکنیوں کے باوجود چاہا کہ کسی قابل ہو کر ملک اور قوم کے لئے کوئی کام کرجاؤں ، اس کے لئے محنت جوں توں بھی کی . اللہ نے توقعات سے بڑھ کر نوازش فرمائی، فالحمد للہ علی ذلک۔

ابتدائی تعلیم آپ نے کہاں سے حاصل کی ہے ؟

زیادہ تر عالم اسلام کے عظیم علمی مرکز جامعہ فاروقیہ کراچی میں تعلیمی مراحل مکمل کئے ۔

☆فراغت کے بعد آپنے درس وتدریس کو اختیار کیا ، یہ آپ کی مجبوری تھی یا شوق ؟

کسی بھی میدان میں امت کے لیے مفید بننے کے لئے علمی پختگی ضروری ہے ، درس وتدریس ہی ایک ایسا مشغلہ ہے ، جس میں دینی علوم کی خدمت کے ساتھ ساتھ ایک طالب علم کی صلاحیتیں بھی خوب اجاگر ہوتی ہیں اور علم میں گہرائی وگیرائی

آ جاتی ہے۔

☆جامعہ فاروقیہ کو آپ نے کیوں منتخب کیا ؟اور یہاں پڑھاتے ہوئے کتنا عرصہ ہوا ؟

جامعہ فاروقیہ میری مادر علمی ہے اس سے میرا قلبی لگاؤ اور عقیدت مندانہ تعلق ہے، بانی جامعہ سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان کو میں اس زمانے کا مجدد سمجھتا ہوں ،آپ کے اس تجدیدی اور عالم گیر مزاج کے سبب جامعہ فاروقیہ شروع ہی سے مختلف شعبوں اور مختلف میدانوں میں کام کے لئے مشہور ہے ، میری افتادِ طبع میں بھی اس سے ہم آہنگی تھی اس لئے میں نے یہیں سے اپنے علمی زندگی کے آغاز کی خواہش ظاہر کی جسے نوعمری اور نالائقی کے باوجود میرے شیخ نے شرف قبولیت بخشااور آج بیس سالہ خدمت کے بعد جو کچھ ہوں جامعہ اور بانی جامعہ کی طفیل ہوں۔

☆آپ نے بہت سارے فنون میں سے ادب عربی کو کیوں خاص طور پر چنا؟حالانکہ عموماً لوگ صرف ونحو اور تفسیر وفقہ وغیرہ کو لیتے ہیں ؟دراصل ہمارے دینی مدارس جن کو کچھ ہی زمانہ پہلے عربی مدارس کہا جاتا تھا اور اب بھی وفاق المدارس العربیۃ میں المدارس العربیۃ) کا ذکر ہے، ان کا مقصدِ تاسیس ہی عربی زبان سیکھنا سکھانا ہے ، ظاہر) ہے کسی بھی دوسری زبان کی طرح عربی بھی گرائمر (صرف ونحو)کے بغیر نہیں سیکھی جاسکتی ، سو صرف ونحو کی تعلیم ضروری ہوئی ،مگر ایسا بھی نہیں ہونا چاہیے کہ گرائمر کو مقصود بالذات سمجھ لیا

جائے اور اسی پر اکتفا کیا جائے. مگر بد قسمتی سے ہمارے ہاں گذشتہ ایک عرصے سے ایسا ہی ہو رہا ہے، حالانکہ دس بارہ سال عربی ہی عربی پڑھنے کے بعد آپ کو عربی پڑھنا لکھنا بولنا سب آنا چاہیے اور اس کے مختلف اسالیب، باریکیوں، فصحی اور عامیہ میں فرق اور دونوں پر عبور حاصل کرنا چاہیے۔ مجھے شروع ہی سے یہ بات محسوس ہوئی اور پھر میں اس کے درپے ہوا تو کچھ نہ کچھ کر گیا، میں نے ہمیشہ یہ بات بہت زیادہ محسوس کی ہے کہ عالم دین کو جدید علوم اور انگریزی تو نہیں آئی، چلیں خالص عربی علوم میں مشغول رہنے اور ماہر دینیات بننے کی خواہش کی بنا پر، مگر عربی نہ آنے کا تو اس کے پاس کوئی جواب اور جواز نہیں، عرب ملکوں میں جانے والے عام لوگوں سے بھی ہم نے مولویوں پر عربی نہ آنے اور نہ سمجھنے کا اعتراض بکثرت سنا ہے۔

☆کیا اردو ادب کے ساتھ بھی دلچسپی رہی ہے؟

ادب من حیث الادب کے طور پر تو ہم نے اردو نہیں پڑھی، ہاں اردو زبان میں ادب تاریخ، جغرافیا، سیاست، افکار و نظریات اور شخصیات کے متعلق بہت پڑھا ہے، مختلف شعراء کو بھی پڑھا ہے، اردو سے پاکستان میں مستغنی یا غافل رہنا تو ممکن بھی نہیں ہے۔

☆ایک غیر عربی ملک میں آپ نے عربی پر عبور کیسے حاصل کیا، جبکہ یہاں اس کا ماحول بھی نہیں ہے اور اس کی طرف توجہ بھی نہ ہونے کے برابر ہے؟

ہمارے دینی مدارس کے قیام کا مقصد جب عربی زبان سیکھنا سکھانا ہے، تو پھر

عربی پر عبور حاصل کرنا عجیب نہیں بالکل قرین قیاس ہے،بلکہ عربی میں یہاں مہارت حاصل نہ کرنے پر تعجب ہوتا ہے، ہاں چونکہ مدارس میں لینگویج پر توجہ نہیں دی جاتی اور لغوی اعتبار سے اس کی تعلیم قدرے خشک ہے،اس لئے عربی میں مہارت حاصل کرنے کے لئے محنت بہت کرنی پڑتی ہے، میں نے ایک عرصے تک دیوانہ وار اس کے لئے محنت کی ہے، جس کا ثمرہ مجھے اللہ کے فضل سے مل گیا ہے،ہمارے ہاں جامعہ فاروقیہ میں عرب اخبارات اور میگزین بھی بکثرت آتے ہیں، اس کا بھی ہمیں بہت فائدہ ہوا ہے۔

☆ عربی زبان کی ہمیں کیا ضرورت ہے ؟

عربی زبان کا شمار دنیا کی بڑی زبانوں میں ہونے کے ساتھ ساتھ یہ اتحاد بین الامت کا بھی بہترین ذریعہ ہے،جس کی بدولت آپ امت کے بکھرے شیرازے کو احسن طریقے سے یک جا کر سکتے ہیں، پھر یہی نہیں بلکہ ہماری ثقافت ،ہمارے مذہب اور تمام اسلامی علوم وفنون کا تو خزینہ ہی عربی زبان وادب کے ساتھ وابستہ ہے،اس لئے ان علوم سے واقفیت ہونے کے لئے بھی عربی زبان سے واقف ہونا نہایت ضروری ہے۔

☆کیا یہ کہا جاسکتا ہے کہ جامعہ فاروقیہ میں معہد اللغۃ العربیۃ اور تخصص فی الادب العربی کا قیام آپ کی کوششوں کا نتیجہ ہے ؟

معہد اللغۃ العربیۃ کا قیام چونکہ ہمارے مدارس کے لئے ایک نیا اور جدید شعبہ تھا،اس لئے سماحۃ الشیخ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے حکم سے حضرت

مولانا ڈاکٹر عادل خان صاحب کی نگرانی میں کمیٹی بنادی گئی تھی، جس کے ارکان میں میرے علاوہ شیخ غلام اکبر غلام قادر، شیخ محمد عیاض علی محمد، شیخ اسلام الدین، شیخ حسین رشید، شیخ اسماعیل بلتی اور مولانا شفیق احمد خان بستوی تھے۔ابتداء میں کچھ مشکلات تو پیش آئیں، لیکن الحمد للہ چند ہی برس بعد یہ شعبہ اپنی ترقی کی منازل طے کرنے لگا جہاں تک تخصص فی الادب العربی کا تعلق ہے اس کا قیام حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم کی خصوصی دلچسپی سے عمل میں آیا، پھر ہم نے معہد کی طرح اس کی کامیابی کے لئے بھی سر دھڑ کی بازی لگائی۔

☆پاکستان کی قومی زبان قرار دادِ مقاصد اور دستورِ پاکستان میں عربی زبان کو قرار دیا گیا تھا، اس پر عمل کیوں نہیں ہوا؟

قیام پاکستان کے بعد اکابر علماء کرام اور دین دار طبقہ کی یہی خواہش اور کوشش رہی کہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی زبان عربی ہی ہونی چاہیے، لیکن بعض نادیدہ قوتیں ان کوششوں کو عملی جامہ پہنانے میں رکاوٹ بنی رہی، جس کے نتیجے میں وہ خواہش اور کوشش بار آور ثابت نہ ہوسکی۔

☆آپ عربی زبان کی ترویج واشاعت کو اپنا مشن قرار دیتے ہیں، یہ غیر معمولی اہمیت آپ اسے کیوں دیتے ہیں؟

عربی زبان کا اِحیاء ضروری ہے، ہمارے مسلم حکمرانوں، علماء، دانشوران اور دینی جامعات ویونیورسٹیز نے اگر عربی زبان کی ترویج واحیاء کے حوالے

سنجیدہ محنت نہ کی تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ امت اپنے اسلاف کے علمی و روحانی ورثہ سے ہاتھ دھو بیٹھے گی ،یہی وجہ ہے کہ امام شافعیؒ اور امام ابن تیمیہؒ جیسے اساطین علم نے عربی زبان کے سیکھنے کو واجب قرار دیا ہے کیونکہ احکام دینیہ کے اصل مآخذ تک پہنچنا ہی عربی زبان کے سیکھنے پر موقوف ہے۔

☆ دینی مدارس میں عربی زبان میں درس وتدریس کیا اس کے لئے معاون ثابت نہیں ہوگی یا ایسا ممکن نہیں ؟

الحمد للہ دینی مدارس میں اس حوالے سے رجحان پایا جارہا ہے، لیکن المیہ یہ ہے کہ تعلیمی زبان عربی بنانے کے لئے مدرسین کی وہ مقدار موجود نہیں جس کی اس حوالے سے انہیں ضرورت ہے۔

☆ کونسے ایسے موانع اور اسباب ہیں جو علماء اور عوام کو روک رہے ہیں؟

موانع اور اسباب تو یہاں میرے خیال میں کچھ نہیں ہیں، کیونکہ بنیادی چیز اس معاملے میں عربی گرائمر

سے واقفیت ہونی چاہیے، جس سے الحمد للہ علماء وطلباء کی ایک بڑی تعداد واقف ہے، کوتاہی اگر رہتی ہے تو وہ صرف اس گرائمر کی عملی مشق کی ہے، یعنی عربی زبان میں تکلم، اگر تکلم کی حد تک عربی زبان کو توجہ دیجائے تو میں سمجھتا ہوں کہ ایک حد تک کامیابی حاصل ہوسکتی ہے۔

☆ جناب وفاق المدارس العربیہ پاکستان والے یہ

اقدام کیوں نہیں کرتے، وہ مدرسے میں امتحانی پرچہ جات کو عربی میں حل کرنے کو لازم قرار دیں؟

وفاق المدارس والوں کی شروع سے یہ خواہش رہی ہے کہ امتحانی پرچہ جات عربی ہی میں حل کئے جائیں، چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا ہر پرچہ پر یہ نوٹ لکھا ہو موجود ہوتا ہے: عربی میں پرچہ حل کرنے والا طالب علم اضافی دس نمبر کا مستحق ہوگا۔

☆ کہا جاتا کہ عربی زبان دنیا کی واحد زبان ہے، جو مسلمانوں کو ایک صف میں جمع کرسکتی ہے، کیا آپ اس سے متفق ہیں؟

سو فیصد، عربی زبان اس حیثیت سے ایک قوم کو نہیں بلکہ کئی اقوام کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرسکتی ہے کہ ان اقوام کے خیالات وافکار اور جذبات کی ترجمانی عربی ہی کے ذریعے ہو، وجہ اس کی یہ ہے کہ عربی زبان آسمانی تعلیمات کی زبان ہونے کے ناطے کسی نہ کسی حد تک دنیا کی ہر قوم کے لئے جانی پہچانی اور مقدس ہے، اسی کے سبب اسے بقاء ودوام بھی ملا ہے، لہذا دنیا کی مختلف برادریاں اس کی بدولت ایک صف میں متحد ہوسکتی ہیں۔

☆ کیا پاکستانی قوم کے اتحاد واتفاق کے لئے بھی عربی زبان سبب بن سکتی ہے؟

جی ہاں! پاکستانی قوم اگر لسانی تعصب اور مغرب کے تأثر سے بالاتر ہو کر دین اسلام ہی کی زبان پر متفق ومتحد ہوجائے، تو میں سمجھتا ہوں کہ اس قوم کی

تقدیر ضرور
بدل سکتی ہے۔
☆آپ کی خواہش ہے کہ پاکستان کا ہر نوجوان عربی زبان بولنے والا بنے ؟
جی ہاں !تاکہ اسلاف کی میراث کو ہم نے ثریا سے زمین پر دے مارا ہے،اس سے ہم پھر وہیں پہنچادیں اور وہ ہمیں پہنچادے۔
☆عربی زبان سے رشتہ جوڑنے سے آپ سمجھتے ہیں ہمارا کلچر بھی بدل جائیگا ؟
چونکہ کسی بھی زبان کے سیکھنے اور اس میں دلچسپی کے نتیجے میں اس زبان کے کلچر کی طرف بھی رغبت پیدا ہو جاتی ہے اس لئے ہماری خواہش اور کوشش یہ ہے کہ پاکستانی قوم بھی عربی کے نتیجے میں عرب کے اسلامی کلچر کو اپنا لے ،یوں وہ مغربی کلچر سے نجات حاصل کر سکتی ہے۔
☆ پاکستان اور عرب ممالک کے درمیان رابطے میں آپ کے خیال میں عربی زبان کوئی کردار ادا کر سکتی ہے ؟
یہ تو اظہر من الشمس ہے ہی ، اس کے علاوہ سب سے بڑا فائدہ اس حوالے سے یہ ہوگا کہ قوم اسلام کی اصل روح سے بخوبی واقف ہو جائی گی ، نیز جس افتراق نے ہمارے درمیان جنم لے کر ہمیں آپس میں دست وگریبان کر کے رکھ دیا ہے، جس کے نتیجے میں اغیار ہم پر ہنستے ہیں وہ افتراق کسی حد تک ختم ہو سکتا ہے۔
☆آپ رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ

ریاض)کے رکن ہیں اس حوالے سے آپ کے کیا اہداف ہیں ؟)

پاکستان اور عرب ممالک کے درمیان بون کی بنیادی وجہ دونوں اطراف کے علماء کرام کے درمیان رابطے کا نہ ہونا ہے، اس حوالے سے علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کو مدعو کرکے اور اعلی سطح پر تعارفی

دورے کرواکے دونوں طرف موجود خلیج میں پل کا کردار ادا کریں ۔ عربی زبان اس میں بہترین مددگار ثابت ہوگی ۔ہم حتی الوسع اس کوشش میں ہیں کہ پوری امت ایک کلمۂ توحید پر متفق ہوکر آپس میں بھائی چارگی قائم کرکے تعاون علی البر والتقوی کا عملی نمونہ پیش کریں ۔

☆آپ نے اس حوالے سے اس کے لئے کوئی

حکمت عملی بنائی ہے ؟

ہمارے بعض دوستوں نے مختلف اکیڈمیز اور مجامع کا منصوبہ بنایا ہے، اللہ سے دعا ہے کہ وہ ان منصوبوں کو عملی جامہ پہنانے کی توفیق عطافرمائے اور پوری انسانیت کے لئے بھلائی کا ذریعہ بنائے۔

☆ آخری سوال، ادیان عالم وفرق مختلفہ پر آپ کی گہری نظر ہے

اس حوالے سے آپ کی کیا خدمات ہیں ؟۔

ہمارے ہاں جامعہ میں ہر سال یہودیت ، عیسائیت وغیرہ کے متعلق بعض لیکچرز ہمارے حوالے ہیں اس کے علاوہ ہماری ایک کتاب (مکالمہ بین المذاہب)کے نام سے چھپ کر منظر عام پر آچکی ہے، جس کی علمی طبقوں میں کافی پذیرائی ہوئی ہے

اور چند سال قبل عربی زبان میں (اللامذہبیۃ۔۔۔ خیانات وافتراءات) بعض سلفی حضرات کے اعتراضات کے جواب میں چھپی ہے۔

فضائلِ صدقہ وخیرات

جنابِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

۱: ۔سخاوت اللہ پاک کی بہت بڑی عادت ہے، یعنی اللہ تعالی بہت بڑے سخی ہیں۔

۲: ۔ تحقیق بندہ صدقہ کرتاہے روٹی کا ٹکڑا، (پھر) وہ بڑھتاہے اللہ کے نزدیک یہاں تک کہ ہوجاتاہے احد پہاڑ کی طرح، یعنی اللہ تعالی اسکا ثواب بڑھاتے ہیں اور اس قدر ثواب بڑھ جاتاہے، جیسے احد کے برابر اور اس کاثواب اس کو ملتارہتاہے۔

۳: ۔دوزخ سے بچو اگرچہ ایک چھوارے کاایک ٹکڑاہی دے کر، یعنی اگرچہ تھوڑی ہی چیز ہو، اسکو خیرات کرو، یہ خیال نہ کروکہ تھوڑی چیز کیا خیرات کریں ۔ارے، یہ بھی ذریعہ بنجائے گی دوزخ سے نجات حاصل کرنے کا۔

۴: ۔روزی طلب کرواللہ سے صدقہ کے ذریعہ ۔یعنی خیرات کرو،اس کی برکت سے روزی میں ترقی ہوگی۔

۵: ۔احسان کے کام بری ہلاکتوں سے بچاتے ہیں اور پوشیدہ خیرات دینا اللہ تعالی کے غصہ کو بجھاتاہے۔اور اہل قرابت سے حسنِ سلوک کرنا عمر بڑھاتا ہے، اگرنیک کام کرتے دیکھ کر دوسرے کو رغبت ہو، توایسے موقع پر اس کام کاظاہر طور پر کرنا بہترہے اور جب یہ امید نہ ہو، تو خفیہ کرنا افضل ہے، بشرطیکہ کوئی

اور بھی خاص وجہ خفیہ یا ظاہر کرنے کی نہ ہو۔

۶: سائل کا حق ہے اس پر جس سے وہ سوال کرے، اگر چہ وہ سائل گھوڑے پر سوار آئے یعنی اگر گھوڑے کا سوار سوال کرے اسکو بھی دینا چاہیئے اس لئے کہ ایسا شخص بظاہر کسی مجبوری سے سوال کریگا، یہ خیال نہ کرے کہ اس کے پاس تو گھوڑا ہے، سو یہ کیسے محتاج ہو سکتا ہے، پھر ہم اس کو کیوں دیں، ہاں اگر کسی قوی قرینہ سے معلوم ہو جائے کہ یہ شخص حقیقت میں محتاج نہیں ہے، بلکہ اس نے کھانے کمانے کا یہی پیشہ اختیار کرلیا ہے، بھیک مانگتا ہے، تو ایسے شخص کو خیرات دینا حرام ہے اور اسکے لئے مانگنا بھی حرام ہے۔

۷: اللہ تعالیٰ کریم ہے اور کرم کو پسند کرتا ہے اور دوست رکھتا ہے عالی اخلاق کو، یعنی ہمّت نیک کاموں میں، جیسے خیرات کرنا ذلت سے بچنا دوسرے کی وجہ سے اپنی ذات پر تکلیف برداشت کرنا وغیرہ اور ناپسند کرتا ہے حقیر اخلاق وعادتوں کو جیسے پست ہمتی دینی امور میں۔

۸: بیشک صدقہ بجھاتا ہے اپنے اہل سے یعنی صدقہ کرنے والے سے گرمیٔ قبر کو اور ضرور سایہ حاصل کریگا مسلمان اپنے صدقہ کے سایہ میں قیامت کے روز، یعنی صدقہ کی برکت سے قبر کی گرمی دور ہوتی ہے اور قیامت کے دن سایہ میسّر ہوگا۔

۹: تحقیق اللہ تعالیٰ کے خاص بندے ہیں، جنکو اس نے خاص کیا ہے لوگوں کی حاجتوں کے پورا کرنے کے لئے، اور محتاج ومضطر ہوتے ہیں ان کی طرف لوگ اپنی حاجتوں میں، یعنی لوگ مجبور ہو کر ان کے پاس جاتے ہیں اور حق جلّ شانہ نے ان حضرات

کو لوگوں کی نفع رسانی کے لئے منتخب فرمالیا ہے، یہ لوگ حاجتوں کے پورا کرنے والے امن پانیوالے ہیں اللہ کے عذاب سے۔

۱۰ : ۔خرچ کر،اے بلال، اور مت اندیشہ کر عرش کے مالک سے کمی کا،یعنی مناسب موقعوں پر خوب خرچ کرو، تنگی کا اندیشہ حق تعالی سے نہ کرو،اس جگہ عرش کی مالکیت اللہ تعالی کی خاص طور پر فرمائی گئی،اگرچہ وہ تمام چیزوں کا مالک ہے، سو یہ خصوصیت اسلئے فرمائی گئی، کہ عرش نہایت عظیم الشان مخلوق ہے، پس اسکو ذکر میں خاص کیا اور بتلادیا کہ جس ذات کے قبضۂ قدرت میں ایسی عظیم الشان چیز ہے اور وہ ایسی بڑی چیز کا مالک ہے،تو اسے تنگی کا اندیشہ نہ ہونا چاہیئے،کیا یہ گمان ہو سکتا ہے کہ ایسا بادشاہ اپنے کسی بندے کو دو روٹی نہ دیگا، ہر گز یہ گمان نہیں ہو سکتا اور اس حدیث کا یہ مطلب نہیں ہے،کہ بیحد ہر شخص خرچ کرڈالے اور پھر پریشان ہو اور گھبرائے، غرض یہ ہے کہ جو لوگ دل کے پختہ ہیں اور صبر کی ان میں پوری قوت ہے، تو وہ جس قدر چاہیں،نیک کاموں میں صرف کریں، کیونکہ وہ تکلیف سے پریشان نہیں ہوتے،اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ جو قسمت میں لکھا ہے، وہ تو ہم کو ضرور ملے گا، خیرات سے کمی نہ ہوگی،بلکہ برکت، ہوگی تو ایسی ہمت کی حالت میں بشرطیکہ کسی کی حق تلفی بھی نہ ہو، ان کو اجازت ہے اور ان کیلئے یہی چیز ہے، کہ ہر طرح کے نیک کاموں میں خوب صرف کریں۔اور جن کا دل کمزور ہے، صبر کی انمیں قوت کم ہے، آج خرچ کردینگے کل کو تنگی سے پریشان ہونگے،دل ڈاواں ڈول ہوگا اور نیت

خراب ہوگی، تو ایسے لوگ فقط ضروری موقعوں پر، جیسے زکوۃ وصدقہ فطر وغیرہ اور مروّت کے موقعوں پر صرف کریں، اس سے کمی نہ کریں۔ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق خلیفہ اوّل جناب رسول مقبول ﷺ کے ایک بار حضور کی خدمت میں تمام مال چندہ اسلامی میں پیش کردیا۔ حضور نے فرمایا کہ کچھ گھر بھی باقی رکھا ہے یا نہیں، عرض کیا گھر تو اللہ ورسول کا نام چھوڑ آیا ہوں، اور بس آپ ﷺ نے وہ تمام مال قبول کرلیا، کیونکہ حضرت خلیفہ اول نہایت دل کے پختہ اور باہمّت اور اعلی درجہ کے خدا تعالی کی راہ میں مال وجان نثار کرنیوالے تھے، ان سے یہ اندیشہ نہ تھا کہ پریشان ہونگے اور ایک دوسرے صحابی رضی اللہ عنہ نے تھوڑا سا سونا اللہ کی راہ میں پیش کیا،
آپ ﷺ نے قبول نہ فرمایا اس وجہ سے کہ وہ کمزور دل کے تھے۔ اور اس قدر باہمّت نہ تھے، جیسے کہ حضرت ابوبکرؓ تھے)۔

۱۱: ایک سائل ایک عورت کے پاس اس حالت میں آیا کہ اس عورت کے منہ میں لقمہ تھا، سو اس عورت نے وہ لقمہ منہ سے نکالا اور اس سائل کو دیدیا، (اسکے پاس اور کچھ دینے کو نہ تھا، اسلئے ایسا کیا) پھر تھوڑی ہی مدت میں ایک لڑکا، اس عورت کے پیدا ہوا۔ پھر جب وہ لڑکا کچھ بڑا ہوا، تو ایک بھیڑیا آیا اور اس کو اٹھالے گیا، پس نکلی وہ عورت دوڑتی ہوئی بھیڑیئے کے پیچھے، اور کہتی ہوئی میرا بیٹا میرا بیٹا میرے بیٹے کو بھیڑیا لے گیا، جو مدد کرکے اس کی مدد کرے، سو حکم فرمایا اللہ تعالی نے ایک فرشتے کو کہ بھیڑیئے

کے پاس جاؤ، لڑکے کو اسکے منہ سے چھڑالے ،فرمایا (حق عز شانہ نے فرشتے سے)اسکی ماں سے کہہ کہ اللہ تجھ کو سلام فرماتا ہے اور یہ بھی کہ یہ لقمہ بدلہ تمھارے اس لقمے کا ہے، دیکھو صدقہ کی یہ برکت ہوئی کہ لڑکا جان سے بچ گیا اور ثواب بھی ہوا۔

۱۲: نیکی کی جگہ بتلانے والا مثل نیکی کرنے والے کے ثواب میں ہے، ، یعنی جو شخص خود کوئی حسن سلوک نہ کرے ، مگر اہل ضرورت کو ایسی جگہ کا پتہ بتلادے، یا اسکی سفارش کردے، جہاں اسکا کام ہوجائے، تو اس بتلانے والے کو مثل اس نیکی کرنے والے کے ثواب ملے گا، جو خود اپنی ذات سے کسی کی مدد کرے۔

۱۳: تین آدمی تھے جن میں سے ایک کے پاس دس دینار تھے، سو صدقہ کردیا اس نے ان میں سے ایک دینار۔اور دوسرے کے پاس دس اوقیہ تھے۔ سو صدقہ کردیا اس نے اسمیں سے ایک اوقیہ ، تیسرے کے پاس سو اوقیہ تھے، سو صدقہ کردیئے اس نے ان میں سے دس اوقیہ ، تو یہ سب لوگ ثواب میں برابر ہیں، اسلئے کہ ہر ایک نے دسواں حصّہ اپنے مال کا خیرات کیا ہے، یعنی اگرچہ بظاہر خیرات ان میں سے بعضوں نے زیادہ کی ہے اور بعض نے کم ، مگر حق تعالی تو نیت پر ثواب دیتے ہیں۔چونکہ ہر ایک نے اپنے مال کے اعتبار سے دسواں حصہ خیرات کیا، اسلئے سب کو برابر ثواب ملے گا۔

۱۴: بڑھ گیا ایک درہم ایک لاکھ درہم سے ، ایک شخص ہے کہ اسکے پاس دو درہم ہیں، ان میں سے ایک درہم اس نے خیرات کردیا۔ اور دوسرا شخص ہے کہ اسکے پاس

بہت سا مال ہے، پس اس نے اپنے مال میں سے ایک لاکھ درہم صدقہ کر دئے، یعنی دونوں کے ثواب میں یہ فرق ہوا، پہلا شخص باوجود تھوڑا خیرات کرنے کے ثواب میں بڑھ گیا، کیونکہ اپنا آدھا مال اس نے خیرات کر دیا۔ اور دوسرے نے اگرچہ ایک لاکھ صدقہ کئے، لیکن چونکہ یہ اسکے مالِ کثیر کے مقابلہ میں آدھے سے کم تھا، اسلئے اس کو پہلے شخص سے کم ثواب ملا۔ حق تعالی کی کیسی رحمت ہے، اس کی قدر کرو جناب رسول مقبول ﷺ نے کبھی سائل سے انکار نہیں فرمایا۔ اگر ہوا دیدیا، ورنہ وعدہ فرما لیا کہ جب حق تعالی دیگا اس وقت تم کو دینگے اور تاحیات آپ ﷺ نے اور آپ ﷺ کے اہلِ بیت نے دو روز برابر بھی شکم سیر ہو کر جو کی روٹی بھی نہیں کھائی۔ کیسی بے رحمی کی بات ہے کہ باوجود گنجائش کے اپنے بھائی مسلمانوں کی مدد نہ کرے اور خود چین کرے۔

۱۵: اللہ کا ہدیہ مومن کے لئے سائل ہے اس کے دروازے پر۔ ظاہر ہے کہ ہدیہ اچھی طرح قبول کرنا چاہئے، خصوصاً اللہ تعالی کا ہدیہ پس سائل کی خوب خدمت کرنی چاہئے۔

۱۶: صدقہ کرو اور اپنے مریضوں کی دوا کرو صدقہ کے ذریعہ، اس لئے کہ صدقہ دفع کرتا ہے مرضوں کو اور بیماریوں کو اور وہ زیادتی کرتا ہے تمہاری عمروں اور نیکیوں میں۔

۱۷: اللہ عزّوجل کا کوئی ولی نہیں پیدا کیا گیا، مگر سخاوت اور اچھی عادت پر، یعنی اللہ کے دوستوں میں سخاوت اور اچھی عادت ضرور ہوتی ہے۔

مال بغیر زکاۃ۔۔۔۔۔ گنجا سانپ

زکاۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے ،قرآن وحدیث میں اسکے فرض ہونے کے قطعی دلائل وافر مقدار میں موجود ہیں، عقیدۃً اس کا انکار کرنے والا مرتد (کافر) ہے ،اور بخل کی وجہ سے نہ دینے والا مجرم کبیر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے،آپ ﷺ نے فرمایا : ''جس مال کی زکاۃ ادا نہیں کی گئی ،وہ قیامت کے دن ''گنجا سانپ'' کی صورت اختیار کرے گا، جو اپنے مالک اور سیٹھ کو دوڑائے گا، وہ بھاگ بھاگ کرجب تھک جائے گا، تو اپنی انگلیاں اس کے منہ میں دیدے گا، جنہیں وہ چباتا رہے گا''، (مسند احمد)۔

حضرت ابوہریرہ سے یہ بھی مروی ہے ،جناب رسول للہ ﷺ نے فرمایا: '' جو شخص سونے چاندی کا مالک ہو ، اور اس کا حق (زکاۃ ، صدقات ، اور عطیات کی شکل میں)ادا نہ کرے، تو جب قیامت کا دن ہوگا، اس کے لئے اسی سونے چاندی میں سے آگ کی چادریں بنادی جائے گی ، پھر ان آگ سے بنی ہوئی چادروں پر جہنم کی آگ مزید بھڑکائی جائیگی ، پھر ان سے ان کے حقوق ادا نہ کرنے والے مالکوں اور سیٹھوں کی کروٹیں اور پیشانیاں داغی جائے گی، جب ان میں کچھ ٹھنڈک آ ئیگی ، دوبارہ

سے انہیں داغنے کے عمل کے لئے ویسے ہی گرم کردیا جائے گا، یہ اس دن کا معاملہ ہے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، حتی کہ حشر قائم بپا ہو کر تمام بندوں میں جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہو جائے۔ اور جن لوگوں کے پاس مال کی صورت میں جانور ہوں گے، تو ان میں اونٹوں کے متعلق فرمایا: جو ان کے حقِ زکاۃ و خیرات ادا نہیں کرتا، ایسے مالک کو قیامت کے دن ایک ہموار میدان میں لٹادیا جائے گا، اس کے اونٹ نہایت موٹے تازے ہو کر قطار اندر قطار آتے جائینگے، پیروں سے اس کو روندینگے اور دانتوں سے اس کو کاٹینگے، جب پہلی جماعت ان کی گذر جائیگی، پچھلی آتی جائیگی۔ اسی طرح ان بکریوں کے مالک کو ہموار زمین پر لٹادیا جائے گا، جن میں سے اللہ تعالی کے حقوق ادا نہ کئے گئے ہوں، وہ بھیڑ بکریاں بھی ترتیب سے آتی رہینگی، نہ ان میں مڑے ہوئے سینگوں والی ہوگی، نہ بے سینگ اور ٹوٹے ہوئے سینگوں والی، سینگوں سے اسے مارتی رہینگی، اور کھروں سے اسے روندتی رہینگی"، حضرت ابوذرؓ کی روایت میں گائے بھینس) وغیرہ کا بھی یہی حال بتایا گیا ہے۔ (صحیحین)۔

حضرت عبدللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: " زکاۃ کا انکار کرنے والا قتل کردیا جائے" (مسند ربیع بن حبیب)۔

، حضرت جابرؓ نبی کریم سے نقل کرتے ہیں: " جب آپ نے اپنے مال کی زکاۃ دیدی

تو آپ نے اپنے آپ کو اس کے شر سے محفوظ کرلیا" ۔(مستدرک حاکم)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت ، حضورپر نور ﷺ نے فرمایا: " جس شخص کو للہ تعالی مال عنایت کردے ، پھر وہ اس میں سے زکاۃ ادا نہ کرے ، یہ مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن جائے گا، جس کے ماتھے پر خطرناک سانپوں والی دو نشانیاں ہوں گی ، یہ گنجا خطرناک سانپ اس کے گلے کا طوق بن کر اس میں لٹک جائے گا، اور اپنے مالک کو دونوں باچھوں سے پکڑلے گا، پھر اسے کہے گا، میں تیرا وہی مال ہوں ، میں تیرا وہی خزانہ ہوں ۔پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی : "ہرگز گمان نہ کرے وہ لوگ جو للہ کے دیے ہوئے فضل کے انفاق میں بخل کرتے ہیں ، کہ کہیں یہ (بخل) ان کے لئے بہتر ہے، عنقریب یہ مال بغیر زکاۃ قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔آل عمران ،180" ، (صحیح بخاری)۔

نیز دنیا میں بھی زکاۃ ، صدقات وخیرات کے ذریعے سے اپنے اموال کا تزکیہ وتطہیر نہ کرنے کی وجہ سے سخت پکڑ ہوگی۔آپ ﷺ نے فرمایا: "کوئی بھی قوم جب زکاۃ کی ادائیگی نہیں کرتی ، تو للہ تعالی ان پر قحط اور بھوک مسلط کردیتے ہیں" ، (طبرانی)۔

جناب رسالت مآب ﷺ نے فرمایا: " جب مالِ زکاۃ وصدقات اپنی مدت پوری ہو جانے

کے بعد بھی دیگر مال کے ساتھ خلط ملط رہے گا، تو وہ پورا مال فاسد اور خراب ہوجائے گا"، (بیہقی)۔

آپؐ نے فرمایا: "جب بھی کسی کا کوئی مال بحر وبر میں تلف ہوجائے، یقیناً یہ سمجھ لیا جائے، کہ ان کی زکاۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کی گئی تھی" ۔ (مجمع الزوائد)۔

یہ تو ادائیگی کی اہمیت، ضرورت اور فرضیت کی بات تھی، دوسری بات یہ ہے کہ زکاۃ بطورِ اجر، ثواب اور عبادت ادا کی جائے، خشوع، خضوع، للہیت اور اخلاص کو مد نظر رکھا جائے، نہ کہ جزیہ، ٹیکس اور خراج کی طرح ادائیگی ہو۔ نیز زکاۃ کی ادائیگی ترغیباً للآخرین علی الاعلان ہو اور دیگر صدقات، خیرات، عطیات اور تبرعات میں اخفاء سے کام لیا جائے، یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے، کہ زکاۃ حلال اور طیب مال سے نکالی جاتی ہے، خبیث اور حرام نہ مسلمان کو کسی طرح زیب دیتا ہے اور نہ ہی اس میں سے زکاۃ وصدقات کی نیت سے کچھ للہ کے پاک نام پر دینا جائز ہے، بلکہ وہ سب یا اس میں کچھ حصہ جب بھی دیا جائے، تو وہ بلانیتِ ثواب دیا جائے۔ ہاں یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ جن کو زکاۃ دی جارہی ہے، ان کی تحقیق بھی از روئے عبادتِ زکاۃ دینے والے کیلئے از حد ضروری ہے، کہ آیا وہ صحیح مصرف بھی ہے، یا نہیں، آج کل ایک بڑی بیماری یہ بھی ہے

کہ بہت سے لوگ صاحب نصاب ہو کر زکاتوں کی وصولیاں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اس قبیح ذخیرہ اندوزی سے پرہیز کرنی چاہیئے۔ اور بہت سے ادارے اور این جی اوز وغیرہ اموال زکاۃ کو مصارف زکاۃ کے بجائے غیر مصارف میں خرچ کرتے ہیں، ان کو زکاتیں دیتے ہوئے اپنی عبادت کا خیال رکھنا لازمی ہے، کچھ ادارے ایسے ہیں کہ ان کے پاس فنڈ کی کثرت کی وجہ سے زکاۃ کئی سالوں تک اکاونٹ میں پڑی رہتی ہے، نہ اس کے تملیک ہوتی ہے، نہ مصرف تک پہنچتی ہے، بسا اوقات زکاۃ دینے والا اللہ کو پیارا ہوجاتاہے، اور اس کی زکاۃ اگلے دس بیس سالوں تک ادارے کے مصارف کی پایئپ لائن میں منتظر خرچ ہوتی ہے، اس باریکی کا لحاظ بھی زکاۃ دینے والے کا کام ہے۔ یہاں کالم کے اختتام پر ہم اس حوالے سے چند قرآنی آیات کا بھی تذکرہ کئے دیتے ہیں:

☆''اور متقی وہ ہیں جو ہماری دی ہوئی رزق میں سے انفاق کرتے ہیں'' (بقرہ،3)۔

☆''اے نبی،ان کے اموال میں سے صدقہ وزکاۃ لو، جس کی وجہ سے انہیں پاک صاف بنالو''۔(توبہ، 103)۔

☆''اور فلاح پاتے ہیں وہ جو زکاۃ ادا کرتے ہیں'' (المومنون40)۔

☆''اور جو کچھ تم خرچ کروگے للہ تعالی اس کی جگہ اور دے گا اور وہ بہترین روزی دینے والاہے''۔(سبا،39)۔

☆'' جو لوگ للہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال اس دانہ کی ہے، جس نے سات

بالیں (خوشے) اگائیں، ہر بال میں سو دانے ہیں، اور اللہ جسے چاہتا ہے، اِس سے بھی زیادہ دے گا، اور وہ اللہ وسعت والا ہے اور خوب علم والا ہے، جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں، نہ اذیت دیتے ہیں، ان کے لئے ان کا اجر وثواب ان کے رب کے یہاں ہے۔ نہ ان پر کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔ اچھی بات اور کسی کو معاف کردینا اُس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت کا عمل ہو، اور اللہ تعالی بے پرواہ ہے اور حلم والا ہے (بقرہ۔ 141 ۔143)

☆''جو لوگ سونا چاندی کے خزانے بناتے ہیں، اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری (سرپرائز) دو، جس دن جہنم میں وہ خزانے گرم کئے جائینگے، پس ان سے ان کی پیشانیاں، کروٹیں، اور کمر کی پُشتیں داغی جائیں گی، (اور ان سے کہا جائے گا، یہ وہی مال ہے، جو تم نے ذخیرہ کرکے جمع کیا تھا اپنے لئے، سو اب چکھو جو کچھ تم ذخیرہ کیا کرتے تھے''۔ (توبہ، 34 ۔35)۔

یہ موضوع بہت طویل تھا، اختصاراً واشارۃً یہاں گنجائش کی بقدر یہ نصوص پیش کیں، اللہ کرے زکاۃ دینے اور لینے والوں کے لئے مفید ہوں۔

ذکر واذکار۔۔اور الفاظ میں تاثیر کی حقیقت

مولانا رومی نہ صرف اپنے زمانے بلکہ قیامت تک کے لیے ولایت وکرامت کا درخشندہ وتابندہ ستارہ ہیں ،وہ ایک شیخ، فقیر ،ملنگ ،درویش اور ملا کی صورت میں خدارسیدہ ولیٔ کامل تھے، دوسری طرف اسی زمانے میں علوم عصریہ وجدیدہ کے ماہر شہرۂ آفاق سائنس داں مسٹر ابن سینا بھی آسمانِ علم معرفت پر آفتاب و مہتاب کی طرح جگمگا رہے تھے،دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں اچھی طرح سن رکھا تھا، دونوں کا طوطی اپنے اپنے دائرے میں خوب بولتا تھا،دونوں کے تلامذہ ومتوسلین اپنے اپنے اساتذہ ومرشدین کے تذکرے جابجااور گاہ بگاہ کیا کرتے تھے ،چنانچہ ایک مرتبہ جدید فلکیات کا یہ ماہر مسٹر ابن سینا، اپنے ہی دور کے دقیانوس اور رجعت پسند ماہر شریعت و طریقت مولانا رومی کی خدمت میں حاضر ہوئے،وہاں کیا دیکھتے ہیں، مولانا اپنے پاس حاضرین ،مسترشدین اور متعلّمینِ احسان وسلوک میں سے کسی کو اسم اعظم کے سو بار پڑھنے، کسی کو سورۂ فاتحہ ، کسی کو معوذتین، کسی کو لفظ اللہ،رحمان ،رحیم اور کسی کو درود شریف کے اثرات و فضائل اور ان پر دنیا جہاں کے برابر ثوابوں کا درس دے رہے ہیں ،اتفاق سے ان تمام باتوں کا تعلق ایمانیات بالغیب سے ہے، جبکہ ابن سینا زمینی حقائق، موجودات اور محسوسات میں دواور دوچار کے قائل تھے، یہاں الفاظ کی تاثیر کا حساب کتاب ان کی سمجھ

میں نہیں آیا،برافروختہ ہو گئے ،اور پھٹ پڑے: ارے مولانا رومی یہ کیا کہہ رہے ہو،ایسا کیسے ہو سکتا ہے، کیوں قوم کاوقت ضائع کر رہے ہو، یہ وظائف اوراوراد کسی کام کے نہیں ہیں،ان میں ہرگزکوئی تاثیر نہیں ہے،لوگوں کو بے وقوف مت بنائیں، بس گویا ابن سینا نے شیخ کی خانقاہ میں ایک اودھم مچا رکھی تھی،آس پاس موجود لوگ ان کی اس بے جا دخل در معقولات سے سراسیمہ ہو گئے،حیران وپریشان رہ گئے، ایک مولانا ئے روم تھے، جو بالکل متاثر نہیں ہوئے،بڑے اطمینان سے ابن سینا کی جارحانہ گفتگو اور تقریر سن رہے تھے، جب وہ خاموش ہوئے، تو مولانا نے بطور روحانی علاج وتداوی ان سے صرف اتنا کہا: ''ارے گدھے، تجھے کیا پتا ہے'' ۔ابن سینا نے جب دیکھا کہ مولانا انہیں گدھے کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں، ان کے غصے کا پارہ جو پہلے ہی چڑھا ہوا تھا،بامِ عروج پر پہنچ گیا،وہ مولانا کو گالم گلوچ پر اتر آئے ،دشنام ترازی ، سخت ست اورسب وشتم کرنا شروع کیا، بلڈ پریشر بھی غصے میں خطرناک حدوں تک رگوں میں ڈِگ ڈِگ ،ڈِگ ڈِگ کرنے لگا، پسینے میں وہ یک دم شرابور ہوگئے،وہ ہانپ بھی رہے تھے،ان کے منہ سے جھاگ بھی نکل رہی تھی،وہ کپکپا بھی رہے تھے،چکرا بھی رہے تھے۔کہ شیخ اور مولوی اتنے بے وقوف اور احمق بھی ہو سکتے ہیں ،جو ابن سینا جیسے عزت مند آدمی کو ''ارے گدھے''کہہ کر مخاطب کرے،وہ یہی سوچتے رہے اور مولانا کو کوستے رہے۔اتنے میں مولانا نے دھیمے انداز میں اسے دوبارہ مخاطب کیا اور کہنے لگے: حضرت علامہ بو علی سینا صاحب ۔۔لفظ ''گدھے'' کی

تاثیر آپ نے خود اپنے دل ودماغ اور جسم پر دیکھ لی، اب آپ ہی بتایئے، لفظ ''اللہ'' کی تاثیر کتنی زیادہ اور عظیم الشان ہو گی؟ ابن سینا نے جب مولانا کے یہ کلمات سنے ۔جیسے انہیں جاگ آئی ہو، وہ برسوں کی نیند سے جیسے اب بیدار ہو چکے ہو، انہوں نے اپنے سر کو جھٹکا دیا، آنکھوں کو ملنا شروع کیا، چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرنے لگا، اور یکایک جا کر شیخ کے قدموں میں گر پڑا، معافی ومعذرت چاہی، قدم بوسی کی، اور ان کے دامن سے لگ کر رونے لگا، اتنا چمٹ گیا کہ مولانا نے انھیں اپنے حلقہء ولایت ارادت وخلافت میں قبول فرما لیا، کہتے ہیں صحیح معنوں میں افلاک وفلکیات کا علم اب، ان کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

اوقات واسماء کی تاثیر کو مد نظر رکھ کر یہاں آج اس واقعے کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک اپنے تینوں عشروں (رحمت، مغفرت، نجات) کو لے کر رخصت ہو رہا ہے، جمعۃ الوداع بھی آج منایا گیا، اب ہمارے پاس اس ماہِ مبارک کے چند ایام ، ساعات اور لحظات ہیں، ان میں ہم لیلۃ القدر، مسنون اور نفلی اعتکاف، مابقے اوقاتِ سحر وافطار میں خوب خوب ذکر واذکار ، اوراد تلاوت اور صلوات وعبادات کا اتنا اہتمام کریں ، کہ اللہ تعالی کو راضی کر ہی لیں، خصوصاً اہلِ اعتکاف درود شریف ، اسمائے حُسنی، الحزب الاعظم ،دلائل الخیرات اور قرائت وتلاوت کر کے اپنے واسطے ،اہل محلّہ کے لئے ،ملک وملت اور پوری انسانیت

کیلیے دعاؤں کا التزام کریں۔

فضائلِ تراویح، اعتکاف، لیلۃ القدر اور عیدین

جنابِ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا:

۱: بیشک اللہ تعالی نے فرض کیا ہے تم پر رمضان کا روزہ اور سنت قرار دیا ہے اس (کی راتوں) کا قیام، (یعنی تراویح پڑھنا)، پس جو شخص اس کا روزہ رکھے اور اس (کی راتوں) میں قیام کرے، (یعنی تراویح پڑھے) ایمان کے اعتبار سے (یعنی روزے اور تراویح کو دین کا حکم سمجھے اور ثواب طلب کرنے کی نیت سے اور یقین (ثواب کا) سمجھ کر، تو ہوگا وہ عمل (روزہ اور تراویح) کفارہ (مٹانے والا) اسکے لئے جو گذرا (یعنی جو اس سے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں ماضی میں، وہ سب معاف ہو جاوینگے۔ پس اس مہینہ میں بہت نیکیاں کرنی چاہیئں۔ ایک فرض ادا کرنے سے ستّر فرضوں کا۔ اور کوئی نفل کام کرنے سے فرض کام کے برابر ثواب ملتا ہے)۔

۲: جس نے اعتکاف کیا دس دن (اخیر عشرہ) رمضان میں، ہوگا وہ (اعتکاف) مثل دو حج اور دو عمروں کے، (یعنی دو حج اور دو عمروں کا ثواب اسے ملے گا)۔

۳: جس نے اعتکاف کیا عبادت جان کر اور ثواب حاصل کرنے کے لئے، اس کے گذشتہ

گناہ بخش دیۓ جائینگے۔

لیلۃ القدر کی فضیلت کے بارے میں حق تعالی فرماتے ہیں، لیلۃ القدر خیر من الف شھر، یعنی لیلۃ القدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے، مطلب یہ ہے کہ اس رات میں عبادت کرنے کا اس قدر ثواب ہے کہ اس کے سوا اور ایام میں ہزار مہینے عبادت کرنے سے بھی اس قدر ثواب نہیں میسر ہو سکتا، جتنا ثواب اس ایک رات عبادت کرنے میں مل جاتا ہے۔

اس آیت کا شان نزول امام سیوطی نے لباب النقول میں بیان کیا ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرمایا بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی کا، جس نے ہزار مہینے اللہ تعالی کے راستے میں لگائے تھے، پس تعجب کیا مسلمانوں نے اس بات سے، تو نازل فرمائیں اللہ تعالی نے یہ آیتیں: (انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر، لیلۃ القدر خیر من الف شھر) یعنی یہ شب قدر بہتر ہے ان ہزار مہینوں سے جو اس اسرائیلی مرد نے اللہ تعالی کے راستہ میں لگائے تھے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا جو رات کو عبادت کرتا تھا صبح پھر جہاد کرتا تھا، یہ عمل کیا اس نے ہزار مہینے، پس نازل،

فرمائی اللہ تعالی نے (لیلۃ القدر خیر من الف شھر) یعنی ان ہزار مہینوں سے جن میں اس مرد نے عبادت وجہاد کیا تھا یہ ایک رات بہتر ہے۔

حدیث میں ہے، یہ مہینہ (یعنی رمضان) تمہارے پاس آگیا اور اس میں ایک ایسی :۴ رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے جو شخص اس رات (کی برکت، اطاعت وعبادت) سے محروم کیا گیا، وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہوا، اور نہیں محروم کیا جاتا ہے اس کی برکتوں سے مگر بڑا ہی حقیقی محروم ونامراد۔

بیشک اگر اللہ چاہتا، تو تم کو لیلۃ القدر پر مطلع کر دیتا (لیکن بعض حکمتوں سے :۵ بالتعیین اس پر مطلع نہیں کیا) لہٰذا اس کو (رمضان کے سات) آخری راتوں میں تلاش کرو، (کہ ان راتوں میں غالب گمان شب قدر کا ہے اور تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان راتوں میں جاگو اور عبادت کرو تاکہ تمہیں لیلۃ القدر میسر ہو جاوئے)۔

لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے۔ :۶

لیلۃ القدر ستائیسویں شب (رمضان کو ہوتی ہے) (اس رات کی تعیین میں بڑا :۷ اختلاف ہے، مگر مشہور قول یہی ہے کہ ستائیسویں کو شب قدر ہوتی ہے، بہتر یہ

ہے کہ اگر ہمت اور قوت ہو، تو اخیر کی دس راتوں میں جاگے رہو اور اس میں یہ ضروری نہیں کہ کچھ نظر آئے، جب ہی اس کی برکت میسّر ہو، بلکہ کچھ نظر آئے یا نہ آئے عبادت کرے اور برکت حاصل کرے۔ مقصود یہی ہے کہ اس رات کی برکت اور اس قدر ثواب کو حاصل کیا جائے، کسی چیز کا نظر آنا مقصود نہیں)۔

۸: جو بیدار رہا (عید) الفطر کی رات اور عید الاضحیٰ کی رات میں نہ مردہ ہوگا اس کا دل جس دن سارے دل مردہ ہونگے، (یعنی قیامت کے دن کی دہشتوں سے محفوظ رہیگا جس روز کہ لوگ قیامت کی سختیوں سے پریشان ہونگے)۔

مختلف ٹی وی چینلز کے اسلامی پروگرامز

میڈیا اور انسانی تہذیب و تمدن کے درمیان چولی دامن کا رشتہ ہے، معاشرے کو صحیح سمت بتانے والے ادیان نے اسی لئے آسمانی کتب اور صحائف کا سہارا لیا ہے، ظاہر سی بات ہے کہ کتب ہوں یا صحائف ان کا تعلق قلم سے ہے، قرآن کریم نے جب ہی تو فرمایا ہے کہ باری تعالی نے "قلم" کے ذریعے تعلیم دی ہے، نیز خود خالق کائنات نے قلم کی اہمیت اور مقام و مرتبہ جتلانے کے لئے اس کی قسم کھائی ہے، اسلام میں قرآن و حدیث کے فرامین، جمعے، عیدین، نکاح، حج اور دیگر مواقع کے خطبے اور حضور ﷺ کا مختلف سربراہانِ ممالک کے نام خطوط یہ سب میڈیا نہیں تو اور کیا ہے۔

دنیا ترقی کرتی رہی، ہر میدان میں نت نئی ایجادات کا سلسلہ جاری رہا، چنانچہ ذرائع ابلاغ میں بھی محیر العقول ترقی ہوئی، اخبارات و جرائد کی پرنٹ میڈیا ہو یا ریڈیائی و برقی آلات کے ذریعے سمعی نشریات ہوں، ہر جگہ ڈویلپمنٹ ہوئی، ان میدانوں میں بہت بڑے بڑے ادارے قائم ہوئے، شروع شروع میں یہ ادارے صرف حکومتوں کی زیر سرپرستی وزیر نگرانی مصروفِ عمل تھے، بعد میں صنعت کے طور پر پرائیوٹ سیکٹر میں بھی ان کی بنیادیں پڑ گئیں، ابتدائی

دور میں اشتہارات کا معاملہ نہیں ہوتا تھا، لہٰذا یہ ابلاغی ادارے مشتہرین کے دباؤ اور زیادہ سے زیادہ مال بنانے کے چکر سے آزاد تھے ۔ لیکن جب سے ہر پروڈکٹ کی پبلسٹی کے لئے ان نشریات کو ذریعہ بنایا گیا، وہیں سے ان کی آزادانہ حیثیت متاثر ہونا شروع ہوئی ۔

مزید ترقی کے بعد کیمرے نے ٹی وی کی راہ دکھائی ، سرکاری وغیر سرکاری چینلز آ گئے ، خبر رساں اداروں کے بجائے مختلف مقاصد کے تحت چینلوں کی نیٹ ورکنگ شروع ہو گئی ، یہاں تک کہ تہذیبوں کے تصادم میں سب سے بڑی جنگ جو لڑی جا رہی ہے وہ میڈیا وار'' ہے ، پورے پورے چینل خرید لئے جاتے ہیں، پروگرام ،اینکر پرسن ، '' ہوسٹ اور گیسٹ خرید لئے جاتے ہیں ، حتیٰ کہ چینلوں فلموں میں جو ہیرو عوام کو نظر آتا ہے ،وہ ہیرو نہیں مہرہ ہوتا ہے اور اصل ہیرو پروڈیوسر یا ڈائریکٹر کی حیثیت سے پس پردہ ہوتا ہے، بنیادی طور پر وہ پس پردہ ہیرو پوگرام تشکیل دیتا ہے ، پیش کار (ہیرو اینکر پرسن) کو دور کھڑے موسیقار کی طرح وہ اشارے کرتا ہے، اور یہ ان کے، اشاروں پر اداکاری یا ناچنے گانے کا عمل بجالاتے ہیں ، اینکر پرسن کہیں کہیں اپنی مرضی کا'' تڑکا'' بھی لگاتے ہیں ، مہمان کی باری سب سے اخیر میں آتی ہے ،وہ بھی اینکر پرسن کے تلقینی سوالات کا تابع ہوتا ہے، اب مجبور در مجبور در مجبور ان حضرات اور اشتہارات کے اسیر مالکان سے کیا گلہ اور ان کی کون سی تحسین ممکن ہے، آزادانہ حیثیت

کسی کی نہیں ہے، بین الاَقوامی چینلوں میں تو پورے پورے پروگرام کے متعلق کہہ دیا جاتا ہے کہ یہ پروگرام فلاں فلاں کمپنی کے تعاون سے چلایا جارہا ہے۔

سونے پر سہاگہ وہ خبر رساں ایجنسیاں ہیں، جو کسی حادثے کو خبر بنانا چاہتی ہے، ان کے اپنے مقاصد ہوتے ہیں، اپنا ایک روڈ میپ ہوتا ہے، ان کو اسی پر چلنا ہوتا ہے، بلکہ ان کو اسی پر چلایا جاتا ہے، وہ نان ایشو کو ایشو بنانے کی قدرت رکھتی ہیں اور اصل ایشوز کو دبا بھی سکتی ہیں، حقیقی صورتِ حال یا زمینی حقائق کے بجائے مذکورہ بالا تمام اداروں میں افکار و نظریات کو اس طرح پابند کیا جاتا ہے، کہ وہ جو سوچتے ہیں، وہی سوچنا پڑے وہ جو دیکھتے ہیں، وہی دیکھنا پڑ جائے، گویا آنکھیں آپ کی، دل ودماغ آپ کے، لیکن، فکرو نظر ان کی، سوچ اور تخیل ان کا، اسلام نے خبر رسانی اور شخصیات شناسی کی دنیامیں انسانیت کو جو صراطِ مستقیم "فن رجال" اور "فن جرح وتعدیل" کی صورت میں دکھایا تھا، اگر مسلمان ترقی کرتے، اسلامی دنیا ترقی یافتہ ہوتی اور یہ دونوں فنون آج بھی زندہ ہوتے، تو ہرگز عالم اسلام میں مذہبی غل غپاڑہ نہ ہوتا، لیکن ان فنون کی مردنی اور اغیار کے تابع محض ہونے کے بعد جو نقشہ میڈیا کے متعلق پیش کیا گیا، اس میں اسلام اور اسلامی پروگراموں کی گنجائش کہاں ہے، پھر بھی جو اس طرح کے پروگرامز پیش کئے جاتے ہیں، وہ بھی خدمت اسلام کے

لئے کم اشتہارات ، ریٹینگ کمائی اور خود نمائی ،کے لئے زیادہ ہوتے ہیں، ایسے میں کوئی اسے کس طرح اسلامی کسوٹی میں رکھ کر تول سکتا ہے ،اور اسی لئے کوئی تولتا بھی نہیں ، پھر شکایات کیوں اور گلے کیسے ، وہ تو صرف اس لئے کہ ہر پروگرام کی حدود ہوتی ہیں، یہاں حدود پھلانگی جاتی ہیں، بس اتنا عرض ہے کہ ممکنہ حد تک اسلامی حدود کی پاس داری ہو، محظورات سے اجتناب ہو، فحش پروگراموں میں کام کرنے والے لوگ بطور ڈپوٹیشن کے برآمد کردہ نہ ہوں، عرب دنیا میں اس پر بہت کام ہوا ہے ، وہاں سے استفادہ کیا جائے، ماہرین سے استفادہ کیا جائے ،مذہب کے حوالے سے احتیاط کے جو پہلو ہر جگہ مد نظر ہوتے ہیں، انہیں مد نظر رکھا جائے ،تاکہ یہ پروگرامز کم از کم مذہب کے ساتھ سنگین مذاق نہ ہوں، اور اگر ایسا بھی ممکن نہ ہو ،تو ترک کرنے میں کیا حرج ہے؟؟

ہماری ویب کا چھکا اور میری سینچری

میں گذشتہ بیس پچیس سال سے ۔ بحمداللہ وفضلہ ۔ قلم وقرطاس سے منسلک ہوں ، کتابیں بھی لکھیں ، حاشیے بھی چڑھائے ، شروح وتراجم کا بھی سلسلہ جاری رہا، مقالات ومضامین کی جولانگاہ میں بھی محوِ گردش رہا، شاعری بھی کی، جس سے عربی ، اردو ، پشتو اور فارسی میں دنیا بھر میں قارئین اور محبت کرنے والوں کا ایک بحر بیکراں بن گیا، میں ان تمام کتب خانوں ، اخباروں ، رسائل وجرائد ، ٹی وی ، ریڈیو اور ویب چینلز کا مشکور ہوں ، جنہوں نے ہمیں اس لائق سمجھا کہ ہمارے افکار ونگارشات عالمگیر انسانیت تک پہنچائے ، اللہ تعالی ان سب کا حامی وناصر ہو۔
لیکن پچھلے چند ہی ماہ سے ہمارا رشتۂ افکار ونظریات hamariweb سے جو جُڑ گیا، تو اس میدان میں خامہ فرسائی کی لذت ہی کچھ اور تھی ، ایک جدید ترین ویب سائٹ ، جس پر جاکر آپ کو صحافت ، خبر اور تفریح طبع کی قسما قسم اور رنگ برنگ اشیاء دستیاب ہوں ، میں نے اپنے بچوں محمد خان المظفر، موسی خان المظفر لبید خان المظفر اور بشری خان المظفر کے ساتھ ساتھ اپنے گھر والوں ، عزیزوں ، شاگردوں اور فیس بک ، ٹویٹر ، گوگل ، لینکڈان ، سکائپ ، کیکز اور ڈیلی موشن کے دوستوں کو بھی اس کی افادیت اور اہمیت بتادی ، ان میں سے بھی بہت سے لکھاری

ہیں ، انہیں ایک عمدہ میدان بھی مل گیا ،اور اخبارات ورسائل کے مدیران کی چاپلو سیوں سے بھی ان کی جان چھوٹی ۔

hamariweb کا ایک بہت بڑا فائدہ یہ ہے کہ کالم نویس کا مضمون نیٹ میں ہر وقت دستیاب ہے اور پوری دنیا کے دسترس میں ہے، نیز مائی پیج کے توسط سے آپ کے کالموں کی مکمل فہرست بمع ابتدائیہ ایک ساتھ موجود ہے ، گویا یہ ایک مرتب ومؤلف کتاب بنتی جارہی ہے ، چنانچہ امسال ۲۷ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ کو میرے مضامین کی معمولی سی سینچری مکمل ہوگئی ہے ، جبکہ آج ۱۴ اگست کو میں نے دیکھا کہ کیا حسنِ اتفاق نے ایک عظیم الشان چھکا ماردیا ہے ، یوں یہ ایام اس کی چھٹی hamariweb ہے سالگرہ کے ہیں ،اسی لئے میں نے اپنے اس کالم کا عنوان (''ہماری ویب'' کا بہت بڑا چھکا اور میری چھوٹی سی سینچری) رکھ لیا۔

ابرار صاحب اور ان کی ٹیم قابلِ صد بلکہ قابلِ ہزار ہا مبارکباد ہیں کہ انہوں نے زمانے سے ہم آہنگ انسانیت کی فلاح وبہبود کے لئے اس عظیم الشان ادارے کی بنیاد رکھی ،آج کی دنیا میں اسی طرح کے اداروں کی شدید ترین ضرورت ہے ، بذات خود ہماری ویب بطور ادارہ بھی انتہائی قابلِ ستائش ہے کہ وہ نہ صرف پاکستان کے ۱۰۰ ممتاز ترین ویب سائٹز میں سے ہے، بلکہ عالمی سطح پر بھی ۵۰۰ متاثر کن ویب سائٹز میں اپنا مقام حاصل کرچکا ہے ،اس موقع پر دعاؤں اور

نیک تمناؤں کے ساتھ ساتھ پاکستان کو یوم آزادی اور ہماری ویب کو سالگرہ مبارک ہو۔

مصر میں فرعونیت کا شیطانی رقص

عرب بہار تیونس میں ایک طالب علم بوعزیزی کی خود سوزی سے شروع ہوئی تھی، جس سے اگلے مرحلے ہی میں مصر، لیبیا، یمن میں بھی ہوا کی تازہ اور معطر جھونکیں آئیں، ان چار ملکوں میں مقتدر قوتوں نے بے دردی سے عوام کا قلع قمع کیا، مگر آخر کار ڈھیر ہوگئے، جوں ہی یہ ہوائیں جزیرۃ العرب کے شامی علاقے میں چل پڑیں، اور پورے شرق اوسط کو اپنی لپیٹ میں لینے لگی، خلیج، ایران اور شام کیا، روس اور چین کے، اہل اقتدار میں اس کے خوف سے تھر تھراہٹ پھیلنے لگی، ادھر امریکہ، اسرائیل اور یورپی یونین کے قدیم استعماری ممالک کو اپنے مفادات کے لالے پڑ گئے، شام میں ان خونخوار قوتوں نے تقسیم کار کے طور پر کہیں انقلابیوں کے حق میں کھوکھلے نعرے لگائے، ان کی تائید کی، انہیں اٹھانے میں کردار ادا کیا، مسلح اور باضابطہ افواج سے ان کو ٹکرانے کے لئے کچھ ساز وسامان اور اسلحہ بھی دیا، اور کہیں انہیں دہشت گرد قرار دے کر ان کی مخالفت بھی، کچھ نے برملا حکومت کی درندگی کا نہ صرف قولًا بلکہ عملًا ساتھ دیا، یوں بہار وخزاں کا یہاں شدید مقابلہ ہے، قرون وسطی سے لیکر آج تک شام میں اتنے ظلم، بربریت، اور سفاکیت کی مثال نہیں ملتی، افسوس یہ سلسلۂ کشت وخون تادم تحریر اپنی جوبن پر ہے۔

عرب بہار کے نتیجے میں حسن اتفاق سے مصر، لیبیااور تیونس میں اسلام پسند لوگ.بر سر اقتدار آ گئے، جنھوں نے اپنی تہذیب وتمدن اور خطے میں اپنے اثر ورسوخ کو ترکی اسلام پسندوں کی طرح عالم اسلام اور مسلمانوں کے حق میں آ گے.بڑھایا، بین الاقوامی مسائل ہوں یاشرق اوسط کا دیرینہ ناسور اسرائیل ہو.ان کی آواز سابق حکمرانوں کے بجائے اہل اسلام کی حقیقی آواز بننے لگی۔چونکہ شرق اوسط ہمیشہ سے استکباری قوتوں کا نصب العین رہاہے، وجہ اس کے بحر وبر کی مرکزی اور محوری حیثیت ہے، بالخصوص مصر کو یہ مفادپرست قوتیں ہر گز فراموش نہیں کرسکتیں، کہ ان کی عالمی تجارت کی شہ رگ سوئز چینل اور بحر احمر یہیں واقع ہیں.اس لئے وہ قوتیں یک دم متفکر ہو گئیں۔

مصر میں عرب بہار اپنے جلو میں کٹر استعمار مخالف اور پین اسلازم کے داعیان امام حسن البنا، سید جمال الدین افغانی، محمد عبدہ رشید رضا اور سید قطب شہید کے پیروکار اخوان المسلمین کو لے کر آئی، حسنی مبارک کے تختہ الٹ جانے کے بعد عدلیہ اور فوج نے لاکھ کوششیں کیں، کہ عوام کو مطمئن کرنے کے لئے انتخابات کا ڈھونگ بھی رچایاجائے اور اندر سے تانا بانا ایسابُناجائے کہ تبدیلی صرف چہروں اور مہروں کی ہو اور باہم کہتے ہوں گے ''ہاں '' اخوان کو کسی طرح عوامی ووٹ اور تایید نہ ملے '' صدارتی انتخابات میں

عدلیہ نے اخوان کے امیدوار خیرت شاطر کو نااھل قرار دیدیا، یہ ان کے لئے ایک بہت بڑا دھچکا تھا، مگر وہ سنبھل گئے ،انہوں نے ڈاکٹر محمد مرسی کا نام پیش کر دیا، سانپ کی طرح حکومتی خزانوں اور آسائشوں پر براجمان اسٹیبلشمنٹ نے اندر ہی اندر احمد شفیق کو فیوریٹ قرار دیدیا تھا، دھاندلیوں کے تمام تر انتظامات بھی کئے گئے تھے، عرب بہار سے خائف خلیج کے کچھ ممالک اور امریکہ و اسرئیل بھی اس کے حامی تھی، فوج، پولیس دیگر سیکورٹی فورسز اور الیکشن کمیشن جیسے ادارے بھی احمد شفیق کا ساتھ دے رہے تھے، مگر اخوان اور ان کے اتحادیوں کے نمائندے ڈاکٹر مرسی قریباً دس صدارتی امیدواروں میں سرِفہرست آ گئے ، اب انہوں نے ایک اور پلٹا کھایا، کہ نہیں جناب یہ ووٹ اس طرح تقسیم ہوا ہے کہ اس سے نتیجہ اخذ کرنا دشوار ہے ، لہذا احمد شفیق اور ڈاکٹر مرسی کے درمیان ون ٹو ون مقابلہ ہوگا، پھر دیکھی جائی گی ، کون جیتتا ہے ، کون ہارتا ہے، پہلے سے زیادہ سر جوڑ کران سانپوں نے یہ ٹینگیں کیں ، خوب خوب سازشوں کے جال بُنے، لیکن وہی ڈاکٹر مرسی ۵۱ فیصد ووٹ لے کر کامیاب ہو گئے ،احمد شفیق ہار گئے، انہوں نے بزبانِ حال اور قال کہا کہ اعلان تو ہم ہی نے کرنا ہے تو ہم اعلان ہی نہیں کرینگے ، چناں چہ ووٹنگ میں تشکیک کے لئے اجلاسوں پر اجلاس ہوئے ، ادھر مرسی کے حامیوں نے تحریر سکوائر جو انقلاب کی علامت تھا، میں جمع ہونا شروع ہوئے ، حالات ایک مرتبہ ایک نئے انقلاب کے در پر دستک دینے لگے ،تو ان خادمچوں اور ان کے شیطان صفت عالمی استعمار کے استاذوں کے

درمیان طے پایا کہ انہیں حکومت دیدی جائے ، لیکن ان کی ایک نہ چلنے دی جائے ، تاکہ یہ بطور حکمراں ناکام ونامراد ہوں ،ایک تو ان اسلام پسندوں سے جان چھوٹ جائیگی ، دوسرا یہ کہ بہار یہیں پر مرجھا جائے گی، اس کی برآمدگی خلیج اور دنیا کے دیگر ممالک میں ناممکن ہوجائی گی ۔

عجیب اتفاق دیکھیں کہ مرسی نے کچھ کچی گولیاں نہیں کھائی تھیں ، انہوں نے شروع میں طریقے طریقے سے اپنے ایجنڈے کو آگے بڑھانا شروع کیا، لیکن جب انہیں اندازہ ہوا کہ سیکورٹی فورسز اور اسٹبلشمنٹ کے سرغنے ان کی نہیں مانتے ، تو انہوں نے یکے بعد دیگرے ایسے بدقماش اور سازشی عناصر کو برطرف کردیا، صوبوں میں گورنروں کو تبدیل کردیا، دنیائے اسلام سے مضبوط روابط بحال کرنا شروع کئے ، غیر اسلامی ممالک کے دورے بھی کئے، چین ،انڈیا اور پاکستان بھی آئے ، توہین رسالت فلم پر تنقید میں اقوام متحدہ کے فورم پر ایک لازوال اور تاریخی خطاب کیا،اسرائیل کے غزہ پر آہن وآتش برسانے پر ایک لمحہ دیر کئے بغیر اپنا وزیر اعظم ہشام قندیل غزہ روانہ کردیا، اسی کے تسلسل میں امیر قطر، عرب وزرائے خارجہ ، ترکی اور ملائیشین وزرائے خارجہ نے بھی غزہ کے دورے کئے، دسیوں سالوں بعد فلسطین سے عالم اسلام کے تعلقات ایسے استوار ہوئے کہ اسرائیل میں کھلبلی مچ گئی ، انہوں نے صحرائے سینا اور مقدس کوہِ طور کے پاس اپنے ایجنٹوں کے ذریعے مصری افواج پر حملے کئے ، مصر کے بعض شہروں میں

متشرع لباس میں ان کے گماشتوں نے اسلام پسندوں کو بدنام کرنے کے لئے عام شہریوں پر حملے کئے ، کچھ کو قتل بھی کیا، دریائے نیل کا پانی مصر سوڈان کے راستے ایتھو پیا (حبشہ) سے آتا ہے ، حبشہ کی حکومت سے وہاں ڈیم بنا کر پانی رکوانے کی نا مسعود کوششیں کی گئیں ۔

ان تمام حالات میں جب دیکھا گیا کہ ڈاکٹر مرسی کوہِ ہمالیہ کی طرح سربلند کھڑا ہے ، وہ ایک نیا جال بُن کر آگئے ، بلیک بلاک اور ''تمرد'' جیسی تنظیمیں تیار کی گئیں ، انہیں میدان میں اتارا گیا، استعمار کے دیرینہ ایجنٹ محمد البرادعی سے ان کی سرپرستی کرائی گئی ، کہا یہ جانے لگا کہ ملک میں ''اخوانائزیشن'' ہو رہی ہے، اس بہانے کو اتنی ہوا دی گئی کہ سول نافرمانی اور ملین مارچ کرائے گئے، فوج نے اپنی سازشی حکمت عملی کے تحت ڈاکٹر مرسی کو حالات پر قابو پانے کے لئے ۴۸ گھنٹے کا الٹی میٹم دیدیا، ادھر فوج نے سیکورٹی فورسز کو مظاہرین کا ساتھ دینے کا اشارہ کر دیا، پولیس نے سرکاری املاک اور اخوان کے مراکز پر حملوں کے باوجود دپکڑ دھکڑ سے گریز کیا اور اتنے میں ۴۸ گھنٹے پورے ہوگئے ، دستوری اور منتخب صدر کو پسِ زنداں کر دیا گیا، ڈاکٹر مرسی کے حامیوں نے ۴۸ گھنٹوں کے مقابلے میں بڑی ثابت قدمی سے ۴۸ دن کے دھرنے دیئے ، ذکر اذکار اور وعظ و نصیحت کی محافل سجائیں ، کہیں کسی پودے کا ایک پتہ بھی نہیں گرنے دیا، مگر اس کے باوجود ان کی شنوائی کے

بجائے اس اثنا میں ان پر تین مرتبہ سٹریٹ فائرنگ کرکے 78.51. اور 3000
مظاہرین کو سڑکوں پر شہید کردیا گیا، ان کے خیمے، فیلڈ ہسپتال اور مساجد جلادی گئیں
جن میں 300 کے قریب شیر خوار بچے اور خواتین بھی جل کر راکھ ہو گئیں، جنرل،
عبدالفتاح سیسی اور کٹھ پتلی صدر عدلی منصور نے عرسِ فرعونیت مصر کو خون میں نہلا
کرمنایا، اب کیا ہوگا اور اخوان نیز استعماری قوتیں کیا لائحہ عمل اختیار کرتی ہیں، یہ اگلے
کالم میں۔

مسائل ھدایۃ النحو" بہترین شرح"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین، والعاقبۃ للمتقین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ، وبعد :

اسلام علم ومعرفت کا دین ہے " الاشیاء تُعرف باَضدادھا"، والے قانون کے تحت جب اسلام سے قبل کا زمانہ جاھلیت کہلایا جاتا ہے ، توظاہر سی بات ہے کہ مابعد کا علیت کا زمانہ ہوگا، اسی لئے دین اسلام نے ہمیشہ سے علم پروری کی ہے ، قرآن کریم کی تو ابتداء ہی لفظ "اقرا" سے ہوئی ہے ، مسلمانوں نے انسانیت میں اتنے علوم وفنون متعارف کرائے ہیں کہ اگر ان کا جمیع انسانیت سے اس میں مقابلہ کیا جائے ، تو اہل اسلام کا پلڑا اس میں بھاری ہوگا۔

ہمارے یہاں برصغیر یا پھر تمام عجم اقوام میں یہ نکتہ اظہر من الشمس رہنا ضروری ہے ،کہ بلاد عرب ہمیں اس لئے مقدس اور محبوب ہیں کہ یہاں اللہ تعالی کا گھر کعبۃ اللہ ہے ، نیز مسجد اقصی اور مسجد نبوی ہیں ، اقوام عرب ہمیں اس لئے مقدس اور محبوب اور ہمارے سردار ہیں کہ اللہ تعالی کا کل کائنات کے لئے آخری پیغامبر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم ان ہی میں سے ہیں ، ان کی زبان بجمیع لہجاتھا ولغاتھا وآدابھا ہمیں اس لئے معزز اور باعث افتخار ہے کہ اللہ کا کلام قرآن کریم اس زبان میں ہے ، بلاد عرب اقوام عرب ، لسان عرب ، میں سے اگر کسی ایک کے تقدس ،واجب المحبت والالتزام، میں اگر کسی بھی مسلمان کو شک ہو ،تو اس کے اپنے ایمان واسلام میں شک ہوگا، بد قسمتی سے ہم لوگ قرآن ،کعبہ اور رسول اللہ صلی علیہ وسلم سے تو محبت کے بڑے دعویدار ہیں ، مگر قرآن جس زبان ہے ، کعبہ جس جہاں میں ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جس قوم سے ہے ،ان سے ہمیں کماحقہ علی وجہ البصیرۃ محبت نہیں ہے ، خاص کر اہل فارس نے تو اسمیں ظلم سے بھی کام لیاہے، بعض مواقع پر ترکوں سے بھی یہ غلطی ہوئی ہے۔

بہر حال عربی زبان کے متعلق دسیوں علوم وفنون ایجاد کے گئے ،لیکن ان میں علم النحو ریڑ کی ھڈی کی حیثیت رکھتاہے ، اور وفاق المدارس العربیۃ پاکستان میں نحو کی جتنی کتابیں ہیں ان میں ھدایۃ النحو ریڑ کی ھڈی ہے ،اب آپ اس کتاب کی جلالتِ شان وعلوِ مرتبت کا خود ہی اندازہ لگائیں۔

اس کتاب کی بے شمار شرحیں اور حواشی لکھی گئیں ، سب اپنی اپنی جگہ پر مفید ہیں ، مگر آج کی زبان میں سب سے سہل ،جامع اور محیط شرح یہ ''مسائل ھدایۃ النحو'' ہے ، میں نے اس کا سرسری مطالعہ کیا، تو بے ساختہ اس پر یہ کلماتِ تقریظ لکھنے پر مجبور ہوا، خود مولانا سید محمد ارشد شاہ بھی ایک نفیس شخصیت کے مالک ہیں ، مفتی سید صلاح

الدین ان کے برد رِ خورد نے اس کام میں ان کی ایسی معاونت کی ہے، جیسی ہونی چاہئے تھی، استعداد ولیاقت میں بھی قابل رشک ہے، اسی لئے ان کی یہ کتاب طلبہ واساتذہ سب کے لئے یکساں مفید ہے۔

میری دعاء ہے، اللہ تعالی ان کو دن دوگنی، رات چوگنی ترقیاں نصیب فرمائیں اور ان کے تمام خدمات کو حسن قبولیت عطافرمائے۔

ولی خان المظفر

رئیس تخصص فی الأدب العربی بالجامعۃ الفاروقیۃ بکراتشی سابقاً

سفر حرم (۱

بقلم : لبید خان المظفر

ایک دن میرے ابو کچھ لوگوں کے ساتھ بات کر رہے تھے ان میں محترم طلحہ لدھیانوی بھائی بھی تھے، میں ان کے پاس آ گیا، تو ابو نے ایک آدمی سے کہا، اس بچے کی دادی اور تایاابو عمرے کے لئے جارہے ہیں ، اس وقت میں نے اپنے ابو سے کہا، ابو ہمیں ان کے ساتھ بھیجوادیں، ہمارے پاسپورٹز کو صرف ایک سال ختم ہونے میں باقی ہے ،تو میرے ابو نے کہا، ٹھیک ہے، ابو نے ہمارے پاسپورٹز ویزے کے لئے ان کو دید یئے ،ہمارے تایا ابو کے پاسپورٹ میں مدت ختم ہو گئی تھی،دو تین دن اس میں لگنے تھے، پھر ہم حیران، کہ اب پاسپورٹ میں ٹائم لگے گا، اور ہمارے ساتھیوں کے پاسپورٹز میں ویزے لگ گئے تھے ، یہ عجیب ماجری ہوا کہ اللہ تعالی نے ہمارے ویزے 24 گھنٹوں میں لگادئے ،اس وقت ہماری خوشی دیدنی تھی جس وقت ہمارا ویزا لگ گیا ، پھر میں تو جہاز میں سفر کیا ہوا تھا، مگر میری ہمشیرہ بشری خان المظفر نے جہاز کا سفر اس سے پہلے نہیں کیا تھا، جب ہم لوگ ایئر پورٹ گئے ،تو میری ہمشیرہ بہت خوش ہوئی، کہ میں جہاز میں پہلا سفر کرونگی ،کتنا مزا آیگا ، پھر jinnah international air port گئے،ایئر پورٹ کے اندر والے حصے میں جیسے ہی داخل ہوئے، سیکیورٹی عملہ نے ہماری چیکنگ کری اور پھر ہم loung گئے، وہاں

اچھا خاصا انتظار کیا، پھر جہاز میں گئے، حضرت حاجی عبد اللطیف طاہر صاحب، مولانا الیاس اور ان کے دیگر رشتے داروں میں سے شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃاللہ علیہ کی صاحبزادی بھی اس مبارک سفر میں تھی، ہوتے ہوتے وہاں سعودی عرب کے 8 بج گئے، ہم جہاز سے رات بارہ بجے جدہ international air port پہنچ گئے، وہاں بس دیکھتے ہی ہم حیران، مگر میرے تایا ابو نے اور دادی نے پہلے حج کیا ہوا تھا، میرے تایا ابو (حضرت حاجی محمد رو خان المظفر) نے مجھے بتایا، یہاں کی بس کی اسپیڈ 240 ہوتی ہے اور سڑکے بھی عمدہ ہیں، اسی لئے یہاں کے ڈرائیورز بھی بہت اچھے طریقے سے گاڑی چلا رہے تھے، پھر ہم لوگ مکہ مکرمہ میں اپنے ہوٹل گئے، جس کا نام mubarak تھا، خوبصورت کمرے، اچھی quality کے گدے، پھر ہم لوگ صبح کو حرم گئے، کیا خوبصورت اللہ تعالی کا گھر، ہم نے عمرہ کیا اور ہوٹل واپس آئے، پھر روزانہ ہم لوگ ایک عمرہ کرتے، حرم میں نمازیں پڑھتے، طواف کرتے،تلاوت کرتے اور کعبۃاللہ کا خوب دیدار کرتے۔

عمرہ میں صرف چار ارکان ہوتے ہیں: ۱۔احرام۔۲۔طواف۔۳۔سعی۔۴۔حلق یا قصر۔

راشد بھائی، بیگم راشد اور انکی ننھی سی پھول جیسی بیٹی رُفقہ سے ان کے گھر اور حرم میں روز ملاقات ہوتی، انہوں نے ہمارا بہت خیال رکھا، عرفات مزدلفہ اور منی لے گئے، مکے شہر میں بھی گھمایا۔

ہمارے کُل دادا (چچا جی جناب بحر اللہ خان المظفر) بھی مکہ مکرمہ میں ہوتے ہیں، وہ روز دادی جان اور تایا ابو کے پیر دبانے، خدمت کرنے اور سودا سلف لانے تشریف لاتے تھے، وہ ہم سے دوستوں کی طرح گھل مل جاتے، ہنسی مذاق کرتے، مختلف چیزیں دلاتے، اکثر ہم سے عربی میں باتیں کرتے، چونکہ میں اور بشریٰ (اسلامک انسٹیٹیوٹ فار ایجوکیشن) میں پڑھتے ہیں، اس لئے ہم گذارے کی عربی بول چال کر لیتے ہیں، ورنہ پاک وہند میں عربی کی کسمپرسی کے بارے میں جناب مسعود عالم ندوی کیا لکھتے ہیں، ذرہ پڑھئے:

اس کا رونا تو اب فضول ہے، کہ ہمارا ملک عربوں کے ابرِ کرم سے گویا محروم رہا اور'' اس بد قسمت سرزمین کے حصے میں درہ خیبر سے آنے والے ایسے کچھ فاتح آئے، جن کی زبان ترکی یا فارسی تھی اور جن کا اسلامی تصور خود بدعات وخرافات کی وجہ سے واضح اور صاف نہیں تھا، ظاہر ہے، ایسے بادشاہوں اور کشور کشاؤں کی سرپرستی میں عربی زبان کس طرح پروان چڑھ سکتی تھی؟ نتیجہ یہ ہوا کہ آغازِ اسلام سے شاہ ولی اللہ دہلوی (1114ھ۔ 1176ھ) سے پہلے تک شمالی ہند میں عربی کے دو چار اچھے لکھنے والے بھی نہیں ملتے۔ شمالی ہند کے مایۂ ناز شاعر آزاد بلگرامی تک کا یہ عالم ہے کہ ان کی شاعری خالص عجمی اور ہندی رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ گجرات وسندھ کے علاقوں سے صرفِ نظر کر لیجئے، تو کیا دین، کیا زبان، ہر لحاظ سے شمالی ہند میں گھٹا ٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔

یہ ایک ٹھوس تاریخی حقیقت ہے۔ خواہ اربابِ ''غنیمت، اور شاہ پرستوں'' کو اس سے کتنی ہی تکلیف کیوں نہ ہو۔ لیکن ہماری اور آپ کی آرزوؤں سے حقیقتیں نہیں بدل سکتیں، اور

نہ اسلامی دستور وآئین میں ایسے بادشاہوں کے لئے کوئی جگہ نکل سکتی ہے۔پرافسوس یہ ہے کہ ہندوستان میں عربی زبان کی یہ بے بسی اب بھی دور نہیں ہوئی اور 50،60 سال سے صحیح زبان کی ترویج وتعلیم کے لئے مخلصانہ کوششیں جاری ہیں، مگر اب تک خاطرخواہ کامیابی حاصل نہیں ہو سکی ہے۔کامیابی کی راہ میں سب سے.بڑی رکاوٹ وہ اصحاب درس ہیں، جو اب تک ارسطور کی سڑی ہوئی ہڈیوں پر فاتحہ خوانی کو علم سمجھے بیٹھے ہیں اوران کے ذہن میں کسی طرح یہ حقیقت اتر نہیں پاتی کہ کتاب عزیزاودین کے فہم کے لئے یونانی خرافات سے زیادہ ''علم عربیت'' کی ضرورت ہے''۔

(جاری ہے)

آبِ زمزم

زمزم کا پانی حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت ہاجَرعلیہا السلام کے شیر خوار بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی پیاس بجھانے کے بہانے اللہ تعالیٰ نے تقریباً ۴ہزار سال قبل مکہ مکرمہ کے بے آب وگیاہ ریگستان میں جاری کیا جو آج تک جاری ہے۔

چاہِ زمزم مسجدِ حرام میں خانہ کعبہ کے جنوب مشرق میں تقریباً ۲۱ میٹر کے فاصلے پر تہ خانے میں واقع ہے، یہ کنواں وقت کے ساتھ ساتھ سوکھ گیا تھا نبی پاک ﷺ کے دادا حضرت عبدالمطّلِب نے دوبارہ کھدوایا، جو آج تک جاری وساری ہے، آبِ زمزم کا سب سے بڑا کنواں حجرِ اسود کے پاس ہے۔ جبکہ اذان کی جگہ کے علاوہ صفا ومروہ کے مختلف مقامات سے بھی نکلتا ہے، ۱۹۵۳ء تک تمام کنوؤں سے پانی ڈول کے ذریعے نکالا جاتا تھا، مگر اب مسجدِ حرام کے اندر اور باہر مختلف مقامات پر آبِ زمزم کی سبیلیں لگادی گئی ہیں، زمزم کا پانی مسجدِ نبوی ﷺ میں بھی عام ملتا ہے،اور حجاج کرام یہ پانی دنیا بھر میں اپنے ساتھ لے جاتے ہیں۔

فضیلت:

ابن قیم جوزی رحمہ اللہ تعالیٰ کہتے ہیں: زمزم سب پانیوں کا سردار اور سب سے زیادہ شرف وقدر والا ہے۔ لوگوں کے نفوس کو سب سے زیادہ اچھا اور مرغوب اور بہت ہی قیمتی ہے، جو کہ جبریل علیہ السلام کے کھودے ہوئے چشمہ اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسماعیل علیہ السلام کی تشنگی دور کرنے والا پانی ہے۔

نیز نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلاشبہ زمزم بابرکت اور کھانے والے کے لیے کھانے کی حیثیت رکھتا ہے صحیح مسلم، حدیث نمبر: ۲۴۷۳۔

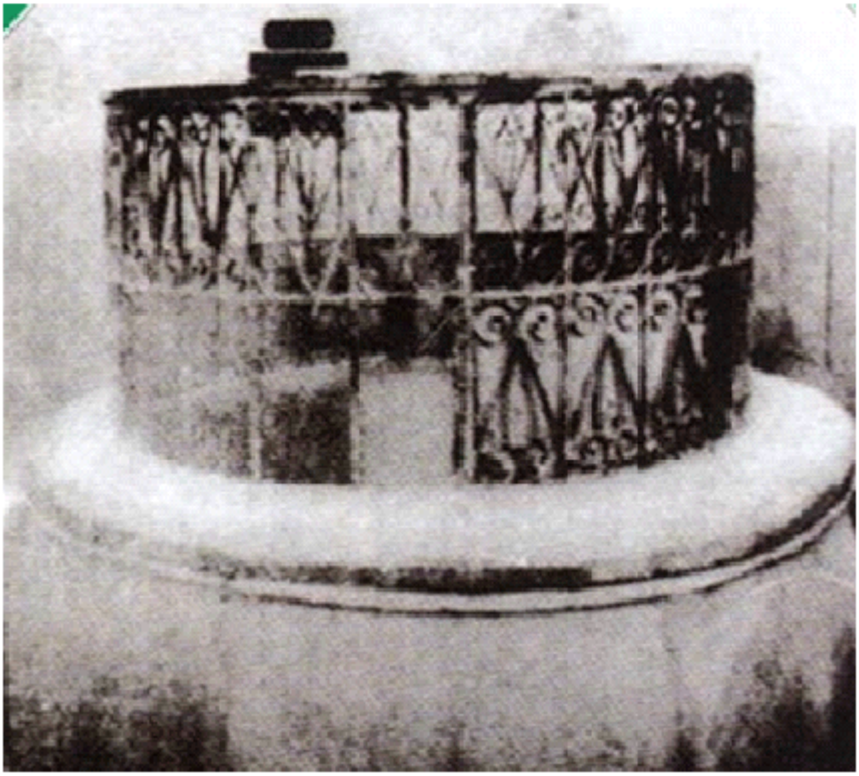

چاہِ زمزم کی ایک قدیم تصویر

ایک روایت میں ہے:''ماء زمزم لِما شُرب لہ'' یعنی آبِ زمزم جس مقصد کے لئے

بھی پیا جائے اسی کے لئے ہے، گویا پینے والا پیتے وقت جو نیت کرکے پئے گا اسکی وہ مقصد براری ضرور ہو گی۔ عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ نے جب حج کیا تو وہ زمزم کے پاس آئے، کہنے لگے اے اللہ! مجھے ابن ابی الموالی نے محمد بن منکدر سے اور انہوں نے جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حدیث بیان کی کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: زمزم اسی چیز کے لیے ہے جس کے لیے اس سے نوش کیا جائے، اور میں روزِ قیامت کی تشنگی اور پیاس سے بچنے کے لیے اسے پی رہا ہوں۔

اور ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ یہ بیماری کی شفا ہے۔ مسند البزار، حدیث نمبر: ۱۱۷۱۔ ۱۱۷۲۔ اور معجم طبرانی الصغیر، حدیث نمبر: ۲۹۵۔

عصر حاضر میں چاہِ زمزم کی ایک خوب صورت تصویر

تجربات:

علماء نے اس حدیث پر عمل اور تجربہ بھی کیاہے ،علا مہ ابن قیم رحمہ اللہ تعالی فرماتے ہیں کہ میں نے اور میرے علاوہ دوسروں نے بھی زمزم پی کر تجربہ کیاہے ،کہ اس سے عجیب وغریب قسم کی بیماریاں جاتی رہتی ہیں اور مجھے زمزم استعمال کرنے کی وجہ سے کئی بیماریوں سے شفا نصیب ہوئی ہے، الحمداللہ میں ان سے نجات حاصل کرچکاہوں.

علامہ صاحب نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اس کابھی مشاہدہ کیا ہے ،کہ متعدد حضرات نے زمزم کو پندرہ یوم سے بھی زیادہ تک بطورِ غذا استعمال کیا اور انہیں بالکل بھوک محسوس نہ ہوئی، اور دیگرلوگوں کے ساتھ گھل مل کر باقاعدہ طواف کرتے رہے۔

مصر کا بحران ۔۔۔ فوج کو اپنے روڈ میپ پر اصرار ہے

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد خلافت کا جو تسلسل تھا، وہ کسی نہ کسی کمزور یا طاقتور صورت میں راشدہ، امویہ، عباسیہ، اور عثمانیہ کے عناوین تلے اتاترک کے الغائے خلافت 22 رجب 1924ء تک قائم رہی، ترکوں کی خلافت عثمانیہ کو آخری ادوار میں ''مرد بیمار'' اس لئے کہا جانے لگا تھا، کہ 1918 ء کی پہلی عالمی جنگ میں وہ اندر سے اتنی مضمحل ہو گئی تھی، کہ گرنے سے قبل ہی اس کے بہت سے اعضاء بکھر گئے تھے، ان ہی اعضاء میں سے ایک وہ عظیم مصر تھا جو موجودہ مصر، لیبیا، سوڈان، ارتیریا، جبوتی، صومالیہ اور منطقۂ شام پر مشتمل تھا، مصر میں سوئز چینل (جسکی وجہ سے بحر احمر اور بحر متوسط دونوں کا ملاپ ہوا) مغربی قوتوں کے اثر ونفوذ کا باعث بنا، جہاں لاکھوں کام کرنے والے مزدوروں کی نگرانی کرنے والے یورپ سے آئے ہوئے گورے ہی تھے، اس چینل کے دونوں اطراف دو شہر اس وقت کے حکمرانوں کے نام سے بسائے گئے تھے، سعید باشا کے نام سے ''بورسعید'' اور اسماعیل باشا کے نام سے ''اسماعیلیہ''۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ اس منصوبے کی تکمیل پر اسماعیل باشا نے جو تقریب 16 نومبر 1969ء کو منعقد کی تھی، اس کے سامنے الف لیلوی خیالی داستانیں بھی ماند پڑ جاتی ہیں، ہمارے یہاں برصغیر کے مسلم وغیر مسلم نواب زادوں کی طرح ان نوابوں کی تعلیم وتربیت بھی مکمل

طور پر استعماری ملکوں میں ہوتی تھی، اسی لئے اسماعیل باشا جو مصر میں جمہوری اور منتخب مجلس شوری کے بانی کہلاتے ہیں نے یہ اعلان بھی کر رکھا تھا" مصر یورپ ہی کا ایک ٹکڑا ہے"، جس کا واضح مطلب یہ تھا کہ مصر عالم اسلام، خلافت عثمانیہ اور عالم عربی کے طرز پر نہیں بلکہ یورپی طرز معاشرت و حکمرانی یعنی سیکولرزم اورالحادپر عمل پیرا رہے گا، ان کے اس نظریئے کی تشریحات بعد میں مصری سیکولر مفکرین طہ حسین، احمد لطفی اسماعیل مظہر، محمد حسین هیکل، اور عباس محمود عقاد نے اپنی متعدد مقالات وتالیفات، میں اسی طرح کیں، گویا یہاں انہوں نے مغربی طرز پر مذہب کو سیاست سے الگ رکھنے پر زور دیا ہے۔

مصریوں کا ایک دوسرا مسئلہ یہ بھی تھا، کہ وہ اسلاف میں کبھی فراعنہ، کبھی مسلم، کبھی عرب اکابر پر فخر کرتے تھے، پھر ان تینوں میں تاریخی لحاظ سے منقسم بھی تھے، اب جدید زمانے میں سیکولرزم اور مغربیت نے ان میں اس حوالے سے مزید انتشار پیدا کر دیا، چونکہ یہاں کا مذہبی معاشرہ مسلم، عیسائی، یہودی اور نسلی معاشرہ عرب، قبطی، افریقی کا پہلے سے ہی ملغوبہ تھا، اب ان میں سیکولرز اور ملحدین کا بھی خاصا اضافہ ہوا ہے، مشکل یہ ہے کہ یہاں کے عیسائی اپنے چرچ کی اتباع میں ریاست اندر ریاست بنائے ہوئے ہیں، اور قبطی بین الاقوامی عدالت انصاف کے دروازے پر دستک دے چکے ہیں، کہ مصر کو عالمی برادری

قبطی شہنشاہیت اور اس کی سرکاری زبان عربی کے بجائے قبطی کو قرار دیا جائے، جامعۃ الازھر بھی گزشتہ ایک ہزار سال سے یہاں ایک عظیم اسلامی شناخت اور مرکز افتاء وارشاد ہے۔

انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں کے اوائل میں شرق اوسط ایک اور خطرناک مصیبت سے دوچار ہوئی، وہ یہ کہ یہودیوں نے عثمانی خلیفہ عبد الحمید سے فلسطین میں اپنی ریاست قائم کرنے کی درخواستیں پیش کردیں، جن کے ٹھکرانے کے پاداش میں خلافت شکست وریخت سے دوچار ہوئی اور یہودیوں نے برطانیہ وامریکا کی آشیرباد سے یہاں زمینوں پر قبضے شروع کئے اور کچھ یہاں چرچ کی اجازت سے عیسائیوں سے خرید بھی لیں، امت مسلمہ میں اس سے بے چینی پھیلنا ظاہری بات تھی، اس لئے الغائے خلافت کے ساتھ ہی 1926 میں "الشبان المسلمون" اور 1928 میں "الاخوان المسلمون" جیسی تنظمیں فلسطین کے پڑوس مصر میں قائم ہوئیں، ان تحریکوں نے دھیرے دھیرے جب زور پکڑ لیا، تو بیسویں صدی کے اواسط میں ان کو کچلنے کے لئے عرب قومیت کے علمبردار جمال عبد الناصر کے ذریعے شہنشاہیت ختم کرواکر ملک کو عرب قوم پرست جمہوریہ بنایا گیا، تاکہ اسلام اور عالم اسلام کے نام پر سیاست کرنے والوں کا سد باب کیا جاسکے، مگر 1968ء کی جنگ میں جب وہ استعمار کے بغل بچے اسرائیل کو شکست دینے لگا، تو ان کی فتح کو شکست تبدیل کرکے مصریوں کے دائرہ کو عالم اسلام سے عالم

عرب اور عالم عرب سے مصر قومیت میں محدود کرنے کیلئے انور السادات کو لایا گیا، ان کا نقطۂ نظریہ تھا کہ مصری اپنی ذات میں ایک مستقل اور الگ قوم اور قدیم فراعنہ کی نسل ہے، ان کا عالم اسلام یا عالم عرب سے ارتباط کرنا کوئی معنی نہیں رکھتا، اس موقع پر مصر کو حجاز سے کاٹنے کے لئے قرآن کے اعلان کے مطابق مکہ مکرمہ کے ام القری وام الدنیا کے مقابلے میں مصر کو'' ام الدنیا'' کا لقب بھی دیا گیا، بعد میں حسنی مبارک نے بھی ان کے نقش قدم پر چل کر ان ہی کے ایجنڈے کو آگے بڑھایا، اسی اثنا میں مصری افواج اور امریکی افواج کے درمیان کئی اسٹراٹیجک معاھدے ہوئے، جن کے تناظر میں میں امریکہ نے 1.5 ڈالر سالانہ امداد پر دستخط کئے، نیز باہمی معلومات کا تبادلہ اور مصری فوج کی تربیت بھی ان معاھدوں میں شامل تھیں، یہ سب کچھ اسرائیل کی حفاظت اور منطقے میں اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے تھا، اسی لئے زیادہ تر توجہ مصری افواج کی سکولر، ملحد اور لادین نظریہ سازی پر رہی، چنانچہ ترک فوج کی طرح مصری فوج بھی پوری طرح اس دام میں پھنس کر رہ گئی، حسنی مبارک ذہنی تربیت میں ان کا اتالیق تھا، وہ بظاہر ایک منتخب صدر تھا، بزعم خویش وہ یہاں کا بادشاہ تھا، پر حقیقی معنوں میں فوج کا اسیر بھی تھا۔

منطقے میں مذہبی بنیادوں پر قائم اسرائیل اس کے مدمقابل ایران میں اسلامی انقلاب اور افغان جہاد نے عرب دنیا میں تازگی، مذہبیت، اور آزادی کی

ہوائیں چلادیں، جو بپھری ہوئی لہروں کی طرح آج سے دوسال قبل حکمرانوں کے قلعوں اور ان کے محلات کے درودیوار سے ٹکراگئیں اور سب کچھ بہا کرلے گئیں، پھر سے منطقہ بالکل صاف اورچٹیل میدان بن گیا،خدا کا کرنا یہ ہوا کہ خلا کو پر کرنے کیلئے اگر کوئی تنظیم یا سیاسی جماعت یہاں تھی تو وہ ان ہی اسلام پسندوں کی تھی، جنہوں نے خلافت کے اختتام پر اپنی بنیادیں ڈالی تھیں، بس پھر کیا تھا، وہ آناً فاناً برسر اقتدار آگئے، اور وہ جو عالمی استکباری طاغوتی قوتیں خلافت سے خار کھائے ہوئے تھیں، وہ ایک مرتبہ سرجوڑ کربیٹھ گئیں، نہ چاہتے ہوئے بھی زمامِ حکومت ڈاکٹر مرسی کے حوالے کردی گئی، لیکن ان کے حکومت میں آنے سے قبل ہی بقول طیب اردگان و تجزیہ نگاران اسرائیل، امریکہ اور کچھ دیگر خفیہ قوتوں نے ان کو برخاست کرنے کا پلان بنا لیا تھا، حکومت میں آنے کے بعد ڈاکٹر مرسی یہ سمجھنے سے قاصر رہے کہ حسنی مبارک کے خلاف انقلاب جتنا عوام نے برپا کیا تھا، اتنا ہی فوج بھی ان سے تنگ آگئی تھی بحیثیت ایک مہرہ ان کا رول ختم ہوگیا تھا، مرسی نے بابائے فوج طنطاوی کو برطرف کردیا جس سے مسلح قوتیں ناراض ہوگئیں، پھر انہوں نے عدلیہ میں صفائی کا عندیہ دیا، اٹارنی جنرل بھی تبدیل کردیا، کچھ علاقوں کے گورنرز بھی نئے لے کر آئے، نیا آئین جو منظور کرادیا، وہ بھی مکمل اسلامی، شام میں برملا مداخلت کی وجہ سے امریکہ و خلیجی ممالک پوٹن سے سخت ناراض تھے، مرسی نے ان سے بھی آزاد خارجہ پالیسی اپناتے ہوئے دوستی کا ہاتھ بڑھایا، اس طرح

اسرائیل ،امریکہ اور ان کے حواری تو ان سے شروع ہی سے ناراض تھے ، ملکی افواج عدلیہ اور اسٹبلشمنٹ کو بھی انہوں نے خفہ کردیا، خلیجی ممالک میں بھی بے چینی پھیل گئی ، اب ان تمام نے سوچ سمجھ کر یہاں الجزائر سیناریو کو اپنانے کی ٹھانی، تو ملک میں بجلی ،گیس اور پیٹرول کا بحران آیا، مرسی کی صرف اخوان ہی پر نگاہ مرکوز ہونے کی وجہ سے دیگر مذہبی جماعتیں بھی مخالف ہوگئیں ، مصنوعی ملین مارچ کرائے گئے ، مرسی سے مستعفی ہونے یا مڈٹرم انتخابات کرانے کا مطالبہ ہوا، وہ نہ مانے تو انہیں ہٹایا گیا، ہٹانے والوں کو پتہ تھا کہ اخوان بھی دھرنوں ،مظاہروں اور جلوسوں پر اتر آئینگے ، لیکن انہیں سختی سے کچل دیا جائے گا، چنانچہ وہی ہوا اور خوفناک ،وشرمناک حدتک ہوا، ورنہ دھرنوں کو ختم کرانے کے لئے بہت سی تدابیر اختیار کی جاسکتی تھیں ، مگر پری پلان کے تحت یہ سب کچھ کیا گیا ،اس پر احتجاجاً البردعی نے استعفی دیا، تو اب ان کے خلاف خیانت کا مقدمہ بھی بنایا گیا، اخوان المسلمین پر پابندی کے اشارے بھی مل رہے ہیں خلیجی ممالک نے بھی اپنا پورا وزن فوج کے جانب ڈال دیا ہے ، دنیا میں اسلام پسندوں کے لئے دہشت گردی کا لیبل اور اس کے پاداش میں ان کی بیخ کنی آئے روز کا معمول ہے، وہ لیبل بھی ان پر چسپاں کیا گیا ہے ، امریکہ اور دیگر استعماری قوتوں نے رابعہ عدویہ اور نہضہ میں قتل عام کی وجہ سے اپنے ملکوں میں موجود انسانی حقوق کی تنظیموں سے ڈرتے ہوئے فوج اور عبوری حکومت کی مکمل تائید تو نہیں کی، مگر اندر سے خلیجی

ممالک جو ان کے اشاروں پر ناچتے ہیں ،کے ذریعے ان کی ہر طرح کی مدد کا اعلان کردیاہے ، اب موجودہ منظر میں یاتو اخوان کو بہت زیادہ قربانی دے کر عبدالفتاح السیسی کو ہٹانا ہوگا۔ یا پھر گزرتے دنوں کے ساتھ وہ کسی سمجھوتے پر راضی ہو جائینگے ، ملک خانہ جنگی کی طرف بھی جاسکتاہے ، اس صورت میں شام اور صومالیہ کی طرح مصر کے تتر بتر ہونے کا بھی اندیشہ ہے ،اگر عالم عرب یا عالم اسلام کے سربراہوں میں سے کچھ حضرات قاہرہ چلے جائیں ، اور وہاں کئی روز بیٹھ کر دونوں اطراف سے مفصل اور طویل مذاکرات کریں ، پھر دونوں کے درمیان مصالحت کراکے ایک میز بٹھایا جائے ، کچھ لو اور کچھ کے فارمولے پر اتفاق کیاجائے تویقینا بہتری کی امید کی جاسکتی ہے ، دور بیٹھ کر بیانات جلتی پر تیل کے کام کے سوا کچھ نہیں ۔

کچھ پانامہ کے مسلمانوں کے بارے میں

عمرہ کے ایک سفر میں.براعظم جنوبی امریکہ کی ریاست پانامہ کے مولانا افضل پٹیل بھی حضرت سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان حفظہ اللہ کی خدمت میں تشریف لائے، مولانا دارالسلام ڈیوزبری (برطانیہ) میں پڑھتے رہے، نظام الدین دہلی کے فارغ التحصیل ہیں، ان کے ساتھ ان کے والد جناب سعید پٹیل صاحب بھی تھے، جو کہ حضرت مسیح الامت مولانا مسیح اللہ خان صاحب نور اللہ مرقدہ (جلال آباد، انڈیا والوں) کے خلیفہ ہیں، مولانا پٹیل نے ''مدرسہ تعلیم الاسلام'' کے نام پر پانامہ سٹی کے مضافات میں ایک ادارہ قائم کیا ہے، جہاں (کنز الدقائق) تک تعلیم دی جارہی ہے، اس کے علاوہ پانامہ سٹی میں ان کے والد صاحب کا مسلم سکول بھی ہے، جو ''سنی مسلم ریلیجیز ایسوسی ایشن آف پانامہ'' کے زیر نگرانی کام کر رہا ہے۔

یہ حضرات بھی تبلیغ کے کام سے منسلک ہیں، سینٹرل امریکہ کے اس ملک کی تین ملین آبادی میں مسلمانوں کی تعداد 5000/ (پانچ ہزار) ہے، سرکاری زبان اسپانش ہے، دینی مکاتب کئی ہیں، خوش قسمتی سے مسلمانوں کے لئے دعوت و تبلیغ کے ساتھ ساتھ مدارس ومکاتب وغیرہ قائم کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے، وہاں کے مسلمانوں کا دینی جذبہ: '' ذرہ نم ہو تو یہ مٹی بڑی زرخیز ہے ساقی'' کی

حقیقی تصویر ہے۔کیا کوئی ہے جو اس منطقے کو مختص کرکے اپنی کوششوں کا مرکز بنا کر، حضور ﷺ کی قرآن وسنت اور توحید ورسالت والی دعوت کو یہاں عام وتام کردیں؟ شاعرنے کیا خوب کہا:

اے خدا، نام مسلماں کا ہو دنیا میں بلند
اس بلندی کو کہیں 'خطرہ پستی نہ رہے
(مولانا ظفر علی خان مرحوم)

پانانا نہر کے خارجی گیٹ کاایک منظر

(panama) کی سرحدیں بحیرۂ کیریبین، کو لمبیا، بحرالکاہل اور کو سٹاریکا سے ملتی ہیں۔ یہ ایک خاکنائے ہے، جسے کینال زون (نہری علاقے) نے دو حصوں میں

منقسم کردیا ہے۔

ساحلی علاقہ جہاں کاشت ہوتی ہے' کے علاوہ تقریباً سارا ملک کوہستانی ہے، مشرقی حصہ اور کیربین کا علاقہ بارانی جنگلوں سے ڈھکا ہوا ہے، ۲۵ فیصد قومی آمدنی کینال زون کے پٹے کی فیس اور لیبر سے حاصل ہوتی ہے، چاول، گنا اور کیلا اہم زرعی اجناس ہیں، معدنی ذخائر سے تاحال استفادہ نہیں کیا گیا، آبادی میسی ٹورز اور غرب الہند کے تارکین وطن پر مشتمل ہے، ریڈ انڈین بھی خاصی تعداد میں ہیں، ملک میں ایک ایوانی پارلیمنٹ ہے، آزادی کے بعد متعدد فوجی انقلابات آچکے ہیں، ملک میں نو صوبے ہیں، جن پر مرکزی حکومت کے مقرر کردہ گورنر حکومت کرتے ہیں۔

نہر پاناما :

یہ وہی نہر ہے جس کے ذریعے بحری جہاز بحر اوقیانوس اور بحر الکاہل کے درمیان سفر کر سکتے ہیں، اس نہر کی تیاری انجینیرنگ کے منصوبہ جات کی تاریخ کا سب سے بڑا اور مشکل ترین منصوبہ تھا، اس کی تعمیر سے علاقے میں جہاز رانی پر انتہائی مثبت اثرات مرتب ہوئے، کیوں کہ اس سے قبل جہاز برِ اعظم جنوبی امریکہ کے گرد چکر لگا کر (Cape Horn) سے بحر الکاہل میں داخل ہوتے تھے، اس طرح نیویارک سے سان فرانسسکو کے درمیان بحری فاصلہ کم ہو کر ۹ ہزار ۵۰۰ کلو میٹر

ہزار میل) ہوگیا، جو اس سے قبل 22ہزار 500 کلو میٹر (14 ہزار میل) تھا، اس ۲)
جگہ نہر کی تعمیر کا منصوبہ 16ویں صدی میں سامنے آیا تھا، تاہم اس پر تعمیر کا آغاز
فرانس کی زیر قیادت 1880ء میں شروع ہوا، اس کوشش کی ناکامی کے بعد اس پر
امریکہ نے کام کیا اور 1914ء میں اس نہر کو مکمل کرکے کھول دیا گیا، 77 کلو میٹر (
میل) طویل اس نہر کی تعمیر میں کئی مسائل آڑے آئے، جن میں ملیریا اور یرقان 48
کی وباء اور تودے گرنا شامل ہیں۔

اس نہر کی تعمیر کے دوران اندازاً 27ہزار 500 مزدور ہلاک ہوئے، جس میں 1881
ء سے 1889ء تک جاری رہنے والا ناکام فرانسیسی منصوبہ بھی شامل تھا، جس میں 22
ہزار مزدور کام آئے، تمام تر احتیاطی اقدامات کے باوجود 1904ء سے 1914ء تک
جاری رہنے والے امریکی منصوبے کے دوران بھی 5ہزار 609 کارکن ہلاک ہوئے، اس
طرح نہر کی تعمیر کے دوران ہلاک ہونے والے کارکنوں کی تعداد 27ہزار 500 کے
قریب ہو گئی۔

پاناما کنال ۔۔۔ وقتِ شام کا ایک سحر کن منظر

آج نہر پاناما دنیا کے اہم ترین بحری راستوں میں سے ایک ہے ،جہاں سے ہرسال 14ہزار سے زائد بحری جہاز گذرتے ہیں ،جن پر 203 ملین ٹن سے زیادہ سامان لداہوتاہے۔اس نہر سے گذرنے کا دورانیہ تقریباً 9 گھنٹے ہے ،2005ء میں اس نہر سے 278.8 ملین ٹن سامان سے لدے 14ہزار ۱۱بحری جہاز گذرے جس سے روزانہ کا دورانیہ اوسطاً 40 بحری جہاز بنتاہے۔ یہ نہر چونکہ سطح سمندر سے بلند ہے ،اس لیے اس جھیل کے دونوں جانب دروازے نصب کیے گئے ہیں جن میں پانی کو کم یا زیادہ کرکے بحری جہاز کو جھیل کی سطح پر لایا جاتاہے ،اس طرح جہاز جھیل عبور کرکے دوبارہ نہر اور بعد ازاں سمندر میں پہنچ جاتاہے۔

آپ جتنا بھی انہیں ماریں، جیت انہی کی ہو گی

وہ بچے جو پیدائش کے وقت کان میں اذان واقامت سے قبل گولیوں کی تھر تھراہٹ اور توپوں کی گن گرج سنتے ہوں، ایک ایسی قوم جو مرنا چاہتی ہو، جو یہ کہتی ہو "کسے کہ کُشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست"، کہ جو قتل نہ کیا جائے وہ ہم میں سے نہیں، جو مرنا جانتی ہو، جو "جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا"، کی عملی تصویر ہو، اور عملی طور پر بھی اس کو ہمیشہ کے لئے تاریخ میں ثابت کرکے دکھایا ہو، سکندر اعظم کے مقابلے میں، روم، ایران اور چین کے ساتھ پنجہ آزمائی میں، برٹش امپائر کے یلغاروں کو روکنے میں، رنجیت سنگھ کے سکھ سورماؤں کو ناکوں چنے چبوانے میں، سویت یونین کے سیلاب کو تھامنے میں، امریکن کولیشن کا سامنا کرنے میں جن لوگوں نے موت کو گلے لگا کر ہِٹ کر، بے سروساماں ہو کر، بے گور وکفن رہ کر، اپنا مال ومتاع اور ملک ووطن لُٹا کر کامیابی حاصل کی ہو، دنیا نے جن کی جیت اور مقابل کے ہارنے کی ہمیشہ دیر سے ہی سہی مگر قصیدہ خوانی کی ہو، ان سے جو بھی ٹکرایا ہو، وہ پاش پاش ہوا ہو، جنہوں نے انگریزوں کی عمل داری آپ کے متحدہ ہندوستان میں کبھی قبول نہ کی ہو، مجبور ہو کر سرکار انگلشیہ نے پورے ہندوستان سے الگ تھلگ ایک قانون فرنٹیر کرائمز ریگولیشن (FCR) کا سہارا جن کیلئے لیا ہو، پھر ان لوگوں نے پاکستان بننے کے بعد

اپنے آپ کو اس کا حصہ سمجھا ہو اور 66 سال تک اس ملک کی مغربی سرحدوں کی بلا معاوضہ حفاظت کی ہو، آزاد کشمیر کا آزاد حصہ ان ہی کا مرہونِ منت ہو، آج بھی وہاں کے سرحدوں پر ان کی اولادیں نگہباں ہوں، اپنے اڑوس پڑوس کی نسبتاً کمزور اقوام چترالی، کوہستانی، گلگتی، چلاسی، کشمیری، ہندکو، سرائیکی، پنجابی، بلوچ، سندھی، نورستانی، دری، طاجک، ازبک، گجر، اور کوچی اقوام پر ایک خون خوار قوم کے بجائے، ہر وقت مہربان اور ان کی محافظ رہی ہو، جن کو آپ ڈرون سے امن نہیں دلا سکے، تعلیم نہیں دلا سکے، علاج و معالجے کی سہولیات بہم نہیں پہنچا سکے، مواصلات اور سڑکیں نہ دے سکے، جہاں کا ایک بوڑھا شخص اقوام متحدہ کے نمائندے ''ٹام کوئننگز'' (2005 تا 2007) کو بتا رہا ہو، ''ہم لکھ پڑھ نہیں سکتے، اور ہمارا پوتا بھی لکھ پڑھ نہیں سکتا، اب ہم لکھنا چاہتے ہیں، لیکن کیا کریں ہمارے یہاں سکول ہی نہیں''۔

یہ لوگ خامخواہ کے خون خوار نہیں ہیں، ٹام کے ایک بنگالی مسلمان ڈرائیور کے ہاتھوں کار حادثے میں اس بزرگ کے بیٹے کو موت واقع ہو جاتی ہے، ٹام بذات خود ڈرائیور کو لے کر جاتا ہے، کہ اسے معاف کر دیں یہ بھی مسلمان ہیں، ان سے غلطی ہوئی، قصداً آپ کا بیٹا نہیں مارا گیا، یہ لوگ عزت دار ہیں، جب شرافت اور عزت سے ان سے بات کی گئی تو اس نے بنگالی مسلمان ڈرائیور کو معاف کر دیا۔

ان کا علاقہ قیام پاکستان سے قبل جغرافیائی طور پر مخدوش تھا، وہ افغان وہند کے درمیان آزاد علاقہ ہے، ڈیورنڈ لائن نے اسے اور بھی مبہم کردیا ہے، گویا قانونی لحاظ سے بھی کی (Governments writ) وہاں تاریکی ہے، ایسے علاقے میں حکومتی عملداری ضد ان قوتوں کی بھڑاس نکالنے کے مترادف ہوگا، جو تاریخ میں یہاں شرمناک شکستیں کھاچکی ہیں، عجب خان آفریدی نے اپریل 1923 میں جس کوہاٹ چھاؤنی سے انتقاماً انگریز کمانڈر کی بیٹی'' ایلس'' کو رات کے اندھیرے میں کندھے پر رکھ کروادی تیراہ تک پہنچایا تھا، اور لاکھ کوششوں کے بعد مصالحت کے بغیر وہ گھر نہ آ سکی تھی، یہ اور اس طرح کے بیشمار واقعات کیا ہم بھول جائیں، فقیر اپی اور بلبزید انصاری کے مغربی قوتوں کے مقابلے میں مجاھدانہ کارنامے بھی بھول جائیں، ریاست اندر ریاست اگر اتنا ہی بڑا جرم ہے، تو اٹلی کے دارالحکومت روم میں آزاد ویٹیکن حکومت اور ویٹیکن کے اندر آزاد'' ہوسپیٹلیرز''ریاست، یمن میں زنجبار اور رشین فیڈریشن میں اندرونی پانچ اسلامی خودمختار ریاستیں کیا ہیں، بھارت میں ناگا قبائل کی آزاد حیثیت کیا ہے، کینڈا اور قبائل کیا ہیں، جہاں ان دونوں ملکوں کی رِٹ ہوتی (Amish) امریکہ میں آزادایمش ہے نہ ہی ان کا لاء اینڈ آرڈر، امریکہ میں ایک اور گروہ بھی ریاست اندر ریاست کا درجہ رکھتاہے، جنھیں انڈین کہتے ہیں، اس میں کئی قبائل ہیں، جن میں چروکی (Cherokee)، ناواجو (Navajo)، چاکٹا (Chakta)، شوشون (Shoshones)، (Irqouois) ارقوئیس، (Creek) کریک،

وغیرہ قابلِ ذکر ہیں ،ان قبائل (Hopi) ہوپی، (Zuni) زونی، (Paiuts)پائیوٹس کی آبادیوں میں بھی ان کے فیصلے ان کے اپنے قوانین کے مطابق ہوتے ہیں ، امریکہ وکینڈا نے ان کی یہ حیثیت کیا تسلیم نہیں کی ہے ، یہ تو مشتے از خروارے ہے ،ورنہ دنیا میں ہر جگہ ریاست اندر ریاست کا تصور ہے ، کیا ضلعی حکومتیں اور صوبے کچھ اس طرح کے اپنے علاقائی قوانین نہیں پاس کرتے ،ڈی ایچ اے کینٹو منٹ ایریاز کیا ہیں ، کیا ان ایریاز میں عام شہری کو وہ حقوق حاصل ہیں، جو فورسز سے منسلکہ حضرات کے لئے ہوتے ہیں ، یہ سب چھوڑ یئے کیا سکندر ملک جیسے لوگوں کی موجودگی میں آپ کے مرکز اور کیپیٹل میں آپ کی رٹ قائم ہے، پورے ملک میں دن دھاڑے ڈاکے پڑتے ہیں گاڑیاں، موبائل ، نقدی اور زیورات چھینے جاتے ہیں ، وزیر اعظموں اور گورنروں، تک کو قتل اور ان کی اولادیں اغوا کی جاتی ہیں ،لڑکیوں کو زندہ دفن کیا جاتا ہے ،پورے ملک پر لینڈ مافیاز کا راج ہے ، کیا یہ سب ریاست اندر ریاست کی درجنوں مثالیں نہیں ہیں ، یہاں کسی کو حکومتی رٹ کیوں یاد نہیں آتی ؟ حکومتی عملداری کو یہاں نافذ کیوں نہیں کیا جاتا؟

آزاد قبائل میں پھیلا ہوئے آپ کی سرحدوں کے نگہباں القاعدہ ،طالبان اور مجاھدین کسی زمانے میں ہماری ضرورت تھی، 2014 کے بعد پھر بھی ہمیں ان کی حاجت پڑ سکتی ہے ، یہ سالہاسال کی کاشت ہے ، مصر ،شام ، صومالیہ، الجزائر

خلیجی ممالک ، سینٹرل ایشیا، ایران اور مشرقِ بعید تک میں ان کا پھیلا ہوا مضبوط نیٹ ورک ہے ، یہ چاہتے ہی جنگ ہیں ، یہ مرنا چاہتے ہیں ،ان کو مرنا بھی آتا ہے ، یہ ایک فلیش پوائنٹ نہیں ہیں کہ صاف کرنے سے ان کا صفایا ہو جائیگا، جن ملکوں ، سربراہوں اور فوجوں نے ان کو صاف کرنے کی کوششیں کیں ، وہ اب ان سے جان چھڑاتے ہیں لیکن ان کی جان نہیں چھوٹتی،آپ ان کو جتنا بھی ماریں، جیت انہی کی ہوتی ہے، پھر، فائدہ کیا؟ خدارا انہیں مزید نہ چھیڑیں ، ملک مختلف حوالوں سے بحرانوں کا پہلے ہی شکار ہے ،مزید انتشار کے خدشات ہیں ، مذاکرات ومفاہمت کی کوئی سبیل نکالیں ، انا اور ضد کا مسئلہ نہ بنایا جائے، مغربی انٹیلی جنس اداروں کے اشاروں پر رقص کرنے والے دانشوروں اور میڈیا پرسنز کے اشاروں پر چلنے کے بجائے حفظِ ماتقدم کے طور پر معروضی جغرافیائی اور تاریخی حقائق کا ادراک کیا جائے ۔

شائد کہ اتر جائے ’’کسی‘‘ دل میں میری بات۔

مقدمة

بسم الله الرحمٰن الرحيم

الحمد لله رب العالمين، والعاقبة للمتقين ، والصلاة والسلام على سيد الأنبياء والمرسلين، وعلى آله وصحبه ومن والاه اجمعين، إلى يوم الدين. وبعد .

فان هذا من المعروف ان الاسلام دين علم ومعرفة، ولذلك ترى ان القرآن الكريم قد ابتدا بكلمة (اقرا) وهو يحرض المسلمين حيناً فحيناً بين ثناياه على التعلّم والتفقه والتثقف والتهذب والتمدن والتخلق بأخلاق حسنة، ومن المعلوم ان الأشياء تُعرف بأضدادها، فاذا كان العهد الذى كان قبل الاسلام ومتصلاً به سمّى بالجاهلية فيكون العهد الذى يكون مابعد مجيئ الاسلام عهد العلم والمعرفة، ولذلك قام النبى صلى الله عليه وسلم بتعليم الصحابة واهل بيته رضى الله عنهم اجمعين، وهو يقول : إنما بعثت معلماً، وقال : خيركم من تعلم القرآن وعلّمه، والصحابة بعد الرسول صلى الله عليه وسلم قاموا بهذه الفريضة العظمى حق القيام، فعلّموا من بعدهم التابعين واتباع التابعين علوماً عديدةً، وقد اوجد المسلمون فى عهودهم الذهبية علوماً وفنوناً لا

، مثيل لها في التاريخ الانساني المديد، والسلسلة لاتزال جارية وسارية إلى يومنا هذا

ونحن المسلمين يجب علينا ان نقدّر ونحترم بلاد العرب لأجل كعبة الله ولسان العرب لأجل كلام الله والشعوب العربية لأجل رسول الله صلى الله عليه وسلم، وقد تعلم المسلمون الأعاجم اللغة العربية وعلّموها ونشروها بين الأوساط الاسلامية والانسانية في شتى بقاع الأرض وقاموا بتدوين علومها وفنونها، فأحسنوا واجادوا، والأدب العربي عظم فقري في العلوم الاسلامية، والنحو عظم فقري في علوم اللغة العربية، وفي شبه القارة الهندية يسود الدرس النظامي الذي يعدّ النحو فيه كأساس، ومن المعروف عند اهل العلم ان الكافية من مهمات كتب النحو متناً وشرحاً وتعليقاً، ولذلك الطلبة والأساتذة يتدولونها ليل نهار.

ولهذا الكتاب المهم شروح وحواش مفيدة، لكنه كان يحتاج إلى تسهيل وتقريب إلى اذهان طالبيه، فقام الشيخ مقصود الهاشمي بهذا العمل الهام ولقد اجاد فيما جاء به من زيادات وتشريحات وتسهيلات وتمرينات، وهو رجل محنّك في هذا المجال، لأنه قد قام بمثل هذه الأعمال في سابق الزمان وقد تلقت تلك الجهود حسن القبول لدى اولى العلم وذوى الألباب، وإنني قد قمت بتصحيح يسير في هذا الكتاب وقراءته، فوجدته انفع شيئ للطلبة والمعلمين، واسأل الله العلى القدير العزيز ان يتقبله وان ينفع به طلبة العلم شرقاً وغرباً وشمالاً،

. وجَنوباً

. وماذلک علی الله بعزیز

"النظام القضائی فی الولایات المتحدة منحازة"

الطاف موتی
کراتشی' باکستان

"النظام القضائی فی الولایات المتحدة الأمریکیة منحازة" ہذہ الکلمة لا تنتمی إلی الدکتورة عافیة صدیقی ولا إلی المسلمین الذین ہم فی قید الاقامة الجبریة خارج القوانین فی زنزانات التعذیب فی غوانتانامو ولکن إلی الأقلیة السوداء المضطهدة فی الولایات المتحدة الذین یقعون فریسةً لاضطهاد الشرطة البیضاء العنصریة. ومؤخراً فی قریة سانفورد (SANFORD) فی ولایة فلوریدا (FLORIDA) شرطی ابیض یُدعی جورج زیرمان (ZIMMERMANGEORGE) (ویبدو یہودیاً باسمہ) رای اثناء التنقل شاباً اسود عمرہ 17 سنة یُدعی تریبون مارتن (TRAYVON MARTIN) مع سلسلة فی یدیہ. فہجم علیہ فجأة وظنہ مدیناً بینما فرّ الشاب منقذاً نفسہ ولکن اطلق علیہ الشرطی النار وقتلہ واتّہم الشاب المقتول المسکین بدفعہ واسقاطہ لانقاذ نفسہ من الاتہام بقتلہ. ومن ثم تم تسجیل القضیة ضدّ الشرطیّ وعقدت جلسة الاستماع امام 6 اعضاء من ہیئة المحلفین من السیدات البیضاء التی اخرجتہ عن المتہم بعد

.ثلاثة اسابيع بأنه استخدم حقه القانوني لانقاذ نفسه

كان من الواضح انه ليس فقط احتج المجتمع الأسود ضدّ هذا القرار بل منظمات حقوق الانسان ايضاً في جميع انحاء الولايات المتحدة و قالت انه مسألة العنصرية ضدّ قاتل الشاب الأسود. في ذلك الاثناء طالبت الرابطة الوطنية لامريكا (" المسماة " بالرابطة الوطنية لترقية الملونين

(NATIONAL ASSOCATION FOR ADVANCEMENT OF COLOURED PEOPLE)) العدالة الأمريكية ان تحتوى على إصدار لائحة الاتهام لجورج زيرمان لانتهاك و تعدى الحقوق المدنية. ولا ننسى بأن مارتن لوثر كينغ قد ارفق اعلاه منظمة. المافيا الأمريكية البيضاء التي في الواقع احتلت هذا البلد منذ القرن الخامس عشر مطلوبة في ارتكاب جريمة الابادة الجماعية للشعب الهنود الحمر الحقيقي جنباً إلى جنب للسكان السود. عندما فقد كولومبس طريقه ووصل إلى امريكا وكان يعيش في هذه القارة شعب مسالم اكثر من 1 بليون ففي اربعة قرون بدا القراصنة والمستغلون من اوروبا للسكن هنا. وما اكتفوا على هذا بل بداوا باحتلال اراضي السكان المحليين بقتلهم عموماً،واحرقوا منازلهم وبداوا استعمارهم هناك. اليوم في الاشراف على هؤلاء "الأمريكيين البيض" استعمر "اليهود الأوربيين "اراضي الفلسطينيين بطردهم من هناك. ومن ثم في الولايات المتحدة إنخفض سكانها الحقيقيون (يسمونهم البيض الهنود الحمر إحتقاراً) يصل إلى 950000. لم يُوجد اسوء نظير في التاريخ للابادة الجماعية مثل هذا.

اليوم ايضاً فى اوكلاهوما وتكساس والولايات الاخرى' لايتمتع السكان الحقيقيون لامريكا المساواة فى الحقوق بالمقارنة بالبيض ويتقيد هؤلاء المساكين بمستعمراتهم مثل المنبوذين و بطبيعة الحال، لم يستطع ان يهضم امريكيون "السكان من اصل افريقيا" كما ازالوا السكان الحقيقيون لامريكا تقريباً.

قد تقاوم الرابطة الوطنية للنهوض بالشعوب الملونة NATIONALASSOCIATION FOR) ADVANCEMENT OF COLOURED PEOPLE(كثيرة ضدّ العنصرية. ولكن إذاكان يتسمّم سمّ العنصرية فى المجتمع فهو داء معضل حتى تقوم اية حركة ثورية بهدم هذا النظام الظالم كما قضى شعب افريقيا على حكومات الاقلية البيضاء فى جنوب افريقيا وروديسيا الجنوبية ونميبيا. ولكن هناك اغلبية البيض فى الولايات المتحدة ومع ذلك يساوى الشعوب اليابانية والصينية والآسيوية والاسبانية وماكسيكان الاصل نصف مجموع سكان كاليفورنيا الآن. وبسبب الزيادة فى معدل المواليد ماتيناسب مع البيض سيكونون فى الاغلبية. فى ذلك الوقت عندمايطلب شعب غير البيض نصيبهم فى السلطة وفقاً لنسبة سكانهم فلن يقبله المافيا البيض على الاطلاق. ويبدا الصراع العنصرى فى الولايات المتحدة. وقد نشر البيض تحيز تفوق العنصرية فى الولايات المتحدة بأنهم يريدون ان يصدّوا الفقراء البيض عن

."المشاركة فی حملة "احتلال وول ستریت

قد تطلق الشرطة الرصاص فی امریکا علی الشباب السود علی الشکوک المزورة فقط خلال دوریة الشرطة غالباً بینما النظام القضائی لاًمریکا تحت سیطرة البیض، وہذا ہو السبب انه یفرج عن ضباط الشرطة القتلة للسود بمنحهم فائدة الشک. ہذا ہوالحدّ الاًقصی ان الشرطة قد اعتقلت استاذ شعبة التاریخ فی جامعة الهارفارد عندمارجع من رحلته الخارجیة وکان یفتح قفل منزله فی شک السرقة وعندماکان انطلاق ذلک المسکین علی تدخل الرئیس اوباما فعاتب ضابط الشرطة المحلیة علی سوء تدخل الرئیس' بعد ذلک اعتذر اوبامااليه. وإن کان جورج بش مکان اوباما لیعتذرن الشرطی الاًبیض إليه إذان رئیس امریکا الملون لاقیمة له فی کلماته فکیف یمکن لمواطن اسود تاًمینه فی ہذا النظام العنصری علی الاًساس .

علی یدی الشرطی الاًبیض لم تکن حالة فردیة فی (TRAYVON MARTIN) قتل مارتن حدّذاته ولکنه عادة للحیاة الیومیة فی الولایات المتحدة. وکان نفس المصیر لعدد لایحصی من الشباب الاًفریقیین ما وجدوا العدل من القانون الاًبیض والحکمة البیضاء و الدیمقراطیة البیضاء. ہل ہذہ ہی الدیمقراطیة او ہی سیادة القانون او حریة الفرد مماتعلن الطبقة الحاکمة الاًمریکیة، فضلا عن وسائل

الاعلام المدفوع لها مراراً و تكراراً. إنّ ثروة من تسعين فى المئة لأمريكا تحت ايدى عشرة فى مئة وعندما يطالب تسعون فى المئة اغلبيتهم الفقراء البيض لانهاء هذا الاحتكار، فالأقلية الحاكمة البيضاء قد تدفعهم إلى الحروب الصليبية بنشر التعصب العنصرى والدينى. بل هذه الحقيقة ايضاً ان هؤلاء بيض امريكا قد ينهبون الموارد الطبيعية فى افغانستان والعراق وباكستان بكلتى يديهم ولكن فى الوقت نفسه انهم لم يمنحوا اهاليهم الفقراء ايضاً. الم تفقد هذه الشركات الربوية منازل الفقراء على عدم سدود القروض التى اعطت لهم لبناء منازل ونتيجة لذلك جعلتهم بلا مأوى. والظلم على ظلم انها قد حجزت على الأقساط المدفوعة وباعت هذه المنازل المحجوزة للمصارف.

إنّ هذا النظام القاسى لن تعفو عن الفقراء البيض فكيف يمكن ان يتوقع السود والمسلمون بالعدل منها؟ حتى ان امريكا جعلت مواطنيها معتقلين بالتجسس على الرسائل والمكالمات الهاتفية والرسائل الاليكترونية. هذا النظام التجسسى اكثر قسوة من سوء سمعة الجستابو (GESTAPO) للنازية فى المانيا. بعد الكشف من وكى ليكس وسنودن، لاشك فيه الآن ان امريكا هو اسوء دولة للشرطة على ما يبّضت مزيفة بالقصدير.

شام میں مفادات کی جنگ

’’وہ زمانہ گیا جب روس دوسروں کے لیے جنگوں میں کود جاتا تھا‘‘۔الجزیرہ اور العربیہ کی رپورٹوں کے مطابق یہ ایک روسی اہل کار کا حالیہ بیان ہے۔اس بیان کا پس منظر گزشتہ ہفتے بشار آرمی کا وہ آخری کیمیائی حملہ ہے،جس کی وجہ سے 3000ہزار سے زائد بچوں،بوڑھوں، عورتوں، مردوں اور نہتے نوجوان شہریوں نے ایڑیاں رگڑرگڑ کر جا ں جانِ آفریں کے سپرد کی۔یہی وضاحت اگر روس، چین،اور ایران کی طرف سے اس وقت آجاتی،جب شام کے شہر ’’درعا‘‘ میں ایک سکول کے 15 معصوم بچوں نے 25 فروری2011 کواپنے سکول کی دیوار پر اور کچھ نوجوانوں نے حمص،درعا،اور دمشق میں 15 مارچ2011 کوفیس بک پر آزادی کے نعرے لکھے تھے،جس کی پاداش میں ان بچوں،نوجوانوں اور ان کے خاندانوں کو بدترین اور توہین آمیز تشدد کانشانہ بنایا گیا تھا،یہ نعرے کیا تھے،یہ زیادہ تر دو جملوں پر مشتمل تھے ’’اللہ،سوریا،حریۃ وبس‘‘ ، ’’یااللہ مالنا غیرک‘‘ جس کا مطلب ہے : اے اللہ ہمیں صرف شام میں آزادی چاہیے،اے اللہ آپ کے سوا ہمارا کوئی نہیں،یہ لڑکے عرب اسپرنگ سے اس لیے متاثر ہوئے تھے کہ جہاں جہاں یہ بہار آئی اس نے بڑے بڑے برجوں کو گرادیا تھا اور یہاں شام میں خاندانِ اسد کی آمرانہ وجابرانہ حکومت 1970 سے چلی آرہی تھی،عرب ذرائع کے مطابق ان لڑکوں یا نوجوانوں نے شروع میں صرف اصلاحات

کا مطالبہ کیا تھا، مگر بشار الاسد کی حکومت کے گینگ وار ''شبیحة'' نے انہیں پکڑ پکڑ کر قتل کرنا شروع کیا، ان کی ماؤں اور بہنوں کے ساتھ وہ زیادیاں کیں کہ انسانیت اس کے تذکرے سے پانی پانی ہو جاتی ہے، جابر حکومت دہشت پھیلا کر ان احتجاج کرنے والوں کی آواز دبانا چاہتی تھی، مگر اس میں مزید تیزی اور فشار آگیا، یہاں تک کہ نعرہ اب اصلاحات کے بجائے ''الشعب یرید اسقاط النظام'' عوام جابر رژیم کو گرا کر دم لے گی گونجنے لگا۔

فروری 2011 سے شام میں احتجاجی مظاہروں کا جو سلسلہ شروع ہو تھا، تاحال اس میں روز بروز ہلاکتوں، تباہیوں اور بربادیوں کا خطرناک اضافہ ہوتا چلا گیا، اپنے مفادات کے تحفظ کے لیے کچھ ملکوں جیسے روس، چین اور ایران نے عملی طور پر اس آگ کو خوب خوب ایندھن فراہم کی، ادھر مغربی قوتوں بشمول امریکہ نے کبھی انقلابیوں کی مدد کی، کبھی صرف وعدے کیے، اور کبھی صرف بیانات پر اس لیے اکتفا کیا کہ اسرائیل کے بغل میں شام ایک مضبوط فوجی طاقت کا حامل ملک تھا، تاکہ یہ جتنا کمزور ہونا ممکن ہو، ہو جائے، یہی اسرائیل کے مفاد میں تھا، امریکہ نے وارننگ دی تھی کہ شام نے اگر کیمیائی ہتھیار استعمال کیے، تو اس کے خلاف سخت تادیبی کارروائی ہو گی، گویا کیمیائی ہتھیاروں کے علاوہ جو کچھ وہ کرتا ہے، عین انصاف ہو گا، مغربی میڈیا نے یہاں القاعدہ اور دیگر تنظیموں کا واویلا بھی اس لیے برپا کیا تھا کہ ثالث بن کر مداخلت نہ کرنا

پڑے اور جنگ طویل سے طویل تر ہوتی چلی جائے، کیونکہ اس میں ایران کی بدنامی کے علاوہ ان کا فوجی، اقتصادی اور سفارت کاری کا بہت بڑا نقصان ہوگا، روس بھی ایک بار پھر خوں خوار طاقت کے طور پر ابھرے گا، چین بھی عرب دنیا کی نظروں میں قعرمذات میں جا گرے گا، نیز لبنانی حزب اللہ کو بھی چاروناچار جنگ میں آنا ہوگا، اس طرح نقصانات حزب اللہ کے بھی ہونگے، ترکی کے پڑوس میں جب مسلمانوں کو اتنی شدت سے کچلا جائے گا اور وہ "ٹک ٹک دیدم، دم نہ کشیدم" کی تصویر ہوں گے، تو عالم اسلام میں ان کا بھرم بھی ہوا میں تحلیل ہو جائے گا، ترکی، لبنان، اردن بالخصوص اور عرب ممالک بالعموم جنگ کی آفتوں کے اثرات کے ساتھ ساتھ پناہ گزینوں کے ایک بہت بڑے بوجھ تلے دب بھی جائیں گے، شام ایک نیا افغانستان یا صومالیہ ہوگا، جہاں ان مغربی قوتوں کے دشمن آپس میں لڑ لڑ کر کٹ مرینگے، چنانچہ یہی ہوا۔

اب پچھلے ہفتے جب شام کی حکومت نے کیمیائی ہتھیاروں کا استعمال کرکے ہزاروں بے ضرر جانوں کا سفاکانہ قتل عام کیا، تو وہی امریکہ اور اسکے اتحادی جو روس چین کی ویٹو کا بہانہ بناتے تھے، اب اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کو پرے ہٹا کر شام پر حملے کے لیے لاؤ لشکر کے ساتھ تیاری کرنے لگے، سادہ لوح مسلمان یہ سمجھتا ہے کہ امریکہ کو کہیں شامی عوام سے ہمدردی ہے، امریکہ کے صبر کا پیمانہ شاید اب لبریز ہو چکا ہے، بین الاقوامی طور پر ممنوع اسلحہ

استعمال کرنے پراب امریکہ شام کو انٹر نیشنل لاء اینڈ آرڈر کا سبق سکھانا چاہتا ہے ،میڈیا نے بھی یہی راگ الاپنا شروع کر دیا ہے، جبکہ حقیقت یہ نہیں ہے،اصل بات یہ ہے کہ کیمیائی ہتھیاروں کا سب سے بڑا ذخیرہ شام کے پاس ہے ،جس سے اسرئیل کو یہ خطرہ لاحق ہے کہ موجودہ حکومت تو ہماری پٹھو تھی، لیکن اگر انقلابی جن کی عملداری میں روز افزوں اضافہ ہو رہا ہے،ان کے ہاتھ یہ اسلحہ لگ گیا،اور بشارالاسد اپنی باقیات میں اسے چھوڑ گیا،تو ہمیشہ کے لیے موت سے ڈرنے والے یہودیوں کے لیے یہ ایک درد سر ہو گا،لہٰذا اسرائیل کے سرپرستوں کے پاس یہ جواز آگیا ہے کہ جابر بشار الاسد نے اپنے عوام کے خلاف چونکہ عالمی قوانین کی خلاف ورزی کرتے ہوئے کیمیائی اسلحہ استعمال کیا ہے،اب ان کے ہاتھ سے یہ اسلحہ ہر صورت چھینا جائے ،اسی لیے وہ یہ کہتے ہیں کہ امریکی حملہ محدود اور مخصوص اہداف تک ہو گا،اس حملے کے نتیجے میں بشارحکومت کو گرانے کا سر دست کوئی ارادہ نہیں ہے، یہ شام کا اندرونی معاملہ ہے، اور جب شام کے پاس سے کیمیائی ہتھیار اٹھا لیے جائینگے یا تباہ کر دیے جائینگے،اس کے بعد وہاں کس کی حکومت بنتی ہے،شام متحد رہتا ہے ،یا منقسم ہو جاتا ہے،ان کے لئے اس کا کوئی معنی نہیں رہے گا۔

اس تمام سیناریو کا جب آپ بنظر غائر جائزہ لیں گے،تو بات آسانی سے سمجھ آجائے گی کہ روس جو اسرائیل کا مضبوط حلیف اور دوست ہے،وہ کیوں بشار کا ساتھ

دے رہا تھا، اقوام متحدہ جو بذریعہ امریکہ اسرائیل کی لونڈی ہے، وہ کیوں یہاں لیت و لعل سے کام لے کر جنگ کو طول دے رہا تھا، وہ مغربی قوتیں کیوں بظاہر انقلابیوں کو مسلح کرنے کے اعلانات کر رہی تھیں، اور پس پشت تسلیح کے اس عمل کو سبوتاژ کر رہی تھیں، ان تمام سازشوں کا مقصد مسلمانوں کی حماقتوں سے فائدہ اٹھا کر عراق کے بعد شام کو غیر مسلح کرنا تھا، اب جو ہونے جا رہا ہے، اس تمام تر میں نکتہ صرف یہی تھا، یہاں سب سے زیادہ افسوس کی بات یہ بھی ہے کہ حکومتِ شام نے پرامن انتقالِ اقتدار نہ کرکے اپنے ان قیمتی اثاثوں کے ساتھ مخلص نہ ہونے کا ثبوت دیا، یا پھر اغیار کی شاطرانہ گیم کو نہ سمجھ سکی۔

برسبیل تذکرہ یہاں یہ بھی عرض کروں کہ پاکستان کی میزائیل ٹیکنالوجی اور ایٹمی اثاثہ ان تمام کی آنکھوں میں کھٹک رہا ہے، اس کے لیے بھی یہ ایسے ہی حربے فرقہ واریت، لسانیت، دہشت گردی اور صوبائیت کی شکل میں بروئے کار لائینگے اور ان کا اول وآخر مطلوب ہمارا یہی ذخیرہ ہوگا، شام میں یہی کھیل کھیلا گیا۔ ''الکفر ملۃ واحدۃ'' کے مصداق کے مطابق کچھ کفریہ طاقتوں نے مقتدر طبقہ کو تھپکی دی اور دیتے ہی رہے، اور کچھ نے حزب مخالف یا انقلابیوں کو شہ دی۔ یوں وہ اپنے مقصد تک بڑی آسانی سے پہنچ گئے، شام لنگڑا لولا بھی ہو جائے گا اور ان چیرہ دستوں کے مفادات بحری اڈوں، تیل کے ذخائر، اسرائیل کی

حفاظت، عالم اسلام اور عالم عربی کی بے انتہا کمزوری کی صورت میں انہیں مفت میں یا کچھ شغلیہ جنگ کی حالت میں حاصل ہو جائیں گے،کاش مسلم عوام اور حکمران عقل کے ناخن لیں۔

مدینہ یونیورسٹی میں

قباء سے واپسی پر ہم مولانا عبداللہ حیدری کے ساتھ الجامعۃ الاسلامیۃ بالمدینۃ المنورہ چلے گئے، جامعہ کے گیٹ پر مولانا حیدری صاحب کے ''ضیف خاص'' کہنے پر بحمد اللہ گاڑی کیساتھ اندر جانے کی اجازت مل گئی۔

مختلف شعبوں کا دورہ کیا، آخر میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ کا ذرا تفصیلی جائزہ لیا گیا، مدیر الکلیہ ماجستیر (ایم اے) کے کسی مقالے کے ''نِقاش'' یعنی وائیوا کے لئے تشریف لے گئے تھے، سیکرٹری سے ملاقات ہوئی، بڑے تپاک کے ساتھ انھوں نے ہمارا استقبال کیا، بہت خوش اخلاقی اور ملنساری کا مظاہرہ فرمایا، یہ بھی کہنے لگے کہ مدیر صاحب جہاں مناقشے میں مصروف ہیں، وہاں آپ حضرات شرکت کرنا چاہیں، تو بسر و چشم، لیکن ہم قلّتِ وقت کے باعث نہ جاسکے، ادھر ہمیں ''عمادۃ خدمۃ المجتمع'' یعنی سول سروسز ڈیپارٹمنٹ جانا تھا، جہاں ان ساتھیوں سے کچھ گفت و شنید بھی کرنی تھی، ڈیپارٹمنٹ کے تمام مسؤلین نے کھڑے ہو کر خوش آمدید کہا، چائے پانی کے بعد اپنے شعبے کا تفصیلی تعارف ،خدماتِ فضلائے جامعہ اسلامیہ کی فہرستیں، ان سے ارتباطات کی تفصیلات پیش فرمائیں، مولانا عبداللہ حیدری صاحب زید مجدہم نے اپنا تعارف کرایا اور سابق فاضل اور اس شعبے سے منسلک ہونے، بلکہ اس شعبے کو فعال و مستعد بنانے میں فائلیں منگوا کر اپنا کردار بتایا اور مستقبل کے لئے

انہوں نے کچھ تجاویز بھی پیش کیں، جنہیں وہاں موجود ساتھیوں نے زیبِ قرطاس کیا تھا۔

اس کے بعد ہم نے دنیاکے گلوبل ویلج بننے، الیکٹرونک صنعت میں دنیا کی تیز ترین اور محیر العقول ترقی ،میڈیا کا کردار ، بین الفرق والادیان والمذاہب الفکریۃ المعاصرۃ کے مکالمے کی شدید ترین ضرورت ، دعوت و تبلیغ میں حکمت اور مواعظ حسنہ اپنانے ، نظریاتی جنگ (الغزو الفکری) میں اپنا بھرپور وزن ڈالنے کے لئے ہمہ جہتی مطالعے اور اس طرح کے کچھ عناوین پر مختصر بات کی، ساتھ ہی میں نے عرض کیاکہ جامعہ کے فضلاء وخریجین کو عربی زبان وادب میں مثالی کردار کا حامل ہونا چاہئے ،اس کے حوالے سے کچھ چیزوں کی طرف ہم نے اشارے بھی کئے ، نیز سلفیت اور رسوخ فی الاعتقاد کے موضوع پر میں نے عرض کیا، کہ لوگوں کو دین میں داخل کرانے اور کسی طرح اہل قبلہ کو حظیرۃ اسلام میں شمار کرنے کا طریقہ اپنایا جائے ،نہ یہ کہ اہل دیوبند جیسے راسخین فی الدین اور سلف صالح کے منہاج پر چلنے والوں کو بھی کچھ ناعاقبت اندیش حضرات مطعون کریں، میں نے عرض کیا کہ فرق وادیان پر کام کرنے کا چونکہ بحمداللہ مجھے قدرے تجربہ ہے،اور اس حوالے سے میں متعدد کتب کا مطالعہ بھی کرچکا ہوں، جن میں سے بعض محققین دادِ تحقیق حاصل کرنے کے لئے خواہ مخواہ کے بکھیڑوں میں پڑتے ہیں ، حقیقت تو یہ ہے کہ بعض جگہوں میں اس طرح کے محققین اعتدال کے

حدود کو زبان وبیان میں پھلانگ دیتے ہیں، جس سے ''امہ'' کی خدمت کی بجائے نقصان کا اندیشہ ہوتا ہے، (لایجرمنکم شنآن قوم علیٰ الا تعدلوا اعدلوا ھواقرب للتقوی) کو نصب العین بنانا اس کام میں ضروری ہے۔

میں نے عرض کیا کہ ہماری کتاب ''مکالمہ بین المذاہب'' پر بعض دوستوں کا اعتراض کہ آپ نے کیا کیا ہے ؟ کسی فرقے پر تصحیح، تصویب یا تخطیۂ و تغلیط کا حکم نہیں لگایا، میں اس کے جواب میں انہیں کہتا ہوں، کہ بھائی آج کے زمانے میں کوئی کسی کا فتویٰ نہیں مانتا، یہ زمانہ تو دلیل، منطق، ڈائیلاگ اور معلومات کا ہے، بہر حال آخر میں کچھ دوستوں نے وحدت ادیان، توحید بین الأدیان، اور تقریب بین المذاہب الاسلامیہ جیسے موضوعات پر سوالات بھی کئے، حسبِ استطاعت ٹوٹے پھوٹے جواب دینے کی کوشش کی گئی، کچھ ساتھیوں نے دیوبندیوں میں بعض کی طرف اشارے کئے، میں نے عرض کیا کہ مجمع علیہم اور متفق علیہم کو دیکھا کریں، شذوذ، تفرد اور شوارد کے پیچھے پڑنے والوں کو خاطر میں نہ لائیں، میں نے عرض کیا کہ جہاں جہاں اس طرح کی چیزیں ہوتی ہیں کہ جن سے بدعت فی العمل یا ابتداع فی الاعتقاد کی بو آتی ہو، وہاں ہمارے شیخ سماحۃ العلامۃ حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم جیسے اساطین علم اس کی اصلاح بھی فرماتے رہتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ ان ساتھیوں کی باتیں سن کر ان کے اخلاق دیکھ کر، ان کی عالمی فکر وفلسفے کی طرف رسائی کا علم ہو کر، بے حد خوشی ہوئی، اللہ انہیں اور ہم سب کو اسلام اور مسلمانوں کی خدمت کی توفیق نصیب فرمائیں۔

ہم نے یونیورسٹی پہنچ کر شیخ حبیب حسن زئی صاحب اور اسلام الدین صاحب کو فون ملایا تھا، حسن زئی صاحب ہمیں تلاش کرکے ہمارے ساتھ ہو لئے تھے، یہاں آخر میں عمادہ'' والوں نے ہم تینوں کو مکتبہ شاملہ وغیرہ کی سی ڈیز، ڈھیر ساری قیمتی اور ضخیم'' کتابیں الگ بنڈل بنا کر تحفے میں دیں، اللہ انہیں اجر جمیل اور علمِ نافع نصیب فرمائے۔

مدینہ یونیورسٹی کے v c کی ضیافت:

جامعہ اسلامیہ کے وائس چانسلر محترم جناب محمد بن علی العقلہ کو جب وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے اعلیٰ سطحی وفد کی یہاں آمد کے بارے میں معلوم ہوا، تو انہوں نے اس وفد کے اعزاز میں اگلے اتوار کو ایک ایسی ضیافت کے اہتمام فرمانے کا ارادہ کیا، جس میں جامعہ کے کچھ دیگر پروفیسرز بھی شریک ہوں، لیکن صد افسوس کہ ضیقِ وقت کے باعث ''وفدِ وفاق'' اس پُروقار ضیافت کے لئے نہ رُک سکا۔

آپریشن نہیں ڈائیلاگ ورنہ عذابِ الٰہی

وہ دانش ور جو ہمیشہ سے مدارس وسکولوں میں بچوں کو تعلیم کے دوران مارپیٹ کے مخالف ہیں ،انسانی حقوق کے وہ علمبردار جو گھریلوں خواتین کے ساتھ ناانصافیوں کے خلاف احتجاج کرتے نہیں تھکتے ،مزدوروں اور محنت کشوں کے نام پر سیاست کرنے والی وہ تنظیمیں جو تنخواہوں میں کی بیشی کے لئے kesc کے ملازمین کو کئی روزتک ادارے کے دفاتر کے سامنے دھرنے پر لے آتی ہیں ،اس طرح کے لوگوں سے جب آپ سنتے ہیں کہ کراچی کی بدامنی کا واحد حل آپریشن ہے ،تو آپ کو تعجب بھی ہوگااور افسوس بھی۔ ارے بھائی ،جب تعلیم وتربیت کے لئے کسی بچے کوچپت لگانا جرم ہے ،اپنی بیگم اور بہن بیٹیوں کو ان ہی کی خیر خواہی کے لئے ڈانٹ ڈپٹ بد تہذیبی ہے ،اپنے گھریاادارے میں گھر کے افراد کی طرح پالے ہوئے مزدور کو اس کی کسی غلطی پر سرزش باعث FIR ہے ،تو اپنی ہی قوم پر آہن وآتش کی بارش کونسا انصاف ہے ،جس کی دعوت آپ دے رہے ہیں ،آپ ہی بتائیں ،کہ بچے کو ماں دودھ نہ پلائے تو وہ چیخ چیخ کر روتا رہتا ہے، اب کیا عقل مندی اس کے منہ بند کرنے میں ہے ،یا اسے دودھ پلانے میں ،دانش گاہوں کے ہاسٹلز یا کلاس رومز میں طلبہ اُس وقت شور مچاتے ہیں ،لڑتے ہیں ،جھگڑتے ہیں ،جب ان کا نگراں یاپروفیسر نہ ہو ،یا ہومگر نکھٹو ہو،اب

خدارا بتایئے، یہاں علاج کیا ہے؟... ہمیں یاد ہے، کہ جب ہاسٹلز میں نگراں نہ ہوتا تھا یا نالائق ہوتا تھا تو اودھم مچی رہتی تھی۔اور ایسے لائق فائق حضرات کو بھی دیکھا، کہ طلبہ ان کے آفس کے سامنے ان کے جوتے (جو وہ باہر ہی نکالتے تھے) دیکھ کر دم بخود رہتے، وہ بعض اوقات اپنے جوتے دروازے پر چھوڑ کر متبادل پیزار پہن لیتے اور کہیں ضروری کام سے چلے جاتے، سب طلبہ اپنی لکھائی پڑھائی میں پوری تندہی سے مشغول رہتے، بالکل ایسے ہی، جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام نے جنّات کو مسجد اقصیٰ کی تعمیر پر لگایا ہوا تھا، وہ دن رات کام کرتے رہتے۔اتنے میں قرآن کریم کے مطابق حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات کا مقررہ وقت آ پہنچا، مسجد کی تکمیل ابھی باقی تھی، تو انہوں نے اپنی ٹھوڑی کے نیچے اپنی عصا کا سہارا لیا اور روح قبض ہو گئی۔جنّات سمجھتے رہے کہ حضرت کھڑے ہیں نگرانی فرمارہے ہیں، حتیٰ کہ اِدھر مسجد مکمل ہو گئی۔اور اُدھر عصائے سلیمان علیہ السلام کو دیمک نے کھا کر کمزور کر دیا، جس کی وجہ سے حضرت زمین پر آرہے، تو جنات کو اندازہ ہوگیا کہ حضرت تو کھڑے کھڑے وفات پا چکے تھے۔اور ہم سمجھتے رہے کہ وہ اِشراف اور نگرانی کے لئے عرصہ سے قیام میں ہیں۔

سیانے کہتے ہیں، بچوں کو شیر کی نگاہ سے دیکھو اور سونے کا نوالہ دو، اب نواز شریف صاحب شیر کی نگاہ نہیں شیر ہی کو بنفس نفیس انتخابی معرکوں اور

بڑے بڑے جلسوں میں قوم کے درمیان لے آتے ہیں ، لیکن سونے کے نوالے وہ خود یا ان کے بچے ہی لیتے ہوں گے ۔ قوم تو جہاں کھڑی تھی ، اس سے مزید نیچے کو آرہی ہے، شریعت میں چوری کی سزا دو وجھوں سے کالعدم ہوجاتی ہے ،افلاس کی وجہ سے کوئی چوری کرے یا پھر مال حرز و حفاظت میں نہ ہو، اب آپ ہی بتایئے ، کہ ملک میں غربت اور مہنگائی کن حدود کو چھورہی ہے اور حفاظت کا عالم یہ ہے کہ اخباری رپورٹوں کے مطابق خود نیوی اہل کار نیوی کے افسراں کو اغوا کرتے ہیں، تاوان کے لئے ، تو ایک عام آدمی کا کیا بنے گا؟ کیا اسلامی جمہوریہ پاکستان کا کردار افغان امریکن جنگ میں منصفانہ تھا، مصر میں خون کی ندیاں بہائی گئیں ، آپ نے کیا کیا ، کشمیر ایک جہنم ہے ، آپ نے یہاں جلنے والوں کے حق میں کونسا بڑا کردار ادا کیا ہے ، چیچن مجاھدین کے زخموں پر رینجرز نے جس طرح کوئٹہ میں گذشتہ سالوں نمک پاشی کی ، وہ سب کے سامنے ہے ، شام پر استعماری طاقتوں کو حملہ ہونے کو ہے ، آپ نے کیا پیش بندی کی ہے بلوچستان میں لاشیں ملتی رہیں ، آپ نے مجرمین کے کونسے ہاتھ توڑے ، کراچی شہر، لسانی وفرقہ وارانہ فسادات میں سلگ رہاہے ، آپ نے اپنے اقتدار کے لئے میثاقِ جمہوریت پر دستخط کردیئے ، کیا میثاقِ مدینہ کی طرح آپ نے ان متحارب گروپوں میں کبھی ’’ میثاقِ امن ‘‘ پر بھی دستخط کروائے ہیں ؟ حکومت ڈائیلاگ کے ذریعے مختلف اکائیوں کے درمیان میثاقِ مدینہ کے طرز پر اگر کسی میثاقِ امن کی تشکیل وتدوین نہیں کی گئی ، تو پھر اجتماعی عذاب کے لئے تیار رہیں ، ﷺ

الحدیث مولانا محمد صدیق فرماتے ہیں : " واتقوا فتنة لاتصیبن الذین ظلموا منکم خاصة واعلموا ان اللہ شدید العقاب " ترجمہ اور بچتے رہو اس فساد سے، کہ نہیں پڑے گا تم میں سے خاص ظالموں ہی پر، اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔ (انفال : ۲۵) اس آیت میں اللہ تعالی نے ایک ایسے عذاب سے بچنے کا حکم کیا ہے، جو صرف مجرموں کو نہیں پہنچے گا بلکہ مجرم اور غیر مجرم دونوں کو پہنچے گا، اللہ تعالی کا عذاب دو قسم پر ہے ایک خاص جو کہ صرف مجرموں کو پہنچتا ہے، دوسرا عذاب عام جو کہ اس دنیا میں مجرم اور غیر مجرم سب پر آتا ہے، اس عذاب عامہ کے اسباب کیا ہیں ؟

ترک اصلاح : ۔۔۔ قوم نیکی کی دعوت دینا ترک کردے یعنی برائی دیکھ کر اس کو نا : ا گواری نہ ہو، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : "من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ وان لم یستطع فبلسانہ وان لم یستطع فبقلبہ وذلک اضعف الایمان "، جو تم میں سے برائی دیکھے وہ ہاتھ سے روک دے (ارباب اختیار کی ذمہ داری) اگر یہ طاقت نہ رکھے، تو زبان سے روک دے (داعی الی اللہ کی ذمہ داری) اگر یہ بھی طاقت نہ ہو تو کم از کم دل سے برا جانے اور اس کا دل برائی محسوس کرے، یہ ایمان کا ادنی درجہ ہے، مشکوۃ صفحہ ۴۳۶ حدیث پاک میں ہے : اللہ تعالی نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا فلاں بستی کو الٹ دو، انہوں نے عرض کیا کہ اے اللہ اس میں ایک نیک آدمی بھی رہتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا کہ اس کو

بھی الٹ دو کہ میرا حکم توڑا جاتا تھا اور اس کے ماتھے پر بل بھی نہیں آتا تھا، مشکوۃ صفحہ ۴۳۹ ایسے ہی ایک جماعت بیت اللہ پر حملہ کرنے کے لئے اٹھی گی ، اس جماعت کو شہر، سمیت دھنسا دیا جائے گا، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ اس شہر میں ایسے ایک لوگ بھی ہوں گے جو کہ اس جرم میں شریک نہ تھے، تو فرمایا : ''یُبعثون علی نیا تھم ''۔کہ آخرت میں اپنی اپنی نیت پر اٹھائے جائیں گے ۔

۲: ترک جہاد : ۔۔ عذاب عامہ کا دوسرا سبب ترک جہاد ہے کہ جب قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کردے گی، کفار غلبہ حاصل کرکے مسلمانوں پر یلغار کردیں گے، جس سے عورتیں اور معصوم بچے بھی ہلاک ہوجائیں گے ۔

۳: توہین شعائر اللہ : ۔۔۔ عذاب عامہ کا تیسرا سبب توہین شعائر اللہ ہے ،اللہ تعالی فرماتے ہیں، اللہ تعالی کے شعائر کی توہین نہ کرو، یعنی جو اللہ تعالی کے دین کے علامتیں جانی جاتی ہیں،ان کی توہین نہ کرو ، اس میں توہین خدا ،توہین رسالت ،توہین کعبۃ اللہ توہین مساجد ، توہین قرآن کریم ،توہین دینی مدارس ،توہین اولیائے کرام وعلمائے عظام، سب شامل ہیں، جب ان شعائر کی توہین ہوگی تو اللہ تعالی کی طرف سے عذاب عامہ ہوگا، اللہ تعالی نے فرمایا : '' من عادی لی ولیا فقد آذنتہ بالحرب '' ۔ جو میرے ولیوں سے دشمنی کرتا ہے اس سے میرا اعلان جنگ ہے ۔

سود خوری ۔۔۔ عذاب عامہ کا چوتھا سبب سود خوری ہے جو قوم سود دینے اور لینے :۴ میں مشغول ہو جائے اور باز نہ آئے ، اللہ تعالی نے فرمایا (فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ) تیار ہو جاؤ لڑنے کو اللہ سے اور اسکے رسول سے ۔ (بقرۃ آیت ۔ ۲۷۹

۵۔ ظلم : ۔۔۔ عذاب عامہ کا پانچواں سبب ظلم ہے ، ظلم خواہ کسی بھی نوعیت کا ہو اس کی وجہ سے اللہ تعالی کا غضب نازل ہوتا ہے ، مظلوم کی بددعا سے بچو ، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ''اتقوا دعوۃ المظلوم فانہ لیس بینہ وبین اللہ حجاب'' ۔ ظلم کی اقسام جو ہمارے ملک میں عام ہیں : نظام اسلام کا مطالبہ کرنے والوں کو دہشت گرد قرار دے کر مارنا، کافروں کو ڈرون حملوں کی اجازت دے کر بے گناہ لوگوں کو ہلاک کرنا، اقتدار سے ناجائز فائدہ حاصل کرکے اپنے مخالف بے گناہوں کو مارنا ، برائے تاوان اغوا کرکے تکلیف پہنچانا یا مار دینا۔ جھوٹے مقدمات بنا کر بے گناہوں کو پابند سلاسل کرنا۔ رشوت لے کر عدالتوں سے بے گناہوں کو سزا دینا اور مجرم کو چھوڑ دینا۔ قاتلوں کو اسلامی سزا یعنی قصاص میں قتل نہ کرنا۔ قومی ذمہ داری بغیر رشوت پوری نہ کرنا یعنی جو قومی خدمت پر مامور تنخواہ دار ملازم ہیں ، وہ عوام کا کام رشوت لئے بغیر نہیں کرتے ۔ جرائم عامہ زنا ، چوری ، ڈاکہ ، فحش کاری ، فحش گانے ، شراب خوری

عام ہو جانا۔ نااہل کو حکومت دینا بھی قوم پر ظلم ہے۔ طاقت کے زور پر دوسرے کی آزادئی رائے کچل دینا۔ زمیندار، کارخانہ دار، سرمایہ دار کا غریبوں کا خون پینا اور ان کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور پوری مزدوری نہ دینا بھی ظلم کی نوع میں داخل ہے۔ تنخواہ پوری لینا اور کام ادھورا کرنا بھی ظلم ہے۔ سرمایہ داروں کا ذخیرہ اندوزی کرنا، اور مخلوق کو قحط میں مبتلا کرکے گراں فروشی کرنا۔ امانت میں خیانت کرنا اور حق والے کو حق نہ دینا۔ بم دھماکوں خود کش حملوں کے ذریعے معصوم عوام کو مارنا۔ قومی محسنوں کو پابند سلاسل کرنا۔

جب من حیث القوم ان جرائم کا ارتکاب ہو ہی رہا ہے، اکثریت ان جرائم میں ملوث ہے، ان جمہوری جرائم کا ارتکاب متقاضی ہے کہ ساری قوم کو عذاب دے کر ختم کر دیا جائے، جیسا کہ قوم عاد، ثمود، قوم نوح اور آل فرعون۔ لیکن اس میں رکاوٹ وہ صرف دعائے رحمۃ للعالمین ہے، کہ اے اللہ ساری امت کو تباہ نہ کر دینا، جیسا کہ پہلی امتیں تباہ کر دی گئیں، اس بناء پر عذاب عامہ کی دو اقسام ہو گئی ایک استیصالی کہ جس سے تمام قوم کو جڑ سے اکھیڑ دیا جاتا ہے جو پہلی قوموں پر آیا، عذاب غیر استیصالی جو تنبیہہ کرنے کے لئے کبھی کہیں، کبھی کہیں آئے گا کبھی خیبر میں آئے گا، کبھی بلوچستان میں، کبھی کراچی یعنی سندھ میں آئے گا، تو کبھی پنجاپ میں آئے گا، چونکہ یہ امت آخری امت ہے، اس کو اللہ تعالی نے

قیامت تک رکھنا ہے، اس لئے اس پر عذاب عامہ استیصالی نہیں آئے گا بلکہ جھنجھوڑنے کے لئے جزوی طور پر آتا رہے گا، تاکہ قوم عبرت حاصل کرکے توبہ استغفار کی طرف متوجہ ہو، اب یہ وقت حاکموں کو گولیاں دینے کا نہیں، بلکہ ہر شخص خود احتسابی کرکے جو ظلم کرتا ہے اس کو ترک کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ“، تم میں سے ہر ایک حکمراں ہے اور ہر ایک سے اپنی رعایا کا سوال کیا جائے گا کہ تم اپنی رعایا پر ظلم تو نہیں کرتے تھے، اللہ تعالی ظلم کو معاف نہ فرمائیں گے، اگرچہ، کسی جانور پر بھی کیوں نہ کیا ہو، چہ جائیکہ انسان، انسان پر ظلم کرے، اب واحد راستہ یہی ہے کہ ان جرائم سے من حیث القوم توبہ کی جائے۔

ورنہ عذابِ الٰہی کا انتظار کیا جائے، (فکلا اخذنا بذنبہ فمنھم من ارسلنا علیہ حاصبا، ومنھم من اخذتہ الصیحۃ ومنھم من خسفنا بہ الارض ومنھم من اغرقنا وماکان اللہ لیظلمھم ولکن کانوا انفسھم یظلمون)

ترجمہ: پھر سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر، پھر کوئی تھا کہ ہم نے اس پر بھیجا پتھراؤ ہوا سے اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑ نے پھر کوئی تھا کہ اس کو دھنسادیا ہم نے زمین میں اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبو دیا ہم نے اور ایسا نہ تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرتے، پر تھے وہ ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے (سورۃ عنکبوت آیت ۴۰)۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالی ہے: عذاب کبھی اوپر سے آتا ہے اور کبھی نیچے سے آتا ہے اور کبھی تمہاری آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں۔" حدیث قدسی میں ،اللہ تعالی فرماتے ہیں:" میں بادشاہ ہوں جس سے چاہتا ہوں بادشاہی لے لیتا ہوں اور جس کو چاہتا ہوں بادشاہی دے دیتا ہوں جب میں ناراض ہوتا ہوں تو ظالم بادشاہ مسلط کردیتا ہوں ، لہذا بادشاہوں کو گالیاں نہ دیا کرو بلکہ مجھ سے معافی مانگا کرو" اس لئے قوم کو چاہئے من حیث القوم اللہ تعالی سے معافیاں مانگے۔ (افامن اھل القری ان یاتیھم باسنا بیاتا ھم نائموں اوامن اھل القری ان یاتیھم باسنا ضحیٰ وھم یلعبوں افامنوا مکراللہ فلایا من مکراللہ الاالقوم الخاسرون) ترجمہ: اب کیا بے ڈر ہیں ،بستیوں والے اس سے کہ آن پہنچے ان پرآفت ہماری راتوں رات جب وہ سوئے ہوں ،یا بے ڈر ہیں بستیوں والے اس سے کہ آپہنچے ان پر ہماراعذاب دن چڑھے، جب کھیلتے ہوں ،کیا بے ڈر ہوگئے اللہ کی تدبیر سے پس نہیں بے ڈر ہوئے اللہ کی تدبیر سے مگر خرابی میں پڑنے والے۔ (اعراف آیت ۹۔۸۔۹۷

عذاب کبھی سونے کے وقت میں آتا ہے اور عذاب کبھی عیش وعشرت کے وقت میں بھی آتا ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ عذاب عامہ سے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالی سے گڑگڑا کر معافی مانگی جائے۔ جن جرائم کو عذاب عامہ کا سبب بتایا گیا ہے ان سے توبہ کی جائے، ذرائع ابلاغ، گانے، ڈرامے ختم کرکے انسانی ہمدردی کا سبق جو قرآن کریم وحدیث میں آیا ہے لین جو اللہ تعالی اوراس کے رسول نے فرمایا ہے اس کو سنا جائے تاکہ دنیا پر واضح ہو کہ اسلام انسانی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ قوم کا مزاج مغرب کی بجائے اسلام کی طرف موڑا جائے اور اسلامی اخلاق، اخبار، ریڈیو، ٹیلی ویژن کے ذریعے نشر کئے جائیں، جرائم کبیرہ، چوری، ڈاکہ، دہشت گردی، زنا، بددیانتی، آبرو ریزی جیسے جرائم کی برائی نشر کی جائے، تمام قوانین سے اسلام کے قانون کی برتری بیان کی جائے۔

آخری تنبیہ جو اللہ تعالی نے قرآن پاک میں فرمائی ہے اس کو نشر کیا جائے (الم یان للذین امنوا ان تخشع قلوبھم لذکراللہ) کیا ابھی وقت نہیں آیا کہ لوگوں کے دل ڈر (جائیں اللہ تعالی کی یاد سے۔ (حدید آیت ۱۶

سیلاب کی تباہ کاریاں، زلزلہ کی تباہ کاریاں ابھی قوم کو جھنجھوڑ نہیں رہیں ؟ کہ وہ سیلاب زدگان کو نشہ والا کھانا کھلا کر لوٹیں، سیلاب سے نکالنے کے بہانے سامان ٹرالہ پر ڈال کر لے جائیں، سیلاب کی امدادی رقم میں خیانت کریں، مال تھوڑا دیں اور دستخط زیادہ کے لیں، دیا ہوا سامان چھپا کر رکھ لیں

اس کے بدلہ میں ردی سامان متاثرین کو دیں۔
کیا ابھی خوف کھانے کا وقت نہیں آیا؟ کیا اور کسی آفت کا انتظار ہے ؟
یہ اخلاق تب آئیں گے جبکہ حکمراں اپنے اخلاق بدلیں گے۔: " الناس علی دین ملوکھم "
اس لئے حکومت اور رعایا سب کو اپنے اندر تبدیلی لانے کی ضرورت ہ۔

میدانِ عرفات کی طرف رواں دواں حجاج کرام

آٹھویں تاریخ کو آپ نے احرام کا باندھ لیا، اب آپ کو منی جانا ہے، منی میں آپ نے کوئی خاص عمل نہیں کرنا بس ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور 9 ذی الحجہ فجر کی نماز منی میں ادا کرنی ہے۔

9 ذی الحجہ کو عرفات کے لئے روانگی:

نویں ذی الحجہ کی صبح سورج نکلنے کے بعد منی سے عرفات جانا ہے، آج مغفرت کا دن ہے، آج یومِ عرفہ ہے، مسئلے کی رو سے میدان عرفات میں 9 ذی الحجہ کی دوپہر سے 10 ذی الحجہ کی صبح صادق تک کچھ دیر کا قیام حج کا رکنِ اعظم ہے، جس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا، 9 ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق شروع ہو جاتی ہیں، منی ، عرفات اور مزدلفہ میں سب جگہ فرض نمازوں کے بعد ایک بار بلند آواز سے تکبیرات تشریق پڑھیں: اللہ اکبر اللہ اکبر، لاإلہ إلااللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد۔ 10 ذی الحجہ تک فرض نماز کے بعد پہلے تکبیر تشریق اور پھر تلبیہ پڑھیں، چونکہ تلبیہ دسویں تاریخ کی رمی کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اس لئے باقی ایام میں یعنی 13 ذی الحجہ تک صرف تکبیر تشریق پڑھیں۔

جبل الرحمۃ) عرفات میں مسلمانوں کے اجتماع کا ایک منظر)

:وقوفِ عرفہ

وقوف عرفہ کا وقت زوال سے شروع ہوجاتا ہے، اس لئے ظہر کی نماز سے فارغ ہو کر وقوف میں مصروف ہوجائیں ، سایہ کے بجائے دھوپ میں وقوف کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی ضرر یا بیماری کا اندیشہ ہو تو سایہ میں اور خیمہ میں بھی وقوف کیا جاسکتا ہے، ہوسکے تو قبلہ رخ کھڑے ہو کر پورا وقت یعنی مغرب تک وقوف کیجئے، اگر پورا وقت کھڑے رہنا مشکل ہو تو جتنی دیر کھڑے رہنے کی طاقت ہو کھڑے رہئے، ضرورت ہو تو وقوف کے وقت بیٹھنا بلکہ حج کا مختصر طریقہ

فقہی مسائل اور قیودات کی وضاحت کے بغیر یہاں عوام کے لئے آسان طور پر حج کا)

(طریقہ لکھاجاتا ہے

ذی الحجہ سے حج کے ارکان شروع ہوتے ہیں، آٹھویں ذی الحجہ کا سورج طلوع ہونے 8 کے بعد احرام کی حالت میں مکہ مکرمہ سے منی کے لیے روانہ ہونا ہے، حج کا احرام حدودِ حرم میں کسی بھی جگہ سے باندھا جاسکتا ہے، اپنی قیام گاہ پر بھی باندھ سکتے ہیں ، نفل طواف کرکے سرڈھانک کر دو رکعت واجب الطواف پڑھیں، اس کے بعد سر کھول کے احرام کی نیت اس طرح کریں: اللھم اِنِّی اُرِیدُ الحج فَیَسِّرہُ لِی وَتَقَبلہ مِنِّی۔

نیت کرکے اور یہ تلبیہ (لَبَّیکَ اللھم لَبیکَ لبیک لا شَریک لک لبیک، اِنّ الحمد والنعمۃ لک والملک ، لا شریک لک) پڑھ کر آپ محرم ہوگئے اور احرام کی ساری پابندیاں آپ پر عائد ہوگئیں ، جس طرح عمرہ کے احرام کے وقت ہوتی ہیں۔

منی کے لیے روانگی: آٹھویں تاریخ کو آپ نے احرام باندھ لیا، اب آپ کو منی جانا ہے، منی میں آپ نے کوئی خاص عمل نہیں کرنا بس ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور 9 ذی الحجہ فجر کی نماز منی میں ادا کرنی ہے۔

9 ذی الحجہ کو عرفات کے لئے روانگی:

نویں ذی الحجہ کی صبح سورج نکلنے کے بعد منی سے عرفات جانا ہے، آج مغفرت کا دن ہے، آج یومِ عرفہ ہے، مسئلے کی رو سے میدان عرفات میں 9 ذی الحجہ کی دوپہر سے 10 ذی الحجہ کی صبح صادق تک کچھ دیر کا قیام حج کا رکنِ اعظم ہے، جس کے بغیر حج ادا نہیں ہوتا، 9 ذی الحجہ کو فجر کی نماز کے بعد تکبیرات تشریق شروع ہوجاتی ہیں، منی ، عرفات اورمزدلفہ میں سب جگہ فرض نمازوں کے بعد ایک بار بلند آواز سے تکبیرات تشریق پڑھیں: اللہ اکبر اللہ اکبر، لااِلہ اِلااللہ واللہ اکبر، اللہ اکبر وللہ الحمد۔ 10 ذی الحجہ تک فرض نماز کے بعد پہلے

تکبیر تشریق اور پھر تلبیہ پڑھیں، چونکہ تلبیہ دسویں تاریخ کی رمی کے ساتھ ختم ہو جاتاہے اس لئے باقی ایام میں یعنی 13 ذی الحجہ تک صرف تکبیر تشریق پڑھیں۔

وقوفِ عرفہ:

وقوف عرفہ کا وقت 9 ذی الحجہ زوال سے شروع ہو جاتاہے، اس لئے ظہر اور عصر کی نمازوں سے ایک ساتھ فارغ ہو کر وقوف میں مصروف ہو جائیں، سایہ کے بجائے دھوپ میں وقوف کرنا بہتر ہے، ہاں اگر کسی ضرر یا بیماری کا اندیشہ ہو، تو سایہ میں اور خیمہ میں بھی وقوف کیا جاسکتاہے، ہوسکے تو قبلہ رخ کھڑے ہو کر پورا وقت یعنی مغرب تک وقوف کیجئے، اگر پورا وقت کھڑے رہنا مشکل ہو، تو جتنی دیر کھڑے رہنے کی طاقت ہو، کھڑے رہیے، ضرورت ہو، تو وقوف کے وقت بیٹھنا بلکہ لیٹنا بھی جائز ہے، آخر آفتاب غروب ہوا، چنانچہ آج حکم ہے، مغرب کی نماز عشاء کی نماز کے ساتھ مزدلفہ میں پڑھی جائے۔

عرفات سے مزدلفہ کے لئے روونگی:

اب لاکھوں انسانوں کی یہ بستی یہاں سے تین میل دور منتقل ہو جائے گی، لیجئے مزدلفہ پہنچ گئے،مزدلفہ میں رات ٹھرنے والے حجاج کے حق میں یہ رات شبِ قدر سے بھی افضل ہے، اس لئے اس رات کی عظمت اور قدر وقیمت کو یاد رکھیئے، یہ

رات جاگ کر گذاری جائے، عبادت، ذکر، استغفار، توبہ اور درود شریف میں مشغول رہیں، نفل پڑھیں، لیٹنا یا سونا منع نہیں ہے،10ویں تاریخ کی فجر کی نماز صبح صادق ہوتے ہی اندھیرے میں پڑھیں، صبح صادق کے بعد تھوڑی دیر مزدلفہ میں وقوف واجب ہے۔

یاد رکھنا چاہیئے کہ آپ کو اب منی جا کر شیطان کو کنکریاں مارنی ہیں، ان کا انتظام یہاں مزدلفہ سے کرنا چاہیئے، کم از کم ستر کنکریاں ایک تھیلی میں رکھ لیں، کنکری نہ زیادہ چھوٹی ہوں نہ زیادہ بڑی، بلکہ درمیانی ہوں۔

: منی میں قیام اور رمی جمار

دسویں تاریخ کو صرف جمرہ عقبہ کی رمی کرنا ہے،اس پر پہلی کنکری پھینکتے ہی تلبیہ پڑھنا موقوف ہو جاتا ہے، لہٰذا اس کے بعد مغرب تک تلبیہ نہ پڑھیں جمرہ عقبہ کی رمی کا مسنون وقت آفتاب طلوع ہونے سے شروع ہو کر زوال تک ہے، مباح وقت بلا کراہت مغرب تک ہے، اور کراہت کے ساتھ مغرب سے صبح صادق سے پہلے تک رہتا ہے، رمی کے ساتھ تکبیر کہنا مسنون ہے، جب کنکریاں ماریں تو یہ دعا پڑھیں :بسم اللہ اللہ اَکبر رَغماً لِلشیطان وَرِضاً للرَّحمان۔

:قربانی

اگر آپ حج تمتع کرتے ہیں، تو اس کے شکرانے کے طور پر قربانی کرنا واجب ہے، رمی کے بعد پہلے قربانی کیجئے، پھر حلق یا قصر کروا کر احرام کھول دیجئے، اب آپ سلے ہوئے کپڑے پہن سکتے ہیں، خوشبو لگا سکتے ہیں، اور احرام کی حالت میں ممنوعہ جملہ امور اب انجام دے سکتے ہیں، مگر ہمبستری کرنا جائز نہیں ہے، جب آپ طوافِ زیارت ادا کرلیں گے، تو احرام کی بقیہ ایک پابندی یعنی عورتوں سے ہمبستری بھی حلال ہو جائے گی

۔

: طوافِ زیارت

یہ طواف حج کا رکن اور فرض ہے، یہ طواف عام طور پر قربانی اور حجامت کے سلے ہوئے کپڑوں میں کیا جاتا ہے، بعض لوگ سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ سلے ہوئے کپڑوں میں سعی کیسے کی جائے؟ تو خیال رہے کہ اس میں شک کی کوئی گنجائش نہیں ہے، آپ طواف زیارت اور سعی سلے ہوئے کپڑوں میں بھی کر سکتے ہیں، طواف کے پہلے تین چکروں میں رمل بھی ہوگا، ہاں اضطباع نہیں ہوگا، الحمد للہ 10 ذی الحجہ کے سارے کام انجام پاگئے، اب آپ مکمل طور پر احرام کی پابندیوں سے فارغ ہوگئے، عورت بھی اب حلال ہوگی، فارغ ہو کر آپ پھر منی چلے جائیں، طوافِ زیارت کے بعد دو رات اور دو دن منی میں قیام کرنا ہے، 11 اور 12 ذی الحجہ کو تینوں جمروں کی رمی کرنا ہے، اور آج رمی کا وقت زوالِ آفتاب کے بعد ہے، اپنے خیمے یا مسجد خیف میں ظہر کی نماز ادا کریں اور پھر رمی کے لئے نکل جائیں۔

راستہ میں سب سے پہلے جمرہ اولیٰ ''چھوٹا شیطان آئے گا'' بالکل اسی طرح جس طرح کل جمرہ عقبہ کی رمی کی تھی سات کنکریاں ماریں اور ہر کنکری پر :بسم اللہ اللہ اکبر، رغماً للشیطان وَرِضاً للرحمان پڑھیں، رمی کے بعد دائیں جانب ہٹ کر قبلہ رخ کھڑے ہو کر دعا کریں، توبہ استغفار، اور تسبیح و ذکر کے بعد درود شریف پڑھیں، اپنے لئے دعا مانگیں، اپنے دوست واحباب کے لئے بھی دعا مانگیں۔

اس کے بعد آگے چلیں جمرہ وسطیٰ ''درمیانے شیطان'' پر آئیں اور اسی طرح سات کنکریاں ماریں جس طرح جمرہ اولیٰ پر ماری تھیں اور ذرا ہٹ کر قبلہ رخ ہو کر دعا مانگیں، اور اتنی دیر ہی ٹھریں جتنی دیر جمرہ اولیٰ پر ٹھرے تھے، اس کے بعد جمرہ عقبہ ''بڑے شیطان'' پر آئیں اسی طرح سات کنکریں اس کو بھی ماریں جس طرح پہلے ماری تھیں، مگر اس جمرہ پر ٹھہرنے یا دعا مانگنے کا ثبوت نہیں ہے، اب حج کے تمام ارکان ادا ہو چکے ہیں، صرف طوافِ وداع کرنا باقی ہے۔

طوافِ وداع:

جب مکہ مکرمہ سے وطن واپس ہونے کا ارادہ ہو تو طوافِ وداع یعنی رخصتی کا طواف کیا جاتا ہے، یہ طواف مکہ سے باہر رہنے والے آفاقی پر واجب ہے، جس

عورت کو حیض آرہا ہویا نفاس کی حالت میں ہواور مکہ سے رخصت ہونے کے وقت پاک نہ ہوتو اس سے طوافِ وداع معاف ہوجاتا ہے، ایسی عورت کو چاہئے کہ حرم شریف کے دروازے سے باہر کھڑی ہو کر دعا مانگ لے اور حرم شریف داخل نہ ہوں۔

بیت اللہ کی جدائی پر افسوس اور ندامت کا اظہار کیجئے، اس عرصہ میں مسجدِ حرام اور بیت اللہ کے آداب اور حقوق کے بارے میں آپ سے جو کوتاہیاں ہوئیں ان کی معافی مانگتے ہوئے مسجدِ حرام سے نکلیے۔

: زیارت مدینہ منورہ

اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر "خانہ کعبہ" کے دیدار سے مشرف اور حج کے مبارک فریضہ سے سبکدوش ہونے کے بعدیا قبل زندگی کی سب سے بڑی اور عظیم الشان سعادت مسجد نبوی اور سرور کائنات کے روضہ اقدس کی زیارت کے لئے مدینہ منورہ کی جانب روانگی ہے، یہ بات یاد رہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ پہنچنے کے بعد پہلے دن جو کارڈ دیا گیا تھا، مدینہ منورہ روانگی سے پہلے آپ کو وہ کارڈ جمع کرانا ہوگا، کیونکہ اسی کارڈ کی مدد سے معلم کے دفتر میں آپ کا پاسپورٹ تلاش کیا جائیگا، اور مدینہ منورہ جانے والی بس کے ڈرائیور کے حوالے ہوگا، جو مدینہ منورہ میں وہاں کے معلم کو حوالے کریگا، زیارت مسجد نبوی ﷺ کی تڑپ اور خواہش ہر مسلمان کے دل میں ہوتی ہے، اس کا حکم وجوب سے قریب قریب

ہے اور بعض علماء کے نزیک صاحبِ استطاعت حضرات پر واجب ہے۔

حضرتِ ابن عباس کا کردار

''آپریشن نہیں ڈائیلاگ'' والے ہمارے مضمون پر سوشل میڈیا میں کچھ سخت گیر دوستوں نے تنقید بھی کی ،کچھ نے اس کے منہج اور طریقۂ کار کا مطالبہ کیا، یہ معروضات ان تمام کے پیش خدمت ہیں۔

جب خوارج نے مرکزِ خلافت کے خلاف بغاوت شروع کی ، تو حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ان کی طرف زمانے کے سب سے بڑے عالم حبر الأمہ حضرت ابن عباسؓ کو سمجھانے بجھانے کے لیے بھیجا، جنھوں نے متعدد بار ان کی محفوظ پناہ گاہوں میں جا کر ان کے اعتراضات کے ایسے حکیمانہ جوابات دئے، کہ ان میں سے ہر ایک دفعہ دس دس بیس ہزار افراد بغاوت اور قتل وقتال سے برگشتہ ہو کر مرکز سے آملے،اب بھی امن کمیٹی ہو یا طالبان،ایم کیو ایم ہو یا اے این پی، بلوچ لبریشن آرمی ہو یا پنجابی طالبان،سب کے پاس شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان ، مولانا فضل الرحمان، مولانا سمیع الحق، مفتی منیب الرحمان، مفتی تقی عثمانی، مولانا طارق جمیل، جنرل حمید گل ،میجر عامر، مولانا تنویر الحق تھانوی،ڈاکٹر شیر علی شاہ، مفتی نعیم،اور ڈاکٹر راغب نعیمی جیسے حضرات کے وفود بنا کر ان لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی جائے، ان کو عذابِ الٰہی سے ڈرایا جائے،ان کی محرومیوں کے ازالے کے حل نکالے جائیں،انہیں اپنانے کی کاوشیں کی جائیں،اور اپنا بھی

بنظر غائر محاسبہ کیا جائے، امید ہے کہ نتائج اچھے نکلیں گے، ورنہ اتمام حجت تو ہو گا۔ اللہ تعالی کا فرمان ہے:۔ ”کیا اب بھی وقت نہیں آیا کہ لوگوں کے دل ڈر جائیں اللہ تعالی کی یاد سے“ ۔ (حدید آیت ۱۶)، ہماری مصیبت یہ ہے کہ ہم اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ چاروں طرف لاشوں پے لاشے ہیں اور کوئی عبرت لینے کو تیار نہیں۔ ”اور بچتے رہو اس فتنے (فساد) سے کہ نہیں پڑے گا، تم میں سے صرف ظالموں ہی پر، اور جان لو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے“۔ (انفال : ۲۵)، اس آیت میں اللہ تعالی نے ایک ایسے عذاب سے بچنے کا حکم کیا ہے، جو صرف مجرموں کو نہیں پہنچے گا بلکہ مجرم اور غیر مجرم یعنی رطب ویابس سب کو بھسم کردے گا۔

قوم نے اصلاح معاشرہ کی دعوت ترک کر دی ہے، برائی دیکھ کر کسی کو ناگواری نہیں ہوتی، حضور ﷺ نے فرمایا: ” جو بھی تم میں سے کوئی برائی دیکھے، وہ اسے ہاتھ سے روک دے (ارباب اختیار کی ذمہ داری)، اگر یہ طاقت نہ ہو، تو زبان سے روک دے داعی اور مصلح کی ذمہ داری)، اگر یہ بھی طاقت نہ ہو تو کم از کم دل سے برا جانے اور) اس کا دل برائی محسوس کرے، یہ ایمان کا ادنی ترین درجہ ہے“۔ (مشکوۃ/ ۴۳۶)

حدیث پاک میں یہ بھی ہے: ”اللہ تعالی نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم فرمایا: فلاں، بستی کو الٹ دو، انہوں نے عرض کیا، اے اللہ اس میں ایک نیک آدمی بھی رہتا ہے، اللہ تعالی نے فرمایا، اس کو بھی الٹ دو، میرا حکم

توڑا جاتا تھا اور اس کے ماتھے پر بل بھی نہیں آتا تھا''۔ (مشکوۃ/ ۴۳۹)۔ایسے ہی ایک جماعت بیت اللہ پر حملہ کرنے کے لئے اٹھی گی، اس جماعت کو شہر سمیت دھنسا دیا جائے گا، حضرت عائشہ نے عرض کیا کہ اس شہر میں ایسے کچھ لوگ بھی ہوں گے، جو اس جرم میں شریک نہ ہوں گے؟فرمایا: ''یُبعثون علی نیاتھم''۔کہ آخرت میں اپنی اپنی نیتوں پر اٹھائے جائیں گے، گویا دنیا میں وہ بھی عذابِ الہی سے نہیں بچ سکیں گے۔باری تعالی فرماتے ہیں، اللہ تعالی کے شعائر کی توہین نہ کرو، یعنی جو اللہ تعالی کے دین کے علامتیں جانی جاتی ہیں،ان کی اہانت نہ کرو، اس میں توہین خدا، توہین رسالت ،توہین کعبۃ اللہ توہین مساجد، توہین قرآن کریم ،توہین دینی مدارس ،توہین اولیائے کرام وعلمائے عظام، سب شامل ہیں، جب ان شعائر کی توہین ہوگی تو اللہ تعالی کی طرف سے اندھے فتنوں کی شکل میں عذاب ہوگا۔ پھر جو قوم سود دینے اور لینے میں مشغول ہوجائے اور باز نہ آئے اللہ تعالی کی طرف سے ان کے لئے اعلانِ جنگ ہے'' (بقرۃ/۲۷۹)۔ ظلم خواہ کسی '' بھی نوعیت کا ہو اس کی وجہ سے اللہ تعالی کا غضب نازل ہوتا ہے، مظلوم کی بددعا سے بچو، حضور ﷺ نے مظلوم کی بددعا سے بچنے کا فرمایا ہے، کیونکہ اس کی بددعا اللہ تعالی تک ڈائرکٹ پہنچتی ہے، ظلم کی اقسام یہ ہیں: نظام اسلام کا مطالبہ کرنے والوں کو دہشت گرد قرار دے کر مارنا، سامراج کو ڈرون وغیرہ حملوں کی اجازت دے کر بے گناہ لوگوں کو ہلاک کرنا، اقتدار سے ناجائز فائدہ حاصل کرکے اپنے مخالف بے گناہوں کو مارنا، قوم کے افراد جیسے عافیہ

صدیقی وغیرہ کو اغیار کے حوالے کرنا۔ برائے تاوان اغوا کرکے تکلیف پہنچانا یا مار دینا۔ جھوٹے مقدمات بنا کر بے گناہوں کو پابند سلاسل کرنا۔ رشوت لے کر عدالتوں سے بے گناہوں کو سزا دینا اور مجرموں کو چھوڑ دینا۔ قاتلوں کو اسلامی سزا یعنی قصاص میں قتل نہ کرنا۔ قومی ذمہ داری بغیر رشوت پوری نہ کرنا یعنی جو قومی خدمت پر مامور تنخواہ دار ملازم ہیں، وہ عوام کا کام رشوت لئے بغیر نہیں کرتے ۔ جرائم عامہ زنا، چوری ،ڈاکہ ، فحش کاری ، فحش گانے، شراب خوری ، بھتہ خوری عام ہو جانا۔ نیز نااہلوں کو حکومتی مناصب دینا۔ طاقت کے زور پر دوسرے کی آزادئی رائے کچلنا۔ زمیندار ،کارخانہ دار ، سرمایہ دار کا غریبوں کا خون پینا اور ان کی غربت سے ناجائز فائدہ اٹھانا اور پوری مزدوری نہ دینا۔ تنخواہ پوری لینا اور کام ادھورا کرنا ۔ سرمایہ داروں کا ذخیرہ اندوزری کرنا، اور مخلوق کو قحط میں مبتلا کرکے گراں فروشی کرنا۔ امانت میں خیانت کرنا اور حق والے کو حق نہ دینا۔ بم دھماکوں خودکش حملوں کے ذریعے معصوم عوام کو مارنا۔ قومی محسنوں کو پابند سلاسل کرنا۔ قومی خزانہ کو بنیادی ضروریات کے بجائے خرمستیوں پے لگانا۔

اللہ معاف فرمائے ان جمہوری جرائم کا ارتکاب متقاضی ہے کہ ساری قوم کو عذاب دے کر ختم کر دیا جائے، جیسا کہ قوم عاد، ثمود، قوم نوح اور آل فرعون ۔ لیکن اس میں رکاوٹ صرف وہ دعائے رحمۃ للعالمین ﷺ ہے، کہ اے اللہ میری ساری امت

کو تباہ نہ کردینا، جیسا کہ پہلی امتیں تباہ کردی گئیں تھیں، اس بناء پر عذاب عامہ کی دو اقسام ہیں: ایک استیصالی کہ جس سے تمام قوم کو جڑ سے اکھیڑ دیا جاتا ہے، جو پہلی قوموں پر آیا، عذاب غیر استیصالی جو تنبیہہ کرنے کے لئے کبھی کہیں، کبھی کہیں آئے گا کبھی خیبر میں آئے گا، کبھی بلوچستان میں، کبھی کراچی یعنی سندھ میں آئے گا، تو کبھی، پنجاب میں آئے گا، چونکہ یہ امت آخری امت ہے، اس کو اللہ تعالی نے قیامت تک رکھنا ہے، اس لئے اس پر عذاب عامہ استیصالی نہیں آئے گا، بلکہ جھنجھوڑنے کے لئے جزوی طور پر آتا رہے گا، تاکہ قوم عبرت حاصل کرکے، توبہ واستغفار کی طرف متوجہ ہو، اب یہ وقت کسی کو گالیاں دینے یا کوسنے کا نہیں، بلکہ ہر شخص خود احتسابی کرکے، جو ظلم کرتا ہے اس کو ترک کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ''کلکم راع وکلکم مسؤل عن رعیتہ''، تم میں سے ہر ایک حکمراں ہے اور ہر ایک سے اپنی رعایا کا سوال کیا جائے گا کہ تم اپنی رعایا پر ظلم تو نہیں کرتے تھے، اللہ تعالی ظلم کو معاف نہ فرمائیں گے، شہید، کو سب گناہ معاف ہوں گے، لیکن ظلم اسے بھی معاف نہیں، اگرچہ کسی جانور پر ہی کیوں نہ کیا ہو، چہ جائیکہ انسان، انسان پر ظلم کرے، اب واحد راستہ یہی ہے، ان جرائم سے من حیث القوم توبہ کی جائے۔فرمانِ الٰہی ہے: '' پس سب کو پکڑا ہم نے اپنے اپنے گناہ پر، پھر کوئی تھا کہ ہم نے اس پر بھیجا پتھراؤ ہوا سے اور کوئی تھا کہ اس کو پکڑا چنگھاڑنے پھر کوئی تھا کہ اس کو دھنسادیا ہم نے زمین میں اور کوئی تھا کہ اس کو ڈبو دیا ہم نے اور

ایسا نہ تھا کہ اللہ ان پر ظلم کرنے والا تھا، پر تھے وہ ہی اپنے آپ پر ظلم کرنے والے''۔ عنکبوت /۴۰)۔دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:'' عذاب کبھی اوپر سے آتا ہے) اور کبھی نیچے سے آتا ہے اور کبھی تمہاری آپس میں لڑائیاں ہوتی ہیں''۔ نیز فرمایا:'' اب کیا بے خوف ہوگئے ہیں بستیوں والے اس سے ،کہ آن پہنچے ان پر آفت ہماری راتوں رات جب وہ سوئے ہوں ،یا بے خوف ہوگئے ہیں بستیوں والے اس سے کہ آ پہنچے ان پر ہمارا عذاب دن چڑھے، جب کھیلتے ہوں ،کیا بے ڈر ہوگئے اللہ کی تدبیر سے پس نہیں بے ڈر ہوئے اللہ کی تدبیر سے مگر خرابی میں پڑنے والے''۔ (اعراف /۹۔۸، ۔۹۷)۔ ملک کے بہی خواہوں کے بچنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر معافی مانگی جائے۔ جن جرائم کو عذاب عامہ کا سبب بتایا گیا ہے ،ان سے توبہ کی جائے ، ذرائع ابلاغ ، فحش گانے ،بیہودہ ڈرامے ختم کرکے انسانی ہمدردی کا سبق عام کیا جائے، تاکہ دنیا پر واضح ہو کہ اسلام انسانی حقوق کا سب سے بڑا علمبردار ہے۔ قوم کا مزاج مغرب کی بجائے اسلام کی طرف موڑا جائے اور اسلامی اخلاق ،اخبار، ریڈیو، ٹیلی وی‍ژن کے ذریعے نشر کئے جائیں، جرائم کبیرہ ،چوری، ڈاکہ،دہشت گردی ،زنا، بھتہ خوری بددیانتی ،آبروریزی جیسے جرائم کی برائیاں نشر کی جائیں،اسلحہ کی بھرمار کا روک تھام، کیا جائے،مزید خون خرابہ اور خلفشار کے بجائے اصلاح احوال کے معقول طریقے اپنائے جائیں،آخر خودکُش بھی تو کسی کی ترغیب و تلقین اور برین واشنگ سے اپنے ساتھ بم باندھ کر اس طرح کے حملوں کے لئے تیار ہوتے

ہیں، تو پھر ہم کیوں یہ آسان اور دیرپا طریقے نہ اپنائیں؟۔

کیا اب بھی خوف کھانے کا وقت نہیں آیا؟ کیا اور کسی بڑی آفت کا انتظار ہے؟

آسية عارف

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذي أنزل كتابه بلسان عربي مبين ، والصلاة والسلام على من نطق بالضاد سيد المرسلين ، وعلى آله وصحبه العرب الطاهرين ، ومن تبعهم في الإسلام والعربية إلى يوم الدين ، وبعد :

فإن الأخ عارف صديق من الإخوة الأفاضل النشطاء في ميدان الأدب العربي وترويجه وتعليمه في الأوساط الباكستانية ، وله جهود مشكورة في هذا المجال ، وخير مثال في هذا الصدد الشاعرة الأديبة البارعة في التكلم والبيان والخطابة نجلته الشهيرة في ربوع البلاد وخارجها إيمان نعوتة اطفارها "حقيقةً لا مبالغةً" ، وهي عصفورة باكستان المتغردة (آسية عارف) ، سمعتها وسمعت عنها كثيراً ، نثراً وشعراً عربياً خالصاً .

والآن بفضل الله الكريم قرأت أول مصنفاتها الذي بين يديك ، وهي نجحت كل النجاح في تصنيفها كتابها على منوال بديع جديد رائع ، سبقت فيها الكبار ، وكنا نسمع عن زمن مثلاً عربياً " الصغار أساتذة الكبار " ، فرأيتها أستاذةً للكبار حقاً ، ويشهد بذلك معي كل من كان له قلب أو ألقى السمع وهو شهيد ، فهي أمل المستقبل في إحياء اللغة العربية ، وهي سوف تحيي بها ولها

عليها.

وكتابها جدير بأن يمنح لها درجة الدكتوراه الفخرية في هذا المجال، خاصةً وانها لم تكتمل الربيع السابع من عمرها، وهناك كثيرون اعرفهم من الدكاترة لايستطيعون ان يأتوا بمثلها، بل وكثيرون مقالاتهم للدكتوراه او شهاداتهم مزوّرة.

اسأل الله تعالى ان تتفتح هذه الزهرة اكثر فأكثر وان تتغرد هذا العصفور بأعلى صوت، يصل صداها إلى مشارق الأرض ومغاربها

وماذلك على الله بعزيز.

ولي خان المظفر

عضو رابطة الأدب الاسلامي العالمية

روحانی اجتماع

گزشتہ ہفتے بتاریخ یکم و دوئم ستمبر شامزئی ٹرسٹ انٹرنیشنل کے زیر اہتمام اسلام آباد میں منعقدہ ''روحانی اجتماع'' میں شرکت کا موقع ملا، کراچی سے مفتی رحمان الدین شامزئی، پیر یاسر عرفات المعطر، ڈاکٹر ناظر حسین اور سید عامر علی رفقائے سفر تھے، اسلام آباد ایئر پورٹ سے سیدھے ہم دس بجے اجتماع گاہ پہنچے، لاہور گجرانوالہ، سیالکوٹ، مظفر آباد، مانسہرہ، مردان، سوات اور پشاور جیسے دور دور، شہروں سے بھی مریض آئے ہوئے تھے، تلاوتِ کلامِ پاک اور
نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے بعد شامزئی صاحب کے روحانی علوم اور علاج کے سلسلے میں افتتاحی اور مفصل خطاب کے بعد بطورِ مہمان خصوصی احقر کو دعوت خطاب دی گئی، ہم نے استشفاء بالقرآن، روحانی علاج اور طب نبوی ﷺ کی ضرورت، اہمیت، افادیت پر قرآن وسنت کے تناظر میں بات کی، ان تینوں عنوانات پر کلام اللہ، سیرت نبوی ﷺ اور سیر الصحابہؓ میں سے چیدہ چیدہ مثالیں پیش کیں، ڈاکٹر ناظر حسین صاحب نے طب نبوی ﷺ میں اپنی اسپیشلائزیشن کی وجہ سے صرف اسی موضوع پر اپنے تجربات اور جدید سائنس کی تحقیقات پر خاصی دلچسپ اور مدلل گفتگو فرمائی، استغفار،
درود شریف، اور دیگر ذکرواذکار میں سائنسی تجربات سے محسوسات اور مشاہدات کی شکل میں ثابت شدہ تاثیرات کی انگنت امثال بیان کیں، آخر میں شامزئی صاحب اور ڈاکٹر صاحب نے دیر تک

حاضرین و سامعین کے سوالات کے جوابات دیے، اس موقع پر ہم نے ڈاکٹر صاحب کے لیے اپنی جامعہ ''عریبک لینگویج اوپن یونیورسٹی پاکستان'' کی طرف سے طب نبوی ﷺ میں اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا اعلان بھی کیا، یوں یہ اجتماع پیر یاسر عرفات المعطر کی پر سوز دعاؤں سے تقریبا تین بجے سہ پہر اختتام پذیر ہوا، المعطر صاحب ایک ''درود نیٹ ورک'' بھی چلاتے ہیں، جہاں روزانہ کم از کم ایک لاکھ مرتبہ مختصر ترین درود شریف: (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والا ہر فرد نیٹ ورک کے تمام ساتھیوں کے لئے دعاء الغائب للغائب کے طور پر 100 بار درود شریف کی سعادت حاصل کر کے دعا کرتا ہے، نکتے کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی اس نیٹ ورک کا حصہ بن سکتا ہے۔ اس کے بعد ہم سب شامزئی صاحب کی اسلام آباد والی کوٹھی پر چلے گئے، جہاں رات گئے تک مریضوں، ملنے ملانے والوں اور متعلقین کا ایسا تانتا بندھا رہا کہ ہمیں یہ تک یاد نہیں رہا کہ ساتھیوں نے دوپہر کا کھانا بھی نوش نہیں کیا، اور اب تو رات کے کھانے میں بھی تاخیر ہو رہی تھی، سید عامر صاحب نے کھانے کا اہتمام خیبر حجرے میں کر رکھا تھا، فراغت کے بعد رات کا قیام، اور اگلے دن صبح ہی سے ظہر تک وہی سلسلہ، ظہر کے بعد موسلا دھار بارش میں یہ حضرات مری کی طرف سیر و سیاحت اور ذہنی تھکان دور کرنے نکلے، اور ہم شیخ محمود سامرائی عراقی کی دعوت پر ان کے یہاں گئے، واپسی پر قائد اعظم یونیورسٹی کے پروفیسر ڈاکٹر مسعود کے ساتھ ایک ٹی وی چینل پر ''علماء اور دینی مدارس کا عصر حاضر میں کردار'' کے موضوع

پر ایک گھنٹے گرما گرم بحث میں شرکت کی، ڈاکٹر مسعود صاحب کی حقیقت پسندانہ، میٹھی اور منطقی گفتگو سے بہت خوشی ہوئی، اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر نصیب فرمائے، جناب عبدالجلیل صاحب ایک منجھے ہوئے بیوروکریٹ ہیں، دینی وعصری علوم کے ساتھ ساتھ موجودہ سیاسیات انہیں از بر ہیں، ان کا انداز تخاطب دلوں کو موہ لیتا ہے، مذکورہ بحث میں انھوں نے بھی بہت متاثر کیا، اللہ پاک انہیں بھی خوب خوب نوازے۔

مغرب کی نماز کے بعد چک شہزاد ٹاؤن کی مرکزی جامع مسجد محمدی میں ہمارا ایک عمومی وعوامی خطاب تھا، جنرل (ریٹائرڈ) مشرف کے فارم ہاؤس کے پاس سے گذرتے ہوئے ماضی میں ان کا دور اقتدار اور حال میں ان کا دور انحطاط خیالات کی سکرین پر گردش میں آگیا، یہاں کے امام وخطیب حضرت مولانا عبدالقدوس محمدی ایک نیک سیرت وخوبصورت، ذی استعداد اور سنجیدہ عالم دین ہیں۔ ان کے یہاں عوام الناس اور فضلائے دینی مدارس کے لیے مختلف تعلیمی وتربیتی کورسز کا بامعنی نظم وضبط دیکھنے میں آتا ہے، یہاں ہم نے علم اور اہل علم کے فضائل اور ان کی ذمہ داریوں پر معروضات پیش کیں، اس کے بعد متصلاً تخصص فی الادب العربی کے طلبہ سے عربی زبان وادب کی ضرورت، فرضیت اور قرآن فہمی میں اسکے کردار کے حوالے سے پون گھنٹہ عربی میں خطاب کیا، معہد اللغۃ العربیہ کے لیے مولانا عبدالقدوس صاحب نے ''کرُے روڈ'' پر جو جگہ لی تھی، وہاں جا کر دعا کی، رات

اسلام آباد کلب میں نیب کے سابق ڈائریکٹر کی دعوت پر تھوڑی دیر کے لیے جانا ہوا، وہاں اے پی سی، آپریشن یا ڈائیلاگ وغیرہ سب ہی کے نوک زبان پر تھے۔ ''جہان پاکستان'' اسلام آباد کے آفس جانے کا بھی پروگرام تھا مگر تاخیر کی وجہ سے ملتوی کرنا پڑا۔ اگلے ہی دن صبح کی فلائٹ سے ''پہنچی وہیں پہ خاک جہاں کا خمیر تھا''۔

تعریب علم الصیغہ مع خاصیات الابواب

بقلم : ابن الحسن عباسی ۔۔۔۔ یہ علم الصرف کی شہرۂ آفاق کتاب ”علم الصیغہ“ کا عربی ترجمہ ہے۔ ”علم الصیغہ“ کو اللہ جل شانہ نے جو مقبولیت عطافرمائی، وہ محتاج بیان نہیں، جب سے مصنف نے کتاب لکھی ہے، اس وقت سے لے کر آج تک برصغیر کے تقریباً تمام مدارس اور دنیا بھر میں ان سے منسلک اداروں یہ کتاب داخلِ نصاب ہے، لیکن یہ کتاب اصلاً فارسی میں ہے، کیوں کہ مصنف کے زمانے میں برصغیر کی علمی زبان فارسی تھی، ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کا عربی ترجمہ کیا جائے، ایک تو اس لئے کہ اب کئی مدارس میں عربی زبان میں تدریس کا مفید سلسلہ شروع ہوا ہے، عربی معاہد و شعبوں کا اجرا ہوا ہے اور عربی شعبے کے نصابِ تعلیم میں صرف اسی کتاب کی افادیت ہو سکتی ہے جو عربی میں ہو، دوسرے اب فارسی زبان کا وہ مقام نہیں رہا جو کبھی تھا، وہ یہاں کی نہ سرکاری زبان ہے اور نہ علمی و قومی زبان اور تعلیمی نقطہ نظر سے۔ یہ حقیقت اپنی جگہ مسلم ہے کہ ایک اجنبی زبان کے ذریعے عربی زبان کے قواعدِ نحو صرف کی تعلیم سے بہتر یہ ہے کہ عربی ہی کے ذریعے عربی کے قواعد کی تعلیم دی جائے، تاکہ درمیان میں کسی اجنبی زبان کا واسطہ مخل نہ رہے۔

زیر نظر کتاب میں اس ضرورت کو مولانا ولی خان المظفر صاحب نے پورا کرتے ہوئے علم الصیغہ کا آسان اور عام فہم اسلوب میں ترجمہ کیا۔ مولانا ولی خان المظفر صاحب کو اللہ جل شانہ نے عربی زبان کا خاص ذوق عطا فرمایا ہے، وہ بے تکلف عربی میں اپنے مافی الضمیر کے اظہار پر قدرت رکھتے ہیں، ترجمے کے ساتھ ساتھ حسب ضرورت انہوں نے مناسب اضافہ بھی کیا، لیکن اس طرح کہ کتاب کی اصل روح مجروح نہ ہو، مترجم نے ایک اہم کام یہ بھی کیا ہے کہ ہر بحث کی ابتدا میں ایک ایسا جامع اور خوب صورت نقشہ دے دیا ہے، کہ اس کو دیکھ کر پوری بحث ایک نظر میں عیاں ہو جاتی ہے یہ نقشہ متعلقہ بحث کی تلخیص بھی ہے اور اس بحث کو ذہن میں محفوظ کرنے کا آسان، ذریعہ بھی، اصل "علم الصیغہ" میں خاصیات ابواب نہیں ہیں، مولانا نے علم صرف کی معتبر کتابوں سے آخر میں خواص ابواب کا اضافہ کیا ہے، کتاب کی ابتدا میں علم صرف کے تعارف اور مصنف علم الصیغہ کے حالات پر مشتمل دیباچہ بھی لکھا گیا ہے، اس طرح بحمداللہ اب یہ ایک ایسی کتاب تیار ہو گئی ہے، جو نصابی ضرورت کو پورا کرتی ہے، کتاب کارڈ ٹائٹل، متوسط کاغذ اور عمدہ طباعت کے ساتھ چھپی ہے۔

واضح رہے کہ وفاق المدارس پاکستان، تھائی لینڈ، ملائیشیا، انڈونیشیا، ایران، ساؤتھ افریقہ، انگلینڈ، موزمبیق اور فیجی آئی لینڈ کی مجالس شوریٰ نے اس عربی ترجمہ "تعریب علم الصیغہ" کو اپنے نصاب کا باقاعدہ حصہ بنا لیا ہے۔

ناشران:

مکتبۂ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی۔

مکتبۃ البشری، نزد بنوری ٹاؤن، کراچی۔

دارالفکر، بیروت، لبنان۔

ماہنامہ الفاروق کراچی، شوال ۱۴۲۱ھ

کتب نما، ص ۴۳۵۔

علماء کا کردار اندھی آنکھ نہیں دیکھ سکتی

گزشتہ دنوں اسلام آباد میں ایک ٹی وی چینل پر ہمیں مدعو کیا گیا، موضوع تھا"کیا معاشرے کی اصلاح میں علماء اپنا رول پلے کر رہے ہیں؟"اس بحث میں حصہ لیتے ہوئے ہم نے کہا کہ عالم اسلام عمومی طور پر معاشرتی حوالے سے چونکہ عرصۂ دراز سے تہذیبوں کی جنگ کا شکار ہے،خلافت عباسیہ کے زمانے سے صلیبی حملے،ترک خلافت عثمانیہ کے دور میں عجمی اسلام اور بعد کے ادوار میں سوویت دھریت، مغربی الحاد وزندقہ، اور اندرونی فرقہ واریت نے پوری امت کو تہس نہس کر دیا ہے، گویا ہم سے نظریاتی قبلہ کھو گیا ہے، عالم گیریت میں ہم کدھر کا رخ کریں، کس کا ساتھ دیں، کس سے لڑیں، حقیقت یہ ہے کہ ہمیں نہیں معلوم،ہاتھ ٹوئیاں مارتے ہوئے،کچھ طبقات امریکہ و مغربی قوتوں کو دشمنِ اول قرار ادے رہے ہیں، کچھ کی گردنوں پر یہودیوں کے پیر ہیں،کچھ ملحدین اور زنادقہ سے نبرد آزما ہیں،کچھ لادینیت و دھریت سے.بر سر پیکار ہیں،اور کچھ دیگر اقلیات کی صورت میں اپنے اپنے اندرونی مسائل کی وجہ سے اکثریات کے ظلم وستم کا واویلا کر رہے ہیں،یا پھر فر من حیث المجموع قہ واریت، لسانیت اور علاقائیت جیسے ناسور، کینسر اور جذام میں مبتلا ہیں،اس صورتحال کا اگر صحیح تجزیہ کیا جائے، تو حقیقت واشگاف ہو کر سامنے آ جائے گی،

کہ یہ سب ہمارے نااہل حکمرانوں کا کیا دھرا ہے۔ علماء اس میں اپنا رول اس وقت ادا کرتے تھے، جب ان کو صحیح مقام دیا جاتا تھا،ان سے مشاورت ہوتی تھی، لیکن آج کی صورت حال میں جہاں پاکستان کا جھنڈا لہرانے والے علامہ شبیر احمد عثانی مرحوم جیسے اساطینِ علم وعرفان کو شناختی کارڈ فارم کے تعلیمی خانے میں عصری تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے ''ان پڑھ'' لکھا اور سمجھا جاتا ہو، وہ تعلیم جس سے ابن رشد، ابن سینا، امام غزالی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ ،ابوالحسن علی ندوی جیسے جبالِ علم پیدا ہوئے ہوں، اسے اتنا نظر انداز کر دیا جائے کہ اس کے سندیافتہ کو سرکاری'' چوکیداری'' بھی نہ ملتی ہو، امام کے طور پر اگر کہیں تعینات ہوتے ہوں تو سکیل ''نائب قاصد'' کا دیا جائے، سرکار سے آزاد مساجد میں بغداد کے مدرسہ نظامیہ کی طرف منسوب یہ فضلاء مسجد کمیٹیوں کے چھوٹے چھوٹے چودھریوں کے ماتحت ہوں، اپنے ادارے چلانے کے لیے وہ دربدر چندے مانگ رہے ہوں، کشمیر وافغانستان ہو ،یا کوئی بھی مسئلہ، انہیں صرف ٹشو پیپر کی طرح ستعال کرکے پھر ان کے ڈھیر کو دہشتگرد قرار دے کر آگ لگا دی جاتی ہو، جہاں پولیس، فوج، عدلیہ، میڈیا، درسگاہوں اور اسٹبلیشمنٹ میں استعماری دور کے قوانین، اصطلاحات اور الفاظ رٹے کے طور پر استعمال کیے جاتے ہوں ،کہ جس کا ہماری معاشرت یا دینی اصطلاحات والفاظ سے دور کا بھی واسطہ نہ ہو، انہی اداروں میں براجمان حضرات اپنی ظاہری شکل وشباہت میں خونخوار استعماری کارندوں کے وضع قطع اور لباس میں ملبوس ہوں ، وہاں بیچارے علماء کیا کردار

ادا کر سکیں گے، نہ الفاظ میں یکسانیت، نہ لباس میں، نہ بود باش میں، نہ وضع قطع میں، نہ فکرو نظر میں۔ جس مسلم ملک میں بار ایسو سی ایشن، وزارت تعلیم اور داخلہ ایسے لوگوں کے پاس ہوں جن کو سورہ اخلاص تک نہ آتی ہو، وہاں حفاظ کرام اور علمائے عظام کی کتنی قدر دانی ہو گی، اندازہ لگانا کوئی مشکل نہیں۔ جہاں کے شہری کلبوں میں اپنے ہی قومی لباس میں ملبوس بغیر سوٹ بوٹ داخلہ ممنوع ہو، جہاں کے کلیدی اداروں میں اپنی ہی قومی زبان ناپید ہو، وہاں قومی لباس اور زبان استعمال کرنے کرانے، رغبت رکھنے اور ترغیب دلانے والوں کی کیا توقیر ہو گی، آپ خود ہی نظر دوڑائیے۔

رہی خالص عوام میں اصلاح کی بات تو جب بالا دست مذکورہ ادارے اور اس کے کرتادھرتا شخصیات، آفیسر، بوس، خان، وڈیرے، چوھدری اور سردار خود اور ان کے اہل خانہ واہل تعلق ملکی معاشرے کا ستیاناس کر رہے ہوں، دنیا جہاں کی خرافات کو فروغ دے رہے ہوں، ونی، سوارہ اور کاروکاری کی پنچائیتوں کے یہی لوگ فیصلے سناتے ہوں، ان ہی کے بچے استعماری ملکوں یا ان کے طرز پر قائم کردہ اداروں میں تعلیم پا رہے ہوں، لائف سٹائل میں وہ خود اور ان کی اولادیں اغیار کی پیروکار

ہوں، اسلام، اسلامیات، اسلامی تاریخ اور فلسفے سے یکدم نابلد ہوں، انہوں نے خود اور ان کے متعلقین نے بڑی بڑی سفارشوں، رشوتوں اور زبردستیوں سے اعلیٰ مناصب واعزازات تک رسائی حاصل کی ہو، اور اب بھی اس روش پر قائم

ہوں، ملکی منصوبوں میں رقوم پھر انہی کے توسط سے آتی ہوں، اور ان واہیات میں ملکی وبین الاقوامی پرنٹ ،الیکٹرانک اور سوشل میڈیا بھرپور طاقت کے ساتھ ان کے صرف شانہ بشانہ نہیں، ان سے دو چار قدم آگے ہو، ایسے میں ایک فقیر اور لاچار مولوی آخر کیا کردار ادا کر سکتا ہے۔کیا آپ نے سنجیدگی سے کبھی ان کو حقیقی کردار ادا کرنے کا مشن سونپا ہے۔

ایک بات رہ گئی تھی کہ قرآن و سنت کی تشریحات وتشریعات میں ان کی مانی جائے، لیکن یہاں بھی ایک طرف مولوی ہو ،دوسری طرف غامدی ، شیخ الہند اور مودودی تبلیغی جماعت اور این جی اوز ،دل یا شکم، روح یا مادہ، آپ نے ہمیشہ اس میں صنف، ثانی اور غیر مستند ہی کو ترجیح دی ہے، پھر ان اہل اللہ واہل الفقر سے شکایت کیسی ؟؟۔

ہاں، ان تمام تر ناگفتہ بہ حالات کے باوجود انہوں نے اپنی مدد آپ کے تحت 25ہزار سے زائد رفاہی ادارے، دینی سکولز، مدارس وجامعات اور کئی لاکھ مساجد کا انتظام وانصرام سنبھالا ہے، حکومت سے کبھی کچھ مانگا ،نہ ہی حکومتوں نے دست شفقت ان کی طرف دراز کیا، آپ حساب لگالیں ، کروڑوں نہیں کھربوں میں ان مساجد ومدارس کا حساب کتاب ہو گا، کیا ہماری مفلوک الحال حکومتیں یہ کبھی برداشت کر سکتی ہیں، ان پراعتراض سے قبل ان کا جائزہ لیا جائے، علم

وادب ،دعوت و تبلیغ، تعلیم وتدریس، لکھائی پڑھائی، تہذیب وتربیت، تصنیف و تالیف، سیاست وقیادت، وعظ و نصیحت، جہاد وقتال اور تصوف و سلوک میں ان کے کردار سے اغیار کے بڑے بڑے قلعے لرزہ براندم ہیں،آپ ان کے پاس اوران کے ازلی مخالفین کے پاس چل کر تو دیکھیں اور پھر اپنے گریبان میں جھانکیں،پوری دنیا میں ان کے کردار نے ہلچل مچادی ہے، مگر متنبّی نے کیا خوب کہا تھا: اگر کسی غبی پر میرا مقام ومرتبہ پوشیدہ ہو جائے ،تو میں اسے معذور سمجھتا ہوں،کہ اندھی آنکھ مجھے نہیں دیکھ سکتی۔

واذاخفیت علی الغبی فعاذر۔ان لاترانی مقلۃ عمیاء

(سیرۃ ذاتیۃ (خاکہ

بقلم: لبید خان المظفر

نام : ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ شیخ ولی خان المظفر

ولدیت : ۔۔۔۔۔۔۔۔۔ حاجی مظفر خان مرحوم

کالم کا نام: ۔۔۔ مظفریات

بنیادی مشن: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ مختلف فورمز پر اردو عربی ادبیات کے لیے زندگی وقف

رہائش: ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ کراچی

شہریت : ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔ پاکستان

تعلیم: (میٹرک) ،فاضلِ عربی، فاضل وفاق (مساوی ایم اے عربی واسلامیات) ،اسپیشلائزیشن: عربی زبان وادب، حدیث، فقہ، افتاء، تفسیر، مکالمہ بین المذاہب، تاریخ، جغرافیا، سیاسیات۔ بوجہ ذاتی مصروفیات ومشاغل، استعفاء ازپی ایچ ڈی کراچی یونیورسٹی (عنوان مقالہ: برصغیرپاک وہند میں مختلف مکاتبِ فکر کی خدمات وموقفِ حدیث)۔

سابقہ مناصب: استاذ حدیث جامعہ فاروقیہ کراچی، شیخ الحدیث مرکز العلوم

الاسلامیہ،مدیر معہد اللغۃالعربیۃ،بانی ورئیس قسم التخصص فی الادب العربی،کالم نگار،التقوی،المجتمع،العالم الاسلامی، مستعفی رکن رؤیت ہلال کمیٹی،ہوسٹ ''پیغام اسلام cnbc''،سیکرٹری صدر وفاق المدارس،وصدر اتحاد تنظیم المدارس،چیف ایگزامینر وفاق المدارس،رکن نصاب کمیٹی وامتحانات کمیٹی وفاق المدارس،ایڈیٹر الفاروق انٹرنیشنل۔

موجودہ مناصب: بانی وسرپرست اربک لینگویج اوپن یونیورسٹی پاکستان،پاکستان اربک لینگویج بورڈ،المظفر ٹرسٹ انٹرنیشنل،سرپرست جامعۃ المظفر العربیۃ صدر قومی امن کمیٹی سندھ،رکن رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ،رکن علماء ومفکرین ونگ رابطۃ العالم الاسلامی،سرپرست مجلس الفکر العربی العالمی۔

اعزازات (اہم انعامات): عربی ادبیات میں دوسری پوزیشن رابطۃ العالم الاسلامی،سعودی عرب۔ عربی ادبیات کی 86 شخصیات میں نام کی شمولیت از مجلۃ''التقوی''لبنان۔سال 2013 کی 100 سو عالمی'' متاثر کن شخصیات''میں نام شامل،از ولڈ نبرگ انٹرنیشنل کالج اینڈ آرگنائزیشن وانٹرنیشنل کونسل فار ہیومن رائٹس۔

تالیفات: دو درجن سے زائد مطبوعہ وغیر مطبوعہ،فہرست

،www.hamariweb.com

مقالات ومضامین : 200 سے زائد, مطبوعہ مظفریات از مکتبہ لدھیانوی، وغیرہ مطبوعہ روزنامہ ''اسلام''، و''جہان

وغیرہ۔، www.hamariweb.com ''پاکستان''،اور

اسفار: تقریبا 20 ممالک اور پاکستان کے چپے چپے میں سینکڑوں جلسوں، سیمینارں کانفرنسوں، لیکچرز اور سینکڑوں ٹی وی وریڈیو ڈی بیٹنز وپروگرامز کے لئے سفر در سفر، کی کانفرنسز میں بطور خاص شرکت)۔icrcرابطۃ العالم الاسلامی، عرب لیگ اور)

wkmuzaffar@gmail.com

☆-☆÷☆÷☆-☆☆-☆÷☆÷☆-☆

....

....

نوٹ): مظفریات ''مجموع''کے منظر عام پر آنے کے وقت مختلف شخصیات کے وقیع) تبصرے شائع ہوئے، ان میں سے حضرت شام صاحب کا مندرجہ ذیل کالم بھی ہے۔

مظفریات اور تاریخ سے ہماری جنگ

(بقلم: محمود شام (مملکت اے مملکت

تاریخ کبھی میرے روبرو ہوتی ہے۔ کبھی میں تاریخ کی عدالت میں نادم وگریاں

کھڑا ہوتا ہوں۔

مگر آج کل تاریخ اور میں دوبدو ہیں۔

کبھی تاریخ حملہ آور ہوتی ہے۔ کبھی میں تاریخ کو پسپا کرنے کی کوشش کر رہا ہوتا ہوں

۔

مظفریات' کے اوراق پلٹتے ہوئے تو تاریخ سے جنگ کچھ اور تیز ہو گئی. مجھے سطور کے' درمیان گھوڑوں کی ٹاپیں سنائی دیتی رہیں، سنانیں چمکتی رہیں۔

پاکستان یوں تو کبھی بھی مستحکم اور پر سکون نہیں رہا، لیکن ان دنوں تو یہ فی الحقیقت انتہائی فیصلہ کن موڑ پر کھڑا ہے۔

کھڑے ہیں اب تو وجود و عدم کی سرحد پر

بس ایک لغزش پا پر ہے فیصلہ ہونا

کئی انتہاؤں میں بٹا ہوا معاشرہ کیسے استحکام حاصل کر سکتا ہے۔ یہ انتہائیں بھی سمٹنا نہیں چاہتی ہیں اور نہ ہی مقتدر طاقتوں میں سے کوئی ان کو قریب لانے ان کے درمیان دوریاں مٹانے کے لئے آمادہ ہے۔ بلکہ حکمران طبقوں نے تو

شعوری طور پر کوشش کی ہے کہ یہ فاصلے بڑھتے رہیں ۔ میری یہ آرزو رہی ہے کہ دو بہت ہی واضح انتہاؤں کو ایک دوسرے کے قریب لایا جائے ایک تو وہ پاکستانی ہیں جو عام نظام تعلیم کے ذریعے پرورش پاکر کالجوں یونیورسٹیوں سے گزرتے ہوئے عملی زندگی میں داخل ہورہے ہیں۔ سیاست ، تجارت اور دوسرے شعبوں میں قیادت کررہے ہیں، دوسری طرف وہ پاکستانی ہیں اور بڑی تعداد میں ہیں جن کا اپنا جہان ہے جو دینی مدارس میں تربیت پارہے ہیں، قرآن پاک کو سمجھتے ہیں ، احادیث کا ادراک حاصل کرتے ہیں ، عربی زبان کے وسعتوں میں علم کے موتی چنتے ہیں ، دنیاداروں کو دین کی طرف راغب کررہے ہیں، عام پاکستانی اس حلقے سے بے خبر ہے ،اس لئے اسے اندازہ ہی نہیں ہے کہ یہاں کیسی تربیت ہوتی ہے ، کن زبانوں سے شناسائی ہوتی ہے۔ عالم اسلام سے ان کے کیا روابط ہیں ، مختلف اسلامی ممالک میں جو تحریکیں چل رہی ہیں ان کی منزل کیا ہے ، دنیاکے بعض ملکوں میں مسلمان جہاں اقلیت میں ہیں ان پر کیا گزررہی ہے۔ پاکستانی ہی نہیں مسلمانوں کی اکثریت ایک دوسرے کے بارے میں مغربی میڈیاکے ذریعے معلومات حاصل کرتی ہے۔ اس لیے حقیقت حال سے ناآشنا رہتی ہے۔

شیخ ولی خان المظفر سے جب بھی ملاقات ہوئی ہے مجھے یہ حوصلہ ملاہے کہ دونوں انتہاؤں کو قریب لانے کے لئے موثر کوششیں ہوسکتی ہیں ۔

پاکستان کے سیاسی، معاشی، سماجی حالات پر تو ان کی بہت گہری نظر ہے ہی، اس کے ساتھ ساتھ وہ عالم اسلام اور بالخصوص عرب دنیا کے بارے میں حقائق سے خوب آگاہ ہیں۔ جدید عربی زبان پر عبور ہونے کے باعث وہ ان ممالک کے اخبارات وجراید کا براہِ راست مطالعہ کرتے ہیں، یہاں کی ممتاز شخصیتوں اور علمی مراکز سے ان کے روابط ہیں۔ جدید اطلاعاتی ٹیکنالوجی پر بھی ان کی گرفت ہے، اس لیے آج کے مواصلاتی دور میں وہ ہر شعبے میں ہونے والی پیشرفت کی خبر رکھتے ہیں۔

مظفریات' _ مختلف اخبارات وجرید میں چھپنے والے متنوع مضامین ومقالات کا انتخاب ہے۔ عام طور پر اخباری کالم ایک سرسری حیثیت کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تحریریں ایک مقصد رکھتی ہیں اور ایک سمت۔ پڑھنے والے کو حالات وحقائق سے مطلع رکھنے کا جذبہ ہر سطر میں کارفرما دکھائی دیتا ہے۔ برادر ملک ترکی کے سلسلے میں مضامین آج کے ترکی کی تصویر پیش کرتے ہیں۔ سنگاپور میں اسلام بھی تازہ ترین صورت حال سامنے لاتا ہے۔ کتاب کی مرکزی افادیت یہ ہے کہ پاکستان کے دینی مدارس نے جو دنیا آباد کررکھی ہے وہ اس کے مناظر بہت خوبصورت پیرائے۔ دل نشیں زبان میں ہماری نظروں میں اپنی جگہ بناتے ہیں، جس سے عام پاکستانی پر یہ حقیقت تہ در تہ کھلتی ہے کہ اس جہانِ دگر میں علم وعمل کے کیا انداز ہیں۔ ان مدارس سے پاکستان کے ساتھ ساتھ جنوبی افریقہ اور

دوسرے ممالک میں اسلامی تعلیمات کی خوشبو کس طرح پھیل رہی ہے۔

وہ پاکستانی حلقے جو اپنے آپ کو اعتدال پسند اور روشن خیال قرار دیتے ہیں اور یہ تمنا رکھتے ہیں کہ پاکستان میں ایک متوازن اور معتدل فکر کا غلبہ ہونا چاہیئے۔ ان کے لئے ضروری ہے کہ ان مضامین کا مطالعہ کریں، یہ انہیں اس مختلف پاکستان کے قریب لائے گی اور پورے پاکستان کو ایک منزل کی طرف لے جانے میں ممدومعاون ہوگی۔

اللہ تعالی سے میری انتہائی عاجزی سے دعا ہے کہ شیخ ولی خان المظفر کو مزید استطاعت دے کہ وہ مذہب ،تاریخ اور سائنس کے امتزاج کی کوشش اسی طرح جاری رکھیں اور ہمیں یہ توفیق دے کہ ہم ان کی تحریروں سے استفادہ کرتے رہیں ،تاکہ ہمارے علم میں اضافہ ہوتا رہے۔ تاکہ ہم تاریخ کے جبر سے نجات حاصل کرسکیں۔

تم سے توڑوں، تو کس سے جوڑوں؟

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم۔روحانی وظائف واعمال تب فائدہ دیتے ہیں جب انہیں ان کی شرطوں اور آداب کے مطابق پڑھا جائے۔اگر شرطیں وآداب پورے نہ ہوں، تو محض وظائف پڑھنے اور اعمال میں جت جانے سے کچھ نہیں ہوتا۔"باادب بانصیب ،بے ادب بے نصیب "لوگ وظائف اور دعائیں پڑھتے وقت ان شرطوں وآداب کا لحاظ نہیں رکھتے اور پھر بد عقیدہ اور بد گمان بیٹھ جاتے ہیں کہ ہماری دعاء تو قبول ہوتی ہی نہیں،تب نفس وشیطان انہیں برائیوں اور غلط کاموں میں مبتلا کر دیتے ہیں۔

روحانی وظائف واعمال کے کارگر ہونے کی چند شرائط وآداب یہ ہیں:

(۱) یقین کامل کے ساتھ دعاء کریں،شک عمل کو ضائع کر دیتا ہے۔ (۲) توبہ کے ساتھ عمل کریں،بے توجہی سے پڑھی جانے والی دعائیں ہوا میں گم ہو جاتی ہیں۔ (۳) رزق حلال کا اہتمام کریں،مالک راضی ہو گا تو کام بنے گا۔

(۴) فرائض کا اہتمام کریں،جو لوگ نماز اور دیگر فرائض کا اہتمام نہیں کرتے ان کے اعمال بے اثر رہتے ہیں۔

(۵) حرام کاموں سے بچیں، وہ کام جنہیں حرام قرار دیا گیا ہے ان کا ارتکاب روحانیت کو نقصان پہنچاتا ہے، عمل کارگر نہیں رہتا۔

عربی الفاظ کی تصحیح کا اہتمام کریں، انہیں پڑھنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ (٦)
طہارت کا اہتمام کریں، خود بھی پاک ہوں، لباس اور جگہ بھی پاک صاف رکھیں۔ (٧)

عاجزی اور آہ زاری کے ساتھ عمل کریں۔ (٨)
اتنی عربی زبان ہر مسلمان پر فرض ہے، جس سے نماز، اذکار، دعائیں اور قرآن (٩)
وحدیث کو سمجھا جاسکے۔
کسی بزرگ سے تعلق ضرور رکھیں۔ (١٠)
بسم اللہ الرحمٰن الرحیم)کا اثر: قیصر روم کو بڑی شدت سے دردِ سر لاحق ہوا، علاج (
ودواء سے مایوسی کے بعد حضرت عمرؓ کو اس بارے لکھا، انہوں نے ایک ٹوپی ارسال کی،
جب وہ رکھتا تھا تو درد ختم ہوجاتا تھا، اور جب اتارتا تو پھر شروع ہوجاتا، انہوں نے
اس ٹوپی کو اندر سے کھول دیا، تو اس میں (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) لکھا ہوا تھا،
تفسیر کبیر: ج ا ص ١٧١) ۔ ہالینڈ کے ایک ماہر نفسیات نے انکشاف کیا ہے کہ لفظ ''
اللہ '' کا ذکر افسردگی اور ذہنی تناؤ کے شکار مریضوں کیلئے علاج ہے، بلکہ انہیں دیگر
نفسیاتی بیماریوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ مذکورہ ڈچ ماہر نفسیات ویںڈ رہاون نے اپنی
نئی دریافت میں اعلان کیا ہے کہ قرآن مجید کا مطالعہ اور لفظ ''اللہ '' کا بار بار دہرایا جانا

مریض یا عام شخص ہر دو پر اثر کرتا ہے، یہ ڈچ پروفیسر اپنے مطالعہ اور تحقیق سے گزشتہ ۳سال سے مریضوں پر تجربہ کر رہے ہیں، ان میں بیشتر مریض غیر مسلم تھے، جو عربی نہیں بول سکتے تھے، انہیں لفظ '' اللہ '' صاف طور پر بولنے کی تربیت دی گئی، اس کا غیر معمولی نتیجہ برآمد ہوا، خاص طور ان مریضوں پر جو افسردگی اور تناؤ کا شکار تھے۔ اپنی تحقیق کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ویڈرہارن نے بتایا کہ لفظ ''اللہ '' کا پہلا حرف الف'' نظام تنفس سے خارج ہوتا ہے اور سانس کو کنٹرول میں رکھتا ہے، حرف ل'' کی ادائیگی کیلئے زبان کو معمولی سا تالو سے لگا کر تھوڑا توقف کرنے کے بعد اس عمل کو صحیح ادائیگی سے دہرانے اور سانس لینے کا عمل توقف سے جاری رکھنے سے تناؤ کو عافیت حاصل ہوگی، انھوں نے مزید کہا کہ لفظ ''اللہ'' کا آخری حرف ''ہ'' کی ادائیگی سے پھیپھڑوں اور دل کا رابطہ ہوتا ہے اور بدلے میں یہ رابطہ دل کی ڈھرکن کو کنٹرول کرتا ہے۔ سعودی روزنامہ الوطن نے لکھا ہے جو عربی پڑھ سکتے ہیں اور قرآن مجید کا مطالعہ بلاناغہ کرتے ہیں، وہ خود کو نفسیاتی بیماریوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں، ایک ماہر نفسیات کے مطابق ''اللہ '' کا ہر حرف نفسیاتی امراض کے سد باب میں مؤثر ہے۔
صَلَّی اللہ عَلَیہِ وَسَلَّم'': ہمارے کچھ دوستوں نے (المعطر درود نیٹ ورک) کا ایک ایسا'' خوب صورت نظام بنایا ہے کہ دنیا بھر میں ہزاروں لاکھوں

مسلمان روزانہ سَو مرتبہ مذکورہ درود شریف پڑھ کرایک دوسرے کے لئے اہتمام کے ساتھ غائبانہ دعائیں کرتے ہیں، جو آگے چل کر کروڑوں ،اربوں اور کھربوں کی تعداد بن جائیگی، اس نیٹ ورک میں کوئی بھی شامل ہو سکتا ہے،جو پیر یاسر عرفات المعطر صحبت یافتہ مردِ قلندر مفتی رحمٰن الدین شامزئی بانی روحانی ہسپتال کراچی (00923212996103) کے حلقۂ ارادت سے متعلقہ حضرات نے قائم کیا ہے۔

اپنے روٹھے رب کو منانے کا عمل : اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ فَاغْفِرْلِیْ۔رات کے آخری حصے یعنی سحری کے وقت دو رکعت نماز نفل پڑھ کر اس کے بعد 21یا40 دفعہ یا313 مرتبہ یہ دعاء مع اول آخر سات مرتبہ درود شریف پڑھ کر یہ تصور کریں کہ میں میں اپنے کریم و مہرباں رب کے سامنے بیٹھا ہوں ، اپنے تمام گناہوں کے ساتھ اور اپنے تن و من سے اس سے معافی مانگ رہا ہوں اور اس یقین سے مانگیں کہ میں نے صرف اپنے رب ہی سے مانگنا ہے۔ اور توجہ سے مانگنا ہے،اور آج میں نے اپنے تمام گناہوں کی بخشش کروانی ہے۔

خیر وبرکت اور روحانی فیض کے لیے آزمودہ قرآنی وظائف : (اَللّٰھُمَّ رَبَّنَا اَنْزِلْ عَلَیْنَا مَائِدَۃً مِّنَ السَّمَاءِ تَکُوْنُ لَنَا عِیْدًا لِاَوَّلِنَا وَآخِرِنَا وَآیَۃً مِّنْکَ وَارْزُقْنَا وَاَنْتَ

خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ) (سورۃ المائدۃ آیت 114) ۔اس دعاء کے پڑھنے والے کو اللہ پاک غیبی رزق عطا فرماتے ہیں، خیر و برکت عطا فرماتے ہیں ،جہاں کہیں سے رزق کا کوئی وسیلہ نظر نہ آرہا ہو،انسان مایوسی اور ناامیدی کی اتھاہ گہرائی میں گھرا ہو،اس شخص پر سے پریشانی دور ہو جاتی ہے، اس کا دستر خوان نہایت وسیع ہو جاتا ہے، اللہ پاک کے فضل و کرم سے نسلوں کے لیے رزق اور برکت کا سامان ہو جاتا ہے، رمضان شریف میں افطاری کے وقت پڑھنا رزق کے دروازے کھول دیتا ہے۔ طریقۂ عمل : اول تاآخر طاق عدد درود شریف ۳،۵،۷ ، مرتبہ پڑھ کر گیارہ مرتبہ یہ قرآنی دعاء پڑھ کر آسمان کی طرف منہ کرکے پھونک ماریں اور اللہ تعالیٰ سے دل ہی دل میں دعا مانگ لیں زندگی بھر اس کا معمول رکھیں دن میں کئی مرتبہ بھی کر سکتے ہیں۔

کشادگیٔ رزق کے لئے : اللھمَّ ارحَمنِی وَارزقنِی ۔ صبح شام ۱۱ مرتبہ۔

بد نظری سے بچنے کا خاص عمل : حضرت خواجہ سید محمد عبداللہ رحمۃاللہ علیہ بد نظری سے بچنے کے لیے سالکین پر نہایت ہی توجہ دیا کرتے تھے،اور راہِ سلوک میں کامیابی کے لیے بد نظری کو بہت بڑی رکاوٹ قرار دیا کرتے تھے، حتیٰ کہ بعض اوقات سالکین کو قریب بلا کر ان کی آنکھوں میں نہایت غور سے دیکھتے کہ کہیں بد نظری کا ارتکاب تو نہیں کیا ،آنکھوں کی پاکیزگی کے لیے مشق کرواتے

تھے۔

طریقۂ مشق: آپ فرماتے ہیں کہ ایک دیوار کو دیکھو اور اس پر نظر جمالو، کہ یہ دیوار نہیں عورت ہے، اور یہ دعا پڑھتے جاؤ: اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِکَ مِنْ فِتْنَۃِ النِّسَاءِ وَحِبَالَۃِ الشَّیْطَانِ، اَللّٰہُ خَالِقُ النُّوْرِ۔ فرماتے ہیں کہ یہ دعاء مسلسل قید زمان اور قید مکان کے ساتھ پڑھتے جاؤ انشاء اللہ چند دن میں بد نظری کا عارضہ ختم ہو جائے گا، یا پھر فرض نماز کے بعد سات مرتبہ پڑھنے سے اس گناہ کی عادت ختم ہو جائے گی۔

اسم اعظم مع یقین اعظم، تاثیر اعظم: حضرت خواجہ صاحب ذکر کی تاثیر کے لیے یقین کی قوت کو نہایت ہی اہم قرار دیا کرتے تھے، فرماتے کہ جس کو جو ذکر دیا جائے وہ اس کے لیے اسم اعظم ہے، اگر اس کو یقین اعظم کے ساتھ پڑھا جائے، تو تاثیر اعظم شروع ہو جائے گی۔ حضرت جعفر صادق رحمۃاللہ علیہ اور جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر اسم جو اللہ تعالیٰ کے اسماء میں سے ہو اور بندہ اس کے ساتھ اپنے رب سے مستغرق ہو کر ایسی دعاء کرے کہ اس وقت اس کے دل میں غیر اللہ کا کوئی گزر نہ ہو پس جو شخص بھی اپنی دعاء میں یہ کیفیت پیدا کرلے گا اس کی دعا قبول ہو جائے گی۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ گناہوں کا چھوڑ دینا بھی اسم اعظم کی حیثیت رکھتا ہے، (الکنز الاعظم)۔

حضرت موسیٰ کا وظیفہ : اَللّٰھُمَّ اَنْتَ خَلَقْتَنِیْ، وَاَنْتَ تَھْدِیْنِیْ ،وَاَنْتَ تُطْعِمُنِیْ وَاَنْتَ تَسْقِیْنِی،وَاَنْتَ تُمِیْتُنِیْ ،وَاَنْتَ تُحْیِیْنِی۔حضرت عبداللہ بن سلامؓ فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام روزانہ سات مرتبہ ان کلمات کے ساتھ دعاء کیا کرتے تھے، اور جو چیز بھی اللہ تعالیٰ سے مانگتے اللہ تعالیٰ ان کو عطاء کر دیتے۔(طبرانی، مجمع الزوائد) ۔

سورہ کوثر کا بابرکت عمل: (اِنَّا اَعْطَیْنٰكَ الْكَوْثَرَ، فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ، اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ)۔زندگی بھر روزگار کی مشکلات اور گھر میں خیر وبرکت کے لیے نہایت ہی پر تاثیر عمل جس کی تعریف الفاظ نہیں مشاہدہ ہے۔

طریقۂ عمل: کپڑے کی ایک عدد تھیلی (بٹوہ) جو باآسانی جیب میں آسکے، اس پر صبح شام دفعہ سورہ کوثر مع تسمیہ اور اول وآخر 7 ، 7 ، بار درود شریف پڑھ کر دم کر 129 دیں۔ اسکے علاوہ دن میں جتنی دفعہ بھی تھیلی میں نوٹ ڈالیں یا نکالیں ایک دفعہ سورۃ کوثر پڑھ کر دم کر لیا کریں، یہ عام معمول کی زندگی کا عمل ہے،جس سے لاکھوں لوگوں کو فائدہ ہوا اور ہو رہا ہے، آپ خود بھی یہ نہایت ہی آسان عمل زندگی میں لائیں اور صدقہ جاریہ اور برکت عام کرنے کی

نیت سے دوستوں میں متعارف کروائیں اور خدا پاک کی غیبی مدد کا نظارہ اپنی انکھوں سے دیکھیں۔

رمضان کا مخصوص عمل:1۔ صبح شام 129 مرتبہ سورۃ کوثر مع تسمیہ اول وآخر درود شریف 7 بار

2۔چاند رات کو313 دفعہ سورۃ کوثر مع تسمیہ اول وآخر درود شریف7،7 بار رات کے کسی بھی حصے میں۔

3۔دسواں روزہ گیارہویں کی رات 313دفعہ سورۃ کوثر تسمیہ اول آخر درود شریف 7،7 بار۔

4۔بیسواں روزہ اکیس رمضان کی رات بھی 313 سورۃ کوثر مع تسمیہ اول آخر درود شریف7،7بار۔

5۔ستائیسویں شب 11،11 بار اول وآخر درودشریف اور100 بار سورۃ کوثر۔

6۔عید والے دن عید کی نماز سے فارغ ہونے کے بعد313دفعہ سورۃ کوثر مع تسمیہ اول وآخر درودشریف 7،7بار

نوٹ: اگر یہ عمل کسی مجبوری کے پیش نظر رات میں نہ ہوسکے تودن میں بھی کر سکتے ہیں، سوائے 27شب کے عمل کے، کہ وہ صرف رات ہی کو کرنا ہے۔1100مرتبہ سارے گھرکے افراد انفرادی طورپر بھی پڑھ سکتے ہیں یا چند افراد مل کرپڑھ لیں اور برکت والی تھیلی پر دم کریں اور دعاء کرکے پھر سو جائیں۔خواتین ایام کے دنوں میں یہ عمل نہ کریں بلکہ بعد میں اسکی قضاء کرلیں، درود

شریف جو بھی آسانی سے یاد ہو، پڑھ سکتے ہیں۔ تسمیہ ’’ بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ‘‘کو کہتے ہیں۔

قربِ الٰہی کا حصول: اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ کَمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰی لَہٗ۔۔اس درود کے بارے میں ابن سبع نے ’’شفاء‘‘ اور ابو سعید نے ’’شرف المصطفٰی‘‘ میں یہ روایت نقل کی، آپ ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے درمیان کوئی شخص نہیں بیٹھا کرتا تھا،ایک دن ایک شخص آیا، آپ ﷺ نے اسے اپنے درمیان بٹھا لیا، صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو اس پر تعجب ہوا،جب وہ شخص چلا گیا،تو آپ ﷺ نے فرمایا، یہ شخص مجھ پر یہ (مذکورہ) درود شریف پڑھتا ہے۔(ذریعۃ الوصول الی جناب الرسول ﷺ ص 50)۔خدا کے قرب اور حصول معرفت کے لیے یہ درود مبارک نہایت مجرب اور اولیاء کا آزمودہ ہے، ہزاروں کی تعداد میں ان کے یومیہ معمولات میں رہا ہے۔

کثیر الفوائد عظیم المراتب وظیفہ: استغفار۔۔ سو مرتبہ ۔۔اَسْتَغْفِرُاللّٰہَ رَبِّیْ مِنْ کُلِّ ذَنْبٍ وَّاَتُوْبُ اِلَیْہِ۔

درود شریف ۔۔ سو مرتبہ۔۔اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی اٰلِ سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ وَبَارِکْ وَسَلِّمْ۔

کلمہ تمجید۔۔ سو مرتبہ۔۔ سُبْحَانَ اللہِ وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ وَلَاإِلٰہَ إِلَّااللہُ وَاللہُ أَکْبَرُ۔

آخر میں صرف ایک مرتبہ۔۔ وَلَاحَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ إِلَّا بِاللہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ۔۔۔ یہ تینوں تسبیحات روزانہ کسی بھی وقت دن میں ایک بار اور رات میں ایک بار پڑھ لیں،انشاء اللہ دینی دنیوی خیر و برکت کا باعث ہو گا۔

حادثات سے بچنے کے لیے: حضرت طلقؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص حضرت ابوالدرداءؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ آپ کا مکان جل گیا ہے۔فرمایا نہیں جلا، پھر دوسرے شخص نے آ کر یہی اطلاع دی تو فرمایا نہیں جلا، پھر تیسرے شخص نے آ کر بھی یہی خبر دی، آپ نے فرمایا نہیں جلا، پھر ایک اور شخص نے آ کر کہا، اے ابو الدرداء آگ کے شرارے بہت بلند ہوئے، مگر جب آپ کے مکان تک آگ پہنچی تو بجھ گئے، فرمایا، مجھے معلوم تھا کہ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کرے گا، (کہ میرا مکان جل جائے) کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جو شخص صبح کے وقت یہ کلمات پڑھ لے شام تک اسکو کوئی مصیبت نہیں پہنچے گی، میں نے صبح یہ کلمات پڑھے تھے، اس لیے مجھے یقین تھا، میرا مکان نہیں جلے گا۔ وہ کلمات یہ ہیں۔اَللّٰھُمَّ أَنْتَ رَبِّیْ لَاإِلٰہَ إِلَّاأَنْتَ عَلَیْکَ تَوَکَّلْتُ وَأَنْتَ رَبُّ الْعَرْشِ الْکَرِیْمِ، مَاشَاءَ اللہُ کَانَ،

وَمَا لَمْ يَشَأْ لَمْ يَكُنْ ، لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ الْعَلِیِّ الْعَظِیْمِ ، اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ، وَاَنَّ اللّٰہَ قَدْ اَحَاطَ بِکُلِّ شَیْءٍ عِلْمًا ، اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ کُلِّ دَآبَّۃٍ اَنْتَ اٰخِذٌ بِنَاصِیَتِھَا ، اِنَّ رَبِّیْ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۔ (منزل، مالدار بنانے کے آزمودہ راز)۔

طریقہء ختم خواجگان: ۱: پہلے سو مرتبہ درود شریف۔۔ ۲: پھر ۳۶۰ مرتبہ یہ دعاء: لاحول ولا قوۃ الا باللہ لاملجأ ولا منجأ من اللہ الا الیہ۔۔۔ ۳: پھر سورہ الم نشرح ۳۶۰ مرتبہ: (الم نشرح لک صدرک ۔ ووضعنا عنک وزرک ۔ الذی انقض ظھرک ورفعنا لک ذکرک ۔ فان مع العسر یسرا ۔ ان مع العسر یسرا ۔ فاذا فرغت فانصب ۔ والی ربک فارغب)۔۔۔ ۴: پھر لاحول ولا قوۃ الا باللہ لاملجأ ولا منجأ من اللہ الا الیہ۔ ۳۶۰ مرتبہ ۔۔۔۵: پھر درود شریف سو مرتبہ ۔۔۔اس کے بعد تمام مسلمانوں کو ایصال ثواب کریں پھر اپنے تمام مقاصد حسنہ کے لئے دعا کریں ۔۔

نوٹ: صاحبزادہ عزیز الرحمٰن رحمانی کے یہاں بنوری آرکیڈ، علامہ بنوری ٹاؤن، او 2الہلال سوسائٹی کراچی میں ہر شبِ جمعہ ختم C\ر مفتی رحمان الدین شامزئی کے یہاں خواجگان، سورۂ یاسین اور سورہ واقعہ کا اہتمام ہوتا ہے۔

☆☆☆

قربانی ۔۔ فضائل ومسائل

فضائلِ عشرۂ ذی الحجہ :اللہ تعالی نے قرآن مجید کی ’’ سورۃالفجر ‘‘ میں جن دس راتوں کی قسم کھائی ہے ، وہ دس راتیں جمہور کے قول کے مطابق عشرۂ ذی الحجہ کی راتیں ہیں ۔ خصوصاً نویں ذی الحجہ (یومِ عرفہ) کا روزہ رکھناایک سال گذشتہ اور ایک سال آئندہ کے گناہوں کا کفارہ ہے ، لیکن حُجاّج کے لئے نہیں۔ اور عید کی رات میں بیدار رہ کر عبادت میں مشغول رہنا بڑی فضیلت اور ثواب کا موجب ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : اللہ تعالی کی عبادت کے لئے عشرۂ ذی الحجہ سے بہتر کوئی زمانہ نہیں،ان دس دنوں میں ایک دن کا روزہ ایک سال کے روزوں کے برابر اور ایک رات کی عبادت شب قدر کی عبادت کے برابر ہے۔ (ترمذی ، ابن ماجہ)

تکبیراتِ تشریق :اَللہُ اَکْبَرُاَللہُ اَکْبَرُ لَااِلٰہَ اِلَّااللہُ وَاللہُ اَکْبَرُ اَللہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ

یومِ عرفہ یعنی ذی الحجہ کی نویں تاریخ کی فجر سے تیرہویں تاریخ کی عصرتک ہر نماز کے بعد باآواز بلند ایک مرتبہ مذکورہ تکبیر کہنا واجب ہے ۔ فتویٰ اس

پر ہے کہ باجماعت اور تنہا نماز پڑھنے والے اس میں برابر ہیں، اس طرح خواتین وحضرات سب پر واجب ہے، البتہ عورت بآواز بلند تکبیر نہ کہے آہستہ سے کہے۔ (شامی)

عید الاضحیٰ کے مسنون اعمال: آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص عید الاضحیٰ کی رات عبادت کے لئے بیدار رہا، اس کا مردہ نہیں ہوگا، جس دن (قیامت کے دن) دل مردہ ہوں گے۔ (طبرانی)۔ صبح سویرے اٹھنا، غسل ومسواک کرنا، نئے یا دھلے ہوئے یا پاک صاف عمدہ کپڑے جو اپنے پاس ہوں پہننا، خوشبو لگانا، نمازِ عید سے پہلے کچھ نہ کھانا، عید گاہ کو جاتے ہوئے راستہ میں بآواز بلند مذکورہ تکبیراتِ تشریق کہنا۔

نماز عید: نماز عید دو رکعت ہیں۔ نماز عید اور دیگر نمازوں میں فرق صرف اتنا ہے کہ اس میں ہر رکعت کے میں تین تین تکبیریں زائد ہیں۔ پہلی تکبیرات رکعت اولی میں سُبْحَانَكَ اَللّٰھُمَّ پڑھنے کے بعد قراءت سے پہلے۔ رکعت ثانیہ میں قراءت کے بعد رکوع سے پہلے۔ ان زائد تکبیروں میں میں کانوں تک ہاتھ اٹھانے ہیں۔ پہلی رکعت میں دو تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑدیں، تیسری تکبیر کے بعد ہاتھ باندھ لیں۔ دوسری رکعت میں تینوں تکبیروں کے بعد ہاتھ چھوڑ دیئے جائیں، چوتھی تکبیر کے ساتھ رکوع میں چلے جائیں۔ اگر دوران نماز

امام یا کوئی مقتدی عید کی زائد تکبیریں یا ترتیب بھول جائے تو ازدحام کی وجہ سے نماز درست ہوگی سجدۂ سہو بھی ضروری نہیں۔ اگر کوئی نماز میں تاخیر سے پہنچا اور ایک رکعت نکل گئی تو فوت شدہ رکعت کو پہلی رکعت کی ترتیب کے مطابق قضاء کرے گا یعنی ثناء (سُبۡحَانَکَ اَللّٰھُمَّ) کے بعد تین زائد تکبیریں کہے گا اور آگے ترتیب کے مطابق رکعت پوری کریگا۔

نماز عید کے بعد خطبہ سننا مسنون ہے۔ خطبہ سننے کا اہتمام کرنا چاہیئے، خطبہ سے پہلے اٹھنا درست نہیں ہے۔

قربانی کا حکم: قربانی واجب ہے، جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت کے بعد ہر سال قربانی فرمائی، کسی سال ترک نہیں فرمائی، جس عمل کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لگاتار کیا اور کسی سال بھی نہ چھوڑا ہو، تو یہ اس عمل کے واجب ہونے کی دلیل ہے۔ علاوہ ازیں آپ نے قربانی نہ کرنے والوں پر وعید فرمائی ہے، اس حوالے سے احادیث مبارکہ میں بہت سی وعیدیں ملتی ہیں، مثلاً: آپ کا یہ ارشاد کہ جو قربانی نہ کرے وہ ہماری عیدگاہ کے قریب بھی نہ آئے، علاوہ ازیں خود قرآن کریم میں بعض آیات سے بھی قربانی کا وجوب ثابت ہے، جو لوگ حدیث پاک کے مخالف ہیں اور اس کو حجت نہیں مانتے، وہ قربانی کا انکار کرتے ہیں، ان سے جو لوگ متاثر ہوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ پیسے دے دیئے جائیں، یا یتیم خانہ میں رقم دے دی جائے، یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ عمل کی ایک تو صورت

ہوتی ہے ،دوسری حقیقت ہے۔قربانی کی صورت یہی ضروری ہے ، اس کی بڑی مصلحتیں ہیں اس کی حقیقت اخلاص ہے۔آیت قرآنی سے بھی یہی حقیقت معلوم ہوتی ہے۔

قربانی کے فضائل: مسند احمد کی روایت میں ایک حدیث پاک ہے حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ یہ قربانیاں کیا ہیں ؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ،قربانی تمہارے باپ ابراھیم علیہ السلام کی سنت ہے۔ صحابہ نے پوچھا ،ہمارے لیے اس میں ثواب ہے ؟آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا،ہر ایک بال کے عوض ایک نیکی ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قربانی کے دن اس سے زیادہ کوئی عمل محبوب نہیں۔

قیامت کے دن قربانی کا جانور سینگوں، بالوں ،کھروں کے ساتھ لایا جائے گا اور زمین تک اس کا خون پہنچنے سے پہلے اللہ تعالی کے یہاں سے قبولیت کی سند مل جاتی ہے، اسلئے تم قربانی خوش دلی سے کرو۔ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں،اس دن قربانی سے زیادہ کوئی دوسرا عمل نہیں الا یہ کہ صلہ رحمی کی جائے۔(طبرانی)۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی صاحبزادی فاطمۃ الزہراء رضی

اللہ عنہا سے ارشاد فرمایا: تم اپنی قربانی ذبح ہوتے وقت موجود رہو، کیونکہ پہلا قطرہ خون گرنے سے پہلے انسان کی مغفرت ہوجاتی ہے۔قربانی کی فضیلت کے بارے میں متعدد احادیث ہیں، یہ اسلام کے شعائر میں سے ہے اور اس سلسلہ میں جن شرائط وآداب کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے ،انہیں اپنے سامنے رکھیں اور قربانی کا جانور بھی خوب دیکھ بھال کر خریدیں۔

مسائل قربانی :مسئلہ نمبر ا : جس شخص پر صدقہ فطر واجب ہے اس پر قربانی بھی واجب ہے،یعنی قربانی کے تین ایام (۱۲/۱۱/۱۰/ذوالحجہ)کے دوران اپنی ضرورت سے زائد اتنا حلال مال یا اشیاء جمع ہوجائیں کہ جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو، تو اس پر قربانی لازم ہے ،مثلاً رہائشی مکان کے علاوہ کوئی مکان ہو، خواہ تجارت کیلئے ہو یا نہ ہو، اسی طرح ضروری سواری کے طور پر استعمال ہونے والی گاڑی کے علاوہ گاڑی ہو، تو ایسے شخص پر بھی قربانی لازم ہے۔

مسئلہ نمبر۲: مسافر پر قربانی واجب نہیں۔

مسئلہ نمبر ۳: قربانی کا وقت دسویں تاریخ سے لے کر بارہویں تاریخ کی شام تک ہے، بارہویں تاریخ کا سورج غروب ہوجانے کے بعد قربانی درست نہیں ۔قربانی کا جانور دن کو ذبح کرنا افضل ہے، اگرچہ رات کو بھی ذبح کر سکتے ہیں، لیکن افضل بقرعید کا دن پھر گیارہویں اور پھر بارہویں تاریخ ہے۔

مسئلہ نمبر۴: شہر میں رہنے والوں کے لئے عید الاضحیٰ کی نماز پڑھ لینے سے قبل قربانی کا جانور ذبح کرنا درست نہیں ہے ،دیہات اور گاؤں والے صبح صادق کے بعد فجر کی نماز سے پہلے بھی قربانی کا جانور ذبح کر سکتے ہیں ،اگر شہری اپنا جانور قربانی کے لئے دیہات میں بھیج دیں، تو وہاں اس کی قربانی بھی نماز عید سے قبل درست ہے اور ذبح کرانے کے بعد اس کا گوشت منگواسکتا ہے۔

مسئلہ نمبر۵: اگر مسافر مالدار ہو اور کسی جگہ پندرہ دن قیام کی نیت کرے ،یا بارہویں تاریخ کو سورج غروب ہونے سے پہلے گھر پہنچ جائے ،یا کسی نادار آدمی کے پاس بارہویں تاریخ کو غروب شمس سے پہلے اتنا مال آجائے کہ صاحب نصاب ہوجائے ،تو ان تمام صورتوں میں اس پر قربانی واجب ہوجاتی ہے۔ نیز اگر مسافر مالدار ہو دوران سفر قربانی کیلئے رقم بھی ہو اور وہ پندرہ دن سے کم عرصہ کیلئے رہائش پذیر ہونے کے باوجود بآسانی قربانی کرسکتا ہو تو قربانی کرلینا بہتر ہے۔

مسئلہ نمبر۶: قربانی کا جانور اپنے ہاتھ سے ذبح کرنا زیادہ اچھا ہے، اگر خود ذبح نہ کرسکتا ہو، تو کسی اور سے بھی ذبح کراسکتا ہے۔ بعض لوگ قصاب سے ذبح کراتے وقت ابتداءً خود بھی چھری پر ہاتھ رکھ لیا کرتے ہیں ،ایسے لوگوں کے لئے یہ ضروری ہے کہ قصاب اور قربانی والے دونوں مستقل طور پر تکبیر پڑھیں ،اگر دونوں میں سے ایک نے نہ پڑھی تو قربانی صحیح نہ ہوگی۔ (شامی : ۶/۳۳)

مسئلہ نمبر۷: قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت زبان سے نیت پڑھنا ضروری نہیں

دل میں بھی پڑھ سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۸ : قربانی کا جانور ذبح کرتے وقت اس کو قبلہ رخ لٹائے اور اس کے بعد یہ دعا پڑھے : اِنِّی وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّمَا اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، لَاشَرِیْكَ لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ، اَللّٰهُمَّ مِنْكَ وَلَكَ ۔ اسکے بعد بِسْمِ اللّٰهِ اَللّٰهُ اَكْبَرُ کہہ کر ذبح کرے۔ (کذا فی سنن ابی داؤد) ذبح کرنے کے بعد یہ دعاء پڑھے : اَللّٰهُمَّ تَقَبَّلْهُ مِنِّیْ كَمَا تَقَبَّلْتَ مِنْ حَبِیْبِكَ مُحَمَّدٍ وَخَلِیْلِكَ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیْهِمَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ۔

مسئلہ نمبر ۹: قربانی صرف اپنی طرف سے کرنا واجب ہے۔اولاد کی طرف سے نہیں، چاہے بالغ ہوں یا نابالغ ،مالدار ہوں یا غیر مالدار۔

مسئلہ نمبر ۱۰: درج ذیل جانوروں کی قربانی ہو سکتی ہے: اونٹ ،اونٹنی ، بکرا، بکری ، بھیڑ ،دنبہ ، گائے، بیل ، بھینس ، بھینسا۔ بکرا، بکری ، بھیڑ اور دنبہ کے علاوہ باقی جانوروں میں سات آدمی شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ کسی شریک کا حصہ ساتویں حصہ سے کم نہ ہو اور سب قربانی کی نیت سے شریک ہوں یا عقیقہ کی نیت سے ، صرف گوشت کی نیت سے شریک نہ ہوں۔گائے ، بیل اور اونٹ وغیرہ میں

سات سے کم افراد بھی شریک ہو سکتے ہیں، اس طور پر کہ مثلاً چار آدمی ہوں، تو تین افراد کے دو دو حصے اور ایک کا ایک حصہ ہوجائے، نیز اگر پورے جانور کو چار حصوں میں تقسیم کرلیں یہ بھی درست ہے۔ یا یہ کہ دو آدمی موجود ہوں تو نصف نصف بھی تقسیم کر سکتے ہیں۔ اسی طرح اگر کئی افراد مل کر ایک حصہ ایصال ثواب کے طور پر کرنا چاہیں، تو یہ بھی جائز ہے، البتہ ضروری ہے کہ سارے شرکاء اپنی اپنی رقم جمع کرکے ایک شریک کو ہبہ کردیں اور وہ اپنی طرف سے قربانی کردے اسی طرح قربانی کا حصہ ایک کی طرف سے ہوجائیگا اور ثواب سب کو ملے گا۔

مسئلہ نمبر ۱۱: اگر قربانی کا جانور اس نیت سے خریدا کہ بعد میں کوئی مل گیا تو شریک کرلوں گا اور بعد میں کسی اور قربانی یا عقیقہ کی نیت سے شریک کیا تو قربانی درست ہے اور اگر خریدتے وقت کسی اور کو شریک کرنے کی نیت سے خریدا تھا تو اب اگر شریک کرنے والا غریب ہے تو کسی اور کو شریک نہیں کرسکتا اور اگر مالدار ہے تو شریک کرسکتا ہے، ایک جانور قربانی کرنے کے لئے خریدا، اگر اسکے بدلے دوسرا حیوان دینا چاہے، تو جائز ہے، مگر یہ لحاظ رکھنا ضروری ہے کہ دوسرا حیوان کم از کم اسی قیمت کا ہو اگر اس سے کم قیمت کا ہو، تو زائد رقم اپنے پاس رکھنا جائز نہیں، بلکہ صدقہ کرنا، ضروری ہے، ہاں اگر زبانی طور پر جانور کو متعین نہ کیا ہو، بلکہ یہ ارادہ کیا ہو کہ اگر اچھی قیمت میں فروخت ہو رہا ہو، تو فروخت کردیں گے، اس صورت میں اصل قیمت سے زائد رقم اپنے پاس رکھنے میں کوئی حرج نہیں۔

مسئلہ نمبر ۱۲ : قربانی کا جانور گم ہوا، اس کے بعد دوسرا خریدا، اگر قربانی کرنے والا امیر ہے، تو ان دونوں جانوروں میں سے جس کو چاہے ذبح کرے، جب کہ غریب پر ان دونوں جانوروں کی قربانی واجب ہوگی۔ اس کی تفصیل یوں ہے کہ امیر آدمی پر نصاب کی وجہ سے قربانی واجب تھی اس نے وہ ادا کردی اس کے حق میں جانور متعین نہیں ہوا تھا اسے اختیار ہے کہ جس جانور کو چاہے، ذبح کردے جبکہ غریب آدمی پر قربانی لازم نہیں تھی، غریب نے از خود جانور خرید کر اپنے پر قربانی کو لازم کرلیا اور جو جانور اس نے خریدا وہ بھی متعین ہوچکا، اگر وہ گم ہوجائے تو اس کے بدلے دوسری قربانی لازم نہ تھی، اس کے باوجود غریب نے دوسرا جانور خرید کر اپنے پر قربانی لازم کرلی، اس بناء پر فقیر آدمی پر دوسری قربانی بھی لازم ہوئی، لہٰذا غریب آدمی دونوں جانوروں کی قربانی کریگا، بخلاف مالدار کے کہ اس پر صرف قربانی لازم ہے، جانور متعین نہیں ہے۔ دونوں جانوروں میں سے کسی ایک کی قربانی کردے تو کافی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۳ : قربانی کے جانور میں اگر کئی شرکاء ہیں، تو گوشت وزن کرکے تقسیم کریں۔

مسئلہ نمبر ۱۴: بھیڑ بکری جب ایک سال کی ہوجائے، گائے بھینس دو سال کی اور اونٹ پانچ سال کا، تو اس کی قربانی جائز ہے اگر اس سے کم ہے تو جائز نہیں۔ ہاں دنبہ اور بھیڑ (نہ کہ بکرا) اگر اتنا موٹا تازہ ہو کہ سال بھر کا معلوم ہو، تو اس کی قربانی بھی جائز ہے۔ موجودہ دور میں جانوروں کو تول کر (وزن

کرکے) خرید وفروخت کرنا بھی جائز ہے ،ایسی قربانی بلاشبہ درست ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۵: قربانی کا جانور اگر اندھا ہو ۔ یا ایک آنکھ کی ایک تہائی یا اس سے زائد روشنی جاتی رہی ہو ۔ یا ایک کان ایک تہائی یا اس زیادہ کٹ گیا ہو ، یا دم ایک تہائی یا اس سے زیادہ کٹ گئی ہو تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے ۔

☆ گائے اور بھینس کے دو تھن یا بکری کا ایک تھن خشک ہو چکا ہو یا پیدائشی طور پر نہ ہوں تو ایسے جانور کی قربانی بھی درست نہیں ۔

مسئلہ نمبر ۱۶ : اسی طرح اگر جانور ایک پاؤں سے لنگڑا ہے یعنی تین پاؤں سے چلتا ہے ، چوتھے پاؤں سے سہارا لیتا ہے ، لیکن لنگڑا کے چلتا ہے تو ایسے جانور کی قربانی درست ہے ۔

مسئلہ نمبر ۱۷ : قربانی کا جانور خوب موٹا تازہ چاہیئے ،اگر جانور اس قدر کمزور ہو کہ ہڈیوں میں گودا بالکل نہ رہا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں ہے ۔ بعض لوگ موٹا تازہ جانور محض دکھلاوے یا ریاء و نمود کے لئے خریدتے ہیں ایسے لوگ قربانی کے ثواب سے محروم ہوتے ہیں ،ان پر لازم ہے کہ وہ موٹا تازہ جانور تلاش کرتے ہوئے محض ثواب کی نیت کریں۔

مسئلہ نمبر ۱۸ : اگر کسی جانور کے تمام دانت گر گئے ہوں ، تو اس کی قربانی جائز نہیں ہے اور اگر اکثر دانت باقی ہوں ، کچھ گر گئے ہوں ، تو جائز ۔ اگر کسی جانور کی عمر پوری ہو ،اور دانت نہ نکلے ہوں ، تو بھی قربانی ہو سکتی ہے

تاہم اس سلسلہ میں صرف جانوروں کے عام سوداگروں کی بات معتبر نہیں ہے، بلکہ یقین سے معلوم ہونا ضروری ہے ،یا یہ کہ خود گھر میں پالا ہوا جانور ہو، تو اس کی قربانی کی جاسکتی ہے۔

مسئلہ نمبر ۱۹ : جس جانور کے پیدائشی کان نہ ہوں اس کی قربانی جائز نہیں ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۰ : اگر کسی جانور کے سینگ بالکل جڑ سے ٹوٹ چکے ہوں، اس طور پر کہ دماغ اس سے متاثر ہوا ہو، تو ایسے جانور کی قربانی جائز نہیں اور اگر معمولی ٹوٹے ہوں یا سرے سے سینگ ہی نہ ہوں جیسے بغیر سینگ کی گائے بکری تو بلا کراہت جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۱ : خارش زدہ جانور کی قربانی جائز ہے ، البتہ اگر خارش کی وجہ سے بے حد کمزور ہوگیا ہو، تو پھر جائز نہیں ۔

مسئلہ نمبر ۲۲: اگر قربانی کے جانور میں کوئی ایسا عیب پیدا ہوا، جس کے ہوتے ہوئے قربانی درست نہ ہو، تو مالدار شخص کے لئے یہ ضروری ہے کہ دوسرا جانور اس کے بدلے خرید کر قربانی کرے ، غریب ہے تو اسی جانور کی قربانی کر سکتا ہے۔اگر قربانی کے جانور کو ذبح کرنے کے لئے گراتے ہوئے کوئی عیب پیدا ہو جائے ، مثلاً: ٹانگ کی ہڈی ٹوٹ جائے یا سینگ وغیرہ ٹوٹ جائے تو اس سے قربانی پر اثر نہیں پڑے گا، البتہ جانور کو گراتے وقت احتیاط ضروری ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۳ : قربانی کے گوشت میں بہتر یہ ہے کہ تین حصے کرے ،ایک حصہ

اپنے لئے رکھے ،ایک حصہ اپنے رشتہ داروں کو دے ،اور ایک حصہ فقراء مساکین کو دے ، لیکن اگر سارے کا سارا اپنے لئے رکھے تب بھی جائز ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۴: قربانی کی کھال کسی کو خیرات کے طور پر دے یا فروخت کرکے اس کی قیمت فقراء کو دے۔ البتہ اگر کسی دینی تعلیم کے مدرسہ اور جامعہ کو دے دے یہ تو سب سے بہتر ہے کیونکہ علم دین کا احیاء سب سے بہتر عمل ہے۔

مسئلہ نمبر ۲۵: قربانی کی کھال کو اپنے مصرف میں بھی لایا جاسکتا ہے، اس طور پر کہ اس کا عین باقی رہے ،مثلاً مصلّی بنائے ،یا رسی یا چھلنی ۔

مسئلہ نمبر ۲۶: قربانی کی کھال کی قیمت مسجد کی مرمت یا امام ومؤذن یا مدرس یا خادم کی تنخواہ میں نہیں دی سکتی، نہ اس سے مدرس کی تعمیر ہو سکتی ہے اور نہ شفاخانوں یا دیگر رفاہی اداروں کی۔

مسئلہ نمبر ۲۷ : قربانی کی کھال قصائی کو اجرت میں دینا جائز نہیں ۔ گر کسی کی قربانی کی کھال چوری ہو گئی ،یا چھن گئی تو اسے چاہیئے کہ وہ کھال کی رقم صدقہ کردے اگر استطاعت نہ ہو تو کوئی حرج نہیں قربانی پر فرق نہیں پڑے گا۔

مسئلہ نمبر ۲۸: اگر قربانی کے تین دن گزر گئے اور قربانی نہیں کی تو اب ایک بکری یا بھیڑ کی قیمت خیرات کردے اور اگر جانور خریدا تھا مگر قربانی نہیں کی ،تو بعینہٖ وہی جانور خیرات کردے ۔

مسئلہ نمبر ۲۹: ایصال ثواب کے لئے قربانی کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور دوسروں کو بھی کھلا سکتا ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۰: اگر کسی شخص کے حکم کے بغیر اس کی طرف سے قربانی کی تو قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کسی شخص کو اس کے حکم واجازت کے بغیر قربانی میں شریک کیا، تو کسی کی بھی قربانی نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر حصہ داروں میں سے کوئی ایک صرف گوشت کی نیت سے شریک ہے تو کسی کی قربانی صحیح نہ ہوگی۔

مسئلہ نمبر ۳۱ : قربانی کا گوشت غیر مسلم کو بھی دے سکتا ہے البتہ کسی کو اجرت میں نہیں دے سکتا۔

مسئلہ نمبر ۳۲ : گابھن جانور کی قربانی صحیح ہے اگر بچہ زندہ نکلے تو اس کو بھی ذبح کردیں۔ اور گوشت آپس میں تقسیم کرنے کی بجائے صدقہ کردیں۔ نیز قربانی کے جانور کے بال کاٹنا یا دودھ دوھنا درست نہیں ہے، اگر کسی نے ایسا کیا تو اسے صدقہ کرے اگر (بیچ دیا تو اسکی رقم کو صدقہ کرنا واجب ہے۔ (بدائع : ۵/۷۸

مسئلہ نمبر ۳۳ : جو شخص قربانی کرنا چاہے اس کے لئے مستحب یہ ہے کہ یکم ذی الحجہ سے (قربانی کا جانور ذبح ہونے تک نہ اپنے جسم کے بال کاٹے اور نہ ناخن۔ (ابو داؤد

مسئلہ نمبر ۳۴: قربانی کا گوشت تین دن سے زیادہ تک بھی رکھا جا سکتا ہے۔ (ابو داؤد)

مسئلہ نمبر ۳۵: جانور ذبح کرنے کیلئے چھری خوب تیز ہونی چاہیئے تاکہ جانور

(کو تکلیف نہ ہو۔ (ابوداؤد

مسئلہ نمبر ۳۶: اگر کوئی شخص اپنی قربانی کا گوشت سارا کا سارا کسی اور کو کھلادے خود
(کچھ بھی نہ کھائے تو ایسا کرسکتا ہے۔ (کتاب الآثار

مسئلہ نمبر ۳۷: خصی جانور کی قربانی جائز بلکہ افضل ہے، آپ ﷺ سے خصی بکرے
کی قربانی ثابت ہے۔

مسئلہ نمبر ۳۸: ذبح کرتے قت تکبیر کے علاوہ کچھ اور نہیں کہنا چاہیئے، مثلاً: "بِاسْمِ اللّٰہِ
(تَقَبَّلُ مِنْ فُلَان وغیرہ۔ (کتاب الآثار

مسئلہ نمبر ۳۹: اگر کسی نے قربانی کی نذر مانی اور وہ کام ہو جائے، تو قربانی واجب ہے،
اس سے خود نہیں کھاسکتا سارا فقراء کو کھلادے۔

مسئلہ نمبر ۴۰: اگر کسی شخص کی ساری یا اکثر آمدنی حرام کی ہو، تو اس کو قربانی میں
شریک نہیں کرنا چاہیئے۔ ورنہ کسی کی قربانی نہیں ہو گی۔

مسئلہ نمبر ۴۱: کسی جانور میں تمام شرکاء اپنا اپنا حصہ تقسیم کئے بغیر فقراء کو دینا چاہیں
تو دے سکتے ہیں۔

☆ البتہ اگر نذر کی قربانی ہو یا مرحوم کی وصیت کے تحت قربانی کر رہے ہیں تو پھر تقسیم
سے پہلے کسی فقیر کو دینا درست نہیں۔

مسئلہ نمبر ۴۲: کسی نے مرتے وقت وصیت کی کہ میرے مال سے قربانی کی جائے، تو
اس کو خیرات کرنا ضروری ہے، خود کچھ بھی نہ کھائے۔

روحانیت کیا ہے؟

جادو، ٹونہ، آسیب، نظرِبد، نفسیاتی اور روحانی مسائل وامراض ابتدائے آفرینش سے بنی نوعِ بشری کولاحق ہیں، لیکن آج کل کچھ زیادہ ہی پوری دنیا میں یہ چیزیں عام ہو گئی ہیں، مختلف مذاہب،ادیان اور تہذیبوں میں ان سے بچاؤاور خلاصی کے اپنے اپنے طریقے اور ٹوٹکے ہیں،قرآن وسنت نے اس میں انسانیت کی بھرپور رہنمائی کی ہے،کلامِ پاک اور حدیث میں وارد ادعیۂ ماثورہ،طب نبوی ﷺ میں منقول مختلف دوائیں اور اعمالِ صالحہ وذکرواذکار کے ذریعے علاج بھی ثابت ہے، بدقسمتی سے مستند علماء واطباء کے بجائے یہ کام زیادہ ترنااہل لوگ اور باطنی علوم بالکل ناواقف عامل انجام دے رہے ہیں، یہ لوگ ''مرض بڑھتا گیا جوں جوں دواء کی''کے مصداق ہیں، کمزور عقیدے کے لوگ ،خاصکر مصائب زدہ خواتین ان کے دامِ تزویر میں بڑی آسانی سے پھنستی ہیں، بسا اوقات یہ ایسی نازیبا جنسی ومالی سکینڈلز اور حرکات کے مرتکب ہوجاتے ہیں کہ اللہ کی پناہ، مگر آٹے میں نمک کے برابر کچھ مخلص ،ہمدرد اور اہلیت رکھنے والے لوگ بھی ہیں۔

اسی حوالے سے اور بعض دیگر امور کے متعلق گزشتہ دنوں ہماراایک سفر تھا، جہاں

شامزئی ٹرسٹ انٹر نیشنل کے زیر اہتمام اسلام آباد میں منعقدہ ’’روحانی اجتماع‘‘ میں شرکت کا موقع ملا، کراچی سے مفتی رحمان الدین شامزئی، پیریاسر عرفات المعطر، ڈاکٹر ناظر حسین اور سید عامر علی رفقائے سفر تھے، اسلام آباد ایئر پورٹ سے سیدھے ہم دس بجے اجتماع گاہ پہنچے، لاہور، گجرانوالہ، سیالکوٹ، مظفر آباد، مانسہرہ، مردان، سوات اور پشاور جیسے دور دور شہروں سے بھی مریض آئے ہوئے تھے، تلاوتِ کلامِ پاک اور نعتِ رسولِ مقبول ﷺ کے بعد حضرت مفتی نظام الدین شامزئی شہید کے برادرِ خورد اور دنیائے عملیات کے ماہر مفتی رحمان الدین کے روحانی علوم اور علاج کے سلسلے میں افتتاحی اور مفصل خطاب کے بعد بطورِ مہمان خصوصی احقر کو دعوت خطاب دی گئی، ہم نے استشفاء بالقرآن، روحانی علاج اور طب نبوی ﷺ کی ضرورت، اہمیت، افادیت اور تاثیر پر قرآن وسنت کے تناظر میں بات کی، ان تینوں عنوانات پر کلام اللہ، سیرت نبوی ﷺ اور سیر الصحابہؓ میں سے چیدہ چیدہ مثالیں پیش کیں، ان کا باہمی ربط اور جوڑ بیان کیا، جدید دنیا اور بالخصوص مصر میں ان طرقِ علاج وتداوی پر جو تحقیقات ہوئی ہیں، ان کا ماحصل سامعین کے گوش گزار کیا، ڈاکٹر ناظر حسین نے طب نبوی ﷺ میں اپنی اسپیشلائزیشن کی وجہ سے صرف اسی موضوع پر اپنے تجربات اور جدید سائنس کی تحقیقات پر خاصی دلچسپ اور مدلل گفتگو فرمائی، استغفار، درود شریف، اور دیگر ذکرواذکار میں سائنسی تجربات سے محسوسات اور مشاہدات کی شکل میں ثابت شدہ تاثیرات کی انگنت امثال بیان کیں، آخر میں شامزئی صاحب اور ڈاکٹر صاحب نے

دیر تک حاضرین و ناظرین کے سوالات کے جوابات دئے، اس موقع پر ہم نے ڈاکٹر صاحب کے لیے اپنی جامعہ ''عریبک لینگویج اوپن یونیورسٹی پاکستان'' کی طرف سے طب نبوی ﷺ میں اعزازی ڈاکٹریٹ کی ڈگری کا اعلان بھی کیا، یوں یہ مبارک، پررونق اور روح پرور اجتماع پیر یاسر عرفات المعطری کی پر سوز دعاؤں سے تقریبا تین بجے سہ پہر اختتام پذیر ہوا، المعطر ایک ''درود نیٹ ورک'' بھی چلاتے ہیں، جہاں روزانہ کم از کم ایک لاکھ مرتبہ مختصر ترین درود شریف: (صلی اللہ علیہ وسلم) پڑھا جاتا ہے اور پڑھنے والا ہر فرد نیٹ ورک کے تمام ساتھیوں کے لئے اللہ تعالی کے یہاں قبولیت میں زود اثر دعاء الغائب للغائب کے طور پر 100 بار درود شریف کی سعادت حاصل کرکے دعا کرتا ہے، نکتے کی بات یہ ہے کہ کوئی بھی اس نیٹ ورک کا حصہ بن سکتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کے تین بنیادی مقاصد تھے۔ تلاوت آیاتِ کلامِ پاک، تعلیمِ کتاب وحکمت اور تزکیۂ نفوس، یہ تینوں فرائضِ نبوّت امت مسلمہ پر بھی بطور فرضِ کفایہ عائد ہیں، اکابر امت نے ان تینوں فرائض کی ادائیگی میں پوری توجہ اور کوشش مبذول فرمائی، چنانچہ حضرت مولانا سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ : مولانا محمد الیاسؒ اور ان کی دینی دعوت'' کے مقدمے میں لکھتے ہیں ''

۔'' رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تینوں فرائض کو بحسن وخوبی انجام دیا اور لوگوں کو احکام الہی اور آیات ربانی پڑھ کر سنائیں، اور ان کو کتاب الہی اور، حکمت ربانی کی باتیں سکھائیں، اور اسی پر اکتفانہ کیا، بلکہ

اپنی صحبت فیض تاثیر اور طریقۂ تدبیر سے پاک وصاف بھی کیا، نفوس کا تزکیہ فرمایا، قلوب کے امراض کا علاج کیا، اور برائیوں اور بدیوں کے زنگ اور میل کو دور کرکے اخلاقِ انسانی کو نکھارا اور سنوارا، یہ دونوں ظاہری اور باطنی فرض یکساں اہمیت سے ادا ہوتے رہے، چنانچہ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین اور ان کے بعد تابعین اور پھر تبع تابعین کے تینوں طبقوں تک یہ دونوں ظاہری وباطنی کام اسی طرح توام اور جڑے رہے، جو استاذ تھے وہ شیخ بھی تھے اور جو شیخ تھے وہ استاذ بھی تھے، وہ جو مسند درس کو جلوہ دیتے تھے، وہ خلوت کے شب زندہ دار اور اپنے ہم نشینوں کے تزکیہ وتصفیہ کے بھی ذمہ دار تھے، ان تینوں طبقوں میں استاذ اور شیخ کی تفریق نظر نہیں آتی تھی۔

اس کے بعد وہ دور آنا شروع ہوا جس میں اہل تدریس باطن کے کورے اور اہل باطن کے روشن سلسلے ظاہر سے عاری ہونے لگے، اور عہد بہ عہد ظاہر وباطن کی یہ خلیج بڑھتی ہی چلی گئی تاآنکہ علوم ظاہر کیلئے مدارس کی چہار دیواری اور تعلیم وتزکیۂ باطن کے لئے خانقاہوں اور باطوں کی تعمیر عمل میں آئی، اور وہ مسجد نبوی ۔۔ علیٰ صاحبہ الصلاۃ والسلام ۔۔ جس میں یہ دونوں یکجا تھے، اس کی تجلیات مدرسوں اور خانقاہوں کے دوحصوں میں تقسیم ہوگئیں، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مدارس سے علمائے دین کی جگہ علمائے دنیا نکلنے لگے اور باطن کے مدعی علم وشریعت کے اسرار وکمالات سے جاہل ہو کر رہ گئے۔

تاہم اس دور کے بعد بھی ایسی مستثنیٰ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں جن میں نور نبوّت کے یہ دونوں رنگ بھرے ہوئے تھے ،اور غور سے دیکھئے تو معلوم ہوگا کہ اسلام میں جن بزرگوں سے فیوض پہنچے اور پھیلے ،وہ وہی تھے جو ان دونوں کے جامع تھے ، امام غزالی رحمۃاللہ علیہ جن سے علوم معقول ومنقول نے جلوہ پایا، علم حقیقت نے بھی انہی کے ذریعہ ظہور پایا۔حضرت شیخ سہروردی رحمۃاللہ علیہ ایک طرف شیخ طریقت ہیں تو دوسری طرف مدرسہ نظامیہ کے مدرّس ، حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃاللہ علیہ امام وقت اور شیخ طریقت دونوں ہیں ، یہاں تک کہ وہ لوگ جن کو علمائے ظاہر سمجھا جاتاہے ، جیسے حضرات محدثین : امام بخاری رحمۃاللہ علیہ ، احمد بن حنبل رحمۃاللہ علیہ ،سفیان ثوری رحمۃاللہ وغیرہ وہ بھی اس جامعیت سے سرفراز تھے ، متوسطین میں علامہ ابن تیمیہ رحمۃاللہ علیہ اور حافظ ابن رقیم رحمۃاللہ علیہ کو ناواقف باطن سے خالی سمجھتے ہیں ، حالانکہ ان کے احوال وسوانح ان برکات باطنی سے لبریز تھیں ، ابن قیم رحمۃاللہ علیہ کی ''مسالک السالکین'' وغیرہ کتابیں پڑھیے تو اندازہ ہوگا کہ وہ آرائش ظاہر اور جمال باطن دونوں سے آراستہ تھے۔

ہندوستان میں جن بزرگوں کے دم قدم سے روشنی پھیلی ، وہ حقیقت میں وہی تھے جن کی ذات میں مدرسہ اور خانقاہ کی جامعیت تھی، کہ وہ اسوۂ نبوّت کے قریب

تر تھے ،اس لئے ان کا فیض بعید سے بعید تر حصے تک پھیلتا چلا گیا۔آسمان دلی کے مہر وماہ اور تارے شاہ عبدالرحیم رحمۃاللہ علیہ سے لے کر شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ تک کو آپ ایک ایک کرکے دیکھیں تو ظاہر وباطن کے علوم والوں کی یکجائی کا نظارہ آپ کو ہر جگہ ہوگا،اور اس سے ان کی علمی وروحانی برکات کی وسعت کی حقیقت آشکارا ہو جائے گی۔وہ علوم کی تدریس میں ''یعلمھم الکتاب والحکمۃ'' کا جلوہ دکھاتے تھے ،اور حجروں میں بیٹھ کر ''یزکیھم'' کی جلوہ ریزی فرماتے تھے ،پھر ان کے بعد ان کے فیوض وبرکات کے جو حامل ہوئے ،نشاندہی کی چنداں ضرورت نہیں ، ان سے دنیا کو فیض پہنچا اور دین کی اشاعت ، تبلیغ اور قلوب کے تزکیہ وتصفیہ کا جو کام انجام پایا،وہ بھی ظاہر وباطن کی اسی جامعیت کے آئینہ دار تھے اور آئندہ بھی سنن الہیہ کے مطابق دین کا فیض جن سے پھیلے گا،وہ وہی ہوں گے جن سے مدرسیت اور خانقاہیت کی دو سوتیں ایک چشمہ بن کر بہیں گی ،آنکھوں کا نور، شب بیداری سے بڑھتا ہے ، اور زبان کی تاثیر ذکر کی کثرت سے پھیلتی ہے ،رات کے راہب ہی اصل میں دین کے سپاہی ثابت ہوئے ہیں ، سوانح وتراجم کا سیز دہ صد سالہ دفتر اس دعوت کا شاہد ہے ،زبان کی روانی اور قلم کی جولانی ، دل کی تابانی کے بغیر سراب کی نمود سے زیادہ نہیں ،خواہ وہ اس وقت کتنا ہی تابناک نظر آتا ہو، مگر وہ مستقل اور مستقبل میں وجود سے محروم ہے'' ۔بہر حال عوام کو چاہئے کہ عملیات ہوں یا اوراد واذکار، شریعت ہو یا طریقت اس کے ماہرین سے رجوع کیا کریں، تاکہ ظاہر وباطن میں ہر طرح کے

فوائد وفیوضات سے مستفید ہوں۔

(سفر حرم (2

بقلم: لبید خان المظفر

پھر 25.06.2013 جمعرات کے دن ہم لوگوں نے مدینہ منورہ جانے کا پروگرام بنایا ، صبح کو 6:00 بجے ہم لوگ بس میں بیٹھے، جب بس مکہ مکرمہ سے روانا ہوئی اور 3 گھنٹے چلی، ڈرائیور نے گاڑی ایک جگہ روکی اور کہا: کھانا، چائے یا پیپسی وغیرہ جو آپ لوگوں نے چاہا، وہ جلدی سے نوش کریں، بعد میں بس روانہ ہوگی، سب لوگ بس سے اتر گئے اور جس نے جو چاہا اس نے وہ کھایا پیا، پھر بس روانہ ہوئی اور 12 بجے مدینہ پہنچ گئی، پھر مدینے میں آگے جا رکی اور بس والے نے کہا، جو یہاں اپنے دوستوں یا رشتے داروں کے پاس رکنا چاہے، وہ رک جائے، بقیہ لوگوں کو ہم ہوٹل لے جائینگے اور جو اترنا چاہے وہ اتر جائے، تو ہمارے گروپ لیڈر جناب حاجی عبد اللطیف طاہر صاحب نے کہا، ہم لوگ اترنا چاہینگے، چنانچہ ہم لوگ اتر گئے، پھر ہم نے انکل سرور صاحب کے گھر میں رکنا تھا، ہم نے ان کو فون کرکے کہا ہم لوگ آ گئے ہیں، آپ ہم لوگوں کو فلاں جگہ لینے آ جائیں، وہ اپنی گاڑی لے کر آ گئے، پھر اتنے لوگ تو ایک گاڑی میں نہیں آ سکتے تھے، تو ہم نے سوچا کہ کچھ لوگ پہلے چلے جائیں اور کچھ لوگ بعد میں چلے جائینگے ، بہر حال ہم لوگ ان کے گھر گئے ،پانی وانی پی لیا، کچھ آرام کیا اور شام کو مسجد نبوی ﷺ

میں world گئے، باہر چھاؤ کا کچھ عجیب قسم کا نظام تھا، جو نظام میں نے آج تک پورے نہیں دیکھا تھا نہ سنا تھا۔اور اندر سے کیا شاندار خوبصورتی ، میں آپ کو کیا بتاؤں، عورتوں کا الگ اور مردوں کا الگ نظام تھا،زم زم کا پانی بھی ہر جگہ دستیاب تھا، چاروں طرف ہریالی ہریالی سی تھی، پھر ہم نے مغرب اور عشاء کی نمازیں وہاں پڑھی، روضۂ اقدس پر دادا ،دادی ،نانا ،نانی ،ابو،امی، فلاں فلاں شخص کا سلام پیش کیا اور واپس نکل آئے، عورتوں کی باری ہمارے بعد تھی ،اس لئے ہم لوگوں کو عورتوں کا انتظار کرنا پڑا، اور جب وہ لوگ آئے ،ہم ایک ساتھ گھر کو واپس آ گئے، گھر میں جا کر کھانا کھا کر سو گئے، صبح کو فجر کی نماز کے لئے دوبارہ مسجد نبوی ﷺ گئے ، وہاں سے واپس آ کر ناشتہ کیا، ایسا ہی کچھ دنوں تک ہوتا رہا، مگر ایک دن ہماری خوشی کا دن تھا، جمعہ کے دن کی چھٹی تھی ،uncle sarwar انہوں نے کہا کہ آج آپ لوگوں کو کچھ جگہیں دکھاتا ہوں، پھر وہ ہمیں مسجد قبا، مسجد قبلتین، مساجد خندق ،مزارِ حضرت حمزہ اور کئی جگہ دکھانے لے گئے،جنۃ البقیع تو ہم روز جاتے تھے، انہوں نے یہ بھی کہا کہ میں آپ لوگوں کو شام کو بازار لے جاؤنگا ،وہاں آپ اپنے رشتے داروں کے لئے کچھ اشیاء لے لینا، پھر وہ شام کو ہمیں بازار لے چلے اور ہم نے اپنے رشتہ داروں کے لئے کچھ اشیاء لے لیں اور واپس گھر کو لوٹے ، مغرب ہونے والی تھی اور پھر ہم لوگ مغرب اور عشاء کی نماز حرم میں پڑھتے تھے، تو حرم چلے گئے۔

مدینۃ الرسول ﷺ کے بارے میرے جیسا بچہ کیا لکھے گا، کیا بتائے گا، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ یہاں ہم اپنے قارئین کو شورش کاشمیری مرحوم کی ایک لازوال تحریر سوغات میں پیش کریں، وہ رقمطراز ہیں: ''سرورکائنات ﷺ کی سیرت مطہرہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک انسان کو جوافتخار اور مسرت حاصل ہوتی ہے، حقیقت یہ ہے کہ ان الفاظ میں اس کا احاطہ نہیں کیا جاسکتا۔ذرا غور فرمایئے، جس ذات اقدس کی تعریف وثنا خودرب ذوالجلال نے کی ہو، کلام اللہ جس کے اوصاف ومحاسن پر بولتا ہو، فرشتے صبح وشام جس پر درود بھیجتے ہوں اور جس کا نام لے لے کر ہر دور میں ہزاروں انسان زندگی کے مختلف گوشوں میں زندہ وجاوید ہوگئے ہوں، اس رحمۃ للعامین ﷺ کے بار میں کوئی شخص اپنے قلم وزبان کی تمام فصاحتیں اور بلاغتیں بھی یکجا کرلے اور ممکن ہوتو آفتاب کے اوراق پر کرنوں کے الفاظ سے مدح وثناء کی عبارتیں بھی لکھتا رہے، یا مہتاب کی لوح پر ستاروں سے عقیدت وارادت کے نگینے جڑتا رہے، تب بھی حق ادا نہ کرسکے گا۔

حضور ﷺ کی سیرت کو کسی بھی انسانی سند کی ضرورت نہیں، حقیقت یہ ہے کہ سرور کائنات ﷺ کے ذکر سے انسان اپنے ہی لئے کچھ حاصل کرتا ہے، جس نسبت سے تعلق خاطر ہوگا، اسی نسبت سے حضور ﷺ کا ذکر ایک ایسی متاع بنتا چلا جائیگا، کہ زبان وبیان کی دنیا اس کی تصویریں بنا ہی نہیں سکتیں، جن لوگوں نے اور ان

کی تعداد لا محدود ہے ،جس جس واسطے سے سردار انبیاء ﷺ کی بارگاہ میں حاضری دی ہے ،وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ انھوں نے اپنے دل ودماغ یا روح ونظر کا نذرانہ پیش کرتے وقت اس دربار کی رونق میں کوئی اضافہ کیا ہے ،اس نہج پر سوچنا بھی سوء ادب ہے ، حقیقت یہ ہے کہ ظہور قدسی سے لے کر آج تک بارگاہ رسالت میں حاضر ہونے والا ہر ایک شخص اپنے مقام ومرتبہ کی تشکیل کرتا رہا ہے ۔

کتنے انسان اس خیر البشر ﷺ کی بدولت کیا سے کیا ہوگئے، پھر یہ سلسلہ چودہ سو برس سے رکا نہیں ،جاری ہے، آندھیاں آتی رہیں ، طوفان اٹھتے رہے ،سیلاب موجزن ہوئے ،بادلوں نے گرجنا شروع کیا ،بجلیاں کوندتی رہیں ،صرصر نے صبا کو روکا، خزاں نے بہار کا نشیمن لوٹا، پھول باد سموم کا لقمہ ہوگئے ، لیل ونہار کی گردشیں رک گئیں ، زمانہ ٹھہر تارہا، صبح کا چہرہ بارہا اداس ہوا ، شام لہو لہان ہو گئی ، رات کے دل میں خنجر ترازو ہوئے ،تاریخ نے پلٹے کھائے ، سلطنتیں بن بن بگڑیں ،حکومتیں تہس نہس ہوگئیں ، عروج وزوال کے سینکڑوں نقشے سامنے آئے ، لیکن سرور کائنات ﷺ سے نوع انسان کی حلقہ بگوشی کا سلسلہ منقطع نہ ہوا، تاریخ اٹھایئے اور ورق پہ ورق پلٹیے معلوم ہوگا کہ ایک ذات نے چودہ صدیوں میں کروڑوں انسانوں کو نشوونما دی ،، بالا وبلند کیا، دوام بخشا او صرف ایک نسبت کی بدولت قیامت تک زندہ کرڈالا ، پھر یہ محض عقیدت کی بات نہیں ، ارادت کا تذکرہ نہیں ، اخلاص کا فسانہ نہیں ، شوق کی دھن نہیں ، عشق

کا راگ نہیں، حسن کی ثناء نہیں تعریف کا لہجہ یا ثناء کا زمزمہ نہیں، ہرایک بات نپی تلی، صاف ستھری اور بولتی چالتی شہادت کے ساتھ موجود ہے۔

اس وقت کرۂ ارضی پر مسلمان ہی ایک ایسی قوم ہے جو از روئے قرآن تمام انبیاء ومرسلین پر عقیدۂ ایمان رکھتی ہے، وہ مختلف قوموں کے ان پیغمبروں کی بھی تصدیق کرتی ہے، جن کے بارے میں ان کی پیروکار قومیں صرف قیاسی تذکرہ اور ظنی روایتوں پر یقین رکھتی ہیں، جن کی مقدس کتابیں خود ان کے ہاتھوں تحریف کا شکار ہوئی ہیں اور جن کی اصلیتوں میں حک واضافہ ہوا ہے، جن کے مذاہب زمانۂ قبل از تاریخ کی نذر ہوگئے، لیکن محمد عربی ﷺ کا اسلام وہ واحد دین ہے جس نے تاریخ کی بھی حفاظت کی ہے اور جس کی ایک ایک ادا تاریخ نے محفوظ رکھی ہے۔

کوئی دین اور کوئی پیغمبر تاریخ کی شاہراہ سے اس طرح نہیں گزرا جس طرح ہمارے آقا ومولا ﷺ گزرے ہیں، تاریخ نے ان کی رکاب تھامی اور علم نے ان کے قدم چومے ہیں، یہ محض دعویٰ نہیں، حقیقت ہے، ختم المرسلین ﷺ کی سیرت اقدس کی اقتضاء یہی تھی کہ اس کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف، ایک ایک شوشہ، ایک ایک نقطہ محفوظ ہوجاتا اور یہ سب کچھ محفوظ ہوگیا، پھر یہ التزام ان کے بارے میں ہی نہیں، بلکہ جن لوگوں نے ان کے ساتھ دیا، جو ان کے ساتھ رہے

مثلاً ان کے ساتھ ان کے اہل بیت، ان کی ازواج مطہرات، ہماری مائیں، ان کے جاں، نثار، ان کے خادم اور ہمارے مخدوم، حتی کہ ان کے دشمن بھی اپنی تمام کارگزاریوں کے ساتھ تاریخ کے تذکروں مین موجود ہیں، پھر یہ قافلہ آج تک چل رہاہے، اس قافلے میں جلیل المرتبت صحابہؓ ہیں کہ تاریخ ان کے پاؤں کو بوسہ دے کر نکلتی ہے، تابعین بھی ہیں کہ تذکرے ان کی روایتوں سے جگمگاتے ہیں، تبع تابعین بھی ہیں کہ عقل ان سے عشق کی بھیک مانگتی ہے، ائمہ بھی ہیں کہ شہادت ان کے ساتھ چلتی ہے فقیہ بھی ہیں کہ آستانۂ رسالت پر کشکول لے کر کھڑے ہیں، محدث بھی ہیں کہ حضور، ﷺ کے مقدس ہونٹوں کی صدائیں چنتے ہیں، عالم بھی ہیں کہ نقوشِ قدم کے تعاقب میں چلے جاتے ہیں، مشائخ کی بھیڑ ہے، اہل اللہ کا ہجوم ہے، عابدوں کا حلقہ ہے، پھر اسی پر اکتفاء نہ کیجئے، بڑھتے چلئے، فاتحین کا لاؤلشکر ہے، جان بازوں کی فوجِ ظفر موج ہے، سپہ سالاروں کا انبوہ ہے، شہنشاہوں کا غول ہے، کیسے کیسے لوگ خانہ زادوں میں ہیں او رکس کس عجز سے جھکتے چلے جاتے ہیں، زبانوں میں تاثیر ہیں، تو اس نام سے، قلم میں ولولہ ہے تو اس کے ذکر سے، زبان میں بانکپن ہے، تو اس کے خیال سے، دل میں سرور ہے تو اس کے تصور سے، دماغ میں حسن ہے تو اس کے جمال سے، آنکھوں میں نور ہے تو اس کے ظہور سے۔

یہ آج کی دنیا جو سائنس کی بدولت کہاں سے کہاں نکل گئی ہے اور تمام ملکوں

کی زمین سمٹ کر ایک ذہنی وفاق بن گئی ہے، بزعم خویش ترقی کی اس منزل میں ہے کہ فکر و نظر کے معیار ہی بدل گئے ہیں، لیکن بڑا انسان بننے کے لئے جن عالمگیر سچائیوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ علم و فلسفہ کی تمام منزلیں قطع کرنے کے باوجود ابھی پرانی ہیں او اتنی پرانی ہیں جتنی کہ یہ کائنات پرانی ہے، ہمارے زمانے کے عظیم ترین مغربی مؤرخ فلپ حتی" نے یوں ہی نہیں کہا تھا کہ :"تمام دنیا کی مائیں ہر روز جتنے بچے پیدا کرتی" ہیں، ان میں ایک بہت بڑی تعداد ان بچوں کی ہوتی ہے جن کے والدین ان کا نام پیغمبر اسلام (ﷺ) کے نام پر رکھتے ہیں اور اس انداز سے رکھتے ہیں کہ اس میں حلقہ بگوش کا ناز پایا جاتا ہے یا پھر یہ نام اس عالیشان پیغمبر ﷺ کے ان اعزہ واقرباء کے نام پر ہوتے ہیں جو ان کے پیروکار تھے اور ان کی بدولت مختلف رشتوں کے باعث زندہ و جاوید ہوگئے، محمد عربی ﷺ کے سوا اور کسی پیغمبر کو یہ خصوصیت حاصل نہیں ہوئی اور نہ کوئی امت کرۂ ارضی پر ایسی موجود ہے، جو اپنے پیغمبر اور ان کی آل پر شب و روز کے ہر حصے میں اس تواتر و تسلسل کے ساتھ درود وسلام بھیجتی ہو"۔

حضور ﷺ کا ذکر اس کج مج بیان کی گنہگار زبان سے اس آستانۂ حسن وجمال پر ایک فقیرانہ صدا ہے، عجب نہیں یہی توشۂ آخرت ہو۔

سبحان اللہ ما اجملک، ما احسنک، ما اکملک"۔

ایک ہفتہ یہاں قیام کے بعد ہم مدینہ ایئرپورٹ سے کراچی کے لئے اشکبار آنکھوں اور گرفتہ دلوں کے ساتھ پابرکاب ہوئے۔

مولای رب صل وسلم دائماً ابداً۔۔۔۔ علی حبیبک خیر الخلق کلھم۔

اسلام میں غیر مسلموں کے حقوق

ملکِ عزیز پاکستان بد قسمتی سے گوں نا گوں انتشاروں اور خلفشاروں کا شکار ہے، داخلی و خارجی ہر سطح پر بے شمار مسائل و مشکلات ہیں، دہشت گردی ،فرقہ واریت ، لسانیت اور صوبائیت کے عفریت ہر طرف منہ کھولے کھڑے ہیں،ابھی حال ہی میں پشاور کو پے درپے خود کش حملوں اور بم دھماکوں سے خون میں نہلایا گیا، یہ اور ان سے قبل کے تمام واقعات قابل صدافسوس ہیں ،اوپر سے ڈرون حملوں میں ہلاکتوں کے شکار معصوم بچوں اور خواتین کے غم سے دل خون کے آنسو رو رہا ہے،مذکورہ مصائب کے مختلف پہلوؤں پر آئے روز پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا میں بہت کچھ لکھا ، کہا اور پڑھا جا چکا ہے، امن مذاکرات کو سبوتاژ کرنے کے لئے پشاور چرچ دھماکہ کرایا گیا، غیر مسلم ''اہل ذمہ'' جو دارالاسلام میں رہائش پذیر ہوتے ہیں ،ان کے اہلِ اسلام پر کیا حقوق اور ذمہ داریاں ہیں، اس مناسبت سے ذیل کی سطریں پیش خدمت ہیں۔

دارالاسلام میں مقیم غیر مسلم یا تومفتوحہ علاقوں کے لوگ ہوتے ہیں یا وہ ہوتے ہیں جنہوں نے باقاعدہ معاہدہ کرکے دارالاسلام میں اقامت اختیار کی ہو، یہ معاہدہ جیسے کسی علاقے کے لوگ اجتماعی طور پر دارالاسلام کے حکمرانوں سے کرتے ہیں،ایسے ہی یہ بھی ممکن ہے کہ کوئی غیر مسلم فرد انفرادی طور پر

اس قسم کا معاہدہ کرے۔ دارالاسلام میں مستقل اقامت اختیار کرنے والے غیر مسلم کو، چاہے مفتوحین ہوں یا معاہدین، ہر دو صورتوں میں انہیں ذمی کہا جاتا ہے۔

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ عقد ذمہ مسلمانوں کے حق میں عقد لازم ہے، جبکہ غیر مسلموں کے لیے عقد غیر لازم ہے۔ عقد لازم کا مطلب یہ ہے کہ مسلمان اسے یکطرفہ طور پر ختم نہیں کر سکتے۔ امام کاسانی فرماتے ہیں: ''جہاں تک اس عقد کی صفت کا تعلق ہے، تو وہ ہمارے حق میں لازم ہے، چنانچہ مسلمان بلاجواز اسے کسی حالت میں نہیں توڑ سکتے، البتہ یہ عقد ان کے حق میں غیر لازم ہے، بلکہ فی الجملہ ٹوٹ جانے کا احتمال رکھتا ہے''۔ (بدائع الصنائع، کتاب السیر، ج 6، ص 82)۔ گویا انہوں نے اہل ذمہ کے لیے اسے بطور امر قانونی نہیں، بلکہ بطور امر واقعی غیر لازم قرار دیا ہے، یہ بھی واضح رہے کہ فقہاء کے نزدیک عقد ذمہ ''امانِ مؤبد'' ہے، یعنی مسلمان ہمیشہ کے لیے اہل ذمہ کے ساتھ نہ صرف امن سے رہیں گے، بلکہ ان سے جنگ نہیں کریں گے اور ان کی حفاظت بھی مسلمانوں کے ذمہ ہو گی، جب تک اہل ذمہ اپنی جانب سے اس معاہدے کو نہ توڑیں کیوں کہ مسلمان ان کے لئے ''اہل عصمہ'' ہیں۔

اہل ذمہ کو اپنے مذہب پر عمل کی اجازت ہوتی ہے، اور انہیں اپنا مذہب تبدیل

کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا، ان کے معابد کو نہیں ڈھایا جائے گا، البتہ جن شہروں کو "امصار المسلمین" قرار دیا گیا ہو، وہاں وہ نئے معابد تعمیر نہیں کر سکیں گے، لیکن دوسرے مقامات پر انہیں نئے معابد تعمیر کرنے کی اجازت دی جا سکتی ہے، بقول ڈاکٹر حمید اللہ آپ ﷺ نے یہود مدینہ کے ساتھ جو پہلا معاہدہ صلح کیا تھا اس میں بشمول دیگر امور کے یہ بھی طے کیا گیا تھا: "یہود کے لئے ان کا دین اور مسلمانوں کے لئے ان کا دین" (میثاقِ مدینہ)۔ نیز نجران کے عیسائیوں کے ساتھ آپ ﷺ کے معاہدے میں یہ بھی تھا:۔ "ان کے کسی معبد کو نہیں ڈھایا جائے گا، ان کے کسی پادری کو نہیں نکالا جائے گا، ان پر ان کے دین کی تبدیلی کے لیے جبر نہیں کیا جائے گا، یہ معاہدہ جب تک برقرار رہے گا جب تک وہ نئی کوئی بات نہ نکالیں یا سود نہ کھائیں" (سنن ابی داؤد، حدیث نمبر 2644)، مگر اسلامی فقہ کی رو سے سود کی اجازت کسی بھی حال میں مسلمان تو کجا انہیں بھی نہیں دی جائی گی۔ امام ابو یوسف نے سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ کے اہل حیرہ کے ساتھ کیے گے معاہدے کی جو شقیں نقل کی ہیں، ان میں بشمول دیگر امور کے یہ بھی کہا گیا تھا: " ان کے کسی معبد یا کلیسا کو نہیں گرایا جائے گا، نہ ہی ان کے محلات اور قلعوں میں سے کسی محل یا قلعہ کو گرایا جائے گا، ان کے کلیساؤں کو گھنٹیاں بجانے یا عید کے دن صلیب نکالنے سے منع نہیں کیا جائے گا"۔ امام نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے کئی معاہدات بھی نقل کیے ہیں، جن میں اس طرح کی شقیں شامل تھیں، بعض میں یہ صراحت کی گئی تھی: " ان پر

ان کے دین کی تبدیلی کے لیے کوئی زبردستی نہیں کی جائے گی، نہ ہی ان میں کسی کو نقصان اور ضرر پہنچایا جائے گا:.....نہ ہی ان پر ان کے قوانین کے اطلاق میں کوئی رکاوٹ ڈالی جائے گی"۔ البتہ غیر مسلموں سے توقع کی جاتی ہے کہ: " وہ مسلمانوں کی نمازوں کے اوقات کا لحاظ رکھیں گے، اور نمازوں کے اوقات کے ماسوا جس پہر میں چاہیں اپنی گھنٹیاں بجا سکتے ہیں"۔ بعض معاہدات میں یہ تصریح بھی کی گئی: " ان کے تاجروں کو دارالاسلام میں اور ان علاقوں اور ملکوں میں جن کے ساتھ مسلمانوں کا معاہدہ ہوا ہو، تجارت میں مکمل اجازت ہو گی، چنانچہ فرماتے ہیں کہ "ان کے تاجروں کو اجازت ہے کہ جن علاقوں میں ہم نے صلح کی ہے، ان میں جہاں جانا چاہیں جا سکتے ہیں"۔ (کتاب الخراج، ص 154)۔ آپ ﷺ نے بھی مختلف پیرایوں میں اس حقیقت کو واضح کرکے فرمایا: "جس نے معاہدہ کرنے والی کسی جان کو قتل کیا، تو وہ جنت کی خوشبو نہیں پا سکے گا، اور اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت سے بھی پائی جا سکتی ہے"۔ (احمد19601)۔ ایک اور جگہ فرمایا: " خبردار، جس کسی نے کسی معاہد پر ظلم کیا، یا اس کے بارے میں حق تلفی کی، یا اس پر اس کی طاقت سے زیادہ ذمہ داری ڈالی، یا اس سے اس کی رضامندی کے بغیر کوئی چیز لی، تو میں قیامت کے دن اس کے خلاف اور معاہد کے حق میں کھڑا ہونگا"۔ (ابوداؤد، 2654)۔ فتح خیبر کے موقع پر آپ ﷺ نے جن چیزوں کی حرمت کا اعلان کیا تھا ان میں: "معاہد کی گری پڑی چیز کے اٹھا لینے کا بھی ذکر تھا"۔ (ابوداؤد3310)۔

مگر ایسی جگہوں پر ہر نئے معابد کے تعمیر کی اجازت نہیں ہو گی ،جہاں مسلمان اپنے مذہبی اجتماعات منعقد کرتے ہوں،امام ابو یوسف اور دیگر فقہاء نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ذکر کیا ہے :''جن شہروں کو عربوں اور اہل اسلام نے آباد کیا ہو،وہاں ذمیوں کو اپنے معابد تعمیر کرنے ،گھنٹیاں بجانے ،شراب پینے، اور خنزیر پالنے کی اجازت نہ ہو گی۔البتہ وہ شہر جن کو انہوں نے خود آباد کیا ہو،اور پھر اللہ تعالیٰ نے اسے عربوں کے لیے فتح کرادیا ہو،اور وہ وہاں آباد ہوں،تو ذمیوں کو معاہدے کے تحت تمام حقوق حاصل ہونگے، اور عربوں پر لازم ہو گا کہ وہ ان کے ساتھ کیے گے معاہدات پر عمل کریں''، (کتاب الخراج،احکام اہل الذمہ،ج2،ص121) ۔

امام کاسانی فرماتے ہیں :'' جہاں تک پرانے گرجا گھروں کا تعلق ہے ان کو نہیں چھیڑا جائے گا،یعنی ان میں مذہبی رسومات اور تہوار وغیرہ منانے کی انہیں اجازت ہو گی،نہ ہی ان میں کسی کو ڈھایا جائے گا،اگر ان گرجوں کی عمارت گر جائے ،تو انہیں اجازت ہو گی کہ وہ اسے دوبارہ تعمیر کریں، کیونکہ دوبارہ تعمیر کرنا پرانی عمارت کو برقرار رکھنے کے حکم میں ہے،پس جس طرح انہیں اجازت ہے کہ ان کو برقرار رکھیں ،اسی طرح انہیں اس کی دوبارہ تعمیر کی بھی اجازت ہے''۔ دوسری جگہ فرماتے ہیں :''ان کے گاؤں میں ،یا ایسی جگہ جو

مسلمانوں کے شہر نہ ہوں، ان میں شراب، خنزیر اور صلیب کے بیچنے یا گھنٹیاں بجانے سے منع نہیں کیا جائے گا، خواہ وہاں مسلمانوں کی بڑی تعداد موجود ہو، یہ کام صرف مسلمانوں کے شہروں میں ناپسندیدہ ہیں"۔ (بدائع الصنائع، ج6 ص80_84)۔

نجران کی جغرافیائی پوزیشن انتہائی اہم تھی ، اس کے ایک طرف جزیرۃالعرب کے حجاز کا علاقہ تھا، تو دوسری طرف بحر احمر کے پار حبشہ (ایتھوپیا) کی عیسائی سلطنت تھی ، وہاں بغاوت کے آثار بھی رونما ہوئے تھے ، کیونکہ انہوں نے جنگ کے لئے باقاعدہ تیاریاں شروع کردی تھیں ، ابن الاثیر کی روایت کے مطابق انہوں نے چالیس ہزار جنگجو اکٹھے کرلیے تھے ، نیز انہوں نے کھلے عام سودی لین دین شروع کردیا تھا، جو نہ صرف اس معاہدے کی خلاف ورزی تھی، جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کیا تھا، بلکہ یہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت کا اقدام بھی تھا، اس نازک ترین موقع پر خلیفۂ ثانی سیدنا عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمان جاری کرکے ان لوگوں کو یمن کے نجران سے عراق کے نجران کو منتقل ہونے کا حکم دیا : "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔ یہ وہ فرمان ہے جو امیر المؤمنین عمر بن خطاب نے اہل نجران کے لئے لکھوایا ہے ، ان میں جو معاہدے پر قائم رہا، تو وہ اللہ تعالی کی امان میں ہے ، اسے مسلمانوں میں سے کوئی بھی نقصان نہیں پہنچاسکے گا، کیونکہ ان پر لازم ہے کہ وہ ان معاہدات کی پابندی کریں، جو رسول اللہ ﷺ اور

ابو بکرؓ نے اہل نجران کے ساتھ کیے ہیں، شام اور عراق کے حکام میں جس کے پاس یہ جائیں وہ ان کو قابل کاشت زمین عطا کریں، جس زمین میں یہ کاشت کریں، وہ ان کے لئے اللہ کی رضا کی خاطر صدقہ اور ان کی اس زمین کا معاوضہ ہے، جو ان سے لی گئی ہے اس زمین میں ان پر کوئی دست درازی اور زیادتی نہ کی جائے، اگر کوئی مسلمان ان پر، ظلم ہوتا دیکھے، تو وہ ظالم کے خلاف ان کی مدد کرے، کیونکہ یہ وہ لوگ ہیں، جن کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے، ان کے آنے کے بعد چوبیس مہینوں تک ان کا جزیہ معاف ہے، ان سے وہی کام لیا جائے گا، جو یہ کر سکتے ہیں اور اس سلسلے میں ان پر کوئی ظلم اور زیادتی نہیں کی جائے گی۔ عثمان بن عفانؓ اور معیقیب اس معاہدے پر گواہ ہوئے اور یہ دستاویز لکھی گئی"۔ (مزید تفصیل کے لئے جہاد، مزاحمت اور بغاوت، ص545_ 587)

۔

اب ان واضح اور دو ٹوک فرامین واحکامات کی روشنی میں کوئی بھی مسلمان، غیر مسلم ذمیوں کے ساتھ کیسے کوئی زیادتی یا ان پر ظلم کرسکتاہے، یہ ایک طرف تو قرآن وسنت اور پیغمبر ﷺ وصحابہ کے ارشادات کی صریح خلاف ورزی ہوگی، تو دوسری طرف اس کا خمیازہ ان مسلم اقلیات کو بھگتنا پڑے گا، جو غیر مسلم ملکوں میں کروڑوں کی تعداد میں آباد ہیں، عالمگیریت کی اس دنیا میں کوئی یہ بھی نہیں کہہ سکتا کہ وہ مسلمان وہاں سے ہجرت کیوں نہیں کرلیتے، موجودہ دور کے عالمی صورت حال پر نگاہ رکھنے والے اچھی طرح جانتے ہیں، کہ اب یہ کسی بھی طرح

ممکن نہیں رہا، اسلام ایک پر امن مذہب ہے، جنگ وجدل نہ چاہتے ہوئے بامر مجبوری اس کے ماننے والے اختیار کرتے ہیں، یہ اور بات ہے کہ جب جنگ سے پالا پڑ جائے، تو ان کو فولاد اور سیسہ پلائی ہوئی دیوار بنا پڑتا ہے، حقیقت میں اسلام میں جہاد برائے امن و اسلامتی ہے، جیسے قصاص ناحق قتل وقتال کے روکنے کا ضامن ہے، یا اسلحہ برائے کا جو نیا تصور ہے بالکل اسی طرح، بہر حال اہل ذمہ کے حقوق اسلام میں اہل اسلام ہی کی مانند ہیں، بلا معقول وجہ ان سے کوئی بھی تعرض اسلامی اخلاقیات، احکام اور آداب کے خلاف ہے۔

حج معاشرتی آداب کا ایک کورس

پچھلے سال سفرِ حج میں پی آئی اے کے ذریعے دیارِ مقدسہ جانے کا اتفاق ہوا، ہماری سیٹیں فرسٹ کلاس میں تھیں، جہاں کپتان کی آمد ورفت بھی رہتی تھی، چار گھنٹے کے سفر میں مسلسل ایک ہی نشست سے ٹیک لگائے بیٹھنا بھی دشوار ہوتا ہے، کافی دیر تک تلبیہ اور ذکرواذکار میں مشغول رہنے کے بعد میں نے دیکھا کپتان ارشاد الحق میرے اوپر نگاہ مرکوز کئے چلے آیا، سلام دعاء کے بعد کہنے لگا، شیخ چلیئے، آپ کو کاک پٹ کا معاینہ کراتے ہیں، اللہ تعالی انہیں جزائے خیر دے، بہت تفصیل سے انہوں نے ہمیں کاک پٹ، جہاز رانی فضائی ماحول اور زمینی جغرافیا پر لیکچر نما معلومات فراہم کیں، پھر ٹی وی چینلز اور اخباری کالموں میں ہماری بعض گذارشات ونگارشات پر تنقید (لیکن برائے تعمیر) کا سلسلہ شروع کیا، کچھ دیر تک گفت وشنید کے بعد وہ کہنے لگے، شیخ، یہ کیا ممکن ہے کہ آپ حج، عمرہ اور زیارت حرمین شریفین کے آداب واحترامات کے متعلق اس سجی سجائی چھ سے سات سو آدمیوں کی کانفرس میں کچھ ارشاد فرمائے چنانچہ انہوں نے میرے خطاب کا اعلان کرتے ہوئے اپنا کاک پٹ والا مائک میرے کانوں میں لگادیا، میرے لئے زمین سے کئی ہزار میٹر اوپر جہاز میں خطاب ایک منفرد تجربہ اور خوشی کا موقع تھا، میں نے حمد وصلاۃ کے بعد یہ

معروضات پیش کیں۔

میرے عزیز ہم وطن وہم سفر ساتھیو! حق سبحانہ وتقدس کا شکر واحسان ہے کہ ہم میں سے کچھ حضرات وخواتین کو بار بار اور کچھ کو پہلی بار ’’ضیوف الرحمٰن‘‘ بننے کا شرف حاصل ہو رہا ہے :

کہاں میں اور کہاں ’’حجاز‘‘ کی منزل۔

کہاں سے کس جگہ لایا گیا ہوں۔

عزیزانِ مکرم، یاد رکھیئے ،اس مبارک سفر میں عرب قوم کا ہر حال میں احترام وادب ملحوظ رکھنا، کیوں کہ ہم عاشقان مصطفیٰ ﷺ ہیں اور عرب ان ہی کی قوم اور ان ہی کی طرف منسوب ہیں، یہاں سرزمین عرب کے ہر شجر و حجر اور نشان وعلامات کو مقدس سمجھئے، کہ اسی زمین کا حصہ قبلہ وکعبہ اور روضۂ رسولِ ﷺ ہیں، عرب زبان وادب کا خیال رکھنا، ہوسکے تو ان سے ان ہی کی زبان میں نَعَمْ نَعَمْ کرتے رہنا، کہ یہ اللہ تعالی کے آخری پیغام ،وحی، ،کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ ﷺ کی زبان ہے۔

عزیز دوستو! اسلامی فقہ کے مطابق مسلمان جس ملک میں بھی برضا ورغبت اور اپنی طلب پر جاتا ہے، وہ ملک خواہ مسلم ہو یا غیر مسلم ،اس کے قوانین آل

ریڈی اس پر لاگو ہو جاتے ہیں ، لہٰذا حجاز مقدس میں مملکت سعودی عرب کا جو بھی حکومتی سیٹ اپ ، سسٹم ، نظم وضبط اور قوانین ہیں ، اس کا لحاظ رکھنا بھی ہمارے لئے فرض کے درجے تک ضروری ہے۔ کسی بھی طرح قانون شکنی اور لا اینڈ آرڈر کے خلاف یا ان کی انتظامی رٹ کو دانستہ یا نادانستہ چیلنج کرنے سے خود گریز بھی کریں اور دوسروں کو بھی اللہ تعالیٰ کی دربار عالی شان میں حاضری کے آداب کی پاسداری پر آمادہ کرایا جائے ، حج وعمرہ اور زیارات کے فضائل ، مسائل ، اور احکام کا باہمی مذاکرہ اور اہل علم سے اس کے متعلق مراجعت کا اہتمام کیا جائے ، عجز وانکساری اور تواضع وخدمت شعار بنایا جائے ، تکبر ، غرور ، عجلت ، بداخلاقی بد تمیزی فحش گوئی، گناہ اور لڑائی جھگڑا کی قطعاً یہاں گنجائش نہیں ہے ، باری تعالیٰ کا ارشاد ہے : '' حج کے چند مشہور مہینے ہیں (شوال ، ذوالقعدۃ ، ذوالحجۃ) ، پس جو شخص ان مہینوں میں حج کی ٹھان لے ، تو دوران حج شہوت وفحش کی باتیں، فسق فجور اور لڑائی جھگڑا کی ہر گز اجازت نہیں ، اور نیکی کا کوئی بھی کام تم کروگے ، اللہ تعالیٰ کے علم میں ہوگا اور سفر حج کے لئے زادِ راہ لیا کرو، ہاں بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور مجھ ہی سے ڈرو اے عقلمندو ! حج کے ساتھ ساتھ تم اپنے رب کا فضل (کاروبار) بھی تلاش کرتے جاؤ تو اسکی بھی اجازت ہے'' (بقرہ : ۱۹۷۔ ۱۹۸) جنابِ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''جو حج میں فحش گوئی ، بد عملی اور دنگا فساد سے بچا ، وہ حاجی اپنے گھر گناہ سے ایسا پاک صاف لوٹے گا ، جیسے اس کی ماں نے آج ہی اسے جنا ہو''

ان دونوں آیتوں اور حدیث میں صراحت کے ساتھ بری باتوں ، برے اعمال اور جنگ وجدال سے سفر حج میں منع کیا گیا ہے ، پوری دنیا سے یہاں لوگ آئے ہوئے ہوں گے ، ان سے یا اہل عرب سے تجارت لین دین ، اور کاروبار کی مکمل اجازت دی گئی ہے ، اس سے استفادہ کرنے کی ضرورت ہے ، لیکن سیاست بازی ، تفرقہ بازی اور جماعت سازی کی یہاں اجازت نہیں ہے ، اللہ تعالی سب کو حجازِ مقدس ، حرمین شریفین ، مکہ ، مدینہ اور کعبۃ اللہ کے کماحقہ احترامات بجالانے کی توفیق نصیب فرمائے اور یہاں کے اس کورس میں جس عالم گیر انسانیت کے معاشرتی وسماجی آداب سیکھنے کی طرف لطیف اشارات ہیں اللہ کرے کہ ہم حج کے بعد اپنے وطن میں ان کو اپنی زندگیوں کا اٹوٹ انگ حصہ بنائیں ، تاکہ حج کے بعد ہماری معاشرتی زندگی دوسروں کے لئے ایک نمونہ اور آئیڈیل ہو ۔

بچاااووؤ۔۔بچااااوووؤ۔۔بچاااااوووؤ۔۔۔۔۔

انتہا پسند قوتیں اگر کسی کے اشاروں پر ہیں، تب بھی خطرہ ہیں ،اگر ان کی جغرافیائی ، فکری یا انتظامی محرومیاں ہیں،تب بھی ،اگروہ نا سمجھ ہیں ،تب بھی ، مذکرات کے عمل کو پہلے سوات میں جعلی ویڈیو سے متاثر کیا گیا تھا، حالانکہ امن معاہدہ ہوچکا تھا. لال مسجد والوں نے ہتھیار پھینکنے کا اعلان کردیا تھا، مگر پرویز مشرف کی رعونت آڑے آئی ، اکبر خان بگٹی اصحابِ کہف کے مانند ایک غار میں چھپے تھے ، لیکن اسے قتل کرکے بلوچوں کو حال اور مستقبل میں ملک کے خلاف .برآنگیختہ کرنے کا ایک ''عذرِ بارِد'' مہیا کیا گیا،یا بہانہ تراشا گیا، کراچی کے مہاجروں کو کسی زمانے میں پیپلز پارٹی کے خلاف اور سند ھودیش کے نعرے کو پسپا کرنے کے لئے لسانی بنیادوں پر منظم کیا گیا، جس سے بے شمار ہلاکتیں تو ایک طرف ، پورا ملک خطرے میں پڑگیا، پھر چین کے ساتھ گوادر معاہدہ ،ایران سے گیس پائپ لائن اور افغانستان میں سوویت یونین کے خلاف جہاد، بعد میں افغان طالبان کے خلاف فرنٹ لائن کا کردار ، یہ سب ہمارے مسائل ہیں ، ان مسائل کو ٹھنڈے دل کے ساتھ سلجھانے کی ضرورت ہے ،ماضی کو بھلاکر مستقبل کی فکر اور منصوبہ بندی کرنے کی حاجت ہے ،پرسوں.بروز جمعرات ملک کے چاروں صوبوں کے مراکزِ حکومت میں بم دھماکے کسی طاقت ور دشمن کی چال ہے ، ہمارے مذکورہ مسائل کی وجہ سے دشمنوں

کو میدان میں کام کرنے کے لئے نیز مہنگائی اور غربت کی وجہ سے ہمارے ہی لوگوں کا اغیار کو میسر آنا کوئی مستبعد بات نہیں ہے، بیٹے کو جب ''عاق'' قرار دیا جائے، یا باپ مارے اور چچا گھر سے نکال دے، تو مد مخالف کی صفوں میں اس کا چلا جانا ایک فطری عمل ہوتا ہے، ہم دن رات اپنے اڑوس پڑوس اور اپنے معاشرے میں اس کا مشاہدہ کرتے ہیں ۔۔ابھی حال ہی میں مصری فوج نے ''رابعہ عدویہ'' کے میدان میں جس طرح اخوانیوں کا بے تحاشا خون بہایا ، اس کے مضر اثرات مصر پر دیر تک پڑتے رہینگے کسی کے ساتھ جبر وزیادتی سے قبل سو بار سوچنا چاہیئے، کہ آج اگر کوئی طاقت ور ہے، تو کل کمزور کے ہاتھ میں کہیں سے بھی طاقت آسکتی ہے ،جس کا خمیازہ نسلوں کو برداشت کرنا پڑتا ہے ۔بنگلہ دیش میں ہمیں گرم کے بجائے نرم پہلو اختیار کرنا چاہیئے تھا لیکن اس وقت کے دانشوروں (جن میں اکثر بکے ہوئے ہوتے ہیں) نے ایسا نہیں ، ہونے دیا اور ایک بازو نہیں، آدھا جسم الگ ہوا۔

موجودہ عالمی صورت حال پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے ، کہ '' شر ''کی قوتیں ہمیشہ سے اسلام ، مسلمانوں اور منبع اسلام یعنی عالم عربی کے خلاف انتھک کوششیں کرتے آئے ہیں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے بدولت وہ اسلام اپنی حقانیت ، دلیل ، اور منطق سے اب ان کے ، گھروں اور سوسائٹیز میں داخل ہوچکا ہے ،جس سے یہ شیطانی قوتیں خائف ہیں ، اس لئے یہ لوگ مسلم ممالک کے خلاف چالیں چلاتے

ہیں۔اس وقت دنیاکے قانونی نقشے پر ان چیرہ دستوں کی وجہ سے ''عالم عربی '' مفقود ہے ، اس کی جگہ ''شرق اوسط'' نے لی ہے ، ''گریٹر شرق اوسط''کے جو نقشے سامنے آئے ہیں ،ان میں ''عالم اسلام'' مفقود ہے ، ان نقشوں میں ایک اسلامی اقلیم شام'' بھی مفقود ہے ، وہاں اب پانچ ملک سوریا ، لبنان ،اردن ، اسرائیل اور مقبوضہ '' فلسطین کی اصطلاحات بطور الگ الگ شناخت سامنے آئی ہیں ، gcc (گلف کوآپریشن کونسل) نے جب مجلس التعاون للخلیج العربی نام رکھا ،ایران کی طرف سے اقوام متحدہ میں ان پر اعتراض کرایا گیا ، کہ یہ خلیج عرب ہے ، یا خلیج فارس؟ نتیجے میں خلیجی ریاستوں کو صرف ''خلیج'' تعاون کونسل نام رکھنا پڑا۔ سرآغاخان مرحوم کے اصرار کے باوجود پاکستان میں مسلم رابطے کی زبان ''عربی'' کے بجائے اردو کو قومی زبان بنایاگیا ،ترکی میں بھی یہی ہوا ، سینٹرل ایشیا ،جہاں سے تفسیر وحدیث کے ائمہ اٹھے روسی زبان واصطلاحات پر مجبور ہوئے ۔۔فرقہ واریت ، لسانیت اور علاقائیت ہمارے ، اپنے مسائل نہیں ہیں ، بلکہ یہ طویل ''سازشی دخیل'' مسائل ہیں ۔ہر حوالے سے حزم واحتیاط کی ضرورت ہے ، اسلامی ممالک اور بالخصوص پاکستان کے خلاف خطرناک اور تباہ کن تانے بانے بُنے جارہے ہیں ،ایٹمی ہتھیاروں کے بین الاقوامی چوھدری ہمارے پاس عزت وتفاخر کا یہ زیور دیکھنا نہیں چاہتے ، مصر نے کوشش کی تھی ، تباہی کا سامنا کرنا پڑا ، لیبیا نے بدستِ خود حوالے کئے ، عراق کواس کے لئے تہس نہس کیاگیا، شام میں خوں ریز اور مہیب جنگ کرواکر ان سے کیمیائی ہتھیار

چھین لئے گئے۔ ایران کے سینے پر اقتصادی بائیکاٹ کا اتنا بڑا پہاڑ رکھا گیا ہے، کہ ”نہ جائے ماندن، نہ پائے رفتن“ کی کیفیت ہے، اب وہ بھی سوریا کی طرح ایٹم بم سے دست بردار ہونے کا اعلان کرچکا ہے، حزب اللہ کو فرقہ واریت کا ایسا طوق پہنایا گیا کہ وہ عالم اسلام میں ”ہیرو“ سے زیرو پر آگئے۔

یہاں ہمارے ملک عزیز وخداداد اور ایک عطیہ الٰہی کے خلاف یہی سازش ہورہی ہے 2014 میں جب امریکن فورسز افغانستان سے چلی جائیں گی تو طالبانِ افغانستان مستحکم ہوں گے، ان کے استحکام اور رپڑوس سے ہمارے یہاں کے اس گروہ کا مستحکم ہونا ایک منطقی امر ہے، ایسے میں اگر جلدی سے ان کے ساتھ مذکرات نہ کئے گئے، تو سوریا کا ”سیناریو“ اور منظر سامنے آنے کا خدشہ قوی تر ہے، ایسے میں خانہ جنگی کی صورت برپا کرکے، خون خرابہ کرکے، اداروں کو غیر مستحکم بناکر، اقتصاد کو تباہی کے دہانے پر لے جاکر، بجلی، گیس اور پیٹرول مہنگا کرکے، انارکی پھیلاکر حکمرانوں سے کہا جائے گا کہ اسلام کو تم نہیں سمجھے، یہ امن وسلامتی کا مذہب ہے، اس کا مہلک ہتھیاروں سے کیا تعلق ہے، خمینی صاحب نے بھی تو اسے حرام قرار دیا تھا، اسی لئے تو ایران اور شام نے ہاتھ کھڑے کئے، بنابریں آپ بھی ہاتھ اٹھاکر تسلیم ہوجائیں، ہم آپ کی حفاظت کے لئے موجود ہیں، میڈیا اور خودساختہ دانشوروں کے شکار عوام وخواص

ان کی ہاں میں ہاں نہیں ،شاہ سے زیادہ شاہ کے وفادار بن جائینگے ،یوں آپ کے منھ سے دانت نکال کر پھینکنے کا عمل تمام ہوجائے گا۔

آج کے ان لمحات کی خطائیں صدیوں تک ہمیں سزائیں دیتی رہینگی ، ہماری نسلیں ہم پر نفریں کریں گی ، یہی وجہ ہے کہ پاکستان.بزبانِ حال نہ کہ.بزبانِ قال اپنے فرزندوں کو پکار رہاہے : نسلی ، فرقہ وارنہ ، خونی ، صوبائی اور جماعتی تعصّبات کے خولوں سے باہر آکر مجھے بچالو، میں تمھارا مادر وطن ہوں، میری آغوش میں تم سب کو امان ، سلامتی خوشحالی اور پیار ہے، مجھے بچاااااوووؤ۔۔۔ بچااااااوووووؤ۔۔۔ بچاااااااوووووووووؤ.

۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

لبنان پر ایک نظر

پچھلے دنوں ہمارے دوکالم ”عالم عربی کاایک سفر“اور”بیروت کی یادیں“روزنامہ اسلام میں اسی ادارتی صفحے پر شائع ہوئے ۔ای میل، فیس بک، فون اورایس ایم ایس کے ذریعے پذیرائی کااندازہ اوراس موضوع پر مزید لکھنے کامطالبہ بھی ہوا،چنانچہ ہم نے اپنے دوستوں اور قارئین کے لئے حضرت علی میاں مرحوم ومغفور کی ۱۹۷۳ء کی تصنیف ”دریائے کابل سے دریائے یرموک تک“کے ایک حصے کاانتخاب کیاہے، موجودہ حالات سے منطبق کرنے کے لئے کچھ کمی بیشی ،تقدیم وتاخیراور تغیر واضافات کا سہارا بھی لیاگیا ہے۔میاں صاحب رقمطراز ہے:

لبنان اور اس کے دارلحکومت بیروت پر چوتھائی صدی تک فرانس حکمراں رہا ہے ،فرانس یورپ کے ملکوں میں سب سے متمدن اور ترقی یافتہ ملک، اور فرانسیسی معاشرہ یورپ کا سب سے زیادہ نازک مزاج، تنعّم کیش اور ہر چیز میں آزادی کا دلدادہ رہا ہے ،ان تمام اسباب کی بناء پر لبنان وبیروت کو مغربی تہذیب کی تقلیداور ہمرکابی میں سب سے نمایاں درجہ حاصل ہے۔

دوسری طرف اپنے سیاسی اور اقتصادی اغراض ومفادات کے ماتحت امریکا نے اس ملک

میں اپنا اثر ورسوخ قائم کرنے کی پوری پوری کوشش کی ،اس لیے کہ اس کا مرکز یعنی بیروت مشرق کا دروازہ، عالم عربی کا قدرتی منفذ اور وہ تنہا عربی شہر ہے ،جس پر عیسائی چھاپ گہری ہے، چنانچہ امریکہ نے بیروت میں بڑے بڑے ادارے قائم کیے ،زرِ دست منصوبے تیار کیے اوران کو تکمیل کا جامہ پہنایا ،بیروت کی امریکن یونیورسٹی (الجامعۃ الامریکیۃ) آج بھی مشرق عربی کی عظیم ترین یونیورسٹی تصور کی جاتی ہے، جس نے عربی فکر وادب پر گہرا اثر ڈالا ہے، اور عرب کے علمی حلقوں میں اس کے اساتذہ اور فضلاء کو خاص مقام اور رسوخ حاصل ہے۔

بیروت مشرقِ عربی کا سب سے بڑا سیاحتی شہر ہے، سیاحت اس کی آمدنی کا اہم ترین ذریعہ ہے، جس پر اس کی معاشیات کا بڑی حد تک دارومدار ہے، سیاحتی شہروں کا ایک خاص مزاج ہوتا ہے ،ان شہروں میں تفریح اور لذت اندوزی کیلئے ہر طرح کی چھوٹ دے دی جاتی ہے ،اوران چیزوں میں بھی کوئی حرج نہیں سمجھا جاتا ،جو اکثر معاشروں میں انسانیت اور شرافت کے منافی شمار ہوتی ہیں، چنانچہ جس وقت عرب راجدھانیاں بادِ سموم کے تند جھونکوں کی لپیٹ میں ہوتی ہیں، بیروت رعنائی وجمال کے سمندر میں غرق اور دولت وثروت کے جھولے میں جھولتا ہوتا ہے۔مشہور لبنانی ادیب امین الریحانی نے اپنے ایک مضمون میں لبنان کے کیپیٹل ایریا (بیروت) کا بہترین نقشہ کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:

بیروت تمدن کی ایک نعمت بھی ہے ،اور تمدن کی ایک لعنت بھی ، بیروت ایک مشرقی) موتی ہے ،جو تانبے کی مغربی طشت میں رکھا ہوا ہے ، صبح کے وقت ملکہء مشرق کے پاؤں کا پازیب اور غروب کے وقت ملکہء مغرب کی کلائی کا کنگن ، بیروت کیچڑ میں پڑا ہوا درنایاب ہے، جس پر بجلی کی کرنیں شرماتی ہوئی پڑتی ہیں ، بیروت ایک مرجان ہے جو ایک ایسے ساحل پر ہے ،جس کا سونا ریت میں جس کی چاندی کیچڑ میں مل گئی ہے ، ۔۔۔۔۔۔۔بیروت پیرس کی ایک کنیز ہے ، بیروت ایک ماہتاب ہے جس پر مغرب کی روشنی منعکس ہوتی ہے تو مشرق کو منور کرتا ہے ، اور مغرب کی تاریکی بھی منعکس ہوتی ہے، جو مشرق کی تاریکی میں اضافہ کردیتی ہے ، بیروت علوم کا سرچشمہ اور خرافات کا گڑھ ہے) یہ ذہن میں رہنا چاہیے کہ امین الریحانی صاحب کا یہ مضمون آج سے تقریباًسو سال پہلے لکھا گیا تھا ،جب پورا اقلیمِ شام (آج کے پانچ
ممالک : سوریا، اردن، لبنان، فلسطین اوراسرائیل) خلافتِ عثمانیہ میں شامل تھا۔
جب بھی عرب ملکوں میں فوجی اور سیاسی انقلاب رونما ہوئے اور بہت سے زعماء اور مصلحین پر زمین تنگ ہو گئی ، انھوں نے لبنان میں پناہ لی اس لحاظ سے لبنان کو عالمِ عربی کا سوئزرلینڈ کہہ سکتے ہیں ،جہاں سیاسی پناہ گزینوں کی ایک بڑی تعداد مقیم ہے انہیں تصنیف وتالیف اور اپنے خیالات کی تبلیغ واشاعت کی مکمل آزادی حاصل ہے جو، بہت سے دیگر عرب ملکوں میں اور خود ان کے

اپنے ممالک میں بھی ناپید ہے، انہوں نے اپنی جائدادیں بیروت منتقل کر لیں، ان کو کاروبار میں لگایا، تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے نشر اشاعت کا میدان ان کیلئے موزوں تھا اس لیے اپنا سرمایا اس میدان میں لگایا۔۔۔۔۔بیروت میں مشرق کے زبردست عربی، پریس تھے اور ہیں، اس بناء پر اپنے ان دماغوں ،کام کرنے والے ہاتھوں اوراس کثیر دولت کے منتقل ہونے سے بیروت کو خاصا فائدہ ہوا،اور تصنیف وتالیف کی سرگرمیاں تیز ہو گئیں' کتب خانوں اور کتاب گھروں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہوگیا، مصنفین نے ہر سمت سے اس کا رخ کیا خصوصاً جب قاہرہ میں تصنیف وتالیف اور نشر واشاعت کا بازار سرد پڑااور آخر کار استعمار کی جانب سے اس پر پابندی عائد کی گئی تو بیروت نشرواشاعت کا سب سے بڑا مرکز بن گیا۔

لبنان کے ایک شہر ''صیدا''میں علماء کے اجتماع سے حضرت علی میاں یوں مخاطب ہے :

آج علماء کا یہ حال ہے کہ وہ بھی راحت طلبی کی دوڑ میں سب کے ساتھ مصروف ہیں اب ان کے درمیان اور ان ہم وطن وہم نسل افراد کے درمیان کوئی امتیاز باقی نہیں، رہا،اس لیے معاشرہ بھی انہیں اس نگاہ سے دیکھنے لگا جس نگاہ سے وہ عوام کو دیکھتا ہے، اور اب لوگوں کے دلوں میں علماء کی نصیحت یا تنقید کی وقعت نہیں پیدا ہوتی ۔۔۔ دعوت و تبلیغ کے لیے نہایت ضروری ہے کہ علماء اپنے کھوئے ہوئے مقام کو حاصل کریں ،اپنا اعتبار اور اپنی دینی اور

اجتماعی قیمت کا شعور پیدا کریں، اصلاح و تجدید کی تاریخ میں ہم نے دیکھا ہے کہ جب بھی اسلام اور مسلمان کسی زبردست بحران سے دو چار ہوئے ہیں، ہر طرف ناامیدی اور بے یقینی کے بادل چھا گئے ہیں، ایک عالم نمودار ہوا، اصلاح وجہاد کے میدان میں آیا، حالات کو چیلنج کیا اور تاریخ و واقعات کا رخ موڑ کر رکھ دیا، اسلامی عقائد کی سلامتی اور اسلامی شریعت کی عظمت کے تحفظ کا فرض انجام دیا، قوم کے جسم میں ایک نئی روح پھونک دی اور اسے ایک نئی زندگی بخش دی، یہ عمل ہم مسلسل دیکھ رہے ہیں امام حسن بصری سے شیخ عبدالقادر جیلانی تک، ابن تیمیہ حرانی تک، شیخ احمد سرہندی، اور اس صدی کے علماء ربانیین اور ائمہ مصلحین تک ہر زمانہ اور ہر صدی میں یہ ہوتا آیا ہے۔

لبنانی مسلمانوں کی سیاسی اور اجتماعی صورت حال ایک پیچیدہ اور مخصوص صورت حال ہے، جس کا اندازہ دوسرے ملکوں کے باخبر سیاستداں بھی آسانی سے نہیں لگا سکتے، جس شخص نے لبنان کا دورہ نہ کیا ہو اور وہاں کے حالات پر دقت نظر سے غور کرنے کا موقع اس کو نہ ملا ہو تو وہ اس صورتِ حال کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا۔۔۔ ۱۹۲۰ء میں بیروت، سیر، طرابلس، صیدا، بقاع، حاصبیا، راشیا اور بعلبک کا انضمام عمل میں آیا، جبل لبنان کو نئی جمہوریہ کی اساس وبنیاد قرار دیا گیا، ۱۹۳۲ء میں فرانسیسی حکومت نے مردم شماری کرائی، اس کے پیچھے

سیاسی اغراض کارفرما تھے ،دراصل فرانس کا مقصد یہ تھا کہ ملک کے باشندوں کی تعداد میں ایک مذہب کے ماننے والوں کو دوسروں پر فوقیت دی جائے ۔اس کے ساتھ ساتھ ایک افواہ یہ بھی پھیل گئی کہ فرانس کا مقصد اپنی نوآبادیات میں فرانسیسی فوج میں جنگ کیلئے جبری بھرتی ہے ۔اور مسلمان اس سے بچتے تھے ،مسلہ کی پیچیدگی میں اس سے اور اضافہ ہوگیا کہ وہ شام کی تقسیم کے مخالف تھے ۔

ان تمام اسباب کی بناء پر مسلمانوں نے مردم شاری سے کلی فرار اختیار کیا، نتیجہ ظاہر تھا چنانچہ اس پر فریب مردم شاری سے عیسائیوں کی اکثریت ثابت ہو گئی ، اور لبنان کے، حکام نے بعد میں دوسری صحیح اور مکمل مردم شاری کرانے سے انکار کر دیا ،اور آج بھی اس کیلئے آمادہ نہیں ، اس مردم شاری کی بنیاد پر قومی دستور مرتب کیا گیا، عہدوں اور پارلیمنٹ کی نشستوں کی تقسیم انجام پائی اور یہیں سے اس عرب اسلامی ملک میں مسلمانو ں کی حیثیت اور مستقبل کا تعین ہوا ،اور وہ یہ کہ مسلمان تعداد میں اکثریت کے باوجود اپنے وطن میں اقلیت کی حیثیت سے زندگی گزاریں گے ،معاملہ کی سنگینی اس سے اور بڑھ جاتی ہے کہ غیر مسلموں کو لبنانی قومیت پوری فیاضی سے دی جا رہی ہے ، اوراس طرح ان کے سیاسی مستقبل کا تحفظ کیا جا رہا ہے ، فرانس جب لبنان کو چھوڑ رہا تھا اس نے)حکومت عیسائیوں کے مارونی فرقہ کے سپرد کی اور ایک ایسا دستور

وضع کیا گیا، جس کی رو سے ساری طاقت صدر جمہوریہ کے قبضے(CONSTITUTION) میں ہوتی ہے اور وہ ہمیشہ عیسائی ہوتا ہے۔ان کو سب سے زیادہ اختیارات دیئے گئے ہیں، وہ کسی کے آگے جوابدہ نہیں ہوتا،اور وزیر اعظم کو جس کے متعلق دستور میں ہے کہ وہ ہمیشہ مسلمانوں میں سے منتخب کیا جائے گا، صدر جمہوریہ ہی مقرر کرتا ہے، وزیر اعظم پارلیمنٹ کے سامنے جوابدہ ہوتا ہے، اور پارلیمنٹ جب چاہے اس کے خلاف اور اس کے وزراء کے خلاف عدم اعتماد کی تجویز پاس کر سکتی ہے ، وزیر اعظم کے پاس مخصوص اختیارات بھی کچھ نہیں ہوتے، حقیقت یہ ہے کہ وہ صدر جمہوریہ کا ہیڈ کلرک ہوتا ہے۔

یہ تو دستور ہے، جو تحریری شکل میں ہے اور جو لبنانی مسلمانوں کے ساتھ پورا انصاف نہیں کرتا، اس کے علاوہ وہاں ایک اور دستور بھی ہے، جو کہیں تحریری شکل میں موجود نہیں ہے، وہ ہے وہ طریقہ جس کو لبنانی جمہوریہ اپنائے ہوئے ہے، ان دستوروں میں نمایاں تضاد پایا جاتا ہے، چنانچہ کلیدی عہدوں پر غیر مسلموں کی اجارہ داری ہے، ترقیاتی پروگراموں ، مدارس ، ادارے اور وظائف وغیرہ کے مستحق صرف غیر مسلم علاقے ہوتے ہیں ، اخلاق واقدار سے انحراف اور یکساں سول کوڈ کی دعوت مزید برآں جس کی اس ملک کی زندگی میں بہت اہمیت ہے ، تعطیل کے ایام حکومت نے جمعہ کے بجائے سنیچر اور اتوار مقرر کیا ہے، حکومت کی سفارشات میں سے ہے کہ ملازمت کی بنیاد فرقہ وارانہ نہ ہو

ان اسلامی علاقوں کو جہاں مسلمان اکثریت میں ہیں ترقی کے مواقع سے محروم رکھا، جاتا ہے، اسی طرح جن مسلمانوں نے کسی وجہ سے لبنان چھوڑ دیا تھا، ان کو لبنانی قومیت حاصل کرنے میں دشواریوں کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

اوپر کے سطور میں یہ اشارہ گزرا ہے کہ غیر مسلم طاقتوں نے لبنان میں مسلم عرب اکثریت کو بے اثر و بے دخل بنانے اور مسیحی فرقہ کو اس علاقے میں دائمی اقتدار عطا کرنے کیلئے منصوبہ بند طریقہ پر کام کیا اور سب کچھ ایک مکمل و مرتب اسکیم کے ماتحت تھا، حسن اتفاق سے ابھی حال میں اس کا ایک دستاویزی ثبوت ملا، یہ 1919ء کی ایک رازدارانہ تحریر ہے جو حکومت فرانس کی طرف سے عیسائی قائدین اور کارکنوں کی رہنمائی کیلئے مخفی طور پر تقسیم کی گئی تھی۔

مادر حکومت کی جانب سے اس کے مخلص فرزندوں کے نام۔"

!اے یسوع مسیح کے بیٹو

اے وہ جنہوں نے اپنے عقائد کے تحفظ اور دفاع کیلئے صدیوں تک ذلت و رسوائی کو برداشت کیا، اے شرفاء واطہار ! یہ دس نصیحتیں ہمیشہ یاد رکھئے:.

یہ وطن آپ ہی کے لئے وجود میں آیا،تاکہ آپ اپنا شیرازہ اکٹھا کر سکیں اور (1) تاریخی جنگ کے بعد اپنی آزادی سے متمتع ہو سکیں، آپ کو یقین کرنا چاہئے کہ عیسائی کے معنی لبنانی ہیں اور صحرا سے آنے والے عربوں کو صحرا واپس

جانا چاہئے۔

(2) ہم نے آپ کے لئے وہ تمام اہم انتظامات کر دیئے ہیں جو اس علاقہ میں آپ کی خوشحال زندگی کے ضامن ہیں، مثلاً ملکیت اراضی، غیر ملکی ایجنسیاں، سیاسی صورتحال امورِ زر، اب آپ کا یہ فرض ہے ان مفادات کا تحفظ کریں اور ان میں روزافزوں اضافہ کریں۔

(3) تفریح گاہوں اور سیاحتی انتظامات پر قبضہ کرنے کی کوشش کیجئے اور جب آپ اکثریت میں ہوجائیں تو عربوں کو ان کی بستیوں سے نکال دیجئے، بیروت کے علاوہ کسی دوسرے شہر میں جہاں مسلمان نہ ہوں ایک ریزرو بندرگاہ کی تعمیر ہرگز نہ بھولئے، جس وقت بھی موقع ملے اور حالات سازگار ہوں اس منصوبہ کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کیجئے۔

(4) طاقت کے تمام ذرائع اختیار رکھیئے، مثلاً جسمانی ورزش، اسلحہ اور نوجوانوں کی تنظیمیں، فوج سے دلچسپی لیجئے، اپنی بات پوشیدہ رکھئے، اپنے رفقاء پر اعتماد کیجئے اس لئے کہ دشمنوں کے ساتھ معرکہ بہت طویل اور مسلسل ہے۔

(5) ادبی قیادت کی زمام اپنے ہاتھ میں لیجئے، مثلاً کتابوں کی اشاعت اور تمام انجمنوں اور اکیڈمیوں پر آپ کا قبضہ ہو، ہرگز یہ تسلیم نہ کیجئے کہ آپ کی زبان کا سرمایہ تنہا مسلمانوں کی ملکیت ہے، اور بغیر کسی رورعایت کے ان تمام افکار واشخاص سے جنگ کیجئے جو آپ کے رجحانات کی مخالفت کرتے ہیں۔

اپنے باہمی اختلافات کو نظری اور سطحی حد سے آگے نہ جانے دیجئے کیونکہ آپ کی (6) زندگی کا دار و مدار کافر دشمن کے مقابلے میں آپ کے اتحاد و یکجہتی پر ہے، اور آپ تو اس یسوع کے فرزند ہیں جس نے ہم کو محبت کا درس دیا ہے۔

دوسروں کے منصوبوں کا مطالعہ ہمیشہ کرتے رہیے اور ان کے ساتھ مل کر کام (7) کیجئے تاکہ اندرونی باتوں کا علم ہو سکے اور ضرورت کے وقت ان کی ظاہری تائید میں بھی کوئی حرج نہیں لیکن کلیسا اور اس کے سرداروں سے ہر شخص کا رابطہ استوار ہونا چاہئے اور اپنے مخلص آباء کے احکام کی نافرمانی نہ کرنی چاہئے۔

ہر بلند جگہ پر اپنے سروں کو اور اپنے شعائر کو بلند رکھئے اور یقین کیجئے کہ آزاد دنیا (8) کی تمام عظیم طاقتیں بہت جلد آپ کے ساتھ ہوں گی لیکن اپنا کام اس طرح کیجئے کہ گویا آپ کو اس تحریر کا قطعاً علم نہیں ہے۔

طبّی اور شخصی خدمات کے ذریعے عرب بادشاہوں اور سربراہوں سے قریب (9) ہونے کی کوشش کیجئے، یہ سہل ترین راستہ ہے، اس سے کام کا وسیع میدان ملے گا، بڑی دولت حاصل ہوگی اور ان ملکوں میں بھی گھسنے کا موقع ملے گا جن میں آپ کا داخل ہونا دشوار ہے۔

لبنانی قومیت کا معرکہ بہت اہمیت رکھتا ہے، بڑی ہوشمندی اور باریک بینی سے (10) کام لیجئے تاکہ اپنے اکثریتی حقوق کا تحفظ کر سکیں ورنہ تمام کوششیں

رائیگاں جائیں گی''۔

مسلم ممالک میں طاغوتی قوتوں کی سازشوں اور چیرہ دستیوں کا اندازہ لگائیے اور اپنے ملک کا خیال رکھئے۔

یہاں ہم علی میاں صاحب کا لبنان کے مفتی اعظم، وزیراعظم وزرائے مملکت، ممبرانِ پارلیمنٹ، عمائدین ملک، علماء، قضاۃ، ادباء اور مفکرین کو وہ تاریخی خطاب ''تہذیبوں کے سنگم اور عالمی اسٹیج پر مسلم قوم کا کردار'' پیش کرتے ہیں جو آج بھی یکدم تروتازہ ہے اور عالم اسلام کے موجودہ حالات میں روشنی کی ایک کرن ہے: ''خطبہ ء مسنونہ کے بعد: میں اپنی جانب سے رابطہ عالم اسلامی کے وفد کے ارکان اور اپنے رفیق محترم مشہور اسلامی مصنف، سعودی حکومت کی مجلس شوریٰ کے رکن، جامعہ ملک عبدالعزیز جدہ کے استاذ اور وفد کے ممبر استاذ احمد محمد جمال کی جانب سے حضرت مفتی اعظم کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں کہ آپ نے ہم کو لبنان کے قیام کے دوران اس اعزاز واکرام سے نوازا، میں خاص طور پر حضرت مفتی محترم کا اس لئے بھی مشکور ہوں کہ آپ نے ہمارے لئے اتنی بڑی منتخب جماعت سے ملاقات، تعارف اور گفتگو کرنے کا مبارک موقع فراہم کیا، جو لبنان کے مختلف طبقوں اور رجحانات کی نمائندگی کرتی ہے، اگر خود ہم ان تمام حضرات سے ملاقات کی کوشش کرتے تو کبھی کامیابی نہ ہوتی۔

! محترم حضرات

مجھے صورتحال کی نزاکت اور آپ کی عظیم ذمہ داری کا پورا احساس ہے ،آپ ایک ایسے ملک میں زندگی گزار رہے ہیں جو مختلف تہذیبوں ، ثقافتوں اور مختلف زبان وادب کا سنگم ہے، آپ کی ذمہ داری بہت عظیم اور آپ کا کام بہت نازک ہے،اور بڑی ذہانت،دور اندیشی، بیدار مغزی ضروری سوجھ بوجھ ، پیش بینی اور معاملہ فہمی چاہتاہے، اسی کے ساتھ ساتھ جس مذہب اور پیغام کے آپ نمائندے ہیں اس پر پختہ یقین واعتماد اور جن غلط فکری دھاروں سے آپ کا سامنا ہے ان کے مقابلے میں پورے ثبات واستقلال کی ضرورت ہے، اس عالمی اسٹیج پر جس کی طرف ساری دنیا کی نگاہیں لگی ہوئی ہیں آپ کو ایک تعلیم یافتہ مسلم اور حکیم وپختہ مومن کا کردار ادا کرنا ہے، آپ کا ہر عمل ہر قدم اور ہر رویہ ریکارڈ ہوتا ہے اور اسلامی تعلیمات اور اسلامی اصولوں کی نمائندگی سمجھا جاتا ہے۔

حضرات ! آپ دنیاکے سامنے ثابت کر سکتے ہیں کہ اسلام میں صلاحیت ہے میں نہیں کہوں گا کہ باقی رہنے کی ، میرے نزدیک زندہ رہنے کی صلاحیت اور بقاکے حق کی بھیک مانگنا کمتر درجے کی چیز ہے ، نہیں، بلکہ اسلام میں صلاحیت ہے ، قیادت کی ، انسانیت کی گلہ بانی کی ، ان مسائل کو حل کرنے کی جن سے دنیاکے

سارے مفکرین اور قانون داں پریشان اور عاجز ہیں اس طرح آپ اپنی دین کی ایسی خدمت انجام دیں گے جو کوئی قوم اور عرب بلکہ سارے عالم اسلام میں کوئی ملک بھی انجام نہیں دے سکتا اور حیران و مضطرب عرب دنیا اور عالم اسلام کے سامنے ایک قیادت پیش کر سکیں گے۔

! حاضرین کرام

آپ کی دوسری ذمہ داری یہ ہے کہ آپ کو مغربی تہذیب اور عصر حاضر کے چیلنج کا روبرو مقابلہ ہے ، جو بہت سی دوسری عرب اور مسلم اقوام کو نہیں ہے، آپ مغربی تہذیب کے بحر مواج میں ہیں، آپ ایک نازک آزمائش گاہ اور ایک علمیاتی تجربہ گاہ میں ہیں اور سارا عالم اسلام اس تجربہ اور آزمائش میں آپ کی سربلندی اور کامرانی کے لئے چشم براہ ہے۔

اگر اس رزمگاہ میں آپ فتحیاب ہوئے اور اپنا راستہ نکال لیا تو آپ کے دوسرے ہمسایہ عرب ممالک اور اسلامی ملکوں کے لئے بھی راہ کھل جائے گی، بلاشبہ یہ ذہانت وذکاوت کی آزمائش ہے ، ایمان ویقین کی آزمائش ہے ، بلند ہمتی اور اولوالعزمی کی آزمائش ہے، اور جن صلاحیتوں اور طاقتوں سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو نوازا ہے اور جو مواقع آپ کے لئے فراہم کئے ہیں ان کو دیکھتے ہوئے مجھے پوری امید ہے کہ اس امتحان میں آپ ، سرفرازی اور سربلندی سے ہمکنار ہوں گے

لبنان میں جو شب و روز ہم نے گزارے ہیں ان سے ہمارے حوصلوں کو بلندی اور امیدوں کو تازگی اور تقویت ملی ہے، اور جیسا کہ میں نے طرابلس میں کہا تھا، اس ملک میں آپ کے وجود کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سیلاب کے روکنے، اسلام دشمن عناصر سے نبرد آزما ہونے اور اس عجیب و غریب ملک میں اسلام کا علم بلند کرنے کا اہل اور حقیقی سزاوار سمجھا ہے آپ کو اس اعتماد اور اعزاز پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنا چاہئے ،اللہ آپ کو ہر مرحلہ پر ثابت قدم رکھے اور آپ کے دلوں کو اتحاد، اخوت اور یگانگت کے جذبات سے معمور فرمائے۔

حضرات ! میں نے مختلف تہذیبوں، ثقافتوں اور انسانی معاشروں کا جو محدود مطالعہ کیا ہے اس کی روشنی میں میں کہہ سکتا ہوں کہ زبان و مکان اور ماحول و متعلقات سے قطع نظر ،اسلامی تہذیب کو اگر مستثنیٰ کردیا جائے تو مغربی تہذیب سے زیادہ طاقتور، زود اثر اور اس سے زیادہ نفوذ و رسوخ رکھنے والی کوئی تہذیب آج تک نہیں پائی گئی، مغربی تہذیب انسانی معاشرے کے ہر گوشہ میں داخل ہو گئی، خیالات و جذبات پر غالب آ گئی زندگی کی قدروں کو بدل ڈالا، سوچنے اور سمجھنے کے انداز پر اثر انداز ہوئی، غرض انسانی، زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہیں رہا جس پر اس کا تسلط اور تصرف نہ ہو، وہ غریبوں کے خس خانوں میں بھی موجود ہے، اور امیروں کے نگار خانوں میں بھی۔

مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب دونوں چونکہ انسان اور انسانی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں اور انسان کے مسائل وضروریات سے بحث کرتی ہیں اس لئے کچھ نقطوں پر ان کا اتصال ہوتا ہے ، اور کچھ لفظوں پر ان کا افتراق ، بعض مواقع پر دونوں کا راستہ ایک ہوجاتا ہے اور بعض مواقع پر دونوں کے راستے مختلف ہوجاتے ہیں۔

بحیثیت مفکر اور اسلام کے محرم راز کے نیز چونکہ اس متضاد ملک میں آپ رہتے ہیں ، آپ کا فرض ہے کہ ان دونوں تہذیبوں کے درمیان ایک باریک اور واضح لائن کھینچ دیں جو فرق وامتیاز کا کام دے ان چیزوں کے درمیان جن کا اخذ کرنا مغربی تہذیب سے صحیح ہو اور جن کا اخذ کرنا صحیح نہ ہو ، بے حیائی ، بے پردگی اور جاہلی زیب وزینت کے درمیان اور اس پردہ اور احتیاط کے درمیان جس کا اسلام نے حکم دیا ہے ، لطف اندوزی اور کھیل کود کی اس حد کے درمیان جسے اسلام نے مباح قرار دیا ہے اور حدود وقیود سے بالاتر ہو کر اس نفس ورپرستی شہوت رانی اور حیوانیت کے درمیان جو اسلام میں ممنوع قرار دی گئی ہے، ایسی لائن جو باریک بھی ہو اور واضح بھی ، اتنی باریک بھی نہ ہو کہ ظاہر نہ ہو اور اس کو کوئی دیکھ نہ سکے، ایسے باریک خط سے کوئی فائدہ نہیں جو لوگوں کو دکھائی نہ دے، اور یہ لائن اتنی موٹی اور بھدی بھی نہ ہو کہ لوگوں کو گراں

گزرے، زندگی کے تقاضوں کو پورا کرنے میں حائل ہوجائے اور دشواری پیدا کردے، ایسی لائن جس پر ہر مسلمان جو اپنے دین پر ایمان رکھتا ہو اور اپنی شریعت کا احترام کرتا ہو، آکر رک جائے، اور اس کو پار کرنے کی جرات نہ کرے، ایسی لائن کسی بھی اسلامی ملک میں جس کا مغربی اور عہد حاضر کے فکری دھاروں سے مقابلہ درپیش ہے،

موجود نہیں ہے، چنانچہ ایک انتشار پیدا ہوگیا ہے، مسلمان اس تہذیب کے طور طریق اور علوم وافکار سے استفادہ کرنے میں تمام حدود کو پھلانگ گئے ہیں اور تعلیم یافتہ نوجوان بلکہ ارباب علم وفکر کا طبقہ بھی ''موجودہ صورتحال'' کے سامنے یکسر سپر انداز ہوگیا ہے، آپ کے لئے یہ خط کھینچنا زیادہ آسان اور زیادہ ممکن ہے، اس لئے کہ آپ ایسے ملک میں رہتے ہیں، جہاں مغربی تہذیب کا دور دورہ ہے اور جو اس تہذیب کو اپنانے میں بہت آگے جاچکا ہے، اس کی ساتھ ساتھ آپ (اس وقت میرا خطاب لبنانی دارالافتاء سے ہے) اسلامی روح اور اسلامی قانون کا وسیع اور عمیق علم رکھتے ہیں، میں آپ کے لئے دعا کرتا ہوں اور میری تمنا ہے کہ آپ اس کار عظیم کو بخوبی انجادم دیں اس لئے کہ اس کام کا ہماری زندگی اور مسلمانوں کے مستقبل پر بہت گہرا اور ہمہ گیر اثر ہوگا۔

!حضرات علمائے کرام

آپ کی تیسری ذمہ داری میرے نزدیک یہ ہے کہ آپ جس معاشرے میں زندگی گزار رہے

ہیں ، اس کے سامنے ایسی چیز پیش کیجئے جو اس کے پاس نہیں ہے، آپ اس خلا کو پر کیجئے جو بہت دنوں سے پیدا ہوگیا ہے، علم وثقافت ، تہذیب وتمدن، اشکال ومظاہر اور عیش وطرب کی زیادتی نے اس معاشرے کو مرض تخمہ میں مبتلا کردیا ہے اور انسان کی فطرت ہے کہ وہ اس چیز کی قدر کرتا ہے جو اس کے پاس موجود نہیں ہوتی اور اس شخص کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے جس کے پاس یہ چیز ہوتی ہے تو یہ ترقی یافتہ معاشرہ جو علم وتہذیب کے نقطہء عروج پر ہے ، معلومات کی کثرت ، علم کی زیادتی ، طلاقت لسانی ، زورخطابت اور آرائش وزیبائش سے زیر نہیں ہو سکتا ، وہ زیر ہو سکتا ہے تو اسی چیز سے جو اس کے یہاں نایاب ہے، اس میں وہ مفلس اور قلاش ہے ، وہ قناعت سادگی ، زہد ، ضبط نفس ، جاہ ومنصب کے سحر وطلسم سے آزاد ہونے اور زندگی کے رنگین خوشنما اور کھوکھلے مظاہر سے بے اعتنائی ہی سے زیر ہوگا۔

یہ معاشرہ اس میدان میں بالکل دیوالیہ ہوچکا ہے ، وہ ماننے کے لئے کسی بھی طرح تیار نہیں کہ دنیا میں کوئی ایسا شخص بھی ہے جو اس لذت وراحت کو ٹھکراتا اور ان ''بلند قدروں'' کو حقارت کی نگاہ سے دیکھتا ہے جن پر ساری دنیا کا ایمان ہے اور سارے لوگ جن کی پرستش کرتے ہیں۔

آج علم وعقل کا بحران نہیں ہے ، مال ومادہ کا بحران نہیں ہے ، تہذیب وتمدن

کا بحران نہیں ہے، بحران اس زندہ ضمیر کا ہے جو خریدا نہیں جاسکے جو کہیں کھو نہ جائے، جو کسی سودے بازی کو قبول نہ کرے، اس دل کا بحران ہے، جو زندگی اور ایمان ویقین کی دولت سے مالا مال ہو۔آج دل وضمیر کا یہ حال ہے کہ (میری مراد نہ کسی ایک ملک سے ہے نہ کسی ایک شخص سے) وہ سامان خرید وفروخت ہوگئے ہیں جن کی سودے بازی ہوتی ہے، جن کو خریدا اور بیچا جاتا ہے، مسئلہ سامان کا نہیں، اس قیمت کا ہے جو ادا کی جاتی ہے اور جس سے ضمیروں اور اصولوں کو خریدا جاتا ہے، آج سارے لیڈر اور قوم کے ناخدا حکومت کی کرسیوں اور پارٹی کی لیڈر شپ کے پیچھے دوڑ رہے ہیں، خواہ اس کے حصول میں کوئی قیمت بھی ادا کرنی پڑے۔

بلاشبہ یہ دل وضمیر اور شخصیت واخلاق کا بحران ہے، جس نے اسلامی ملکوں میں صحیح اور مستقیم قیادت کے بحران کو جنم دیا ہے اور ایسے بے شمار مسائل پیدا کردیئے ہیں جن کا کوئی حل نہیں ہے اور سارے لیڈروں اور قومی رہنماؤں کا اعتماد ختم ہوگیا۔

آپ جو اسلام کے علمبرداروں اور داعی الی اللہ کے عظیم منصب پر سرفراز ہیں، اس خلا کو پر اور اس شگاف کو بند کرسکتے ہیں، موجودہ معاشرہ اور موجودہ تہذیب کے سامنے زندگی، اخلاق اور شخصیت کا ایک نیا نمونہ پیش کرسکتے ہیں اور اس

طرح مذہب اپنا اعتماد، علم اور ارباب علم اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتے ہیں۔

ایک بار پھر میں جمہوریہ لبنان کے مفتی شیخ حسن خالد اور ان کے شاگردوں اور دوستوں کا مشکور ہوں کہ انھوں نے ہماری عزت افزائی فرمائی اور لبنانی مسلمانوں سے ملنے، ان کی سرگرمیوں اور ان کے علمی وفلاحی اداروں سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا"۔

امید ہے کہ اہل فکر ودانش اس سے خوب استفادہ کریں گے۔

مکالمہ بین المذاہب

تقریظ شیخ الحدیث حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب دامت برکاتہم العالیہ: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،الحمدللہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی سیدالانبیاء والمرسلین، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین، وبعد: مذاہب وفرق کے حوالے سے ”کلام“ نہایت اہمیت کا حامل موضوع تو ہے ہی، ذوق ودلچسپی کا بھی اس میں اتنا سامان ہے کہ اصحاب علم ودانش نے ہر دور میں خوب اسے اپنے مطالعے اور اپنی مساعی کا میدان بنایا، ہمارے ہاں قدیم مذاہب اور فرق پر تو بہت کتابیں لکھی گئیں ہیں جن میں کئی ایک قدیماً وحدیثاً داخل نصاب بھی رہی ہیں، تاہم فرقوں کا ظہور تو آئے روز ہورہا ہے اور یقیناً تا قیامت ہوتا بھی رہے گا، اس لیے دینی درس گاہوں میں معاصر فرقوں کے تعارف اور تعاقب کے سلسلے میں کام کی ہمیشہ ضرورت محسوس ہوتی رہی ہے اور اس سلسلے میں مناظرہ کورس یا دوسرے عنوانات سے طلبہ خصوصاً فارغ التحصیل ہونے والے فضلاء کو بڑے مدارس وجامعات میں ان فرق ومذاہب سے متعارف کرانے کے لیے تیاری کرائی جاتی رہی ہے، جامعہ فاروقیہ، شاہ فیصل ٹاؤن، کراچی میں بھی یہ کورس عرصہ دراز سے چلے آرہے ہیں، پہلے تو ایک ہی استاذ یہ ذمہ داری نبھاتے تھے، جب کہ گزشتہ کچھ سالوں سے ایک کے بجائے کئی اساتذہ سے مختلف فرقوں کے متعلق خدمات لینے کا ایک مفید تجربہ ہورہا ہے۔

الحمدللہ متعدد حوالوں سے یہ تجربہ زیادہ فائدہ مند رہا ہے، ..... ہمارے مولانا ولی خان المظفر جامعہ فاروقیہ کراچی کے مایۂ ناز استاذ ہیں، عمدہ استعداد اور اعلیٰ علمی ذوق سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نوازا ہے۔

ادیان باطلہ: عیسائیت، یہودیت، ہندومت وغیرہ کے موضوع پر سالہائے گزشتہ میں ان کے نہایت مفید و معلومات افزا اسباق اور محاضرات ہوتے رہے ہیں، بلکہ انہوں نے اس سلسلے کو ایک نیا رخ دے دیا ہے، اور اب یہ کام مناظرہ کورس سے زیادہ مقارنۃ الاَدیان یا مکالمہ بین المذاہب کے نام سے موسوم کیے جانے کے قابل ہے، مکالمہ بین المذاہب کو بین الاقوامیت اور عالم گیریت کے اس پُر فتن دور میں مختلف فورموں پر اٹھایا جارہا ہے، جس سے وحدتِ ادیان کی طرح مضر اور نقصان دہ مقاصد حاصل کرنے کی کوشش ہورہی ہے، اس لیے ہمیں بھی اس سے پہلو تہی نہیں کرنی چاہیے اور اس عنوان سے اپنی کوششوں اور مساعی کو مرتب کرنا چاہیے، تاکہ احقاق حق اور ابطال باطل کا فریضہ بحسن وخوبی انجام پذیر ہو۔

بہرحال مولانا موصوف نے اس حوالے سے اپنے یہ اسباق مرتب کراکے ہمیں دکھائے، ہم نے دیکھا اور پڑھا تو بڑا اطمینان ہوا، انہوں نے ادیان ومذاہب ہی نہیں

تقریباً تمام قدیم وجدید فرقوں، مسالک، افکار اور نظریات پر بھی خوب نظر ڈالی ہے اور ان کا اچھا خاصا استقصاء واحاطہ کیا ہے، اس جہت سے اگر دیکھا جائے تو یہ کتاب (مکالمہ بین المذاہب) ایک مستقل مذاہب وفرق اور نظریات وفلسفوں کے انسائیکلوپیڈیا کی حیثیت رکھتی ہے۔

اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر دے اور ان کے اس کام کو متلاشیان حق کے لیے نافع اور خیر کا باعث بنائے۔ آمین۔

وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ سیدنا محمد وعلیٰ آلہ وصحبہ اجمعین۔

سلیم اللہ خان

شیخ الحدیث ورئیس جامعہ فاروقیہ کراچی

رئیس وفاق المدارس العربیہ پاکستان

رئیس اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ پاکستان

" اسلام کا نظام " تقسیمِ دولت

روئے زمین پر تقسیمِ دولت کے سلسلے میں انسان نے دو بڑے نظام وضع کیے ۔ اشتراکیت (سوشل ازم) اور سرمایہ دارانہ نظام ۔ اشتراکیت تو از خود غیر فطری ہونے کی وجہ سے شکست وریخت کا شکار ہوا، جبکہ سرمایہ دار انہ نظام کے جابرانہ شکنجوں میں جکڑی انسانیت ،اس سے نجات پانے کی منتظر ہے ۔ کیونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں ایک طرف انسان کے پالتو کتے تک کا علاج ماہر ڈاکٹر سے کرایا جاتا ہے اور دوسری طرف انسان اپنی والدہ کو طبّی سہولیات فراہم نہ ہونے کی وجہ سے اسے تڑپ تڑپ کر مرتا دیکھتا ہے ۔انشاء اللہ وہ دن دور نہیں جب انسان سرمایادارانہ جابر نظام کو بھی اس کے غیر فطری ناہمواریوں کی وجہ سے پاش پاش ہوتا دیکھے گا۔

دوسری طرف اسلام کا عادلانہ نظام ہے، جس نے منصفانہ تقسیمِ دولت کا نظام پیش کرکے ہر فرد تک اس کا حق پہنچانے کا حکم دیا ہے ۔ نظامِ تقسیمِ دولت کے لیے اسلام کا یہ نظریہ بھی جاننا ضروری ہے کہ ہر قسم کی دولت اور اس کے ذرائع کا حقیقی مالک تو اللہ رب العزت ہی ہے، لیکن انسان کو " حق تملک " دے کر یہ نگرانی بھی سونپ دی گئی کہ وہ اللہ کے نازل کردہ قوانین اور آنحضرت صلی

اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات کی روشنی میں اللہ کی دی ہوئی دولت کو تقسیم کرے۔

تقسیم دولت میں کفالت عامہ کا خصوصی خیال رکھا گیا ہے۔ جیسے : بوڑھے والدین، بیوی، نابالغ اولاد اور دیگر معذور و مستحق افراد وغیرہ۔ کفالت عامہ میں زکوۃ، صدقات ہبہ اور وصیت کی طرح وراثت بھی ایک اہم ذریعہ ہے۔ جس میں انسان اللہ کے، نازل کردہ قوانین کے مطابق دولت کے ایک متعین حصے کا مالک بنتا ہے اور جس کے ذریعے انسان کو اپنی معاشی مشکلات حل کرنے میں مدد ملتی ہے۔

انسان کو جس طرح تربیت اولاد کی ذمہ داری سونپی گئی ہے، اسی طرح اسے یہ احساس بھی دلایا گیا کہ وہ اپنی زندگی کے بعد بھی اپنی اولاد کی فکر کرے۔ مسند احمد کی روایت میں ہے (حدیث نمبر ۱۴۸۲) : ”تمہارا اپنے وارث کو غنی چھوڑنا اس سے کہیں بہتر ہے کہ اس کو ایسا محتاج چھوڑے کہ وہ لوگوں سے سوال کرتا پھرے“۔

اسلام چونکہ دین فطرت ہے، اس لیے وراثت کے فطری امر کو اشتراکیت کی طرح کچلنے کا حکم نہیں دیتا؛ بلکہ اس کے حصول کے لیے جائز راہیں تجویز کی ہیں۔

کیونکہ وراثت میں جہاں کسی محتاج کی ضرورت پوری ہو سکتی ہے، وہاں معاشرتی واخلاقی طور پر اس سے اقرباء ولواحقین کے درمیان صلہ رحمی کے جذبات بھی جنم لے سکتے ہیں۔

پھر اسلام دولت کے انجماد کے بے ثمر اصول کا خاتمہ کرکے اس کو گردش دے کر دولت میں توازن پیدا کر دیتا ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام کا وہ اصول جس میں جائیداد باپ کی موت کے بعد صرف بڑے بیٹے کا حق سمجھا جاتا ہے، کی صراحۃ نفی کرکے اسلام نے مبنی برعدل قوانینِ میراث پیش کیے ہیں۔

زمانۂ جاہلیت میں بھی لوگوں کی عادت تھی، جب کوئی ان میں مرجاتا تو اس کا مال صرف چند شہسواروں میں تقسیم کر دیا جاتا، جبکہ ضرورت مند عورتوں، بچوں اور بوڑھوں کے متعلق یہ کہہ کرانہیں محروم کر دیا جاتا کہ وہ دشمن سے لڑنا نہیں جانتے گھڑ سواری نہیں کر سکتے، مالِ غنیمت اکٹھا نہیں کر سکتے، وغیرہ۔

لیکن اسلام نے انسانیت کے لیے اس کے عائلی واجتماعی مالی قوانین وضع کیے، جن میں عورتوں اور بچوں کو حقوق دے کر اعلان کیا: ’’مردوں کے لیے حصہ ہے، اس مال میں جو ماں باپ اور قرابت والوں نے چھوڑا، اور عورتوں کے لیے حصہ ہے، اس

مال میں جو ماں باپ اور قرابت والوں نے چھوڑا''۔ اور'' ایک لڑکے کے لیے دو لڑکیوں کے برابر حصہ ہے''۔'' اکیلی بیٹی کے لیے کل مال کا نصف حصہ ہے''۔'' ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ مقرر ہے''۔ جن کے تفصیلی احکام سورہ نساء آیت : ۱۲-۱۱ اور :۱۷۶ میں موجو ہیں ۔

بد قسمتی سے ہمارے ہاں برصغیر میں اشتراکیت وسرمایہ دارانہ نظام کی طرح فیوڈل ازم اور خان ازم نے بھی بعض علاقوں میں لوگوں، خصوصا عورتوں اور بچوں کو اپنے جابرانہ شکنجوں میں جکڑ ڈالا ہے۔ چنانچہ کوئی عورت اگر شوہر کے انتقال کے بعد دوسری شادی کرنا چاہتی ہے تو اسے شوہرِ اول کی میراث سے محروم کر دینے کی دھمکی دی جاتی ہے.. کئی عورتیں یہ تک نہیں جانتیں کہ میراث میں ان کا حق بھی موجود ہے اور جنہیں معلوم ہے بھی تو ان کے بھائی ان سے میراث سے دست برداری کا مطالبہ کرتے ہیں.. بعض دفعہ باپ کی موت کے بعد ایک بیٹا صرف اس لیے جائیداد پر قابض ہو جاتا ہے کہ وہ مرنے والے کا بڑا بیٹا ہوتا ہے ۔

یہ ہیں ہر ازم کی وہ خرابیاں جو گردش دولت کو منجمد کرکے تقسیم دولت کے تحتہً توازن میں تناسب یکسر ختم کر دیتا ہے۔ مذکورہ خرابیوں سے نجات کی راہ صرف اسلام کے عادلانہ معاشی و عائلی نظام میں نظر آتی ہے ۔ اس نظام میں

جہاں ریاست و معاشرت کے حقوق وضع کر دیے گئے، وہاں ہر فرد کے حقوق بھی موجود ہیں۔

ایسے میں حکام اور ” حقوق نسواں “کے لیے آواز اٹھانے والی تنظیموں کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ لوگوں میں عورتوں اور بچوں کے شرعی حقوق کے شعور کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ، ان کے حقوق دلوانے میں اعلی سطح پر فوری اقدامات کریں۔تاکہ معاشرے میں تقسیم دولت کے توازن میں تناسب پیدا کیا جاسکے۔

نیز اہل علم وفضل کا بالخصوص فریضہ بنتا ہے، علم میراث کو عوام تک پہنچانے کے لیے اپنی تمام تر توانائیاں صرف کریں۔آج کل دینی مدارس میں تعطیلات کا موسم ہے۔ بعض دینی اداروں میں (جن میں جامعہ فاروقیہ کراچی بھی شامل ہے) مختصر دوروں کا اہتمام ہوتا ہے، ایسے دورے اور اس قسم کے دیگر طرق اپنا کر پہلے یہ علم عام وتام کرنے کی مساعی فرمائیں اور معاشرے سے تقسیم مال کے حوالے سے فیوڈل ازم وخان ازم کی صورت میں جو ظلم وجور اور تعدی وزیادتی کا سلسلہ جاری ہے، اسے ختم کرنے اور انسانیت کو صلاح وفلاح کی راہوں پر ڈالنے میں اپنا حقیقی کردار ادا کریں۔

عربی زبان ..... چند سادہ سی گزارشات

اس حقیقت سے شاید ہی کوئی بے خبر ہو کہ ہر مخلوق قوت گویائی سے سرفراز کی گئی ہے اور اس فطری وصف میں حیوانات وجمادات اور انسان سب ہی مشترک ہیں، اس جبلی صفت کو قرآن کریم نے یوں بیان فرمایا ہے:

ہر ہر چیز اللہ وحدہ لاشریک لہ کی حمد وثنا بیان کرتی ہے، لیکن تم اس کی سمجھ نہیں رکھتے''۔

اللہ تعالیٰ نے زمین وآسمان کو بار امانت سونپنے کی خاطر خطاب کا شرف بخشا، انہوں نے دست بستہ اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے بارگاہ عزاسمہ میں معذرت نامہ پیش کردیا۔ مخلوق کے خطاب کرنے اور ان سے خطاب کئے جانے کے شواہد میں اللہ جل جلالہ کا شہد کی مکھی کو خطاب کرتے ہوئے اسے اس کی ذمہ داری تفویض کرنا، مزید برآں حضرت سلیمان علیہ السلام کے لشکر کو آتا دیکھ کر چیونٹیوں کی ملکہ کا اپنی ساتھی چیونٹیوں کو ناصحانہ کلام کرتے ہوئے اپنے ٹھکانوں میں چلے جانے کا حکم دینا، نصوص قرآنیہ سے ثابت شدہ غیر انسانی مخلوقات کی گویائی اور جبلی تکلم کے واقعات ہیں۔ احادیث میں جناب نبی کریم ﷺ کی ذات بابرکات کی نبوت کی تصدیق کے لئے پتھروں اور درختوں کی

گواہیاں اور آپ علیہ السلام سے گفتگو کرنا ہمارے قول کی دلیل ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کو اس کے مناسب زبان ولہجہ عطا فرمایا، تاکہ وہ خطاب کرتے ہوئے اظہار مافی الضمیر کرسکے، یہ بات الگ ہے کہ ہم ہر لب و لہجہ کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتے، انہی مخلوقات میں سے انسان اس کائنات کا مرکزی کردار اور یہاں کے نظام کا منتظم بنایا گیا ہے، اللہ رب العزت نے اپنی خلافت کا تاج اسی کو پہنا کر اپنا بار امانت انسان کے کندھوں پر ڈالا ہے۔ تکوینی طور پر انسان کی بول چال کی زبانیں اور لہجے اس قدر ہیں کہ ان کا شمار آسان نہیں، کہاجاتاہے کہ انسانی زبانیں ایک ہزار سے متجاوز ہیں، بین الاقوامی سطح پر مسلّم اور منظور شدہ زبانوں میں عربی، انگریزی، فرانسیسی ، روسی اور چینی زبانیں خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ عربی زبان جزیرۃ العرب سے مرحلے وار منتقل ہوتے ہوئے اور بتدریج پروان چڑھتے ہوئے چار دانگ عالم میں اپنا اثر رکھتی ہے، اس کی مقبولیت کا عجیب وغریب مظہر یہ ہے کہ بے شمار انسان اس زبان کو مکمل بولنے اور سمجھنے کی صلاحیت نہ رکھنے کے باوجود اس کو پسند کرتے ہیں، اور اس سے محبت وعقیدت رکھتے ہیں۔

جہاں تک دیگر عالمی زبانوں کا تعلق ہے ان میں سے بیشتر زبانوں کا فروغ اور ان کا پھیلاؤ فطری انداز سے نہیں ہوا، اور نہ ہی ان زبانوں کی مقبولیت ان میں موجود چاشنی اور زبانی حسن وجمال کی وجہ سے ہے، بلکہ استعماری طاقتوں

اور سیاسی قوتوں کے زیر اثر یہ زبانیں بین الاقوامی شہرت حاصل کئے ہوئے ہیں، وگرنہ ان زبانوں میں بین الاقوامی سطح پر تخاطب اور بول چال کی صلاحیت نہیں، کیونکہ ایک توان زبانوں میں زبان دانی کے اندازے اور اس کے واضح ضابطے نہیں پائے جاتے، دوسرے ان زبانوں کے بولنے اور سمجھنے والے ہر علاقے میں دستیاب نہیں ہیں۔

عربی زبان بین الاقوامی زبانوں میں ایک ایسی منفرد زبان ہے، جسے حیاتِ جاویدانی حاصل ہے، تغیر وتبدل کی لہریں اس کو متاثر کرنے سے قاصر رہی ہیں۔ اس زبان کی ایک مسلمہ خوبی یہ ہے کہ بین الاقوامی شہرت کا حامل مذہب اسلام اپنی تمام تر تعلیمات اور تہذیب وثقافت کے بیان کرنے میں عربی زبان کو بطور ترجمان استعمال کرتا ہے۔ مشرق ومغرب میں مسلمانوں کی نمائندہ زبان عربی ہی سمجھی جاتی ہے، اسلامی دستور قرآن کریم کی شکل میں اور اس دستور کی تشریحات خاتم الانبیاء علیہم الصلاۃ والسلام کی احادیث کی صورت میں عربی زبان کی رونق میں اضافہ کرتے نظر آتے ہیں۔ چنانچہ ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ عربی زبان محض ایک زبان ہی نہیں بلکہ یہ دین وملت کی امین، بین الاقوامی روابط کا موثر ترین ذریعہ، اسلامی علوم وفنون کا خزینہ اور جدید عصری علوم کا اہم ترین آلہ اور واسطہ ہے۔

زبانِ عربی کی شان وشوکت کو ان مختصر سطور میں بیان کرنا سمندر کو کوزے میں بند کرنے کے مترادف ہے، بہرحال عربی کی اہمیت کو اجاگر کرنے کے بعد ہم یہ عرض کرتے ہیں کہ فی زمانہ عربی زبان کی ترقی، اس کے فروغ اور پھیلاؤ اور اس کو کسی دوسری زبان کی آمیزش سے محفوظ رکھنے کی کوشش ایک عظیم الشان علمی، ادبی، ثقافتی، تاریخی اور ملی ورثے کی حفاظت اور اس کو ترقی دینے کی خدمتِ جلیلہ اور ان میدانوں کے شہسواران علمی وادبی کاوشوں کی اہمیت سے صرفِ نظر کرنے کا سوچ بھی نہیں سکتے، چہ جائیکہ اس کا انکار کرسکیں، لہذا ہم دست بستہ گزارش کرتے ہیں کہ اسلامی ممالک کے سربراہان، قدیم وجدید علوم کے حامل علماء کرام، اسلامی جامعات اور یونیورسٹیوں کے چانسلرز اور نظام ہائے تعلیمات کے نگران اس قیمتی اثاثے کے سلسلے میں خاطر خواہ حکمت عملی کا اہتمام فرمائیں، بصورتِ دیگر امت مسلمہ اپنے اسلاف کے وقیع علمی وثقافتی اور مذہبی وملی ورثے سے دور اور لاعلم ہوسکتی ہے۔

دورِ حاضر کا ایک مسئلہ جو عربی زبان کو درپیش ہے، وہ یہ ہے کہ اس زندہ وجاوید زبان کو استعماری طاقتوں کے زیر اثر قطع وبرید کے لئے تختۂ مشق بنایا جارہاہے، عربی زبان کو غیر ملکی خصوصاً یورپی زبان کے ساتھ خلط ملط کرنے کی مذموم سازش کی جارہی ہے، اس کی واضح اور حقیقت پر مبنی مثال مراکش (جسے ''المغرب'' اور ''مراکو'' کہاجاتا ہے) کی ہمارے سامنے ہے، وہاں

فرانسیسی استعمار کے قابض رہنے کی وجہ سے خالص عربی معاشرہ میں روز مرہ کی عمومی بول چال میں عربی فرانسیسی کے امتزاج سے پروان چڑھنے والی زبان (جسے وہاں کے لوگ ''دارِجہ'' اور ''عامیہ'' کے نام سے موسوم کرتے ہیں) بولی جاتی ہے اور افسوس ناک حقیقت یہ ہے کہ فصیح عربی زبان سے اس کا کوئی تعلق نہیں، نہ ہی فصیح عربی بولنے اور سمجھنے والا اس زبان کو سمجھنے اور بولنے کی طاقت رکھتا ہے۔ ہر ذی شعور اس حقیقت سے آشنا ہے کہ قوموں کی بقاء اور ان کے ارتقاء میں اس قوم کی زندہ زبان اور اس کا قدیم تہذیبی وثقافتی ورثہ کس قدر اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔

عربی کو زبانِ اغیار سے آلودہ کرنے کی بدذوقی پر زبانِ حال سے عربی زبان کا شکوہ ملاحظہ ہو:

ایطربکم من جانب الغرب ناعب

ینادی بوادی فی ربیع حیاتی

اری کل یوم بالجرائد مزلقاً

من القبر یدنینی بغیر اناۃ

وسعت کتاب اللہ لفظا وغایۃ

وماضقت عن آی بہ وعظات

فکیف اضیق الیوم عن وصف آلۃ

وتنسیق اسماء لمخترعات

مغرب کی جانب سے نعرہ لگانے والے کی آواز پر تم جھوم رہے ہو، وہ آواز مجھے جیتے" جاگتے زندہ درگور کرنے کی پکار ہے، میں روزانہ اخبارات ورسائل میں اپنا پھسلایا جانا ملاحظہ کرتی ہوں، جو مجھے زبردستی قبر کی طرف کھینچ رہا ہے، میری وسعتوں کا پیمانہ اس قدر وسیع ہے کہ قرآنی علوم کے عمیق ذخائر کو الفاظ کا جامہ پہنانے سے بھی میں عاجز نہیں رہتی ،تو یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ آج کسی جدید پرزے اور کسی نئی ایجاد کے لئے معمولی سی تعبیر کی ادائیگی میں مجھے بے بس تصور کرلیا جائے"۔

قرآن کریم نہ صرف یہ کہ عربی میں نازل ہوا، بلکہ وہ عربی زبان کے سمجھنے اور اس کے سمجھانے کی پوری صلاحیت رکھتے ہوئے اس کی پرزور دعوت بھی دیتا ہے، گویا قرآن کریم نے عربی فصاحت وبلاغت اور حسن وجمال کا عَلم بلند کیا ہوا ہے، اور قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جابجا اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ قرآن کریم فصیح وبلیغ عربی زبان میں نازل کیا گیا ہے اور وہ تکلفات سے پاک نہایت ستھری اور سادہ وسہل زبان میں ایک ممتاز حیثیت رکھتا ہے۔ عربی زبان کی انہی صفات وکمالات کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کی خصوصیات کے پیش نظر بنی نوع انسان کو خطاب کرنے کے لئے اس مبارک زبان کو منتخب فرمایا ہے۔

ہم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ امتِ محمدیہ (علی صاحبہا الصلاۃ والسلام) کو عربی زبان کے فروغ، اس کے تعلیم و تعلم اور اس کی ترویج کی توفیق عطا فرمائے اور بین الاقوامی سطح پر شخصی اور اجتماعی ہر شکل میں اس کا لوہا منوانے کی طرف متوجہ فرمائے۔

آمین۔

زخمی اور بیمار مقاتلین کے حقوق اسلام کی نظر میں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین ، وعلی آلہ وصحبہ ومن والاہ الی یوم الدین ، امابعد :

سب سے پہلے تو میں icrc اور اس کے منتظمین کا انتہائی مشکور ہوں کہ انہوں نے بنی نوع بشری اور انسانیت پر چار سو بے تحاشا ظلم وستم کے ڈھائے جانے کے اس مہیب اور المناک دور میں بھی احترام آدمیت کا پرچم بلند کیئے رکھا ہے ، پھر اس حوالے سے ان کی شبانہ روز مساعیٔ جمیلہ بھی قابل صد تحسین ہیں ، آج جس سیمینار میں ہم سب یہاں جمع ہیں یہ اور اس طرح کی متعدد پُروقار تقریبات اس ادارے نے وقتاً فوقتاً قائم کی ہیں ، جس پر میں انہیں خراج عقیدت اور سلامِ تکریم پیش کرتا ہوں ۔

عزیز سامعین کرام ، ایک فرق ملحوظ رہے، اس وقت دنیا میں دو اصطلاحات بہت مشہور ہیں :

۱۔ حقوق انسانی کا بین الاقوامی قانون ۔

۲۔ بین الاقوامی انسانی قانون ۔

کا موضوع سخن ہمیشہ سے عام انسانی حقوق کے قوانین نہیں ہیں، بلکہ جنگ ICRC
وجدال میں احترام انسانیت کے قوانین اس کا امتیازی وصف ہیں۔ بنابریں ایک اسلامی
: سکالر ہونے کے ناطے ہمیں یہاں جو موضوع دیا گیاہے، وہ ہے
زخمی اور بیمار مقاتلین کے حقوق اسلام کی نظر میں''۔ ''

عزیزان گرامی، حسن اتفاق سے اللہ تعالی نے مجھے دنیا میں موجود تمام ادیان سماویہ اور دیگر غیر الہامی نظامہائے حکومت پر کام کرنے کے مواقع نصیب فرمائے، اس حوالے سے ہمارے یہ مذکورہ محاضرات ولیکچرز 500 کے قریب صفحات میں ایک وقیع کتاب: ''مکالمہ بین المذاہب'' کے نام سے منظر عام پر آ چکے ہیں، لہذا مجھے کہنے دیجئے کہ صرف اسلام ہی کیا، مذہب کوئی بھی ہو، بنیادی طور پر وہ خون خرابہ، قتل وقتال،، اور لڑائی جھگڑا کا مخالف ہوتاہے، کیونکہ مذہب کا مقصد دراصل تہذیب اخلاق اور تربیت انسانیت ہے، ایک پر امن، خوشگوار، محبت وآشتی سے لبریز سوسائٹی فراہم کرنا اس کے اولین اور اہم ترین اہداف میں سے ہے، ظاہر سی بات ہے جنگ اور لڑائی اس مقصد کے بالکل متضاد اور متناقض ہیں، اسی لئے بشمول اسلام تمام ادیان الہامیہ اور وضعیہ میں سے کسی نے بھی کبھی جہاد وقتال کو اپنے اساسی اور بنیادی ارکان میں سے نہیں شمار کیا، ، چنانچہ اسلام کے ارکان خمسہ : توحید، صلاۃ، زکاۃ، صیام

اورحج ہیں۔ تعلیم، تبلیغ اور نصیحہ یعنی خیر خواہی جو جناب رسالتمآب ﷺ کی رحمۃ للعالمینیت کی وجہ سے سب کی بھلائی کے پیش نظر بطور فرض کفایہ ایک حد تک لازم ہے، نہ کہ ہر کس پر ہر حال میں۔ چنانچہ سیرت نبوی ﷺ کا مکی دور اس پر شاہد عدل ہے، لیکن ۔۔۔

انسانیت کی بھلائی خیر سگالی اور ترقی وتہذیب کے مقابلے میں جب اوچھے ہتھکنڈے عروج پر پہنچ گئے، تو اب ان نازیبا ونامناسب حرکتوں، سازشوں اور تحریکوں کا سدّ باب کرنے اورانہیں قلع قمع کرنے کے لئے مختلف آپریشن کے انتظامات جہاد وقتال کے عنوان تلے کرنے پڑے۔ بالکل ایسا ہی جیسے چمنستان کے پھولوں کو خس وخاشاک یا خار وتار متاثر کریں، ان کی بڑھوتری اور پروان چڑھنے کے بجائے خود ان پھولوں کے مرجھا جانے کا اندیشہ ہو تو ایسے میں پھر مالی جو کچھ قینچی چلا کر کرتا ہے، وہ سب اس کائنات کے لئے رحمۃ للعالمین ﷺ کو کرنا پڑا۔

آج میں اس پلیٹ فارم کے توسط سے اقوام عالم کو اپنی یہ آواز پہنچانا چاہتا ہوں کہ اسلام میں اقدامی اور دفاعی جہاد دونوں ہیں، دفاعی جہاد پر تو اعتراض کوئی غائب الدماغ اور احمق ہی کرسکتا ہے، البتہ اقدامی جہاد پر اعتراض انجانے میں اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی کردیتے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ اسلام میں دفاعی جہاد اور اقدامی جہاد کا تصور اس کے اسباب وعوامل اور موجبات ومحرکات کی وجہ سے ہے، اقدامی جہاد کا مطلب ہر گز یہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ زمینی یا تاریخی حقیقت ہے کہ جہاں کہیں کفر یا کافر ہیں، انہیں تہ تیغ کیا جائے، کیا ہمارے درمیان ذمی نہیں رہتے، کیا ہمارے چاروں طرف ہمیشہ غیر مشرف باسلام انسانوں کی مختلف سوسائٹیاں اور ممالک نہیں ہیں، کیا ہمیں قرآن کریم نے لااکراہ فی الدین'' کا ایک عظیم الشان کلیہ نہیں بتلایا، کیا مستشرقین اور دیگر معلومات'' تک دسترس اور رسائی رکھنے والے لوگ اور ادارے ان حقائق سے بخوبی واقف نہیں ہیں، سب کو پتہ ہے۔ مگر عناد، حسد، ہٹ دھرمی، کبر وغرور، دنیاوی ادنی سے ادنی مفادات نے انہیں سچ کہنے سے روکے رکھا ہے، اسلام نے جس اقدامی جہاد کا نظریہ دیا تھا وہی نظریہ آج دنیا میں مہذب کہلانے والی قوموں نے ''گرم تعاقب'' کے عنوان، تلے اپنایا ہوا ہے، یعنی جہاں کہیں ان کے ملکوں، جمہوری نظریات اور ان کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے تانے بانے بُنے جاتے ہوں، اس طرح کے نیٹ ورکز پر قبل از اقدام وقبل از وقت حملہ کیا جائے، اور ان کے سازشی، تخریبی، اور دہشت گردانہ نظم کو توڑا اور تہس نہس کیا جائے، اسلام نے بھی یہی کیا تھا اور کر رہا ہے۔

اس تمام تر سمع خراشی وبصر خراشی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے، کہ اسلام کا ہر دو طرح جہاد وقتال خواہ دفاعی ہو یا اقدامی وہ حقیقت میں انسانیت کے دشمن قول وعمل اور فکر و نظر کا تعاقب اور رد عمل ہوتا ہے، اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ رد عمل اور تعاقب کسی لانگ ٹرم اسٹریٹجی کا حصہ نہیں ہوتے ہیں، بلکہ ایک تکنتیک اور ضرورت ہوتی ہے، جو محظورات کو بھی مباح کردیتی ہے''، پھر یہ بھی سب کو معلوم ہے کہ '' الضرورات تتقدر بقدر الضرورۃ'' کہ ضرورتیں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے بقدر ضرورت ہی ہوتی ہیں۔

اب جب یہ ثابت ہوچکا کہ اسلام چونکہ بنیادی طور پر ضرب وحرب کا طلب کنندہ مذہب نہیں ہے، اسلئے جنگوں میں اسلام نے موجودہ بین الاقوامی انسانی قوانین کی تدوین وترتیب سے سینکڑوں سال قبل کچھ اخلاقیات اور ضوابط کا تعین کردیا ہے، تاکہ بے محابا انسانیت کا نقصان نہ ہو، نیز یہ کہ بلاضرورت شدیدہ سفک دماء اور قتل وگردن زدنی سے بچاسکے ۔۔۔۔۔ چنانچہ اسلام نے زخمی، معذور، مزدور، مریض، ہتھیار ڈالنے والے قیدی، عابد، مذہبی پیشوا، بوڑھے، بچے، خواتین، معالجین واطباء، کھانے پکانے والے،، خدام، بھاگنے والے، امان طلب کرنے والے، عام شہری، باغات، درخت، مفاد عامہ کے وسائل کو تلف وہلاک کرنے پر پابندی لگائی ہے اور اپنے پیروکاروں کو سختی سے اس پر کاربند رہنے کی تلقین کی ہے، گویا اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ میں صرف اور صرف'' مقاتل من حیث

انہ مقاتل" ہی ہدف ہے اور بس ۔۔۔۔ بلکہ مذکورہ بالا متاثرہ افراد ومتعلقات کو بروقت تحفظ فراہم کرنے کے لئے اسلام ہی نے جنگ میں "وقفے" کا تصور بھی دیا ہے ۔مزید یہ کہ اسلام نے مثلہ کرنے ، نعشوں کی توہین کرنے اور انہیں بے گور وکفن چھوڑنے سے بھی منع کیا ہے۔ نیز اسلام نے جنگی چالوں ، حکمت عملی اور تکنیک کی تو اجازت دی ہے، مگر جنگ میں دھوکہ دہی اور غدر کو سختی سے ناجائز و ممنوع قرار دیا ہے، صرف یہ نہیں مذکورہ اخلاقیات کی اگر کہیں تنفیذ میں کوتاہی کی گئی ہے ،تو اسلامی تاریخ اوراسلامی فقہ کے مراجع وامہات الکتب کے مطالعے سے معلوم کیاجاسکتاہے کہ ان کوتاہیوں کے مرتکب افراد و مجموعات کے لئے بروقت سزاؤں کی تعیین بھی کی گئی ہیں اور نافذ بھی کی گئی ہیں ۔

اس تناظر میں اگر دیکھا جائے ، تو حقیقی معنوں میں زخمی اور بیمار مقاتل چونکہ خود بخود مقاتل کی صفت سے محروم ہوجاتاہے ،اب چونکہ اس میں قتال کی سکت باقی نہیں رہتی اس لئے اسلام کی نظرِ عدل ،انصاف اورترحم میں وہ ان تمام حقوق کا مستحق ہوجاتاہے، جن کا غیر مقاتلین شرکائے میدانِ قتال استحقاق رکھتے ہیں ،لہذا یہ دونوں قسم کے، سابق مقاتلین اور حالاً غیر مقاتلین اُن تمام رعایتوں اورآسائشوں کے مالک بن جاتے ہیں ، جن کے متعلقہ علاقے سے وابستہ عام غیر مقاتلین شہری مستحق قرار پاتے ہیں، بشرطیکہ یہ زخمی

اور بیمار گرم جنگ سے لا تعلق ہو جائیں۔ اسی دعوی پر اب ہم تاکید المؤکد کے طور پر چند اقتباسات کچھ تغیرات و اضافات کے ساتھ یہاں نقل کرنا چاہینگے : ''القانون الانسانی الدولی'' کے شہرۂ آفاق ماہر ڈاکٹر عامر الزمالی رقمطراز ہے:

انسانیت :

قانون انسانیت پر بحث اس کی اصل یعنی 'انسانیت' کا جائزہ لئے بغیر نہیں کی جا سکتی۔ جنگ انسانی افعال کا نتیجہ ہوتی ہے اور ان کے لئے ممکن نہیں کہ وہ انسانیت کو نظر انداز کردے۔ بین الاقوامی قوانین، چاہے رواجی ہو یا تحریری شکل میں مدون شدہ اپنے احکام کے ذریعے اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ قوانین لازم ٹھہراتے ہیں کہ جنگ کے متاثرین کے ساتھ انسانیت کا معاملہ کیا جائے، یعنی ان کی آبرو، جان اور مال کا احترام مد نظر رکھا جائے۔ اسلام نے بھی انسان کی تکریم کا بنیادی قاعدہ دیا ہے۔ قرآن مجید میں ہے:

ولقد کرمنا بنی آدم و حملنھم فی البر والبحر ورزقنھم من الطیبت و فضلنھم علی کثیر (ممن خلقنا تفضیلا)۔ (الاسراء، آیت ۷۰)۔

'کَرَّمَ' کا فعل 'تکریم انسانی' کی نشاندہی کرتا ہے۔ شدید ترین حالات، یعنی جنگ میں' بھی نوع انسانی کی تکریم لازم ٹھہرانے والے تمام احکام کا بنیادی ماخذ قرآن مجید کی یہ آیت ہے۔ انسانیت کے تقاضوں کی پابندی کا نتیجہ

یہ ہے کہ جنگ میں حصہ نہ لینے والے افراد، یا جنگ میں حصہ لینے کے بعد کسی بھی وجہ سے علیحدہ ہو جانے والے افراد کو نشانہ بنانے کی اجازت نہیں ہے۔اسلامی قانون کا یہ بنیادی قاعدہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے ماخوذ ہے :

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا، ان اللہ لایحب المعتدین)۔(البقرۃ(آیت ۱۹۰)۔،

اس آیت نے قتال کا عمل مقاتلین تک محدود کردیا ہے اور اعتداء سے نفی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جنگ میں بھی کچھ خاص حدود کی پابندی لازم ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے معاہدات نے ان مخصوص انسانی گروہوں کے لئے مخصوص احکام وضع کیے ہیں، مگر ان تمام معاہدات کا بنیادی ہدف ایک ہے،اور وہ ہے ''انسانیت'' پر مبنی سلوک۔

تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ اسلامی افواج میں طبّی امداد دینے والے اور علماء اور قضاۃ شامل رہے ہیں اور پوری کوشش کی جاتی تھی کہ وہ اپنے اپنے فرائض منصبی سہولت کے ساتھ ادا کریں، تاریخ اسلام کے اولین معرکوں میں خواتین نے مریضوں اور زخمیوں کی تیمارداری کا کام بھی کیا ہے

رسول کریم ﷺ نے مثلہ کرنے، زخمیوں پر حملہ کرنے اور قیدیوں اور امان طلب، کرنے والوں پر حملہ کرنے کی ممانعت کے احکام جاری کئے۔ ہم مثال کے طور پر قیدیوں کو کھانا کھلانے کے متعلق قرآن کریم کی ایک آیت کا ذکر کرتے ہیں :

ویطعمون الطعام علی حبہ مسکینا ویتیماواسیرا)۔(الانسان ۸)۔(

اس آیت میں قیدی کی صراحت موجود ہے۔ یہ آیت بہت بلیغ اور وسیع مفاہیم پر مشتمل ہے، کیونکہ اس میں قیدی کی زندگی کے تمام مادی اور معنوی پہلو آ جاتے ہیں۔

ڈاکٹر زمالی نے آگے چل کر ایک اور کلیہ بھی بیان کیا، لیجئے وہ لکھتے ہیں:

مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان تمیز کا قاعدہ :

انسانی قوانین کے جدید ترین معاہدات میں سے ہم بین الاقوامی انسانیت کے جنیوا معاہدات ۱۹۴۹ء کے پہلے اضافی ملحق کا ذکر کریں گے جو ۱۹۷۷ء میں وضع کیا گیا۔ اس ملحق کی دفعہ ۴۸ میں اس قاعدے کا ذکر ان الفاظ میں ہے : " جنگ کے فریق شہریوں اور مقاتلین اور شہری آبادی اور جنگی اہداف مین تمیز کریں گے اور صرف جنگی اہداف کے خلاف اقدام کریں گے۔"

بین الاقوامی عرف پر مبنی یہ قاعدہ جدید جنگی قوانین اور اعراف کی بنیاد ہے، اور اس کا ان واضح اور دوٹوک الفاظ میں معاہدے میں اندراج اس بات کو مزید

مؤکد کرتاہے کہ ہر طرح کے جنگی حالات میں اس قاعدے کی پابندی ضروری ہے ،ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ''غیر مقاتلین'' کی اصطلاح ''شہری'' سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ غیر مقاتلین مسلح افواج کے اندر بھی پائے جاتے ہیں ، مثلاً طبّی خدمات مہیا کرنے والے

اورمذہبی رسوم ادا کرنے والے افراد،زخمی اور بیمار مقاتلین بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

مقاتلین اور غیر مقاتلین اور جنگی اہداف اور شہری آبادی کے درمیان تمیز کے قاعدے کے تحت یہ ناجائز ہے کہ عام شہریوں ،لڑنے کی قدرت کھودینے والے افراد جیسے زخمیوں ، مریضوں ، ڈوبتے ہوؤں ، قیدیوں اور جنگی ہوائی جہاز کھودینے کے بعد پیراشوٹ میں اترتے پائلٹ ، کونشانہ بنایاجائے، طبّی خدمات یا مذہبی رسوم ادا کرنے والے افراد ، خواہ وہ فوجی ہوں یا شہری ، نیز شہری دفاع کے عملے اور امداد فراہم کرنے والی بین الاقوامی فلاحی تنظیموں ،یا اس کام کے لئے اجازت رکھنے والی مقامی تنظیموں کو بھی یہی تحفظ حاصل ہے۔اسی طرح بین الاقوامی قانون انسانیت تمام فریقوں پر یہ لازم کرتاہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو نقصان نہ پہنچائیں، جسے جنگی ہدف قرار نہ دیاجاسکتاہو ، ان میں پُل،شاہراہیں،ڈیم ، بند ، بجلی پیدا کرنے والا جوہری پلانٹ ، انسانی زندگی کی بقاکے لئے ضروری سامان، محفوظ ، اور غیر عسکری علاقے ،وہ علاقے جن کو

فوجی حفاظت میسر نہ ہو اور ثقافتی مراکز، یہ سب شامل ہیں۔ بین الاقوامی قانون انسانیت کی طرف سے دی گئی یہ حفاظت ان افراد اور سامان کو اس وقت تک شامل رہتی ہے جب تک قانوناً محفوظ کوئی شخص کسی جنگی کاروائی میں حصہ نہیں لیتا، یا پھر قانوناً محفوظ کسی مقام کو جنگی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔

بین الاقوامی قانونِ انسانیت ان قانوناً محفوظ افراد کے خلاف انتقامی کاروائی کرنے سے بھی روکتا ہے اور اسی قسم کے افعال سے کچھ خاص زمروں میں آنے والی املاک اور اشیاء کو بھی نقصان پہنچانے کی ممانعت کرتا ہے۔ اسی طرح اگر کسی فرد یا جگہ کے بارے میں ، شبہ ہو

اور قرائن سے ان کا غیر عسکری ہونا معلوم ہوتا ہو، تو قانوناً اس کو غیر عسکری ہی سمجھا جائے گا، بین الاقوامی قانونِ انسانیت جنگ کے تمام فریقوں پر لازم کرتا ہے کہ وہ اندھا دھند حملوں سے گریز کریں اور اپنے اہداف کے بارے میں یہ معلوم کرلیا کریں کہ وہ کس نوعیت کے ہیں ؟

اوپر مذکورہ بنیادی یہی فرق اسلامی شریعت کے اساسی قواعد میں سے ہے۔ اسلامی شریعت کلی جنگ (totel wer) کو روا نہیں رکھتی، اور جنگی کاروائی کو وقت، جگہ اور ہدف کے لحاظ سے محدود رکھتی ہے، عام احکام بیان کرنے والی

قرآنی آیات کے علاوہ خاص (جنگی) احوال سے متعلق قرآنی آیات ،احادیث نبوی ﷺ ،خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور اسلامی لشکروں کے کمانڈروں کے فرامین کو بنیاد بنا کر فقہاء کرام نے مقاتلین اور غیر مقاتلین کی تحدید کے لئے قواعد مرتب کئے ، احادیث نبوی ﷺ کے ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ معین لوگوں پر حملے سے منع فرمایا، جیسے عورتیں ، بچے ،مزدور اور خانقاہوں میں رہنے والے ۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ۱۰ھ ۶۳۲ء میں مسلمان افواج سے اپنے پہلے خطاب میں جنگ سے متعلق احکام کی یہ بنیادیں فراہم کیں :

اے لوگو! ٹھہرو! میں تمہیں دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں ۔ ان کی پابندی" کرنا: خیانت مت کرو۔ مال غنیمت میں سے چوری نہ کرو۔ عہد شکنی مت کرو۔ مثلہ مت کرو۔ بچوں ، بوڑھوں اور عورتوں کو مت مارو۔ کھجور کے درخت نہ کاٹو۔ نہ ہی انھیں جلاؤ۔ پھل دینے والے درخت مت کاٹو۔ بکری ، گائے اور اونٹ ذبح نہ کرو، الایہ کہ کھانے کی ضرورت ہو ، تم راستے میں ایسے لوگوں کو دیکھوگے جنھوں نے دنیا چھوڑ کر خانقاہوں میں پناہ لے رکھی ہے؛ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تم ایسی قوم سے ملوگے جو تمھارے پاس اپنے برتنوں میں مختلف انواع کے کھانے لائیں گے ؛ پس جب اس میں سے کھاؤ، تو اس پر اللہ کا نام ضرور لینا۔"

یہی وجہ ہے کہ اگر عسکری ہدف حاصل ہوجائے اور دشمن مغلوب ہوجائے تو پھر جنگی کارروائی کو مزید جاری نہیں رکھا جاسکتا۔

(بین الاقوامی قانون انسانیت اور اسلام ۔ ص: ۲۱۷ سے ۲۲۱ تک)

:اس قانون کے ایک اور ماہر احسان ہندی لکھتے ہیں

اسلام باقی مذاہب سے اس طور پر مختلف ہے کہ یہ صرف مذہب ہی نہیں بلکہ قانون بھی ہے اور یہ قانون کامل ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا، جن میں زمانۂ امن وجنگ میں دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات بھی شامل ہیں ،کا احاطہ کرتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کے تین بنیادی مصادر ہیں : قرآن ، کریم ، سنت مطہرہ اور اجتہاد ۔ یہی تین مصادر اسلام میں قانونِ جنگ کے لئے بھی ہیں، جنھوں نے اس قانون کی تشکیل وار تقا میں ، جسے اب بین الاقوامی قانونِ انسانیت کہا جاتا ہے ،اہم کردار ادا کیا ہے ۔مثلاً دوسری اقوام کے افراد کے ساتھ زمانۂ امن وجنگ میں رویے اور طرز عمل کے متعلق قرآن کریم میں بہت سے قواعد مذکور ہیں جنھیں گویا ''دستور'' کی حیثیت حاصل ہے ۔ پھر قرآن کریم میں مذکورہ اس دستور کی تفسیر اور تکمیل حدیث شریف نے کی اور یہ گویا ''قانونی قواعد'' ہوئے ۔ اس کے بعد فقہی اجتہاد، جس میں خلفائے راشدین کی ہدایات بھی شامل ہیں ، نے اس قانونی نظام کی تشکیل کی جسے عرب مسلمانوں کے جنگی ادب'' کا نام دیا جاسکتا ہے ۔''

: اسلامی بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں

وہ حالات جن میں اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ - ۱

اسلام میں اعلان جنگ کا طریقہ۔ - ۲

جنگ میں مسلمان مجاہدین کا کردار۔ - ۳

اسلام میں قیدیوں کے ساتھ سلوک اور غنائم کے احکام۔ - ۴

قدرتی طور پر یہ ناممکن ہے کہ ہم اس طرح کے مقالے میں ان تمام چار حصوں کا پورا حق ادا کر سکیں۔اس لیے ہم یہاں صرف تیسرے حصے، یعنی مسلمان مجاہدین کا کردار، پر ہی اکتفا کریں گے اور وہ بھی بہت اختصار کے ساتھ۔ تفصیل کے طالب اس موضوع پر ہماری دو کتابوں الاسلام والقانون الدولی اور احکام الحرب والسلام فی دولۃ الاسلام کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔

:جنگ میں مسلمان مجاہدین کا کردار

مسلمان مجاہدین دوسری اقوام کے افراد کے خلاف جنگ مین جن قواعد کی پابندی کرتے تھے ،ان کی حیثیت محض عام اخلاقی اصولوں یا ان کے کمانڈر اور حکمرانوں کی ہدایات کی سی نہیں تھی ،بلکہ وہ ایسی شرعی ذمہ داریاں تھیں جن میں اکثر کا قرآن وسنت میں صراحتاً ذکر ہے اور جن کی خلاف ورزی کرنے والوں کو صرف ان

کے افسران کی جانب سے ہی سزا نہیں ملتی تھی ،بلکہ وہ اخروی زندگی میں بھی سزا کے لئے پیش ہوں گے ،کیونکہ انھوں نے ایسی قطعی شرعی نصوص کی مخالفت کی ،جو قرآن یا سنت یا ان دونوں میں مذکور تھیں۔

اس ضمن میں مسلمان مجاہدین کے کردار کی تشکیل کرنے والے چند اہم شرعی قواعد یہ ہیں :

جنگ کو صرف دشمن مردوں اور لڑنے والوں تک محدود رکھنا۔ -۱

رسول کریم ﷺ سے روایت ہے کہ جب آپ نے حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ تعالی عنہم کو موتہ کی طرف بھیجا تو انھیں ہدایت کی :

''بچے ،عورت ،،بزرگ، بوڑھے ،اور خانقاہ میں گوشہ نشین شخص کو قتل نہ کرو۔''

اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے جنگ میں زخمیوں سے کام لینے کی ممانعت کی :

''زخمی کے ذریعے جنگ نہ کرو، کیونکہ اس کا بعض حصہ اس کے پاس نہیں ہوتا۔ ''

اسی طرح آپ ﷺ نے زراعت پیشہ افراد اور بچوں کو اذیت دینے سے روکتے ہوئے فرمایا:

بچوں اور محنت کشوں کو قتل نہ کرو۔'' جہاں تک عورتوں کا تعلق ہے تو رسول کریم'' ﷺ نے ان پر حملے سے گریز کا حکم دیا ،الا یہ کہ وہ ہتھیار اٹھا کر

مسلمانوں کے مقابلے میں آئیں۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے مشرکین کی ایک مقتول عورت کی لاش دیکھی، تو جس نے اسے قتل کیا یا اس کی اجازت دی اس کو ملامت کرتے ہوئے فرمایا :

"یہ تو لڑنے کے لئے نہیں تھی۔"

(بین الاقوامی قانون انسانیت اور اسلام۔ ص: ۲۱۰ سے ۲۱۲ تک)

سید ہاشم لکھتے ہیں :

مسلح تصادم کے متاثرین کے حقوق :

مسلح تصادم کے متاثرین کے حقوق دو قسم کے قانونی قواعد کے ذریعے متعین کیے گئے ہیں :

پہلی قسم کے قانونی قواعد، جو "قواعد ہیگ" کے نام سے معروف ہیں، مقاتلین پر بعض ہتھیاروں کے استعمال پر پابندیاں لگاتے ہیں اور ان کی واضح اساس ۱۸۹۹ء اور ۱۹۰۷ء میں منعقد ہونے والی ہیگ کی دو امن کانفرنسوں اور ان کے نتیجے میں وجود میں آنے والے معاہدات میں پائی جاتی ہے۔

دوسری قسم کے قانونی قواعد، جنھیں "قانون جنیوا" کہا جاتا ہے، مسلح تصادم کے متاثرین یعنی قیدیوں، زخمیوں اور مقتولین ، کے حقوق مقرر کرنے کے علاوہ مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان تمیز کو لازم قرار دیتے ہوئے لازم کرتے ہیں کہ طاقت کا استعمال صرف مقاتلین تک ہی محدود ہو۔ یہ قواعد ۱۹۲۹ء اور

۱۹۴۹ء کے جنیوا معاہدات میں پائے جاتے ہیں۔

اس کے بعد ۱۹۴۹ء کے چار جنیوا معاہدات کے اضافی ملحقات آئے، جنھوں نے ان دونوں قسم کے قواعد کو یکجا کیا اور متاثرین جنگ کی حفاظت کے قاعدے میں توسیع کے علاوہ طاقت کے استعمال کو مزید قیود کا پابند کردیا۔

اگر ہم ان قواعد کی بات کررہے ہیں، جن کی تدوین بین الاقوامی برادری نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی میں کی، تو دوسری طرف اسلامی شریعت نے نزول قرآن کی ابتدا سے ہی، اور پھر رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے عملی نمونوں اور فقہائے کرام کے اجتہادار اور اسلامی قانون کے قواعد عامہ کی تدوین کی شکل میں، مسلح تصادم کے متاثرین کی حفاظت کے لئے تفصیلی اور محکم ضابطہ لائی ہے جسے حجم اور نوعیت دونوں اعتبار سے معاصر بین الاقوامی قانون کے قواعد پر سبقت حاصل ہے۔

یہاں ہم مقالے کی حدود کی پابندی کرتے ہوئے اس حفاظت کی وضاحت کریں گے۔

الف: مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان فرق:

اس فرق کا مقصد یہ ہے کہ فوجی طاقت کے استعمال کو فوجی اشخاص اور املاک تک محدود کیا جائے۔ ۱۹۴۹ء کے چار جنیوا معاہدات اور ان کے اضافی ملحقات نے اس

مسئلے کے لئے تفصیلی ضوابط دیے ہیں۔ اس سے پہلے ہم رسول کریم ﷺ کی ان ہدایات کا ذکر کرچکے ہیں، جو آپ لشکر کے کمانڈروں کو دیتے تھے اور جو اس مسئلے کو نہایت دقیق انداز میں حل کرتے ہیں۔ خلیفۂ اول حضرت ابوبکر صدیق نے ان ہدایات کی روح کو سمجھتے ہوئے اپنے لشکر کے ایک کمانڈر کو مزید یہ ہدایات دیں :

خیانت مت کرو۔ مال غنیمت میں سے چوری نہ کرو۔ عہد شکنی مت کرو۔ مثلہ مت کرو" ۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو مت مارو۔ کھجور کے درخت نہ کاٹو۔ نہ ہی انھیں جلاؤ ۔ پھل دینے والے درخت مت کاٹو۔ بکری۔ گائے اور اونٹ ذبح نہ کرو۔ الا یہ کہ کھانے کی ضرورت ہو۔ تم راستے میں ایسے لوگوں کو دیکھو گے، جنھوں نے دنیا چھوڑ کر خانقاہوں میں پناہ لے رکھی ہے؛ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو"۔

رسول کریم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ تعالی عنہ کو محنت مزدوری کرنے والوں پر حملہ نہ کرنے کی ہدایت دیتے ہوئے فرمایا :

"مزدوروں کا قتل درست نہیں ہے۔ "

اسی طرح انھیں لوٹ مار سے منع کرتے ہوئے فرمایا :

وہ ہم میں سے نہیں جس نے لوٹ مار کی، مال چھینا، یا اس کی طرف دوسروں کو" "ترغیب دی۔

:طاقت کے استعمال پر قیود

ہم بیان کرچکے ہیں کہ جنگ کی اجازت اسلام میں محض ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر ہے اور یہ کہ یہ جنگ صرف عُدوان کے خاتمے کے لئے ہے۔ پس ضروری ہے کہ طاقت کے استعمال کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہو کہ وہ صرف اپنے ہدف تک ہی محدود رہے اوراس سے تجاوز نہ کرے۔

: زخمیوں اور مریضوں کے حقوق

اسلام نے زخمیوں اور مریضوں کے ساتھ اچھا سلوک لازم کیا ہے۔چنانچہ زخمیوں اور معذوروں پر حملہ جائز نہیں ہے، بلکہ ان کے ساتھ رحم دلی اور شفقت کا سلوک اور ان کا علاج کرنا واجب ہے۔ صلیبی جنگوں کی تاریخ اتنی پرانی نہیں ہے اور ہم سب کو یاد ہے کہ صلاح الدین ایوبی کا ان جنگوں میں فریق مخالف کے زخمیوں کے ساتھ کیا سلوک رہا ۔ یہاں ہم یہ یاد دلائیں گے کہ اسلام نے دشمنوں کی طرف سے واقع ہونے والے جرائم کے ضمن میں معاملہ بالمثل سے منع کیا ہے پس مثلہ کرنا ناجائز ہے، خواہ پاگل کتے ہی کا ہو، جیسا کہ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے۔اس ضمن میں اسلام کے ضوابط میں سے ایک یہ ہے کہ ہتھیار ڈال دینے والے پر حملہ ناجائز ہے، کیونکہ اسے اب مقاتل نہیں سمجھا جاسکتا اور اسلام نے غیر مقاتل پر حملے کی اجازت نہیں دی، اسی طرح دشمن افراد میں سے جو میدان چھوڑ کر بھاگ جائے اس کا قتل بھی جائز نہیں کیونکہ،

وہ غیر مقاتلین میں سے ہو جاتا ہے، یہ وہ فرق ہے جس تک معاصر بین الاقوامی قانون ابھی تک نہیں پہنچا۔

بہت افسوس کا مقام ہے کہ بین الاقوامی برادری اسلام کی اعلی تعلیمات سے اور اس کے سلف صالحین کے کردار سے کتنی دور ہیں !

ــــــ۱۶۸ سے ۱۷۰ تک)۔)

اس تمام تر مفصل گفتگو سے مسلح تصادم اور خلفشار میں طبّی خدمات و سہولیات اور غیر مقاتل افراد و اداروں کے حقوق اور ان کے لئے موجود رعایتوں کا اندازہ بڑی آسانی سے لگایا جا سکتا ہے۔

وصلی اللہ علی النبی محمد وعلی آلہ وصحبہ وسلم۔

نوٹ: یہ مقالہ icrcاورicrhکے حوالے سے دو روزہ بین الاقوامی انسانی قانون کے تحت منعقدہ سیمینار27|28نومبر 2013 ''بیسٹ ویسٹرن'' ہوٹل ،اسلام آباد میں پڑھا گیا اس سیشن کی صدارت مفتی اعظم پاکستان حضرت مفتی محمد رفیع عثمانی کر رہے تھے۔

نحمدہ ونصلی علی رسولہ الکریم ، اما بعد :

اس عالم نیست وبود میں انسان اللہ تعالی کی وہ مخلوق ہے ، جنہیں اس نے خود یہاں اپنا نائب وخلیفہ منتخب کیاہے ، کیونکہ آسمانوں وزمینوں اور کل کائنات میں جو کچھ ہے ، یہ اللہ کی ملکیت ہے ، بطور نائب وخلیفہ انسان کے پاس اس ملکیت میں محدود تصرف کے اختیارات ہیں ، یہ اختیارات کوئی انسان کیسے استعمال کریگا۔اس کے لئے آسمانی کتابوں کی صورت میں کچھ کلیات موجود ہیں ، ان کلیات کی روشنی میں جزئیات کی تعیین اپنی خداداد عقل ، فہم ،فراست اور حاصل کردہ تعلیم کی مدد سے انسان نے خود کرنی ہے ، اس لئے حصول تعلیم انسان پر فرض ہے، چنانچہ انسانوں نے اس میں اپنا اپنا کردار ادا کیاہے ، اور اپنے اپنے ماضی کے ادوار میں بڑے بڑے نام بھی کمائے ہیں ، حالیہ دور میں تعلیم کی اہمیت روزِروشن کی طرح واضح ہے ، تعلیم یافتہ اور اَن پڑھ میں درجات کافرق اب ہر کس وناکس بخوبی جانتاہے، قوموں کی ترقی وتمدن کا راز تعلیم میں ہے ، سفر وحضر میں ، انفرادی واجتماعی زندگی میں تعلیم اب اس زمانے میں انسانی بنیادی ضرورتوں میں سے ٹھہری ہے ، ٹیکنالوجی اور فکر ونظر کے ارتقائی طوفانوں نے اب اس دنیاکو بالکل بدل کے رکھ دیا ہے۔

ترک قوم نے مختلف ادوار میں عالمی سطح پر لیڈر شپ اور قیادت کی ہے ، عثمانی خلافت اس قوم کے ماتھے کا جھومر ہے ، لیکن استعماری ادوار میں یہ قوم بھی کچھ سُکڑ گئی تھی ، اب ترکی قوم ، ملک اور وژن پھر سے عروج وارتقاکے منازل طے کررہے ہیں، اقوام عالم میں اپنی کلیدی حیثیت منوارہے ہیں، عرب وعجم ان کے مداح ہیں،پاکستان اور ترکی فطری حلیف ہیں ، دونوں قوموں میں لازوال رشتے ہیں ،باہمی محبت کے ایسے جذبات ہیں کہ جس کی نظیر ملنا شامل ہے۔

پاکستان میں تعلیم ، سائنس ، ٹیکنالوجی ، اور رفاہی امور میں دیگر اقوام کی طرح ترکی کا بڑا کردار ہے ، مملکت سعودی عرب نے پاکستان کے قلب اسلام آباد میں الجامعۃ الاسلامیۃ العالمیۃ باسلام آباد اور شاہ فیصل مسجد کے شاہ کار وشاندار ایسے تحفے پاکستان کو دیئے ہیں کہ تا قیامت ان کا یہ احسان یہ ملت بھول نہیں سکیگی ، اب اسی طرح الجامعۃ الترکیۃ العالمیۃ باسلام آباد اور طیب اردوان مسجد کی شکل میں ترک قوم بھی اپنا رنگ جمائی گی، اور حقیقت تو یہ ہے کہ یہ ترکش یونیورسٹی دنیا کی عظیم ترین دانش گاہوں ، تعلیم گاہوں میں صف اول کی درسگاہ ہونے کے ساتھ ساتھ فکرو نظر اور اسلامی اخوت وقرابت کی ایک مینارۂ نور بھی ہوگی ،ان شاء اللہ تعالی۔

محسن پاکستان جناب ڈاکٹر عبد القدیر خان ، جناب شاہد باجوہ، جناب سمیع اللہ عزیز ،ان دونوں قوموں کے درمیان اس تعلیمی پل کے معمار ہیں ،امید ہے کہ یہ پل پاک ترکی تعلقات میں اور عالمی سطح پر ہمیشہ کے لئے انسانی تاریخ کا ایک انمول کارنامہ ہوگا۔ یہاں عربی اسلامی علوم کے علاوہ جدید ٹیکنکل ایجوکیشن و متعلقات کا بھی کماحقہ انتظام ہوگا۔ اللہ تعالی اس عظیم منصوبے کو جلد بعافیت وکمال اختتام تک پہنچائے اور پوری انسانیت کے لئے اسے خیر، فلاح اور بہبود کا ذریعہ بنائے۔

پاک ترک اقوام زندہ وتابندہ وپائندہ باد۔

وصلی اللہ علی خیر خلقہ محمد وعلی آلہ وصحبہ اجمعین۔

شیخ ولی خان المظفر

18دسمبر۔۔ اربک لینگویج انٹرنیشنل ڈے

28 دسمبر 1973ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرارداد نمبر 3190 کے مطابق ہر سال 18 دسمبر کی تاریخ بطور '' اربک لینگویج انٹرنیشنل ڈے'' منانے کا اعلان ہوا، عرب دنیا اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کی جامعات ، سفارت خانوں، قونصل خانوں ، بین الاقوامی لیول کی سماجی تنظموں ، عرب لیگ ،اوآئی سی ، خلیج تعاون کونسل ، رابطۃ العالم الاسلامی ، رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ ، المجلس الدولی للغۃ العربیۃ ، المجلس العالمی لعلماء المسلمین اور UN کی طرف سے عالمی سطح پر اپنے اپنے انداز میں یہ دن منایا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ میں تحریر و تقریر کیلئے منظور شدہ زبانیں پانچ ہیں : عربی ، انگریزی ، چینی ، روسی ،اور فرانسیسی ۔ گویا مذکورہ بولیاں عالم گیریت کے اس دور میں کسی قوم ، منطقہ اور مذہب کے لئے مختص نہیں رہیں ، بلکہ ساری انسانیت ان میں برابر کی شریک ہیں ، اب چونکہ دنیا ایک گلوبل ویلج کی صورت اختیار کر گئی ہے،اقوام متحدہ اور عالمی لیبل کی حامل تمام اداروں ، تنظموں اور اتحادوں کا فرض بنتا ہے کہ کرۂ ارض کے امن وسلامتی اور تعمیر وترقی کیلئے

انسانیت کے عنوان تلے ان زبانوں کی ترویج و تعلیم کے انتظامات کرے ،تاکہ بنی نوع بشری نظریات ،افکار اور عقائد کے ساتھ ساتھ علم وادب ،تہذیب وتمدن اور صحافت وثقافت کے میدانوں میں ایک دوسرے سے بھرپور استفادہ کرکے اور ایٹمی ٹیکنالوجی سے مسلح آج کی دنیا جنگ وجدل ،اور تخریب وفساد سے دُور انسانیت کے ناطے محبت والفت، افہام و تفہیم ،دلیل ومنطق اور گفت و شنید سے اپنے معاملات حل کرکے اس چمنستانِ رنگ وبو کو امن وآشتی کا گہوارہ بنائے ۔

عبرانی اور سریانی زبانوں کے انحطاط کے دور میں یہودیت اور عیسائیت کی بنیادی تعلیمات بطور خاص مشرقی کلیساؤں کے معتقدات عربی ہی میں رہیں ،المجلس الیھودی الامریکی (american jewish committee) کی تمام تردینی قوانین وعقائد حاخام موسی بن میمون القرطبی کی تحریر کردہ عربی ہی میں ہیں ،موجودہ انگریزی بائبل کے قدیم ترا اور مارکیٹ میں متوافر نسخے بھی اصلاً عربی کے ہیں ۔

اسلام کی توبنیاد ہی عربی پر ہے ،تمام تر اسلامی علوم وفنون ،عقائد وتاریخ کی امہات الکتب اور اصل مراجع کا تعلق عربی ہی سے ہے، عربی زبان وادب کی اہمیت وضرورت توظاہر ہے ،قرآن حکیم عربی زبان میں ہے ،نماز کے تمام ارکان از اول تا آخر عربی میں ہیں عیدین وجمعہ کے خطبے عربی زبان میں ہیں ،احادیث،

کا عظیم الشان ذخیرہ عربی میں ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نسباً ولغۃً عربی ہے، عام اسلامی دعائیں ،اذکار اور درود شریف سب عربی زبان میں ہیں اللہ تعالی کے پیارے ننانوے مبارک نام عربی میں ہیں، حجاز مقدس ،مکہ، مدینہ،، لبنان، شام، مصر، طرابلس، الجزائر، تیونس، مراکش، بحرین، کویت، وغیرہ چھوٹے بڑے کئی ممالک کی زبان عربی ہے، ان سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے عربی زبان کی شدید ضرورت ہے ،ان ممالک میں جو عربی لٹریچر دینی، ٹیکنیکی، اقتصادی اور سیاسی حوالوں سے ہزاروں کتب، رسائل واخبارات سمعی بصری اور الیکٹرانک میڈیا میں شائع ہورہے ہیں ان کا تو ٹھکانہ ہی کیا۔

ان ممالک کو معلموں ،انجنیئروں،ڈاکٹروں اور زندگی کے دیگر مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کی ضرورت وحاجت ہے ،ان ممالک میں تجارت کے ذرائع پیدا کرنے، کارخانے قائم کرنے ،اپنے ملکی اور ملی وسیاسی مقاصد ومفادات کی وہاں اشاعت ،کے لئے عربی زبان کی شناسائی نہایت ضروری ہے

امام شافعی کے مذہب میں توکچھ نہ کچھ عربی سیکھنا فرض عین کا درجہ رکھتا ہے، امام ابو حنیفہ ،امام مالک ،امام احمد بن حنبل، علامہ ابن قیم اور حافظ ابن تیمیہ جیسے اساطین علم وفضل کے نزدیک بھی عربی سیکھنا فرض کفایہ

ہے۔

ادبی اعتبار سے بھی عربی زبان کی صفات و خصوصیات بے حد لطیف اور تفصیل طلب ہیں کاش روز اول ہی سے ہمارے ملک میں یونیورسٹیز، کالجز، سکولز اور بالخصوص دینی، مدارس وجامعات کے ارباب انتظام واختیار اس کے مقام اور مرتبے کو محسوس کرتے ہوئے اس طرف توجہ دیتے، تو عالم اسلام اور عالم عرب کے اتحاد اور قرآن و حدیث کی تعلیمات کو باحسن وجوہ سمجھنے کے لئے یہ زبان ایک موثر ذریعہ ثابت ہو سکتی تھی، اب بھی اگر ہمارے حکمراں دین کے لئے نہ سہی اپنے سیاسی اور دنیاوی مقاصد کے لئے اس زبان پر توجہ دیں تو عالم اسلام میں پاکستان کی حیثیت کچھ اور ہو۔

1973ء کے آئین کے مطابق حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عربی زبان کی ترویج واشاعت کی طرف توجہ دے، آئین کے باب دوم کے آرٹیکل نمبر 31 شق 2 میں مذکور ہے:

(2)The State shall endeavor,as respects the muslims of pakistan (a) to make teaching of Holy Quraan and islamiat compulsory,to encourage and facilitate the learning of Arabic language and secure corrct and exat printing and publishing of the Holy Quraan.

(b) to promote unity and the observance of the Islamic morl standards;and (c) to sucure the proper organization of Zakat,Ushr auqaf and mosques."

یعنی ملک میں ایسے اقدامات اٹھائے جائیں گے، جن کی وجہ سے مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے بنیادی عقائد کے مطابق گزار سکیں، ملک میں قرآن کریم اور اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی جائے گی، نیز عربی زبان کی تعلیم وترویج کی حوصلہ افزائی کی جائے گی، اور مملکت قرآن کریم کی طباعت واشاعت کا بندوبست کرے گی ....مذکورہ اقتباس سے عربی زبان کے فروغ اور نشر اشاعت کے متعلق ہمارے ملک کے آیئنی ودستوری فریضے کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

مفتی سراج شہید کا غم

کراچی میں دہشت گردی کے طاعون اور وبا نے یوسف زیوں کے قبیلے چغرزئی کے ایک قابل ترین، نڈر اور حق کی ترجمانی میں بے باک نوجوان مفتی سراج صاحب کو بھی ہڑپ کرکے شہادت کا مقام دلادیا۔

مفتی صاحب خاندان میں ہمارے چچیرے بھائی تھے، ان کی بیگم ہماری بھانجی لگتی ہے، عمر میں ہم سے کئی سال کمتر اور مرتبے میں ہم سے بہت برتر تھے، جامعہ فاروقیہ کراچی میں ہم نے ان کو اپنے ساتھ ایڈمیشن کرایا، ہمارے دورہ کے سال وہ اب صرف ثانیہ تک ہی پہنچے تھے لیکن محنتی، ذہین اور نظریاتی ہونے کی وجہ سے گاہے گاہے ہمیں بھی ناز ناز میں بہت کچھ سناجاتے، ہمیں ان سے اور ان کو ہم سے پیار کا اندازہ اس سے لگایئے، کہ جمعرات جمعرات شہادت تک میرے پاس ہی تشریف لاتے، احکام سناتے، مزاج میں جابرانہ رنگ تھا، لیکن خشک مزاج نہیں تھے، مناظرے بھی بہت کرتے تھے، اور بغیر تھکے گھنٹوں دلائل کے انبار دیتے، میں اکثر وبیشتر مناظرے والوں کو ان کے سامنے کردیتا اور وہ ان سے بحث کرکے چاروں خانے چت کردیتے۔

اسفار میں بھی ہم ساتھ رہیں، لیکن وہ سفر وحضر سب ہی میں بے تکلف رہتے ، خادمانہ انداز میں پیش آتے ، گالم گلوچ اور بدتمیزی کے سخت مخالف تھے، برے القاب اور طعن وتشنیع والوں کو سخت ناپسند کرتے ، جمعیت علماء اسلام سے محبت ان کے رگ وپے میں ، پیوست تھی

قائد جمعیت مولانا فضل الرحمٰن سے اعتقاد کی حد تک محبت کرتے، ان کی ہر بات اور فکر ونظر کا دفاع کرتے، پچھلے دنوں ملیر کینٹ کے باہر نامعلوم حملہ آوروں نے ان پر قاتلانہ حملہ کیا، کچھ دن ہسپتال میں زیر علاج رہے، لیکن زخم خطرناک تھے ، جان بر نہ ہوسکے ، ذی الحجہ کے اواخر میں جان جاں آفریں کی سپرد کرکے ہم سے رخصت ہوئے ، انا للہ وانا الیہ راجعون، فوج نے میت کو سلامی دی اور قاری ابراہیم شریف خان کی قیادت میں ان کی تابوت کے قافلے کا شانگلہ پہنچنے پر بھی فوجی دستہ پرتپاک استقبال کیلئے موجود تھا، عسکری اعزاز کے ساتھ ہزاروں سوگواروں کی موجودگی میں انہیں سپرد خاک کیا گیا، اللہ تعالی ان کی شہادت اور طلب علم وخدمت علم کو قبول فرمائے ، جنت الفردوس میں انہیں اعلی مقام عطافرمائے اور ہم سب پس ماندہ گان کو اللہ تعالی صبر جمیل نصیب فرمائے

قفا نبک من ذکری حبیب ومنزل بسقط اللوی بین الدخول فحومل

اللھم لا تفتنا بعدہ ولا تحرمنا اجرہ

وصلى الله على النبي العربي وآله وصحبه وسلم

جامعۃ اللغۃ العربیۃ المفتوحۃ - اھداف۔۔ مقاصد۔۔ منصوبے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العالمین ، والصلاۃ والسلام علی سید العرب والعجم ، وعلی آلہ وصحبہ اجمعین ، وبعد:

اللہ تعالی ہمارے خالق ہیں مالک ہیں، وہ کریم ہیں، رحیم ہیں، علیم ہیں ، حکیم ہیں، اس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا، ان کے پاس اپنی ہدایات سمجھانے کے لئے انبیاء ،اولیاء علماء، مفکرین اور مجتہدین بھیجے، ان کی وحدتِ توجہ کے لئے کرہ ارض کے وسط، عالمِ عربی میں اپنا ایک گھر کعبۃ اللہ کا انتظام کیا، اس کے پڑوس میں آباد عرب قوم سے اپنے آخری نبی ﷺ کا انتخاب کیا، پھر عالمِ بشری میں بولی جانی بوالی بولیوں میں سب سے سہل، وسیع ،شیریں اور قدیم وجدید ہر لحاظ سے محفوظ تر زبانِ عربی میں قیامت تک کے لئے شمع رشد وہدایت کے بطور اپنا کلام نازل فرمایا، صفہ سے لے کر موجودہ مدارس وجامعات کی شکل میں جو ادارے ہیں ، سب میں کی جانی والی کوششیں وکاوشیں اسی فکر کی حامل ہیں ، اگر عربی زبان کو ان مساعی جمیلہ کا بنیادی محور قرار دیا جائے، تو اللہ کے پیغام بمع اپنے متعلقات کے سمجھنے اور سمجھانے میں کوئی دقت اور مشکل نہیں

رہے گی، نیز قرآن وحدیث کے لغات و الفاظ، مفاہیم و مصطلحات، تفاسیر و تشریحات تک صحیح اور آسان رسائی حاصل ہوگی۔ جامعۃ اللغۃ العربیۃ المفتوحۃ کا قیام اسی مقصد کے لئے ہے۔

عربی ہی ضروری کیوں؟

ڈاکٹر عبدالقدیر خان سے گزشتہ دنوں ہماری ایک طویل نشست ہوئی، جہاں قرآن وحدیث اور سیرت نبوی ﷺ کے متعلق عوام وخواص سب ہی میں قلّت واقفیت کا شکوہ ہو رہا تھا، اس حوالے سے ان کے سامنے چند معروضات ہم نے پیش کی تھیں۔

بانی دارالعلوم دیوبند مولانا قاسم نانوتوی کی تاریخی شخصیت اور ان کی گراں قدر فلسفیانہ اور عالمانہ تصنیفات سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ وہ مولانا مملوک علی کے غیر معمولی شاگرد تھے اور ایسے میں پھر اس بات کی حیثیت ایک غلط مفروضے کی ہوگی کہ وہ ایک عام سے مولوی تھے، جنہوں نے دین کی خدمت کے لیے ایک مکتب کھولا اور بس یہی ان کا ہدف تھا۔ یہ کیوں اور کیسے تسلیم کیا جائے، جبکہ مولانا مملوک علی دہلی کے ایک عربی کالج کے پرنسپل رہیں اور مولانا نانوتوی ان کے ذہین و فطین شاگرد۔

1857 کی جنگ آزادی اور اس میں مسلمانوں کی عارضی شکست ان کے سامنے تھی۔ فرنگی استعمار اور ہندو ثقافت کے یکے بعد دیگرے ہندوستان پر پنجے گاڑنے کی

کوششوں سے وہ باخبر تھے۔ اسلام اور مسلمانوں کی سرزمینِ ہند سے بے دخلی کا جو خواب دشمن دیکھ رہا تھا، وہ ان کے علم میں تھا، پھرایک طرف سید الطائفہ حاجی امداداللہ مہاجر مکی بھی ہند میں اسلام اور اسلامی تعلیم کی بقاء کے لیے فکر مند تھے۔ اس کے نتیجے میں پھر قصبۂ دیوبند میں ایک ''مدرسہ عربی'' قائم ہوتا ہے۔ اس پر مفکرین و مصلحینِ امت سر جوڑے بیٹھتے ہیں اور مسلمانوں کی تقدیر بدلنے کا خواب دیکھتے ہیں، تو پھر ضرور یہ کوئی غیر معمولی مدرسہ تھا، وگرنہ انار یا کیکر کے درخت تلے یا کسی چبوترے کے نیچے، کسی گھر کے صحن میں، کہیں کسی ڈیوڑھی پر تو اور بھی ملا محمود اور طالب علم محمود جیسے بہتیرے پڑھنے بیٹھے ہوں گے، مگر تاریخ تو ایسے کسی کردار کو نہیں جانتی اور اِدھر ان کا قصہ ہے کہ زبان زدِ عام و خاص ہے۔ دین سیکھنے سکھانے کا عمل بھی اسلامیانِ ہند میں مکاتب، مساجد اور کم از کم گھروں میں تو رہتا ہی ہوگا، پھر دیوبند کے اس مکتب کو یہ رجوع اور قبول کیوں کر حاصل ہوا اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ ازہر الہند کے رتبہ پر کیسے فائز ہوا۔

مطالعہ اور تجزیہ کہتا ہے کہ دیوبند کے ''مدرسہ عربی''میں دو باتیں نہایت اہم ہیں۔

ا۔اس کا نظریاتی پس منظر اور اس کی خمیر میں شامل فکر و فلسفہ، جس کے حامل

اور علمبردار ہندوستان کے اس وقت کے چوٹی کے اہل اللہ اور عبقری شخصیات تھیں۔

۲۔ اس کا یہ سادہ سا عنوان جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ ''فارسی مکتب''اور ''انگریزی اسکول''کی طرح ایک ''مدرسہ عربی'' ہے، بظاہر جس کا مقصد فقط ایک زبان کی بول چال یا لکھت پڑھت سکھانا ہے، جو ایک معمول کی چیز ہے اور ادھر حقیقت یہ ہے کہ اس سادہ عنوان کی پشت پر ایک فلسفہ اور سوچا سمجھا مقصد ہے اور اس کی ذیل میں اہداف واغراض کی ایک لمبی فہرست ہے۔

دہلی کے عربی کالج کے پرنسپل سے سبق لینے والا طالب علم بس ویسے ہی تو ''مدرسہ عربی'' کے مہتمم نہیں بنے ہوں گے، بلکہ ضرور ان کا مقصد یہ رہا ہوگا کہ ہند والوں کو عربی پر عبور حاصل ہوجائے اور پھر اس کی بنیاد پر عربی کا طالب علم عرب دنیا میں یا یہاں کسی عربی شعبے میں ملازمت تلاش کرنے کو منزل نہ بنائے، بلکہ اس کی صلاحیتیں قرآن وسنت کے سمجھنے میں صَرف ہوں اور یہاں سے کوئی بخاری، ترمذی، نسائی، مسلم، ابوداؤ، ابن ماجہ، ماتریدی، رازی، غزالی، نسفی، عسقلانی، قسطلانی ابن رشد، ابن سینا جیسے ائمہ اور موجِدین پیدا ہوں، جن کے علوم وخدمات کے عرب وعجم یکساں ممنونِ احسان ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ پھر جب دیوبند کے اس ''مدرسہ عربی''کی غیر منقسم ہندوستان کے

اطراف واکناف میں اور بعد ازاں موجودہ پاکستان، بنگلہ دیش میں شاخیں پھیلنے لگیں، تو وہ بھی اپنے اصل سرچشمے کی پیروی میں عربی مدارس ہی کہلائی جانے لگیں۔ پاکستان کے نابغۂ روزگار عالمِ دین علامہ یوسف بنوری مرحوم نے بھی اپنے ادارے کا نام المدرسۃ العربیۃ'' اسی تناظر میں رکھا تھا۔ وجہ وہی ہے کہ یہاں اصل تعلیم عربی کی'' دی جاتی تھی اور دین کا علم اس کے ضمن میں خود ہی آجاتا تھا، چناں چہ آج تک اس نصاب میں عربی ہی عربی چھائی ہوئی ہے، جس میں گرامر سے لے کر اسالیب انشاء اور ادب عالی تک سب چیزیں شامل ہیں اور درجۂ تکمیل میں جاکر پھر دینیات یعنی تفسیر اور تقریباً پورے ذخیرہ احادیث کا ایک دورہ کرایا جاتا ہے۔

بد قسمتی سے کچھ عرصے سے اس نصاب سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہو رہے ہیں۔ مقاصدِ فنون، طلبہ کیا مدرسین کو بھی معلوم یا کم از کم مستحضر نہیں ہوتے اور ذی استعداد سمجھے جانے والے مدرسین کو بھی عام سی عربی تحریر و تقریر سمجھنے میں عموماً سخت دشواری اور شرمندگی کا سامنا رہتا ہے، دقیق اور جدید چیزیں تو دور کی بات ہے اور اعتذار یہ ہوتا ہے کہ ہم نے جدید عربی نہیں پڑھی اور کہیں یہ لطیفہ کہ عربی بطورِ زبان کا علم سے کوئی تعلق نہیں، ستم ظریفی یہ ہے کہ سالہا سال سے تفسیر و حدیث پڑھانے والے، چوٹی کی عربی نثر و نظم کی کتابیں پڑھانے والے بھی عربی نہیں جانتے اور نوبت بایں جا رسید

کہ اب علماء اور اہل مدارس کے سامنے بھی عربی کے فضائل واہمیت پر لمبی چوڑی تقریریں کرکے انہیں اس کا قائل کرنا پڑتا ہے اور اس طرح کی کوششوں سے پھر کہیں جاکر مدارس میں عربی شعبے قائم کرنے کے امکانات پیدا ہوئے ہیں۔ اس صورت حال میں کیا یہاں فقہاء، مجتہدین اور مجددین، جن کی امت کو ضرورت ہے، پیدا ہونے کا کوئی امکان ہے؟ جبکہ علومِ اسلامیہ کا اصل اور اور کلاسیکل اثاثہ عربی میں ہے؟

مقامِ اطمینان ہے کہ برقی ایجادات اور سائنسی ترقیات کی بدولت آج ایک مرتبہ پھر عربی زبان کا زبردست غلغلہ ہے۔ مدارس (چندایک ہی سہی) ایک نئی کروٹ لے رہے ہیں اور عربی لینگویج سینٹر، عربی رسائل ومجلات، عالم عرب کے ساتھ رابطہ، عربی خطبات خصوصاً ائمہ حرمین کی تلاوتیں اور خطبات، عربی نغمات کی دستیابی، عربی ویب سائٹس پر جانے اوران سے استفادہ کا رجحان بڑھ رہاہے اور عربی کی ترجیح رواج پارہی ہے۔ ایسے میں علماء اوراہل مدارس کو اپنی اس کھوئی ہوئی پونجی اور شناخت کو دوبارہ حاصل کرنے اور اس کی بازیابی کے لیے جدوجہد تیز کرنے اور صحیح معنوں میں قرآن وحدیث سے وابستگی کا ثبوت دینے کی ضرورت ہے۔

علماء بلاغت کا یہ قیاس کہ پیغمبر اسلام کی نبوت اعجازِ قرآن کریم پر موقوف

ہے اور اعجازِ قرآن بلاغت کے اعلیٰ ترین مرتبہ پر فائز ہونے کی وجہ سے ہے۔ سو نبوت محمدیہ کا اپنے ثبوت میں بلاغت کے ساتھ چولی دامن کا تعلق ہے، یہ منطق اگر کوئی معنی رکھتی ہے تو کیا عربی زبان سے آشنائی کے بغیر اس گھاٹی سے گزرنا ممکن ہے؟ اگر نہیں تو پھر عربی سے یہ بیر اور بلاد عرب و عربوں پہ نفور کیوں؟ اور عربی زبان کی اس واجبی اور سرسری سی تعلیم پر اکتفا کیوں اور کب تک؟ کیا اس قیاس کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ عربی زبان کم از کم عربی مدارس والوں کی تو رگ و پے میں ہی بس جائے، ان کا اوڑھنا بچھونا اور ذوق و دلچسپی کا میدان بنے، مگر ایسا نہیں ہو رہا اور وہی مساجد میں رٹے رٹائے خطبے ہیں جو عموماً خود خطیب کے پلے بھی نہیں پڑتے اور تقریر و تدریس کی سلطنت بھی مواعظ اور شروحات کی بنیاد پر قائم ہے، لب و لہجہ طرز و اسلوب، تحریر و تقریر وغیرہ پر وہی اردو، ہندی اور فارسی کا راج ہے اور بقولِ علامہ ابنِ تیمیہ ''ان اعتیاد اللغۃ مؤثر فی العقل والخلق والدین تأثیراً بیناً''، کہ زبانیں بہر حال اپنا ایک واضح اثر رکھتی ہیں، جس سے ثقافت و معاشرت ہی نہیں ذوق و فکر اور اخلاق و نظریات بھی متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

آمدم بر سرِ مطلب:

ہم نے ایک مرتبہ پھر وہی ''مدرسہ عربی'' اور ''المدرسۃ العربیۃ'' کے عنوان کی طرف رجوع کر کے عصرِ حاضر کے تقاضوں کو مد نظر رکھتے ہوئے ''جامعۃ

اللغۃالعربیۃ المفتوحۃ'' کانام اختیار کیا، ہم ایک نئے اور مشکل لیکن سہل الحصول طریقہ کار کو اپنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔

عربی کی ضرورت پر تو کافی مفصل بات ہو چکی ،آن لائن کی وجہ ایک تو پوری دنیا اس وقت آن لائن ہے، پھر آمد ورفت کی مشکلات سے طلبہ واساتذہ کو بچانے ، دارالاقاموں کے اخراجات سے نکلنے کے علاوہ بھی اس کے مفید پہلو بہت ہیں۔

اس وقت وفاق المدارس العربیۃ پاکستان سے ملحق آن لائن اور مکمل عربی کلاسوں کا یہ ادارہ اللہ کے فضل وکرم سے اپنی آب وتاب کے ساتھ محوِ سفر ہے، پچھلے ایک سال سے کراچی کلب صائمہ ٹاور اور بعض دیگر جگہوں پر اس کے مدرسین عربی کلاسیں بھی لیتے جاتے ہیں، نورانی قاعدہ، حفظ و ناظرہ سے لے کر دورۂ حدیث تک کی تعلیم یہاں جاری ہے، موجودہ اور مستقبل میں جو شعبے اور فیکلٹیز شروع کرنے ہیں اس کی تفصیلات اس طرح ہیں :

.۱۔ قسم قراءۃ القرآن الکریم نظراً

. ۲۔ قسم تحفیظ القرآن الکریم

. ۳۔ قسم الدرس النظامی کاملًا بالعربیۃ

.۴۔ قسم التخصص فی الأدب العربی

. ۵۔ قسم التخصص فی علوم القرآن الکریم

۶۔ قسم التخصص فی علوم الحدیث الشریف
۷۔ قسم التخصص فی الحوار بین الفرق والأدیان
۸۔ قسم التخصص فی الدعوۃ والارشاد
۹۔ قسم التخصص فی الفقہ الاسلامی
۱۰۔ قسم التخصص فی التجوید والتحفیظ والقراءۃ
۱۱۔ قسم التخصص فی السیاسۃ والادارۃ والقیادۃ والجہاد واقامۃ الخلافۃ
۱۲۔ قسم التخصص فی الصحافۃ والاعلام والتصنیف والتألیف والترجمۃ والتعریب
۱۳۔ قسم التخصص فی التاریخ والجغرافیا والغزو الفکری
۱۴۔ قسم التخصص فی اللغات العالمیۃ (العربیۃ، الانجلیزیۃ، الفرنسیۃ، الروسیۃ، الہندیۃ، الألمانیۃ، الاسبانیۃ، وغیرہا)
۱۵۔ قسم التخصص فی التعلیم عن بعد
۱۶۔ قسم التخصص فی اعداد المعاجم والقوامیس فی علوم مختلفۃ و لغات مختلفۃ
۱۷۔ قسم التخصص فی الأمور الرفاہیۃ والمنظمات الخیریۃ
۱۸۔ قسم التخصص فی طرق التدریس والامتحان وامامۃ المساجد والمحاضرات والندوات والمؤتمرات
۱۹۔ قسم التخصص فی ادارۃ المیدیا الجدیدۃ (المجلات والجرائد والصحف والقنوات والمواقع وغیرہا)
۲۰۔ قسم التخصص فی الاستشفاء بالقرآن الکریم والطب النبوی (ص) ونفسیات

.المرضی

. ۲۱۔ قسم التخصص فی الاقتصاد والمصرفیۃ

. ۲۲۔ قسم التخصص فی علوم الفلسفۃ والتفکیر وتجدید الدین واحیاء الاسلام

۲۳۔ قسم التخصص فی علوم المخابرات ومؤامرات الاعداء ودسائسھم ضدالاسلام والمسلمین علی مرالتاریخ والرد علیھا.

:ملائیشیا اربک ورکشاپ

معلّمین ،اساتذہ اور عربی کے میدان میں کام کرنے والوں کے لئے اس ٹیکنکل دور میں جو تیکنیکی ضرورت ہے وہ اصحابِ بصیرت پر روزِ رشن کی طرح عیاں ہے، اس حوالے سے ہمارے کچھ دوستوں نے احسان کرکے ان افراد کو ''جامعۃ اللغۃ العربیۃ المفتوحۃ'' کے توسط سے ملائشیا میں آن لائن تدریس وتعلیم کے لئے دو ہفتے کے ایک ورکشاپ کا اہتمام فرمایاہے، جس کے لئے ادارہ ان کا ممنون ہے اور جن شخصیات کا تعین کیا ہے ان :کے اسمائے گرامی یہ ہیں

۱۔ شیخ نجم اللہ العباسی ۔ الحمراء مسجد ، کراچی

۲۔ مولانا ابراھیم سکھرگاہی ،مدینہ مسجد ، کراچی

۳۔ شیخ عزیز الرحمٰن عظیمی ۔جامعہ بنوریہ ۔ کراچی

۴۔ شیخ عبید الرحمٰن ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

۵۔ شیخ محمد ایوب ۔ کراچی

۶۔ شیخ خالد ۔پنجگور
۷۔ مفتی سلیم شاہ، جامعہ شاہ ولی اللہ ۔ کراچی
۸۔ مولانا عمر صادق ۔ سابق پا لیمانی لیڈر ۔ جے یو آئی، سندھ
۹۔ مفتی رحمان الدین شامزئی، مرکز روحانیت، کراچی
۱۰۔ مفتی سلیم الدین شامزئی ۔ بنوری ٹاؤن، کراچی
۱۱۔ صاحبزادہ عزیز الرحمٰن رحمانی ۔ بنوری ٹاؤن، کراچی
۱۲۔ شیخ موسیٰ عراقی ۔ جامعۃ ابن عباس، کراچی
۱۳۔ شیخ مقصود ہاشمی ۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔
۱۴۔ مولانا طیب عنایت اللہ شہید ۔ کراچی
۱۵۔ الطاف موتی ۔ کراچی
۱۶۔ حاجی مسعود پاریکھ، کراچی
۱۷۔ شیخ عثمان قاسمی ۔ کراچی
۱۸۔ شیخ یوسف قمر ۔ مظفر گڑھ
۱۹۔ مولانا محمد صدیق حسن زئی ۔ مانسہرہ
۲۰۔ مولانا قاری ابراھیم ۔ کراچی
۲۱۔ مولانا حافظ عبد القادر ۔ اسلام آباد
۲۲۔ شیخ سجاد بن الحجابی ۔ مردان
۲۳۔ شیخ دلبر ۔ فیصل آباد

۲۴۔ مولانا سعید احمد ۔ تربت

۲۵۔ مولانا رشید احمد ۔ گوادر

۲۶۔ ڈاکٹر خلیل بلیدی ۔ بلیدہ، تربت

۲۷۔ مفتی صلاح الدین ۔ چمن

۲۸۔ مولانا عبد الرحمٰن ۔ لورالائی

۲۹۔ شیخ جنید اکبر ۔ پشاور

۳۰۔ مولانا حاجی محمد فہیم ۔ سوات

۳۱۔ مفتی فیض الحق ۔ کراچی

۳۲۔ شیخ منیر خان کاکڑ۔ کوئٹہ

۳۳۔ شیخ غلام صابر۔ سرگودھا

۳۴۔ شیخ سمیع اللہ عزیز ۔ پنڈی

۳۵۔ ضیاء اللہ رحمانی ۔ سوات

۳۶۔ مولانا حسین احمد ۔ ایبٹ آباد

۳۷۔ شیخ زاھد عبد الشاھد ۔ گلگت

۳۸۔ شیخ نذیر۔ گلگت

۳۹۔ مولانا عبد الرحمٰن ۔ لاھور

۴۰۔ اویس روف ۔ لاھور

۴۱۔ شیخ حماد خالد ۔ کراچی

۴۲۔ شیخ عبدالباقی ادریس ۔ نوشہرو فیروز

۴۳۔ شیخ کلیم اللہ ۔ شورکوٹ

۴۴۔ وسیم خان ۔اسلام آباد

۴۵۔ مولانا سہیل باوا۔ انگلینڈ

۴۶۔امام عطاء اللہ خان ۔انگلینڈ

۴۷۔ شیخ خالد حبیب۔ انگلینڈ

۴۸۔ شیخ احمد ہتھوارنی ۔ ساؤتھ افریقہ

۴۹۔ مولانا محمد علی ملاہت۔ موزمبیق

۵۰۔ مفتی محمد۔ کشمیر

۵۱۔ مولانا عبدالوحید۔ کشمیر

۵۲۔ مولانا سعید یوسف خان ، کشمیر

۵۳۔ علامہ سعید الرحمٰن ۔کالاڈھاکہ

۵۴۔ طلحہ طاہر لدھیانوی ۔ڈی جی خان

۵۵۔ مولانا اسرار ۔ کراچی

۵۶۔ مولانا محمود الحسن ۔بنیر

۵۷۔ مولاناطاہر، امام بنوری ٹاؤن کراچی

۵۸۔ شیخ عتیق الحسن ۔بنوری ٹاؤن ، کراچی

۵۹۔ مولانامزمل ۔ بنوری ٹاؤن ، کراچی

۶۰۔ مولانا عطاء الحق ۔ هری پور

۶۱۔ سمیع سواتی ۔ کراچی

۶۲۔ عامر یوسف کشمیری ۔ کراچی

۶۳۔ عابد قائم خانی ، کراچی

۶۴۔ شیخ حنظلہ امجد ۔ بنگلہ دیش ساکن فی کراچی

۶۵۔ شیخ خالد حجازی ۔ اسلام آباد

۶۶۔ مولانا محمد جلال ۔ کراچی

۶۷۔ شیخ محمد ۔ چارسدہ

۶۸۔ مولانا محمد علی ۔ رنگون ، میانمار

۶۹۔ مولانا عبد القدوس محمدی ۔ اسلام آباد

۷۰۔ شیخ فیصل رحیم ، مانسہرہ

۷۱۔ مولانا ساجد ، کالا ڈھاکہ ۔

۷۲۔ مفتی امداد اللہ ، کراچی ۔

(گوانتانامو (جہاں جنیوا کنونشن کا جنازہ نکالا گیا

یہ بات اب کسی سے ڈھکی چھپی نہیں ہے کہ اقوام متحدہ، بین الاقوامی مالیاتی فنڈ، عالمی بینک، جنیوا معاہدے اور ایٹمی اسلحے پر پابندی کے معاہدے C.T.B.T & N.P.T صرف مسلمانوں کے خلاف یہود و نصاریٰ کی جنگی چالیں ہی نہیں بلکہ مکروفریب کے وہ جال ہیں جو امت محمدیہ علی صاحبہا الصلاۃ والسلام کو شکار کرنے کے لئے بڑی ہوشیاری سے بچھائے گئے ہیں۔ ان کے کانفرنس، ایجنڈے اور معاہدے دھوکہ دہی، سراب او رعیاری کے سوا کچھ بھی نہیں، اس کی تائید بڑی طاقتوں کے بین الاقوامی معاہدوں، تجاوزات اور اقوام متحدہ کے منشور کی سراسر مخالفت سے ہوتی رہتی ہے، جیسے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے بہت پہلے ارشاد فرمایا: (یقولون بأفواھھم مالیس فی قلوبھم).

کشمیر، چیچنیا، فلسطین، بوسنیا اور افغانستان کے حالات آپ کے سامنے ہیں، یہاں خون کے سیلاب اور ظلم وستم کی کتنی آندھیاں چل رہی ہیں؟ اور ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟ کتنی عورتوں کی بے حرمتیاں کی گئیں؟ کتنے معصوم بچوں اور ضعیف بوڑھوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے؟ اور کتنے مردوں اور پردہ نشین عورتوں کے حقوق کو برباد کیا گیا، جن کا کسی بھی قسم کے جرم سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا؟ انتہائی افسوس کی بات یہ ہے کہ اس تمام تر ظلم وستم کے باوجود بھی

وہ دشمنوں کے پنجے سے آزادی حاصل نہ کرسکے اور نہ ہی بین الاقوامی کسی قانون نے ان کو حق خود ارادیت دیا۔ اس کے بر عکس آپ مشرقی تیمور کو دیکھیں کہ انہوں نے بغض و عداوت کی بنا پر ایک مسلم ملک (انڈونیشیا) سے آزادی کی آواز بلند کی ہی تھی کہ کفریہ طاقتیں سرگرم ہوگئیں اور دوسرے ہی دن دنیا کے نقشے پر ایک آزاد اور بااختیار نصرانی مملکت وجود میں آگئی۔

آپ اسرائیل کو لیجئے کہ جس کا ارض فلسطین کے ساتھ کوئی واسطہ نہیں تھا، جی ہاں وہ فلسطین جو پاک پیغمبروں کی سرزمین ہے، جو معراج کی سرزمین ہے، جس کو دنیا کے اندر ارض مقدس کے نام سے پکارا جاتا ہے، مگر جب ان کفریہ طاقتوں نے چاہا کہ وہاں پر شیاطین الانس یہودیوں کو آباد کرائیں تو ان کی آشیر باد سے ارض مقدس پر اسرائیل کے نام سے ایک یہودی مملکت وجود میں آگئی، ان طاقتوں نے اپنے آپ کو یہودیوں کے فطری شر وفساد سے بچانے کے لئے یہ کیا کہ دنیا کے مختلف نصرانی ممالک میں منتشر یہودیوں کو لاکر یہاں آباد کرانا شروع کردیا۔ نوبت یہاں تک پہنچی ہے کہ یہودی فلسطین کے اندر جو بھی فتنہ فساد کرتے رہیں وہ ملکی سلامتی کے زمرے میں آتا ہے اور اگر فلسطین کے مسلمان کوئی آواز اٹھائیں تو پوری دنیا اس کو دہشت گردی کا نام دے دیتی ہے، حالانکہ یہودیوں کے مقابلے میں فلسطینی مسلمان نہتے ہیں، وہ یہودیوں کے میزائلوں، ٹینکوں، توپوں اور بموں کا مقابلہ غلیلوں اور پتھروں سے کرتے ہیں مگر اس کے باوجود

بھی عالمی سطح پر امن و آشتی کے نام پر چیخنے چلانے والوں کی عقلوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔

آج فلسطین کے بچوں، بوڑھوں، مردوں اور عورتوں کو قتل کیا جا رہا ہے، ان کے مکانات مسمار کئے جا رہے ہیں، ان کی بستیوں کو اجاڑا جا رہا ہے، ان کی مساجد کو شہید کیا جا رہا ہے، اور ان کو اپنے آبائی وطن سے دیس نکالا دے کر ان کی نسلی تطہیر کی جا رہی ہے۔

دوسری طرف بوسنیا میں جو وحشت و بربریت کا طوفان بد تمیزی برپا کیا گیا، مسلمانوں پر مختلف انواع کے مظالم ڈھائے گئے، باپردہ مسلمان خواتین کی جو عزتیں لوٹی گئیں، اس پر مستزاد یہ کہ مظلوم مسلمانوں سے نفرت اور ظالم عیسائیوں کے ساتھ مل کر یو این او کی افواج نے جو نہایت جانب دارانہ رویہ اختیار کیا، اسے تاریخ کی آنکھ نے لمحہ بہ لمحہ محفوظ کر لیا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماضی میں بین الاقوامی معاہدوں اور قوانین نے امت مسلمہ کو کبھی بھی ذرہ برابر فائدہ نہیں پہنچایا، ہم مستقبل میں ان سے فائدے کی کیسے امید رکھ سکتے ہیں، جب کہ قرآن حکیم نے ہمیں آج سے چودہ سو سال پہلے بتادیا تھا: (فقاتلوا ائمة الکفر انھم

.)لا ایمان لھم

آج بھی ان کے غیر معتبر ہونے کی واضح مثال کیوبا کے جزیرے گوانٹاناموکے قیدی ہیں، جہاں بین الاقوامی معاہدوں، دساتیر اور مہذب وترقی یافتہ کہلانے والے ممالک کے قوانین کو ایسے ہی پامال کیا گیا ہے، اور کیا جارہا ہے، جیسا کہ امریکی اور اتحادی افواج نے افغانستان میں مظلوموں کے حقوق بالخصوص بےگناہوں کے حقوق کو روندا ہے۔

یہاں ہم جنیوا معاہدے کی چند دفعات کا ذکر کرتے ہیں جو جنگی قیدیوں کے متعلق ہیں :تاکہ ان کا قولی وفعلی تضاد واضح ہوجائے

دفعہ نمبر۴: دوران جنگ یا بعد تک حربی قوتوں کے شکنجے میں قید کوئی شخص جنگی قیدی کہلائے گا۔ محدود معنوں میں: وہ شخص جو منظم طور پر فوج سے تعلق رکھتا ہو، وسیع معنوں میں: وہ گوریلے اور عام شہری جو دشمن کے خلاف مسلح انداز میں برسرپیکار ہوں، جنگی قیدی کے زمرے میں آتے ہیں۔

دفعہ نمبر:۱۲: جنگی قیدی کو تحویل میں رکھنے والی قوت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھے۔

دفعہ نمبر:۱۳: جنگی قیدی کے ساتھ نرمی اور شائستگی کا رویہ رکھا جانا چاہیے۔

دفعہ نمبر:۱۵: اگر جنگی قیدی بیمار یا زخمی ہو تو تحویل میں رکھنے والی قوت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اخراجات پر اس کا علاج کرائے۔

دفعہ نمبر:۱۶: علاج اور دیگر امور کے حوالے سے ناروا سلوک نہ رکھا جائے بلکہ اسی نوعیت کی تکنیکی اور طبی سہولتیں فراہم کرنی ناگزیر ہوں گی۔ جو تحویل میں رکھنے والی قوت اپنے فوجیوں کو فراہم کرتی ہے۔

دفعہ نمبر:۲۲: کے لحاظ سے قیدیوں کی صحت کو مد نظر رکھتے ہوئے رہنے کے لئے صاف اور کشادہ جگہ فراہم کی جانی چاہیے۔ اور انہیں کوٹھڑیوں میں ہر گز نہیں رکھنا چاہیے۔

دفعہ نمبر:۲۵: اگر ہو سکے تو ان کو رہائش کے باقاعدہ کوارٹر مہیا کئے جائیں۔

دفعہ نمبر:۲۶: کے تحت جنگی قیدیوں کو مناسب مقدار میں غذا دی جانی چاہیے، اور تمباکو نوشی کے عادی قیدیوں کو اس کی اجازت دی جانی چاہیے کہ وہ تمباکو نوشی کر سکیں۔

دفعہ نمبر:۲۷: کے مطابق دیگر بنیادی ضرورتوں میں جنگی قیدیوں کے کپڑوں، جوتوں اور زیر جامہ کا خیال رکھنا چاہیے۔

دفعہ نمبر:۲۸: کے مطابق جنگی قیدیوں کے ہر کیمپ میں کینٹین کی سہولت مہیا ہونی چاہیے۔

دفعہ نمبر:۴۱: کے مطابق ہر قیدی کیمپ میں جنیوا کنونشن کا متن، ضمیمے اور کوئی دوسرا معاہدہ جو قیدیوں سے سلوک کے حوالے سے ہو، قیدیوں کو سمجھ میں

آنے والی زبان میں موجود ہونا چاہیے، تاکہ وہ اپنے لئے بنائے گئے بین الاقوامی قوانین کا مطالعہ کر سکیں۔

دفعہ نمبر:۷۷: کے تحت جنگی قیدیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکلاء سے بالمشافہ ملاقات کریں اور تحویل میں رکھنے والی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے، کہ قیدیوں کو یہ سہولت فراہم کرے۔

مذکورہ بالا تمام دفعات معاہدہ جنیوا کا حصہ ہیں، جو اقوام متحدہ کے دستور میں شامل ہے۔ امریکہ اور اس کے تمام حلیف ہمیشہ اس تنظیم کے قوانین، معاہدوں اور فیصلوں کو رکن ممالک میں نافذ کرنے کے لئے ڈھنڈورے پیٹتے رہتے ہیں، مگر خود عمل کے لحاظ سے صرف صفر ہی نہیں، بلکہ انہیں روند ڈالنے میں کوئی کسر روا نہیں رکھتے !! ان دفعات میں سے ایک ایک کو لے کر پڑھیئے اور پھر میڈیا میں کیوبا کے قیدیوں کے احوال کا مطالعہ و مشاہدہ فرمایئے، اندازہ ہو جائے گا کہ ان استعماری قوتوں کے قول و عمل میں کتنا بڑا زمین و آسمان کا تفاوت ہے !!۔

موجودہ حالات میں ہم نیویارک اور واشنگٹن میں ہونے والے دھماکوں کے بعد کے واقعات کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ امریکہ پر اپنے تکبر اور غرور کے زعم میں ایک جنون سوار ہو چکا ہے۔ اس نے افغانستان جیسے پسماندہ، مصیبت زدہ اور

زخموں سے چور چور ملک پر بغیر کسی دلیل کے حملہ کیا اور ہر قسم کے ہتھیار چاہے وہ کیمیاوی ہوں یا غیر کیمیاوی، استعمال کئے اور دورانِ جنگ بنی نوعِ انسان میں کوئی بھی تمیز نہ کی اور نہ ہی عسکری مقامات اور مساجد اور اسپتالوں میں کوئی فرق ملحوظ خاطر رکھا بلکہ اندھا دھند بمباری جاری رکھی۔ دورانِ جنگ تسلیم ہونے والے افراد کو جنگی قیدی بنایا اور تین سو کے لگ بھگ قیدیوں کو انتہائی بدتر حالت میں گوانٹانا موجزیرے میں منتقل کر دیا۔ امریکیوں نے ان قیدیوں کے پیروں میں بیڑیاں ڈالیں ان کی ڈاڑھیوں کو مونڈھا اور ان کے ہاتھوں کو پشت کی طرف سے باندھ دیا، ان کی آنکھوں پر کالی پٹیاں باندھ کر ان پر کالی عینکیں چڑھا دیں ان کے کانوں کو روئی سے بھر دیا اور پھر ان کو ایسے پنجروں میں رکھا جو طول وعرض میں بھی ان سے چھوٹے ہیں۔

کیا یہ سب کچھ بین الاقوامی قوانین اور معاہدوں کی صریح خلاف ورزی نہیں؟ بالخصوص جنیوا کنونشن کے، لیکن غصہ جنون میں تبدیل ہوچکا ہے، جہاں عقل کی کوئی قیمت نہیں رہتی، اور پاگل پنے کی دہلیز پر تمام قاعدے کلیے اخلاقی اقدار بین الاقوامی قوانین، معاہدے اور دساتیر ذبح کر دیئے گئے ہیں اور ان تمام معاہدوں کی دفعات اور شقیں کسی بھی معنی اور مقصد سے کھوکھلی ہو کر رہ گئیں ہیں، آئے دن انسانی حقوق کی رٹ لگانے والا آج انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں میں سب پر سبقت لے گیا ہے، جو نہ تو انسانی حقوق کی ابجد سے واقف ہے

اور نہ ہی رحم و نرمی جیسے الفاظ اس کی لغت میں ہیں، گیارہ ستمبر کے واقعات کے بعد اس
دنیا میں جنگل کا قانون چل رہا ہے، جہاں جو جتنا خون خوار ہوتا ہے، اسی کا راج ہوتا
.(ہے۔ فالی اللہ المشتکی (ا

(الحق" اکوڑہ خٹک صفر المظفر، و"الفاروق" کراچی صفر ۱۴۲۳ھ")

کامیابی .....ایک مجموعی جائزہ

کامیابی کی بنیادی طور پر چار قسمیں ہیں:

۱۔ انفرادی کامیابی، ۲۔ اجتماعی کامیابی،

۳۔فانی کامیابی، ۴۔ابدی کامیابی

یہ چاروں قسمیں آپس میں مل کر دو بھی بن سکتی ہیں۔ (۱) انفرادی کامیابی فانی یا ابدی، (۲) اجتماعی کامیابی فانی یاابدی۔

تعبیر کوئی بھی ہو، ہمیں مذکورہ اقسام کی کامیابیوں سے بحث کرنی ہے۔ یہاں ہم مذکورہ اجمال کی تفصیل بیان کریں گے۔

ابدی کامیابی

اس کا تعلق مذہب سے ہے۔ مذہب برحق چونکہ اسلام ہی ہے، اس لئے یہ کامیابی اسلامی تعلیمات وارشادات پر عمل کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس کامیابی کے لئے اولیاء اللہ، بزرگانِ دین اور علمائے حق سے مرتبط و متعلق ہو کر قرآن وسنت کی سمجھ کی سبیل پیدا کی جا سکتی ہے۔ بعد ازاں اس پر عمل پیرا

ہو کر ہی آدمی فوز وفلاح اور نجات کی طرف گامزن ہوگا۔

فانی کامیابی

اس کا تعلق دنیا ومافیہا سے ہے، اس کا کوئی متعین نصب العین نہیں ہے۔ اس کے کوئی خاص اصول و مبادی بھی نہیں ہیں۔ اسی لئے عام طور پر لوگ اس طرح کی کامیابی کو قسمت کا کھیل کہتے ہیں۔ اگرچہ کچھ نہ کچھ خدوخال اس کے بھی ہیں، مگر وہ یقینی نتائج نہیں دے سکتے، البتہ اکثر اور عمومی طور پر مفید بھی ہو سکتے ہیں۔

موازنہ

ان دونوں میں اس طرح موازنہ کیاجاسکتا ہے کہ ابدی کامیابی کے اصول وضوابط واضح ، متعین اور حتمی منتج ہونے کی وجہ سے اسے "شاہراہ کامیابی" کہاجاسکتا ہے۔
فانی کامیابی کے سبل متفرق ہیں۔ نصب العین مجرب، متعین اور حقیقی نتیجہ خیز نہیں ہے اس لئے اسے کامیابی کی مختلف سروں والی ایک پر پیچ پگڈنڈی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے،، جس کا کوئی سرا کامیابی تک پہنچاتا ہے اور کوئی نہیں بھی۔

اجتماعی کامیابی

بہ الفاظ دیگر ''جماعتی کامیابی'' کا عنوان اسے دیا جاسکتا ہے۔ اس کامیابی کا تعلق فرد کی بجائے معاشرے سے ہوتا ہے، فرد یہ سمجھتا ہے کہ میری کامیابی اس معاشرے کی کامیابی میں ہے اور میری ناکامی اس معاشرے کی ناکامی میں ہے۔ اجتماعی کامیابی دیرپا اور وسیع تر ہوتی ہے۔ اس کا حصول اگرچہ بظاہر مشکل نظر آتا ہے، مگر اجتماعیت کا عمل کرکے اسے آسان بنایا جاسکتا ہے۔ گروپنگ سسٹم، کمپنی شیئرز، پارٹیز، پارٹنرز وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ یہاں علامہ اقبال کا یہ شعر ضرور ملحوظ خاطر رہے :

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

انفرادی کامیابی

اس کا تعلق فرد سے ہے۔ کہ ایک فرد اپنے لئے فانی یا ابدی کامیابیاں کیونکر دستیاب کرسکتاہے۔ دنیوی معاملات، گھر، کمپنی (ادارہ، ملازمت، کاروبار) اسکول، کالج وغیرہ کچھ بھی ہو انسان کامیابی ضرور چاہتاہے۔ ہر دل میں خواہشیں اور تمنائیں کروٹیں لیتی ہیں کہ وہ اپنے ہم مشربوں، ہم چشموں اور ہم پیشہ لوگوں سے بڑھ جائے اور دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پرسکون، آسودہ اور اطمینان بخش زندگی بسر کرے، اس کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے علامہ

:اقبال کا یہ کلام نہایت مختصر مگر تیر بہ ہدف نسخہ ہے

نگہ بلند، سخن دل نواز، جان پر سوز

یہی ہیں رخت سفر میر کارواں کے لئے

موازنہ

انفرادی کامیابی ایک تصور ہے، حقیقت میں ممکن نہیں ہے، کیونکہ جب تک انسان کے متعلقین ومقربین بھی کامیابی سے ہم آغوش نہ ہوں، تنہا ایک فرد کی کامیابی کوئی معنی نہیں رکھتی۔ اسی لئے جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے، اور ہر ایک سے اس کے ریوڑ کے بارے میں مناقشہ ہوگا۔ نیز یہ بات کسی بھی ذی شعور پر مخفی نہیں ہے کہ اجتماعی کامیابی بھی اس وقت تک ممکن نہیں ہے جب تک جماعت کی اکائیاں اس سے مستفید نہ ہوں۔ گویا کہ انفرادی کامیابی اور اجتماعی کامیابی میں باہمی تلازم ہے کہ ایک کے بغیر دوسری کا میسر آنا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے۔ چنانچہ ہم یہاں دونوں ہی پر ایک مرتبہ پھر ذرہ نئے انداز سے تھوڑی روشنی ڈالیں گے۔

اجتماعی کامیابی

اجتماعیت کا سب سے بڑا مظہر چونکہ آج کے زمانے میں حکومتیں ہیں، اس لئے ہم

یہاں ایک حکمران کی وصیت جو اپنے جانشین کو کی گئی ہے، پیش کریں گے جس میں ان کی کامیابی کے اہداف متعین کرکے واضح کردیئے ہیں:

خفیہ وصیت ظہیر الدین بابر بنام شہزادہ نصیر الدین ہمایوں برائے استحکام و استقامت سلطنت:

"اے پسر! سلطنتِ ہندوستان مختلف مذاہب سے پُر ہے، الحمدللہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطا فرمائی ہے۔ تمہیں لازم ہے کہ تمام تر تعصباتِ مذہبی لوح دل سے دھو ڈالو اور عدل وانصاف پانے میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو، جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کرسکتے۔ ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون منت ہوتی ہے۔ جو قوم یا امت قوانین حکومت کی مطیع اور فرمانبردار رہے، اس کے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں۔ عدل و انصاف کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے۔ ظلم وستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے۔ شیعہ سنی جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہوجائے گا، جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد واتفاق سے کام کررہے ہیں، اسی طرح مختلف مذاہب کے رعایہ جات کو ملاجلا کر رکھو اور ان میں اتحادِ عمل پیدا کرو، تاکہ جسم یعنی سلطنت مختلف امراض سے محفوظ ومامون رہے۔ سرگزشت تیمور کو جو اتحاد واتفاق کا مالک ہے، ہر وقت پیش نظر رکھو، تاکہ نظم ونسق کے معاملات پر پورا تجربہ ہو"۔ (تزک بابری)

اس وصیت کو کوئی بھی حکمراں، وزیر، منتظم، پارٹنر، ممبر یا کارکن اپنا نصب العین بنا کر اپنی زندگی میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرتِ انسان اپنی کامیابیاں اور کامرانیاں اس طرح حاصل کرے کہ وہ اس دوران کسی کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کئے بغیر اپنے مقصد حیات تک پہنچ جائے۔ اجتماعی زندگی میں کامیابیاں انتہائی نامساعد حالات کے باوجود جناب سرور کونین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کیونکر حاصل کی تھیں؟ اس کی بھی بنیادی طور پر تین وجوہ ہیں:

آقا کی سو فی صد اطاعت: یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری کوشش فرماتے رہے کہ پروردگار عالم کے سچے اور مطیع ہو کر ان کو اپنے سے خوش اور اپنے لئے دونوں جہاں میں مددگار اور آقا بنالیں اور ان کی توجہ اور عنایت کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اس کے لئے پوری جماعت میں تعلقِ خلق باخالق پیدا فرماتے رہے، جس کی بناء پر آیت نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''یہ اس لئے کہ خدا ایمان والوں کا آقا اور مددگار ہے، اور کافروں کا کوئی آقا اور مددگار نہیں ہے'' نیز ''جان لو کہ خدا تمہارا آقا اور مددگار ہے، پس کیا ہی اچھا آقا اور مددگار ہے''۔ یہ اور اس کی امثال نازل ہوئیں جن میں پورا پورا یقین دلایا گیا کہ خداوند کریم اہلِ ایمان واطاعت والوں کا مددگار اور معاون ہے۔

اخلاق: اخلاق کے ذریعے صرف اپنے متبعین ہی کی اخلاقی کیفیت درست نہیں کی گئی، بلکہ جملہ ہمسایہ گان اور مخالفین کو اپنا محب اور مطیع بنایا گیا، بہت تھوڑی مدت میں پورب، پچھم، اتر، دکھن (مشرق و مغرب، شمال و جنوب) جہاں جہاں وہم وگمان بھی نہ تھا، وہاں وہاں اسلام کا پرچم پوری آب وتاب سے لہرانے لگا۔

مادی اورظاہری اسباب: یعنی ''واعدوالھم'' کے فارمولے کو مد نظر رکھ کر اسلامی سلطنت کو ظاہری طور پر ہر طرح تقویت دی گئی، جس کی تفصیل یہاں طول کا سبب ہوگی۔ مختصر یہ کہ ان تینوں صفات کی بناء پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ کامیابیاں ملیں، جن کی نظیر ملنا ناممکن ہے۔ حتی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نُصرت بالرعب مسیرۃ شہر'' یعنی میں ایک ماہ کی مسافت تک رعب اور ہیبت سے مدد کیا ہوا ہوں۔

گلوبلائزیشن کے موجودہ دور میں ہم پوری دنیا کے مسلمانوں کی اجتماعی کامیابی کے کچھ نکات یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں:

(۱) - نماز باجماعت کا اہتمام۔

(۲) - احکامِ شرعیہ کی سختی سے پابندی۔

(۳) - تعلیم کو جزوِ ایمان قرار دیا جائے۔ اعلیٰ تعلیم سے لے کر مکاتب تک جال

پھیلائے جائیں۔

(۴)۔ شادی وغمی کے لئے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں جس میں فضول خرچیوں سے بچت ہو۔

(۵)۔ مقدمہ بازی سے حتی الوسع احتراز کیا جائے۔

(۶)۔ جہیز کی لعنت سے ہٹ کر شریعت کے مطابق نوجوانوں کی شادیاں کرائی جائیں۔

(۷)۔ ہر قسم کے تجارتی شعبوں میں مسلمان آگے آئیں۔

(۸)۔ مسلمان جہاں ہوں، وہاں کی عسکری قوتوں پر اپنا وزن ضرور ڈالیں۔

(۹)۔ باہمی نفرتوں سے سخت گریز کیا جائے۔ عفو و صفح سے کام لیا جائے۔

(۱۰)۔ غیر مسلموں کی دست اندازیوں کو درگزر کیا جائے، یا پھر حکیمانہ انداز میں بھرپور قوت سے مدافعت کی جائے۔

(۱۱)۔ بھٹکے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ نہایت نرمی، حکمت اور موعظ حسنہ کا برتاؤ کر کے انہیں راہ راست پر لایا جائے۔

(۱۲)۔ اسلام کی اشاعت کی ہر سطح پر کوشش کی جائے۔ مختلف اقوام وملل میں انہی کی زبانوں میں مؤثر دعوتی لٹریچر پہنچایا جائے۔

(۱۳) ۔ عربی زبان عام وتام کرنے کی کوششیں کی جائیں۔

(۱۴)۔ میراث میں خواتین کے حقوق لازماً دئے جائیں۔

(معارف مدنی بہ اختصار واضافہ)

انفرادی کامیابی

آپ اپنی ناکامیوں کو کامیابیوں میں ، رنج و غم کو مسرتوں میں، چیلنجز کو چانس میں، پریشانیوں کو بے فکری میں، بے عملی کو عمل کے سانچے میں کیسے ڈھالیں؟ یہ گُر آپ نے سیکھ لیا، تو آپ ایک ظفر مند اور بھرپور کامیاب انسان بن سکتے ہیں۔ اس کی ابتداء یہاں سے ہوگی کہ آپ اپنے مستقبل کی کامیابیوں کی منصوبہ بندی کے لئے سب سے پہلے اپنے ماضی وحال کا بے لاگ تجزیہ کریں اور اپنے اندر ماضی اور حال کے جائزہ لینے کا ایک عظیم حوصلہ پیدا کریں۔ تب جاکر آپ اپنے مستقبل کوکامیاب وکامران دیکھ سکتے ہیں۔ اس کے لئے کچھ نکات کی ہم یہاں وضاحت کئے دیتے ہیں:

ہمت: آپ میں ایک ولولہ انگیز اور ان تھک ہمت کاوجود ضروری ہے کہ ہمت مرداں مدد خدا۔ حضرت امام شافعیؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

انا ان عشت لست اعدم قوتا

واذا مت لست اعدم قبراً

ھمتی ھمۃ الملوک ، و نفسی

نفس حر تری المذلۃ کفراً

واذا قنعت بالقوت عمری

فلما ذا اخاف زیداً وعمراً

اگر اللہ نے زندگی دی تو رزق سے بھی محروم نہیں رہوں گا، اور اگر موت آئی تو قبر بھی مل ہی جائے گی۔ میری ہمت بادشاہوں کی ہمت ہے، اور میرا نفس ایک آزاد مرد کا نفس ہے، جو ذلت کو کفر سمجھتا ہے، اور جب ساری عمر قلیل ترین روزی (قوت لایموت) پر اکتفا کر سکتا ہوں، تو پھر مجھے زید عَمرو سے کیا ڈر ہے؟"۔

استقلال اور استقامت: کامیابی حاصل کرنے کا ایک اہم اور بنیادی عنصر استقامت ہے۔ دین میں بھی استقامت ہی مطلوب ہے۔ قرآن وحدیث میں استقامت علی الدین کے ثمرات ونتائج اور اس پر مرتب ہونے والا ثواب کا جابجا بیان کیا گیا ہے۔ عربی کی ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔ پشتو زبان کے لاہوتی شاعر رحمان بابا نے کیا خوب کہا ہے ۔

لکہ ونہ مستقیم پہ اخپل مکان یم

کہ خزان را باندے راشی کہ بہار

ترجمہ) "میں ایک مستقیم و مستقل شجر کی طرح اپنی جگہ قائم ہوں، خزاں آئے یا بہار) گویا مجھے بہار کی کامیابی اور خزاں کی ناکامی کی کوئی پرواہ نہیں)۔

محویت: اسے عام طور پر یکسوئی اور ارتکازِ توجہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ

کوئی شخص اپنی پوری توجہ کسی کام کی تکمیل کے لئے لگادے اور اس کام میں اس کی محویت کا یہ عالم ہو کہ جب تک وہ اس میں کامیاب نہیں ہو جاتا، اس میں مجنونانہ انداز میں مگن رہے۔

خود اعتمادی: اس قوت کے ذریعے آپ کچھ بنیادی مشکلات کے خوف سے اپنے دل کو نکال سکتے ہیں۔ غربت و افلاس کا خوف، تنقید کا خوف، خرابیٔ صحت کا خوف، ناکامی کا خوف، بڑھاپے اور موت کا خوف۔ یہ اور اس طرح کے مختلف خوف اکثر و بیشتر انسان کو اپنے نصب العین اور ہدف کی طرف جانے کے سفر میں حائل ہو جاتے ہیں، لیکن اگر خود اعتمادی کی سواری آپ کے پاس ہوگی، تو تمام رکاوٹوں کے یہ اسٹیشن آپ بہ آسانی پار کر سکیں گے۔

درگزر کرنے کی عادت: انسان تب کامیاب ہو سکتا ہے جب اس میں صبر، عفو، چشم پوشی اور درگزر کی صفات ہوں۔ قرآن کریم میں ہے: (وجعلنا ھم ائمۃ یھدونا بأمرنا لما صبروا) "اور ہم نے انہیں اس وقت بڑا بنایا، وہ ہماری ہدایات کی تعمیل کراتے ہیں، جب انہوں نے صبر کیا"۔

:علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

دارالعلوم دیوبند کے شیخ الادب العربی حضرت مولانا اعزاز علیؒ نے بھی کیا دلچسپ بات فرمائی ہے:

ہل چل زمیں پہ مچ گئی افلاک ہل گئے
یارب کسی کی آہ تھی یا نفخ صور تھا
عفو و صفح سے نہ لیا آپ نے بھی کام
اعزاز ورنہ صاحبِ عقل و شعور تھا

اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں، جن کا استیعاب واحاطہ یہاں مشکل ہے، لیکن یہ بنیادی باتیں تھیں جو عرض کردی گئیں۔

انفرادی زندگی کے لئے تعینِ مقصد، لیاقت، قوت مخیلہ، جوش وخروش، معاوضے سے زیادہ کام کرنے کی عادت، جاذب نظر شخصیت، درستئ فکر، دوسروں سے تعاون لینا، رواداری، ناکامیوں اور کامیابیوں کا جائزہ..... اس سے آپ کے اندر ایسی قوت پیدا ہوگی جو آپ میں آگے بڑھنے اور اپنے آپ کو سدھارنے کا جذبہ پیدا کرے گی۔ یہی جذبہ آپ کو کامیابیوں کے میدان میں فکر و عمل سے روشناس کراکر منزل تک پہنچادے گا۔
اللہ تعالی ہم سب کو کامیاب ،کامران سربلند و سرخ رو فرمائے، اللہم آمین۔

(کامیابی ڈائجسٹ جولائی/اگست ۲۰۰۵)

(مظفریات)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

قیصر روم کو بڑی شدت سے دردِ سر لاحق ہوا، علاج ودواء سے مایوسی کے بعد حضرت عمرؓ کو اس بارے لکھا، انہوں نے ایک ٹوپی ارسال کی، جب وہ رکھتا تھا تو درد ختم ہوجاتا تھا، اور جب اتارتا تو پھر شروع ہوجاتا، انہوں نے اس ٹوپی کو اندر سے کھول دیا، تو اس میں (بسم اللہ الرحمٰن الرحیم) لکھا ہوا تھا، (تفسیر کبیر: ج۱ ص ۱۷۱)۔

ہالینڈ کے ایک ماہر نفسیات نے انکشاف کیا ہے کہ لفظ "اللہ" کا ذکر افسردگی اور ذہنی تناؤ کے شکار مریضوں کیلئے علاج ہے، بلکہ انہیں دیگر نفسیاتی بیماریوں سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔ مذکورہ ڈچ ماہر نفسیات وینڈر ہاون نے اپنی نئی دریافت میں اعلان کیا ہے کہ قرآن مجید کا مطالعہ اور لفظ "اللہ" کا بار بار دہرایا جانا مریض یا عام شخص ہر دو پر اثر کرتا ہے، یہ ڈچ پروفیسر اپنے مطالعہ اور تحقیق سے گزشتہ ۳ سال سے مریضوں پر تجربہ کررہے ہیں، ان میں بیشتر مریض غیر مسلم تھے، جو عربی نہیں بول سکتے تھے، انہیں لفظ "اللہ" صاف طور پر بولنے کی تربیت دی گئی، اس کا غیر معمولی نتیجہ برآمد ہوا، خاص طور ان مریضوں پر جو افسردگی اور تناؤ کا شکار تھے۔ اپنی تحقیق کی مزید وضاحت کرتے ہوئے وینڈر ہارن نے بتایا کہ لفظ "اللہ" کا پہلا حرف "الف" نظام تنفس سے خارج ہوتا ہے اور سانس کو کنٹرول میں رکھتا ہے، حرف ل کی

ادائیگی کیلئے زبان کو معمولی ساتالو سے لگاکر تھوڑا توقف کرنے کے بعد اس عمل کو صحیح ادائیگی سے دہرانے اور سانس لینے کا عمل توقف سے جاری رکھنے سے تناؤ کو عافیت حاصل ہوگی ،انہوں نے مزید کہاکہ لفظ ''اللہ'' کاآخری حرف ''ہ '' کی ادائیگی سے پھیپھڑوں اور دل کا رابطہ ہوتاہے اور بدلے میں یہ رابطہ دل کی دھڑکن کو کنٹرول کرتاہے۔ سعودی روزنامہ الوطن نے لکھاہے جو عربی پڑھ سکتے ہیں اور قرآن مجید کا مطالعہ بلاناغہ کرتے ہیں ،وہ خود کو نفسیاتی بیماریوں سے محفوظ رکھ سکتے ہیں ،ایک ماہر نفسیات کے مطابق ''اللہ '' کا ہر حرف نفسیاتی امراض کے سد باب میں مؤثر ہے۔

: مشہور ماہرِ عملیات و تعویذات جناب اعجاز احمد خاں سنگھانوی صاحب لکھتے ہیں

۔اگر کسی شخص کا کوئی جائز مقصد ہو، اس میں کامیابی اس کے لئے لازم اور ضروری1 ہو،اس کے لئے یہ عمل بہت مجرب اور سریع التاثیر ہے،اس عمل کے ذریعے ان شاء اللہ تعالیٰ ہر جائز مقصد میں کامیابی ہوگی۔ نیز یہ وظیفہ ہر دینی ودنیاوی کام کے لئے پڑھاجاسکتا ہے۔

اول تین مرتبہ درودِ ابراہیمی شریف پڑھے،اس کے بعد (786) سات سو چھیاسی بار بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' پڑھے، آخر میں بھی تین بار درودِ ابراہیمی شریف پڑھے۔ ''
یہ عمل بعد صلاۃ العشاء باوضو مسلسل سات دن کرے، اور روزانہ عمل کے بعد

اپنے مقصد میں کامیابی کی دعا کیا کرے۔

2۔نیا چاند دیکھنے کے بعد کسی ایک نماز کے بعد پابندی کے ساتھ بلاناغہ اکیس دن تک مسلسل یہ عمل کرے ،انشاء اللہ تعالی مشکل حل ہوگی اور مقصد میں کامیابی حاصل ہوگی۔

شرط یہ ہے کہ مقصد جائز ہو ،ناجائز کام کے لئے کرے گا تو خود نقصان اٹھائے گا اور ہر گز کامیاب نہ ہوگا۔

عمل یہ ہے :

اول وآخر بیالیس بیالیس مرتبہ درودِ ابراھیمی شریف پڑھے اور درمیان میں یہ آیت ایک سو بار پڑھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ، الم ، ذٰلِکَ الْکِتٰبُ لَارَیْبَ ،فِیْہِ "۔ "

اگر یہ عمل فجر کی نماز کے بعد شروع کیا ہے تو روزانہ فجر کی نماز کے بعد ہی پڑھے ،اگر ظہر کی نماز کے بعد شروع کیا ہے تو آخر تک ظہر کے بعد ہی پڑھے، ایسا نہ کرے کہ کبھی فجر میں پڑھ لیا، کبھی ظہر میں پڑھ لیا، کبھی عصر میں پڑھ لیا، کبھی مغرب میں پڑھ لیا، اس طرح کامیابی مشکل ہے ،اگر اللہ تعالی اپنی رحمت سے اس طرح بھی نواز دے تو اس کا فضل عظیم ہے۔

3۔گھریلو تمام تر ناچاقیوں کے لئے صبح شام آٹھ آٹھ سو مرتبہ چلتے پھرتے ،اٹھتے بیٹھتے مکمل بسم اللہ پڑھا کرے، حالات بالکل تبدیل ہو کر اچھے سے اچھے ہو جائینگے،ان شاء اللہ تعالی۔

حضرت شامزئی رحمۃ اللہ علیہ کی دردناک شہادت

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے

آج ہر آنکھ اشکبار ہے اور ہر شخص دل فگار۔ چہار سُو صف ماتم کا سماں ہے۔ آسمان و زمین نوحہ کناں ہیں۔ پرچم انسانیت سرنگوں ہے۔ زمانہ تاریخ کی کروٹ بدل چکا ہے اور قصرِ ملت میں اک زلزلہ سا بپا ہے کہ امت مسلمہ کے عظیم نابغۂ روزگار راہنما، مفکر، محدث وفقیہ، جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی کے شیخ الحدیث ورئیس دارالافتاء ،امام المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب کے علوم وافکار کے حامل وامین، محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کے مایہ نازجانشین،برصغیر کے زبردست محدث و مصلح حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ کے حلقۂ ارادت کی زریں کڑی، شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی شہیدؒ کے علوم کے وارث و روحانی خلیفہ،پیر طریقت حضرت مولانا سید محمودالمعروف صندل باباجی کے مجاز بیعت ،جامعہ فاروقیہ کراچی کا لائق فخر و قابل رشک ایک عظیم الشان سپوت، حریم نبوت کے پاسبان، علماء و عوام کے ماویٰ وملجا، وطن عزیز کی دینی، مذہبی اور جہادی تنظیموں، تحریکوں اور جماعتوں کے سرپرست، ظالم اور سنگدل قاتلوں کے ظلم وستم اور جبر واستبداد کا نشانہ بن کر مقام شہادت پر فائز ہوگئے۔ وہ کیا چلے......؟ کہ

ملت کا صبر وسکون بھی ساتھ لے چلے...... ہم سب کو بلکہ مسلمانان عالم کو بے سہارا اور یتیم چھوڑ کر چلے ......!

سمجھ نہیں آ رہی کہ حضرت شہید علیہ الرحمۃ پر کس طرح لکھوں؟ اور کیا لکھوں......؟ ابتداء کہاں سے ہو اور انتہا کہاں......ان کے کون کون سے گوشہائے حیات کو اجاگر کروں۔ عقل وخرد ساتھ چھوڑ گئے ہیں۔ دل ودماغ ماؤف اور سوچ وفکر مقفل ہیں۔ ابھی تک جانے کیوں یقین نہیں آ رہا کہ ہمارے مُربیؒ و مشفق اور عالم اسلام کے نوجوانوں کے دلوں پر حکمرانی کرنے والے بے تاج بادشاہ......ہمیں داغ مفارقت دے چکے ہیں، نہیں...... نہیں......! دل و دماغ اس تذبذب اور کشمکش میں ہیں کہ حضرتؒ ابھی زندہ ہیں۔ اپنی نجی مصروفیات میں یا کسی بیرونی دورے پر تشریف لے گئے ہیں۔ اور بہت جلد لوٹ آئینگے۔ مگر افسوس صد افسوس! کہ یہ محض ظن و تخمین اور وہم وخیال ثابت ہوئے۔ آنکھوں کے مشاہدے اور نظروں کے سامنے آپ کی تجہیز و تکفین نے اس خیالی کشمکش کو چکنا چور کردیا کہ حضرت اب ہم سے سچ مچ جدا ہو گئے ہیں۔ قلم اب بھی ڈگمگا رہا ہے اور افسوس کے آنسو تا ہنوز رواں دواں ہیں کہ مجھ سا ناکارہ و نامہ سیاہ اور کوتاہِ عقل و فہم تو ان کے فیوض وبرکات کے ادراک سے بھی قاصر ہے، گو کیسے ان کے کمالات و محاسن اور خصوصیات و مزایا کا تذکرہ کرے گا:

کہیں سامانِ مسرت ، کہیں سازِ غم ہے

کہیں گوہر ہے کہیں اشک کہیں شبنم ہے

آپؒ اعلی درجے کے محدث، باریک بیں محقق، فقیہہ، شہرۂ آفاق مصنف اور طرح دار ادیب، بے مثال مدرس اور کامیاب مجاہد، میدانِ سیاست کے منجھے ہوئے رہنما اور اصلاح و ارشاد کے قطب الاقطاب تھے۔

عصرِ حاضر کے نت نئے مسائل پر لکھتے یا بولتے تو ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ کی تصوراتی یاد آنے لگتی۔ فقہ و فتاویٰ کے میدان میں غوطہ زن ہوتے تو فقیہ دوران کی فقاہت گویا ہوتی نظر آتی۔ فلسفہ و منطق کی خشک بحثوں میں سر کھپاتے تو غزالیؒ و رازیؒ کے ہم پلہ نظر آتے۔ میدانِ سیاست اور امت مسلمہ کے مسائل اور درپیش خطرات سے امت کو آگاہ کرتے تو شیخ الہندؒ اور مدنی کے جانشین معلوم ہوتے۔ توکل وقناعت ،زہد واستغناء، ایثار وقربانی کا یہ عالم تھا کہ ان کے اظہار کے لیے نہ ہی قلم وقرطاس میں یارا ہے، اور نہ ہی راقم کے پاس مناسب الفاظ و تعبیرات، مگر اب چونکہ قلم اٹھ ہی چکا ہے تو کچھ نہ کچھ رطب ویابس ملاحظہ ہی سہی......!

میں نے جب ۱۹۸۰ء میں مادر علمی جامعہ فاروقیہ میں اپنی علمی پیاس بجھانے کے لیے داخلہ لیا تو کم سنی کے باعث کسی بڑی شخصیت کی سرپرستی کی مجھے اشد

ضرورت محسوس ہوتی تھی۔ قدرت نے دل کی یہ آرزو بھی پوری کردی اور اپنے علاقے کی نامور عبقری شخصیت سے تعارف ہوا۔ وہ بھی کیا خوب تھا..... اور کتنے بھلے ایام..... حضرتؒ عنفوانِ شباب میں تھے۔ جمال و کمال کی خوبیوں سے آراستہ، قدو قامت مضبوط اور بلند، جسم صحت مند، خوب صورت چہرہ اور اس پر گھنی لانبی ڈاڑھی، لبوں پر متواضعانہ مسکراہٹ، چال ڈھال میں میانہ پن اور سب سے بڑھ کر طلبہ کے لیے اس قدر مشفق کہ ان کی شفقت و مہربانی ضرب المثل تھی:

نہ تنہا چشم محو لذتِ دیدار ہوتی ہے
کہ تسکینِ دل و جاں ان کی ہر گفتار ہوتی ہے

فراعنۂ وقت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارنے والے اور اپنے ہمعصر اور ہم پیالہ وہم نوالہ حضرات کے لیے بریشم کی طرح نرم واعلیٰ اور بلند اخلاق کے حامل، آپ کی صفت کے اس پہلو کا انداز کچھ اس طرح ہوتا ہے:

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مؤمن

آپ کا اندازِ گفتگو محبت بھرا اور شیریں ہوتا۔ جب بولتے تو دلوں کو موہ لیتے۔ خاکسارانہ وضع رکھتے تھے۔ رحم دل اور سخی انسان تھے۔ آپ کی کس کس خوبی کا ذکر کیا جائے۔ نکتہ رس، نکتہ داں، نکتہ سنج، نکتہ شناس، پاک دل،

پاک باز وپاک ذات اور پاک صفات تھے۔ بات کرتے تو گویا منہ سے پھول برسنے لگتے۔ کسی کا دکھ دیکھتے تو اس کی مدد فرماتے۔ مرنجاں مرنج تھے اور ''بچشمِ خود جمالِ تُو دیدہ است'' کا مصداق تھے۔ نیا نویلا طالب علم جب گھر کی چوکھٹ سے باہر قدم رکھتا ہے تو جہالتِ سفر میں کس قدر پریشاں حال، مضطرب اور سوچوں میں گم رہتا ہے۔ مگر کچھ ان کی شفقت و محبت نے اور کچھ علاقائی انس و میلان نے ان کے قریب کر دیا۔ بس پھر کیا تھا۔

کوئی مشورہ لینا ہوتا تو ان سے، اور کوئی مسئلہ و مشکل درپیش ہوتی تو ان کے سامنے رکھ کر خود بری الذمہ ہوجاتے کہ جو فیصلہ حضرتؒ فرمائیں گے اسی پہ عمل ہوگا۔ راقم نے ان سے دورہ حدیث شریف میں ترمذی شریف پڑھی۔ اللہ اللہ..... کیا انداز تھا پڑھانے کا! بات دل پہ نقش ہوجاتی۔

راقم سے کبھی کبھار اپنے برادرِ خورد مولوی فہیم الدین (رحمان الدین) کے بارے میں بھی پوچھتے رہتے کہ اُن کی پڑھائی اور حاضری وغیرہ کی کیا کیفیت ہے اور راقم ان کو بتلاتا رہتا۔ وہ راقم کے ہم جماعت تھے۔

حضرتؒ جب درس وتدریس اور مطالعہ سے فارغ ہوتے تو اپنے گھرے اور محبوب دوست اور اس وقت کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد یوسف کشمیری صاحب دامت برکاتہم

کے ساتھ کبھی علمی گفتگو میں، کبھی گپ شپ میں اور کبھی جامعہ سے متعلق مسائل پر گفتگو کرتے نظر آتے۔ آپس میں محبت وارتباط اس قدر تھا کہ کھانا تک اکٹھے کھاتے تھے۔ جیسے ہی دن بارہ بجے اسباق سے فارغ ہوتے، کمرہ نمبر ۷ میں حضرت مفتی صاحب، حضرت مولانا عنایت اللہ خان شہید، حضرت مولانا حمید الرحمٰن شہید، حضرت ناظم صاحب، حضرت مولانا محمد زیب صاحب اور حضرت مولانا عبدالرزاق صاحب، احیاناً ڈاکٹر مولانا محمد عادل خان صاحب اور حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب اپنے اپنے کھانے کے ہمراہ تشریف لاتے۔ کھانے کے دسترخوان پر سادہ اور بے تکلف کھانوں میں ان کی گفتگو اور آپس کی محبت وانس اس قدر لذت پیدا کردیتی کہ رنگین اور پُرتکلف کھانوں میں ایسی لذت کہاں.....؟ پس یہ پیکرانِ خلوص و محبت وہ وقت ایک دوسرے کی نذر کردیتے۔ بلکہ حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم العالیہ بھی اس کمرے میں ان کے درمیان گاہے گاہے جلوہ افروز ہوتے۔ کھانا تناول فرمانے کے بعد دیگر اساتذہ اپنے اپنے گھروں کی طرف روانہ ہوتے اور حضرت مفتی صاحب راہ گذر مسجد تشریف لے جاتے، جہاں آپ جمعہ اور صرف ظہر کی نماز کی امامت فرماتے، اکثر وبیشتر حضرت مفتی صاحب کے پاس آمدورفت میں اچھی خاصی کتابیں ہوتی تھیں، بلکہ بعض اوقات چلتے چلتے بھی مطالعہ فرماتے، میں ان کے ساتھ کتابیں اٹھاتا اور راہ گذر تک خادمانہ ساتھ چلتا، وہاں نماز پڑھاکر مفتی صاحب دارالافتاء تشریف لاتے اور عصر تک جامعہ میں رہتے۔

مفتی صاحب کا سرعتِ مطالعہ تو ضرب المثل تھا ہی، دورۂ حدیث کے پرچے چیک کر کرکے میری طرف پھینکتے جاتے اور میں ان کے لگائے ہوئے نمبر پرچوں سے کشف النتائج پر منتقل کرتا رہتا، بسا اوقات ایسا ہوجاتا کہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پرچوں کا ڈھیر لگادیتے اور پھر کسی مہمان یا طالب علم یا کسی اور مختصر سی مصروفیت میں لگ کر میرا انتظار کرتے، جیسے ہی میں اس ڈھیر کو ختم کرتا، حضرت دوبارہ شروع فرمادیتے، مجھے حیرت ہوتی کہ میں نمبر لگانے میں خاصی پُھرتی سے بھی کام لے رہا ہوں اور اس کے باوجود حضرت مفتی صاحب کی چیکنگ اور نمبر لگانے کی رفتار کو کسی طرح بھی نہیں پاسکتا۔

اللہ جل شانہ کا میرے اوپر یہ بہت بڑا فضل ہے کہ حضرت مولانا عنایت اللہ خان شہید، حضرت مولانا حمیدالرحمٰن شہید اور حضرت مفتی صاحب شہید رحمہم اللہ کے میں نے جتنے پیر دبائے، سر کی مالش کی شاید ہی کوئی اور اس میں میرا ہمسر ہو اور میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر کروں کم ہوگا کہ ان نفوس قدسیہ کے مالک میرے عظیم اساتذہ میرے ناقص علم کے مطابق مجھ سے ناراض نہیں گئے۔

یہ میں اس لیے نقل کر رہا ہوں کہ الحمدللہ طالب علم اور شاگرد و تلمیذ کی حیثیت سے یہ میرے لیے اور میرے جیسوں کے لیے ایک بڑا سرمایہ ہے۔

آنکھوں میں بس کے دل میں سما کر چلے گئے
خوابیدہ زندگی تھی، جگا کر چلے گئے
میری حیاتِ عشق کو دے کر جنون عشق
مجھ کو تمام ہوش بنا کر چلے گئے
سمجھا کے پستیاں مرے اوج کمال کی
اپنی بلندیاں وہ دکھا کر چلے گئے
شکرِ کرم کے ساتھ یہ شکوہ بھی ہو قبول
اپنا سا کیوں نہ مجھ کو بنا کر چلے گئے

مہمانوں کی اس قدر کثرت ان کے ہاں ہوتی کہ صبح وشام قسم قسم کے آتے جاتے رہتے مگر ماتھے پہ شکن تک بھی کبھی دکھائی نہیں دی۔ ،
کبھی ان کو حضرت مولانا عنایت اللہ خان شہید اور بالخصوص حضرت شیخ الحدیث زید مجدہ کے سامنے بیٹھا دیکھتے تو دوزانو اور متواضع، ان سے گویا ہوتے تو دھیمے اور پست انداز میں گفتگو فرماتے اور گھنٹوں دوزانو بیٹھے رہتے۔ ادب

کا یہ عالم تھا کہ نظریں جُھکی ہوتیں اور سانس تک اس قدر کمالِ احتیاط سے لیتے کہ کہیں حضرت محسوس نہ فرمائیں، کبھی غائبانہ طور پر مجالس و پروگراموں میں حضرت زید مجدہم کا نام لیتے تو جو کمالِ ادب اور فرطِ محبت دیکھنے میں آتا، حیرت کی انتہا نہ رہتی۔ حضرت شیخ الحدیث زید مجدہم کی طبیعت کا اکثر وبیشتر خود فون کرکے پوچھتے۔ وہ حضرت شیخ کو اپنا شیخ کامل، آئیڈیل اور پسندیدہ ترین استاد قرار دیتے تھے۔ جب ان کے متعلق گفتگو کرتے تو کیفیت قابلِ دید ہوتی۔

سریع المطالعہ ہونے کے باوجود رات گئے تک مطالعے میں اس قدر انہماک سے محو رہتے کہ گرد وپیش سے بالکل بے خبر وناآشنا معلوم ہوتے۔ عدیم الفرصتی اور کثرتِ مشاغل کا یہ عالم ہوا کرتا تھا کہ طعام وآرام کے لیے وقت مشکل سے نکالتے۔ کثرتِ مطالعہ سے بیشتر ان کی آنکھیں سرخ ہوتی تھیں۔ مگر صحت وآرام کی پروا کیے بغیر سولہ سولہ گھنٹے مصروفِ مطالعہ رہتے۔ ان کی علمی محبت اور اعلیٰ علمی ذوق کا اندازہ ان کے وسیع وعریض ذاتی کتب خانے سے ہوتا ہے جو کہ ہزاروں کتب پر مشتمل ہے۔ سالِ گذشتہ حضرتؒ سے جب ملاقات ہوئی تو فرمانے لگے کہ میرے پاس دارالافتاء میں چند رسائل ہیں۔ امام جاحظؒ کے۔ جو میرے زیر مطالعہ رہے ہیں۔ میں نے ان سے خوب استفادہ کیا ہے۔ اب آپ کسی وقت آکر ان کو لیں اور ان کا مطالعہ کریں۔ اس موقع پر حضرت

مولانا ڈاکٹر منظور احمد

مینگل مد ظلہم بھی ساتھ تھے ۔ نیز میرا برادر زادہ محمد بھی ساتھ تھا۔ جس کو دیکھ کر حضرت مفتی صاحب نے ان پر شفقت کا ہاتھ پھیرا، دعا کی اور پانچ سو کا نوٹ نکال کر انھیں تھمادیا، پھر مزاحاً فرمانے لگے کہ آپ دونوں بھی چھوٹے ہی ہیں اور ساتھ ہی پانچ سو حضرت ڈاکٹر صاحب اور پانچ سو راقم کو عطا فرمادیئے۔

جب میں دورہ حدیث شریف سے فارغ ہوا تو ایک سال تک دوران تدریس مجھے افتاء کی مشق کرواتے رہے اور اپنی زیر نگرانی مطالعہ کروایا۔ تدریس اور طریقۂ تدریس پر اکثر راہنمائی فرماتے۔ غرض کہ سرپرستی کا حق ادا کردیا۔ زندگی کے ہر ہر گوشے میں، میں نے ان سے استفادہ کیا اور میرے لیے یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ آج راقم کا علم واہل علم سے جتنا بھی واسطہ ہے۔ اس میں حضرتؒ کی سرپرستی، خصوصی شفقت ومحبت اور دعائیں شامل ہیں۔

علماء امت کے نام حضرت شامزئی شہید کی وصیت وپیغام

حضرت مفتی صاحب امت مسلمہ کے مسائل اور اس کے خلاف سازشوں سے صرف واقف ہی نہیں تھے، بلکہ اس کے سدّباب کے لیے ہمیشہ کوشاں رہتے تھے، یہاں ہم مفتی عبدالودود اسماعیل زئی مد ظلہم کے توسط سے حاصل شدہ حضرت مفتی صاحب کے ایک وصیت نامے کو من وعن افادہ عام کے لیے نقل کرتے ہیں:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بندہ نے آج بمورخہ ۲۰/۲/۱۹۹۴ء مدرسہ عربیہ شمس العلوم (ژوب) کے جلسۂ دستاربندی میں شرکت کی اور علماء و عوام کے سامنے مختصراً کچھ معروضات بھی پیش کیں۔

موجودہ پرفتن دور میں یہود اور امریکہ و دیگر دشمنان اسلام، بنیادپرستی کی اصطلاح کی آڑ میں دنیا سے اسلام و مسلمانوں کا وجود مٹانا چاہتے ہیں، اگر اس وقت علماء نے اس فتنہ کا ادراک نہیں کیا اور عام مسلمانوں کو آگاہ نہیں کیا تو آئندہ نسلیں اس غلطی پر ان کو معاف نہیں کریں گی اور تاریخ کے اوراق میں ان کا ذکر بہت برے الفاظ سے کیا جائے گا، اس لیے بندہ اپنے مقام سے بڑھ کر علماء کے سامنے ہر موقع پر یہ معروضات پیش کیا کرتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دین کو غالب فرمائے اور پوری دنیا میں اس کا غلغلہ بلند فرمائے۔ آمین

(نظام الدین شامزئی)

راقم کی آخری ملاقات حضرت علیہ الرحمۃ سے ان کی شہادت سے تقریباً دس روز قبل جمعے کے دن ہوئی۔ جب حضرت صدرِ وفاق دامت برکاتہم العالیہ نے ان سے

مدارس سے متعلق بعض امور پر رائے طلب کرنے کے لیے بھیجا۔ راقم نے فون پر وقت مانگا، مغرب کی نماز سے لے کر عشاء تک دوبدو مفصّل گفتگو ہوئی، جامعہ کے مایہ ناز استاذ مولانا عزیز الرحمٰن عظیمی بھی میرے ساتھ تھے، وہ اور مولانا مستقیم صاحب اس دوران اس کمرے میں ایک جانب باہمی تبادلہ خیالات کر رہے تھے، آخر میں کچھ امور کا اظہار فرمایا، حضرت والا کے سامنے جب احقر نے حضرت مفتی شہید رحمۃ اللہ علیہ کی رائے بیان کی تو حضرت کو پسند آئی اور مسرت کا اظہار فرمایا۔

کیا خبر تھی کہ یہ آخری ملاقات ہے، کم از کم ان سے جی بھر کے باتیں تو کرتا، ان کی زیارت سے تو سیر ہوتا۔ کسی کو کیا معلوم تھا کہ علم و عمل کا یہ پیکر، مجسمہ اخلاص وللّٰہیت، عزم و استقلال کا یہ جبل ہم سے رخصت ہوا چاہتا ہے، ۳۰ مئی ۲۰۰۴ء کی صبح جب یہ افسوسناک خبر سننے میں آئی تو جیسے زمین پاؤں کے نیچے سے سرک گئی کہ حضرت خلعتِ شہادت سے سرفراز ہوگئے:

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی
اک شخص سارے شہر کو ویراں کرگیا

جرات و شجاعت کا یہ درخشاں باب بند نہیں ہوا بلکہ اس کا فیض سدا جاری رہے گا جیسے ان کی جدائی کا زخم مندمل ہونے والا نہیں اور غم کم ہونے والا

نہیں، ویسے ہی ان کی زندگی کا مشن بھی تا قیامت رکنے والا نہیں۔

وہ شہادت کے آرزومند تھے۔ انھوں نے اپنی زبان و بیان، تحریر و تقریر، علم و شعور اور اللہ کی عطا کی ہوئی تمام صلاحیتوں سے دین حق کے لیے قربانیاں دیں۔ ایک جان باقی رہ گئی تھی سو وہ بھی اس کی راہ میں قربان کرکے سرخرو ہوگئے۔ کسی نے کیا خوب کہا:

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے
کوئی کہاں سے ہمارا جواب لائے گا

(ماہنامہ ''عزم نو'' کراچی، جمادی الثانیہ ۱۴۲۵ھ)

شیخ القرآن مولانا محمد افضل خان صاحب کا سانحۂ ارتحال

حضرت شیخ بلند پایہ عالم دین، مفسر قرآن، محدث، فقیہ، سلسلہ قادریہ کے عظیم الشان پیرومرشد ہونے کے ساتھ ساتھ ہمہ جہت معتدل، غیر متعصب رجال دین میں سے تھے۔

آپ کی جائے ولادت ولندر رہے، جو ضلع شانگلہ (سوات) کی ایک مشہور اور معروف بستی ہے، ۱۳۴۵ھ کو آپ کی ولادت ہوئی بعد میں ۱۳۶۳ھ کو آپ کا خانوادہ ولندر سے شاہ پور منتقل ہوا، جو ولندر سے نو میل کے فاصلے پر ہے، شاہ پور حضرت شیخ کی مساعی جمیلہ اور محنت وبرکت سے آج علم وعمل کے حوالے سے بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔

حضرت شیخ رحمہ اللہ کے والد محترم جناب دوست محمد خان ولد امیر محمد خان علاقے کے مشہور خوانین میں سے ایک تھے، سوات جب ایک مستقل ملک تھا اور ''مملکت خداداد یوسف زئی آف سوات'' یہاں کا سرکاری نام تھا اس وقت دوست محمد خان کمانڈر آفیسر یعنی کور کمانڈر کے عہدے پر فائز تھے۔ پھر مجلس شوریٰ (قومی اسمبلی) کے ممبر اور بعد میں چیئرمین (سپیکر) کا عہدہ آپ کے پاس رہا۔ خاندانی لحاظ سے یہ خانوادہ خانوادہ خوانین ہی رہا۔ والد کی طرف سے آپ پٹن

خیل اور والدہ کی طرف سے دولت خیل تھے۔
تعلیم کا آغاز آپ نے ۱۳۶۳ھ میں فرمایا جو کہ ۱۳۷۳ھ کو اختتام پذیر ہوا، گویا گیارہ برس میں آپ نے اپنی تعلیم مکمل فرمائی، ۱۳۷۶ھ میں آپ نے راولپنڈی کی طرف رختِ سفر باندھا جہاں آپ نے حضرت شیخ القرآنؒ سے مکمل تفسیر پڑھنے کی سعادت حاصل کی، اور انہی کے طرز پر آپ آخر وقت تک دورہ تفسیر پڑھانے میں مصروف رہے، ۱۳۸۳ھ کے رمضان المبارک کے بعد پنج پیر جاکر مختصر دورہ تفسیر (جو خاص بالعلماء ہوتا ہے) میں شرکت فرمائی۔
آپ کے تمام اساتذہ کرام کی مکمل فہرست حضرت مولانا محمد فاروق حسن زئی صاحب نے نثر المرجان کے اردو ترجمہ ''بکھرے موتی'' کے مقدمہ میں سپرد قلم کی ہے، یہاں اتنا اشارہ دوں گا کہ حضرت شیخ القرآنؒ مولانا محمد افضل خان صاحب کو اپنے اساتذہ میں مذکورہ شیخین کے علاوہ سب سے زیادہ محبت راقم الحروف کے قبیلے کے مشہور بزرگ مولانا خان بہادر المعروف (مارتونگ باباجی) رحمہ اللہ شیخ الحدیث وصدر المدرسین دارالعلوم اسلامیہ سید وشریف اور حضرت مولانا عبدالغفور المعروف بہ شینٹر مولوی صاحب رحمہ اللہ صدر المدرسین دارالعلوم چار باغ سے تھی، دورہ تفسیر میں گاہے گاہے علماء دیوبند کے تمام مشائخ کے علاوہ ان کا نام ذکر فرماتے رہتے۔

۱۳۷۲ھ میں جب آپ نے سند فراغت وفضیلت حاصل کی تو آپ نے اپنے گاؤں شاہ پور میں دارالعلوم تعلیم القرآن شاہ پور کی بنیاد رکھی اور درس وتدریس کا سلسلہ شروع فرمایا، اور ساتھ ہی آپ نے رد شرک وبدعت اور ابطال رسومات میں بھی بڑھ چڑھ کر حصہ لیا، اللہ جل شانہ نے آپ کو اس میدان میں بھی کامیابی عطا فرمائی جو بظاہر ان دووجہوں سے تھی:

۱۔ تمام علوم وفنون میں آپ کا رسوخ۔

۲۔ خاندانی رعب ودبدبہ۔

بہر حال جمیع علوم وفنون میں مہارت تامہ کے باوجود آپ نے اختصاص کے لئے علم تفسیر کو منتخب کیا جس کو آپ نے ہر وقت کا مشغلہ اور زندگی کا سب سے بڑا ہدف بنایا، جس کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو تفسیر میں خاص ذوق اور ملکہ عطا فرمایا تھا۔

تصانیف:

۱۔ نثر المرجان، جس کا اردو ترجمہ (بکھرے موتی ہے) مولانا محمد فاروق حسن زئی صاحب فاضل بنوری ٹاؤن نے کیا ہے۔ عربی میں بھی یہ مختصر تفسیر جدید کتابت وطباعت کے ساتھ طبع ہو چکی ہے۔

افضل التراجم بلغۃ الاعاجم: یہ پشتو زبان میں قرآن کریم کا جامع ترجمہ و تفسیر ہے۔ -۲
تسہیل مثنوی: منتخبات مثنوی کی شرح ہے۔ -۳
المنہاج الواضح: عقائد، فقہ، اخلاق اور آداب پر مشتمل ہے۔ -۴

اولاد:

حضرت استاذِ مکرم و معظم نے دو شادیاں کی تھیں جن میں سے ایک کے بطن سے مولانا محمد انور اور قاری عبیداللہ صاحب ہیں اور دوسری کے بطن سے عیسیٰ، عاصم اور ابوہریرہ ہیں۔ آپ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد انور صاحب ایک جید عالم دین، مفسر قرآن اور اپنی مثال آپ ہیں۔ تبلیغی جماعت اور جمعیت علماء اسلام سے گہرے روابط ہیں، آپ صالح علماء میں سے ہیں، جو حضرت شیخ کے بہترین جانشین ہیں۔

زہد و تقویٰ اور دیگر خصائص:

۱۳۸۵ھ میں بندہ نے آنجناب سے شرف تلمذ حاصل کیا، عمر تو بہت ہی کم تھی مگر اس کے باوجود مشکلات القرآن جو حضرت شیخ تلامذہ سے باقاعدہ سماعت فرمایا کرتے تھے، میں ایک روز چھوڑ کر سناتا، اس پر حضرت شیخ اور دیگر حاضر درس علماء شاباش دیتے اور حضرت فرماتے "اس بچے کے صحیح اور سریع سنانے سے

میرا دل خوش ہوجاتا ہے'' اور آج تک جب بھی کہیں ملاقات ہوتی، میرے اس سنانے کا اظہار فرما کر دعا فرماتے۔

آپ انتہائی شفیق، متواضع، کثیر العبادت، قائم اللیل اور بڑے ذاکر وشاغل تھے، آپ کے اندر محبت الٰہیہ کا جوش اور انابت کی خاص کیفیت ہوتی تھی، آپ کے منور چہرے پر افتقار الی اللہ واستغناء من الخلق اور عجز وملنساری نمایاں رہتی تھی، آپ اذان خود دیتے تھے اور اس عمل کو آپ نے اپنے لئے واجب قرار دیا تھا، آپ جب بھی کسی سے ملتے یا آپ سے کوئی ملتا تو وہ محسوس کرتا کہ گویا آپ سب سے زیادہ اسی سے محبت فرماتے ہیں، حد درجہ بے ضرر اور ہر شاگرد سے محبت فرماتے تھے۔ بلاامتیاز ہر شاگرد کی دعوت قبول فرماتے، ان کے ہاں جاتے اور کسی رشتہ دار کی طرح تمام حال احوال پوچھتے اور دعا فرماتے ہمارے تمام ساتھیوں کو یہ بات معلوم تھی کہ حضرتؒ مستجاب الدعوات ہیں، اس لئے ان سے دعائیں کراتے تھے، حضرت شیخ بزرگوں اور اہل علم کا بہت ہی اکرام فرمایا کرتے تھے، اکثر ایسا ہوتا تھا کہ کسی لائق فائق عالم یا شیخ کے بارے میں سنتے تو خود ان کے گھر پیشگی اطلاع دے کر ان کے ہاں تشریف لے جاتے، یہاں جامعہ فاروقیہ کراچی حضرت شیخ صاحب دامت برکاتہم کی خدمت میں بارہا حاضر ہوئے نیز شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب زید مجدہم کی خدمت میں جاتے اور ان سے انتہائی محبت فرماتے تھے۔ جب بھی بنوری ٹاؤن تشریف لے

جاتے، حضرت بنوری کے مزار پر جاکر ایصالِ ثواب کے لئے فاتحہ واخلاص پڑھتے۔

:خصوصیات دورۂ تفسیر قرآن کریم

اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنی عظیم کتاب قرآن کریم کی خدمت کے لئے چن لیا تھا، چنانچہ تقریباً ۴۰ سال تک آپ دورہ تفسیر پڑھانے کی سعادت حاصل کرتے رہے۔ ہر سال ہزاروں تشنگانِ علوم اس چشمۂ فیض سے سیراب ہوتے۔ شاہپور کے دورۂ تفسیر کے علاوہ بیس سال تک آپ کراچی میں دورہ تفسیر پڑھاتے رہے، جو ہر سال رجب کے مہینے میں منعقد ہوا کرتا تھا، اس دورہ میں بھی کثیر تعداد میں وہ طلبہ اور ائمہ مساجد شریک ہوتے جنھوں نے پہلے یا تو تفسیر کسی دورے میں پڑھی ہی نہیں ہوتی تھی یا وہ شاہ پور کے تفصیلی دورہ تفسیر میں شرکت سے معذور تھے۔ یہ موقع اہلیانِ کراچی کے لئے ایک سنہری موقع ہوا کرتا تھا کہ بغیر سفر کے تکالیف.برداشت کئے ان کو گھر بیٹھے یہ عظیم نعمت حاصل ہوجاتی تھی، آپ کا درس.بڑا پر کیف اور جاذب القلوب ہوا کرتا تھا اور :درج ذیل خصوصیات کا بالخصوص حامل تھا

آپ مضامین قرآن کو انتہائی سہل انداز میں اس طرح بیان فرماتے کہ ایک عام آدمی بھی آسانی سے سمجھ لیتا۔

مشکلات قرآن یعنی آیتوں کی تمام توجیہات کو طلبہ سے بااہتمام یاد کرواتے اور بذاتِ خود طلبہ سے سماعت فرماتے، یہی چیز تفسیر میں مشکل ہوا کرتی ہے، باقی قصص اور امثال تو آسان ہی ہوا کرتے ہیں۔

مشکلات قرآن حفظ کرانے کے ساتھ ساتھ آپ مشکل مسائل فقہ، ان کی تنقیح اور مذاہب ائمہؒ دلائل کے ساتھ سہل انداز میں ذہن نشین کرواتے۔

صرف، نحو، معانی، بیان، بدیع، منطق، فلسفہ، اصول فقہ اور دیگر فنون کی تعلیم تو آپ کے درس کا طرۂ امتیاز تھا۔ جس سے طلبہ ان فنون کے مشکل مسائل کو یاد کرتے اور ان فنون میں طلبہ کا شوق روز افزوں ہوتا۔

ان علمی خصوصیات کے علاوہ آپ طلبہ کی تربیت پر بہت زیادہ توجہ فرمایا کرتے تھے، چنانچہ آپ دورانِ درس اعمال، اخلاق، اخلاص اور تواضع کی ایسی ترغیب اور تلقین فرماتے کہ طلبہ کو ان کی توفیق ہوجاتی۔۔بزرگان دین اور علماء دیوبند کے علم و عمل اور اخلاص کے واقعات سناتے، جس کی وجہ سے طلبہ میں اہل اللہ اور اکابرین دیوبند بالخصوص شیخ العرب والعجم حضرت مدنی اور حکیم الامہ حضرت تھانوی سے محبت کا ایک ولولہ پیدا ہوتا۔

حضرت شیخ کا درس حسد، تعصب، بے جا تنقید، تحقیر و تنقیص سے پاک ہوا کرتا تھا، آپ کسی عالم، دینی ادارے اور حق جماعت پر تنقید نہیں فرماتے تھے، علماء حق کا آپس میں کسی بھی قسم کا جو اختلاف ہوتا تھا، اس کا تذکرہ نہیں فرماتے تھے، بلکہ اس کی مثال یوں دیتے تھے کہ علماء کرام سب پھول ہیں، جس طرح پھولوں میں بعض کا رنگ سرخ، بعض کا سفید اور بعض کا کالا ہے اسی طرح علماء کرام بھی ہیں، سرخ اور سفید پھول کو ایک دوسرے پر تنقید کا حق ہے، لیکن ہمارے لئے سب پھول قابلِ احترام ہیں، یہ سب ایک مشین کے مختلف پرزے ہیں، ان کے مقاصد میں ذرہ بھر بھی اختلاف نہیں، اس بات کا اثر یہ نکلا کہ آپ کا ہر شاگرد وسیع النظر اور کشادگی ظرف کا حامل ہے۔ جمعیت علماء اسلام کا جھنڈا ہمہ وقت ان کے مہمان خانے پر لہراتا رہتا ہے، حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی آمد پر بنفسِ نفیس اور پورے دید والوں کو استقبال کے لئے سڑک کے کنارے جمع فرماتے، حضرت شیخ القرآن فرمایا کرتے تھے کہ ایک علاقے میں ایک ربانی عالم اشاعت دین کا کام کر رہا ہے، اور وہاں پر کوئی دوسرا عالم دین کا کام شروع کرے تو اگر اس کام سے پہلے والے عالم کو خوشی ہو تو ثابت ہوا کہ وہ سب کچھ اللہ کے لئے کر رہا تھا، لیکن اگر اس نے اپنے آپ کو وحدہ لاشریک سمجھ کر دوسرے عالم پر تنقید شروع کر دی تو یہ اس بات کی دلیل ہوگی کہ یہ جو کچھ بھی کر رہا تھا، اپنی شہرت اور ناموری کے لئے کر رہا تھا۔ اسی لئے کوثر کیرانوی نے کیا ہی خوب کہا ہے:

اب گاؤں کے بوڑھوں کو بھی کہتے نہیں سنتے
نیکی جو کرو تم، اسے دریا میں بہادو
اس دور میں سچ بولنے والے ہیں بہت کم
یہ لوگ عجوبہ ہیں، صلیبوں پہ چڑھادو
کردار فروشوں کے بھی ہاتھوں میں قلم ہیں
ایسا نہ ہو تم ہاتھ سے تلوار گرادو
ہر حال میں گلشن کے وفادار رہیں گے
کوثر یہ نئی نسل کے ذہنوں میں بٹھادو
.اللھم لاتحرمنا اجرہ ولاتفتنا بعدہ
(ضرب مومن: ۱۷-۱۰ محرم ۱۴۲۳ھ)
(افضل السوانح، مولانا عبدالرحیم، ص: ۱۲۳)

شیخ احمد یاسین..... بچپن سے شہادت تک

شہید فلسطین

یہ اس تاریک اور ظلمت آمیز شب کا واقعہ ہے، جب امریکہ عراق پر جبر واستبداد اور وحشت و بربریت کی داستانیں رقم کرنے پر اپنی شیطانی خوشی کی پہلی برسی منا رہا تھا، کہ عالم اسلام پر یہ خبر بجلی بن کر گری کہ اُمت مسلمہ کے عظیم سپوت، عرب دنیا کے نامور مجاہد، تحریک آزادیٔ فلسطین کے علمبردار اور حماس کے سربراہ شیخ احمد یاسین شہید کر دیئے گئے..... اناللہ واناالیہ راجعون۔ وھیل چیئر کے بغیر یہ عدیم الحرکۃ عظیم مجاہد کمانڈر اور باطل کے خلاف شمشیر برّاں ۲۲ مارچ ۲۰۰۴ء کو ساری رات مسجد میں عبادت اوراللہ رب العزت سے راز ونیاز میں مشغول رہنے کے بعد نمازِ فجر کی ادائیگی کے بعد اپنے جانثاروں کے ساتھ باہر نکلے اور صیہونی دہشت گردوں نے انتہائی بزدلانہ میزائیل حملہ کرکے حددرجہ سفاکانہ طریقے سے اُنہیں شہید کر دیا۔ اُدھر اسرائیلی ترجمان نے اس بات کی تصدیق کی کہ ''اسرائیلی فضائیہ نے یہ بدنما کارنامہ بدنام زمانہ اسرائیلی وزیراعظیم ایریل شیرون کے خصوصی حکم پر سرانجام دیا''اور یہ بات بھی سامنے آئی کہ حملے کی پلاننگ انسانیت دشمن اسرائیلی وزیراعظم نے خود ہی

کی تھی۔

۱۹۳۸ء کے اوائل میں فلسطین کے (جورہ) نامی قصبہ کے ایک متمول گھرانے میں پیدا ہونے والا یہ عظیم بچہ جب پردۂ عالم پر نمودار ہوا تو کسے معلوم تھا کہ آج کا یہ بچہ کل کا بے باک رہنما ثابت ہوگا۔ ابھی آنکھ کھولی ہی تھی کہ بچپن ہی میں اسرائیلی درندوں نے شیخ کے گھر کو مسمار کردیا، یہ ۱۹۴۸ء کی بات ہے جب اسرائیلی فوج نے جورہ پر بحر و بر اور فضا سے بمباری اور میزائل باری کی تھی۔ (جورہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے شہر عسقلان کے مضافات میں واقع ہے، جہاں حضرت سلیمان علیہ السلام والی وادی نمل (چیونٹیوں کی وادی) بھی ہے، جس کا ذکر قرآن کریم نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے حوالے سے سورۂ نمل میں کیا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے بھی اس کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ جورہ میں ایک مشہور و معروف ''شہداء قبرستان'' بھی ہے جس کے متعلق عجیب وغریب کہانیاں یہاں کے لوگوں میں مشہور ہیں)۔ بہرحال پھر شیخ کا خاندان غزہ محلّہ (رمال) میں منتقل ہوگیا۔ ابھی نوعمری ہی کے ایام تھے کہ ایک ٹریننگ کے دوران حادثہ میں شیخ کی ریڑھ کی ہڈی کو شدید نقصان پہنچا اور وہ اپنے قدموں پر صحیح طرح چلنے کے قابل نہ رہے، پیروں کی انگلیوں پر چلنے کی کوشش کرتے تھے، ان کے بچپن کے دوست اور آج کے فلسطین کے عظیم عربی شاعر ''محمد ابودیہ'' کے بیان کے مطابق ''وکأنی انظر الیہ فی تلک الأیام، وھو یسیر خطوات، ثم یقع علی الأرض،

ثم یلملم کتبہ وینھض، ویکمل المسیرۃ بعزیمۃ یعجز عنہا اولوالقوۃ'' اُن دنوں کا وہ منظر آج بھی میری آنکھوں کے سامنے ہے جب وہ چند قدم چلتے، پھر زمین پر گرپڑتے، پھر سے اپنی کتابیں سمیٹتے، اور کھڑے ہو کر اپنی باقی ماندہ راہ پر ایسے عزم کے ساتھ اُسی گرنے اُٹھنے کے انداز میں رواں دواں ہو جاتے کہ بڑے بڑے توانا بھی اُس سے ناتواں نظر آتے ہیں''۔ ابودیہ کہتے ہیں کہ شیخ میرے دوست، میرے عزیز اور میرے ہمسایہ تھے، اُن کے والد اسماعیل یاسین بڑے ٹھاٹ باٹ سے زندگی گذارتے تھے، مگر شیخ کی نوعمری میں ہی اُن کا انتقال ہوگیا تھا، ان کے کُل دس بچے تھے، اُن میں احمد، شعدۃ، حسن، بدر، آمنہ اور فہیمہ کے ساتھ ہماری طفولیت کھیل کود میں گذری۔ احمد سب سے چھوٹا تھا، اپنی ذہانت اور بے انتہا صلاحیتوں کی وجہ سے والدین کو بہت ہی لاڈلا تھا۔ ابودیہ مزید کہتے ہیں کہ شیخ کے پیروں کی طرح اُن کے ہاتھ بھی شل ہوگئے تھے، مگر پھر بھی وہ ہمت نہیں ہارے، بڑی مشکل سے قلم پکڑ کر لکھا کرتے تھے، وہ کہتے ہیں کہ شیخ جب زخمی ہوئے تھے، تو میں نے ہی دیگر دوستوں کے ساتھ اُنھیں ہسپتال پہنچایا تھا، جہاں ہمارا خیال تھا کہ کچھ دنوں بعد آپ پوری طرح شفایاب ہو جائیں گے، لیکن وہ چوٹ ایسی تھی کہ آپ جسمانی طور پر شروع میں کم اور آخرِ عمر میں بالکل معذور ہوگئے تھے، یہ حادثہ سترہ اٹھارہ سال کی عمر میں شیخ کو پیش آیا تھا۔ جب آپ انٹر کے طالب علم تھے، اس قدر مشقت اور معذوری کے باوجود دین کی والہانہ محبت اور خاندانی دین داری کی وجہ سے

اُس وقت اور آج کی عالمِ اسلام کی عظیم درس گاہ جامعۃ الازھر تشریف لے گئے اور حصول علم میں منہمک رہے۔

وطن سے دوری، اہل وعیال کی یاد آوری اور جسم کی معذوری جیسے مجاہدات اور ریاضات کو برداشت کرنے والے یہ مجاہد مصر کے اسلام مخالف اور مغرب نواز پالیسیوں پر گہری نظر رکھے ہوئے تھے۔ اُنھیں یہ معلوم تھا کہ ساری عمر مصر میں نہیں گذارنی، دینی غیرت وحمیت اُنھیں حالات حاضرہ میں دلچسپی لینے پر مجبور کر رہی تھی، ان دنوں اخوان المسلمین نامی تنظیم اور اس کے سربراہ سید قطب نوجوان نسل کی اُمیدوں کا مرکز بن چکے تھے۔ پھر ریاست اسرائیل کے قیام پر شیخ دل ہی دل میں جل کر راکھ ہو گئے تھے۔ شیخ یاسین نے بھی ان سے متاثر ہو کر اسی تنظیم میں شمولیت اختیار کرتے ہوئے واپس فلسطین آ کر تنظیمی مقاصد کو آگے بڑھانے کا بیڑہ اٹھایا۔ لیکن یہاں آ کر ۱۹۶۷ء میں آپ ایک اور سانحے کا شکار ہو گئے، وہ اس طرح کہ چند نوجوانوں کے ساتھ اسرائیل کے خلاف ایک مظاہرے میں آپ گرفتار ہوئے، آپ کی والدہ (سعدۃ الھبیل) کو اپنے معذور اور ناتواں بیٹے کی گرفتاری اور انہیں مارپیٹ اور ان پر تشدد کا جب علم ہوا تو وہ اس صدمے کو نہ سہہ سکی اور اللہ کو پیاری ہو گئی (انا للہ وانا الیہ راجعون) مگر آپ کے قدم ڈگمگائے نہیں، فلسطین کے حالات مصر سے مختلف ہونے کی وجہ سے آپ نے ستّر کی دہائی میں علاحدہ تنظیم المجمع الاسلامی کی بنیاد رکھی۔ ابھی

چند سال ہی گذرے تھے کہ اس تنظیم کے مقاصد میں وسعت پیدا کرتے ہوئے اس کا نام مجمع المجاہدین سے بدل ڈالا اور آہستہ آہستہ اپنے ہدف کی طرف بڑھتے چلے گئے۔ ابھی کام جاری تھا کہ تنظیمی مقاصد کو مزید وسیع کرنے کی غرض سے اور سیاسی پیچیدگیوں کے باعث شیخ اور اُن کے رفقاء کار غور و خوض کرنے لگے، کچھ عرصے بعد ۱۵ دسمبر ۱۹۸۷ء کو فلسطین کی عظیم جہادی اسلامی سیاسی تنظیم حماس کی بنیاد رکھی۔ حماس (حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ) سے مخفف ہے۔ جس کے مقاصد میں فلسطین کی آزادی، فلسطینی مسلمانوں کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کرنا، غاصب اسرائیلی حکومت کا خاتمہ کرنا اور فلسطین میں اسلامی مملکت کا قیام شامل تھا۔ اب کی بار شیخ نے یہ فیصلہ کر دیا کہ ہدف کے حصول کے لیے سیاسی و عسکری سطح پر نوجوانانِ فلسطین کو اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرنا پڑا تو دریغ نہیں کریں گے۔ انھوں نے اپنی معذوری کی پروانہ کرتے ہوئے باطل کی آنکھوں میں جب آنکھیں ڈالیں تو صیہونی اور ریاستی دہشت گرد امت مسلمہ کے اس عظیم سپوت کا نام سن کر بوکھلا گئے۔ حماس کی آئے روز بڑھتی ہوئی کارروائیاں باطل کی رعونت کو خاک میں ملانے کے لیے کافی تھیں۔ مئی ۱۹۸۹ء میں اسرائیلی حکومت نے شیخ کو گرفتار کرکے عمر قید کی سزا سنادی۔ شیخ کے جذبہ جہاد اور جدوجہد میں کوئی تبدیلی نہ آئی اور تحریک حماس شب و روز آگے مسلسل بڑھتی چلی گئی۔ مجبوراً شیخ کو رہا کرنا پڑا اور یوں ۱۹۹۷ء میں شیخ آٹھ سال کی طویل قید بامشقت کے بعد رہا کردیئے گئے۔ شیخ نے اپنی پیرانہ سالی، آخر عمر میں بینائی

سے محرومی اور کثرتِ امراض کے ہوتے ہوئے بھی جہادی کام جاری رکھا اور تنظیمی کمان سنبھالے ہوئے دن رات اپنے دماغ کو صیہونی دہشت گردوں سے انتقام اور چھٹکارا حاصل کرنے میں سرگرم و مصروف رکھا، بالآخر ۲۲ مارچ کی شب کو بعداز فجر سفاک اور درندہ صفت بزدل دشمن نے جو شیخ کے جذبہ جہاد سے بوکھلا چکا تھا، نظریہ کی اس جنگ میں اپنی شکست کو تسلیم کرتا ہوا، فضائی طیاروں سے شیخ پر میزائل داغے۔ جس کی وجہ سے ان کا جسم تین حصوں میں اور سر دو اجزا میں تقسیم ہوگیا۔ شیخ کی وھیل چیئر کے پر خچے اڑ گئے۔ سڑک شہید کے خون سے رنگی گئی اور تکبر و غرور سے بھرپور ظالم نے بصد سرور و فخر دنیا کو یہ خبر دی کہ میں نے ہی شیخ کو ختم کرنے کا فرمان جاری کیا تھا اور اب یاسر عرفات کو بھی شیخ یاسین کی طرح نشانہ بنادیا جائے گا۔ حماس کی طرف سے پورے فلسطین میں اسرائیل کے خلاف جنگ کا اعلان کردیا گیا اور لاکھوں فلسطینی عوام نے جائے وقوعہ پر پہنچ کر شہید اور اپنے محبوب قائد کو اُٹھا کر اس دارِ فانی سے اشکبار آنکھوں کے ساتھ رخصت کیا۔ اس دن غزہ شہر میں ہر طرف ''الجہاد الجہاد'' کے فلک شگاف نعرے بلند تھے، امریکہ جس نے سلامتی کونسل میں ۶۹ دفعہ ویٹو کا حق استعمال کیا ہے، ان میں ۳۹ مرتبہ وہ صرف اور صرف اسرائیل کے لیے بڑی ڈھٹائی کے ساتھ یہ حق استعمال کرچکا ہے، آج جب پوری مہذب دنیا کے دباؤ پر سلامتی کونسل نے اسرائیل کے خلاف قرار دادِ مذمت تیار کی، انسانی حقوق کے نام نہاد علمبردار امریکہ نے اسے نہ صرف ویٹو کیا بلکہ

یہ بھی کہا کہ اسرائیل کو اپنے دفاع کا حق حاصل ہے۔ مسلمانوں اور بالخصوص فلسطینیوں کے زخموں کی اس نمک پاشی کے موقع پر غالب کا یہ شعر بے ساختہ یاد آ رہا ہے:

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد
ڈرتا ہوں آئینے سے کہ مردم گزیدہ ہوں

فراست وبصیرت کا یہ پیکر، جہد وجہاد کا علمبردار، عزم و ہمت اور استقامت کا جبل عظیم خود تو چل بسا مگر اس کی شہادت بھی اس کی زندگی کی طرح قابلِ تقلید نمونہ ہے۔ اس کی وھیل چیئر جو کفر کے ایوانوں میں زلزلہ برپا کرنے کے لیے کافی تھی ایسے ہی اس کی شہادت کا ہر قطرۂ خون فلسطینی جذبہ جہاد میں نئی روح پھونکنے کے برابر ہے۔ وہ اپنے نحیف اور کمزور جسمانی وجود کے ساتھ بھی فلسطینیوں کے لیے ہمالیہ سے بلند عزائم کی حیثیت رکھتے تھے۔ جس شانِ امتیازی کے ساتھ اُنھوں نے اپنے بیمار و معذور جسم کے ٹکڑے اسلام کی سربلندی اور رضائے خداوندی کے لیے بکھیرے ہیں اس سے انھوں نے فلسطینیوں کو عزم و عمل کا ایک نیا حوصلہ اور شان ولولہ عطا کیا ہے۔ شیخ کی شہادت سے تحریک فلسطین کمزور نہیں بلکہ مزید مضبوط ہوئی ہے۔ شیخ یاسین کل بھی زندہ تھے اور آج بھی زندہ ہیں اور ایسے لوگ سدا زندہ رہتے ہیں۔

شیخ احمد یٰسین شہید نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں فلسطین کی قوم کو مخاطب کرکے
:جو ولولہ انگیز تقریریں کی ہیں، ان تقریروں کے دو مختصر اقتباس پیش خدمت ہیں

حان الوقت یا ابنائی ویااحفادی، لترجعواإلی اللہ تعالی، وتتوبواإلیہ، حان الوقت لتدعوا"
التفاھات من حیاتکم وتنحوھا جانباً، حان الوقت لتوقظوا انفسکم، وتصلّوا الفجر فی جماعۃ،
حان الوقت لتتعلموا وتتثقفوا وتخترعوا وتکونوا سبّاقین علی الغیر، حان الوقت لتتحلّوا
بالاخلاق، وتنفذوا مافی القرآن، وتقتدوا بالنبی صلی اللہ علیہ وسلم، وتتقربوا من ذلک النبی
"......الاعظم

میرے بچو اور پوتو! اب وقت آگیا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع کرو، اور اچھی"
طرح توبہ کرو، اب وقت آگیا ہے کہ تم فالتو چیزوں کو اپنی زندگی سے پرے ہٹاؤ، اور
انہیں ایک طرف رکھ دو، اب وقت آگیا ہے کہ تم اپنے آپ جاگو اور فجر کی نماز
باجماعت ادا کرو، اب وقت آگیا ہے کہ تم خوب تعلیم حاصل کرو اور تعلیم یافتہ اور
موجد بنو اور اغیار سے آگے بڑھو، اب وقت آگیا ہے کہ تم اچھے اخلاق سے مزین ہو
اور قرآنی احکام کی تنفیذ کی کوشش کرو، اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو
"......اپنا آئیڈیل بناؤ اور اس عظیم الشان پیغمبرؐ کا قرب حاصل کرو

اما انتن یا فتیات الامۃ وحفیداتی، استحلفکن باللہ ان تتمسکن بالحجاب الحق"

الذی یستر العورات، واستحلفکن باللہ ان تحتمین بدینکن وبالرسول الکریم صلی اللہ علیہ وسلم واقتدین بأمکن خدیجہؓ وامکن عائشہؓ، اجعلنہما نبراس حیاتکن، واطلب منکن ان تستعدن لماھوآت......"

اے امت مسلمہ کی نوجوان بچیو اور میری پوتیو! میں تمہیں اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ تم اس بر حق حجاب کو تھامے رکھو جو شرم گاہوں کو صحیح معنوں میں مستور رکھتا ہے، اور تمہیں اللہ کی قسم دلاتا ہوں کہ تم اپنے دین اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ کو مد نظر رکھ کر تقوی اختیار کرو اور اپنی ماؤں حضرت خدیجہؓ اور حضرت عائشہؓ کی پیروی کرو اور ان کی زندگی کو مشعلِ راہ بناؤ اور میں یہ بھی آپ سے اپیل کرتا ہوں کہ کل (بروز قیامت، یا فلسطینی حالات کے مطابق مستقبل قریب میں) جو کچھ ہونے والا ہے اس کے لیے پوری تیاری کرو......" نیز وفات سے ایک دو روز قبل مراکش میں ۲۹۔ مارچ کو ہونے والے عرب سربراہ کانفرنس (جو شومئ قسمت سے التوا کا شکار ہو گئی ہے) کے نام اپنے آخری پیغام میں فرماتے ہیں:

"بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چرواہے (حکمراں) سے اس کی ریوڑھ (رعیت و عوام) کے...... متعلق عنقریب پوچھ گچھ کرنے والے ہیں، کہ آیا اس نے حفاظت کا حق ادا کیا، یا اپنی رعایا کو تباہ وبرباد کیا، پس امت مسلمہ کے حوالے سے اللہ تعالیٰ سے خوب ڈرو، دراں حالیکہ اسے اللہ تعالیٰ کے دشمنوں اور امہ کے دشمنوں نے مل کر

ایک ہی کمان سے نشانہ بنایا ہے...... بے شک آج آپ کے سامنے بہت بڑے خطرناک چیلنجز ہیں اور تمہاری اقوام بے قراری سے اس عرب سربراہ کانفرنس کے نتائج پر نظریں مرکوز کی ہوئی ہیں، میں آپ تمام قائدین کو اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر کا واسطہ دیتا ہوں کہ مندرجہ ذیل نکات پر سنجیدگی سے مناقشہ فرما کر منظور فرمائیں۔

فلسطین کی سرزمین مسلم عربوں کی ملکیت ہے اور بحیثیت مجموعی یہ اسلامی (وقف) ۔1 کے حکم میں ہے، اس سے دست برداری یا اس کے حق میں کوئی کوتاہی شریعت کے روح سے جائز نہیں ہے اور یہ اسلحہ ہی کے زور پر امت کو واپس ملے گی۔ ۲۔ فلسطین میں جہاد برحق اور مبنی برشریعت ہے اور یہ ، مسلمان پر فرض ہو چکا ہے۔ ۳۔ فلسطینی قوم جو بڑی بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ اس معرکے میں برسرپیکار ہیں، وہ ہر طرح کے تعاون کی مستحق ہیں، بالخصوص اخلاقی، اقتصادی اور عسکری سطحوں پر۔ ۴۔ ہم تمہیں اللہ بزرگ و برتر کا واسطہ دیتے ہیں کہ دشمن (یہود) کے ساتھ ہر طرح کے روابط یکسر ختم کردو اور ان سے کلی بائیکاٹ کرو۔ صرف میں ہی نہیں مسجد اقصیٰ بزبان حال آپ تمام قائدین کو اس بارے میں اللہ بزرگ و برتر کا واسطہ دے رہی ہے، جس کے انہدام کے لیے دشمن نے پوری تیاری کرلی ہے۔ ۵۔ میں تمہیں اللہ بزرگ و برتر کا واسطہ دیتا ہوں ، کہ تم عراق و افغانستان کے لیے تن من دھن کے پیش کرنے سے ہرگز دریغ نہ کرو، تاکہ وہ لوگ

بھی امریکی قبضے سے آزادی حاصل کرسکیں..... یہ خیر خواہی کی کچھ باتیں تھیں جو میں نے عرض کردیں، جناب سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خیر خواہی ہی کا حکم دیا ہے۔ میری دعا ہے کہ آپ کی شیرازہ بندی قائم رہے، اللہ تعالٰی کے دین کی نصرت کے لیے اور آپ کی صفیں اللہ کرے کہ متحد ہوں بھلائی کے لیے۔ آمین.....اخوکم

"احمد یاسین

!جگر مرادآبادی نے کیا ہی خوب کہا ہے

جو حق کی خاطر جیتے ہیں، مرنے سے کہیں ڈرتے ہیں جگر؟

جب وقتِ شہادت آتا ہے، دل سینوں میں رقصاں ہوتا ہے

(ماہنامہ الفاروق کراچی، ربیع الاول ۱۴۲۵ھ)

ڈاکٹر عبدالعزیز الرنتیسی کی شہادت

سوانحی خاکہ

عبدالعزیز الرنتیسی ۲۳ اکتوبر ۱۹۴۷ء کو عسقلان کے جوار میں (یبنا) نامی ایک گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء کی جنگ کے بعد ان کے خاندان نے غزہ کی طرف ہجرت کی اور خان یونس مہاجر کیمپ میں پناہ گزین ہوئے، جب کہ اس وقت عبدالعزیز الرنتیسی کی عمر صرف ۶ ماہ تھی۔

آپ نے ۶ سال کی عمر میں ایک رفاہی ادارے کے تحت چلنے والے ایک اسکول میں داخلہ لیا اور تعلیم کے ساتھ ساتھ آپ کام بھی کرتے تھے، جس کی بنیادی وجہ مالی تنگی اور افراد خانہ کی کثرت تھی۔

۱۹۶۵ء میں سیکنڈری تک تعلیم مکمل کرنے کے بعد آپ نے مصر کے جامعہ اسکندریہ کے میڈیکل کالج میں داخلہ لیا اور ۱۹۷۲ء میں چلڈرن اسپیشلائزیشن میں ماسٹر ڈگری حاصل کی۔

تعلیم سے فراغت کے بعد آپ نے خان یونس مہاجر کیمپ کے میڈیکل سینٹر میں

بحیثیت ڈاکٹر خدمات انجام دیں، اس کے علاوہ آپ مجمع اسلامی کی مجلس عاملہ کے رکن بھی رہے نیز آپ نے عربک میڈیکل ایسوسی ایشن اور ہلال احمر کے تحت عظیم خدمات سرانجام دیں۔

۱۹۷۸ء میں جامعہ اسلامیہ غزہ کے قیام کے بعد آپ بحیثیت لیکچرار کے بھی اس سے منسلک ہوگئے۔

۱۹۸۳ء میں آپ قابض اسرائیلی حکومت کو ٹیکس نہ دینے کے جرم کی پاداش میں پہلی مرتبہ گرفتار ہوئے اور آپ کی دوسری گرفتاری ۱۹۸۸ء میں عمل میں آئی۔

۱۹۸۷ء میں آپ نے اسلامی تحریک کے چند سرگرم ساتھیوں کے ساتھ حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ (حماس) کی بنیاد رکھنے میں اہم کردار ادا کیا۔

تیسری مرتبہ آپ ۱۹۸۸ء میں اسرائیلی حکومت کے خلاف سرگرمیوں میں شرکت کی بناء پر اڑھائی سال تک اسرائیل کی مختلف جیلوں میں قیدوبند کی صعوبتیں برداشت کرتے رہے اور آخرکار ۴ ستمبر ۱۹۹۰ء کو رہا ہوئے، لیکن ۱۴ دسمبر ۱۹۹۰ء کو پھر ایک سال تک قید رہے۔

۱۹۹۰ء میں آپ نے جیل کے اندر ہی قرآن پاک حفظ کیا، جب آپ اور شیخ احمد یاسین ایک ہی بیرک میں تھے۔

دسمبر ۱۹۹۲ء میں آپ کو جہاد اسلامی اور حماس کے چار سو کارکنوں کے ساتھ لبنان کی طرف وادی (مرج الزھور) جلاوطن کر دیا گیا۔

وہاں سے واپسی کے فوراً بعد آپ کو اسرائیلی حکومت نے دوبار گرفتار کر لیا اور ۱۹۹۷ء کے وسط تک آپ اسرائیلی جیل میں محبوس رہے۔

۱۹۹۷ء کے اواخر میں اسرائیلی جیل سے رہا ہونے کے کچھ عرصہ بعد ۱۰ اپریل ۱۹۹۸ء کو فلسطینی اتھارٹی نے آپ کو گرفتار کر لیا۔ جس کے ۱۵ ماہ بعد آپ کو والدہ کی وفات کے موقع پر رہا کیا گیا۔ اس کے بعد پھر فلسطینی حکام نے آپ کو گرفتار کیا اور ۲۷ ماہ تک فلسطینی جیل میں قید رہے، اس دوران آپ نے احتجاجاً بھوک ہڑتال بھی کی اور اسرائیلی طیاروں نے اس جیل پر بمباری بھی کی تاکہ آپ کو راستے سے ہٹایا جا سکے۔

جون ۲۰۰۳ء میں اسرائیلی فضائیہ نے آپ کی گاڑی پر میزائل داغے جس کے نتیجے میں آپ زخمی ہو گئے۔

۲۲ مارچ ۲۰۰۴ء میں شیخ احمد یاسین کی شہادت کے بعد آپ حماس کے عمومی سربراہ منتخب ہوئے تھے۔

۱۷ اپریل ۲۰۰۴ء کو اسرائیلی فضائیہ نے آپ کی گاڑی پر میزائل داغے جس کے نتیجے میں آپ کی بمع صاحبزادہ و محافظ شہادت واقع ہوئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)

حضرت مولانا احمد ہتھورانی کا وصال

ساؤتھ افریقہ کے نامور بزرگ

ساؤتھ افریقہ جانے کا اتفاق میرے لئے، میرے شیخ سماحۃ العلامۃ الامام المحدث الشیخ سلیم اللہ خان دامت برکاتہم کی ذرہ نوازی اور کودک پروری کے سوا اور کیا ہوسکتا ہے:

بودے مورے ہوسے داشت کہ کعبہ رود
دست برپائے کبوتر زد، وناگاہ رسید

جب بھی حضرت شیخ کے ساتھ خادمانہ وہاں جانا ہوا، بے پناہ محبت، عقیدت اور کیف وسرور کے مناظر دیکھنے کو ملے، حضرت کے تلامذہ، مریدین ومسترشدین، عام وخاص متعلقین اور حضراتِ علماء کرام ومشائخ عظام شبانہ روز حضرت کی خدمت میں، جیسے بہار آئی ہو، یا جیسے کوئی گمشدہ متاع دستیاب ہوئی ہو، گویا کہ:

نازم بچشم خویش کہ جمالِ تُرا دیدہ است
اُفتم بپائے خویش کہ بکویت رسیدہ است
ہردم ہزار بوسہ زنم دست خویش را

کو دامنت گرفتہ بسویم کشیدہ است

کا سماں، بطور خاص حضرت مولانا احمد ہتھورانی مرحوم، حضرت مولانا بلہ نزید شہید، حضرت مولانا عباس جینا، جناب بابا ابراہیم دھورات، حضرت مولانا محمد رفیق ہتھورانی، حضرت مولانا محمد یوسف مونیا، حضرت مولانا عبدالحمید آزاد وِل، مفتی اسماعیل اسپرنگ والے، مولانا شبیر صالوجی، مفتی رضاء الحق، مولانا حیدر علی ابراہیم دھورات، مولانا احمد رفیق ہتھورانی، مفتی اے کے حسین میمن، جناب فیصل صالوجی، مولانا کاکا، جناب عمران صالوجی، قاری برکۃ اللہ، مولانا مبین ، قاری نعیم چونیا، جناب عبدالرحمٰن ملیت، مولانا محمد علی ملیت، مولانا ابراہیم ماکدا، مفتی حسین بھیات، مولانا خالد شہید، مولانا ایوب جناب سلیمان متارا اور دیگر بہت سے، جن کے نام ہمارے دل ودماغ میں نقش ہیں۔

امسال ہمارے اس سفر پر یہاں کے نہایت قابلِ قدر بزرگ حضرت مولانا احمد ہتھورانی صاحب -رحمۃاللہ علیہ- کے وصال کی وجہ سے غم واندوہ کے بادل سایہ فگن رہے، اسی لئے حضرت شیخ سب سے پہلے مرحوم کے صاحبزادگان کے یہاں تعزیت کے لئے تشریف لے گئے، بعد میں ان کے مرقد مبارک پر حاضری ہوئی، جو ایک عام قبرستان میں برلبِ سڑک ہے، وہاں مرحوم اور دیگر تمام مدفونین کے لئے دعائیں ہوئیں۔

آفرین ہو مرحوم کے ارب پتی پسماندگان پر، جنھوں نے ان کے قبر مبارک کو عام
: قبرستان میں اور پھر بالکل سنت کے مطابق سیدھا سادا رکھنے کا اہتمام کیا، گویا کہ

برمزارِ ما غریباں، نے چراغے، نے گلے
نے پرِ پروانہ سوزد، نے صدائے بلبلے

کی حقیقی تصویر، حقیقت یہ ہے کہ حضرت مولانا کا وجود مسعود جمعیت علماء افریقہ ہی کے لئے نہیں، بلکہ ساؤتھ کے عام مسلمانوں اور برصغیر کے دینی اداروں کے لئے ایک نعمت عظمیٰ سے ہرگز کم نہ تھا۔

ہندوستان کے صوبہ گجرات میں ۱۹۱۷ء کو تولد ہوا، والدین کا سایہ طفولیت کے زمانے ہی میں اٹھ گیا تھا۔ ہمشیرہ نے تمام تر تعلیم دلائی، یہاں تک کہ ڈابھیل میں حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حضرت محدث العصر محمد یوسف بنوری جیسے اساطین علم سے کسبِ فیض کیا۔

۱۹۴۰ء میں ساؤتھ افریقہ ہجرت فرمائی اور یہیں کے ہو کر رہے، یہاں جہاں جہاں، جس جس شہر میں آپ نے دینی خدمات انجام دیں، بے نظیر و بے مثال دیں، عوام وخواص کے علاوہ تلامذہ واطفال کے ہر دلعزیز و محبوب رہے، آج بھی اگر کوئی

اُن.براہِ راست استفادہ کرنے والوں سے حضرت کے متعلق پوچھے، یا ان کا تذکرہ ہوجائے تو جذبات واحساسات اور کلمات تحسین و تبریک کا گویا ایک تلاطم خیز سیلاب امڈ آتا ہے۔

مرحوم نے پوری حیاتِ مستعار کے لیل ونہار خدمتِ دین کے لئے وقف کر رکھے تھے، جبل علم وعرفاں تھے اور زہد وتقویٰ کے کوہِ گراں، اپنے تمام بچوں بچیوں کو مدرسے کی تعلیم دلائی، خود بھی امامت، مؤذنی، مسجد کی خدمت، حفظ وناظرہ کی پڑھائی جیسے بظاہر معمولی کاموں پر کبھی بھی جمعیت علماء کی قیادت وسرپرستی، تصنیف وتالیف وودیگر بظاہر عالی شان خدمات کو ترجیح نہیں دی، آخر دم تک وہ یکساں طور پر مذکورہ بالا امور بلاترجیح وتفضیل نہایت تندہی سے انجام دیتے رہے، کبھی دنیوی شان وشوکت کو اپنے لئے یا اپنی اولاد کے لئے اختیار نہیں کیا، نہ ہی دنیا پروری کی کبھی کوشش کی، اسی لئے اوپر والے نے بھی خوب چھپڑ پھاڑ کے دیا تھا۔

عصر حاضر ملک الموت ہے تیرا، جس نے\
قبض کی روح تیری، دے کے تجھے فکر معاش

مرحوم بہت نحیف، مختصر سے قد کاٹھ کے مالک تھے، مگر اللہ جل شانہ نے ان کی ذات میں وہ محبوبیت رکھی تھی، کہ جو دیکھے فریفتہ ہوجائے، مولانا محمد

بھامجی صاحب سابق مدیر السکن جامعہ بنوری ٹاؤن نے مرحوم کے متعلق اپنے مضمون میں لکھا ہے کہ: ''جو بھی حضرت سے ایک بار ملاقات کرتا، حضرت کے اخلاق عالیہ دیکھ کر متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکتا تھا اور یہی میرے ساتھ ہوا، حضرت کے ساتھ میری پہلی ملاقات ۱۹۶۷ء میں ہوئی، دیکھتے ہی حضرت پر دل وجان سے فدا ہو چکا تھا ......'' سیجعل لہم الرحمٰن وُدًّا) کے تحت علامہ ابن کثیر نے ایک روایت نقل کی ہے جس کا(مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے جس بندے سے محبت فرمادیتے ہیں اس کے لئے آسمانوں اور زمینوں میں منادی کرادیتے ہیں، کہ میں نے فلاں بندے سے محبت کرلی ہے، الہذا تم ان سے محبت رکھو، ''إنی احببت فلاناً فأحبوہ'' ...... راقم کو بھی شاید اسی لئے مرحوم سے اور مولانا رفیق سے عشق کی حد تک محبت ہے۔

مسلم اقلیات کے حالات مسافرانِ شرق وغرب اچھی طرح جانتے ہیں، تفصیل کی ضرورت بھی نہیں اور موقع بھی نہیں، لیکن ان اقلیات میں جہاں گجراتی مسلمان ہیں، وہ خراج تحسین کے مستحق ہیں کہ انہوں نے اپنے عقیدے وایمان کی حفاظت بہت خوب کی ہے، اور کررہے ہیں۔ (اس حوالے سے ان کی خدمات پر آئندہ کبھی تفصیل سے قلم اٹھانے کی کوشش کروں گا، انشاء اللہ تعالیٰ)۔

مرحوم نے ان ہی گجراتی مسلمانوں کو اپنی خدمات اور تالیفات وتصنیفات کا ہدف بنایا، چنانچہ اس کا حق ہی ادا کردیا۔ ۵۰ سے زائد چھوٹی بڑی کتابیں اُن کی ان کے کام پر شاہد عدل ہیں۔ ساؤتھ کے علماء کا اس پر اتفاق ہے کہ گجراتی زبان میں تالیف وتصنیف میں ان کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ نیز کئی کتابیں حضرت نے جمعیت کے لئے بطور نصاب تحریر فرمائیں، جو کہ شاملِ نصاب ہو بھی گئیں۔

۴۰ سال جمعیت کے مرکزی شوریٰ کے رکن رکین رہے، ان کے انتقال سے جمعیت علماء ایک کہنہ مشق عبقری شخصیت کی سرپرستی واشراف سے محروم ہو گئی ہے۔

۲۹ جولائی ۲۰۰۷ء کو ان کا انتقال ہوا، (إنا للہ وانا إلیہ راجعون) حضرت شیخ صاحب نے ان کے انتقال پر پاکستان کے اخبارات اور ساؤتھ کے ریڈیو اسلام وچینل اسلام میں اپنے تعزیتی بیانات جاری فرمائے۔ جن میں ان کی خدمات کو سراہنے کے ساتھ ساتھ ان کے پس ماندگان خصوصاً مولانا محمد رفیق ہتھورانی، مولانا محمد اقبال ہتھورانی، جناب ادریس ہتھورانی، جناب یونس ہتھورانی، اور مولوی احمد رفیق ہتھورانی کے لئے تعزیتی پیغام بھی تھا۔

یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

انہیں کی شان کو زیبا نبوت کی وراثت ہے
انہیں کا کام ہے، دینی مراسم کی نگہبانی

.اللہم اغفرلہ، وارحمہ، وجاورہ، وارفع درجاتہ، وزوجہ بحور عین، یارب العالمین"

(ماہنامہ الفاروق کراچی، محرم ۱۴۲۹ھ، و روزنامہ اسلام)

تشکر وامتنان

حامداً ومصلیاً ومسلماً، اما بعد!

گزشتہ پندرہ بیس سال سے حق سبحانہ وتقدس نے عالم اسلام کے نامور ترین میگزین "الفاروق" عربی، اردو کے بتوسط قلم وقرطاس سے جس طرح اس نالائق کو جوڑا ہے، میرے لئے اس کے تشکر وامتنان کے الفاظ و تعبیرات کی ادائیگی ناممکن ہے، "انا لانحصی ثناءً علیک انت کما اثنیت علی نفسک". دعا ہے کہ اللہ جل شانہ علمی، عملی، قلمی اور لسانی طور پر حمد وشکر کی توفیق سے بہرہ ور فرمائے۔

جامعہ فاروقیہ کراچی میں تدریس اور وفاق المدارس العربیہ پاکستان میں انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ ساتھ لکھت پڑھت سے رشتہ قائم رکھنا کتنا مشکل تھا، یہ شاید ارباب بصیرت و تجربہ سے پوشیدہ نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کا اگر خصوصی فضل واحسان نہ ہوتا، تو میرے لئے اس میدان میں ایک قدم بڑھانا بھی محال تھا۔

لیکن اللہ تعالیٰ کا کرم یہ ہوا کہ جامعہ فاروقیہ کراچی جیسے چشمۂ فیاض میں درس وتدریس سے وابستہ فرمایا، سماحۃ الامام المحدث الشیخ سلیم اللہ خان

الموقر حفظہ اللہ ورعاہم کا دامن علم وعرفان تھما دیا اور پھر کچھ ایسے مربی اساتذہ کرام کے آغوشِ شفقت میں دھکیلا، جن کی رہنمائی میں اپنی بساط کے مطابق یہ چند اَوراقِ منتشر آپ کے ہاتھوں میں دینے کی جرات وجسارت کر ہی دی..... الاَول فالاَول کے اعتبار سے مضامین کی ترتیب ہے، موضوعات میں تقسیم سے گریز اس لئے کیا گیا کہ ورق گردانی میں تجدّد لذت رہے، ایک ہی طرح کے مضامین سے بسااوقات اکتاہٹ ہو جاتی ہے، کُلُّ جَدِیْدٍ لَذِیْذٌ ہونے کا تو علم ہو ہی گیا ہوگا۔

جناب مولانا عزیز الرحمٰن عظیمی صاحب استاذ تخصص فی الاَدب العربی بالجامعۃ کا نہایت ممنون ہوں کہ انہوں نے ان مضامین کو اپنے گرانقدر کلمات تقدیم کا ہار پہنایا۔

محترم مفتی محمد انس عادل خان کا تہ دل سے مشکور ہوں کہ ''مکالمہ بین المذاہب'' ہو یا التاریخ الاسلامی مع القول السلیم''، ''تعریب علم الصیغۃ'' ہو یا ''اللامذہبیۃ...... خیانات وافتراءات'' اور اب ''مظفریات'' ، حد سے بڑھ کر حسن وکمال کا وہ لباس پہنایا کہ دیکھ دیکھ کر بے ساختہ دل سے دعائیں نکلنے لگتی ہیں، اور اس موقع میں اپنے جذبات کی تعبیر کے لئے شاعر کے اس قول

اخوھم وموالھم وسائر سیر ھم

ومن قد نشا فہم وعاشر ھم دھراً

عزیزم ناصر بن ابی سعید متخصص ادب جامعہ فاروقیہ کراچی کو اللہ تعالیٰ دن دوگنی رات چوگنی ترقیاں نصیب فرمائیں، کہ انہوں نے ان خستہ حال اوراق میں نئی روح ڈالی۔

نیز صدیق صاحب اور عرفان انور صاحب کی اپنی اپنی مساعی بھی قابل قدر و تحسین ہیں۔

ان کے علاوہ کچھ اور حضرات کا یہاں تذکرہ کرنے کا ارادہ تھا مگر طوالت کا خوف ہے، اس لئے دل ہی دل میں ان کے لئے نیک تمناؤں کے بحر بیکراں کا حوالہ امید ہے، یہاں کافی ہوگا۔

بہرحال میخانہ خیالات وافکار کا یہ تتر بتر مجموعہ آپ کے ہاتھوں میں ہے، اللہ کرے کسی خیر کا باعث ہو، اور قارئین کو کچھ خطوط دینے میں کامیاب ہو۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین، وصلی اللہ علی سیدنا محمد وعلی آلہ

وصحبہ وسلم۔

ولی خان المظفر

استاذ حدیث وادب جامعہ فاروقیہ کراچی

عضو رابطۃ الأدب الاسلامی العالمیۃ

بانی جامعۃ اللغۃ العربیۃ المفتوحۃ بپاکستان

11\11\2007

بیگم جمائما عمران خان..... شرمَرساں

کچھ دنوں قبل اخبارات وجرائد، ٹی وی اور ریڈیو، عوام اور خواص، ملکی اور غیر ملکی صحافیوں کا دلچسپ موضوع سخن عمران خان اور ان کی نئی نویلی دلہن حائقہ تھا۔

عمران خان ایک ایسی پیچیدہ اور گہری شخصیت کے مالک ہیں کہ ان کے بارے میں کوئی قیاس آرائی حتمی طور پر نہیں کی جا سکتی۔ اسی بناء پر اب تک بعض لوگوں کے اس بیاہ وعروس کے متعلق کچھ شکوک وشبہات تھے کہ کہیں یہ بھی ماضی کی طرح خوامخواہ کے شوشے تو نہیں۔

بہرحال اب تک کی خبروں کے مطابق ہمارے خان صاحب کی شریکہ حیات ایک سابقہ یہودی المذہب، سرمایہ دار، اعلیٰ تعلیم یافتہ،.برطانوی نژاد خاتون ہیں۔ جب کہ ان کے والد جیمز گولڈ اسمتھ صرف یہودی ہی نہیں بلکہ یہودیوں کی ایک عالمی تنظیم کے رکن بھی ہیں۔ ساتھ ساتھ یہ بات بھی کسی پر مخفی نہیں ہے کہ یہود مسلمانوں کے خلاف ہمیشہ سے سازشیں کرتے آئے ہیں۔ جن کے بارے میں قرآن کریم کی ایک آیت کا مفہوم یہ ہے کہ آپ یہود کو مسلمانوں کے لئے سب سے کٹر دشمن کے طور پر پائیں گے۔ اب قرآن کی اس آیت کو مد نظر رکھتے ہوئے اگر

مذکورہ بالا شادی خانہ آبادی پر غور کیا جائے، تو صاف معلوم ہوگا کہ یہ یہود کی ایک خطرناک ترین سازش ہے۔ اب کیا عمران خان اس سازش کا شکار ہوتے ہیں، یا اپنے مضبوط کیرئیر کی بدولت اس میں خود ایک ہوشیار شکاری کا روپ دھارتے ہیں۔ یہ حقیقت مستقبل میں خود طشت ازبام ہو جائے گی۔

یہود کی حقیقت اگر ان کے افکار و نظریات کے آئینے میں دیکھی جائے تو واشگاف طور پر نظر آئے گا کہ یہود صرف مسلم امت کے نہیں بلکہ پوری انسانیت (باستثناء یہود) کے دشمن ہیں اور اس پر ان کی تاریخ گواہ ہے۔ لیکن مسلمانوں سے ان کی شدید دشمنی کے چند اہم بنیادی عوامل ہیں۔ وہ یہ کہ قرآن کریم (جو مسلمانوں کی مقدس کتاب ہے) نے ان کے عیوب کا پردہ چاک کیا ہے، جس سے ان کی حماقتوں اور جہالتوں کا بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً:

☆- فرعون کی ذلیل ترین غلامی۔

☆- بچھڑے کی عبادت۔

☆- من و سلویٰ کو چھوڑ کر عام سبزیوں کی چاہت۔

☆- اپنے زمانے کے پیغمبر برحق حضرت موسی علیہ السلام کا مذاق۔

☆- نہایت ہی نامعقول قسم کی بزدلی۔

☆- اور پھر نبی آخر الزمان ﷺ سے مدینہ منورہ میں مختلف مواقع پر وعدہ خلافی، دھوکہ دہی اور فریب، جس کی وجہ سے مسلمانوں کو انہیں پہلے مدینہ، پھر خیبر

اور پھر پورے جزیرہ عرب سے نکالنا پڑا۔

اب اس تمام پس منظر کے باوجود ایک یہودی دوشیزہ مسلمان ہوتی ہے اور حال ہی میں پختہ کار اسلامی مفکر کے روپ میں ابھرنے والے مسلمان سے عقد نکاح کرتی ہے، جو عمر میں اس سے دوگنا مگر دولت وثروت میں اس سے کم ہے۔ اور اس سب کے باوجود اس دوشیزہ کا باپ، اس کا خاندان اور پھر پوری یہودی قوم اس پر شاداں وفرحاں ہے۔ آخر اس کی بھی تو کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ ممکن ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ خان صاحب کچھ دنوں سے اسلامی مشرقی روایات وافکار کے داعی اور یہودی ونصرانی مغربی ثقافت کے سخت ترین مخالف بن کر میدان میں کود پڑے ہیں۔ ادھر میدان مارنا اور فتح کرنا ان کی فطرت ثانیہ بن چکی ہے، تو یہود نے ان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر مقابلہ مناسب نہ سمجھا، بلکہ ان کو ایک یہودی عالمی تنظیم کے رکن کی صاحبزادی ہدیہ کرکے انہیں لگام دینے کی کوشش کی ہے۔ کہ کہیں یورپ کی تعلیمی فضا میں پروان چڑھنے والا یہ مسلم نوجوان ان کے لئے درد سر نہ بن جائے۔ اس سے قبل زمانۂ قریب میں یاسر عرفات کے ساتھ بھی یہی کھیل کھیلا گیا ہے۔

اس داستان کی باقی دوسری کڑیوں سے آگاہ ہونے کے لئے Jews in Muslim Home نامی کتاب دیکھی جائے، تو پتہ چل جائے گا کہ عورت یہود کی چالوں میں سے

کتنی اہم چال یا جال ہے۔ لہٰذا تاریخ اسلام میں جب بھی ہم اس قسم کے جوڑوں کو ...... دیکھتے ہیں، تو بے ساختہ پکار اُٹھتے ہیں کہ

مرا بخیر تو امید نیست شر مرساں

(ماہنامہ الفاروق کراچی ربیع الثانی ۱۴۱۶ھ)

☆☆......☆☆

مقارنۃ الادیان/ مکالمہ بین المذاہب

پچھلے دنوں اسلام کے متعلق شہرت یافتہ محققہ کرن آرم اسٹرانگ کی پاکستان آمد پر انٹر فیتھ ڈائیلاگ کے موضوع کو پرنٹ والیکٹرانک میڈیا میں خاصی جگہ دی گی۔ انور غازی صاحب کے مفصل اور جامع مضمون نے کرن کی شخصیت اور مکالمہ کی ضرورت کو خوب واضح کیا، بعد میں وفاق المدارس کے ناظم اعلیٰ جناب قاری محمد حنیف جالندھری صاحب اور جناب ڈاکٹر محمود احمد غازی صاحب کےپُر مغزمقالے بھی نظر سے گزرے، چونکہ جامعہ فاروقیہ کراچی میں اس حوالے سے دورۂ حدیث میں ہمارے بھی تفصیلی محاضرات اور لیکچرز ہوئے ہیں، سوچا کہ اس مضمون کو ایک مرتبہ اور ذراتاریخی انداز سے چھیڑا جائے۔

مذاہب عالم کے مابین ڈائیلاگ، حوار، مکالمہ، مقارنہ اور تقابل کا آغاز قرآن مجید کے نزول سے شروع ہوتا ہے، موضوع کے متعلق سب سے اولین کتاب بھی قرآن مجید ہی ہے، قرآن کریم نے مکالمہ کے دونوں پہلوؤں یعنی مثبت ومنفی کاتذکرہ احقاق وابطال کی صورت میں دوٹوک ذکر کردیا ہے۔ مثلاً تثلیث کارد (لا تقولواثلاثۃ،)ثنویت کارد (لاتتخذوا الٰہین اثنین) ، بنوت اور ابنیت کارد (لم یلد،ولم یولد) اور شرک کاتوباربار رد، اسی طرح یہود ونصاریٰ کی طرف سے

انبیاء علیہم الصلاۃ والسلام پر لگائے گئے الزامات کی صفائی، قومِ یہود کے بجائے وحی میں عموم برائے دیگر اقوام، کئی مواقع پر اہل کتاب کی تایید بھی کی گئی ہے، جبکہ کتب سابقہ میں یہ مکالمہ بین المذاہب ومقارنہ بین الادیان نہیں پایا جاتا۔

بعد میں تقابل ادیان یا مقارنۃ الادیان اسلامی علمِ کلام کی معرکہ آرائیوں کا ایک رکن رکین بنا، چنانچہ عقائد پر کام کرنے والے متکلمین نے علمِ کلام کی دیگر مباحث کی طرح اس بحث کو بھی اپنی تصنیفات میں جگہ دی ہے، بلکہ بعض نے تو اس پر مستقل کتب لکھ دی ہیں۔

اگرچہ یہ مکالمہ وحوار قرآن کریم کے نزول کے ساتھ اس زمانے کے ماحول کے مطابق اپنے مخصوص انداز میں شروع ہوچکا تھا (یا اھل الکتاب تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا وبینکم ......) اس کی بیّن مثال ہے، لیکن اس کو بحث ومناظرے کی مستقل شکل عباسی دورِ خلافت میں باقاعدہ وباضابطہ سرکاری طور پر دی گئی، ان کے دربار میں ادیان ومذاہب کے ماہرین اور معتقدین کی وقتاً فوقتاً مجالس منعقد ہوتی تھیں، جن میں بعض مرتبہ بڑے دلچسپ مناظرے بھی ہوتے تھے، چنانچہ اکبر شاہ خان نجیب آبادی رقم طراز ہیں:

ہارون الرشید نے بغداد میں بیت الحکمت کے نام سے ایک دارالترجمہ اور دارالتصنیف" قائم کیا تھا جس میں مختلف ملکوں کے رہنے والے مختلف مذاہب کے پیرو اور مختلف زبانیں جاننے والے علماء مصروف رہتے تھے۔

مامون کو ارسطو کی کتابوں کے ترجمہ کرانے کا شوق ہوا تو اس نے قیصر روم کو لکھا کہ ارسطو کی تمام تصانیف جہاں تک دستیاب ہو سکیں فراہم کرکے ہمارے پاس بھیج دو۔ قیصر نے پانچ اونٹ ان کتابوں سے لاد کر مامون الرشید کے پاس بھجوا دیئے، مامون الرشید نے یعقوب بن اسحاق کندی کو ان کے ترجمہ پر مامور کیا۔ پھر مامون نے خود اپنی طرف سے عیسائی علماء کو جو اس کے ہاں باقاعدہ ملازم تھے بلاد روم ویونان کی طرف روانہ کیا کہ وہاں سے علوم وفنون کی دیگر کتابیں تلاش کرکے لائیں۔ جبکہ قسطا بن لوقا ایک عیسائی فلاسفر خود اپنے شوق سے روم گیا اور وہاں سے کتابیں تلاش کرکے لایا۔ مامون الرشید نے ان کو دارالترجمہ میں مستقل ملازم رکھ لیا۔

اسی طرح مامون الرشید نے مجوسیوں کو بڑی بڑی بیش قدر تنخواہوں پر ملازم رکھ لیا اور مجوسیوں کے علوم وفنون کے ترجمہ کی خدمت ان کے سپرد کی۔

ہندوستان کے راجاؤں کو معلوم ہوا تو انہوں نے مامون الرشید کی خدمت میں

سنسکرت کے عالموں اور بڑے بڑے پنڈتوں کو بطور تحفہ بھیج کر خلیفہ کی خوشنودی حاصل کی۔ بیت الحکمت کے مترجموں کی تنخواہیں ڈھائی ڈھائی ہزار تک تھیں اور ان کی تعداد سینکڑوں تک پہنچ گئی تھی۔

جن میں یعقوب کندی، حنین بن اسحاق، قسطا بن لوقا بعلبکی، ابو جعفر یحییٰ بن عدی جبرئیل بن بختیشوع وغیرہ بہت مشہور ہیں۔ علاوہ تنخواہوں کے مترجموں کو ہر ایک کتاب کے ترجمہ کی برابر سونا چاندی تول کر دی جاتی تھی۔ فلسطین، مصر، اسکندریہ، سسلی، روم، ایران، ہندوستان وغیرہ ملکوں اور شہروں سے علوم وفنون کی کتابیں منگوا کر عربی میں ترجمہ کرائی جاتی تھیں اور بہت سے مترجمین علوم وفنون پر خود بھی کتابیں تصنیف کرتے تھے، بعض ذی علم مترجمین ترجموں کی اصلاح اور نظرثانی پر مامور تھے۔

مامون الرشید ہی کے عہد میں ایک مشہور عالم محمد بن موسیٰ خوارزمی نے مامون الرشید کی فرمائش سے علم جبر ومقابلہ پر ایک کتاب لکھی اور وہ اصول قائم کیے کہ ان اصولوں میں آج تک نہ ترمیم ہو سکی نہ اضافہ ممکن ہوا۔

خالد بن عبدالملک مروزی اور یحییٰ ابن ابی منصور وغیرہ کے ذریعہ شماسیہ کی رصدگاہ تعمیر ومکمل کرائی اور اجرام سماویہ کے مطالعہ پر علماء وہیئت مامور

کیے۔

فرامین بھیج کر ہر ایک شہر اور ہر ایک علاقے سے علماء وفضلاء طلب کیے گئے، علمی مجلسیں اور مناظرے منعقد ہوتے، مامون اس میں شریک ہو کر حصہ لیتا، ادیب، شاعر، متکلم، طبیب، غرض ہر علم وفن کے باکمال بغداد میں ایسے بلند پایہ موجود تھے، جن میں سے کسی کا جواب دنیا میں ملنا دشوار تھا۔

اصمعی جو لغاتِ عرب اور ادبِ عربی کا امام تھا، پیرانہ سالی کی وجہ سے کوفہ کو چھوڑ کر بغداد نہ آسکا، تو اس کو وہیں وظیفہ ملتا تھا اور اہم مسائل حل کرنے کے لیے وہیں بھیجے جاتے تھے۔

فرا نحوی نے بغداد میں علم نحو کی تدوین کی اور کتابیں لکھیں۔ اس کے لیے ایوان شاہی کا ایک کمراہ خالی کر دیا گیا تھا جس میں علماء طالب علمانہ حیثیت سے استفادہ کرنے آتے تھے۔ فن خوشنویسی پر مامون ہی کے زمانے میں کتابیں لکھی گئیں اور اس فن کے اصول وقواعد مدون ومرتب ہوئے۔ غرض مامون الرشید کی توجہ اور سرپرستی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں کے سامنے یونانیوں، ایرانیوں، مصریوں اور ہندیوں کے علوم وفنون سب یک جا بے نقاب ہوگئے۔

اگرچہ مسلمانوں کو قرآن وحدیث کے ہوتے ہوئے کسی علم وفن کی ضرورت نہ تھی تاہم ان قدیم فلسفوں اور متفرق علوم کی طرف مسلمانو کی توجہ نے مبذول ہو کر سب کو اس طرح مرتب اور مہذب کر دیا گویا کہ نئے سرے سے ایجاد کیا گیا۔ کامل آزادی سے کام لیا گیا اور بظاہر یہ مختلف قوموں کے حکمیہ علوم فلسفۂ قرآن کے مقابلے پر آئے اور خدام اسلام کو موقع ملا کہ انہوں نے ان تمام فلسفوں اور تمام مخالف قرآن اصولوں کو غلط ثابت کیا۔ اس طرح مذاہب وعلوم کی معرکہ آرائیوں کا سلسلہ جاری ہو کر اسلام کو جو علمی فتوحات حاصل ہوئیں وہ ان فتوحات سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں جو عہد بنوامیہ میں حاصل ہوئیں اور یہی علمی فتوحات ہیں جنھوں نے خلافتِ عباسیہ کے مرتبے کو خلافتِ بنوامیہ کا ہمسر بنا دیا ورنہ زمینی فتوحات کے اعتبار سے خلافتِ عباسیہ ہرگز خلافتِ بنوامیہ کی حریف وہمسر نہیں ہو سکتی''۔

(تاریخ اسلام ج ا، ص ۳۶۲ مع حذف واختصار)

یہاں ہم اس موضوع کے بعض ماہرین کا خصوصی تذکرہ پروفیسر غلام رسول چیمہ کی کتاب ''مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ'' سے کہیں حذف واختصار اور کہیں بالاستقلال اضافوں کے ساتھ کیے دیتے ہیں:

ابوالہذیل علّاف

مامون کے دربار سے منسلک اپنے دور کا سب سے بڑا مناظر تھا۔ ابن خلکان نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ بہت سے مجوسی ابوالہذیل سے مناظرہ کرنے کے لیے آئے۔ ابوالہذیل نے دلائل قاطعہ سے سب کو خاموش کردیا۔ ان میں میلاس نام کا ایک مجوسی تھا۔ وہ اسی وقت دائرۂ اسلام میں داخل ہوگیا۔ ابوالہذیل کی ایک تصنیف ''میلاس'' اس میلاس کے نام پر ہے۔ شرح ملل و نحل میں ہے کہ تین ہزار اشخاص اس کے ہاتھ پر اسلام لائے۔ مامون الرشید کے دور میں ایک مجلس مناظرہ منعقد ہوئی۔ جس میں ہر مذہب کے علماء کو مدعو کیا گیا۔ مجوسیوں کے پیشوائے اعظم نے بھی شرکت کی۔ ابوالہذیل اور یزدان بخت کا مناظرہ ہوا تو ابوالہذیل کو نمایاں فتح ہوئی۔

ابواسحاق ابراہیم بن سیار نظام

علامہ ابوالہذیل کے تلامذہ میں سے تھا۔ نظام کو مذاہب اور ساوی کتب پر بڑا عبور حاصل تھا۔ تورات، انجیل اور زبور اس کو زبانی یاد تھیں بلکہ اس کی تفاسیر سے بھی واقف تھا۔

ہشام بن الحکم

یحییٰ برمکی کی علمی مجالس کا افسر اور علوم عقلیہ کا ماہر تھا۔ ابن الندیم نے ''الفہرست'' میں ان کی بہت سی کتب کا ذکر کیا ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں۔

الرد علی الزنادقہ، الرد علی الوثنیین، الرد علی اصحاب الطبائع (مادہ پرستوں کا رد) جن کے ناموں سے نفس مضمون کا علم ہو جاتا ہے۔

واثق باللہ کا دربار بھی علماء سے بھرا رہتا تھا۔ مناظرہ و مکالمہ کی مجالس منعقد ہوتی تھیں۔ مورخ مسعودی نے ان مجالس کا ذکر کتاب (آخرالزمان) میں کیا ہے۔

ابن حزم

ابن حزم نے علم کلام میں دو کتب لکھیں ایک میں تورات اور انجیل کی تحریف کا ذکر ہے۔ ابن خلکان کا یہ دعویٰ ہے کہ اس مضمون پر یہ پہلی تصنیف ہے۔ دوسری کتاب الفصل فی الملل والاہواء والنحل ہے، اس میں دہریہ، فلاسفہ، مجوس، نصاریٰ اور یہود کے اصول وعقائد پر انتہائی جان دار بحث کی گئی ہے، اور پھر ان کا اُتنا ہی مضبوط رد بیان کیا گیا ہے۔

علامہ شہرستانی

انہوں نے بے شمار کتب تصنیف کی ہیں۔ مذاہب عالم پر دو کتابیں بہت اہم ہیں۔ تلخیص الاقسام فی المذاہب والانام اور الملل والنحل۔ لیکن علامہ صاحب کی دوسری کتاب زیادہ مشہور ہوئی۔ جس کے دو حصے ہیں۔ ایک میں اسلامی فرقوں اور

دوسرے میں ادیان ومذاہب کا ذکر ہے۔

حافظ ابن تیمیہ

بے شمار کتب کے مصنف ہیں۔ رد نصاریٰ پر چار جلدوں میں کتاب لکھی۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی

حضرت شاہ صاحب نے کلامی مسائل پر اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں بحث کی ہے۔ وہاں مذاہب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ تمام مذاہب کی اصل ایک ہی ہے۔ دیگر مذاہب کے متنازعہ مسائل مثلاً روح کی حقیقت، جزا وسزا کی حقیقت، عالم مثال، نبوت کی حقیقت، اختلاف شرائع کے اسباب نیز ایک ایسے مذہب یعنی اسلام کی ضرورت پر بحث کی ہے جو تمام مذاہب عالم کا ناسخ ہو۔

یعقوب کندی

مشہور فلاسفر یعقوب کندی نے بھی اس موضوع پر لکھا ہے چنانچہ ابن الندیم نے الفہرست میں ان کے تین رسالوں کا ذکر کیا ہے: ایک رسالۃ فی الرد علی المانویہ، مانی پارسیوں کا ایک فرقہ تھا۔ دوسرا رسالۃ فی الرد علی الثنویہ، ثنویت کے قائلین بھی پارسی تھے جو دو خداؤں کے معتقد تھے۔ تیسرا رسالۃ فی الاحتراس من خدع السوفسطائین فرقہ سوفسطائیہ کے شکوک وشبہات کا

رد۔

جاحظ

جاحظ نے بھی یہود و نصاریٰ کے رد میں کتب لکھی ہیں۔

مذاہب عالم کے رد میں لکھنے والوں میں سے دو شخص اور بھی مشہور ہیں۔ عبداللہ ترجمان اور یحییٰ بن حزلہ۔

یحییٰ بن حزلہ ابتداء میں عیسائی تھا۔ اسلام لایا، تورات اور انجیل کا ماہر تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں تورات و انجیل کی پیشگوئیوں پر کتاب لکھی۔ اس موضوع پر غالباً یہ پہلی کتاب ہے۔

(ڈاکٹر علی شریعتی: ادیان کی پرکھ اور تجزیہ (اردو ترجمہ

دور قدیم کے ان متکلمین کا جنہوں نے مکالمہ بین المذاہب پر کام کیا ہے، خاص خاص کا ذکر کر دیا گیا ہے۔ سب کا احاطہ کرنا مشکل ہے اب صرف چند ایک ہندوستانی متکلمین کا ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۸۵۷ء کے بعد جب ہندوستان سے اسلامی حکومت کا خاتمہ ہوا اور انگریز قابض ہو گئے۔ تو ان کے استعمار کو قائم رکھنے کے لیے پادریوں کی فوج ہندوستان میں

آ گئی ۔ اس وقت کے علماء کرام توصیف کے مستحق ہیں۔ جنھوں نے بروقت پادریوں کا مقابلہ کیا۔ اور ان کے باطل عقائد کو رد کیا۔ اور اس کے ساتھ اسلام کی برتری ثابت کی۔

حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی

ان میں سے دیوبند کے علماء خصوصاً مولانا محمد قاسم نانوتوی مشہور ہیں۔ ان کے مناظرے تاریخ کے اوراق میں مشہور ہیں۔ ایک مناظرہ شاہجہاں پور میں ہوا۔ مولانا نے عیسائی لاٹ پادری کو بری طرح زک دی۔ اس طرح رڑکی کے مناظرے میں بھی مدمقابل کو دندان شکن جوابات دیئے۔ اس سلسلہ میں آپ کی مشہور کتاب ''قبلہ نما'' ہے۔

حضرت مولانا محمد ثناء اللہ امرتسری

مشہور مناظرین میں سے مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری ہیں۔ جن کی تمام عمر عیسائیوں، آریوں یعنی ہندوؤں کے ساتھ مناظروں میں گزری۔ مذاہب کے باطل عقائد پر ان کی کئی کتب منصہ شہود پر آئیں۔

ڈاکٹر وزیر خان

برطانوی استعمار کے دور میں برصغیر کے جن علماء نے عیسائیت کے سیلاب کے

سامنے بند باندھے، ان میں ایک نام ڈاکٹر وزیر خان صاحب کا بھی لیا جاتا ہے۔

نیز عیسائیت کے خلاف جن نابغۂ روزگار شخصیات نے کام کیا ہے، ان میں سرِ فہرست علامہ رحمت اللہ کیرانوی صاحب رحمہ اللہ ہیں۔

علّامہ رحمت اللہ کیرانوی رحمہ اللہ

۱۲۳۳ھ۔۱۳۰۸ء) کیرانہ ضلع (مظفر نگر) میں پیدا ہوئے۔ آپ کا سلسلۂ نسب امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔ مولانا محمد حیات (خلیفہ حضرت خواجہ سلیمان تونسوی) مفتی سعد اللہ مراد آبادی، مولانا احمد علی مظفر نگری مولانا عبدالرحمٰن چشتی اور مولانا امام بخش صوبائی سے علوم اسلامیہ کی تحصیل کی۔ حکیم فیض محمد سے طب اور مصنف لوگا اتم سے ریاضی پڑھی۔

۱۲۵۶ھ میں شادی ہوئی اور ۱۲۵۷ھ میں مہاراجہ ہندو راؤ کے ہاں دہلی میں میر منشی مقرر ہوئے۔ کچھ مدّت بعد ملازمت چھوڑ دی اور کیرانہ جاکر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے۔ ۱۱ر رجب ۱۲۷۰ھ کو آگرہ میں پادری فنڈسر کو ایک مناظرے میں شکستِ فاش دی اور انجیل میں تحریف ثابت کردی۔ جہادِ آزادی ۱۸۵۷ء میں مولانا کی خدمات ناقابلِ فراموش ہیں۔ آپ کی گرفتاری کے لیے انگریزوں نے ایک ہزار روپے کا انعام مقرر کیا۔ لیکن آپ ایک بادبانی کشتی کے ذریعے جدّہ پہنچے اور

مکہ مکرمہ میں مستقل سکونت اختیار کرلی۔ کلکتہ کی ایک صاحبِ حیثیت خاتون صولت النساء بیگم کے مالی تعاون سے مدرسہ صولتیہ قائم کیا اور وہاں تدریس کے فرائض انجام دینے لگے۔ جب نہر زبیدہ کی دوبارہ کھدائی کے لیے ایک کمیٹی تشکیل دی گئی تو آپ اِس کے نائب صدر منتخب ہوئے۔ سلطان عبدالحمید نے آپ کو قسطنطنیہ بلایا اور ضعفِ بصارت کا علاج کرایا لیکن کوئی افاقہ نہ ہوا۔ آخر واپس مکہ مکرمہ آ گئے اور ۷۵ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت المعلیٰ میں دفن ہوئے۔ عیسائیت کے رد میں ان کی شاہکار کتاب "اظہار الحق" پوری دنیا میں مشہور و معروف ہے۔

شیخ احمد دیدات

شیخ احمد دیدات یکم جولائی ۱۹۱۸ء کو ہندوستان کے ضلع سُورت میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۲۷ء میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ جنوبی افریقہ ہجرت کی۔ وہ بچپن ہی سے بڑے ہونہار اور آگے بڑھنے والے طالب علم تھے۔ انہوں نے دنیا کے تمام براعظموں میں ہزاروں لیکچر دیئے اور عیسائی مبلّغوں کے ساتھ کامیاب مباحثے کیے۔ مذاہب کے تقابلی جائزے کے سلسلے میں انہوں نے تمام براعظموں کا سفر کیا اور امریکا کے پروٹسٹنٹ حلقوں اور آنجہانی پوپ جان پال دوم سے بھی مکالمہ کیا۔ سچائی کے دفاع پر ان کی استقامت کی وجہ سے ان پر فرانس اور نائجیریا میں داخلہ پر پابندی عائد کردی گئی۔

ہزاروں غیر مسلموں کو دائرۂ اسلام میں داخل کرنے اور اسلام کی نشر واشاعت کی خدمات کے سلسلے میں انہیں ۱۹۸۶ء میں شاہ فیصل ایوارڈ سے نوازا گیا۔

شیخ احمد دیدات قرآن سے زیادہ بائبل کے عالم تھے اور وہ اس کی تعلیمات سے زیادہ شناسا اور ماہر تھے۔ ان کی اسی سوجھ بوجھ اور تقابلی تناظر نے بہت سے عیسائیوں کو اپنے مذہب کے بارے میں از سرِ نو سوچنے پر مجبور کردیا۔ ۸ اگست ۲۰۰۵ء کو وہ اس دنیائے فانی سے کوچ کرگئے۔

ڈاکٹر ذاکر نائیک

مکالمہ بین المذاہب کے حوالے سے ان دنوں ڈاکٹر صاحب کی خدمات قابلِ دید اور قابلِ قدر ہیں۔

یہاں ہم مکالمہ بین المذاہب کی اہمیت کے پیش نظر اس حوالے سے ایک جامع نصاب کا ذکر کیے دیتے ہیں:

خاکہ برائے دوسالہ تخصص فی مقارنۃ الادیان

درسی مواد: ۱۔ احکام اہل الذمہ / ابن القیم الجوزیہ، ۲۔ اظہار الحق / مولانا

رحمت اللہ کیرانوی، ۳- تعارف سیاسیات / سید راشد علی، ۴- تحفۃ الہند / مولانا محمد عبیداللہ (اننت رام) ، ۵- الملل والنحل /علامہ شہرستانی، ٦- الملل والاھواء والنحل / علامہ ابن حزم، ۷- الصواعق المحرقۃ فی الرد علی اہل البدع والزندقۃ / ابن حجر ہیتمی، ۸ الفرق بین الفرق/ عبدالقاہر بغدادی، ۹- محاضرات فی الفرق والادیان یعنی (مکالمہ بین المذاہب) ولی خان المظفر، ۱۰- مذاہب عالم کا تقابلی مطالعہ / پروفیسر غلام رسول چیمہ، ۱۱- مقارنۃ الادیان / ڈاکٹر شلبی، ۱۲- الاسلام والمستشرقون/ علامہ ندوی، ۱۳- خطبات دیدات / شیخ احمد دیدات۔

عام مطالعے کے لیے ہماری کتاب (مکالمہ بین المذاہب) کے آخر میں جتنی کتابوں کی فہرست دی گئی ہے ان تمام تک رسائی اور وقتاً فوقتاً ان سے استفادہ از حد ضروری ہے، البتہ ان میں سے کچھ کتابیں مطالعے کے لیے لازمی قرار دی جائیں اور ان کا باقاعدہ امتحان بھی ہو، نیز اس موضوع میں تخصص والوں کے لیے عربی انگریزی زبانوں کے ساتھ ساتھ چائنا اور ہندی بھی کچھ نہ کچھ ضروری ہوتی ہیں، خاص کر چین اور انڈیا میں کام کرنے والوں کے لیے نیز کمپیوٹر میں مہارت بھی اس کا اجباری حصہ ہوگا۔

استشراق اور مستشرقین

استشراق کا لغوی معنی مشرقی بننا اور اصطلاح جدید میں استشراق سے مراد مغربی اقوام کا مشرقی اقوام ان کی زبانوں، ان کی تہذیبوں، آداب، علوم، خصائل، عادات اور ان کے عقائد و نظریات کا مطالعہ کرنا ہے۔

نویں اور دسویں صدی سے قبل جہاں بغداد، قاہرہ، مدینہ، کوفہ، بصرہ میں علم ودانش، حکمت و معرفت کی تاباں کرنیں پھوٹ رہی تھیں، عین اسی وقت مغرب جہالت ونادانی کی تاریکیوں میں ڈوبا ہوا تھا، تہذیب وثقافت، لیاقت وشائستگی شرافت وانسانیت، اخلاق وآراستگی، جس سے مشرقی معاشرہ معمور تھا۔ اس کا تھوڑا سا حصہ یا تو گرجوں میں موجود مساکین پادریوں کو ملا تھا جو بزعمِ خویش علم وعرفان کے دعوے دار تھے، یا ان امراء ورؤسا کو جنھوں نے انسانی اقدار کی کچلی ہوئی لاشوں پر اپنی بلند وبالا عمارتیں تعمیر کی تھیں۔ یہی لوگ اپنی رعایا کے لیے علم اور کتابیں زہرِ ہلاہل سمجھتے تھے۔

احساس کمتری اور ظلم واستبداد کی چکی میں پسی ہوئی مغربی اقوام جب مشرقی علوم وفنون کی چکاچوند روشنی کو دیکھتیں تو ان کے عقول واذہان پر پڑے

جہالت کے پردے یکایک اٹھنے لگتے، آنکھیں علم وعرفان وکمال انسانی کے منابع کی تلاش وجستجو میں لگ جاتیں، پس انھوں نے اس گوہر نایاب کو عربوں کے پاس ہی پایا۔ اور رازِ ترقی عربی زبان کو پایا اور اس میں پیہم اور انتھک کوششوں سے کمال حاصل کیا۔ ایسے لوگوں کو مستشرقین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ عربی زبان اور اسلامی علوم کے ارتقاء میں ان لوگوں کی ناقابل فراموش خدمات بھی ہیں۔

۱۱۳۰ء میں بشپ ریمانڈ کے زیر سرپرستی طلیطلہ میں ایک مدرسے کی بنیاد پڑی۔ جس میں عربی کتابوں کو لاطینی زبان میں منتقل کیا جاتا تھا۔ قلیل عرصے میں تقریباً چار سو کتابوں کا ترجمہ کیا گیا۔ جن میں زیادہ تر امام رازی، ابوالقاسم زہراوی، ابن رشد اور ابن سینا کی کتابیں شامل تھیں، جو پانچ یا چھ صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں داخل نصاب رہیں۔

وقت بدلنے کے ساتھ ساتھ استشراقیت کے معانی ومفاہیم بدلنے شروع ہوگئے اور اس کا دائرہ کار عربی اور مشرقی تہذیب وثقافت سے بہرہ ور اور مستفید ہونے تک محدود نہ رہا بلکہ اس کا مقصد تجارتی، استعماری اور دینی تخریب کی تحقیق وتلاش بن گیا۔ چنانچہ مستشرقین نے مشرقی علوم کے آثار کی کھوج اور ان کے آداب کو نشاۃ ثانیہ دینے اور ان کے فنون کو منصۂ شہود پر لانے کو اپنا

لائحہ عمل بنادیا، اس غرض سے مخطوطے جمع کیے گئے۔ نہایت نفیس اور معیاری کاغذ کی کتابیں چھاپی گئیں۔ متون کی دقیق علمی شروحات لکھی گئیں۔ اسماء، موضوعات اور امکنہ کے اعتبار سے ان کی فہرستیں تیار کی گئیں۔ تفسیر، حدیث، سیر، فقہ، لغت، اَدب، منطق، فلسفہ پر نہایت قابل قدر کام کیا گیا۔

ڈاکٹر محمود احمد غازی رقم طراز ہیں:

''مستشرقین عیسائیوں کی وہ جماعت ہے جو بظاہر غیر جانبدار علمی تحقیق کے حوالے سے متعارف ہے، لیکن اگر ان کی سرگرمیوں کا گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ مستشرقین کا تبشیری گروہ سے بڑا گہرا تعلق ہے، بلکہ کرسچن حکمرانوں کے ساتھ بھی ان کے روابط بڑے مضبوط ہیں، آج سے چالیس برس قبل لبنان کے ڈاکٹر عمر فرخ نے بڑی تحقیقی کتاب لکھی تھی جس کا نام ہے ''العلاقة بین الاستعمار والتبشیر'' اس میں انہوں نے دلائل کے ساتھ واضح بلکہ ثابت کیا ہے کہ ''مغربی حکمرانوں کے ساتھ عیسائی مبلغین (مستشرقین) کا گہرا رابطہ ہے۔

چونکہ مستشرقین بنیادی طور پر دھریہ، یہودی اور عیسائی عقائد کے حامل تھے، الہذا مذہبی بغض وعناد میں آکر ان سے جابجا علمی خیانتوں کا دانستہ یا نادانستہ ارتکاب بھی ہوگیا۔ ذیل میں چند مستشرقین کا اختصاراً ذکر کیا

جاتا ہے۔

:فرانس کے مشہور مستشرقین

متوفی ۱۶۶۷ء انہوں نے چند اسلامی کتابیں فرنچ زبان میں منتقل کر Vetter : ویٹر -۱ دی تھیں۔ جن میں ابن سینا کی امراض عقلیہ ، طغرائی کی لامیہ شامل ہیں۔

متوفی ۱۸۳۲ء عربوں کے ہاں یہ علم فلکیات میں ماہر جانے جاتے Sedillot: -۲ تھے۔ انہوں نے ابن القیم کی کتاب نبذۃ فی الہند کا ترجمہ کرکے چھاپ دیا۔

متوفی ۱۸۳۵ء انہوں نے صقلیہ میں مسلمان بادشاہوں کی Deparceval : -۳ تاریخ لکھی اور سبع معلقات اور امثال لقمان اور مقامات حریری کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔

جرمن مستشرقین

فریڈگ: متوفی ۱۸۶۱ء بون کالج میں استاذ تھے چند کتابوں کا جرمن زبان میں ترجمہ -۴ کیا، جن میں دیوان حماسہ ابن ندیم کی زبدۃ الطلب فی تاریخ حلب اور ابن عربشاہ کی فاکھۃ الخلفاء شامل ہے اور عربی لاطینی میں ۴ جلدوں کی ضخیم لغات مرتب کی ہے۔

گستاپ فلوجل : متوفی ۱۸۷۰ء نے چند کتابوں کا ترجمہ کیا جن میں کشف الظنون اور -۵ ابن ندیم کی فہرست امام ثعالبی کی مونس الوحید اور قطلوبغا کی

طبقات الحنفیہ شامل ہیں۔

انگریز مستشرقین

ولیم موپر، متوفی ۱۹۰۵ء ان کی تالیفات میں حیات النبی اور تاریخ اسلام اور تاریخ ۔٦ الخلافہ شامل ہیں، جو ہندوستان اور انگلینڈ کے یونیورسٹیوں میں معتمد مراجع میں شامل ہیں۔

نیز استشراق کے سلسلے میں روجیہ جارودی، جرجی زیدان، جبران خلیل جبران، پطرس بستانی، ناصیف یازجی، ابراہیم یازجی، محمد اسد اور امریکی محققہ کیرن آرم اسٹرانگ وغیرہ کے نام بھی سرفہرست ہیں۔

موجودہ دور میں کینیڈا کی ٹورنٹو یونیورسٹی میں اسلامک ڈپارٹمنٹ کے یہودی ڈین جناب جیمس سمتھ (James smith) نے شیخ الاسلام حضرت مولانا سید حسین احمد المدنی رحمہ اللہ پر اپنا ڈاکٹریٹ (P.H.D) کا مقالہ لکھا ہے، اسلامیات میں ان کی مہارت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ نارتھ امریکا میں مسلموں، غیر مسلموں، علماء اور میڈیا کو اگر کسی اسلامی موضوع میں مبنی بر تحقیق بات کی ضرورت پیش آئے تو وہ اِن سے رابطہ کرتے ہیں۔

ہر مقصد میں کامیابی کے لئے

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائے تو اس کے لئے حضرت مولانا قاری دین محمد صاحب مدظلہ کا بتایا ہوا یہ عمل بہت مرتبہ کا آز مودہ ہے انشاء اللہ تعالی اکیس (۲۱) دن عمل کرنے سے مقصد پورا ہوگا۔ عمل یہ ہے کہ اول گیارہ بار دورد شریف پڑھے آخر میں گیارہ بار درود شریف پڑھے ،درمیان میں پانچ سو ساٹھ (560) مرتبہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم پڑھے اور دعا کرے۔

ظالم اور حاسد لوگوں سے حفاظت

اگر کسی شخص کا واسطہ ظالم اور حاسد لوگوں سے پڑگیا ہو اور وہ اس کو ستانے اور ظلم کرنے میں لگے رہتے ہوں تو سر کھول کر کھلے آسمان کے نیچے بیٹھ کر عشاء کی نماز کے بعد ایک مرتبہ سورۂ مزمل (پ:۲۹) پوری سورت پڑھیں اور یہ عمل اکیس دن برابر کریں ناغہ نہ کریں انشاء اللہ تعالی دشمن ذلیل وخوار ہوگا اور ہمیشہ کے لئے پیچھا چھوڑدے گا اور پڑھنے والا اس کے شر وفتنہ سے محفوظ رہے گا۔

خیر و برکت کے لئے

اگر گھر میں خیر و برکت میں کمی ہو ہر وقت کوئی نہ کوئی مصیبت آتی رہتی ہو، گھر میں لڑائی جھگڑا رہتا ہو، روزی میں بہت کمی ہو، کھانے کی تنگی اور ضروریات زندگی کی کمی سے دل پریشان اور بے چین رہتا ہو، اس کے لئے یہ عمل بہت مفید ہے۔ سورہ مزمل پ:۲۹) بعد نماز فجر ایک بار پڑھے، اول آخر گیارہ بار درود شریف پڑھے۔ انشاء) اللہ تعالی روزی میں برکت شروع ہوگی، رزق زیادہ ملے گا اور گھر سے لڑائی جھگڑا بے برکتی ختم ہو کر باہمی محبت اور خوب برکت پیدا ہوگی، البتہ یہ شرط ہے کہ پڑھنے والا جھوٹ، غیبت، گالی، اور بدزبانی سے خود کو بچائے۔

مسلسل بخار جو کبھی نہ اترتا ہو

اگر کسی شخص کو ایسے بخار نے پکڑلیا ہے جو ہر وقت رہتا ہے اور کبھی نہیں اترتا اور حکیم وڈاکٹر اس کے علاج سے عاجز ہوں تو اس کا علاج یہ ہے کہ کسی عالم دین کے پاس مریض جائے یا اگر مریض خود جانے کے قابل نہیں ہے تو عالم دین کو گھر بلالے۔

مریض کو سوتی کپڑے پہنادیئے جائیں (کے ٹی یا دوسرے مصنوعی دھاگے کے بنے ہوئے کپڑے نہ ہوں) وہ عالم دین باوضو اکیس ۲۱ بار بلند آواز سے سورۃالقدر (پ : ۳۰) پڑھے اور مریض کو سنائے اور مریض پر دم کرے اور

پانی کی بھری ہوئی بوتل پر بھی دم کرے۔ یہ عمل تین دن تک مسلسل کیا جائے۔ انشاء اللہ تعالیٰ مریض کا بخار فوراً غائب ہوگا اور مریض صحت یاب ہوگا۔

سورۃ القدر یہ ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

إِنَّا أَنزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ (2) لَيْلَةُ الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ (3) تَنَزَّلُ الْمَلَائِكَةُ وَالرُّوحُ فِيهَا بِإِذْنِ رَبِّهِم مِّن كُلِّ أَمْرٍ (4) سَلَامٌ هِيَ حَتَّىٰ مَطْلَعِ الْفَجْرِ (5)

ہر مقصد میں کامیابی کے لئے

جو شخص ہر قسم کی رکاوٹوں سے پریشان ہو۔ جس چیز میں ہاتھ ڈالتا ہو اسی میں ناکام رہتا ہو۔ کاروبار میں نقصان، نوکری میں ہر وقت لڑائی جھگڑا، رشتہ داروں سے دشمنی محلے والوں سے ناچاقی، زندگی سے بیزار، وہ روزانہ اول و آخر گیارہ گیارہ بار درود شریف پڑھے اور درمیان میں سورۃ توبہ کی آخری دو آیات صبح کو باوضو بعد نماز فجر اور شام کو بعد نماز مغرب باوضو ایک سو بار پڑھے۔ اور حسب توفیق روزانہ کچھ صدقہ خیرات بھی کیا کرے حرام کی آمدنی سے اور حرام کھانے سے پرہیز کرے ایک چلہ دو چلہ تین چلہ (یعنی چالیس چالیس دن تک مسلسل بلاناغہ پڑھتا رہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ دو چلے پورے نہیں ہوں گے کہ سب رکاوٹیں آہستہ آہستہ دور ہوتی جائیں گی اور قدم کامیابی کی طرف بڑھنا شروع

(ہوجائے گا۔ عمل شرط ہے

: سورۃ توبہ کی آخری دو آیات یہ ہیں

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُم بِالْمُؤْمِنِينَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ

(التوبۃ: ۱۲۸)

دانت کے درد کا اکسیر عمل

اگر کسی کے دانت میں سخت درد ہو جس کے سبب طبیعت بے چین اور سونا، کھانا پینا سب مشکل ہو گیا ہو اس کیلئے یہ عمل بہت مجرب ہے۔ باوضو سورۃ القریش کو اکیس (۲۱) مرتبہ پڑھ کر نمک پر دم کریں اور وہ نمک اس دانت پر ملیں اور دانتوں کے درمیان رکھیں دن میں دو تین مرتبہ یہ عمل کرنے سے مریض کو فائدہ ہوگا، اور درد سے نجات ملے گی۔

: سورۃ قریش یہ ہے

لِإِيلَافِ قُرَيْشٍ (1) إِيلَافِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ وَالصَّيْفِ (2) فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ (3)

(الَّذِي أَطْعَمَهُم مِّن جُوعٍ وَآمَنَهُم مِّنْ خَوْفٍ (4

سر درد کا بہترین علاج

اگر کسی کے سر میں درد ہو اور سر درد کی وجہ سے آرام نہ آتا ہو تو سوتی کپڑا لے کر اس کے چھوٹے تین ٹکڑے کرے اور ہر ٹکڑے پر باوضو سورۃ الفیل پڑھ کر دوسرے ٹکڑے پر دم کرے اس کے بعد ایک مرتبہ سورۃ الفیل پڑھ کر تیسرے ٹکڑے پر دم کرے اور رکھ لے۔

ایک ٹکڑا لے کر اس کو اس طرح جلائے کہ اسمیں آگ نہ جلے بلکہ دھواں اٹھے وہ دھواں مریض کی ناک میں صبح کو پہنچائیں۔

دوسرا ٹکڑا لے کر دوپہر کو دھواں ناک میں پہنچائیں اور شام کو تیسرا ٹکڑا۔ مریض پہلے ہی دن فائدہ محسوس کرے گا اور چند دن کے عمل سے سر کا درد غائب ہو جائے گا۔

سورۃ الفیل یہ ہے: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔

اَلَمْ تَرَ كَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحَابِ الْفِيلِ (1) اَلَمْ يَجْعَلْ كَيْدَهُمْ فِي تَضْلِيلٍ (2) وَاَرْسَلَ عَلَيْهِمْ طَيْرًا اَبَابِيلَ (3) تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّن سِجِّيلٍ (4) فَجَعَلَهُمْ كَعَصْفٍ مَّاْكُولٍ (5)

ہر قسم کے امتحان میں کامیابی کیلئے

اگر کوئی دینی مدرسے کا طالب علم ہو یا اسکول، کالج، یونیورسٹی کا، امتحان میں کامیابی کے لئے ہر نماز کے بعد باوضو سولہ مرتبہ سورۃ اخلاص پڑھے اور

پھر اللہ تعالی سے اپنی کامیابی کی دعا مانگے ۔ انشاء اللہ تعالی امتحان میں ضرور کامیابی ہوگی ۔ یہ عمل کسی نوکری یا باہر کے ملک جانے کے لئے انٹرویو کے لئے بھی کارآمد ہے ۔ سورۂ اخلاص یہ ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ قُلْ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ (1) اَللّٰہُ الصَّمَدُ (2) لَمْ یَلِدْ وَلَمْ یُوْلَدْ (3) وَلَمْ یَکُنْ لَّہٗ کُفُوًا اَحَدٌ (4)

رشتوں کی بندش کھولنا

اگر رشتوں کی بندش لگادی گئی ہو اور لڑکا لڑکی بوڑھے ہو رہے ہوں جہاں بات لگتی ہے انکار ہوجاتاہے۔ اول تو رشتے آتے نہیں اگر آتے ہیں تو واپسی جواب نہیں ملتا۔ ایسی صورت میں سورۂ والتین (پ:۳۰) مکمل روزانہ باوضو ساٹھ مرتبہ بعد نماز فجر پڑھیں۔

۴۰ دن عمل کریں۔ انشاء اللہ تعالی چالیس دن کے اندر اندر کام ہوجائے گا۔ سورۂ التین یہ ہے :

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالتِّیْنِ وَالزَّیْتُوْنِ (1) وَطُوْرِ سِیْنِیْنَ (2) وَہٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِیْنِ (3) لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ فِیْ اَحْسَنِ تَقْوِیْمٍ (4) ثُمَّ رَدَدْنٰہُ اَسْفَلَ سٰفِلِیْنَ (5) اِلَّا الَّذِیْنَ آمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَلَہُمْ اَجْرٌ غَیْرُ مَمْنُوْنٍ (6) فَمَا

(یُکَذِّبُکَ بَعْدُ بِالدِّیْنِ (7) اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ (8

پورے یا آدھے سر کا درد

اگر کسی شخص کے پورے یا آدھے سر میں درد رہتا ہو تو اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر تین بار یا سات بار یہ دعا پڑھ کر سر پر دم کرے۔ اگر غیر عورت ہے تو دور سے پردے کے پیچھے پڑھ کر اس عورت کی طرف منہ کر کے دم کر دے۔ عمل پڑھنے کے دوران عورت اپنا ہاتھ سر پر رکھ لے۔ انشاء اللہ تعالی شفاء حاصل ہو گی۔

وہ دعا یہ ہے: بسم اللہ خیر الاسماء۔ بسم اللہ رب الارض والسماء۔ بسم اللہ الذی بیدہ شفاء۔ بسم اللہ الذی لایضر مع اسمہ شیء فی لارض ولا فی السماء وہو السمیع العلیم۔

قرض سے جلد نجات کے لئے

قرض سے جلد نجات حاصل کرنے کے لئے یہ دعا حضور اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی تعلیم فرمائی ہوئی ہے۔ اس دعا کو ہر نماز کے بعد ایک سو بار روزانہ پڑھ لیا کرے۔ انشاء اللہ تعالی جلد ہی سارا قرض ادا ہو جائے گا۔ عمل شرط ہے۔

وہ دعا یہ ہے: اللھم اکفنی بحلالک عن حرامک واغننی بفضلک عمن سواک۔

رزق میں برکت اور ترقی کے لئے

جو شخص یہ چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں ترقی ہو اور اسکے خرچ میں کسی قسم کی تنگی پیش نہ آئے۔بلکہ آسانی اور سہولت کے ساتھ گھر کا خرچہ پورا ہوتا رہے، کسی بھی موقع پر کسی سے قرض وغیرہ لینا نہ پڑے،اس کے لئے روزانہ بہتر (۷۲) بار: یاباسط پڑھا کرے اور وآخر گیارہ گیارہ بار دورد شریف ضرور پڑھے، یہ عمل بیاسی (۸۲) روز کرے ویسے بھی چلتے پھرتے، باوضو، بے وضوہر حالت میں اس اسم مبارک کو پڑھتارہے۔انشاء اللہ تعالی تمام رنج وفکر دور ہوگا،طبیعت ہشاش بشاش رہے گی اور رزق میں ترقی اور برکت پیدا ہوگی۔

لیکوریا کا علاج

اگر لیکوریا کا مرض شدید ہے تو عورت کو چاہیئے کہ وہ رات کو عشاء کی نماز کی بعد

استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ

پانچ سو مرتبہ روزانہ پڑھے۔انشاء اللہ تعالی لیکوریا کا مرض ہمیشہ کے لئے ختم ہوجائے گا۔

بانجھ عورت کے اولاد ہونا

اگر کوئی شخص اولاد سے محروم ہو اور عورت بانجھ ہو اس کے اولاد نہ ہوتی ہو

تو اس کے لئے یہ عمل بہت مجرّب ہے۔انجیر کے دس دانے لے کر دھولے اور درود
شریف دس مرتبہ اول اور دس مرتبہ آخر اور درمیان میں سورۃ والسماء والطارق
پوری سورت)دس مرتبہ پڑھ کر انجیر کے دانوں پر دم کرے اور یہ دس انجیر کے دانے)
عورت رات کو سوتے وقت کھا کر ایک پاؤ دودھ پی لے۔ یہ عمل ستر دن کرنا ہے اس
دوران عورت دو رکعت نماز صلوۃ الحاجت پڑھتی رہے۔اس عمل کی برکت سے انشاء اللہ
تعالی بانجھ پن ختم ہوگا اور اولاد ہوگی۔

: سورۃ والسماء والطارق یہ ہے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم وَالسَّمَاءِ وَالطَّارِقِ (1) وَمَا أَدْرَاكَ مَا الطَّارِقُ (2) النَّجْمُ الثَّاقِبُ (
إِن كُلُّ نَفْسٍ لَّمَّا عَلَيْهَا حَافِظٌ (4) فَلْيَنظُرِ الْإِنسَانُ مِمَّ خُلِقَ (5) خُلِقَ مِن مَّاءٍ دَافِقٍ (3)
يَخْرُجُ مِن بَيْنِ الصُّلْبِ وَالتَّرَائِبِ (7) إِنَّهُ عَلَىٰ رَجْعِهِ لَقَادِرٌ (8) يَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ (6)
فَمَا لَهُ مِن قُوَّةٍ وَلَا نَاصِرٍ (10) وَالسَّمَاءِ ذَاتِ الرَّجْعِ (11) وَالْأَرْضِ ذَاتِ الصَّدْعِ (9)
إِنَّهُ لَقَوْلٌ فَصْلٌ (13) وَمَا هُوَ بِالْهَزْلِ (14) إِنَّهُمْ يَكِيدُونَ كَيْدًا (15) وَأَكِيدُ كَيْدًا (12)
(فَمَهِّلِ الْكَافِرِينَ أَمْهِلْهُمْ رُوَيْدًا (17 (16

کان کے درد سے آرام

اگر کسی بچے یا بڑے کے کان میں درد ہو جس کے سبب آرام نہ مل رہا ہو تو اس کے لئے اول تین مرتبہ درود شریف پڑھے اس کے بعد اکیس مرتبہ (یا سمیع) آخر میں تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر دونوں کانوں میں پھوک مار دیں انشاء اللہ تعالی کان کے درد سے آرام ہوگا۔

نزلہ زکام کا علاج

اگر کسی کو نزلہ زکام نے جکڑ لیا اور ہر قسم کی دوائی سے فائدہ نہیں ہو رہا ہو تو اس کے لئے اول تین مرتبہ درود شریف پڑھے اسکے بعد تین مرتبہ سورۃ الفاتحہ پڑھے آخر میں تین مرتبہ درود شریف پڑھ کر مریض پر دم کریں اگر غیر عورت ہے تو پانی پر دم کر کے دے دیں وہ پانی پی لے۔ یہ عمل تین دن کرے ،انشاء اللہ تعالی نزلہ زکام سے نجات حاصل ہوگا۔

اولاد نرینہ کے لئے

اگر کوئی شخص اولاد سے محروم ہو اور اس کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو تو اس کے لئے یہ عمل بہت مجرب تیر بہدف ہے بعد نماز عشاء باوضو سات بار ایک سفید کاغذ پر کہیعص لکھے اور آب زم زم یا بارش کے پانی یا پاک و صاف پانی سے دھو کر میاں بیوی پی لیں اور اسی طرح روزانہ لکھ کر سات دن تک پئیں ،انشاء اللہ تعالی اللہ کے فضل کرم سے اولاد نرینہ پیدا ہوگی۔

ذیابیطس (شوگر) کا علاج

اگر کسی شخص کو ذیابیطس (شوگر) ہو گئی ہو تو اس کے لئے مندرجہ ذیل آیت باوضو نمازِ عصر کے بعد تین مرتبہ پڑھ کر پانی پر دم کریں اور پی لیں، انشاء اللہ تعالیٰ ذیابیطس سے نجات حاصل ہوگی، یہ عمل اکتالیس دن مسلسل کریں۔

: آیت یہ ہے

وَقُل رَّبِّ اَدْخِلْنِیْ مُدْخَلَ صِدْقٍ وَاَخْرِجْنِیْ مُخْرَجَ صِدْقٍ وَاجْعَل لِّیْ مِن لَّدُنكَ سُلْطَانًا نَّصِيْرًا

(الاسرائیل: ۸۰)

کینسر (سرطان) کا علاج

اگر کسی شخص کو کینسر (سرطان) کا مرض لاحق ہو اور وہ کسی طرح اچھا نہ ہوتا ہو تو سات دن متواتر روزانہ باوضو اول وآخر گیارہ گیارہ بار درود شریف پڑھے اور درمیان میں ایک سو مرتبہ یَا رَقِیْبُ پڑھ کر دم کرے اور زخم پر بھی دم کرے اور اگر کینسر کا زخم جسم کے اندر ہے تو اس جگہ دم کرے، عورت اگر غیر محرم ہے تو اس کے زخم پر دم نہ کرے، بلکہ اسے صرف پانی پر دم کر کے دے دے اور اگر جسم کے باہر زخم ہے تو سرسو ں کے تیل پر بھی دم کر دے وہ تیل زخم پر لگائے، انشاء اللہ تعالیٰ زخم صحیح ہو جائیگا۔

صالح پروجیکٹ

گزشتہ کئی دہائیوں کے دوران دنیا بھر میں کاغذ کا استعمال کئی گنا بڑھ گیا، تاہم کاغذ کا معیار (کوالٹی) بہت بہتر ہوگیا ہے۔ اس لیے میرے نزدیک خود کتاب پر توجہ مرکوز کی جانی چاہیے، خواہ کاغذی کتاب ہو یا الیکٹرونک کتاب۔ اس کے ساتھ ساتھ ٹیکنالوجی کو اپنایا جائے، تاکہ تعلیمی عمل کی ترقی میں اس سے استفادہ کیا جائے۔ اگر یہ لیپ ٹاپ کے ذریعے ہو، تو تعلیم وتربیت کے شعبے میں بہتر ہے۔ ٹیبلیٹ کمپیوٹر کا انتخاب اس حوالے سے زیادہ فائدہ مند ہے، کہ یہ لیپ ٹاپ کے مقابلے میں زیادہ Flexible ہے۔ انسان حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے زبان کو جانتا ہے جو ایک دوسرے کے ساتھ بات چیت کے ذریعے مربوط رہتا ہے۔ عالمگیریت کا سب سے اہم آلہ کار انٹرنیٹ ہے۔ اس سے رابطہ کے لیے آپ کو مشین کی ضرورت ہوتی ہے۔ مشین کے ذریعے انسانی زبان کی تعلیم کی قیمت خود زبان کی قیمت سے بھی بڑھ گئی ہے اور اس سطح پر پہنچ گئی ہے جہاں اس سے قبل کبھی نہیں پہنچی تھی۔

لہذا عالمگیریت کے دور میں، مشین میں کسی بھی زبان کی نمائندگی کسی بھی قوم کے کے لیے زندگی اور موت کا مسئلہ بن گئی ہے۔ تو ایک زبان کے بقیہ

زبانوں کے ساتھ مسلسل رابطے کو آسان بنانے کے لیے ترجمہ کی ضروریات کو پورا کرنا انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔

ہر چیز کو خودکار (آٹومیٹک) بنانے کے ذریعے گڈ گورننس کو یقینی بنانے کے لیے ٹیکنالوجی نے "E" (الیکٹرونک) کی اصطلاح کو جنم دیا اور اس کی روشنی میں نئے تصورات سامنے آئے مثلاً:۔ E-Government, E-Banking, E-Health, E-Defense, E-Learning

عالمگیریت اور اس کے آلہ کاروں نے انسان کے سامنے نئے چیلنجوں کو لا کھڑا کیا ہے۔ اس لیے ایسے تمام مخلصین جو ریاست کے حالیہ ملازمین اور اہل کاروں کی قابلیت کو بڑھانا چاہتے ہیں، اُن کو چاہیے کہ عالمگیریت کی فضا میں مقابلے کے لیے آنے والی نسل کو تیار کریں۔ عالمگیریت کے اس دور میں ایک سے زیادہ زبانوں کا سیکھنا زندگی اور موت کا مسئلہ ہے۔ اور عالمگیریت کی فکر کا خلاصہ یہ ہے کہ تجارت کی زبان کو بنیاد کے طور پر استعمال کیا جائے۔ اس لیے بہتر ہے کہ ہماری جانب سے پیش کیا جانے والا حل سرمایہ کاری کے منصوبے کی شکل میں ہو، جو ساتھ ہی ساتھ ترقیاتی اور تعلیمی منصوبہ بھی ہو۔ اور یہ متعلقہ وزارت کے لیے ترقیاتی پروگرام کے علاوہ مالی فائدے کا ذریعہ بھی ہو۔ لہذا بہتر ہے کہ ہر وزارت اور ادارے کی ضروریات کے مطابق جو لوگ ترقیاتی

عمل کا حصہ بنیں وہ خود اُس وزارت ، محکمہ اور اسکول کے ملازمین ہوں ۔ اس واسطے ہم ہر وزارت سے مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ اپنے بہترین ۱۰۰ ملازمین یا اساتذہ کو نامزد کرے ، تاکہ یہ ٹیم اُس وزارت ، ادارے ، یونی ورسٹی یا اسکول مین ترقیاتی عمل کی قیادت کرسکے۔

☆ ان افراد کو ملائیشیا میں ایک ہفتے کا خصوصی (تربیتی) کورس کرایا جائے گا۔ ان میں پورے ۵ روز تربیت کے اور ۲ روز سفر کے (ایک روز جانے کا اور ایک واپسی کا) ہوں گے ۔

☆ کورس میں ان افراد کو یہ بتایا جائے گا کہ ٹیکنالوجی کیا ہے ؟ کمپیوٹر اور ٹیبلیٹ ڈیوائس میں کیا فرق ہے ؟ زبانوں کو سیکھ کر تعلیمی اور ترقیاتی عمل میں ان دونوں آلات سے کس طرح استفادہ ممکن ہے ؟

☆ اس سرمایہ کاری کے منصوبے کی مجموعی لاگت ۵ لاکھ امریکی ڈالرز اور تربیت لینے والے (۱۰۰) افراد کے ملائیشیا کے فضائی ٹکٹ ہیں ۔

☆ ایک فرد کے ایک ہفتے کے قیام وطعام اور تفریحی سرگرمیوں کا خرچ ۲ہزار ڈالرز یعنی مجموعی طور پر ۲ لاکھ ڈالرز ہیں ۔

☆ اس کے علاوہ ۳ لاکھ ڈالرز اُن ایک ہزار (۱۰۰۰) آلات (ڈیوائس) کی لاگت ہے جو ان ۱۰۰ تربیت یافتہ افراد کو فراہم کیے جائیں گے، تاکہ وہ وزارت یا ادارے کے بقیہ ملازمین کو تربیت دینے کے لیے ان آلات کو جس طرح سے بہتر سمجھتے ہوں استعمال کر سکیں۔

فی کس ۲ ہزار ڈالر کے حساب کی تفصیلات :

☆ ۱۳۵۰ ڈالر (تیرہ سو پچاس) : یہ ٦ دن اور ۷ راتوں کے لیے ہوٹل کا کرایہ ہے۔ اس میں ۳ وقت کا کھانا اور روزانہ دو سفر (ایک سیاحت کی غرض سے اور دوسرا خریداری کی غرض سے) شامل ہیں۔

☆ ٦۵۰ ڈالر (چھ سو پچاس) : اس میں "صالح ڈیوائس" کی قیمت اور ۲۰ گھنٹوں پر مشتمل کورس کی تربیت دینے والے ۵ (پانچ) انسٹرکٹرز کی فیس شامل ہیں۔ کورس کا دورانیہ روزانہ ۴ گھنٹے (صبح نو بجے سے دوپہر ایک بجے تک) ہوگا۔

کورس کے پروگرام کی تفصیلات :

پہلے روز : تقریبا ٦۰ صفحات پر مشتمل پاور پوائنٹ کی پریزنٹیشن، انڈرویڈ سسٹم کیا ہے اور "صالح ڈیوائس" پر اس کو کیسے استعمال کیا جاتا ہے؟ اس کو بیان کیا جائے گا۔

دوسرے روز: تعلیمی عمل میں ٹیکنالوجی سے استفادے کے سلسلے میں زبانوں کی تعلیم کے لیے "صالح پروگرام" کے مطابق ایک سے زیادہ زبانوں کے کی بورڈز کی تشریح۔

تیسرے روز: تعلیمی عمل میں ٹیکنالوجی سے استفادے کے سلسلے میں زبانوں کی تعلیم کے لیے "صالح پروگرام" کے مطابق ایک سے زیادہ زبانوں کے حرف کی تشریح۔

چوتھے روز: تعلیمی عمل میں ٹیکنالوجی سے استفادے کے سلسلے میں زبانوں کی تعلیم کے لیے "صالح پروگرام" کے مطابق ایک سے زیادہ زبانوں کے لفظ کی تشریح۔

پانچویں روز: تعلیمی عمل میں ٹکنالوجی سے استفادے کے سلسلے میں زبانوں کی تعلیم کے لیے "صالح پروگرام" کے مطابق ایک سے زیادہ زبانوں کے جملے کی تشریح۔

☆ کورس کی بکنگ ملائیشیا میں صالح پروجیکٹ کے تربیتی مرکز کے ڈائریکٹر احسان الشیخ سے رابطہ کرکے ہوگی۔

نوٹ: جب تک (سنجیدگی کے اظہار کے لیے) تائیوان میں قائم کمپنی کو دس ہزار (۱۰۰۰۰ ڈالر کی ادائیگی نہیں کر دی جاتی، اُس وقت تک احسان الشیخ صاحب سے ہرگز کوئی اپائنٹمنٹ حاصل نہیں کیا جاسکتا ہے۔ مقررہ اپائنٹمنٹ کی

پابندی کی صورت میں یہ رقم منہا کرلی جائے گی۔ کوئی بھی نیا اپائنٹمنٹ طے کرنے کے لیے پھر سے دس ہزار (۱۰۰۰۰) ڈالر کی منتقلی کو یقینی بنانا ہوگا۔

یہ ہماری جانب سے ایک مختصر تعارف ہے۔ کسی بھی بات کی وضاحت کے لیے رابطہ کرنا چاہیں تو ہماری جانب سے خوش آمدید۔

شیخ ولی خان المظفر

www.madarisweb.com/web-wkmuzaffar

skype:shaikh.wkmuzaffar

wkmuzaffar@gmail.com

4sms:03012494274

الاستاذ ابوجریر یوسف القمر

abujareer5@gmail.com

03002968123:0092

skype:abujareer5

مفتی جمیل خان ۔۔ایک پر کشش شخصیت

وہ میری شعوری زندگی کے ابتدائی ماہ و سال تھے۔جب میں نے مفتی محمد جمیل خان اور ان کے ''اقرا'' کا نام سنا اور اس کثرت سے سنا کہ بڑوں کی مجلسوں میں، چھوٹوں کی گفتگوؤں میں، خواص میں ، عوام میں، اخبارات میں، سائن بورڈوں اور دیواروں پر، دیکھا، پڑھتا اور سنتا رہا۔ جس سے ان کے نام وکام کی ہیبت وعظمت دل ودماغ میں بیٹھتی گئی۔

وہ ایک عجیب سی پر کشش شخصیت کے مالک تھے، ان کا ایک بالکل نئے طرز وانداز کا ادارہ ''اقرا روضۃ الاطفال'' ہی اطفال و اکبار کی راحت و دل افروزی اور ترتیب و تہذیب کا سامان بہم پہنچانے کے لئے روبہ عمل نہ تھا، بلکہ ان کے ''اقرا ڈائجسٹ'' نے بھی ادبی اور صحافتی دنیا میں اک ہلچل مچا دی تھی۔ ڈائجسٹ کا نام سنتے ہی رومانوی کہانیوں، ہیجان انگیز تصویروں اور جرائم پروری، اخلاق باختگی اور جنس و مادہ کی پوجا پاٹ پر مشتمل مواد کے ایک ایسے مجموعے اور مغلوبے کا تصور ذہن میں آتا ہے، جسے کوئی شریف آدمی ہاتھ تک نہیں لگاتا اور نہ ایمان و اخلاق کی قدروں سے وہ کوئی میل کھاتا ہے۔ مگر ''اقرا ڈائجسٹ'' کی تحریریں، دینی واخلاقی رنگ میں رنگی ہوئی اور مقصدیت و

متانت کا ایسا نمونہ ہوتی تھیں کہ نونہالوں سے لے کر بزرگوں تک اور اسکول کالج سے مسجدوں اور خانقاہوں تک، مردوں عورتوں سبھی میں اس کی مقبولیت یکساں تھی۔ دل نشین تحریروں، پر وقار انداز اور دیدہ زیب سیٹنگ کے ساتھ ساتھ اس کا ایک بڑا امتیاز و انفرادیت یہ تھی کہ ایک مقدس مشن کا عَلم بردار اور ایک عظیم مقصد کا ترجمان تھا۔ ''اقرا روضۃ الاطفال'' اور ''اقرا ڈائجسٹ'' کے علاوہ خود بانیٔ ''اقرا'' مولانا مفتی محمد جمیل خان صاحب رحمہ اللہ کی شخصیت کچھ ایسی دل کش و متاثر کن تھی کہ موافق تو کیا مخالف بھی ان کی شخصیت پر انگلی اٹھانا چاہتا تو اسے سمجھ نہ آتا کہ کیا کہے؟ ہدف تنقید بنانے کے لئے اسے کوئی بات، کوئی نکتہ سُجھائی نہ دیتا۔

مفتی صاحب رحمہ اللہ ہیں ''اقرا'' جیسے ملک گیر ادارے کے بانی مبانی اور اس مستحکم ادارے کے کرتا دھرتا ہونے کے باوجود ادنیٰ تعلی اور دعوے داری نہ تھی۔ امتیازی شان و شوکت، مخصوص جبہ وقبہ کا تو ان کے ہاں کوئی تصور ہی نہ تھا، بس اک عام سی مولویانہ وضع قطع کہ جب تک اپنی پہچان خود نہ کروائیں، پہچانے بھی نہ جائیں۔ نام اور کام کی بے پناہ شہرت و مقبولیت کے علی الرغم پس پردہ اور سادہ اطوار رہنے کی وجہ سے وہ شکل و شباہت سے جمیل خان بالکل نہیں لگتے تھے جس کے پر شکوہ تصور اور دیو ہیکل تشخص سے دل و دماغ ہیبت زدہ تھا۔ سادگی کے باوصف اس بلا کی ذہانت، بیدار مغزی اور مردم شناسی کا ایسا

جوہر اللہ تعالیٰ نے ان میں ودیعت فرمادیا تھا کہ کسی کا ان کو فریب دینا اور غلط فہمی میں ڈالنا تو دور کی بات، ان کی طبیعت سمجھنے اور اس کا صحیح اندازہ لگانے کا بھی کوئی دعویٰ نہیں کر سکتا تھا۔

میرے لئے ان کی شخصیت کئی حوالوں سے دل چسپی اور جستجو کا محور تھی، ایک تو طبعی طور پر معاشرے کے ایسے حقیقی کرداروں سے مجھے محبت اور دلچسپی تھی، جو اپنی خداداد صلاحیت وبصیرت کی بناء پر کوئی انقلابی اقدام کرتے ہیں اور کوئی ایسا کردار ادا کرتے ہیں جو صحیح معنوں میں دریافت، ایجاد، تخلیق اور کارنامہ کہلا سکتا ہے۔

دوم اتفاق سے کم عمری میں ہی تدریس اور وفاق کی دوہری ذمہ داریاں ایک ساتھ مجھ پر آن پڑی تھیں اور مفتی صاحب رحمہ اللہ بھی نوجوانی میں میدان عمل میں اترے تھے اور مجھ سے قبل مولانا حسین احمد، مولانا شمس الحق مشتاق اور ان دونوں سے پہلے مفتی صاحب رحمہ اللہ ہی وفاق کے ذیلی ناظم تھے۔ اس حوالے سے ان کی ذات میں میرے لئے بڑی کشش تھی اور ان کے تجربات، آراء اور مشاورت سے ہی مستفید ہوتا تھا اور اسے اپنے لئے ضروری سمجھتا تھا۔ میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ مفتی صاحب رحمہ اللہ خلوص اور شفقت سے میری رہنمائی فرماتے تھے۔ ۱۹۹۰ء سے پہلے کی بات ہے، مخدوم ومعظم حضرت مفتی نظام الدین شامزئی نوراللہ مرقدہ یہاں

راہ گزر مسجد میں ہوتے تھے، مفتی محمد جمیل خان رحمہ اللہ اور برادر گرامی مولانا سعید احمد جلال پوری ان کے ہاں تشریف لاتے تھے۔

میں بھی اکثر خدمت میں حاضر ہوتا تھا، باتیں ہوتیں تو بزرگوں کا احترام ملحوظ رکھتے ہوئے میں بھی گفتگو میں حصہ لیتا تھا، ایک روز باتوں باتوں میں مفتی محمد جمیل خان صاحب، حضرت مفتی صاحب سے کہنے لگے: ''مفتی صاحب! یہ نوجوان لڑکا ہے، اس کی اچھی استعداد ہے، وفاق کے دفتر میں بیٹھ بیٹھ کر ضائع ہوجائے گا، ان سے کہیں ہمارے ساتھ آجائیں، اقرا میں کوئی شعبہ ان کے حوالے کردیں گے، ہمارا بھی کام ٹھیک ہوگا، ان کی بھی ترقی ہوگی''۔ مفتی نظام الدین شامزئی رحمہ اللہ نے فرمایا: ''نہیں! یہ ادھر ہی ٹھیک ہے، تدریس سے بھی وابستہ ہے، اور یہاں کام کے مواقع بھی اس کے لئے زیادہ ہیں''۔ مفتی محمد جمیل خان اپنے مشن کی کامیابی کے لئے پرخلوص اور سرگرم تھے، اس کے لئے محنتی، لائق اور پُھرتیلے افراد کی تلاش میں رہتے تھے۔ اپنے ساتھیوں اور نوجوانوں سے کام لینے اور ان کی بھلائی کے لئے بھی فکر مند ہوتے تھے۔

بزرگوں اور اکابر علماء سے مفتی صاحب کی گہری محبت اور ان کی خدمت سے انہیں جنون کی حد تک لگاؤ تھا۔ مشائخ اندرون ملک کے ہوتے یا بیرون ملک کے جمیل خان رحمہ اللہ گویا ان کی خدمت کے لئے وقف تھے۔ ان کا کمال یہ تھا کہ بزرگوں

کی خدمت کرنا چاہتے تھے تو خدمت کا طریقہ بھی جانتے تھے، خدمت کا جذبہ تو بہتوں میں ہوتا ہے، تاہم اسکے لطائف واسرار کوئی کوئی جانتا ہے۔ بعض لوگوں کی خدمت کبھی کبھار بزرگوں کے لئے زحمت کا باعث بن جاتی ہے۔ مفتی صاحب خدمت اکابر کے صحیح معنوں میں رمزشناس تھے اور اکابر ہی کیا وہ تو ہم جیسے اصاغر کے کام آکر بھی خوشی محسوس کرتے تھے۔ ۱۹۹۴ء میں راقم نے عمرہ کے لئے جانا چاہا تو بہتیری کوشش کے باوجود کام نہ بن سکا، ایسے مواقع پر ہمیں جمیل خان صاحب رحمہ اللہ ہی یاد آتے تھے، میں نے ان سے درخواست کی، تاہم دل میں سوچا کہ اولاً تو مولانا اس کو کوئی زیادہ اہمیت نہیں دے پائیں گے اور اگر اہمیت دے بھی دی تو ہفتوں ، مہینوں بعد ہی شاید کوئی صورت بنے گی۔ مگر میری حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی، جب اسی رات مفتی صاحب نے مجھے فون کرکے بتایا کہ: ”بھائی! آپ کا کام ہوگیا ہے، ویزا لگ چکا ہے“۔ میں نے پہلے تو اسے مذاق سمجھا مگر ان کے انداز سے یقین ہوگیا کہ وہ حقیقت بتارہے ہیں اور پھر مجھے جب یقین آیا تو اب مجھ سے رہا نہ جارہا تھا، میں نے فوراً آنے کے لئے کہا تو انہوں نے کہا: ”ابھی آنے کی ضرورت نہیں ہے، میں نے پاسپورٹ قاری فیض اللہ چترالی صاحب کو دے دیا ہے، وہ پہنچا دیں گے“۔ میں رات گئے نکلا اور پرانی سبزی منڈی میں قاری صاحب سے پاسپورٹ لیا، میری خوشی کی کوئی انتہا نہ تھی، میں مفتی صاحب کو دل وزبان سے دعائیں دیتا رہا اور ان کی ”چستی“ اور مہربانی کی داد دینے لگا۔

مفتی محمد جمیل خان کا نام آتا ہے تو یادوں کا ایک دستہ صف بستہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے، ہر یاد، یادِ شیریں اور ہر ادا، ادائے دل نواز ہے۔ ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ کبھی کہیں ایک انداز میں خیالات میں گھومتا ہے، تو کہیں دوسری ہیئت میں تصورات کو ٹٹولتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ پچھلے سال ریجنٹ پلازہ میں مفتی محمود اکیڈمی کی طرف سے حسبہ ایکٹ کے حوالے سے مفتی صاحب کی زیر نگرانی منعقدہ پروگرام میں ان کی محبت و شفقت اور برادرانہ و نیاز مندانہ گفت و شنید آج بھی سماعت میں رس گھول رہی ہے اور نگاہیں اس منظر کو ترس ترس جاتی ہیں۔

پچھلے سال ''اقرا'' کی تقریب کے موقع پر انہوں نے بڑی محبت سے حضرت صدر وفاق المدارس مولانا سلیم اللہ خان صاحب مدظلہم العالی کو مدعو کیا اور پھر حضرت کو لے جانے کے لئے خصوصی گاڑی بھیجی۔ میں، برادرم مولانا عزیز الرحمٰن العظیمی استاد جامعہ اور بعض دیگر احباب بھی پروگرام میں شرکت کے لئے لے جائے گئے۔ یہ ایک منفرد اجتماع تھا، جس میں جدت، روحانیت، ندرت، تمکنت، دل کشی اور کشش اپنے نقطۂ عروج کو پہنچی ہوئی تھی۔ وہ جدید طبقے کو دین کی طرف راغب کرنے کا سلیقہ اور ملکہ رکھتے تھے، ان کے دلوں میں اسلام کا پائیدار نقش بٹھانے کا گُر جانتے تھے اور بڑی کامیابی کے ساتھ قرآن کی تعلیم اور

پیغام حق کی ترویج میں مصروف عمل تھے۔ اللہ تعالیٰ مفتی محمد جمیل خان شہید رحمہ اللہ کی خدمات قبول فرمائے۔ آمین۔

(بینات، مفتی محمد جمیل خان نمبر)

شیخ عبدالسلام بسیونی سے گفتگو

التوحید اسلامک سینٹر، جنوبی افریقہ کے ڈائریکٹر

[محترم شیخ عبدالسلام بسیونی مصری نژاد عالم دین ہیں، اور گزشتہ کئی سال سے جنوبی افریقہ میں اسلام کی تعلیم و تبلیغ وترویج میں منہمک ہیں، انھوں نے ۱۹۹۲ء میں جنوبی افریقہ کے شہر ''لینز'' میں التوحید اسلامک سینٹر کے نام سے ایک دینی ادارے کی بنیادی رکھی، جہاں یہ مرکز اس وقت ماشاء اللہ بڑے پیمانے پر تمام جنوبی افریقہ میں اسلامی علوم کی ترویج واشاعت اور بالخصوص افریقی نژاد لوگوں میں دعوت و تبلیغ کے کام کا بڑا مرکز ہے۔ شیخ بسیونی سے ایک ملاقات ہوئی، دورانِ ملاقات جو گفتگو عربی زبان میں ہوئی، اس کا ترجمہ، (بقلم: مشتاق احمد طارق) نذرِ قارئین ہے] (ادارہ)

س..... محترم عبدالسلام صاحب! کیا آپ ہمیں اپنی ذات اور خاندان کے بارے میں کچھ بتائیں گے؟

ج..... میرا تعلق ایک متوسط طبقہ سے ہے، میرے والد محترم اپنے خاندان اور علاقے میں ایک قابل اعتبار اور معزز شخصیت کے حامل تھے۔ میں مشرقی مصر کے

شہر ابو کبیر میں ۱۹۵۰ء میں پیدا ہوا، اور اپنے دیگر ہم عمروں کی طرح اپنے علاقے کے ایک مکتب میں داخلہ لیا، وہاں میں نے قرآن پاک حفظ کیا اور پھر جامعہ ازہر کی ایک شاخ میں داخلہ لے لیا، اس کے بعد جامعہ ازہر سے قانون اور علوم شرعیہ میں سند فراغت حاصل کی، پھر میں نے سعودی عرب کا سفر کیا اور وہاں کے دعوت و تبلیغ کے ایک ادارے سے دعوت میں ڈپلومہ حاصل کیا، پھر میں نے جامعہ روانڈا سے اسلامی تاریخ میں اور جامعہ دارالحسان ڈھاکہ بنگلہ دیش سے ''مغربی افریقہ میں دعوتی صورت حال'' میں ایم اے کا مقالہ لکھا، اور پھر رابطہ عالم اسلامی کی طرف سے ایک دعوتی مشن پر سیر الیون گیا اور پھر جنوبی افریقہ آیا۔

س..... آپ جنوبی افریقہ میں کب آئے اور ''مرکز توحید اسلامی'' کی بنیاد کیسے رکھی؟

ج..... میں ۱۹۹۰ء میں رابطہ عالم اسلامی کے نمائندے کی حیثیت سے جنوبی افریقہ آیا اور کئی سالوں کی انتھک محنت کے بعد میں اور میرے دیگر رفقاء اس دعوتی مرکز کی پہلی اینٹ رکھنے میں کامیاب ہوئے اور اس کا نام مرکز توحید اسلامی رکھا، اس ادارہ نے ۱۹۹۲ء سے اپنے کام کا آغاز کیا اور اس وقت جنوبی افریقہ میں دعوتی میدان میں کام کرنے والے بڑے اداروں میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

س..... کیا اس مرکز کی کچھ شاخیں بھی ہیں؟

ج..... الحمد للہ اس مرکز کے تحت مختلف شاخیں دعوتی عمل میں مصروف ہیں، اور ان کی تعداد تیرہ ہے، جو کہ ایسے علاقوں میں دعوت و تبلیغ کے عمل میں مصروف ہیں جہاں اس سے پہلے اسلام کی دعوت کا کام کمزور یا ناپید ہے۔

س..... اس وقت مرکز توحید اسلامی کون سے امور سرانجام دے رہا ہے؟

ج..... مرکز توحید اسلامی ویسے تو بہت سے کام سرانجام دے رہا ہے، مگر یہاں بطورِ نمونہ کے اس کی چند سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہیں: سب سے اہم کام جو اس وقت مرکز توحید اسلامی سرانجام دے رہا ہے، وہ افریقی نژاد لوگوں کو اسلام کی دعوت دینا ہے، اور یہ کام جنوبی افریقہ کے مختلف علاقوں میں بطریقِ احسن ہو رہا ہے، پھر نو مسلم لوگوں کو اسلامی تعلیمات سے بہرہ ور کرنے کا کام بھی ہو رہا ہے، ایسا نہیں کہ ہم انہیں اسلام کی دعوت دے کر انہیں بھول جائیں، بلکہ ہر ایسی جگہ جہاں دعوت و تبلیغ کا کام ہو رہا ہے، وہاں اس مرکز کے زیر نگرانی ایک مدرسہ بھی ہے، جہاں نو مسلموں کو حفظ قرآن اور دیگر احکام اسلام کی تعلیم دی جاتی ہے، اور ساتھ ساتھ وہ طلبہ جو مالی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں، انہیں باقاعدہ وظیفہ بھی دیا جاتا ہے، تاکہ وہ یکسوئی کے ساتھ اسلامی تعلیم حاصل کرسکیں، نیز اسلامی لٹریچر کی اشاعت اور لوگوں میں اسے مفت تقسیم کرنے کا کام بھی ہو رہا ہے، اس کے علاوہ ان مسلم خاندانوں کو کپڑے ،

ادویہ اور خوراک بہم پہنچانا بھی مرکز کی ذمہ داریوں میں شامل ہے اور اب مرکز توحید اسلامی ایک ایسا ادارہ بھی قائم کر رہا ہے، جہاں نومسلموں کو مختلف پیشوں اور صنعت وحرفت کی تعلیم دی جائے گی تاکہ وہ بے روزگاری کا شکار نہ رہیں اور اس سلسلہ میں کئے جانے والے انتظامات تقریباً مکمل ہو چکے ہیں، اور جلد ہی اس ادارے (ٹیکنکل کالج) کا باقاعدہ افتتاح کر دیا جائے گا۔

س...... اچھا محترم! یہ بتایئے کہ جنوبی افریقہ میں آپ اسلام اور مسلمانوں کے مستقبل کو کیسے دیکھتے ہیں؟

ج...... الحمدللہ! اس وقت ہمیں جنوبی افریقہ میں مکمل آزادی حاصل ہے، اور مسلمانوں کی آبادی دن بدن بڑھ رہی ہے اور لوگوں میں اسلام قبول کرنے کا رجحان بڑھتا جارہا ہے اور بالخصوص ان گزشتہ دس سالوں میں تو یہ رجحان بہت زیادہ بڑھا ہے، اس بات کا انکشاف جنوبی افریقہ کے مردم شماری کے شعبے نے کیا ہے، باوجود باہمی رابطہ کی قلت اور دیگر مشاکل کے، اس وقت جنوبی افریقہ میں اسلام سب سے زیادہ پھیلنے والا مذہب ہے، لوگ جوق در جوق اس میں داخل ہو رہے ہیں۔

س...... مرکز توحید اسلامی کی ضروریات کے لئے سرمایہ کہاں سے فراہم ہوتا ہے؟

ج...... مرکز توحید اسلامی کے لئے جہاں تک سرمایہ کا تعلق ہے، یہ عموماً اہل

خیر کی طرف سے دیئے جانے والے فنڈز سے حاصل ہوتا ہے، مسلمان فقط اللہ کی رضا کی خاطر رقوم مرکز کے اخراجات کے لئے مہیا کرتے ہیں اور اب ہم ایک اسلامی وقف اسلامک ٹرسٹ) کے بارے میں غور وفکر کر رہے ہیں، جس سے مرکز توحید اسلامی کی) دعوتی اور تعلیمی سرگرمیاں جاری رہیں۔

س..... بسیونی صاحب ! یہ بتایئے کہ ساؤتھ افریقہ (South Africa) اور اس جیسے دیگر غیر مسلم ممالک میں اسلام کی نشرواشاعت کے بارے میں آپ کے کیا عزائم ہیں؟

ج..... اس وقت تو ہماری تمام تر توجہات جنوبی افریقہ میں اسلام کی نشرواشاعت پر مرکوز ہیں، ہم اس کوشش میں ہیں کہ جتنا ہوسکے، مرکز توحید اسلامی کی شاخوں اور اسلامی تعلیمات کے لئے بنائے جانے والے مدارس کی تعداد میں اضافہ کیا جائے، اس کے بعد ہم جنوبی افریقہ کے علاوہ دیگر افریقی اور غیر افریقی ممالک میں اپنے کام کو شروع کریں گے اور میں سمجھتا ہوں کہ جنوبی افریقہ کے مسلمان چونکہ عام طور پر انگلش کو ہی ذریعۂ خطاب بناتے ہیں، اس لئے یہ چیز ہمارے لئے دیگر ممالک میں کام کرتے وقت مدومعاون ثابت ہوگی، کیونکہ اس وقت تقریباً پوری دنیا میں انگلش بولی اور سمجھی جاتی ہے۔

س..... عربی زبان کی طرف جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کا رجحان کس حد تک ہے اور

اس کو سیکھنے کے لئے کیا طریقۂ کار اختیار کیا جاتا ہے؟

ج..... الحمدللہ! عربی زبان جو کہ ہماری مقدس کتاب قرآن مجید کی زبان ہے، جنوبی افریقہ کے مسلمان اس کے سیکھنے اور سمجھنے کی طرف بھی متوجہ ہیں، چندایک اسکول ایسے ہیں جو باقاعدہ عربی سکھاتے ہیں اور باوجود اس کے کہ عربی یہاں کی بارہ علاقائی زبانوں میں سے ایک ہے، پھر بھی مسلمانوں نے عربی زبان کے دامن کو نہیں چھوڑا، اور اپنے بچوں کو اس کی تعلیم دیتے ہیں اور اس کے لئے وہ مقامی عربی اسکولوں میں انہیں داخل کراتے ہیں، اور اس کے علاوہ وہ اپنے بچوں کو اس مقصد کے لئے جامعہ ازہر مصر اور جامعہ مدینہ منورہ بھی بھیجتے ہیں، نیز مرکز توحید اسلامی کی تمام شاخوں میں افریقی مسلمانوں کو عربی کی تعلیم دی جاتی ہے۔

ایک بات یہاں بطورِ خاص آپ کو نظر آئے گی، کہ یہاں کے عام مسلمان بھی عربی لباس ہی پہنتے ہیں۔

س..... پہلے آپ بتا چکے ہیں کہ آپ کی زیادہ تر توجہ افریقی نژاد لوگوں پر ہے اور انہیں آپ اسلام کی دعوت دیتے ہیں تو کیا یہ دعوتی عمل صرف انہیں تک محدود ہے، یا ان کے علاوہ بھی جو باہر سے آکر یہاں بس گئے ہیں؟

ج..... ویسے تو ہم دعوتی مہم میں صرف افریقی نژاد لوگوں کو مد نظر نہیں رکھتے،

بلکہ ان کے علاوہ دوسرے لوگوں کو بھی اسلام کی دعوت دیتے ہیں۔ اور الحمد للہ ان کی ایک بڑی تعداد دائرہ اسلام میں داخل بھی ہو چکی ہے، تاہم اتنی بات ضرور ہے کہ ہم اس معاملے میں خالصتاً افریقی لوگوں پر زیادہ محنت کر رہے ہیں، اس لئے کہ وہ علاقے کی بھاری اکثریت ہیں اور دوسروں کی بنسبت کسی بھی مذہب سے زیادہ دور ہیں، لہٰذا ان پر زیادہ محنت کی ضرورت ہے، باقی ہم اپنے دعوتی دوروں میں اس چیز کا خاص لحاظ نہیں رکھتے، کہ یہ خالصتاً افریقی ہے یا نہیں، بلکہ تمام لوگوں تک اسلام کی دعوت پہنچاتے ہیں۔

س..... یہ بات کہاں تک حقیقت ہے کہ جنوبی افریقہ کے مسلمان تفرقہ اور انتشار کا شکار ہیں، اور قوموں اور خطوں کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے سے دور ہیں؟ یہ پاکستانی ہے تو وہ ہندوستانی اور ایک اپنے آپ کو عربی کہتا ہے تو دوسرا افریقی؟

ج..... یہ بات بالکل غلط اور بے سروپا ہے، بلکہ اس کے برعکس جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کے درمیان اتحاد اور باہمی یگانگت کی فضا قائم ہے، باوجود علاقائی اور نسلی اختلاف کے متحد ہیں، آپ ایک ہی شہر کے اندر مختلف علاقوں اور نسلوں کے مسلمانوں کو انتہائی پیار، محبت اور اتحاد سے رہتے ہوئے دیکھیں گے، اس لئے کہ اسلام ایک عالمی مذہب ہے، اس میں علاقائی یا نسلی تفرقہ بازی کی کوئی گنجائش نہیں اور اسلامی تعلیمات بھی اس کی نفی کرتی ہیں، یہی وجہ

ہے کہ آج تک جنوبی افریقہ کے مسلمانوں کے درمیان علاقائی یا نسلی بنیاد پر کوئی مسئلہ نہیں اٹھا اور نہ ہی کوئی فساد ہوا ہے نیز اس اتحاد ویکجہتی میں علماء کی زیر نگرانی چلنے والی مختلف تنظیموں کا بڑا عمل دخل ہے، بلکہ کچھ جماعتیں تو ایسی ہیں جن پر پورے جنوبی افریقہ کے مسلمان مکمل اعتماد واعتبار کرتے ہیں، جیسے جمعیت علمائے جنوبی افریقہ اور رویت ہلال کمیٹی وغیرہ، اور اگر خدانخواستہ مسلمانوں کو متحد رکھنے میں علماء کا یہ کردار نہ ہوتا تو جنوبی افریقہ کے مسلمان تفرقہ اور اختلاف کا شکار ہو کر ضائع ہو سکتے تھے۔

س..... محترم بسیونی صاحب ! آخر میں کوئی نصیحت آموز کلمہ، جو آپ امت مسلمہ تک بالعموم اور الفاروق کے قارئین تک بالخصوص پہنچانا چاہیں گے ؟

ج..... بسم اللہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ قال اللہ تعالیٰ: (ومن یتق اللہ یجعل لہ مخرجا ویرزقہ من حیث لا یحتسب) وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: ''اللہ فی عون العبد مادام العبد فی عون اخیہ'' اما بعد !

پہلے تو میں مجلّہ ''الفاروق'' اور اس کے تمام قارئین کا اس بات پر شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے دنیا میں بسنے والے مسلمانوں کے احوال جاننے اور پھر انہیں دوسرے مسلمانوں تک پہنچانے کی سعی کی اور بالخصوص حضرت شیخ

الحدیث صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان وصدر اتحاد تنظیمات مدارس دینیہ
پاکستان ورئیس جامعہ فاروقیہ کراچی کا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ انہوں نے ہمیں ان دور
دراز ممالک میں عزت بخشی اور ہمارے پاس تشریف لائے اور مسلمانوں کے احوال کی
خبر گیری کی اور تعلیم وتربیت، دعوت و تبلیغ، تزکیہ نفس اور دیگر امور میں ہماری
راہنمائی فرمائی اور حوصلہ افزائی کی، اللہ ان کو جزائے خیر عطا فرمائے، اس کے بعد
اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے گزارش کرتا ہوں کہ وہ اعمال صالحہ کو اپنا شعار بنائیں،
ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کریں اور دنیا کے سامنے اسلام میں داخل ہونے کا
ذریعہ بنیں، آخر میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ امت مسلمہ کی موجودہ پریشانیوں کو
دور فرمائے اور ہماری مدد ونصرت فرمائے اور دنیا کے تمام خطوں میں ہمیں باہمی
.(اتحاد ویکجہتی کی دولت نصیب فرمائے (آمین یارب العالمین
الفاروق، رجب المرجب ۱۴۲۷ھ)۔)

برصغیر میں عربی زبان وادب کے نشر واشاعت کے کچھ عوامل

عربی زبان و ادب سے برائے نام اور ادنٰی سی مناسبت کی وجہ سے متعدد طلبہ، فضلاء اور مدرسین، مشافھۃً ومراسلۃً عربی تکلم اور مضمون نویسی کے متعلق راقم سے رابطہ فرماتے رہتے ہیں۔ ہمارے بعض ساتھیوں کا خیال ہوتا ہے کہ عربی تقریر و تحریر کے لئے شاید انگریزی دواؤں کا کوئی اس قسم کا آسان فارمولا ہوگا، کہ جسے استعمال میں لاتے ہی انسان میں یہ وصف ابھر کر نمودار ہوجائے گا اور ساتھ ہی ساتھ اس میدان میں ضعف و نقاہت کی بیماری یکسر ختم ہوجائے گی، لیکن ایسا کہاں؟؟

بہرحال یہ بھی غنیمت ہے کہ عربی مدارس سے متعلق طلبہ واساتذہ بالخصوص اور عامۃ المسلمین بالعموم تعلیم وتعلم اور فہم قرآن وسنت کے لئے اس اہم عنصر کی طرف خاصے متوجہ ہوگئے ہیں، میری ناقص رائے کے مطابق کچھ سالوں سے اس توجہ میں اضافے کے کچھ اسباب یہ ہیں:

دارالعلوم دیوبند جوام المدارس والجامعات ہے: میں سمجھتا ہوں کہ دارالعلوم کا کردار اس حوالے سے بنیادی کردار ہے، بالخصوص حضرت مولانا اعزاز علی صاحب

رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا وحید الزمان کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ جنھوں نے تقریباً اپنی عمریں اس مقصد کے لئے وقف کردی تھیں، مذکورہ حوالے سے ان کی خدمات زریں حروف سے لکھنے کے قابل ہیں۔

تین چار دہائیوں سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں (بلکہ غیر مسلموں کا بھی) عالم عرب کے ساتھ سفارتی، اقتصادی اور تعلیمی ارتباط۔

طاقت ور الیکٹرانک میڈیا اور دیگر ذرائع ابلاغ و وسائل نشر و اشاعت کی بناء پر سمعی و مرئی ادبیات و لٹریچر کا برائے استفادہ آسانی سے دستیابی۔

دینی مدارس کے نیٹ ورک کی وسعت، ہمہ گیریت اور تاثیر۔

جہاد افغانستان میں عرب مجاہدین کی عملی، مالی، تحریری اور لسانی شرکت اور یہاں کے مقامی مجاہدین کی حوصلہ افزائی کے لئے مختلف مواقع پر عالم عرب میں ان کا استقبال وترحیب۔

پاکستان کے متعدد شہروں بالخصوص پشاور میں جہادی کار کے حوالے سے کئی پاکستانی، افغانی اور عرب تنظیموں کا عربی میڈیم مدارس و جامعات اور عربی

زبان میں شاندار قسم کے مجلات و جرائد کا اجراء۔

چودھویں صدی کے اوائل سے آج تک پاکستان کے بین الاقوامی شہرت یافتہ کچھ عربی و دینی جامعات سے باقاعدہ عربی رسائل کا اصدار (مثلا الفاروق عربی، البعث الاسلامی اور الداعی) اور ان ہی مدارس وجامعات کے زیر نگرانی شعبہ ہائے عربی، اسلامیات اور معہد اللغۃ العربیہ، القسم العربی اور تخصص فی الأدب العربی نام کے نہایت فعال اور عظیم الشان اداروں کی تاسیس۔

قریبًا ایک دھائی سے ملک کے چپے چپے میں مدارس البنات کا قیام، جن سے اسلامی علوم و فنون اور عربی ادب واصطلاحات کا پھلنا پھولنا۔

اور اب سال ۱۴۲۵ھ سے وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے نصاب بنین و بنات میں دیگر اہم تبدیلیوں اور اضافوں کے ساتھ ساتھ عربی زبان و ادب کے قدیم وجدید میں امتزاج کے علاوہ کچھ ایسی بنیادی کتب ومضامین کا ارباب وفاق کی طرف سے متزاد ہونا، جن سے اس خلا کو پر کرنے کی طرف سالہائے گزشتہ کے مقابلے میں کئی گنا زیادہ رجحان کا پایا جانا، مثلًا إقناع الضمیر مع التمارین، تعریب علم الصیغۃ، مختارات من ادب العرب، التاریخ الاسلامی اور البیان فی علوم القرآن کی نصاب میں باقاعدہ شمولیت۔

بڑی عمر کے خواتین و حضرات کے لئے حضرت صدر وفاق المدارس العربیہ پاکستان امام المحدثین شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کا ایک ایسا سہ سالہ عوامی سطح پر انقلابی اور جامع کورس (منہج الدراسات الدینیہ) مرتب فرمانا، جس میں تفسیر، حدیث، فقہ اور دیگر علوم و فنون کے ہمرشتہ ادب عربی کا ضرورت کی حد تک حصہ شامل کردینے سے عربیت کی جڑوں کو توانائی ملنے کی توقع ہے۔

وفاق المدارس کے امتحانات میں فصحی عربی میں جواب دینے پر فی پرچہ دس نمبرات کا اضافہ۔

تخصصات کے ضمن میں تخصص فی الادب العربی کی باقاعدہ وفاق کی مجلس عاملہ سے منظوری اور آئندہ سے اس کے امتحانات منعقد کرکے شہادات کا اجرا کرنا (جامعہ فاروقیہ کراچی میں اس شعبے کا باقاعدہ اجراء اللہ تعالیٰ کے خصوصی فضل و کرم سے ہوگیا ہے)۔

دورہ حدیث کے طلبہ کے لئے ملک گیر سطح پر وفاق کے زیر نگرانی عربی مقالہ نویسی کا اضافہ ایک حوصلہ افزا پیش رفت ہے۔

لیگ آف نیشنز، یونائیٹڈ نیشنز، آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس اور عرب لیگ جیسی مقتدرہ اور عالمی سطح کی تنظیموں اور ان کے ذیلی اداروں میں عربی زبان کا باقاعدہ بین الاقوامی وبین التنظیمی حیثیت کا اعتراف (جس کی بنا پر ان اداروں کے اجلاسوں میں گفتگو، خطاب اور ان سے مراسلت نیز ان کے ریکارڈ کی حفاظت ان سب کا عربی زبان میں بھی ہونا، لہذا جنرل اسمبلی یا سلامتی کونسل سے خطاب میں یا نکتۂ اعتراض پر کسی بات کا جواب اگر کوئی عربی میں دینا چاہے تو دے سکتا ہے۔

عالم گیریت کے اس دور میں پوری دنیا کی یونیورسٹیز اور کالجز میں مختلف مقاصد کے تحت شعبہ ہائے لسانیات کا قیام۔ ظاہر ہے کہ لسانیات کا شعبہ جہاں کہیں ہوگا اس میں عربی کا شعبہ ضرور ہوگا جو قرآن و حدیث، فقہ اسلامی وغیرہ کا حامل ہونے کے ساتھ ساتھ قریباً چھوٹے بڑے ۲۳، ۲۴ عرب ممالک کی سرکاری زبان بھی ہے۔ جہاں کسی بھی خدمت کی انجام دہی کے لئے عربی کے بغیر چارہ کار نہیں۔

دعوت و تبلیغ سے وابستہ بیرون ممالک سے حضرات کی آمدورفت اور ان کے ساتھ جڑنے والے علماء و احباب کی وجہ سے برصغیر میں عربی زبان کو فروغ حاصل

ہونا۔

اسلام آباد کی بین الاقوامی یونیورسٹی کا قیام، جامعہ ازہر اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ میں برصغیر کے طلبہ کی تعلیم وتربیت۔

شخصیات کی سطح پر بالخصوص محدث العصر حضرت مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا مختلف عرب دنیا کے اسفار اور نہایت عمیق عربی لغت وادب پر عبور کی وجہ سے بار بار اس کی شدومد کے ساتھ ترغیب پھر امام الادب العربی فی الہند حضرت مولانا ابوالحسن علی الحسنی الندوی - رحمۃ اللہ علیہ - کی اپنی تالیفات، محاضرات، ندوۃ العلماء کا تعمیری کردار اور البعث الاسلامی، رابطۃ الأدب الاسلامی العالمیۃ وغیرہ کی صورت میں لازوال اور انتھک مساعی وخدمات اور اب امام المحدثین حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم کا نہ صرف جامعہ فاروقیہ کراچی کی سطح پر عربی زبان وادب کے لئے عملی اقدامات (بطورِ خاص معہد اللغۃ العربیۃ والدراسات الاسلامیۃ اور تخصص فی الأدب العربی) اور بیس سال سے مسلسل شائع ہونے والا مجلۃ الفاروق القسم العربی. بلکہ پورے وفاق المدارس کی سطح پر وقتاً فوقتاً اپنی بے پناہ بصیرت، دوراندیشی اور شغف علمی کی بناء پر قرآن وسنت کے تمام علوم اور ان کے فہم

وادراک کے لئے بطور موقوف علیہ کے کل فنون جن میں عربی ادب نمایاں ہے، کو فروغ دینے کی کوششیں واقفان حال کے سامنے اظہر من الشمس ہیں۔

بہرکیف یہ بات مسلّم ہے کہ کچھ دہائیوں سے برصغیر میں عربی زبان وادب ماضی کے مقابلے میں کافی زیادہ پروان چڑھ رہا ہے۔ مگر اسے منظّم، مفید سے مفید تر اور حسب طلب مختلف سطحوں کے افراد کی دسترس میں کیسے لایا جائے؟ اس حوالے سے مزید سوچ و بچار کی ضرورت ماضی کے مقابلے میں اب کہیں زیادہ ہے۔

(الفاروق محرم الحرام ۱۴۲۶ھ)

خلیجی امداد

گذشتہ دنوں سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ سلمان بن عبد العزیز آل سعود ایک بھاری بھر کم وفد کے ساتھ پاکستان کے دورے پر تشریف لائے ، وزیر اعظم نواز شریف نے اپنی کابینہ کے ساتھ ان کا نہایت پر تپاک استقبال کیا، شہزادہ سلمان نے پاکستان کو اقتصادی مشکلات سے نکالنے کے لئے قریباً ۳ ارب ڈالر (یعنی ۳ کھرب روپیہ) بلامعاوضہ دے کر اپنی تاریخی سخاوت ، بھائی چارے ، اور پڑوس نوازی کا ثبوت دیا، جس کی وجہ سے عالمی مارکیٹ میں مسلسل گرتے ہوئے پاکستانی روپے کو امریکن ڈالر کے مقابلے میں قدرے استحکام نصیب ہوا، اس کے ساتھ ہی دونوں ملکوں کے درمیان کئی ثقافتی ، اقتصادی ، تجارتی ، دفاعی ، اور سیاسی معاہدوں پر دستخط بھی ہوئے۔

کچھ دنوں بعد مملکتِ بحرین کے شاہ حمد بن عیسی بن خلیفہ نے بھی چالیس سال بعد یہاں کا دورہ کرکے پاکستان کو اعزاز بخشا، وزیر اعظم نے ایرپورٹ پر جاکر انہیں خوش آمدید کہا، ان کے ساتھ بھی متعدد اتفاقیات پر جانبین سے دستخط ہو کر ملکِ عزیز کو اقتصادی بحرانوں کے اس دور میں سہارا دینے کی ایک مبارک پیش رفت ہوئی۔

مذکورہ دونوں ممالک اور خلیج کے دیگر ملکوں نے ہمیشہ کے لئے دوست ریاستوں کی طرح ہر مشکل گھڑی میں پاکستان کی طرف امداد کا ہاتھ بڑھایا ہے ،ان ملکوں میں ہزاروں نہیں لاکھوں پاکستانی مختلف شعبوں میں کام کرکے کھربوں روپے کا زرِ مبادلہ کما کر یہاں بھیجتے ہیں ،ہزاروں پاکستانی طلبہ ان کی یونی ورسٹیز میں اعلیٰ تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں،ان عرب ممالک میں پاکستانیوں کو دوسروں پر ترجیح بھی دی جاتی ہے زیارتِ حرمین شریفین ،مقاماتِ مقدسہ اور عرب دنیا کے ترقی یافتہ شہروں اور، نظاموں کو قریب سے دیکھنے کے بہترین مواقع بھی فراہم ہوتے ہیں ، چوری چکاری ، بد تمیزی ، ہلڑبازی اور بد کرداری سیکھنے کے بجائے یہ لوگ عربوں کے عظیم اخلاق سے بھی بہرہ ور ہو سکتے ہیں ، عربی زبان اور دیگر علوم میں بھی ید طولیٰ حاصل کر سکتے ہیں یہ اور بات ہے کہ کچھ لوگ یہاں اچھی صحبت ،صالح سوسائٹی اور عمدہ صفات سے، مزین ہونے کے بجائے.بری صحبت اور نابکار سرگرمیوں سے وابستہ ہوجاتے ہیں ،ایسے لوگ وہاں قانون کی زد میں آجاتے ہیں یا اللہ کے عذاب میں ، پھرانہیں سزائیں ہوجاتی ہیں،یامؤاخذہ ہوجاتاہے،پولیس اور عدلیہ کو ہمارے یہاں کی طرح رشوت وسفارش سے بھی قابو نہیں کیا جاسکتا، اس پر ہم چیخ اٹھتے ہیں، جبکہ اصل اسباب اور عوامل پر ذرہ سی نگاہ ڈالنے کی زحمت سے ہمارے کچھ لوگ بالکل قاصر رہتے ہیں،کچھ اپنی ذہنی اور فکری نارسائی کی وجہ سے ان سے عناد رکھتے ہیں۔

اِدھر ہماری سرحدات پر ہر طرف سے آگ لگی ہوئی ہے، ہماری طرف ہر کوئی دوستی کا ہاتھ بڑھانے سے ڈرتا ہے، ہمسایہ ملک ایران تک نے ہمارے ملک میں گھس کر فوجی کاروائی کرنے کی دھمکی دی ہے، اب ان حالات میں خلیج تعاون کونسل کے ممالک نے اپنی گوناگوں مشکلات ومسائل کے باوجود ہمیں سینے سے لگایا، ہمارے سر پر شفقت کا ہاتھ رکھا، مغربی ملکوں کی وہ رقم جو کھلم کھلا ''ڈو مور'' کے لئے دی جاتی ہے، وہاں ہماری قومی غیرت خراٹے لے رہی ہوتی ہے، پر یہاں تشکیک پیدا کرنے اور برادر اسلامی ممالک کے ساتھ دوستی میں اغیار کے کہنے پر رخنہ ڈالنے کے لئے ہماری میڈیا کیڑے نکالنے کی نامسعود حرکتیں شروع کردیتی ہے، کچھ سیاست داں بھی حکومتِ پاکستان اور عرب ممالک کے خلاف ہاتھ دھو کر لگ جاتے ہیں، ارے سوچو تو سہی،

کیا یہی بدلہ ہے احسان کا؟

ناداں کہتے ہیں، شام فوج بھیجنے کے لئے یہ رقم دی گئی ہے، کیا ہماری فورسز شامی فوج، حزب اللہ، ایران وعراق ملیشیا اور روسی ماہرین ضرب وحرب سے دو دو ہاتھ کرنے کے لئے اتنی آسانی سے اقوامِ متحدہ کی چھتری کے بغیر جا سکتی ہیں، اور جب وہ چھتری فراہم ہو، تو کیا ہماری حکومت کو کسی کی امداد کی ضرورت ہوگی، یا پھر یو این کے منشور کے مطابق اپنی ذمہ داری بہرحال پوری کرنی ہوگی؟

میڈیا کے ان دوستوں اور سیاست کے ان کھلاڑیوں کو یہ نہیں بھولنا چاہیئے کہ سب سے بڑی خیانت زبان و قلم کی ہوتی ہے ، بندوق کی گولیوں سے تو چند افراد ہی لقمۂ اجل بنتے ہیں ، لیکن ان دونوں ہتھیاروں کی وار سے پوری پوری قومیں تباہ وبرباد ہو جاتی ہیں ،

حزب اختلاف کا کام ہوتا ہے، حکومت سے اختلاف کرنا ، نہ کہ ریاست سے اختلاف کرنا، حکومت اور ریاست میں فرق ہوتا ہے، بین الاقوامی معاملات ہوں یا اندرونی رسہ کشیاں، اختلاف سیٹ اپ سے کیا جا سکتا ہے ، سسٹم سے نہیں ، لیکن کیا کیجئے گا، کچھ عرصہ سے عالم اسلام کو بالعموم اور پاکستان کو بطور خاص مذہبی فرقہ واریت کی راہ پر ڈالنے کی سازش کی جارہی ہے، امداد کے اس قصے میں یہی عامل کارفرما ہے ، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پہلے یہ بیماری ہمارے مذہبی طبقے میں اگر تھی ، تو اب یہ ہماری سیاسی

پارٹیوں، بیوروکریسی ، میڈیا اور اسٹیبلیشمنٹ میں رچ بس گئی ہے ، ہماری اگر یہی حالت ہوئی، تو یوں ہم بین الاقوامیت کے اس دور میں بین الممالک جھگڑوں اور نزاعات میں اپنا مثبت اور فعال کردار ادا کرنے کے تو لائق ہی نہیں ، ساتھ ہی اپنا بیڑہ بھی خود ہی غرق کردینگے ، الامان الحفیظ۔

(عربی زبان و ادب کی اہمیت (۱

حق سبحانہ و تقدس نے اپنے کلامِ مبارک میں کئی جگہ مخالفین و مبطلین کو چیلنج و تحدّی کی ہے کہ وہ اگر اپنے دعوے میں سچے ہیں یعنی قرآن کلام الٰہی نہیں ہے بلکہ (نعوذ باللہ) ایک بشری مصنوعی کلام ہے، تو وہ اس فصیح و بلیغ کلام کی طرح اس کے مقابل کا ایسا ہی کوئی کلام پیش کریں۔ لیکن جب وہ لوگ حتی الآن پیش نہ کرسکے اور نہ ہی پیش کرسکیں گے، تو انہیں پھر ایک ایسی خطرناک آگ سے بچنے بچانے کا سامان کرنا چاہیے جس کا ایندھن لکڑیوں کے بجائے بنی نوع انسان اور پتھر ہوں گے۔ جو منکرین و مخالفین کے لیے پہلے سے بالکل تیار کی گئی ہے۔ یہ سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۲۳۔۲۴ کا مفہوم ہے۔ اس کی تفسیر تحریر فرماتے ہوئے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دس وجوہِ اعجاز قرآن کریم کے ذکر فرمائے ہیں۔ ان سب میں جس وجہ کو زور دے کر اور مفصّل انداز میں تحریر فرمایا ہے وہ اس کلام کی عربیت ہے اور وہ بھی ایسی کہ خود جس پر یہ کلام نازل ہوا ہے وہ بھی اس کی نظیر یا اس میں کمی بیشی پر کسی طرح قادر نہیں ہیں۔ (قُل مایکون لی ان ابدلہ من تلقاء نفسی……) اس پر شاہد عدل ہے۔ یہاں ہم حضرت مفتی صاحب کے کلام کو کچھ اختصار کے ساتھ نقل کریں گے تاکہ عربیتِ قرآن اور اس کی اہمیت پر کچھ روشنی ڈالی جاسکے۔

”اب اعجاز قرآن کی دوسری وجہ دیکھیے، یہ آپ کو معلوم ہے کہ قرآن اور اس کے احکام ساری دنیا کے لیے آئے، لیکن اس کے بلاواسطہ اور پہلے مخاطب عرب تھے، جن کو اور کوئی علم و فن آتا تھا یا نہیں مگر فصاحت و بلاغت ان کا فطری ہنر اور پیدائشی وصف تھا، جس میں وہ اقوام دنیا سے ممتاز سمجھے جاتے تھے، قرآن ان کو مخاطب کرکے چیلنج کرتا ہے کہ اگر تمھیں میرے کلام الٰہی ہونے میں کوئی شبہ ہے، تو تم میری ایک سورت کی مثال بنا کر دکھلادو، اگر قرآن کی یہ تحدّی (چیلنج) صرف اپنے حسن معنوی یعنی حکیمانہ اصول اور علمی معارف و اسرار ہی کی حد تک ہوتی، تو اُمیّین کے لیے اس کی نظیر پیش کرنے سے عذر معقول ہوتا، لیکن قرآن نے صرف حسن معنوی ہی کے متعلق تحدّی نہیں کی، بلکہ لفظی فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی پوری دنیا کو چیلنج دیا ہے۔ اس چیلنج کو قبول کرنے کے لیے اقوام عالم میں سب سے زیادہ مستحق عرب ہی تھے، اگر فی الواقع یہ کلام قدرتِ بشر سے باہر کسی مافوق قدرت کا کلام نہیں تھا، تو بلغاء عرب کے لیے کیا مشکل تھا کہ ایک امی شخص کے کلام کی مثال، بلکہ اس سے بہتر کلام فوراً پیش کردیتے اور ایک دو آدمی یہ کام نہ کرسکتے تو قرآن نے ان کو یہ سہولت بھی دی تھی کہ ساری قوم مل کر بنا لائے، مگر قرآن کے اس بلند بانگ دعوے اور پھر طرح طرح سے غیرت دلانے پر بھی عرب کی غیور قوم پوری کی پوری خاموش ہے، چند سطریں بھی مقابلہ پر نہیں پیش کرسکتی۔

جنگ و مقابلہ کے لیے تیار ہو کر قبل از ہجرت اور بعد از ہجرت جو قریش عرب نے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور مسلمانوں کے مقابلہ میں سر دھڑ کی بازی لگائی، جان، مال، اولاد، آبرو سب کچھ اس مقابلہ میں خرچ کرنے کے لیے تیار ہوئے، مگر یہ کسی سے نہ ہو سکا کہ قرآن کے چیلنج کو قبول کرتا اور چند سطریں مقابلہ پر پیش کر دیتا، کیا ان حالات میں سارے عرب کا اس کے مقابلہ سے سکوت اور عجز اس کی کھلی ہوئی شہادت نہیں کہ یہ انسان کا کلام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، جس کے کام یا کلام کی نظیر انسان کیا ساری مخلوق کی قدرت سے باہر ہے۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کہ عرب نے اس کے مقابلہ سے سکوت کیا، بلکہ اپنی خاص مجلسوں میں سب نے اس کے بے مثل ہونے کا اعتراف کیا اور ان میں جو منصفِ مزاج تھے، انھوں نے اس اعتراف کا اظہار بھی کیا، پھر ان میں سے کچھ لوگ مسلمان ہو گئے اور کچھ اپنی آبائی رسوم کی پابندی یا بنی عبد مناف کی ضد کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے باوجود اعتراف کے محروم رہے، قریش عرب کی تاریخ ان واقعات پر شاہد ہے۔

قبیلہ بنی سلیم کا ایک شخص مسمّٰی قیس بن نسیبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی

خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے قرآن سنا اور چند سوالات کیے، جن کا جواب آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عطا فرمایا، یہ اسی وقت مسلمان ہوگئے۔ اپنی قوم میں واپس گئے تو لوگوں سے کہا:

"میں نے روم و فارس کے فصحاء وبلغاء کے کلام سنے ہیں۔ بہت سے کاہنوں کے کلمات سننے کا تجربہ ہوا ہے، حمیر کے مقالات سنتا رہا ہوں، مگر محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کی مثل میں نے آج تک کہیں نہیں سنا، تم سب میری بات مانو اور ان کا اتباع کرو۔ انہی کی تحریک و تلقین پر ان کی قوم کے ایک ہزار آدمی فتح مکہ کے موقع پر آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر مشرف باسلام ہوگئے (خصائص کبری للسیوطی: ۱؍۱۱۶)۔ یہ ہے قرآن کا وہ کھلا ہوا معجزہ جس کا دشمنوں کو بھی اعتراف کرنا پڑا ہے۔" (معارف القرآن: ۱؍۱۴۰۔۱۶۴)۔

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ نے تو عربی زبان و ادب سے ناآشنا وناواقف شخص کے لیے قرآن کے متعلق تفسیر و تشریح، استدلال و استشہاد تو کجا اس سے بھی کم ہر قسم کی لب کشائی حرام قرار دی ہے۔ "لایحلّ لأحد یؤمن باللہ والیوم الآخر ان یتکلم فی کتاب اللہ إذا لم یکن عالماً بلغات العرب" نیز علامہ منّاع قطان نے نحو و صرف کے علاوہ معانی، بیان اور بدیع کو بھی مفسّر کے لیے لابدی قرار دیا ہے جس سے ان علوم کی اہمیت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ (دیکھیے

عصر حاضر کے امام اہل لغت حضرت شیخ احمد حسن زیات اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''تاریخ الاَدب العربی'' کے مقدمہ میں عربی زبان وادب کی مرحلہ وار ترقی پر یوں رقمطراز ہیں :

''والآداب العربیۃ اغنی الآداب جمعاء، لاَنھا آداب الخلیقۃ منذ طفولۃ الانسان إلی اضمحلال الحضارۃ العربیۃ...... فکانت لغات الاَمم علی اختلافھا کالجداول والاَنھار، تتآلف، ثم تتشعب، ثم تتجمع، ثم تصب فی محیط واحد، ھو اللغۃ العربیۃ'' یعنی عربی زبان کا ادب تمام زبانوں کے آداب سے زیادہ کامل و مکمل ہے، اس لیے کہ یہ ساری انسانیت کا ادب و کلچر ہے ابتدائے آفرینش سے لے کر عربی تہذیب و تمدن کے پھیل جانے تک، پس اسلام کی آمد کے بعد مضر کی زبان اب صرف ایک قوم کی زبان نہیں رہی تھی، بلکہ یہ ان تمام قوموں کی زبان تھی جو اللہ کے دین میں داخل ہوئی تھیں یا پھر اسلامی دنیا کی آغوش میں آباد تھیں، اس میں ان کے خیالات، تصورات، معانی اور افکار رچ بس گئے تھے، ان کے مختلف لہجوں کے رموز واسرار اس کی زینت بن چکے تھے، پھر یہ عربی زبان اس مرحلے کے بعد دین، مذہب، ادب، علم اور ایک مستقل تہذیب و تمدن کو لے کر دنیا کے کونے کونے تک پہنچ گئی، جو زبان بھی اس کے راستے میں رکاوٹ بنی اسے پچھاڑ کر رکھ دیا، یوں اس میں اوائل اور متقدمین کے علوم وآداب سمو گئے، جیسا کہ یونانی، رومی، فارسی، یہودی، ہندی اور حبشی یعنی زمانہائے دراز تک حوادث

زمانہ کے لگام کو اپنے ہاتھ میں رکھا، جہاں اس نے کئی زبانوں کے اکھاڑ پچھاڑ کا مشاہدہ کیا وہاں اس کا جھنڈا دھوم دھام سے لہراتا رہا ہر قوم وجماعت کے آداب و معارف کے ثمرات ادبی شہ پاروں کو اس نے سینے سے لگایا، لہذا یوں کہا جاسکتا ہے کہ ساری زبانیں چھوٹی نالیوں اور نہروں کی طرح ہیں۔ جو آپس میں مل کر دریاؤں کی شکل اختیار کرجاتے ہیں اور پھر سب مل کر ایک سمندر میں ان سب کا پانی گرتا ہے اور وہ ''سمندر'' عربی زبان'' ہے۔

: تھوڑا سا آگے چل کر مزید لکھتے ہیں

تہذیبی غلامی سیاسی غلامی سے بدتر ہے، کیوں کہ سیاسی غلامی میں جسمانی غلامی ہوتی'' ہے جس کا علاج ممکن ہے اور شفاء کی امید کی جاسکتی ہے، جب کہ تہذیب و تمدن اور زبان وادب کی غلامی روحانی غلامی ہے جس میں قوم وملت کی موت پنہاں ہوتی ہے، ''جس کے علاج پر کسی ڈاکٹر وطبیب کو قدرت حاصل نہیں ہے۔

(تاریخ الاَدب العربی۔ احمد حسن زیات)

: شیخ الادب حضرت مولانا اعزاز علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں

لایخفی علیک ان علم الاَدب عبارۃ عن مجموع علوم، وھی: اللغۃ، والصرف، والاشتقاق،'' والنحو، والمعانی، والبیان، والعروض، والقافیۃ، وھذہ الثمانیۃ

اصول الأدب، ورسم الخط، وقرض الشعر، وإنشاء النثر (من الخطب والرسائل والمقالات
والمحاضرات، وهذه الأربعة فروعه)......

وإياك ثم إياك ان تظن كما ظنّ في هذا الزمان الذي سُمّي فيه الجهل علماً والعلم جهلاً، ان شيئاً من هذه العلوم لايحتاج إليه من اراد معرفة القرآن اوالحديث اوكلام العلماء من المتكلمين والمحدثين والفقهاء، واقول (ولااخاف لومة لائم): يمكن ان يعبّر إنسان عمّا في ضميره، ويعرف مايقوله البادي والحاضر (اى البدوي والمدني) من غير معرفة علمَي الصرف والنحو وغيرهما من العلوم، لكن فهم القرآن والحديث وغيرهما كما هو حقه ممن جهل هذه العلوم متعسّر جداً في هذا الزمان......

والعجب كل العجب مما تحدّث به علماء هذا الزمان ان البلوغ إلى ما اريد من آيات الله اوالأحاديث غير متوقف على الصرف والنحو وغيرهما من (العلوم) الواجبات، بل يكفي له معرفة مفردات اللغة فقط، ولعمري، إن هذا الخطأ على خطأ وضلال فوق ضلال، فانهم لوخلعوا هذه الربقة صاروا كالبعير النافر الشارد يذهب حيث شاء لامُمسك له ولاهادي، ومن ههنا ماسمعنا من امثال هؤلاء المتخرجين الذين اتخذوا هذين العلمين وراء هم ظهريا، ان قوله صلى الله عليه وسلم روحي وروح ابي وامي فداه: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" معناه ان المسلم هو الذي سلّم على المسلمين بيده ولسانه۔ يعني مسلمان وه ہے جو مسلمانوں کو اپنے ہاتھ وزبان دونوں سے سلام کرے، یعنی) بوقت سلام،

السلام علیکم کہنا اور ہاتھ کو سر تک لے جانا چاہیئے)۔ افیدونی (ھداکم اللہ) ایھا (العلماء: بأیّ دلیل یُخطّأ ھذا المترجم لولا النحو (مقدمۃ دیوان متنبّی ۲٦/

حضرت شیخ کی عربی چونکہ آسان اور عام فہم ہے اس لیے مستقل ترجمے کی ضرورت نہیں معمولی غور و فکر سے بات سمجھ میں آسکتی ہے۔ البتہ جس انداز سوز و افسوس سے انھوں نے عربی کی اہمیت اُجاگر کرنے کی سعی فرمائی ہے، وہ اس لائق ہے کہ اُسے بار بار پڑھا جائے اور اس سے نصیحت حاصل کی جائے۔

:استاذالکل حضرت علامہ سید محمد انور شاہ الکشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں -

ثم إن من اخص مایحتاج إلیہ الانسان فی فہم الحدیث والتنزیل، واکثر مامسّت الحاجۃ" إلیہ فی التفسیر والتأویل، ھو: فن اللغۃ والأدب، إذ بہ یعرف مزیۃ حوار العرب، وخصائص تراکیبھم، وخواص اسالیبھم، وان المرإ اذا دخل علیھم کیف یرد ویصدر، ویقدّم ویوخر، ویعرّف وینکر، ویحذف ویذکر، ویظھر ویُضمر.

(حوالہ سابقہ)

یعنی قرآن وسنت کے سمجھنے کے لیے جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت کسی شخص کو ہوتی ہے وہ فن لغت وادب ہے، اس واسطے کہ اس کے ذریعے عربوں کی گفتگو کا

اسلوب و امتیاز اور ان کے کلام کی خصوصیات اور ان کے محاورات کا اختصاص پہچانا جاسکتا ہے اور یہ کہ انسان جب ان سے محو گفتگو ہو تو اسے کلام میں دخول و خروج، تقدیم وتاخیر، تعریف و تنکیر حذف و تعبیر اور اظہار واضمار کا طریقہ اس فن سے ہی آئے گا۔

مولانا ابن الحسن عباسی رقمطراز ہیں:

"ادب اخلاق کے چہرہ کے حسن اور انسان کی زبان کی زینت کا نام ہے، کسی زبان کا ادب اس کی ثقافت کا بہترین عکس ہوتا ہے اور ادب ہی ایک ایسا آئینہ ہے، جس میں کسی قوم کی تہذیب و تمدن اس کے اخلاقی ماحول کا معیار اور اس کے معاشرہ کی سطح کی بلندی یا پستی دیکھی جاسکتی ہے۔ قدیم ادب عربی سے واقفیت، اس کے ساتھ ذوق اور اس کی تعلیم و تعلم سے ایک مسلمان کا تعلق محض زبان برائے زبان نہیں، بلکہ عربی دین اسلام کی سرکاری زبان ہے، اسی زبان میں قرآن کریم اُتارا گیا، یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث مبارکہ کی زبان ہے، اسی زبان کو لغۃ الجنۃ کی خلعت سے نوازا گیا اور یہی وہ زبان ہے جسے تمام اسلامی علوم کی "ام اللغات" ہونے کا شرف حاصل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صدر اسلام سے لے کر اب تک مذہبی فریضہ سمجھ کر مسلمان عربی زبان کے ادبی سرمایہ کی حفاظت کرتے رہے ہیں"۔

خود جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار شعر پڑھتے اور اکثر

وبیشتر اپنے شاعر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے سماعت فرماتے اور اچھے اشعار و قصائد پر داد بھی دیتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ گاہے گاہے آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں مندرجہ ذیل مشہور شعر گنگناتے ہوئے داخل ہوتے :

ستُبدی لک الأیام ماکنت جاھلًا

ویأتیک بالأخبار من لم تُزوّد

(الأدب المفرد للبخاری باب الشعر کحسن الکلام)

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ادب عربی کا اور اس کے اشعار کا بڑا لطیف ذوق رکھتے تھے، آپؓ ہی نے فرمایا: علیکم بدیوانکم لاتضلّوا قالوا: وما دیواننا؟ قال: شعر الجاھلیۃ، فان فیہ تفسیر کتابکم ومعانی کلامکم

(مقدمۃ شرح الحماسۃ للتبریزی)

ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی عربی زبان وادب سے مناسبت کا یہ عالم تھا کہ صرف حضرت لبید ابن ربیعۃ رضی اللہ عنہ کے ایک ہزار اشعار ان کو زبانی یاد تھے اور فرمایا کرتی تھیں:

روّوا اولادکم الشعر تعذب السنتہم

(العقد الفرید: ج/۱۲۴/۶)

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ زیاد بن ابی سفیان کے صاحبزادے کا

امتحان لیا، تمام علوم و فنون میں اسے ماہر پایا، مگر شعر و شاعری میں کمزور نکلا، اس پر
:حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے زیاد کو خط لکھا، جس میں یہ الفاظ تھے
"مامنعك ان تروّیه الشعر؟ فواللہ، إن کان العاق لیرویه فیبرّ، وإن کان البخیل لیرویه
(فیسخو، وإن کان الجبان لیرویه فیقاتل" (المُزھر: ۲/۳۱۰۔۳۱۱
حضرت شعبی رحمۃاللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: میں بسا اوقات عبدالملک بن مروان کو
کوئی ادبی واقعہ یا شعر سناتا، ان کے ہاتھ میں لقمہ ہوتا، لقمہ ہاتھ میں لیے رکھتے اور
اس پر ادیبانہ گفتگو کرتے رہتے، میں کہتا: امیرالمؤمنین، لقمہ تناول فرمائیں، بات
:ہوتی رہے گی، تو کہتے
"ماتُحدّثني به اوقع بقلبي من کل لذۃ، واحلی من کل فائدۃ" (إرشاد الأریب: ۱/۹۶۔
(۹۷
:اور اپنے بچوں کے معلّم و اتالیق سے کہتے
"(روّھم الشعر روّھم الشعر، یمجدوا وینجدوا" (العقد الفرید: ۶/۱۲۴
عربی ادب کا ذوق، اس کی طرف اس قدر توجہ اور اس کی ہر قسم کی خدمتیں جو ہو رہی
ہیں، نحوی قواعد پر، صرفی تعلیلات پر، معانی و بلاغت کے ادبی نکات پر، الفاظ کی لغوی
تحقیقات پر، غرضیکہ ایک زبان کے جتنے گوشوں کی لغت کے زاویہ نگاہ سے خدمت ممکن
ہوتی ہے۔ عربی میں ان تمام پر ایک دو کتاب نہیں

پورے مکتبے تیار ہو چکے ہیں اور اس میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے، صرف اس ایک واقعہ سے آپ اس ادبی ذخیرے کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ صاحب بن عباد کو کسی بادشاہ نے اپنے یہاں طلب کیا، تو انھوں نے یہ معذرت پیش کی کہ میں یہاں سے منتقل ہوں تو مجھے ساٹھ اونٹ فن لغت کی کتابیں منتقل کرنے کے لیے چاہئیں (مقدمہ المنجد: ص ۱۴)

ـ

یہ سب سرور دو عالم جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے دین اسلام کی حفاظت اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے محبت کی خاطر ہو رہا ہے کہ :

"محمد عربی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے ہے عالم عربی

(مقدمہ توضیح الدراسۃ شرح دیوان الحماسۃ باختصار و تغییر)

گنگ اسلام یا بہرے مسلمان

اسلام کو اگر پیکرِ حسن وجمال ایک پریرُخ انسان تصور کیا جائے ،یا مستحکم وپائیدار ایک ادارہ مانا جائے ،یا پھر طاقتور اور عالمی اثرورسوخ والا ایک عظیم ملک تصور کیا جائے ،تو عربی کو اس کی زبان ،یا ترجمان یا وزارت اطلاعات ونشریات فرض کیا جاسکتا ہے ،اب خود ہی ملاحظہ فرمایئے کہ انسان کے پاس زبان نہ ہو ،ادارہ اور وہ بھی نظریاتی وفکری اس کے پاس ترجمان نہ ہو ،پوری دنیا میں اپنی سوچ پھیلانے والے ملک کے پاس وزارت اطلاعات نہ ہو ، توکارکردگی کتنی مضمحل اور کمزور ہوگی ،اہداف حاصل کرنے میں کتنی تاخیر ہوگی ،دوسروں کو قائل وقانع کرنے میں کتنی بڑی دقت پیش آیگی ،اس کا اندازہ لگانا کسی بھی عام سے آدمی کے لئے کوئی مشکل مسئلہ نہیں ، بغیر عربی زبان کے عجمی اسلام کو ان مثالوں سے بخوبی پہچانا جاسکتا ہے ،علامہ اقبال مرحوم نے یوں ہی تو نہیں کہا تھا کہ عجم تا ہنوز اسلام کے رموز سے ناواقف ہیں ۔
یہاں لوگ کہتے ہیں کہ اللہ تعالٰی دلوں کے بھیدوں کو جانتے ہیں جس بھی زبان میں آپ اللہ کو مخاطب کرنا چاہیں ،ان سے کچھ مانگنا چاہیں ،مانگ سکتے ہیں ، کہ

وہ سب زبانوں کو جانتا ہے، یہ ٹھیک ہے آپ انہیں کسی بھی طرح مخاطب کرنا چاہیں، تو آپ کر سکتے ہیں، لیکن اگر آپ ان کی سننا چاہیں، ان کے حقیقی احکامات وفرامین سننا چاہیں، تو اس کے لئے عربی زبان جاننا ضروری ہے کہ یہ ان کا انتخاب ہے، وہ آپ سے عربی ہی میں مخاطب ہے، یہ تو ان کا کمال ہے کہ آپ کو ہر طرح اور ہر زبان میں سن بھی سکتا ہے، سمجھ بھی سکتا ہے مگر آپ سے تخاطب وہ افصح اللغات ہی میں کرتا ہے،
آپ تو صرف ان کو سنا سکتے ہیں، ان کی کیا سنیں گے اور کیا عمل کرینگے، جب آپ ان کی اختیار کردہ زبان ہی کو نہیں سمجھتے، یا نعوذباللہ آج کل کے لوگوں کی طرح آپ بھی اللہ کو یہ کہنا چاہتے ہیں کہ آپ اپنا کلام اپنے پاس رکھیں، مجھے اس کی ضرورت نہیں بس میری سنیں۔

ہمارے علماء حضرات جب کسی کو سفر وحضر میں امیر بناتے ہیں، تومزاح مزاح میں ساتھ یہ بھی کہتے ہیں، امیر تو آپ ہی ہوں گے لیکن چلیگی ہماری۔ کیا ہم بھی اللہ تعالی کو یہی کہنا چاہتے ہیں، کہ آپ کے قرآن وحدیث کی عربی ہمیں سمجھنے کی چنداں ضرورت نہیں، آپ کے فرمودات کی حاجت نہیں، یہ باتیں ہم بار بار سن چکے ہیں، بس آپ حاکم اور ہم محکوم، لیکن چلیگی ہماری۔ عجیب تماشا ہے، لوگ غلط کام اور بے سروپا دعوی کے لئے ایک اور غلط سے استدلال دھڑلے سے کرتے ہیں۔

کچھ لوگ کہتے ہیں عربی مقصود بالذات نہیں، مقصود بالذات تو زبان بھی نہیں، کان بھی نہیں، ناک بھی نہیں، آنکھ بھی نہیں، ان کے بغیر بھی کام چل جاتا ہے، لیکن ان اعضاء کے بیش بہا فوائد سے انکار کوئی احمق یا پاگل ہی کر سکتا ہے، وضو نماز کے لئے ضروری ہے، لیکن مقصود بالذات نماز ہی ہے، تو کیا کوئی وضو کی اہمیت اور ضرورت سے انکار کر سکتا ہے، یا پھر کیا ہم نے اپنے آپ کو جس طرح عربی سمجھے بغیر نماز، ذکر واذکار، تبشیر و تخویف، امثال و قصص، احکام واوامر کی آیتوں کی حلاوت وشیرینی اور استفادہ وافادہ سے صرف اس لئے محروم رکھا ہوا ہے کہ عربی مقصود بالذات نہیں، تو پھر وضو کے بغیر نماز ہی پڑھنا شروع کیوں نہ کردیں، تاکہ مساجد وجماعتوں میں ہر طرف ہمارے بن دھلے اعضاء کا تعفن اور بدبو بھی رہے، وضو کی فرضیت واہمیت کا اندازہ ہو جائیگا، اسی پر عربی زبان کی فرضیت، ضرورت اور اہمیت کو بآسانی قیاس کیا جاسکتا ہے۔

اسلام کو سمجھنا ہو، یا قرآن وحدیث کے زمزموں سے معمور ہونا ہو، اسلامی تعلیمات کو حرزِ جاں بنانا ہو، یا پھر سیرت، تاریخ، جغرافیا پوری دنیا کے علوم جدیدہ وعصریہ سے گہرا اور ہمہ جہت رشتہ استوار کرنا ہو، تو عربی زبان وادب کو کما حقہ سیکھنا اور سکھانا ہوگا، اس کے بغیر اسلام گُنگ ہے اور اگر عربی آب وتاب کے ساتھ آسمانِ علم وعرفان کے افق پر ایک بھرپور اور روشن آفتاب و

ماہتاب کی طرح موجود ہے اور کوئی مسلمان اس سے ناواقف و نابلد ہے، تو پھر وہ بہرہ ہے، اسلام گنگ نہیں۔ افسوس ۔۔۔یارِ من ترکی و من ترکی نمیدانم۔

سننے میں آیا ہے کہ وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف نے اپنی کابینہ سے مشاورت کے بعد یہ فیصلہ کرلیا ہے کہ اردو کے مآخذ و مصدر، ہماری مذہبی اسلامی اور اقوامِ متحدہ سے عالمی سطح پر باقاعدہ منظور شدہ پانچ انٹر نیشنل میں سے ایک زبان، عربی کو تمام سرکاری و نجی اسکولوں میں لازمی قرار دیا جائے گا، نیز اعلی تعلیمی اداروں میں اس کی صحیح نگہداشت بھی ہوگی، اسے ترقی دینے کے لئے مناسب اقدامات بھی ہوں گے، گویا اب ملک میں یہ مضمون ایک اختیاری اور لاوارث مواد نہیں رہیگا، ان شاء اللہ۔

ویسے ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ پہلے ہی دن 14 اگست 1947 سے اسلام کے نام پر حاصل کئے جانے والے اس ملک میں عربی ہی سرکاری زبان ہوتی، جیساکہ سر آغاخان نے اس کا شدومد سے مطالبہ بھی کیا تھا اور اس حوالے سے کچھ ورکنگ بھی ہوئی تھی، یا پھر کم از کم بطور لازمی واجباری مضمون کے مملکت خداداد کی درسگاہوں میں نافذ العمل ہوتی لیکن چلیں ۔۔۔ صبح کا بھولا ہوا اگر شام کو گھر آجائے تو اس سے بھولا ہوا نہیں کہتے۔

(عربی زبان و ادب کی اہمیت (۲

(اس دوسری قسط میں ہم ان شاء اللہ تعالیٰ ''عربی بطور زبان'' اور ''عربی بطور ادب'' کے متعلق مستقل گفتگو کریں گے، جس میں ہم دونوں کے طرق اکتساب، حصول و تحصیل اور تعلیم و تعلم کے اسالیب اور مروّجہ تجارب پر تفصیلی بحث پیش کریں گے)۔

عربی زبان و ادب کی اہمیت، منفعت اور افادیت صرف اہل علم اور عام مسلمان ہی کے لیے نہیں بلکہ عام انسان کے لیے بھی واضح ہے، اس لیے کہ عربی زبان بطور ''زبان'' کے پوری دنیا میں بولی اور سمجھی جاتی ہے، عرب لیگ میں شامل خود عربوں کے ۲۲ ممالک کے علاوہ عالم اسلام کے اکثر پڑھے لکھے لوگ بھی عربی زبان بقدر کفایت جانتے ہیں۔ نیز عرب دنیا کے اپنے ذرائع ابلاغ کے ساتھ ساتھ دنیا کے بیشتر ممالک میں عربی زبان میں ابلاغیات کا باقاعدہ اہتمام ہے۔

جبکہ عربی زبان بطور ادب و ثقافت کے تو شاید کائنات کے تمام زبانوں سے کہیں زیادہ ادبی ذخیرہ سے مالا مال ہے اور کیوں نہ ہو، اس کو تمام انبیاء و رسل کی زبان ہونے کا شرف حاصل ہے۔ اس کو تمام کتب سماویہ بشمول قرآن کریم کے

ظرف ہونے کا افتخار واعتزاز حاصل ہے۔ سابق مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ فرماتے ہیں :

روایات اس پر متفق ہیں کہ ابوالبشر حضرت سیدنا آدم علیہ السلام کو سب سے پہلے جو" زبان جنت میں بصورت "تعلیم اسماء" سکھائی گئی تھی، وہ عربی تھی، اور اسی زبان کو وہ دنیا میں بولتے تھے، انسان سے پہلے اس دنیا میں جنات کے درمیان کوئی دوسری زبان ضرور رائج ہوگی، لیکن اس میں شبہ نہیں کہ انسان کی سب سے پہلی زبان عربی ہے، ظاہر روایات سے فرشتوں کی زبان کا بھی عربی ہونا معلوم ہوتا ہے۔

امام جلال الدین سیوطی نے ایک روایت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انبیاء سابقین پر جتنی کتابیں نازل ہوئی تھیں وہ سب عربی میں تھیں، ان انبیاء کرام علیھم السلام نے ان کتابوں کا ترجمہ اپنی اپنی قوموں کی زبانوں میں کردیا تھا، یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں یہ تو فرمایا گیا ہے کہ ہر نبی کو قوم کا ہم زبان بھیجا گیا ہے۔ "ومارسلنا من رسول الابلسان قومہ" لیکن یہ نہیں فرمایا کہ وہ آسمانی کتابیں بھی اسی قوم کی زبان میں تھیں، اس قسم کی روایات سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ جس طرح ہر حکومت کی اپنی دفتری زبان ہوتی ہے اور اسی میں فرامین جاری ہوتے ہیں، اسی طرح حکومت الٰہیہ

کی دفتری اور سرکاری زبان عربی ہے، انسان کو سب سے پہلے جنت میں یہی زبان سکھلائی گئی ، دنیا میں سب سے پہلے انسان نے اسی زبان کو استعمال کیا اور عالم آخرت ، برزخ، محشر اور جنت کی زبان بھی یہی عربی ہوگی، اسی عربی زبان میں تمام آسمانی کتابیں نازل ہوئی ہیں۔ عربی زبان کی فصاحت و بلاغت اور اس کی وسعت و سہولت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کا انتخاب ہی اسی لیے فرمایا تھا کہ وہ کُل دنیا کی زبانوں کے مقابلے میں ہر حیثیت سے بہتر اور افضل ہے.........

اللہ جل شانہ نے عربی زبان کو انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے بلکہ اس کی پیدائش سے بھی پہلے پیدا فرمایا تھا دوسری زبانیں طوفانِ نوح علیہ السلام کے بعد دنیا میں رائج ہوئی تھیں، اللہ تعالیٰ کے کلام قرآن مجید کا عربی زبان میں ہونا اس بات کی سب سے بڑی شہادت ہے کہ عربی زبان ہی سب سے پہلے پیدا کی گئی تھی......'' (مقدمہ المعجم: ص ۱۳۔ ۱۴۔ ۱۵)

قرآن وحدیث اور اس کے متعلقہ دیگر علوم و فنون کی عربیت کے علاوہ بہت سے دنیوی علوم و فنون کے اصل مصادر و مراجع کا بڑا حصہ عربی زبان ہی میں ہیں۔ مثلاً علم ہندسہ، جغرافیا، قرض الشعر، فلکیات، تاریخ وغیرہ وغیرہ۔

پھر معاصر دنیا میں سمعی و مرئی و قلمی میڈیا نے عربی زبان کے زمانۂ قدیم کی اصطلاحات ، محاورات ، ضرب الامثال اور لغات و مفردات کو ازسرِنو زندہ

وجاوید کردیا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ عرب دنیا کی سوقی عربی اور اہل علم و فضل کی عربی میں خاصا فرق ہے، مگر مجلات و جرائد، صحائف واخبارات، مواعظ و خطبات درس وتدریس، ریڈیو اور ٹیلی ویژن میں فصیح عربی ہی بولی اور سمجھی جاتی ہے، چنانچہ جب بھی آپ کسی سوقی عربی سے بات کرتے ہوئے اس کو ''عامیہ'' سے فصحی پہ لانا چاہیں، تو ان سے کہہ دیں ''یا شیخ تکلم بالفصحی'' تو وہ فوراً فصیح لغت پر آجائے گا۔ حتی کہ دنیا کے تمام براعظموں کی مشہور ومعروف جامعات، کلیات اور دانش گاہوں میں عربی زبان کے شعبے اور ڈپارٹمنٹ اسی مقصد کے لیے چلائے جارہے ہیں تاکہ انسانیت اپنی اس عظیم عربی ورثے کے توسط سے باہمی ارتباط قائم رکھ سکے۔ دنیا کی بین الاقوامی تسلیم شدہ زبانوں (عربی، انگریزی، روسی، چینی، فرانسیسی) میں سب سے زیادہ افرادی قوت بھی عربی زبان کو حاصل ہے۔ مسلمانوں کی عظیم الشان علمی، سیاسی اور تمدنی تاریخ کی وجہ سے دنیا کی ان چار بڑی زبانوں نے بھی عربی زبان سے کافی استفادہ کیا ہے، صرف انگریزی زبان میں دس ہزار عربی الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔

عربی زبان کی وسعت کا اندازہ آپ اس سے لگایئے کہ حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ جو فقہ، حدیث و تفسیر کے ساتھ عربی ادب و شاعری کے بھی امام تھے ،فرماتے ہیں: ''عربی وسیع ترین زبان ہے، اس کے تمام لغات کا احاطہ نبی کے سوا کسی عام انسان کے بس کام کام نہیں ہے'' نیز علامہ سیوطی نے عربی زبان کی

تعلیم و تعلم کو فرض قرار دیا ہے'' (حوالہ سابقہ)۔

مسلم وغیر مسلم کی تفریق کے بغیر ایک عام آدمی کے لیے ہی عربی کی یہ اہمیت افادیت اور منفعت بیان کی گئی۔ اہل اسلام کے لیے عربی زبان کس قدر ضروری ہے اس کے لیے محدث العصر حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری رحمۃ اللہ علیہ کا قدرے طویل اقتباس پیش خدمت ہے:

اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی محکم رشتہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔ اسلام کا قانون'' عربی زبان میں ہے۔ اسلام کا آسمانی صحیفہ۔ قرآن حکیم۔ عربی زبان میں ہے۔ اسلام کے پیغمبر خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی زبان عربی ہے۔ حضرت رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تمام تر تعلیمات، ہدایات اور ارشادات کا پورا ذخیرہ عربی زبان میں ہے۔

اسلام کی اہم ترین عبادت صلوۃ (نماز) جس کو روئے زمین کے تمام مسلمان اپنے اپنے ملکوں میں روزانہ پانچ وقت پڑھتے ہیں وہ عربی زبان میں ہے۔ یہ نماز ہی توحید اسلام کا اعلیٰ ترین مظہر اور دین اسلام کی بنیادی عبادت ہے۔ پھر ہفتہ واری اسلام کا پیغام۔ جمعہ کا خطبہ۔ عربی زبان میں ہے۔ سال میں دو مرتبہ عمومی واجتماعی پیغام۔ عیدالفطر اور عیدالاضحیٰ کا خطبہ۔ تمام دنیا میں عربی زبان میں پڑھا جاتا ہے۔

حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے امت کی رہنمائی کے لیے جو عجیب وغریب اذکار ودعائیں صبح سے شام تک ہر محل اور ہر موقع اور ہر کام کے لیے تلقین فرمائی ہیں، عبد ومعبود کے درمیان تعلق ورابطہ پیدا کرنے یا اس رشتہ کو مضبوط کرنے کے لیے جن سے زیادہ موثر اور کوئی تدبیر نہیں ہے وہ سب عربی میں ہیں۔ بارگاہ قدس رب العالمین اور تجلیات الہیہ کا سرچشمہ جس سرزمین میں واقع ہے مکہ مکرمہ زادہا اللہ تعالیٰ شرفا وتعظیما وتکریما ومہابۃً۔ وہ عرب ہے اور وہاں کے باشندوں کی زبان عربی ہے۔

سیدالکونین رسول الثقلین حضرت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم کی اقامت گاہ اور دارالہجرت جس سرزمین مقدس میں واقع ہے۔ مدینہ منورہ زادہا اللہ تعالیٰ نورا وطیباً۔ وہ عرب ہے اور اس کے بسنے والوں کی زبان بھی عربی ہے۔ مکہ معظّمہ جس طرح عدنانی عرب کا مرکز تھا اسی طرح ہجرت کے بعد مدینہ طیبہ قحطانی عرب کا مرکز بن گیا اور ان دونوں مرکزوں کی زبان اور تہذیب عہد قدیم سے آج تک عربی ہے۔ دونوں قوموں عدنانی اور قحطانی عربوں کا سرمایہ تاریخ وادب عربی زبان میں ہے۔ قرآن کریم اور اسلام کے پہلے مخاطب جزیرۃ العرب میں بسنے والی پوری آبادی عرب ہے۔ جزیرۃ العرب سے باہر اسلام کے دو اہم ترین مرکز عراق وشام ہیں۔ دونوں ملک عربی زبان اور تہذیب کا گہوارہ تھے اور

ہیں۔

مصر، لیبیا، سوڈان، مغربی افریقہ، الجزائر، تیونس اور مراکش وغیرہ سب عربی بولنے والوں کے مرکزی مقامات ہیں اور شمالی افریقہ کی اکثریت کی زبان بھی عربی یا بگڑی ہوئی عربی ہے۔ صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کے زمرہ میں شامل عرب فاتحین جو اسلامی فتوحات کے سلسلہ میں سندھ و ہند، افغانستان و بخارا سے لے کر اسپین تک نہ صرف پھیل گئے بلکہ ان ملکوں میں بس بھی گئے تھے ان کے ذریعہ ان ملکوں میں بھی عربی زبان پہنچ گئی تھی چونکہ ان ملکوں کے تمام مسلمان قوموں کا دینی سرمایہ عربی زبان میں تھا اس لیے ان ملکوں کی بھی دینی اور مذہبی زبان عربی بن گئی۔

چنانچہ نہ صرف یہ کہ ان ممالک اسلامیہ میں لائق فخر عربی داں پیدا ہوئے بلکہ عجمی ممالک کے ان مراکز سے بھی عربی کے وہ مایہ ناز ماہرین و موجدین علوم و فنون پیدا ہوئے جن کی نظیر کا دنیا تصور بھی نہیں کر سکتی۔ ان ہی عجمی علماء کی بدولت عربی علوم میں صرف و نحو، معانی بیان، بدیع، لغت عربی، رسم الخط، علم الاشتقاق، عروض و قافیہ اور شعر و ادب اور دیگر اسلامی علوم زندہ وتابندہ ہیں۔ تفسیر و اصول، تفسیر حدیث و اصول حدیث، فقہ و اصول فقہ، عقائد و توحید، کلام اور آلیہ علوم۔ منطق، فلسفہ ہیئت ریاضی وغیرہ علوم کا

سارا ذخیرہ عربی زبان میں ڈھل گیا۔ اور نہ صرف یہ، بلکہ عربی زبان کے حقائق فقہ و لغت کی باریکیاں اور حیرت انگیز لسانی خصوصیات عربی تلفظ کی صحت و سہولت کے قواعد و ضوابط اور لسانی حسن و جمال کی نیرنگیاں وغیرہ وہ علمی سرمائے ہیں کہ عربی کے علاوہ دنیا کی اور دوسری زبانوں میں ان کا پتہ تک نہیں ہے۔

الغرض دینی علوم ہوں یا اسلامی تاریخ، وحی الٰہی کا منبع ہوں یا تعلیم و تربیت نبویؐ کا سرچشمہ ،اتحاد اسلامی کا عظیم مقصد ہو یا بین المملکتی سیاسی مفاد و مصالح ہر لحاظ سے اور ہر حیثیت سے عربی زبان کی اہمیت سے انکار جنون کے مرادف ہے۔

عصر حاضر میں بھی صحرائے عرب میں جزیرۃ العرب کے اندر اور جزیرۃ العرب کے باہر اللہ تعالیٰ کی قدرت و مشیت سے جو زر سیّال، پیٹرول اور دوسرے معادن کے ابلتے ہوئے چشمے نمودار ہوگئے ہیں انھوں نے ان بادیہ نشینوں اور خانہ بدوشوں عرب اقوام کی عزت و مجد اور عظمت و ثروت کے اس اعلیٰ مقام پر پہنچادیا ہے کہ آج روس و امریکہ فرانس و برطانیہ جیسے اعداء اسلام بھی اپنے اقتصادی و سیاسی مفاد و مصالح کی خاطر ان بدویوں کی خوشامد پر اس کے لیے عربی زبان سیکھنے اور بولنے پر مجبور ہوگئے ہیں اسی لیے تمام یورپین ممالک کے

لیے عربی زبان وادب کی درسگاہیں کھولنا اوران کو فروغ دینا ناگزیر ہوگیا ہے (عراق کی موجودہ اور سابقہ جنگیں بھی اسی زرسیال ہی کے لیے ہیں)۔

کویت کا صحرا آج وہ دولت وثروت اُگل رہا ہے جس کی بدولت انگلستان کی باغ وبہار قائم ہے۔ اگر آج کویت کی دولت انگلستان کے بینکوں سے نکال لی جائے تو برطانیہ کا دیوالیہ نکل جائے۔ غرض جس طرح عہد ماضی میں روحانی ہدایت کے سرچشمے صحرائے عرب سے پھوٹے آج بالکل اسی طرح مادی دولت وثروت کے سرچشمے بھی اسی سرزمین سے ابل رہے ہیں یہی وجہ ہے کہ دین ہو یا دنیا روحانیت ہو یا مادیت ہر جہت اور حیثیت سے عربی زبان دنیا کی تمام قوموں کے لیے اپنی غیر معمولی اہمیت کی بناء پر قابل توجہ بنی ہوئی ہے۔

عربی زبان سیکھنے کے لیے جہاں تک معمولی نوشت وخواند کا تعلق ہے صرف تین چار ماہ کا عرصہ کافی ہے۔ ہاں عربی زبان وادب کی مہارت اور لسانی علوم وفنون، صرف ونحو، معانی بیان وبدیع اور قرآنی اعجاز کے حقائق تک پہنچنا تو اس کے لیے بیشک عمریں درکار ہیں۔'' (ماہنامہ بینات، محرم ۱۳۸۶ھ

رہی بات اہل اسلام میں طبقۂ علماء، مجتہدین، مفتیانِ کرام اور خواص کی، سو اس حوالے سے محققین اہل سلف کے کچھ اقوال درج کیے جاتے ہیں تاکہ نتیجہ

اخذ کرنے میں کوئی صعوبت نہ رہے۔

خلیفۃ المسلمین سیدنا عمر الفاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''تعلّموا العربیۃ فانھا من دینکم.....'' (ایضاح الوقف والابتداء: ۱؍۱۵)

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو اپنے ایک مکتوب میں حضرت فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ''امابعد، فتفقھوا فی السنۃ، وتفقھوا فی العربیۃ، واعربوا القرآن فانہ عربی''. (اقتضاء الصراط المستقیم ۲۰۷)

تفسیر قرطبی میں ہے کہ مدینہ منورہ کی مسجد نبویؐ شریف میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں ایک شخص نے قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہوئے سورہ توبہ کی اس آیت (إن اللہ بریئی من المشرکین ورسولُہ) کے آخر میں ''ورسولُہ'' کے بجائے ''ورسولِہ'' پڑھ دیا۔ جس کا معنی بالکل کچھ سے کچھ ہوگیا۔ معنی تھا: ''بے شک اللہ جل شانہ مشرکین سے الگ (بیزار) ہے اور اس کا رسولؐ بھی'' اب بکسر اللام پڑھنے کی صورت میں نعوذ باللہ تعالیٰ معنی ہوگا: ''اللہ جل شانہ مشرکین سے اور اپنے رسولؐ سے بیزار ہیں'' جو خطاً فحش غلطی ہے ہی، قصداً کفر تک لے جانے کا باعث بھی ہے۔ مختصراً یہ کہ اس پر حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنا مشہور قولِ فیصل فرمان جاری فرمایا کہ ''لایُقریَٔ القرآن

إلا عالم بالغة'' (مقدمہ تفسیر قرطبی ص ۲۰) کہ قرآن کریم پڑھانے والا لغت عربی کے قواعد وضوابط سے اگر بے خبر ہے تو اس سے تعلیم قرآن کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اب ذرا اپنے ماحول پر نظر دوڑایئے کہ ہمارے یہاں قارئین و مُقرئین قرآن کریم تو درکنار مفسرین قرآن کریم (بلکہ صحیح معنوں میں متفسرین) ایسے بہت سے ہیں جو بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عربی زبان وادب سے بالکلیہ عاری ہوتے ہیں۔ حضرت امام دارالہجرۃ فرماتے ہیں: ''لاأوتی برجل غیر عالم بلغۃ العرب یفسر کتاب اللہ إلاجعلتہ نکالاً'' (الاتقان فی علوم القرآن للسیوطی: ۱/۱۷۹) زرکشی کا بھی اسی طرح کا ایک قول ہے دیکھیے (البرھان فی علوم القرآن للزرکشی: ۱/۲۹۲) جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''من قال فی القرآن بغیر علم فلیتبوأ مقعدہ فی النار۔ (ابوداؤد، بحوالہ الاتقان: ۲/۱۷۹) گویا علمی استعداد کے بغیر قرآن کریم کے متعلق رائے زنی کرنے والا اپنا ٹھکانا جہنم میں بنارہا ہے۔

ابوالزناد اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ: ''ماتزندق من تزندق بالمشرق إلاجھلاً بکلام العرب'' (المدخل إلی العربیۃ) یعنی مشرق میں جتنے زنادقہ پیدا ہوئے وہ عربی زبان وادب سے ناواقفیت کی بناء پر پیدا ہوئے۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے: ''لایُقبل الرجل بنوع من۔

العلوم، مالم يزيّن علمه بالعربية" یعنی قبولیت فی العلم کے لیے عربی سے لگاؤ ضروری ہے۔ نیز ان کا ارشاد ہے: "انفقت فی الحدیث اربعین الفاً، وفی الأدب ستین الفاً، ولیت ماانفقته فی الحدیث، انفقته فی الأدب، قیل له: کیف؟ قال: لأن الخطأ فی الأدب یؤدی إلی الکفر" یعنی حدیث کی تحصیل میں چالیس ہزار درہم خرچ کیے، اور ادب کی تحصیل میں ساٹھ ہزار مگر پھر بھی فرماتے ہیں کہ کاش جو کچھ میں نے علم حدیث کے حصول میں خرچ کیا وہ علم ادب ہی کے حصول میں خرچ کرتا۔ کیوں کہ عربی ادب کی غلطیاں اہل علم کے لیے مفضی إلی الکفر ہیں، سبحان اللہ (سابق حوالہ)۔

امام المفسرین حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ مجھے "فاطر۔ السماوات والأرض" کا معنی نہیں معلوم تھا۔ یہاں تک کہ میں نے ایک عربی خاتون کو انا فطرتہ" کہتے ہوئے سنا، پوچھنے پر اسی نے بتایا "ای ابتداتہ" اسی لیے آپ نے" فرمایا: "إذا خفی علیکم شیء من القرآن الکریم، فابتغوہ فی الشعر، فانه دیوان العرب" کہ جب بھی تم پر قرآن کریم کے کسی لفظ کا معنی مخفی رہے، تو اس سے عربی شاعری میں تلاش کرو، کیوں کہ شعر عربی زبان کا مستند مأخذ ہے۔ آپؓ جب تفسیر پڑھاتے پڑھاتے اکتا جاتے تو نشاط کے لیے فرماتے: "ھاتونی دیوان الشعراء" اور پھر اسے پڑھتے اور پڑھواتے۔ (الاحکام فی اصول الأحکام للآمدی: ۱/۵۱)۔

حضرت شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ نے عربی زبان و ادب اور اسلامی۔ عقائد کے درمیان اعضاء جسمانی کے جوڑوں و مفاصل کے ارتباط کی طرح مضبوط ربط کا (کلام فرمایا ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم : ۱۲۴

حضرت امام رازی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ قرآن و حدیث کے علوم بقدر کفایت۔ حاصل کرنا فرض ہے اور چونکہ قرآن و حدیث کے سمجھنے کے لیے عربی زبان وادب بطور مفتاح و کنجی ہے اس لیے عربی زبان و ادب کی تحصیل بھی فرض ہے ''ومالایتم (الواجب، إلابہ فھو واجب'' (المحصول فی علم اصول الفقہ للرازی: ۱/۲۷۵

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ عربی زبان و ادب کے نابغۂ روزگار ماہر تھے ان کا۔ ارشاد ہے: ''ماأردت بھا''یعنی العربیۃ'' إلا الاستعانۃ علی الفقہ'' (سیر اعلام النبلاء للذھبی: ۱/۷۵)۔

جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''من یُحسن ان یتکلم۔ بالعربیۃ، فلایتکلم بالعجمیۃ فانہ یورث النفاق'' او''من کان یُحسن ان یتکلم بالعربیۃ، فلایتکلم بالفارسیۃ فانہ یورث النفاق'' (مستدرک الحاکم:

یعنی جو شخص اچھی طرح عربی زبان میں تکلم پر قادر ہو تو وہ عربی ہی میں (۷۸/۴
بات کیا کریں تاکہ اعجمی زبان و ثقافت کے مضر اثرات سے محفوظ رہے۔
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''انا افصح العرب بیدانی من قریش'' یعنی میں۔
فصیح ترین عربی ہوں اس لیے کہ میں قریشی ہوں۔
نیز بعض محققین نے اس سے نصف علم قرار دیا ہے ''معرفۃ مفردات اللغۃ نصف العلم،
لأن کل علم تتوقف إفادتہ واستفادتہ علیھا. وحکمہ: انہ من فروض الکفایات..... لأن بہ
تُعرف معانی الفاظ القرآن والسنۃ، ولا سبیل إلی إدراک معانیھما إلا بالتبحر فی علم ھذہ
:اللغۃ'' اور اسی بناء پر کہا گیا

حفظ اللغات علینا، فرض کحفظ الصلاۃ

فلیس یُحفظ دین ،إلا بحفظ اللغات

(مقدمہ القاموس المحیط للفیروز آبادی)

علامہ ابن تجنّی نے فرمایا: جس کا مفہوم یہ ہے کہ اہل اجتھاد و فتاوی کہلانے والا اگر۔
لغت عرب سے ناواقف ہوگا تو وہ ''ضلّ واضلّ'' کا مصداق بن جائے گا (الخصائص:
۲۴۵/۳)

مفسر قرآن کے لیے عربی زبان و ادب کی اہمیت و فرضیت کے متعلق شیخ الاسلام۔
حضرت مولانا محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم رقمطراز ہیں:

نمبر۵: لغت عرب۔ قرآن کریم چونکہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے تفسیر" قرآن کے لیے اس زبان پر "مکمل" عبور حاصل کرنا ضروری ہے (بد قسمتی سے اور تو اور ہمارے عربی مدارس میں بھی قرآن کریم کے تفسیری اسباق اکثر و بیشتر ایسے اساتذہ کے سپرد کیے جاتے ہیں جو نحو و صرف اور عربی ادب میں زیرو ہیں ہی دیگر علوم و فنون میں بھی ید طولی کے مالک نہ ہیں)۔ مستثنیات کی بات الگ ہے قرآن کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کے پس منظر میں چونکہ کوئی شانِ نزول یا کوئی اور فقہی یا کلامی مسألہ نہیں ہوتا اس لیے اُن کی تفسیر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ وتابعینؒ کے اقوال منقول نہیں ہوتے، چنانچہ ان کی تفسیر کا ذریعہ صرف "لغت عرب" ہوتی ہے اور لغت ہی کی بنیاد پر اس کی تشریح کی جاتی ہے، اس کے علاوہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف ہو تو مختلف آراء میں محاکمہ کے لیے بھی علم لغت سے کام لیا جاتا ہے" (مقدمہ معارف القرآن: ۱/۵۱)۔

بعض لوگ فارسی کی اہمیت کے لیے نہیں بلکہ عربی کی اہمیت کم کرنے کے لیے حضرت۔
امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ وعلی اصحابہ کے فتوی جواز صلاۃ بالفارسیۃ سے بار دا استدلال کرنے میں نہیں تھکتے اور فارسی کو اردو اور

انگریزی اور دیگر زبانوں کے لیے بھی بطور مقیس علیہ کے پیش کرتے ہیں۔ فیاسبحان اللہ۔ ایسے حضرات کی خدمت میں عرض ہے کہ جہاں جہاں جواز صلاۃ بالفارسیۃ کا حضرت امام صاحب کا قول منقول ہے وہیں پر آخر میں ان کا رجوع بھی منقول ہے۔ نیز حضراتِ فقہاءِ کرام رحمۃ اللہ علیہم اجمعین نے حضرت کے قول کی تشریح اس طرح کی ہے: ''الخلاف فیما إذا جری علی لسانہ من غیر قصد، اما من تعمد ذلک فیکون زندیقاً اومجنوناً، فالمجنون یُداوی والزندیق یُقتل'' (فتح القدیر: ج ا، ص ۲۴۹، المکتبہ الرشیدیہ (کوئٹہ)

لطیفہ: عالمِ جلیل حضرت ابوبکر محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ کے زمانہ میں کسی مفسد قسم کے شخص نے حضرت سے فتویٰ طلب کیا کہ اس زمانے میں تعلیم وتعلم عربی زبان میں طلبہ پر نہایت شاق ہے، عربی کے بجائے کیا ہم فارسی میں تعلیم بچوں کو دلا سکتے ہیں؟ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ نے پیامبر سے فرمایا کہ آپ جایئے ہم سوچ بچار کرکے جواب دیں گے۔ پھر آپ نے اس شخص (عالم) کے متعلق معلومات کیں، پتہ چلا کہ مذہب ومسلک اور فکر ونظریہ کے لحاظ سے فساد کا شکار ہے اس لیے اس قسم کا استفتاء ارسال کیا ہے توآپ نے اپنے ایک خادم کو خنجر دیا اور فرمایا کہ جاکر ایسے شخص کو قتل کردواور اگر کوئی روکنے کی کوشش کرے تو بتانا کہ محمد بن فضل نے حکم کیا ہے تو اس خادم نے جاکر اسے قتل کردیا، پولیس نے تحقیقات کی اور قضیہ حاکم بلد کو پیش کردیا گیا، حاکم

نے حضرت امام ابوبکر محمد بن فضل کو بلاوا بھیجا، حضرت حاضر ہوئے اور ماجری سنا کر فرمایا: ’’إن ھذا کان یرید ان یُبطل کتاب اللہ تعالی۔
آگے چل کر مصنف یہ بھی لکھتے ہیں: فخلع لہ الأمیر وجازاہ بالخیر‘‘ یعنی یہ شخص کتاب اللہ کا بطلان کرنا چاہتا تھا اس لیے میں نے اسے قتل کروایا اور بطلان کی تفصیل قرآن کی عربیت اور اس کی تیسیر کی بتائی ہوگی جبکہ ان مفسد ومبطل معلم کا کہنا تھا کہ عربی میں تعلیم طلبہ پر شاق ہے۔ بہر حال حاکم نے سزا کے بجائے حضرت شیخ کو انعام دیا اور ان کا شکریہ بھی ادا کیا۔ اس سے کتاب اللہ کے متعلق عربی زبان وادب پر غیرت آجانے کا اندازہ آپ بخوبی لگا سکتے ہیں۔
(فتح القدیر: ۱/۲۳۸۔ ۲۴۹ المکتبہ الرشیدیہ کوئٹہ)

جنگوں میں زخمی وبیمار مقاتلین

حسن اتفاق سے اللہ تعالی نے مجھے دنیا میں موجود تمام ادیان سماویہ اور دیگر غیر الہامی نظامہائے حکومت پر کام کرنے کے مواقع نصیب فرمائے۔ اس حوالے سے ہمارے یہ مذکورہ محاضرات ولیکچرز 500 کے قریب صفحات میں ایک وقیع کتاب: ''مکالمہ بین المذاہب'' کے نام سے منظر عام پر آچکے ہیں، لہذا مجھے کہنے دیجئے، کہ صرف اسلام ہی کیا، مذہب کوئی بھی ہو، بنیادی طور پر وہ خون خرابہ، قتل وقتال، اور لڑائی جھگڑا کا مخالف ہوتا ہے، کیونکہ مذہب کا مقصد دراصل تہذیب اخلاق اور تربیت انسانیت ہے، ایک پرامن، خوشگوار، محبت وآشتی سے لبریز سوسائٹی فراہم کرنا اس کے اولین اور اہم ترین اہداف میں سے ہے، ظاہر سی بات ہے جنگ اور لڑائی اس مقصد کے بالکل متضاد اور متناقض ہیں، اسی لئے بشمول اسلام تمام ادیان الہامیہ اور وضعیہ میں سے کسی نے بھی کبھی جہاد وقتال کو اپنے اساسی اور بنیادی ارکان میں سے نہیں شمار کیا، چنانچہ اسلام کے ارکان خمسہ: توحید، صلاۃ، زکاۃ، صیام، اور حج ہیں۔ تعلیم، تبلیغ اور نصیحت جناب رسالتمآب ﷺ کی رحمۃ للعالمینیت کی وجہ سے سب کی بھلائی کے پیش نظر بطور فرض کفایہ ایک حد تک لازم ہیں، نہ کہ ہر کس پر ہر حال میں۔ چنانچہ سیرت نبوی ﷺ کا مکی دور اس پر شاہد عدل

ہے، لیکن ۔۔۔ انسانیت کی بھلائی، خیر سگالی اور ترقی وتہذیب کے مقابلے میں جب اوچھے ہتھکنڈے عروج پر پہنچ گئے، تو اب ان نازیبا ونامناسب حرکتوں، سازشوں اور تحریکوں کا سدّ باب کرنے اورانہیں قلع قمع کرنے کے لئے مختلف آپریشن کے انتظامات جہاد و قتال کے عنوان تلے کرنے پڑے، بالکل ایسا ہی جیسے چمنستان کے پھولوں کو خس وخاشاک یا خار وتار جب متاثر کریں، ان کی بڑھوتری اور پروان چڑھنے کے بجائے خود ان پھولوں کے مرجھاجانے کا اندیشہ ہو، تو ایسے میں پھر مالی جو کچھ قینچی چلاکر کرتا ہے، وہ سب رحمۃ للعالمین ﷺ کو کرناپڑا۔

آج میں اس پلیٹ فارم کے توسط سے اقوام عالم کو اپنی یہ آواز پہنچانا چاہتا ہوں کہ اسلام میں اسی نقطۂ نظر کو ملحوظ رکھکر اقدامی اور دفاعی جہاد دونوں ہیں، دفاعی جہاد پر تو اعتراض کوئی غائب الدماغ اور احمق ہی کرسکتاہے، البتہ اقدامی جہاد پر اعتراض انجانے میں اچھے خاصے سمجھدار لوگ بھی کردیتے ہیں۔

بات دراصل یہ ہے کہ اسلام میں دفاعی جہاد اور اقدامی جہاد کا تصور اس کے اسباب وعوامل اور موجبات ومحرکات کی وجہ سے ہے، اقدامی جہاد کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہے اور نہ ہی یہ زمینی یاتاریخی حقیقت ہے کہ جہاں کہیں کفر یا کافر، نفاق یا منافق ہیں انہیں تہ تیغ کیاجائے، کیا ہمارے درمیان ذمی نہیں رہتے، کیا ہمارے چاروں طرف ہمیشہ، غیر مشرف باسلام انسانوں کی مختلف

سوسائٹیاں اور ممالک نہیں ہیں، کیا ہمیں قرآن کریم نے ”لااکراہ فی الدین“ کا ایک عظیم الشان کلیہ نہیں بتلایا، کیا عہد، نبوی ﷺ میں مدینے میں منافقرہائش پذیر نہیں تھے، کیا مستشرقین، مؤرخین اور دیگر معلومات تک دسترس اور رسائی رکھنے والے لوگ اور ادارے ان حقائق سے بخوبی واقف نہیں ہیں، سب کو پتہ ہے، مگر کافرانہ عناد منافقانہ حسد، ہٹ دھرمی، کبر و غرور، دنیاوی ادنی سے ادنی مفادات نے انہیں سچ کہنے، سے روکے رکھا ہے، اسلام نے جس اقدامی جہاد کا نظریہ دیا تھا، وہی نظریہ آج دنیا میں مہذب کہلانے والی قوموں نے ”گرم تعاقب“ کے عنوان تلے اپنایا ہوا ہے، یعنی جہاں کہیں ان کے ملکوں، سیاسی یا جمہوری نظریات اور ان کے مفادات کو نقصان پہنچانے کے تانے بانے بُنے جاتے ہوں، اس طرح کے نیٹ ورکز پر قبل از اقدام و قبل از وقت حملہ کیا جائے، اور ان کے سازشی، تخریبی، اور دہشت گردانہ نظم کو توڑا اور تہس نہس کیا جائے، اسلام نے بھی یہی کیا تھا اور کر رہا ہے۔

اس تمام تر سمع خراشی و بصر خراشی سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ اسلام کا ہر دو طرح جہاد و قتال خواہ دفاعی ہو یا اقدامی وہ حقیقت میں انسانیت کے دشمن قول و عمل اور فکر و نظر کا تعاقب اور رد عمل ہوتا ہے، اور یہ سب ہی جانتے ہیں کہ رد عمل اور تعاقب کسی لانگ ٹرم اسٹریٹیجی کا حصہ نہیں ہوتے ہیں، بلکہ ایک تکنیک اور ضرورت ہوتی ہے، جو محظورات کو بھی مباح کر دیتی ہے“، پھر یہ ”

بھی سب کو معلوم ہے کہ ضرورتیں ہمیشہ کے لئے بقدر ضرورت ہی ہوتی ہیں، شیطانی حربے بقائے انسانیت کے ساتھ باقی رہینگے لہٰذا بطورِ ضرورت جہاد وقتال کا یہ سلسلہ بھی تا دمِ آخر باقی رہیگا۔

اب جب یہ ثابت ہوچکا کہ اسلام چونکہ بنیادی طور پر ضرب وحرب کا طلب کنندہ مذہب نہیں ہے، اسلئے جنگوں میں اسلام نے موجودہ بین لاقوامی انسانی قوانین کی تدوین وترتیب سے سینکڑوں سال قبل کچھ اخلاقیات اور ضوابط کا تعین کردیا ہے،تاکہ بے محابا انسانیت اور کائنات کا نقصان نہ ہو، نیز یہ کہ بلاضرورت شدیدہ سفک دماء اور قتل وگردن زدنی سے بچاجاسکے۔۔۔۔۔چنانچہ اسلام نے زخمی، معذور،مزدور، مریض، ہتھیار ڈالنے والے، قیدی، عابد،مذہبی پیشوا،بوڑھے، بچے، خواتین، معالجین واطباء، کھانے پکانے والے، خدام،بھاگنے والے،امان طلب کرنے والے،عام شہری، باغات درخت اورمفاد عامہ کے وسائل کو تلف وہلاک کرنے پرپابندی لگائی ہے نیزاپنے پیروکاروں کو سختی سے اس پر کاربند رہنے کی تلقین کی ہے، گویا اسلامی نقطۂ نظر سے جنگ میں صرف اورصرف ''مقاتل من حیث انہ مقاتل'' ہی ہدف ہے اور بس۔۔۔۔ بلکہ مذکورہ بالا متاثرہ افراد وممتلکات کو بروقت تحفظ فراہم کرنے کے لئے اسلام ہی نے جنگ میں ''وقفے'' کا تصور بھی دیاہے۔مزیدیہ کہ اسلام نے مثلہ کرنے، نعشوں کی توہین کرنے اورانہیں بے گور وکفن چھوڑنے سے بھی منع کیاہے۔ نیزاسلام نے

جنگی چالوں، حکمت عملی اور تکنیک کی تو اجازت دی ہے، مگر جنگ میں دھوکہ دہی اور غدر کو سختی سے ناجائز وممنوع قرار دیا ہے، صرف یہ نہیں مذکورہ اخلاقیات کی اگر کہیں تنفیذ میں کوتاہی کی گئی ہے، تو اسلامی تاریخ اور اسلامی فقہ کے مراجع وامہات الکتب کے مطالعے سے معلوم کیا جاسکتاہے، کہ ان کوتاہیوں کے مرتکب افراد و مجموعات کے لئے بروقت سزاؤں کی تعیین بھی کی گئی ہیں اور وہ سزائیں نافذ بھی کی گئی ہیں۔

اس تناظر میں اگر دیکھا جائے، تو حقیقی معنوں میں زخمی اور بیمار مقاتل چونکہ خود بخود مقاتل کی صفت سے محروم ہوجاتاہے، اب چونکہ اس میں قتال کی سکت باقی نہیں رہتی اس لئے اسلام کی نظرِ عدل وانصاف اور ترحم میں وہ ان تمام حقوق کا مستحق ہوجاتاہے، جن کا غیر مقاتلین شرکائے میدانِ قتال استحقاق رکھتے ہیں، لہذا یہ دونوں قسم کے، سابق مقاتلین اور حالاً غیر مقاتلین اُن تمام رعایتوں اور آسائشوں کے مالک بن جاتے ہیں، جن کے متعلقہ علاقے سے وابستہ عام غیر مقاتلین شہری مستحق قرار پاتے ہیں، بشرطیکہ یہ زخمی اور بیمار گرم جنگ سے لا تعلق ہوجائیں۔اسی دعوی پر اب ہم تاکید المؤکد کے طور پر چند اقتباسات کچھ تغیرات واضافات کے ساتھ یہاں نقل کرنا چاہینگے: ''القانون الانسانی الدولی'' کے شہرۂ آفاق ماہر ڈاکٹر عامر الزمالی رقمطراز ہے

قانون انسانیت پر بحث اس کی اصل یعنی 'انسانیت' کا جائزہ لئے بغیر نہیں کی جا سکتی۔" جنگ انسانی افعال کا نتیجہ ہوتی ہے اور کسی کے لئے ممکن نہیں کہ وہ انسانیت کو نظر انداز کر دے۔ بین الاقوامی قوانین، چاہے رواجی ہوں یا تحریری شکل میں مدون شدہ، اپنے احکام کے ذریعے اسی حقیقت کو ظاہر کرتے ہیں۔ یہ قوانین لازم ٹھہراتے ہیں کہ جنگ کے متاثرین کے ساتھ انسانیت کا معاملہ کیا جائے، یعنی ان کی آبرو، جان اور مال کا احترام مد نظر رکھا جائے۔ اسلام نے بھی انسان کی تکریم کا بنیادی قاعدہ دیا ہے۔ اسلامی قانون کا یہ بنیادی قاعدہ قرآن کریم کی مندرجہ ذیل آیت سے ماخوذ ہے :

وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ولاتعتدوا، ان اللہ لایحب المعتدین)۔ (البقرۃ (آیت ۱۹۰)۔،

اس آیت نے قتال کا عمل مقاتلین تک محدود کر دیا ہے اور اعتداء سے نفی اس بات کا تقاضا کرتی ہے کہ جنگ میں بھی کچھ خاص حدود کی پابندی لازم ہو۔

ہم جانتے ہیں کہ بین الاقوامی قانونِ انسانیت کے معاہدات نے ان مخصوص انسانی گروہوں کے لئے مخصوص احکام وضع کیے ہیں، مگر ان تمام معاہدات کا بنیادی ہدف ایک ہے، اور وہ ہے "انسانیت" پر مبنی سلوک۔

تاریخ اسلام پر نظر ڈالیں تو نظر آتا ہے کہ اسلامی افواج میں طبی امداد دینے

والے اور علماء و قضاۃ شامل رہے ہیں اور پوری کوشش کی جاتی تھی کہ وہ اپنے فرائض منصبی سہولت کے ساتھ ادا کریں، تاریخ اسلام کے اولین معرکوں میں خواتین نے مریضوں اور زخمیوں کی تیمارداری کا کام بھی کیا ہے۔ڈاکٹر زمالی نے آگے چل کر ایک اور کلیہ بھی بیان کیا، لیجئے وہ لکھتے ہیں:

انسانی قوانین کے جدید ترین معاہدات میں سے ہم بین الاقوامی انسانیت کے جنیوا معاہدات ۱۹۴۹ء کے پہلے اضافی ملحق کا ذکر کریں گے جو ۱۹۷۷ء میں وضع کیا گیا۔ اس ملحق کی دفعہ ۴۸ میں اس قاعدے کا ذکر ان الفاظ میں ہے: ''جنگ کے فریق، عام شہریوں، مقاتلین، شہری آبادی اور جنگی اہداف میں تمیز کریں گے اور صرف جنگی اہداف کے خلاف اقدام کریں گے۔''

بین الاقوامی عرف پر مبنی یہ قاعدہ جدید جنگی قوانین اور اعراف کی بنیاد ہے، اور اس کا ان واضح اور دوٹوک الفاظ میں معاہدے میں اندراج اس بات کو مزید مؤکد کرتا ہے کہ ہر طرح کے جنگی حالات میں اس قاعدے کی پابندی ضروری ہے، ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ ''غیر مقاتلین'' کی اصطلاح ''شہری'' سے زیادہ وسیع ہے کیونکہ غیر مقاتلین مسلح افواج کے اندر بھی پائے جاتے ہیں، مثلاً طبی خدمات مہیا کرنے والے اور مذہبی رسوم ادا کرنے والے افراد، زخمی اور بیمار مقاتلین بھی اسی زمرے میں آتے ہیں۔

مقاتلین اور غیر مقاتلین اور جنگی اہداف اور شہری آبادی کے درمیان تمیز کے قاعدے کے تحت یہ ناجائز ہے کہ عام شہریوں ، لڑنے کی قدرت کھو دینے والے افراد جیسے زخمیوں ، مریضوں ، ڈوبتے ہوؤں ، قیدیوں اور جنگی ہوائی جہاز کھو دینے کے بعد پیراشوٹ میں اترتے پائلٹ ، کو نشانہ بنایا جائے، طبّی خدمات یا مذہبی رسوم ادا کرنے والے افراد ، خواہ وہ فوجی ہوں یا شہری ، نیز شہری دفاع کے عملے اور امداد فراہم کرنے والی بین الاقوامی فلاحی تنظیموں ، یا اس کام کے لئے اجازت رکھنے والی مقامی تنظیموں کو بھی یہی تحفظ حاصل ہے۔ اسی طرح بین الاقوامی قانون انسانیت تمام فریقوں پر یہ لازم کرتا ہے کہ وہ کسی ایسی چیز کو نقصان نہ پہنچائیں، جسے جنگی ہدف قرار نہ دیا جاسکتا ہو ، ان میں پُل، شاہراہیں، ڈیم ، بند ، بجلی پیدا کرنے والا جوہری پلانٹ ، انسانی زندگی کی بقاکے لئے ضروری سامان، محفوظ ، اور غیر عسکری علاقے ، وہ علاقے جن کو فوجی حفاظت میسر نہ ہو اور ثقافتی مراکز ، یہ سب شامل ہیں ، بین الاقوامی قانون انسانیت کی طرف سے دی گئی یہ حفاظت ان افراد اور سامان کو اس وقت تک شامل رہتی ہے، جب تک قانوناً محفوظ کوئی شخص کسی جنگی کاروائی میں حصہ نہیں لیتا، یا پھر قانوناً محفوظ کسی مقام کو جنگی مقاصد کے لئے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بین الاقوامی قانونِ انسانیت ان قانوناً محفوظ افراد کے خلاف انتقامی کاروائی کرنے سے بھی روکتا ہے اور اسی قسم کے افعال سے کچھ خاص زمروں میں آنے والی املاک اور اشیاء کو بھی نقصان پہنچانے کی ممانعت کرتا ہے ، اسی طرح

اگر کسی فرد یا جگہ کے بارے میں شبہ ہو اور قرائن سے ان کا غیر عسکری ہونا معلوم ہوتا ہو، تو قانوناً اس کو غیر عسکری ہی سمجھا جائے گا، بین الاقوامی قانونِ انسانیت جنگ کے تمام فریقوں پر لازم کرتا ہے کہ وہ اندھا دھند حملوں سے گریز کریں اور اپنے اہداف کے بارے میں یہ معلوم کرلیا کریں کہ وہ کس نوعیت کے ہیں ؟

اوپر مذکورہ بنیادی یہی فرق اسلامی شریعت کے اساسی قواعد میں سے ہے۔ اسلامی شریعت کلی جنگ (totel wer) کو روا نہیں رکھتی ، اور جنگی کاروائی کو وقت ، جگہ اور ہدف کے لحاظ سے محدود رکھتی ہے ، عام احکام بیان کرنے والی قرآنی آیات کے علاوہ خاص (جنگی) احوال سے متعلق قرآنی آیات ،احادیث نبوی ﷺ ، خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور اسلامی لشکروں کے کمانڈروں کے فرامین کو بنیاد بنا کر فقہاء کرام نے مقاتلین اور غیر مقاتلین کی تحدید کے لئے قواعد مرتب کئے ، احادیث نبوی ﷺ کے ضمن میں ہم دیکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے کچھ معین لوگوں پر حملے سے منع فرمایا ، جیسے عورتیں ، بچے ،مزدور اور خانقاہوں میں رہنے والے ۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ۱۰ھ ۶۳۲ء میں مسلمان افواج سے اپنے پہلے خطاب میں جنگ سے متعلق احکام کی یہ بنیادیں فراہم کیں :

اے لوگوں ! ٹھہرو ! میں تمہیں دس چیزوں کی وصیت کرتا ہوں ۔ ان کی پابندی کرنا: خیانت مت کرو۔ مال غنیمت میں سے چوری نہ کرو۔ عہد شکنی مت کرو۔

مثلہ مت کرو۔ بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو مت مارو۔ کھجور کے درخت نہ کاٹو۔ نہ ہی انھیں جلاؤ۔ پھل دینے والے درخت مت کاٹو۔ بکری، گائے اور اونٹ ذبح نہ کرو، الایہ کہ کھانے کی ضرورت ہو، تم راستے میں ایسے لوگوں کو دیکھوگے جنھوں نے دنیا چھوڑ کر خانقاہوں میں پناہ لے رکھی ہے؛ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دو۔ تم ایسی قوم سے ملوگے جو تمھارے پاس اپنے برتنوں میں مختلف انواع کے کھانے لائیں گے؛ پس جب اس میں سے کھاؤ، تو اس پر اللہ کا نام ضرور لینا۔"

یہی وجہ ہے کہ اگر عسکری ہدف حاصل ہوجائے اور دشمن مغلوب ہوجائے تو پھر جنگی کارروائی کو مزید جاری نہیں رکھا جاسکتا۔

(بین الاقوامی قانون انسانیت اور اسلام۔ ص: ۲۱۷ سے ۲۲۱ تک)

اس قانون کے ایک اور ماہر احسان ہندی لکھتے ہیں:

اسلام باقی مذاہب سے اس طور پر مختلف ہے کہ یہ صرف مذہب ہی نہیں بلکہ قانون بھی ہے اور یہ قانون کامل ہے جو زندگی کے تمام پہلوؤں کا، جن میں زمانۂ امن وجنگ میں دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات بھی شامل ہیں، کا احاطہ کرتا ہے۔

ہم جانتے ہیں کہ اسلامی قانون کے تین بنیادی مصادر ہیں: قرآن، کریم، سنت مطہرہ اور اجتہاد۔ یہی تین مصادر اسلام میں قانونِ جنگ کے لئے بھی ہیں، جنھوں نے اس قانون کی تشکیل وارتقا میں، جسے اب بین الاقوامی قانون

انسانیت کہا جاتا ہے ،اہم کردار ادا کیا ہے ۔مثلاً دوسری اقوام کے افراد کے ساتھ زمانۂ امن وجنگ میں رویے اور طرز عمل کے متعلق قرآن کریم میں بہت سے قواعد مذکور ہیں جنھیں گویا ''دستور'' کی حیثیت حاصل ہے ۔ پھر قرآن کریم میں مذکورہ اس دستور کی تفسیر اور تکمیل حدیث شریف نے کی اور یہ گویا ''قانونی قواعد'' ہوئے ۔اس کے بعد فقہی اجتہاد، جس میں خلفائے راشدین کی ہدایات بھی شامل ہیں ، نے اس قانونی نظام کی تشکیل کی جسے ''عرب مسلمانوں کے جنگی ادب'' کا نام دیا جاسکتا ہے ۔ اسلامی بین الاقوامی قانونِ انسانیت کو ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں : ۱ - وہ حالات جن میں اسلام جنگ کی اجازت دیتا ہے ۔۲- اسلام میں اعلان جنگ کا طریقہ ۔۳-جنگ میں مسلمان مجاہدین کا کردار ۔۴- اسلام میں قیدیوں کے ساتھ سلوک اور غنائم کے احکام ۔

قدرتی طور پر یہ ناممکن ہے کہ ہم یہاں ان تمام چار حصوں کا پورا حق ادا کر سکیں ،اس لیے ہم یہاں صرف تیسرے حصے کا خلاصہ ہی پیش کرتے ہیں،وہ یہ کہ مسلمان مجاہدین دوسری اقوام کے افراد کے خلاف جنگ میں جن قواعد کی پابندی کرتے تھے ،ان کی حیثیت محض عام اخلاقی اصولوں یا ان کے کمانڈر اور حکمرانوں کی ہدایات کی سی نہیں تھی ،بلکہ وہ ایسی شرعی ذمہ داریاں تھیں جن میں اکثر کا قرآن وسنت میں صراحتاً ذکر ہے اور جن کی خلاف ورزی کرنے والوں کو صرف ان کے کمانڈروں کی جانب سے ہی سزا نہیں ملتی تھی ،بلکہ وہ اخروی زندگی میں بھی

اس کے عقاب سے خائف رہتے تھے۔

قانون جنیوا" مسلح تصادم کے متاثرین، یعنی قیدیوں، زخمیوں اور مقتولین، کے حقوق مقرر کرنے کے علاوہ مقاتلین اور غیر مقاتلین کے درمیان تمیز کو لازم قرار دیتے ہوئے لازم کرتا ہیں کہ طاقت کا استعمال صرف مقاتلین تک ہی محدود ہو۔ یہ قواعد ۱۹۲۹ء اور ۱۹۴۹ء کے جنیوا معاہدات میں پائے جاتے ہیں۔ اس کے بعد ۱۹۴۹ء کے چار جنیوا معاہدات کے اضافی ملحقات آئے، جنھوں نے ان دونوں قسم کے قواعد کو یکجا کیا اور متاثرین جنگ کی حفاظت کے قاعدے میں توسیع کے علاوہ طاقت کے استعمال کو مزید قیود کا پابند کردیا۔ اگر ہم ان قواعد کی بات کررہے ہیں، جن کی تدوین بین الاقوامی برادری نے انیسویں صدی کے اواخر اور بیسویں صدی میں کی، تو دوسری طرف اسلامی شریعت نے نزول قرآن کی ابتدا سے ہی، اور پھر رسول کریم ﷺ اور خلفائے راشدین کے عملی نمونوں اور فقہائے کرام کے اجتہاد اور اسلامی قانون کے قواعد عامہ کی تدوین کی شکل میں، مسلح تصادم کے متاثرین کی حفاظت کے لئے تفصیلی احکام بہت پہلے وضع کئے۔ ہم بیان کرچکے ہیں کہ جنگ کی اجازت اسلام میں محض ایک ناگزیر ضرورت کے طور پر ہے اور یہ کہ یہ جنگ صرف عُدوان کے خاتمے کے لئے ہے، پس ضروری ہے کہ طاقت کے استعمال کا جواز اس قید کے ساتھ مشروط ہو کہ وہ صرف اپنے ہدف تک ہی محدود رہے اور اس سے تجاوز نہ کرے۔ اس تمام تر گفتگو سے مسلح تصادم اور

خلفشار میں طبّی خدمات وسہولیات اور ہر قسم کے غیر مقاتل افراد واداروں کے حقوق اور ان کے لئے موجود رعایتوں کا اندازہ بڑی آسانی سے لگایا جاسکتا ہے۔

نوٹ: یہ مقالہ icrc اور icrh کے حوالے سے بین الاقوامی انسانی قانون کے تحت دو روزہ گذشتہ دنوں منعقدہ سیمینار ''بیسٹ ویسٹرن'' ہوٹل ،اسلام آباد میں پڑھا گیا اس سیشن کی صدارت مفتی محمد رفیع عثمانی کر رہے تھے۔

ترکی یورپ اور ایشیا کا سنگم

جمہوریہ ترکی ایک مضبوط اور پائیدار اسلامی مملکت ہے، جہاں کے ۵۰ ملین باشندوں میں سے ۹۹ فیصد مسلمان ہیں، ترکی اپنے ممتاز و منفرد محل و قوع کے اعتبار سے ایک خاص وقعت کا حامل ہے، کیونکہ اسکی زمین دو براعظموں ایشیا اور یورپ میں پھیلی ہوئی ہے۔ ۵۰۰۰ قبل مسیح میں یہ مملکت متفرق تہذیبوں اور ثقافتوں کا مرکز رہا ہے، خیال کیا جاتا ہے کہ ان ۷۰۰۰ سالوں کے دوران اس مملکت میں تقریباً ٦ تہذیبوں وثقافتوں نے جگہ پائی، لیکن ان میں آخری شہنشاہیت خلافتِ عثمانیہ کی تھی جس کو دنیا کی عظیم شہنشاہیتوں میں شمار کیا جاتا ہے، اسی شہنشاہیت نے حدود ترکی کو افریقی ممالک تک پہنچا دیا تھا۔ آج ترکی میں اس شہنشاہیت کی اسلامی ثقافت کے قدیم آثار خلافتِ عثمانیہ کی عظمت رفتہ کا منہ بولتا ثبوت ہیں، ہر مسلم ملک کی طرح ترکی میں بھی کچھ لوگ اسلام کے نام پر حکومتوں سے زور آزمائی میں مصروف ہیں، جب کہ ترکی کی موجودہ حکومت جو جدید تہذیب سے بری طرح متاثر ہے۔ اپنی تئیں اپنے محدود اقدامات کو کافی سمجھتی ہے، یہاں قرآن وحدیث کی تعلیم لازمی ہے۔

رقبہ اور محل وقوع

اس مملکت کا رقبہ زمین ۷۸۰ مربع کلومیٹر ہے، جس کا ۹۷ فیصد ایشیاء اور بقیہ ۳ فیصد یورپ میں واقع ہے، ان دونوں حصوں کو ملانے کے لئے شمال میں شہر استنبول کے وسط میں خلیج باسفورس ہے، جنوب میں درہ دانیال جس کا احاطہ بحیرہ مرمرہ نے کیا ہے جو کہ بحر اسود میں جا گرتا ہے۔

خلیج باسفورس اور خلیج درہ دانیال کے کناروں پر بحر ایجہ ہے جب کہ بحر اخیر بدورہ بحر ابیض متوسط سے جاملتا ہے۔ ترکی مغربی ایشیا اور یورپ کی سرحدوں پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں بحر اسود ہے جو سویت یونین سے ملا ہوا ہے اس کی بری سرحد بھی سویت یونین سے متصل ہے۔ اس کے مشرق میں ایران اور سویت یونین ہے، مغربی جانب یونان وبلغاریہ ہے، جنوب میں عراق و شام ہے۔

اناضول:

یہ ترکی کے مشرقی جانب میں ایک سطح مرتفع ہے جس میں متعدد نالے دجلہ وفرات تک پھیلے ہوئے ہیں۔

ترکی بہت سے دریاؤں کے درمیان سے جس میں سب سے بڑا دریا بحیرہ خان ہے جو کہ حجم میں بحر مغلق کے تقریباً برابر ہے۔ شمالی جانب میں کچھ پہاڑ بھی ہیں جو بحر اسود سے ملتے ہیں اور جنوب میں طوروس کے پہاڑ ہیں۔ دریا کے ساحل میں

بہت سے سرسبز وشاداب اور تنگ وادیوں کے نالے اس کی لپیٹ میں ہیں۔
ترکی ٹیلوں والی کشادہ زمین ہے جہاں کے باشندے شمال میں بحر اسود سے تھپکی دینے والی آب و ہوا سے لطف اندوز ہوتے ہیں، جب کہ اناضول علاقے کی آب و ہوا موسم سرما میں یخ وٹھنڈی اور موسم گرما میں گرم و ناخوشگوار ہوتی ہے۔ البتہ دریاؤں کے ساحلوں پر ہوا بڑی لطیف اور معتدل ہوتی ہے۔

آبادی

حال ہی میں جو آخری مردم شماری ہوئی تھی اس میں ترکی کی آبادی ۵۰ ملین تھی، ان میں ۵۷ فیصد لوگ دیہاتی ہیں، ۴۳ فیصد شہری ہیں، 4.7 ملین استنبول میں ہیں، دارالحکومت انقرہ میں 2.5 ملین ہیں، ازمیر میں 2 ملین ہیں، بورصہ میں نصف ملین ہے جب کہ ادرنہ کے باشندوں کی تعداد ترکی کے شہروں کی چوتھائی ہے۔

بڑے شہر

بحر ایجہ پر اہم شہر ازمیر ہے۔ ۲۔ بحر مرمرہ پر بڑا شہر استنبول ہے۔ ۳۔ بحر ابیض ۱۔ متوسط پر اناطولیا ہے۔ یہ اناضول کا مرکزی شہر ہے۔ ۴۔ ترکی کا دارالحکومت انقرہ ہے۔ بحر اسود پر ترابزون ہے۔ ٦۔ مشرقی ترکی کا اہم شہر اردوریوم ہے۔ ۵۔

زبان

ترکی زبان بعضوں نے ہندیقی یورپی بتائی ہے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ترکی زبان لاطینی لکھائی سے ملتی جلتی ہے اور عموماً یہ لاطینیہ، جرمانیہ، سلجوقیہ، یونانیہ اور سلاقیہ سے مشابہت رکھتی ہے۔ ترکی کی بولی بولنے والے ۸۰ ملین لوگ جنوبی ترکی روس ایشیاء اور بلقان میں رہتے ہیں۔

صنعت و زراعت

آب و ہوا کے اختلاف کی وجہ سے زرعی پیداوار بھی مختلف ہے۔ ترکی کی معیشت میں زراعت کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیونکہ یہاں کی سرسبز وشاداب زمین اپنے پھیلاؤ کی وجہ سے قسم قسم کی زرعی پیداوار پیش کرتی ہے۔ ان میں اہم گندم، روئی اور خشک تمباکو ہیں جب کہ پٹ سن ، مونگ پھلی اور پستہ اور دوسرے خشک میوہ جات کی مقدار بھی کافی ہے۔ ترکی انجیر، کشمش اور انگور کو خشک کرنے میں بھی مشہور ہے۔ اس پیداوار کی وجہ سے زرعی میدان میں بڑی ترقی ہوئی ہے، ترکی الانیہ کا کیلا دنیا بھر میں بہترین کیلا سمجھا جاتا ہے۔

حیوانوں کی دولت سے بھی ترکی مالامال اور دوسرے ممالک سے بے نیاز ہے۔ ۳۷ ملین کے قریب تو یہاں صرف بکریاں ہیں۔ اور بکریوں کے علاوہ بھی بہت سے قسم

کے بہت سے جانور ہیں۔ اس حوالے سے ترکی کو یورپی ممالک میں مرکزیت حاصل ہے، یہاں اون کی پیداوار بھی خاصی ہے۔ دوسری صنعتوں میں بھی بہت اضافہ ہو رہا ہے۔ اہم اور عام صنعت، غذائی صنعت ہے اور اس کے علاوہ میوہ خشک کرنا، بُنائی کاکام کرنا، مختلف اشیاء کو منجمد کرنا، گاڑیاں بنانا، صنعتی آلات بنانا، کان کنی وغیرہ میں سونے اور کوئلے کے استخراج کا عمل بھی شروع ہے۔ اسی دوران لوہا اور تانبا بھی بڑے پیانے پر نکالا گیا ہے۔ ماچس اور بسکٹ کی صنعت میں بھی ترکی بہت آگے ہے۔

ترک حکومت نے سیر وسیاحت کے علاقے کو بھی وسیع کیا ہے۔ جہاں بڑی مقدار میں عجائب گھر اور رومیوں وعثمانیوں کے وقت کے قدیم محلات موجود ہیں۔

تاریخی پس منظر

اس خطۂ ارض میں عصر قدیم سے مختلف حکومتیں اور ثقافتیں یکے بعد دیگرے چلی آ رہی ہیں۔ ان میں قابل ذکر اور مشہور آشوری، منیتانی، .برجی ھیاسنتک، اسکندر رومی اور سب سے اخیر میں دولت عثمانیہ کی مضبوط اور قوی شہنشاہیت رہی ہے۔ ۱۵۰۰ق۔ م میں جاتاک ہویداک قائم ہوا۔ ۳۰۰۰ ق۔ م وہ پہلا مرحلہ اور دور ہے جس میں ترکی الگ ومستقل مملکت بن گئی۔ ۲۰۳۴ق م میں اسکندر اعظم نے ترکی پر لشکر کشی کی اور اناضول کے علاقوں میں کچھ قیام کیا۔ ۳۰ قبل از مسیح سے

۱۰۷۱ء تک اس پر قسطنطنوی حکومت کرتے رہے پھر صلیبی حملے شروع ہوئے تو سلجوقیوں نے ۱۰۷۹ء میں قسطنطینیوں کو شکست دے کر ملک کو اپنے ہاتھوں میں لے لیا۔ پھر ۱۳۰۱ء میں دولت عثمانیہ نے ملک کی باگ ڈور سنبھالتے ہوئے بورصہ کو دارالحکومت بنادیا۔ ۱۴۵۳ھ میں جب محمد الفاتح العثمانی نے قسطنطنیہ کو فتح کرکے اسے دارالحکومت بنادیا اس وقت سے اس کو استنبول کہا جانے لگا۔

۱۹۱۸ء کی عالمی جنگ میں ترکی بھی شامل ہوگیا حتی کہ ۱۹۲۰ء میں اتاترک برسراقتدار آگیا۔ جمہوریت قائم کرکے اس کا پہلا صدر بنا۔ اسی نے انقرہ کو دارالحکومت بنادیا۔ ترکی ۱۹۳۸ء کی عالمی جنگ میں کنارہ کش رہا۔

موجودہ استنبول اپنی تاریخ کے آئینے میں

استنبول ایک ایسا شہر ہے کہ جو دو براعظموں، ایشیا اور یورپ کے درمیان واقع ہونے کی وجہ سے دونوں براعظموں میں یگانگت کا ذریعہ ہے۔ یہ شہر تین حصوں میں منقسم ہے ایک حصہ تو مشرقی جانب اناضول پر ہے اور بقیہ دو حصے یورپ میں واقع ہیں۔ تینوں حصوں کو خلیج باسفورس آپس میں ملاتا ہے۔ اس خلیج کی لمبائی پانچ میل ہے۔ خلیج کے شمال میں بڑے بڑے بازار اور مارکیٹیں ہیں جس میں اوغلو تجارتی منڈی بھی ہے۔ اس کے جنوبی سمت میں بلازید ٹاؤن ہے جس کو مدینہ قدیمہ بھی کہتے ہیں اس کے مشرقی جانب میں بڑی مارکیٹ المعلیٰ ہے۔ یہ شہر

بڑے محلات، مساجد وآثار قدیمہ پر مشتمل ہے۔ استنبول انقرہ سے ۴۳۸، ازمیر سے اور بورصہ سے ۲۲۹ اور ادرنہ سے ۹۲۴ کلومیٹر دور ہے۔ ۶۰۳

اس کی قدیم تاریخ ۲۶۰۰ سے چلی آرہی ہے جب ۶۶۷ قبل از مسیح میں اس کی تعمیر مکمل ہوئی تو قسطنطیوس نے اس کا نام قسطنطنیہ رکھ دیا تھا۔ پھر پارسیوں (ایرانیوں) نے حملہ کرکے اسی کو اپنا دارالحکومت بنایا۔ پھر تیسری صدی میں یہ رومیوں کے جھنڈے تلے آیا۔ پھر شاہ قسطنطنیہ نے اسکو اپنا مرکزی شہر بنانے کی کوشش کی۔ اس وقت اس کا نام قسطنطینوپولس رکھا گیا۔ ۲۹ق م کی تقسیم میں اس کا مشرقی جانب رومیوں کا دارالحکومت بنا اور اس حصے کا نام بیزنتیہ میٹروپولس رکھ دیا گیا۔ ایزبیزانتیہ اس وقت رومیوں کا نوجوان سربراہ تھا۔ ساتویں اور آٹھویں صدی عیسوی میں یہ فتوحاتِ اسلامیہ کے تحت آگیا۔ اس سے قبل اس علاقے پر صلیبی قبضہ رہا۔ ۱۴۰۳ء میں رومیوں نے پھر حملہ کیا اور ۱۲۱۲ء میں اسے فتح کرلیا۔ چودھویں صدی عیسوی سے قبل استنبول پر پے درپے مختلف قوموں نے حملے کئے۔ ہر مملکت اسے اپنا دارالخلافہ بنانا چاہتی تھی یہاں تک کہ دولتِ عثمانیہ کے عروج کا وقت آگیا اور محمد الفاتح نے اس کا ۶۳ دن محاصرہ کیا اور ۱۴۵۳ء میں استنبول میں داخل ہوگیا۔ اس کے بعد سے اس علاقے کا نام تبدیل ہوتا رہا ہے۔ اسلامبول، قسطنطنیہ، استانبول، دارالسعادہ، استنبول۔ استنبول پہلی جنگ عظیم تک دولت عثمانیہ کا دارالحکومت

رہا۔ پھر ۱۹۲۳ء میں مستقل جمہوری نظام کے وقت سے انقرہ دارالحکومت بنا اور اب تک ہے۔

استنبول ترکی کے تمام شہروں میں قدیم ترین اور خوبصورت شہر ہے۔ یہ آثار قدیمہ اور عجائب گھروں کی وجہ سے بھی ممتاز ہے۔ اس شہر میں دولت عثمانیہ کے ابتدائی دور کی مساجد بھی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسے مدینۃ القباب بھی کہا جاتا ہے۔ ان مساجد میں مسجد سلطان (مسجد ازرق) بہت مشہور ہے۔ اس کو ۱۶۱۶ء میں سلطان احمد نے تعمیر کرایا تھا۔ اب ارد گرد کے کچھ علاقے بھی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ دوسری مشہور مسجد، مسجد سلیمانیہ ہے جو سلطان سلیمان القانونی نے ۱۵۴۹ء میں بنوائی۔ ۱۵۵۷ء میں اس مسجد میں دینی مدرسہ قائم ہوا۔ اسی مسجد کے ساتھ ایک لائبریری ''عامرہ'' بھی ہے۔ مسجد ابوایوبؓ انصاری بھی مشہور مسجد ہے۔ جہاں انہوں نے اسلام کے پرچم تلے جان جانِ آفریں کے سپرد کی تھی۔ سلطان محمد الفاتح نے استنبول کی فتح کے فوراً بعد اس کی تعمیر کا حکم دیا تھا۔ ایک اور مشہور مسجد، مسجد بایزید ہے ان کے علاوہ مسجد سلطان سلیم، مسجد محمد الفاتح، مسجد رستم بات، مسجد العرب، مسجد آیا صوفیا اور مسجد، الجدید بھی اسلامی عظمت کی یاد دلاتی ہے۔

ترکی کے مشہور عجائب خانے توپ کاپی کی تعمیر سلطان محمد الفاتح کے زمانے

میں مکمل ہو گئی تھی۔ یہ عجائب خانہ سلاطین عثمانیہ کا محل تھا۔ اس محل میں اب تک حیران کن تحفے و عہد نامے موجود ہیں۔ گویا توپ کاپی کا عجائب گھر ایک دستاویزی صندوق ہے۔ کہتے ہیں کہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پرچم، جبہ، لاٹھی، تلوار اور عقیق کی مہر موجود ہے۔ اسی طرح داڑھی مبارک کے ایک بال کی نسبت آپ کی طرف کی جاتی ہے۔ خلفاء راشدین کی تلواروں کی موجودگی بھی یہیں سمجھی جاتی ہے۔ ایک اور مشہور عجائب گھر آیا صوفیہ ہے جو پہلے کنیسہ تھا۔ ۱۵۷۷ء میں محمد الفاتح نے اس کی تصویروں کو ختم کرکے اس کو مسجد قرار دے دیا تھا۔ عجائب گھر اس کے ساتھ ہی بنا ہوا ہے۔ یہاں لائبریری بھی بنی ہوئی ہے جس میں نادر خطوط وکتابیں ہیں۔ اسی شہر میں مشہور قلعہ روم ایلی حصار ہے۔ اسے ۱۴۵۳ء میں محمد الفاتح نے بنایا تھا۔ یہ محفوظ و مضبوط قلعہ مغربی جانب میں بحر باسفورس تک پھیلا ہوا ہے۔ اس قلعے کو سہارا دینے کے لئے اب تک کوئی ستون پہلی تعمیر کے بعد نہیں بنانا پڑا۔ یہاں آج کل ثقافتی نمائش وغیرہ ہوتی ہے۔ جس میں خلافتِ عثمانیہ کے فوجیوں کے ملبوسات کی نمائش بھی ہوتی ہے۔

(الفاروق اردو، ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ)

سنگا پور میں اسلام

اسلام کا جیسا ہی ظہور ہوا، ایسا ہی تیزی و سرعت سے پھیلتا رہا۔ حتی کہ بہت مختصر سی مدت یعنی ۲۳ سال میں پورا عربستان حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ جوں جوں زمانہ کروٹیں بدلتا رہا، اسلام آفاقی حیثیت اختیار کرتا رہا۔ اور پھر دنیا کی آنکھوں نے اسلام کو سپریم قوت کی صورت میں بھی دیکھا اور آج بھی عالم اسلام مثلاً وعملاً پوری دنیا کے قلب کی حیثیت رکھتا ہے۔ جس طرح قلب تقریباً وسط جسم میں واقع ہے، ایسی کیفیت عالم اسلام کی ہے اور قلب چونکہ پورے بدن کو حیات بذریعہ خون مہیا کرتا رہتا ہے۔ ایسا ہی عالم اسلام روحانی حیات پوری دنیا کو مہیا کر رہا ہے۔ اسی کے نتیجہ میں دنیا کے کونے کونے میں اسلام اور مسلمانوں کا وجود ہے۔ اقلیت پچاس فیصد سے کم مسلمان جن ممالک میں پائے جاتے ہیں، ان ہی اقلیتوں میں سے مسلمانانِ سنگاپور ہیں ان کے اجتماعی، دینی، معاشرتی اور سیاسی حالات کی کچھ جھلکیوں کا خاکہ ذیل میں پیش خدمت ہے:

محل وقوع

جنوب مشرقی ایشیا کا یہ جزیرہ، جزیرہ نما ملایا کے انتہائی جنوب میں واقع ہے۔ اس کا رقبہ ۵۸۶ کلومیٹر ہے۔ آبادی ۷۶ فیصد چینی، ۱۵ فیصد ملائی، ۷ فیصد

ہندوستانی و پاکستانی اور زبان ملائی، انگریزی، چینی اور تامل ، ان میں سب سے زیادہ بولی جانے والی ملائی ہے۔ اکثر کا مذہب بدھ مت ، تاؤ اور کنفیوشس کے عقائد ہیں پاکستانی اور کچھ ہندوستانی مسلمان بھی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ ہندوستانی سکھ ، ہندو اور یورپی مسیحی ہیں۔ یہاں کا سکہ سنگاپوری ڈالر ہے۔ وسیع سطح مرتفع کے علاوہ سنگاپور کا بیشتر رقبہ زمین نشیبی ہے۔ جس میں جنگلات اور دلدلوں کی بہتات ہے۔ اس ملک کا بہت بڑا علاقہ پہلے غرقاب تھا بعد میں سمندر سے خشک کرایا گیا ہے۔ چاول، ناریل اور اناناس اہم زرعی پیداوار ہے۔ معدنیات کا فقدان ہے۔ ہاں، صنعتیں بہت زیادہ ہیں۔ ملک میں پارلیمانی طرز حکومت رائج ہے۔ صدر ملک کا آئینی سربراہ ہوتا ہے جسے پارلیمنٹ منتخب کرتی ہے۔ وزیر اعظم کاروبار حکومت چلانے کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ ٦٠ ارکان پر مشتمل اس ملک کی پارلیمنٹ ۵ سال کے لئے منتخب ہوتی ہے۔

تاریخی پس منظر

سنگاپور کو انگریزوں کے عہد میں مشرقی ایشیا کی سب سے بڑی اور دنیا کی چوتھی بندرگاہ کا درجہ حاصل ہوا۔ صدیوں سے یہ جزیرہ غیر آباد تھا۔ ۱۸۱۹ء میں اس علاقے کو برٹش ایسٹ انڈیا کمپنی کے ایجنٹوں نے قبضہ کیا۔ پھر دوسری جنگ عظیم میں جاپانیوں نے اس پر قبضہ جمایا۔ ۱۹۴٦ء میں اس کو ایک علیحدہ برطانوی کالونی کی حیثیت دے دی گئی۔ اور ۱۹۵۹ء میں اسے خودمختاری ملی۔

آئندہ سطور میں ہم اس ترقی یافتہ اور خود مختار مملکت میں مسلمانوں کی حالات پر کچھ روشنی ڈالیں گے۔

مجلس اسلامی سنگاپور

سنگاپور ایک جمہوری ریاست ہے جس میں مختلف نسلوں اور مختلف ادیان سے تعلق رکھنے والے لوگ بستے ہیں۔ یہاں ہر ایک کو اپنے اپنے دین پر عمل کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ اپنی اپنی دعوت پھیلانے کی بھی اجازت ہے۔ ۲ ملین ۶ ہزار نفوس میں سے ہزار مسلمان ہیں ۱۵۰/ پارلیمنٹ کے ارکان میں سے ۹ اراکین مسلمان ہیں، جن میں ۴ ایک وزیر بھی ہوتا ہے جو مسلمانوں کے حالات اور اسلامی معاملات کا نگران ہوتا ہے۔ مجلس اسلامی سنگاپور ملک میں تمام مسلمانوں کی نمائندگی کرتی ہے۔ مساجد و مدارس کے علاوہ زکوۃ، فطرہ، اوقاف اور شادی بیاہ کے ساتھ ساتھ دینی تحریکوں اور تنظیموں کے امور کی سرپرستی اس مجلس کی اہم ذمہ داریوں میں سے ہے۔ اس ملک کے مختلف شہروں میں ابتدائی مدارس بھی ہیں جن میں سے بعض میں تو پورا دن درس وتدریس کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور بعض میں صبح کو یا پھر شام کو پڑھائی ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں سنگاپور شہر میں کئی چھوٹی چھوٹی اسلامک سوسائٹیز بھی ہیں جو ہر مسلمان کے معاملات کو سلجھانے میں ہمہ وقت مصروف

رہتی ہیں۔

شاہ فیصل ہال

سنگاپوری مسلمانوں کی ایک تنظیم جمعیۃ الدعوۃ الاسلامیہ مسلمانوں میں اتحاد واتفاق، اخوت ویگانگت کے عظیم تر مفاد کے لئے رات دن کوشاں ہے۔ اس سلسلے میں ملک کے مختلف علاقوں میں بڑے بڑے ہال اور بہترین سینٹرز تیار کرائے گئے ہیں۔ جن میں خطبات، لیکچرز، جلسے، محافل ومجالس اور مختلف النوع اجتماعات کرائے جاتے ہیں جس سے مسلمانوں میں دعوت و تبلیغ کے کام کو آگے بڑھانے اور مزید تیز کرنے کی رغبت پیدا ہوتی ہے اور اس کے لئے پروگرامز ترتیب دیئے جاتے ہیں۔ انہی بڑے ہالوں میں ایک سب سے بڑا ہال شاہ فیصل ہال ہے جس میں ملک گیر اجتماعات اور کانفرنسیں ہوتی ہیں۔ نیز ان ہالوں میں اور ان کے علاوہ دوسری جگہوں میں کئی ٹیوشن سنٹرز کھولے گئے ہیں اور بعض جگہ تو باقاعدہ مدارس ومکاتب کا انتظام ہے جس میں اعدادیہ (مڈل) ثانویہ (مساوی میٹرک) اور تحفیظ و تجوید پڑھائے جارہے ہیں۔

عربی کی ترویج واشاعت

چونکہ عربی زبان نہ صرف ام اللغات ہے، بلکہ قرآن واحادیث نبویہ علی صاحبھا الصلاۃ والسلام کی ترجمان ہے اور قرآن کریم میں اس زبان کے فضائل

بیان کئے گئے ہیں اس لئے ان صفات و کمالات کو دیکھتے ہوئے مسلمانوں نے اس زبان کو عام کرنے اور اس کو یکھنے سکھانے کا پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ تاکہ وہاں کے مسلمان قرآن کریم اور اسلامی قوانین سے واقف ہو سکیں حتی کہ ڈاک کے ذریعہ بھی عربی کی تعلیم کا سلسلہ قائم کیا ہوا ہے۔ ڈاک کے ذریعے با قاعدہ ایک نظام تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے جس میں چھوٹے چھوٹے رسائل اور پمفلٹ بھیجے جاتے ہیں جن میں عربی اور ملاوی لکھی ہوئی ہوتی ہے۔ ملاوی کے ذریعے عربی کا ڈھنگ بہت ہی سہل طریقے سے بیان ہو جاتا ہے نقشوں اور تصاویر کی مدد سے بول چال دکھائی اور سمجھائی گئی ہے۔ اس طریقۂ تدریس کے طلباء کا آخر میں ملک بھر میں امتحان بھی ہوتا ہے۔

لائبریری

جمعیت کے مرکزی دفتر کے احاطے میں ایک عظیم الشان وسیع و عریض لائبریری ہے جس میں اسلامی کتابوں کا عربی انگریزی اور ملاوی میں کثیر ذخیرہ پایا جاتا ہے۔ اس لائبریری میں کل کتابوں کی تعداد ۶۵۰۰ ہے، لائبریری میں کتابوں کی ترتیب میں موضوعات کا لحاظ رکھا گیا ہے یہ لائبریری عام لوگوں کے لئے صبح تا شام کھلی رہتی ہے اس لائبریری میں عالم اسلام کے مختلف اخباروں اور رسالوں کا ذخیرہ بھی دستیاب ہے۔ کوئی شخص اگر کتابیں عاریت کے طور پر لے جانا چاہے تو اس کی بھی اجازت ہے۔

اس وقت سنگاپوری مسلمانوں کی فکر کرنے والوں کی اولین ترجیح دعوت و تبلیغ ہے کہ سنگاپور کے ہر فرد تک اسلام کا پیغام پہنچایا جائے۔ اسلام کی دعوت دی جائے اور اسلامی نظام کے محاسن بتلائے جائیں۔ اس مقصد کے حصول کے لئے مختلف لٹریچر ملاوی انگریزی اور دوسری علاقائی زبانوں میں شائع کئے گئے ہیں۔ اور ان کو پھر پورے ملک میں گھر گھر تقسیم کرنے کا پروگرام بنایا ہے۔ اس کے علاوہ معلوماتی دلچسپ، معیاری اسلامی رسائل وماہناموں اور ہفت روزوں کی باقاعدہ اور مسلسل نشر و اشاعت کا اہتمام ہے۔ تاکہ اسلامی نظریات و عقائد سے مسلمان وغیر مسلم سب واقف ہوجائیں۔ اجتماعی طور پر غریب مسلمانوں کے لئے زکوۃ، فطرہ اور صدقات جمع کئے جاتے ہیں اور مسلمانوں میں اس کی تقسیم ہوتی ہے۔ علماء، خطباء اور اسلامی اسکالرز پیش آمدہ مسائل میں مسلمانوں کی رہنمائی کرتے ہیں۔

مسلمانوں نے تعلیم بالغاں کا پورا پورا اہتمام کیا ہے۔ بعض علاقوں میں تو اس قسم کے ٹیوشن سینٹروں میں ایک سو تک تعداد پہنچتی ہے۔

مسلمانوں نے بیواؤں، یتیموں اور بے کسوں کی پرورش کا انتظام ایسا کیا ہے کہ مذکورہ لوگ ماہانہ اپنے حصص وصول کرتے ہیں، مسلم کمیونٹی نے علاج معالجے

کا یوں بندوبست کیا ہے کہ ڈاکٹروں کی تقرریاں کی گئی ہیں جہاں مسلم وغیر مسلم کو مفت علاج ومعالجے کی سہولت حاصل ہے۔ اسی طرح نو مسلم مسلمان بھائیوں کے لئے بڑے بڑے جلسے منعقد کئے جاتے ہیں جس میں ان کو مبارکباد دی جاتی ہے اور اہلاً وسہلاً کہا جاتا ہے۔ اور انہیں جنت کی بشارتیں اور دنیوی طمانینت قلب کی خوشخبریاں دلائی جاتی ہیں، نو مسلموں کے لئے مختلف کلاسیں بھی قائم کی گئی ہیں، جس میں ان کو اسلام کے بنیادی عقائد اور فرض اعمال سکھائے جاتے ہیں اور ان کے مسائل سن کر ان کی امداد کی جاتی ہے۔

مسلمان عورتوں کے لئے روزگار فراہم کرنے کے سلسلے میں کئی جگہوں پر خواتین ٹیلرنگ ہاؤسز کا انتظام ہے۔ اس کے علاوہ گھریلو کام کاج اور پکوان کے طریقوں کی تعلیم بھی دی جاتی ہے تاکہ یہ مسلمان عورتیں حلال روزی کمانے کے ساتھ ساتھ اپنے بچوں کی تربیت اسلامی طور طریقے پر کرسکیں۔ اور اپنے اپنے گھروں میں دینی ماحول پیدا کرنے میں اہم کردار ادا کریں۔

ماہانہ بولیٹن وصوت الاسلام

عالم اسلام اور خصوصاً سنگاپور کے مسلمانوں کے احوال واخبار سے باخبر رکھنے کے لئے سنگاپور کے مسلمانوں نے ماہنامہ ''صوت الاسلام'' اور ماہنامہ ''بولیٹن'' کو جاری کیا ہے جو مسلسل کئی سالوں سے شائع ہورہے ہیں علاوہ

اریں مختلف موضوعات پر پمفلٹز اور اشتہارات چھاپے جاتے ہیں جو ملک میں مفت تقسیم کئے جاتے ہیں۔ ایک کتاب جس کا نام ''ٹینک ٹانک'' ہے جمعیت نے شائع کی ہے جو پورے ملک میں بار بار تقسیم ہوئی ہے جس میں اسلام کے بنیادی عقائد کلمہ، نماز، روزہ، زکوۃ اور حج کو بالتفصیل بیان کیا گیا ہے اس کتاب کا کچھ حصہ غیر مسلموں کو دعوت دینے کے موضوع پر ہے۔

سالانہ عام میلہ

جمعیت دعوت اسلامی ہر سال اسلامی کتابوں، کیسٹوں اور ویڈیو کیسٹوں کے علاوہ تمام اشیائے صرف کا عام میلہ کے تحت جاتا ہے جس سے سنگاپور کے مسلمانوں کو مالی فوائد بھی حاصل ہوتے ہیں۔

سالانہ اجتماع

سنگاپور میں ہر سال ایک اجتماع بھی ہوتا ہے جس میں عالم اسلام کے عظیم علماء، وکلاء، خطباء، دانشور اور اسکالر شرکت کرتے ہیں، اس اجتماع میں (جو کئی روز چلتا ہے) زندگی کے ہر شعبے سے تعلق رکھنے والے افراد شرکت کرتے ہیں اور زندگی کے ہر شعبہ سے متعلق مسائل پر تقریریں ہوتی ہیں، سنگاپور میں اسلام کی اشاعت کی فضائیں موجود ہیں البتہ مسلمان ممالک، بڑے بڑے مسلم اداروں، علماء، زعما، داعیان دین حنیف اور عام ، مسلمانوں کی طرف سے امداد

تعاون اور رہنمائی کی از حد ضرورت ہے۔ اگر مسلمان تبلیغی طرز پر منظم اور غیر محسوس انداز میں کام کرنا شروع کردیں گے یعنی تبلیغی وفود بھیج کر، اسلامی کتابیں ارسال کرکے، اقتصادی وسیاسی روابط قائم کرکے، وہاں کے علماء، سرکردہ شخصیات اور داعیان دین کو اسلامی ممالک میں مختلف مناسبات میں شرکت کی دعوت دے کر، اور وہاں کے تعلیمی طبقہ کو نوکریاں اور طلبہ کو اپنے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں داخلے دے کر ان سے اسلامی رشتہ کو مضبوط بنیادوں پر اگر استوار کیا جائے تو وہ وقت دور نہیں کہ سنگاپور ایک مسلم ملک بن جائے۔

علامہ اقبال رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

یا رب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرمادے، جو روح کو تڑپا دے

(ماہنامہ الفاروق، محرم، صفر: ۱۴۱۴ھ، وروزنامہ جنگ کراچی ۷ ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ)

سنگا پور میں اسلام - حماس..... پتھروں سے بموں تک

ایک وقت وہ تھا کہ فلسطین کے مسلمان آزادی کی جنگ پتھروں سے لڑتے تھے، مگر ۱۹۹۴ء میں حرم ابراہیمی کی بے حرمتی اور اس میں بے گناہ اور نہتے نمازیوں کے قتل کے بعد ایک فلسطینی جہادی تنظیم (حرکۃ المقاومۃ الاسلامیہ حماس) نے بارہ ایسی عجیب و غریب خود کش عسکری کارروائیاں انجام دیں، جس سے اسرائیل اور اسرائیلی ایجنٹ حواس باختہ ہو کر رہ گئے۔ ان کارروائیوں کا طریقہ کار یہ ہوتا ہے کہ مجاہد بم لے کر اپنے ہدف کی طرف چلا جاتا ہے۔ جہاں وہ کوشش تو اپنے بچاؤ کی کرتا ہی ہے مگر بعض مرتبہ جب اس کو اپنی شہادت کے بغیر کارروائی انجام دینا مشکل ہو تو وہ خود موت کے منہ میں گھس کر دھماکہ کرتا ہے۔ جس سے وہ جامِ شہادت نوش کرلیتا ہے۔ اور کئی یہودیوں کو جہنم رسید کردیتا ہے۔ ۱۹۹۴ء کے بعد اس قسم کی ۱۲ کارروائیوں کی تفصیل کچھ یوں ہے:

۶، اپریل، ۱۹۹۴ء کو (حماس کے) عزالدین القسام گروپ کے ایک مجاہد رائڈز کار نہ ایک کار میں بم رکھ کر عفولہ شہر کے بس اڈہ میں دھماکہ کرتا ہے۔ جس سے ۸ یہودی مردار اور کم سے کم ۳۰ زخمی ہوتے ہیں۔ اس پر (حماس) کا بیان یہ تھا: یہ حرم ابراہیمی میں خونریزی کرنے کا انتقام ہے۔

اپریل ۱۹۹۴ء کو حماس کے ایک اور مجاہد عمار عمارنہ اپنے جسم سے بم باندھ کر ۱۳ خضیرہ شہر میں ایک بھری ہوئی بس میں دھماکہ کرتا ہے جس میں ۵ یہودی مردار اور دس زخمی ہوتے ہیں۔

اکتوبر ۱۹۹۴ء کی صبح حماس کے عزالدین القسام گروپ کا صالح نزال اپنے جسم کے ۱۹ ساتھ بم باندھ کر تل ابیب میں ایک بس کے اندر دھماکہ کرتا ہے جس سے ۲۳، اسرائیلی مردار اور کم سے کم ۴۰ زخمی ہوتے ہیں۔

نومبر کو حرکۃ الجہاد الاسلامی کے عسکری ونگ کا ایک جانباز، موٹر سائیکل چلا کر ۱۱ اسرائیلی فوجیوں کے جھمگٹے میں گھس کر اپنے ساتھ بندھے ہوئے بم سے دھماکہ کرتا ہے جس سے ۳ آفیسر ہلاک اور کئی زخمی ہوتے ہیں۔ اس پر حرکۃ الجہاد الاسلامی کے ترجمان نے کہا کہ یہ ان کے ساتھی ہانی عاید کی شہادت کا انتقام ہے۔

دسمبر ۱۹۹۴ء القدس شہر میں اسامہ راضی نے خود کو اسرائیلی ائیر فورس کے ۲۵ اہلکاروں کی ایک بس کے قریب اڑا دیا جس سے تقریباً ۱۳ افراد ہلاک ہوئے۔ یہ مجاہد بظاہر فلسطینی پولیس میں بھرتی ہوگیا تھا مگر اندر سے اس کا تعلق حماس کے عسکری ونگ عزالدین القسام گروپ سے تھا۔

جنوری ۱۹۹۵ء کو حماس کے قسام گروپ کے دو فلسطینی جانباز (بیت لُد) میں ایک ۲۲ اسرائیلی فوجی اڈے میں اپنے آپ کو بم سے اڑا دیتے ہیں، جس کے باعث ۲۳ فوجی ہلاک اور ۴۰ زخمی ہوتے ہیں۔ ان دنوں اس کارروائی کو شدید ترین کارروائی قرار دیا گیا تھا۔

اپریل ۱۹۹۵ء کو حماس اور حرکۃ الجہاد الاسلامی نے غزہ میں مشترکہ کارروائی کی جس ۹ سے ۷ یہودی مردار ہوئے تھے۔ یہ انتقامی حملہ تھا جو یہود کی طرف سے غزہ ہی میں رضوان کالونی کے بم دھماکے کے ردعمل کے طور پر ہوا جس میں ۵ فلسطینی شہید ہوئے تھے جن میں سے دو عزالدین القسام گروپ کے سرکردہ لیڈر تھے۔

جون ۱۹۹۵ء کو عزالدین القسام گروپ کا حامی مجاہد معاویہ روکہ نے اپنے آپ کو ۲۵ ایک اسرائیلی فوجی گشتی ٹیم کے قریب اڑایا مگر اس سے ان کو کوئی نقصان نہیں پہنچا۔ اس کارروائی میں مجاہد نے گدھا گاڑی استعمال کی تھی۔

جولائی ۱۹۹۵ء کو ایک نامعلوم مجاہد نے جس کا تعلق حماس کے عسکری ونگ ۲۴ عزالدین القسام گروپ سے تھا، تل ابیب سے قریب رامت غان میں ایک پسنجر بس کے

اندر اپنے آپ کو بم سے اڑایا جس سے ٦ یہودی مردار اور ٣٣ زخمی ہوئے۔
اگست ١٩٩٥ء کو ایک حماسی مجاہد نے اپنے آپ کو القدس میں ایک اسرائیلی پنجر بس ٢١ کے اندر دھماکہ سے اڑایا جس سے ۵ افراد ہلاک اور تقریباً ٧٠ زخمی ہوئے۔
فروری ١٩٩٦ء کی صبح چھ بج کر پینتالیس منٹ پر القدس کے مین بس اڈہ کے قریب ٢٠ ایک بھری ہوئی بس میں حماس کے ایک جانباز نے ایک زور دار دھماکہ کیا جس سے بس دو لخت ہو گئی اور آس پاس کی دیگر گاڑیوں کو بھی نقصان پہنچا اور ٢٣ یہودی مردار جب کہ ۵٢ زخمی ہوئے، جن میں پندرہ سے زیادہ کی حالت انتہائی خطرناک بتائی گئی۔
فروری ١٩٩٦ء اسی روز سات بج کر پندرہ منٹ پر عسقلان شہر کے ایک فوجی مستقر ٢۵ میں ایک مجاہد نے اسرائیلی فوجی لباس پہن کر اندر داخل ہونے کے بعد ایک زور دار دھماکہ کیا جس سے ٧ فوجی موقع پر ہی ہلاک ہوئے جب کہ ٣٠ زخمی ہوئے، جن میں سے ٩ کی حالت نازک بتائی گئی تھی۔
ان تمام خود کش کارروائیوں میں اکثر حماس یا پھر حرکۃ الجہاد الاسلامی سے

وابستہ مجاہدین نے اپنے آپ کو دھماکوں سے اڑا کر یہ قربانیاں دی ہیں۔ بقول ان کے یہ استشہادی کارروائیاں حرم ابراہیمی کی بے حرمتی اور اس میں ۲۰ فروری ۱۹۹۴ء کو خونریزی (جس میں ۲۰ نمازی شہید اور ۱۵۰ زخمی ہوئے) اور اسی طرح دکتور فتحی شقاقی شہید اور انجینئر یحیٰی عیاش شہید کے لہو کا انتقام ہے۔

(ماہنامہ الفاروق اردو، ذیقعدہ، ۱۴۱۶ھ)

القدس کا حق دار کون؟۔۔یہودی یا مسلمان

جب ہم عالم اسلام پر سرسری نگاہ ڈالتے ہیں، تو اس کے درمیان اسرائیل ہمیں ایک اجنبی حصہ نظر آتا ہے، یوں لگتا ہے کہ اس عظیم اسلامی جسد میں گویا یہ ٹکڑا بتکلف جوڑ دیا گیا ہے۔ اس ٹکڑے کو اس طرح جوڑنا یہود ہی کا کارنامہ ہے، چونکہ ہر جسم کا اپنے اندر غیر کو برداشت نہ کرنا ایک منطقی عمل ہے، اس لئے اس علاقے میں کشیدگی کے اصل سبب کا اندازہ لگانا کسی کے لئے کوئی مشکل نہیں ہے۔

آج سے تقریباً ستر سال قبل اسرائیل کے روحانی پیشوا ''ٹیوڈر ہرٹزل'' نے اپنے اُن مشہور افکار وخیالات کا نقشہ پیش کیا تھا جس میں یہود کے لئے ایک علیحدہ ملک کا ذکر ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ اس کا نام اسرائیل ہوگا۔ جس میں زراعت و صنعت کو جدید سائنسی اور ٹھوس بنیادوں پر استوار کیا جائے گا۔ اور معاشرتی نظم و ضبط کا نہایت اہتمام ہوگا۔ اس کے علاوہ کئی اور جزئیات بھی ہیں جن کو انتہائی غور وغوص اور بالغ نظری سے مرتب کیا گیا ہے۔ جن کا مطالعہ کرنے والا تعجب کئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ لیکن قابل توجہ بات کا تذکرہ ان جزئیات وافکار میں عمداً یا سہواً رہ گیا ہے۔ حالانکہ وہ ایک اہم جزو

ہے، وہ ہے وہاں کے حقیقی عرب باشندوں کا مقابلہ و مقاومت۔ ''ھرٹزل'' کا خیال یہ ہے کہ یہ یہودی ملک قائم رہ کر آرام آرام سے پھیلتا رہے گا، اور یہ کہ اس کی فوجی قوت کسی کو ضرر نہیں پہنچائے گی اور نہ ہی کسی سے کچھ قبضہ کرنے کی جسارت کرے گی۔ اور نہ ہی کسی پر ظلم ڈھائے گی۔ گویا کہ اس کے ارد گرد خلا ہوگا، جب کہ حقیقت اس کے برعکس ہے، اس لئے کہ مقاومت ومقابلہ کا عنصر تو ہر جگہ پایا جاتا ہے جس کے اثرات کبھی کبھی نہایت ہی گہرے ہوتے ہیں، جس سے ملکی سیاست پر اثرات تو مرتب ہوتے ہی ہیں، بلکہ گاہے بگاہے ملک کو آخری انجام تک پہنچانے میں ان کا اہم کردار ہوتا ہے۔

یگانۂ روزگار شہر

القدس کوئی معمولی شہر نہیں ہے، بلکہ یہ تو پورے روئے زمین پر ایک یگانۂ روزگار اور یکتا شہر ہے کیونکہ یہ تینوں بڑے سماوی ادیان کے لئے یکساں مقدس و محترم ہے، اور تینوں کی یہاں مقدس عبادت گاہیں موجود ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان میں سے جب کسی ایک اہل دین کے پاس یہ شہر رہے تو وہ کون ہوں گے، جو اس کے تمام ادیان کے لئے یکسانیت اور ہمہ گیریت کی حیثیت کو برقرار رکھ سکیں گے؟

نظریاتی، علمی اور تاریخی لحاظ سے اگر دیکھا جائے تو یہ کام ماضی میں

مسلمانوں اور صرف مسلمانوں نے کیا ہے اور اب بھی اس کی یہ حیثیت صرف مسلمان ہی برقرار رکھ سکتے ہیں۔

نظریاتی اور اعتقادی تناظر تو یہ ہے کہ مسلمان حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان پر نازل شدہ کتابوں (توریت و انجیل) پر ایمان رکھتے ہیں، جب کہ دوسری جانب یہودی اور عیسائی حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل شدہ کتاب قرآن مجید پر یقین نہیں رکھتے۔ اس جامعیت کی بناء پر مسلمانوں کو یہود اور نصاریٰ سے اس معاملے میں سبقت اور فوقیت حاصل ہے۔

عملی تناظر سے اگر دیکھا جائے تو بات اور زیادہ کھل کر سامنے آجاتی ہے، اور وہ اس طرح کہ القدس شہر عالم اسلام کے وسط یعنی قلب میں واقع ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ چاروں طرف کوئی اور نظام ہو اور درمیان میں اس کا بالکل مخالف نظام داخل کردیا جائے، تو اس کا چلنا صرف اور صرف طاقت سے ہی ممکن ہے، طبعی طور پر محال ہے اور جب طاقت کا استعمال ہوگا تو اس متاثرہ علاقہ میں ہمیشہ بدامنی رہے گی۔ اس پر تاریخ بھی شاہد ہے۔

اسلام دینی آزادی کا حامل ہے

القدس شہر تمام ادیان کے ماننے والوں کے لئے اسلامی دور خلافت میں کھلا رکھا گیا، اس دور میں یہود و نصاریٰ کو یہاں کوئی گزند نہیں پہنچی اور نہ ہی مسلمانوں نے یہاں کبھی خون کی ہولی کھیلی۔ اس کے برعکس جب بھی اسلامی حکومت سے القدس چھینا گیا، ساتھ ہی آزادی و حریت کے نام کو یہاں شجرۂ ممنوعہ قرار دیا گیا۔ تاریخ کو مدنظر رکھتے ہوئے ان حقائق کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے جو واقعات کی صورت میں یہاں رونما ہوئے۔

دو مرتبہ القدس عالم اسلام سے کٹ کر یہود و نصاریٰ کے خونی پنجوں میں گرفتار ہوا ہے۔

۱۰۹۹ء میں اس پر نصاری صلیبیوں نے حملہ کرکے قبضہ جمالیا، جو مسلسل ۱۱۸۷ء تک رہا۔ اب حالیہ قبضہ یہودی صہیونیوں کا قائم ہے۔

اب ذرا آیئے! برٹش انسائیکلوپیڈیا کی چند سطور کا مطالعہ کرتے ہیں، جن میں صلیبی جنگ اول میں نصاریٰ کے القدس پر حملے اور قبضے کا ان الفاظ میں ذکر ہے ”ایک ماہ کے طویل محاصرے کے بعد ۱۵ جولائی ۱۰۹۹ء کو نصاریٰ نے القدس پر مکمل کنٹرول حاصل کرلیا۔ جس کے بعد شہر کی سڑکوں، اور گلیوں میں مسلمانوں

کے خون کا ایک سیلاب رواں تھا۔ جوں ہی رات ہوئی تو نصاری نے اپنی خوشیوں کے جنونی نعرے لگائے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی قبر (بزعم نصاری) پر جاکر رونا اور چیخنا، چلانا شروع کردیا، لیکن ان کے ہاتھوں سے اس وقت بھی مسلم خون ٹپک رہا تھا، اور یوں یہ پہلا قبضہ اس المناک صورت حال کے ساتھ جولائی کی شدید ترین گرمی میں اپنی انتہا کو پہنچا۔

عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ القدس میں

اب ہم اس قبضہ کا مسلمانوں کے قبضہ سنہ ۶۳۸ء سے موازنہ کرتے ہیں۔

آئی، جے، ویلز اپنی کتاب "تاریخ العالم" میں یوں رقم طراز ہے: "القدس کو مسلمانوں کے حوالہ کرتے وقت ایک غیر معمولی شرط لگادی گئی، وہ یہ کہ شہر خلیفة المسلمین حضرت عمر بن خطاب ہی کے حوالے کیا جائے گا، اس اہم معاملے کی انجام دہی کے لئے حضرت عمر نے ۶۰۰ میل کا سفر مدینہ سے القدس تک طے کیا، صرف ایک اور آدمی کی ہمراہی میں، ایک ہی اونٹ پر، زاد سفر ایک تھیلا جو کا، ایک تھیلا کھجور کا، ایک مشکیزہ پانی کا اور کھانے کے لئے ایک برتن تھا۔ یوں ہی بغیر وفود اور بغیر سیکیورٹی گارڈز کے القدس پہنچ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور وہاں کے پوپ میں میٹنگ ہوئی، انہوں نے بازنطینی (رومی) امراء سے بغیر کسی جنگ وجدل کے القدس لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سپرد

کردیا۔ پھر پوپ نے اپنے مہمان کو شہر کے مقدس مقامات کی سیر کرائی، حضرت عمرؓ اس وقت نہایت ہی مسرور تھے، پوپ اور اس کے ساتھیوں کی دولت اور خود نمائی کو حقارت کی نظروں سے دیکھ رہے تھے"۔

مذکورہ بالا اقتباس سے واضح طور پر یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں نے انتہائی مصالحانہ اور شریفانہ انداز میں اس مقدس شہر کو یوں فتح کیا کہ کسی بھی شخص کو کسی قسم کا گزند نہیں پہنچایا۔ یہی ان کو زیب بھی دیتا ہے، جس دن سے مسلمانوں نے اس شہر کو اسلامی سلطنت کے زیر نگین کیا، اسی دن سے اس کا ایسا احترام کیا گویا کہ یہ ان کی روحانی میراث تھی جس سے صدیوں وہ محروم رہے تھے۔ فتح کے دن مسلمان مجاہدین نے کسی پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیا کہ آج القدس فتح ہوا ہے یا اسے آزادی مل گئی۔ بلکہ ان کے چہروں سے یہ آثار جھلک رہے تھے کہ "یہ ہمارا ایک مشن تھا، جسے ہم نے پورا کرلیا"۔

دوسری طرف جب نصرانیوں کا القدس پر اٹھاسی سالہ قبضہ تھا اس عرصۂ دراز میں القدس کی زمین کو کسی مسلم یا یہودی کے قدم نہیں چھوسکے۔ جب کہ صلیبی جنگوں کے نقشے تیار کرنے والے (بیتر صحرائی) نے مسلمانوں کے دور میں اس شہر کے کئی دورے کئے تھے۔

اب تیسرا رخ دیکھئے۔ جب بطل جلیل صلاح الدین ایوبیؒ نے القدس کو صلیبیوں کے قبضۂ ناپاک سے چھڑایا اور اس پر ۱۱۸۷ء میں اسلامی پرچم دوبارہ لہرایا، کچھ دنوں بعد آپ نے یہودیوں کو اپنے مقدس مقامات کی زیارت کرنے کے علاوہ انہیں یہاں بسایا اور ایک عظیم الشان جلسہ عام منعقد کرکے اس میں یہود و نصاریٰ اور مسلمان بچوں کے درمیان بھائی چارگی کا اعلان کر دیا، جس کی نظیر دنیا کی تاریخ میں بہت کم ہی ملے گی۔ بلکہ یوں کہنا مبالغہ نہیں ہوگا کہ کسی فاتح کا مفتوحہ اقوام کے ساتھ اس قدر برابری اور دینی آزادی کی مثال دنیا میں ہے ہی نہیں۔

یہودی قبضہ اور مقامات مقدسہ کی بے حرمتی

یہود نے القدس کو ۱۹۶۷ء کی جنگ کے بعد مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں لے لیا، اس وقت سے مذہبی آزادی کی کیا حالت ہے اس شہر میں، جسے عرب ''مدینۃ الاَدیان السماویۃ الثلاثۃ'' سے تعبیر کرتے ہیں، آیئے اس پر کچھ گفتگو کرتے ہیں:

رومی کیتھولک چرچ اور انگلستانی ارتھوڈوکس چرچ کے فلسطین کے منتظمین نے اقوام متحدہ کی ایک اسپیشل کمیٹی کو یہودی قبضہ کی کچھ ایسی بدترین معلومات فراہم کیں ہیں، کہ جس کا ان کے قبضے کے بغیر وقوع پذیر ہونا کسی کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ مثلاً:

کیتھولک چرچ کے سربراہ پوپ سمعان نے مذکورہ بالا اسپیشل کمیٹی کو رپورٹ دی

کہ یہود نے القدس شہر کی چہار دیواری کے پاس شامی کیتھولک چرچ کو ڈھا دیا ہے۔ اسی طرح مشہور ''انا'' چرچ کے ایک حصے کو بھی منہدم کرکے وہاں سے اسرائیلی فوج کے لئے شہر کے مشرقی جانب سے مغرب کی طرف ایک گزرگاہ بنادی ہے۔ اور ''مخلص'' چرچ کو تقریباً ویران کرکے اسے فوجی اسلحہ خانہ کی شکل دی گئی ہے۔ ساتھ ہی اس سے بازنطینی دور کے قدیم آثار اور قیمتی اشیاء غائب کردی گئیں ہیں، جن کی تاریخ چوتھی صدی عیسوی سے چلی آرہی تھی۔

ادھر کیتھولک رومن چرچ کے پیشواؤں کے چیئرمین نے بتایا کہ اسرائیلی فوجی یوحنا الصالغ المعمدانی) نامی چرچ موضع (عین القرین) میں داخل ہوئے اور اس میں تمام قابل) انتقال و قابل استعمال اشیاء کو لوٹ کرلے گئے۔ پھر اس کی دیواروں پر جلی حروف میں بیت الخلا لکھ دیا اور بالفعل اسی مقصد کے لئے اس چرچ کو استعمال کرنا شروع کیا۔ اسی طرح انہوں نے الیاس چرچ کو بھی لوٹا اور اس کی تمام خوبصورت اشیاء کے علاوہ فرنیچر بھی لے گئے۔ یہ آخر الذکر چرچ بیت لحم کے راستے میں واقع ہے۔ اس پر اکتفاء نہیں بلکہ موضع زاغہ میں اسرائیلی فوج و پولیس کے درندوں نے زاغہ جامع مسجد کے تمام قلمی مخطوطات تک چوری کئے، جیسا کہ زاغہ چرچ سے تمام اموال کو بے دریغ لوٹ کر اپنے قبضے میں لے لیا۔

مسجد اقصیٰ کی آتشزدگی

اور آخر یہود کی ان خطرناک اور گھناؤنی سازشوں کی وجہ سے مسجد اقصیٰ کو بھی اس میں دھکیل کر جلا دیا گیا جو حرمین شریفین کے بعد مسلمانوں کے لئے سب سے مقدس ترین عبادت گاہ اور اسلامی مرکز ہے۔ جو کسی دور میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کے ساتھ ساتھ تمام اصحابؓ کے لئے قبلہ بھی رہ چکا ہے۔ تاریخ کا طالب علم جب ان تاریخی حقائق کو سامنے رکھتا ہے، تو اس کو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ مسجد اقصیٰ کا جلانا ایک اتفاقی معاملہ نہیں تھا بلکہ اسرائیلی حکومت باقاعدہ اس مہم کے لئے مرحلہ وار انتہائی نازیبا حرکات کر رہی تھی تاکہ مسجد اقصیٰ کو انہدام کی طرف لے جایا جائے (اور اب یہ سلسلہ جاری ہے) کیونکہ جس طرح ہم نے اوپر ذکر کیا کہ القدس کے متعلق مسلمانوں، نصرانیوں اور یہودیوں کے نقطہائے نظر میں بعد المشرقین ہے۔ اس لئے یہود و نصاریٰ اپنے علاوہ کسی کو اس میں برداشت نہیں کر سکتے۔ اور اس قسم کے اعمال کے یہ مرتکب ہوتے رہتے ہیں ،تاریخ اس پر بہترین شاہد ہے۔ جب کہ ان کے بالمقابل مسلمان اس قسم کی بدترین، سطحی اور پست حرکات سے ہمیشہ اجتناب کرتے رہے ہیں کیونکہ مسلمان، یہودیت اور نصرانیت کے آسمانی دین ہونے اور ان کے مقدس مقامات کے تقدس کا قائل ہے۔ کیونکہ اسلام یہ نہیں کہتا کہ کافر، طاغوت اور معاندین ختم ہوں بلکہ اسلام تو ان کی ذوات کے بجائے ان کی غلط حرکات کو ختم کرنے اور اسے نیست و نابود کرنے کا داعی ہے۔

یہودیوں کی طاقت اور مسلمانوں کی کمزوری

اس مختصر جائزے کے آخر میں، میں ایک ایسی حقیقت کی طرف توجہ دلانا چاہتا ہوں جس سے عام مسلمان بے خبر ہے۔

یہودیوں کی طاقت اتنی زیادہ اور مستحکم اس لئے ہے کہ بیرون اسرائیل تمام یہودی مسلسل اس کی مادی، معنوی، سیاسی وروحانی مدد کر رہے ہیں۔ اور اس سلسلے میں یہ لوگ آپس میں ہمہ وقت رابطہ رکھتے ہیں۔ جب کہ اس کے مقابلے میں مسلمان فرقہ بندی، کم ہمتی، جنگ وجدال اور آپس میں عدم اعتماد کے شکار ہیں۔ اب آپ خود ہی اندازہ لگایئے کہ اتحاد و ہم آہنگی کا مقابلہ فرقہ واریت سے ہو رہا ہے، نتیجہ اظہر من الشمس ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی فطری یا منطقی شے نہیں ہے اور نہ ہی یہ یہودیت وصہیونی بربریت کا مقابلہ ہے آفاقی اسلام سے، بلکہ بات وہی ہے کہ اتحاد کا مقابلہ ہے فرقہ واریت سے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ جب یہود فلسطینی مسلمانوں کے خلاف جارحیت کے لئے متحد ہوتے تو مسلمانوں کو بطریق اولیٰ اتحاد کرنا چاہیے تھا۔ تاکہ اس زیادتی وظلم کا منہ توڑ جواب دیا جاتا اور عرب دنیا میں امن واستقرار پایا جاتا۔ مسلمان یہ نہ سمجھیں کہ یہودیوں کا اتفاق واتحاد زبانی جمع خرچ

:ہے، بلکہ یہ ایک حقیقت ہے، مندرجہ ذیل معلومات اس کی گواہی دیتی ہیں

یہودی صنعت کاری میں ۱۹۵۰ء سے لے کر ۱۹۶۳ء تک ۹۰۰ ملین ڈالر کا نفع ہوا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہودی مال دار طبقہ سے چندہ بھی جمع کیا گیا، جس میں سے صرف کینیڈا سے ۵۰ ارب ڈالر حاصل ہوئے۔

اسرائیل کے لئے یہودی سالانہ ۱۰/ارب ڈالر تحفوں میں ادا کرتے ہیں، اس میں سے - لاچیلڈ گھرانے نے اپنے جد اعلیٰ کی سالگرہ کے موقع پر ۱۰۰/ ملین ڈالر ادا کئے۔

اب کیا مسلمان یہودیوں سے اس اتحاد و یکجہتی پر بغض و کینہ پروری کریں گے۔ حالانکہ یہ تو ایک ایسی صفت ہے جس کو اپنانا اسلام میں فرض ہے۔ اور اسلام اس صفت کو بنظر استحسان دیکھتا ہے، مسلمانوں کو چاہیے کہ یہود کے اس اتحاد سے عبرت حاصل کریں، اور اس سے نتائج اخذ کریں کیونکہ ان کا اتحاد ظلم و زیادتی کے لئے ہے، اور مسلمان کا اتحاد اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے، مساوات و بھائی چارے کے فروغ کے لئے ہے۔ لہٰذا جب ہمارا مقصد عظیم اور نیک ہے تو اس عظیم اور نیک مقصد کے لئے ہمیں آپس میں تعاون اور اتحاد قائم کرنا چاہیے۔ جب مسلم امہ طاقت ور رہے گی تو اس کے منافع و مفادات کا انحصار صرف اسی پر نہیں رہے گا بلکہ دنیا کے کونے کونے میں جہاں کہیں ترقی اور عروج ہوگا، امت مسلمہ بجائے اس کے کہ اس کے سامنے قربانی کا بکرا بنے، اس سے استفادہ کرے

گی اور اگر امت مسلمہ کمزور وناتواں ہوگی تو نہ صرف یہ ضعف کا شکار ہوگی بلکہ اپنے اڑوس پڑوس کے لئے بھی ضعف اور اضمحلال کا سبب بنے گی۔

قیام اسرائیل کی فکر انہی دنوں میں پروان چڑھی تھی جن دنوں خلافت اسلامیہ کھوکھلے پن کا شکار ہوئی اور برٹش سامراج کو استعمار بننے کا موقع ملا۔ اگر مسلمانوں میں اتحاد و یکجہتی کی قوت رہتی اور وحدت قائم رہتی تو یہود اسرائیل کے بارے میں سوچنے کی جرات بھی نہ کر سکتے۔ گویا ہم ہی نے اپنی کمزوری کی وجہ سے اسرائیل بنانے میں مدد کی اور ہم نے ان جنونی افکار کے متعلق چشم پوشی سے کام لیا جو یہودی دماغ میں رچے بسے تھے اور ہیں۔ بنظر غائر اگر ہم دیکھیں تو ہم نے ان کو صرف اسرائیل صغریٰ یا کبریٰ بنانے ہی کا موقع نہیں دیا بلکہ ہم نے انہیں عالم اسلام کے بہت سے علاقوں پر قبضہ بھی دلادیا۔ ضعف کی وجہ سے ہماری حالت بکریوں کی تھی تو وہ بھیڑیا بن گئے۔ چنانچہ مسلمانوں کو چاہیے کہ قوت اور عروج وترقی کے لئے کمربستہ ہوجائیں تاکہ وہ اپنا اور اپنے زیر نگیں کفار ذمیوں کا دفاع کر سکیں اور اس مقدس سرزمین میں امن وسلامتی کا بھی دفاع کر سکیں (☆)۔

(الفاروق، رمضان المبارک ۱۴۱۶ھ)

ترک وزیر اعظم نجم الدین اربکان کا مختصر تعارف

(خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد پہلی مرتبہ کسی اسلام پسند لیڈر کا یہاں حکمراں بننا)

پیدائش: ۲۹ اکتوبر ۱۹۲۶ء (سینوب، ترکی)

تعلیم: گریجویٹ۔

استنبول یونیورسٹی سے گریجویشن کرنے کے بعد وہیں پر اسپیشلسٹ کی حیثیت سے ان کی تقرری ہوئی۔ کچھ دنوں بعد یونیورسٹی کی طرف سے اسکالرشپ ملی اور یونیورسٹی نے آپ کو جرمنی کی آخن ٹیکنکل یونیورسٹی میں بھیج دیا۔ وہاں جاکر آپ نے پروفیسر شیستھ کے ساتھ جرمن افواج کے لئے تحقیقاتی کام بھی کیا جس کی بناء پر آپ کو پی ایچ ڈی کی ڈگری ملی۔ چنانچہ یہیں پر آپ نے (ایندھن کو کس طرح صحیح طور پر استعمال کیا جائے) کے موضوع پر تحقیقاتی مقالے بھی لکھے۔

آپ ۱۹۵۳ء میں ترکی لوٹ آئے اور اسسٹنٹ پروفیسر کے عہدے پر فائز ہوئے، یاد رہے کہ اس وقت جناب ڈاکٹر پروفیسر اربکان کی عمر صرف ۲۷ سال تھی۔

مئی ۱۹۵۴ء سے نومبر ۱۹۹۵ء تک فوجی سروس انجام دی۔
۱۹۵۶ء میں ۲۰۰ ساتھیوں کے تعاون سے (جومش موٹرز) کے نام سے ایک کمپنی کی بنیاد رکھی تاکہ ترکی کے صنعت کاروں اور ترکی خام مال کی مدد سے موٹرز بنائی جاسکے۔
۱۹۶۰ء میں آپ پروفیسر بنے، اور ۱۹۶۶ء میں آپ ایوانہائے صنعت و تجارت کے صدر چنے گئے۔
۱۹۶۷ء کو آپ محترمہ نیرمین سے رشتہ ازدواج میں منسلک ہوئے۔ جن سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو دو بیٹیاں اور ایک بیٹا عطا فرمائے۔
۱۹۶۹ء میں آپ نے سیاست کے میدان میں باقاعدہ حصہ لیا اور آپ قوینہ حلقۂ انتخاب سے قومی اسمبلی کے رکن منتخب ہوئے۔
جنوری ۱۹۷۰ء کو آپ نے نیشنل پارٹی کا اعلان کیا لیکن چار ماہ بعد اس پر پابندی لگا دی گئی۔

۱۹۷۲ء میں آپ نے قومی سلامتی پارٹی کی بنیاد رکھی۔ اس کے منشور کے تحت آپ نے انتخاب لڑا، اور قوینہ حلقہ انتخاب سے آپ ممبر نیشنل اسمبلی بنے۔

۱۹۷۴ء میں سب سے پہلی مشترکہ حکومت میں آپ نے حصہ لیا اور وزیر اعظم بولنت آجاوید کے ساتھ نائب وزیر اعظم کے عہدے پر فائز ہوئے۔ ساتھ ہی آپ کو وزیر مملکت برائے اقتصادی معاملات کا قلمدان بھی عطا کیا گیا۔

۱۹۷۷ء میں بھی آپ نے ایک چار جماعتی مشترکہ حکومت میں حصہ لیا اور نائب وزیر کے عہدے پر فائز ہوئے۔

۱۹۷۸ء سے ۱۹۸۰ء تک آپ اپوزیشن لیڈر رہے۔

۱۹۸۰ء کے انتخاب کے بعد جناب ڈاکٹر پروفیسر نجم الدین ارکان اور دیگر تمام زعماء پر سیاسی سرگرمیوں میں حصہ لینے پر پابندی عائد ہوئی۔ اور ان کی پارٹی ''قومی سلامتی پارٹی'' دوسری تمام پارٹیوں کی طرح کالعدم قرار دی گئی۔

۱۹۸۷ء کے ریفرنڈم کے بعد آپ دوبارہ میدان سیاست میں کود پڑے۔ اور آپ اسلامی رفاہ پارٹی (جس کی بنیاد آپ نے ۱۹۸۳ء میں رکھی تھی) کے صدر منتخب ہوئے۔

اور الحمدللہ اب ۸ جولائی ۱۹۹۶ء کو آپ ترکی کے نئے وزیراعظم منتخب ہوئے۔ اس مشترکہ حکومت میں اسلامی رفاہ پارٹی کو وزارت عظمیٰ سمیت ۱۸ وزارتیں ملی ہیں جب کہ تانسوچلر کی پارٹی کو نائب وزارت عظمیٰ سمیت ۳ وزارتیں ملی ہیں۔ اس حکومت میں وزارت عظمیٰ باری باری سے ہے۔ اول نصف مدت اربکان وزیراعظم رہیں گے اور نصف دوم میں تانسوچلر وزیراعظم رہیں گی۔

حوالہ جات:

(المجتمع، عدد: ۱۲۰۷) (۱)

(قضایا دولیۃ عدد: ۳۴۱) (۲)

(ماہنامہ الفاروق اردو، ربیع الاول، ۱۴۱۷ھ)

آہ..... عبید اللہ المظفر!

داغِ فراق دینے والا گلِ خنداں

(حرکتہ الانصار کے کیمپ میں برادرِ عزیز کی شہادت پر الفاروق عربی کے لئے لکھے گئے مقالے کا اردو ترجمہ)

میرے عبید! گویا ابھی میں آپ کی تدفین سے فارغ ہوا ہوں، اور ہاتھوں پر لگی آپ کی قبر کی مٹی کو جھاڑ رہا ہوں، میری اشکبار آنکھوں سے آنسو کی دھاریں اچھل اچھل کر مٹی میں مل رہی ہیں۔ ارے اشکوں کا بہتا ہوا یہ ریلا مجھے کہیں آپ کے جوار میں نہ لے آئے، کیونکہ آپ کو شب کی تاریکیوں اور قبر کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں اکیلا چھوڑ دوں، یہ میری طاقت اور میرے بس سے باہر ہے، مجھے آپ کے احوال کا علم نہیں ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات سے نجات اور فوز و فلاح کی امید ہے۔

میرے عبید! آپ کی حسین یادوں کو نہاں خانۂ دل سے نکال دوں، مٹادوں، یہ کیسے ہوسکتا ہے، آپ تو میرے صرف بھائی ہی نہیں، شاگرد، دوست اور غمخوار بھی

تھے، میرے مغموم اور زخمی دل کا درماں اور میرے غموں اور دکھوں کا مداوا تھے، موسمِ بہار کی ان موسلا دھار بارشوں کی طرح تھے، جو سنسان جنگلوں اور لق و دق صحراؤں میں گل لالہ کو زندگی عطا کریں، ایسے عمدہ، پاکیزہ اور بہترین اخلاق کے پیکر کہ دوستوں میں ضرب المثل بن گئے تھے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ ظالم گل چیں میرے گل دستۂ دل سے ایک ایسے گلِ خنداں کو بھی اچک لے گا، کہ موسمِ بہار کی بوئے گل لانے والی مشکبار و معطر ہوائیں روٹھ جائیں گی، میں نے یہ کب سوچھا تھا کہ آپ مجھے زخمی دل چھوڑ کر چلے جائیں گے، آپ مجھے اکیلا چھوڑ کر رخ منزل کرلیں گے، آپ اس بے رحم دنیا کے مصائب و سختیوں سے عنفوانِ شباب میں چھٹکارا حاصل کرکے اس کی تلخیوں سے نجات پاجائیں گے اور مجھے ایسے کرب میں مبتلا کرجائیں گے کہ آپ کی حرکات و سکنات ہردم مجھے تڑپاتی اور آپ کی حسین یادیں ہر لمحہ اور ہر لحظہ مجھے رلاتی رہیں گی۔ مگر یہ دن ہے کہ آپ کا جسم ٹھنڈا اور حس و حرکت سے خالی ہے، اپنے محبوب مطلوب و مقصود کو پالینے والے شخص کی طرح، مسکراہٹ آپ کے لبوں کی زینت بنی ہوئی ہے، ایسا لگتا ہے کہ آپ کی آرزوئیں ثمر بار ہوگئیں ہیں، بدن لہو لہو ہے اور خون جاری و ساری ہے، لیکن تبسم و مسکراہٹ آپ کے حسین لبوں پر گل فشانی کررہی ہے۔

میرے پیارے! میں نے آپ کو نمناک مٹی تلے دفن کر دیا ہے، آپ کی مرقد پر مٹی ڈال دی ہے، آپ میرے آنکھوں سے اوجھل ہو گئے ہیں، میری آنکھیں اشکبار ہیں، میرے آنسو آنکھوں میں ٹکٹکی باندھ کر جھجھا رہے ہیں، نہ تھمتے ہیں نہ رواں ہیں اور نہ لوٹ کر واپس جاتے ہیں، میرا دل آپ کے غمِ فراق میں زخمی زخمی اور چور چور ہے، آپ کا مبارک جسّہ مٹی تلے مدفون ہے، میں اپنے خیالات میں مصافحے کے لئے ہاتھوں کو آگے بڑھاتا ہوں لیکن اس میں کوئی حرکت و جنبش ہی نہیں۔

میرے پیارے! آپ کیوں غیر مانوس بن گئے ہیں؟ ہلتے کیوں نہیں؟ کیوں مجھے ستار ہے ہیں؟ آپ تو اپنی محبت کو مجھ پر قربان اور نچھار کرتے تھے، جب سے آپ جدا ہوئے، خوشیاں بھی روٹھ گئیں، غموم و آلام کے گرداُبوں میں پھنس کر رہ گیا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیا میں حفظ قرآن اور طلب علم کے عالی شان مراتب سے نواز اتھا، آخرت میں بھی عالی شان مقام و مرتبہ عطا فرمائے، آپ کو قرآن مجید کا حافظ، قاری بنایا تھا، آپ قرآن مجید کو اٹھاتے اور اپنے سینے سے لگایا کرتے تھے، آپ کی شیریں آواز گویا اب بھی میرے کانوں میں گونج رہی ہے۔

شرپسند اور فتنہ پرور دشمن کے ٹھکانوں سے گولیوں کی بوچھاڑ آئی اور صداقت کے جذبوں سے معمور آپ کے سینے کو چاک کر گئی، آپ کا پاکیزہ، مقدس، مشکبار

اور معطر خون بہہ بہہ کر مٹی میں ملنے لگا۔ اے اللہ! ان ظالم کافروں کو تباہ و برباد اور ہلاک کر دے، جنھوں نے ایک بھائی کی معمور آغوش سے ایک صالح طفلِ مکتب کو چھین لیا، اے میرے مولیٰ! ان ظالموں کی آبادیاں اور مکانوں کو تباہ و برباد اور ویران کر دے، جنھوں نے بھائیوں کے محبت بھرے جذبات کو زخمی کر کے ایک بھائی کو شہید کر دیا۔

بھائی جان! آپ غمگین نہ ہوں" یہ ایک آواز ہے جو اچانک میرے کانوں میں پڑتی" ہے، سن کر میری جان میں جان آ جاتی ہے، وہ میرے عبید کی صدائیں مجھے پکار رہی ہیں، بھائی جان! آپ غمگین کیوں ہوتے ہیں؟ کیا آپ نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان نہیں سنا؟ ان کی شیریں اور خوشگوار آواز تھم تھم کر میرے کانوں میں پڑنے لگی۔

.) ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل اللہ امواتا، بل احیاء عند ربھم یرزقون (

جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہوئے ہیں، انہیں مردہ مت سمجھو، وہ تو حقیقت میں زندہ" ہیں، اپنے رب کے پاس رزق پا رہے ہیں"۔

باوجودیکہ اشکوں کے نہ تھمنے والے دھارے پھوٹ پھوٹ کر میری آنکھوں سے نکل رہے تھے۔ لیکن میرے دلِ ناتواں کو اطمینان ملا، اپنے محبوب کو خلد بریں کی طرف الوداع کہتے ہوئے ان کی قبر سے اٹھ کھڑا ہوا، رب کریم کی بہشت میں وعدہ

ملاقات پر میں اس سے جدا ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی بے کراں رحمتیں آپ پر نازل ہوں اور اللہ تعالیٰ آپ کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔

تجھ پر سلام ہو اے گلِ گلاب! جو کھلنے سے پہلے مرجھا گیا۔

!الوداع! پیارے عبید، الوداع

کفی حزناً انی امرّ بقبرہ = فأمضی، و قلبی بالاسی متکسر

(الفاروق عربی رجب، شعبان، رمضان، ۱۹۹٦ء)

نیپال کی بدحال مسلم اقلیت

مسلم ممالک میں اقلیتوں کے وارے نیارے ہیں۔ انہیں گوناگوں سہولتیں اور حقوق حاصل ہیں۔ مزید ملنے پر ان کی ہوس بڑھتی ہے اور حروف شکایات ہمیشہ ان کی زبانوں پر جاری رہتے ہیں۔ ادھر غیر مسلم ممالک میں عام حالات کے دوران بھی مسلمانوں پر جو بیتتی ہے اس کا ایک نقشہ پیش کیا جارہا ہے۔ جینے والے سسک سسک کر، جوں توں زندگی کے دن پورے کرتے ہیں تو مُردوں کو قبرستانوں میں بھی چین سے پڑے نہیں رہنے دیا جاتا۔

مسلم ممالک میں قائم دینی اداروں اور اہل ثروت اصحاب کا فرض ہے کہ معلوماتی، تربیتی اور علمی کتب وہاں بھیجیں۔ دینی مدارس اور مساجد تعمیر کردیں۔ دینی ادارے وہاں کی زبانیں سکھا کر مبلغین اور وہاں مستقل رہائش اختیار کرنے والے واقفین زندگی روانہ کیا کریں۔ تاکہ ہمارے کچلے ہوئے اور مظلوم بھائی اغیار کی ایمان دشمن سرگرمیوں کا شکار ہونے سے بچیں، حوصلہ پائیں، دین حق کو سمجھیں، اس پر قائم رہیں اور آنے والی نسلوں کے لئے بہتر حالات چھوڑ کر جائیں۔

فی الحال امداد طلب نگاہوں کا مرکز صدیقی ٹرسٹ، نسیم پلازہ لسبیلہ چوک، نشتر روڈ کراچی ہی ہے، ربّ کریم ٹرسٹ کے بانی الحاج محمد منصور الزمان صدیقی کی صحت و زندگی میں برکت ڈالے ان کے لگائے ہوئے پودے کو، جو کہ اب تناور درخت بن چکا ہے، مزید پھلنے پھولنے اور مسلمانوں کی زیادہ سے زیادہ خدمات سرانجام دینے کی توفیق سے نوازے۔ آمین ثم آمین۔ (ایڈیٹر)

محل وقوع

مملکت نیپال کا محل وقوع وسطی ایشیا میں ہندوستان اور چین کے درمیان ہے، ہمالیہ کا طویل پہاڑی سلسلہ شمال میں اس کو چین سے ملاتا ہے۔ باقی تینوں اطراف سے اس کی سرحدیں ہندوستان سے ملی ہوئی ہیں اور اس کا کل رقبہ زمین ۱۴۱۰۰۰ مربع کلومیٹر ہے۔

نیپال کی سرزمین اکثر پہاڑوں پر مشتمل ہے، جو قابل کاشت بھی نہیں ہے۔ صرف ایک تہائی میدانی علاقہ ہے جس میں کاشت کاری کی جاتی ہے۔ پہاڑوں کی وجہ سے آب و ہوا نہایت خوشگوار ہے۔

پہاڑوں کا بلند ترین سلسلہ ہمالیہ ہے جس کی بعض چوٹیاں پوری دنیا میں سب سے زیادہ اونچی بتائی جاتی ہیں مثلاً (ماؤنٹ ایورسٹ)۔

نیپال از روئے تاریخ

نیپال کی معلوم تاریخ آج سے تقریباً سات صدی قبل سے شروع ہوتی ہے، جب یہ مملکت ہندو مذہب کی اکثریت کی بنیاد پر قائم ہوئی تھی۔ ہندوؤں کے بعد یہاں دوسری اکثریت بدھوؤں کی ہے۔

نیپال کا شمار دنیا کے غریب ممالک میں ہوتا ہے۔ اس لئے اقتصادی اور معاشی بحران سے دوچار ہے، کاشت کاری کا تو تقریباً یہاں فقدان ہے اور یہی وجہ ہے کہ ایک آدمی کی سالانہ آمدنی صرف ۱۲۰ ڈالر ہے۔ یہاں کی قومی زبان نیپالی ہے جو سنسکرت اور ہندی سے ملتی جلتی ہے۔ اور ہندی کے حروف سے لکھی جاتی ہے۔ کل آبادی مردم شماری کے لحاظ سے ۱۴ ملین ہے۔ جس میں ۸% مسلمان ہیں۔ ان مسلمانوں کی زبان اردو ہے۔

بحری راستوں پر نیپال کی پہنچ نہیں۔ نیپال کا دارالخلافہ (کھٹمنڈو) شہر ہے جس کو بعض لوگ دادی بھی کہتے ہیں۔ بعض تاریخی وجغرافیائی حالات سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ نیپال کا جو میدانی حصہ ہے، یہ پہلے غرقاب تھا۔ طویل زمانے کے بعد یہ خشکی ظاہر ہوئی ہے۔

نیپال میں اسلام کی آمد

اس سرزمین پر اسلام کی آمد کا کوئی خاص ذکر تاریخ میں موجود نہیں ہے۔ البتہ

بعض تاریخی واقعات سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ پانچویں صدی ہجری میں یہاں اسلام کی آمد عرب اور دیگر مسلم تاجروں کے ذریعے ہوئی تھی۔ ان میں سے چند تاجروں نے مستقل سکونت اختیار کر لی اور اسلام کی دعوت کو رفتہ رفتہ اس علاقے کے کونے کونے میں پہنچا دیا۔

مسلمانوں کے موجودہ حالات

سرکاری ذرائع ابلاغ و نشریات کے مطابق یہاں ایک ملین مسلمان ہیں۔ مگر اسلامی تنظیموں اور اداروں کا کہنا ہے کہ یہاں مسلمانوں کی تعداد ایک ملین سے کہیں زیادہ ہے۔ ابتدائے تاریخ کے برعکس نیپالی مسلمان کی اب مالی واقتصادی اعتبار سے کوئی حیثیت نہیں۔ اکثر مزدوری اور دہقانی کرتے ہیں۔ تجارت و صنعت سے کوسوں دور ہیں۔ سرکاری ملازمتوں میں بھی نظر نہیں آتے اور اگر ہیں بھی تو ایسی ملازمتوں پر کام کرتے ہیں کہ جس سے وہ اپنی گھریلو ضروریات کو ہی بمشکل پورا کرپاتے ہیں۔ بعض ایسے مسلمان بھی ہیں جو صرف اسلام کا نام جانتے ہیں اور بس۔ بایں وجہ یہاں کے مسلمانوں کے عقائد و اعمال میں اسلام کی پاکیزہ روح کی بجائے بدعات و رسومات کو مرکزی مقام حاصل ہے۔

،اب ان مسلمانوں کو ایسے افراد کی اشد ضرورت ہے جو ان کو اسلام کی مبادیات

صفات، شفاف عقائد اور توحید خالص کا درس دیں تاکہ وہ بھی اور ان کی اولاد بھی اسلامی عقائد واعمال سے بخوبی روشناس ہوسکیں ورنہ وہ وقت دور نہیں کہ نیپال کی سرزمین سے گزران کے ساتھ ساتھ اسلام کا بھی گزر ہو جائے اور اس سرزمین کے باسی اس ابدی نورانیت وروحانیت سے محروم رہ جائیں۔

نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں صرف چار مساجد ہیں۔ان میں جامع مسجد نیپال میں ایک مکتب بچوں کی پڑھائی کا بھی ہے اور اس کے علاوہ تین مدارس ہیں: ۱-مدرسۃ الاصلاح، ۲-مدرسہ سراج العلوم، ۳-مدرسہ نورالاسلام اور بھی کئی ابتدائی مدرسے ملک کے مختلف مقامات میں موجود ہیں، ایک اور مدرسہ کی ابھی بنیاد رکھی گئی ہے مگر معاشی بحران کی وجہ سے اس کا کام رک گیا ہے۔

ملک کی تمام یونیورسٹیوں میں مسلمان طلبہ کی تعداد ۱۲۰ ہے، جن میں دس خواتین ہیں۔اسلامی تعلیم وتربیت سکولوں اور کالجوں میں ممنوع ہے بلکہ باعث جرم ہے حالانکہ تقریباً تمام اسلامی ممالک کے اس ملک کے ساتھ سفارتی اور سیاسی تعلقات بھی ہیں۔اس ملک میں مسلم اقلیت کے لئے اپنے حقوق کے مطالبے کا نہ کوئی سرکاری قانون ہے اور نہ ہی نیپالی قانون کی رو سے وہ اپنے اسلامی شرعی حقوق کا مطالبہ کر سکتے ہیں۔اکثر اوقات اسلامی اور نیپالی قوانین میں بھی تضادات کی وجہ سے انہیں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا

ہے۔ ان مشکلات میں سے ایک قبرستان کا مسئلہ ہے کیونکہ ہندو اور بدھ اپنے مردوں کو جلاتے ہیں اور مسلمان زمین میں دفن کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ زمین قابل کاشت نہیں رہتی۔ ہندوؤں اور بدھوؤں کا مطالبہ ہوتا ہے کہ نئے قبرستان نہ بنائے جائیں اور پرانے قبرستان بھی ہمارے حوالے کئے جائیں تاکہ ہم اس میں کھیتی باڑی کریں حالانکہ مسلمانوں کے لئے الگ قبرستان کا ہونا اور مردوں کو دفنانا دین کا ایک اہم رکن ہے اور اسلامی تہذیب کی ایک اہم کڑی ہے۔

دارالخلافہ کھٹمنڈو میں تقریباً تین ہزار اور (پوکھر) اور اس کے گرد و نواح میں تقریباً دو ہزار مسلمان ہیں۔ ملک کے دیگر علاقوں میں مسلمانوں کی تعداد اس سے زائد ہے۔ مگر وہ متفرق ہیں۔ ان میں سے اکثر بھارتی حدود کے قریب رہتے ہیں۔ دینی لحاظ سے کھٹمنڈو کے مسلمان دوسروں کی نسبت اسلام کے اوامر و نواہی سے کچھ نہ کچھ روشناس ہیں اور اقتصادی حالت بھی ان کی دوسرے مسلمانوں کے مقابلے میں بہتر ہے۔

کھٹمنڈو میں مقیم مسلمانوں کے علاوہ تمام مسلمان خصوصاً پہاڑوں میں بسنے والے ہیں اور رہن سہن، تہذیب و ثقافت، رسم و رواج میں ہندوؤں کے غلام ہیں۔ جہالت وضلالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں پھنسے ہوئے ہیں۔ اسلامی تحریکوں اور

تنظیموں سے کوئی تعلق و مناسبت نہیں رکھتے۔ اس کی وجہ ان کا اقتصادی و معاشی انحطاط ہے۔ ان میں تقریباً دو دو ہزار کی آبادیوں میں صرف ایک مسجد ہوتی ہے اور وہ بھی نظم و نسق کی مشکلات سے دوچار۔ نہ اس میں کوئی مستقل امام ہوتا ہے اور نہ کوئی مؤذن یا بچوں کا معلم۔ اسی طرح یہاں کے مدارس کی نہ کوئی الگ تنظیم ہے جس کے تحت یہ مدارس منظم طور پر کام کریں اور نہ کوئی متفقہ نصاب تعلیم بلکہ نصاب و معیارِ تعلیم، مہتمم مدرسہ کی صوابدید پر ہوتا ہے۔

نیپال کی حکومت نے ایک تنظیم مسلمانوں کے لئے ''جمعیۃ الاصلاح'' کے نام سے بنائی تھی مگر اس میں ایسے اختلافات رونما ہوگئے ہیں کہ اب اس کا وجود بھی نہ ہونے کے برابر ہے۔ ایک اور تنظیم ''ملت اسلام نیپال'' کے نام سے چند نوجوانوں نے قائم کی ہے۔ شروع میں تو اس کے کارکنوں کی تعداد بہت کم تھی، مگر ان کے علماء دیوبند اور دیگر علماء ہند سے روابط کی وجہ سے اس میں اب کافی لوگوں نے شمولیت اختیار کرلی ہے اور آہستہ آہستہ قومی دھارے میں شامل ہورہی ہے۔

نیپال کی مسلم اقلیت کشمیر، ہندوستان، تبت اور دیگر اسلامی ممالک سے مختلف زبانوں میں ہجرت کرنے والوں کی اولاد میں سے ہیں۔ ان کی اپنی زبان اردو اور قومی زبان نیپالی ہے یہاں ان مسلمانوں کے لئے اردو زبان میں اسلامی لٹریچر

نہ ہونے کے برابر ہے۔ اس لئے ان کو اسلام کے بنیادی امور کی بھی خبر نہیں اور نہ ہی ارکان اسلام کو صحیح طور پر بجا لانے کا ڈھنگ جانتے ہیں۔

عیسائی، یہودی اور دیگر دینی قوتیں یہاں کے مسلمانوں کے درمیان زور وشور سے کام کر رہی ہیں۔ ان غیر مسلموں کی جانب سے مسلمانوں کے لئے ہسپتال، مدارس، سکول اور مکاتب کھولے جارہے ہیں، جس میں بظاہر تعلیم وتربیت اور علاج معالجہ کا کام ہو رہا ہے، مگر درون خانہ مسلمانوں کو اسلام سے بیزار کرنے اور اپنے اپنے مذاہب، نظریات وافکار کی دعوت دینے کا سلسلہ جاری ہے۔ اسلامی حکومتوں کے سربراہان، علماء، اسکالر ایک ایسے وقت میں خاموش تماشائی کا کردار ادا کر رہے ہیں جب کہ نیپال کی اس مسلم اقلیت کے دل ودماغ سے مذہب وعقیدہ، فکر وحریت، ایمان اور عمل علی الاعلان چھینا جارہا ہے۔ اگر اسلامی ممالک، اسلامی تنظیموں اور باثر مسلمانوں نے اب بھی ان کی مدد نہ کی اور ان سے غافل ہی رہے تو یہ نظارہ بھی سامنے آجائے گا کہ مسلم اقلیتیں کافر وملحد اکثریتوں میں گھل مل کر ختم ہوجائیں گی۔

نیپال کے دور دراز دیہات میں جو بلند پہاڑوں پر واقع ہیں بغیر نماز جنازہ میت دفن کردی جاتی ہے کہ کوئی نماز پڑھانے والا نہیں ہے اسی طرح بغیر خطبہ مسنونہ اور باضابطہ نکاح کے پنچایت کے فیصلہ کے مطابق شادی کردی جاتی ہے۔

اس ہدایت کے ساتھ کہ جب شہر جاؤ تو کسی عالم دین سے نکاح پڑھوا لینا۔ جب کوئی تبلیغی جماعت (جو دور دراز پہاڑی دیہاتوں میں کم ہی پہنچتی ہیں) آتی ہے تو گاؤں کے لوگ اپنے مرحومین کے لئے نماز جنازہ پڑھانے کی درخواست کرتے ہیں، یا شادی شدہ جوڑے نکاح پڑھواتے ہیں۔

الحمدللہ صدیقی ٹرسٹ کی جانب سے قرآن کریم، درسِ نظامی اور صحاح ستہ کے علاوہ اردو کا لٹریچر کثیر تعداد میں ہر ماہ متواتر اور مسلسل روانہ کیا جاتا ہے۔

تیس مدارس اسلامیہ کو ٹرسٹ میں اعزازی رکنیت دی گئی۔ یہ خدمت اہل نیپال کے لئے عجیب و غریب اور حیران کن ہے۔ اللہ تعالیٰ نافع بنائے۔ آمین۔

(بحوالہ "الفاروق" کراچی، ربیع الثانی، ۱۴۱۱ھ)

(ماہنامہ "المذاہب" لاہور)

برازیلی مسلم اقلیت۔۔۔ جنریشن گیپ

غیر مسلم ممالک میں بسنے والی مسلم اقلیتوں کی طرف عالم اسلام کی فوری توجہ کی ضرورت ہے، ورنہ اقلیتیں غیر مسلم اکثریت میں ضم ہو کر رہ جائیں گی، اور ان کی اسلامی تہذیب و تمدن غیر مسلموں کی تہذیب وتمدن کے سیلاب میں بہہ جائیں گی۔ ان مسلم اقلیتوں کی پرانی نسلوں نے ایک زمانے تک اپنے عقائد و روایات کا تحفظ کیا ہے۔ لیکن نئی نسلیں جنھوں نے غیر مسلم معاشرے میں پرورش پائی ہے، اور اسی ماحول میں پروان چڑھے، قریب ہے کہ اپنے آبائی دین اور اپنے عقائد وروایات سے منحرف ہو جائیں، اور ممکن ہے کہ دین حنیف کو عملی طور پر بھی پس پشت ڈالیں۔ الہذا اس سے قبل کہ وہ اسلام سے مزید منحرف ہوں، ان میں اسلامی شعور اجاگر کرنے کے لئے مسلمانوں کو ان کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔ ساتھ ساتھ اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ اقلیتیں عملی طور پر میدان میں اپنی بقاء کا تحفظ کرسکیں۔ عالم اسلام پر یہ ذمہ داری بھی عائد ہوتی ہے کہ مسلم ماحول سے دورِان مسلم اقلیتوں کے لئے ایک ایسا لائحہ عمل مرتب کرنے میں ان کی مدد کریں جس کے ذریعے ان کو درپیش مشکلات، نئے نئے پیش آنے والے مسائل باآسانی حل ہو سکیں۔

اور ان کی نئی نسل کو الحاد اور بے دینی کے پنجوں سے محفوظ رکھا جاسکے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد اور قرآن کریم سے ہدایت مانگتے ہوئے اب مسلمانوں کو اپنی جدوجہد شروع کردینے میں ذرا تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ ”تمہارے پاس اللہ کی طرف سے ایک روشن چیز آئی ہے، اور ایک کتاب واضح کہ اس کے ذریعے سے اللہ ایسے شخصوں کو جو رضائے حق کے طالب ہوں، سلامتی کی راہیں بتلاتے ہیں، اور ان کو اپنی توفیق سے تاریکیوں سے نکال کر نور کی طرف لے آتے ہیں اور ان کو راہ راست پر قائم رکھتے ہیں۔ (مائدہ: ۱۶۱

ان مسلم اقلیتوں میں سے .برازیل کی مسلم اقلیت کے احوال اور انہیں درپیش مشکلات و ضروریات کا یہاں ہم کچھ تذکرہ کریں گے، ممکن ہے دوسرے غیر مسلم ممالک میں بسنے والی مسلم اقلیتوں کے حالات بھی انہی جیسے ہوں۔

بہرحال .برازیل میں بسنے والی مسلم اقلیت سے متعلق ان کے تاریخی پس منظر، موجودہ حالات اور دینی تعلیم کے وسائل کا ذکر کسی قدر تفصیل کے ساتھ ہوگا۔

تاریخی پس منظر

یہ مسلم اقلیت جو دراصل تارکین وطن ہیں، اپنے معاشی حالات کو سنوارنے کی غرض سے .برازیل میں آکر آباد ہوئی تھی، ان میں سے اکثر سوریا اور لبنان سے

خلافت عثمانیہ کے دور میں پچھلی صدی کے اواخر سے یہاں آباد ہوئے، جب کہ ان کی تعداد اس صدی کے اوائل تک بڑھتی رہی۔ پھر گزشتہ چند سالوں میں فلسطین اور دوسرے ممالک سے بھی کچھ لوگوں نے یہاں ہجرت کی اور آج یہ سب کے سب برازیل میں ایک مسلم اقلیت کی شکل اختیار کر گئے ہیں۔

برازیل کا رقبہ تقریباً ساڑھے آٹھ ملین مربع کلومیٹر ہے، اس وقت برازیل کی کل آبادی ۱۳۰ ملین ہے۔ یہاں کا سرکاری مذہب عیسائیت ہے جب کہ دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے بھی یہاں بڑی تعداد میں بستے ہیں۔ ابتداء میں یہاں کے مسلمانوں نے اپنی قدیم روایات کا بخوبی تحفظ کیا، لیکن ان کا دور دراز شہروں میں قیام، بامشقت کسب معاش اور وطن جدید میں اسلامی ماحول کا فقدان، یہ عوامل ان کی اپنی تربیت میں زبردست انحطاط کا باعث ہوئے۔ دوسری طرف یہاں کے جدید اور بے دین ماحول نے مسلمانوں کی اولاد پر اثر انداز ہونا شروع کیا اور انہیں اپنے ماحول میں خلط ملط کر دیا۔ یہ عوامل اسلام سے بُعد اور لاتعلّقی کی اولین وجہ ثابت ہوئے۔ اس سے یہ بات بخوبی واضح ہو جاتی ہے کہ نئی نسل کے برخلاف پرانی نسل کا دینی عقیدہ قوی اور راسخ تھا اور یہ فرق صرف دین تک محدود نہیں بلکہ عربی زبان میں بھی ظاہر ہوا۔ پرانی نسلیں آپس میں عربی زبان استعمال کرتی تھیں جب کہ بعد والوں اور اس ارض جدیدہ میں تربیت پانے والے آپس میں پرتگالی زبان استعمال کرنے لگے۔ اس لئے اکثر اوقات یوں

ہوتا کہ والدین اولاد سے عربی میں بات کرتے اور وہ پرتگالی میں جواب دیتے۔ وہ عربی سمجھتے تو تھے مگر اس میں گفتگو کرنے میں انہیں دِقت ہوتی تھی۔ اب معاملہ یہاں تک پہنچ چکا ہے کہ نئی نسل کے مسلمانوں کی اکثریت عربی میں نہ باتیں کر سکتی ہے اور نہ سمجھ سکتی ہے۔ اولاد اور والدین کے درمیان بڑھتا ہوا یہ فاصلہ (Generation فکر و نظر اور عمل میں فرق پیدا کرنے کا سبب بھی بن گیا۔ بلکہ اگر اس فاصلہ کو (Gap قدیم اور جدید کا بُعد المشرقین کہا جائے تو بعید نہ ہوگا۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ یہ بڑے معاشرے کا چھوٹے معاشرے پر غالب ہو جانے کا منطقی نتیجہ ہے۔ کیونکہ اقلیت اگر اپنے تشخص کی سخت حفاظت کا بندوبست نہ کریں تو اکثریت کے ذیل میں طوعاً یا کرھاً کچل جایا ہی کرتی ہے۔

برازیل میں پردیسیوں نے کسبِ معاش کے لئے ہر قسم کے طریقے اختیار کر رکھے ہیں۔ ابتدا میں تو ان کی سرگرمی زیادہ تر تجارت کی جانب رہتی تھی، خصوصاً پھیری لگا کر اشیاء فروخت کرنا، اپنے کاندھوں پر سامان لئے ہوئے یہ لوگ میلوں کا سفر کیا کرتے تھے۔ البتہ اب ان کے حالات قدرے بہتر ہوئے ہیں، کیونکہ برازیل کے اکثر شہروں میں انہوں نے کچھ نہ کچھ کاروبار شروع کر دیا ہے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی نئی نسل نے تجارتی معاملات میں بہت سی تبدیلیاں بھی پیدا کر لی ہیں۔ حتیٰ کہ بعض نے کپڑوں کے کارخانے اور فیکٹریاں

قائم کرلی ہیں اور عیش و تنعّم کی زندگی گزارنے لگے ہیں۔ آج کل مسلمانوں کی تیسری نسل کی اکثریت تعلیم کی طرف مائل ہے جس کی وجہ سے ان میں تعلیم یافتہ طبقہ بھی وجود میں آیا ہے۔ بعض نے اس بنیاد پر سرکاری ملازمتیں اختیار کرلی ہیں۔ جب کہ بعض مسلمانوں کا شمار ماہر وکلاء، اطباء، اساتذہ، انجینئرز میں ہوتا ہے۔

اس وقت ''سان پاؤلو'' کی ریاست میں عموماً اور ''سان پاؤلو'' کے شہر میں خصوصاً مسلمانوں کی ایک کثیر تعداد آباد ہے۔ گو کہ ان کی صحیح تعداد معلوم نہیں لیکن تخمیناً ان کی تعداد پانچ دس لاکھ کے درمیان ہوگی۔ یہاں کے مسلمان ہر میدان میں دوسروں کے برابر ہیں، اور ایک دوسرے کے ساتھ مکمل معاونت کرتے ہیں۔

اب ہم پرانی اور نئی نسل میں فاصلہ، بُعد اور دوری اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے موجودہ حالات کی تفصیل میں جاتے ہیں: اس بُعد کا اصل سبب دو مختلف نظریات قدامت پسندی اور جدت پسندی) کا پیدا ہونا ہے۔ نئی نسل میں پیدا ہونے والی) نظریے کی اس خطرناک تبدیلی کی وجہ سے والدین اپنی اولاد کے دینی مستقبل کے بارے میں نہایت فکرمند ہیں۔ انہیں اس کا احساس ہو رہا ہے کہ ان کی اولاد کا جدید طرزِ زندگی اختیار کرنے کا اصل سبب دینی تعلیم وتربیت

کا فقدان ہے۔ اس کے ازالے کے لئے انہوں نے ضرورت محسوس کی کہ دین کی دعوت کو عام کرنے کے لئے مساجد قائم کی جائیں، لوگوں کی اصلاح کے لئے منظم ہو کر کوشش کی جائے اور دینی وعربی تعلیم کے لئے مدارس کھولے جائیں۔ یہ فکر واحساس مسلمانوں کا اپنے دین کی طرف پہلا قدم تھا۔

سان باؤلو" کے مسلمانوں نے اس فکر کو عملی جامہ پہنانے کا عزم کیا پھر دوسری" ریاستوں کی مسلم آبادیوں میں عموماً اور ریاست (باران) میں خصوصاً یہ فکر واحساس منتقل ہوتا رہا، لیکن افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض مسلم آبادیاں خصوصاً شمالی برازیل اب تک اس سے محروم ہے۔ پہلی اور دوسری نسل اپنے عقیدے کے تحفظ کی محدود سطح پر کوشش کرتی رہی ہیں۔ انہوں نے بڑی کوششوں اور جدوجہد کے بعد سان باؤلو میں ایک مسجد تعمیر کی۔ اس مسجد کے لئے زمین ۱۹۲۵ء میں خریدی گئی اور اس کا سنگ بنیاد ۱۹۴۸ء میں رکھا گیا۔ جب کہ تکمیل ۱۹۶۰ء میں ہوئی۔ اس مسجد کی تعمیر کے بعد اللہ کے فضل وکرم سے برازیل کی مسلم اقلیت کے دینی حالات بہتر ہونے لگے ہیں اور ان میں اس سے زیادہ دینی کام کا جذبہ پیدا ہوا تو انہوں نے ایک دینی مدرسہ کی تعمیر شروع کردی۔ پھر (الجمعیۃ الخیریۃ الاسلامیۃ کویت) نے حکومت سے مسلمانوں کے لئے مستقل قبرستان کی جگہ الاٹ کرائی ہے۔ اس کے بعد دینی جذبات برازیل کے تمام مسلمانوں میں ابھرنے لگے۔ بہت سی مساجد اور انجمنیں قائم ہوئیں۔ ابھی حال میں کولایتیا،

بارنجواہ اور لندرینا میں بھی مساجد قائم ہوئیں ہیں۔ جب کہ گزشتہ سالوں میں
برازیلیا، سان میغیل، جذیانی، برتیوس، غواردیوس، سنتوس، ریودی جائر، سان
برناردوی کامیوس میں مسجدیں قائم ہوئی تھیں۔

یہ تو مساجد کا سلسلہ تھا، رہا دینی مدارس کا قیام تو ۱۹۶۰ء کے اوائل میں فیلد کارون شہر میں پہلا دینی مدرسہ قائم ہوا۔ اس شہر میں مسلمانوں کی اکثریت ہے، مدرسہ تو قائم ہوا لیکن مسلمان بچوں کی تعداد زیادہ ہونے کی وجہ سے ایک مدرسہ ان کے لئے ناکافی رہا۔ دوسرا مدرسہ کوریتیا میں قائم کیا گیا۔ دینی و عربی تعلیم کے حصول کے لئے بہت سے علاقوں میں کوچنگ سینٹرز کا بھی اہتمام کیا گیا۔ مگر امیدیں نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئیں۔ البتہ یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض اسلامی ممالک نے بھی مبلغین کو بھیج کر اور کتابیں اور نقد رقوم ارسال کرکے برازیل کے مسلمانوں کی کافی مدد کی ہے۔

تعلیم

دینی تعلیم اور عربی زبان کی موجودہ حالت کو دیکھتے ہوئے مستقبل کے لئے کوئی اچھی امید وابستہ نہیں کی جاسکتی۔ مگر اس میں مسلمانوں کی کوتاہی کا زیادہ دخل نہیں۔ بلکہ تحصیل علم کے لئے مناسب عوامل کا فقدان اس کا بڑا سبب ہے۔ اگر ہم "سان باؤلو" میں رہنے والے بچوں کو کئی ہزار فرض کرلیں تو

انہیں عربی ودینی تعلیم والے چند سے زائد نہ ہوں گے۔ اگر ہم ذرا غور وفکر کریں اور ان غیر مناسب عوامل میں ماہر اساتذہ کی قلت، جدید طریقۂ تعلیم کے لئے وسائل کا فقدان اور بچوں کی سوچ وشوق کے مناسب کتابوں کی عدم دستیابی کو بھی شمار کرلیں تو عدم مطابقت کے اس ماحول میں مسلمان بچوں کی دینی تعلیم میں حائل رکاوٹیں صاف نظر آجائیں گی اور اس کا اندازہ بھی ہوجائے گا کہ مسلمانوں کی نئی نسل کی دینی وعربی تعلیم کا کتنا نقصان ہورہا ہے، میرے خیال میں اس سلسلے میں چند اِقدامات کو بروئے کار لانا ضروری ہے۔

قیام مدارس

کچھ عوامل کا تو ہم پہلے ذکر کرچکے ہیں۔ مثلاً جدید وسائل تعلیم، ماہر اساتذہ اور ذوق وشوق کی کتابوں کی عدم دستیابی وغیرہ۔ انہی عدم دستیاب وسائل میں سے مدارس دینیہ ہیں۔ اسے قائم کرکے اس میں دینی تعلیم وتربیت ہو جسے مسلمانوں کی دینی وثقافتی حاجات پوری ہوسکیں۔ ورنہ دور دراز علاقوں میں بسنے والے مسلمان دینی ومذہبی تعلیم سے محروم رہ جائیں گے۔

مبلغین

ضروری ہے کہ اسلامی ممالک میں چند اِیسے ادارے قائم کئے جائیں جن میں غیر مسلم ممالک کے لئے مبلغین کی خصوصی تعلیم کا انتظام ہو۔ ان مبلغین کو ایسے

شہروں میں بھیجا جائے جہاں کی زبان میں یہ مبلغ مہارت رکھتے ہوں۔ تاکہ وہ آسانی سے اور موٴثر طریقے سے مقامی طلبہ کو ان کی زبانوں میں تعلیم دے سکیں۔ اسی طرح انہیں مختلف مذاہب کا مطالعہ کرایا جائے۔ تاکہ وہ اسلام کے خلاف باطل خیالات کو مضبوط دلائل سے رد کر سکیں۔ بلکہ بہتر یہ ہوگا کہ ان اداروں کے لئے مسلم اقلیتوں کے نوجوانوں کا انتخاب کیا جائے، تاکہ وہ اپنی ملکی زبان پر مکمل عبور حاصل ہونے کی وجہ سے ممکن ہے کہ وہ خود کو دینی تعلیم کی تحصیل کے لئے فارغ کرلیں اور پھر اپنے ملک میں جاکر دین کی دعوت اور تعلیم وتربیت کے لئے باقاعدہ جدوجہد کریں۔

ذرائع ابلاغ

دینی تہذیب و ثقافت کی اشاعت کے لئے ذرائع ابلاغ بہت اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ اس ضمن میں اقلیتِ مسلمہ کے لئے مخصوص اخبارات، رسائل اور جریدوں کی ضرورت ہے، جن میں ان کے حالات، ملی وحدت کی تبلیغ اور ان کے دینی شعور وجذبات کا اظہار ہو۔ چند مخصوص رسائل ایسے ہوں جن میں مسائل شرعیہ کی تفصیل اور اسلام کی بنیادی باتوں کی وضاحت ہو۔ اسی طرح غلط اور باطل افواہوں، انفارمیشن اور پروپیگنڈوں کا توڑ ہوسکے۔ شریعت محمدیؐ کے حق ہونے کو ثابت کیا جاسکے اور بنیادی تعمیر کے ساتھ ہر فرد کی فکری و عملی رہنمائی کی جائے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ رہنمائی آپس میں تعلق اور مضبوط ملی وحدت کا

ذریعہ بنے گی اور معاشرے میں انہیں ایک بلند واعلیٰ مقام حاصل ہوگا۔

کتابیں وکتب خانے

اس بات کی ضرورت ہے کہ نئی نسل کے لئے جن کا رابطہ عملی طور پر عالم اسلام سے تقریباً منقطع ہوگیا ہے، ایسی کتابوں کے ترجمے کرکے شائع کئے جائیں جو دین کے بنیادی عقائد، عبادات اور معاملات پر مشتمل ہوں۔ ایسے کتب خانے قائم کئے جائیں جن میں تمام بنیادی اور ضروری دینی کتابیں مہیا ہوں۔ انہی کتب خانوں کے ساتھ ایسی سماعت گاہوں کی ضرورت ہے کہ جن میں مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے الگ الگ وعظ اور نصائح کی محافل کا انعقاد کیا جائے۔

شادی بیاہ

اس وقت مسلم خاندانوں کے لئے اپنے لڑکوں اور لڑکیوں کی شادی بھی ایک بہت ہی دشوار مسئلہ بن گئی ہے۔ والدین اپنی دینی روایات کے مطابق اس بات کے خواہاں ہوتے ہیں کہ ان کی اولاد کی شادی مسلم گھرانے میں ہو، پچھلے لوگ تو اس کی بھرپور کوشش کرتے رہے کہ لڑکے کے لئے مسلم لڑکی اور لڑکی کے لئے مسلم لڑکے کو تلاش کیا جائے مگر اب حالات کچھ اور ہیں، کیونکہ برازیل میں پرورش پانے والی نئی نسل مسلمانوں کے مقابلے میں اہل برازیل سے زیادہ قریب ہیں۔ نوجوان چاہتے ہیں کہ وہ خود اپنے لئے لڑکی کا انتخاب کریں اور جب خود انتخاب کرتے

ہیں تو وطن جدید کی لڑکیوں کا انتخاب کرتے ہیں۔ تکلیف دہ بات یہ ہے کہ بعض مسلم لڑکیاں بھی غیر مسلموں سے شادی کرلیتی ہیں اور ان کے ساتھ زندگی گزارتی ہیں۔
یہ سارے وہ عوامل ہیں جن کی وجہ سے برازیلی اقلیت اسلام سے دور اور کفر والحاد سے قریب ہوتی جارہی ہے، لہٰذا اس کا سدباب ضروری ہے۔
(الفاروق اردو ۱۴۰۹ھ)

پوٹن دلدل میں

تاریخ بتاتی ہے کہ شورائیت وجمہوریت کے اہمال سے جو آمریت اور ڈکٹیٹر شپ جنم لیتی ہے ،اس سے قوموں اور ملکوں کیلئے ایسے دیرپا خطرناک اور تباہ کن المیے پیدا ہوتے ہیں ، جن کا ازالہ صدیوں تک ممکن نہیں ہوتا ، محمد عربی ﷺ کی عظمت ،دور اندیشی اور فہم وفراست پر ہمارا تو ایمان ہے ہی، سنجیدہ غیر مسلم مفکرین بھی بالاتفاق اس کے قائل ہیں،اس کے باوجود آپ کو اپنے ہمنشینوں سے مشاورت کا حکم ہے اور آپ کی پوری سیرت طیبہ اس پر گواہ ہے ،چنانچہ اس کے عمدہ نتائج دنیا کے سامنے ہیں ،بالمقابل فرعونیت اور ’’ انا ولاغیری‘‘ کی بیماری میں مبتلا کچھ فاسد الدماغ اشخاص اور مافیاز نے جب بھی کسی خطے یا ملک وقوم کی باگ ڈور سنبھالی اور مطلق العنان حکمرانی کے چکاچوند میں بدمست ہوکر عقل وخرد اور ہوش وحواس سے پرے ہٹ کر غیر دانشمندانہ فیصلے واقدامات کئے ، ان کے اثرات سے دائرہ کار کے بقدر انسانیت تڑپ کر رہ گئی، پوٹن وبشار ، مشرف وبش ، مبارک وقذافی ، خمینی وصدام ، چاؤشسکو ومیلا سووِچ ، ہٹلر ومسولینی ،اس رونگٹے کھڑے کردینے والی فلم کے کچھ پارٹنر ہیں ، یہ لوگ دلدل میں پھنسے ہوئے کی طرح اپنے ساتھ مدد کیلئے ہاتھ دینے والوں کو بھی غرق کردیتے ہیں ، یہی وجہ ہے کہ اسلام میں تصورِ شہادت

مرنے ہی کیلئے نہیں فتح مندی کیلئے اور دشمن کو مار مار کر شہادت سے ہمکنار ہونا ہے، جنگی میدانوں میں شہ سواری گرنے ہی کیلئے نہیں، مقابل کی صفوں کو چیرتے ہوئے آگے بڑھنے کیلئے ہے، لیکن موت کے مافیاہوں کہ اس قسم کے یہ آمر عقل سے پیدل عقل کل، مرنے اور ہلاک ہونے کو اپنی کج فہمی اور کورچشمی سے شہادت اور گر کر منہ کی کھانے ہی کو شہ سواری سمجھتے ہیں، حالانکہ ایسے لوگوں اور گروپوں کو اس طرح حل وعقد اور بست وکشاد کی قیادت وشہ سواری سے دور رکھنا چاہیئے، جسطرح وہ ضدی بچہ جو اپنی قدوقامت سے بڑی سائیکل چلانے کا اصرار کررہا ہو، کہ اس کی پیشانی، کہنیوں اور گھٹنوں کے نا لگے زخم اس کے بڑوں کو قبل از وقت نظر آرہے ہوتے ہیں۔

کہتے ہیں کسی بیابان میں دو گیدڑوں کی دوستی تھی، باہمی دلچسپی کے امور پر تبادلۂ خیالات کے دوران ایک نے دوسرے سے کہا کہ یار یہ تو بتاؤ، مڈبھیڑ اور لڑائی میں اگر کوئی کمزور اپنے سے زیادہ طاقتور کو پچھاڑنا چاہے، تو اس کی کیا صورت ممکن ہو سکتی ہے دوسرے نے ''مرتا کیا نہ کرتا'' اور ''جسے مرنا نہیں آتا اسے جینا نہیں آتا'' جیسی، دلائل کے انبار لگا کر، بلّی کتے کی وہ مثال بھی پیش کی، کہ مغلوب وناتواں بلی بھی اپنی موت دیکھ کر اپنے سے کئی گنا تگڑے کتے پر جھپٹا مار کر اسے لہو لہان کر دیتی ہے اور وہ اپنے ہی زخم چاٹنے پر مجبور ہو جاتا ہے، پہلے والے نے کہا کہ پتہ کیسے چلے گا کہ اب

وہ وقت آگیاہے کہ میں اگر پوری طاقت سے حملہ کردوں تو اگلے کو مغلوب کرسکتا ہوں کیونکہ شیر کے ساتھ میں نے ایسا ہی کرنا ہے ،دوسرے نے کہا واہ رے واہ، بہت، آسان ،جب ان کے ساتھ ایسی ویسی کوئی بات ہوجائے اور غصے میں آکر آپ کے چشمانِ مبارک یکدم لال ہوجائیں ، تو سمجھ لیں ،وہ وقت آن پہنچاہے ، جنگل کے بادشاہ سے پنجہ آزمائی پر تُلے ہوئے گیدڑ نے کہا، لیکن احقر کو کیسے پتہ چلے گا،کہ میری آنکھیں خون سے شرابور ہیں ، ہمراز و ہمنشین دوسرے صاحب نے کہاکہ میں بتاؤں گا آنکھ مارکر ،حسب حال جب وہ دونوں بادشاہ سلامت کے یہاں آئے ، بادشاہ کسی بات سے ابھی کچھ خشمگین ہوئے ہی تھی ،کہ آنکھ مارنے والے نے پری پلان کے مطابق شیر کے مدمقابل ہونے والے گیدڑ کو آنکھ کا اشارہ دیا، گیدڑ نے ابھی جھپٹنے کیلئے پر ہی تول کرپُوں پُوں اور عوں عوں شروع کی تھی کہ ببر نے دھاڑ کر ایک آہنی پنجہ اسے رسید کیا، گیدڑ شہ سوار زمین بوس ہوکر بے خود ہوگیا، ساتھی جان کی امان طلب کرکے اسے ڈیرے پرلے آئے، دارو درمل کرنے سے جب اس کی جان میں جان آئی ، تو آپس میں گتھم گتھا،کہ احمق کہیں کے،ابھی میری آنکھیں لال اور طاقتیں مجتمع نہیں ہوئی تھیں اور آپ نے سگنل دیدیا، تجھے اتنی عقل نہیں ،تو تو مجھے مرواہی دیتا،اور اب زندہ رہ کر بھی کیا فائدہ بادشاہ کے پاس سے ہمیشہ کیلئے راندۂ درگاہ قرار پانے کے بعد۔

اب آپ لیجئے پوٹن صاحب کو، سویت یونین کی شکست وریخت کے بعد اس نے روس کو قدرے استحکام دیا، دنیاکے سامنے روس کے خونخوار چہرے کو کچھ ٹشو مل کر صاف کیا، عالمی برادری میں کئی فورموں پر روس کو رکنیت دلائی، یا سابقہ معطل ممبر شپ کو بحال کیا، امریکن اخبارات میں پیغام امن کے کالمز لکھے، مغرب اور بالخصوص امریکہ کے عالمی یک قطبی نظام کے خلاف اور اس کی پوری دنیا پر جاگیرداری وداد گیری ختم کرنے کے لئے متبادل قوت بن کر ابھرنے کی ان تھک محنتیں کیں، شام میں حق بجانب یا ناحق لیکن سیاست کے داؤ وپیچ سے مغرب کو لگام لگائے رکھا، لیکن قبل از وقت اور عالمی استعمار کیلئے مکمل تیاری سے پہلے جذبات کی رو میں بہہ کر، یوکرائن کے علاقے کریمیا قِرم) پر قبضہ کرلیا، بالکل اسی طرح کے من گھڑت اور از خود تراشیدہ اسباب وعِلل) کے ساتھ، جس طرح اس کے پیش واؤوں نے افغانستان، امریکہ نے ویت نام، ایران نے عراق، عراق نے کویت، چین نے تبت اور انڈیا نے کشمیر پر فوج کشیاں کیں۔
روس کا اقتصادی مافیائی حال سب کو معلوم ہے، اندر کے پندرہ مسلم وغیر مسلم نیم خود مختار ریاستوں میں روس کے خلاف اور روسی عوام میں پوٹن آمریت سے نبرد آزما آتش فشانی لاوا بھی سب ہی جانتے ہیں، عالم اسلام تشتت وافتراق کا شکار ہے، چین روس کے خاطر مغربی منڈیوں سے کیسے دست بردار ہو سکتا ہے، انڈیا جدید ٹیکنالوجی میں مغرب کا کاسہ لیس، مشرق بعید کے ممالک براعظم آسٹریلیا تک عالمی معاملات میں مغرب کے خاموش تابع محض، سینٹرل ایشیا اور یورپین

مشرقی ریاستیں بھی اپنے استقلال کے مستقبل پر فکر مند۔

کی یہ خبر کہ امریکہ میں قدیمی www.r.t.com ایسے میں ایک رشین ویب سائٹ روسی منطقہ ''الاسکا'' پر قبضے کیلیے بھی پوٹن کو رشین آرتھوڈوک چرچ کی طرف سے سفارشات پیش کی گئی ہیں، یہ سب کچھ مغربی تھنک ٹینکروں میں اوپر مذکورہ شیر اور گیدڑ والی کہانی کے بنیاد پر پوٹن کو اپنے آس پاس دلدل میں پھنسانے کی گیم ہے۔

ذرا سنبھل کے۔۔۔یہ گھر سب کا ہے

بساطِ عالم کی ہر سطح پر نت نئے کھیل کھیلے جارہے ہیں، شطرنج کے مشاق کھلاڑی ہر لمحہ کامل مستعدی سے اپنے مہروں کے ہمراہ نئی مہم جوئی کیلیئے دھمکتے ہیں ،اور پھر چشمِ فلک کو ایک نقشہ زوال اور دوسرا وقوع پذیر نظر آتا ہے،ہر صبح ایک نئی کھانی اور ہر شام کو ایک پرانا منصوبہ دم توڑتا نظر آتا ہے ، کشمکش اور اتار چڑھاؤ کی اس انسانی بستی میں کئی زندہ تابندہ ہستیوں اور نظیروں کو لمحوں میں موت کے گھاٹ اترنے اور کئی مردہ جسموں میں نئی جان پڑنے کے نظارے نگاہِ عبرت کو مل رہے ہیں ،بہت کم حادثات و واقعات پر کبھی کوئی غور کرکے اپنے من اور چلن کو اسکے تناظر میں دیکھنے کی زحمت کرتا ہے۔

پاکستان میں ملکی سالمیت اور قوم کی خدمت کا سیاسی اور انتخابی نعروں میں تو خوب چرچا ہوتا ہے ، عملاً اقتدار کی ڈولی سے بغلگیر ہونے والے کو کبھی مادرِ وطن اور قوم و مملکت کی فکر دامنگیر نہیں رہی ، کرسی تک پہنچنے کیلیئے ہر خطرہ مول لیا جاتا اور ہر طرح سے جان لڑائی جاتی ہے اور پھر اسے گنوانے کیلیئے کسی قیمت پر آمادگی اور رضامندی نہیں ہوتی ۔باوردی آمر ہوں یا پھر سول مطلق العنان حاکم ،توسیع پسندی اسکا شیوہ ہوتا ہے، اور کوئی اگلا پچھلے سے سبق

نہیں سیکھتا، سیکھنا ہے تو بس یہی، کہ دوبارہ موقع ملے اور رہی سہی کسر بھی پوری ہوجائے
۔

آج کے شریف حکمراں تیسری مرتبہ جمہور کے کندھوں پر سوار ہوکر آسمانِ اقتدار تک پہنچنے میں کامیاب ہوگئے ہیں اور اب بھی حسب سابق اسکی معراج پر پہنچنے کیلئے "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے" گنگنارہے ہیں۔ملک کو اقوام عالم میں باعزت مقام دلانے کا خواب مشرف نے بھی دیکھا تھا اور اپنے قلیل حصۂ اقتدار میں اسے چار چاند لگانے کا نعرہ شریف بھی لگارہے ہیں ،کامیابی کی دعا بھی نہیں کرسکتے کہ گذشتہ " باریوں "کا ریکارڈ قابل رشک تو کیا، لائقِ ذکر بھی نہیں ہے، ستاروں پر کمند ڈالنے کے عزم کو کندھوں پر ستارے سجانے والوں سے بھی خطرہ ہے، اور غلطیاں پہلے بھی صرف چھڑی والوں کی نہ تھیں،اور اب بھی اس سے ملتی جلتی لگتی ہیں، سمجھوتوں کے بادشاہ اور بیساکھیوں کے بے دریغ استعمال کے ماہر سابق رئیس جمہور سے بھی مدد لی جارہی ہے، لگتا ہے سانپ کے ڈسے ہوئے کو پھر کوئی سانپ نمارسی دہلیز پر پڑی نظر آئی ہے، قدرت موقعے ضرور دیتی ہے، مگر موقعوں کی بارش نہیں کرتی اور اس بنجر زمیں پر تو شاید بارش سے بھی عقل وخرد کی کوئی فصل نہیں اُگے گی۔دیکھیں ماضی میں باری ہارنے والے کی قسمت نے آج باری پلٹ دی ہے اور اب بازیگر اپنے مجرم کے کٹھرے میں کھڑا ہے، مضبوط بیک گراونڈ کے حامل بازیگر

کو کسی معذرت اور ندامت کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی ،ادھر انتقام کا نامزد امیدوار کشش وپنج میں ہے اور پیچ وتاب کھا رہا ہے، جس سے جلاوطنی سے سبق سیکھنے کے ان کے دعوے اور مداحوں کے زعم کو شدید دھچکا لگ گیا ہے۔

ہمیں تو بہر حال شریف حکمرانوں کا دماغ اسی طرح اپنی سوچ سوچنے اور دل اسی نشۂ اقتدار سے مخمور لگ رہا ہے ،سابق میں مقتدر قوتوں کے منظور نظر ہونے کے ناطے تاجداری کے اعزاز کو وہ بدستور اپنی ذہانت اور فراست خیال کرتا ہے اور خطے اور ملک کے حوالے سے وہ اپنی پرانی ذاتی ترجیحات اور فرسودہ روایات پر پھر سے عمل پیرا ہے سیاسی حلقہ بندیوں کی اسی ماحول نے ان کی سوچ کو اس روش پر بنائے رکھا ہے، جس، میں انہوں نے آنکھ کھولی اور جس کے سائے میں انہوں نے سیاسی زندگی کے ایام طفولیت گذارے ہیں، خطے میں لڑی جانے والی حالیہ جنگ میں ناحق شمولیت کی کوتاہ پالیسیوں کے نتیجے میں داخلی امن اور بیرونی تعلقات کیلئے مقتدر قوتوں کا خودسر فارمولا ان حدود کو چھو رہا ہے کہ اب شریف حکمرانوں کیلئے اس کو ہاتھ دینے اور ساتھ چھوڑنے میں کسی ایک راہ کا انتخاب بھی آسان نہیں ،تابع محض رہ کر اپنے تشخص پر آنچ نہ آنے دینا بھی دشوار ۔۔۔ حاوی ہو کر اپنی سلامتی خطرے میں ڈالنا بھی گھاٹے کا سودا ہے ،، بھٹو نے اسی دوراہے پر آکر، اپنی موت کے پروانے پر دستخط کرلئے تھے اور اس کے داماد کو حالات نے اسی صورت حال میں تپلی گلی سے نکلنے کا ہنر سکھایا ،پر نواز شریف

کی باڈی لینگویج میں اس حوالے سے دانشمندی کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ انہیں ماضی میں مشیروں نے تباہی کے دہانے پر پہنچایا تھا، تو اس مرتبہ بھی انہیں مشیروں کے سبب ان پر اس طرح کی افتاد آئے گی۔

عمران خان کے موہوم خطرے کے سامنے بند باندھنے کیلئے وہ اپنے روایتی قد کاٹھ کو بری طرح پامال کرتے ہوئے اکی چوکھٹ پر جاگرنے کو سیاسی یا اخلاقی برتری سمجھ رہا ہے اور اقتدار کے بندربانٹ میں حقیقی اور جعلی مینڈیٹ اور علاقائی صورت حال کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھکر موجودہ حکمرانوں نے پھر عدم توازن اور عدم استحکام کی بنیاد رکھ دی ہے اور اب وہ دیوارِ کج، غلط سمت میں اونچی ہورہی ہے جو کسی بھی وقت گر کر خود ان کے زخموں کو بھی تازہ کرسکتی ہے، نیز کئی دوسرے المیے بھی جنم لے سکتی ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن کو زیرک اور ذہین سیاستداں ہونے کی سند مفت میں نہیں ملی۔ ان کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مکتبۂ فکر کے روایات کے امین بھی ہیں، مگر خطے اور ملک کی بدلتی ہوئی صورت حال پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے، چنانچہ ہر وقت درست فیصلے کرنے میں وہ گرد اڑانے والوں اور آنکھیں دکھانے والوں میں سے کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ کتنے طوفان آئے اور کیا لاوے پکے، مگر کیچڑ
اچھالا جاتا رہا اور وہ باوقار چال چلتے ہوئے اپنی ناؤ

ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہوئے، وہ ماضی میں بھی بائیں بازو کی شناخت رکھنے والوں کی طرف دھکیلے گئے، تو انھوں نے اپنا قبلہ نہیں بدلا، بلکہ وہ ان بلاکوں سے بالاتر سوچتے رہے اور اپنی عزت اور قوت بچائے رکھنے کیلئے نئی راہوں اور ہمراہوں سے رہ گذر کی حد تک سمجھوتہ کیا۔

قربتوں اور فاصلوں کیلئے مولانا پر مفاد پرستی کا لیبل چسپاں کرنے والے ان کی ہسٹری کو نظرِ انصاف سے دیکھنے کی اہلیت پیدا کریں، یا پھر ذاتی پرخاش کی بناء پر انصاف کا خون نہ ہونے دیں، ''شریفوں'' کے سامنے سرنگوں ہونے کا مولانا سے ناحق تقاضا نہ کیا جائے، جو انکے سیاسی مسلک میں ناممکن ہے۔ ملک و ملت کی نازک صورت حال کے پیش نظر غیر مشروط حمایت میں پہل کرنے کے بڑے پن کا بھی میڈیا اور سیاسی حلقے خیر مقدم تو کیا کرتے، کھلے عام مذاق اڑاتے اور حکمراں بننے کی راہ پر گامزن شریف برادراں کی پارٹی نے خیبر پختونخوا، بلوچستان اور وفاق میں مولانا کو چکمہ دینے اور نیچا دکھانے کی ماضی کی روایت برقرار رکھی، ہم پھر بھی اقتدار کے حقیقی مالکوں اور ظاہری علامتوں کو اپنی دانست میں درست سمت کا پتہ دینے کی کوشش کریں گے اور تمام تر خلوص و بے غرضی سے عرض کریں گے کہ غیر جمہوری روایتوں کی حوصلہ شکنی کا آغاز اپنی ذات اور عمل سے کریں، سسٹم کے سر پر لٹکے ہوئے خطرات کیلئے مگرمچھ کے آنسوں بہانے کی بجائے جمہور کو اختیار و انصاف دلانے والے مولانا کی

قدر کیجئے، جنھوں نے مذہب ، سیاست اور زندگی کے دیگر شعبوں میں تشدد کا عنصر اور تسلط کے جراثیم در آنے کو ہمیشہ کیلئے بروقت بھانپ لیا اور اس کے سامنے کامیاب منصوبہ بندی کے ساتھ بند باندھا، آج اس ملک میں جس قدر بھی سکون یا بہتری کا ماحول ہے، اس میں مولانا کا بہت بڑا کردار ہے، جس کو کئی ملک دشمن اور دین مخالف لابیاں مکدر کرنے کی ناپاک کوششیں کر رہی ہیں۔

اھل اقتدار کا اپنا بھلا بھی اسی میں ہے کہ مولانا کے فکری اعتدال ، قوت فیصلہ اور صلاحیتِ عمل سے فائدہ اٹھائیں اور سنبھل جائیں ، ریاست وخطے ،اور عالم اسلام کیا، عالم انسانیت کو بھی معتدل ، متوازن اور متحمل مزاج شخصیات کی شدید ضرورت ہے، قوموں میں آئے روز اعلی دماغ پیدا نہیں ہوتا ، نہ قدرت ہر باصلاحیت کو شہرت وتاثیر کی ان بلندیوں پر پہنچنے دیتی ہے، یہاں کا ہر عالی دماغ اور بلند نظر اس دھرتی کا سپوت ہے اور یہ گھر بھی اب ایک دو سے نہیں سنبھالا جائے گا، سو اپنا اور گھر کا خیال رکھیئے۔

امی زبان ..... عربی

عام مسلمانوں کے توجہ کی مستحق

کائنات میں لاتعداد بولیاں بولی اور سمجھی جاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر مخلوق کے لئے الگ بولی اپنی حکیمانہ قدرت سے وضع کی ہے۔ پھر مخلوقات میں کئی انواع و اجناس ہیں۔ ان انواع و اجناس میں ایک ایک نوع کی کئی بولیاں اور زبانیں مروج ہیں جس سے وہ آپس میں ایک دوسرے کے سامنے اظہار مافی الضمیر کرتے ہیں لیکن بعض زبانیں علاقائی، بعض صوبائی، بعض قومی، بعض مذہبی اور بعض ہمہ گیر ہوتی ہیں۔ اسی آخری قسم میں عربی زبان بھی ہے۔ اس سے تو مسلموں اور غیر مسلموں، عربوں اور غیر عربوں کا تعلق اور ربط یکساں ہے۔ کیونکہ یہ ایسی زبان ہے جو دنیا کے کونے کونے میں بولی اور سمجھی جاتی ہے۔ البتہ مسلمانوں کا تعلق عربی زبان سے دین کے رشتہ سے ہے محض ایک زبان کے اعتبار سے نہیں۔ عربی زبان فصاحت و بلاغت، اعجاز و ایجاد میں اپنی مثال آپ ہے۔ لیکن اس سے ہماری محبت فقط اس کی فصاحت وبلاغت یا دیگر خوبیوں کی وجہ سے نہیں۔ ہمارا تعلق تو اس اعتبار سے ہے کہ یہ اللہ جل شانہ کے آخری کلام قرآن کریم کی زبان ہے۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی زبان ہے، اللہ

تعالیٰ کے پیارے بندوں اور جنتیوں کی زبان ہے، یعنی عربی زبان صرف دنیا کی نہیں بلکہ اس سے آگے دائمی حیات اور رب العزت کے ساتھ راز و نیاز کی زبان ہے۔جب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ عربی زبان ہماری دینی و مذہبی زبان ہے تو اس سے ہمارا مدعا یہ نہیں ہوتا کہ دوسری تمام زبانیں غیر اسلامی اور غیر مذہبی ہیں۔ نہیں نہیں۔ بلکہ عربی کو ہم مذہبی یا اسلامی زبان اس اعتبار سے کہتے ہیں کہ یہ اسلام کی ترجمان ہے۔ اسلام کو سمجھنے کا آلہ ہے وحی الٰہی کی سمجھ کا ذریعہ ہے۔ کلام اللہ واحادیث شریفہ، فقہ، اسماء الرجال، تاریخ اسلام اور علم العقائد کے علوم وفنون، دقائق و رموز کا خزینہ ہے اور اسلام سے متعلق دوسرے تمام علوم کی امین ہے۔ اسلامی تہذیب و ثقافت کا گنجینہ ہے۔ لہذا اس زبان کے مقدس اور بابرکت ہونے میں شک و تردد کا کوئی مقام نہیں۔ عربی زبان کو اگر مسلمانوں نے، مسلم ممالک نے اور مسلم سرکردہ شخصیات واداروں نے اہمیت نہ دی تو ڈر ہے کہ یہ قوم اسلام کے ورثہ، اسلام کی روح اور اسلامی علوم و فنون کے ذخائر سے یکسر محروم ہوجائے۔

قرآن مجید عربی زبان میں صرف نازل نہیں ہوا بلکہ عربی کی طرف دعوت بھی دے رہا ہے اور اس کی فصاحت وبلاغت کا عَلم بردار بھی ہے۔اللہ جل شانہ اس حقیقت باہرہ کو بڑے اہتمام کے ساتھ کئی مختلف آیات میں مختلف طریقوں سے دہرایا ہے اور بار بار ارشاد فرمایا کہ عربی ایک فصیح وبلیغ واضح اور روشن زبان ہے۔

اس میں کجی یا اونچ نیچ نہیں۔ اس کا انداز بیان غیر مبہم اور صاف ہے اور اس سے معانی کی طرف رسد و وصول بہت ہی سہل ہے۔ عربی زبان کی فصاحت وبلاغت اور اس کی وسعت وسہولت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس زبان کا انتخاب ہی اس لئے اپنے کلام کے لئے فرمایا تھا کہ یہ دنیا کی کل زبانوں کے مقابلے میں ہر حیثیت سے بہت افضل ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عربی زبان کو انسان کے دنیا میں آنے سے پہلے بلکہ اس کی پیدائش سے بھی پہلے پیدا فرمایا تھا۔ دوسری زبانیں تو طوفان نوح علیہ السلام کے بعد رائج ہوئی تھیں مگر اللہ تعالیٰ کے کلام ازلی قرآن مجید کا عربی میں ہونا اس بات کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ تمام انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام عربی زبان جانتے تھے۔ جبرئیل علیہ السلام وحی عربی میں لایا کرتے تھے اور انبیاء کرام پھر اس کی ترجمانی اس قوم کی زبان میں کیا کرتے تھے۔ اس قسم کی ایک روایت مستدرک و بیہقی میں مذکور ہے۔

امام شافعی جو بے مثال عالم و فقیہ ہونے کے ساتھ ساتھ زبردست ادیب بھی تھے، فرماتے ہیں کہ عربی زبان وسیع زبان ہے اور اس کے تمام لغات کا احاطہ نبی کے سوا کسی عام انسان کے بس کا کام نہیں۔ ابن درید جمھرہ میں اور خلیل کتاب العین میں اپنی معلومات کی بناء پر کہتے ہیں کہ عربی زبان کے کل لغات پانچ کروڑ چھ لاکھ انسٹھ ہزار چار سو ہیں۔ ان میں تقریباً انتالیس ہزار چار سو

متروک ہیں، باقی سب مستعمل ہیں۔ پھر ان میں دو حرفی کلمات کی تعداد سات سو پچاس اور تین حرفی کی تعداد انیس ہزار چھ سو پچاس ہے۔ چار حرفی تین لاکھ تین ہزار چار سو اور پانچ حرفی چھ کروڑ تین لاکھ پچھتر ہزار ہیں۔ (المعجم)۔

:عربی زبان کی فضیلت کے بارے میں قرآنی آیات کا ترجمہ ملاحظہ ہو

بلاشبہ ہم نے اس قرآن کو عربی زبان میں نازل کیا ہے تاکہ تم سمجھ لو۔ (سورہ یوسف: ۱۳)

(بے شک ہم نے قرآن کو عربی میں بنایا تاکہ تم سمجھ لو۔ (زخرف:۔ ۴۳

اور اس طرح ہم نے تمہاری طرف وحی کی، قرآن عربی میں۔ (شوریٰ: ۴۳

(اور اس طرح ہم نے اس سے نازل کیا حکم، عربی زبان میں۔ (رعد: ۳۸

(اور یہ (قرآن کی) زبان ہے روشن عربی۔ (نحل: ۱۰۴

ایک کتاب ہے جس کے آیتیں جدا جدا کی گئی ہیں، عربی زبان میں سمجھ والوں کے لئے۔ (سجدہ: ۴۱)

اور یہ کتاب تصدیق کرنے والی ہے، (اپنے سے پہلی کتابوں کی) عربی میں ہے تاکہ ظالموں کو ڈرائے اور خوشخبری ہے نیکی کرنے والوں کے لئے۔ (احقاف: ۴۶)۔

(قرآن عربی زبان میں ہے ہر کجی کے بغیر ہے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ (زمر: ۳۹

قرآن کریم جو خالق کا کلام ہے، اس کے ان ارشادات کو پڑھ کر ہر شخص اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ عربی زبان جانے بغیر قرآن فہمی و تفہیمی اور اسلام وقرآن کی ترجمانی کا دعویٰ بالکل غلط ہے۔ ایسے شخص کو یا تو آپ خوش فہمی میں مبتلا یا (بے ادبی معاف) احمق ہی کہیں گے۔ کیونکہ جو شخص عربی کے قواعد، محاورات، ضرب الامثال اور لغت سے ناواقف و ناآشنا ہے، وہ نہ کلام الٰہی کو سمجھ سکتا ہے اور نہ اپنی زندگی کے لئے ہدایت ربانی حاصل کر سکتا ہے۔ چہ جائیکہ وہ دوسروں کا پیرومرشد یا امام بنے۔ ایسے لوگوں کو چاہیے کہ پہلے خود صحبتے با اہل دل سے مستفید ہوں پھر ان اللہ والوں کی ہدایت کے مطابق کسی بھی انداز میں بڑھ چڑھ کر اسلام کی خدمت کریں، اس میں اسلامی روح کارفرما ہوگی۔ خود بھی ہدایت پائے گا، دوسروں کی بھی ہدایت کا سبب بنے گا اللہ والوں کی صحبت ایک ایسی چیز ہے جس سے کوئی عالم اور دیندار آدمی بھی مستغنی نہیں ہو سکتا ورنہ سیدھی راہ سے بھٹک جائے گا۔

صحبت صالح تُرا صالح کند

صحبتِ طالح تُرا طالح کند

جن لوگوں کا لادین معاشرہ سے تعلق ہو، یورپی سوسائٹی وافکار سے متاثر ہوں اور اہل اللہ کی صحبت سے لاتعلق ہوں، ایسے لوگوں کو قرآن و حدیث اور فقہ کی بحث و تمحیص میں نہیں الجھنا چاہیے۔ بلکہ پہلے اللہ والوں کی صحبت سے مستفید

ہونا لازمی ہے اور اہل اللہ تو چونکہ عربی زبان کے رموز سے واقفیت رکھتے ہیں اس لئے وہ اس شخص کی استعداد کے اعتبار سے دینی خدمت لیں گے۔

اگر کوئی دیدہ دلیر عربی زبان میں مہارت رکھے بغیر کلام پاک کی تشریح و تفسیر کا دعویٰ کرتا ہے تو یہ ایک ایسا دعویٰ ہے جس کا کوئی جواب نہیں۔ اور ایسی زیادتی ہے جس کی کوئی مثال نہیں ۔ ایسے لوگوں کو اہل اللہ اور علماء حق سے پہلے عربی زبان سے مہارت حاصل کرنا لازمی ہے۔ علمائے حق سے اس لئے کہ معاملہ قرآن فہمی کا ہے، عربی انشاء پردازی کا نہیں۔

دنیا کی کوئی عدالت ایسے شخص کو وکالت کے فرائض انجام دینے کی اجازت نہیں دیتی، جو قانون دانی میں ماہر نہ ہو۔ جس نے قانون پڑھا نہ ہو، اور کسی ماہر قانون سے اس کی تصدیق وسند حاصل نہ کی ہو۔ لہٰذا لازم ہے کہ ہم کلام اللہ کی زبان سیکھیں تاکہ اس کے معارف کو پہچانیں اور اس کی حکمتوں، دقائق و حقائق کو جانیں اور پھر اس کے بیان کے لئے کمربستہ ہوجائیں اور اگر اس کے بغیر ہم نے تفسیر بالرائے یا اردو، انگریزی کتب سے استفادہ کرکے بیان کرنا شروع کی تو بخدا امت میں اختلاف و افتراق کے سوا ہم کچھ اور کارنامہ کبھی انجام نہیں دے پائیں گے۔

عربی دنیا کی وہ منفرد زبان ہے جو اپنے قواعد کے اعتبار سے بھی اور لفظ اور ہجے کے اعتبار سے بھی ایک کامل و مکمل زبان ہے اس کا کوئی لفظ بھی نہ خلاف قاعدہ لکھا جاسکتا ہے اور نہ پڑھا جاسکتا ہے۔ اگر کوئی لفظ مقررہ قواعد کے خلاف ہے تو اس کے استثناء کے بھی ضابطے موجود ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ ہے کہ تقریر و تحریر میں غلطی کا امکان نہیں رہتا اور معانی کے تعین میں کوئی ٹھوکر نہیں لگتی۔

عربی کے کمال کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہوگا کہ محض زبان کی درستی، اصلاح اور حفاظت کے لئے ایک درجن سے زیادہ علوم موجود ہیں۔ مثلاً علم الصرف، علم النحو، البیان، المعانی، البلاغۃ الانشاء، التجوید والقراءۃ وغیرہ۔ ان میں ہر علم ایک بحر بیکراں ہے۔ ہر موضوع پر سینکڑوں کتابیں موجود ہیں اور ہر علم کے ماہرین جدا جدا ہیں۔

عربی زبان کی وسعتوں کا اندازہ اس حقیقت سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ اس زبان کا ایک ایک لفظ بے شمار معانی کا حامل ہے۔ اور ایک ایک چیز کے لئے اس زبان میں کئی کئی الفاظ مستعمل ہیں، اور ہر مفہوم کے تعین کے لئے قرائن و شرائط موجود ہیں۔

عربی ایک بین الاقوامی زبان ہے، جو دجلہ سے بحر اوقیانوس کے سواحل تک بولی جاتی ہے۔ اس نے دنیا کی ہر زبان کو متاثر کیا ہے۔ اس کے الفاظ آپ کو دنیا کی ہر زبان میں ملیں گے۔ اس نے ہر قوم کی ادبیات پر اپنا گہرا اثر ڈالا ہے۔ ایشیا کی زبانیں تو براہِ راست عربی کی بدولت پروان چڑھیں اور یہ سب زبانیں اپنی ترقی کے لئے عربی زبان کی مرہون منت ہے۔ یہ کسی ایک آدھ ملک کی زبان نہیں کہ اس سے کوئی یوں ہی نظر انداز کرسکے۔ یہ دنیا کے چھوٹے بڑے کم و بیش بیں ملکوں کی قومی و سرکاری زبان ہے، جن میں سعودی عرب، مصر، شام، عراق، اردن، یمن، بحرین، لیبیا، مراکش، کویت، سوڈان، تیونس، عمان، فلسطین اور الجزائر سرفہرست ہیں۔ جب کہ تمام اسلامی دنیا کی مذہبی زبان بھی عربی ہے۔ ان ملکوں میں یہودی، عیسائی، قبطی اور دوسری غیر مسلم قومیں بھی ہیں جن کی مادری زبان عربی ہے اور انہیں اس پر فخر بھی ہے۔

اس دنیا میں آنے کے بعد سب سے پہلے جو آواز ہر مسلمان بچے کے کان میں پہنچتی ہے وہ اللہ اکبر اللہ اکبر کی صدائے دلنواز ہے اور اس دنیا سے رخصت ہونے پر ہر مسلمان جو آخری آواز سنتا ہے وہ تلقین شہادتین ہے اس کے باوجود بھی اگر مسلمان عربی زبان سے ناآشنا رہیں تو یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ کیونکہ پنجگانہ نمازوں میں بھی عربی مستعمل ہے، نہ کہ کوئی اور زبان۔

عربی زبان کی جامعیت اور اختصار کا یہ عالم ہے کہ بڑے سے بڑے مفہوم کو چند لفظوں میں نہیں بلکہ چند حروف میں ادا کیا جا سکتا ہے۔ اس حقیقت کی وضاحت کے لئے ہم صرف ایک مثال دیتے ہیں اس سے آپ خود اس کی جامعیت و ایجاز کا اندازہ لگا سکتے ہیں۔ آپ اردو میں کہیں گے ''اس (ایک مرد) نے مجھے مارا''۔ اس کو آپ عربی میں کہیں گے: ضربنی فرق واضح ہے۔

غیر مسلموں نے عربی زبان میں وہ کمال حاصل کیا ہے کہ خود ہمیں اپنے آپ پر شرم آتی ہے، انگلستان، امریکہ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، ہندوستان اور کئی دوسرے مغربی ممالک میں بطور خاص عربی زبان کی تدریس و تعلیم کا اہتمام موجود ہے۔ ان ممالک میں متعدد ادارے عربی زبان میں تصنیف و تالیف اور تحقیق و تدقیق کے لئے قائم ہیں۔

حد تو یہ ہے کہ آج کے دور میں مسلم ممالک کے طلباء اور علمی تحقیق کے شغف رکھنے والے فضلاء مجبور ہیں کہ وہ یورپ کی لائبریریوں کی طرف رجوع کریں۔ اور مغرب کے غیر مسلم اساتذہ کے تبحر علمی سے استفادہ کریں۔ افسوس کی بات ہے کہ خالص اسلامی معلومات اور موضوعات پر کام کرنے کے لئے اس طرف رخ کرنا پڑتا ہے۔ کیا مسلمان اب بھی موعظت و عبرت حاصل نہ کریں گے۔ کیا مسلمانوں میں اتنی غیرت بھی نہیں؟ کیا مسلمان اتنے وسائل پیدا نہیں کر سکتے؟ مگر غالباً

اصل بات وسائل کی نہیں۔ بات ہے علمی شغف، شوق و ذوق کی اور اپنے دین سے والہانہ محبت کی۔ اس پر مسلمانوں کو سوچنا چاہیے یہ ایک لمحہ فکریہ ہے کہ مسلمان خود اپنی اس بے مثال دینی زبان کے لئے کیا کر رہے ہیں۔

ہم نے اپنا بوجھ ہلکا کرنے کے لئے دین کا اجارہ دینی مدارس کو دیا ہوا ہے۔ ان کے وجود سے گویا ہمارا کفارہ ادا ہو جائے گا حالانکہ یہ مدارس بھی مالی زبوں حالی، وسائل کی کمی، حکومت کی بے جا پابندیوں اور قوم کی بے توجہی کی وجہ سے جن مسائل و مصائب کا شکار ہیں، وہ خود ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ ہمارے ہاں وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے ملحقہ مدارس عربیہ کی تعداد چند سال بیشتر تقریباً چھوٹے بڑے ملا کر ۱۶۰۰ تھی جس میں کل طلباء کی تعداد زیادہ سے زیادہ ۱۶۰۰۰ سمجھ لیں۔ جب کہ ہائی اسکولوں میں صرف فیل ہونے والے طلبہ اتنے ہوتے ہیں۔ جب کہ اسکولوں میں ابتدائی پانچ درجات میں تو عربی نام کی کوئی چیز نہیں اور مڈل و میٹرک کے نصاب میں بھی ہے لیکن وہ بھی اختیاری۔

آپ نے ملاحظہ فرمالیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بار بار مختلف پیرایوں میں بیان کیا ہے کہ ہم نے اپنے آخری کلام کو عربی زبان میں نازل کیا ہے اور اسکی وجہ واضح اور واشگاف الفاظ میں یہ بتلائی ہے کہ بندوں کو سمجھ میں آنے اور غور و فکر میں آسانی ہو۔ مگر یہ بات قرآن سے تذکیر و نصیحت حاصل کرنے کے لئے ،

قرآن کی تشریح و تفسیر کے لئے نہیں۔ لیکن افسوس بعض نا سمجھوں نے قرآن سے نصیحت حاصل کرنے کے لئے جس معمولی درجہ کی عربی سیکھنے کی ضرورت ہے، اس کے متعلق بھی یہ پراپیگنڈہ کیا کہ یہ بہت مشکل زبان ہے اور اس کو اتنے شد و مد سے بیان کیا کہ بہت سے سادہ لوح مسلمانوں کو بھی غلط فہمی ہو گئی کہ واقعی عربی زبان بہت دشوار ہے۔ اس بے بنیاد پراپیگنڈہ نے مسلمانوں کو اتنا متاثر کیا کہ وہ سمجھ گئے کہ عربی زبان سیکھنا آسان نہیں۔ حالانکہ عربی بے حد آسان ہے، حد درجہ قریب الفہم ہے۔ اور خصوصاً اردو جاننے والوں کے لئے تو وہ انتہائی سہل الحصول زبان ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ ہم اپنی بے خبری کے سبب آسان کا نام مشکل و دشوار رکھ لیں۔ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ ہم نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ پس ہے کوئی سمجھنے والا (قمر: ۵۴) اس اعلانِ خداوندی کے باوجود اگر کوئی شخص قرآن اور اس کی زبان کو مشکل کہے تو یہ ایک بے بنیاد الزام کے سوا کچھ نہیں۔

اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے نہ علمی مباحث میں الجھنے کی ضرورت ہے اور نہ دور از کار شواہد پیش کرنے کی حاجت ہے۔ بس قرآن مجید کی پہلی سورۃ الفاتحہ پر ہی نظر ڈال لیجئے۔ اس سورۃ کی آیات سات ہیں جو پچیس لفظوں پر مشتمل ہیں، ان میں سے ۱۲ الفاظ تو جوں کے توں ہم روز مرہ اپنی بول چال میں استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً الحمد للہ رب العالمین میں حمد، اللہ، رب اور عالم اور دوسری

آیت کے دونوں لفظ رحمٰن اور رحیم اور اسی طرح تیسری آیت کے تینوں لفظ مالک، یوم اور دین آخری آیت میں ہدایت، صراط، مستقیم ایسے لفظ جو ہمارے روز مرہ کا حصہ ہیں۔ یہ تو میں نے صرف ایک سورۃ کا تجزیہ کیا۔ آپ پورے کلام مجید کا تجزیہ کریں تو یہی نتیجہ نکلے گا تو کیا پھر بھی عربی زبان مشکل ودشوار ہے۔

عربی زبان کی اہمیت اور اس ملک کے موجودہ حالات اور عربی کے ساتھ سلوک کو سامنے رکھ کر اس مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کرنے کی ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ صرف ایک عالمی زبان کا مسئلہ نہیں، دین کی فہم و تفہیم اور اسلام کی تعلیم کا مسئلہ ہے۔ اس لئے جہاں ہم سرکاری نظام تعلیم میں بھی عربی زبان کی تدریس کے لئے مناسب راہیں نکالیں، وہاں نجی طور پر بھی عربی کی تعلیم وترویج کے لئے مخلصانہ سعی کرنی چاہیے، کیونکہ یہ ہمارا دینی فریضہ ہے۔

(ماہنامہ عزم نو، کراچی)

نواز شریف اور مولانا فضل الرحمٰن

بساطِ عالم کی ہر سطح پر نت نئے کھیل کھیلے جارہے ہیں، شطرنج کے مشاق کھلاڑی ہر لمحہ کامل مستعدی سے اپنے مہروں کے ہمراہ نئی مہم جوئی کیلئے دھمکتے ہیں ،اور پھر چشمِ فلک کو ایک نقشہ زوال اور دوسرا وقوع پذیر نظر آتا ہے، ہر صبح ایک نئی کھانی اور ہر شام کو ایک پرانا منصوبہ دم توڑتا نظر آتا ہے ، کشمکش اور اتار چڑھاؤ کی اس انسانی بستی میں کئی زندہ تابندہ ہستیوں اور نظیروں کو لمحوں میں موت کے گھاٹ اترنے اور کئی مردہ جسموں میں نئی جان پڑنے کے نظارے نگاہِ عبرت کو مل رہے ہیں ،بہت کم حادثات و واقعات پر کبھی کوئی غور کرکے اپنے من اور چلن کو اسکے تناظر میں دیکھنے کی زحمت کرتا ہے ۔

پاکستان میں ملکی سالمیت اور قوم کی خدمت کا سیاسی اور انتخابی نعروں میں تو خوب چرچا ہوتا ہے ، عملاً اقتدار کی ڈولی سے بغلگیر ہونے والے کو کبھی مادرِ وطن اور قوم و مملکت کی فکر دامنگیر نہیں رہی ، کرسی تک پہنچنے کیلئے ہر خطرہ مول لیا جاتا اور ہر طرح سے جان لڑائی جاتی ہے اور پھر اسے گنوانے کیلئے کسی قیمت پر آمادگی اور رضامندی نہیں ہوتی ۔ باوردی آمر ہوں یا پھر سول مطلق العنان حاکم ،توسیع پسندی اسکا شیوہ ہوتا ہے، اور کوئی اگلا پچھلے سے سبق

نہیں سیکھتا، سیکھنا ہے تو بس یہی، کہ دوبارہ موقع ملے اور رہی سہی کسر بھی پوری ہو جائے ۔

آج کے شریف حکمراں تیسری مرتبہ جمہور کے کندھوں پر سوار ہو کر آسمانِ اقتدار تک پہنچنے میں کامیاب ہو گئے ہیں اور اب بھی حسب سابق اسکی معراج پر پہنچنے کیلئے "ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہے" گنگنا رہے ہیں ۔ ملک کو اقوام عالم میں باعزت مقام دلانے کا خواب مشرف نے بھی دیکھا تھا اور اپنے قلیل حصۂ اقتدار میں اسے چار چاند لگانے کا نعرہ شریف بھی لگا رہے ہیں ،کامیابی کی دعا بھی نہیں کر سکتے کہ گذشتہ " باریوں " کا ریکارڈ قابل رشک تو کیا ، لائقِ ذکر بھی نہیں ہے ، ستاروں پر کمند ڈالنے کے عزم کو کندھوں پر ستارے سجانے والوں سے بھی خطرہ ہے، اور غلطیاں پہلے بھی صرف چھڑی والوں کی نہ تھیں،اور اب بھی اس سے ملتی جلتی لگتی ہیں ، سمجھوتوں کے بادشاہ اور بیساکھیوں کے بے دریغ استعمال کے ماہر سابق رئیس جمہور سے بھی مدد لی جا رہی ہے، لگتا ہے سانپ کے ڈسے ہوئے کو پھر کوئی سانپ نما رسی دہلیز پر پڑی نظر آئی ہے ، قدرت موقعے ضرور دیتی ہے ، مگر موقعوں کی بارش نہیں کرتی اور اس بنجر زمیں پر تو شاید بارش سے بھی عقل وخرد کی کوئی فصل نہیں اُگے گی ۔ دیکھیں ماضی میں باری ہارنے والے کی قسمت نے آج باری پلٹ دی ہے اور اب بازیگر اپنے مجرم کے کٹھرے میں کھڑا ہے ، مضبوط بیک گراونڈ کے حامل بازیگر

کو کسی معذرت اور ندامت کی ضرورت محسوس نہیں ہو رہی ،ادھر انتقام کا نامزد امیدوار کشش وپنج میں ہے اور پیچ وتاب کھا رہا ہے، جس سے جلاوطنی سے سبق سیکھنے کے ان کے دعوے اور مداحوں کے زعم کو شدید دھچکا لگ گیا ہے۔

ہمیں تو بہر حال شریف حکمرانوں کا دماغ اسی طرح اپنی سوچ سوچنے اور دل اسی نشۂ اقتدار سے مخمور لگ رہا ہے ،سابق میں مقتدر قوتوں کے منظور نظر ہونے کے ناطے

تاجداری کے اعزاز کو وہ بدستور اپنی ذہانت اور فراست خیال کرتا ہے اور خطے اور ملک کے حوالے سے وہ اپنی پرانی ذاتی ترجیحات اور فرسودہ روایات پر پھر سے عمل پیرا ہے سیاسی حلقہ بندیوں کی اسی ماحول نے ان کی سوچ کو اس روش پر بنائے رکھا ہے، جس، میں انہوں نے آنکھ کھولی اور جس کے سائے میں انہوں نے سیاسی زندگی کے ایام طفولیت گذارے ہیں، خطے میں لڑی جانے والی حالیہ جنگ میں ناحق شمولیت کی کوتاہ پالیسیوں کے نتیجے میں داخلی امن اور بیرونی تعلقات کیلئے مقتدر قوتوں کا خودسر فارمولا ان حدود کو چھو رہا ہے کہ اب شریف حکمرانوں کیلئے اس کو ہاتھ دینے اور ساتھ چھوڑنے میں کسی ایک راہ کا انتخاب بھی آسان نہیں ،تابع محض رہ کر اپنے تشخص پر آنچ نہ آنے دینا بھی دشوار ۔۔۔ حاوی ہو کر اپنی سلامتی خطرے میں ڈالنا بھی گھاٹے کا سودا ہے ،، بھٹو نے اسی دوراہے پر آکر، اپنی موت کے پروانے پر دستخط کر لئے تھے اور اس کے داماد کو حالات نے اسی صورت حال میں پتلی گلی سے نکلنے کا ہنر سکھایا، پر نواز شریف

کی باڈی لینگویج میں اس حوالے سے دانشمندی کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے۔ اگر یہ سچ ہے کہ انہیں ماضی میں مشیروں نے تباہی کے دہانے پر پہنچایا تھا، تو اس مرتبہ بھی انہیں مشیروں کے سبب ان پر اس طرح کی افتاد آئے گی۔

عمران خان کے موہوم خطرے کے سامنے بند باندھنے کیلئے وہ اپنے روایتی قد کاٹھ کو بری طرح پامال کرتے ہوئے اسکی چوکھٹ پر جاگرنے کو سیاسی یا اخلاقی برتری سمجھ رہا ہے اور اقتدار کے بندر بانٹ میں حقیقی اور جعلی مینڈیٹ اور علاقائی صورت حال کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھکر موجودہ حکمرانوں نے پھر عدم توازن اور عدم استحکام کی بنیاد رکھ دی ہے اور اب وہ دیوارِ کج، غلط سمت میں اونچی ہو رہی ہے جو کسی بھی وقت گر کر خود ان کے زخموں کو بھی تازہ کر سکتی ہے، نیز کئی دوسرے المیے بھی جنم لے سکتی ہے۔

مولانا فضل الرحمٰن کو زیرک اور ذہین سیاستداں ہونے کی سند مفت میں نہیں ملی ،ان کا طرۂ امتیاز یہ ہے کہ وہ اپنے مکتبۂ فکر کے روایات کے امین بھی ہیں، مگر خطے اور ملک کی بدلتی ہوئی صورت حال پر ان کی گہری نظر ہوتی ہے، چنانچہ ہر وقت درست فیصلے کرنے میں وہ گرد اڑانے والوں اور آنکھیں دکھانے والوں میں سے کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے ،یہی وجہ ہے کہ کتنے طوفان آئے اور کیا لاوے پکے، مگر کیچڑ اچھالا جاتا رہا اور وہ باوقار چال چلتے ہوئے اپنی ناؤ

ٹھکانے لگانے میں کامیاب ہوئے، وہ ماضی میں بھی بائیں بازو کی شناخت رکھنے والوں کی طرف دھکیلے گئے، تو انھوں نے اپنا قبلہ نہیں بدلا، بلکہ وہ ان بلاکوں سے بالاتر سوچتے رہے اور اپنی عزت اور قوت بچائے رکھنے کیلئے نئی راہوں اور ہمراہوں سے رہ گذر کی حد تک سمجھوتہ کیا۔

قربتوں اور فاصلوں کیلئے مولانا پر مفاد پرستی کا لیبل چسپاں کرنے والے ان کی ہسٹری کو نظرِ انصاف سے دیکھنے کی اہلیت پیدا کریں، یا پھر ذاتی پرخاش کی بناء پر انصاف کا خون نہ ہونے دیں، ''شریفوں'' کے سامنے سرنگوں ہونے کا مولانا سے ناحق تقاضا نہ کیا جائے، جو انکے سیاسی مسلک میں ناممکن ہے۔ ملک وملت کی نازک صورت حال کے پیش نظر غیر مشروط حمایت میں پہل کرنے کے بڑے پن کا بھی میڈیا اور سیاسی حلقے خیر مقدم تو کیا کرتے، کھلے عام مذاق اڑاتے اور حکمراں بننے کی راہ پر گامزن شریف برادراں کی پارٹی نے خیبر پختونخوا، بلوچستان اور وفاق میں مولانا کو چکمہ دینے اور نیچا دکھانے کی ماضی کی روایت برقرار رکھی، ہم پھر بھی اقتدار کے حقیقی مالکوں اور ظاہری علامتوں کو اپنی دانست میں درست سمت کا پتہ دینے کی کوشش کریں گے اور تمام تر خلوص وبے غرضی سے عرض کریں گے کہ غیر جمہوری روایتوں کی حوصلہ شکنی کا آغاز اپنی ذات اور عمل سے کریں، سسٹم کے سر پر لٹکے ہوئے خطرات کیلئے مگرمچھ کے آنسوں بہانے کی بجائے جمہور کو اختیار وانصاف دلانے والے مولانا کی

قدر کیجئے، جنھوں نے مذہب ، سیاست اور زندگی کے دیگر شعبوں میں تشدد کا عنصر اور تسلط کے جراثیم در آنے کو ہمیشہ کیلئے بروقت بھانپ لیا اور اس کے سامنے کامیاب منصوبہ بندی کے ساتھ بند باندھا۔آج اس ملک میں جس قدر بھی سکون یا بہتری کا ماحول ہے ،اس میں مولانا کا بہت بڑا کردار ہے ،جس کو کئی ملک دشمن اور دین مخالف لابیاں مکدر کرنے کی ناپاک کوششیں کررہی ہیں ۔

اھل اقتدار کا اپنا بھلا بھی اسی میں ہے کہ مولانا کے فکری اعتدال ، قوت فیصلہ اور صلاحیتِ عمل سے فائدہ اٹھائیں اور سنبھل جائیں ، ریاست وخطے ،اور عالم اسلام کیا، عالم انسانیت کو بھی معتدل ، متوازن اور متحمل مزاج شخصیات کی شدید ضرورت ہے، قوموں میں آئے روز اعلی دماغ پیدا نہیں ہوتا ، نہ قدرت ہر باصلاحیت کو شہرت وتاثیر کی ان بلندیوں پر پہنچنے دیتی ہے، یہاں کا ہر عالی دماغ اور بلند نظر اس دھرتی کا سپوت ہے اور یہ گھر بھی اب ایک دوسے نہیں سنبھالا جائے گا، سو اپنا اور گھر کا خیال رکھیئے۔

اساتذۂ کرام کی شہادت

مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

جامعہ فاروقیہ کی درس گاہ سابعہ میں محوِ خواب ان پانچوں مظلوم و معصوم شہداء کرام کے ہونٹوں پر اتنی عجیب قسم کی لطیف مسکراہٹ ہے، جیسے کہ اب سے کچھ ہی دیر بعد ان کو اپنے اعزاز میں دی گئی کسی تقریب میں شرکت کرنی ہے۔ اصحاب کہف کے حوالے سے کلام پاک میں اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: (و تحسبھم ایقاظا وھم رقود) ''اور تو سمجھے کہ وہ جاگتے ہیں اور وہ سورہے ہیں''۔ اور (لو اطلعت علیھم لو لیت منھم فراراً ولملئت منھم رعبا) ''اگر تو جھانک کر دیکھے ان کو تو پیٹھ دے کر بھاگے ان سے اور بھر جائے تجھ میں ان کی دہشت''۔ بالکل ٹھیک اسی طرح کا سماں یہاں بھی ہے۔

ہو اگر خود نگر، و خود گر، و خود گیر خودی

یہ بھی ممکن ہے کہ تو موت سے بھی مر نہ سکے

شہداء عظام کی اس قطار مبارک میں دروازے سے استاذ کی مسند کی طرف یہ حضرات بترتیبِ ذیل آرام فرماہیں: ڈرائیور جناب عبدالحمید صاحب، شیخ الحدیث حضرت

مولانا عنایت اللہ خان صاحب، مفتی جامعہ حضرت مولانا مفتی محمد اقبال صاحب، استاذ حدیث حضرت مولانا حمید الرحمٰن صاحب اور محترم متعلّم جامعہ طلحہ بن مفتی اقبال صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ۔

ان حضرات کی اس کیفیت سے چند ہی لمحے قبل تقریباً سات بج کر پچاس منٹ پر راقم الحروف گھر سے آکر جامعہ کے گیٹ پر پہنچا ہی تھا کہ دورۂ حدیث کے ایک طالب علم نے نہایت ہی بے تابانہ انداز میں مجھے دیکھ کر موٹر سائیکل کا اتنا زوردار بریک لگایا کہ اس کی چرچراہٹ آس پاس تک ضرور سنی گئی ہوگی۔ اور پھر بولا: ''استاذ جی! جامعہ کی گاڑی پر فائرنگ ہوگئی اور تمام اساتذہ اس میں شہید ہوگئے ہیں''۔

''میں نے کہا: ''کہاں؟

''! اس طالب علم نے کہا: ''ناتھا خان کی چھوٹی پلیا کے نیچے

اس مختصر سے مکالمے کے ساتھ ہی میں نے یوں محسوس کیا جیسے میری رگوں میں خون خشک ہوگیا ہو، لیکن میں نے بسم اللہ پڑھ کر ذرا سانس لیا اور پھر فوری طور پر حضرت مولانا عبیداللہ خالد دامت برکاتہم کو اطلاع دی۔ حضرت نے بے تابانہ فرمایا کہ میں فوراً گاڑی لے کر باہر آرہا ہوں، چلیں فوراً جائے وقوعہ پر پہنچتے ہیں۔ اتنے میں جامعہ کے طلبہ کرام کے علاوہ حضرت شیخ

الجامعہ مدظلہم کو بھی اطلاع ہوگئی جس پر حضرت مشکوۃ شریف کا سبق چھوڑ کر دفتر اہتمام میں تشریف لائے، ادھر ہم جیسے ہی جامعہ کی وین (گاڑی) کے پاس پہنچے، وہاں فائرنگ کی یہ منحوس آواز سن کر ارد گرد کے لوگ جمع ہونا شروع ہوگئے تھے۔ ان میں سے بعض نے ہماری طرف بڑھ کر کہا کہ وین خالی ہے، اس میں سے لاشیں نکال لی گئی ہیں۔ لیکن جب میں نے آگے بڑھ کر گاڑی میں جھانک کر دیکھا تو پتا چلا کہ لاشیں اس میں تڑپ تڑپ کر کچھ سیٹوں پر اور کچھ سیٹوں کے مابین فرش پر خلعت شہادت پہننے پر پُرسکون ہوچکی ہیں۔ میں نے مڑ کر حضرت سے عرض کیا: حضرت لاشیں تو سب گاڑی میں موجود ہیں۔ حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب نے ایک لمحے کے لئے اس الم ناک منظر کا جائزہ لیا اور پھر فوری حکم دیا کہ لاشیں نکال کر ایدھی کی جائے حادثہ پر پہنچی ہوئی ایمبولینسوں میں رکھ کر جامعہ لے جائی جائیں۔ میں نے گاڑی کے ٹوٹے ہوئے متاثرہ گیٹ میں سے حضرت مولانا حمیدالرحمٰن صاحب کی میت استاذ جامعہ مولانا محمد امین صاحب کے ساتھ مل کر اٹھائی اور دھڑ طلبہ کے ہاتھوں میں تھما کر خود بری طرح متاثر سر مبارک نہایت احتیاط کے ساتھ پکڑ کر ایمبولینس تک پہنچا دیا۔ اور پھر طلبہ کی مدد سے حضرت مفتی محمد اقبال صاحب کے جسد مبارک کو اسی طرح اٹھا کر ایمبولینس تک پہنچایا۔ پھر میں نے طلحہ کو چھوٹے بچوں کی طرح ہاتھوں میں اٹھا کر ایمبولینس میں رکھا۔ اتنے میں مولانا محمد امین صاحب اور طلبہ نے حضرت شیخ الحدیث مولانا عنایت اللہ صاحب اور ڈرائیور عبدالحمید

صاحب (جو آپس میں اس طرح جھکے ہوئے تھے جیسے کہ سرگوشیاں فرما رہے ہوں) میں سے حضرت کو گاڑی سے نکال کر ہماری طرف بڑھایا، جن کو لے جا کر ہم نے ایمبولینس میں رکھا۔

ایمبولینس کی گاڑیاں صرف دو ہی فوری طور پر مہیا تھیں، اس لئے دو دو ساتھیوں کو ایک ایک ایمبولینس میں رکھا گیا اور یہ دونوں گاڑیاں حضرت استاذ مکرم مولانا عبیداللہ خالد صاحب زید مجدہم کی نگرانی میں جامعہ کی طرف روانہ ہوئیں۔ اب رہے جناب ڈرائیور عبدالحمید صاحب تو انہیں نکال کر تھوڑی دیر کے لئے چادر کے اوپر روڈ پر رکھا گیا، اتنے میں ایک عام سوزوکی آئی۔ اس کے ڈرائیور سے میں نے میت لے جانے کی درخواست کی۔ الحمدللہ، انہوں نے فوراً حامی بھر لی اور ڈرائیور عبدالحمید صاحب یوں جامعہ کی طرف لے جائے گئے۔ جامعہ کی متاثرہ گاڑی کو ڈاکٹر عبدالرحمٰن صاحب نے اپنی جیپ کے ساتھ باندھ کر جامعہ پہنچا دیا۔

یہاں یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ گاڑی میں ان شہدائے عظام کے علاوہ اور بھی چار افراد تھے، جنہیں اللہ جل شانہ نے مزید اس فانی دنیا میں کچھ وقت کے لئے زندہ رکھنا تھا، یہ حضرات شدید زخمی ہوئے۔ ان میں سے ایک استاذ جامعہ حضرت مولانا عبدالستار صاحب تھے، جن کے پیٹ میں کئی گولیاں پیوست ہوئی تھیں،

لیکن اب الحمدللہ روبہ صحت ہیں اور دو چار روز میں ہسپتال سے آجائیں گے۔ ان شاء اللہ۔ دوسرے جامعہ کے گارڈ جناب محمد رمضان صاحب تھے، جنہیں کچھ گولیاں ہاتھوں میں اور کچھ دونوں ٹانگوں میں لگیں۔ ایسے موقع پر جہاں آدمی حواس باختہ ہوجاتا ہے اور اوسان خطا ہوجاتے ہیں، انہوں نے ماشاءاللہ جوابی فائرنگ کی، مگر دہشت گرد نہایت منظم اور منصوبہ بند انداز میں حملہ آور ہوئے تھے اور پھر آگے اور پیچھے دونوں طرف تھے، اس لئے بدقسمتی سے ان کی جوابی فائرنگ کارگر ثابت نہ ہوسکی۔ بہرحال اب یہ روبہ صحت ہورہے ہیں اور کچھ دنوں میں ہسپتال سے گھر منتقل ہوجائیں گے۔ انشاءاللہ تعالیٰ۔ تیسرے ان میں ڈرائیور عبدالحمید خان صاحب کا معصوم بھانجا متعلّم بلال تھا، جو محض تفریح کے لئے اس دن گاڑی میں سوار ہوگیا تھا۔ اس کو بھی دو گولیاں کندھے میں لگیں، دونوں گوشت میں پیوست ہوئیں۔ ہڈیاں بچ گئیں۔ یہ ہسپتال سے گھر منتقل ہوگیا ہے اور تقریباً صحت یاب ہے۔ چوتھے محمد یاسر بن مفتی اقبال صاحب تھے ان کو دونوں پیروں میں زخم آئے تھے، جو معمولی نوعیت کے تھے۔ اسی دن ہسپتال ، سے گھر منتقل ہوگئے تھے۔ اس طرح اس حادثے کے شکار یہ کل نو افراد تھے۔

یہاں تک تو تھی گفتگو حادثے کے حوالے سے ، ادھر جب یہ واقعہ ہوا تو پورے کراچی ،شہر میں یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی، اب جامعہ کے منتظمین

شہر کے علماء کرام اور متعلقین کو اس واقعے کی تفصیلات فون پر فون کرکے بتاتے رہے۔
دوسری طرف شہر اور چند لمحوں میں ملک اور بیرون ملک سے کالوں کا تانتا بندھ گیا۔
دیکھتے ہی دیکھتے شاہ فیصل کالونی کی طرف عوام وخواص، طلبہ واساتذہ کے اعزہ ومتعلقین اور جامعہ کے معاونین ومتعلقین کا ایک ٹھاٹھے مارتا سمندر امڈ آیا۔ جامعہ کے اندر تل دھرنے کی جگہ معدوم اور جامعہ کے باہر دور دور تک گاڑیوں کی قطار اندر قطار۔ ہر آنکھ اشک بار اور ہر قلب مضطرب، یوں محسوس ہو رہا تھا کہ آسمان وزمین اور خاص کر جامعہ کے درودیوار زار وقطار نوحہ کناں ہیں۔

جان کر من جملہ خاصانِ میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ مجھے

جامعہ کے لاؤڈ اسپیکروں سے حضرت شیخ الجامعہ مدظلہم بنفس نفیس طلبہ کرام کو صبر وتحمل کی تلقین فرمارہے تھے۔ اساتذہ کرام طلبہ کو نرمی وسختی دونوں سے حضرت کے بیان کی طرف متوجہ کرنا چاہتے ہیں۔
استاذ مکرم حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب نے مجھے بلایا، جہاں حضرت مولانا افشانی صاحب بھی موجود تھے اور مشورہ ہوا کہ سابعہ کی درس گاہ میں ان شہدائے کرام کے اجساد مبارکہ کو فی الحال سلیقے سے رکھ دیا جائے۔ جامعہ کے

ایک مخلص جناب عزیز اللہ صاحب (جنہوں نے بروقت ایدھی ایمبولینس منگائی تھی اور جائے حادثہ پر پیش پیش رہے) سے میں نے عرض کیا کہ فوری طور پر پانچ سفید چادریں اور کچھ خوشبو کا انتظام فرمائیں، تاکہ ماحول معطر رہے، لیکن چادریں بعد میں جامعہ کے دفتر سے مہیا ہوگئیں۔

مختصر یہ کہ تقریباً دس، ساڑھے دس بجے کا وقت تھا کہ لوگوں کی بے چینی کے پیش نظر شہدائے کرام کے دیدارِ عام کے لئے جلدی جلدی انتظامات کئے گئے، میں دوڑ کر اپنے کمرے میں گیا تاکہ خون میں لت پت اپنے لباس کو تبدیل کرلوں کہ اتنے میں فائرنگ کی تڑتڑاہٹ کی آوازیں آئیں اور ایک مرتبہ پھر فرزندانِ جامعہ پر بدبختوں نے اطراف سے مورچہ بند فائرنگ کردی جس کے نتیجے میں کم سے کم پانچ افراد کچھ طلبہ اور کچھ آنے والے مہمان شدید زخمی ہوئے۔ اس سانحے کے بقیہ چار افراد بھی ہسپتال میں زیرِ علاج ہیں۔ الحمدللہ ان کی حالت خطرے سے باہر ہے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ عین موقع پر پولیس اور رینجرز والے سب کے سب بجائے حالات کو کنٹرول کرنے کے، پیٹھ پھیر کر بھاگ گئے، اس افراتفری اور کسمپرسی کے عالم میں کم بخت شرپسندوں نے ہمارے معزز اور غم زدہ مہمانوں کی گاڑیاں نذر آتش کرنا شروع کردیں۔ ادھر جامعہ سے شہداء کرام کی دو بجے دوپہر نماز

جنازہ کااعلان بھی ہوتا رہا۔ حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب لاؤڈ اسپیکر کے ذریعے صبر و تحمل کی اپلیں بھی کرتے رہے، ادھر شرپسند عناصر نہتے اور معصوم طلبہ اور مہمانوں کے جان و مال سے کھیل رہے تھے۔ (بلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنون) اور (وتری الناس سکاری وماھم بسکاری) والی کیفیت طاری تھی۔

حضرت شیخ الجامعہ، اساتذہ، مہمان اور متعلقین مسلسل سول انتظامیہ اور فوجی ذمے داروں سے ادنیٰ سے لے کر اعلیٰ تک رابطوں پر رابطے کرتے رہے، مگر بارہ ایک بجے تک کوئی شنوائی ندارد۔

ادھر استاذ مکرم حضرت مولانا عبیداللہ خالد صاحب نے جناح ہسپتال سے میڈیکل رپورٹ کے لئے ایک میڈیکل ٹیم کو جامعہ مدعو کیا تھا۔ انہوں نے آکر جامعہ ہی میں میڈیکل چیک اپ کے بعد اپنی رپورٹ تیار کی۔

بہرحال شہدائے کرام کے قریبی متعلقین کے شدید اصرار اور مقامی حالات کی ابتری کے پیش نظر یہ فیصلہ کیا گیا کہ جنازے جامعہ کے عقبی چھوٹے گیٹ سے ایک ایک کرکے ان کے رشتے داروں کے حوالے کئے جائیں تاکہ مزید خون خرابہ نہ ہو، دو بجے کے بعد جنازے یکے بعد دیگرے نکالے گئے، تو باہر مشتعل ہجوم نے

ان میں سے ایک دو ایمبولینسوں کو شارع فیصل پر روک کر پانچ بجے تک دھرنا دیا، جس کی وجہ سے صدر مملکت جو اس دن کراچی آئے ہوئے تھے، اپنا روٹ تبدیل کرکے صفورا گوٹھ سے ہوتے ہوئے گلستان جوہر کے راستے سے نکلے۔ یہ سب کچھ انتظامیہ کی بدانتظامی اور نالائقی کی وجہ سے ہوا۔ یوں لگ رہا تھا کہ انتظامیہ خود چاہتی ہے کہ مزید خون خرابا ہو۔

القصہ، مغرب کے بعد حضرت شیخ الحدیث مولانا عنایت اللہ خان صاحب اور استاذ حدیث مولانا حمید الرحمٰن صاحب کا مشترکہ جنازہ دھوراجی میں پڑھ کر ڈالمیا کے قبرستان لے جایا گیا، جب کہ عصر کے بعد حضرت مفتی اقبال اور طلحہ مفتی اقبال صاحب کی نماز جنازہ محمود آباد میں ہوئی، جو محمود آباد قبرستان میں ابدی نیند سو رہے ہیں۔ ڈرائیور عبدالحمید خان صاحب کا تابوت صوابی لے جایا گیا جہاں ان کی دوسرے روز تدفین ہوئی۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

جنازوں سے واپس آنے والے افسردہ و غمگین مختلف مدارس کے طلبہ واساتذہ اور عامۃ المسلمین کے ساتھ انتظامیہ نے ایک اور بے رحمانہ سلوک یہ بھی کیا کہ انہیں پکڑ پکڑ کر تھانوں میں بند کردیا، جن کی رہائی کے لئے علمائے شہر کو ایک باقاعدہ کمیٹی تشکیل دینی پڑی۔

ہماری حکومت اور انتظامیہ کے لئے اس سے بڑھ کر ڈوب مرنے کا مقام کیا ہوگا کہ مظلوم پر ظلم کی مشقیں جاری ہیں اور انتظامیہ اس کے زخموں پر نمک پاشی کر رہی ہے۔ فالی اللہ المشتکی.

واقعے کے وقت سے تادم تحریر مسلسل تعزیت کرنے والے ملک اور بیرون ملک سے آنے والے مہمانوں کی آمد جاری تھی اور ہے، اس لئے اس دن یعنی 28 جنوری کو حضرت شیخ الجامعہ اور اساتذۂ جامعہ کو اس حوالے سے اپنے دکھ درد بانٹنے کا موقع نہ مل سکا، البتہ دوسرے دن مغرب کے بعد حضرت مدظلہم نے اساتذۂ جامعہ کا ایک ہنگامی اجلاس دفتر میں بلایا، جس میں حضرت ہی نے تھرتھراتی آواز میں سنبھل سنبھل کر ان شہدائے کرام کو وفاداری، جامعیت علم، استقلال واستقامت اور خلعتِ شہادت پر خراج تحسین پیش کیا اور ان کے لئے اور ان کے پس ماندگان اور جامعہ اور جامعہ طلبہ کے لئے دعائیں فرمائیں۔ نیز اس اجلاس میں کیس کے حوالے سے جب گفتگو ہوئی تو طے ہوا کہ کل یعنی 30 جنوری کو کراچی کے خواص کا ایک اہم اجلاس بلایا جائے۔ چنانچہ جن حضرات کو دعوت دی گئی، ان میں سرفہرست حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، حضرت مفتی نظام الدین شامزئی صاحب، حضرت مولانا عبدالرزاق اسکندر صاحب، حضرت مولانا اسفندیار خان صاحب، حضرت مولانا مفتی محمد نعیم صاحب، حضرت مولانا زرولی خان صاحب ،

حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحب، حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب، حضرت قاری شیر افضل خان صاحب، مولانا عبدالکریم عابد صاحب، مولانا محمد احمد مدنی صاحب وغیرہ تھے۔ ان حضرات نے کافی غور و خوض کے بعد ایک کمیٹی تشکیل دی، جس میں مندرجہ ذیل حضرات کا نام آیا:

حضرت شیخ الجامعہ، ۲۔ حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب، ۳۔ حضرت مولانا -۱ عبدالرزاق اسکندر صاحب، ۴۔ حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب، ۵۔ حضرت مولانا اسفندیار خان صاحب، ۶۔ حضرت مولانا زرولی خان صاحب۔

چنانچہ ان حضراتِ گرامی کا مسلسل باہمی رابطہ ہے اور یہ حضرات اب اس کیس کو لے کر اعلیٰ سول و فوجی حکام سے ملاقاتیں کر رہے ہیں، اس لئے اگر یوں کہا جائے کہ اب تک کیس جس پوزیشن میں ہے، وہ حوصلہ افزا ہے تو یہ بات زیادہ بعید از قیاس نہ ہوگی۔

اس کے علاوہ اس ہنگامی اور اندوہ ناک صورتِ حال کے دوران حضرت مولانا ڈاکٹر محمد عادل خان صاحب سفر پر تھے، جن کی عدم موجودگی شدت سے محسوس کی جارہی تھی، 5 فروری کو تشریف لاچکے ہیں۔

،دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ شہداء کو اجر عظیم سے نوازے، اعلیٰ مراتب پر فائز کرے

لواحقین کو صبر جمیل عطا کرے اور ظالموں کو ان کے انجام تک پہنچائے۔ آمین۔

(الفاروق اردو، ذوالحجہ، ۱۴۲۱ھ)

سچ کی تلاش میں

حضرت ابو بکر صدیق ۔رضی اللہ عنہ ۔کے فضائل وشمائل بہت ہیں ،مناقب صحابہؓ پر مشتمل کتب میں ذرہ سی نگاہ سے حضرت صدیق کے متعدد اوصاف اور مواقف ایسے سامنے آجاتے ہیں ،جو صرف انہی کا خاصہ ہیں ، لیکن عام مسلمانوں ،اقتدار کے ایوانوں میں براجمان حکمرانوں اور بلا تفریقِ دین ومذہب پوری انسانیت کو فی زمانہ ان کے سچائی والے وصفِ امتیازی کی جس قدر ضرورت ہے ،اتنی شاید کبھی نہ ہو ، وہ صدیقیت کے مقام پر فائز تھے ، صدق وراستی ان کا ایسا شیوہ بن گیا تھا کہ وہی ان کا لقب ، تخلص اور دوسرا نام پڑ گیا تھا، سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس وصف کے ذریعے روحانیت میں ان کو نبوت کے بعد کل کائنات میں بہت ہی اعلی وارفع مرتبہ ملا،اسی وصف سے وہ طوفانوں سے ٹکرا کر ہمیشہ فاتح بن کر نکلے ،اسی وصف نے انہیں تجارت ،معاشرت ،رفاقت ،مصاحبت ،شجاعت ،وزارت،خلافت اور حکومت کی چوٹیوں پر پہنچایا، ''صِدّیق'' کا معنی ومفہوم ہی ''سچ میں مبالغہ کرنے والا'' ہے، بہت زیادہ اور ہر حال میں صدق کا دامن تھامے رکھنے والا،قرآن وسنت میں سچ اپنانے اور جھوٹ سے پرہیز کرنے کی جابجا تلقینات وتنبیہات موجود ہیں،ایک آیت کریمہ میں تو جھوٹوں پر پروردگار کی لعنت کی گئی ہے ،حدیث شریف کا مفہوم ہے کہ سچ نجات کا راستہ ہے اور جھوٹ ہلاکت وتباہی کا۔

آج انسانیت کو ہر سطح پر جو بربادی کا سامنا ہے ،اس میں دیگر چیزوں کے علاوہ ایک بہت
،بڑا عامل وباعث اور سبب وعلت جھوٹ ہے

ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم ''مسئلہ ''نہیں سمجھتے ،اور المیہ یہ ہے کہ مسائل سمجھنے سمجھانے پڑھنے پڑھانے والے بھی صورت مسئلہ میں صورت پر زیادہ جاتے ہیں ،مسئلہ پر جاتے، جاتے وہ صورت میں اتنے اختلافات ابہامات تشکیکات اور تنازعات کے شکار ہوگئے ہوتے ہیں ، کہ اب مسئلہ سمجھنا انکے بس کا روگ نہیں ہوتا، تو مسئلہ پر عمل کیا کریں گے اور اسے اپنی زندگی کا حصہ کیسے بنائیں گے ،یہ تو ہوئی ان کی بات، جنکی زندگیاں مسائل میں گزرتی ہیں ان کے سوا دیگر لوگ اس مسئلۂ سچائی کو کہاں سے سمجھے، کہ وہ مسائل کے علم سے ناواقف ہیں ،لہذا یوں دنیا میں کامیابی وکامرانی اور آخرت کی حیات جاؤدانی مین نجات وفلاح کے اس عظیم وصف سے ہم مسلمان خود بھی محروم رہے اور دنیائے
- انسانیت کو بھی اس سے بے بہرار کھا

بنابریں جب وصف کو ہم نہیں سمجھ سکے، تو صاحب وصف کو کیسے ہمارے پہنچ ہو، یہی وجہ ہے کہ آج ابوبکر صدیقؓ کی شخصیت اور ان کے ذات میں اندر چھپے کردار'' سچائی'' سے ہمارے عوام وخواص دانشور علماء اہل قضاو اہل اقتدار

ناشناس ہیں، سچ کی تلاش میں ہمارے معاشرے کے مختلف کرداروں کو اپنا اپنا حصہ ڈال کر اس گوہرِ نایاب کو دستیاب کرنا ہوگا، ورنہ دین و دنیا کے تمام شعبوں میں جھوٹ اتنا دخیل ہے، کذب بیانی اتنی دخیل ہے کہ کچھ نہیں کہا جاسکتا، بالخصوص میڈیا کی تو گویا بنیاد ہی جھوٹ پر ہے، حالانکہ یہ غلط ہے، میڈیا کا معنی ہے دعوت و تبلیغ، اور دعوت و تبلیغ میں تو جھوٹ کا شائبہ بھی ''حرام مؤبد'' ہے۔

اللہ تعالی کی لعنت اور پھٹکار سے بچنے کے لئے دھڑلے سے جھوٹ بولنے کی عادت پر نظر ثانی کیلئے ہمیں حضرت صدیقؓ کی سیرت و تاریخ میں اس بیش بہا جوہر کو تلاش کرنا ہوگا اسی راز کو موضوعِ سخن بنا کر کانفرنسز، سیمینارز، اور جلسے منعقد کرنے ہوں گے، کچھ حضرات کو ''تحریک سچائی'' کے نام سے مستقل دعوتی سلسلہ چلانا ہوگا۔

اگر ہم ظاہری طہارت و پاکیزگی کے لئے ملکی یا عالمی سطح پر ''یوم صفائی'' منا سکتے ہیں، تو باطنی تزکیہ، تطہیر اور احسان کے نام پر ''یوم سچائی'' کیوں نہیں بنا سکتے؟

جمادی الثانی کی تاریخ ہمیشہ کے لئے انسانیت کو اس متاعِ گمشدہ کی تلاش ۲۲

کے طرف متوجہ کرتی رہیگی۔

آپ عربی کیسے سیکھیں؟

فون، فیس بک، ٹویٹر، ای میل، وائبر اور سکائپ وغیرہ کے ذریعے آئے روز ملک بھر اور آج کی الیکٹرونک دنیا کے کونے کونے سے ہمارے دوست احباب ہم سے یہی سوال کرتے ہیں، آپ نے عربی کیسے سیکھی اور ہم کس طرح اسے سیکھ سکتے ہیں؟ ہم انہیں ''العربیہ بین یدیک'' نامی ایک شہرۂ آفاق اور تیر بہدف کتاب کا پتہ دیتے ہیں، ''العربیہ للناشئین''، ''تسہیل الادب''، ''عربی کا معلم''، ''معلم الانشاء''، الطریقۃ العصریۃ، الجزیرۃ نیٹ ورک کا مستقل چینل ''تعلیم العربیہ'' اور نیٹ پر موجود موضوع سے متعلقہ وافر مواد کا بھی حوالہ دیدیتے ہیں۔ نیز ''پاکستان اربک بورڈ'' کے مولانا سمیع عزیز، ''قرآنی عربی'' کے مفتی ابولبابہ، پاکستان عربک لینگویج اوپن یونیورسٹی کے شیخ قمر، جمعیۃ اللغۃ العربیہ کے شیخ امجد، معہد اللغۃ العربیہ اسلام آباد کے مولانا بشیر سیالکوٹی، جامعہ عائشہ وجامعہ ابن عباس کے ڈاکٹر امجد، شیخ موسی عراقی، جامعہ بنوریہ کے شیخ عزیز عظیمی، مولانا عبید الرحمٰن، جامعہ فریدیہ کے شیخ ناصر، شیخ خالد حجازی اور ان اداروں وشخصیات کی طرح کئی دیگر صاحبانِ فن کی بھی میدان میں موجودگی سے باخبر کردیتے ہیں، جن سے حسب سہولت رابطہ کرکے استفادہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں۔

لیکن ان سب سے ہٹ کر'' طرق التدریس ''میں سے ایک کامیاب طریقہ، بذات خود سیکھنے ''التعلم الذاتی'' کا بھی ہے ،اس وقت بابا چلاسی عربی ،اردو، فارسی شعر وشاعری، تفسیر، حدیث ،فقہ ،تصوف ،اور رعایت اللہ فاروقی جدیداردوادبیات،کالم نویسی اور خاکہ کشی میں بغیر کسی استاذ کے عبقریت کے مقام پر فائز ہیں، کراچی کے مایہ ناز تاجر وصنعت کار جناب الطاف موتی نے بغیر کسی استاذ اور عربی صرف ونحو کی گرانوں اور قوانین کے رٹوں سے کوسوں دور ایسی عربی سیکھ لی ہے کہ ان کی تحریر پڑھ کر آدمی محو حیرت ہوجاتاہے ،آج کل بی بی سی عربک ،الجزیرۃ اور شبکۃ المدارس پر ان کے تبصرے اور مقالات دیکھنے سے تعلق رکھتے ہیں یہ کیسے ممکن ہوا، آیئے وحیدالدین خان کی کتاب ''رازحیات '' سے ایک راز لیتے ہیں اور اس کے نتیجے میں بذات خود عربی سیکھنے کیلئے یہ نسخہ بروئے کار لاتے ہیں: '' ایک خاتون نے انگریزی اس طرح پڑھی کہ ان کے والد مولوی تھے، ان کے گھر پر انگریزی کا ماحول نہ تھا، چنانچہ ایم اے انگلش) انھوں نے بمشکل تھرڈ نمبروں سے پاس کیا، ان کو شوق تھا کہ ان کو انگریزی) لکھنا آجائے ، یہ کام ایک اچھے دوست کے بغیر نہیں ہوسکتا، لیکن ان کے گھر کے حالات ا س کی اجازت نہیں دیتے تھے، کہ وہ کوئی استاذ رکھیں اور اس کی مدد سے اپنے اندر انگریزی لکھنے کی صلاحیت پیدا کریں ،مگر جہاں تمام راستے بند ہوتے ہیں ،وہاں بھی ایک راستہ آدمی کے لئے کھلا ہوتاہے، شرط صرف

یہ ہے کہ آدمی میں طلب ہو اور اپنے مقصد کے حصول میں اپنی پوری طاقت لگادے، خاتون نے استاذ کے مسئلہ کا ایک نہایت کامیاب حل تلاش کرلیا، انھوں نے چھپی ہوئی ایک کتاب پڑھی، اس میں انگریزی مصنف نے بیرونی ملکوں کے انگریزی طالب علموں کو یہ مشورہ دیا تھا، کہ وہ انگریزی لکھنے کی مشق اس طرح کریں، کہ کسی اہل زبان کی لکھی ہوئی کوئی کتاب لے لیں، اس کے بعد روزانہ اس سے چند صفحات لے کر پہلے اس کا اپنی زبان میں ترجمہ کریں، پھر کتاب بند کرکے الگ رکھدیں اور اپنے ترجمہ کو بطور خود انگریزی میں منتقل کریں، جب ایسے کرلیں، تو اس کے بعد دوبارہ کتاب کھولیں اور اس کی چھپی ہوئی عبارت سے اپنے انگریزی ترجمہ کا مقابلہ کریں، جہاں نظر آئے کہ انھوں نے کوئی غلطی کی ہے، یا طریق اظہار میں کوتاہی ہوئی ہے، اسکو اچھی طرح ذہن میں لائیں اور کتاب کی روشنی میں خود ہی اپنے مضمون کی اصلاح کریں، خاتون نے اس بات کو پکڑ لیا، اب وہ روزانہ اس پر عمل کرنے لگی، انگریزی اخبار یا رسالہ یا کسی کتاب سے انگریزی کا کوئی مضمون لے کر وہ روزانہ اسکا اردو میں ترجمہ کرتیں اور پھر اپنے اردو ترجمہ کو دوبارہ انگریزی میں منتقل کرتیں اور اپنے انگریزی ترجمہ کو اصل انگریزی عبارت سے ملاکر دیکھتیں کہ کہاں کہاں فرق ہے، کہاں کہاں ان سے کوئی کمی ہوئی ہے، اس طرح وہ روزانہ تقریباً دوسال تک کرتی رہیں، اس کے بعد ان کی انگریزی اتنی اچھی ہوگئی، کہ وہ انگریزی میں مضامین لکھنے لگیں، ان کے مضامین انگریزی جرائد میں چھپنے لگے، ان کے بھائی نے ایکسپورٹ کا ایک

کام شروع کیا، جس میں انگریزی خط وکتابت کی کافی ضرورت پڑتی تھی، خاتون نے انگریزی خط وکتابت کا پورا کام سنبھال لیا اور اس کو کامیابی کے ساتھ انجام دیا۔

مذکورہ خاتون نے جو تجربہ انگریزی زبان میں کیا، وہی تجربہ دوسری زبانوں میں بھی کیا جاسکتا ہے۔ ہماری دنیا کی ایک عجیب خصوصیت یہ ہے کہ اس میں کسی کامیابی تک پہنچنے کے بہت سے ممکن طریقے ہوتے ہیں۔ کچھ دروازے اگر آدمی پر بند ہو جائیں، تب بھی کچھ دوسرے دروازے کھلے ہوتے ہیں۔ جن میں داخل ہو کر وہ اپنی منزل تک پہنچ سکتا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ موجودہ دنیا میں کسی شخص کی ناکامی کا سبب ہمیشہ پست ہمتی ہوتا ہے، نہ کہ اس کے لئے مواقع کا نہ ہونا۔

لہٰذا ہر انسان کے لئے لازم ہے کہ وہ دوسروں کی طرف دیکھنے کے بجائے خود اپنی طرف دیکھے۔ کوئی بھی آدمی اپنی امکانیات وصلاحیتوں کو بروئے کار لاکر کسی بھی میدان میں بڑی سے بڑی کامیابی حاصل کر سکتا ہے۔ لیکن جب کوئی اپنی امکانیات وصلاحیتوں کو استعمال نہ کرے، تو اسی کا دوسرا نام ”ناکامی“ ہے۔

آپ عربی کیسے بولیں؟

پچھلے ماہ پنجاب گورنمنٹ کی طرف سے قومی اخبارات میں صوبے بھر کے کالجز میں مختلف علوم وفنون کے اساتذہ کیلئے دوہزار سے زائد اسامیوں کا ایک تفصیلی اشتہار چھپا، جس میں عربی زبان وادب کے مضمون کو یکسر نظر انداز کیا گیا تھا، حالانکہ شریف برادران وفیملی کو پرویز کے غیر مشرف دور میں اپنی جلاوطنی کے ایام بلاد الحرمین الشریفین اور مرکز العروبۃ مملکت سعودی عرب میں ہی گذارنے پڑے، اللہ جانے کس حدتک آنے والی بات درست ہے، لیکن پاکستان عربک پارٹی کے روح رواں جناب عابد قائم خانی بڑے شدومد سے اس بات کی روایت جابجا کرتے رہتے ہیں، کہ شریف فیملی کا خاندانی پس منظر عرب قومیت ہے، پھر یہ کہ نواز وشہباز شریفین کو مکہ ومدینہ شریفین میں قیام کے دوران عربی تکلم پر قدرت بھی حاصل ہوئی ہے، ان سب وجوہ کے باوجود تعلیم کے مہم ترین میدان میں عربی اساتذہ کو پس پشت ڈالنا اگرچہ اور نہیں تو تعجب خیز اور سمجھ سے بالاتر ضرور ہے، بہرکیف اس حوالے سے ایک مختصر سا مراسلہ راقم الحروف نے شہباز شریف کو ان دنوں بھیجا تھا۔

گزشتہ ہفتے کو ہمارا کالم ''آپ عربی کیسے سیکھیں؟'' کے حوالے سے قارئین کرام کے رسپانس کے تناظر میں یہ منکشف ہوا کہ ان معروضات کا تانا بانا جاکر

صرف تحریر ہی پر ٹوٹتا ہے، لہٰذا تقریر و تکلم کے لئے ایک مرتبہ پھر عربی کو عنوان بنا کر اس کی قدرے توضیح کی جائے۔ چنانچہ ڈائریکٹ میتھڈ، خود سے پڑھنے اور "التعلم الذاتی" کے ساتھ ساتھ اگر کسی نے اساتذہ ہی کی مدد سے صحیح عربی بول چال پر عبور حاصل کرنا ہے، تو اس کے لئے مولانا طارق جمیل اور مولانا عبدالستار کے قائم کردہ مراکز واداروں ہی کا رخ کرنا ہمارے خیال میں موزوں ہوگا، کیونکہ ان حضرات نے صرف ونحو کے بکھیڑوں سے ماوراء عربی زبان اور اس کے تکلم پر خاصہ عملی کام کیا ہے، جسکے نتائج بے مثال ہیں، حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلوی مرحوم بھی صرف ونحو کے قواعد وقوانین میں توغل اور مبالغہ آرائی کے شدید مخالف تھے، ہمارے مشاہدے کے مطابق صدر وفاق المدارس سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان بھی اس کو نا پسند فرماتے ہیں۔

مگر یہاں ہم کچھ طریقے ایسے بتانا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی پاکستانی کسی بھی وقت عربی میں بول چال یا تکلم کرنا چاہیں، تو وہ اسے میسر ہوں۔ دیکھیں پاکستان کی تمام زبانوں میں عربی الفاظ ومصطلحات پچاس ساٹھ فیصد (کم وبیش) زبان زدِ عام وخاص ہیں، ہر مسلمان کو کلمہ طیبہ، شہادت، تمجید، توحید، استغفار، رد کفر۔ اذان واقامت۔ نماز میں تکبیر، تسبیح، تحمید، تعظیم، سورۃ فاتحہ، سورۃ اخلاص، التحیات، تشہد، صلاۃ وتسلیم دعا اور قنوت۔ ایمانِ مجمل ومفصل۔ اسلام کے ارکان خمسہ، توحید، صلاۃ، صیام، زکاۃ،، حج۔ نورانی

قاعدہ، قرآن کریم حفظ وناظرہ، ذکرواذکار۔ صلوات خمسہ، فجر ظہر عصر مغرب عشاء، اور تہجد، نوافل وصلاۃ جنازہ۔ نیز ان تمام میں مستعمل مفردات وکلمات کے الفاظ و معانی بمع ترجمہ یاد ہی ہوتے ہیں۔ گویا لغوی پرزوں کا ذخیرہ وافر انداز میں موجود ہے، کلام بھی مشین ہی کے طرح ایک شیئ ہے جس طرح مشین کے پرزے دستیاب ہونے کے بعد اس کی ترکیب اور جوڑنے کا عمل زیادہ مشکل نہیں ہوتا، اسی طرح کلام کے اجزاء اور ویکبلری کے موجودگی میں مفردات کو ملا کر ایک مرکب اور جامع کلام بنانا بہت آسان ہوتا ہے، ذرا سی توجہ ذہانت اور لسانیات کی طرف فطری میلان اسکی لئے شرط اولین ہے، اس لئے آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہمارے یہاں کے بالکل ان پڑھ حضرات جب عرب ممالک کام کے لئے جاتے ہیں تو ان کو عام بول چال کی عربی سمجھنے اور بولنے میں کوئی دیر نہیں لگتی، پھر عرب لوگ عام تخاطب میں زیادہ لمبی چوڑی بات نہیں کرتے، مثلا الصلاۃ، الصلاۃ، السیارۃ، السیارۃ، مکہ مکہ، مدینہ مدینہ، الطعام الطعام، طریق طریق، صرف مقصودی لفظ ہی کو بار بار دھراتے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ اردو، پشتو، سندھی اور فارسی، وغیرہ کے عربی رسم الخط نے تو ہمارے لئے سب کچھ حلوہ بنادیا ہے، بھلا، اس میں مشکل کہاں ہے؟ گویا ہم سب پاکستانیوں کو عربی آتی ہے، یہ اور بات ہے کہ ہمیں اس کا پتہ نہیں، ذیل میں کچھ مختصر مختصر ہدایات کو مد نظر رکھ کر آپ آج ہی سے بذات خود عربی بولنے کا آغاز کریں، پرزے موجود ہیں، غور وفکر سے ان کی ترکیب وتطبیق کریں اور سر اٹھا کر اپنے اندر ایک عربی

: داں پیدا کریں

۱۔ٹائم دیجئے۔۔روزانہ آدھا گھنٹہ یا ہفتہ وار چند گھنٹے عربی بول چال یا سننے کے لئے مختص کریں۔

۲۔دوست تلاش کیجئے۔۔کسی بھی فیلڈ میں آپ کا کوئی دوست جو آپ کے ساتھ اس

اور (sharedtalk.com), موضوع پر اپڈیٹنگ، تکلم اور حوار کا کام کریں

اس کے لئے بہت مفید ہیں، نیز اس کے علاوہ mylanguage xchange.com))

بھی نیٹ پر اور عام معاشرے میں عربی کے ماہرین سے علیک سلیک ضرور رکھیں۔

۳۔عربی ویڈیوز،افلام،حوارات اورٹاک شوز۔۔یہ اشیاء عربک چینلز یا نیٹ پر دیکھا

زیادہ فائدہ مند (Subscen-Passionate about good subtitles)، کریں

ہے۔

۴۔جدید وسائل اختیار کریں۔۔موبائل،آئی پیڈ،لیپ ٹاپ،ریڈیو اور ٹی وی عربی بول چال سننے، سمجھنے اور پھر اس سے حسبِ ضرورت استعمال کے لئے بہت کار آمد ہیں

۔

۵۔محلے کے امام، خطیب، قاری کسی فاضل یا جدید تعلیم یافتہ سے رابطہ میں رہیں ۔۔ان سے سیکھیں،اس سے ان کو بھی اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہوگا،آپ کا بھی فائدہ ہوگا۔

۶۔بولنے میں غلطیوں سے نہ شرمائیں۔۔بلکہ سیاست دانوں کی طرح اس میدان میں

آپ ڈھیٹ بن جائیں۔

۷۔ مثبت سوچ رکھیں۔۔پر امید رہیں ، عزم وحوصلہ پہاڑوں کی طرح رکھیں، ناممکن کو بھی ممکن بنانے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کریں ،حاسد ، بد فال ، حوصلہ شکن ، کم ظرف اور تنگ نظروں سے ہوشیار رہیں ،یاد رکھیں حسرت ،پچھتاوا اور افسوس سے کچھ نہیں بنتا کامیابی کی خوشی محسوس کرنے کیلیے اپنے اندر جوش وخروش اور ولولہ تازہ ہر وقت زندہ رکھیں ،یوں عنقریب آپ کے اندر سے اپنی ذات کیلیے ایک عربی کا صرف ماہر ہی ظہور پذیر نہ ہوگا، بلکہ دوسروں کے لئے عربی کا ایک نمایاں معلم بھی ابھرے گا۔

وفاق المدارس..... تاریخی پس منظر

مذہب، سیاست اور علم و معرفت کا طالب علم اگر بیسویں صدی عیسوی کی مذہبی، سیاسی اور علمی تاریخ کا بغور جائزہ لے تو اسے دارالعلوم دیوبند اس میدان کا مینارہ نور اور اس آسمان کا آفتاب عالم تاب نظر آئے گا۔

حقیقت یہ ہے کہ 1830ء کی تحریک جہاد اور اس کے بعد 1857ء کی جنگ آزادی میں یکے بعد دیگرے شکستوں سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے چاہیے تھے، مگر وہ پختہ کار مجاہدین اور راسخ علماء جو حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خانوادے کے سیاسی ومذہبی علوم وافکار کے امین تھے، حوادث زمانہ کی تلاطم خیز موجوں کے سامنے سد سکندری ثابت ہوئے۔ چنانچہ ان ہی علماء کے ایک گروہ نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی سرپرستی میں 1867ء کو ہندوستان کے ایک قصبے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا اور اسے علم و معرفت کے ساتھ ساتھ اپنے مذہبی وسیاسی خیالات وعزائم کی اشاعت کا مرکز بھی بنایا۔ اللہ رب العزت نے ان پاکیزہ نفوس اولوالعزم نائبین رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی مساعی جمیلہ کو ایسا بار آور فرمایا کہ ان کے لگائے ہوئے شجر نے عباقر ونوابغ، فلاسفہ ومشائخ، صوفیاء ومحدثین، علماء ومجاہدین کی صورت میں ایسا پھل دیا، جو اپنے مبارک ہاتھوں

میں ایک طرف دینی قیادت کی مشعل اور دوسری طرف اسلامی سیاست کا پرچم تھامے ہوئے تھے۔ جنھوں نے تن، من، دھن کی بازی لگا کر دعوت و تبلیغ اور سیف و قلم کے وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے، جن کی مثال پیش کرنے سے رہتی دنیا کی کوئی اور درسگاہ قاصر ہے۔

ان مجاہدین نے اپنی شمعِ فکر کی ضیاپاشیوں سے نہ صرف ہندوپاک کو منور کیا، بلکہ پوری دنیا اور خاص کر عالمِ اسلام کے کونے کونے کو وہ تابانی بخشی کہ آج اس کی وجہ سے دنیا کا ایک عظیم حصہ بقعۂ نور بنا ہوا ہے۔ ان علماء نے علوم کے چراغ روشن کئے، مذہب کی اشاعت کی، بدعات وخرافات کا قلع قمع کرکے معاشرے کی اصلاح کی۔ اسی لئے اس دارالعلوم کے قیام کے کچھ ہی عرصے بعد اس کے طرز پر ایک مدرسہ سہارنپور میں اور ایک مرادآباد میں بنا، جو فی الحقیقت دارالعلوم کی شاخیں تھیں،.برصغیر میں ان شاخوں کی تعداد بڑھتے.برھتے سینکڑوں کیا ہزاروں کی تعداد تک پہنچ گئی ہیں۔

اب یہ مدارسِ دینیہ مذہبِ اسلام کے وہ قلعے ہیں، جہاں اسلامی فوجوں کی تشکیل و تنظیم ہوتی ہے اور جہاں سے اسلام دشمن طاقتوں کے چیلنج قبول کئے جاتے ہیں، قرآن، حدیث اور فقہ کی تعلیمات سے لیس ہو کر یہاں کی فوجیں میدانِ مبارزت میں نکلتی ہیں، ان علوم کے حاملین ایک طرف تو حق وصداقت اور عدل

وانصاف پر مبنی افکار وخیالات کی اشاعت کرتے ہیں ور دوسری طرف ملحدانہ خیالات اور باطل نظریات کی بیخ کنی بھی، ان مدارس میں قال اللہ اور قال الرسول کی صدائیں گونجتی ہیں، اللہ ورسول کے احکام کے مطابق سیرتوں کی تعمیر کا جذبہ بیدار ہوتا ہے، معاشرے میں رائج واہیات وخرافات قسم کے تمام رسوم ورواج کو نیست ونابود کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ''اشداء علی الکفار رحماء بینھم'' کے قیمتی درس دیئے جاتے ہیں اوراللہ کی زمین پر اللہ ہی کی حکومت کا خیال دلوں پر نقش کرایا جاتا ہے، یہ تمام کوششیں مدارس کی چاردیواری ہی میں ممکن ہیں۔

تاسیس وفاق

یہ مدارس جہاں جہاں قائم ہوئے تھے، اپنی بساط واستطاعت کے مطابق دینی فرائض انجام دے رہے تھے، ہماری اس خداداد مملکت میں بھی ایسے بے شمار ادارے معرض وجود میں آئے، جو غیر منظم اور منتشر انداز میں خدمتِ دین بجالارہے تھے، کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے بزرگوں کے قلوب میں ان کی تنظیم وترتیب، شیرازہ بندی وہم آہنگی القاء فرمائی، ان اکابر نے ایک ایسے ادارے کی تشکیل کے لئے مساعی کا آغاز کیا، جو ملک بھر کے مدارس کی نمائندگی کرے۔

چنانچہ بالآخر جن کوششوں کا آغاز ہوا تھا، وہ ثمرآور ہوئیں، 20 شعبان المعظم

ھ مطابق 22 مارچ 1957 کو جامعہ خیر المدارس ملتان کی مجلس شوریٰ کا 1373 اجلاس ہو رہا تھا، (جامعہ خیر المدارس کی مجلس شوریٰ ملک کے عظیم علماء کرام پر مشتمل تھی) اجلاس کے دوران اپنی اہمیت کے پیشِ نظر یہ مسئلہ بھی زیرِ بحث لایا گیا اور پہلی مرتبہ اس معاملہ کو ایک اہم مسئلہ تسلیم کرتے ہوئے مناسب لائحہ عمل طے کرنے کے لئے مولانا شمس الحق افغانیؒ کی تحریک و تجویز پر پانچ رکنی کمیٹی تشکیل دی گئی، مولانا خیر محمد جالندھریؒ، مولانا شمس الحق افغانیؒ، مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور مولانا مفتی محمد عبداللہ ملتانیؒ اس کمیٹی کے رکن اور مولانا احتشام الحق تھانویؒ اس کمیٹی کے کنوینر مقرر ہوئے اس کمیٹی کا ہدف مدارس عربیہ کی بقاء و تحفظ، تنظیم و ترقی، نصاب تعلیم کی ترتیب، معیارِ تعلیم کی بہتری اور ملت کے اتحاد میں دینی مدارس کے کردار کو مؤثر اور فعال بنانا تھا اور یہی کمیٹی وفاق المدارس العربیہ کے قیام کے لئے پیش خیمہ ثابت ہوئی۔

اس کنوینسنگ کمیٹی نے دائرہ عمل کو وسعت دینے اور مشترکہ لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے ملک بھر کے جید علماء کرام اور اکابرین کی ایک سہ روزہ کانفرنس منعقد کرنے کا فیصلہ کیا، چنانچہ یہ کانفرنس ۲۴، ۲۳، ۲۲ شوال ۱۳۷۸ھ کو دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد (ٹنڈوالہ یار) میں منعقد ہوئی، اس میں تعلیمی و تنظیمی معاملات نہایت تفصیل سے زیرِ بحث لائے گئے، مدارسِ دینیہ کی

شیرازہ بندی، نظم ونسق، درس وتدریس اور نصاب وترتیب کے لئے آغازِ کار کے طور پر باتفاق آراء جید علمائے کرام پر مشتمل ایک تنظیمی کمیٹی تشکیل دی گئی۔

اس کمیٹی کے صدر جناب مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ منتخب ہوئے، جب کہ دیگر ارکان میں حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ، حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوریؒ، حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ اور حضرت مولانا محمد صادق صاحب بہاولپوریؒ کے اسماء شامل تھے، کانفرنس نے صدرِ مجلس کو کمیٹی کے ارکان کی تعداد میں مناسب اضافہ کا اختیار بھی دیا، چنانچہ صدرِ مجلس حضرت مولانا جالندھریؒ نے مندرجہ ذیل علمائے کرام کو بطورِ رکن کمیٹی نامزد فرمایا:

حضرت مولانا فضل احمد صاحب کراچی، ۲۔حضرت مولانا مفتی محمد عثمان صاحب-۱ کراچی، ۳۔حضرت مولانا عرض محمد صاحب کوئٹہ، ۴۔حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب کراچی، ۵۔حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ ملتان، ۶۔حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحب ملتان، ۷۔حضرت مولانا عبداللہ صاحب جالندھری ساہیوال۔

انتخاب وآغاز

حضرت مولانا خیر محمد جالندھری کی زیرِ صدارت اس کمیٹی کے بعد میں دو اجلاس منعقد ہوئے، پہلا اجلاس ۱۶، ۱۷ ذی قعدہ اور دوسرا اجلاس ۲۷، ۲۶ ذی الحجہ

۱۳۷۸ھ ، دوسرے اجلاس میں تنظیمی کمیٹی کے ارکان کے علاوہ چند سرکردہ علماء کرام بھی خصوصی دعوت پر شریک ہوئے، جن میں حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ، مولانا محمد عمر صاحب، مولانا محمد شفیع صاحب سرگودھا، مولانا عبدالحق صاحب اکوڑہ خٹک، مولانا عبدالخالق صاحب کبیر والا، علامہ خالد محمود صاحب سیالکوٹ، مولانا حافظ عبدالمجید صاحب فیصل آباد، مولانا محمد شفیع صاحب ملتان اور مولانا عبدالکریم صاحب کلاچی کے اسماء خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

اجلاس میں مدارس کے تعلیمی امور، تعلیمی معاملات اور اصلاح نصاب کے لئے اقدامات پر غور کیا گیا، اور بالآخر متفقہ طور پر ایک وفاقی بورڈ قائم کرنے کا فیصلہ ہو۔ اس بورڈ کا نام ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' رکھا گیا۔ اس کے اغراض ومقاصد اور دستوری خاکہ مرتب ہوا۔ نیز اس اجلاس نے طے کیا کہ ماہ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ میں جملہ مدارس عربیہ کے نمائندوں کا ایک اجلاس رکھا جائے، جس میں مرتبہ دستور کی منظوری حاصل کیجائے اور تین سال کے لئے ''وفاق'' کے عہدیداران کا انتخاب بھی کیا جائے، اس انتخاب کے بعد تنظیمی کمیٹی اپنے فرائض سے سبکدوش ہو کر خود بخود ختم ہوجائے گی۔

تنظیمی کمیٹی'' کے اجلاس منعقدہ ۱۷، ۱۶، ۱۳۷۸ھ ، ۲۵، ۲۴ جون ۱۹۵۹ء میں طے'' شدہ پروگرام کے تحت ۱۵، ۱۴ ربیع الثانی ۱۳۷۹ھ بمطابق ۱۹، ۱۸ اکتوبر ۱۹۵۹ء کو

مجوزہ ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کا پہلا اجلاس حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ کی صدارت میں ہوا۔ اجلاس کی تین نشستیں ہوئیں، ان میں تنظیمی کمیٹی کا مرتب کردہ ''وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کا دستور بعض ضروری ترامیم کے ساتھ منظور کیا گیا اور آئندہ تین سال کے لئے وفاق کے عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا گیا، حسبِ ذیل عہدیدار منتخب ہوئے:

صدر: حضرت مولانا شمس الحق صاحب افغانیؒ، نائب صدر نمبر۱: حضرت مولانا خیر محمد صاحب جالندھریؒ، نائب صدر نمبر۲: حضرت مولانا محمد یوسف صاحب بنوریؒ، ناظم اعلیٰ: حضرت مولانا مفتی محمود صاحبؒ، ناظم: حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، خازن: حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہ صاحبؒ۔

صدر وفاق حضرت مولانا شمس الحق صاحب نے دیگر عہدیداران کے مشورے سے درج ذیل حضرات کو وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی پہلی مجلس عاملہ کے لئے بطور ارکان نامزد فرمایا۔

پہلی مجلس عاملہ

حضرت مولانا احتشام الحق صاحب تھانوی، مہتمم دارالعلوم الاسلامیہ اشرف آباد ۱- ٹنڈو الہ یار)۔ ۲- حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب، مہتمم دارالعلوم کراچی۔ ۳-) حضرت مولانا فضل احمد صاحب، مہتمم مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ، کراچی۔

حضرت مولانا عرض محمد صاحب، مہتمم مدرسہ مطلع العلوم کوئٹہ (بلوچستان)۔ ۵--۴
حضرت مولانا مفتی محمد صادق صاحبؒ، سابق ناظم محکمہ امور مذہبیہ ریاست بہاولپور۔ ۶
حضرت مولانا عبیداللہ صاحب، نائب مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور۔ ۷۔ حضرت مولانا۔
احمد علی صاحب لاہوریؒ، مہتمم مدرسہ قاسم العلوم شیرانوالہ گیٹ لاہور۔ ۸۔ مولانا
پروفیسر یوسف علی سلیم صاحب چشتی ایڈیٹر ''ندائے حق'' لاہور۔ ۹۔ حضرت مولانا محمد
عبداللہ صاحبؒ رائے پوری صدر مدرس جامعہ رشیدیہ ساہیوال۔ ۱۰۔ حضرت مولانا محمد
شفیع صاحبؒ، مہتمم سراج العلوم، سرگودھا۔ ۱۱۔ حضرت مولانا عبدالحنان صاحب، مہتمم
دارالعلوم حنفیہ عثمانیہ راولپنڈی۔ ۱۲۔ حضرت مولانا سید گل بادشاہ صاحبؒ، امیر نظام
العلماء صوبہ سرحد۔ ۱۳۔ حضرت مولانا عبدالحق صاحب، مہتمم دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ
خٹک (پشاور)۔ ۱۴۔ حضرت مولانا غلام غوث ہزارویؒ، مہتمم مدرسہ تجوید القرآن ضلع
ہزارہ۔ ۱۵۔ حضرت مولانا محمد علی صاحب جالندھریؒ، مہتمم مدرسہ منور الاسلام، چک
گ ب ضلع فیصل آباد۔ ۱۶۔ حضرت مولانا قاضی عبدالکریم صاحب، مہتمم مدرسہ ۲۴۹/
نجم المدارس کلاچی ضلع ڈیرہ اسماعیل خان۔

دوسری مجلس عاملہ

مجلس عاملہ کا دوسرا جلاس منعقدہ ۱۳۸۲ھ میں صدارت کے لئے مولانا خیر محمد صاحبؒ،
نائب صدر اول: مولانا محمد یوسف بنوریؒ، نائب صدر دوم: مولانا مفتی

محمد شفیع صاحبؒ، سرگودھا، ناظم اعلیٰ کے لئے مفتی محمودؒ صاحب اور ناظم کے منصب کے لئے مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی کا انتخاب عمل میں آیا۔

تیسری مجلس عاملہ

مطابق ۳۰ مئی ۱۹۷۳ء میں صدر مولانا محمد یوسف بنوریؒ اور نائب صدر اول مولانا عبدالحق اکوڑہ خٹک، نائب صدر دوم مولانا عبداللہ صاحب ساہیوال مقرر ہوئے۔ مولانا مفتی محمودؒ ناظم اعلیٰ، مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی نائب ناظم اول، اور مولانا محمد عبداللہ صاحب ملتان نائب ناظم دوم مقرر ہوئے۔

چوتھی مجلس عاملہ

۱۳۹۸ھ کے اجلاس میں مولانا مفتی محمودؒ صاحب کو صدر اور مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی کو ناظمِ اعلیٰ منتخب کیا گیا۔

پانچویں مجلس عاملہ

محرم ۱۴۰۱ھ مطابق ۳۰ نومبر ۱۹۸۰ء کے اجلاس میں حضرت مولانا عبدالحقؒ کو ۲۱ سرپرست اور مولانا محمد ادریس صاحب میرٹھی وفاق کے صدر مولانا عبیداللہ صاحب

مہتمم جامعہ اشرفیہ لاہور، نائب صدر: مولانا سلیم اللہ خان صاحب، مہتمم و شیخ الحدیث جامعہ فاروقیہ کراچی، ناظم اعلیٰ اور مفتی محمد انور شاہ صاحب، مفتی جامعہ قاسم العلوم ملتان ناظم منتخب ہوئے اور صدر نے درج ذیل حضرات کو مجلس عاملہ کے لئے رکن نامزد فرمایا۔

مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کراچی، ۲۔ مولانا محمد رفیع صاحب کراچی، ۳۔ مولانا-۱ قاضی عبدالکریم صاحب کلاچی، ۴۔ مولانا محمد ایوب جان صاحب بنوری پشاور، ۵۔ مولانا مفتی زین العابدین صاحب فیصل آباد، ۶۔ مولانا محمد حنیف صاحب جالندھری ملتان، ۷۔ مولانا احمد اللہ صاحب ٹیڑھی، ۸۔ مولانا غلام محمد صاحب کولاب جیل، ۹۔ مولانا سمیع الحق صاحب اکوڑہ خٹک، ۱۰۔ مولانا محمد عبداللہ صاحب اسلام آباد، ۱۱۔ مولانا عبدالمجید صاحب کہروڑ پکا، ۱۲۔ مولانا محمد امین صاحب کوہاٹ، ۱۳۔ مولانا عبدالواحد صاحب کوئٹہ، مولانا مفتی غلام قادر صاحب خیرپور ٹامیوالی، ۱۵۔ مولانا محمد حسن جان صاحب-۱۴ پشاور، ۱۶۔ مولانا محمد یوسف صاحب آزاد کشمیر۔

چھٹی مجلس عاملہ

اجلاسِ عاملہ منعقدہ ۸ جمادی الاخری ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۸۴ء میں موجودہ قیادت پر مکمل اعتماد کرتے ہوئے پانچویں مجلس عاملہ کے منتخب عاملہ کو

برقرار رکھا اور مجلس شوریٰ کے اجلاس منعقدہ ۹ جمادی الاخری ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۳ مارچ ۱۹۸۴ء میں مجلس عاملہ کے اس فیصلے کی توثیق کی گئی۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی مذکورہ بالا تنظیم کے بعد سے اب تک بالترتیب مندرجہ ذیل علماء مختلف سیشنوں میں عہدیدار منتخب ہوتے رہے:

وفاق المدارس کے ابتداء سے اب تک عہدیداران کی تفصیل

(از ۱۹۵۷ء تا ۲۰۰۷ء)

صدور

نمبرشمار	اسماءگرامی	از	تا	عرصہ صدارت
۱	حضرت مولانا شمس الحق افغانیؒ	1957ء	1962ء	پانچ سال
۲	حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ	1962ء	1973ء	دس سال
۳	حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ	1973ء	1978ء	پانچ سال
۴	حضرت مولانا مفتی محمودؒ	1978ء	1980ء	دوسال
۵	حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ	1980ء	1989ء	نوسال
۶	حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب	1989ء	2008ء	انیس سال

نائب صدور

نمبرشمار	اسماءگرامی	از	تا	عرصہ صدارت
۱	حضرت مولانا خیر محمد جالندھریؒ	1957ء	1962ء	پانچ سال
۲	حضرت مولانا محمد یوسف بنوریؒ	1957ء	1962ء	پانچ سال
۳	حضرت مولانا مفتی محمد شفیع سرگودھویؒ	1962ء	1973ء	دس سال
۴	حضرت مولانا عبدالحقؒ	1973ء	1980ء	سات سال
۵	حضرت مولانا محمد عبداللہ (ساہیوال)	1973ء	1980ء	سات سال
۶	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ	......	......	......
۷	حضرت مولانا عبیداللہ (لاہور)	1980ء	1989ء	نوسال
۸	حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھری	1989ء	1998ء	نوسال
۹	حضرت مولانا حسن جانؒ	1998ء	2007ء	نوسال
۱۰	حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر صاحب	2001ء	2008ء	سات سال

ناظم اعلیٰ

نمبرشمار	اسماءگرامی	از	تا	عرصہ صدارت
۱	حضرت مولانا مفتی محمودؒ	1957ء	1978ء	اکیس سال
۲	حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ	1978ء	1980ء	دوسال
۳	حضرت مولانا سلیم اللہ خان صاحب	1980ء	1989ء	نوسال
۴	حضرت مولانا مفتی احمد الرحمٰنؒ	1989ء	1990ء	ایک سال
۵	حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ	1990ء	1998ء	آٹھ سال
۶	حضرت مولانا قاری محمد حنیف جالندھریؒ	1998ء	2008ء	دس سال

ناظم

نمبرشمار	اسماءگرامی	از	تا	عرصہ صدارت
۱	حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھیؒ	1957ء	1973ء	سولہ سال
۲	حضرت مولانا مفتی محمد عبداللہؒ (ملتان)	1973	......	......
۳	حضرت مولانا حبیب اللہ فاضل رشیدی ساہیوال	......	......	......
۴	حضرت مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب	1989ء	1996ء	سات سال
۵	حضرت مولانا انوار الحق صاحب	1998ء	2008ء	دس سال

صوبائی ناظمین

نمبرشمار	اسماءگرامی	از	تا	عرصہ صدارت
۱	حضرت مولانا انوار الحق صاحب	2001ء	2008ء	سات سال
۲	حضرت مولانا قاضی عبدالرشید صاحب	2001ء	2008ء	سات سال
۳	حضرت مولانا ڈاکٹر سیف الرحمٰن صاحب	2001ء	2008ء	سات سال
۴	حضرت مولانا عبداللہ جان صاحب	2001ء	2008ء	سات سال

خازن وفاق

نمبرشمار	اسماءگرامی	از	تا	عرصہ صدارت
۱	حضرت مولانا مفتی عبداللہؒ	1957ء	......	......
۲	حضرت مولانا محمد شریف جالندھریؒ	......	......	......
۳	حضرت مولانا فیض احمد صاحب	1989ء	1999ء	دس سال
۴	حضرت مولانا مفتی غلام قادر صاحب	1999ء	2002ء	تین سال
۵	حضرت مولانا مشرف علی تھانوی صاحب	2002ء	2008ء	چھ سال

مجلسِ عاملہ

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کی پہلی مجلس عاملہ میں شامل حضرات کے علاوہ اب تک جو علمائے کرام مجلسِ عاملہ کے ارکان نامزد ہوتے آئے ہیں، ان کی تفصیل حسبِ ذیل ہے :

مولانا محمد احمد صاحب تھانوی، علامہ علاؤ الدین صدیقی (وائس چانسلر پنجاب یونیورسٹی) مولانا عبدالرحمٰن صاحب چارسدہ، مولانا عبیداللہ صاحب انور لاہور، مولانا حامد میاں صاحب لاہور، مولانا ظفر احمد صاحب ٹنڈوالہ یار، مولانا محمد ایوب جان صاحب بنوری پشاور، مولانا عبیداللہ صاحب لاہور، مولانا فضل احمد صاحب فقیر والی، مولانا قاری عبدالسمیع صاحب سرگودھا، مولانا مفتی محمد شفیع صاحب ملتان، مولانا مفتی غلام قادر صاحب خیرپور ٹامیوالی، مولانا قاری سعید الرحمٰن صاحب راولپنڈی، مولانا منظور الحق صاحب کبیر والا، مولانا عبدالغنی صاحب فیصل آباد، مولانا عبدالرؤف صاحب پشاور، مولانا محمد شریف صاحب جالندھری ملتان، مولانا محمد علی صاحب کبیر والا، مولانا عبدالواحد صاحب کوئٹہ، مولانا مفتی احمد الرحمٰن صاحب کراچی، مولانا مفتی محمد انور شاہ صاحب بنوں، مولانا محمد یوسف صاحب پلندری (آزاد کشمیر)، مولانا سمیع الحق صاحب اکوڑہ خٹک، مولانا محمد امین صاحب کوہاٹ، مولانا عبدالمجید صاحب کہروڑ پکا، مولانا قاری محمد حنیف صاحب جالندھری ملتان، مولانا مفتی زین العابدین صاحب فیصل آباد، مولانا محمد عبداللہ صاحب اسلام آباد، مولاناغلام

محمد صاحب کولاب جیل، مولانا محمد اسعد صاحب تھانوی کراچی، مولانا محمد رفیع صاحب عثمانی کراچی، مولانا محمد اسماعیل صاحب کراچی، مولانا حبیب اللہ صاحب ساہیوال، مولانا فیض احمد صاحب ملتان، مولانا محمد حسن جان صاحب پشاور، مولانا حمد اللہ صاحب ٹھیڑی، مولانا امین الحق صاحب باغ آزاد کشمیر، مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب مانسہرہ، مولانا محمد انور صاحب کبیر والا، مولانا عبدالغفور قاسمی صاحب ٹھٹھہ، مولانا عبدالحق کوثر صاحب، مولانا قاری مہر اللہ صاحب کوئٹہ، مولانا فضل الرحمٰن درخواستی صاحب رحیم یار خان، مولانا نذیر احمد صاحب فیصل آباد، مولانا فضل الرحیم صاحب لاہور، مولانا مشرف علی تھانوی صاحب لاہور، مولانا انوار الحق صاحب اکوڑہ خٹک، مولانا نصیب علی شاہ صاحب بنوں، مولانا ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر کراچی، مولانا مفتی محمد خالد صاحب ھالا (حیدرآباد)، مولانا عطاء اللہ صاحب گلگت، مولانا عبدالحؔ صاحب کوئٹہ، مولانا محسن شاہ صاحب ڈی آئی خان، مولانا عبداللہ جان کوئٹہ، مولانا قاضی عبدالرشید صاحب اسلام آباد، مولانا قاری عبدالرحمٰن صاحب خضدار، مولانا حافظ حسین احمد مردان، حضرت مولانا ادریس صاحب کنڈیارو، مولانا ڈاکٹر سیف رحمٰن حیدرآباد، مولانا محمد اکمل جتوئی نواب شاہ، مولانا میر حسن صاھب لاڑکانہ اور مولانا قاضی محمود الحسن صاحب مظفر آباد۔

اجمالی کارکردگی

جن امور کے پیش نظر تنظیم وجود میں آئی تھی، اور جن اہداف ومقاصد کے لئے اس کی بنیاد ڈالی گئی تھی، ان کے حصول کے لئے مسلسل کوشش مؤثر اور بے داغ کردار ادا کرنے کی وجہ سے ''وفاق المدارس'' کو ملک بھر میں بہت پذیرائی حاصل ہوئی، جامع نصاب کی ترتیب، شہادات کا اجراء جدید علوم وفنون اور عصری تقاضوں کے پیشِ نظر مروجہ نصاب میں ترمیم وتصرف، فکری ہم آہنگی، نظامِ تعلیم، امتحانات کی یک جہتی، مدارس کے بقاء واستحکام کی خاطر مؤثر اقدامات اور دیگر لامحدود فوائد اور مصالح کا مشاہدہ کیا گیا تو اہل علم اور مدارس عربیہ کے ارباب بسط وکشاد کو ''وفاق المدارس'' کی ضرورت کا احساس ہوا، اور جوں جوں مدارس عربیہ پر اس کا کردار واضح ہوتا گیا، اور دینی حلقوں کو اس کی افادیت کا احساس ہونے لگا، وفاق سے وابستگی اور اس کے ساتھ الحاق کی اہمیت اور بھی نکھر کر عیاں ہوتی گئی، یوں اس سلسلۃ الذہب کی کڑیاں اب سات ہزار کے لگ بھگ ہیں۔

(سہ ماہی وفاق، رجب ، شعبان، رمضان ۱۴۲۱ھ)

تہذیبوں کا تصادم

پاکستانیوں اور عامۃ المسلمین کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دنیا میں سیاسی، تعلیمی، انتظامی، رفاہی، تجارتی، سماجی، اقتصادی، انقلابی، جنگی، دفاعی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی، ابلاغی، تہذیبی، تمدنی، فکری، نظریاتی، مذہبی، جغرافیائی، تخلیقی، ٹیکنیکلی اور علاقائی وبین الاقوامی تعلقاتی واتحاداتی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، پورا عالم گلوبلائزیشن، بین الاقوامیت اور عالم گیریت کی طرف طوعاوکرہاگامزن ہے، جس کو مذکورہ تمام میادین میں ترقی کی علامت سمجھا جاتا ہے، اس گلوبل دور میں پاکستانی یادیگر مسلم قومیں تنِ تنہا اگر بڑی اور استعماری اقوام کے ساتھ دوڑ میں شریک رہیں، تو سبقت وترقی کے بجائے ایک مرتبہ پھر طویل مدت تک کے لئے تخلف، دقیانوسیت، رجعت پسندی اور غلامی کی شکار ہو جائنگی، چنانچہ وہ مسلمان جن کا پروردگار ''رب العالمین''، پیغمبر ''رحمۃ للعالمین''، کتاب ''نذیر للعالمین'' اور مذہب ''دستور للعالمین'' ہے، انہیں ہمہ گیر اسلامی تہذیب وتمدن اور عالمی عربی زبان وادب کو اپنا کر دوڑ کے میدان میں آنا چاہئے، تاکہ استقلال، استقامت، مضبوطی اور تندہی سے مسلح ہو کر وہ یہ دوڑ جیت سکیں۔

افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں بزعمِ خویش ترقی پسند کہلانی والی مخصوص فکرو نظر کی حامل " مائنڈسیٹ "قوم پرست، لسانیت پسند یانام نہادجدت وجدیدیت کی داعی مذہب پیشہ جماعیتں، پارٹیاں، تنظیمیں اور شخصیات جتنی بھی ہیں، سب اغیار کی ایجنٹ، تنگ نظر، کم ظرف، رجعت پسند، دقیانوس، نادان، دھوکہ باز، سطحی کوڑمغز، جاہل اور تاریک واندھیری راہوں کے مسافر ہیں، یہی لوگ اعتدال، وسطیت، ترقی، روشن خیالی اورجدت وجدیدیت کے سب سے بڑے دشمن اور کٹر مخالف، ہیں، اہلِ انصاف واہلِ نظرکے یہاں کسی بھی حوالے سے وہ ترقی پسند کہلانے کے مستحق نہیں ہیں، بس "خرد کا نام جنوں رکھدیا، جنوں کاخرد" کے مصداق یہ لوگ احمقوں کی دنیا میں رہتے ہیں، ان کے نام، نعرے، نظریاتی قبلے، جھنڈے اور منشور بظاہر مختلف ہیں، لیکن حقیقت میں یہ آستین کے رنگ برنگ سانپ ایک ہی کھوٹے سکے کے کئی رخ ہیں۔

پروفیسر ہن ٹنگٹن کی شہرۂ آفاق کتاب "تہذیبوں کا تصادم the clash of civilization" سے تعلق رکھتی ہیں، گلوبلائزیشن میں گرم اور سرد جنگ سے زیادہ تہذیبوں کی جنگ ہے، اور رہیگی، ہر مذہب کی اپنی تہذیب، دستوراور زبان سے کوئی انکار نہیں کرسکتا، اسلام کی تہذیب انسانی مصالح کے اصولوں پر استوار ہے، اور زبان اس کی عربی ہے۔

نیاز سواتی لکھتے ہیں: ”تہذیب کے ضمن میں ایک غلط فہمی یہ ہے کہ کچھ لوگ تہذیب اور تہذیب کے مظاہر میں فرق نہیں سمجھتے اور تہذیبوں کے مظاہر مثلا رسم، رواج، لباس اور رہن سہن کے معاملات کے فرق کو تہذیبی اختلاف قرار دیتے ہیں۔ یہ لوگ تہذیبی اختلاف کو شلوار یا پینٹ اور میز یا دستر خوان کے اختلاف سے پہچانتے ہیں، مگر یہ ایک سطحی موازنہ ہے۔ یہ سب تہذیب کے مظاہر اور تفصیلات ہیں، تہذیب کی بنیاد اس کے اور (world view) چند اساسی نظریات ہوا کرتے ہیں، تہذیب اپنے تصور کائنات تصور خالق اور تصور انسان سے پہچانی جاتی ہے، یہ تصورات اور ان پر مشتمل تہذیب ایک سکے کے دو رخ ہیں، عقیدہ جب فکر و عمل میں ڈھلتا ہے تو چند مظاہر سامنے آتے، ہیں، یہی مظاہر ”تہذیب“ کہلاتے ہیں، عقائد کی درستی یا خرابی کا اندازہ تہذیبی مظاہر سے ہوتا ہے، اس لئے تہذیب ایک اعتبار سے عقائد کا اظہار ہے اور عقائد تہذیب کا باطن ہیں، عقائد اور تہذیب میں بیج اور درخت کا تعلق ہے، تہذیب اپنے بنیادی عقائد اور ان کے مظاہر پر مشتمل ہوتی ہے۔

خالق کائنات، کائنات، انسان اور علم کے بارے میں مختلف نظریات وعقائد تہذیبی اختلاف کا باعث بنتے ہیں، اس وقت دنیا میں سیکولر مغربی تہذیب، اسلامی تہذیب ہندو تہذیب، عیسائی تہذیب، چینی تہذیب، اور بدھ تہذیب سمیت کئی بڑی بڑی، تہذیبیں موجود ہیں، اسلامی تہذیب کے علاوہ دیگر تمام تہذیبیں

اپنی مخصوص ترکیب کی بناء پر سیکولر مغربی تہذیب سے مفاہمت اور تعاون کی راہ اپنا چکی ہیں ، عیسائیت چند صدی پیشتر ابتدائی تصادم کے بعد ہار مان چکی ہے ، ہندو تہذیب بوجوہ ایک مکمل نظام زندگی دینے کی صلاحیت سے معذور ہے ۔اس پر مستزاد یہ کہ ہندو اپنی تہذیبی اقدار پر اصرار کے بجائے مغربی اقدار کو اپنانے میں سبقت لے جانے میں مصروف ہیں ، بدھ تہذیب کو نظام زندگی سے کوئی سروکار نہیں ۔ البتہ چینی تہذیب میں موجد تاؤازم اور کنفیوشس ازم کی بنیاد پر کہاجاتاہے کہ ان تہذیبوں کے بنیاد پر آئندہ چین اور مغرب میں ٹکراؤ ہوگا ۔ مگر یہ ممکنہ ٹکراؤ محض مادی مفادات کی جنگ ہوگا جس کا تہذیبی اختلاف سے کوئی تعلق نہ ہوگا ۔ خود تاؤازم اور کنفیوشس ازم چند اخلاقی تعلیمات کا مجموعہ ہیں ۔اس وقت ہم جس تہذیبی تصادم کا مشاہدہ کررہے ہیں وہ صرف مغربی سیکولر تہذیب اور اسلامی تہذیب کے درمیان ہے ۔ مگر ایسا کیوں ہے ؟ سیکولر جدید مغربی تہذیب اور اسلامی تہذیب میں مفاہمت کیونکر ممکن ہے ۔یا بالکل ممکن نہیں ؟ یہ ایک اہم سوال ہے "۔

یوکرائن سیناریو سے گریز کریں

ویسے ہمیں اس بات سے خوشی ہے کہ تحریک انصاف کے دھرنوں میں جماعت اسلامی اور طاہر القادری جیسے لوگ شریک ہو رہے ہیں، یہ اور انکے قبیل کے لوگ جب بھی کسی تحریک یا اتحاد میں شامل ہوئے ہیں، وہ تحریک اور اتحاد اپنا سامنہ لے کر ناکام ہوئے ہیں، لیکن ایجی ٹیشن تو ہو جاتا ہے، افرا تفری اور ذہنی فشار میں اضافہ بھی ایک گونہ ہو ہی جاتا ہے، پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ نواز حکومت ماضی کی غلطیوں اور مشیروں کے غلط مشوروں سے وہ مقام حاصل نہیں کر سکی، جو اس کو حاصل کرنا چاہئے تھا، صوبہ خیبر پختونخوا میں ایک ایسے آدمی کو مرکز کا نمائندہ بطور گورنر مقرر کر دیا گیا ہے، جو شورش زدہ صوبے کی اکثریت میں سے ہے نہ ہی انکو وہ زبان آتی ہے جس زبان میں وہاں ملکی تاریخ کا سب سے ڈائیلاگ ہو رہا ہے، سندھ میں وزارت اعلی اور گورنر شپ دونوں ہی سے انکی حکومت محروم ہے، حامد میر کے مسئلے میں انہیں فوج مخالف سمت کی طرف دھکیلا گیا ہے، ریمنڈ ڈیوس جیسے شیطانی صفت لوگ یہاں دندناتے پھر رہے ہیں، اور نواز حکومت عرب دنیا کے ساتھ بہت اچھے تعلقات کی طرف بڑھ رہی ہے، جو ان بدقماش چیرہ دستوں کو ہرگز پسند نہیں ہے، پرانے ریمنڈ اور نئے ریمنڈ کو چھیڑا ہی نہ جاتا، یا پھر قرار واقعی سزا دی جاتی، چھیڑ کر انکے پورے نیٹ ورک کو مشتعل کر دیا گیا، سزا نہ

دے کر عوام کو مایوس کیا گیا، بہت احتیاط اور تدبر سے کام لینے کی ضرورت ہے۔
گیس پائپ لائن کے معاہدے کی عدم تکمیل سے ایران عجیب عجیب بیانات دے رہا ہے اور سرحدوں پر بے اطمینانی کا اظہار کر رہا ہے، پچھلی حکومت نے گوادر چائنا کو دیکر ایک نئے عذاب میں موجودہ حکمت کو بتلا کر دیا، ''نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن'' کی کیفیت ہے۔ کیونکہ امریکہ چینی طاقت کا حیلے بہانوں سے گھیراؤ کرنا چاہتا ہے، خلیج عرب کی طرف ان کو راستہ دے کر ہم گویا ان کو ایک محفوظ اور نیا محاذ دے رہے ہیں، جو مغربی طاقتوں کو ہرگز برداشت نہیں ہے، اوباما کا مشرق بعید کا حالیہ دورہ اگر باریک بینی سے دیکھا جائے، تو بیانات سے وہ چین کو مطمئن اور اعمال و سرگرمیوں سے اسے بے چین کر رہا ہے، جسکی وضاحت چین کی پیپلز کانگریس کے ترجمان نے مذکورہ الفاظ ہی میں کی ہے۔ گویا ملکی اور خطہ جاتی صورت حال میں ہم پھنس کر رہ گئے ہیں، جن سے نکلنے کیلئے ہمیں، عوام، میڈیا، سیکورٹی فورسز، سیاستدان اور عالمی لیول کی ہماری عظیم شخصیات سے استفادہ کرنا ہوگا۔ ضد، ہٹ دھرمی، اور بھاری مینڈیٹ کے عفریت سے باہر آنا ہوگا، مفاہمت، ڈائیلاگ، کچھ لو اور کچھ دو کی پالیسیاں اپنانی ہوں گی۔
عرب اسپرنگ کے ملکوں میں یہی تو ہوا، جہاں ابتک صورت حال قابو سے باہر

ہے، وینزویلا، برازیل، تھائی لینڈ اور یوکرائن ہمارے سامنے ہیں، مضبوط سے مضبوط تر حکومتوں کو گرادیا گیا، یا گرانے کو ہیں، جبکہ ان ممالک میں امن ، سلامتی اور خوشحالی اب ناپید ہوچکی ہیں، مغربی اقوام کے اتالیق یہودی ہیں، یہودی انسانیت دشمن قوم ہیں، ایک ہنری کسینجر ہی کسی ملک کو سبق سکھانے کے لئے کافی ہے، مزید انکے اندر کتنے بڑے بڑے اژدھے موجود ہیں، اہل نظر خوب جانتے ہیں۔ایران کو لے لیجئے، امریکہ کے متعلق اپنے" شیطانِ بزرگ"کے نعرے سے دست بردار ہونے کو ہے، لیکن اسے یہ نہیں معلوم کہ اس دست برداری کے بعد وہ سرخ اور خونخوار ریچھ جو اس کے پڑوس میں ہے کے کس غیظ وغضب کا نشانہ بنے گا۔ترکی کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے، طیب اردگان کی حکومت مستحکم ہے ، لیکن وہ مغربی اقوام کا تابع محض نہیں رہیگا، تو یورپی یونین میں ضم ہونے سے محروم اور خلفشار کا شکار ہوگا، تابع بنے گا تو روس جارجیا کے قریب ہی اسکے پاس بیٹھا ہے ، کل ہی اس نے یوکرائن کے کچھ حصے کو ہڑپ کرلیا ہے اور مزید کیلئے تاک لگائے بیٹھا ہے۔

خود روس کو بھی اندازہ نہیں ہوا، سویت یونین کے انحطاط کے بعد ابھی وہ اتنا مستحکم نہیں تھا کہ مغربی اقوام نے شام کے ساتھ ساتھ اس کو گھر میں ہی یوکرائن کے معاملے میں الجھا کر مشغول کردیا، اب وہ خود کریمیا کے بعد مشرقی یوکرائن کے دیگر علاقوں کے شوریدہ سر نوجوانوں سے اپیلیں کررہا ہے۔ کہ "دو

نڈسکٹ'' وغیرہ میں ۱۱ مئی کے ریفرنڈم کو مؤخر کردیا جائے، لیکن وہ سننے کو تیار نہیں ہیں۔

یوکرائن میں حکومت تھی، سسٹم تھا، کم سے کم امن تو تھا ہی، لیکن طاہر القادری نما ایک خاتون کو وہاں خوشنما نعرے دے کر ابھارا گیا، نوجوان مشتعل ہوئے، سڑکوں پر آ گئے، میڈیا کے سنٹرز پر ہلہ بول دیا گیا، سرکاری دفاتر پر قبضے کئے گئے، صدر فرار ہو کر روس چلا گیا، انقلابیوں سے فوری طور پر جو کام کرائے گئے، ان میں وہ نعرے اور پالیسیاں نمایاں تھیں، جو روس کو اشتعال دلا رہی تھیں، چناچہ حسب منصوبہ بندی روس کو آنے دیا گیا سب سے پہلے مسلمانوں کے اکثریتی علاقے کریمیا (قرم) کو پامال کیا گیا، اب وہاں ان، مسلمانوں کی حالت کیا ہے، وہ کیا محسوس کر رہے ہیں، وہ کتنے جبر میں ہیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے، یوکرائن نے ڈھاکہ کے سقوط کے وقت پاکستان کی طرح چیخنا چلانا شروع کر یا، مگر جیسے یہاں شنوائی نہیں ہوئی وہاں بھی نہ ہوئی۔ اسکے بعد کچھ مشرقی علاقوں کے روسیوں نے بھی رشین فیڈریشن میں ملنے کیلئے بیتابانہ تگ و دو شروع کی، اب پورا یوکرائن اور وہاں کے انقلابی مہیب خانہ جنگی کی وجہ سے سر پیٹ رہے ہیں، روس بھی حیران و پریشان ہے۔

یوکرائن سیناریو سے گرینز کا طریقہ کار یہ ہے کہ عدالتوں کو مکمل آزاد و مختار

کیا جائے، جن جن حلقوں میں دھاندلیوں کے ثبوت ہیں، عدالت کہے، تو وہاں دوبارہ انتخابات کرائے جائیں، مرکز اور صوبوں میں سیاسی شعور سے کام لیا جائے۔اہل اقتدار اپنے قول یا فعل سے کسی کو چیلنج نہ کریں۔بلکہ چیلنج کرنے والوں کے ٹائم فریک کے بجائے اپنا ٹائم فریم دیا جائے، جو اپنی مدت پنج سالہ کے اختتام پر ہو۔سب کو اپنا بنایا جائے۔کاش نواز حکومت سیاست کے میدان میں سیاست کو سمجھے۔

ہمیں پتہ ہے کہ شہسوار ہی گرتے ہیں، لیکن کیا نواز شریف ہر مرتبہ شہسواری گرنے ہی کیلئے کرتا ہے؟؟؟

عرب سفراء کی خدمت میں

کچھ سالوں قبل عرب لیگ 22 ملکوں کی تنظیم تھی ، سوڈان کے دو ٹکڑے ہو جانے کے بعد دونوں ہی عرب لیگ کے ممبر بن گئے ۔حال ہی میں مغربی افریقہ کے ایک ملک گیمبیا نے ملک میں سرکاری ودفتری طور پر نافذ انگریزی زبان کے بجائے عربی کو سرکاری و دفتری اور تعلیمی زبان کا درجہ دے کر عرب لیگ میں رکنیت کی درخواست دیدی ،رشین فیڈریشن میں ایک اندرونی خود مختار جمہوریہ ''چیچنیا'' نے بھی چیچن زبان کے بعد عربی اور روسی کو ملک میں سکینڈ لینگویجز کی حیثیت دی ہے ،یہی مقام عربی کو ایران میں بھی حاصل ہے ،پاکستان کے دستور میں بھی عربی کو فروغ دینے اور اپنانے کی بات موجود ہے، یوں عرب ملکوں کی تعداد اس وقت 25 کے لگ بھگ ہے ، عرب لیگ ، خلیج تعاون کونسل ،اوآئی سی کے علاوہ اقوام متحدہ میں بھی عربی کو باقاعدہ مرکزی درجہ حاصل ہے۔

اب ظاہر سی بات ہے کہ پاکستان کی طرح مشرق ومغرب اور شمال وجنوب کے ہر ملک میں ان عرب ملکوں کے سفارت خانے ، کونسل خانے سفارتی مشنز، کلچرل سینٹرز، خانہائے فرہنگ اور عربک سکولز ہیں ، عربک کالجز اور یونیورسٹیز بھی دنیا کے چپے چپے پر موجود ہیں ، پھر اسلامک سکولز ،کالجز، یونیورسٹیز اور دینی مدارس

وجامعات کا نیٹ ورک بھی مسلم معاشروں میں اکثریتی واقلیتی سب ہی ممالک میں موجود ہے، مساجد اور ان سے ملحقہ مکاتب کا سسٹم بھی مسلمانوں کے تہذیبی ورثے کا حصہ ہے، ساؤتھ افریقہ ،انگلینڈ، موزمبیق ، موریشس ،کینیا، فیجی آئی لینڈ اور جنوبی امریکہ کے مسلمانوں میں مکتب سسٹم وہاں کی میمن وگجراتی برادریوں کی وجہ سے اتنا مضبوط ہے کہ گذشتہ سالوں اسکے کارپرداران ہمارے یہاں اور ہندوستان وبنگلہ دیش میں بھی اسی نہج پر اسے قائم کرنے اور چلانے کیلئے متعدد شخصیات واداروں کو ٹریننگ دے چکے ہیں ،انٹرنیٹ کی غیبی دنیا نیز ریڈیو اور ٹیلی وژن تہذیبوں کے اتار چڑھاؤ اور فکر ونظر کو نئی جہتیں دینے میں بہت بڑا کردار اور رول پلے کر رہے ہیں ،دنیا کی تمدنی تعلیمی ،اور ٹیکنکل ترقی بھی عروج پر ہے ۔

ایسے میں یکم مئی کو لندن میں نواز شریف اور داؤد کیمرون کا یہ بیان کہ ’’برطانیہ پاکستان میں انگریزی کے فروغ کے لئے اساتذہ ٹریننگ اور سکولنگ سسٹم میں بھاری فنڈنگ کرے گا‘‘، تاکہ انگریزی اور مغربی کلچر کی جڑیں یہاں جو پہلے سے خاصے مستحکم اور پائیدار ہیں،مزید طاقتور بن جائیں،انگریز جہاں بھی گئے، وہاں اپنی تہذیب وتمدن اور زبان وبیان کے اثرات اور ان مٹ نقوش چھوڑ گئے ،صرف یہ نہیں، بلکہ بعد میں اسے پروان چڑھنے ، نشوونماپانے اور ترقی پذیر رہنے میں آج بھی اپنا تن من دھن صرف کررہے ہیں، ایسے ممالک جو

جغرافیائی طور پر ان سے دور دراز اور مذہبی و نظریاتی مخالف ہیں، ان میں بھی اپنی زبان و تہذیب راسخ کر رہے ہیں۔ جبکہ عرب دنیا اپنے اڑوس پڑوس اور مذہبی حوالے سے برادر اسلامی ممالک میں بھی اپنی زبان اور تہذیب کے لئے وہ تگ ودو نہیں کر رہی ہے، جو تہذیبوں کے تصادم کے اس دور میں ان کو کرنی چاہئے، نتیجہ یہ کہ بڑے بڑے مسلم مفکرین بے چارے عربی نہ جاننے کی وجہ سے یا قرآن وحدیث اور فکر اسلامی کی تشکیلِ جدید کے متعلق اس دور میں اپنی رائے کا اظہار نہیں کرتے، یا نہیں کر سکتے اور جو معدودے چند کرتے ہیں، وہ مذہبی طبقے کی تیروں کا ہدف بن جاتے ہیں، ملا و مسٹر لڑائی شروع ہو جاتی ہے، یہ جدید مفکرین، قدیم پر اسلامی ٹھیکہ داری کا الزام لگاتے ہیں وہ قدیم ان جدید پر عربی علوم میں گہرائی و گیرائی نہ ہونے کی وجہ سے بے جا دخل در، معقولات کا الزام لگاتے ہیں، یوں یہ خلیج ان میں روز افزوں گہری اور وسیع تر ہو رہی ہے۔

استعماری ممالک چھوٹے ملکوں میں سیاسی پارٹیاں، میڈیا گروپز اور قد آور شخصیات کو مختلف طریقوں سے فنڈنگ کرکے انہیں خرید لیتے ہیں، اپنی عطا کردہ فنڈنگ کی نگرانی بھی کرتے ہیں، پھر مختلف حیلے بہانوں سے ان ملکوں سے اپنا مال دوچند اور بعض مرتبہ کئی گنا زیادہ وصول کرتے ہیں، ان کے مقابلے میں عرب سفار تکار کیا کرتے ہیں ہمیں کوئی نہیں پتہ، ان کا کیا کردار ہے، ہمیں نہیں معلوم، ان کے نام کیا ہیں، کسی کو، نہیں پتہ، چنانچہ غیر مسلم

ممالک تو چھوڑیں، برادر اسلامی ممالک میں وہ اجنبی ہیں، ان کے بچے اجنبی ہیں، ان کا لب ولہجہ نا مانوس ہے، ان کی تہذیب وتمدن اجنبی ہیں۔

اگر برطانیہ کا وزیر اعظم اسلامی جمہوریہ پاکستان کے وزیر اعظم کے ساتھ انگریزی کے فروغ کے لئے کسی معاہدے پر دستخط کر سکتے ہیں، تو یہ عرب سفراء یہاں کیا بیچنے آئے ہیں، کیا یہ متمول اور قرآن وحدیث کے حامل ملکوں کے سینکڑوں سفراء اپنے ملک اور سفارت کے ملک میں تقریب کا اتنا بھی کردار ادا نہیں کر سکتے، کہ مسلم برادریوں کے وہ لوگ جو ان سے محبت رکھتے ہیں، ان کی زبان سے محبت رکھتے ہیں، ان کے عقائد ونظریات، تہذیب وتمدن اور وضع قطع پر فریفتہ ہیں، ان میں اور اپنے میں اجنبیت کے بجائے الفت پیدا کریں، اپنا مذہبی، اخلاقی اور علاقائی وجغرافیائی اثر ورسوخ استعمال کریں، بطورِ لطیفہ نہیں متاسفانہ عرض ہے کہ یہاں ایک امام صاحب کو ایمۂ حرمین شریفین کی اتباع میں دورانِ نماز رونے کا شوق چڑھا، تو وہ عربی سے ناواقفیت کی وجہ سے تخویف، ترہیب یا ترغیب کی آیات کے بجائے، طہارت کے متعلقہ احکام میں سے ایک آیت ''ویسئلونک عن المحیض'' پر دھاڑے مار مار کر رونے لگا، اور اس کو بار بار دھراتا رہا، آپ خود ہی اندازہ لگایئے، ہم اگر مزید عرض کرینگے، تو شاید شکایت ہی ہو گی۔

کیا یہ سفراء اپنا ایک سفارتی غیر اعلانیہ اتحاد قائم نہیں کر سکتے ۔تاکہ صرف مسلم ملک ہی کیا، غیر مسلم ممالک میں بھی مختلف فورمزپر اپنے مسائل کے حل کیلئے کسی ملک کو قائل کر سکیں، ہم سمجھتے ہیں کہ یہ ان کا فرض منصبی بھی ہے، اخلاقی اور مذہبی بھی۔اگر اغیار ہماری شخصیات ،میڈیا اور جماعتوں واداروں کو خرید سکتے ہیں یا گھیر سکتے ہیں،تو ہمارے یہ اپنے کہاں سوئے ہوتے ہیں۔ان کو علاقائی نزاعات ،مذہبی فرقہ واریت نسلی امتیازات سے بالا بالا انتہائی دور اندیشی ،وسعت فکری، حقائق وتاریخ کے تناظر، میں ایک ایسا ماحول بنانے کی کاوشیں کرنی چاہیئں کہ اقوام متحدہ میں مستقل نشست ہو شام وعراق ہوں، فلسطین ولبنان ہوں، کشمیر ،افغانستان ،چیچنیا ہوں، ان کے مرضی، کے بغیر ان پر کوئی اپنی خود ساختہ رائے نہ تھوپ سکے۔

نیز پاکستانیوں اور عامۃ المسلمین کو بھی یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ دنیا میں سیاسی، تعلیمی، تجارتی، سماجی، اقتصادی، انقلابی، جنگی ودفاعی، معاشی، معاشرتی، ثقافتی، تہذیبی تخلیقی اور ٹیکنیکلی تبدیلیاں رونما ہو رہی ہیں، پورا عالم گلوبلائزیشن کی طرف گامزن، ہے، جو مذکورہ تمام میں ترقی کی علامت ہے، اس گلوبل دور میں پاکستانی یا دیگر مسلم قومیں تنِ تنہا اگر بڑی اور استعماری اقوام کے ساتھ دوڑ میں شریک رہیں، تو سبقت وترقی کے بجائے تخلف ،دقیانوسیت، رجعت پسندی اور غلامی کی شکار ہو جائنگی، چنانچہ انہیں ہمہ گیر اسلامی تہذیب وتمدن

اور عالمی عربی زبان وادب کو اپنا کر دوڑ کے میدان میں آنا چاہئے،تاکہ استقلال،استقامت ، مضبوطی اور تندہی سے مسلح ہو کر وہ یہ دوڑ جیت سکیں۔افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے یہاں بزعم خویش ترقی پسند کہلانی والی پارٹیاں ، تنظیمیں اور شخصیات جتنی بھی ہیں ،سب اغیار کی ایجنٹ، تنگ نظر، کم ظرف، رجعت پسند اور دقیانوس ہیں، کسی بھی حوالے سے وہ ترقی پسند نہیں ہیں، بس خرد کا نام جنوں رکھدیا، جنوں کا خرد کے مصداق ہیں۔

سرے دست اور فوری طور پر'' کیمرون نواز انگریزی ترویجی معاہدے'' کی طرح انہیں پاکستان میں سرکاری سطح پر ایک ایسے ہی معاہدے کی ضرورت ہے ، جو بنائے عربی کے ماحول کو اپنے حق میں لینے کے چانسز ہیں ، انگریزی ایک ٹیکنکل زبان ہے ، اسے فروغ ملنا چاہیئے ، لیکن عربی کی جڑیں صرف امت مسلمہ ہی میں نہیں، پوری انسانیت میں مضبوط ہیں ، پھر اس حوالے سے عرب دنیا میں اور عالمی سطح پر کئی جلیل القدر ادارے عربی زبان وادب کو ہر سطح پر مستحکم اور عام وتام کرنے کیلئے انتھک جدو جہد کر رہے ہیں پاکستان عالم اسلام کا زریں ملک ہے ، ہر حوالے سے پاکستان نمایاں ہے ، یہاں موجود، سفراء کو پاکستان کی اس اہمیت وحیثیت کا ادراک ہونا لازمی ہے ، یہاں قومی سطح کے عربی اخبارات ، عالمی سطح کے عربک میگزین ،نیوز اینڈ ویوز اور انٹرٹینمنٹ کے عربی ریڈیو اور ٹی وی چینلز، عربک لینگویج سینٹرز کا ہونا از حد ضروری

ہے، گویا عرب سفراء اگر ہمیں وفادار دیکھنا چاہتے ہیں تو انہیں دلدار بھی بننا پڑے گا۔

روایت شکن بنیئے

آج کل ہمارے یہاں پاکستان ، ہندوستان ، بنگلہ دیش اور فغانستان میں دینی مدارس میں سالانہ چھٹیاں ہونے کو ہیں ،ان مدارس کا تعلیمی سال نصف شوال سے شروع ہو کر اواخر رجب تک رہتاہے ، مرکزالعلوم الاسلامیہ جامع مسجد البدر ایک مکمل دینی ، اسلامی اور عربی یونیورسٹی ہے ، مفتی امداداللہ صاحب نے درس نظامی کے ساتھ ساتھ دراسات دینیہ کا عالم کورس عربی میں بھی جاری کیا ہواہے، دار الافتاء ، تخصص فی الادب العربی اور تخصص فی القراء ات کا بھی معقول انتظام ہے ،گذشتہ اتوار یہاں کے سالانہ پروگرام میں راقم الحروف مہمانِ خصوصی اور سرپرست کی حیثیت سے شریک تھا، مفتی عبد الرؤف بالیجوی نے صحیح بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دینا تھا اور پھر دستاربندی کا عمل تھا، اس کے بعد مجھے جامعہ جویریہ ناظم آباد میں شیخ الحدیث مولانا معاذ دھلوی کے یہاں جانا تھا، جہاں صحیح البخاری کی آخری حدیث کا درس بھی میں نے ہی دینا تھا، جامعہ جویریہ بھی مولانا معاذ کی صلاحیتوں اور کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہے، مارننگ اور ایوننگ کے اعتبار سے یہ گویا دو مستقل ادارے ہیں ، اس کے علاوہ عوام کیلئے عربی ، انگریزی اور ترجمہ قرآن کریم کا پروجیکٹ پر نہایت عمدہ انتظام ہے۔

اتفاق سے ان دونوں بڑے اداروں کی تعلیمی نگرانی ہمارے حوالے ہے، دونوں میں دیگر دینی مدارس کے اعتبار سے، تعلیمی، اصلاحی، نصابی، انتظامی اور دعوتی لحاظ سے نمایاں فرق نظر آتا ہے، دونوں اداروں کا عربی زبان وادب کے نشر واشاعت کیلئے کردار سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے، چنانچہ یہاں کچھ بچوں نے عالم اسلام کی موجودہ صورت حال پر عربی میں ایسی عمدہ اور ولولہ انگیز تقریریں کیں، کہ حاضرین انگشت بدنداں رہ گئے، ہم نے اپنی طرف سے ذاتی طور پر ان طلبہ کی حوصلہ افزائی کیلئے فی کس 500 روپیہ انعام کا بھی اعلان کیا، حقیقت یہ ہے کہ ان طالبان علوم نبوت کی عربی تقریروں کی گونج تاحال میرے کانوں میں ہے، اللہ تعالی مزید ترقیاں نصیب فرمائیں۔ جامعہ جویریہ میں متاثر کن بات یہ تھی کہ چھوٹی چھوٹی بچیوں کو عربی، کمپیوٹر، نیٹ اور سرچنگ کے امور میں اتنی مہارت سے تعلیم دی گئی تھی، کہ ان کے سامنے اچھے خاصے کہنہ مشق لوگ ہیچ نظر آئے، اللہم زد فزد۔

ان دونوں جگہ پر ہماری گفتگو کا خلاصہ یہ تھا، کہ امام بخاری کی کتاب کے اس اختتامی تقریب سے آپ تمام فضلاء یہ بات ذہن نشین کرلیں، کہ امام کو یہ مرتبہ روایت شکنی سے ملا، ''کچھ نیا'' کرنے سے ملا، اگر وہ لکیر کا فقیر بن جاتے اور اندھی تقلید کے پیچھے لگ جاتے، تو شاید یہ مقام حاصل نہ کر سکتے، تقلید اور عدم تقلید والی مشہور بحث یہاں ہماری مراد نہیں ہے، بلکہ علی الٹپ پیچھے

چلنے پر اعتراض ہے ، ایجادات و تخلیقات پر نگاہ مرکوز رکھیں، اصول اور مبادی کو چھیڑے بغیر حکمت عملیوں میں روایت شکنی کو اپنا شعار بنائیں ، اس میں دعوت و تبلیغ، درس وتدریس ، وعظ وخطاب ، تصنیف وتالیف ، احسان و سلوک، قیادت وسیاست اور قتال وجہاد کے ساتھ تحقیق وتدقیق کے میدانوں میں بھی نئی راہیں تلاش کرنا ہمارے آج کے فضلاء کا فرض عین ہے ، مین سٹریم میں رہیئے ، گوشہ نشینی کا زمانہ نہیں امامت عالم کا دور اور کردار ادا کرنے کیلئے ہر ایک فاضل اپنے آپ کو اہل بنائے ،، اور علی وجہ البصیرت میدان میں اتریں ، امت کیا پوری انسانیت اسلامی تعلیمات کی پیاسی ہے ، ان کا پیاس بجھانے کیلئے پیشکش کے نئے طریقے اور پیکجز تلاش کریں ، آفاقی بنئے کنویں کی مینڈک بننے والے اس زمانے میں امت کو تنزلی اور تخلف کی طرف لے جائینگے ، آپ تمام فضلاء وفاضلات اپنی مخصوص حیثیت اور قدر ومنزلت کو خود پہچان کر دوسروں سے اپنے آپ کو منوایئے ، امام بخاری اگر جمع وترتیبِ احادیث میں امامت کے اعلی مقام پر فائز ہیں تو تبلیغِ احادیث، سیرت رسول ﷺ اور اسوہ حسنہ کے نشرواشاعت میں پہلے اپنے کردار اور پھر اپنے گفتار وپندار سے اسمیں اپنا لازوال حصہ ڈال کر امامت کا درجہ اور مقام تک پہنچنے کی مساعی جارر کھیں ، ننگِ اسلاف نہ بنیں ، فخر اسلاف بنیئے۔

سورہ رحمان میں اللہ تعالی نے تعلیم قرآن کو اپنی رحمانیت والی صفت سے ملایا ہے ، لہذا آپ صفت رحمانیت کو اپنا ماٹو بنایئے ، درشتی ، سختی اور کرختگی

تعلیم قرآن کے ساتھ زیبا نہیں ہے، نیز تخلیق انسانیت کے ساتھ اللہ تعالی نے انسان کو البیان'' کی صفت سے نوازا ہے، خوش بیان وخوش گفتار بننے پر توجہ دیں۔ سورہ علق'' میں اللہ تعالی نے تعلیم وقراءتِ کتاب کو ''قلم'' کی تعلیم سے جوڑا ہے، لہذا منبر ومحراب کے ساتھ ساتھ قلم بھی چھوٹنے نہ پائے، قلم کی طاقت، قوت اور غلبہ کو ہمیشہ ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے قلم کا شہ سوار بنئیے، ماہرین سے اکتسابِ فیض کریں، اور روایت پسندی وخرافات سے ہٹ کر عبقریت اور روایت شکنی پر عمل پیرا رہیے، یوں کامیابیاں آپ کے قدم چومیگی، اخیر میں ہم نے امام بخاری کی طرح مجالس کی خیر وبرکت والی دعاء ''سبحان اللہ وبحمدہ، سبحان اللہ العظیم'' پر اپنی معروضات کا اختتام کیا، آپ بھی مذکورہ دعاء بار بار پڑھکر اس کی برکتوں کو سمیٹئے۔

"بداخلاقی سے مت "جیو

جناب نبی کریم ﷺ کو جو اللہ رب العزت کی طرف سے عام انسانوں میں عام صفات میں اعلیٰ ڈگری دی گئی ہے، وہ ہے: "وانک لعلی خلق عظیم" اور آپ اخلاق کے اعلیٰ معیار پر فائز ہیں۔ خود سرور کائنات ﷺ کا ارشاد ہے: "تمام اہل ایمان میں کامل ترین مؤمن وہ ہے جسکے اخلاق عمدہ ہوں"۔

اخلاق کا مفہوم سیرت و کردار دونوں کو شامل ہے، آدمی کے افعال، اقوال اور اعمال اچھے ہوں اور ظاہر و باطن میں یکساں ہو، بدنیت نہ ہو بلکہ نیک نیت ہو، منافق نہ ہو بلکہ اس کی زندگی ایک کھلی کتاب ہو، دوسروں کی تکریم اور احترام سے اس کا قلب و دماغ لبریز ہو، ہر کسی کو اس کا جائز مقام دینا جانتا ہو، کج حجتی، بے جا ضد اور جہالت سے نفرت کرتا ہو، مسلّمات کو خواہ مخواہ کیلئے نہ چھیڑتا ہو، دوسروں پر اپنی رائے دھونس، دھمکی اور شور وغل میں تھوپتا ہو، ہر معقول کی تایید اور نامعقول پر نکیر کر سکتا ہو، اور اس طرح کے دیگر وہ تمام صفات جو خیر و بھلائی کی طرف دعوت دے رہی ہوں اور شر و برائی سے روک رہی ہوں، اخلاق ہیں۔ اخلاق کا تعلق قلب سے بھی ہے، دماغ سے بھی ہے، سوچ و فکر سے بھی ہے، فطرتِ سلیمہ اور جبلت سے بھی ہے، باطن سے بھی ہے، ظاہر سے بھی ہے، بصارت

سے بھی ہے، بصیرت سے بھی ہے، عمل سے بھی ہے اور نظریہ وعقیدہ سے بھی۔

اچھے اخلاق قوموں کی حیات ہے، یہی ان کے سامنے لوگوں کے دل، ان کی محبت، ان کا احترام اور ہر طرح کی کامیابی کی راہوں کو اپنی طرف پھیرنے والی چیز ہے۔ اخلاق کومال اور دولت پر بھی فضیلت حاصل ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالی نے فرمایا: ”قولِ معروف بہتر ہے، ایسے صدقات وخیرات سے جس کے بعد اذیت ہو“۔ اسی لئے کہاجاتاہے کہ اہل بصیرت حسن اخلاق کی مہک اور بداخلاقی کی بدبو سونگھ سکتے ہیں، گویا حسن اخلاق کی خوشبو اور بداخلاقی کی بدبو ہے۔ اگرچہ ہر کسی کی ناک میں قوت شامہ اتنی طاقتور نہیں ہوتی کہ وہ ان دونوں کیفیات کو محسوس کرسکے۔

رشتوں اور جوب کے سلسلے میں آنے والے لوگ منافقت سے حسن اخلاق کا لبادہ اوڑھکر آتے ہیں اور بعد میں جب وہ اپنی اصلی حالت میں ظاہر ہوتے ہیں، تو پتہ چلتاہے کہ یہ تو دشمن کو گھر میں یاادارے میں پالناپڑرہاہے۔ اس لئے ایسے مواقع پر خوب جانچ پڑتال کی ضرورت ہے، بھیڑیا بھیڑیا ہی ہوتاہے، اگرچہ شروع شروع میں وہ اپنی خصلت میں ظاہر نہ ہو، لیکن ایک نہ ایک دن اس نے اپنی فطرت کے مطابق خون کرنا ہی ہے اللہ بچائے۔

میڈیا میں اخلاق باختگی کا مسئلہ تو واضح تھا ہی ، مگر جنگی بصیرت نہیں ہوتی، انہیں نظر نہیں آتا تھا،اب جیو اور جنگ نے جب اخلاق کیا بداخلاقی کی حدود بھی پار کردیں ، قومی اداروں سے لے کر صحابہ اور آل بیت رسول ﷺ کو بھی نہ بخشا،تب جاکر کچھ لوگوں کو ان کی بد تہذیبی کا اندازہ ہوا،دیگر کچھ چینل اور اخبارات بھی افسوس ہے کہ شرم وحیااور انسانی اعلی اقدار کے دشمن نظر آتے ہیں ، کئی اینکر پرسن بے حیائی پھیلاتے ہیں کئی دروغ گوئی، کئی مال بٹورتے ہیں ، کئی خائن اور غدار ہیں ،ایک مقدس پیشے میں اس، طرح کے بھیڑیوں نے اودھم مچارکھا ہے ،ہر طرف بد تمیزی ہی بد تمیزی ہے ، خود ساختہ مفکرین ومجددین وشیوخ الاسلام براجمان ہوتے ہیں، کسی کا عنوان یہ تک ہوتا ہے :''آج رات فلانی کے ساتھ'' ، لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔

پوری دنیا میں ہماری یہ حرکتیں ہماری قوم کیلئے جگ ہنسائی کی باعث بنتی جارہی ہیں، بعض مرتبہ خیال گزرتا ہے،کہ کیا ان لوگوں کی اپنی مائیں، بہنیں اور بیٹیاں نہیں ہیں، اسی طرح کیا ان فحاش عورتوں کا کوئی باپ،بھائی اور بیٹا نہیں ہیں، کیوں نہ ہوں گے ، لیکن حرام خوری سے آدمی کی غیرت بھی جاتی رہتی ہے،کہیں تمیز، شرافت ،پختگی ،وقار ، حلم ، عفو، رحم، کرم ، عدل ، انصاف ، جود ، سخا،ایثار ، قربانی ،مہمان نوازی ،عدم تشدد ،برداشت ،شجاعت ، بہادری ، ایفائے عہد، وفاداری ،قناعت، حسن معاملہ ،صبر ،نرم، گفتاری، خوش

روئی ، ملنساری ، مساوات ، غمخواری ، ہمدردی ، سادگی ، بے تکلفی ، تواضع ، انکساری حیاداری ، عفت ، پاک دامنی ، غیرت ، امانت دیانت ، باضمیری جیسے الفاظ اور کردار ، کا نام ہی نہیں ، گویا ہماری ڈکشنریاں ان سے خالی ہو گئی ہیں ، ایسے میں خدا کے لئے اخلاق اور ایمانداری سے جی سکتے ہو ، تو جیو ، ورنہ مت " جیو " ۔

آن لائن اور اوپن تعلیم

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد میں دو برس قبل ہمارا لیکچر تھا، لیکچر سے فراغت پر سوال وجواب کا سلسلہ بھی ہوا، اس کے بعد ہم نے ادارے کے متعلق وہاں کے ذمہ داروں سے اپنی معلومات کے لئے کچھ استفسارات کئے، تفصیلات سن کر بہت خوشی ہوئی، تعداد کے بارے میں ہم نے معلوم کیا، بتایا گیا کہ اس وقت جامعہ سے منسلک طلبہ دس لاکھ کے لگ بھگ ہیں، وہاں سے ہم ورچل یونیورسٹی کے آفس بلوا لیے گئے، پتہ چلا بی اے کے امتحانات ہو رہے ہیں، 70 ہزار طلبہ امتحان میں شریک ہیں، اولیول اور اے لیول والوں کے پاس جانا ہوا، 26 لاکھ طلبہ زیر تعلیم تھے، ہمارے یہاں اگلے دنوں وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے تحت سالانہ امتحانات ہو رہے ہیں، ملحقہ مدارس وجامعات کی تعداد 18 ہزار کے قریب ہے، ان میں تعلیم کے زیور سے آراستہ وپیراستہ ہونے والے طلبہ کی کل تعداد تقریبا 20 لاکھ ہے، امتحان میں شرکت کرنے والوں کی تعداد امسال 2 لاکھ 60 ہزار کے آس پاس ہے۔

اب آپ خود ہی اندازہ لگایئے کہ ہماری تعداد مذکورہ بالا اداروں میں سے کسی کے مقابلے میں کتنی ہے، دیگر سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز ان کے علاوہ ہیں، ہمارے دینی مدارس وجامعات کے لئے یہ سوچنے کا مقام ہے، انفراسٹرکچر اور

بلڈنگز کے لحاظ سے تو شاید ہمارا کوئی مقابلہ نہ کرسکے ، لیکن طلبہ کی تعداد ،ان کی صلاحیت ،اپڈیٹنگ اور فیسلٹیز کے اعتبار سے ہم سب کو سوچنا ہوگا، نئے پیکجز اور جدید ترین سہولیات کو اپنا کر ہماری کارکردگی میں کئی گنا اضافہ ممکن ہے ۔

چنانچہ ہمارے دینی اداروں کے منتظمین اگر اپنے یہاں تھنک ٹینکنگ، شورائیت اور کنسلٹنسی کو صحیح معنوں میں بروئے کار لائیں ، اور تعلیمی رجحان پر توجہ دیں ،تو سستے میں ہمارا کام اور نیٹ ورک بہت وسیع اور مفید تر ہوسکتا ہے ۔علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی ایک ہی ادارہ ہے ،جہاں لاکھوں بلکہ ہمارے ہزاروں اداروں کے نصف کے برابر کام ہورہاہے ،توپھر ہم کہاں کھڑے ہیں ، نیز یہ کہ صرف علامہ اقبال اوپن ہی کو کیوں مدنظر رکھا جائے ،اب تو OIC، عرب لیگ اور جی سی سی نے بھی اسطرح کی جامعات کی بنیادیں رکھ دی ہیں، مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں دنیا بھر کے ممالک نے اپنی یونیورسٹیز اور تعلیمی اداروں میں آن لائن اور اوپن نظام تعلیم کو برسوں سے متعارف کرایا ہے۔

تسلیم ہے کہ ہم ان کی طرح ترقی یافتہ نہیں لیکن "مالایدرک کلّہ ،لایترک کلّہ" ، کہ پورا ہاتھ نہیں آرہا، تو جتنا ممکن ہے وہ توہم حاصل کریں ، یہ ہمارا نصب العین ہو۔آج ٹیکنالوجی بھی آگئی ہے ،جس G4 اور G ہمارے ملک میں 3

کوآن لائن تعلیم وتربیت کے لئے بھی آسانی سے استعمال کیاجاسکتاہے ،کیا اچھا ہوگا کہ ہمارے علمائے کرام اس طرف فوری توجہ دیں اور نئی نسل کو انٹرنیٹ خاص کر موبائل نیٹ کے خرافات وواہیات سے بچانے کیلئے ان کے سامنے ان کے ہاتھوں میں اسلام کی اعلی اقدار،قرآن وحدیث کی معتدل ، ہمہ جہت صاف صاف تعلیمات ،تاریخ جغرافیا،اور جدید تقاضوں کے مطابق عصری علوم وفنون تھمادیں ، ہر چیز کو منفی نقطۂ نظر اور فتنہ وفساد کی نگاہ سے دیکھنے کے بجائے ، اس میں مثبت اور نافع پہلوؤں کو تلاش کیاجائے ،یوں پوری انسانیت کو امن ، سلامتی ، خوشحالی، اور پیار ومحبت کے احسانات تلے لاکر مرہونِ منت کیاجاسکتاہے ، جامعہ طیبہ اور جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ ، نیز جامعۃ الازھر ،جامعہ ام القری ، جامعۃ الامام اور امریکہ ویورپ کی سینکڑوں یونیورسٹیاں آج آن لائن ہیں ، داخلہ امتحانات اور تعلیم سب ایک کلک پر ہیں ۔

ہمارے یہاں بدامنی بھی ہے ، فقر وغربت بھی ،آمد ورفت کے اخراجات ،دار الاقاموں ، ہوسٹلز ،علاج معالجہ ، تعمیرات، قیام وطعام کے مصارف اتنے خطیر ہوتے ہیں کہ مدارس انتظامیہ سال بھر اس کیلئے پریشان ہوتی ہیں ،چندے ، تبرعات ، صدقات وخیرات اور فنڈ جمع کرتے ہیں، ایسے میں ان کی تمام تر توانائیاں اس میں کھپ جاتی ہیں طلبہ کی تعلیم وتربیت ،ان پر نظر، توجہ اور کماحقہ نگاہ میں کمی رہ جاتی ہے، لیکن اگر یہ، مدارس اپنے نظام تعلیم کونیٹ اور ڈاک سسٹم سے مربوط کریں ،تو 90 فیصد اخراجات کے بوجھ سے انہیں چھٹکارا مل

جائے گا، یہ تو ہوا ان کا فائدہ، طلبہ وطالبات کا فائدہ یہ ہوگا کہ انہیں اپنے ہی گھر میں ایک آسان، سہل، ایزی، پرامن اور سستے طریقے سے تعلیم کے مواقع دستیاب ہوجائینگے۔

ایک بات ملحوظِ خاطر رہے، کہ ان معروضات وگزارشات کو مثبت انداز میں لیا جائے، تو بات بنیگی، لیکن اگر قیل وقال اور جیسے ہمارے یہاں کی ذہنیت ہے کہ فوراً ہمارے ذہن کے پردوں پر اعتراضات ہی اعتراضات، اشکالات ہی اشکالات نمودار ہوجاتے ہیں، تو پھر ''ملا آں باشد کہ چپ نہ شود''۔ہاں،تلاش کے عمل کو اپنایا جائے، ذرہ باہر نکل کر حالات کا ادراک کیا جائے۔انفارمیشن کی محیر العقول دنیا میں جاکر بنظرِ خود معاینہ کیا جائے۔اپنے نارسا اور بے جا توہمات وابہامات کا خود ہی حل ڈھونڈا جائے،امت اور انسانیت کی خیر، فلاح اور بہبود کو مقدم رکھا جائے،تو ہم سمجھتے ہیں کہ اس طریقِ تعلیم سے دینی علوم وفنون اور اسلامی تعلیمات کے فروغ اور نشر اشاعت کے حوالے سے ایک عظیم انقلاب آجائیگا۔

آج کے زمانے میں جو اثر پذیری کسی ایک فعال اخبار،چینل یا میڈیا ہاؤس میں ہے،وہ چھوٹے چھوٹے اور محدود سینکڑوں ہزاروں اداروں کی تاثیر سے کہیں بڑھکر ہے،مگر یہ حقائق اہلِ حقائق ہی سمجھیں گے،ہمارے پاس اس حوالے سے جو بھی اللہ

تعالی کا عطا کردہ تجربہ ہے ،اس کے بتانے میں ہم ہر گز بخل نہیں کرینگے۔البتہ میدان اور فیلڈ میں ماہرین کی کوئی کمی نہیں، ہر طرف ایکسپرٹ موجود ہیں، کورس کی ترتیب ماہرین تعلیم کا کام ہے، ڈیزائننگ اور ویب پیجنگ کے لئے ٹیکنکل حضرات کی خدمات لی جاسکتی ہیں، دو اڑھائی ماہ کی ان تعطیلات میں دینی تعلیم کے رفقائے کار انفرادی اور اجتماعی طور پر آن لائن اور اوپن نظامِ تعلیم کو سمجھنے ،تنفیذ، تشہیر اور ترتیب کے لئے اگر پلاننگ کریں، تو کوئی وجہ نہیں کہ اگلے ہی سال سے عملی طور پر سبقت کرنے والے اس کے روح رواں ہوں گے، پھر قدرے سست احباب بھی ان کی دیکھا دیکھی میں اس نظام پر آجائینگے۔اقبال مرحوم نے کیا ہی خوب کہا ہے:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے
کہ تیرے بحر کی موجوں میں اضطراب نہیں

امیر معاویہؓ، بنو امیہ اور تاریخ کا ظلم

22 رجب حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان الاُموئیؓ کا یوم وفات ہے، ہمارے یہاں بعض حلقے اس دن کو بطور "یوم امیر معاویہؓ" مناتے ہیں، جو ایک مستحسن اقدام ہے، لیکن اس طرح کے ایام صرف سڑکوں پر منانے سے امت نئی مشکلات کا شکار ہو جائیگی، کیونکہ ان کی طرح کی بزرگ اور مقدس ہستیوں کے ایام اسلامی معاشرے میں جہاں بھی منائے جاتے ہیں، وہاں عوام الناس کو گوں ناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ہونا یہ چاہیے کہ 22 رجب اور اس کے مانند دیگر تاریخی ایام کو مقررہ تاریخ سے کچھ دن قبل، بعد اور عین اس دن سیمینارز، کانفرنسز اور مقالات و مضامین کے عنوان بنا کر، ان پر عدل وانصاف کی نگاہوں کے عین مطابق تحقیق، تدقیق، سیر حاصل بحث اور گفت وشنید کی جائے، پھر ان بحوث ودراسات کا نچوڑ اور نتائج مرتب کئے جائیں، ان شخصیات کی سیرتوں، کرداروں، میدانوں اور متعلقہ موضوعات میں ان کی بلند وبالا تاریخی دور سے اپنے مستقبل کے اہداف کے تعین میں روشنی حاصل کی جائے، ان سے استفادہ کیا جائے، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اپنے سے کئی گنا بڑے حضرات کے درمیان محاکے کرتے ہیں، ان کی سیرت وحیاتِ طیبہ کو ایک امتحانی پیپر کے طور پر چیک کرتے ہیں، پھر ان کو اعلی، اوسط، ادنی، اور فیل کے خانوں میں درج کرتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ کیا ہم اس لائق ہیں

کہ ان کے ممتحن بن بیٹھیں، مگر بزعم خویش ہم خود بخود ان کے پرچوں کیلئے امتحانی کمیٹی کا رکن بن جاتے ہیں، پھر صد افسوس اس پر کہ چیف ایگزامیز (ممتحن اعلی) یعنی ہم سے بڑا کوئی محقق اگر ہمیں ہمارے دیئے ہوئے نمبرات پر کوستا ہے، کہ پرچے آپ نے صحیح چیک نہیں کئے، لہذا نمبر بھی غلط لگا دیئے، یا پھر آپ ان پرچوں کی چیکنگ کی صلاحیت واستعداد نہیں رکھتے، اس لئے آپ کو اس عمل سے سبکدوش کیا جاتا ہے، تو ہم ان کے نہ صرف اس فیصلے بلکہ ان کے عہدے اور منصب کو بھی چیلنج کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنے فیصلوں پر ہٹ دھرمی اور ضد پر اڑ جاتے ہیں۔

یہی کچھ سیدنا امیر معاویہؓ، خلافتِ امویہ اور ان کے قبیلے بنو امیہ کے ساتھ ہمارے یہاں ہو رہا ہے، منانے والوں کو صحیح منانے کا طریقہ آنا چاہئیے، سید مودودی، ڈاکٹر رضوان ندوی اور ان کے اس تاریخی سہو میں شریک اہل سلف مؤرخین میں سے اکثر یا تو خود مستند نہیں ہیں، یا پھر اپنے سابقین کی چکنی چوپڑی باتوں سے متاثر ہیں، خوارج اور شیعہ میں سے اول الذکر تو عقل کے پیدل ہیں، ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا کہنے سے بہتر ہے، کیونکہ وہ "دلیل اور ذلیل" میں نقطے کے فرق کے منکر ہیں، پس ظاہر پر ہی جاتے ہیں، ثانی الذکر کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہر نص اور ہر واقعہ میں باطن پے جاتے ہیں، اس کے رموز کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں، بال کی کھال اتارنے کی کوششوں میں

صدیوں سے لگے رہتے ہیں، پہلے والے بصیرت نہیں مانتے، دوسرے والے بصارت نہیں مانتے، لیکن دونوں فرقوں کی تحقیق اگر اخلاقی اقدار کے مطابق ہو، تو ہم سمجھتے ہیں یہ اختلاف رحمت کے زمرے میں آجائے گا۔ اللہ کرے ان سب کے اکابر یکجا ہو جائیں،، باہم مل بیٹھ کر علم الکلام کے اس طرح مباحث کو امام غزالی کی کتاب ''الجام العوام عن علم الکلام'' کے تناظر میں حل کریں، تو امید کی جاسکتی ہے کہ اتحاد واتفاق کی کچھ کرنیں اور راہیں نظر آجائیں۔

امیر معاویہ کاتب وحی ہیں، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی ہونے کے ناتے امت کے ماموں ہیں، عمرۃ القضاء کے موقع پر فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے ہیں، ان کے والد ماجد حضرت ابو سفیانؓ نہ صرف ایک صحابی بلکہ جلیل القدر اسلامی کمانڈر ہیں جنگ یرموک میں ان کے اور ان کی بیگم حضرت ہندؓ جو حضرت امیر معاویہ کی والدہ محترمہ ہیں کے کارنامے سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں، ان کے بھائی حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اسلامی جیوش کے عظیم سپہ سالار کے طور پر معروف ومشہور ہیں، ان کے دست راست حضرت مروان بن الحکمؓ بھی ایک عظیم صحابی اور امیر الامراء ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کے یہاں امیر معاویہؓ امیر شام اور معتمد خاص رہے ہیں، حضرت سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ ان کا اختلاف قصاص عثمانؓ پر تھا، خلافت یا امارت پر نہیں تھا، کاش یہ اختلاف نہ ہوتا، لیکن اس اختلاف کی بنیادیں

مشیئت ایزدی سے اس وقت پڑچکی تھیں جب مجوس اور نصاری یعنی اہل فارس، اور اہل روم کی جنگ ابتدائے اسلام میں ہوئی تھی، نصاری چونکہ اہل کتاب تھے، اس لئے سورۃ روم کی ابتدائی آیات رومیوں کے فی الحال مغلوب ہونے اور بعد میں غالب آنے کے متعلق ہیں، مسلمانوں کی ہمدردیاں اہل کتاب کے ساتھ تھیں، مشرکین اور بت پرست مجوسیوں کے حامی تھے،انھوں نے اہل عرب اور اہل اسلام کو دشمن کے دوست قرار دیا تھا، اسی لئے اسلام کو روکنے میں مجوسیوں نے خطرناک جنگیں صحابہؓ سے لڑیں، جن میں آخرکار وہ شکست کھاگئے، تو انھوں نے سازشوں کے تانے بانے بُنے، حضرت عمر فاروقؓ کو ابولؤلؤ مجوسی کے ذریعے شہید کروایا، حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف شورشیں برپا کیں، حضرت علی مرتضیٰؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات پیدا کئے، جن کے نتیجے مین جنگ جمل اور جنگ صفین کے واقعات رونما ہوئے، پھر ان جنگوں کو انتہائی مبالغہ آرائی، اور دروغ گوئی کے آمیزے کے ساتھ بیان کرنے لگے، نوبت یہاں تک پہنچائی کہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالبؓ نے جب آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق مصالحانہ کردار ادا کرتے ہوئے اختیارات حضرت امیر معاویہ کے سپرد کئے، تو ان شورشیوں نے ان کے اس فیصلے کو دل سے تسلیم نہیں کیا، بعد میں حضرت امام حسینؓ کے واقعے میں اہل عراق کا ہاتھ نظر آتا ہے،یزید اور بن زیاد کی حرکتیں بھی نظر آتی ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی اگر امیر معاویہ کے کردار اور ان کی خلافت کا دور دیکھا جائے، نیز بنوامیہ کی خلافت کو اگر دیگر

خلافتوں کے مقابلے میں نظر انصاف سے پرکھا جائے، تو معلوم ہوگا یہ دور متعدد جہتوں سے امتیازریں ہے کہ ان پر مثبت انداز میں نئی تحقیق کی شدید ضرورت ہے۔ مثلاً حضرت معاویہؓ کی سیاسی بصیرت کی وجہ سے عالم اسلام متحد و منظم ہوا، رقبہ وجغرافیائے اسلام میں بے تحاشا اضافہ ہوا، قرآنِ کریم میں نقطوں اور حرکات کا عمل ہوا، نئی دفتری زبان فارسی و رومی کے بجائے پورے عالم اسلام میں عربی قرار پائی، خلافت ان ہی کے دور میں دنیا کے سپرپاور کے طورپر پہچانی جانے لگی، امن، استقرار، سلامتی، خوشحالی اور استحکام کا پھریرا لہرانے لگا، حضرت امیر معاویہؓ کے علاوہ مروان بن الحکم عبدالملک بن مروان، ولید بن عبدالملک ہشام بن عبدالملک جیسے عظیم خلفاء، سلاطین، اور حکمراں مسلمانوں کو نصیب ہوئے، محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، یوسف بن تاشفین اورقتیبہ بن مسلم جیسے عمائدین جہاد میسر آئے، جن کے ادوار میں موجودہ ہند، موجودہ چین، موجودہ روس، موجودہ فرانس، اسپین وپرتگال تک کے کچھ حصے زیر نگین اسلام ہوئے، افریقہ کا تومسلم حصہ پورا کا پورا اسی دور میں یا صرف مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے دور میں مشرف باسلام ہوا، جامع مسجد اموی، مسجد نبوی ﷺ، جامع قرطبہ، قبۃ الصخرہ کی تعمیرات ان کی شاہ کار ہیں، بریداور باقاعدہ پولیس وسیکورٹی فورسز کا کریڈٹ بھی انہیں کو جاتاہے، بحری بیڑے اور سمندری فوج بھی حضرت معاویہؓ کا ہی کارنامہ ہے اندلس میں سینکڑوں سال تک ایک مستقل اور مثالی اسلامی خلافت،

کا سہرا ابھی امویوں کے سر ہے۔

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے۔ مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں

پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں۔ خاموش اذانیں ہیں تیری بادِ سحر میں

المصحف الامام اور رسم عثمانی

28 مئی کے روزنامہ "جہان پاکستان" کراچی کے مین پیج پر مصحف شریف (قرآن کریم) میں طباعتی اغلاط کے متعلق دو کالمی خبر دیکھ کر افسوس ہوا، خبر میں پشاور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے ریمارکس یہ ہیں: "چیف جسٹس پشاور ہائیکورٹ نے کہا ہے کہ ہمارے ملک میں قرآن پاک میں غلطیاں ہورہی ہیں، قرآن پاک کی اشاعت میں اگر اعراب کی غلطی رہ جائے تو پھر کیا رہ جاتا ہے، چائنا ڈیجیٹل قرآن بھیج رہا ہے، عدالت نے تاج کمپنی لمیٹڈ سے قرآن پاک کی طباعت میں اعراب کی غلطیوں کے حوالے سے 15 دن میں جواب طلب کرلیا، منگل کو چیف جسٹس مظہر عالم میاں خیل اور جسٹس ملک منظور پر مشتمل دورکنی بینچ نے تاج قرآن پرنٹنگ کمپنی کے کیس کی سماعت کی، اس موقع پر محکمۂ اوقاف کے وکیل نے رپورٹ پیش کی، درخواست گزار عیسی خان ایڈووکیٹ کا موقف تھا کہ یہ کمپنی جعلی ہے اور اس کی رجسٹریشن کہیں نہیں ہوئی، تاہم کمپنی کے وکیل نے بتایا کہ کمپنی سندھ میں رجسٹرڈ ہے اور پنجاب میں پبلشنگ کررہی ہیں، اعراب میں غلطیاں ہورہی ہیں، ہم نے جہاں جہاں پر قرآن پاک دیے ہیں، ان سے واپس لے رہے ہیں، جس پر چیف جسٹس نے کمپنی کے وکیل کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ آپ مان رہے ہیں کہ غلطیاں ہورہی ہیں؟ محکمۂ اوقاف کے وکیل محمد سہیل کا موقف تھا کہ ڈی سی او کے ذریعے تمام قرآن پاک

مارکیٹ سے اٹھائے جارہے ہیں، بعد ازاں چیف جسٹس نے تاج کمپنی لمیٹڈ سے کیس میں پندرہ دن میں متعلقہ کمپنی سے جواب طلب کرلیا"۔

ہمارے ملک میں قرآن کریم میں کی طباعت میں لفظی غلطیوں کا ارتکاب نہ صرف تاج کمپنی لمیٹڈ بلکہ تمام ناشران کررہے ہیں، اور تسلسل کے ساتھ یہ عمل آخرت میں تو گناہ کبیرہ ہے ہی، دنیا میں قانونی جرم بھی ہے، طباعت کی ان اغلاط کو تحریف لفظی کے زمرے میں ڈالا جاسکتا ہے، دوسری طرف ہمارے یہاں ہر کوئی مفتی، عالم دین، قاری اور مفسر قرآن بن بیٹھا ہے، کسی کو قانون یا سند واجازت کی پرواہ نہیں ہے۔ حال ہی میں "جیو کہانی" کے ایک پروگرام میں سورہ کہف میں مذکور حضرت موسی علیہ السلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے مشہور قصے کو صاف صاف شیخ سعدی اور حافظ شیرازی کی طرف منسوب کیا گیا ہے، اور پوری دنیا میں عوام کو اسی طرح غلط اور تحریف شدہ قصہ گوش گذار کرایا گیا ہے، ہمیں تعجب ہوتا ہے کہ جیو کے خلاف آئی ایس آئی اور اہل بیت اطہار کی شان میں توہین پر مقدمات قائم کئے گئے، جس پر اب وہ معافی بھی چاہتے ہیں، لیکن تحریف قرآن تو ان دونوں سے بڑھ کر جرم ہے، اس پر اس کا کوئی مواخذہ نہیں کیا گیا، تاج کمپنی لمیٹڈ کی حرکت تحریف لفظی اور جیو کہانی کی حرکت تحریف معنوی ہے، دونوں ایک سے بڑھ کر ایک جرم ہیں، دونوں اسلام کی بنیادوں کو ہلادینے کی سازش اور دسیسہ کاری ہے، دونوں پر ان

دونوں اداروں کی سخت سرزنش اور آیندہ کیلئے اس قسم کی غلطیوں کے سد باب کے متعلق قانون سازی کا ہونا ازحد ضروری ہے۔

جامع القرآن سید عثمان بن عفانؓ نے جب صحابہؓ کے اجماع واتفاق سے قرآن کریم کو جمع کرنے کا عمل شروع کیا، تو اس کیلئے بہت بڑی مجالسِ مشاورت منعقد کی گئیں، کئی سالوں کی محنت کے بعد جب جمع قرآن کا کام مکمل ہوگیا، تو مسجد نبوی ﷺ میں کبار صحابہؓ کے سامنے وہ منقح نسخہ پیش کیا گیا، جس کو رہنما نسخہ (المصحف الامام) قرار دیا گیا اور بقیہ تمام غیر منقح نسخوں کو جمع کرکے انتہائی احترام کے ساتھ ایک پاک وصاف، احاطے میں نذر آتش کیا گیا، اس کے بعد المصحف الامام کے متعدد نسخے تیار کرکے مختلف شہروں میں انہیں ارسال کیا گیا، یہ نسخہ المصحف الامام وہی ہے جس پر شہادت کے وقت حضرت عثمان کے خون کے قطرات پڑ گئے تھے، یہ ترکی میں محفوظ تھا، وہاں سے مدینہ منورہ لایا گیا، اور اسی کو بنیاد بناکر "مصحف المدینہ" جدید آلاتِ طباعت وکتابت کے ساتھ اُسی رسم عثمانی (خط عثمانی) میں تیار کرایا گیا، اس مہم کو مستقل بنیادوں پر استوار کرنے کیلئے عالم اسلام کے نامور علماء، مؤرخین، خطاطین، اور قراء پر مشتمل ایک انٹرنیشنل کمیٹی قائم کی گئی، جس کی نگرانی میں "مجمع خادم الحرمین الشریفین لطباعۃ المصحف الشریف یعنی ہولی قرآن پرنٹنگ کمپلکس"، ادارے کی بنیاد رکھی گئی۔

ہم نے اپنے یہاں کچھ رفقائے کار کو پچھلے دنوں پاکستانی طبع شدہ قرآن کریم اور رسم عثمانی والے نسخے المصحف الامام میں مطابقت و مخالفت کی جگہوں کو تلاش کرنے کا کہا، نتیجہ اتنا بڑا دھماکہ خیز تھا کہ شاید اس کا ہم تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، 20 پاروں پر تحقیق کے بعد پتہ چلا کہ صرف ان پاروں میں 2000 ہزار جگہوں میں رسم عثمانی سے اختلاف پایا جاتا ہے، جبکہ امت کا اجماعی و اتفاقی فتوی یہ ہے کہ قرآن کریم کو نحو و صرف اور املاء و ترقیم نہیں صرف اور صرف رسمِ عثمانی کے طرز پر لکھنا ضروری ہے۔

بہر حال مصحف المدینہ والا رسم عثمانی کا جدید انداز سے خوبصورت نسخہ سال میں صرف قرآن پرنٹنگ کمپلکس مدینہ منورہ سے ایک کروڑ کی تعداد میں چھپتا ہے، اس نسخے کے ہر پارے میں بیس صفحات ہوتے ہیں، ہر صفحہ آیت سے شروع اور آیت ہی پر ختم ہوتا ہے، بیروت میں تجارتی بنیادوں پر ہزاروں میں تعدادِ طباعت اس پر مستزاد ہے، فلاش قرآن کریم بھی دنیا بھر میں یہی مقبول ہے، ڈیجیٹل بھی دنیا میں پچاس قاریوں کی تلاوت 20 تفسیروں، سبعہ عشرہ قراءات اور اردو انگریزی ترجموں کیساتھ نیٹ پر مصحف جامعۃ الملک سعود، یا المصحف الالکترونی کے نام سے موجود ہے اور اسی متداول نسخے کو مأخذ بنا کر پوری دنیا میں تحریف قرآن کے سازشوں کا سد باب ممکن ہے

۔

نوٹ : جناب منصور صاحب اور جناب نعیم الیاس صاحب آئیندہ کالمز حسبِ ارشاد بروقت ارسال کرنے کی کوشش کرینگے ،ان شاء اللہ۔

حقوق نہیں، ذمہ داریوں کو یاد رکھیں

آج ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہر کسی کو اپنے اپنے حقوق یاد ہیں، حقوق کسی بھی وجہ سے نہیں ملتے ، تو زبردستی چھیننے کی باتیں ہوتی ہیں، انسانی حقوق، حکمرانوں کے حقوق، ملک کے حقوق، قوم قبیلے کے حقوق، والدین واساتذہ کے حقوق،اولاد وشاگردوں کے حقوق، بوس واداراے کے حقوق، علم وفضل اور اہلِ دانش کے حقوق،اڑوس پڑوس کے حقوق ، اور ان سب سے بڑھ کراللہ واہل اللہ کے حقوق، یہ کسی کو یاد نہیں،فرد کے اوپر اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کیا حقوق وذمہ داریاں ہیں ، کسی کو کوئی پرواہ نہیں،اپنی زندگی میں کیا رول ادکرنا ہے، معاشرے کی اصلاح وفلاح میں کونسے کردار سے بہتری آئیگی،نیک نامی کیسے ملیگی ،اس کے متعلق سوچنے سے ہم قاصر رہتے ہیں،یا
سستی،بدنیتی،ذاتی مفاد پرستی کی وجہ سے اجتماعی بھلائی تو ہمارا ہدف ہی نہ تھا انفرادی سے بھی ہاتھ دھوبیٹھتے ہیں ،بڑے لوگ ہمیشہ بڑے،بڑے کاموں اور کارناموں کا سوچتے ہیں،دوراندیشی ان کا شیوہ ہوتی ہے، چھوٹے ہر معاملے چھوٹے ہی ہوتے ہیں۔
مولاناوحیدالدین خان اس حوالے یوں رقمطراز ہیں: ’’دنیا میں ہمیشہ دو ہی قسم کے انسان ہوتے ہیں ،ایک وہ انسان جس کا حال یہ ہو کہ وہ جو کچھ کرے، اس کی

قیمت مع اضافہ کے وصول کرنا چاہے، دوسرا انسان وہ ہے کہ وہ جو کچھ کرے، اسے بھول جائے، اسے اپنے کئے کا کوئی معاوضہ نہ ملے، تب بھی وہ کوئی شکایت اپنے دل میں نہ لائے، اس کی تسکین کا سامان یہ ہو، کہ وہ اپنے آپ کو مقصد میں لگائے ہوئے ہے، نہ یہ کہ اس کو اس کے عمل کا فوری معاوضہ مل رہا ہے۔

پہلی قسم کے لوگ بھی انسان ہیں، اور دوسری قسم کے لوگ بھی انسان، مگر دونوں میں اتنا زیادہ فرق ہے کہ ظاہری صورت کے سوا دونوں میں کوئی چیز مشترک نہیں، پہلی قسم کے لوگ صرف بازار چلاتے ہیں، جب کہ دوسرے قسم کے لوگ تاریخ بناتے ہیں۔

یہی دوسری قسم کے لوگ انسانیت کا اصل سرمایہ ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کوئی بڑا کام کرنے کے لئے ہمیشہ اس کی ضرورت ہوتی ہے، کہ بہت سے لوگ ملکر کام کریں، جب اس طرح لوگ ملتے ہیں، تو کسی کو کم ملتاہے اور کسی کو زیادہ، کوئی کریڈیٹ پاتا ہے اور کوئی بے کریڈیٹ رہ جاتا ہے، کسی کا استقبال ہوتا ہے اور کوئی دیکھتا ہے، کہ وہ نظر انداز کیا جارہا ہے۔

یہ صورت بالکل فطری ہے، یہ فرق ہمیشہ پیش آتا ہے، خواہ وہ کوئی عام تحریک ہو، یا کسی پیغمبر کی تحریک ہو، ایسی حالت میں متحدہ کوشش کو باقی رکھنے کی

واحد قابل عمل صورت صرف یہ ہے، کہ لوگ اپنے حقوق کو بھول جائیں اور صرف اپنی ذمہ داری کو یاد رکھیں، اس مزاج کی ضرورت صرف اس لئے نہیں کہ اجتماعی جدو جہد میں کچھ لوگ بے معاوضہ رہ جاتے ہیں، بلکہ اس لئے بھی ہے، کہ ملنے والا معاوضہ اکثر آدمی کے اپنے اندازہ سے کم ہوتا ہے، چنانچہ معاوضہ ملنے پر بھی وہی تمام شکایتیں پیدا ہو جاتی ہے، جو اس وقت پیدا ہوتی ہیں، جب کہ سرے سے کوئی معاوضہ نہ ملا ہو، بڑا کام کرنے والے وہ لوگ ہیں، جن کا حال یہ ہو کہ ان کا عمل ہی ان کا معاوضہ بن جائے، اپنی ذمہ داری کو بھرپور طور پر ادا کرکے ان کو وہ خوشی حاصل ہو، جو کسی شخص کو اس وقت ہوتی ہے، جب کہ اس کے کام کے نتیجہ میں اس کو کوئی بہت بڑا انعام حاصل ہو جائے''۔

آیئے ہم من حیث القوم اجتماعی مفاد کا سوچیں، قوم کیا اقوام کی ترقی کو اپنا ہدف و مقصد بنائے، حقوق کے بجائے اپنی ذمہ داریوں کو پہچانیں، پھر ان کے انجام دہی کا بندوبست کریں۔

کراچی ایئرپورٹ حملہ

8 جون کو رات گئے کراچی ایئرپورٹ پر دہشت گردانہ حملہ ہوا، اس میں 30 کے قریب قیمتی جانیں جام شہادت نوش کرگئیں ، حملہ آور بھی سب ہی مارے گئے ،املاک کا بے انتہا نقصان بھی ہوا، نیشنل وانٹر نیشنل فلائٹوں کے مسافرین اور ان کے متعلقین کو بہت بڑی کربناک صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا ،ایئرپورٹ میں انتظامی ، حفاظتی اور دیگر شعبوں سے منسلک افراد پر بھی ایک قیامت گزری ، شہر کراچی اور ملک بھر کے عوام وخواص سب ہی میڈیا پر ایکے دل خراش مناظر دیکھ دیکھ کر خون کے آنسو رو رہے تھے ، عالمی سطح پر امت مسلمہ اور پاکستان کے دوست ممالک کے لوگ بھی غمزدہ تھے ،لیکن سیکورٹی فورسز کے تمام شعبوں کے جوانوں نے بڑی پُھرتی سے دیوانہ وار مقابلہ کرکے جس بہت بڑے نقصان سے ملک وملت کو بچایا، اس پر انہیں دادِ تحسین اور سلامِ عقیدت ہر محب وطن شہری پیش کرتا ہے ۔

البتہ شام کے وقت جب دوبارہ سے وہی ایئرپورٹ پھر سے مختلف ٹی وی چینلز کا موضوعِ سخن بنا، اور پتہ چلا کہ وہاں کسی کولڈ سٹوریج میں آگ اور بارود کے شعلوں میں محصور تقریباآٹھ اشخاص اب بھی موت وحیات کے کشمکش میں ہیں، اور مدد کے لئے پکار رہے ہیں ،اس موقع پر جس بے حسی ، سستی ، مجرمانہ غفلت

اور شرمناک لا اُبالی پن کا مظاہرہ فائر بریگیڈ والوں ،ایئر پورٹ انتظامیہ ، سول ایوی ایشن ،ریسکیو، سندھ حکومت اور وفاقی حکومت کے ذمہ داروں کی طرف سے سامنے آیا اس پر جتنا بھی افسوس کیا جائے ،وہ بھی کم ہے، کیونکہ اندر محصور لوگوں کی مائیں ،، بہنیں ،بھائی اور عزیز و اقارب باہر جس بے کسی ،ناپرسان حالی ، بے چارگی اور غم اضطراب کے شکار تھے ان مناظر کو دیکھنا، اوران کی دُہائیاں اور ان کی گریہ وزاری سننا ہی ہم جیسے کمزور دل والوں کے لئے نا قابل برداشت تھا۔ وہ تواللہ بھلا کرے میڈیا کے نوجوان رپورٹروں اور کچھ اینکر پرسنوں کا، کہ وہ وہاں خم ٹھونک کر کھڑے رہے ، اور لمحہ بہ لمحہ صورتِ حال سے آگاہی دیتے رہے ، ٹی وی چینلز نے بھی عام تجارتی مقاصد سے ہٹ کر اشتہارات کو چھوڑ کر مسلسل کوریج کا اہتمام کیا، جس پر مختلف سیاسی جماعتوں کے رہنما، حکومتی اہل کار ،فائر بریگیڈ کے منتظمین وکارکنان، گورنر سندھ وزیر اعلی سندھ ،وزیر اعظم اور آرمی چیف نے اس فلیش پوئنٹ کا فوری نوٹس، لیا، اس کے بعد پھر کام تو ہوا، لیکن دیر کی وجہ سے جو اصل کام تھا، وہ نہیں ہو سکا، یعنی ان محصورین کی بحفاظت خلاصی ،بلکہ ان کی سوختہ لاشیں ہی ملیں۔

اب کس کس بات پر رویا جائے ، دہشت گردوں کے حملوں پر ،یا ہماری نااہلی کی وجہ سے ان دہشت گردوں کی وہاں تک رسائی پر۔اندر کے محصورین کی چیخ وپکار پر،یا انہیں بحفاظت نہ نکال سکنے پر۔ حکومت کی نالائقی پر ،یا اداروں میں

باہمی عدم تعاون پر۔آئے روز اس قسم کی تباہ کن کارروائیوں پر، یا پھر ان کارروائیوں کے علل واسباب پر۔

کراچی عالم اسلام کا سب سے بڑا شہر ہے، اس کا ایئرپورٹ پاکستان کا سب سے مصروف ہوائی اڈہ ہے، پاکستان ایک نیوکلیئر ملک ہے۔ اس کے باوجود یہاں عدم تحفظ کا یہ حال، خدانخواستہ اگر یہ حملہ آور کراچی ایئرپورٹ میں موجود امریکن اسلحہ ڈپو تک پہنچتے، اور اوجھڑی کیمپ کی طرح یہ خوفناک میزائیل، بم اور بارود پھٹنے لگتے، تو آج اس شہر کی کیا کیفیت ہوتی، کتنا بڑا جانی ومالی نقصان ہوتا، دنیا بالخصوص افغان وہند کے سامنے ہماری دفاعی صلاحیتوں کا کیا امیج ہوتا۔ آج کے زمانے میں جنگ سے زیادہ جنگ زدہ علاقے میں ریسکیو انتظامات کی اہمیت بہت ہے، اس حوالے سے ہمارا کیا کردار سامنے آتا، اور پھر مغربی دنیا وطاغوتی قوتیں ہماری ایٹمی صلاحیت کے پیچھے ہاتھ دھوکر لگ جاتے، تو ہم اپنا سامنہ لیکر کھڑے ہی رہتے۔

ستم بالائے ستم یہ کہ اگلے دن 9 جون کو دنیا کی ''عظیم تر کرکٹ ٹیموں''، نواز الیون اور حمزہ الیون کے مابین وہ تاریخ ساز میچ تھا، جو ان حالات میں ملتوی نہیں کیا جاسکتا تھا، چنانچہ ہمارے باہمت اور حوصلہ مند وزیر اعظم اور پرنس حمزہ شہباز نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے شیڈول کے مطابق کرکٹ میچ کو مقررہ

تاریخ اور وقت میں منعقد کیا، خود بھی کھیلے ، کھلاڑیوں کو بھی کھلایا، اور بالآخر نواز الیون ''ورلڈ کپ'' جیتنے میں کامیاب ہو گئی ۔ایک طرف ملک و قوم کے ساتھ حکمرانی کی چوٹیوں پر فائز حضرات کا یہ مذاق دیکھیں ،دوسری طرف وزیر اعلی سندھ کی مغرب تک ریسکیو کے حوالے سے نااہلی ملاحظہ ہو، کہ وہ فرمارہے تھے کہ ہمیں تو کولڈ سٹوریج میں پھنسے لوگوں کا پتہ ہی نہیں تھا، اب جا کر پتہ چلا، فرمانے لگے ،کہ ہم یہاں اب جو آئے ہیں ''مدد کرنے آئے ہیں کوئی مذاق کرنے تو نہیں آئے'' ، حالانکہ ان کی تاخیر اور مذکورہ باتیں تومذاق ہی کے زمرے میں آتی ہیں ، قول و فعل میں تضاد کے اس عالم پر کیا کہا جائے ۔

مزید برآں 10 جون کو اسی ایئر پورٹ پر دوبارہ حملہ ہوتا ہے ،اور دہشت گردوں کی طرف سے یہ اعلانات بھی سامنے ہیں کہ یہ ابتداء ہے ،ایسے میں اگر سیکورٹی فورسز کی بروقت کاروائی نہ ہوتی ، تو ایک دوسری قیامت کا کیسا نیا عالم ہوتا۔

نیز پچھلے چھ سات ماہ سے ایئر پورٹ سیکورٹی چیف کو برخاست کیا گیا، دوسرا لگایا گیا ، پسند نہ آیا تو صرف تین دن میں اسے بھی سبکدوش کیا گیا، اس کے بعد یہ خانہ تاحال خالی ہے جبکہ انٹیلی جینس اداروں نے بہت پہلے خبر دار کیا ہوا ہے ،کہ حساس مقامات اور ، تنصیبات پر حملوں کے خدشات ہیں ،کیااس

لاپرواہی پر سپریم کورٹ کا سوموٹوایکشن لیناضروری معلوم نہیں ہوتا۔

حقیقت یہ ہے کہ ملک میں لیڈرشپ اور قیادت کا بحران ہے ،ملک کا کوئی نظریاتی اساس نہیں ہے ، کوئی وژن نہیں ہے ، ملک.برائے ملک،ادارہ.برائے ادارہ ،یافرد .برائے فرد ، تو کوئی معنی نہیں رکھتا،ان سب کے پشت پر روح کے طورپر اس کی نظریاتی اساس ہوتی ہے،جواندر کے حوصلوں اور عزموں کو جِلا بخشتی ہے ،مجھے تعجب ہے کہ ہمارا دشمن لوگوں کو ترغیب دے کر خودکش بمبار بنا سکتے ہیں ،اور زہر پلا سکتے ہیں،جس میں ان کے اجسام وابدان کے پرخچے اڑجاتے ہیں اور وہ یکدم اس دنیا سے راہیٔ ملک عدم ہوجاتے ہیں ،توپھر ہماری لیڈرشپ ، وزراء ، ایجنسیز اور مقتدر ادارے ایسی حکمت عملی اورپالیسی کیوں نہیں بنا سکتے ،کہ جس سے وہ ترغیب وترھیب سے لوگوں کو ہلاکت کے راستوں سے بچائیں ،انہیں روح افزا پلا سکیں، امن وسلامتی کی راہوں پر گامزن کر سکیں آخر وجہ کیا ہے ،یاوہ خودکش بمبار بنانے والے ہم سے زیادہ پڑھے لکھے اور تجربہ کار ہیں۔

انفرادی واجتماعی اور ادارہ جاتی طورپر سب کو سوچنے کی ضرورت ہے۔

اسلام میں احترامِ اموات

الہامی وغیر الہامی تمام مذاہب وادیان انسانیت کو مہذب بنانے کے لئے ہیں، اس حوالے سے میرا وسیع مطالعہ کم سے کم، میرے لئے اس بات پر شاہد عدل ہے کہ مذہب بنی نوع بشری کو احترام آدمیت کا ہی درس دیتا ہے، ہمارے ایمان اور دانست کے مطابق اسلام چونکہ خاتمۃ الادیان والمذاہب ہے، اس واسطے اسلام نے روز اول ہی سے یہی سبق پڑھایا ہے،اور احترام آدمیت، انسانی حقوق، اکرام صنف نازک، ، یتیموں سے حسن سلوک، قیدیوں سے اچھا برتاؤ، حالت جنگ وامن میں پوری انسانیت کی بلا تفریقِ رنگ، نسل، عقیدہ، مذہب بنیادی حقوق، واجبات، فرائض اور ذمہ داریوں کو اپنے ماننے والوں پر کلیات کی شکل میں لاگو کیا ہے، جزئیات کا تعین زمان ومکان اور حیثیات وکیفیات کے اعتبار سے اہل اسلام کے ذمہ داروں پر چھوڑا ہے۔

ڈیڈ باڈیز یا نعشوں اور لاشوں کے بارے میں مختلف مذاہب نے متعدد طریقوں سے احترام کی ہدایات دی ہیں، لیکن ان سب میں احترام اور ریسپیکٹ کا اعلی سے اعلی، بہتر سے بہتر، طبعی اور الہامی طریقہ وہ ہے جو اسلام نے اختیار کیا ہے، جس میں انسانی اموات کی ڈیڈ باڈیز کو بڑے احترام سے زمین میں دفنانے کا حکم دیا گیا ہے، قرآن کریم نے دلالۃ النص کے طور پر یہی بتایا، کہ " ثم اماتہ

فاقبرہ" (سورۂ عبس 21) ترجمہ : اللہ تعالی نے پھر اس سے موت دی، پس اس کو قبر میں دفنادیا۔

مختلف معاشروں میں جلانے، صحرا میں رکھنے، یا دریا بُرد کرنے کے جو طریقے ہیں، وہ اس لئے بھی قرینِ قیاس نہیں ہیں، کہ خالق کائنات نے بنی نوع بشری میں سب سے پہلی میت کو دفنانے کا جو قصہ قرآن کریم میں ایک کوّے کے دوسرے مردے کوّے کو دفنانے کے طریقے کے ذریعے بتلایا، وہ زمین میں تدفین کا ہی ہے، یہ واقعہ تمثیلی زبان میں آدم کے دو بیٹوں کے دو مختلف کرداروں کی صورت میں اب موجودہ انسانی علم ومعرفت اور تہذیب وتمدن کا ایک حصہ ہے۔

ان کی کہانی یہ ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام کے دو صاحبزادوں میں سے ایک نے اس دوسرے کو جس کی قربانی قبول ہوئی تھی، محض حسد کی بنیاد پر قتل کردیا تھا، پھر جلد ہی اپنے کئے پر وہ نادم ہوا تھا، کیونکہ وہ اس کی لاش کندھے پر اٹھائے پھرتا تھا، اس کو دفنانے کا طریقہ نہیں آرہا تھا، پس انہیں ایک نظارہ دیکھایا گیا، کہ ایک کوّے نے دوسرے مردے کوّے کی نعش کو زمین میں قبر کھود کرکیسے دفنادیا، اس منظر کو دیکھنے سے اس کو بھی یہ ترکیب سمجھ میں آگئی، چنانچہ اس نے اپنے بھائی کی نعش کو زمین میں اسی طرح دفن کردیا۔ روایاتِ تفسیر سے ان دونوں کے نام قابیل (قاتل) اور ہابیل مقتول) معلوم ہوئے ہیں)

۔(تفصیل کے لئے سورۂ مائدہ،27-31)۔
حدیث پاک ”لاتسبوا الاَموات، فانہم قد افضوا الیٰ ما قدّموا“ سے یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ جناب محمد رسول اللہ ﷺ نے مردوں کو سب وشتم کرنے، لعن طعن اور برا، سلوک کرنے سے مسلمانوں کو منع فرمایا ہے، کیونکہ یہ لوگ اپنے رب کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں، (صحیح بخاری،6516،بروایت حضرت عائشہ صدیقہؓ)،یاد رہے،اس حدیث کا تعلق توہینِ معنوی سے ہے۔
نہیٰ رسول اللہ عن المثلۃ“، (صحاح ستہ)۔گویا آپ ﷺ نے نعش کو مسخ کرنے سے” منع فرمایا۔ جیسا کہ ظاہر ہے،اس حدیث کا تعلق توہینِ بدنی وجسمانی سے ہے۔ سنگسار کرنے کے مسئلہ کا اس سے کوئی تعلق نہیں،نہ ہی وہ مثلے کے حکم میں آتا ہے،ہاں دشمن کو آگ میں جلانا اسلام میں ممنوع ہے، (سنن ابی داؤد،کتاب الجہاد،باب فی کراھیۃ حرق العدو بالنار)۔نیز اسلام میں بلاجواز یا پھر زائد از ضرورت سفکِ دماء یعنی خون کی ندیاں بہانا بھی جائز نہیں، کہ یہ تخلیقِ انسانیت کے بنیادی مقاصد تسبیح، تحمید اور تہلیل کے منافی ہیں، (سورۂ بقرہ،30)۔
لاشوں کی وہ بے حرمتی جو حالیہ جنگوں میں سوویت یونین کے دور میں، یا

بوسنیا میں،اسی طرح امریکن فورسز کی طالبان کی لاشوں پر دن دیہاڑے پیشاب کرنے اور لاتیں مارنے سے متعلق ہیں،ان کی کوئی معقول توجیہ نہیں کی جاسکتی،نہ ہی کوئی مذہب ، قانون یا تہذیب اس کی اجازت دے سکتی ہے۔ بلکہ دشمن کی لاشوں کو بھی باعزت طریقے سے دفنانا لازمی ہے،غزوہ بدر کی مثال اس باب میں پوری انسانیت کے لئے مشعلِ راہ ہے۔

ابوالرجال اور عمرہ بنت عبدالرحمٰن نے آپ ﷺ سے یہ روایت کی ہے" لعن رسول اللہ ﷺ المختفی والمختفیۃ، (یعنی نباش القبور)"، کہ حضور ﷺ نے قبروں کو (بدنیتی اور بے حرمتی کے طور پر) اکھاڑنے والے مردوں اور عورتوں پر لعنت بھیجی ہے ،
التمہید لما فی الموطأ من المعانی والأسانید (موطأامام مالک)،ص: 139-138)۔آپ) ﷺ نے فرمایا: "لأن یجلس احدکم الی جمرۃ فتحرق ثیابہ، فتخلص الی جلدہ، خیر من ان یجلس علیٰ قبرہ"، (مسلم) ۔یعنی آپ میں سے کوئی آگ کے انگارے پر بیٹھ
جائے،جس سے اس کے کپڑے جل جائے، پھر اس کی کھال بھی جل جائے، یہ اس سے بہتر ہے کہ وہ میت کی قبر پر بیٹھ جائے۔آپ ﷺ نے ادباً واحتراماً قبور پر بیٹھنے سے سختی سے منع کیا،ارشاد فرمایا: "لا تجلسوا علیٰ القبور"، قبروں پر نہ بیٹھا کریں، (مسلم)
۔قبروں پر مساجد یا قبے شبے بنانے میں بھی چونکہ اکھاڑ پچھاڑ اور قبور کو روندنے کا عمل ہوتا ہے،اس لئے اسلام نے ان کو بھی ممنوع قرار دیا ہے۔

قرآن وسنت کی نصوص کے پیشِ نظر اسلامی فقہ میں ڈیڈ باڈی کے پوسٹ مارٹم کے متعلق بھی اسی احترام وتکریم کے پیشِ نظر دو آراء پیش کی گئی ہیں : اگر توہینِ میت کا خطرہ ہو یا خدانہ خواستہ یہی مقصود ہو، تو جائز نہیں، اگر ماہرین کی آراء کے مطابق طبّی تعلیم کے لئے ہو، یا وجہِ موت معلوم کرنی ہو ،اہانت کا پہلو نہ ہو، تو جائز ہے۔ کیونکہ ’’ ولقد کرّمنا بنی آدم..‘‘ (سورۂ بنی اسرائیل 70)،یعنی بلا ریب ہم نے بنی آدم کو محترم ومکرم ٹھہرایا ہے، نیز آپ ﷺ کا ارشاد ہے، ’’کسر عظم المیت ککسرہ حیا‘‘، (مسلم) ۔یعنی میت کی ہڈیوں کی توڑ تاڑ اسی طرح ممنوع ہے، جیسے زندہ انسان کی،اس فرمانِ الٰہی اور مذکورہ ارشادِ نبو ﷺ کا تقاضا یہ ہے کہ زندہ ومردہ ہر حال میں احترامِ آدمیت کو ملحوظ رکھا جائے، (احکام الغسل والتکفین والجنائز، شیخ خالد المصلح)۔

اسلام میں میت کے حقوق یہ ہیں: میت کو غسل دینا، تکفین کرنا، نمازِ جنازہ میں شرکت کرنا،ایک معزز مہمان کو رخصت کرنے کی طرح لاش کے ساتھ احتراماً جنازہ گاہ اور قبرستان جانا، قبر کی تیاری میں کام کرنا، لاش کی نہایت ادب واعزاز کے ساتھ تدفین کرنا،اس کے لئے دعائیں کرنا،ایصالِ ثواب کرنا، وقتاً فوقتاً زیارت قبور کے لئے جانا، میت کی قبر اور اس کے اعضاء کا احترام کرنا۔لاش اور میت کے یہ دس حقوق قرآن وسنت سے بڑی تفصیل کے ساتھ ثابت ہیں ،ہم نے یہاں اختصار کے ساتھ بیان کیا، تفصیل کے لئے احکامِ میت، کتاب

الجنائز، حقوقِ میت اور فتاویٰ القبور کو دیکھا جاسکتا ہے۔
بین الاقوامی قانون انسانیت میں بھی احترامِ اموات کو یوں اجاگر کیا گیا ہے، ”ان قانونی قواعد کا مجموعہ جو مسلح تصادم کے متاثرین کے حقوق متعین کرتا ہے اور جنگی طاقت کے وسائل کے استعمال اور اس کے اثرات کو صرف فوجی ہدف تک محدود رکھنے کے لئے مقاتلین پر قیود عائد کرتا ہے۔“ مسلح تصادم کے متاثرین میں بالعموم بری، بحری یا فضائی معرکوں میں قتل، زخمی یا ڈوب جانے والے افراد (اوران کی ڈیڈ باڈیز) ، نیز مریض اور قیدی کے علاوہ وہ لوگ شامل ہوتے ہیں جو مقبوضہ علاقوں میں محبوس ہوں یا وہاں وہ قانوناً تحفظ کے مستحق ہوں“ (بین الاقوامی قانون انسانیت، از ڈاکٹر زمالی، ص: 158)۔ حسنِ اتفاق سے اسلام اس قانون کی بنیادیں صدیوں پہلے ہی فراہم کرچکا ہے، اہلِ اسلام چونکہ اس کو اپنی مذہبی اقدار کا تسلسل سمجھتے ہیں، اس لئے وہ اس سے مکمل اتفاق کرتے ہیں۔
اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے مسلمانوں کو تعلیم دی کہ جنگ میں مخالفین کا قتل جنگی ضرورت کی وجہ سے جائز ہوجاتا ہے لیکن ان پر لازم ہے کہ وہ قتل کرتے وقت مخالف کو کم سے کم اذیت دیں، بالکل اسی طرح جیسے ذبح کرتے وقت ذبیحے کو کم سے کم اذیت دینی چاہئے: ”اللہ تعالیٰ نے ہر کام میں احسان (خوبصورتی سے انجام

دہی) کو لازم کیا ہے، پس جب تم قتل کرو، تو بہترین طریقے سے قتل کرو، اور جب تم ذبح کرو تو بہترین طریقے سے ذبح کرو، اور تم اپنی چھری تیز کرو، تاکہ اپنے ذبیحے کو راحت دو۔" (سنن الترمذی، کتاب الدیات، باب ماجاء فی النہی عن المثلۃ، صحیح مسلم کتاب الصید والذبائح، باب الامر باحسان الذبح والقتل وتحدید الشفرۃ)۔ ایک اور، روایت میں یہ حقیقت ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے: "لوگوں میں سب سے اچھے طریقے سے قتل کرنے والے اہل ایمان ہیں۔" (سنن ابی داؤد، کتاب الجھاد، باب فی النہی عن المثلۃ)۔ 1949ء کے جنیوا معاہدات نے مقتولین اور غرق ہونے والے لوگوں کی لاشوں کا احترام لازم کیا ہے، نیز لاشوں یا ان کے اعضاء کی بے حرمتی کو ناجائز ٹھہرایا ہے۔ اسی طرح ان معاہدات کی رو سے ریاستوں کی ذمہ داری ہے، کہ مقتولین کی شناخت اور ان کی تدفین کے متعلق تفصیلات متعین کرنے کے بعد متعلقہ ریاستوں تک اس کی معلومات پہنچائیں۔

جاہلیت کے زمانے میں لاشوں کا مثلہ اور مقتولین پر دل کی بھڑاس نکالنا ایک عام عمل تھا، تاہم غزوۂ بدر کے موقع پر رسول کریم ﷺ نے مقتولین کی لاشوں کے احترام کے متعلق اسلامی اخلاق کا نمونہ بہترین دکھایا اور مشرکین کے مقتولین کی لاشوں کی تدفین کا حکم دیا، اس کے بعد اسلامی شریعت کے احکام کے موافق جنگ کے دوران میں وقفہ دینے کا رواج بھی قائم ہوگیا، تاکہ دونوں فریق اپنے

مقتولین اور زخمیوں کو میدان جنگ سے دور لے جاسکیں، مسلمانوں کے مقتولین شہداء کو غسل اور کفن کے بغیر ہی دفنایا جاتا تھا اور جن کپڑوں میں وہ شہید ہو جاتے تھے، انھی سے ان کو ڈھانپ لینے کو کافی سمجھا جاتا تھا۔ اس ضمن میں قابل ذکر واقعہ یہ ہے کہ عقبہ بن عامر الجہنی رضی اللہ عنہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس مشرکین کے مقتولین میں سے ایک شخص کا سر لے آئے۔ اس پر حضرت ابوبکر صدیق ناراض ہوئے اور انھوں نے اپنے کمانڈروں کو لکھا: ''میرے پاس کوئی سر نہ لایا جائے ورنہ یہ حد سے تجاوز ہوگا، یعنی دل کی بھڑاس نکالنے میں۔ میرے لئے اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت کافی ہے۔''

اس انوکھے واقعے پر تبصرہ کرتے ہوئے محمد بن حسن الشیبانی فرماتے ہیں: ''یہ مثلے کی ایک قسم ہے، کیونکہ سر لاش کا حصہ ہے، جسے دفن کرنا واجب ہے، نہ کہ اسے لوگوں کو دکھایا جائے، ... پس اللہ تعالی کا تقوی ہمیں ایسے کام سے دور رکھے گا، جو دشمن کے ساتھ معاملہ بالمثل کے بجائے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے ہو (السیر الکبیر، ص: 277)۔

نوٹ: یہ مضمون بروزِ جمعہ 6 جون 2014 کو صبح 9 بجے icrc کی طرف سے ''احترامِ اموات'' کے موضوع پر منعقدہ انٹرنیشنل کانفرنس، رمادہ پلازا میں پڑھا گیا۔

داعش

الدولۃ الاسلامیہ فی العراق والشام کو مُخفّف بناکر ''داعش'' بولا جاتا ہے، یہ القاعدہ اور حزب التحریر دونوں کی فکرِ جہاد وسیاست کی حامل تنظیم ہے۔ اس کے حالیہ امیر یا امیر المؤمنین ابوبکر البغدادی ہے۔ داعش 2004 میں ابومصعب الزرقاوی کی قائم کردہ تنظیم ''جماعۃ التوحید والجہاد'' کا تسلسل ہے۔ زرقاوی نے اپنی جماعت کی شوری سے گفت و شنید کے بعد القاعدہ کے امیر شیخ اسامہ بن لادن کے ہاتھ پر بیعت کی تھی، اور اپنی پوری جماعت کا ایک شاخ کے طور پر القاعدہ سے الحاق کردیا تھا۔ زرقاوی نے اس دوران عراق میں برٹش اینڈ امریکن فورسز کو ناکوں چنے چبھوا دیئے تھے، وہ آسمانی بجلی کی کڑک ''صاعقہ'' کی طرح نمودار ہوتا، حملہ کرتا اور غائب ہوجاتا۔ اپنی جرات، شجاعت اور گوریلا جنگ کی نہایت کامیاب تکنیک پر وہ عراقی اور باہر سے آئے ہوئے حملہ آور فورسز کیلئے تاحیات دردِ سر بنے ہوئے تھے۔ ان کی زندگی میں اسامہ بن لادن کے بعد کسی القاعدہ کمانڈر کا نام اگر سب سے زیادہ میڈیا میں زیرِ گردش رہا، تو وہ ابومصعب الزرقاوی ہی تھے۔ ان کی جماعۃ التوحید والجہاد کی ''مجلس شوری المجاھدین'' بطور ہائی کمان کام کرتی تھی، جس کے سربراہ عبداللہ رشید البغدادی ہوا کرتے تھے، یہ مجلس شوری خود زرقاوی

ہی نے 2006 میں قائم کی تھی ، عراق کا فلوجہ شہران کا مرکز تھااور پورے عراق میں
ان کی تباہ کن کارروائیوں کا ایک ایسا طوفان آتا تھاکہ فورسز ان کے سامنے خس
وخاشاک کی طرح بہہ جاتیں ، 2006 کے اواخر میں زرقاوی کی شہادت کے بعد
ابوحمزہ المہاجر امیر منتخب ہوئے ، جنہوں نے کچھ ہی دنوں بعد تنظیم کا نام ''دولۃ العراق
الاسلامیۃ'' رکھ دیا، جس کے نئے امیر ابو عمر البغدادی کو شوری نے منتخب کیا، 19 جون
2010 کو ابو عمر البغدادی اور ابوحمزہ المہاجر ایک ہی ساتھ مارے گئے،اس کے
دو ہفتے بعد تنظیم نے اپنے قائدین کی ہلاکت کا اعلان کرکے نئے امیر ابوبکر البغدادی کو
منتخب کیا، جو تا حال امیر ہے، جبکہ سلیمان الناصرلدین اللہ کو وزارت جہاد سونپی گئی ،
2006 سے تک یہ تنظیم عراق میں علاقائی اور بیرونی فورسز کے ساتھ بڑی شدت سے
برسرپیکار رہی ، دھماکے ، خودکش حملے اور دیگر حربی عملیات ان کا وطیرہ رہا، اہل تشیع
اور ایرانیوں کے پاسدارانِ انقلاب چونکہ عراق میں عمل دخل زیادہ رکھنے لگے تھے
اس لئے ان کو بھی جابجا اور گاہ بگاہ اپنا ہدف وٹارگٹ بنایا ، نیز اس کی ایک بڑی وجہ،
عراق کے کٹھ پتلی وزیر اعظم نوری مالکی کے احمقانہ انداز میں فرقہ پرستانہ اقدامات اور
نجف وکربلا سے ان کی ان حرکتوں کی بھی تائید تھی۔

بہرحال 2011 میں تیونس ، مصر ،لیبیا اور یمن کے بعد عرب بہار کی تازہ دم ہوائیں
شام میں چلنے لگیں ، یہاں کے نُصیری صدر، بشار الاسد نے سیاسی تدبر

کا مظاہرہ نہ کیا، بلکہ ان انقلابیوں سے توپ و تفنگ کی زبان میں بات کی ، انہیں قتل کیا، جیلوں میں ڈالا، اذیتیں دیں ، خواتین کے ساتھ ہر قسم کی زیادتیاں کیں اور ظلم وبربریت کی وہ تاریخ رقم کرنے لگا، جس کے سامنے حسن بن صباح ، ہٹلر اور رمسولینی کی روحیں بھی دم بخود رہ گئیں ، اسی لئے اس عراقی تنظیم نے اپنی شاخ ''جبهة النصرة'' کے نام سے شامی عوام کی مدد و نصرت کے لئے شام میں قائم کی ، اس تنظیم کے میدان میں آتے ہی شام کی سرزمین پر جنگ کا پانسہ پلٹنے لگا، جبهة النصرة ، کے قائد ابو محمد الجولانی گوریلا جنگوں اور حملوں کیلئے کے لئے عراق میں بڑی شہرت رکھتے تھے ، 9 اپریل 2013 میں جبهة النصرة کے ساتھ ایک معاہدے کو تشکیل دیا گیا، جس کے رو سے دولة العراق الاسلامية کو ''الدولة الاسلامیہ فی العراق والشام (داعش) '' کے نام سے موسوم کیا گیا ، بعد میں جبهة النصرة کے کچھ شامی ارکان نے اس فیصلے کو مسترد کیا اور اپنی مستقل حیثیت میں رہنے کو ترجیح دی ، لیکن وہ اتنے مؤثر نہیں تھے ، بشارالاسد کی فورسز اور شامی انقلابی فورسز (الجیش الحر) دونوں ہی داعش سے اس لئے نالاں ہوئے کہ وہ یہاں جغرافیا تبدیل کرکے منطقے میں ایک نیا رنگ بھرنے والے تھے ، چنانچہ داعش بیک وقت سب سے لڑنے لگی ، تعجب کی بات یہ ہے کہ اس تنظیم کی پشت پر دنیا کی کوئی حکومت نہیں ہے ، یہ افغان مجاہدین کی طرح زیادہ تر دشمن سے اسلحہ وسامان چھین چھین کر اسی دشمن سے لڑتے ہیں ، یہی شام میں ہوا اور یہی عراق میں ہو رہا ہے ، ان کے پاس عراق وشام

دونوں ملکوں کے درمیان کے علاقے ہیں، دونوں جگہ ان کے پاس چھوٹے ہتھیاروں سے لے کر بکتر بند گاڑیاں، ٹینک، میزائیل اور فائٹر طیارے ہیں، شام میں ان کے پاس رقہ، حلب، لاذقیہ، دیر الزور، حماۃ، حسکہ اور دمشق کے کچھ علاقے ہیں، عراق میں اس وقت نینوی، موصل، تکریت، سامراء انبار اور صلاح الدین نامی صوبوں کے علاوہ جگہ جگہ اہم مراکز پر یہ تنظیم قابض ہو چکی ہے اور وہاں زیر اثر صوبوں وعلاقوں میں اپنا نظام نافذ کر چکی ہے، اُدھر مغربِ عربی (مراکش، تیونس، لیبیا، الجزائر، مالی اور بعض کے بقول مصر و سوڈان) میں داعش جیسی ایک نئی تنظیم (الدولۃ الاسلامیۃ فی المغرب الاسلامی یا فی مصر و سودان "دامس") ظہور پذیر ہو رہی ہے، جبکہ عراق میں سوات" نامی ایک لڑاکا گروپ بھی موجود ہے۔"

حقیقت تو یہ ہے، کہ عراق وشام میں موجودہ صورتِ حال کے ذمہ دار بشارالاَسد اور نوری مالکی ہیں، جنہوں نے ہمیشہ آمریت، ڈکٹیٹرشپ اور تنگ نظری کا سہارا لیکر حکومتیں چلانے کی ناکام کوششیں کیں، مخالفین کا قلع قمع کیا، شخصی اوامر نافذ کئے، دیو مالائی بننے کی پرخطر اور پر پیچ راہوں کے راہی ہوئے، دونوں نے اپنے اپنے یہاں حزب اختلاف کو دبانے کیلئے داعش کو شہ دی، چنانچہ اب اپنے ہی دام میں یہ دونوں صیاد آ گئے۔

نوری مالکی اور بشار کو لبنان ،شام اور عراق کے جن معتدل اہل تشیع بزرگوں نے بھی سمجھانے کی مساعی کیں ، ان دونوں نے ان کا مذاق بیانگ دھل اڑایا، مسخرہ کیا اور تحمیق کی ،اب نتائج ان کے سامنے ہیں ، جن کیلئے اب یہ دونوں ہی روس، ایران ،ترکی امریکہ، نیٹو اور سلامتی کونسل سے مدد کی اپیلیں کر رہے ہیں ،نوری مالکی نے تو مارشلاء، اور ایمرجنسی نافذ کرنے کا بھی کہا، حالانکہ خود مالکی طرز حکومت کے سامنے کسی مارشلاء یا ایمرجنسی کی کوئی ضروت نہیں ہے ، خلیج کے تمام ممالک میں بادشاہتیں ہیں ، اسپین ،برطانیا اور ملائشیا جیسے ترقی یافتہ ملکوں میں بھی شاہ ہوتے ہیں ، لیکن ان تمام میں ، مجالس شوری ہیں ،بشار ، قذافی ، نوری مالکی بزعم خویش ملا نصیرالدین کی طرح بلا کسی مشاورت کے خواب وخیال میں بادشاہ بنے ہوئے ہیں ، خود بھی ڈوب رہے ہیں اور اپنی اپنی قوموں کو بھی غرق کر رہے ہیں، بھلا اس سٹرانگ میڈیائی دور میں اب ایسا کہاں، کیوں اور کیسے ممکن ہے ؟ لہذا پاکستان میں بادشاہ بننے والوں ! اور افغانستان میں امریکن فورسز کے کاندھوں پر سوار حکمرانوں وسیاستدانوں، ! اَلحذر ،اَلحذر۔

''الانسان''

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے ریجنل دعوہ سینٹر اور آئی سی آر سی کے اشتراک سے 16 جون کو کراچی میں ایک روزہ سیمینار ''بین الاقوامی انسانی قانون'' کے حوالے سے منعقد تھا، پروفیسر ڈاکٹر منیر، پروفیسر مشتاق، ڈاکٹر ضیاء اللہ رحمانی اور آئی سی آر سی کے منتظم حضرت بلال نے سندھ بھر سے مدعو علماء وفضلاء کے سامنے انتہائی پر مغز انداز میں موضوع پر مقالات، تقاریر اور ویڈیوز کے ذریعے سے روشنی ڈالی، اختتامی کلمات راقم الحروف کے حصے میں تھے۔ حمد وصلاۃ اور تشکر وامتنان کے بعد یہ معروضات پیش کی گئیں:

بین الاقوامی قوانین کے کئی ابواب ہیں، ان ہی ابواب میں سے دو باب صرف ''الانسان'' یعنی بنی نوع بشری کے متعلق ہیں، ایک حقوق انسانی کا قانونِ بین الاقوام ہے، جو اپنی مندرجات کے اعتبار سے عموم کو شامل ہے، دوسرا جنگوں اور نزاعات میں انسانی جانوں کے متعلق ہے، آئی سی آر سی صرف اس آخری باب کی ترتیب وترویج، نشرواشاعت، دعوت وتبلیغ اور تنفیذ کے لئے ڈیڑھ سو سال سے کوشاں ہے، اس کے پاس اپنی کوئی قوتِ نافذہ نہیں ہے، یہ صرف اپنی سفارشات اور اخلاقیات کے توسط سے اس میں اپنا کردار ادا کرتی ہے، بہت سے مواقع پر اس

کے رفقائے کار کو اس میدان میں کامیابی مل جاتی ہے ، اور کئی مقامات پر قوت واقتدار کے نشے میں دھت ممالک اور حکمراں جنگوں میں بہت بری طرح انسانی قوانین کو پامال کرتے نظر آتے ہیں ، جیسے افغان امریکہ جنگ میں امریکی حکمرانوں کی ہٹ دھرمی ، بوسنیا صربیا نزاع میں صرب حکام کا وحشی پن ، شام و عراق میں جانبین کی بربریت۔ ایسے میں اس جیسی تنظیمیں انسانیت کیلئے اپنی آواز ہی بلند کرسکتی ہیں جنیوا کنونشن اور ان کے بعد کے اقوام متحدہ کے قوانین و مواثیق یاد دلاتی رہتی ہیں ۔

لیکن جنگ بہر حال جنگ ہوتی ہے ، اس میں دونوں فریقین جائز حدود پار کرتی ہیں درندگی کا مظاہرہ ہو ہی جاتا ہے ،انسانیت کی تباہی کے ایسے ایسے مناظر مشاہدے میں ، آجاتے ہیں، کہ جن کے تصور سے روحیں کانپنے لگتی ہیں،اور بدن پر رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں،اس کی بنیادی وجوہات میں سے یہ ہیں کہ غضب کے وقت انسان اپنی اصلیت بھول جاتا ہے ، انسانیت جو بذاتِ خود ایک شرف اور اعزاز ہے ، وہ دماغوں سے اوجھل ہوجاتی ہے، یہ انسانیت جب بھی اپنی دونوں صفتوں ماہیت اور مادیت میں سے کسی ایک طرف جھکتی ہے ، تو اسکے افعال ، اقوال اور کردار میں توازن کھو جاتا ہے ، ماہیت کے غلبے کی صورت میں وہ اپنا ذاتی جسمانی نقصان کر بیٹھتا ہے اور مادیت کے غلبے کی صورت میں وہ بہیمیت یا اس سے بھی نیچے چلا جاتا ہے ، جسکی تعبیر قرآن کریم نے یوں کی ہے ، : (اِن ھم الا کالانعام

بل ھم اضل سبیلا) (سورۃ فرقان،آیت 44) ، یہ صرف پیغمبر اور اھل اللہ ہی ہوتے ہیں ، کہ وہ ہر حال میں اس توازن کو برقرار رکھتے ہیں ، دیگر انساں کوئی بھی ہو، وہ یہ موازنہ نہیں کر سکتے ۔ اس لئے آپ دیکھ رہے ہیں ، کہ ملک میں لسانی، فرقہ وارانہ یاجماعتی فسادات میں انسانیت کی کس کس طرح توہین ہوتی ہیں، نیز اسلامی جمہوریہ پاکستان کی افواج نے جب سوات میں آپریشن کیا، یا اب وزیرستان میں کر رہی ہیں ، وہاں بے گناہ بھی مارے جاتے ہیں ، املاک کا بھی نقصان ہوجاتاہے ، غیر جنگجو بھی زد میں آجاتے ہیں ، اوردوسری طرف پاکستانی طالبان نے بھی جتنے حملے اس ملک میں کئے وہ بھی قرآنی اصطلاح سے متصادم ہوجاتے ہیں ، قرآن کریم میں لفظ ’’جہاد وقتال‘‘ ، جہاں بھی استعمال ہوا ،اس سے مراد، جانبین سے مشارکہ واشتراک فی القتال کا مفہوم ہے ، قتال وجہاد دونوں ’’بابِ مفاعلہ‘‘ کے مصادر ہیں ، جن کا مطلب ہے ، جو تم سے لڑے ان سے لڑو ، لہٰذا ان الفاظ کے صرف ظاہر پر اگر غور کیا جائے ، تو مطلب صاف واضح ہے ، کہ لڑنا اس سے ہے ، جو لڑاکو آپ کے ساتھ لڑائی پر تُلا ہو، جو جنگجو آپ کے مقابلے میں ہو، اگر کوئی لڑنہیں سکتا، یا لڑنا اور جنگ کرنا نہیں چاہتا، یا آپ سے نہیں لڑتا، تو ان سے قتال وجہاد نہیں ہے ، جیسے بوڑھے ، خواتین ، بچے ،مزدور ، مویشی ،املاک طبّی عملہ وغیرہ ، چنانچہ اسی لفظ’’ قتال‘‘ یعنی مشارکت فی القتال کو بنیاد بناکر بین الاقوامی انسانی قانون مرتب کیاگیا، غزوات نبی ﷺ اور حضرات صحابہ کرامؓ کی جنگیں تواس پر شاہد عدل ہیں ۔

اس تناظر میں ہم اپنی افواج اور طالبان جو قرآن وسنت کی دعوت کے علمبرداری کا زعم رکھتے ہیں، سے گزارش کرینگے، کہ وہ اپنے اپنے اہداف کو ہی نشانہ بنائیں، انتقامی انداز نہ اپنائیں،تاکہ کل کو وہ جنگی جرائم کے مرتکب نہ ٹھہریں، ہاں اس میں کسی بھی باقاعدہ فوج کی ذمہ داری زیادہ ہے۔ یہاں ہمارا مطالبہ اس سے ہٹ کر ہے، کہ اس وقت کون حق پر ہے، اور کون باطل پر، کیونکہ یہ سب ہی جانتے ہیں، کہ کسی اسلامی ملک میں فساد برپا کرنا بذات خود ایک جرم ہے، اور لڑائی پر اتر آنا اس سے بھی بڑا جرم ہے، ہم تو صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ اگر جنگ ہی ناگزیر ہے، تو جو جس سے جنگ کر رہا ہے مقابلے میں اسی سے جنگ ہو، قرآن کریم نے فرمایا ہے: " (وقاتلوا فی سبیل اللہ، الذین یقاتلونکم، ولاتعتدوا....) (سورۂ بقرہ۔آیت 190)، اللہ کی راہ میں انہیں سے لڑو، جو تم سے لڑتے ہیں، اور حد سے تجاوز نہ کرو۔

اسلام نے یہ اصول کیوں وضع کئے، تاکہ جنگ میں بھی انسانیت کا احترام ملحوظ رہے، اب اگر کوئی آدمی فطرت کے اصول، قوانین اور بین الاقوامی منظور شدہ دساتیر کا لحاظ نہیں کرسکتا، یا نہیں کرتا، تو وہ انسانی معاشرے میں ایک ظاہری شکل وصورت کا انسان تو ہے، لیکن وہ "الانسان" یعنی انسانِ کامل کہلانے کا مستحق ہرگز نہیں ہے۔

مینڈ کا جھگڑا مینڈ پر طے نہیں ہوتا

پچھلے دنوں ملک بھر میں پے در پے کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے، کہ اچھے خاصے تجزیہ کار اور سمجھ دار لوگ بھی ان کی کوئی توجیہ کرنے پر قادر نہ ہونے کی وجہ سے انگشت بدنداں تھے، بالخصوص سانحۂ ماڈل ٹاؤن، کہ دونوں فریق پھاٹک کا جھگڑا پھاٹک ہی پر حل کرنے کے لئے تُل گئے۔ایک طرف ملکی افواج میدانِ کارزار میں، دوسری طرف حکومتِ وقت نا عاقبت اندیشانہ حرکتوں میں، تیسری طرف ''شیخ الاسلام'' کی بے جا آن لائن پریس کانفرنسز اور شعلہ بداماں بیانات وخطابات۔ کسی کو ملک کی بد نامی کی پرواہ، نہ قیمتی جانوں کے ضیاع پر خوفِ خدا، شیخ الاسلام کو تو چھوڑ یئے، شہباز شریف ایک زیرک اور معاملہ فہم سیاستداں سمجھے جاتے ہیں، تعجب ہے پھر بھی اس قدر خون خرابہ، کیا یہ بیریئر کو اسی رات ہٹانا اتنا ضروری تھا، کہ کشتوں کے پشتے لگ جائیں، تب بھی تاخیر ممکن نہیں تھی، نہیں، یہ بات نہیں، بات ہے سوچ سمجھ کی، عقلانیت اور تدبر کی، عواقب پر نظر اور دور اندیشی کی، قارئین کے سامنے ذیل کی مثال سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائیگی۔

''دوکسانوں کے کھیت ملے ہوئے تھے ،ان کے درمیان ایک مینڈ کا جھگڑا ہوگیا، ہرایک کہتا تھا کہ مینڈ ،یامنڈیر، کنارہ اور پشتہ میری ملکیت ہے، دونوں کھیت

کی مینڈ پر لڑ گئے، یہ جھگڑا پہلے ’’ مینڈ ‘‘ کا تھا، پھر وہ ’’ساکھ اور عزتِ نفس‘‘ کا مسئلہ بن گیا، ہر ایک کو دکھائی دینے لگا کہ مینڈ سے ہٹنا لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو بے عزت کرنا ہے، چنانچہ جھگڑا بڑھتا رہا، یہاں تک بڑھا کہ دونوں طرف کئی لوگ قتل ہوئے، کھیت کاٹے گئے، دونوں نے ایک دوسرے کی چیزیں جلائیں، اس کے بعد معاملہ اور بڑھا پولیس اور عدالت کا معاملہ بن گیا، مقدمہ بازی کا لمبا سفر شروع ہوگیا، یہ مقدمات، 20 سال بعد صرف اس وقت ختم ہوئے، جب جانبین کے کھیت، باغ، زیورات سب بک گئے، ایک معمولی مینڈ کو پانے کے لئے دونوں نے اپنا سب کچھ کھودیا۔

یہی مینڈ کا جھگڑا ایک اور کسان کے ساتھ پیدا ہوا، مگر اس نے فوری اشتعال کے تحت کارروائی کرنے کے بجائے اس معاملے پر غور کیا، سمجھ دار لوگوں سے مشورے کئے، آخر کار اس کی سمجھ میں یہ بات آئی، کہ مینڈ کا جھگڑا مینڈ پر طے نہیں ہوتا، جھگڑے کو طے کرنے کی جگہ دوسری ہے، یہ سوچ کر اس نے جھگڑے کی مینڈ چھوڑ دی، اس نے یہ کیا کہ مسئلہ پر ’’ آج‘‘ سے سوچنے کے بجائے ’’پیچھے ‘‘ سے سوچنا شروع کیا، مینڈ کے واقعہ سے اس کے دل کو بھی چوٹ لگی، اس کو بھی اپنے نقصان اور اپنی بے عزتی سے وہی تکلیف ہوئی، جو ہر انسان کو ایسے وقت پر ہوتی ہے، مگر اس نے اپنے جذبات کو تھاما، فوری جوش کے تحت کارروائی کرنے کے بجائے، سوچ سمجھ کر اقدام کرنے کا فیصلہ کیا۔

اس دل ہی دل میں کہا: میرے حریف کو میری مینڈ پر قبضہ کرنے کی جرات ہی کیوں ہوئی ؟ اس سوال پر غور کرتے کرتے وہ اس رائے پر پہنچا، کہ اس کی وجہ حریف کے مقابلہ میں میری کمزوری ہے ، میرا اور حریف کا اصل معاملہ مینڈ کا معاملہ نہیں ہے ، بلکہ اصل معاملہ یہ ہے، کہ میری پوزیشن میرے حریف کے مقابلے میں اتنی زیادہ نہیں ، کہ وہ مجھ سے دبے اور میرے حقوق پر ہاتھ ڈالنے کی جرات نہ کرے ، ٹھنڈے ذہن سے سوچنے کے بعد اس کی سمجھ میں یہ بات آئی، کہ اگر وہ اپنی طاقت اور حیثیت کو بڑھالے، تو وہ زیادہ بہتر طور پر اپنے حریف کے مقابلہ میں کامیاب ہو سکتاہے ، کیونکہ اس کے بعد اس کے حریف کو اس کے اوپر دست اندازی کی جرات ہی نہ ہوگی ۔

اب اس نے اپنے کھیتوں پر پہلے سے زیادہ محنت شروع کردی، جو طاقت وہ حریف کو برباد کرنے کی کوششوں میں لگاتا ،اسی طاقت کو اس نے خود اپنی تعمیر میں لگانا شروع کردیا ، اس نئی فکر نے اس کے اندر نیا حوصلہ جگا دیا، وہ نہ صرف اپنے کھیتوں میں زیادہ محنت کرنے لگا بلکہ کھیتی کے ساتھ کچھ اور قریبی کاروبار بھی شروع کردیا، اس نئے شعور کا نتیجہ یہ ہوا، کہ اس نے اپنی زندگی کو از سرِ نَو منظم کیا ،وہ خرچ کم کرنے اور آمدنی کو بڑھانے کے اصول پر سختی سے عمل کرنے لگا ، اسی کے ساتھ اپنے بچوں کو تعلیم کی راہ پر لگادیا ،اس نے

طے کرلیا، کہ اپنے ہر بچے کو اعلی مرحلے تک تعلیم دلائے گا۔

اِس دوسرے شخص کو بھی اپنی کوششوں میں اسی طرح 20 سال لگ گئے، جس طرح پہلے شخص کو 20 سال لگے تھے، مگر پہلے شخص کے لئے 20 سال، بربادی کے ہم معنی تھے، جب کہ دوسرے شخص کے لئے 20 سال آبادی کے ہم معنی بن گئے، اس 20 سال میں اس کے بچے پڑھ لکھ کر اچھے عہدوں پر پہنچ چکے تھے، اس نے اپنی کھیتی اتنی بڑھالی تھی، کہ اس کے یہاں ہل بیل کے بجائے ٹریکٹر چلنے لگا تھا، جس کسان سے اس کا مینڈ کا جھگڑا ہوا تھا، اس کا وہ پورا کھیت اس نے مینڈ سمیت خرید لیا۔ جبکہ جس آدمی نے مینڈ کا جھگڑا مینڈ پر طے کرنے ی کوشش کی تھی، وہ تباہ ہوگیا تھا، اس کے برعکس جس نے مینڈ کو چھوڑ کر دوسرے میدان میں مقابلہ کی کوشش کی، وہ آخر کار نہ صرف مینڈ کا مالک بنا، بلکہ حریف کا پورا کھیت اس کی قبضے میں آگیا۔

بجلی کا بلب جلتے جلتے بجھ جائے، یا پنکھا چلتے چلتے رک جائے، تو ہم بلب کو توڑ کر نہیں دیکھتے، یا پنکھے سے نہیں الجھتے، کیونکہ ہم جانتے ہیں، کہ بلب بجھنے اور پنکھا بند ہونے کی وجہ بلب اور پنکھے کے اندر نہیں، ان کے باہر ہے، اور جہاں سے فرق پڑا ہو، وہاں درست کراکے اپنے بلب اور پنکھے کو چلا لیتے ہیں، انسانی معاملات بھی اکثر اسی قسم کے ،ہوتے ہیں، مگر عجیب بات ہے

کہ بلب اور پنکھے کے معاملے میں جو بات آدمی کبھی نہیں بھولتا، اسی بات کو انسانی معاملے میں ہمیشہ بھول جاتا ہے ۔آدمی کی یہ عام کمزوری ہے، کہ جب بھی اس کی زندگی میں کوئی مسئلہ پیدا ہوتا ہے ، تو وہ اسی مقام پر اپنا سر ٹکرانے لگتا ہے ،جہاں مسئلہ پیدا ہوا ہے ،حالانکہ اکثر حالات میں یہ ہوتاہے، کہ مسئلہ کہیں پیدا ہوتا ہے اور اس کی وجہ کہیں اور ہوتی ہے " حال " کا ایک واقعہ اکثر "ماضی " کے کسی واقعہ کا نتیجہ ہوتا ہے، ایک معاملہ میں کسی کے زیادتی اکثر حالات میں کسی اور معاملے میں پائے جانے والی ایک صورت حال کے سبب سے وقوع میں آتی ہے ۔ایسی حالت میں بہترین عقل مندی یہ ہے ، کہ آدمی جائے وقوع پر سر نہ ٹکرائے، بلکہ اصل سبب کو معلوم کرکے ، بات کو وہاں بنانے کی کوشش کرے جہاں بات بگڑ جانے کی وجہ سے اس کے ساتھ وہ حادثہ پیش آیا ہے، جس میں وہ آج اپنے کو مبتلیٰ پاتا ہے"۔(رازِ حیات: ص 304) ۔

ہمارے یہاں سب ہی لوگ خواہ حکمراں ہوں یا حزبِ اختلاف ، سیاستداں ہوں یا تاجر، علماء ہوں یا عوام، وہ مینڈ کا جھگڑا مینڈ ہی پر، پشتو کہاوت "دا گزاو دا میدان" کے طور پر حل کرتے ہیں، بلب بجھ جانے پر بلب کو، اور پنکھا بند ہوجانے پر پنکھا کو ہی کوستے ہیں، وہیں پر مسئلے کا حل ڈھونڈتے ہیں، جہاں خرابی نظر آئی ہے، ذرہ سا پیچھے کی طرف اسباب اور عِلل کی تلاش میں ان کی نگاہیں کبھی بھی نہیں جاتیں، نتیجتاً اپنا ہی نقصان، بالائے نقصان

کر بیٹھتے ہیں، پھر کفِ افسوس ملتے ہیں، رونا دھونا شروع کر دیتے ہیں، مقابل کے سامنے بھی اگر منت وزاری کرنی پڑے، تو اس میں بھی کوئی باک محسوس نہیں کرتے۔ لیکن

بلاوجہ اپنا اور پرائے کا ستیاناس کرنے کے بعد اب اس آہ وفغاں کا کیا فائدہ؟

کاش ہم کچھ بھی کرنے سے پہلے سوچیں، سمجھیں، اور تولیں پھر بولیں۔

سایکس بیکو

ان دنوں مغربی ممالک میں پہلی جنگ عظیم (1914) کے اندوہناک ، المناک اور تاریخ ساز واقعات پر ایک صدی مکمل ہونے کی وجہ سے جشنہائے صد سالہ منعقد ہورہے ہیں ، اسی دوران ترکی میں عظمت رفتہ پر کچھ لوگ غم اورماتم منارہے ہیں ،خلافت عثمانیہ کے سقوط پر یہ لوگ دل گرفتہ اور افسردہ ہیں ، ان کے زوال کی غلطیاں یہ تھیں ، کہ عربوں کو انھوں نے غلام بنانے کی کوششیں کی تھیں ،آج دنیاکے سامنے عالم عربی کے جتنے ترقی یافتہ شہریاادارے ہیں ، ان میں اکثر کا نام ونشان بھی ترکوں کے زمانے میں نہ تھا، تعلیم اقتصاد ، صنعت اور تجارت میں بھی عربوں کو بہت پیچھے رکھاگیا تھا ،ترکوں کی ان غلطیوں اور عربوں کی اس زبوں حالی سے مغربی مستعمر اقوام نے غلط فائدہ اٹھاکر دو خطرناک سازشیں کیں ۔

ایک یہ کہ عربوں کی سرزمین فلسطین میں یہودیوں کی آبادکاری شروع کرائی ، جس کا کوئی معقول سدّباب ترکی خلافت نہ کرسکی ۔

دوم یہ کہ عربوں کی طرف " لورنس آف عربیہ " کی شکل میں ایک مغربی شیطان بھیجدیاگیا، جس نے عرب زعماء کو یہ باور کرایا ، کہ ترکی خلافت اب ایک مرد

بیمار ہے، اس سے چھٹکارا حاصل کرنا ضروری ہے، ورنہ اگر یہ بیمار اسی طرح رہا،یا گر کر مرگیا، تو عرب کہاں جائینگے،اس لئے ابھی ہی سے مستقبل کی نقشہ کشی ہوجانی چاہئے نیز ان کے ساتھ خفیہ معاہدوں میں فرانس و برطانیہ کی طرف سے یہ وعدہ بھی ہوا، کہ، عرب دنیا ایک ہی ''الدولۃ العربیۃ الکبری'' یعنی گریٹر اربک اسٹیٹ ہوگی، جس کا عالمی سطح پر اپنا ایک مستقل،طاقتوراور باوقار وزن ہوگا۔ ادھر اتاترک کو بھی یہ سمجھایا گیا کہ عالم اسلام اور بالخصوص عالم عربی ترکوں پر بوجھ ہے،اگر ترکی اسٹیٹ اس بوجھ کو، اپنے کندھوں سے اتار دے،اور'' سب سے پہلے ترکی''کا نعرہ لگائے،تویقینا ترکی دنیا کی عظیم ترین ممالک میں سے ایک سپرپاور ملک ہوگا، پھر یہ کہ اب یہ دنیا مذہب کی دنیا نہیں، یہ قومیتوں کی دنیاہے، اور تم ترکی والے یورپ کے پڑوس میں کیاہو، یورپین ہی ہو، کیوں نہ آپ اپنی قوم کو ترقی اورروشن خیالی کی جدید راہوں پر گامزن کریں، تاکہ آپ اورآپ کی قوم کے نام دنیا کی تارخ میں سنہری حروف سے لکھے ہوئے ہوں۔

چنانچہ عربوں نے اپنے حصے کا اور ترکوں نے اپنے حصے کا کام اغیار کے کہنے پر کردیا، خلافت بھی اختتام پذیر ہوئی اور الدولۃ العربیۃ الکبری بھی تاحال ممکن الوجود نہ ہو سکی، بلکہ خلافت عثمانیہ کے بقایاجات کو سایکس بیکو خفیہ معاہدے(1914_1916_1920_1922) کے ذریعے.برطانیہ اورفرنس نے روسی شہنشاہ سے

مل کر باہم تقسیم کیا، چنانچہ نام کے لحاظ سے وہاں مستقل ممالک وجود میں آئے، مگر حقیقت میں وہ چھوٹی چھوٹی ریاستیں استعمار کے انتداب میں رہیں، آج تک وہاں انتخابات بھی ہو رہے ہیں، شناخت بھی الگ الگ ہیں، کرنسی بھی جدا جدا، اور اقوام متحدہ جیسی تنظیموں میں ان کی الگ الگ نمائندگی بھی ہے، لیکن حقیقت میں یہ ریاستیں وہی کرتی ہیں، جس کے انہیں ان استعماری آقاؤں سے اشارے ملتے ہیں۔

اسی صورت حال کے پیش نظر ان ریاستوں میں کبھی بھی عوام اور حکمرانوں کا رشتہ مضبوط نہ ہو سکا، یہاں بادشاہتیں ہیں یا جمہوریت نما نیم خاندانی شہنشاہتیں ہیں، منطقہ پچھلے ایک سو سال سے اضطراب میں ہے، اب جب عرب بہار کا دور آیا، اور قضیہ شام و عراق تک پہنچا، جو ابھی مزید آگے کی طرف رواں دواں ہے، تو یہاں کے حکمرانوں نے اپنی اقوام کے ساتھ بدترین دشمنوں کا سلوک کیا، وہ تہہ تیغ ہوتے رہے، مرتے رہے، گرتے رہے، خانہ بدوش ہوتے رہے، لیکن سینہ سپر ہی رہے، بظاہر لگ رہا تھا، کہ یہ ان کی اپنی سوچ، آئیڈیا اور اپنا روڈ میپ ہے، مگر افسوس ناک حقائق یہ ہیں، کہ یہ سب کچھ دونوں طرف سے استعماری طاقتوں کی سازشیں تھیں اور ہیں، کیونکہ سائیکس بیکو کو اب سو سال ہو چکے ہیں، یہ معاہدہ اب بوسیدہ ہو چکا ہے، یا اپنی مدت پوری کر چکا ہے، اس لئے وہ طاقتیں اب مڈل ایسٹ میں نئے معاہدے اور نئے جغرافیائی نقشے بنانا چاہتی

ہیں ،"عالم عربی" نامی چیز تو بالکل پچھلے کئی دہائیوں سے مفقود ہے ، اس کی جگہ الشرق الاوسط" کا لفظ آگیا ہے ، "عالم اسلام" کو بھی جغرافیاکے اوراق سے مٹا کر اسکی" جگہ "گریٹر مڈل ایسٹ" کی اصطلاح آیا ہی چاہتی ہے ۔آرگنائزیشن آف اسلامک کانفرنس" میں تبدیلی کرائی گئی ہے ، اب اس کا موجودہ نام "آرگنائزیشن آف اسلامک کوآپریشن" ہے ، کانفرنس اور کوآپریشن میں اصطلاحی فرق اہل دانش خوب جانتے ہیں۔ لہٰذا ان سب تبدیلیوں کا صحیح آغاز شام سے شروع ہوا ہے ، جہاں سنی ، علوی ، مسیحی او ردرزی جبکہ عراق میں سنی ، کردی اور شیعی یا عربی و عجمی عراق کے ناموں سے نئی ریاستیں بننے کو ہیں ، پہلے انہوں نے ہمیں نسلیت اور قومیت کو بنیاد بنا کر لڑایا ، اب ہمیں فرقوں اور مذاہب کو بنیاد بنا کر لڑایا جا رہا ہے ، حزب اللہ ،داعش ،جبهة النصرة، پاسداران ایرانی انقلاب ، القدس بریگیڈ ، نوری المالکی اور بشار الاسد یہ سب اسی انقسامی ایجنڈے پر شعوری یالاشعوری طور پر کام کر رہے ہیں ، ان کھلاڑیوں کے کوچ روس ، ایران ، خلیج ، امریکہ ، برطانیہ او رفرانس میں بیٹھے انٹرنیٹ پر " سکرین شیئر" کے ذریعے آپس میں شطرنج کھیل رہے ہیں،ہمارے یہاں طاہر القادری جیسے غائب الدماغ شخصیت کی موجودہ حالیہ حرکتیں ،الٹے سیدھے بیانات اورخرش پرش دیکھ کر اندازہ ہوتاہے، کہ یہ بھی کسی کا مہرہ ہے ، ان کو کیا سبز باغ دکھایا گیاہے ، اور اس کے

لئے کتنا خون بہے گا، یا تماشہ پر تماشہ ہو گا، پس سکرین کیا سگنلز ہیں، کونسی تقسیم ہے، کسی کو نہیں معلوم۔ حیف ہے مسلم اقوام کو ان ''سائیکس بیکو'' سازشوں کا کبھی تو پتہ ہی نہیں چلتا، یا تب پتہ چلتا ہے، جب پانی سر سے گزر چکا ہو، اللہ خیر کرے۔

رمضان

قارئینِ کرام، آپ کو ماہِ مقدس رمضان مبارک ہو، رمضان وہ مقدس مہینہ ہے، جس میں قرآن نازل ہوا، رمضان کی 3 تاریخ کو انجیل، 10 تاریخ کو زبور اور 18 رمضان کو اللہ نے تورات نازل فرمائی ۔ اسلام اور کفر کا تاریخی معرکہ، غزوۂ بدر ،جس میں حق کو فیصلہ کن برتری نصیب ہوئی ، وہ بھی 17 رمضان 2 ہجری کو پیش آیا، فتح مکہ کی عظیم کامیابی بھی ماہِ رمضان المبارک کی 20 تاریخ 6 ہجری میں ملی، لغات اور گرامر کی کتابوں میں لکھا ہے کہ رمضان ''رمض'' کا مصدر ہے ، رمض کا معنی جلانا ہے ، رمضان کو رمضان اس لیے کہتے ہیں، کہ جس طرح آگ لکڑیوں کو جلا کر مٹا دیتی ہے، اسی طرح رمضان کی عبادات تلاوتِ قرآن پاک ،تراویح ، اعتکاف ، صدقہ ، نماز ، روزوں کی برکت سے اللہ پاک انسانوں کے گناہ معاف فرمادیتے ہیں ۔ رمضان کا مہینہ جب شروع ہوتا ہے، تو جنت کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں ، اور جہنم کے دروازوں کو بند کردیا جاتا ہے ، اس مبارک مہینے میں سرکش شیطانوں کو پابندِ سلاسل کردیا جاتا ہے، رمضان کا مہینہ شروع ہوتے ہی روزانہ افطار کے وقت کروڑوں انسانوں کی مغفرت کا اعلان کیا جاتا ہے ، اسی طرح سحری کے وقت کروڑوں انسانوں کی مغفرت کی جاتی ہے ، اللہ تعالی اپنے بندوں پر خصوصی انعامات تقسیم فرماتے ہیں ،نوافل کا ثواب فرائض کے برابر عطا کیا جاتا ہے ، اور فرض کا

درجہ 70 گنا کیا جاتا ہے، رمضان کا پہلا عشرہ رحمت ،دوسرا عشرہ مغفرت اور تیسرا عشرہ جہنم سے آزادی کا ہے ، رمضان کی راتوں میں تراویح اور آخری عشرہ میں اعتکاف کا لازوال تحفہ رکھا گیا ہے ،اسی طرح رمضان کے آخری عشرے میں لیلۃ القدر کو ہزار راتوں سے افضل قرار دیا گیا۔اور اخیر میں عید کے خوشگوار لمحات سے بطورِ سوغات خالقِ کائنات نے اپنے بندوں کو نوازا ہے۔

روزہ برائے حصولِ تقویٰ

صوم اور روزہ کی حکمت اور فائدے بتاتے ہوئے اللہ پاک نے فرمایا: ''لعلکم تتقون'' (البقرہ:183) یعنی روزے رکھنے سے نفس کے تقاضوں پر زد پڑیگی، تو تم متقی بن جاؤگے۔ کیونکہ تقویٰ، صغرہ وکبیرہ اور ظاہری وباطنی گناہوں سے بچنے کا نام ہے، آیت کریمہ میں بتایا کہ روزہ کی فرضیت تقویٰ حاصل کرنے کے لئے ہے، بات یہ ہے کہ انسان کے اندر بہیمیت اور حیوانیت کے جذبات ہیں، نیز نفسانی خواہشات ساتھ لگی ہوئی ہیں جن سے نفس کا ابھار ومیلان معاصی کی طرف ہوتا رہتا ہے، روزہ ایک ایسی عبادت ہے، جس سے بہیمیت کے جذبات کمزور ہو جاتے ہیں، نفس کا ابھار کم ہو جاتا ہے اور شہوات ولذات کی امنگ گھٹ جاتی ہے، پورے رمضان کے روزے رکھنا ہر عاقل بالغ مسلمان پر فرض ہے، ایک مہینہ دن میں کھانے پینے اور جنسی تعلقات کے تقاضوں پر عمل کرنے سے اگر باز رہے، تو باطن کے اندر ایک نکھار اور نفس کے اندر سدھار پیدا ہو جائیگا۔ اگر کوئی شخص رمضان کے روزے ان احکام وآداب کی روشنی میں رکھ لے جو احادیث میں وارد ہوتے ہیں تو واقعۃً نفس کا تزکیہ ہو جاتا ہے۔ جو گناہ انسان سے سرزد ہوتے رہتے ہیں، ان میں سب سے زیادہ دو چیزیں گناہ کا باعث بنتی ہیں، ایک منہ، دوسری شرمگاہ، حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت ابوہریرہ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے

زیادہ کون سی چیز دوزخ میں داخل کرنے کا ذریعہ بنے گی، آپ نے جواب دیا: "الفم والفرج"، یعنی منہ اور شرمگاہ۔ (ان دونوں کو دوزخ میں داخل کرانے میں زیادہ دخل ہے) روزہ میں منہ اور شرمگاہ دونوں پر پابندی ہوتی ہے، مذکورہ دونوں راہوں سے جو گناہ ہو سکتے ہیں روزہ ان سے باز رکھنے کا بہت بڑا ذریعہ ہے، اسی لئے تو ایک حدیث میں فرمایا کہ: "الصیام جُنۃ" یعنی روزہ ڈھال ہے (گناہ سے اور آتش دوزخ سے بچاتا ہے) (بخاری 254ج1) اگر روزہ کو پورے اہتمام اور احکام وآداب کی مکمل رعایت کے ساتھ پورا کیا جائے، تو بلاشبہ گناہوں سے محفوظ رہنا آسان ہو جاتا ہے خاصکر روزہ کے وقت بھی اور اس کے بعد بھی۔۔

لیکن اگر کسی نے روزہ کے آداب کا خیال نہ کیا، روزہ کی نیّت کر لی، کھانے پینے اور خواہشات نفسانی سے باز رہا، مگر حرام کمایا اور غیبت کرتا رہا، تو اس سے فرض تو ادا ہو جائے گا، مگر روزہ کی برکات وثمرات سے محرومی رہے گی، جیساکہ سنن نسائی میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "الصیام جنۃ مالم یخرقھا" یعنی روزہ ڈھال ہے جب تک کہ اس کو پھاڑ نہ ڈالے۔ اور ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ: "من لم یدع قول الزور والعمل بہ فلیس للہ حاجۃ فی ان یدع طعامہ وشرابہ" جو شخص روزہ رکھ کر جھوٹی بات اور غلط کام نہ چھوڑے تو اللہ کو کچھ حاجت نہیں کہ وہ روزہ دار صرف کھانا پینا ترک کرے۔ (بخاری، ج:1\255)۔

لہذا، متقی، ولی اللہ ، صالح، نیکوکار اور اللہ کا مقرب بندہ اگر کوئی بننا چاہے، تو وہ رمضان المبارک کے یہ صیام و قیام بطور ایک تربیتی کورس انتہائی نظم و ضبط اور آداب و احترامات کے ساتھ بجالائے۔ اسی سے تقویٰ کے اعلیٰ معیار پر پہنچنا ممکن ہے۔

رؤیت ہلال - چند گذارشات

رؤیت ہلال کمیٹی میں چند سالوں تک ہم بھی سندھ کی طرف سے بطور ممبر کے شریک ہوئے ۔ اکثر و بیشتر اجلاسات مفتی منیب الرحمٰن کی سربراہی میں محکمۂ موسمیات کراچی میں منعقد ہوئے ۔ عصر کے بعد مغرب سے کچھ دیر قبل تا مابعدالمغرب رؤیت کے سلسلے میں ایک بیٹھک کا اہتمام ہوتا، زونل کمیٹیوں ، عوامی فون کالز اور خاص کر جامعۃ الرشید کراچی کے شعبۂ فلکیات سے آمدہ معلومات کے علاوہ، موسمیات والی بلڈنگ اوپر لگی ہوئی دور بین پر بھی باری باری کمیٹی کے ارکان حاضر ہوتے اور ہلال کے مشاہدے کی کوشش فرماتے ۔ اس کے بعد چیئرمین موصولہ اطلاعات کی روشنی میں اپنا فیصلہ سناتے اور کانفرنس روم جاکر اعلان ہوجاتا، ہمیں یہ ریہرسل عجیب سی لگتی ، بار بار عرض کرتے : حضرت ، آپ پشاور میں مفتی شہاب پھوپھلزئی کے یہاں اجلاس کیوں منعقد نہیں کرتے، تاکہ وہیں پر شہادتوں اور اطلاعات کی جانچ پڑتال ہو ، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو، یا ارا کین میں سے دو چار کو یہ ٹاسک کیوں نہیں دیتے ، تاکہ وہاں سے آپ ہی کے نمائندے آپ کو صحیح صورت حال سے باخبر رکھ سکیں ، کیونکہ چاند دیکھنے کے دعوے وہاں ہوتے ہیں ، گویا شہادتیں پھوپھل زئی صاحب کو موصول ہوتی ہیں ، اور ہم یہاں صرف سادہ سی معلومات پر ہی اکتفا کرتے ہیں ۔

رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئر مین کا فرض منصبی بنتا ہے کہ وہ پہلے سے ''مائنڈ سیٹ'' سے ہٹ کر، رؤیت کی جتنی بھی اور جہاں سے بھی شہادتیں ہوں ، ان سب کا بنظر غائر جائزہ لیں ، مدعیان رؤیت اور مدعیان عدم رؤیت کے ثبوتوں کی تحقیق کریں ، پھر جو فیصلہ حق بجانب ہو، اس پر سب کو مائل اور قائل کریں ، اگر ان سے تنہا مسئلہ سنبھل نہ رہا ہو، تو دیگر علماء ومشائخ اور حکام بالا کے ذریعے انہیں مطمئن کریں ، میڈیا کے سامنے اس مسئلے کو فوری طور پر نہ لائیں ، تاکہ رؤیت ہلال پر فرقہ واریت، صوبائیت ، سیاست بازی اور شخصی تشہیر نہ ہو ، یوں اگر مسئلہ حل نہ ہو، تو اگلے چند ماہ تک اس مسئلے پر ملک بھر اور عالم اسلام کے معتمد اور مقتدر علمائے کرام ، ماہرین فلکیات اور متعلقہ حکام پر مشتمل سیمینارز اور کانفرنسز بلائیں ، تاکہ اندازہ ہو، کہ محکمہ یا کمیٹی کا ذمہ دار مفوضہ امور میں دلچسپی لے رہا ہے اور اس حوالے سے سرگرم ہے ، اس سے ان کی مساعی ، کاوشیں ، جہد مسلسل اور وسعتِ آگاہی سب لوگوں کے سامنے ہوگی، اس میدان کے مختلف شعبوں ، اطراف اور کونوں کے ماہر اور ہر لحاظ سے باخبر شخصیت کے وہ مالک ہوں گے ، چنانچہ اس کے بعد ان کی رائے میں وزن اور توازن دونوں ہی آجائینگے ، بنابریں متعلقہ مسئلے میں ان کا قول اور فتوی بھی معتبر سمجھا جائے گا۔

لیکن اگر اپنے شعبے کا کام کوئی بھی سرسری لے گا، وقتی طور پر ان پر بحث ومباحثہ کرکے اس کا کوئی مستقل یا دیرپا حل تلاش نہیں کرے گا، اجلاسات بھی "نشستند، خوردند اور برخاستند" تک محدود ہوں گے، تو وہ شعبہ ایک بدنصیب یتیم کی طرح کبھی پھل پھول نہیں سکے گا، اس کے پودے کبھی پھل دار درخت نہیں بن سکینگے، وہ شعبہ عوام میں ایک مسخرہ اور مضحکہ بن جائے گا، یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ صرف وہ شعبہ تباہ نہیں ہوگا، بلکہ اس کے سربراہ سے لے کر نیچے تک تمام ذمہ دار بھی اپنی اپنی بھاری بھرکم شخصیتیں کھو جائینگے، متنازع ہو جائینگے، ان کا فیض بھی محدود ہوگا، شعبہ جتنا اہم مشہور اور عام لوگوں کی توجہ کا مرکز ہوگا، اتنا ہی اس میں قاعدے سے کام کرنے سے، شعبہ اور اس کے منتظمین نیک شہرت کے حامل ہو جاتے ہیں، اگر قاعدہ قانون شورائیت، علمیت، غور وتدبر سے کام نہ لیا جائے، تو متعلقہ شعبہ اور اتنی ہی اس کی انتظامیہ عوام وخواص میں بدنامی، خجالت اور شرمندگی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

اپنی ذاتی تجربے کی بنیاد پر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر سنجیدگی اور دانشمندی کے ساتھ اس مسئلے کو حل کرنے کی عمدہ کوششیں کی گئیں، تو یہ مسئلہ عقدۂ لاینحل نہیں ہے بلکہ قابل حل ہے اور سو فیصد قابل حل ہے، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسے ذاتی اور، مسلکی "انا" کا مسئلہ بنایا گیا ہے، یہاں بلاوجہ ہر بات میں وہابیت اور سعودیت پر قدغن شروع ہو جاتی ہے، علمی اور فنی

حوالے سے بات ہی نہیں ہوتی ،اسی لئے ہم نے تحریری استعفاء دیئے بغیر ہی اجلاسوں میں جانا چھوڑ دیا، مفتی صاحب ،اپنی ذات میں کریم اور شریف آدمی ہیں، ہمیں بذات خود کئی بار فون کئے ، مگر چونکہ اس مسئلے میں وہ وہی کرتے ہیں ، جو ان کی سمجھ میں آئے ، اور اسی دلیل و منطق کیلئے سمع خراشی فرماتے ہیں جو ان کے قائم کردہ معیار کے مطابق ہو، ورنہ عدم التفات۔

سب سے بڑی دلیل ان کے ساتھیوں کی یہ ہوتی ہے ، کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں رمضان کا چاند جمعرات اور جمعے کی درمیانی شب دیکھا گیا، حضرت کریبؓ کسی کام سے شام کے سفر پر تھے ، وہ جب مدینہ منورہ آئے ،تو پتہ چلا کہ یہاں تو جمعہ ہفتے کی درمیانی شب چاند دیکھا گیا، وہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے ،اور ان سے رویت کا واقعہ ذکر کیا، حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا تم نے خود چاند دیکھا تھا؟ حضرتِ کریب نے کہا، ہاں میں نے خود چاند دیکھا ، حضرت امیرِ معاویہؓ نے بھی دیکھا ،شام کے سب لوگوں نے دیکھا اور سب نے جمعہ کو پہلا روزہ رکھا ، حضرت امیرِ معاویہؓ نے بھی جمعہ کو پہلا روزہ رکھا، حضرت کریبؓ نے جناب امیر معاویہؓ کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا ، کہ وہ اس وقت مسلمانوں کے امیر تھے ، حضرت ابن عباسؓ نے کہا، ہم نے ہفتہ کا روزہ رکھا ہے ہم یا تو تیس روزے پورے کریں گے ،یا پھر ہمیں چاند نظر آجائے ، حضرت کریبؓ ، نے کہا ، کیا امیر معاویہؓ کا چاند دیکھنا اور روزے رکھنا آپ کے لئے کافی

نہیں ؟ ابن عباسؓ نے فرمایا"نہیں " کیونکہ ہمیں جناب رسول ﷺ نے یونہی حکم دیا ہے۔ (صحیح مسلم)۔

یہاں مناظروں اور مباحثوں کی نہیں، تھوڑی سی دیر کے لئے مسئلے کی نوعیت کو "خالی الذہن" ہو کر سمجھنے کی ضرورت ہے ، وہ یہ کہ حضرت ابن عباسؓ کو اگر بروقت پتہ چل جاتااور مذکورہ شہادتیں موصول ہو جاتیں کہ اہل شام نے چاند جمعرات جمعے والی شب میں دیکھا ہے ،تو کیا وہ پھر بھی ہفتے تک روزہ مؤخر کرتے ؟اور تمام اہل شام کی شہادتیں رد کرتے ؟ ہر گز نہیں ،پتہ نہ چلنا اور بات ہے اور پتہ چل جانے کی صورت میں عامۃ المسلمین ،حضرات صحابہؓ اور بالخصوص وقت کے امیر المؤمنین کی شہادت کو تسلیم نہ کرنا اور بات ہے، آج کے زمانے میں تو پھوپھلزئی صاحب ہی کیا ،پوری دنیائے عرب چاند دیکھنے کے اعلانات ذرائع ابلاغ میں دھوم دھام سے کرتی ہے، گویا ہمارے یہاں صرف پھوپھل زئی کو نہیں کروڑوں مسلمانوں کی شہادت کو مسترد کر دیا جاتا ہے، جس سے مسلمانوں کی ایک ہی عید کا تصور بھی مجروح ہو جاتا ہے، اسلامی تاریخ، تقویم اور کیلنڈر میں یکسانیت نہیں رہتی، روزے متاثر ہوجاتے ہیں، عیدین اور صلواتِ عیدین مشکوک ہوجاتے ہیں، حج اور ایامِ حج تہ و بالا ہو جاتے ہیں، شعائر اللہ کی تضحیک ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ بھی کئی قباحتیں لازم آجاتی ہیں۔ اللہ کرے موجودہ رمضان کا چاند اس علمی، عمومی اور عوامی پریشان کن مسئلے کے حل کا

باعث ہو۔

کھانا پینا اور جنسی تعلقات چھوڑنے ہی سے روزہ کامل نہیں ہوتا بلکہ روزہ کو فواحش ،منکرات اور ہر طرح کے گناہوں سے محفوظ رکھنا لازم ہے ،روزہ منہ میں ہو اورآدمی بدکلامی کرے ،یہ اس کے لئے زیب نہیں دیتا۔اسی لئے تو سرور عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: (جب تم میں سے کسی کا روزہ ہو، تو گندی باتیں نہ کرے ،شور نہ مچائے ،اگر کوئی شخص گالی گلوچ یا لڑائی جھگڑا کرنے لگے تو (اس کو گال گلوچ سے جواب نہ دے بلکہ) یوں کہہ دے کہ میں روزہ دار آدمی ہوں، (گالی گلوچ کرنا یا لڑائی کرنا میرا کام نہیں) ۔(بخاری 255ج 1)

حضرت ابوہریرۃؓ سے روایت ہے ،فرمایا نبی ﷺ نے : بہت سے روزہ دار ایسے ہیں جن کے لئے (حرام کھانے یا حرام کام کرنے یا غیبت کرنے کی وجہ سے)پیاس کے علاوہ کچھ بھی نہیں اور بہت سے تہجد گزار ایسے ہیں جن کے لئے (ریاکاری کی وجہ سے) جاگنے کے سوا کچھ نہیں ۔(مشکاۃ المصابیح 177)۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ’’ ایاماً معدودات‘‘ فرما کر ،یہ بتایا، کہ یہ چند دن کے روزے ہیں ، روزوں کو رکھ لینا کوئی ایسا مشکل کام نہیں ہے ، مریض

اور مسافر کے لئے آسانی بیان فرمائی، کہ وہ اپنے ایام مرض اور ایام سفر میں روزہ نہ رکھیں، رمضان گزر جانے کے بعد دوسرے دنوں میں اتنی ہی گنتی کر کے روزے رکھ لیں، یعنی چھوٹے ہوئے روزوں کی قضا کرلیں، اسکی توضیح کے لئے علما سے رجوع کیا جائے۔

یہ جو قرآن میں فرمایا: ''وعلی الذین یُطیقونہ فدیۃ، طعام مسکین'' (کہ جو لوگ روزہ رکھنے کی طاقت رکھتے ہیں ان پر فدیہ ہے، ایک مسکین کے کھانے کا) یہ ابتدائی حکم تھا، سنن ابوداؤد صفحہ 74 ج 1) پر ہے کہ جب رسول ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو) ہر ماہ) تین دن کے روزے رکھنے کا حکم فرمایا، پھر رمضان کے روزوں کا حکم نازل) ہوگیا، لوگوں کو روزہ رکھنے کے عادت نہ تھی، اور روزہ رکھنا ان کے لئے بھاری کام تھا، لہٰذا یہ اجازت تھی کہ طاقت ہوتے ہوئے بھی جو شخص روزہ نہ رکھے، وہ ہر روزہ کے بدلہ ایک مسکین کو کھانا کھلادے، پھر آیت کریمہ: ''فمن شھد منکم الشھر فلیصمہ نازل ہوئی (گویاطاقت ہوتے ہوئے روزہ نہ رکھنے کی اجازت منسوخ ہوگئی)، اور '' سب کو روزہ رکھنے کا حکم ہوا، البتہ مریض اور مسافر کے لئے اجازت باقی رہی، کہ وہ رمضان میں روزہ نہ رکھیں اور بعد میں روزہ رکھ لیں۔ (مسند امام احمد میں صفحہ 246 ج 5)۔

ایک روزے کی قضا کا فدیہ اور اسی طرح عید الفطر کا صدقۃ الفطر امسال 100 سو

روپیہ مقرر ہوا ہے۔

رمضان کی ان بابرکت لمحات و ساعتوں میں کون بدنصیب ہوگا، جس کے قلب و روح سے خوشیاں اور شادمانیاں نہیں مچل رہی ہوں گی ، چشمِ نیاز سے اشکِ ناز کے چشمے نہیں پھوٹیں گے ،ایمان کی حرارت اور باطن کی نورانیت کے اس ''موسم بہار''میں کوتاہ سے کوتاہ مسلمان بھی خانۂ خدا میں آ کر اپنی کوتاہیوں کی معافی تلافی اور رحمتوں کی طلب میں گریہ وزاری میں مصروف ہوتا ہے ، ہر سمت جود و سخا، ذکر ودعا، صوم وصلاہ ،نوازش وعطا اور کرم و وفا کا ایسے مناظر دیکھنے کو ملتے ہیں، جن سے آنکھوں میں امید اور سینوں میں زبردست خوشی کی لہر دوڑتی ہے ،عالم وعابد ، خطیب وواعظ گویا سب ہی رمضان کی فضیلت اور صیام وقیام کی اہمیت کے موضوع پر محو گفتگو اور رطب اللسان ہوتے ہیں اور سامعین وناظرین ہر محفل، ہرخطاب ،ہر ذکر ، ہر بیان سے جھولی بھرنے اور اگلے سال تک کے لئے بطور ''چارجنگ'' اپنے دل ودماغ منور کرنے میں مصروف ہوتے ہیں ۔ بہت خوب ،بہت مبارک اور سدا سلامت رہے یہ نالے یہ سلسلے اور یہ ہر سمت ہریالی ،نغمے وزمزمے ، مسجدوں ، مصلوں اور گھروں میں ختم قرآن کے سلسلے ،لانوں ،میدانوں اور چینلوں میں ، سحر وافطار کے پروگراموں کے مقابلے ،تلاوتوں، حمدوں، نعتوں ، تقریروں اور افطار پارٹیوں کی ایک معطر اور روح پرور دنیا،ماشاء اللہ بارک اللہ۔

البتہ ٹی وی چینلز میں بعض مواقع پر بلاوجہ کی تصاویر اور نا محرموں سے اختلاط کی ایسی بھر مار کہ اسے پھر ''خوب'' کہنا ہی انصاف کا خون ہوگا، اعتدال کی نفی ہوگی، اور ''حق کا گلا گھونٹنے کی ناروا کوشش ہوگی۔''

جی ہاں آج ہمارے چارسو''قرآن خوانی'' کی جو رسم دیکھنے کو ملتی ہے، اسلام کے رمضان، محمد عربی ﷺ کے رمضان، صحابہ وتابعین کے رمضان، قرآن وحدیث کے رمضان میں تو ایک صاحب نظر کو اسکی کوئی مثال نہیں ملتی، عبادت کے نام پر یہ میلوں کا سماں، ''جاھل'' قاریوں کی ریاکارانہ تلاوتیں،، عروسی لباس میں سج وھج کر سیٹیجوں پر تماشہ بننے کی فنکاریاں، منتظمین کے پیسہ بٹورنے، شہرت ودولت اور دنیوی مفادات اکٹھا کرنے کا کاروبار، یہ سب کیاہے، اور ان سب سے بڑھ کر المناک بات یہ کہ اکثر قابل ذکر مقامات پر مصلے پر براجمان ہونے والوں کا کوئی پس منظر ہوتاہے، کہیں ''صاحبزادہ''، کہیں ''وزیرزادہ'' کہیں ''امیرزادہ''، کہیں ''پیرزادہ''، پھر کسی میں یہ کمال تو کسی میں یہ جمال، کسی کا یہ فائدہ، تو کسی کا وہ مفاد، اور موصوف کی تلاوت کا حال دیکھیں، تسبیح وتحمید، ثناء اور تشھد کا جائزہ لیں تو نری کی نری ''ایک عادت وروایت''، عبادت کا نام ونشان ہی نہیں، نہ مد اور وقف کا تکلف ہوتاہے، نہ لہجے کا کوئی شجرہ معلوم ہے، نہ انداز سے معنی ومفہوم کی کوئی

بو محسوس ہوتی ہے، سیدھی بات کہی جائے تو گیت کی طرح عجمی لب و لہجے میں عربی قرآن پڑھنے کا ظلم ہو رہا ہے، پڑھنے والا "قاری" تذکّر و تدبّرِ قرآن کے کوچے سے آشناہی نہیں، آداب و شرائط تو بہت دور کی بات ہے۔

یہ تو ہوئی ختم قرآن اور تراویح کے اس عمل کی بات جو مسجدوں اور حجروں میں ادا ہوتا تھا، اب لانوں اور رمیدانوں میں تقریبات کی شکل میں شروع ہوا ہے اور اسمیں مخلوط و مزین تصویر کشیوں ویڈیوز اور دیگر خرافات کا بازار گرم رہتا ہے،اللہ کی پناہ ایسی رنگین عبادت سے۔

اور مسجدوں کے باہر ذرا گھروں کے اندر جائیں، تو بے توفیق مسلمان ٹی وی کے سامنے بیٹھ کر رمضان ٹرانسمیشن کی واہیات پروگراموں کو عبادت سمجھ کر دیکھ رہے ہیں، جن میں نامحرم چہروں کی نمائش، ناقص معلومات کا فروغ، من گھڑت کہانیوں سے دل (بلکہ نفس) بہلانا، جہل و خود فریبی کی افزائش کے سارے سابقہ ریکارڈ توڑنے کی کوششیں اور ان کوششوں کی حوصلہ افزائیاں دیکھنے اور سننے کو ملتی ہیں۔

کاش حکومت وقت میں، یا مذکورہ سمعی بصری اداروں میں کوئی حق پرست اور خداترس صاحب بصیرت ہوتا، دین کی صحیح سمجھ رکھنے والا کوئی باا ثر شخص ہوتا اور وہ رمضان المبارک کے مقدس مہینے کا تقدس پامال کرنے اور صیام و قیام کے

اس عظیم الشان عمل کو مسخ کرنے کی اس ناپاک کوشش کو روکتا، رمضان کو اسکی روح کے مطابق متعارف کراتا۔

یا پھر قرآن وحدیث کے صحیح العقیدہ، سلیم الفکر اور سنجیدہ علما، اسلامی تعلیمات کو ان کی اصلی شکل میں زندہ کرتے، جاھلوں اور نااھلوں کا ناطقہ بند کرتے، شاذافکار اور من گھڑت روایات کو رواج دینے پر قدغن لگاتے، اسلام کے نام پر پیٹ پالنے اور دکانیں سجانے کو ناقابل معافی جرم قرار دے کر اسکے ذمہ داروں کو عبرت کا نشان بناتے

رمضان میں ایمان کی خیر منانی چاہیئے، کہیں ہم روایات وخرافات میں اپنے ایمان ہی، سے ہاتھ نہ دھو بیٹھیں۔

اساتذہ

آجکل دینی مدارس وجامعات کے طلبہ وطلبات ہوں،یا اسکول،کالج اور یونیورسٹیز سٹوڈنٹ، سب ہی کے بارے میں یہ شکایت زبان زد خاص وعام ہے کہ ان میں مطلوبہ استعداد وقابلیت پیدا نہیں ہورہی، ماضی کی طرح رجالِ کار اور علوم وفنون کے ماہرین پیدا نہیں ہورہے، کسی علم وفن کا ماہر چراغ لیکر ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا، قحط الرجال کا دور ہے۔ طلبہ تحصیل علم کے لیے محنت کرتے ہیں اور نہ ہی دلچسپی لیتے ہیں روز بروز انحطاط بڑھ رہاہے، طلبہ کو اس کا احساس ہی نہیں، بلکہ ان کا تو کوئی ہدف ہی نہیں ہوتا۔۔۔

اس علمی انحطاط وزوال کا سارا ملبہ طلبہ وطالبات پر ہی گرایا جاتاہے،اور انہی کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جاتاہے،اساتذہ،انتظامیہ اور والدین کی جانب سے طعن وتشنیع کا نشانہ بھی یہی مخلوق بنتی ہے، یہ بات ایک حد تک تسلیم کی جاسکتی ہے کہ طلبہ میں ماضی کی طرح علم کی محبت وحرص، بلند ہمتی اور مستعدی، تحصیل علم میں اخلاص،اساتذہ کی تعظیم اور تحصیل علم کیلیے سفر، ماہرین فنون کی تلاش، استفادے کا شوق، اور ہدف کا فقدان ہے ،لیکن اس حقیقت کا ایک دوسرا رخ بھی ہے، جس کی طرف میں قارئین کو دعوت فکر دے رہاہوں، وہ یہ کہ ہم نے کبھی سوچاہے کہ یہ کمزور طلبہ (جو بعد میں کمزور اساتذہ بنتے

ہیں) کہاں سے پیدا ہو رہے ہیں ؟ان کو پڑھانے والے اساتذہ کون ہیں ؟ کن صفات کے حامل ہیں ؟کیا وہ تدریس کا حق پورا کرتے ہیں ؟کیا وہ علمی امانت کو طلبہ میں سپرد کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں ؟کیا وہ تدریس کے میدان میں ہر لحاظ سے کامل و مکمل ہیں ؟وہ محترم ضرور ہیں، لیکن کیا تنقید سے بالاتر ہیں؟کیا طلبہ کی کمزوری کے ذمہ دار نہیں ؟کیا وہ اس سے مبرا ہیں ؟

یہ بھی تسلیم ہے کہ اساتذہ قابل ہوں تو شاگرد بھی قابل، اساتذہ کمزور تو شاگرد بھی نالائق ہوتے ہیں۔ دنیا میں یہ بات مسلّم ہے کہ جب بھی کوئی انسان کسی عبقری اور قابل وماہر شخصیت سے متاثر ہوتا ہے، تو اس سے یہ نہیں پوچھتا کوئی کہ جناب آپ نے کونسی کتاب پڑھی ہے؟ بلکہ اس سے یہ سوال ضرور کرتے ہیں ''تیرا استاد کون ہے ؟'' کیوں کہ انسان کے اندر کمال استاد سے پیدا ہوتا ہے، محض کتاب سے نہیں، لہٰذا طلبہ کی کمزوری اور انحطاط کا ذمہ صرف انہی کو ٹھہرانااور معلّمین کو اس سے بریٔ الذمہ کرنا کسی طرح قرین انصاف نہیں،اگر ہم طلبہ سے یہ گلہ کرتے ہیں کہ ان میں ماضی کے طلبہ جیسے اوصاف نہیں تو ہم اس کہنے میں بھی حق بجانب ہونگے کہ اس دور کے اکثر اساتذہ بھی دور سابق کے اساتذہ جیسے اوصاف سے متصف نہیں۔

معلم تعلیم دینے میں انبیاء علیہم السلام کا نائب اور وارث ہے، معلم سب سے

پہلے پختہ عقیدہ رکھے گا کہ تعلیم ایک ربانی عمل ہے حق تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو اسماء کی تعلیم دی اور قلم کے ذریعے سے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا، معلم اس بات کا استحضار کرے کہ درس وتدریس بڑا مقدس مشغلہ ہے کیونکہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کا مشغلہ رہا ہے، رسولِ عربی ﷺ کو معلم بنا کر بھیجا گیا ہے، علماء انبیاء علیہم السلام کے وارث ہیں، تو تعلیم بہترین مورثین کی اعلیٰ میراث ہے،جب معلم اپنے عظیم منصب کا احساس کریگا تو اپنے اعمال واخلاق بھی اس جیسے اپنائے گا،اور اس کے اندر فکری بلندی پیدا ہوگی، سچا جذبہ پیدا ہوگا، محض تنخواہ وملازمت اس کا ہدف وترجیح نہ ہوگی۔ معلم کی بنیادی ذمہ داری ہے کہ جو کتاب وفن اسے پڑھانے کے لئے سپرد کیا جائے، اس فن کی متعلقہ تمام معلومات طلبہ کو فراہم کرے اور یہ تب ہوسکتا ہے کہ وہ پہلے خود اس سے مالا مال ہو اگر وہ خود اس سے تہی دست ومحروم ہے تو طلبہ کو کیا دیگا؟ کیونکہ یہ بدیہی بات ہے کہ انسان کے پاس جو چیز خود موجود نہ ہو وہ دوسرے کو نہیں دے سکتا۔ علماء وطلبہ میں تخصصات کا رجحان واہمیت اسی نکتے سے پیدا ہوا ہے کیونکہ کسی فن میں تخصص کرنے سے انسان اس فن کی معتدبہ معلومات کا حامل بن جاتا ہے، اس فن کے نشیب وفراز سے خوب واقف ہوجاتا ہے، اس سے وہ قابو میں آجاتا ہے، پھر وہ ماہرِ فن جس اسلوب وپیرائے میں چاہے اپنا فن پڑھا، سمجھا سکتا ہے، علم کے حریص طلبہ کو اسی طرح کی شخصیات کی تلاش ہوتی ہے، اور وہ اسی کا رخ کرتے ہیں۔

فن کو پڑھانے کے ساتھ ساتھ یہ بھی لازمی ہے کہ تربیت کے طریقے جانتا ہو کیونکہ طالبِ علم کسی آلہ کا نام نہیں کہ جسے آپ اپنے سامنے رکھ کر تمام معلومات اس میں بھر دیں، بلکہ وہ انسان ہے، اس کے اندر روح ہے، عقل ہے، اس کے جذبات و نفسیات ہیں، اس لیے معلم ان تمام پہلوؤں پر نظر رکھتے ہوئے ہر طالبِ علم سے مناسب برتاؤ کرتے، اس کے لیے طرقِ تربیت سے آگاہی لازمی ہے۔ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سمجھانے کا گُر جانتا ہو، اس کے کلام میں فصاحت و بلاغت ہو تاکہ اس کی مدد سے وہ طلبہ تک اپنی معلومات، افکار، توجہات اور مہارتیں بآسانی پہنچا سکے، اس کی چند بنیادیں ہیں:

معلم کی زبان صاف ہو، گفتگو واضح ہو، جسے تمام طلبہ آسانی سے سمجھ سکیں، کلام میں وقفہ ہو لگاتار نہ ہو، آواز بقدرِ ضرورت بلند ہو، نہ زیادہ بلند ہو کہ باعثِ تکلیف بنے اور نہ زیادہ پست ہو کہ نہ سنی جائے، کلمات کی نوعیت، جملوں کی بناوٹ عقلی معیار و استعداد کے موافق ہو، تفہیمِ درس کے لیے مختلف اسالیب کی قدرت رکھتا ہو، مشکل الفاظ استعمال کرنے سے احتراز کرتا ہو، بسا اوقات ایک معلم ایک لفظ کو آسان سمجھ کر اس خیال سے استعمال کرتا ہے کہ سب طلبہ اس کا معنی سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہوتا، سید المعلمین رسولِ عربی ﷺ جب گفتگو فرماتے تو اہم بات کو تین مرتبہ ارشاد فرماتے تاکہ اچھی طرح سمجھی جائے۔ معلم کی کامیابی کا اولین راز اس کا تدریسی شوق

اور اشاعتِ علوم کا جذبہ صادقہ ہے، معلم میں جب تک پڑھانے کا شوق وجذبہ اور علمی امانت کو بحسن وخوبی آگے پہنچانے کا عزم مصمم نہ ہو، تو وہ اپنے اس مقدس مشغلے میں " مخلص نہیں بن سکتا، بالفاظ دیگر وہ تدریس میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔

طلبہ میں جو نقصِ عام پایا جارہاہے کہ وہ کام کے آدمی ثابت نہیں ہوتے، اس کا اول سبب یہ کہ ماہرینِ فن کا قحط ہے، اور پھر کوئی ماہر بھی ہو تو اسے اشاعتِ علوم کا جذبہ نہیں، اور یہ کام ہمیشہ سچے جذبے سے ہوتاہے، محض تنخواہ وملازمت سے نہیں۔ معلم اس عظیم اجر وثواب کی طرف دیکھیں جو اس کو اللہ کی طرف سے ملتاہے بشر طیکہ نیت درست ہو،اور اس بات کا دھیان ہو کہ یہ طلبہ مستقبل کے معمار اور قائد ہیں۔ گویا آپ مستقبل کے معاشرے کی بنیادیں مضبوط کر رہے ہیں۔ مدرس ، معلم ٹیچر،پروفیسر اور شیخ یہ سوچے کہ یہ طلبہ ان کے پاس امانت ہیں ، ان کے والدین اور، حکومت نے آپ پر اعتماد کیاہے، اور پڑھانے کے لیے ایک حد تک آپ کو دیگر مشاغل سے فارغ اور یکسو کرکے تعلیمی مہم کے لئے تعینات کیاہے۔

تراویح

یہ ’’ترویحہ بمعنی استراحت‘‘ کی جمع ہے، جو تراویح کی ہر چار رکعتوں کے درمیانی وقفے کو کہا جاتا ہے، تراویح رمضان المبارک کی ایک امتیازی عبادت ہے، جو اپنی الگ شان رکھتی ہے، اس نماز کے ذریعہ رمضان المباک میں مسجدوں کی رونق بڑھ جاتی ہے، عبادات کے شوق میں غیر معمولی اضافہ ہو جاتا ہے، روحانیت میں ترقی ہوتی ہے، ایک ایک سجدے کی وجہ سے اللہ سے تعلق بنتا چلا جاتا ہے۔

ا۔ صحیح احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے رمضان المبارک میں تراویح کی باجماعت نماز چند مرتبہ پڑھائی، لیکن جب مجمع زیادہ بڑھنے لگا، تو صحابہ کرامؓ کے غیر معمولی ذوق وشوق کو دیکھ کر آپ ﷺ کو خطرہ ہوا، کہیں یہ نماز امت پر فرض نہ کردی جائے، تو آپ ﷺ نے یہ سلسلہ موقوف فرمادیا، (بخاری شریف 1۔ 269) پھر عہد صدیقی میں مکمل اور دور فاروقی کے ابتدائی زمانہ تک یہ سلسلہ یونہی جاری رہا، اس کے بعد حضرت عمرؓ نے جب یہ دیکھا کہ لوگ مسجد میں تنہا یا چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنا کر نماز تراویح پڑھتے ہیں، آپؓ نے مناسب سمجھا، کہ تراویح کی باقاعدہ جماعت قائم کردی جائے، چنانچہ آپؓ نے صحابہؓ کے بہترین قاری ابی بن کعبؓ کو تراویح کا امام مقرر فرمایا۔ (صحیح بخاری)۔

۲۔ حضرت عبدالعزیز بن رفیعؒ کہتے ہیں کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان المبارک میں مدینہ منورہ میں ۲۰ رکعت تراویح لوگوں کو پڑھاتے تھے اس کے بعد ۳ رکعت وتر پڑھایا کرتے تھے۔ (مصنف ابن شیبہ ۲۔۱۵۶)۔

۳۔ حضرت یزید بن رومانؓ فرماتے ہیں کہ لوگ رمضان المبارک میں حضرت عمر فاروقؓ کے زمانے میں تیئیس (۲۳) رکعت پڑھتے تھے ۲۰ رکعت نماز تراویح اور ۳ وتر۔ (السنن الکبری للبیہقی ۲۔۴۹۶)۔

۴۔ملا علی قاریؒ نے لکھاہے کہ صحابہؓ کا اس بات پر اجماع ہے کہ تراویح ۲۰ رکعت ہیں مرقاۃ ۳ص ۳۴۷)۔)

۵۔ علامہ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات طے شدہ ہے کہ حضرت ابی بن کعبؓ رمضان میں ۲۰ رکعت تراویح اور تین وتر پڑھاتے تھے کیونکہ یہ بات مہاجرین وانصار کی موجودگی مین پیش آئی اور کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ (مجموعۃ الفتاوی)۔

۶۔امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ میں اکثر اہل علم کی یہی رائے ہے

کہ تراویح کی بیس رکعات ہیں، جیساکہ حضرت عمرؓ حضرت علیؓ اور دیگر حضراتِ صحابہؓ سے مروی ہے، سفیان ثوری، عبداللہ بن مبارک اورامام شافعی کا یہی قول ہے، امام شافعی فرماتے ہیں، میں نے مکہ مکرمہ میں لوگوں کو بیس رکعت ہی پڑھتے ہوئے پایا، یہی موقف ابن عباسؓ، نعمان بن بشیرؓ اور حضرت عائشہؓ سے مروی ہے۔

ترمذی)۔)

۷۔ تعامل صحابہؓ،تابعین، تبع تابعین یعنی خیر القرون میں اور مابعد میں بھی جمہورِامت حتیٰ کہ اہل حرمین شریفین کا معمول یہی رہاہے۔

انہیں روایات وآثار اور تعامل کی وجہ سے جمہور علما اور ائمہ اربعہ (امام ابو حنیفہؒ،امام مالکؒ،امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ) کا متفقہ موقف یہ ہے کہ تراویح کی رکعاتِ مسنونہ بیس ہیں ۔اس لئے تراویح ۲۰رکعت پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے ،اور اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرنی چاہیے ،ہم اپنے دوستوں کی محفل میں گھنٹوں ضیاعِ وقت کر جاتے ہیں ،ایک یا ڈیڑھ گھنٹہ اللہ کے سامنے کھڑے ہونے سے ہمیں دل برداشتہ نہیں ہونا چاہیے، بلکہ ہمت سے کام لینا چاہیے ،نامعلوم یہ ہماری زندگی کاآخری رمضان ہو۔اہل حدیث کے یہاں کچھ روایات کی بناپر آٹھ رکعات تراویح پڑھی جاتی ہیں،اہل تشیع تقریباًتراویح کی جماعت کے قائل نہیں ہیں۔ بہرکیف ہم یہاں اپنے قارئین کے لئے

تراویح کے متعلق چیدہ چیدہ اور اہم مسائل ذکر کئے دیتے ہیں۔

☆نماز تراویح سنت مؤکدہ ہے، بلاعذر چھوڑنا گناہ ہے، اگر فوت ہوجائے تو قضا نہیں۔

☆اعتکاف کی طرح ہر محلے کی مسجد میں تراویح سنتِ کفایہ ہے، اگر کسی محلے میں کہیں بھی تراویح کی جماعت نہ ہو، تو پورا محلّہ گنہگار ہوگا۔

☆مسافر و مریض کے لئے اگر تراویح دشوار نہ ہو، تو پڑھنا افضل ہے۔

☆ سمجھدار مراہق کی امامت میں تراویح کی جماعت ہو سکتی ہے۔

☆نابالغ سامع کو صفِ اول میں کھڑا ہونے کی اجازت ہے۔

☆نماز تراویح اور تمام سنن نوافل اگرچہ مطلق نماز کی نیت سے درست ہوجاتی ہیں، لیکن بہتر یہ ہے کہ اس میں تراویح کی نیت کرکے نماز شروع کی جائے، کہ میں ۲ یا ۴ رکعات نماز تراویح ادا کررہا ہوں۔

☆اگر غلطی سے تین رکعتیں پڑھیں، مگر دوسری رکعت پر قعدہ کرلیا، تو وہ صحیح ہوگئیں اور تیسری باطل ہو گئی، تیسری رکعت میں جو حصہ قرآن کا پڑھا ہے، اسے دہرائیں اور اگر ایک سلام سے تین رکعتیں پڑھیں اور دوسری رکعت پر قعدہ نہیں کیا، تو تینوں رکعتیں شمار میں نہیں آئنگی، ان میں جو قرآن پڑھا ہے، اسے دہرایا جائیگا۔

☆اگر ایک سلام سے ۴ رکعتیں پڑھیں، اور دوسری رکعت پر قعدہ کیا تو چاروں صحیح ہوگئیں اور اگر ایک سلام سے ۴ رکعتیں پڑھیں اور قعدہ اولی نہیں کیا، تو

صرف اخیر کی ۲ رکعتیں معتبر ہونگی اور پہلی ۲ رکعتیں شمار نہیں ہوں گی، لہٰذا ان پہلی دو رکعتوں میں جو قرآن پڑھا ہے، صرف اسے دہرایا جائے گا۔

☆تراویح باجماعت ۲۰ رکعتیں دس سلاموں سے پڑھی جائیں گی ،اور ان میں ہر ترویحہ میں یعنی ہر ۴ رکعت میں کچھ دیر وقفۂ استراحت کرنا پسندیدہ ہے ،ترویحہ کے لئے کوئی خاص عبادت متعین نہیں ہے ،بلکہ کچھ ذکر واذکار،تلاوت یا نفلوں کا سلسلہ ہونا چاہئے ۔

☆کسی شخص سے تراویح کی بعض رکعات چھوٹ جائیں ،توترویحہ میں وہ رکعات پوری کرلے، اگر پھر بھی رہ جائیں اور امام وترپڑھانے کیلئے کھڑا ہوجائے، توامام کے ساتھ اولاًوتر ادا کرے، اس کے بعد چاہے تو اپنی چھوٹی ہوئی رکعات پڑھیں ۔

☆تراویح صلاۃِ عِشاء کی توابع ہیں،اس سے پہلے پڑھنا درست نہیں ہے۔

☆تراویح الگ سنت ہے اور ختم الگ، ختم کے بعد بھی اگر ایام رمضان باقی ہیں،تو تراویح کا تسلسل جاری رہے گا۔

☆جس نے عشاء کی نماز باجماعت نہ پڑھی ہو، وہ اپنی فرض نماز تنہاپڑھ کر، تراویح اور وتر کی جماعت میں شریک ہوسکتاہے ۔

☆تراویح میں ختم قرآن بھی سنت ہے،ایک رات یا تین یاسات ،یا اس سے زیادہ میں ختم قرآن سب جائز ہے، البتہ صحت حروف اور عربی لب ولہجہ کا خیال رکھا جائے۔ نیز ختمِ قرآن کریم پر کسی قسم کا معاوضہ لینا جائز نہیں ہے۔

☆سورۂ فاتحہ سے پہلے اور سوائے سورۂ براءۃ کے ہر سورت کی ابتدا میں بسم اللہ

پڑھنا امام کے واسطے ضروری ہے، البتہ سامعین کے لئے ایک مرتبہ ہی امام کا جھراً پڑھنا کافی ہے۔

☆نمازِتراویح مردوں کی طرح خواتین کے بھی ذمے ہے، طریقۂ کار میں کوئی فرق نہیں ہے،اگر کوئی محرم حافظ میسر ہو، تو ان کی امامت میں ختم قرآن میں شریک ہوں،نا محرم ہو تو پس پردہ ان کا قرآن سنیں۔خواتین کی امامت مکروہ ہے، لیکن پھر بھی کوئی حافظۂ قرآن ہو، جو عورتوں ہی کو امامت کرائیں،تو ''خاتون امام'' مرد امام کے مانند آگے الگ مصلے پر کھڑی نہ ہو، بلکہ پہلی صف میں ہی دیگر خواتین کے ساتھ تھوڑا سا آگے کو کھڑی ہو،حافظہ کی آواز بھی غیر محرموں کو سنائی نہ دے، نیز یاد رہے خواتین کی اقتدا میں مردوں کی نماز نہیں ہوگی ،اگرچہ محرم ہی کیوں نہ ہوں۔

امید بہار رکھ

اب اس بحث میں پڑنے کا تو شاید کوئی فائدہ نہیں ہو گا کہ مالا کنڈ کے موجودہ المیے کا سبب کون بنا؟

عسکریت پسند یا عسکری قوت؟ عوام، علماء، حکمران اور سیاست دان جو اس المیے کو گزشتہ ایک عرصہ سے رونما ہوتا دیکھ رہے تھے، انھوں نے اسے ٹالنے کے لیے کیا کردار ادا کیا؟ وہ کوئی کردار ادا کر بھی سکتے تھے یا نہیں؟ اس میں کس فریق کے ساتھ اندرونی اور بیرونی ہمدردوں کی کتنی اور کیسی ہمدردی، رہنمائی، ہمراہی اور ہمنوائی رہی ہے؟ اس حوالے سے بھی کچھ کہا جا سکتا ہے، نہ کچھ کہنے کا فائدہ ہے۔

اس وقت افواج پاکستان سوات کے عسکریت پسندوں کو ''راہ راست'' پر لانے اور وزیر ستان کے طالبان کو ''راہِ نجات'' دکھانے کی فیصلہ کن مہم پر ہیں۔ یہاں بھی بے شمار سوالات ہیں، طالبان اور مجاہدین کون ہیں؟ ان کے مقاصد کیا ہیں؟ ان میں اچھے کتنے ہیں اور برے کتنے ہیں؟ وہ کوئی حقیقی طاقت ہیں یا تصوراتی؟ اگر حقیقی ہیں تو ان کو کتنا نقصان ہوا اور ہو رہا ہے؟ اس خانہ جنگی کا ذمہ دار کون ہے؟ اور کیا اس طرح عسکریت پسندی ختم بھی ہو جائے گی یا اس میں مزید اضافہ ہو گا؟ یہ جنگ ہماری اپنی ہے یا غیروں کی؟ یہ ساری چیزیں اِمکان

واحتمال کے درجے میں ہیں، صرف اتنی بات طے ہے کہ بے شمار لوگوں کو ''براہِ راست'' خالق حقیقی سے ملانے اور دنیوی زندگی سے ''نجات'' دلانے کا عمل اپنے جوبن پر ہے۔

قوموں کی زندگی میں ایسے حالات آتے رہتے ہیں اور ان حالات میں مقتدر اور با اختیار قوتوں کی آزمائش ہوتی ہے، چنانچہ ان کے فیصلوں کی بنیاد پر قومیں عروج یا زوال کی راہ پر چلتی ہیں اور دوسروں کے لیے نشانِ راہ چھوڑ جاتی ہیں یا خود نشانِ عبرت بن جاتی ہیں۔ وطن عزیز میں اس وقت جو صورتِ حال ہے وہ قیادت کے فقدان اور بیرونی مداخلت کا ایسا منہ بولتا ثبوت ہے کہ اس کی نظیر ماضی میں حقیقتاً (نہ کہ مبالغۃً) نہیں ملتی۔ نفاذ شریعت کے لیے مسلح جدوجہد کے قائل اور حامی لوگوں سے اختلاف اپنی موت کو دعوت دینے کے مترادف ہے، فوجی قیادت سے اختلاف رائے بھی اپنے پروانہ موت پر دستخط کرنے سے کم نہیں ہے۔ گویا ہر طرف موت ہی موت ہے اور دلیل وبرہان، مشاورت اور مفاہمت کی راہیں مسدود اور معدوم ہوتی جارہی ہیں۔

حالات سے غافل رہیں تو بزدلی اور کم ہمتی کا احساس ڈستا ہے اور اگر باخبر رہیں تو مایوسی اور دل شکستگی بے چین کرتی ہے۔ تاریخ کے اوراق میں موجود جنگوں، المیوں، مصیبتوں اور فتنوں کی وہ داستانیں جو کبھی گرمیٔ محفل کے

لیے سنائی جاتی تھیں، جوش خطابت میں غازی گفتار اور زور کتابت میں قلم کے شیروں کا سرمایہ تھیں، آج سمعی وبصری آلات کے ذریعے اور بہ چشمِ خود ہزاروں المیے دیکھ دیکھ کر وہ سب ہیچ معلوم ہوتی ہیں۔

موجودہ آپریشن کے بعد قوم کتنی راحت محسوس کرتی ہے؟ یہ آنے والے دن بتائیں گے، البتہ آج نصف کروڑ اہل وطن اس سے جس قدر متاثر ہیں، اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے۔اس وقت بظاہر تو وہی فتنے والی صورتِ حال ہے کہ کوئی حل کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا ہے، بہر حال رجائیت اور امیدِ خیر کو کسی طرح ہاتھ سے جانے نہیں دینا چاہیے اور جو ہوا اور ہو رہا ہے بجائے اس پر رونے دھونے کے حالات کی اصلاح، صورتِ حال کی بہتری، متاثرین کی مدد اور معاونت، اجتماعیت کو فروغ دینے اور وحدت ویکجہتی کا ثبوت دینے کی اپنی بساط کے مطابق کوششیں کرنی چاہییں۔

ہر فرد اور ہر جماعت کو بغاوت و نفرت کے خاتمے، امن وبھائی چارے، الفت ومحبت کے فروغ کے لیے اپنی صلاحیتیں صرف کرنی چاہییں، دعاؤں اور توبہ واستغفار کا اہتمام کرنا چاہیے، بعید نہیں کہ اللہ تعالی قوم اور امت کے حق میں کوئی بہتر فیصلہ فرمادے، اس لیے کہ پاکستان بہر حال امت کی امیدوں کا مرکز اور مسلمانوں کا گھر ہے، جسے قائم، خوش حال اور روبہ ترقی رہنا چاہیے

اور اس کے لیے ہمارا اجتماعی اور انفرادی کردار بڑی اہمیت رکھتا ہے، سو ”پیوستہ رہ شجر سے امید بہار رکھ“ کا نمونہ بننے اور بنانے کی آج جتنی ضرورت ہے شاید پہلے کبھی نہ رہی ہو۔

اعتکاف، لیلۃالقدر اور عیدین: مختصر مختصر

جنابِ محمد عربی اللہ صلی اللہ علیہ وعلی آلہ وصحبہ وسلم نے فرمایا:

۱: بیشک اللہ تعالی نے فرض کیا ہے تم پر رمضان کا روزہ اور سنت قرار دیا ہے اس (کی راتوں) کا قیام، پس جو شخص اس کا روزہ رکھے اور اس (کی راتوں) میں قیام کرے ،اس پر ایمان لاکر (یعنی صیام وقیام کو دین کا حکم سمجھے، ثواب طلب کرنے کی نیت سے او ریقینی سمجھ کر، تو ہوگا وہ عمل کفارہ (مٹانے والا) گذرے ہوئے گناہوں کا (یعنی جو اس سے صغیرہ گناہ ہوئے ہیں ماضی میں، وہ سب معاف ہوجاوینگے، لہذا اس مہینہ میں بہت نیکیاں کرنی چاہیئں، کیونکہ اس میں ایک فرض ادا کرنے سے ستّر فرضوں کا،اور کوئی نفل کام کرنے سے فرض کام کے برابر ثواب ملتا ہے)۔

۲: جس نے اعتکاف کیا دس دن (اخیر عشرہ) رمضان میں، تو ہوگا وہ (اعتکاف) مثل دو حج اور دو رعمروں کے، (یعنی دو حج اور دو عمروں کا ثواب اسے ملے گا) ۔

۳: جس نے اعتکاف کیا عبادت جان کر اور ثواب حاصل کرنے کے لئے، اس کے گذشتہ

گناہ بخش دیے جائینگے۔

لیلۃ القدر (قدر ومنزلت والی رات) کی فضیلت کے بارے میں حق تعالی فرماتے ہیں : لیلۃ القدر خیر من الف شھر، یعنی لیلۃ القدر بہتر ہے ہزار مہینوں سے، مطلب یہ ہے کہ اس رات میں عبادت کرنے کا اس قدر ثواب ہے کہ اس کے سوا اور ایام میں ہزار مہینے عبادت کرنے سے بھی اس قدر ثواب نہیں میسر ہو سکتا، جتنا ثواب اس ایک رات میں عبادت کرنے سے مل جاتا ہے۔

اس آیت کا شان نزول امام سیوطی نے لباب النقول میں یوں بیان کیا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی اسرائیل میں سے ایک آدمی کا تذکرہ فرمایا، جس نے ہزار مہینے اللہ تعالی کے راستے میں لگائے تھے، تو تعجب ہوا مسلمانوں کو اس بات سے، نازل فرمائیں اللہ تعالی نے یہ آیتیں: (انا انزلناہ فی لیلۃ القدر وما ادراک ما لیلۃ القدر، لیلۃ القدر خیر من الف شھر) یعنی یہ شبِ قدر بہتر ہے ان ہزار مہینوں سے جو اس اسرائیلی مرد نے اللہ تعالی کے راستہ میں لگائے تھے۔

دوسری روایت میں یہ ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مرد تھا جو رات کو عبادت کرتا تھا صبح کو جہاد کرتا تھا، یہ عمل کیا اس نے ہزار مہینے، پس نازل،

فرمائی اللہ تعالی نے : (لیلۃ القدر خیر من الف شھر) یعنی ان ہزار مہینوں سے جن میں اس مرد نے عبادت وجہاد کیا تھا، یہ ایک رات بہتر ہے۔

۴: حدیث میں ہے، یہ مہینہ (یعنی رمضان) تمہارے پاس آگیا اور اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے بہتر ہے، جو شخص اس رات (کی برکت، اطاعت وعبادت) سے محروم کیا گیا، وہ تمام بھلائیوں سے محروم ہوا، اور نہیں محروم کیا جاتا ہے اس کی برکتوں سے مگر بڑا ہی محروم وحقیقی نامراد۔

۵: بیشک اگر اللہ چاہتا، تو تم کو لیلۃ القدر پر مطلع کر دیتا (لیکن بعض حکمتوں سے بالتعیین اس پر مطلع نہیں کیا) لہٰذا اس کو (رمضان کے سات) آخری راتوں میں تلاش کرو، (کہ ان راتوں میں غالب گمان شب قدر کا ہے اور تلاش کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ان راتوں میں جاگو اور عبادت کروتا کہ تمہیں لیلۃ القدر میسر ہو جاوئے)۔

۶: لیلۃ القدر ہر رمضان میں ہوتی ہے۔

۷: لیلۃ القدر ستائیسویں شب (رمضان کو ہوتی ہے) (اس رات کی تعیین میں بڑا اختلاف ہے، مگر مشہور قول یہی ہے کہ ستائیسویں کو شب قدر ہوتی ہے، بہتر یہ

ہے کہ اگر ہمت اور قوت ہو، تو اخیر کی دس راتوں میں اعتکاف کرے یا کم از کم جاگے رہے، اس میں یہ ضروری نہیں کہ کچھ نظر آئے، جب ہی اس کی برکت میسّر ہو، بلکہ کچھ نظر آئے یا نہ آئے عبادت کرے اور برکت حاصل کرے۔ مقصود یہی ہے کہ اس رات کی برکت اور اس قدر ثواب کو حاصل کیا جائے، کسی چیز کا نظر آنا مقصود یا ضروری نہیں)۔

جو بیدار رہا (عید) الفطر کی رات اور عید الاضحیٰ کی رات میں نہ مردہ ہوگا، اس کا :۸ دل جس دن سارے دل مردہ ہونگے، (یعنی قیامت کے دن کی دہشتوں سے محفوظ رہیگا جس روز کہ لوگ قیامت کی سختیوں سے پریشان ہونگے)۔

اسمِ اعظم

زندگی میں ضرور کچھ وقت اسم اعظم پڑھنے کے لئے مختص کریں،ان شاء اللہ ہر معاملے میں سہولت ہوگی،اور تمام امور خود بخود بہتر طور پر انجام پانے لگیں گے،اللہ تعالیٰ کے ننانوے اسمائے حُسنیٰ پابندی سے پڑھ لیا کریں،یا کسی ایک نام کو روزانہ سو بار پکارا کریں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ کے اسم اعظم کو جو بھی بندہ پکارے گا، اس کی دعاء ضرور قبول ہوگی، لیکن لیلۃ القدر کی طرح اسم اعظم عمومی طور پر مخفی رکھا گیا ہے، البتہ بعض روایات سے اشارے ملتے ہیں۔مثلاً: آپ ﷺ نے فرمایا، حق تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں، جس کسی نے یہ نام یاد رکھ لئے وہ جنتی ہوا۔ام المؤمنین حضرتِ عائشہ صدیقہؓ نے ایک بار یوں دعاء مانگی: ''اللھم اِنی ادعوک اللہ وادعوک الرحمٰن وادعوک البرّالرحیم وادعوک باسمائک کلہا ماعلمتُ منہا ومالم اعلم ان تغفرلی وترحمنی''

آپ ﷺ نے فرمایا ان کلمات میں اسم اعظم ہے۔(ابن ماجہ)۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو یوں کہتے سنا: ''اللھم اِنی اشھد انک انت اللہ لا اِلٰہ الا انتَ الاحد الصمد الذی لم یلد ولم یولد ولم یکن لہ کفواً

احد"، آپ ﷺ نے فرمایا: بخدا تو نے اللہ تعالیٰ سے اس اسم اعظم کے ذریعے مانگا ہے، کہ اس سے اس کے توسط وتوسل سے کچھ مانگا جائے، تو ضرور دیتے ہیں، اور اس کے ذریعے کوئی بھی دعاء کی جائے، تو وہ اسے ضرور قبول فرماتے ہیں۔ (ابوداؤد)۔

لیکن سب سے بڑی حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو جب بھی دل سے اور توبہ تائب ہو کر مکمل توجہ سے کوئی بھی بندہ پکارے گا، اللہ اس کے بگڑے کام درست فرمالے گا، بے یقینی بے توجہی اور لاأبالی پن میں نہیں۔۔

- دل جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے۔پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہے

مولانا رومی نہ صرف اپنے زمانے بلکہ قیامت تک کے لیے ہر دور میں ولایت وکرامت کا درخشندہ وتابندہ ستارہ ہیں ، وہ ایک شیخ، فقیر، ملنگ، درویش اور ملّا کی صورت میں خدا رسیدہ ولیٔ کامل تھے، دوسری طرف اسی زمانے میں علوم عصریہ وجدیدہ کے ماہر شہرۂ آفاق سائنس داں مسٹر ابن سینا بھی آسمانِ علم معرفت پر آفتاب و مہتاب کی طرح جگمگا رہے تھے، دونوں نے ایک دوسرے کے بارے میں اچھی طرح سن رکھا تھا، دونوں کا طوطی اپنے اپنے دائرے میں خوب بولتا تھا، دونوں کے تلامذہ ومتوسلین اپنے اپنے اساتذہ ومرشدین کے تذکرے جابجا اور گاہ بگاہ کیا کرتے تھے ، چنانچہ ایک مرتبہ جدید فلکیات کا یہ ماہر کامل

مسٹر ابن سینا، اپنے ہی دور کے دقیانوس اور رجعت پسند ماہر شریعت و طریقت مولانا رومی کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں کیا دیکھتے ہیں، مولانا اپنے پاس حاضرین مسترشدین اور متعلّمین احسان و سلوک میں سے کسی کو اسم اعظم کے سو بار پڑھنے،، کسی کو سورۂ فاتحہ، کسی کو معوذتین، کسی کو لفظ اللہ، رحمان، رحیم اور کسی کو درود شریف کے اثرات و فضائل اور ان پر دنیا جہاں کے برابر ثوابوں کا درس دے رہے ہیں اتفاق سے ان تمام باتوں کا تعلق ایمانیات بالغیب سے ہے، جبکہ ابن سینا زمینی، حقائق، موجودات اور محسوسات میں دو اور دو چار کے قائل تھے، یہاں الفاظ کی تاثیر کا حساب کتاب ان کی سمجھ میں نہیں آیا،برافروختہ ہو گئے،اور پھٹ پڑے: ارے مولانا رومی یہ کیا کہہ رہے ہو،ایسا کیسے ہو سکتا ہے، کیوں قوم کا وقت ضائع کر رہے ہو، یہ وظائف اوراوراد کسی کام کے نہیں ہیں،ان میں ہرگز کوئی تاثیر نہیں ہے،لوگوں کو بے وقوف مت بنائیں۔ بس گویا ابن سینا نے شیخ کی خانقاہ میں ایک اودھم مچائے رکھا،آس پاس موجود لوگ ان کی اس بے جا دخل درمعقولات سے سراسیمہ ہو گئے،حیران وپریشان رہ گئے، ایک مولانائے روم تھے، جو بالکل متاثر نہیں ہوئے،بڑے اطمینان سے ابن سینا کی جارحانہ گفتگو اور تقریر سن رہے تھے،جب وہ خاموش ہوئے،
تو مولانا نے بطور روحانی علاج وتداوی ان سے صرف اتنا کہا: ”ارے گدھے،تجھے کیا پتا ہے“۔ابن سینا نے جب دیکھا کہ مولانا انہیں ”گدھے“ کہہ کر مخاطب کر رہے ہیں،ان کے غصے کا پارہ جو پہلے ہی چڑھا ہوا تھا،بامِ عروج پر پہنچ

گیا، وہ مولانا کو گالم گلوچ پر اتر آئے ،دشنام ترازی ، سخت ست اور سب و شتم کرنا شروع کیا، بلڈ پریشر بھی غصے میں خطرناک حدوں تک رگوں میں ڈِگ ڈِگ ،ڈِگ ڈِگ کرنے لگا، پسینے میں وہ یک دم شرابور ہو گئے، وہ ہانپ بھی رہے تھے، ان کے منہ سے جھاگ بھی نکل رہی تھی، وہ کپکپا بھی رہے تھے، چکرا بھی رہے تھے۔ کہ شیخ اور مولوی اتنے بے وقوف اور احمق بھی ہو سکتے ہیں ،جو ابن سینا جیسے عزت مند آدمی کو ''ارے گدھے'' کہہ کر مخاطب کرے، وہ یہی سوچتے رہے اور مولانا کو کوستے.

رہے۔ اتنے میں مولانا نے دھیمے انداز میں اسے دوبارہ مخاطب کیا اور کہنے لگے:

حضرت علامہ بو علی سینا صاحب ۔۔ لفظ ''گدھے'' کی تاثیر آپ نے خود اپنے دل ودماغ اور جسم پر دیکھ لی، اب آپ ہی بتایئے، لفظ ''اللہ'' کی تاثیر کتنی زیادہ اور عظیم الشان ہو گی؟

ابن سینا نے جب مولانا کے یہ کلمات سنے ۔ جیسے انہیں جاگ آئی ہو، وہ برسوں کی نیند سے جیسے اب بیدار ہو چکے ہوں، انہوں نے اپنے سر کو جھٹکا دیا، آنکھوں کو ملنا شروع کیا، چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرنے لگا، اور یکایک جا کر شیخ کے قدموں میں گر پڑا، معافی ومعذرت چاہی، قدم بوسی کی، اور ان کے دامن سے لگ کر رونے لگا، اتنا چمٹ گیا کہ مولانا نے انھیں اپنے حلقہء ولایت ،ارادت وخلافت میں قبول فرما لیا، کہتے ہیں صحیح معنوں میں افلاک وفلکیات کا علم اب جا کر ان کی سمجھ میں آنے لگا تھا۔

اوقات واسماء کی تاثیر کو مد نظر رکھ کر یہاں آج اس واقعے کے بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ رمضان المبارک اپنے تینوں عشروں (رحمت، مغفرت، نجات) کو لے کر رخصت ہو رہا ہے، جمعۃ الوداع بھی آیا ہی چاہتا ہے، اب ہمارے پاس اس ماہِ مبارک کے چند ایام، ساعات اور لحظات ہیں، ان میں ہم لیلۃ القدر، مسنون اور نفلی اعتکاف، مابقے اوقاتِ سحر وافطار میں خوب خوب ذکر واذکار، اوراد تلاوت اور صلوات وعبادات کا اتنا اہتمام کریں، کہ اللہ تعالی کو راضی کر ہی لیں، خصوصاً اہلِ اعتکاف درود شریف، اسمائے حُسنی، الحزب الاعظم، دلائل الخیرات اور قرائت وتلاوت کرکے اپنے واسطے، اہل محلّہ کے لئے، ملک وملت اور پوری انسانیت کیلئے دعاؤں کا التزام کریں۔

ممکن ہے باری تعالی کی رحمت جوش میں آئے اور ہم سب کا بیڑا پار ہو۔

"غزّہ"

فلسطین میں جب سے آبادی ہوئی ہے تب سے قدیم عرب قبائلِ جرہم اور عمالقہ یہاں آباد ہیں۔ ساوی ادیان کا تسلسل حضرت آدم علیہ السلام سے جناب نبی کریم ﷺ تک انسانیت کی تعلیم وتربیت کیلئے مسلم ہے۔ حضرت ابراہیم اور حضرت یعقوب علیہما السلام اگر یہودیوں کے شجرہ نسب کی بنیادیں ہیں، تو حضرت اسماعیل، عدنان اور جناب محمد ﷺ بھی انہیں بنیادوں سے وابستہ و پیوستہ ہیں۔ صرف فلسطین وغزہ ہی نہیں مصر کے علاقوں میں بھی عمالقہ اور جرہم کی شاخیں قدیم سے تھیں۔ فرعون کی اہلیہ حضرت آسیہ بھی بعض مؤرخین کے یہاں ان ہی میں سے تھیں۔ شام، کنعان اور فلسطین اگر حضرت یعقوب کی اولادوں ،،یہود ونصاریٰ،، کی سرزمین ہے، تو اسلام کے پیامبر جنابِ محمدِ عربی بھی اسماعیل کے توسط سے کیا یعقوب کی اولاد نہیں؟ یہودیت اور نصرانیت اگرادیان روحانیہ کے قدیم نسخے ہیں، تو کیا اسلام انہی مذاہب وادیان کا آخری اور تصحیح شدہ ایڈیشن نہیں ہے؟ الحاد اور دھریت اگرچہ الہامی نظریات کا دعویٰ نہیں کرتے، لیکن کسی نے انکے بانیوں کے افکار کا بنظر عمیق مطالعہ فرمایا ہے، کہ مذاہب سے نفرت ان کا عقیدہ نہیں بلکہ انسانیت ان کا موضوع ہے اور یہی انسانیت وحی والہام کا بھی موضوع ومضمون ہے۔ حتیٰ کہ شیطنزم کے مقاصد بھی خلط ملط مباحث نہیں، بلکہ مجوسیت کے عقیدے کے مطابق

خالق شر کوراضی کرنا ہے۔پھر وہ لوگ اہل تحقیق کیسے کہلاتے ہیں جو تاریخی یا ارضیاتی یا عمرانی یا مذہبی یا انسانی حقائق کو تعصب، نفرت یا کور فہمی کی وجہ سے مسخ کرتے ہیں ۔

اس دور میں یہودیت یا نصرانیت مسئلہ نہیں، یہ تو اہل کتاب ہیں، مسئلہ وہ صہیونیت ہے جو ہٹلر کے نازی ازم کی طرح بنی صہیون کو افضل الخلائق مانتے ہیں،یا پھر یہ فاشسٹ، ہیں، خود بہت سے یہودی فرقے ان کے ظلم ستم کے شکار اور ستم رسیدہ ہیں۔انسانیت کے لبادے میں یہ بھیڑیے انسانوں کے دشمن ہیں، غالب نے کیا ہی عجیب تعبیر کی ہے :

پانی سے سگ گزیدہ ڈرے جس طرح اسد ۔
ڈرتا ہوں آدمی سے کہ مردم گزیدہ ہوں

اقوام عالم کو ایک نیٹ ورک میں لانے کے لیے اقوام متحدہ، اسے کنٹرول میں رکھنے کے لیے ریاستھائے متحدہ امریکہ اور اسکو مٹھی میں رکھنے کے لیے اسرائیل کی تاسیس، یہ صہیونیوں کا زعم خویش اور خوش فہمی ہے۔بقول حضرت علی (کلمتہ حق ارید بہا الباطل) یعنی بظاہر سچائی کا نعرہ لگا کر ناجائز وناروا مراد لیا جارہا ہے، حضرت علی نے جس طرح سچائی کو سچائی اور برائی وناجائز کو ناروا ثابت کیا، اس کیلئے قتال ومقاومت سے گریز نہیں کیا، اس خلط

مبحث کو اپنی حکمت ،دور اندیشی اور فہم وفراست سے مندفع کیا،ان بین الاقوامی عظیم اداروں کے خلاف دسیسہ کاریوں کو آج اقوام عالم ، مسلم وغیر مسلم سب کو انسانیت کے خلاف سازش سمجھنا ہوگا، حضرت علی جیسی بزرگ ودانا ہستیاں کسی بھی مذہب ونسل کی ہوں ، پوری انسانیت کیلئے مینارۂ نور اور مشعل راہ ہوتے ہیں ،اقوام متحدہ ہویااس کے ذیلی ادارے ،امریکہ ہویااس کے تعلیمی دانشگاہیں ،یہ سب انسانیت کا ورثہ ہیں ،انہیں تباہ ہونے ،ناجائز کی طرف مائل ہونے ، کسی کادم چھلہ بننے سے بچانا پوری انسانی برادری کافرض ہے، قوموں کے عروج وزوال سے عالم بشری کتنا نقصان اٹھاتاہے،اس پر مولانا ابوالحسن علی ندوی کی کتاب (ماذاخسر العالم بانحطاط المسلمین) شاہد عدل ہے ۔

بہر حال تعصب ونفرت کی عینک اتار کر مسئلہ فلسطین کو سمجھنے کی ضرورت ہے، بطور خاص امریکہ ،برطانیہ ،یورپی یونین ،روس ،چین،اور فرانس جیسے اہل طاقت اور تہذیب وتمدن کے علمبرداروں کو۔

خلافت عثمانیہ کے اواخر کے دورِ اضمحلال سے فائدہ اٹھاکر صہیونیوں نے فلسطین میں پلاٹ خرید خرید کر برطانوی استعمار سے اسے ملک کا نام دینے میں کامیاب ہوگئے ، ۱۹۴۸ میں لاکھوں عربوں کی زمینوں پر قبضہ کرکے اسے وسعت دی گئی، ۱۹۶۸میں مزید وسعت کیلئے پورے فلسطین پر قبضہ کرلیا، عرب مسلمانوں

ومسیحیوں کو بے دخل کرکے ان کے گھروں کو مسمار کر دیا گیا، اطراف عالم سے صہیونی مزاعم کے حاملین کو لا لا کر آباد کر دیا گیا، ان کیلئے نئی مستوطنات اور کالونیز بنادی گئیں بچے کھچے اصلی باشندگان کو طرح طرح کی اذیتوں سے دوچار کیا گیا، عرصۂ حیات ان پر، تنگ کر دیا گیا۔

ان کم بختوں نے ہٹلر سے نفرت کے باوجود اس کی فکر وفلسفے کو سینے سے لگالیا، اپنی نالائقیوں اور سازشوں کی بناء پر بھٹک بھٹک کر زندگی گذارنے والوں نے یہاں کے معصوموں کو در در کی ٹھوکریں کھانے پر مجبور کر دیا، اس پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ در در میں بھی ان کا پیچھا کرکے ان کی ٹارگٹ کلنگ کرنے لگے۔

انسان اپنی نادانیوں ناکامیوں اور نامرادیوں سے عقل یکھتا ہے، مگر صہیونی عجیب ہیں یہ عقل کے ناخن نہیں لیتے، یہ اپنی حرکتوں، کرتوتوں اور حماقتوں سے یہ باور کراتے، ہیں کہ جس جس نے جب جب ہمیں مارا تھا وہ ٹھیک تھے، انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے۔

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے ؎
ناطقہ سر بگریباں کہ اسے کیا کہئے

اللہ کے نہ ماننے والوں کی مخالفت یہ لوگ اللہ تعالی کو مان کر کرتے ہیں ،اپنے آپ کو مقدس اور ابناء اللہ واحباء ہ کا دعوی بھی کرتے ہیں ،پھر اسی اللہ ،اس کے فرشتوں بطور خاص حضرت جبریل اور بنی نوع بشری میں ان کے ارسال کردہ مرسلین کی مخالفت ، قتل کرنا،آروں سے چیرنا،ان کا مسخرہ اڑانا،ان کے ماننے والوں کے خلاف سازشیں کرنا،انہیں خاک وخون میں نہلانا،بچوں ، عورتوں ،بوڑھوں ، بے گناہوں اور کمزوروں پر ظلم روا رکھنا ،ان پر آتش وآہن کی بارش کرنا،پانیوں میں زہر ملانا،باغات سبزہ زاروں اور سایہ دار درختوں کی بیخ کنی کرنا ،عبادت گاہوں ، مسجدوں ،چرچوں، اور دیگر متبرک مقامات کی بے حرمتی کرنا ان کا شیوہ ہے،اڑوس پڑوس کے کسی عہد وپیمان کا یہ خیال نہیں رکھتے ،میثاق مدینہ یا فلسطین کا معاہدۂ امن وسلام ہر ایک کی دھجیاں انھوں نے ہی اڑائیں۔

روم ہو یا فارس ،فرعون ہو یا ہامان ، رحمۃ للعالمین ہو یا ہٹلر آخر ان سب کو انہیں بری طرح اور کس کر مارنے کی کیا ضرورت پڑی ،اللہ تعالی نے صرف ان ہی میں سے کچھ شیاطین کی شکلیں بگاڑ کر بندر وخنزیر میں کیوں تبدیل کیا؟ ارے کیا صہیونیوں میں کوئی رجل رشید نہیں، کل کلاں کہیں ایسا نہ ہو کہ تمام اقوام عالم بالاتفاق یہودیت یا صہیونیت کو سرطان سمجھ کر ہستی ہی سے نکال کر پھینک نہ دیں۔

ابھی تازہ تازہ غزہ پر چاروں طرف سے زمینی ،فضائی اور بحری حملے شروع کر دیئے،اور ایک مرتبہ پھر غزہ کو خون میں لت پت کر دیا، غزہ نے مصر کو قدموں میں کھجلایا،اس نے مرہم پٹی بھیجدی،اردن ،شام ،لبنان کو ذرہ ساہلایا، لیکن وہ اپنوں کے ہاتھوں خود زخمی نکلے،دوحہ ،استنبول کو کراہ کر آواز دی ،عرب لیگ کو نیند سے جگایا،انہوں نے کہا ہم آرہے ہیں،اسلام آباد سے جکارتا اور ادھر حسین کے عیسائی بیٹے بارک حسین اوباما کو چیخیں ماریں، کسی نے صرف مذمت کی اور کسی نے جارح کی عالمی گہری سازشوں سے خائف ہو کر اسے حق بجانب قرار دیا ،غزہ نے دردوالم سہہ کر اپنے آپ مقابلے کی ٹھانی ،جرات وبہادری دکھائی، ’’ تو تیر آزما،ہم جگر آزمائیں‘‘ پر عمل کیا، حالات نے یکایک حیرت انگیز پلٹا کھایا، جگر تیر پے غالب آگیا، اب وہی تیر صلح کی درخواستیں لیئے پھر رہاہے،اور جگر کی شرطوں کے سامنے سر تسلیم خم ہے، کم من فئۃ قلیلۃ غلبت فئۃ کثیرۃ باذن اللہ ۔

زکاۃ اسلام کا بنیادی رکن ہے، قرآن وحدیث میں اسکے فرض ہونے کے قطعی دلائل وافر مقدار میں موجود ہیں، عقیدۃً اس کا انکار کرنے والا مرتد (کافر) ہے، اور بخل کی وجہ سے نہ دینے والا مجرم کبیر ہے۔

حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: ''جس مال کی زکاۃ ادا نہیں کی گئی، وہ قیامت کے دن گنجے سانپ کی صورت اختیار کرے گا، جو اپنے مالک اور سیٹھ کو دوڑائے گا، وہ بھاگ کر جب تھک جائے گا، تو اپنی انگلیاں اس کے منہ میں دیدے گا، جنھیں وہ چباتا رہے گا''۔ (مسند احمد)۔

حضرت ابو ہریرہ سے یہ بھی مروی ہے، جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جو شخص سونے چاندی کا مالک ہو، اور اس کا حق (زکاۃ، صدقات، خیرات، تبرعات اور عطیات کی شکل میں) ادا نہ کرے، تو جب قیامت کا دن ہوگا، اس کے لئے اسی سونے چاندی میں سے آگ کی چادریں بنادی جائینگی، پھر ان آگ سے بنی ہوئی چادروں پر جہنم کی آگ مزید بھڑکائی جائیگی، پھر ان سے ان کے حقوق ادا نہ کرنے والے مالکوں اور سیٹھوں کی کروٹیں اور پیشانیاں داغی جائینگی، جب ان میں کچھ

ٹھنڈک آئیگی، دوبارہ سے انہیں داغنے کے عمل کے لئے ویسے ہی گرم کردیا جائے گا، یہ اس دن کا معاملہ ہے جس کی مقدار پچاس ہزار سال ہے، حتی کہ حشر قائم ہو کر تمام بندوں میں جنت یا دوزخ کا فیصلہ ہو جائے۔ اور جن لوگوں کے پاس مال کی صورت میں جانور ہوں گے، تو ان میں اونٹوں کے متعلق فرمایا: جو ان کے حقِ زکاۃ و خیرات ادانہیں کرتا، ایسے مالک کو قیامت کے دن ایک ہموار میدان میں لٹادیا جائے گا، اس کے اونٹ نہایت موٹے تازے ہو کر قطار اندر قطار آتے جائینگے، پیروں سے اس کو روندتے جائینگے اور دانتوں سے اس کو کاٹینگے، جب پہلی جماعت ان کی گذر جائیگی، پچھلی آتی جائیگی۔ اسی طرح ان بکریوں کے مالک کو ہموار زمین پر لٹادیا جائے گا، جن میں سے اللہ تعالی کے حقوق ادا نہ کئے گئے ہوں، وہ بھیڑ بکریاں بھی ترتیب سے آتی رہینگی، نہ ان میں مڑے ہوئے سینگوں والی ہوگی، نہ بے سینگ اور ٹوٹے ہوئے سینگوں والی، سینگوں سے اسے مارتی رہینگی، اور کھروں سے اسے روندتی رہینگی"، حضرت ابوذرؓ کی روایت میں گائے (بھینس) وغیرہ کا بھی یہی حال بتایا گیاہے۔ (صحیحین)۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: " زکاۃ کا انکار کرنے والا قتل کردیا جائے" (مسند ربیع بن حبیب)۔

، حضرت جابرؓ نبی کریم سے نقل کرتے ہیں: " جب آپ نے اپنے مال کی زکاۃ دیدی

تو آپ نے اپنے آپ کو اس کے شر سے محفوظ کرلیا'' ۔(مستدرک حاکم)۔

حضرت ابوہریرہؓ کی ایک اور روایت ، حضور پر نور ﷺ نے فرمایا: '' جس شخص کو اللہ تعالی مال عنایت کردے ، پھر وہ اس میں سے زکاۃ ادا نہ کرے ، یہ مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن جائے گا، جس کے ماتھے پر خطرناک سانپوں والی دونشانیاں ہوں گی ، یہ گنجاخطرناک سانپ اس کے گلے کا طوق بن کراس میں لٹک جائے گا، اور اپنے مالک کو دونوں باچھوں سے پکڑلے گا، پھر اسے کہے گا، میں تیرا وہی مال ہوں ، میں تیرا وہی خزانہ ہوں ۔پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی : ''ہرگز گمان نہ کرے وہ لوگ جو اللہ کے دیے ہوئے فضل کے انفاق میں بخل کرتے ہیں، کہ کہیں یہ (بخل) ان کے لئے بہتر ہے، عنقریب یہ مال بغیر زکاۃ قیامت کے دن ان کے گلے کا طوق ہوگا۔آل عمران ،180'' ،(صحیح بخاری)۔

نیز دنیا میں بھی زکاۃ ، صدقات وخیرات کے ذریعے سے اپنے اموال کا تزکیہ و تطہیر نہ کرنے کی وجہ سے سخت پکڑ ہوگی ۔آپ ﷺ نے فرمایا: ''کوئی بھی قوم جب زکاۃ کی ادائیگی نہیں کرتی ، تو اللہ تعالی ان پر قحط اور بھوک مسلط کردیتے ہیں'' ، (طبرانی)۔

جناب رسالتمآب ﷺ نے فرمایا: '' جب مالِ زکاۃ وصدقات اپنی مدت پوری ہوجانے کے

بعد بھی دیگر مال کے ساتھ خلط ملط رہے گا، تو وہ پورا مال فاسد اور خراب ہو جائے گا"۔ (بیہقی)۔

آپؐ نے فرمایا: "جب بھی کسی کا کوئی مال بحر و بر میں تلف ہو جائے، یقیناً یہ سمجھ لیا جائے، کہ ان کی زکاۃ کی ادائیگی میں کوتاہی کی گئی تھی"۔ (مجمع الزوائد)۔

یہ تو ادائیگی کی اہمیت، ضرورت اور فرضیت کی بات تھی، دوسری بات یہ ہے کہ زکاۃ بطورِ اجر، ثواب اور عبادت ادا کی جائے، خشوع، خضوع، للٰہیت اور اخلاص کو مدنظر رکھا جائے، نہ کہ جزیہ، ٹیکس اور خراج کی طرح ادائیگی ہو۔ نیز زکاۃ کی ادائیگی ترغیباً للآخرین علی الاعلان" ہو اور دیگر صدقات، خیرات، عطیات اور تبرعات میں" اخفاء سے کام لیا جائے، یہاں یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے، کہ زکاۃ حلال او رطیب مال سے نکالی جاتی ہے، خبیث اور حرام نہ مسلمان کو کسی طرح زیب دیتا ہے اور نہ ہی اس میں سے زکاۃ وصدقات کی نیت سے کچھ اللہ کے پاک نام پر دینا جائز ہے، بلکہ وہ سب یا اس میں کچھ حصہ جب بھی دیا جائے، تو وہ بلانیتِ ثواب دیا جائے۔ ہاں یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ جن کو زکاۃ دی جا رہی ہے، ان کی تحقیق بھی از روئے عبادتِ زکاۃ دینے والے کیلئے از حد ضروری ہے، کہ آیا وہ صحیح مصرف بھی ہے، یا نہیں، آج کل ایک بڑی بیماری یہ

بھی ہے کہ بہت سے لوگ صاحبِ نصاب ہو کر زکاتوں کی وصولیاں کرتے ہیں، ایسے لوگوں کو اس قبیح ذخیرہ اندوزی سے پرہیز کرنی چاہیئے، اور بہت سے ادارے اور این جی اوز وغیرہ لوگ اموال زکاۃ کو مصارف زکاۃ کے بجائے غیر مصارف میں خرچ کرتے ہیں، ان کو زکاتیں دیتے ہوئے اپنی عبادت کا خیال رکھنا لازمی ہے، کچھ ادارے ایسے ہیں کہ ان کے پاس فنڈ کی کثرت کی وجہ سے زکاۃ کئی سالوں تک اکاونٹ میں پڑی رہتی ہے، نہ اس کے تملیک ہوتی ہے، نہ مصرف تک پہنچتی ہے، بسا اوقات زکاۃ دینے والا اللہ کو پیارا ہو جاتا ہے، اور اس کی زکاۃ اگلے دس بیس سالوں تک ادارے کے مصارف کی پائپ لائن میں منتظرِ خرچ ہوتی ہے، اس باریکی کا لحاظ بھی زکاۃ دینے والے کا کام ہے۔

یہاں کالم کے اختتام پر ہم اس حوالے سے چند قرآنی آیات کا بھی تذکرہ کئے دیتے ہیں:

☆''اور متقی وہ ہیں جو ہماری دی ہوئی رزق میں سے انفاق کرتے ہیں'' (بقرہ، 3)۔

☆''اے نبی، ان کے اموال میں سے صدقہ وزکاۃ لو، جس کی وجہ سے انہیں پاک صاف بنالو''۔ (توبہ، 103)۔

☆''اور فلاح پاتے ہیں وہ جو زکاۃ ادا کرتے ہیں'' (المؤمنون 40)۔

☆''اور جو کچھ تم خرچ کروگے اللہ تعالی اس کی جگہ اور دے گا اور وہ بہترین

روزی دینے والا ہے''۔(سبا،39)۔

☆'' جولوگ اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اس کی مثال اس دانہ کی ہے، جس نے سات بالیں (خوشے) اگائیں،ہر بال میں سودانے ہیں، اور اللہ جسے چاہتاہے،اِس سے بھی زیادہ دے گا، اور وہ اللہ وسعت والا ہے اور خوب علم والا ہے، جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنے اموال خرچ کرتے ہیں، پھر خرچ کرنے کے بعد نہ احسان جتاتے ہیں، نہ ا ذیت دیتے ہیں، ان کے لئے ان کا اجر وثواب ان کے رب کے یہاں ہے۔نہ ان پر کوئی خوف ہوگا نہ وہ غمگین ہوں گے۔اچھی بات اور کسی کو معاف کردینا اُس صدقہ سے بہتر ہے جس کے بعد اذیت کا عمل ہو، اور اللہ تعالی بے پرواہ ہے اور حلم والا ہے (بقرہ ۔141۔143)

☆''جو لوگ سونا چاندی کے خزانے بناتے ہیں،اور انہیں اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، تو ایسے لوگوں کو ایک دردناک عذاب کی خوشخبری (سرپرائز) دو، جس دن جہنم میں وہ خزانے گرم کئے جائینگے، پس ان سے ان کی پیشانیاں، کروٹیں، اور کمرکی پُشتیں داغی جائیں گی، (اوران سے کہاجائے گا، یہ وہی مال ہے، جو تم نے ذخیرہ کرکے جمع کیا تھا اپنے لئے، سو اب چکھو جو کچھ تم ذخیرہ کیا کرتے تھے''۔(توبہ،34۔35)۔اللہ توفیق دینے والے ہیں۔

صہیونی ایک ناسور

لوگ خوشی خوشی کفن خرید رہے ہیں اپنے پیاروں کے لئے ،بہت انوکھی عید کی خریداری ہے فلسطین کے شہر غزہ میں۔یہ انسان دشمن سماج دشمن تہذیب دشمن صہیونی کون ہیں؟کہاں سے آئے ہیں؟کیا کر رہے ہیں؟آیئے آپ کو اس ناسور اور کینسر کے بارے میں بتاتے ہیں۔

جب آپ عالمِ عربی پر سرسری نگاہ ڈالتے ہیں تو اس کے درمیان اسرائیل اپنے جغرافیا،رنگ و نسل،تہذیب و ثقافت،مذہبی رسومات وشعائر،لب ولہجہ،قومیت اور زبان کے حوالے سے ایک اجنبی حصہ نظر آتا ہے،یوں لگتا ہے کہ اس عظیم عربی جسد میں گویا یہ ٹکڑا بتکلف و تصنع جوڑدیاگیا ہے،اس غیر متعلقہ ٹکڑے کوایک ناسور کے مانند اس طرح غیر فطری انداز سے عالم عربی کے بدن میں جوڑنا یہود ہی کا کارنامہ ہے،یہی وہ ناسور ہے جسکی وجہ سے یہ پورا جسم لہو رنگ اورچور چور ہے۔

آج سے تقریباً ستر برس قبل صہیونیوں کے روحانی پیشوا ٹیوڈور ہرٹزل نے اپنے ان مشہورافکاروخیالات کا نقشہ پیش کیا تھا،جس میں یہود کے لئے ایک علیحدہ ملک کا ذکر ہے اور یہ بھی مذکور ہے کہ اس کا نام اسرائیل ہوگا۔جو آج

بطور ملک قائم اور عالم عربی کی سرزمین پر ایک سیاہ داغ کی طرح موجود ہے۔
ہرٹزل نے دنیا کے سامنے اسرائیل کا وجودی خاکہ اس طرح پیش کیا تھا:۔" ایک یہودی ملک قائم ہو کر آہستہ آہستہ پھیلتا رہے گا، اس کی فوجی قوت کسی کو ضرر نہیں پہنچائے گی، نہ ہی کسی کے کچھ املاک پر قبضہ کرنے کی جسارت کرے گی اور نہ ہی کسی پر ظلم ڈھائے گی"۔ جبکہ زمینی حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے، جو ہرٹزل کے نارسا مفکرانہ منہ پر ایک زوردار طمانچہ ہے، کیونکہ یہاں کی ہر بالشتِ زمین پر خون کی چھینٹیں اور انسانی اعضا کے گوشت کے لوتھڑے ہیں، مقاومت، ممانعت ومقابلہ کا عنصر تو ہر جگہ پایا جاتا ہے جس کے اثرات کبھی کبھی نہایت ہی گہرے ہوتے ہیں۔ جبکہ یہی القدس شہر تمام ادیان کے ماننے والوں کے لئے اسلامی ادوار خلافت میں کھلا رکھا گیا اور مکمل پُر امن وپُر سکون رہا۔ اس دور میں یہود ونصاری کو یہاں کوئی گزند نہیں پہنچی، نہ ہی مسلمانوں نے یہاں کبھی خون کی ہولی کھیلی، اس کے برخلاف جب بھی مسلمانوں سے القدس چھینا گیا، ساتھ ہی مذہبی آزادی، شہری حقوق اور تہذیبی حریت کے نام کو یہاں شجرہ ممنوعہ قرار دیا گیا، تاریخ کو مد نظر رکھتے ہوئے ان حقائق کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے جو واقعات کی صورت میں متعدد بار القدس میں رونما ہوئے۔ مختصراً یہ کہ دو مرتبہ القدس عالم اسلام سے کٹ کر یہود ونصاری کے خونی پنجوں میں گرفتار ہوا، دونوں ادوار میں یہاں وہ بھیانک مظالم ڈھائے گئے کہ جس کی مثال تاریخ عالم میں ملنا مشکل ہے مکانات، باغات، شہر، دیہات، حیوانات، بستیاں،

مارکیٹیں ، خواتین ، مرد ، جوان ، بوڑھے ، اور بچوں کو بے دریغ تہ تیغ کرکے تہس ،
نہس کیاگیا،اب انصاف کی نظر سے بتایاجائے کہ القدس کا صحیح حق دار کون ہوسکتا ہے ؟
تخریب وفساد ظلم وبربریت کے سیلاب وطوفان برپا کرنے والے یہودی یاامن
وسلامتی کے پیامبر وعلمبردار عرب مسلمان ؟

ا۔ 1099ء میں اس پر صلیبیوں نے حملہ کرکے قبضہ جمالیا اور یہ قبضہ 1187ء تک
رہا،اس کے بعد مسلمانوں کے ہاتھ میں جیسے ہی آیا،امن وسلامتی کا پھریرا یہاں لہراتارہا
۔

۔اب 1948 سے یہودیوں اور استکباری ملکوں کے آشیر واد سے غدر، دھوکہ اور فراڈ2
کا ملغوبہ حالیہ قبضہ صہیونیوں کا قائم ہے ،جس کی بناء پر ارضِ فلسطین کو یہودیوں نے
ء کی جنگ کے بعد مکمل طور پر اپنے کنٹرول میں لے کر یہاں کے مسلم عیسائی 1967
باشندوں کی قومی تہذیب وثقافت ، مشترک عربی زبان وادب اور اقدار کویکدم نکال
باہر کرکے اپنی چیرہ دست یہودی تہذیب، ثقافت اور زبان وادب کو بالجبر لاگو کردیا
ساتھ ہی لاکھوں فلسطینی باشندوں کو انتہائی بہیمانہ اور بے رحمانہ طریقے سے اپنی،
جائیدادوں سے محروم کرکے جلا وطن اور دربدر کردیا، ظلم یہ ہے کہ یہودیوں نے
القدس پر جیسے ہی قبضہ کیا، تمام مقدس مقامات کی شرمناک بے حرمتیاں کیں ، یہاں
تک کہ نصاریٰ کے کلیساؤں اور مسلمانوں کی مساجد کو ویران اور منہدم کیا، ظلم کی یہ
انتہا بھی کردی کہ

مسجد اقصیٰ تک کو جلاڈالا، جو کہ حرمین شریفین کے بعد مسلمانوں کے لئے سب سے مقدس ترین عبادت گاہ اور حرم ثالث ہے، ہمارے پیارے آقا نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی کے ساتھ ساتھ اصحاب رسول ﷺ کا قبلہ اول بھی رہ چکاہے ،ہم جب ان تاریخی حقائق اور صہیونی ناپاک کرتوتوں کو سامنے رکھتے ہیں تو بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسرائیل کا قیام حقیقت میں عربوں اور اہلِ اسلام کے خلاف طاغوتی استعماری قوتوں کی ایک سوچی سمجھی سازش تھی۔

بہرکیف ،آج اسرائیل طاقتور اور عالم اسلام کمزور کیوں ہیں ؟ وجہ یہ ہے کہ اندرون و بیرونِ اسرائیل تمام یہودی مسلسل اس کی مادی ، معنوی ، سیاسی ،اقتصادی اور روحانی مدد کررہے ہیں، اس کے لئے ہمہ وقت ایک دوسرے سے رابطے میں بھی رہتے ہیں اور اس کے بالمقابل مسلمان کم ہمتی ، باہمی جنگ وجدل اور آپس میں عدم اعتماد کے شکار ہیں ہونا تو یہ چاہیئے تھا کہ جب یہود عرب فلسطینی مسلمانوں کے خلاف جارحیت کے لئے، متحد ہوتے، تو مسلمانوں کو بطریق اولی اتحاد کرنا چاہیے تھا، تاکہ اس جارحیت کا منہ توڑ جواب دیا جاتا، مگر ہم تو یوں ہی کہہ کر بات ختم کردیتے ہیں کہ یہ تو عربوں اور فلسطینیوں کا مسئلہ ہے۔

آج استعماری طاقتوں کے ایجنڈے اور سائے تلے عرب اسرائیل ڈھونگ مذاکرات کے

موقع پر پھر فلسطین کی مقدس سرزمین چیخ چیخ کر پکار رہی ہے، ہے کوئی عمرو بن العاصؓ، عمر بن الخطابؓ یا صلاح الدین ایوبیؒ جیسے عملیت پسند، فاتح اور عظیم سپہ سالار جو مجھے ان صہیونیوں کے خونخوار اور غلیظ پنجوں سے آزاد کرائے؟

وہ نہیں بدلا، ہم بدلے ہیں

فلسطین ہو یا افغانستان ، بوسنیا ہو یا چیچنیا ،برما ہو یا فلپائن ، غرض جہاں بھی خونِ مسلم کی ارزانی ہو ، اس پر خاموش رہنا،یا خوش ہونا ،یا خاکم بدہن اس خونریزی میں کسی بھی طرح آلہ کار بننا، مسلمان کیا کوئی باضمیر انسان سوچ بھی نہیں سکتا، نیز ان حشر بداماں اور ہولناک مسلم کش جنگوں کی جتنی بھی مذمت کی جائے، کم ہے، ان کے سدّباب کیلئے اپنی بساط بھر کوششیں کرنا بھی اہل اسلام کا تو فریضہ ہے ہی، عالمی برادری اور مہذب اقوام کا بھی یہ فرض بنتا ہے، اس وقت غزہ کی جو صورت حال ہے ،یا اب تک رہی ہے ،سب کے سامنے ہے، قیامت کی ان گھڑیوں میں بدقسمتی سے عالم اسلام ، عرب ممالک ، اقوام متحدہ بالخصوص ترکی ، ایران ،پاکستان ، سعودی عرب ، مصر ،روس ، چین ،امریکا اور یورپی یونین نے کوئی قابل ذکر اور قابل فخر کردار ادا نہیں کیا، یا یوں کہا جائے، کہ نہ کرسکے۔ مسلم ممالک تو ظاہر ہے اسرئیل کے سامنے بوجوہ بے بس ہیں ،غیر مسلم ممالک نے یا تو سنگین مجرمانہ غفلت کا ارتکاب کیا،یا پھر ان کے اپنے حالات بھی اس قسم کے ہوتے ہوں گے ، کہ وہ غزہ کے حوالے سے کوئی کردارِ امن ادا نہیں کرسکتے تھے۔

دوسری طرف اس ترقی یافتہ دنیا میں بھی کچھ بیماریاں اور امراض ایسے ہیں، جن

کا علاج آج تک ناپید ہے، میڈیکل ماہرین شبانہ روز محنتیں کر رہے ہیں، کہ ان لاعلاج امراض کا کوئی پائیدار علاج تلاش کر سکیں، مگرتا ہنوز نہ دارند، تو انہوں نے وقتی طور پر اس کے لئے سکونِ آور دوائیں تجویز کی ہیں، جن کی مدد سے کچھ نہ کچھ ان خطرناک بیماریوں کی شدّتِ درد کو قرار آ جائے، یہ بیماریاں بعض اوقات کسی ایک انسان کے جسم میں ہوتی ہیں، اور بعض اوقات یہ انسانی جسم خود اس بیماری کے جراثیم کے بطور کام کرتے ہیں، اور ہر زمان ومکان میں یہ انسانیت کے لئے خطرہ بنے رہتے ہیں، جب بھی یہ ''جراثیمی نوع انسانی ''سر اٹھاتا ہے، اسکے سامنے پوری انسانیت لرز اٹھتی ہے اور کانپ جاتی ہے۔

جیسے فرد لاعلاج اور موذی مرض سرطان کے سامنے بے بس ہوتا ہے، اور اعزہ واقرباء حکماء اور اطباء کے ہوتے ہوئے ایڑھی رگڑ رگڑ کر مرتا ہے، ایسے ہی یہ انسانی جراثیمی، سرطان جس کا نام ''بنی صہیون'' ہے، وہ کینسر ہے کہ مؤرخین کے بقول آج تک ہٹلر کے علاوہ اس کا کوئی صحیح، کامل اور ماہر معالج اس قریبی زمانے میں نہیں آیا، ایسی صورت حال میں دنیا کے حکمراں ہو، یا عالم اسلام کے باگ ڈور سنبھالنے والے، ان کی طب اور میڈیکل میں اب تک اس بیماری کا علاج دریافت نہیں ہوا ہے، تو انہیں خامخاہ کیلئے کوسنا بے کار ہے، ان پر جرح وتنقید بھی سود مند نہیں ہے، ان کی کردار کشی سے بھی امہ کی کوئی

بھلائی نہیں ہوگی۔

ہم نے سوشل میڈیا میں دیکھا کہ مسلم حکمرانوں کو اس نا اہلی پر کافر و مرتد قرار دیا جارہا ہے، ترکی، ایران، مصر اور سعودی عرب کے حکمرانوں کو یہودی قرار دیا جارہا ہے، بعض نے تو بادشاہتوں تک کو کفر قرار دیا ہے، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور طالوت سب کے سب نصِّ قرآنی کے مطابق ملوک اور بادشاہ ہی تو تھے انبیاء میں بھی نبوت کا توارث ہوا ہے، حضرت محمد عربی ﷺ، حضرت عیسیٰ، حضرت، موسیٰ، حضرت یوسفؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت اسحاقؑ اور حضرت اسماعیلؑ یہ تمام کے تمام ابوالانبیاء حضرت ابراھیم علیہ السلام کی اولاد نہیں تو اور کیا ہیں ؟

پھر یہ بھی دیکھا جائے، کہ ایک طرف دشمنوں کی جانب سے امت پر آتش و آہن کی بارش ہو، اور دوسری طرف ہم جو خود بھی کوئی کردار ادا نہیں کر سکتے، دشمنوں کا مقابلہ کسی بھی وجہ سے ہم بھی نہیں کر سکتے ۔الٹا ہم اپنے دیگر مسلمان بھائیوں کی کردار کشی کریں، ان کے خلاف مہم چلائیں، ان کو نیچا دکھانے کی وہ مساعی نامسعود کریں، جن سے متعدد روایات کے مطابق سختی کے ساتھ پرہیز کا حکم ہے، یہ کہاں کی منطق ہے؟ کیا اس طرح امت کے اس گروہ کو کمزور کرنے میں ہم دشمن کا ساتھ نہیں دے رہے ؟

بوسنیا، چیچنیا، افغانستان، عراق وشام، لیبیا و سوڈان سب جگہ مسلمان یا تو جہاد کر رہے ہیں، جہاد میں تو یہ سب ہوتا ہی ہے، یا پھر وہ مظلوم ہیں، تو جیسے وہ مظلوم ہیں، اس طرح پورا عالم اسلام اس وقت مظلوم اور بے بس ہے، تو کیا جب مظلوم ظالم کا ہاتھ نہ روک سکے، تو اپنے ہی مظلوم ساتھیوں جو قدرے سلامتی سے ہیں پر تیر و تفنگ کی بارش کریں، کہ تم کیوں سلامت ہو، ارے بھائی، " ہے جرم ضعیفی کی سزا مرگ مفاجات"۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ہماری ضعیفی کی داستان صدیوں پر محیط ہے، اب دنیا نے ترقی کی، ہمیں بھی سر کھجانے کا موقع مل گیا، تو ہم نے خوش فہمی میں آکر اپنے آپ کو طاقتور تصور کرلیا، اسباب و آلات کے ماتحت ہم آج بھی غلامی کے دور کی طرح کمزور اور ضعیف ہیں، البتہ روحانی لحاظ سے آسمانی طاقت اور نصرتِ خداوندی سے ہم قوت حاصل کرسکتے ہیں اور فرشتے بھی گردوں سے ہماری مدد کو اتر سکتے ہیں قطار اندر قطار، لیکن کیا امہ کی اکثریت کے اعمال و افعال اور ایمان میں وہ کشش ہے، جو اللہ کی مدد کو کھینچ لائے ؟کیا عید کے بعد مساجد میں حاضری اور فقراء و مساکین کی دادگیری بعد از رمضان اسی طرح ہے ؟ یقین نہ آئے، تو ذرہ آج جاکر نوحہ کناں مساجد کا وزِٹ کیجئے اور یتیم واسیر کا حال معلوم کیجئے، روزِ روشن کی طرح امہ کے ایمان و عمل کا اندازہ ہو جائے گا۔

اس قسم کے احوال۔ قبل الہجرہ وبعد الہجرہ۔ سیرت نبوی ﷺ میں بھی ملتے ہیں، اس وقت اہل اسلام نے ایک دوسرے پر کیچڑ نہیں اچھالے، نہ ہی باہمی دست و گریباں ہوئے، بلکہ وہ سب اللہ کی طرف راجع وراغب ہوئے، اس مافوق الطاقات والقدرات ذات سے التجائیں کیں، گڑگڑائیں، دونوں ہاتھ پھیلا پھیلا کر قنوتِ نازلہ وغیرہ میں آہ وزاری کرکے دعائیں مانگیں، تو اس قہار وجبار نے ایسی نصرت فرمائی کہ دنیا محوِ حیرت، اور وقت کے لوگ انگشت بدنداں رہ گئے، آج بھی وہی خدا ہے، وہی خالق ہے وہی ہم اس کی مخلوق ہیں، وہ نہیں بدلا ہم بدلے ہیں۔۔

سائنس فیکشن-Science Fiction

ہماری انحطاط اور زوال پذیری کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ امہ من حیث المجموع اور ہم پاکستانی بالخصوص ایجادات ،اختراعات اور ابتکارات میں دنیا سے پیچھے ہیں ،آج کی ترقی یافتہ دنیا کی بنیادیں طب ، تعلیم ، اقتصاد، سیاسیات ، تعمیرات ،سائنس اور ٹیکنالوجی میں اپنے فلاسفہ و مفکرین کی ان ابداعات پر قائم ہیں ،جن کیلئے وہ اپنے اپنے ادوار میں سر جوڑ کر سوچتے رہے ، سوچتے رہے ، سوچتے رہے ،اور نتیجتًا وہ کارہائے نمایاں انجام دیئے ، کہ فی زمانہ ہم جیسی قومیں ان کے سائنسی اور تخلیقی معجزات کے سامنے سرنگوں ہیں ، نہ چاہتے ہوئے بھی ہم ان کی پیروی اور اتباع پر مجبور ہیں ، سمندروں ، ہواؤں اور شمسی توانائی کی تسخیر ہو،یا الیکٹرونک کی دنیا میں محیر العقول نت نئے وسائل واشیاء ہوں ، ان سب کی بنیاد خیالات ہیں ، علم الخیالات یا سائنس فیکشن (SF) یا خیالی ادب اور خیالی فنکاری میں ہی آج کی ترقیات کے تمام تر راز پنہاں تھے ، جن رازوں کو سمجھنے اور روبعمل لانے کیلئے اجتہاد ،تدبر، تفکر کے ایسے ایسے مراحل سے صاحبانِ فکر و نظر کو گذرنا پڑا ، کہ انہیں اپنے اپنے زمانوں میں پاگل ، خبطی اور دیوانہ ومجنون کے القابات کا سامنا کرنا پڑا ،لیکن ان کی اولوالعزمی ، پختہ ارادہ ، عمل پیہم ،جہد مسلسل اور لامتناہی تفکیر نے آخر

کار ان میں سے بہتیروں کو ان کی زندگی میں یا بعد الموت حیات جاودانی بخشی، مستقبل کی فکر اور ماضی کے تناظر میں آئندہ کی پیش گوئیاں، یا معلومات کو ترتیب دیکر مجہولات تک رسائی ہر ایرے غیرے کا کام نہیں ہے۔ البتہ اس کا مطلب یہ نہیں کہ کوئی اگر شہرتوں کی وسعتوں میں نہیں، تو ان کے خیالات کو یکسر مسترد کردیا جائے۔ اپنے بچوں شاگردوں اور ماتحتوں کی آراء کو سننا چاہئیے، کیا پتہ ان ہی معمولی انسانوں میں کل، نابغہ اور عبقری پیدا ہوں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ مستقبل کے حوالے سے جو وژن ہوتا ہے، اس کا خاکہ خود اس وژن کا خواب دیکھنے والے کے سامنے بھی اتنا واضح نہیں ہوتا کہ اس پر یقین کرلیا جائے، دوسری بات یہ بھی ہے کہ اگر وہ خاکہ اس مفکر کے خیالوں میں واضح اور حتمی بھی ہے، تو یہ ضروری نہیں کہ وہ اس سے فصاحت وبلاغت کے ساتھ دو اور دو 'چار' کی طرح بیان کرسکتا ہو۔ اس لئے افکار وخیالات کسی کے بھی ہوں، بیک جنبش لب انہیں ردی کی ٹوکری میں پھینکنا معقول نہیں ہے، بلکہ نہایت دھیمے اور پیار کے انداز میں اسے سن کر اس کے مافی الضمیر تک پہنچا جائے۔

سائنس فیکشن کو بطور ایک عظیم فن جب یورپ میں اختیار کرلیا گیا، اور اس کیلئے دانش گاہوں میں الگ شعبے قائم کئے گئے، تو اس کی بنیاد پر ان کے یہاں مسلسل مشاورت، تھینک ، ٹینک اور کنسلٹنسی کے بے شمار ادارے قائم ہوئے

تب جا کر انھوں نے دنیا پر اپنی بالادستی قائم کی، کہا یہ جا رہا ہے کہ اس فن کے موجد یورپین ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ یورپ نے اس فن کو پروان چڑھایا ہے، ورنہ اس کے اصل مفکرین وایجاد کنندگان عرب اقوام ہیں، مقامات حریری وہمدانی، الف لیلہ ولیلہ اور حی بن یقظان کی خیالی داستانیں اس پر شاہد عدل ہیں، خیال، فلسفہ، ویژن اور فکر ونظر سے آج ہمارا معاشرہ اتنا دور ہے کہ اگر کہیں اخوان الصفا کے ان 50 مقالوں کا تذکرہ کیا جائے، جو فلسفہ میں ایک موسوعہ کی حیثیت رکھتے ہیں، تو اچھے خاصے پڑھے لکھوں کے سامنے بھی آدمی جزبز سا رہتا ہے، کہ کہیں میں نے کوئی غلط حوالہ تو نہیں دیا، اور وہ سننے والے بھی فوراً موضوع بدل کر نئی بات شروع کر دیتے ہیں، آپ کی بات وہیں پر کاٹ دیتے ہیں، اگر آپ دوبارہ ان کو اس موضوع پر لانا چاہیں، تو وہ کسی ضروری کام کا بہانہ کر مجلس برخاست کر دیتے ہیں، آپ اپنا سر پیٹتے رہ جائینگے کہ کاش یہ الفاظ یا بالفاظ دیگر یہ بکواس ہم نہ کرتے اور اچھے بھلے دوستوں کی یہ مجلس یوں برخاست نہ ہوتی۔

آج ہمارے یہاں تنظیمیں، پارٹیاں، ادارے اور کیا کیا کی تخلیق نہیں ہو رہی، مگر کسی کو یہ فکر نہیں کہ ہمارا ویژن کیا ہوگا اور ہمارا مشن کیا ہوگا، ہماری اسٹراٹیجی کیا ہوگی اور ٹکٹیک کیا ہوگی، یعنی لانگ ٹائم اور شارٹ ٹائم طریقہائے کار کیا ہوں گے، تو ایسے میں پھر ذاتی اغراض، انا پرستی، خود نمائی

اور مفاد پرستی ہی جب کھل کر سامنے آتی ہے، تو یہی ہوتا ہے، جو ہمارے ملک اور عام طور پر عالم اسلام میں ہو رہا ہے، ہمارے یہاں تعلیمی بورڈز اور یونیورسٹیز سمیت تمام فکری و نظری نیز سمعی و بصری، مطبوعاتی اور الیکٹرانک اداروں میں تخلیقی خیالات کا قحل عام ہے، ایجاد، ابداع، ابتکار کے بجائے اغیار کی نقالی ہے، کاسہ لیسی ہے، خوش چینی ہے ان حالات میں دنیا کی زندہ وتابندہ اور ترقی یافتہ وطاقتور اقوام کے دوش بدوش اور، شانہ بشانہ چلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ڈاکٹر ثمر مبارک مند کہاں ہے؟ ڈاکٹر عطاء الرحمٰن کہاں ہے؟ اور ڈاکٹر عبدالقدیر خان کہاں ہے؟ جب باصلاحیت افراد کو ہم نشانِ عبرت بنادینگے، تو عمران خان کی طرح ایک پلے بوائے اور طاہر القادری کی طرح ملّا نصر الدین ہی میدان میں ہوں گے، شیخ رشید جیسے دیگر شیوخ بھی ان کے ہم پیالہ وہم نوالہ ہوں گے، تو قوم کی وہی درگت بنے گی جو آج بنی ہوئی ہے، ہاں جو لوگ احمقانہ انداز میں اپنے خیالات کو وقت سے پہلے زمینی حقائق سمجھ بیٹھتے ہیں، ایسوں کو سمجھانے کیلئے اپنے اپنے زمانے میں نئے نئے ملّا نصر الدین ہی پیدا ہوتے ہیں، علم الخیالات، مالیخولیا اور خبط میں جو لوگ فرق نہیں کر سکتے وہ ایسے ہی ہوتے ہیں، جس طرح عالم اسلام کے موجودہ حکام ہیں۔ الاماشاء اللہ،

توہم بات کررہے تھے سائنس فیکشن کی ، اس پر ایک دومثالیں دیکر بات ختم کرنا چاہینگے دنیا کی وسعتوں کو بھی بھی کم سمجھ کر آفاق کی وسعتوں میں جانے کی سوچ امریکی سائنسدانوں کو 1967ء سے 1972ء کے درمیان چاند کی تلاش اور اس تک رسائی پر آمادہ کرتی ہے ،اگر سادھا سے انداز میں دیکھا جائے تو یہ ایک جنون اور حماقت ہے ، لیکن اگر بنظر غائر اس پر سوچا جائے ، تو یہ کام جس حد تک بھی ہوا ہے ، ایک لازوال کارنامہ ہے ، ان حضرات کو یہ فکر کہاں سے ملی ، ویکی پیڈیا کے مطابق خود ان سائنسدانوں نے بتایا کہ سائنس فیکشن یا ادب الخیال کے مشہور فرانسیسی ادیب Jules verne کے ناول ''زمین سے چاند تک '' تالیف 1865ء نے انہیں اس رخ پے ڈالا۔اس لئے کہا جاتا ہے کہ زندہ معاشرے اپنے خیال وخواب سے عشق کرتے ہیں ،اور مردہ معاشرے جانوروں کی طرح ہوتے ہیں ، جن کو پیٹ کے علاوہ اور کوئی شعور نہیں ہوتا۔

اسی طرح 1944 ء میں جب مشہور امریکی افسانہ نویس Cleve carlamill کی کتاب ''آخری وقت'' چھپی ، جس میں انہوں نے ایٹم بم کا ایک ایسا تصوراتی اور خیالی نقشہ پیش کیا تھا، جو نہایت باریک بینی سے اس کے اجزاء وترکیب پر روشنی ڈال رہا تھا، جبکہ انہیں دنوں امریکہ میں ایٹم بم کی تیاری بڑی راز داری میں جاری وساری تھی ،اس پر امریکن انتیلی جنس اداروں میں کھلبلی آگئی، کہ اس شخص کو توسب پتہ چل گیا ہے ، لیکن تحقیقات سے ثابت ہوا کہ یہ اس کے

خیالات اور تفکرات ہیں، جس کا ہمارے عملی کام سے کوئی تعلق نہیں، تو پھر ان کی نگرانی ختم ہوئی۔

یہ اور اس طرح کے سینکڑوں واقعات ہیں، جہاں خیالات آئے، پختہ ہوئے اور مرورِ زمانے کے ساتھ ساتھ وہ حقائق میں بدل گئے، تو کیا ہمارے یہاں بھی انسان کو سوچنے، سمجھنے اور اپنی سوچوں کو پروان چڑھانے کی کبھی نوبت آئیگی؟ یا اس علم وفن پر مستقل وباقاعدہ توجہ دی جائیگی؟

وفاق المدارس کا عالمی اعزاز

برصغیر پاک و ہند میں مغربی استعمار کے بعد تعلیمی ڈھانچے کا دھڑن تختہ ہو گیا تھا، لارڈ میکالے نے یہاں وہ نظام تعلیم دیا تھا، جس کے فضلاء ہندوستانی نژاد لیکن مغربی فکر و نظر کے حامل ہوں، دھونس، دھمکی اور زبردستی سے اسے نافذ بھی کیا گیا تھا، اور آج تک عملاً وہ جاری و ساری ہے، یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے یہاں مسلمانوں کے ناموں کے علاوہ، حکومتی، تعلیمی، عدالتی، احتسابی نظام سب کے سب استعمار کے عطا کردہ، مغرب سے وابستہ و پیوستہ اور ان کی نقالی ہے، حتی کہ 27 رمضان کے بجائے 14 اگست کو ہم اپنے قومی دن کے طور پر مناتے ہیں، قومی دفتری زبان ہماری انگریزی ہے، دیگر ایام بھی ہم کرسچن کلینڈر کے مطابق مناتے ہیں، اپنے قومی جھنڈے میں پورے عالم اسلام سے ہٹ کر صرف "ہلال" پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ "کرسمس سٹار" بھی پرچم کا حصہ بنائے ہوئے ہیں، ہماری دکانوں، فیکٹریوں، شاہراہوں، پارٹیوں تنظیموں اور میڈیا میں زیر گردش اصطلاحوں کے نام اور مصطلحات بھی مغرب زدہ ہیں۔
ایسے میں برصغیر کے کچھ بندگانِ خدا شناس نے آزادی سے قبل مسلمانوں کی ہر قسم کی شناخت کو بچانے کے لئے کچھ اداروں کی بنیادیں رکھیں، جن میں سے ایک دارالعلوم دیوبند بھی ہے، اسی طرز پر دیگر مکتبہائے فکر نے اپنے اپنے

انداز میں ۔الحمد للہ ۔بہت بڑے اور عظیم الشان اداروں کی داغ بیل ڈالی ، چنانچہ جامعہ دارالسلام ،اور جامعہ ندوۃ العلماء وغیرہ اسی تسلسل کی کڑیاں ہیں ۔

پاکستان میں مولانا عبد الحق حقانی ، مفتی محمد شفیع ، مولانا خیر محمد جالندھری ، اور علامہ بنوری نے فکر قاسمی کے عین مطابق کام کو آگے کی طرف بڑھانے کی ٹھانی ، چنانچہ کاوشیں کامیاب اور بارآور بھی ہوئیں ،ان کے نقش قدم پر ان ہی کے تلامذہ نے ملک بھر میں قرآن وحدیث سے وابستگی اور اسلامی تہذیب وثقافت کے احیاء کیلئے شہر شہر میں ایک متوازی اور متبادل نظام تعلیم (درسِ نظامی) کے نیٹ ورکینگ کا کام نامساعد حالات کے باوجود بڑی تندہی سے روبترقی رکھا۔

اسی لئے 1959 میں علامہ شمس الحق افغانی ، مولانا عبد الحق حقانی ، مولانا خیر محمد جالندھری ، علامہ بنوری اور مفتی محمود نے ان تمام اداروں کو باہمی مربوط رکھنے کیلئے وفاق المدارس العربیہ پاکستان'' کی بنیاد رکھی ،اس کے مقاصد میں قرآن وحدیث '' اور عربی زبان وادب کے علوم کی ترویج واشاعت کے ساتھ ساتھ ،امتحانات اوراسناد کااجراء بھی تھا، دفاعِ مدارس بھی اس کے اہداف میں سے تھا، نظام تعلیم اور نصاب تدریس میں یکسانیت بھی ان کا نصب

العین تھا۔اللہ تعالی کا کرنا ہوا کہ اس نظم میں ہزاروں مدارس منتظم ہوگئے ، با قاعدہ امتحانی بورڈ کی شکل میں وفاق المدارس سامنے آیا، توفیق ایزدی اور مؤسسین کے اخلاص کی برکت سے یہاں پاکستان میں بھی اس تنظیم کو دیکھکر دیگر حضرات نے وفاق المدارس السلفیۃ، وفاق المدارس الاسلامیۃ، وفاق المدارس الشیعیۃ،اور وفاق المدارس البریلویہ کی بنیادیں استوار کیں ، لیکن حضرت مفتی محمود ، شیخ سلیم اللہ خان مفتی احمد الرحمٰن ، اور قاری حنیف جالندھری جیسی عبقری شخصیات کی بدولت وفاق، المدارس العربیہ پاکستان ملک کی سب سے بڑی تنظیم روزِ اول سے رہی، اور آج بھی ہے ۔

اس وقت وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے منسلکہ مدارس و جامعات 18677 ہیں، ان میں زیر تعلیم طلبہ وطالبات کی تعداد 26 لاکھ سے متجاوز ہے ، اب تک وفاق کے تحت مختلف درجات کے امتحانات میں شرکت کرکے سندیں لینے والے طلبہ وطالبات کی تعداد 3 ملین (تیس لاکھ) ہے، جبکہ ایک ملین حفاظ وحافظات اس کے علاوہ ہیں ، اس طرح مجموعی طور پر وفاق نے 4 ملین (چالیس لاکھ) افراد کو مختلف شہادات واسانید جاری کی ہیں ، اس سال گذشتہ شعبان کے سالانہ امتحانات برائے سال 1435ھ 2014/ء میں صرف کامل الحفظ طلبا 50592 اور حافظات 12964 یعنی کل افراد 63556 تھے ۔

میں چونکہ صدرِ وفاق کے پرسنل سیکرٹری اور ناظم امتحانات سندھ کے طور پر وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے ساتھ 23 سال وابستہ رہا ہوں، میری معلومات کے مطابق سالانہ 50 ہزار کے لگ بھگ یہ ادارہ صرف حفاظ تیار کرواتا ہے، جو ہر لحاظ سے ہر پاکستانی اور ہر مسلمان کے لئے قابل فخر اور اللہ تعالی کے حضور واجب الشکر ہے۔

وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے حوالے سے ان سطور کے لکھنے کا باعث ایک یہ بات ہے کہ ان دنوں شوال کے مہینے میں ان تمام وفاقوں سے متعلقہ اداروں میں داخلے جاری ہیں، طالبانِ علوم نبوت پروانوں کی طرح دیوانہ وار ان کی طرف جوق در جوق چلے آرہے ہیں۔

دوسری بات یہ کہ ان اداروں کے خلاف ملک اور بیرون ملک سرد جنگ ہورہی ہے، کہ کسی طرح ان کو بے اثر کیا جائے، انہیں دہشت گرد رجعت پسند اور دقیانوس بتایا جائے، انہیں بدنام کیا جائے، عامۃ المسلمین کو ان اداروں اور ان کے منتظمین سے بدظن کیا جائے، حالانکہ ان کا کردار اور ان کی کوششیں اوپر کے اعداد وشمار کے تناظر میں آپ کے سامنے ہیں۔

تیسری بات جو سب سے اہم بھی ہے، قابل ذکر بھی اور قابل فخر بھی ہے، وہ یہ کہ

عالم اسلام کی سب سے بڑی اور مؤثر تنظیم ''رابطۃ العالم الاسلامی'' نے گذشتہ رمضان المبارك میں وفاق المدارس کو تحفیظ القرآن کے حوالے سے 'حسنِ کارکردگی'' رابطہ کا سب سے بڑا عالمی ایوارڈ عطا کیا ہے، جس کیلئے جدہ میں ایک پروقار تقریب کا اهتمام کیا گیا تھا، جہاں وفاق کے ناظم اعلی قاری محمد حنیف جالندھری کو مدعو کرکے سعودی وزیر تعلیم، وزیر مذہبی امور اور رابطہ کے سیکرٹری جنرل ڈاکٹر عبداللہ بن عبد المحسن الترکی کے ہاتھوں اس اعزاز سے نوازا گیا، یہ عزت افزائی جہاں وفاق اور منتظمینِ وفاق کی ہے وہاں یہ عالمی ایوارڈ ہر پاکستانی اور ہر مسلمان کیلئے بھی باعثِ صد افتخار و اعتزاز ہے۔

اللہ کرے کہ ہمارے ملک کے سب ادارے یوں شاد رہیں، آباد رہیں اور زندہ وتابندہ رہیں۔

اخلاقی دیوالیہ پن اور اصلاح احوال کی ضرورت

عالم انسانی اور بالخصوص پاکستان جو اس وقت گوناگوں المیوں کی زد میں ہے اور مختلف النوع مقامی و عالمی مسائل کی ہولناکیوں سے کرہ ارضی بد امنی وبدمزگی کی تصویر پیش کر رہا ہے' حقیقت یہ ہے کہ یہ سب عالمِ بشری میں ان بلند پایہ انسانی اقدار اور عالی اخلاق کی پستی اور کمزوری کے سبب ہے جو اخلاق واقدار ماضی میں ہمارے مایۂ افتخار اسلاف اور عظیم المرتبت بزرگوں کی عظمت وسطوت کا راز تھے۔ سلف صالحین کے اخلاق میں سے یہ ہے: لوگوں کو نیکی کی تلقین کرتے اور برائی سے روکتے، اگرچہ وہ عمل نہ کریں اور برائی سے نہ رُکیں، افسوس اس عادت ومزاج سے آج کل بہت لوگ خالی اور عاری ہیں۔ امیر المومنین حضرت علیؓ فرماتے ہیں، جو برائی سے روکے اور فاسقوں سے دلی عداوت رکھے، اور جب محرمات الٰہی کی پرواہ نہ کی جائے، ناراض ہو، تو اللہ تعالی بھی اس کے واسطے ان لوگوں سے ناراض ہو جاتے ہیں۔ حفص بن حمیدؒ سے کسی نے کہا، سفیان ثوریؒ کو کس چیز نے اس اعلی درجہ تک پہنچادیا، حالانکہ ان کے زمانہ میں بہت سے عالم اور عابد ایسے تھے، جو زہد اور علم وعبادت میں ان سے کم نہ تھے؟ آپ نے فرمایا، اللہ ان پر رحم کرے، آپ نافرمانوں کو حقیر جاننے اور ان کی بے جا رعایت نہ کرنے کے سبب اعلی

درجہ پر فائز ہوئے ،آپ کا یہ حال تھا کہ بسا اوقات اگر آپ کسی برائی کو دیکھتے اور اسے روک نہ سکتے ،تو غم وغصہ کے سبب خون کا پیشاب ہونے لگتا۔

اویس قرنیؓ فرماتے ہیں ، مومن کا حق پر قائم ہونا،اس کے لئے دنیا میں کوئی دوست نہیں چھوڑتا، اگر کوئی شخص لوگوں کو نیکی بات بتلائے یا برائی سے روکے ،تو اس پر بڑی تہمتیں لگاتے ہیں اور اس کی عزت خراب کرتے ہیں ۔ابودرداءؓ فرماتے ہیں

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے رہو،ورنہ اللہ تعالی تم پر ظالم بادشاہ مقرر کردے گا، جو نہ تمہارے معزز کی عزت کرے گا اور نہ چھوٹے پر رحم کرے گا، پھر تم میں کتنے ہی نیک لوگ اس پر بددعا کریں گے ،مگر قبول نہ ہوگی اور تم اللہ سے امداد طلب کروگے لیکن تمہاری امداد نہ ہوگی اور استغفار کروگے مگر قبول نہ ہوگا۔

حذیفہ بن یمانؓ فرماتے ہیں ، میں عمر بن خطابؓ کے پاس گیا، انہیں غمگین اور متفکر دیکھا میں نے دریافت کیا، آپ کو کس چیز نے مغموم کیا ؟آپ نے فرمایا، میں ڈرتا ہوں ، کہ کہیں میں کوئی گناہ کر بیٹھوں اور تم میری تعظیم کرتے ہوئے مجھے فعل بد سے نہ روکو، تو حذیفہؓ نے فرمایا، بخدا اگر ہم تجھے سچائی سے دور دیکھیں گے ،تو ضرور روکیں گے ، پس اگر آپ نہ رُکے تو آپ کو تلوار سے قتل کردیں گے ، یہ سن کر حضرت عمرؓ خوش ہوئے اور کہنے لگے، اللہ کا

شکر ہے جس نیاس امت میں میرے دوست ایسے بنائے ہیں کہ اگر میں کج روی اختیار کروں گا، تو وہ مجھے سیدھا کردیں گے۔ابوامامہؓ فرماتے ہیں ،اس امت کے بعض لوگ بندر اور خنزیر کی شکل میں قیامت کو اٹھیں گے، کیونکہ وہ نافرمانوں سے ملتے جلتے ہیں اور ان کو نافرمانی اور معصیت سے منع نہیں کرتے تھے،حالانکہ وہ انہیں روکنے کی قدرت رکھتے تھے۔

علامہ شعرانی کہتے ہیں،جب نافرمانوں سے صرف مخالطت واختلاط کرنے والوں کا یہ حال ہوگا، حالانکہ وہ خود عمل سے غافل نہیں ہیں ،توجن کے اعضاءگناہ سے باز نہیں آتے،ان کا کیا حال ہوگا، پس ہم اللہ سے ان کی مہربانی ہی طلب کرتے ہیں۔عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں ،اللہ کے نزدیک بڑاگناہ یہ ہے کہ ایک شخص دوسرے کوبطور نصیحت کہے کہ تو اللہ سے ڈر،اور وہ اس کا جواب دے،تواپنے آپ کو سنبھال۔سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں ، جب تم کسی شخص کو ہمسایوں اور ہمنشینوں کا محبوب ،پیار اور لوگوں کا مقرب دیکھو،تو جان لوکہ وہ مداہن یعنی دین میں سستی کرنے والا ہے۔فی الحقیقت مداہن وہ ہے جو لوگوں کو ایسی باتوں سے خوش کرے، جن سے ان کے دین میں خلل ہو۔

مالک بن دینار سے مروی ہے، اللہ تعالی نے فرشتوں کی طرف وحی فرمائی کہ فلاں فلاں گاؤں پر عذاب کرو،توفرشتوں نے بڑی عاجزی سے التجاکی ، اے اللہ ! اس میں

فلاں عابد تیرا نیک بندہ ہے، اللہ تعالی نے فرمایا، اسے عذاب دے کر مجھے اس کی آہ و زاری سناؤ، کیونکہ اس کا چہرہ میری حدود کی پامالی دیکھ کر کبھی بھی متغیر نہیں ہوا۔ کسی نے سفیان ثوریؒ سے کہا، کیا وہ شخص بھی امر بالمعروف کرے، جسے یقین ہو کہ اس کی بات مقبول نہیں ہوگی ؟ آپ نے فرمایا، ہاں ! تاکہ اللہ کے نزدیک وہ معذور ہوجائے ۔ مالک بن دینارؒ تاسفاً فرماتے تھے ، نیکی روتی ہوئی چلی گئی اور برائی ہنستی ہوئی آئی ہے ۔

علامہ شعرانی فرماتے ہیں: اے دوست ! ان خصلتوں کو اپنے اوپر جانچ تاکہ تجھے معلوم ہو کہ تو بھی برائی کو برا جانتا ہے یا نہیں نیز یہ کہ کیا تو ان لوگوں میں سے ہے جن کو اللہ تعالی محبوب رکھتا ہے یا نہیں ، اور کیا تو نے رسول مقبول ﷺ کی شریعت کی امداد ونصرت کی ہے یا اسے بلا مدد چھوڑ رکھا ہے ، حالانکہ تجھے گمان ہے کہ تو ایک امتی ہونے کے ناتے رسول اللہ ﷺ کا نائب ہے، لوگوں کو دین الہی کی طرف پکارتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے بعد علمائے امت کو امین بنایا ہے ، آج کل اکثر، لوگوں نے اپنے افعال واقوال اور برائی پر خاموشی کرنے سے دین کو بے مدد چھوڑ دیا ہے اور گناہ سے باز رہنے اور نیکی پر عمل کرنے کی ان میں طاقت نہیں ہوتی ، لا حول ولا قوۃ الا باللہ۔ (اخلاقِ سلف، ترجمہ "تنبیہ المغترین، للشعرانی" از شاہ محمد احمد پرتاب گڑھی، مکتبہ لدھیانوی

اسلام آباد میں دھرنوں کے تماشے

عمران خان اور طاہر القادری کی اس ملک میں مختلف النوع عظیم خدمات ہیں ، جن کا تعلق کھیل ، تعلیم ، صحت ، سماج اور رفاہِ عامہ جیسے بنیادی سماجی ضرورتوں سے ہے ، ان دونوں کی شخصیتوں میں بلا کی جاذبیت اور کشش بھی ہے ،ان دونوں کے اپنے اپنے وژن اور اپنے اپنے مشن بھی ہیں ،اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ان تھک محنت اور جدو جہد بھی یہ دونوں بہت کرتے ہیں ،ان کے اخلاص پر بھی شبہ کرنا مناسب نہیں ہے ،دھرنے میں دونوں نے مناسب تعداد بھی جمع کی ہے ، موروثی سیاست سے بھی ان کا کوئی تعلق نہیں ہے ، دولت کی بھی ان دونوں کو کوئی ضرورت نہیں ہے، عمر کے اعتبار سے عیاشیوں سے دونوں ہی آگے قدم رکھ چکے ہیں ، شہرت بھی ان کی چہار دانگِ عالم میں ہے۔

عمران خان اگر ایک قومی ہیرو اور سیاستداں ہیں تو ڈاکٹر طاہر القادری ایک تجربہ کار اور وسیع المطالعہ محقق ، مؤلف اور مصنف ہیں ،دونوں کی اولادیں بھی کسی حدتک دھنی ہیں ،پاکستانیوں کے اموال ہڑپ کرکے ، ان کا خون چوس کر،ان کے حقوق پر ڈاکہ ڈال کر ان کے موجودہ مقام و مرتبے سے زیادہ مقام و مرتبہ ان کو ملنا بھی ممکن نہیں ہے۔

لیکن پھر بھی کپتان اور شیخ الاسلام عجیب وغریب حرکتیں یہاں اس ملک میں کر رہے ہیں کبھی لانگ مارچ تو کبھی دھرنے ،آج ایک طرح کا بیان تو کل دوسری طرح کا، صبح ایک ، پینترا تو شام بدلا ہوا ، روز۔روز نیا نیا پتہ ۔ٹی ٹوینٹی سے بات نہیں بنتی ،تو ون ڈے ،اس سے بھی بات نہیں بنتی تو ٹیسٹ میچ،ورنہ لمبی سیریز کھیلنا شروع کر دیتے ہیں ، حالانکہ یہ دونوں تاریخ کا حصہ ہیں ،عمران خان پاکستان اور کرکٹ کی تاریخ کا، قادری پاکستان اور تحقیق کی تاریخ کا۔یہ دونوں اگر آج ہی اپنی اپنی پارٹیوں سے استعفاء دیدیں اور گھر جا کر بیٹھ جائیں تو تب بھی یہ دیومالائی شخصیات کے مالک ہونے کے ناتے کروڑوں لوگوں کے دلوں میں بستے ہیں ، یہ ان لوگوں کی طرح نہیں ہیں ، جو سرکاری عہدہ ومنصب یا کسی پارٹی ،جماعت اور ادارہ کی مرکزی یا علاقائی قیادت سے سبکدوش ہونے کے بعد گوشۂ گمنامی میں چلے جاتے ہیں ۔

ہم بذاتِ خود کپتان اور قادری کی سیاست کے حوالے سے تائید کنندگان میں ہیں نہ ہی مخالفین میں ، کپتان کی تائید نہ کرنے کی وجوہات میں سے ان کے جلسوں میں رقص وسرود اور ناچ گانے کے علاوہ ان کے ایجنڈے میں مغربیت کا عنصر ہے ، قادری کی تائید نہ کرنے کی وجوہات میں ذکر واذکار کی مقدس محافل میں ان کی جماعت کے لوگوں کی بدعات، خرافات، شرکیات اور بھنگڑوں کے علاوہ ان کے خواب

کشف ،قبروں کی پوجاپاٹ اور وہ مزعومہ کرامات ہیں جن میں وہ انتہائی بے سروپا، دعوے کرتے رہتے ہیں۔

اور مخالفت نہ کرنے کی وجوہات میں سے شریف.برادران کی ذاتی شرافت ونجابت کے باوجود ان کا انحطاطی سیاسی کیریئر ہے، سوچتا ہوں نواز شریف کو ماضی میں دومرتبہ کرسیَ اقتدار پرجب شرمناک شکست ہوگئی تھی، تو اس اللہ کے بندے کو پھر کیاپڑی تھی کہ کوچہ سیاست میں قدم رنجائی فرماتے ہیں،اگر بہت ہی ضروری تھا، تو دھاندلی زدہ وزارت عظمی کی ضرورت کیا تھی، سرپرستی ہی فرماتے،چلیے یہ بھی تسلیم ہے، توپنجاب کی وزارت اعلی کو گھرہی میں پالنے کی کونسی حاجت تھی، مرکزی وصوبائی حکومتوں اور ملک کے دیگراہم اداروں میں اقرباء پروری کیوں کی، تعلیم، بجلی، اور تھانے وعدالت میں عام آدمی کو واضح ریلیف کیوں نہ دی، لاہورکے علاوہ کسی اورشہر کو دلہن کی طرح سجانے کے احکامات کب جاری کیئے، اور جب تقریباً تمام سیاسی جماعتوں بشمول نون لیگ نے انتخابات میں دھاندلی کی ایک حدتک تصدیق کی، تو اس کا کیا مداوا کیا، نجم سیٹھی جیسے خبطی کا باربار کرکٹ بورڈ کا چیرمین رہنے پر کیوں اصرار کیا، پختونخوا، بلوچستان اور سندھ صوبائی حکومتیں نون لیگ کی نہیں تھیں،توپھر اکثریتی اکائیوں کو ناراض رکھکر اقلیتی اکائیوں میں سے گورنرز کی تقرری کیوں کی، موجودہ بین الاقوامی سنگین حالات میں وزیر خارجہ کا تقرر

کیوں نہیں کیا، اندرون ملک پر توجہ دینے کے بجائے بے تحاشہ ملکی سرمایہ بیرونی دوروں پر کس لئے صرف کیا، صدارت کی کرسی پر ممنون حسین صاحب کی شکل میں پتلی تماشہ کیوں کیا، فوج میں اگر کوئی رشتے دار نہیں ملا، تو دوسروں کو نظر انداز کر کے صرف نام کے ساتھ "شریف" کے لاحقے والے ہی کا انتخاب کیسے ہوا، اور ان سب سے بڑھ کر ماضی کی غلطیوں سے سبق کیوں نہیں سیکھا گیا؟

لہٰذا جلد یا بدیر وزارت عظمیٰ کی کرسی کو تو جانا ہی ہے، پھر قوم ملک اور افواج پاکستان کو کیوں اتنے بڑے مخمصے میں مبتلا رکھا جائے، چار حلقوں میں جانچ پڑتال بروقت نہ کی، اب تمام حلقوں میں نئے انتخابات پر قوم کا پیسہ کن کے اشارے پر ضائع کیا جائے؟ ہم غیر جانب دار ہیں، لیکن اسلام آباد میں ریڈزون کی پامالی کے بعد کے حالات کا تقاضا یہ ہے کہ عقل کے ناخن لیئے جائیں اور خوامخواہ کیلئے یا صرف اپنے ذاتی انا کیلئے پورے ملک اور قوم کو قربانی کی بھینٹ نہ چڑھایا جائے، کیونکہ مصر، لیبیا، یوکرائن، عراق وشام اور وہاں کے حکمرانوں کے ناگفتہ بہ حالات ہم سب کے سامنے ہیں۔

بحران سے نکلنے کا راستہ

پچھلے آٹھ یا نو دنوں سے پوری قوم اسلام آباد میں کپتان اور طاہر القادری کے دھرنوں کی وجہ سے شدید ہیجان میں مبتلا ہے ۔ تمام سیاسی پارٹیاں ، میڈیا سے منسلک تمام حضرات ، دردِ دل رکھنے والا ہر پاکستانی ، اور پاکستان کے معاملات سے کسی بھی وجہ سے دلچسپی رکھنے والے مغرب و مشرق ، عالمِ عرب اور دنیائے اسلام کے تمام ممالک، ان کے سفراء اوران کے وزار تہائے خارجہ کے ذمہ داران، نیز ہمارے یہاں کے حزب اقتدار اور حزبِ اختلاف سب کی نیندیں اڑ چکی ہیں ۔ سیکورٹی فورسز بھی پیش آمدہ ہر قسم کی صورت حال کے لئے ہائی الرٹ ہیں۔

دوسری طرف ان سب کے ساتھ ساتھ خود پی ٹی آئی اور پیٹ کے قائدین و کارکنان بھی دوراہے پر کھڑے ہیں، اعصاب شکن سیاسی ماحول ہے، کبھی سخت گرمی ہے اور کبھی موسلادھار بارشیں ہیں، جن سے خنکی تو ہوجاتی ہے، مگر بیٹھنے اور لیٹنے کی جگہ معدوم ، کپڑے اور خیمے گیلے ، بچے ، بوڑھے ، خواتین اور بیمار بیچارگی کے عالم میں ''نہ جائے رفتن نہ پائے ماندن'' کی تصویر بنے ہوئے ہیں ، پریشاں بھی ہے تو سیاسی عزتِ نفس کا سوال بھی ہے۔

اس پر مستزاد یہ کہ فریقین برداشت کے ماحول سے عدم برداشت کی طرف بڑھ رہے ہیں، لب ولہجے میں شدت، نازیبا پن کو چھو رہی ہے، اخلاقیات متاثر ہو رہی ہے، مقابلے در مقابلے میں ریلیاں نکالی جا رہی ہیں، نون لیگ پختونخوا میں اینٹ کا جواب پتھر سے نہ دینے پر آپس میں اس حد تک گتھم گتھا ہو گئی کہ ہاتھ پیر بھی تڑوا بیٹھے، ڈر ہے کہ خدانخواستہ کپتان اور پرائم منسٹر کی ضد ملک وملت کو خانہ جنگی کی آگ کی طرف نہ لے جائے، کیونکہ ہمیشہ بڑی آگ چھوٹی چنگاری سے ہی لگتی ہے اور پھر اسی سے پھیلتی بھی ہے، سیکورٹی فورسز جو پہلے ہی بلوچستان، وزیرستان، کراچی اور دیگر محاذوں پر کسی نہ کسی طرح مشغول ہیں، نجی وسرکاری املاک کو نقصان پہنچانے کی صورت میں وہ ایکشن لیئے بغیر نہیں رہ سکتیں، اب اس ایکشن کا اگر ری ایکشن ہو گیا، تو ملک وملت کا خدا ہی حافظ۔

جمعرات وجمعے کی درمیانی شب ہم ٹی وی اسکرین پر ایک خوفناک منظر دیکھ رہے تھے مخدوم جاوید ہاشمی خطاب فرما رہے تھے، زوردار بارش ہو رہی تھی، وہ کسی معذور آدمی کی طرح بول رہے تھے، ایک ہاتھ میں مائک تھا، دوسرا بغیر کسی سہارے یا گلوبند کے، گلے کی طرف لٹکے جا رہا تھا، ہمیں ترس آگیا، پر اس سے زیادہ ان بچوں اور خواتین پر رحم آرہا تھا، جو اس بادوباراں میں بھی خطیب کے ہاں میں ہاں ملائے جا رہی تھیں، اور پاکستان وپی ٹی آئی کے پرچم لہرا رہی تھیں، پیٹ والوں کا حال اس سے بھی کئی گنا زیادہ خراب تھا، کیونکہ سنا ہے کہ وہ سب

قادری صاحب کے لاچار ملازمین ہیں، اس شدید صورت حال پر ہم جتنے غمگین تھے ،اس سے کہیں زیادہ اپنی اس مملکت خداداد کے قائدین پر رونا آ رہا تھا، کہ کچھ نے قوم کی بیٹیوں، بچوں اور بوڑھوں کو ایک طرف یرغمال بنائے رکھا ہے، اور کچھ ادھر سے ملکی باگ ڈور کے رکھوالے ’’ہور چوپو‘‘ کے طنز لگا رہے ہیں، وزراء طعنے دے رہے ہیں،اولادیں جلتی پر تیل چھڑک رہے ہیں، اتحادی بیانات پر بیانات جاری کر رہے ہیں، گویا حکومت اور دہرنے والوں کے مابین ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی مساعیٔ نامسعود ہو رہی ہیں۔

:اس بے حسی پر علامہ اقبال مرحوم و مغفور کا یہ شعر رہ رہ کر یاد آ تا ہے

ترے دریا میں طوفاں کیوں نہیں ہے
خودی تیری مسلماں کیوں نہیں ہے

نیز ہم سوچتے رہے کہ یہ حال ہماری قیادتوں کا ہو جائے ،پوری دنیا میں ہماری جگ ہنسائی ہو، تو پھر اللہ تعالیٰ کا عذاب نہیں آئے گا، تو اور کیا ہوگا، جنرل ایوب خان ، جنرل ضیاء الحق اور جنرل مشرف جیسے آمروں پر رحم آنے لگا، کہ ان کے زمانے میں ایسے ہی سیاسی قیادتیں ہوتی ہونگی، جنھوں نے قوم کو بحرانوں میں ڈالا ہوگا، لاکھ کوششوں کے باوجود وہ کوئی معقول حل تلاش نہیں کر سکتے ہوں گے، بلکہ سیاسی میدانوں میں یوں ہی فیل ہو چکے ہوں گے، جیسے آج ناکام ہیں، تو مجبوراً فوج حرکت میں آ گئی ہوگی، اور دیر تک اس لئے براجمان رہی ہوں

گی، کہ یہ قیادتیں کوئی ۹۰ دن یا دو سال میں عقل کے ناخن لینے کے لائق نہیں ہوں گی،ادھر فوج پر ریاست کو انہدام سے بچانے کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں، بین الاقوامی دشمنوں کے ساتھ ساتھ اڑوس پڑوس کی طالع آزما قوتیں بھی تاک میں ہوتی ہیں، وہ تو اس فرصت کے انتظار میں ہوتی ہیں کہ ہم پاکستانیوں کا صفایا کر دیا جائے۔ شیخ مجیب الرحمٰن اور بھٹو کے درمیان یہی ضد تو تھی، جس نے اس ملک کو دولخت کر دیا تھا۔اور ہم ہیں کہ ماضی کی غلطیوں سے کوئی سبق نہیں لیتے،نواز شریف کی یہ تیسری برخاستگی اس ملک میں وزارت عظمٰی سے ایک ہی شخص کے سبکدوشی کی ''ہیٹ ٹرک'' ہوگی، جو تاریخ انسانی میں ایک نئے ریکارڈ کا اضافہ ہوگا،بدقسمتی سے یہ اضافہ کوئی نیک شگون نہیں ہوگا، لیکن کیا کیجئے، ''خود کردہ راعلاج نیست،،۔

زرداری صاحب مفاہمت کے جادوگر ہیں، خورشید شاہ ایک بہترین حل پہلے ہی دے چکے ہیں، کہ سات روز میں کمیشن دھاندلی کی رپورٹ پیش کریں، اگر دھاندلی ثابت ہو گئی، تو پیپلزپارٹی بھی وزیراعظم سے استعفاء کا مطالبہ کردیگی، نہیں ہوئی تو کپتان اگلے انتخابات تک صبر سے کام لیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قومی اسمبلی میں اپوزیشن لیڈر خورشید شاہ صاحب کا یہ فارمولا، صلح حدیبیہ کی طرح ایک کامیاب فارمولا اور فتح مبین ہے، دونوں

طرف ضامن بیٹھ جائیں، فوج بھی اس میں ضمانت دے اور سپریم کورٹ بھی اس میں
شامل ہو۔اس طرح یہ دھرنے ختم ہوجائیں گے ۔ ایک پائیدار اور باعزت راستہ بھی
فریقین کو مل جائے گا۔

لیکن وسعتِ ظرفی ،بڑاپن اور دانشمندی کے اس فقدان پر جتنا رویا جئے کم ہے۔

ہے بہت دشوار عاشی آئینے کا سامنا
کونسا چہرہ کروگے آئینے کے سامنے

”فتح مبین“

اہل فلسطین، دنیائے عرب، عالم اسلام اور تمام امن پسند انسانیت کو اسرائیلی جارحیت کے جواب میں غزہ والوں کی استقامت، شجاعت اور آخرکار اپنی ہی شرطوں اور مطالبات کے مطابق کامیابی ہزار بار مبارک ہو۔

پچھلے 50 دنوں کی ہولناک جنگ میں 2200 فلسطینیوں نے جام شہادت نوش کیا، جن میں اکثر بچے، بوڑھے، خواتین اور عام شہری ہیں، ہزاروں پناہ گزیں ہوئے، بڑے بڑے کمپلکس اور رہائشی محلے تباہ و برباد ہوئے۔اربوں ڈالرز کا مالی نقصان بھی ہوا، مقابل میں 64 اسرائیلی فوجی اور صرف 5 عام شہری مارے گئے۔ یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ ”کتائب القسام“ نے دورانِ جنگ صرف فوجی تنصیبات اور سیکورٹی فورسز کے لڑاکا لوگوں کو نشانہ بنایا، عام شہریوں اور رہائشی اپارٹمنٹز کو ہدف بنانے سے وہ گریزاں رہے، جبکہ اسرائیلی فوجیوں نے بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ عام شہری املاک، جنگ سے لاتعلق افراد اور مفادِ عامہ کی تنصیبات کو بھی نہ بخشا۔ جس سے انکی بربریت اور اخلاقی دیوالیہ پن کا اندازہ اہلِ انصاف کی نظروں میں واضح ہو کر سامنے آیا، ان ظالموں نے غزہ والوں کا ماہِ رمضان المبارک اور عید الفطر سوگوار کیا، انکے گھروں میں ماتم بپا کئے۔ لیکن آخرکار اللہ تعالیٰ نے انہیں عظیم الشان ”فتح مبین“ سے

ہم کنار کرکے ان کی خوشیوں کو دوبالا کیا، چنانچہ گذشتہ دو دنوں سے پورے فلسطین میں جشن کا سماں ہے۔

ذیل میں ہم 26 اگست بروز منگل 2014 ء کے جنگ بندی معاہدے کی تفصیلات اپنے قارئین سے شیئر کرتے ہیں، اس سے بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کتائب القسام حماس اور اہل غزہ و فلسطین کو بہت بڑی اور تاریخی فتح نصیب ہوئی ہے۔ معاہدہ کی رو سے فوری طور پر جو اقدامات دونوں جانب کے اٹھانے کے ہیں وہ یہ ہیں:

۱۔ اسرائیل کو فوری طور پر تمام تر عسکری کاروائیاں بند کرنی ہوں گی۔ جو غزہ میں بری، بحری اور فضائی تمام آپریشنز کو شامل ہیں۔

۲۔ حماس اور دیگر فلسطینی تنظیمیں فوری طور پر میزائل اور گولہ باری سے گریز کریں گے۔

۳۔ اسرائیل اپنی سرحدات کو غزہ والوں کے لئے کھول دے گا، تاکہ خوراک اور تجارتی سازو سامان کے علاوہ تعمیراتی اشیاء اہل غزہ کو میسر ہوں۔

۴۔ فلسطین کی مرکزی حکومت غزہ میں تباہ شدہ املاک کی تعمیرِ نو کی انتظامی ذمہ داری اٹھائی گی، جبکہ بین الاقوامی طور پر جن ممالک نے اس معاہدے میں کردار ادا کیا ہے، وہ فنڈنگ کریں گی۔

۵۔ اسرائیل نے اپنی حدود سے باہر فلسطینی سرحدات پر جو 300 میٹر کا علاقہ

بفرزون قرار دیا ہے،وہ صرف 100 میٹر تک رہے گا،تاکہ بقیہ حصہ فلسطینیوں کے مختلف النوع مقاصد خصوصاً زراعت کے لئے استعمال میں آسکے۔

۶۔غزہ کے ساحل پر 6 کلو میٹر تک رسائی ہو گی،جو تدریجی طور پر بین الاقوامی قانون اور معاہدے کے تحت 12 میل تک ہو گی۔

یہ صلح اور معاہدہ جب کچھ پھل پھول جائے،تو مستقبل قریب میں جانبین ایک دوسرے کے مزید مطالبات مان کر مندرجہ ذیل اقدامات کریں گے۔جس کے لئے ایک ماہ بعد قاہرہ میں مذاکرات ہوں گے :

ا۔گذشتہ جون میں 3 اسرائیلی فوجیوں کے اغوا کے بعد،جتنے فلسطینی قید کئے گئے ہیں ،ان سب کو رہا کیا جائیگا۔

۲۔قدیم فلسطینی قیدیوں میں سے چوتھی کھیپ جو رہائی کی منتظر ہے ،انہیں رہا کر دیا جائے گا۔جن میں سے 3 کھیپ سابقہ معاہدات کی روشنی میں رہائی پا چکے ہیں، لیکن بعد میں اسرائیل فلسطین امن مذاکرات کی ناکامی کے بعد اسرائیل نے مزید قیدیوں کی رہائی معطل کردی تھی،اب نئے معاہدے کے تحت وہی سلسلہ دوبارہ اسی ترتیب سے شروع ہوگا۔

۳۔حماس اور متعلقہ تنظیمات حالیہ جنگ میں ہلاک شدہ اسرائیلی فوجیوں کی لاشیں اور بقایات جات اسرائیل کو حوالہ کریں گی۔

۴۔بین الاقوامی سمندری درآمدگی وبرآمدگی کے لئے غزہ میں بندرگاہ کا قیام

عمل میں لایا جائے گا، جہاں سے فلسطینی علاقوں میں بین الاقوامی سازوسامان کا حمل و نقل ممکن ہوسکے گا۔

۵۔ غزہ میں یاسر عرفات انٹر نیشنل ایئرپورٹ کی اصلاح ومرمت اور بین الاقوامی پروازوں کے زیر استعمال لانے کے لئے اقدامات کرنے ہوں گے، یہ ایئرپورٹ 1998ء میں بنایا گیا تھا، لیکن صرف دو سال کے عرصے کے بعد اسرائیل نے اس پر بمباری کرکے تباہ کردیا تھا، اور بعد میں اس کی تعمیر نو کی اجازت بھی نہیں دے رہا تھا، اب موجودہ قاہرہ معاہدے کے مطابق اسے دوبارہ اوپن کیا جائے گا۔

٦۔ مغربی کنارے سے غزہ کے 40 ہزار حکومتی اہلکاروں کے لئے تنخواہوں کی مد جو رقم آتی تھی اسرائیل نے اس پر پابندی لگائی تھی ،وہ رقم ضبط کرلی جاتی تھی، اب اس رقم کی آمد پر کوئی پابندی نہیں ہوگی۔

سکائی نیوز عربک ،الجزیرہ، بی بی سی عربک اور العربیہ چینلز میں جو تاریخی معاہدے کی تفصیلات آئی تھیں وہ ہم نے قارئین کرام کے سامنے پیش کردیں ، فلسطینی امور کے ماہرین اس معاہدے کے مندرجات کو" فتح مبین "قرار دیتے ہیں ،اللہ کرے ایسے ہی ہوجائے۔

”کتائب القسام“

قرونِ وسطیٰ میں صلیبی جنگوں سے لے کر موجودہ زمانے سمیت ”امہ“ اغیار کے گوں ناگوں حملوں کی زد میں ہے، سازشوں پہ سازشیں اس پر مستزاد ہیں، مشرقِ بعید سے لے کر مغربِ عربی میں مراکش اور یورپ میں اسپین وپرتگال تک امہ سے عداوتوں کی نہ ختم ہونے والی ایک المناک ، خوفناک اور اندوہناک طویل ترین داستاں ہے، نیز داخلی سطح پر باہم دست وگریباں رکھنے کیلئے دشمنوں نے اہلِ اسلام میں وطنیت، قومیت، لسانیت اور مسلکیت وفرقہ واریت کے بڑے بڑے پائیدار اور مستحکم بُت بھی بنارکھے ہیں، اور اب جمہوریت ، شورائیت اور بادشاہت کے علاوہ اسلام بطورِ دین یا بطورِ نظام کے عنوانات سے نئے نئے ایسے نزاعات ان میں کھڑے کئے جارہے ہیں ، کہ ایک طرف یہ مسلمان اپنے دین سے دور ہوں ، تو دوسری طرف یہ قرآن وسنت اور اپنے ہی اسلاف کی تعلیمات کے بجائے ، غیر ضروری یا محض دنیاوی فکر و نظر کو اس قدر اپنائے رکھے ، کہ اس پر مر مٹنے کے لئے تیار ہوں، چنانچہ اسی تشتت وتفرق میں آج ہم پوری امہ اپنوں سے بر سرپیکار، اغیار کے اشاروں کے منتظر ہیں، اور ”کل حزب بمالدیہم فرحون“ یعنی ہر ایک گروہ اپنی اپنی فکری متاع پر شاداں وفرحاں کے مصداق ہیں، بدقسمتی سے پاکستان کی حالیہ صورتِ حال اس پر شاہدِ عدل ہے۔اُدھر خارجی سطح پر صلیبی جنگوں کے زمانے سے جگہ جگہ اغیار چیرہ

دستوں نے لشکر کشیاں کیں، خون خرابے کے بازار گرم کئے، بالآخر ترکی خلافت کے "مردِ بیمار" کا گلا گھونٹ کر اس کو دفن کرنے کے بعد عالم اسلام میں چھوٹی چھوٹی اور کمزور کٹھ پتلیاں قائم کیں، اندلس و مضافات کی طرح کچھ مسلم ممالک سے تو مسلمانوں کا نام ونشان مٹانے میں وہ کامیاب ہوگئے، اور اسلامی ہند کے مانند کچھ میں ایسا تو نہ کرسکے البتہ ایسے علاقوں میں برطانوی، فرانسیسی، ولندیزی اور روسی وغیرہ استعمارات قائم کرکے انہیں غلام بنانے میں ان خونخوار طاقتوں نے کامیابی حاصل کی، ان ہی وجوہات کی وجہ سے اجتماعی کے بجائے انفرادی طور پر سلطان ٹیپو اور بعض مسلم حکمرانوں نے اپنے اپنے ملکوں میں غارتگر دشمن کا مقابلہ کیا، بعض ملکوں میں عامۃ المسلمین نے اپنے طور پر جہاد وقتال کا پرچم بلند کیا، جبکہ اغیار کے سازشی چالوں میں پھنسے ہوئے بہت سے مسلم حکمرانوں نے دشمن کے کہنے پر شروع دن سے ان مجاہدین کے خلاف کریک ڈاؤن کیا، انہیں پکڑ پکڑ کے یا تو جیلوں میں ڈالا، یا پھر دشمنوں کے حوالے کیا، اور آخر کار جب مجاہدین کا خوف ختم ہوا، تو ان مستعمر قوتوں نے بڑے آرام سے ان کٹھ پتلیوں کا قلع قمع اور بعد میں نسلی تطہیر کرکے ان علاقوں کو اپنے زیر نگیں کیا، اسپین میں یہی ہوا، بھاگتے ہوئے غرناطہ کی ایک پہاڑی پر سے جب ہسپانیہ کے آخری بادشاہ ابو عبداللہ نے اپنے آباء واجداد کے عالی شان محلات پر نگاہ ڈالی اور رونے لگا، تو اس کی ماں نے اسے ایک زوردار تھپڑ اس لئے رسید کیا، کہ جس مملکت کو وہ اپنی نالائق تدبر سیاسی سے نہ بچاسکا، کیا

اب وہ اسے اپنی آہ وبکاء سے بچاسکے گا۔ بہر حال اغیار کا یہ کشت وخون اور اس کے رد عمل میں جہاد و مجاہدین کا سلسلہ عرصۂ دراز سے جسد اسلامی میں چل رہا ہے ،زمان ومکان کے اختلاف وتنوّع سے بچ بچاتے اوراس کی تفصیلات میں جائے بغیر، ہم یہاں اس وقت فلسطین کی شہرۂ آفاق جہادی تنظیم ”کتائب القسام“ کی اسرائیلی بربریت کے مقابلے میں پچھلے دنوں فتح مبین کے اس مبارک موقع پر بہت مختصر سی روشنی ڈالنا چاہیں گے۔

کتائب عزالدین القسام“ تحریک حماس کی وہ عسکری اورجہادی ونگ ہے، جس نے” پوری دنیا میں یہودیوں کو یہ سوچنے پر مجبور کردیا ہے کہ اسرائیل اور صہیونیت ان پر ایک معاشی اور اخلاقی بوجھ ہے، گذشتہ دنوں اسرائیلی ایئرپورٹز میں بھاگنے والے یہودیوں کی وجہ سے تل دھرنے کی جگہ نہیں تھی،جہازوں میں بکنگ کے لئے قطاریں لگ گئی تھیں،ہزاروں یہودی، فلسطینی میزائیلوں کے خوف سے اپنے گھربار اور عزیزمال ومتاع چھوڑ کر اپنے اپنے آبائی ملکوں کی طرف دم دبا کر رواں دواں تھے،ان کے حوصلے اس لئے بھی انتہائی پست ہوچکے تھے کہ انہیں نیتن یاہو حکومت کا یہ جھوٹ نظر آرہا تھا کہ اسرائیل بم پروف اور میزائیل پروف ہے، کیونکہ القسام کے سینکڑوں میزائیل رات دن ان کے شہروں اور فوجی تنصیبات پر برستے دکھائی دے رہے تھے، جبکہ ان کے مقابلے میں فلسطینی شہریوں کے حوصلے بہت بلند تھے، وہ دیکھ رہے تھے کہ القسام ایک ایسی تنظیم ہے

جو اپنی مدد آپ کے تحت بڑی پامردی اور استقامت سے دشمن کا مقابلہ کر سکتی ہے اور کر رہی ہے، القسام نے فلسطین کی انتفاضہ، مقاومہ، ممانعہ جہاد اور دشمن کا مقابلہ کرنے کی تحریک میں ایک نئی روح پھونک دی ہے، 1935ء میں یہودیوں کے مقابلے میں جام شہادت نوش کرنے والے شامی عالم دین شیخ عزالدین القسام کے مجاہدانہ کارناموں کی وجہ سے اس عسکری ونگ کی نسبت انہی کی طرف ہے، 1984ء سے اس تنظیم نے اپنی کارروائیاں شروع کر دی تھیں، اس وقت اس کا نام ''المجاہدون الفلسطینیون'' 1991ء میں مرکزی شوریٰ کے فیصلے کے مطابق اس کا نیا نام ''کتائب القسام'' رکھا گیا، اس کے بانیوں میں سے شیخ صلاح شحادہ، عماد عقل، محمود المبحوح غزہ میں اور مغربی کنارے میں اس کا مشہور کمانڈر یحییٰ عیاش شہید تھے۔ حماس سے اس کی صرف ورکنگ ریلیشن شپ ہے۔ باقاعدہ اس کی ذیلی تنظیم نہیں ہے، پورے فلسطین کو انھوں نے وارڈز اور یونٹوں میں تقسیم کیا ہوا ہے، علاقائی تمام امور کی نگرانی سیکٹر انچارج کے پاس ہوتی ہے، 2012ء میں احمد الجعبری کی شہادت کے بعد محمد الضیف اور مروان عیسیٰ بالترتیب اس کے سنٹرل کمانڈر اور ڈپٹی کمانڈر ہیں، ان لوگوں کا کمال یہ ہے کہ یہ فلسطینی حدود تک محدود ہیں، جہاد کی درآمد و برآمد پر یقین نہیں رکھتے، نیز فتح و حماس کے جھگڑوں میں نہیں پڑتے، فروعی اختلافات سے کنارہ کش رہتے ہیں، اسلحہ سازی اور عسکری تربیت میں خود کفالتی پر نگاہ رکھے ہوئے ہیں۔ یہ مرحلہ وار پتھر، چھریاں پسٹلز، بندوق، کلاشنکوف، خود کش جیکٹس، دستی بموں سے ہوتے،

ہوئے اب جاکر میزائیل اور ڈرون طیاروں پر پہنچے ہیں،انکے القسام میزائیل نے بہت شہرت حاصل کی ہے،کتائب القسام کے میزائل میں سے کمانڈر ابراہیم المقاومہ کی 80جس J75ہے جس کی رینج 75کلو میٹر ہے،احمد الجعبری کے نام سےM طرف منسوب اور سجیل 55 بھی انکے R160 کی رینج 80 کلو میٹر ہے، عبدالعزیز رنتیسی کے نام سے میزائلوں میں شامل ہے،ٹینک شکن میزائیلوں میں سے انکے پاس کورنیت ، فونیکس کےA1A,A1B,A1C ساغر اور سام 7 بھی ہے ڈرون طیاروں میں بھی انھوں نے نام سے تیار کئے ہوئے ہیں، حالیہ لڑائی میں ان تمام اسلحہ کو استعمال میں لایا گیا ہے،ان کے لڑاکا نوجوانوں کی تعداد غزہ اور مغربی کنارہ میں 50ہزار کے قریب ہے،اسرائیلی فوجیوں کے اغوااور ان پر شب خون مارنے کے علاوہ انھوں نے اسرائیل کے ساتھ 208ء سے ابتک چار جنگیں لڑی ہیں، چاروں میں عام شہریوں اور املاک کے نقصان سے ہٹ کر عسکری سطح پر یہ ہمیشہ کے لئے اسرائیل آرمی پر غالب اور فتح مند رہے ہیں،اللہ کرے یہ سلسلہ فلسطین کی آزادی کی ایک سبیل ہو۔

تو مرا حاجی بگو من ترا حاجی بگویم

ملک کو درپیش موجودہ خطرات کے بارے میں اہل نظر اور صاحبانِ دانش بہت پہلے سے پیش گوئی کرتے چلے آرہے تھے ۔ لیکن ''زمین جنبد نہ جنبد گل محمد نہ جنبد'' کا مصداق پاکستان مسلم لیگ نوازکے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی ۔ ٹس سے مس بھی نہیں آئے ۔ اب اسلام آباد میں ایک ماہ کے قریب ہزاروں لوگوں کے دھرنوں سے اگر حکومت، جمہوریت ،پارلیمنٹ اور آئین کے خیموں میں گھس کرنون لیگ بچ بھی جائے ، تو فائدہ کیا، عزت رہی نہ کسی سطح پر حکومتی رٹ۔

قومی اسمبلی کا مشترکہ سیشن کئی روز چلا ، ملک اور قوم کی خدمت کاتو دور دور تک کوئی ذکر نہیں ، اگر ذکر ہے تو اپنے اپنے الّو سیدھے کرنے کا، حزب اقتدار کی بنچوں سے حزب اختلا اور حزب اختلاف کی سیٹوں سے حزب اقتدار کی خوب مدح سرائی ہو رہی تھی ،یاپھر اشاروں میں ایک دوسرے کو طعنے دیئے جارہے تھے ،آخرکار جعلی مینڈیٹ کی طرح مصنوعی پارلمانی اتحاد واتفاق کا بھی بھانڈا پھوٹ گیا،چوھدری نثار کے الزامات پر اعتزاز احسن اپنے آپ کو قابو میں نہ رکھ سکے ،کاش اتنا غیظ وغضب اجتماعی مفادات،الزامات اور نقصانات پر بھی ہوتا، بحران کے حل کے بارے میں سنجیدگی سے غور ہوتا، پائیدار حل سامنے آتا۔

جس سے نہ صرف مظاہرین بلکہ عام پاکستانی بھی مطمئن ہوتے۔ افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ یہ بات عمائدینِ قوم کی اس مجلس شوریٰ میں لگتا ہے ''موضوع سخن'' ہی نہیں۔

شروع دن کی اعتزاز احسن کی تقریر قدرے بہتر سمجھی جا رہی تھی کہ جذباتیت سے ہٹ کر جچے تلے الفاظ میں فریقین کو سمجھانے کی کوشش تھی، مگر چوہدری نثار علی خان نے ان کا بھی بھرکس نکال دیا، کہا کہ وہ اپنی تجارت اور لینڈ مافیا کی سرپرستی بچا رہے تھے مولانا فضل الرحمٰن کے خطبات ویسے بھی مشہور ہیں، لیکن اس وقت کی ان کی تقریر، ایک شاہکار تھی، لیکن اس پر بھی بعض اینکرز کی طرف سے کہا جا رہا ہے کہ وہ ایک جذباتی تقریر تھی، محمود خان اچکزئی، زاہد خان اور خالد مقبول صدیقی کی تقریریں شاید اس قابل نہ تھیں، کہ ان پر توجہ دی جائے، کچھ لوگ تو ایسے بھی تھے کہ اگر وہ اس موضوع پر نہ بولتے تو وہ شرمندگی سے ضرور بچ جاتے۔ احسن اقبال نے نمک حلالی کیلئے جلتی پر تیل چھڑک دیا، جاوید ہاشمی نے بہت بڑی قربانی دی تھی، ان کی قربانی کی قدر کی جانی چاہئے تھی تو ''صلہ'' ان کے استعفاء کو شرف قبولیت بخشنے کی صورت میں دیا گیا، شاہ محمود قریشی ناراض لوگوں کے ترجمان تھے، اور پھر بھی آ گئے، تو ان کا استقبال ہونا چاہئے تھا، ان کو شیم شیم کے نعروں سے پرتپاک خوش آمدید کہا گیا، ان کی تقریر کے دوران بھی اطراف میں ہڑبونگ جاری تھی۔

ٹھنڈے دل اور اطمینان سے ان کی بات نہ سنی جا سکی، سونے پر سہاگہ یہ کہ ناراض مظاہرین کے یہ ترجمان جب پارلیمنٹ میں داخل ہونے کو تھے، نواز شریف صاحب اس سے قبل ہی تشریف لے گئے، اور جیسے ہی یہ لوگ نکل گئے وہ آ کر اپنی سیٹ پر براجمان ہوئے، اللہ تعالی قوموں کی حیات میں ایسے دن اور یہ غیر سنجیدہ حرکات کسی کو بھی نہ دکھلائے۔

تعجب کی بات ہے کہ پچھلے چالیس سال سے کچھ خاندان اور کچھ جماعتیں قوم کے ساتھ سنگین مذاق میں مصروف ہیں، تو مرا حاجی بگو من ترا حاجی بگویم کے مصداق بنے ہوئے ہیں، اور یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر دھاندلی ثابت ہو گئی، تو اسمبلیاں برخاست کرکے مڈٹرم الیکشن ہوں گے، ارے بابا، جہاں جہاں دھاندلی ثابت ہو جائے، اسے کالعدم قرار دیا جائے، بقیہ کو اس کی سزا کیوں دی جائے، دھاندلی کرنے اور کرانیوالا کوئی بھی ہو، اوپر سے نیچے تک اسے عبرتناک انجام سے دوچار کیا جائے، وسط مدتی انتخابات پر کروڑوں روپے خرچ کرکے جاں بلب قومی خزانے پر بوجھ کیوں ڈالا جائے، بلکہ جن حلقوں میں دھاندلی ہوئی ہے، وہاں بھی دوبارہ انتخاب کے یا دیگر جتنے بھی اخراجات ہوں وہ دھاندلی کے مرتکب عناصر پر ڈالے جائیں، نیز اگر دھاندلی ثابت نہیں ہوئی تو شور مچانے والوں کو بھی سخت سے سخت سزائیں دی جائیں، کیونکہ انہوں نے ملک و قوم کا بلاوجہ تماشا بنائے رکھا۔ لیکن یہ بعید از قیاس اس لئے ہے کہ حکمراں جماعت

کا خوف ، باڈی لینگویج اور تحقیقات سے فرار بتلا رہا ہے کہ دال میں کچھ نہ کچھ یا بہت کچھ کالا ضرور ہے ۔ پھر روز نامہ جہان پاکستان کی 5 ستمبر کی ایک خبر میں ایک قومی (NA 125) اور ایک صوبائی اسمبلی (PP147) میں دھاندلی کی تصدیق ہو گئی ہے۔اس خبر کے مطابق نون لیگ پر دھاندلی ثابت ہو چکی ہے، تو پھر چوری اور سینہ زوری آخر کیوں ؟ اور ڈھیٹ پن پر ڈھٹائی کیوں ؟؟ کیا نواز شریف اس بار غلام اسحاق خان کے بجائے اپنے ساتھ ساری قومی، سینیٹ اور صوبائی اسمبلیوں کو ڈوبونا چاہتے ہیں، یہ تو شرافت نہ ہوئی،کچھ تو اپنے ساتھ لگے ''شریف'' لاحقے کا بھی خیال رکھیں،اسم با مسمیٰ بنئے،اپنی ذات سے ذرہ ہٹ کرخدارا قوم کو نوازیئے۔

درپیش تمام تر صورت حال میں جو بات درد مند دلوں کیلئے سب سے زیادہ افسوسناک ہے ، خدا کرے ایسا نہ ہو، مگر حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق :'' کہا تو گیا ہے نا''۔وہ یہ کہ واشنگٹن سے آئی ہوئی ایک خبر کے مطابق جاوید ہاشمی صاحب نون لیگ کیلئے تحریک انصاف میں جاسوسی کیلئے آئے تھے ، یہ خبر اپنے ذرائع کے اعتبار سے زیادہ قابل اعتبار نہیں، لیکن جاوید ہاشمی صاحب کے استعفاء کی حسن قبولیت کے ساتھ ساتھ روزنامہ جہان پاکستان 4 ستمبر کی ایک خبر اسے تقویت دیتی ہے ، کہ موجودہ صدر مملکت کو بیمار بنا کر رخصت کر دیا جائے گا ، اور بطور تحفہ وانعام صدارت کا تمغہ ہاشمی صاحب کے سینے پر

لگادیا جائے گا، نیز قومی اسمبلی کے باہر ہاشمی صاحب کی مشہور باغیانہ پریس کانفرنس سے قبل خواجہ سعد رفیق سے ان کے راز و نیاز کی تفصیلی کہانی بھی میڈیا میں شائع ہوچکی ہے ہاشمی صاحب کی یہ تگ ودو اگر اسی انداز میں ہو اور ثابت ہوجائے ،تو پھر سمجھنا چاہئے ، کہ پاکستان میں کوئی ایک بھی سچا یا معتبر شخص نہیں ہے ، کیونکہ ہاشمی صاحب جہاں بھی رہے ،جب بھی رہے ،پوری قوم کے محبوب اپنی امانت ، دیانت ، شجاعت اور ظلم کے خلاف بغاوت کی وجہ سے رہے ، امید کی جانی چاہئے کہ ایسا نہ ہو، لیکن اگر یہ سب کچھ ہوتو پھر یہ محبوب باغی تاریخ میں ''خائن و غدار'' کہلائے گا، جبکہ جاوید ہاشمی اور خیانت یہ بالفاظ دیگر اسلام اور کفر ہیں ، مجھے تو سوچ سوچ کر دل کا دورہ پڑنے کو ہے ، حالانکہ میں ہاشمی صاحب کی پارٹیوں میں کبھی نہیں رہا۔

بہر حال یہ بحران اتنا سنگین نہیں جتنا اسے سنگین سمجھا جارہا ہے ،یا سنگین دکھایا جارہا ہے دونوں طرف پڑھے لکھے اور جہان دیدہ لوگ موجود ہیں ، نواز شریف اور عمران خان، سے دونوں جانب منتخب فریق اختیار لے کر استعفاء اور عدم استعفاء کے موضوع پر انہیں بے اختیار کرکے یہ تیسرا فریق اس پر بات کرے تو شام تک حل نکل آئے گا، بس صرف اتنا کرنا پڑے گا کہ ذرہ سا پتھر کے زمانے میں جاکر کسی دیہات یا گاؤں کے چوھدری وڈیرے اور خان سے جرگہ کے اصول سمجھنے ہوں گے ، پھر مسئلہ آٹے میں سے بال، نکالنے کی طرح آسان ہوجائے گا۔

حضرت مولانا یحییٰ مدنیؒ کا اعتدال

بلاشبہ خالقِ کائنات نے منجملہ تمام مخلوقات میں سے انسان کو اشرف المخلوقات کا اعزاز دے کر اسے ایک بہت بڑی فضیلت بخش دی ہے، پھر بنی نوعِ بشری میں مسلم وکافر، مطیع ونافرمان اور نیک وبد بن کر مختلف حصوں میں تقسیم ہو گئے، چنانچہ ان میں سب سے اعلیٰ وارفع حضرات، انبیاء علیہم السلام کی نفوسِ قدسیہ ہیں، پھر صدیقین ،صحابہؓ،اولیاء اور صالحین درجات بدرجات ہیں،انہی میں سے ایک سلسلہ علمائے دین کا ہے، جو اپنے گفتار وکردار، علم وعرفان اور سلوک واحسان میں انبیاء علیہم السلام کے وارث کہلاتے ہیں۔

اسی سلسلے کی ایک کڑی ہمارے حضرت مولانا یحییٰ مدنی مرحوم ومغفور تھے، جو اخلاص واخلاق کے پیکر اور شفقت وسخاوت کے سمندر ہونے کی وجہ سے حضراتِ انبیاء علیہم السلام کے سچے اور پاکباز جانشینوں اور ورثاء میں سے تھے، وہ جہاں اپنی دیگر صفاتِ عالیہ کے ساتھ متصف تھے، وہیں ان میں صفتِ اعتدال اور میانہ روی امتیازی درجہ کی تھی، اسی وجہ سے وہ قومیت، لسانیت، رنگ، نسل، مسلک، مشرب میں تعصب کو پرے رکھکر راہِ اعتدال کے سالک تھے، ہر ایک سے محبت کرتے اور اسی وجہ سے ہر کوئی ان سے محبت کرتا تھا۔

عربی زبان وادب سے بے حد محبت کرتے تھے، خود اس میں راغب تھے، دوسروں کو بھی اس کی تعلیم، تعلم، نشرواشاعت کی ترغیب دیتے، ماہرین عربی زبان کا خوب اعزاز واکرام فرماتے تھے، بہت دفعہ مجھ سے فرمایا: ''میں چاہتاہوں کہ معہد الخلیل کی دفتری اور تدریسی زبان بنین وبنات میں عربی ہو''، اور اس حوالے اقدامات بھی کئے، جن میں وہ کسی حد تک کامیاب بھی ہوئے، اللہ کرے ان کے متوسلین، متعلقین اور صاحبزادگانِ گرامی ان کے امنگوں کے صحیح ترجمان ہوں۔

وہ اپنے مزاج اور فطرت میں درحقیقت حضرت عمرؓ کے اس قول کے مصداق تھے: ''المؤمن لایَلدغ ولایُلدغ''، مؤمن ڈستا ہے نہ ہی ڈسا جاسکتا ہے، یعنی ''لاضرَرَ ولاضرارَ'' کسی کو چھیڑتے نہ ہی چھیڑخانی کی اجازت دیتے، وہ انتہائی سادہ انسان تھے، نیک اعمال، اقوال اور افکار پر ڈٹے رہتے، بہت بڑے صاحبِ استقامت تھے، اور استقامت تو ہزاروں کرامتوں سے بہتر ہے۔

ہمارا اس وقت سے مدنی صاحب سے تعلق تھا، جب ہم وفاق المدارس العربیہ پاکستان سے منسلک تھے، پھر ہم نے جب ''المظفر ٹرسٹ انٹرنیشنل'' کی بنیاد رکھی، عربی کی نشر واشاعت کے لئے ''جامعۃ العلوم العربیۃ المفتوحۃ'' اور ''جامعۃ المظفر العربیۃ المفتوحۃ'' میں مالی مدد کی ضرورتیں پیش آئیں، تو وہ ہمارے ان

اکابر میں سے تھے جنہوں نے ہمہ وقت ہمارے سروں پر دستِ شفقت رکھا، خطیر رقوم کی تبرعات دیں، اللہ تعالیٰ ان کو ہماری طرف سے اور پوری امت کی طرف سے خوب خوب جزائے خیر نصیب فرمائے۔

بہرحال اعتدال، میانہ روی اور انصاف ان کی پاکیزہ شخصیت کا امتیاز تھا، اللہ تعالیٰ سے دعاء ہے کہ ہم سب کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے، ان کی مغفرتِ کاملہ وتامہ فرمائے، اور تمام پس ماندگان کو صبر جمیل سے نوازے۔

اللہم لاتفتنا بعدہ ولا تحرمنا اجرہ

اللہ خیر کرے

آج سے ایک صدی قبل عالم اسلام کو نسلی بنیادوں پر تقسیم کرنے والا معاہدہ ''سایکس بیکو'' اپنی پیدائش کے کئی سال بعد ہی معلوم ہو سکا تھا. جس سے مسلمانانِ عالم کو پتہ چلا تھا کہ استعماری قوتوں نے انہیں کیسے اور کیوں چھوٹی چھوٹی قومیتوں میں بانٹ کر ان کے وسائل پر غیر مرئی طور پر قبضہ جمائے رکھا۔ سایکس بیکو معاہدے کے تناظر میں عالم عربی کو دنیا کے باقاعدہ جاری کردہ نقشے سے غائب کرا کر اسے میڈل ایسٹ کا نام دیا گیا تھا۔ گویا موجودہ دنیا کے جغرافیا پر اگر کوئی عالم عربی کا وجود ہے تو وہ بڑے شہروں میں غیر سرکاری اور غیر منظور شدہ گوٹھوں (کراچی کی لالوکھیت) کی طرح ہے کہ زبان زد عام میں تو وہ علاقہ بہت مشہور ہوتا ہے. لیکن ڈاکومنٹس کی دنیا میں اس کا کوئی پتہ نہیں ہوتا۔

اب کی مرتبہ عالم اسلام کی باری ہے آرگنائزیشن آف اسلامک '' کانفرنس'' کو تو پہلے ہی خود مسلم ممالک نے آرگنائزیشن آف اسلامک '' کوآپریشن'' میں تبدیل کر کے صرف ایک این جی او بنا دیا ہے۔ آج دنیا کے نقشے پر موجود ۵۷ اسلامی ملکوں کو سوملکوں میں تبدیل کرانے کا منصوبہ ہے. تقسیم در تقسیم کا یہ عمل اب اس وقت قومیت کے بجائے فرقہ واریت پر استوار کی گئی ہے، چنانچہ

عرب ملکوں میں اس پر اچھا خاصا کام ہو گیا ہے، عراق کے تین ٹکڑے نمودار ہو گئے ہیں، سوڈان پہلے ہی منقسم ہو چکا ہے، صومالیہ، یمن، لیبیا، مصر اور شام میں کشمکش جاری ہے لاکھوں مسلمان اس خونریز تصادم کا لقمۂ اجل بن چکے ہیں، فلسطین، مغربی کنارے میں، تنظیم آزادی فلسطین اور غزہ میں حماس کی الگ الگ خود مختاریوں اور عملداریوں میں بٹ چکا ہے، ایران میں بلوچستان، اھواز، کردستان اور رفارس بننے کو ہیں، افغانستان میں عبداللہ عبداللہ کی اگر نہ سنی گئی تو شمال وجنوب میں خلیج وسیع تر ہو جائی گی۔

ایسے میں خلیجی ریاستیں بالخصوص سعودی عرب، ترکی اور پاکستان جو نسبتاً بڑے اور طاقتور سمجھے جانے والے اسلامی اکثریتی ملک ہیں، یہ تا حال بچے ہوئے ہیں، لیکن ترکی میں بھی سازشوں پے سازشیں ہو رہی ہیں، سعودی کو چاروں طرف سے خطرات میں پھنسایا گیا ہے، رہا پاکستان تو اس کے پاس ایک تو ایٹمی توانائی ہے، دوسرا یہ کہ اس کے ادارے مستحکم ہیں، یہاں اسی لئے اداروں پر وار کیا جا رہا ہے، آخرکار بات ایٹمی صلاحیت پر جائیگی، تاکہ اس طاقت سے مسلم دنیا کو یکسر محروم کر دیا جائے۔

اسلام آباد کے موجودہ دھرنوں کی صورتوں میں دو آفتوں کا جب بنظر غائر جائزہ لیا جاتا ہے، تو ''نیا پاکستان'' اور جدید مصر یا سب سے پہلے پاکستان اور

تونس اولاً میں مشابہت ومماثلت پائی جاتی ہے۔ لگتا ہے سبق ایک ہی طرح کا پڑھایا گیا ہے۔ رابعہ عدویہ، تحریر سکوائر اور یوکرین کے دھرنوں کو دیکھا جائے، تو حالات بتاتے ہیں، کہ ان میں یکسانیت ہے۔ ہم تو جمہوریت، آئین اور پارلیمنٹ کا رونا روتے ہیں لیکن یہاں ملک اور ریاست کو خطرات درپیش ہیں۔ اس لئے ملک کے اعلیٰ دماغوں کو، خوب سوچ سمجھ کر، موجودہ صورتِ حال سے نمٹنے کی ضرورت ہے۔ یہاں ایک خدشہ یہ بھی نظر آرہا ہے کہ شاید چائنا سے ناطہ توڑ کر مغربی دنیا سے ہمیں لگایا جاتا ہے، وجہ نزاع گوادر ہے، پاک فوج، سیاستداں اور اسٹیبلیشمنٹ سب کو مل کر حالات کی نزاکت کو بھانپنے کی شدید ضرورت ہے۔ خدانخواستہ پارلیمنٹ اور آئین کو بچاتے بچاتے ہم ریاست کو کہیں کھو نہ دیں۔ صرف ایک کرسی بچانے کیلئے جمہوریت، آئین اور پارلیمنٹ کا آڑ لیا جارہا ہے۔ دیکھنا یہ چاہیئے، کہ کرسی کے بجائے پارلیمنٹ اور جمہوریت کو بچایا جائے، آئین اور دستور کو تحفظ دیا جائے۔ یہ بھی نہ ہو، تو ملک اور ریاست کو بچایا جائے، اللہ خیر کرے کہیں سب سے ہاتھ دھونا نہ پڑے۔

عرب ایک نئی جنگ کی لپیٹ میں

نائن الیون کا حادثہ امریکہ میں ٹوین ٹاورز کو ہوائی جہازوں سے اڑانے کی وجہ سے قیامت تک تاریخ میں زیر بحث رہے گا۔ اس کے مضمرات ،پیش منظر وپس منظر اور اس پر مرتب ہونے والی عالمی سطح کی تبدیلیاں اس کے اہم موضوعات وابواب ہیں اور رہینگے ، یہ حملہ کس نے کیا تھا، کیوں کیا تھا اور کیسے کیا تھا، یہ بھی تاحال واضح نہیں ہیں ، اس لئے یہ بحث بھی باقاعدہ موضوع سخن کے طور پر دنیاکے تجزیہ نگاروں اور اہل تحقیق کو طویل عرصے تک کیلئے مشغول رکھے گی ، لیکن امسال 2014 کے نائن الیون کو جدہ میں قریباً 40 ملکوں کی جوایک اہم میٹینگ جو امریکہ اور عرب لیگ کے اشتراک سے منعقد ہوئی ، اس وقت مشرق و مغرب اور بالخصوص عرب میڈیا میں فی الوقت زیر بحث ہے ، اس اجتماع میں تنظیم الدولۃ الاسلامیۃ فی العراق والشام ''داعش'' جودر حقیقت القاعدہ کی ایک شاخ ہے کے خلاف عالمی برادری کو منظم کیا جارہاہے ، تاکہ عراق اور شام میں اسے کچلا جاسکے۔

ابتدائی پلان کے مطابق امریکن فورسز صرف فضائی حملوں میں شریک ہوں گی ، جبکہ عرب لیگ، ترکی اور ایران کی فوجیں بری وبحری محاذوں پر اس تنظیم کے ساتھ پنجہ آزمائی کرینگی ، شام کے کٹھ پتلی صدر بشار الاسد نے بھی اس عالمی

کولیشن میں انضمام کی درخواست دی تھی ، لیکن فی الحال ان کی درخواست مسترد کرکے ان کے خلاف میدان جنگ میں نبرد آزما'' الجیش الحر'' کو اس کولیشن اور اتحاد کا حصہ بنایا گیاہے ، چونکہ شام میں اس تنظیم کے خلاف کارروائی گویا بشار الاسد کے زیر کنٹرول علاقے میں بھی ہوگی ، جس سے ان کی حکومتی عملداری کے متاثر ہونے کا قوی امکان ہے ، اس لئے ایران، چین اور روس نے یہاں سے داعش کے خلاف جنگی کارروائی پر اپنے تحفظات کا اظہار کیاہے ، کیونکہ چین کے آشیرباد سے روس نے شام میں کسی بھی غیر شامی فوج کی کارروائی کو باربار انٹرنیشنل سیکورٹی کونسل میں ویٹو کیاہواہے اب آسانی سے وہ اپنے اس نظریئے سے رجوع پر کسی بھی عنوان تلے کسی باقاعدہ، فوج کی دخل اندازی پر تیار نہیں ہے۔

اندازہ یہ ہے کہ 10 ملکوں پر مشتمل یہ جتھہ صرف داعش کے خلاف نبرد آزما نہیں ہوگا، بلکہ مستقبل میں عالمی سطح پر سنی مجاہدین کے تمام گروپوں کو سبق سکھانے اور ان کو کیفرِ کردار تک پہنچانے کیلئے یہ اتحاد وجود میں آگیاہے ، بالخصوص گیارہ ستمبر کی تاریخ میں کچھ خاص پوشیدگی ہے ، کیونکہ لسٹ میں تنظیم الدالۃ الاسلامیۃ فی العراق والشام ،جبھۃ النصرۃ، طالبان ، بوکوحرام ،احرار الشام ، القاعدہ ،لیبیا میں انصار الشریعۃ ، یمن میں حوثیین، فلپائن میں جماعۃ ابی سیاف اور صومالیۃ میں الحرکۃ الشبابیۃ سب کا تذکرہ ہے

آگے چل کر یہ بات کوہِ سیناء کے مجاہدین، حماس اور چیچن مزاحمت کاروں کے ساتھ، ساتھ سنکیانگ کے علیحدگی پسندوں پر آئی گی۔

یہ ساری صورت حال دیکھ کر ایک طرف امہ کے نوجوانوں اور شہادت وشجاعت کے جذبات سے لبریز مجاہدین کے خلاف اس بے رحم جنگ پر دل خون کے آنسو روتا ہے، اور پریشانی وحیرانی میں دم گھٹنے لگتا ہے، لیکن دوسری طرف ان ہی نوجوانوں کی حرکتوں پر غیظ وغضب سے کلیجہ پھٹنے لگتا ہے، مہران ایئر بیس اور کراچی ایئر پورٹ کے بعد ڈاکیارڈ پر حملے کو دیکھئے، یہاں پر حملہ سابقہ تمام حملوں سے کئی گنا خطرناک تصور کیا جاتا ہے، کئی روز تک تو اسے میڈیا سے مخفی رکھنے کی کوشش کی گئی، پھر جو کچھ دھیرے دھیرے چھن چھن کر سامنے آرہا ہے، وہ بہت ہولناک ہے، کہ ایٹمی آبدرزوں کو حاصل کرکے سمندر کی گہرائیوں میں موجود امریکن بیڑوں پر حملہ خوفناک معنی دارد۔

اُدہر طالبان اور القاعدہ دونوں ہی اس کی ذمہ داری قبول کررہے ہیں، حقیقت میں طالبان اور القاعدہ کی سوچوں نے یہ حملہ کیا ہے، پاکستان کو کمزور کرنا اگر کسی تنظیم کے مفاد میں ہو، تو ان کے خلاف جو بھی کولیشن بنے، بننا چاہیئے، سرکوبی ہونی چاہیئے، لیکن ایک بات جو خرابی کی ہے، وہ یہ کہ اگر ہماری حکومتیں اور حکمران کمزور اور کٹھ پتلی نہ ہوتیں، تو ان لوگوں کو کیا

ضرورت تھی کہ از خود بجنگ آمد۔

ہمارے حکمرانوں کاکام حقیقت میں یہ تھا، کہ عافیہ صدیقی کا مسئلہ سنجیدگی سے اٹھایا جائے عراق میں جھوٹ کی بنیاد پر جو تباہی ہوئی اس کا معاوضہ دلایا جائے، شام میں جو قتل، عام ہوا، اس کی تشخیص اور علاج کیا جائے، طالبان پر بلاثبوت جس طرح آتش و آہن کو برسایا گیا، اس کی جواب طلبی ہو، فلپائن، چیچینیا، فلسطین، صومالیہ اور نائجیریا میں مسلمانوں کو تہ تیغ کرنے پر مسلم حکمراں اپنا حقیقی اور نظر آنے والا کردار سامنے لائیں، ورنہ جب تک صورت حال جوں کی توں رہیگی، لاوا پکتا ہی رہیگا، خون رستا ہی رہے گا، آبادیاں ملیامیٹ ہوتی ہی رہیں گی، اگر ہمارے حکمراں میر کی طرح سادھا بن کر اسی عطار کے لونڈے سے دوا کرائیں گے، تو مرض بڑھتا ہی رہے گا، دنیا بدل چکی ہے، گلوبلائزیشن کا دور ودورہ ہے، سمجھ میں نہ آئے، تو ہنری کسینجر کی بالکل نئی کتاب نظام العالم'' کو دیکھ لیجئے، نئی اور گلوبل دنیا کے نقوش اور خدوخال واضح طوپر اس'' میں موجود ہیں۔

جدہ کے نائن الیون کے حالیہ اجلاس کو جس قوم نے بھی مختصر مدتی لیا، اسے نقصان ہوگا کیونکہ صرف ایک تنظیم ''داعش'' کے خلاف 40 ملکوں کا مستقبل میں وسعت پذیر، اتحاد سمجھ سے بالاتر ہے، میدان کارزار کے مجاہدین ہوں

یا دہشت گرد، ان کو بھی از سر نو اپنے عزائم، اہداف اور منصوبوں پر سوچنا ہوگا، کہ کہیں وہ اہل اسلام کیلیے دنیا بھر سے شر کی قوتوں کو جمع تو نہیں کر رہے ہیں؟ اور یہ بھی کہ وہ جہاد و قتال کے مقدس نام کے باوجود اغیار کو عالم اسلام میں دخل اندازی کے مواقع تو فراہم تو نہیں کر رہے ہیں، نیز ارباب حل و عقد کو بھی گولی کے بجائے مذکرات کی میز ہی پر ان ناداں مگر مخلص نوجوانوں کو سمجھانا ہوگا، قبل اس کے کہ عالمی استعماری قوتیں پھر سے مسلم ملکوں کو ناکام ممالک قرار دے کر استعمار کے پنجوں میں جکڑ لیں، اہل دانش اور علماء کو بھی اپنی اپنی ذمہ داریاں پوری کرنی ہوں گی۔

16 ستمبر منگل کے دن شیخ زائد سینٹر اورicrcکے اشتراک سے کراچی یونی ورسٹی میں انٹر نیشنل ہیومن ٹیرین لاء (IHL)کے موضوع پر ایک روزہ ورکشاپ کا انعقاد کیا گیا تھا،پروفیسر ڈاکٹر نوراحمد شاہتازاور ڈاکٹر ضیاء اللہ رحمانی نے ہمیں بطور خاص مدعو کیا تھا،وہاں جو معروضات ہم نے گوش گذار کیں ،انکا خلاصہ اپنے قارئین کیلئے پیش خدمت ہے:

جہاد کو سمجھنے کیلئے پہلے اسلام اور اسلام کو سمجھنے کیلئے پہلے ایمان کو سمجھنا ضروری ہے ، چنانچہ ایمان ایک ویژن اور نظریئے کا نام ہے ،اس نظریئے میں حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں ہیں ، اللہ تعالی کا سب سے بڑا حق یہ ہے ،کہ اسے یکتا و تنہا مانا جائے ، ان کے ساتھ کسی بھی طرح کسی بھی قسم کا شرک نہ کیا جائے ، بندوں کے حقوق کیلئے اس کے پیامبر ﷺ نے جو کچھ بیان فرمایاہے ،اس تمام تر رسالت و تبلیغ میں انہیں اللہ کا حقیقی پیغامبر اور نمائندہ تسلیم کیا جائے ، یہ ایک ویژن ہے،اور اسلام وہ راستہ ہے جس پر عملی طور پر چل کر اپنے عمل ، کردار اور حسن کارکردگی سے اس کا ثبوت دیا جائے ،گویا یہ پریکٹیکل اس کا ایک مشن ہے ، یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ اس ویژن اور مشن نیز اس ایمان واسلام سے خدا کی خدائی پر کسی طرح بھی کمی بیشی کا کوئی اثر

نہیں پڑتا، ہاں حضرتِ انسان پر حیات وممات میں اس کے وجود وعدم سے اچھے برے اثرات ضرورت مرتب ہوتے ہیں۔

امن سے مأخوذ ایمان اور سلامتی سے مأخوذ اسلام کے سرسری جائزے سے معمولی انسان بھی بڑی آسانی سے سمجھ سکتاہے، کہ یہ ویژن اور مشن سراسر امن وسلامتی، محبت وبھائی چارگی اور بھلائی وعافیت پر مشتمل فلاح وبہبود انسانیت کیلئے ہے، ویژن خالقِ انسانیت کا دیا ہواہے اور مشن جو پریکٹیکلی راستہ ہے، اس کے مخلوق میں سب سے اشرف ترین اور شفیق ترین شخصیت جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا ہے، جس کی امانت، دیانت، صداقت، شرافت اور عدل وانصاف پر مسلم وغیر مسلم سب متفق ہیں، معلوم ہواکہ ایمان واسلام کو بطور ویژن اور مشن متعارف کروانے والے دونوں ہی یعنی اللہ ورسول ﷺ انسانیت کے خیر خواہ تھے، اس کائنات میں وہ بھلائی اور محبت وپیار چاہتے تھے، تو پھر یہ کیسے ہوسکتاہے کہ وہ دونوں خون خرابے، اور قتل وقتال کے داعی ہوں، جہاد میں تو خون بہتاہے، لوگ قتل ہوتے ہیں، یہ نکتہ اچھی طرح سمجھنے کا ہے، اسی اللہ ورسول ﷺ نے قاتل کو قصاصاً قتل کرنے کا حکم آخر کیوں دیاہے؟ تاکہ قتل در قتل کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ رک جائے، قصاص جوکہ بظاہر ایک قتل ہے میں حیات اور زندگی کا نظریہ اسلام میں اسی لئے ہے، انفرادی قتل اگر پوری انسانیت کے حیات وممات کا مسئلہ ہے، جیساکہ فرمودۂ قرآن کریم ہے، اور اس کے بدلے میں قصاصاً قتل

میں سب کو سیکورٹی ہے ،تو اسی طرح اجتماعی قتل جو افراد کے بجائے جماعات اور اقوام کو خاک وخون میں ملاتا ہے ،اس کے سدّباب کیلئے جو آپریشن متعین کیاگیاہے ، وہ قصاص کے بجائے لفظ جہاد کے عنوان سے ہے ، یہ عظیم نکتہ صرف اتنی سی بات میں ہے ،یعنی اگر قصاص سے معاشرے میں امن کا تصور ممکن ہے ، تو جہاد سے بطریق اولی ممکن ہے ، باقی رہی یہ بات کہ جہاد میں دفاعی اور اقدامی کونساہے ، حقیقت یہ ہے کہ مذکورۃ الصدر آفاقی اور ابدی ویژن اور مشن کو تسلیم نہ کرنے والاانسان نہ صرف ان کو عملاًرد کرتاہے ،بلکہ گویا وہ اسے چیلنج بھی کر رہا ہوتاہے ، اسے للکار رہا ہوتا ہے ، اب اہل اسلام اس کی وار کا انتظار کرکے حملہ کردیں، تو یہ دفاع ہے اور اس کے مزعومہ وار سے قبل ہی اس پر اقدام کریں، تو یہ اقدامی جہاد ہے ، دونوں اہل عقل ودانش کے یہاں حق بجانب ہیں ۔

اب آتے ہیں آداب الجہاد ،آداب القتال ، اور آداب المعرکۃ پر تو اس حوالے سے مسلم وغیر مسلم محققین سب ہی نے قرآن وحدیث کے تناظر میں یہ ثابت کیاہے کہ اسلام میں جہاد کا خلاصۃ الخلاصۃ یہ ہے ،کہ جہاد ان لوگوں کے خلاف ہوتاہے جو بالفعل مقاومت ومقابلہ کررہے ہوں'' وقاتلوا فی سبیل اللہ الذین یقاتلونکم ، ولاتعتدوا'' اس پر واضح نص ہے، جو لوگ دشمن میں ایسے ہوں جن میں لڑائی کی اہلیت نہ ہو یا پھر دیگر مشاغل کی وجہ سے لڑائی میں شامل نہ

ہو سکتے ہوں، ان سے تعرض کو اسلام نے ''اعتداء ''جس کا لغوی معنی ہے ظلم وزیادتی، قرار دے کر اس سے منع کیا ہے، جب ان سے کسی بھی نوع کے تعرض کو ممنوع قرار دیا گیا، تو وہ املاك اشیاء وحیوانات جن میں جنگ کی استطاعت ہی نہیں، اسلام انہیں تباہ کرنے کا کیسے حکم دے سکتا ہے، الا یہ کہ دشمن اسے جنگ میں وسیلہ بنائے، تب اسبابِ شر کے قانون کے تحت وہ چیزیں بھی لپیٹ میں آجاتی ہیں، مثلاً چھاؤنیاں، بکتر بندگاڑیاں، جنگی جہاز، قلعے درخت وغیرہ۔ پتہ چلا کہ بنیادی طور پر اسلام میں جہاد دشمن کا وجود ختم کرنے کیلئے نہیں، البتہ دنیا میں امن وسلامتی کے لئے دشمن کی تخریبی صلاحیت اور اس کی شر انگیزی کو ختم کرنا ہے، گویاجنگ برائے امن ہی '' فلسفۂ جہاد'' ہے، اسی لئے اسلام نے وہ آداب الجہاد، آداب القتال اور آداب المعارك متعارف کروائے ہیں، جن کو مد نظر رکھ کر اقوامِ عالم نے انٹر نیشنل ہیومن ٹیرین لاء مرتب کیا ہے اور مسلم ممالک ومفکرین نے کھلے دل سے اس قانون کو تسلیم کیا ہے۔

حوثیین

شروع شروع میں اس تنظیم کا نام تھا ''حرکۃ الشباب المؤمن''، کچھ عرصہ بعد انہوں نے تبدیل کرکے ''انصار اللہ ''نام رکھا، لیکن یمن کی یہ تنظیم مقامی اور بین الاقوامی میڈیا میں القاعدہ،طالبان اور داعش کی طرح بنام خود ''حوثیین'' سے مشہور ومعروف ہے،'' حوث'' یمن کے ایک قدیم تاریخی گاؤں اب جو ایک تحصیل بن گئی ہے،کی طرف حسین بدرالدین الحوثی کی نسبت ہے، وہ تو خود 2004ء میں ایک معرکے میں ہلاک ہوگئے تھے، البتہ ان کی قائم کردہ مذکورہ بالاجماعت ان کے برادرِ خورد عبدالملک الحوثی چلارہے ہیں، یہ ایک غیر سیاسی،مذہبی شیعوں کے زیدیہ فرقے کی تحریک ہے، جو ہمارے یہاں کی طالبان مخالف قادری تحریک کی مانند بنیادی طور پر سلفیوں اور وھابیوں کے خلاف شروع ہوئی تھی، تعلیمی اور رفاہی میدانوں میں ان کی مربوط اور منظم خدمات ہیں، یمن میں صوبۂ عمران کا مشہور شہر ''صعدہ'' ان کا گڑھ ہے، قانون،آئین، دستور اور جمہوریت کی بالادستی ان کے نعروں میں شامل ہیں، مختلف فرقوں اور ادیان کے ماننے والوں کے درمیان مساوات بھی ان کے منشور کا نمایاں حصہ ہے، یہ یمن کے دارالحکومت صنعاء میں آکر مہینوں دھرنے دیتے ہیں، علی عبداللہ صالح سابق صدر یمن، علی محسن الاحمر سابق آرمی چیف کی حکومت اور رٹ کو انہوں نے سب سے پہلے چیلنج

کیا تھا، جو دھیرے دھیرے جاکر2011 ء میں عوامی انقلاب پر منتج ہوا۔ 2009 ء میں سعودی آرمی سے بھی ان کی شدید جھڑپیں ہوئیں تھیں، سعودی گورنمنٹ، یمنی حکمرانوں اور یمن کی سیاسی جماعتوں نے ان پر ایران سے امداد لینے کے الزامات لگائے ہیں، اس حوالے سے سمندری حدود اور ان کے پاس پہاڑوں میں موجود بے تحاشہ بھاری اسلحہ ذخائر سے بھی کچھ اس قسم کے ثبوت ملے ہیں، بار بار کی مصالحانہ کوششوں کے بعد آخر کار تنگ وعاجز آکر یمن کی حکومت نے اقوام متحدہ اور بڑی طاقتوں کے ساتھ ساتھ خلیج تعاون کونسل سے مسئلے کے حل میں مدد چاہی، جواباً خلیج نے ایک معاہدے کے تحت علی عبداللہ صالح کو صدارت سے مستعفی کرایا، عبدالہادی منصور کو صدر بنوایا، نیز حوثیین کے مطالبے پر آرمی میں بھی کچھ بڑے افسروں کی تبدیلیاں اور کچھ کی چھٹیاں کرائی گئیں، اقوام متحدہ نے اپنا نمائندہ جمال بن عمر کو الاخضر ابراھیمی کی طرح یہاں تعینات کیا، مگر حوثیین کے مطالبات اور احتجاج میں کمی ابھی بھی نہیں آئی، چنانچہ یمن کے بعض شہروں اور صوبوں پر بزور بازو یہ لوگ قابض ہیں اور دارالحکومت صنعاء کے میدانِ تغییر (تبدیلی میدان) میں آتشیں اسلحہ سے لیث دھرنے دیئے بیٹھے ہیں۔

تازہ ترین اطلاعات کے مطابق اب سلطنت عُمان نے حوثیین، ایران ایک طرف اور یمن ودیگر خلیجی ممالک دوسری طرف کے درمیان مصالحتی کردار کیلئے بیک ڈور

ڈپلومیسی کیلئے بہت بڑی اور تیز تر مساعی بطور ثالث وضامن شروع کردی ہیں ، اب ہوتا کیا ہے ، یہ تو نہیں معلوم ، لیکن اس تمام تر تفصیل کے تناظر میں ہم اپنے یہاں کے طاہر القادری ، عوامی تحریک ، منہاج القرآن ، اور ان کے دھرنوں ، مطالبوں ، نعروں او رسرگرمیوں کو اتنا ضرور جانچ سکتے ہیں ، کہ عالم اسلام میں کوئی بہت بڑی خطرناک گیم کھیلی جارہی ہے ۔ آئی ایس آئی وغیرہ ایجنسیز کے ماہر دماغوں اور ہمارے یہاں کے تجربہ کار ، مخلص تجزیہ نگاروں اور دانشوروں کو معلوم یہ کرنا ہوگا، کہ کہیں پاکستان یمن بننے تو نہیں جارہا، کہیں یوکرین ، شام اور لیبیا وعراق کی کہانی یہاں چہروں ، ناموں اور کچھ اصطلاحات کے تغیر وتبدل کے ساتھ تو نہیں دہرائی جارہی ؟ اگر معاملہ پاکستان کے اندر کا ہے اور حقیقت پر مبنی ہے ، تب تو تشویش کی کوئی بڑی بات نہیں ، لیکن اگر کل کلاں وکی لیکس اور سنوڈن کی طرح کوئی محرم جب رازوں سے پردہ اٹھائے گا،تب تک ملک وملت کا خطیر نقصان ہوا ہوگا، توپھر ابھی سے حقیقی ’’فلیش پوائنٹ‘‘ پر پہنچنا ہم سب کی ملی ، قومی ، مذہبی ، انسانی، منصبی اور جماعتی ذمہ داری ہے ، جاوید ہاشمی اگر غلطی پر ہیں ، تو ان کی ذات کا تو نقصان بہت بڑا ہے ، لیکن قوم بچ جائیگی ، اور اگر وہ غلطی پر نہیں ہیں ، لیکن اندر رہ کر بھی ’’جاوید ہاشمی ہاں جاوید ہاشمی‘‘ جیسا زیرک سیاستداں پھر بھی پوری طرح نہ سمجھا ہو، تو پھر سمجھنا چاہئے کہ یہ آفت کوئی بہت بڑی بلاء ہے ، جس کو شاید عمران بھی نہیں سمجھا، لگتا ہے انہیں پھنسایا

گیا،اور مولانا فضل الرحمٰن جو کہہ رہے ہیں کہ مغربی تہذیب و ثقافت کو فروغ دینے کی کوشش ہے، شاید معاملہ اس سے بھی آگے ریاست کی تباہی کا ہے،اللہ نہ کرے ، لیکن ایسی صورت میں یہ دھرنے دھرنے صرف ابتدائیات ہوں گی، لہذا جتنی دیر ہوگی ، جتنی تاخیر ہوگی ،اتناہی تباہ کن نقصان ہوگا، اس وقت جواب میں حکومتی وزراء کے تمسخرانہ رویئے اور الزامی جوابات سے بات ہرگزنہیں بنی گی ، تہ میں جاکر مسئلے کو سلجھانا ضروری ہے ، اور اگرسب ہی اس مملکتِ خداداد کا بیڑا غرق کرنے پر تُلے ہوئے ہوں ، تو پھر اللہ اللہ خیر سلا۔

وی آئی پی کلچر اور حضرت عمرؓ کا کردار

وہ ایک تاریخی اور سنہری گھڑی تھی ، جب خلیفۂ عادل حضرت عمر فاروقؓ نے بیت المقدس کی چابیاں وہاں کے عیسائی پادری سے وصول فرمائیں ، یہ وہ وقت تھا، جب مسلمانوں نے روم اور فارس کی بڑی بڑی سلطنتوں کے شہرۂ آفاق سپہ سالار وں اور ان کے لشکروں ، قلعوں اور چھاؤنیوں کو روندڈالا تھا، اب عالم عربی کے مغرب میں واقع منطقۂ شام کے کنارے پر، فلسطین میں ادیانِ سماویہ کا متبرک قبلۂ اول '' بیت المقدس'' کو فتح کرنا باقی رہ گیا تھا، مسلم افواج حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت خالد بن ولیدؓ اور حضرت عمرو بن عاصؓ کی قیادت میں اس شہر کے درواروں پر دستک دے رہی تھیں ،اس اثناء میں شہر کے عیسائی راھب جو وہاں کے قومی ،سیاسی اور راانتظامی سر براہ بھی تھے، نے سوچا کہ بیت المقدس کے تقدس کو کیسے بچایا جائے ، خون خرابہ اور کشت وقتل کو کیسے روکا جائے ، سوچتے سوچتے اور اپنی مقدس کتب کا مطالعہ کرتے ہوئے انہیں حل سمجھ میں آگیا، چنانچہ انہوں نے لشکر اسلام کے قائدین کے پاس پیغام بھیجا، کہ اگر تمہارا خلیفۃ المسلمین خود چل کر القدس الشریف آجائے ،تو ہم صلحاً بغیر کسی جنگ ،مقاومت ومقابلے کے القدس شہر اور اس کی چابیاں ان کے حوالے کردینگے ، ان کی یہ درخواست اور اپیل خلیفۂ عادل تک پہنچائی گئ ،قربان جاؤں اس امن پسند خلیفۃالاسلام پر ،کہ انہوں نے انہیں

ناامید نہیں ہونے دیا، حالانکہ ان دنوں وہ ایک عظیم فاتح لشکر کے سپریم کمانڈر تھے ، وہ چاہتے، تو اپیل مسترد کرکے بیت المقدس پر حملے کا حکم صادر کردیتے ، یا پھر اپنے کسی نائب کی صورت میں ان کی درخواست قبول کرتے ، وہاں شہر کے باہر پراؤڈالے لشکر میں موجود حضرت ابوعبیدہ بن الجراح ، حضرت خالد بن ولید اور حضرت عمرو بن عاص میں سے کسی ایک یا تینوں کو خلیفہ کی نیابت کیلئے چابیاں لینے بیت المقدس روانہ فرماتے ، لیکن انھوں نے یہ سب کچھ نہ کیا،اور وہ کچھ کیا، جو تاریخ میں سنہری داستاں ، نیز سیاست ، تدبر ، تواضع ، سادگی ، کفایت شعاری اور عدل وانصاف کا ایک وہ شہ پارہ بن گیا، کہ جب مجھ جیسے لوگوں نے اسے تاریخ کے اوراق میں پڑھا،یا نیٹ میں ’’فیلم عمر‘‘ کے عنوان سے مشاہدہ کیا، توایک طرف فرطِ جذبات سے بے اختیار آنکھیں ڈبڈبا گئیں ،آوازیں گلوگیر ہوئیں ،تودوسری طرف اسلام ،اکابر اسلام اور اسلامی تاریخ کے متعلق دل ودماغ افتخار واعتزاز سے معمور اور سرشار ہوئے، حضرت عمر بغیر کسی پروٹول ،گارڈز، زرق برق لباس اور ہٹو بچو کے نعروں کے ،ایک کالا حبشی رفیق سفر بطور خادم ، ایک اونٹنی اور زادِ راہ، جس میں پانی ، سوکھی روٹی اور خشک کھجور یں تھیں ، لے کر مدینہ منورہ سے مؤرخین کیلئے ایک نیاباب رقم کرنے نکل گئے ، بیابان ، دشت صحرا ، پتھریلے پہاڑوں کی وادیاں اور ریتیلے ٹیلوں کے میدانوں میں دن رات محوسفر تھے ، اسلئے کیلئے بندوبست یہ کیاگیا ، کہ خادم ومخدوم راستہ بھر سورہ یاسین کا وِرد کرینگے ، چشم فلک

نے عدل وانصاف کا عجیب وغریب نظارہ دیکھا، اونٹنی پر سواری کیلئے تین نمبر قائم کئے گئے : حضرت عمر، خادم اور اونٹنی خود، کچھ وقت کیلئے حضرت عمر سوار ہوتے، کچھ وقت کیلئے خادم، پھر اتنا ہی ایک تہائی وقت اونٹنی خالی پیٹھ چلتی، تاکہ اسے بھی آرام مل جائے، خدام اور حیوانات کے حقوق کی اس طرح کی کوئی مثال لانے سے قدیم وجدید دنیا عاجز ہے، مدینے سے القدس کا 2400 کلومیٹر کا یہ بامشقت طویل سفر، سرد وگرم ہواؤں کو برداشت کرکے خلیفۂ عادل شام میں ابو عبیدہ کے لشکر کے قریب پہنچ گئے آگے پانی کا طویل وعریض جوہڑ آیا، جیسے ہمارے یہاں پنجاب میں سیلاب کی وجہ سے، کئی جگہوں پر اس قسم کے جوہڑ بن چکے ہیں، جہاں ہمارے حکمراں، وزراء اور سیاسی قائدین گھٹنوں تک پلاسٹکی بوٹ پہن کر فوٹو گرافی کیلئے قدم رنجائی فرماتے ہیں، لیکن اس سفر میں یہ لحظات ولمحات اس لئے بڑے اہم ہیں کہ اس وقت خلیفۂ عادل اونٹنی کا لگام تھامے، اپنی کے مطابق، پانی میں کو دجاتے ہیں، پار نکلتے ہیں، تو حضراتِ ثلاثہ ابو عبیدہ، خالد اور عمرو کھڑے ہیں، حضرت فاروق کو اس حال میں، کہ کیچڑ میں ان کی ٹانگیں لت پت ہیں، دیکھ کر ابو عبیدہ نے اخلاص، ترس اور درد میں کہا: ''امیر المؤمنین آپ مزید سواری کا حکم فرماتے، تو کیا اچھا ہوتا، کیونکہ ان عیسائیوں کو بھی تو دیکھنا ہے، یہ آپ کی کیا حالت بنی ہوئی ہے''، یہ سن کر خلیفۂ عادل کا چہرہ غصے سے لال ہوگیا اور چِلّا کر یہ تاریخی الفاظ کہے: ''خدا کی قسم اگر ابو عبیدہ آپ کے علاوہ کوئی اور شخص یہ الفاظ

کہتا، تو میں اسے اہل اسلام کیلئے عبرت کا نشان بنا دیتا، ارے ہم کمزور و بے توقیر تھے اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعے عزت و توقیر عطا فرمائی ،جب بھی اسلام کے بغیر کہیں، اور عزت و توقیر اور رعب و دبدبہ تلاش کرینگے،اللہ تعلی ہمیں ذلیل و رسوا کردے گا''۔

.......اللہ اللہ کیا بات ہے عمر کی ، عدالتِ عمر کی ، صداقت اور شرافت عمر کی ، شریف یہ ہوتے ہیں ،اسلام کے جیالے ، پیغمبر ﷺ کے متوالے ، بغیر کسی گارڈز و پروٹوکول 2400 کلومیٹر کا سفر، یہ ہیں ٹائیگرز ،آج ہر کوئی القاب بانٹتا ہے ،تمغے اور شیلڈز تقسیم کرتے ہیں ،مدینے کے بیت المال میں اس وقت ہزاروں اونٹنیاں اور گھوڑے تھے ، مگر کفایت ،جی ہاں کفایت شعاری ...اور اب ذرہ سفرِ امریکہ اور غلامانہ ذہنیت کے خرچے دیکھیں ، توبہ توبہ۔

بہر حال کچھ دیر کیلئے خادم ، مخدوم اور سواری نے ابو عبیدہ کے خیمے میں آرام کیا ،دیگر کمانڈروں سے بھی ملاقاتیں ہوئیں ، اور اب القدس کے مین گیٹ کی طرف چل دیئے ، ایک فرلانگ کے بعد حضرت عمر کی سوار رہنے کا ٹائم ختم ہوا، حبشی غلام کا نمبر ہے ، خلیفۂ عادل آگے آگے ہیں اونٹ کی رسی تھامے کھینچ رہے ہیں ، پیرا بھی تک کیچڑ زدہ ہیں اور پھٹے پرانے کپڑے ہیں ،اُدھر استقبال میں القدس کے بچے ،بوڑھے ، مرد و خواتین ،مذہبی و سیاسی اور انتظامی سربراہاں چشم براہ ہیں ....تاریخ ،خیالات اور خوابوں کا ایک البیلا اور بے مثل نظارہ ہے ، دنیا حیراں اور فلک انگشت بدنداں ہیں ، القدس کے بڑے پادری ''صفریانوس

آگے بڑھے ،اونٹنی پر سوار کو دیکھ کر سجدۂ تعظیم کرنے لگے ، نیچے کھڑے بائیں ہاتھ ''
میں اونٹ کی رسی تھامے ،بوسیدہ لباس والے ، کیچڑ لگے ہوئے شخص نے انہیں بڑے
پیار سے منع کیا، کہا؛ ہمیں اللہ نے اس لئے چنا ہے کہ ہم مخلوق کو سجدہ کرنے اور
سر جھکانے کے بجائے خالق کے سامنے جھکیں اور سر بجود ہوں ،اتنے میں اوپر والا
سوار آواز دیتا ہے ، میں تو خادم ہوں ،یہی آپ کے سامنے مسلمانوں کے خلیفہ ہیں۔

پادری اور استقبال والے دنگ رہ جاتے ہیں ،پادری اس سے سلام کرتا ہے ،اورالقدس
کی چابیاں دکھا کر کہتا ہے، ہماری کتابوں میں القدس کے فاتح کی تین علامات ہیں ، (۱)
داخلے کے وقت وہ پیدل اور اس کا خادم سوار ہوگا، (۲) جب وہ آئے گا تو اس کی ٹانگیں
کیچڑزدہ ہونگی، (۳) اس کے کپڑوں میں متعدد پیوند لگے ہوں گے ، (اس وقت اس
پادری نے جب خلیفہ عادل کے لباس میں پیوند شمار کئے تو 17 تھے)، گویا یہ تین شار
زاس کے پاس ہوں گے ،تو وہ القدس کا تھری سٹارز کمانڈرز ،مالک اور حکمراں ہوگا،
چنانچہ انہوں نے بصد ادب ، احترام اور تکریم چابیاں امیر المؤمنین ، خلیفہ المسلمین
حضرت عمر فاروق کو حوالے کردیں ، اور خود جا کر ایک طرف رونے لگا، حضرت نے
اسے تسلی دینے کی کوشش کی ،تو وہ کہنے لگا کہ آپ کی آمد ، مسلمانوں کی فتح اور القدس
کی چابیوں کے حوالے کرنے پر نہیں رو رہا، بلکہ اُن اسباب پر رو رہا ہوں، جن کی وجہ
سے آج

ہمیں یہ حرماں نصیبی دیکھنی پڑ رہی ہے ۔ لہٰذا، قومیں جب اپنے اھداف ، مقاصد اور نظریہ و کردار سے ہٹ جاتی ہیں ،اور دنیا کے تماشوں اور رنگینیوں میں لگ جاتی ہیں، تو پھر انہیں ایسے دن دیکھنے پڑتے ہیں ، گویا یہ ایک نوشتۂ دیوار ہے یارانِ نکتہ داں کیلئے ۔

اوپر والا ہاتھ

حاجی صاحب بنیادی طور پر ایک انسان دوست ، غریب نواز، فقیر پرور اور صلح کل شخصیت کے مالک تھے ۔ ان کے ڈیرے ، خانقاہ ، یا بیٹھک پر فجر سے مابعد المغرب تک خلقِ خدا کا ایک ہجوم ہوتا، قرب وجوار کیا دور دراز سے یتیم ، بیوہ ، فقیر ، معذور ، اولاد کے ستائے ہوئے بوڑھے ماں باپ ، خیراتی اداروں کیلئے فنڈنگ کرنے والے جنٹلمین، اہل مدارس ، نیز باہمی جھگڑا واختلاف کرنے والے میراث ، تجارت ، کمپنی ، محلّہ اوردکان میں اڑوس پڑوس کے شریک ، غرض ہر طبقے کے دکھی لوگ حاجی صاحب کے پاس باریاب ہوتے اور حصہ بقدر جثہ پا کر چل چلاؤ۔

حاجی صاحب کو اللہ تعالی نے مال ، دولت ، عزت ، توقیر ، جاہ وجلال ، قام قبیلہ اور اولاد سب کچھ سے نوازا تھا، اور دل گردہ بھی دریا نہیں سمندر کی طرح عطا کیا تھا، رنگ ، نسل ، مذہب ، زبان اور طبقات میں تفریق کے وہ قائل نہ تھے، لیکن ہوتے ہوتے موجودہ زمانے کے پُرفتن دور نے انہیں خواتین کے حوالے سے کچھ زیادہ ہی پریشان کردیا، ایک تو بے چاریوں کو میراث میں جو ان کا اللہ تعالی کی طرف سے مقرر کردہ حصہ ہے ، اس سے محروم کردیا جاتا ہے ، پھر بچپن میں

بھائی اور ماں باپ ،بڑی عمر میں شوہر اور بچے ستاتے ہیں ،نوکر پیشہ خواتین کو سرکاری وغیر سرکاری دفاتر میں بھی بہت سی مشکلات کا سامنا رہتا ہے ،اب یہ بے چاریاں جائیں تو کہاجائیں ،پھر اگر لڑکیاں یتیم ہوجاتی ہیں ،تو لڑکوں کے بنسبت انہیں دوگنے مسائل درپیش ہوتے ہیں ،بیوہ ہوجائیں ،تو اللہ کی امان ....بوڑھی ہوجائیں اور اولاد نہ ہو تو مشکل،ہوں مگر ناخلف اور نالائق ہوں ،تومت پوچھیئے ،جبکہ مرد حضرات ان تمام حالات میں عورتوں کے مقابلے میں کم رنجیدہ اور کم متاثر ہوتے ہیں ،چنانچہ حاجی صاحب نے صرف خواتین کیلئے ایک گارمنٹ فیکٹری بنانے کا فیصلہ کیا،جہاں ملازمت انہی کو کرنی تھی ،خود جاکر صبح سے شام تک وہاں تشریف فرماہوتے ،500 خواتین کو ماہانہ تنخواہیں دیتا اور خوردونوش کا مکمل انتظام کرتا،ان کا دل مطمئن تھا،کہ انہوں نے بنی آدم میں سب سے زیادہ ستم رسیدہ طبقے کی باعزت دادرسی میں اپنا تگڑا حصہ ڈالا ہواہے ،ایک دن کیا دیکھتے ہیں ،کہ ان کی فیکٹری کے مین گیٹ سے ایک کتااپنے ٹوٹے پھوٹے بدن کو گھسیٹتاہوااندر داخل ہوا،ایک گوشے میں درخت کے سائے تلے ستانے لگا،حاجی صاحب اس کے پاس گئے ،توانہیں لگاکہ کتے کو کسی گاڑی نے ٹکرّماراہے ،جس سے ان کے دوپیر اور جبڑابری طرح زخمی ہیں ،حاجی صاحب ایک لمحے کیلئے حیران وپریشان ہوگئے ،لیکن پھرانہوں نے سوچاکہ ڈاکٹر کو بلاکراس کے ٹوٹے پیروں اور زخمی جبڑے کی مرہم پٹی کرائی جائے ،انہوں نے کسی ملازم کو بلاکر حیوانات کے ماہرڈاکٹر کو بلوایا،ڈاکٹرکے

جانے کے بعد حاجی صاحب کتے کو کچھ کھلائے یا پلائے ، تو کیسے ، اس کا منہ ہی ٹوٹا ہوا ہے وہ بہت ہی متفکر ہوئے۔اتنے میں وہ دیکھتے ہیں، کہ ایک دوسرا کتا گیٹ سے داخل، ہوتا ہے ،منہ میں کچھ ہڈی وغیرہ ہے ،اور بدن پانی سے تر وگیلا ہے ، اس دوسرے کتے نے زخمی کتے کو پہلے اپنے بالوں میں سے پانی پلایا ، پھر روزی روٹی اس کے سامنے پیش کردی ،دیکھا کہ وہ نہیں کھا سکتا ، تو پہلے اپنے منہ میں اچھی طرح چبا کر گویا نرم لقمہ ونوالہ بنا کر اس کے منہ میں رکھ دیا ، یوں وہ زخمی کتا کچھ کھانے لگا، اخیر میں اپنے دم سے ایک مرتبہ پھر زخمی کو پانی پلایا۔ یوں جب تک بیمار کتا پوری طرح روبصحت نہ ہو ا،اور اپنی رزق خود تلاش کرنے کے قابل نہ رہا، یہ دوسرا کتا اس کیلئے پابندی سے انتظام کرتا رہا،اس واقعے نے حاجی صاحب کو پھر متاثر ومتفکر کردیا، انہوں نے سوچا کہ میں کیا ہوں ، اپنے لئے رزق کماتا ہوں ، اور یہ خواتین بھی اللہ کی مخلوق ہیں، مجھے اور ان کو اللہ تعالی اسی طرح کھلائے گا پلائے گا، محنت کی ضرورت ہی کیا ہے.....انہوں نے فیکٹری تو بند نہ کی ، اپنے دوسرے بھائی کے حوالے کردی اور خود جا کر گوشہ نشیں ہوگیا،اللہ تعالی کے یہاں سے روزی روٹی ملنے پر ایمان اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوگیا تھا،اللہ تعالی تو کریم ورحیم ہے ، وہ انہیں یوں بھی کھلاتا رہا... ایک دن ان کے یہاں بہت سے دوست واحباب آئے، انہوں نے حاجی صاحب سے سوال واستفسار کیا : حضرت جی ،آپ نے فیکٹری چھوڑدی اور فقیروں کی زندگی اپنائی، خیراتی کھانے پر

گذارہ کرتے ہیں، جبکہ پہلے آپ ہی خیرات دیا کرتے تھے، اس کی کوئی وجہ ؟ ...

حضرت حاجی صاحب نے پورا قصہ سنایا، سب کے سب حاضرینِ مجلس دونوں کتوں کی کہانی سن کر تعجب میں پڑ گئے، سب ہی نے کہا، بے شک روزی رساں اللہ تعالی کی ذاتِ اقدس ہے، کسی نے تعریف کی، اب حاجی صاحب آپ متوکلین میں سے ہیں، کسی نے ولی اللہ قرار دیا، غرض جتنے منہ اتنی تعریفیں ہوئیں .....ایک پڑھا لکھا نوجوان خاموش رہا، وہ کچھ سوچوں میں پیچاں وغلطاں بھی لگ تھا، نوجوان نے اس مجلس میں بولنے سے گریز بھی کیا تھا، جب خاصی دیر ہوئی، سب جانے لگے، تو حاجی صاحب نے ان نوجوان سے پوچھا، آپ کیوں خاموش رہے،اب جا کر انہوں نے کہا، ارے حاجی صاحب چھوڑیں، میں کیا کہہ سکتا ہوں، حاجی صاحب نے اصرار کیا، تو وہ بول پڑے، مجھے افسوس ہے اس پر ہے کہ حاجی صاحب آپ نے اس دوسرے کتے کو فالو کیوں نہ کیا، جس نے زخمی اور لاچار کتے کی مدد کی، انہیں کھانا پینا فراہم کیا،اس کی دیکھ بھال کی ؟... حاجی صاحب کے دل پر خاموش نوجوان کے اس تبصرے سے چوٹ لگی، تفکرات کے بحرِ زخار میں حاجی صاحب غرقاب ہوگئے... نتیجتاً انہوں نے پھر سے ٹھانی اور دل ہی دل میں یہ فیصلہ کیا، کہ ''خیرات لینی نہیں، دینی ہے'' ، چنانچہ انہوں نے ایک عظیم الشان نیٹ ورک والی کمپنی کی بنیاد رکھی، جس میں ہزاروں ملازمین کام کرتے ہوں، اس کا پلان بنایا، اسے وجود بخشا، اور باعزت انداز سے غریبوں کی مدد لاکھوں، کروڑوں روپے کی صورت میں انجام دینے لگا.....ہمارے حبیب جنابِ محمد رسول

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے فرمایا تھا: ''الیدُ العُلیٰ خَیر من الیدِ السُّفلیٰ''، کہ اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، یعنی دینے والا ہاتھ لینے والے ہاتھ سے بہتر ہے۔ آج اگر ہم سب اس ارشادِ نبوی ﷺ کے تناظر میں اپنا ہاتھ ''اوپر والا'' بنادیں زکاۃ وخیرات لینے والے نہیں بقدر استطاعت دینے والے بن جائیں، تو ہمارے، معاشرے میں کوئی فقیر نہیں رہے گا، ہمیں تو قرآنِ کریم میں کافروں کو بھی تالیفِ قلب کیلئے زکاۃ دینے کا حکم ہے،اور ہم ہیں کہ ''کشکول شریف'' ہاتھ میں لئے اِدھراُدھر پھر رہے ہیں، نہ اللہ پاک کے فرامین کا احساس، نہ نبی کریم ﷺ کے مقام ومرتبے کا خیال،نہ امہ کی شان وشوکت کی فکر،نہ علامہ اقبال کے درسِ خودی کا پاس،نہ ہی اپنی عزت وناموس اور شرم وحیا کا لحاظ، عالمِ اسلام میں ایک دو کے علاوہ مفاد پرست حکمرانوں اور ان کے چیلوں نے امہ کا ستیاناس کرکے اسے تباہ کرکے رکھا ہواہے، رہی سہی کسر سفید پوشوں نے پوری کردی ہے، ہر کوئی زکاۃ، خیرات، چندے، قربانی کی کھالیں اور گوشت مانگ رہاہے، حالانکہ قرآن حکیم اور صحیح احادیث میں زکاۃ کے وجوب کا جو حکم آیاہے، اسے اسلام کا جو پانچ ارکان میں سے ایک رکن قرار دیا گیاہے، وہاں اِیتاء الزکاۃ'' زکاۃ دینا فرض قرار دیاگیاہے، ''اخذ الزکاۃ'' یعنی زکاۃ لینا فرض نہیں کیا گیا،'' جبکہ ہم چیل کووں کے مانند پس خوردے اور زکاتیں لینے پر ہمیشہ کے لئے نگاہیں مرکوز کئے ہوئے ہیں، بالخصوص ہمارا اہل دین طبقہ کبھی زکاۃ دینے والے نہیں بناتے اور

نہ خود بنتے ہیں، لینے والے بننے کیلئے پلان بناتے رہتے ہیں، اب معذور، بیوہ، یتیم، فقیر، مسکین، بے روزگار، ستم رسیدہ، رنجیدہ، مقروض، اور وقتی طور پر حالات کے مارے ہوئے کیا کرینگے، کدھر جائینگے، کس کے سامنے ہاتھ پھیلائینگے، کس کو اپنا دکھ درد سنائینگے....... لہٰذا سفید پوش ہوں یا کوئی اور مسلمان اچھی طرح یاد رکھیں، کہ اسلام میں بلاوجہ بھیک مانگنا حرام ہے، اور اللہ، رسول ﷺ نیز ساری مخلوق کے یہاں ''اوپر والا ہاتھ ہی بہتر ہے'' ۔

عظیم مائیں ایسی ہوتی ہیں

فروخ تابعین کے زمانے میں ایک مجاھد تھے ، اسلامی لشکر مدینہ منورہ سے جس طرف رخ کرتے، وہ جیش کے ایک حصے کے کمانڈر ہوتے، ایک دفعہ بنی امیہ کے دور خلافت میں بلادِ ماوراء النہر، خراسان اور سینٹرل ایشیا کی طرف نفیرِ عام کا اعلان تھا، فروخ بھی جلدی جلدی تیار ہوئے ، کمر کس لی ، گھوڑے پر سوار ہوئے ، نان نفقے کے طور پر اپنی بیگم سُہیلہ کو 30 ہزار درہم یا دینار جو حوالے کئے تھے، اس کے متعلق اور دیگر امور کے حوالے سے وصیت کر کے رخصت ہوئے ، جنگ تو جنگ ہوتی ہے ، کبھی حالات سازگار اور کبھی ناموافق ہوتے ہیں، فروخ چار ماہ بعد گھر واپس ہونا چاہتے تھے ، لیکن تدبیر کچھ ہوتی ہے اور تقدیر کچھ کرتی ہے ، 27 سال کا طویل عرصہ ہوا، وہ گھر نہ آ سکے ، فتوحات پر فتوحات میں اپنے حصے کے لشکر کا کمانڈ کرتے رہے ، اموال غنیمت بھی خوب ملے ، مگر بیگم اور وہ بھی حاملہ کا غم سفر میں سر پے سوار تھا، اتنی لمبی مدت کے بعد جب وہ مدینہ طیبہ پہنچے ، تو فجر کا وقت قریب تھا، انھوں نے سب سے پہلے جا کر مسجد نبوی ﷺ میں دو رکعت ''تحیۃ المسجد'' کی نماز پڑھی، پھر تہجد ادا کیا، اتنے میں اذان ہوئی ، لوگ آتے گئے ، مسجد کھچا کھچ بھر گئی ، جماعت کرائی گئی ، دعاء کے بعد ایک عظیم الشان علمی مجلس سج گئی ، لوگوں کا ازدحام بہت تھا، وہ قریب نہ جا سکے کہ شیخ کون

ہیں، دور ہی دور سے انہوں نے دیکھا کہ مسند لگائی گئی، اس پر ایک نوجوان نورانی چہرے والے عالم دین آکر تشریف فرما ہوئے، نہایت میٹھی آواز میں قرآن وحدیث اور فقہ پر درس دینا شروع کیا، تو نکتے نکتے پر واہ واہ اور سبحان اللہ کے زمزمے گونجنے لگے، فروخ نے عین اس وقت سوچا، کاش میں کوئی اس طرح فقیہ ہوتا، وہ سنتے رہے، سوچتے رہے، حضرت کا درس ختم ہوا، تو سوالات کا سلسلہ شروع ہوا، لوگ مشکل سے مشکل تر وہ مسائل پوچھنے لگے، جنکا قرآن وحدیث میں صریح اور منصوص تذکرہ نہیں تھا، شیخ مجلس اپنی رائے "قیاس واجتہاد" کرکے ایسا جواب دیتے کہ سننے والوں کو فرحت ومسرت کے ساتھ ساتھ سکون، اطمینان اور تشفی بھی ہوجاتی، آپس میں تشنگان علوم نبوت اور طالبانِ حق سرگوشیوں سرگوشیوں میں اپنے شیخ کے لئے دعائیہ کلمات اور تعریفی جملے بولتے جاتے، "لِلہ دُرُّک یا شیخ، بارک اللہ فیک، فتح اللہ علیک وغیرہ"۔

مجلس ختم ہوئی، دو دو تین تین طلبہ آپس میں اپنی خوش نصیبی اور شیخ کے تفقہ پر فخریہ تبصرے کررہے تھے، فروخ یہ منظر دیکھ کر بے حد متأثر ہوا تھا، وہ خوش بھی تھا کہ مدینۃ الرسول ﷺ میں بلند پائے کے ایک عظیم مجتھد موجود ہیں، جس کو مدینہ اور وہ مدینے کو زیبا ہے، دوسری طرف وہ نمناک آنکھیں لئے مسجد سے روانہ ہوئے، کہ ساری زندگی جہاد میں لگادی نہ خود علم حاصل کرسکا، نہ اولاد کی کوئی خیر خبر، مدینہ مبارک کی گلیوں میں ہوتے ہوئے 27 سال کا اجنبی

اپنے گھر کے سامنے پہنچا، گیٹ پر دستک دی، اندر سے ایک خوبصورت وخوشنما نوجوان برآمد ہوئے، جی حضرت، کیسے آنا ہوا؟۔۔۔ جواب میں فروخ نے کہا، یہ میرا گھر ہے کیسے آنا ہوا، گھر آگیا، اور تُو کون ہوتا ہے،، میرے گھر میں گھس بیٹھئے کی طرح، اوپر، سے مجھ سے کہتے ہو، کیسے آنا ہوا۔ نوجوان کو غصہ اس لئے آیا کہ صرف جان نہ پہچان میں تیرا میرا مہمان نہیں بلکہ تیرا مالکِ مکان۔ اجنبی کو غصہ اس بات پر تھا کہ لوگ علم وتقوی اور تفقہ واجتھاد میں کہاں سے کہاں پہنچ گئے، ادھر میری بیگم ہے کہ گھر میں غیر مردوں کو بسائے رکھا ہے، اور وہ بھی اتنے جری، کہ آنے والوں سے وہی غیر مرد استقبالی سامنا کرتے ہیں، پھر کہیں جاکر گھر میں آمدورفت ہوتی ہے، بحث ومباحثہ دراز ہوگیا، دونوں تھکے ہوئے تھے، ایک سفر کا اور دوسرا پُر مغزدرس کا، دونوں میں لڑائی ہو گئی، شور شغب ہوگیا، آس پاس کے لوگ جمع ہوگئے، اتنے میں کیا دیکھتے ہیں کہ لڑکے کی ماں اندر سے باہر نکل آئی، بغور دیکھا، تو پتہ چلا یہ تو اس کا شوہر ہے، وہ ہنگامے کے دوران چیخ چیخ کر کہہ بھی رہا تھا کہ میں فروخ ہوں یہ میرا گھر ہے، یہاں میری بیوی ہے، سُہیلہ نے آگے بڑھ کر کہا، یہ تمہارے والد ہیں، ۔۔۔بیٹا بہت شرمندہ ہوا، معافیاں مانگیں، التجائیں کیں، اور اندر چلے گئے، مختلف موضوعاتِ سفر وحضر پر گفتگو ہوئی، آخر میں فروخ نے کہا، آج تو میں نے مسجد نبوی ﷺ میں علم وعمل کی ایسی مجلس دیکھی کہ کیا کہنے، ۔۔۔اچھا سہیلہ آپ بتاؤ، رقم تو اچھی خاصی میں نے آپ کو دی تھی، آپ نے اپنے بچے کو

کوئی تعلیم ، ادب اور تہذیب نہیں سکھائی،انہوں نے کہا،آپ کی رقم میں نے دفن کر رکھی تھی،آپ چاہیں ، تو نکال دینگے ،ہے مگر محفوظ،انہوں نے چار ہزار کا تھیلا مزید پکڑا دیا،سہیلا نے کہا،کہ کیا آپ کی خواہش ہے کی مسجد نبوی ﷺ میں ایسی ایک علمی فکری اور فقہی مجلس آپ کی ہوتی۔انہوں نے کہا ، جی تو بالکل یہی چاہا آج صبح ، لیکن ، اب اس عمر میں یہ کیسے ممکن ہے ، تو سہیلہ جیسی عظیم بیوی نے کہا کہ آپ کے جانے کے بعد ہمارے یہاں یہ بچہ پیدا ہوا تھا، میں نے رات دن ایک کرکے اس کی تربیت کی ، اس کو پالا پوسا ، بچپن ہی سے ایک ایک قاری کی خدمت میں اسے لے جاتی، اور پھر جا کر گھر لے آتی ، کچھ بڑے ہو کر فقہاء ، محدثین ،اور مفسرین کی مجالس میں خود جانے لگا،تو میں پیچھے تلاوت کرتی، نفلیں پڑھتی، خیرات ،نفقات اور صداقات دیتی کہ یا اللہ میرے بچے کو صحیح معنوں میں عالم باعمل بنا،یااللہ میرے شوہر کے سامنے ۔اگر وہ آجائے۔ تو مجھے سرخرو کرنا،اس طرح کی دعائیں مانگتی ،تواللہ تعالیٰ نے آپ کے جہاد کی بدولت ہم سب کی حفاظت فرمائی،آپ خیریت سے لوٹے ، میں بھی زندہ ہوں اور خوش ہوں،اور وہ امام جس کے متعلق آپ صبح مسجد میں سوچتے رہے کہ کون ہے ، دور ہونے کی وجہ سے آپ اسے پہچان نہیں سکے،وہ امام مدینہ ، مجتہد زمانہ آپ کا یہی بیٹا ربیعہ ہے ،جو امام ''ربیعۃ الرای'' سے مشہور ہے، یہ کہنا تھا کہ والد فرطِ جذبات میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے ،بیٹے سے دیر تک بغل گیر رہے، بیگم ،کا شکریہ ادا کیا،اللہ تعالیٰ کے سامنے دوگانہ نماز کے لئے کھڑے ہوئے، قیام، رکوع

وجود میں گھنٹوں لگے رہے۔

عمران خان کے دہرنوں میں شریک خواتین سے معذرت کے ساتھ، رقص وسرود زینتِ محافل، سیاستداں اور فیشن ماڈلز خواتین کا وقار، متانت اور عظمت بسا اوقات، قائم نہیں رہ پاتا، عورت کو بنیادی طور پر سُہیلہ ہی کی طرح ایک بیگم، خاتونِ خانہ اور ہاؤس وائف ہونا چاہیے، جی ہاں عظیم مائیں، بیٹیاں اور بہنیں سُہیلہ کے مانند ہوتی ہیں، اور یہ ان کا کردار ہوتا ہے۔

اللہ سب کو توفیق دے۔

اسلام اور دیگر مذاہب

اسلام

اسلام (ISLAM) ایک بین الاقوامی، گلوبل اور عالمگیر مذہب ہے چنانچہ باری تعالیٰ فرماتے ہیں: (وماارسلناك إلا رحمة للعالمين) 1ے، (وما ارسلناك إلاكافة للناس بشيراً ونذيراً) 2ے، (إني رسول الله إليكم جميعاً) 3ے، جس کی اشاعت کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو منتخب فرمایا۔بنیادی طور پر اسلام یہودیت اور عیسائیت بلکہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پیغامات کا ہی ایک تتمہ، تکملہ اور مسک الختام ہے جس کی وجہ سے اسے دین ابراہیمی کہا جاتا ہے، لیکن جب سے اسلام کی تعلیمات کی ابتدا ہوئی اُس وقت سے سابقہ تمام مذاہب ، نیز یہودیت اور عیسائیت کی تعلیمات منسوخ ہو گئیں۔

ابتدا سے ہی اسلام ایک تبلیغی مذہب ہے، مگر اس کی تبلیغ کسی خاص گروہ یا قبیلہ کے لیے محدود نہیں رہی، بلکہ اس کی تعلیمات انسانیت کے لیے مشعلِ راہ ہیں جس سے ہر شخص مستفید ہو سکتا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں اسلام تمام عرب میں پھیل گیا تھا بلکہ وفود کی شکل میں آنے والے عرب

وعجم کے بدولت اپنی آفاقیت میں ابتدائی قدم رکھ چکا تھااور سو سال کے اندر اسلام کے اثرات عرب کے ہمسایہ ممالک میں افریقہ کی ساحلی ریاستوں اوراسپین تک میں قائم ہوگئے تھے۔ مسلمان سیاسی اور تمدنی لحاظ سے دنیا کی سب سے اہم قوم (سپرپاور) بن گئے تھے اور صدیوں تک وہ ایشیا، افریقہ اوریورپ میں تہذیب وتمدن کی قیادت کرتے رہے۔

اسلام کی ابتدااس طرح ہوئی کہ نبوت سے پہلے حضوراکرم صلی اللہ علیہ وسلم عبادت کرنے کے لیے غارِحرامیں تشریف لے جاتے تھے اوروہیں غوروفکر (مراقبہ) میں ڈوبے رہتے تھے کہ ''آخر لوگ بتوں کو کیوں سجدہ کرتے ہیں!!؟؟.....ان کو معبود کیوں قرار دیتے ہیں!!؟؟.....آپ اسی الجھن میں گرفتار رہتے کہ کائنات کاخالق کون ہے اوراس کی عبادت صحیح طریقہ پر کس طرح کی جاسکتی ہے۔چنانچہ ایک دن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی غوروفکر میں مشغول تھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام آپ کے پاس تشریف لائے اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کواللہ تعالیٰ کا یہ کلام سنایا: (اقرابسم ربک الذی خلق، خلق الانسان من علق، اقرا وربک الاکرم الذی علم بالقلم علم الانسان مالم یعلم۔) اس طرح آپ کو نبوت کادرجہ عطا ہوااورایک مذہب جس کانام ''اسلام'' (اللہ تعالیٰ کی مرضی کاپابند ہوجانا اورتابعداری کرنا) رکھاگیااوراس کی اشاعت کی ذمہ داری آپ صلی اللہ علیہ وسلم اورآپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری امت کے سپرد ہوئی۔

:اسلام کے قوی پہلو

ا۔ اسلام کا تبلیغی مذہب ہونا ، ۲۔ عالمگیر ہونا، ۳۔اقوام گیر ہونا، ۴۔ جغرافیائی متوسط ہونا، ۵۔ اس کے مرکز کا اب تک محفوظ ہونا، ٦۔اس کی مقدس زبان کا محفوظ اور روز بروز وسیع تر ہونا، ۷۔ سادہ اور مطابق فطرت ہونا، ۸۔ مختلف مذاہب ، ثقافات، اقوام اور زبانوں پر مؤثر ہونا، ۹۔ دین ودنیا کے لیے جامع ہونا، ۱۰۔ سیاسی ومعاشی مساوات کا حامل ہونا، ۱۱۔ خلافت کی صورت میں وحدت اور مرکزیت کا حامل ہونا، ۱۲۔ صدیوں سے ہر حال میں مخالفین کی کامیاب مقاومت کرنا۔

عیسائیت

یہ حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا و علیہ السلام کی طرف منسوب ہے۔ حضرت عیسیٰ کو عربی میں عیسیٰ اور مسیح دونوں کہتے ہیں،اس لیے اس مذہب کو عیسائیت اور مسیحیت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ عبرانی، سریانی اور انگریزی میں یسوع جسوع اور جزز (Jesus) کہا جاتا ہے۔مسیح کا معنی ہے گناہ معاف کرنے والااور نجات دینے والا۔اسی طرح کرسٹ (christ) کا معنی ہے نجات دینے والا،اسی سے کرسچن (Christian) ہے۔

قرآن کریم میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے لیے ''نصاریٰ'' کا لفظ کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ ''نصاریٰ'' ناصری کی جمع ہے اور ناصری فلسطین کے ایک شہر الجلیل کی ایک بستی ''ناصرہ'' کی طرف نسبت ہے، جہاں حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ السلام کی تربیت اور نشأ و نما ہوئی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت آج سے ۲۰۰۷ سال پہلے القدس شہر کے متبرک مقام ''بیت لحم'' میں ہوئی ان کی والدہ کا نام حضرت مریم ہے، مریم حضرت داؤد علیہ السلام کی نسل میں سے تھی اور بقول عیسائیوں کے یوسف نامی شخص سے ان کی نسبت ہو گئی تھی، یعنی وہ مخطوبہ تھیں یوسف نامی شخص کی۔

ہم مسلمان کہتے ہیں کہ حضرت مریم علیہاالسلام حضرت زکریا علیہ السلام کی کفالت میں تھیں، کسی کی مخطوبہ نہیں تھیں، جب وہ بلوغت کو پہنچی تو حضرت زکریا علیہ السلام نے ان کی متعدد کرامات بھی دیکھیں اور جب ان کو اللہ جلّ شانہ کی طرف سے بغیر باپ کے بیٹا عطا ہونے کا فیصلہ ہوا، تو حضرت جبرئیل علیہ السلام نے ان کے گریبان میں پھونک ماری، اسی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ [1] ہم کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے امر ہوا، ہمارااور عیسائیوں کا متفقہ نظریہ یہی ہے کہ آپ علیہ السلام کو تیس سال کی عمر میں نبوت ملی، آپ علیہ السلام نے فلسطین کے قریہ قریہ اور بستی بستی کا

دورہ کیا وہاں آپ نے حق کا پیغام پہنچایا،آپ علیہ السلام کی تبلیغ اس لیے تھی کہ یہود دین حق سے ہٹ چکے تھے اورآپ علیہ السلام کی تبلیغ پران کی شدید تنقید ہوتی تھی، یہاں تک کہ یہودیوں نے آپ علیہ السلام پر کفر کا فتویٰ لگایا اوراپنی مذہبی عدالت میں آپ علیہ السلام پر مقدمہ چلوایا، وہ عدالت ایسی تھی جو سزائے موت دینے کے مجاز نہیں تھی، اس لیے یہودیوں نے اُس زمانے کے فلسطین کے رومی گورنر کو ورغلانے کے لیے یہ کہا کہ یہ آدمی آپ کی حکومت چھیننا چاہتاہے، اس بناء پر حاکم وقت نے آپ علیہ السلام کو سولی پرچڑھانے کا فیصلہ کیا، پھربقول عیسائیوں کے، حاکم نے ان کو سولی پر چڑھایا، ہاتھ اور پیر میخوں سے باندھے اور بقول عیسائیوں ہی کے، جب آپ کو سولی پر چڑھایا گیا توآپ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی: ”یااللہ! اس قوم کو بخش دے یہ قوم سمجھتی نہیں ہے، پھرآپ علیہ السلام کو شہید کیاگیا، اس سولی کی وجہ سے پوری عیسائیت کے گناہ معاف ہوگئے اس لیے عیسائی صلیب کی پوجا کرتے ہیں، پھر عیسیٰ علیہ السلام کے ایک شاگردکے مطالبے پران کولاش دے دی گئی، شاگرد لاش کو غار میں لے گیااور غار کو بند کرکے اس میں دفن کردیا، پھر تین دن کے بعد جاکر دیکھا تو وہاں لاش موجود نہیں تھی اور اتنے میں نداء آئی کہ عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ زندہ ہوگئے، .....

انہوں نے فلسطین کادورہ بھی کیاپھرآسمان پراٹھالیے گئے پھرآخری زمانے میں آئیں گے اور عیسائیت پرہوں گے۔

لیکن ہم کہتے ہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام کو شہید کرنے کاارادہ توکیاگیامگر یہودیوں کو یہ اشتباہ ہواکہ اللہ تعالیٰ نے انہی میں سے ایک کو عیسیٰ علیہ السلام کے ہم شکل بنادیا، یہودیوں نے اس آدمی کو عیسیٰ علیہ السلام سمجھ کر سولی پر لٹکوایااور قتل کروادیا، گویاکہ وہ عیسیٰ علیہ السلام کو شہید نہ کرسکے۔ (ولکن شبہ لھم......) لے

ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اسی وقت عیسیٰ علیہ السلام کو مع جسد عنصری کے آسمان پر اٹھالیاگیااپنی تمام انسانی صفات کے ساتھ۔ پھرآخری زمانے میں زمین پر آئیں گے، چالیس سال زمین پہ رہیں گے اور کفرسے لڑیں گے اوردین محمدی پر قائم ہوں گے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نکاح بھی کریں گے اور ان کی اولاد بھی ہوں گی، بعدازاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی وفات ہوجائے گی اور مسلمان آپ کی نمازِ جنازہ پڑھ کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ اقدس میں دفن کردیں گے۔ یہ تمام بحث ایسی احادیث متواترہ میں پوری وضاحت کے ساتھ بیان کی گئی ہے جن کی تعداد ایک سو سے متجاوز ہے۔ لے

: عیسائیت کے قدیم فرقے

ویسے تو عیسائیت ہزاروں ٹکڑوں، جماعتوں اور فرقوں میں بٹ گئی ہے، لیکن ان

کے قدیم تین فرقے ہیں: (۱) یعقوبیہ (۲) نسطوریہ (۳) ملکانیہ۔ 2

مشہور ترین اور مؤثر جدید فرقے بھی تین ہی ہیں :

(۱)..... رومن کیتھولک: یہ Roman catholic (کیتھولک) کہلاتے ہیں، الکاثولیکیۃ) روم میں ان کا بڑا مرکز ہے وہاں ان کے پادری ہوتے ہیں، ان کو پوپ اور گرے گُری بھی کہتے ہیں۔ روم اٹلی کا دارالخلافہ ہے، یہ دو حصّوں میں منقسم ہیں: ایک حصّہ رومی سلطنت کا مرکز ہے اور دوسرا حصّہ چرچ کے تابع ہے اس حصّے کو عربی میں فاتیکان اور ویٹیکن سٹی) کہتے ہیں اسی میں پوپ بیٹھتے ہیں۔(Vatican city انگریزی میں

(۲)...... اس کو عربی میں دوسرا فرقہ آرتھوڈوک ہے، Orthodox) الأرثوذوکسیۃ) کہتے ہیں۔ان کا مرکز قسطنطنیہ (استنبول) تھا، جس کی اسلام کے زیر نگین ہونے کے بعد آرتھوڈوک مرکزیت ختم ہو کر اسلامی مرکزیت قائم ہوئی۔ یہ دونوں فرقے قدیم بھی ہیں اور قدامت پرست بھی۔

(۳) ...... پروٹسٹانٹ Protestant) یہ سنہ ۱۲۰۰ء میں وجود میں البروتستانت): آیا ہے، یہ جدیدیت پسند عیسائی فرقہ ہے، اس کا مرکز جرمنی ہے۔ 3

یہودیت

یہ مذہب یہودا ابن یعقوب کی طرف منسوب ہے، اس کے ماننے والے کو یہود، ہود، صہیونی، اسرائیلی اور آل عمران کہا جاتا ہے، یہودا حضرت یعقوب علیہ السلام کا بڑا صاحبزادہ تھا، بنی اسرائیل میں تقسیم کاری کے طور پر نبوت ہمیشہ بنی لاوی میں اور سلطنت بنی یہودا میں رہی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام:

قبل المیلاد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام عراق میں پیدا ہوئے اور عراق ہی ۱۸۰۰ میں توحید کی دعوت شروع کی، وہاں کے حکمراں نمرود نے آپ کی مخالفت کی، یہاں تک کہ آپ علیہ السلام کو آگ میں ڈال دیا گیا، آگ سے نکلنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر کا رخ کیا، پھر شام تشریف لائے اور شام ہی میں رہے۔

آپ علیہ السلام نے دو شادیاں کیں، بی بی سارہ اور بی بی ہاجرہ۔ بی بی سارہ مع اپنی اولاد کے شام میں رہی، بی بی ہاجرہ مع اپنی اولاد کے حجاز میں رہی۔ شام میں جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد رہی وہ حضرت یعقوب (اسرائیل) علیہ السلام کے آخری زمانے میں حضرت یوسف علیہ السلام کے توسط سے مصر چلے گئے، یہ وہ زمانہ تھا کہ جس میں شام کے عرب قبائل جن کو عمالقہ کہا جاتا ہے اور انگریزی مؤرخین انہیں ''ہیکسوس'' سے یاد کرتے ہیں (فرعون کی بیگم حضرت آسیہ بھی اسی عربی قبیلے میں سے تھی)، وہاں کے قبطیوں کو مغلوب کرکے

حکمرانی کر رہے تھے، حضرت یوسف علیہ السلام کو بتدریج صرف وزیر ہی نہیں بلکہ فرمانروا مقرر کیا گیا، یوسف علیہ السلام اپنی عمر کے ۳۰ سال سے ۸۰ سال تک حکمران رہے، ان کے وصال کے بعد قبطی نسل پرستوں نے مصر میں شورش برپا کی اور انقلاب لا کر حکومت پر قابض ہو گئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

انقلاب کے بعد عمالقہ کو انھوں نے ملک بدر کر دیا اور عمالقہ کے حامیوں یعنی بنی اسرائیل کو از اوّل تا آخر غلام بنالیا۔ یہ سلسلہ چلتا رہا، فراعنہ حکمرانی کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا دور آیا، موسیٰ علیہ السلام ان بنی اسرائیل غلاموں کے گھر میں پیدا ہوئے، لیکن بچّوں کے قتل کے مشہور واقعہ کے سبب آپ نے فرعون ہی کے گھر میں تربیت پائی اور وہیں جوان ہوئے، جوانی میں ایک قبطی کو مارنے کی وجہ سے شام کے ایک علاقے مدین آنا پڑا، جہاں آپ علیہ السلام ایک نیک سیرت اور مرد صالح شعیب نامی شخص کے پاس دس سال رہ کر واپس مصر چلے گئے۔

قصّہ مختصر یہ ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کے درمیان حق و باطل کی کشمکش رہی اس کا نتیجہ بنی اسرائیل کے خروج مصر اور فرعون کے بحر احمر میں غرق ہونے پر ختم ہوا۔ اس معجزہ کے لیے سر سید کی ملحدانہ تفسیر نا قابلِ دید اور

قابلِ نظر ہے۔

یہاں خروج کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کے درمیان عجیب و غریب قسم کے واقعات ہوئے، مثلاً: بچھڑے کی عبادت، ''حطۃ'' کی جگہ پر ''حنطۃ'' کی تبدیلی، گائے پرستوں کو دیکھ کر اسی طرح کے خدا کے مطالبے، کچھ اس قسم کی مختلف نالائقیوں کی وجہ سے میدان'' تیہ'' میں ۴۰ سال تک سرگرداں رہنا اور جہاد کا انکار وغیرہ، ......

اسی اثناء میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کا وصال ہوا، قیادت حضرت یوشع بن نون علیہ السلام کے ہاتھ میں آئی، فلسطین فتح ہوا جو کہ عمالقہ کا علاقہ تھا، لیکن حضرت یوشع علیہ السلام کے بعد عمالقہ پھر غالب آگئے اور یہودیوں میں سے کچھ کو تہِ تیغ کیا اور بقیہ تمام کو انہوں نے غلام بنالیا، چنانچہ یہودی عمالقہ کے اس انقلاب کے بعد چار سو سال تک غلامی میں رہے۔

حضرت طالوت علیہ السلام:

پھر حضرت سمویل علیہ السلام کی بعثت ہوئی، تو بنی اسرائیل نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے سربراہ یعنی کسی شخص کو ہم میں سے بادشاہ مقرر کرے تاکہ ہم عمالقہ سے جنگ لڑ کر آزادی حاصل کریں، طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو یہودی اپنی ازلی کم بختی و کم ظرفی کی وجہ سے کہنے لگے: ''طالوت تو بنی

لاوی میں سے ہیں اور ہمیں سربراہ بنی یہودا میں سے چاہیے۔ نیز یہ طالوت فقیر قسم کا آدمی ہے، یہ ہمارے اوپر کیسے حکمرانی کر سکتا ہے۔"

:حضرت داؤد علیہ السلام

پھر بھی طالوت نے جالوت کو للکارا، جنگ چھڑ گئی، طالوت کی طرف سے ایک جوان داؤد نے تیر مار کر جالوت کو قتل کیا، طالوت نے اپنی ساری حکمرانی بمع اپنی صاحبزادی کے ان کے حوالے کی اور اللہ پاک نے خلعت نبوت سے بھی نوازا، داؤد علیہ السلام نے اپنے عہد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی ابتدا کروائی اوران کے بعد انہی کے صاحبزادے حضرت سلیمان علیٰ نبینا وعلیہ السلام کو مالک کائنات نے مشرف بنبوّت و مملکت فرمایا، جنھوں نے یہی تاریخی مسجد جنات کے ذریعے سے مکمل کروائی۔ ۹۷۵ ق م میں ان کا انتقال ہوگیا۔

:بنی اسرائیل کی شکست وریخت اور حضرت عیسیٰؑ کی آمد

حضرت سلیمان علیہ السلام کے انتقال کے ساتھ ہی سلطنت دو حصّوں میں بٹ گئی، ایک سلطنت کا دارالخلافہ سامرہ (نابلس) اورایک کادارالخلافہ بیت المقدس (یروشلم) مقرر کیاگیا، کئی سو سال اسی طرح رہنے کے بعد شمال کی طرف سے آشوریوں نے سامریوں میں سے ہزاروں کو قتل کرکے مغلوب کردیا اور وہاں پر قابض ہوگئے، ادھر سے کلدانیوں کے بادشاہ اورآشوریوں کے سابق گورنر بخت نصر

نے دوسری مملکت کو تہس نہس کردیا، مسجد اقصیٰ کو جلا کر گرادیا، ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا اور بقیہ کو ان کے بادشاہ صدقیہ سمیت قیدی بنا کر بابل (عراق) لایا، پھر خسرو (شاہِ ایران) نے بابل کو اس کے ستّر برس بعد فتح کیا اور سارے قیدیوں کو رہا کردیا، انہوں نے پھر فلسطین جا کر اپنی کٹھ پتلی سی حکومت قائم کردی، جس پر یونان نے پے درپے حملے جاری رکھے، یہاں تک کہ رومیوں نے آخری حملہ کرکے انہیں غلام بنایا، رومیوں نے یہاں کے ایک یہودی کو گورنر بنایا، اس کے مرنے کے بعد اس کے تین بیٹوں نے مقبوضہ علاقے کے تین صوبے بنائے، اس زمانے میں حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ علیہما السلام کو قتل کیا گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائے، رومیوں نے کچھ سالوں بعد پھر حملہ کیا، اس حملے میں رومیوں نے ڈیڑھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا، گویا ہٹلر نے ہی یہودیوں کا قتلِ عام نہیں کیا، بلکہ یہ ایک عذاب کی صورت میں ان کے ساتھ بار بار ہوا، اور ۷۰ ہزار کو قیدی بنایا، کچھ اِدھر اُدھر جا کر نکل گئے، انہیں بھگوڑوں میں حجاز، رملہ، تبوک، تیما، وادی القریٰ، مدینہ اور خیبر کے یہودی بھی تھے، جنہیں پھر مدینہ سے بھی نکالا گیا یعنی بنو نضیر، بھدل، قریظہ اور بنو قینقاع، جبکہ مدینہ کے اوس وخزرج یمنی قبائل عرب میں سے ہیں۔

حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم :

اس زمانے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، یہودی آپ کا انتظار کرتے

تھے، لیکن تعصب میں آکر بنواسماعیل میں سے نبی کے آنے کی وجہ سے انکار کیا، ادھر فلسطین پر رومی عیسائیوں کا قبضہ رہا(رومی بعد میں عیسائی ہوگئے تھے) یہاں تک کہ جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے ابتدائی ایام میں ان منتشر بھگوڑے یہودیوں نے کسریٰ کو رومیوں کے خلاف اُکسا کر فلسطین پر حملہ کروایا، جس نے مسجد اقصیٰ کو تباہ وبرباد کیا اور صلیب کو اپنے ساتھ ایران لے گیا، چودہ سال بعد عیسائیوں کی اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے قیصر روم نے ایرانیوں پر حملہ کرکے بیت المقدس بھی آزاد کروایااور ایران تک اندر جاکر اپنے اصلی صلیب کو بھی واپس لے کر آئے۔

تاؤازم/طاؤازم/تاؤمت

چین کا ایک مذہب جس کا بانی لاؤزے تھا۔ لاؤزے نے اپنی کتاب "تاؤتہ کنگ" میں لکھا ہے کہ خوشحال زندگی گزارنے کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ یہ ہے کہ تاؤ کی پیروی کی جائے لیکن اس نے اس کتاب میں تاؤ کی تشریح کسی جگہ بھی نہیں کی۔ اسی وجہ سے تاؤ کے بارے میں لوگوں کے مختلف خیالات ہیں اور انھوں نے اس کے کئی ایک معنی بتائے ہیں۔ بعض نے اس کے معنی امن کے راستے اور طریقے کے بتائے ہیں اور بعض کے نزدیک تاؤ کے معنی بولنے اور گفتگو کرنے کے ہیں۔ اہل یورپ کے نزدیک اس کے معنی عقل کے ہیں، لیکن صحیح یہ لگتا ہے کہ تاؤ کو خدا کے معنی میں لیا جائے۔

تاؤ کے بارے میں جو صفات بتائی گئی ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں۔

اس کی ایک اہم ترین صفت یہ ہے کہ وہ ہمیشہ سے ہے۔ چنگ زی کے بقول (جو اس مذہب کا مستند مصنف بتایا جاتا ہے) کوئی زمانہ ایسا نہیں گزرا جب تاؤ موجود نہ ہو۔ ......(۱)

وہ ہر جگہ موجود ہے اور کوئی جگہ بھی ایسی نہیں جہاں وہ موجود نہ ہو۔ ......(۲)

کائنات کی عظمت اور شان و شوکت اسی کے دم سے ہے اور وہ نہایت باریک سے باریک چیز میں بھی موجود ہے۔ ......(۳)

ننھے ننھے کیڑوں کو بھی اسی نے زندگی بخشی ہے اور چاند و سورج اپنے اپنے مدار پر اسی کی وجہ سے گھومتے ہیں۔ ......(۴)

تاؤ نہ جسم رکھتا ہے اور نہ اس کی اپنی کوئی آواز ہے وہ غیر مرئی ہے لیکن تمام اجسام کا وہی خالق ہے اور تمام آوازیں، اسی نے بنائی ہیں اور اس سے کوئی چیز خالی نہیں۔ ......(۵)

وہی تمام مخلوقات کا روزی رساں ہے لیکن وہ غیر متحرک ہے۔ ......(۶)

وہ شخص نہیں ہے اور نہ قابل تقسیم ہے۔ ہر ایک پر مہربان ہے۔ ......(۷)

ہوائی مان زو جو تاؤ فلسفے کا ماہر ہے تاؤ کی صفات کے بارے میں لکھتا ہے۔

تاؤہی آسمان کو سہارا دینے والا اور زمین کا بچھانے والا ہے۔ جس کی نہ کوئی حد ہے اور" نہ انتہا۔ جس کی بلندی ناپی نہیں جاسکتی اور نہ ہی اس کی گہرائی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ تمام کائنات اس کے قبضۂ قدرت میں ہے وہ بے حد لطیف اور باریک ہے۔ ہر شے میں اسی طرح موجود ہے جس طرح پانی دلدل میں ہوتا ہے۔ پہاڑوں کی بلندی اور غاروں کی پستی تاؤ ہی کے دم سے قائم ہے۔ جانوروں کا چلنا، پرندوں کا اڑنا، چاند اور سورج کی روشنی، ستاروں کی گردش سب اسی کے فیض کے کرشمے ہیں۔ بہار کی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں وہی چلاتا ہے اور برسات کی سہانی بارش وہی برساتا ہے۔ پرندوں کو انڈے وہی دلاتا ہے اور ان انڈوں سے بچے وہی نکالتا ہے۔ جب درختوں سے پتیاں نکلتی ہیں ۔ انڈوں سے بچے اور عورتوں کے رحم سے بچے پیدا ہوتے ہیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب کے سب کام اپنے آپ ہو رہے ہیں کیونکہ کرنے والے کا ہاتھ ہمیں نظر نہیں آتا لیکن یہ حقیقت نہیں۔ تاؤ دھندلے سے سائے کی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے جسم نہیں اس کے ذرائع غیر محدود اور پوشیدہ ہیں لیکن تمام چیزوں کو عدم سے وجود میں لانے والا وہی ہے۔ اس سے کبھی کوئی بے کار اور غیر مفید کام نہیں ہوا۔"

لاوزے کہتا ہے کہ (تاؤ) کے کنہہ تک پہنچنا ممکن نہیں ہے۔ اس کو سب کا پتہ ہے، مگر اس کے متعلق مکمل پتہ کسی کے پاس نہیں ہے۔

: تعلیمات

تاؤمذہب کی تعلیمات مندرجہ ذیل ہیں۔

الف)...... ہستی اعلیٰ کا تصور :......تاؤازم ایک اعلیٰ ہستی کا قائل ہے، اگرچہ اس میں) تشکیلات پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے، لیکن صحیح وہی ہے جو اوپر ذکر کیا جاچکا۔

ب)...... اخلاق :...... تاؤمذہب میں انسان کو کائنات کا ایک جزو قرار دیاگیاہے۔اس) لیے تمام شعبۂ حیات میں انسان بھی دوسری چیزوں کی طرح عالمگیر تاؤ کا مظہر ہے اس کا نظریۂ انسان صرف علمی ہی نہیں بلکہ اس کی بنیاد اخلاقیات پر قائم ہے اور انہی اخلاقیات کے باعث انسان خود کو فطرت کے سپرد کر دیتا ہے اور اس طرح فطرت کے یہ قوانین جن کے سامنے وہ سر جھکا دیتا ہے اس کے لیے عزت واحترام کا باعث بن جاتے ہیں ۔ نیز یہ کہ فطرت کے کسی کام میں قصد کو دخل نہیں ہے ۔ اس لیے انسان کے تمام اعمال بھی ارادے کے بغیر سرزد ہونے چاہئیں اور چونکہ فطرت میں انفعال ہے اس لیے منصوبہ بندی ، تدابیر ، جوڑ توڑ ، دوادوش ، خواہش اور تمنا وغیرہ سب کی سب انسانی فطرت کے منافی ہیں۔تاؤمذہب میں وہ کام جو کسی سعی وارادہ سے کیے جاتے ہیں ۔زیادہ اچھی نظر سے نہیں دیکھے جاتے۔ اسی لیے سخاوت ، راست بازی اور حسن اطوار کے مقابلے میں رحم، میانہ روی اور پاک بازی کا شمار اخلاقیات میں ہوتا ہے۔

نیز زندگی چونکہ مسلسل جدوجہد کا نام ہے اس لیے اس سے بچنے کے لیے تاؤ مذہب کے پیرو ترک دنیا کرکے پہاڑوں میں پناہ لینے کو مستحسن خیال کرتے ہیں۔

تاؤ مذہب کے اخلاق میں خواہشات اور جذبات پر قابو پانے پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے۔ بقول لاؤزے جو دوسرے پر غالب آتا ہے وہ قوی ہے اور جو خود اپنے آپ پر غالب آ جائے وہ قوی تر ہے۔

دنیا میں اس سے بڑھ کر اور کوئی گناہ نہیں ہے کہ انسان اپنی خواہشات کا غلام بن کر رہ جائے۔ لالچ سے بڑھ کر اور کوئی مصیبت نہیں اور حرص سے بڑھ کر کوئی وبال نہیں ہے۔

تاؤ مذہب میں انسانوں کا قتل کرنا اور جنگ میں فتح پانا کوئی قابل فخر بات نہیں وہ قیدیوں کو سزا کے طور پر قتل کرنے کو بھی اچھا نہیں سمجھتا۔

ج)..... نظریہ حیات بعد الموت:.....تاؤمت میں موت ایک اچھی اور خوشگوار چیز ہے یہ ایک لازمی امر ہے اور اس سے ڈرنا بیکار ہے۔ موت ایک خوشگوار تبدیلی کا نام ہے۔ موت ہر جاندار کی زندگی کا انجام ہے۔

موت اور زندگی میں وہی تعلق ہے جو آنے اور جانے میں ہے۔ چنانچہ اس دنیا سے چلے جانے کے معنی دوسری دنیا میں پیدا ہونے کے ہیں۔ انسان زندگی سے محبت کرکے ایک فریب میں بتلا ہے۔ انسان موت کی ہولناکیوں سے واقف ہے لیکن موت کے بعد کی راحتوں سے ناواقف۔ انسان کی زندگی کا تابناک پہلو یہی ہے کہ موت ازل ہی سے تمام انسانوں کا نوشتہ تقدیر بنی ہوئی ہے۔

موت نیکوں کے لیے سکون اور بروں کے لیے پردہ ہے۔ مردے وہ ہیں جو اپنے گھروں کو پہنچ چکے ہیں اور زندہ بھٹکتے پھرتے ہیں۔

مرنے کے بعد کی زندگی میں نیک لوگ نہایت ہی آرام کی زندگی بسر کریں گے اور بروں کو مزید برائی کرنے کا موقع نہیں ملے گا۔

: تاؤمت کی مقبولیت

اگرچہ تاؤمت کی تعلیمات لوگوں کی فہم سے بالاتر تھیں، اس کے بانی کے بعد چینیوں نے سحر وفسوں کو بھی مذہب میں داخل کردیا ہے، جس کے چینی عوام قدیم زمانہ سے دلدادہ تھے۔ دوسرے فطرت پرستی نے عوام کو اس مذہب کی طرف راغب کیا نیز ارواح خبیثہ کے عقیدے کی وجہ سے اس مذہب نے چینیوں میں خاص مقبولیت حاصل کرلی۔

عید اور حج میں برادرانِ کپتان کے لطیفے

☆ حال ہی میں ایک لطیفہ تو یہ ہوا کہ کپتان نے اسلام آباد کے دھرنے میں طاہر القادری کی امامت میں نمازِ عید الاضحیٰ ادا کی ۔ نماز عیدین میں جمعے کے برعکس پہلے نماز پھر خطبہ ہوتا ہے ۔جس کا اندازہ اچھے خاصے نمازیوں کو درمیان میں طویل فاصلے کی وجہ سے نہیں ہوتا، لوگ اکثر و بیشتر عید گاہوں اور جامع مساجد میں سلام پھیرتے ہی اٹھنے لگتے ہیں، یہ بھول جاتے ہیں کہ اب خطبۂ عید ہوگا، کپتان بھی سلام کے بعد متصلاً اٹھ کھڑے گئے ، طاہر القادری سے عید ملے ،اسے یوں لگا کہ وہ فارغ ہوگئے ، چلنے کے موڈ میں تھے ،کہ لوگوں نے خطبہ یاد دلادیا، وہ دوبارہ بیٹھ گئے ، سوشل میڈیا میں کپتان کا اس وجہ سے مذاق بھی اڑایا گیا، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس طرح اکثر جگہوں میں ہوتاہے ،البتہ کیمرے چونکہ ہر جگہ اور ہر کسی شخص پر اتنا فوکس نہیں کرتے ،پتہ بھی کم ہی چلتاہے۔

*لوگ حج کے حوالے سے عجیب و غریب مسائل پوچھنا شروع کردیتے ہیں ،مثلاً : ایک صاحب نے پوچھا، حضرت، میں اپنی والدہ کی طرف سے حج کررہاہوں ، کیا مجھے خواتین کی طرح نقاب بھی کرنا پڑے گا۔

ایک صاحب نے مسئلہ پوچھا، حضرت میں نے ابھی تک شادی نہیں کی، حج کے بعد* شادی کرنا چاہتاہوں، کیا حاجی شادی کرسکتاہے، یہ مغالطہ اس کو اس لئے ہواکہ دوران احرام اردواجی تعلقات قائم کرنا صحیح نہیں ہیں،اس نے سمجھاکہ حاجی حج کے بعد شادی ہی نہیں کرسکتا۔

ایک صاحب نے فجر کی نماز مسجد حرام میں پڑھی، نماز کے بعد بہت سے لوگ طواف* میں لگ جاتے ہیں، وہ بھی طواف کرنے لگا،سات چکروں کا اسے پتہ نہیں تھا،وہ سمجھا یہ لوگ بس کرینگے، تو ہم بھی بس کرلینگے،لوگ طواف کرتے جاتے، اس کی نظر میں کوئی تھکتا بھی نہیں تھا، طواف کا تسلسل جاری وساری رہا، حالانکہ لوگ سات چکر لگاکر چلے جاتے،نئے نئے آجاتے، وہ بے چارہ ظہر کی نماز کی وقت طواف سے فارغ ہوا کیونکہ نماز کیلئے طواف کا عمل رک گیا، نماز کے بعد کچھ لوگ مسجد سے جانے لگے،اس نے سمجھا صبح کے شرکاء کا طواف مکمل ہوگیا، میرا بھی مکمل ہوگیا۔

عجمی لوگ طواف میں گروپوں کی شکل میں چلتے ہیں، بعض اوقات ان میں سے کوئی * ایک دعائیں پڑھتاہے، دیگر آمین کہتے جاتے ہیں،اب ایک صاحب کتاب کا نام لے رہے ہیں، پیچھے والے آمین کہہ رہے ہیں وہ مصنف کا اور ناشر کا نام لے رہاہے، سن طباعت بتارہے ہیں،ساتھی آمین کہہ رہے ہیں وہ ''حقوق مؤلف محفوظ ہیں''

کہہ رہاہے اور یہ آمین کہتے جاتے ہیں۔

کنکریاں مارنے کے وقت ایک لمبا تڑنگا حبشی شیطان کے بہت قریب گیا، وہ شیطان کو* کنکریاں ماررہاتھا، پیچھے والوں کی کنکریاں اس کو لگیں، وہ غصے میں آگئے، پیچھے والوں کو آنکھیں نکال کر، دانت پھاڑ کر کچھ سنانے لگا، سادھے لوگوں نے سمجھا کہ سچ مچ جمرات" کی جگہ سے شیطان نکل آیا، آوازیں بھی لگیں: شیطان شیطان، بس پھر" کیا تھا، جوتے، گھونسے، کنکریاں، بے چارہ مرنے کے قریب تھا کہ شرطہ کو پتہ چلا، وہ آئے اور ہسپتال لے کر گئے۔

ایک صاحب طواف میں" اللھم انی اعوذبک من الخبث والخبائث" زور زور سے پڑھ* رہے تھے، کسی نے کہا یہ دعاء یہاں کی نہیں دفع حاجت کے وقت کی دعاء ہے، وہ کہنے لگا، اپنا کام کرو یار، دعا تو ہے نا، مجھے یہی یاد ہے۔

اندھی تقلید کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ صفامروہ کے درمیان سعی کے دوران ایک* نوجوان نے دیکھا، مکہ چینل کا کیمرہ یہ لگا ہوا ہے، اس نے وہاں قریب ہو کر ہاتھ ہلاہلا کر سلام کیا، کہ شاید اس وقت کیمرہ اس پر فوکس ہو، کوئی تو دیکھ لے گا، اب جن جن لوگوں نے ان کو دیکھا، انہوں نے سمجھا کہ یہ بھی مناسکِ حج میں سے کوئی عمل ہے، سب اسی کی تقلید میں وہاں ہاتھ ہلاہلا کر سلام نے لگے۔

☆حرمین شریفین میں عرب نمازیوں کے سامنے سے کوئی گذرتا ہو، تو وہ گذرنے والے کو متنبہ کرنے کے لئے ہاتھ کے اشارے سے اسے روکتے ہیں، تاکہ وہ یا تو رُک جائے یا ذرہ فاصلے سے گذرے، ایسے ہی ایک نمازی نے جب کسی شخص کو روکنے کے لئے اپنا ہاتھ آگے کو بڑھایا، اگلے نے بڑے تپاک سے دونوں ہاتھوں ان سے مصافحہ کیا، ھیلو ھائی بھی کیا، گذرنے والے نے سمجھا، یہ صاحب ان سے علیک سلیک کرنا چاہتے ہیں۔
لیکن ان تمام میں سب سے اچھا لطیفہ تونس کے سید صالح کا ہے، ہم میں سے ہر کوئی * چاہتا ہوگا کہ کاش یہ لطیفہ ہمارے ساتھ بھی ہو، سید صالح ہر سال اپنی والدہ اور اپنا پاسپورٹ وغیرہ حج کیلئے جمع کراتے، قرعہ اندازی میں دونوں رہ جاتے، کئی سال کے بعد امسال صرف ان کی والدہ کا نام نکل آیا ان کا نام نہیں آیا، والدہ نے کہا، بیٹا میں بھی نہیں جاؤں گی، کیونکہ آپ کے بغیر میرے لئے مشکلات ہوں گی، بیٹے نے کہا، نہیں آپ ہر حال میں جائیں، زندگی کا کیا پتہ؟ ابھی کاروائیاں جاری تھیں، ایک دن وہ اپنی بدنصیبی پر رورہے تھے، والدہ کی تنہا جانے پر بھی غم زدہ تھے، اتنے میں اسکے فون کی گھنٹی بجی اس نے فون اٹھایا سلام دعا کے بعد اگلے کو پتہ چلا، یہ تو رورہا ہے، اس نے پوچھا، ارے بھائی کیا ہوا ہے، خیر تو ہے، سید صالح نے کہا یار والدہ کا نام کئی

سالوں بعد قرعہ اندازی میں حج کیلئے نکلا ہے، میرا نام رہ گیا ہے،اس پر پریشان ہوں، پھر فون کرنے والے سے کہا، بتاؤ آپ کون ہو اور کیا کام ہے،اس نے کہا، میں سعودی عرب کا فلاں شہزادہ ہوں، میں نے تو تونس میں اپنے سفیر کو فون ملایا ہے،آپ یہاں کون ہیں، سید صالح نے کہا،اتفاق سے سفیر کا نمبر اور میرا نمبر کچھ ایک جیسے ہیں ہوسکتا ہے آپ سے ڈائلنگ میں غلطی ہوئی ہو، شہزادے نے کہا، اچھا رہنے دے جو بھی، ہوا، آپ نے ابھی اپنا مسئلہ بتایا تھا، چلو وہ ذرہ تفصیل سے سناؤ، سید صالح نے سنایا، تو شہزادے نے کہا، کل پاسپورٹ لیکر آپ سعودی سفارت خانے چلے جاؤ، تیرا کام ہوجائے گا، سید صالح نے کہا،ایک تو میں پریشان ہوں اوپر سے دوست آپ مذاق کررہے ہیں، بتاؤ تم ہو کون؟ سید صالح کو یقین نہیں آرہا تھا، شہزادے نے کہا، ایک ہی دن کی تو بات ہے، کل چلے جانا، پتہ چل جائے گا ان شاء اللہ، وہ کل گئے گیٹ پر اپنا نام بتایا، گیٹ مین نے بڑے احترام سے انہیں سفیر کے پاس پہنچایا، سفیر نے فوراً ٹھپہ مارا، دس ہزار ریال کی ایک تھیلی پکڑادی، اور اپنی طرف سے تحفے تحائف بھی دیئے، نیز یہ درخواست بھی کی، شہزادے کا اگر دوبارہ فون آجائے، تو سفیر اور سفارت خانے کی تعریف کرنا، اور جب بھی کوئی مسئلہ ہو، سیدھے آجایا کرو، سید صالح جاکر والدہ کی قدموں پڑھ گئے، خوشی کے مارے ہنس بھی رہے ہیں اور رو بھی رہے ہیں، سارا قصہ اور فون پر ہونے والا لطیفہ سنایا، ماں جی بھی خوشی کے مارے ہنس رہی ہے اور رورہی ہے، امی نے کہا، بیٹا سفیر کو بتادو، ہم

دونوں اب ایک ہی گروپ میں ہوں گے ۔اس نے فون کیا، سفیر نے بتایا، نہیں نہیں۔۔ تم دونوں شاہی مہمان ہو۔ معاملے کی حساسیت کی وجہ سے نمبرز یہاں نوٹ نہیں کئے جاسکتے ۔ورنہ قارئین کرام خود ہی سارا واقعہ معلوم کرلیتے۔

اللہ کرے ہمارے قارئین کرام کے ساتھ بھی ایسے ہی آخری لطیفے کی طرح خوش گوار لطائف ہوں۔

سخاوتِ عثمانیؓ "

آج کے دن قریش کی اسمبلی کا اجلاس تھا،اراکین پارلیمنٹ مکہ اور حجاز کے مختلف اطراف سے فرداً فرداً اور ٹولیوں کی شکل میں دارالندوہ چلے آرہے تھے، وہ دیکھیں ابوجہل اپنے قریبی لوگوں خالد بن ولید ،اور ولید بن ولید وغیرہ کے جتھے میں بڑے طمطراق سے کعبے کے قریب سے گذر کرآیا چاہتے ہیں ،اِدھر سے ابوسفیان بن حربؓ ، اُدھر سے عاص بن وائل ،سامنے سے امیہ بن خلف ،۔ابوبکرؓ کو راستے میں دارالندوہ کے مخالف سمت میں چلتے ہوئے ابوجہل نے آواز دی ، ابوبکر۔۔۔ قوم کی مجلس ۔جواب میں انہوں نے کہا، میں ذرہ مصروف ہوں ، اور آپ حضرات ہیں ناں ۔عمر بن خطابؓ ابوجہل کے آمنے سامنے آگئے ، ابوجہل نے کہا،آپ کو بھی کوئی کام ہے ؟عمر نے کہا،" بھی " کاکیا مطلب ؟انہیں ابوبکر سے ابوجہل کی گفتگو کا علم نہ تھا،انہوں نے مزید کہا، میں تو قوم کا نمائندہ ہوں ، آہی گیاہوں ۔ابوبکر جس راستے سے کہیں اور جگہ (دارارقم) جارہے تھے ، وہاں گلی کے نکڑپر قریش کے متمول ترین اور نوجوان رکنِ مجلس عثمان بن عفانؓ کو دیکھکرانہوں نے دھیمے انداز میں انہیں آواز دی : عثمان ۔۔کہاں جارہے ہیں ؟جواب، قومی اسمبلی (دار الندوہ) ،کیا کوئی خاص مسئلے میں مشاورت ہے؟ نہیں ، حسبِ معمول اجلاس ہے ،اگر کوئی ایسی بات ہوتی ، توآپ ہی کو زیادہ معلوم

ہوتا۔۔۔ ابوبکر صدیقؓ کو سر جھکائے متفکر پا کر عثمان نے کہا، آپ کچھ سوچ رہے ہیں۔ ۔ اگر مناسب سمجھیں تو مجھے بتادیں، شاید میں آپ کی کوئی مدد کرسکوں، ابوبکر کہنے لگے نہیں، لیکن میں آپ کی بھلائی چاہتا ہوں، میں یہ نہیں چاہتا کہ میرے پاس کوئی اچھی، شی ہو، وہ میرے ہی پاس رہے، میرے دوست اس سے محروم ہو، اور میرے سب سے بہترین دوست تو آپ ہیں، عثمان نے کہا، اور میرے بھی بہترین دوست آپ ہیں عثمان کہنے لگے، اچھا بتادیجئے، وہ کیا چیز ہے ؟ ابوبکر نے کہا، آج پارلیمنٹ جانے کے، بجائے میرے ہی ساتھ چلیں، اب دونوں دوست ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے، باتیں کرتے ہوئے دارالندوہ کے بجائے دوسری طرف رواں دواں تھے، اس اثناء میں ابوبکر نے رک کر عثمان پر نگاہیں مرکوز کرتے ہوئے ان سے پوچھا، اپنے بھائی کے بارے میں جناب کا کیا خیال ہے ؟ عثمان نے کہا، کون ؟ آپ ؟ اتنے میں ابوبکر نے نیا سوال کردیا، میں نے کبھی آپ سے جھوٹ بولا ہے ؟ عثمان نے کہا، نہیں، آپ سب لوگوں میں سچے اور مہرباں ہیں، ابوبکر نے کہا، مجھ سے بڑے سچے محمد بن عبداللہ ہیں، عثمان نے کہا، اس میں کوئی شک نہیں، بخدا وہ '' الصادق الامین'' سچے اور امانت دار ہیں، تو انہیں کیا ہوا ہے ؟۔۔۔ آپ بتاتے کیوں نہیں ؟ ابوبکر اب عثمان کے بالکل سامنے آکر کھڑے ہوگئے، ایک دوسرے کو اوپر سے نیچے دیکھتے رہے، ابوبکر نے عثمان کے دونوں کاندھوں پر اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا، جب تک آپ وعدہ نہیں کرینگے، جو کچھ میں بتاؤں، وہ آپ ایک راز کے طور پر اپنے پاس ہی

رکھینگے ، قبول کرنے یا رد کرنے میں آپ کو اختیار ہے ، لیکن کسی کے سامنے اظہار نہیں کرینگے ، عثمان گہرے سوچ میں پڑ گئے ، آنکھیں بند کرکے کہنے لگے ، رب کعبہ کی قسم آپ نے مجھے فکر مند کردیا۔۔۔ راز کو راز ہی رہنے دینے کا وعدہ کرتا ہوں ، کیونکہ ، لگتا ہے آپ کسی عظیم الشان مسئلے کے متعلق اخفائے راز کی یہ تاکید کر رہے ہیں ، ابو بکر نے کہا'' ھو کذلک ،امر عظیم '' جی ہاں ایسا ہی ہے ، بہت بڑی بات ہے ، عربوں نے اس جیسا امر اس سے قبل دیکھا نہ سنا ، اس میں ان کی بھلائی ہے ، دنیا وآخرت میں ، عثمان نے پہلی مرتبہ آخرت کا سن کر بھنویں اچھی طرح سمیٹ کر ، سر جوڑ کر اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر حیرت واستعجاب کی تصویر بن کر کہا' 'اآاخرۃ ، ماالآخرۃ؟'' آخرت ۔۔۔ یہ آخرت کیا ہے ؟ ؟ یہاں ابو بکر کے تفصیلی جواب کا لبّ لباب گویا علامہ اقبال مرحوم نے اپنے الفاظ میں یوں بیان کیا ہے :

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
تہی زندگی سے نہیں یہ فضائیں
یہاں سینکڑوں کارواں اور بھی ہیں
قناعت نہ کر عالمِ رنگ وبو پر
چمن اور بھی آشیاں اور بھی ہیں
اگر کھوگیا اک نشیمن تو کیا غم

مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں

تو شاہیں ہے، پرواز ہے کام تیرا

ترے سامنے آسماں اور بھی ہیں

اسی روز و شب میں الجھ کر نہ رہ جا

کہ تیرے زماں و مکاں اور بھی ہیں

گئے دن کہ تنہا تھا میں انجمن میں

یہاں اب مرے رازداں اور بھی ہیں

ابو بکر نے صدیقی لب و لہجے میں پیامِ اسلام عثمان کے گوش گذار کردیا اور خاموش ہوگئے ۔ عثمان مگر ان کی جوابی گفتگو کے اختتام سے بہت پہلے چراغ محمدی ﷺ کا پروانہ بن گئے تھے ۔ ابو بکر کا تیر نشانے پہ لگا تھا، عثمان کو گھائل کرگیا تھے ۔ ان کا قلب و ضمیر اس لافانی خطاب اور اس میں مضمر دائی پیامِ نجات کے حق میں گواہی دے چکا تھا، چنانچہ آغوشِ سلام میں آکر عثمان نے ہمہ تن اور ہمہ وقت دین حق اور پیامبر حق ﷺ کی ہر پکار پر لبیک کہا، اور تاحیات مال ، جاہ واثر سب ان پر نچھاور کرتے رہے بعد کی پوری زندگی میں ایفائے عہد، جہد مسلسل اور لازوال قربانیوں کی بے شمار مثالیں، شان حق اور وابستگان دامن مصطفیٰ ﷺ کیلیے عثمان چھوڑ گئے ۔ یہاں تک کہ 18 ذی الحجہ 35ھ کو اسی پیغام کی کماحقہ نشرواشاعت پر جان بھی قربان کردی، ان کی سیرت او

رخلافت میں ہر زمانے کی طرح آج کے حاکموں ، امیروں اور مالداروں کیلئے بے شمار اسباق ہیں ، ان کا طرز عمل ، طرز سیاست اور طرز زندگی رہتی دنیا کیلئے طلبِ آخرت کے حوالے سے ایک حسین نمونہ اور بہترین آئینہ ہے۔

کیا ہے کوئی حکمراں، سیاستداں ، وزیر ، امیر ، عہدے دار ، ذمے دار یا زندگی کے کسی بھی شعبے سے وابستہ کوئی بھی باضمیر انسان جو آقائے نامدار، محسن انسانیت ﷺ کی طرح ان کے چنیدہ و برگزیدہ یاروں خصوصاً ذوالنورین کی سیرت و شخصیت کا بنظر انصاف مطالعہ کرکے اسے مشعل راہ بنائے ۔۔۔۔۔۔۔ اور دونوں جہاں میں سرخ رو ہو؟

"ہم وطن"

علامہ اقبال مرحوم کی روح سے معذرت کے ساتھ، کیونکہ انہوں نے فرمایا تھا:

ان تازہ خداؤں میں بڑا سب سے وطن ہے
جو اس کا پیرہن ہے وہ مذہب کا کفن ہے

گویا وہ یہاں مذہب کو وطنیت پر ترجیح دے رہے ہیں، ان کی اس سوچ کے تناظر میں پاکستان کا خواب بطور اسلامی فلاحی ریاست دیکھا گیا، یہ سب تسلیم ہے، مذہب کو وطن پر اس طرح فوقیت حاصل ہے، جیسے روح کو بدن پر اور بصیرت کو بصارت پر، اور یہ بھی تسلیم ہے کہ پاکستان ایک اسلامی جمہوری ریاست ہے، لیکن مسئلہ درپیش یہ ہے کہ ہمارے یہاں لوگ اصطلاحات سے عدم واقفیت کی بناء پر الفاظ وکلمات کے اپنے معانی ومطالب تصور کرلیتے ہیں اور پھر اسی کو حقیقی معنی و مقصود سمجھ لیتے ہیں، جبکہ اس لفظ ومعنی میں درحقیقت کوئی مناسبت نہیں ہوتی، جیسے انقلابی ہونا یا انقلاب برپا کرنا ہمارے یہاں باعث فخر ہے، لیکن جہاں سے یہ لفظِ انقلاب آیا ہے، وہاں یہ غداری، پلٹا کھانا اور کسی جائز حکومت کا تختہ الٹانے کے معنی میں ہے، اور جس کو ہم انقلاب سمجھتے ہیں، اسے عربوں کے یہاں "ثورہ" کہا جاتا ہے، جو محمود ومطلوب اور قابل صد افتخار گردانا جاتا ہے، اس پس منظر میں اگر وطنیت اور مذہبیت کو دیکھا جائے اور

سمجھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ سید حسین احمد مدنی مغربی استعمار کے مابعد خطے میں جس وطن کی بات کر رہے تھے ،وہ شہریت کی بنیاد پر تھی ، یعنی تمام شہریوں کے لئے یکساں حقوق اور واجبات وفرائض ہوں گے ، جسکی دھائیاں آج پاکستان میں انسانی حقوق کی تنظمیں دے رہی ہیں ، اور جس کو برخلاف لبنان میں عیسائیوں کی صدارت ، سنیوں کی وزارت عظمی اور اہل تشیع کی پارلیمنٹ میں سپیکر شپ ، نیز موجودہ عراق میں کردوں کی صدارت ، اہل تشیع کی وزارت عظمی اور اہل سنت کی سپیکر شپ کے نتیجے میں فرقہ واریت اور نسلیت پسندی میں اضافے کی وجہ سے حکومتوں کو بُری طرح ناکامی کا منہ دیکھنا پڑا۔

زمانہ تبدیل ہوا ہے ، کبھی دنیا میں حکومتیں رنگ ونسل کی ہوتی تھی ، کبھی مذاہب کی ، لیکن قرون وسطی میں یورپ میں حکومتوں اور ملکوں کا تصور تبدیل ہوگیا ، جمہوریات آگئیں ، یہ اور بات ہے کہ جمہوریت جمہوریت میں بھی فرق ہے ، لیکن صحیح جمہوریت دورِ جدید میں حکمرانی کا بہترین تصور ہے ، حقیقی جمہوری معاشرے کا تصور اگر مغربی مفکرین کے کذب بیانی کو پرے رکھکر دیکھا جائے تو میثاق مدینہ میں مضمر ہے ، جہاں نفع ونقصان اور حقوق وفرائض میں تمام مواطنین اور شہری برابر کے شریک تھے ، اس سے قبل انسانی تاریخ میں اتنا جامع اور ہمہ گیر منشور ودستور کہیں بھی نہ تھا اور آج بھی شاید اس کی مثالیں کم ہیں ، حضرت محمد ﷺ نے مدینہ ہجرت کے بعد یہاں کی آبادی ، خصوصا یہود) کے ساتھ ایک معاہدہ کیا ، جو میثاق مدینہ کے نام سے معروف ہے)

یہ پہلا بین الاقوامی تحریری معاہدہ ہے، بعض مؤرخین ”میگناکارٹا“ کو پہلا بین الاقوامی معاہدہ قرار دیتے ہیں حالانکہ یثاق مدینہ 622ء میں ہوا جبکہ میگناکارٹا 600 سال بعد 1215ء میں انگلستان کے شاہ جان اول کے زمانے میں ہوا۔یثاق مدینہ میں 53 دفعات شامل تھیں، اس کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ آنحضرت ﷺ نے یہود سے اپنی سیادت تسلیم کرائی جو صدیوں سے مدینہ کی سیادت کرتے چلے آرہے تھے، نبی کریم ﷺ کی آمد کی وقت مدینہ مین تین یہودی قبائل بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ تھے، انصار کے اوس اور خزرج دو قبیلے تھے، جبکہ تمام مہاجرین کو ایک اکائی تسلیم کیا گیا۔ منشور کا اگر بغور جائزہ لیا جائے تو اس معاہدے کے دو حصے نظر آتے ہیں، پہلے حصے کا تعلق انصار و مہاجرین سے ہے،اس کے اہم نکات یہ ہیں:

۱۔ تمام مسلمان اپنے آپ کو رضاکار سمجھیں گے۔

۲۔ مسلمان آپس میں امن واتحاد قائم رکھیں گے۔

۳۔ اگر ان میں کوئی اختلاف ہو تو آنحضرت ﷺ کے فیصلے کو تسلیم کریں گے۔

۴۔ مسلمانوں کے مختلف عناصر کو حقوق وفرائض کے لحاظ سے مساوی سمجھا جائے گا۔

۵۔ فوجی خدمت سب کے لئے ضروری ہو گی۔

۶۔ قریش مکہ کو پناہ نہیں دی جائے گی۔

۷۔ تمام مہاجرین کو سب معاملات میں ایک قبیلہ کی حیثیت دی گئی، جبکہ اس

منشور کی روشنی میں انصار کے قبائل کو اسی شکل میں تسلیم کیا گیا۔
۸۔ تمام معاملات کے لئے اور آپس میں اختلافات کے لئے آنحضرت ﷺ کا فیصلہ قطعی ہوگا۔
دوسرے حصے کا تعلق یہودیوں کے تینوں قبائل سے تھا جس کے اہم نکات مندرجہ ذیل ہیں :
۱۔ مدینہ میں رہتے ہوئے یہودیوں کو مذہبی آزادی ہوگی ۔
۲۔مدینہ کا دفاع جس طرح مسلمانوں پر لازم ہے اسی طرح یہودی بھی اسے اپنی ذمہ داری سمجھیں گے ۔
۳۔ بیرونی حملے کے وقت مسلمانوں کے ساتھ ساتھ متحد ہوکر مدینہ کے دفاع میں حصہ لیں گے ۔
۴۔ ہر قاتل سزا کا مستحق ہوگا۔
۵۔ کسی کے قتل ناحق پر اگر ورثاء رضامندی سے خون بہا لینے پر آمادہ نہ ہوں تو قاتل کو جلاد کے حوالے کیا جائے گا۔
۶۔ تمدنی وثقافتی معاملات میں یہودیوں کو مسلمانوں کے برابر حقوق حاصل ہوں گے ۔
۷۔ یہودی اور مسلمان ایک دوسرے کے حلیف ہوں گے ، کسی سے لڑائی اور صلح کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کا ساتھ دیں گے۔
۸۔ مسلمانوں پر جارحانہ حملے کی صورت میں یہودی مسلمانوں اور یہودیوں پر

حملے کے صورت میں مسلمان ان کے ساتھ دیں گے۔

۹۔ قریش یا ان کے حلیف قبائل کی یہودی مدد نہیں کریں گے۔

۱۰۔ یہودی اور مسلمانوں کے درمیان کسی قسم کے اختلافات کی صورت میں عدالت آنحضرت ﷺ کی ہوگی اور ان کا فیصلہ قطعی ہوگا۔

۱۱۔ اسلامی ریاست کے سربراہ آنحضرت ﷺ کی ذات ہوگی اور یہودی بھی آپ کی قیادت وسیادت تسلیم کریں گے، اس طریقے سے آنحضرت ﷺ مسلمان اور یہودیوں کی متحدہ افواج کے سربراہ بھی ہوں گے۔

۱۲۔ ان کے اندرونی معاملات میں کوئی مداخلت نہیں کی جائے گی۔

۱۳۔ شہر مدینہ میں ایک دوسرے کے ساتھ جنگ کرنا ممنوع ہوگا۔

آج دنیا میں لوگ گلوبلائزیشن کی وجہ سے بلا تفریق رنگ ، نسل اور مذہب ایک ساتھ رہائش پر مجبور ہیں، وہی مدینے والی صورتِ حال ہے،یثاق مدینہ میں عدل، انصاف اور مساوات کی بنیاد "ہم وطن" ہونے پر ہے، وطن کو مذہب اور مذہب کو وطن کے مخالف و مقابل سمجھنے کے بجائے ان دونوں کو ایک دوسرے کا معاون گمان کیا جائے،یہی بات خدا کرے طالبان اور ہماری افواج کے دل ودماغ میں آجائے، کیونکہ پاکستان ہو یا کوئی اور ملک اگر اسے پر امن بقائے باہمی درکار ہے، تو اسے شہری و انسانی حقوق کی رعایت کرتے ہوئے یثاق مدینہ کو من وعن فالو کرنا ہوگا۔

اسلام کی مذہبی زبان عربی

یہ ایک سامی الاصل زبان ہے، عرب لیگ میں شامل قریباً 23-24 ممالک کے عوام اور دنیا بھر کے کروڑوں انسان بالخصوص اہل اسلام اسے بولتے اور سمجھتے ہیں، اقوامِ متحدہ نے اس کی اسی اہمیت کے خاطر 18 دسمبر کو عربک لینگویج ڈے قرار دیا ہے، خدا کی آخری کتاب قرآن اسی زبان میں ہے، بلکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ تمام انبیاءؑ کے پاس وحی عربی زبان میں آتی تھی، بعد میں حضرات انبیاءؑ اپنی اپنی اقوام کی زبانوں میں ترجمہ کرکے پیش کرتے تھے، جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان، آپ ﷺ کی سنتوں کے ذخائر، سیرت طیبہ، اسلامی وعربی علوم وفنون اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہے، مراکزِ اسلام حرمین شریفین اور قبلۂ اول (مسجدِ اقصیٰ) کے باشندگان بھی عرب ہیں، پاکستانیوں کی اہل عرب سے بہت واضح دو نسبتیں ہیں، مسلمان ہونا اور جغرافیائی لحاظ سے بحرِ عرب پر واقع ہونا، اسی لئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور میں کہیں شامل ہے کہ ملک کی مذہبی زبان عربی ہوگی، دفتری انگریزی اور بولی کی اردو، بہرکیف یہ مسلمانوں کی مقدس زبان ہے۔

حضرت مولانا محمد یوسف بنوری نوراللہ مرقدہ اس حوالے سے بڑے آب وتاب کے ساتھ

رقمطراز ہیں:

عربی زبان کی دینی اہمیت تو ظاہر ہے کہ اسلام کا بنیادی پیغام (قرآن حکیم) تمام عالم" کے لئے حق تعالی کا آخری پیغام ہے، وہ عربی زبان میں ہے، دین اسلام کے پانچ بنیادی ارکان میں توحید و نبوت کے بعد (نماز) جو عِماد دین ہے، اس کے تمام ارکان قراءتِ قرآن، اذکار و ادعیہ یعنی پوری نماز اول سے آخر تک عربی زبان میں ہے، عیدین و جمعہ کے خطبے عربی زبان میں ہیں حضرت رسالت پناہ فداہ ابی وامی صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تعلیمات و ارشادات کا عظیم الشان ذخیرہ، یعنی احادیث عربی میں ہیں، حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نسباً وطناً عربی قریشی ہاشمی مکی مدنی حجازی ہے، بعض روایات میں عربوں سے محبت کرنے کے لئے یہ ارشاد فرمایا گیا ہے: (میں بھی عربی اللسان ہوں، قرآن بھی عربی زبان میں ہے اور اہل جنت کی زبان بھی عربی ہے)، حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے جو اذکار اور دعائیں تلقین فرمائی ہیں، جو بجائے خود عجیب وغریب دعائیں ہیں، جن میں دین و دنیا کی کوئی ضرورت ایسی نہیں ہے، جس کے متعلق دعا ارشاد نہ فرمائی گئی ہو، بلکہ دعاؤں کی جامعیت دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے، کوئی بڑے سے بڑا عاقل انسان بھی اس جامعیت کا تصور تک نہیں کر سکتا، جس سے ان کا الہامی ہونا ظاہر ہے اور نبوت کے اعجاز کی مستقل دلیل ہے، یہ سب کچھ عربی زبان میں ہے، بزرگان دین صحابہ کرام وتابعین عظام سے لے کر جنید و شبلی تک پھر شیخ عبدالقادر جیلانی اور صاحب

حزب البحر و صاحب دلائل الخیرات وغیرہ بقیہ بزرگان دین کی دعائیں اذکار اور درود شریف سب عربی زبان میں ہیں ، اللہ تعالی کے پیارے ننانوے مبارک نام بھی عربی زبان میں ہیں ، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک نام بھی عربی میں ہیں ، غرض کیا کیا چیزیں گنوائی جائیں ، خلاصہ یہ کہ پورا دین اور دین کے ہر ایک جزء کا عربی زبان سے تعلق ہے''۔ (بصائر وعبر ج/۱، ص: ۲۹۱)۔

آج کل ہمارے یہاں یکساں نصابِ تعلیم کی باتیں بہت ہو رہی ہیں، قادری اور کپتان نے دھرنوں میں اس مسئلے کو اپنی تقریروں میں زیادہ اچھالا ہے،اس کی ضرورت بھی ہے، نصاب تعلیم ، نظام تدریس اور امتحانی طریقوں میں اصلاحات بڑا اہم معاملہ ہے، قومیں اچھی تعلیم سے بنتی ہیں،اور ناقص تعلیم سے بگڑتی بھی ہیں، ہمارے یہاں مرعوب ذہنیت کی وجہ سے دانشگاہوں میں عربی زبان وادب کو نظر انداز کیا گیا، جس کا خمیازہ پوری قوم ناقص اسلامی معلومات کی صورت میں بھگت رہی ہے،نام کے علمائے شلمائے تو بہت ہیں،جدید قد کاٹھ کے از خود خواندہ مجددین و مجتہدین بھی ٹی وی سکرینوں کی زینت بننے کے لئے بے شمار ہیں، لیکن عربیت میں کمزوری کی وجہ سے انہیں جا بجا اور وقتاً فوقتاً شرمندگی سے دو چار ہونا پڑتا ہے، یہاں تذکرہ کرنے سے حیا مانع ہے، ورنہ ایسے بہت سے دراز گوشوں کو جانتا ہوں جنہوں نے گھوڑوں کی کھالیں اوڑھ رکھی ہیں، مسجد کمیٹیاں بھی ایسے ارزاں ملاؤں کو تلاش کرتی ہیں، جو علم میں قابل رشک نہ

قرائت میں، پھر کہتے ہیں فرقہ واریت ہے،جب وہ قرآن وحدیث کے بحر میں غوطہ زن نہیں ہو سکیں گے اور اردوزبان میں کنارے پر کھڑے فرقوں ہی کی فکر و نظر سے استفادہ کرتے رہیں گے،توفرقہ واریت نہیں ہوگی اور کیا ہوگی؟

پاکستان میں متعدد حوالوں سے عربی زبان وادب پر کام کی ضرورت ہے،تُجار، حکمراں، صحافی برادری، سفراء، وزراء، ماہرینِ تعلیم واقتصاد، دانشوراور سب سے پہلے علمائے دین، یہ سب بساط بھر کوششیں کرکے اس قرآنی زبان کودینی وعصری اداروں میں بلکہ ہر فورم پراس کا جائز مقام ومرتبہ دلانے میں اپنا اپنا کردار ادا کریں، کہیں ایسا نہ ہو کہ حضرت شفیع الامم ﷺ کی شفاعت ہی سے روزِ محشر ہم محروم جائیں،جب وہ بارگاہِ ایزدی میں عرض کریں گے: (یا ربّ ،انَّ قَومِی اتَّخَذُوا هٰذا القُرآنَ مَهْجُوراً)یعنی اے میرے پروردگار، بے شک میری امت نے اس قرآن کو چھوڑ رکھا تھا۔(سورہ فرقان، آیت: 30)۔

’’اللّٰھم ھل بلَّغتُ،اللّٰھم فَاشھَد‘‘

جاہلیت بھی ایک سبق

جاہل عربی کا لفظ ہے، ان پڑھ کی معنی میں اس کا استعمال ہوتا ہے،اسی سے جاہلیت ایک مصدر ہے ، عام محاورے میں جہالت یا جہل کے معنی بے جا ضد یا آئین وسلامتی کے متضاد (مثلاً،ہٹ دھرمی اور دہشت گردی) مراد لیے جاتے ہیں، اسی لیے ان کے مقابلے میں آنے والے نئے مذہب کا نام اسلام اور اس کے عقیدے کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے ،اس سے مسلم اور مؤمن کا بھی پتہ چل گیا۔اصطلاح میں اس سے مراد زمانہ قبل اسلام کے عربوں کی حالت ، دعوت اسلام سے پہلے اور بالخصوص قبل از ہجرت نبوی ﷺ کا زمانہ مراد ہے، کیونکہ اس زمانے میں مشرکینِ عرب کا جہالت پر مبنی اجتماعی اور سیاسی قانون جاری و ساری تھا، جو کسی وحی الٰہی کے تابع نہ تھا۔ قرآن مجید میں یہ لفظ چار مختلف جگہوں پر استعمال ہوا ہے۔

(۱) ”اور ایک دوسرا گروہ جس کے لیے ساری اہمیت بس اپنے مفاد ہی کی تھی، اللہ کے متعلق طرح طرح کے جاہلانہ گمان کرنے لگا، جو سراسر خلاف حقیقت تھے۔“ ۔(سورہ آل عمران،آیت: 154)۔

(۲) ”تو کیا پھر یہ جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں ؟ حالانکہ جو لوگ اللہ پر یقین رکھتے ہیں ،ان کے نزدیک اللہ سے بہتر فیصلہ کرنے والا کوئی نہیں ہے۔“ (سورہ مائدہ آیت: 50)۔

اور (اے خواتینِ اسلام) اپنے گھروں میں ٹک کر رہو، اور سابق دور جاہلیت کی "(۳)
سی سج دھج نہ دکھاتی پھرو۔" (سورہ احزاب، آیت: 33)۔

جب ان کافروں نے اپنے دلوں میں جاہلانہ حمیت بٹھالی، تو اللہ تعالیٰ نے اپنے "(۴)
رسول ﷺ اور مومنوں پر سکینت نازل فرمائی۔" (سورہ فتح، آیت: 26)۔

مفسرین، مؤرخین اور محققین میں سے بعض کے نزدیک دور جاہلیت اس زمانے کا نام ہے، جو آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے تھا، بعض کے نزدیک ہجرت نبوی ﷺ تک کا زمانہ ہے، بعض نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ڈیڑھ سو سال پہلے تک کے زمانے کو عہد جاہلیت قرار دیا ہے۔

بہرحال جاہلیت کا لفظ اسلام کے مقابلے میں استعمال کیا جاتا ہے، معلوم ہوا کہ اسلام کی بنیاد سراسر علم وآگہی پر ہے، اسی لئے اس کا پہلا الہامی کلام "اقرا" اور "علم بالقلم" سے شروع ہوا، اور اسی لئے اسلام نے اپنی ایک ایسی العلیلی اور عجوبہ ئے روزگار کتاب القرآن) انسانیت کے سامنے پیش کی، کہ تا قیامت اس کی نظیر لانا محال ہے، تمام)
انسانوں کو چیلنج بھی اسی لئے دیا، کہ وہ علمی، ادبی اور معرفت کے میدانوں میں مسابقے ومقابلے میں لگے رہیں، گویا اسلام میں تعلیم اور پڑھت لکھت کی طرف خدا نے خود رہنمائی کی ہے، جو تمام حقائق کا علم رکھتا ہے، لہٰذا اسلامی تعلیمات کو اپنانا صحیح طور پر تعلیم

یافتہ اور مہذب ومشقف ہونے کی علامت ہے، اس کے برعکس ہر وہ طریقہ جو اسلام سے مختلف ہے، وہ ہٹ دھرمی، غیر مستند ہونے اور جاہلیت کا طریقہ ہے۔ نیز ''الاشیاء تُعرف باضدادہا'' یعنی چیزیں اپنی ضد سے پہچانی جاتی ہیں، جیسے دن رات، مشرق مغرب، ظلم ترحم، روشنی تاریکی، سے یہ بھی مستنبط ہوا کہ جب جاہل کا مطلب بے علم ہے، تو اس کی ضد ''مسلم'' کا مطلب ہے علم والا، بایں وجہ مسلمانوں کے لئے حصولِ تعلیم کو فرض قرار دیا گیا ہے، مولانا فضل الرحمٰن، بے نظیر بھٹو شہید اور عمران خان میں قدرے مشترک اعلیٰ علمی قابلیت ہے، تو ان کے اپنے اپنے لوگ ان پر فریفتہ اور ان کے دیوانے اور جیالے ہیں، زرداری نواز شریف اور شیخ رشید جیسوں میں یہی تو کمی ہے، چنانچہ جاہل رہنے اور جاہلیت کی گویا اسلام میں کتنی گنجائش ہے؟ اس کا اندازہ اس سے آپ خود ہی لگائیں۔

جاہلیت کو ایک سبق سمجھ کر یاد رکھا جائے، تو اسلام خود بخود سمجھ میں آجائے گا، آج امہ جو مار کھا رہی ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ مسلمانوں میں جاہلیت کا فروغ اور علم ناپید ہے، اغیار جو ہم سے آگے ہیں انہوں نے اسلامی تعلیمات اور اخلاقیات کو اپنایا، ان کا باطن مسلمان ہے، ہمارا ظاہر مسلمان، باطن بغاوت و نفاق پر اتر آیا ہے، اللہ معاف کرے، بعض تو ہر دو طرح الحاد وزندقہ کے شکنجے میں ہیں، تو ہم اپنے دوغلا پن کی وجہ سے دنیا بھر میں ذلیل وخوار ہو رہے

ہیں۔

وہ معزز تھے زمانے میں مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر
باپ کا علم نہ بیٹے کو اگر ازبر ہو
پھر پسر قابلِ میراثِ پدر کیونکر ہو

عالم اسلام کا محاصرہ ..... فراست ایمانی کی ضرورت

لاتعداد مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑ رہے ہیں، حوادث کا ایک بحر بیکراں ہے، ہر طرف غم واندوہ کے جھکڑ چل رہے ہیں، واقعات و کیفیات انتہائی خوفناک ، بھیانک اور لرزہ خیز صورت حال اختیار کرچکے ہیں۔ حالات ایک اندوہناک، تکلیف دہ اور دل سوز دھارے پہ جا نکلے ہیں، آنکھیں خون افشاں اور قلوب شدتِ غم سے نرخروں کو پہنچ چکے ہیں، سینوں میں عجیب وغریب حالات ووساوس ایک طوفانِ بے اماں کی شکل اختیار کرچکے ہیں، جہاں نظر دوڑاؤ، مصیبتیں ہی مصیبتیں ہیں، آلام ہی آلام ہیں، ہر کوئی حیران و پریشان ہے، سب کے حواس واعصاب ایک آفاتِ بلاخیز سے نبرد آزما ہیں، ہر طرف مسلمان تکلیف دہ اور دردناک مرحلے سے گزر رہے ہیں، دنیا کے تغیرات وحادثات نے ان کو شل کردیا ہے، عالم اسلام پر خطرناک حد تک سکوت و جمود طاری ہے، امت مسلمہ انتہائی کڑے امتحان، کٹھن مراحل اور پرآشوب دور سے گزر رہی ہے، اور گردشِ ایام کے بھنور میں بری طرح پھنسی ہوئی ہے۔ قریب ہے کہ مسلمانوں میں سے کچھ سطحی سوچ والے ضعیف الاعتقاد لوگ یہ کہنے لگیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق ہماری مدد ونصرت نہیں کی، ہمیں ترقی وکامرانی سے نہیں نوازا، کیا محض ہمیں رام کرنے کی خاطر وعدے کئے ..... اناللہ واناالیہ راجعون۔

امت مسلمہ کو آگے، پیچھے، دائیں، بائیں..... غرض تمام اطراف سے اغیار و اعداء نے گھیرا ہوا ہے۔ یہ جنگ کے سرد و گرم پاٹوں کے درمیان پس رہی ہے۔ اس کے افراد، مقدس مقامات اور دینی شعائر ہر جگہ ظلم و ستم، استہزاء اور بے حرمتی کے شکار ہیں، مسلم قوم کا کھلے بندوں قتل عام ہو رہا ہے، اور اسے سیاسی دھوکوں اور مکروفریب کا سامنا ہے، وہ چاہے اکثریت میں ہو یا اقلیت میں، ستم کا نشانہ بنی ہوئی ہے، عرب و عجم مادی و اقتصادی، فکری اور عسکری پستی و انحطاط کا شکار ہیں اور اس کے اہل علم، مذہبی طبقہ اور عوام، بلا تفریق پٹ رہے ہیں، قریب ہے کہ یہ گناہگار امت زندہ درگور کردی جائے اور اس کی تہذیب و تمدن کے نشان تک کو مٹا دیا جائے۔

اس وقت کرۂ ارض پر عالمِ اسلام کی مثال اس قریب المرگ مرد بیمار کی سی ہے، جو اپنی زندگی کی آخری سانسیں گن رہا ہو یا پھر اس کی مثال ایسی زبوں حال عمارت سے دی جاسکتی ہے، جو مسلسل روبہ زوال ہو اور اغیار اس پر اس طرح ٹوٹ پڑے ہوں جیسے بھوکے شیر بھیڑ بکریوں پر...... پہلے پہل انھوں نے اس کو معاشرتی، اقتصادی، تعلیمی، فکری، عسکری اور روحانی تمام اطراف سے گھیرا، پھر اس پر خونخوار بھیڑیوں کی طرح پل پڑے اور اس کو روندتے، کچلتے، چیرتے پھاڑتے ہوئے اس کے حصے بخرے کرنے میں لگ گئے۔

عالم اسلام کا پچھڑا ہوا جسم میری آنکھوں کے سامنے ہے، اور میں جب اس کی طرف نظر اٹھاکے دیکھتا ہوں اور غور کرتا ہوں تو خدا کی قسم ! اس کا کوئی عضو بھی صحیح سالم نہیں پاتا، وہ زخموں سے چور چور ہے اور سر سے لے کر پاؤں تک خون میں لت پت ہے، ہر طرف خون ہی خون ہے، آنسو ہی آنسو ہیں، اور گوشت کے لوتھڑے بکھرے ہوئے ہیں، جب میں یہ منظر دیکھتا ہوں تو وحشت سے آنکھیں بہنے اور دل بیٹھنے لگتا ہے۔

اس پچھاڑے ہوئے جسم کو گولیاں چھلنی کر رہی ہیں، خنجر کاٹ رہے ہیں، چھریاں ذبح کر رہی ہیں، ڈنڈے برستے برستے ٹوٹ رہے ہیں، اس پر آگ برسائی جارہی ہے، گولہ باری ہو رہی ہے، طیارے بمباری میں مصروف ہیں، میزائیل داغے جارہے ہیں، ٹینک آگ اگل رہے ہیں، توپوں کے گولے داغے جارہے ہیں، ٹارگیٹ صرف اور صرف عالم اسلام کا مجروح جسم ہے۔

ہم زیادہ دور نہیں جاتے کہ آپ کو ان حکومتوں اور ممالک کے بارے میں بتائیں جو روسی استعمار کے غاصب پنجے میں تھے ، کہ وہاں امت مسلمہ کے بے گناہوں پر کیا گزری ہے، یا بوسنیا کے مظلوم و مقہور مسلمانوں کی حرماں نصیبی کا تذکرہ کریں ،اور وہاں بہیمانہ طریقے سے حق زندگی سے محروم کئے جانے والوں کی اجتماعی قبروں کی لرزہ خیز داستان بیان کریں، یا افغانستان کے اندر جو کچھ

مسلمان قوم پر گزر رہی ہے، اس کی تپش سے جھلسے ہوئے دلوں سے اٹھنے والا دھواں آپ کو دکھائیں ،یا فلسطین میں مسلمانوں کے لہو سے کھینچی گئی لکیر دکھائیں یا دنیا کے دوسرے علاقوں میں مسلمانوں پر ہونے والے ظلم وستم کی کہانی چھیڑیں ...... بلکہ آیئے ! ہم آپ کو اپنے پڑوسی ملک ہندوستان میں لیئے چلتے ہیں کہ وہاں مسلمانوں پر کیا بیتی ہے...... اس سے ہماری مراد کشمیر بھی نہیں ہے، بلکہ ہم ہندوستان کے اندر کے وہ حالات آپ کو دکھانا چاہتے ہیں، جن سے دنیا کی سب سے بڑی جمہوری حکومت کے دعوائے جمہوریت کی قلعی پوری طرح کھل جاتی ہے اور اس مودی جی کی مسلم دشمنی اظہر من الشمس ہوتی ہے جس نے آج کل پاکستان کی سرحدات پر یلغار کی ہوئی ہے۔

آیئے ! ہم ایک ہندو صحافی سے مسلمانوں کی ان قتل گاہوں اور ذبح خانوں کے بارے میں پوچھتے ہیں، جہاں گجرات کے اندر خون کی ندیاں بہائی گئیں۔ ہندو صحافی ''ہرش مندر جی'' جس نے اس وقت متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا، اور انٹرنیٹ پر اپنی رپورٹ جاری کی، لکھتا ہے:

میں نے ایک کیمپ کا معائنہ کیا، جس کے اندر ۵۳ ہزار پناہ گزین انتہائی بری حالت میں تھے۔

میں نے ایک کیمپ میں ایک عورت دیکھی جس کے پیٹ میں آٹھ ماہ کا بچہ تھا، وہ انتہا پسند ہندو دہشت گردوں سے رحم کی اپیل کر رہی تھی، جس کے جواب میں ان ہندوؤں نے اس عورت کے پیٹ کو چاک کرکے بچے کو نکال کر ان کے سامنے اس کے ٹکڑے کردیئے ...... یہ واقعہ سن کر بے اختیار میری زبان پر یہ شعر جاری ہوگیا۔

الا موتٌ یُباع فاشتریہ

فھذا عیش مالا خیر فیہ

اے کاش! موت قیمتاً فروخت کی جاتی تو میں اس کا خریدار بنتا، کیونکہ یہ بھی کوئی جینا'' ہے، جس میں کوئی خیر نہیں''۔

حملہ آور ہندو ہر قسم کے سازوسامان سے مسلح تھے، مثلاً: گاڑیاں، موبائل فون، مہلک ہتھیار، آتشیں بم اور گیس کے سلنڈر وغیرہ اور ان کے ہاتھوں میں احمد آباد کے مسلمانوں کے گھروں کی فہرستیں تھیں، وہ ان گھروں میں داخل ہو کر اہل خانہ کا قتل عام کرتے، پھر لوٹ کھسوٹ کرتے، بعد میں اس گھر کو آگ لگا دیتے۔

میں نے جب ان مصیبت زدہ لوگوں سے بات کی تو ایسا محسوس ہوتا تھا کہ ان کے منہ سے الفاظ نہیں گویا خون اور پیپ کے لوتھڑے نکل رہے ہوں۔

میں نے ایک گھر کا معائنہ کیا، جس میں انیس مسلمانوں کو جمع کرکے ان پر

اوپر سے پانی ڈالا گیا اور اس میں برقی رو چھوڑ دی گئی، نتیجہ یہ نکلا کہ وہ وہیں جل کر شہید ہوگئے ..... آہ ! موت تجھے موت ہی آئی ہوتی !

میں نے ''جو ہو پارہ'' میں ایک چھ سالہ بچے کو دیکھا جس کے بہن بھائی اور ماں باپ ہندوؤں کے ہاتھوں قتل ہو چکے تھے۔ اس بچے کو مار مار کر وہ مردہ سمجھ کر چلے گئے، حالانکہ وہ بے ہوش تھا..... آپ کا کیا خیال ہے ..... ایسے معصوم بچے کے بارے میں جس پر اس عمر میں اتنی بڑی قیامت ٹوٹ پڑی ہو.....؟؟؟

کہتا ہے: ''میں نے سنا کہ ''نرورا بھاٹیا'' میں ایک پولیس اہلکار ایک مسلمان عورت کو اس کے تین سالہ معصوم بچے کے ساتھ بہلا پھسلا کر ایسی جگہ لے گیا جہاں انتہا پسند ہندو موجود تھے، اور انہوں نے ان دونوں کو انتہائی بے دردی سے قتل کر دیا.....۔

امان چوک کیمپ میں مسلمان دوشیزاؤں کی اس طرح آبروریزی اور بے حرمتی کی گئی کہ جسے آج تک نہ کسی کان نے سنا، نہ ہی کسی آنکھ نے دیکھا اور نہ ہی کسی کے دل میں اس کا خیال آیا ہوگا۔

اور اگر کوئی شخص ان تمام فسادات میں این جی اوز کی خدمات کے بارے میں سوچے

تو اسے یوں لگے گا کہ گویا اس حوالے سے ہندوؤں کی کوئی تنظیم ہے ہی نہیں۔
قرآن مجید کے نسخوں کو جلایا گیا، اسلامی کتب کو ضائع کیا گیا اور مساجد و مدارس کو منہدم کیا گیا، جیسا کہ ہم آئے دن ٹیلی ویژن کی اسکرین پر دیکھتے اور رسائل و جرائد میں پڑھتے رہتے ہیں۔
مذکورہ بالا تمام واقعات تو گجرات کے فسادات کی چند جھلکیاں ہیں، جو کہ ایک ہندو صحافی نے لکھی ہیں، ورنہ مصائب وآلام اور حرماں نصیبی کی داستان بہت طویل ہے۔
یہ بات روز روشن کی طرح واضح ہے کہ جو کچھ ہندوستان کے اندر ہوا یا فلسطین وافغانستان میں ہو رہا ہے، یہ سب اچانک یا یکبارگی نہیں ہوا، بلکہ یہ اسلام دشمن حکومتوں، تنظیموں اور تحریکوں کو پڑھایا ہوا سبق ہے، اور سوچے سمجھے منصوبوں کے تحت کارروائی عمل میں لائی جارہی ہے۔ بتوں کی پوجا کرنے والے ہندو اکھنڈ بھارت کا پرچار کر رہے ہیں اور وہ بیت اللہ پر بھی قبضے کا دعویٰ کرتے ہیں، بیت اللہ کو صنم کدہ بنانا اپنا مذہبی حق سمجھتے ہیں، ابو جہل کو بت پرستی کی وجہ سے اپنا مذہبی پیشوا بتاتے ہیں، انہوں نے اس سلسلے میں متعدد وفود اسپین بھیجے تاکہ ان کے نقش قدم پر چلتے ہوئے ہندوستان سے

مسلمانوں کا صفایا کر سکیں جیسے انہوں نے اسپین میں مسلمانوں کی نسل کشی کی تھی۔
یہود عظیم تر اسرائیل کے لئے منصوبہ بندیوں میں مصروف ہیں اور مسجد اقصیٰ پر قبضہ کر کے ''ہیکل سلیمانی'' بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں، اس کے لئے جو کچھ وہ فلسطین میں کر رہے ہیں، اس کے دہرانے کی یہاں حاجت نہیں۔ قرآن مجید نے ان کی اسلام اور مسلمان دشمنی کو انتہائی مختصر جملے میں واضح کر دیا ہے:
(ولتجدن اشد الناس عداوۃ للذین آمنوا الیھود والذین اشرکوا) (المائدہ: ۸۲(
بے شک آپ یہودیوں اور مشرکین (ہندوؤں) کو ایمان والوں کے سب سے زیادہ) دشمن پائیں گے، لوگوں میں سے)۔
کیا آپ نہیں دیکھتے کہ ابتدائے اسلام سے یہودی اسلام دشمنوں کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہے ہیں، جیسا کہ تمام غزوات وسرایا بالخصوص غزوہ خندق میں یہود ومشرکین ہنود) کا گٹھ جوڑ عیاں ہوا،ایک مرتبہ پھر یہود وہنود اسلام اور مسلمانوں کے خلاف) اکھٹے ہوئے ہیں اور تمام دنیا میں عیسائیوں کو بہلا پھسلا کر مسلمانوں کے خلاف لا کھڑا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، اور مسلسل مسلمانوں کے خلاف سازشوں میں مصروف ہیں، مختلف مذاہب اور قوموں کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا رہے ہیں، مودی کا واشنگٹن یاترا میں چھل پہل کچھ ان باتوں کی

غماز ہے، حتی کہ ان کی مکاریوں میں دجل وفریب سے بعض مسلمانوں تک کے پاؤں اکھڑ گئے اور بہت سے مسلمان کہنے لگے:

(متیٰ نصر اللہ) (البقرۃ: ۲۱۴(

اللہ کی مدد کب آئے گی) ؟)

اس تمام تر ناگفتہ بہ صورتحال کے ساتھ ساتھ مغرب یافتہ اور مہذب میڈیا بھی چیخ چیخ کر مسلمانوں اور عالم اسلام ہی کے خلاف ہرزہ سرائی کر رہا ہے۔ اسلام دشمنوں کو اکسار ہا ہے، اور اسلام ومسلمانوں پر گھناؤنی طعن و تشنیع کر رہا ہے..... بلکہ کچھ عرصہ قبل بعض بدباطن مغربی صحافیوں نے تو یہاں تک کہا کہ مسلمانوں کے قبلہ کعبۃ اللہ پر ایٹمی حملہ کردیا جائے ..... جی ہاں! یہ لوگ صرف مسلمانوں کو ہی ختم نہیں کرنا چاہتے، بلکہ ان کے مقدس مقامات بالخصوص کعبۃ اللہ کو بھی اس کرۂ ارض سے مٹانا چاہتے ہیں، تاکہ نہ کعبۃ اللہ رہے اور نہ ہی اس نقطۂ اتحاد کی بنیاد پر ایک ہونے والے دنیا بھر کے مسلمان......

عالم اسلام اس وقت علاقائی، ملکی اور عالمی سطح پر فکری، اقتصادی، جنگی اور سازشی ہر قسم کے جال میں گھرا ہوا ہے، اور دشمن اس پر کتوں کی طرح ٹوٹ پڑے ہیں، جو اسلام اور مسلمانوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے کے لئے انہیں نوچ رہے ہیں، اس کے برعکس مسلمان چھوٹا ہو یا بڑا، تحریک ہو یا حکومت، سب حیران

وپریشان اور مبہوت ہیں، ان کے اندر اتنی طاقت وجرات نہیں رہی کہ وہ آگے بڑھ کر کوئی کارنامہ سرانجام دیں، اس لئے کہ جہاد کا عمل انتہائی صبر آزما، پرمشقت اور اعصاب شکن تو ہے ہی، مگر اس کی تمام ممکنہ اور معروف راہیں جو مسدود کردی گئی ہیں، وہ اس سے بڑھ کر ہیں، خاص طور پر اس وقت جب کہ دشمن ہر طرح کے مہلک ہتھیاروں سے مسلح ہے، ضرورت کے تمام اسباب ووسائل سے مالا مال ہے اور ساتھ ساتھ عالمی سطح پر مسلمانوں کے خلاف گٹھ جوڑ بھی ہوچکا ہے، جب کہ مسلمان منتشر اور ٹکڑیوں میں بٹے ہوئے ہیں اور وسائل واسباب کا بھی فقدان ہے، جس سے وہ کفار ومشرکین کا مقابلہ کرسکیں، مگر ان تمام امور کے باوجود مٹھی بھر اصحاب عزیمت مسلمان اپنے ان وسائل ومعاملات سے دستبردار ہونے کے لئے تیار نہیں ہیں، جن کے لئے وہ ہر قسم کی قربانی دے چکے ہیں اور دے رہے ہیں..... فلسطین، کشمیر وافغانستان کے مسائل پر تمام تر سرد مہری کے باوجود آج بھی مسلم امہ کے ایک گروہ میں ایک جذبہ اور ولولہ پایا جاتا ہے اور عملی جدوجہد بھی۔

بہرحال مسلمانوں کے لئے یہ ایک ایسا نازک ترین مقام ہے، ایک ایسا خطرناک موڑ ہے جس میں عبقری ہستیوں اور نابغۂ روزگار شخصیات کا امتحان لیا جارہا ہے اور کھرے کھوٹے کا فرق معلوم ہونے کو ہے، عبقری وہ کہلاتا ہے جو ایسے پہاڑوں، جنگلوں، صحراؤں اور بیابانوں اور وادیوں میں قوم کے لئے راستہ

نکالے جس کے بارے میں ایک عام اور سطحی ذہن کا مالک سوچ بھی نہیں سکتا، چہ جائیکہ وہ اس پر عمل کرے۔ اس وقت مسلم امہ اپنی تاریخ کے ایک ایسے خطرناک ترین موڑ سے گزر رہی ہے، کہ اس وقت اس کی تھوڑی سی جنبش بھی اس کو تباہی کے گڑھے یا بام عروج تک پہنچا سکتی ہے، یعنی اِدھر یا اُدھر۔

آج امت مسلمہ کو ایک نابغۂ روزگار شخصیت اور صاحب فراست قیادت کی اشد ضرورت ہے۔ چاہے وہ کوئی بادشاہ ہو، صدر ہو، وزیر ہو، صحافی ہو، داعی اور مجاہد ہو یا مفکر..... جو امت مسلمہ کو اس خونیں حصار سے نکالے، جو کہ قریب ہے کہ امت کو تباہی کے کسی گہرے گڑھے میں پہنچا دے، بلکہ صرف ایک شخصیت کی نہیں شخصیات کی ضرورت ہے جن میں سے ہر ایک اپنے اپنے میدان میں امت مسلمہ کی رہنمائی کرسکے، وہ میدان سیاسی ہو یا معاشی، مادی ہو یا روحانی، دعوت و تبلیغ کا ہو یا جہاد کا، فکری ہو یا صحافت کا اور امت مسلمہ کو درپیش مسائل کا فی الفور کوئی حل نکالے اور ایسے دیرپا منصوبے تیار کیے جائیں جن سے اسلامی شخصیات اور باصلاحیت وطویل المیعاد ادارے اور تحریکیں معرض وجود میں آئیں اور ایسے پروگرام ترتیب دیئے جائیں کہ جن کے مقاصد اور اہداف زمانے کے بدلنے یا ان کے منتظمین اور مؤسسین کے بدلنے سے متاثر نہ ہوں اور ان کی بنیاد ایسے اصولوں پر رکھی جائے جن پر عمل کرکے وقت کی دیگر عالمی طاقتیں، تحریکیں اور حکومتیں کامیاب ہوئیں، جیسے کہ عالم عرب کے مشہور

:اسلامی مفکر ’’فتحی یکن‘‘ لکھتے ہیں

ہمارے لئے اغیار کے ترقیاتی منصوبوں اور مختلف النوع انقلابی تجربات کا جاننا ضروری ہے اور ان کی ناکامی کے اسباب کو بھی، اگر کہیں وہ ناکام ہوئے ہیں‘‘۔ (المجتمع، شمارہ: ۱۴۹۳)۔

مسلمانوں کو چاہیے کہ وہ اقلیتی یا اکثریتی معاشرے میں رہتے ہوئے تمام علوم جدیدہ، ٹیکنالوجی، تجارت، معیشت، اقتصاد کے اسباب ووسائل سے مسلح ہو کر دعوت حق اور ہمہ جہت اصلاح وارشاد امت کے لئے سر دھڑ کی بازی لگادیں اور ان کا یہ عمل باقاعدہ اسٹریٹجک اور مکمل منصوبہ بند ہونا چاہیے، ایک صالح اور مخلص قیادت کے زیر اثر ہو، کیونکہ تجربات سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ باقاعدہ منصوبے اور مخلص راہنما کے بغیر ہونے والا عمل بسااوقات مسلمانوں کی نسلی اور علاقائی تقسیم کا سبب بنتا ہے، نیز مسلمانوں کے ذہن میں یہ سوچ اور نظریہ راسخ ہونا چاہیے کہ اسلام ایک عالمی اور آفاقی مذہب ہے اور بغیر کسی تردد کے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ یہ عالم مکمل طور پر اسلام اور مسلمانوں کا ہے۔ اس میں ’’عالم اسلامی‘‘ اور ’’عالم غیر اسلامی‘‘ کا کوئی تصور نہیں ہے کہ ...... ہر ملک ملکِ ما است کہ ملک خدائے ما است۔

بہرحال آخر میں ہم تمام مسلمان صحافیوں اور اہل قلم سے گزارش کریں گے کہ وہ

امت مسلمہ کو موجودہ محاصرے کے اسباب اور اس سے نجات کے طریقوں پر اپنا زور قلم صَرف فرمائیں، بلکہ مسلمان کہلانے والے تمام افراد اور طبقات ان نا قابل رشک حالات میں اپنی اپنی ذمہ داریوں کو بجالا کر عظیم مجرمانہ خاموشی سے نکل آئیں، جن کے متعلق شاعر کہتا ہے:

لمثل ھذا یذوب القلب من کمدٍ

إن کان فی القلب إسلام وإیمان

ان حالات میں دل شدت غم سے ڈوبنے لگتا ہے، اگر اس میں ذرہ برابر اسلام اور

ایمان ہو)

یہودیت آخر ہے کیا؟

.برطانیہ اور سویڈن نے فلسطین کو ایک آزاد وخود مختار ملک تسلیم کئے جانے کا اعلان کردیاہے،اُدہر اسرائیل نے مسجد اقصیٰ اورالخلیل میں مسجد ابراہیمی کو پچھلے کئی دنوں سے پامال کرنا شروع کردیاہے، ہم نے چاہاکہ ذرہ تفصیل سے یہودیت کی جہالت اور ہٹ دھرمی پر روشنی ڈالی جائے،تاکہ حقائق طشت ازبام ہوں:

یہ مذہب یہودابن یعقوب کی طرف منسوب ہے ، اس کے ماننے والے کو یہود، ہود، صہیونی، اسرائیلی اورآل عمران کہاجاتاہے، یہودا یعقوبؑ کا بڑاصاحبزادہ تھا، بنی اسرائیل میں تقسیم کاری کے طورپر نبوت ہمیشہ بنی لاوی میں اور سلطنت بنی یہودا میں رہی۔

ق م میں حضرت ابراہیمؑ عراق میں پیداہوئے اور عراق ہی میں توحید کی ۱۸۰۰ دعوت شروع کی، وہاں کے حکمراں نمرود نے آپ کی مخالفت کی، یہاں تک کہ آپؑ کوآگ میں ڈال دیا، آگ سے نکلنے کے بعد ابراہیمؑ نے مصرکارخ کیا، پھرشام تشریف لائے اورشام ہی میں رہے۔آپؑ نے دوشادیاں کیں، بی بی سارہ اوربی بی ہاجرہ۔ بی بی سارہ مع اپنی اولادکے شام میں رہی،بی بی ہاجرہ مع اپنی اولادکے حجاز میں رہی۔ شام میں جوحضرت ابراہیمؑ کی اولاد رہی وہ حضرت یعقوب (اسرائیل) کے آخری زمانے میں حضرت یوسف کے توسط سے مصرچلے گئے، یہ وہ زمانہ تھاکہ جس میں شام کے عرب قبائل جن کو عمالقہ کہا جاتا ہے اور

انگریز مؤرخین انہیں ''ہیکسوس'' سے یاد کرتے ہیں (فرعون کی بیگم حضرت آسیہ بھی اسی عربی قبیلے میں سے تھی)، وہاں کے قبطیوں کو مغلوب کرکے حکمرانی کررہے تھے، حضرت یوسف کو بتدریج صرف وزیر ہی نہیں بلکہ فرمانرواں بھی مقرر کیاگیا، یوسفؑ اپنی عمر کے ۳۰ سال سے ۸۰ سال تک حکمران رہے، ان کے وصال کے بعد قبطی نسل پرستوں نے مصر میں شورش برپاکی اور انقلاب لاکر حکومت پر قابض ہوگئے۔

انقلاب کے بعد عمالقہ کو انھوں نے ملک بدر کردیا اور عمالقہ کے حامیوں یعنی بنی اسرائیل کو از اوّل تا آخر غلام بنالیا، یہ سلسلہ چلتا رہا، فراعنہ حکمرانی کرتے رہے، یہاں تک کہ حضرت موسیٰ کا دور آیا، موسیٰؑ ان بنی اسرائیل غلاموں کے گھر میں پیدا ہوئے، لیکن بچوں کے قتل کے مشہور واقعہ کے سبب آپ نے فرعون ہی کے گھر میں تربیت پائی اور وہیں جوان ہوئے، جوانی میں ایک قبطی کو مارنے کی وجہ سے شام کے ایک علاقے مدین آنا پڑا، جہاں آپؑ ایک نیک سیرت اور مرد صالح شعیب نامی شخص کے پاس دس سال رہ کر واپس مصر چلے گئے۔

قصہ مختصر یہ کہ حضرت موسیٰ اور فرعون کے درمیان حق وباطل کی کشمکش رہی، اس کا نتیجہ بنی اسرائیل کے خروج مصر اور فرعون کے بحر احمر میں غرق ہونے

پر ختم ہوا، اس معجزہ کے لیے سر سید کی تفسیر نا قابلِ دید ہے۔

یہاں خروج کے بعد حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کے درمیان عجیب و غریب قسم کے واقعات ہوئے، مثلاً: بچھڑے کی عبادت، ''حطۃ'' کی جگہ ''حنطۃ'' کی تبدیلی، گائے پرستوں کو دیکھ کر اسی طرح کے خدا کے مطالبے، اور جہاد کا انکار وغیرہ ...... کچھ اس قسم کی مختلف نالائقیوں کی وجہ سے میدان'' تیہ'' میں ۴۰ سال تک سرگرداں رہے، اسی اثناء میں حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کا وصال ہوا، قیادت حضرت یوشع بن نون کے ہاتھ میں آئی، فلسطین فتح ہوا جو کہ عمالقہ کا علاقہ تھا، لیکن حضرت یوشع کے بعد عمالقہ پھر غالب آ گئے اور یہودیوں میں سے کچھ کو تہِ تیغ کیا اور بقیہ تمام کو غلام بنالیا، چنانچہ یہودی عمالقہ کے اس انقلاب کے بعد چار سو سال تک غلامی میں رہے۔

پھر حضرت سمویلؑ کی بعثت ہوئی، تو بنی اسرائیل نے ان سے مطالبہ کیا کہ ہمارے لیے سربراہ یعنی کسی شخص کو ہم میں سے بادشاہ مقرر کرے تاکہ ہم عمالقہ سے جنگ لڑ کر آزادی حاصل کریں، طالوت کو بادشاہ مقرر کیا گیا تو یہودی اپنی ازلی کم بختی و کم ظرفی کی وجہ سے کہنے لگے: ''طالوت تو بنی لاوی میں سے ہیں اور ہمیں سربراہ بنی یہودا میں سے چاہیے، نیز یہ طالوت فقیر قسم کا آدمی ہے، یہ ہمارے اوپر کیسے حکمرانی کر سکتا ہے۔''

پھر بھی طالوت نے جالوت کو للکارا، جنگ

چھڑ گئی، طالوت کی طرف سے ایک جوان داؤد نے تیر مار کر جالوت کو قتل کیا، طالوت نے اپنی ساری حکمرانی بمع اپنی صاحبزادی کے ان کے حوالے کی اور اللہ پاک نے خلعت نبوت سے بھی نوازا، داؤد نے اپنے عہد میں مسجد اقصیٰ کی تعمیر کی ابتدا کروائی اور ان کے بعد انہی کے صاحبزادے حضرت سلیمان کو مالک کائنات نے مشرف بنبوّت و مملکت فرمایا، جنھوں نے یہی تاریخی مسجد جنات کے ذریعے سے مکمل کروائی۔ ۹۷۵ ق م میں ان کا انتقال ہوگیا۔

حضرت سلیمان کے انتقال کے ساتھ ہی سلطنت دو حصوں میں بٹ گئی، ایک سلطنت کا دارالخلافہ سامرہ (نابلس) اور ایک کا دارالخلافہ بیت المقدس (یروشلم) مقرر کیا گیا، کئی سو سال اسی طرح رہنے کے بعد شمال کی طرف سے آشوریوں نے سامریوں میں سے ہزاروں کو قتل کرکے مغلوب کردیا اور وہاں پر قابض ہوگئے، ادھر سے کلدانیوں کے بادشاہ اور آشوریوں کے سابق گورنر بخت نصر نے دوسری مملکت کو تہس نہس کردیا، مسجد اقصیٰ کو جلا کر گرادیا، ہزاروں یہودیوں کو قتل کیا اور بقیہ کو ان کے بادشاہ صدقیہ سمیت قیدی بنا کر بابل (عراق) لایا، پھر خسرو (شاہِ ایران) نے بابل کو اس کے ستھر برس بعد فتح کیا اور سارے قیدیوں کو رہا کردیا، انہوں نے پھر فلسطین جا کر اپنی کٹھ پتلی سی حکومت قائم کردی، جس پر یونان نے پے درپے حملے جاری رکھے، یہاں تک کہ رومیوں نے آخری حملہ کرکے انہیں غلام بنایا، رومیوں نے یہاں کے ایک یہودی کو گورنر بنایا، اس کے مرنے کے

بعداس کے تین بیٹوں نے مقبوضہ علاقے کے تین صوبے بنائے، اس زمانے میں حضرت زکریااور حضرت یحییٰ کو قتل کیا گیا اور حضرت عیسیٰ تشریف لائے، رومیوں نے کچھ سالوں بعد پھر حملہ کیا، اس حملے میں رومیوں نے ڈیڑھ لاکھ یہودیوں کو قتل کیا، گویا ہٹلر نے ہی یہودیوں کا قتلِ عام نہیں کیا، بلکہ یہ ایک عذاب کی صورت میں ان کے ساتھ بار رہا ہوا۔اور ۷۰ ہزار کو قیدی بنایا، کچھ اِدھر اُدھر جا کر نکل گئے، انہیں بھگوڑوں میں حجاز، رملہ، تبوک، تیما، وادی القریٰ، مدینہ اور خیبر کے یہودی بھی تھے، جنہیں پھر مدینہ سے بھی نکالا گیا یعنی بنو نضیر، بھدل، قریظہ اور بنو قینقاع، جبکہ مدینہ کے اوس وخزرج یمن کے قبائل عرب میں سے ہیں۔

اس زمانے میں آپ ﷺ تشریف لائے ، یہودی آپ کا انتظار کرتے تھے، لیکن تعصب میں آکر بنواسماعیل میں سے نبی کے آنے کی وجہ سے انکار کیا،ادھر فلسطین پر رومی عیسائیوں کا قبضہ رہا(رومی بعد میں عیسائی ہوگئے تھے) یہاں تک کہ جناب نبی کریم ﷺ کی بعثت کے ابتدائی ایام میں ان منتشر بھگوڑے یہودیوں نے کسریٰ کو رومیوں کے خلاف اُکسا کر فلسطین پر حملہ کروایا، جس نے مسجد اقصیٰ کو تباہ وبرباد کیا اور صلیب کو اپنے ساتھ ایران لے گیا، چودہ سال بعد عیسائیوں کی اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے قیصر روم نے ایرانیوں پر حملہ کرکے بیت المقدس بھی آزاد کروایااور ایران تک اندر جا کر اپنی اصلی صلیب کو بھی واپس لے کر آئے۔

نبی کریم ﷺ نے بھی یہودیوں کو ان کی سازشوں کی وجہ سے کچھ کو قتل اور کچھ کو جلاوطن کردیا، جس کی داستان بڑی طویل ہے، یہاں ہم فلسطینی عربوں کی زمین پر موجودہ اسرائیل کے قیام کی کچھ تفصیل بیان کریں گے: " اس وقت سے لے کر جب بختِ نصر نے یہودیوں کو یروشلم سے نکالا، اب تک یہ لوگ مخصوص ذہنیت، متعصبانہ فطرت اور بزعم خویش من عنداللہ احساس برتری کی وجہ سے ہر دور میں معتوب رہے۔ یہ دنیا کے مختلف ملکوں اور خطوں میں بھٹکتے رہے، مگر الگ تھلگ رہنے کی خواہش کی وجہ سے کہیں بھی قومیت کے حقوق حاصل نہ کرسکے۔ علیحدگی کے اس احساس کے تحت خفیہ تحریکیں چلانا اور سازشیں کرنا ان کی فطرتِ ثانیہ بن گئی، چنانچہ صہیونیت بھی ان کی ایک خفیہ سازش اور تحریک ہے اور صہیونیوں سے مراد وہ یہودی ہیں جو صہیون یروشلم کا ایک پہاڑ) کی تقدیس کرتے ہیں اور فلسطین میں قومی حکومت کے خواہاں) اور اس مقصد کے لیے کوشاں رہے ہیں۔

صہیونیت کا منظم طور پر آغاز سترہویں صدی عیسوی میں ہوچکا تھا، اس کا پہلا ہیڈ کواٹر وِیانا) تھا۔ ۱۸۵۴ء میں لندن کے ایک یہودی نے اسی مقصد کے لیے ایک کمپنی قائم کی ((اور ۱۸۷۶ء میں جارج ایبٹ (ایبٹ آباد اسی نام سے منسوب ہے

نے ''چول سائن'' کے نام سے ایک سوسائٹی کی بنیاد رکھی جس کا مقصد فلسطین میں یہود کی نوآبادیاں قائم کرنا تھا۔ ۱۸۹۶ء میں ویانا کے ایک یہودی صحافی ڈاکٹر تھیوڈور ہرزل نے ''ریاست یہود'' کا ایک تصور پیش کیا۔ اس کی رہنمائی میں ۱۷ اگست ۱۸۹۷ء کو سوئٹزرلینڈ کے شہر ''بیسل'' میں صہیونیوں کی کانفرنس ہوئی، اس کے نتیجے میں یہودیوں میں ہجرت فلسطین کی تحریک باقاعدہ شروع ہو گئی، سب سے پہلے روس سے کچھ یہودی ارضِ مقدس پہنچے، برطانیہ نے ان لوگوں کی بڑی مدد کی، انگریزوں نے ترکی کے سلطان عبدالحمید کے ساتھ ڈاکٹر ہرزل کی گفت وشنید میں یہودیوں کی خود مختاری تسلیم کرانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر سلطان نے واضح الفاظ میں انکار کر دیا۔

۱۸۹۸ء میں یہودیوں نے سلطان پر پھر سے بیرونی طاقتوں کا دباؤ ڈلوایا اور دوسری طرف اس کا تختہ الٹنے کی سازشوں میں بھی مصروف ہو گئے۔ ۱۹۰۲ء میں ڈاکٹر ہرزل کی موت کے بعد یہودیوں نے ''دونمہ'' اور ''فری میسن'' کی تحریکوں کے ذریعے اپنی سازشیں تیز تر کر دیں اور بالآخر ۱۹۰۸ء میں سلطان عبدالحمید کا تختہ الٹ دیا گیا، اس تاریخی انقلاب کے بعد ترکی میں حکومت بنی، اس کے تین وزراء بصاریہ آفندی، نسیم مزلک اور جاوید بے یہودی تھے، انہوں نے اپنا اثر و رسوخ استعمال کرنا شروع کیا اور بالآخر ۱۹۱۴ء میں یہودیوں کو ملکیتِ زمین کا حق دلا دیا، برطانیہ نے بھی یہودیوں کا ساتھ دیا اور نومبر ۱۹۱۷ء کو یہودی وطن بنانے

پر رضامندی کا اظہار کر دیا، یہ اعلان یا وعدہ تاریخ میں ”اعلان بالفور“ کے نام سے مشہور ہے جو برطانوی وزیر خارجہ بالفور نے ان الفاظ میں کیا: ”ہمیں فلسطین کے متعلق کوئی فیصلہ کرتے ہوئے وہاں کے موجودہ باشندوں سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے، صہیونیت ہمارے لیے ان سات لاکھ عربوں کی خواہشات اور تعصبات سے بہت زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔“

اعلانِ بالفور کے ساتھ ہی دنیا کے تمام ممالک سے یہودیوں کا ایک سیلاب فلسطین کی طرف اُمڈ پڑا، دیکھتے ہی دیکھتے فلسطین کے ۲۶ سو یہودی ۸۳ ہزار کی ایک منظم اور خوشحال قوم میں تبدیل ہو گئے، عربوں کی زمینیں دھڑادھڑ ان کے نام منتقل ہونے لگیں، اس موقع پر صہیونی لیڈر ڈاکٹر ویزنے کہا: ”اگرچہ ہم فلسطین کو خالص یہودی ریاست بنانا چاہتے ہیں، اس کے باوجود جو عرب فلسطین میں رہنا چاہیں گے، انہیں اس کی اجازت دی جائے گی، لیکن جو نہ رہنا چاہیں گے ان کے لیے مصر ہے، شام ہے۔“

برطانیہ کے سایہ عاطفت میں فلسطین میں یہود کی مسلسل درآمد جاری رہی، حتیٰ کہ جب مجلس اقوام (اقوام متحدہ سے قبل لیگ آف نیشنز [رابطۃ الاقوام] ایک بین الاقوامی تنظیم تھی) نے فلسطین کو انگریزوں کی نگرانی (انتداب) میں دیا، تو تیس سالہ دورِ انتداب کے خاتمے پر یہود بمشکل ۶۷ء ۵ فیصد اراضی کے مالک بن

چکے تھے، اس کے باوجود یہودیوں کو حکومت کے نظم ونسق میں برابر کا شریک کر لیا گیا اوران کے سپرد تعلیم اور زراعت کے شعبے ہوئے ۔ یہودیوں کو زمینوں کی آبادکاری کے لیے قرضوں اور دوسری سہولتوں سے نوازا گیا۔ سرکاری اراضی یہودیوں کو مفت دی گئی، عربوں کے گاؤں کے گاؤں بے دخل کر کے وہاں یہودی بستیاں بسائی گئیں۔
۱۹۳۶ء میں برطانیہ نے فلسطین کو مجلس قانون ساز عطا کی، اس کے بائیس ارکان میں سے صرف گیارہ مسلمان تھے، عربوں نے اس ناانصافی پر۱۹ مارچ کو ہڑتال کردی جسے تشدد سے دبایا گیا۔ معاملات کو طے کرنے کے لیے لارڈ پیل کی قیادت میں ایک برطانوی شاہی کمیشن قائم ہوا جس کا عربوں نے بائیکاٹ کیا، مگراس کمیشن نے پہلے سے طے شدہ پروگرام کے تحت فلسطین کو (یہودی اور عرب) دو حصوں میں تقسیم کرنے اور بیت المقدس کے علاقے کو برطانیہ کے زیرانتداب رکھنے کی تجویز پیش کی۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ اگر عرب نہ مانیں تو مارشل لاء لگا دیا جائے گا اوران سے ہتھیار چھین لیے جائیں گے۔ اس کے ردّ عمل کے طور پر ۱۹۳۷ء میں شام کے ایک قصبہ ''ہوزان'' میں عرب قومی کانفرنس ہوئی جس میں اعلان بالفور، برٹش انتداب، درآمد یہود اور تقسیم فلسطین کی مخالفت اور استرداد استقلال کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں قومی تحریک شروع ہوئی جسے سختی سے دبانے کی کوشش کی گئی، عربوں نے تمام ظلم وستم مردانہ وار برداشت کیے، اس پر برطانیہ نے

عربوں سے وعدہ کیا کہ دس سال کے اندر اندر فلسطین میں ایک آزاد حکومت قائم کر دی جائے گی، مگر جونہی امریکا اتحادیوں کی صف میں شامل ہوا، یہودیوں کو ایک اور مؤثر طاقت کی امداد مل گئی اور انھوں نے امریکا کی شہ پر عربوں کے خلاف قتل و غارت گری کی مہم شروع کر دی، ان کا تشدد اور تخریبی کارروائیاں اتنی بڑھ چکی تھیں کہ ۱۰ اکتوبر ۱۹۴۴ء کو خود برطانوی حکومت نے اپنے ایک بیان میں صہیونیت کی مذمت کی۔

۲۹ مارچ ۱۹۴۶ء کو برطانیہ اور امریکا کی ایک مشترکہ کمیٹی "اینگلوامریکن" نے فوری طور پر ایک لاکھ یہودیوں کو فلسطین میں داخلے کی اجازت دے دی۔ نیز یہ بھی کہا گیا کہ فلسطین کو بین الاقوامی علاقہ قرار دیا جائے، اس موقع پر امریکا نے اپنی فوجی اور سیاسی خدمات پیش کرنے کا اعلان کیا، مسلمانوں خصوصاً ہندوستانی مسلمانوں کی مخالفت پر برطانیہ اس کی اجازت کو منسوخ کرنے پر مجبور ہو گیا، مگر یہودیوں کے زیر اثر وہ اس معاملے کو اقوام متحدہ میں لے گیا۔

۱۵ مئی ۱۹۴۷ء کو اقوام متحدہ نے ایک خصوصی کمیٹی برائے فلسطین قائم کی، اس گیارہ رکنی کمیٹی میں سے کینیڈا، چیکوسلواکیہ، گوئٹے مالا، نیدرلینڈ، پیرو، سویڈن، یوراگوئے وغیرہ نے تقسیم فلسطین کا حل پیش کیا اور ہندوستان، ایران

اور یوگوسلاویہ نے وفاقی حل تجویز کیا، جبکہ آسٹریا غیر جانبدار رہا۔ اس پر ۳۱ء اگست کو دو نئی کمیٹیاں تشکیل دی گئیں۔ کمیٹی نمبر ایک کو تقسیم کے منصوبے کی تفصیلات طے کرنے کے لیے کہا گیا، جبکہ کمیٹی نمبر دو جو پاکستان، سعودی عرب ،افغانستان، عراق، مصر، لبنان، شام اور یمن پر مشتمل تھی، تقسیم کا پابند نہ رہتے ہوئے اپنی سفارشات مرتب کرنے کے لیے کہا گیا، اس کمیٹی نے تقسیم کی تجویز کی سخت مخالفت کی، مگر انصاف وامن کی علمبردار اس انجمن نے ۲۹ء نومبر ۱۹۴۷ء کو ایک قرارداد کے ذریعے فلسطین کو عربوں اور یہودیوں کے درمیان تقسیم کرنے کا فیصلہ کر دیا، ۲۳ ملکوں نے اس کے حق میں ووٹ دیا، جبکہ ۱۳ مخالف اور ۱۰ غیر حاضر تھے، امریکا اور روس نے ۔الکفرملة واحدة۔ کا کردار ادا کرکے تقسیم کی زبردست حمایت کی۔ اقوام متحدہ کی قرارداد کے فوراً بعد یہودیوں نے دہشت گردی کا آغاز کر دیا اور بہت ہی تھوڑے عرصے میں سترہ ہزار عربوں کو شہید اور تقریباً تین لاکھ کو بے گھر کر دیا، ابھی جنرل اسمبلی کی بحث جاری تھی کہ ۱۴ء مئی ۱۹۴۸ء کو برطانیہ نے فلسطین سے دست کش ہو جانے کا اعلان کر دیا، اسی وقت تل ابیب میں یہودیوں نے حکومت اسرائیل کے قیام کا اعلان کر دیا، اگرچہ اقوام متحدہ نے ابھی اس کی اجازت نہیں دی تھی، مگر امریکا اور روس نے روایتی مسلم دشمنی کی وجہ سے فوراً ہی اس حکومت کو تسلیم بھی کر لیا۔

حکومت قائم کرتے ہی یہودیوں نے نصف بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور اس کے ساتھ

ہی عرب علاقوں پر بھی حملے کردیئے۔ گردوپیش کی عرب ریاستوں نے بے سہارا عرب آبادی کو یہودیوں کے اس ظلم وستم سے بچانے کے لیے اپنی فوجیں فلسطین میں داخل کردیں، وہ تل ابیب تک پہنچنے ہی والی تھیں کہ بڑی طاقتوں نے اقوام متحدہ کی مداخلت کے ذریعے جنگ بند کرادی، عرب لیگ نے ۱۱جون ۱۹۴۸ء کو عالمی رائے عامہ کا احترام کرتے ہوئے جنگ بند کردی۔ ۱۷ستمبر کو اسرائیلیوں نے پھر جنگ چھیڑ دی اور جب پھر انہیں شکست ہونے لگی تو اقوام متحدہ کے ذریعے مارچ ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی کرادی گئی، اُس وقت اسرائیل ۷۵ فیصد علاقے پر قبضہ کر چکا تھا۔

۱۳مارچ ۱۹۵۲ء کو یہودی ریاست کی حدود کا تعین کرتے ہوئے ڈاکٹر عاری الکمان نے کہا تھا: ''عظیم تر اسرائیل عراق سے سویز تک پھیلا ہوا ہے۔'' اسرائیل کے لیڈر بن گوریان نے بھی کچھ انہی الفاظ میں اسرائیلی سلطنت کی حدود کا تعین کیا تھا۔ چنانچہ ۱۹۵۶ء میں اسرائیل نے مصر پر حملہ کیا جس کے جواب میں مصر نے نہر سویز کو اسرائیلی جہازوں کے لیے بند کردیا۔ جون ۱۹۶۷ء میں ایک بار پھر عربوں اور اسرائیل کے مابین زبردست جنگ ہوئی، مصر نے خلیج عَقَبہ تک کے علاقے کی ناکہ بندی کردی، مگر اسرائیل کے لیے امریکی امداد کے پہنچ جانے پر اسرائیل نے نہ صرف نہر سویز تک کے علاقے کو بلکہ شام کی جولان نامی پہاڑیوں، اردن کے خاصے علاقے اور پورے شہر یروشلم (القدس) پر بھی قبضہ کرلیا۔

اگست ۱۹۶۹ء میں مسجد اقصیٰ کے نذرآتش کرنے کا واقعہ پیش آیا۔ ۱۹۷۲ء میں مقبوضہ عرب علاقوں میں سے (جن میں دریائے اردن کے مغربی کنارے کے علاقے، غزہ اور گولان کی پہاڑیاں شامل ہیں) پچاس ہزار مسلمان روزانہ ان علاقوں سے عرب ممالک میں دھکیل دیئے جاتے رہے، اس پر اردن کے شاہ حسین نے فلسطین اور اردن کے وفاق کی تجویز پیش کی، جسے اسرائیل نے مسترد کردیا۔ اس کے بعد سے جناب یاسر عرفات کی پرجوش قیادت میں آزادیٔ فلسطین کے مجاہدین سرگرم عمل ہوگئے، بلیک ستمبر جیسی تنظیموں نے اسرائیلیوں کو بطور یرغمال استعمال کرکے اپنے مطالبے منوانے کا آغاز کردیا، جبکہ دوسری طرف اسرائیلی حکومت کو امریکا سے دھڑا دھڑ فوجی اور سیاسی امداد مل رہی ہے اور دنیا بھر سے لاکھوں یہودی اسرائیل پہنچ رہے ہیں۔ ۱۹۷۰ء تک اسرائیل میں یہودیوں کی تعداد ۲۵ لاکھ کے قریب پہنچ چکی تھی جو ۱۹۷۵ء میں ۳۰ لاکھ سے بھی تجاوز کرچکی تھی، جبکہ ۱۹۴۸ء میں پورے فلسطین میں صرف ساڑھے چھ لاکھ یہودی تھے۔

۱۹۸۱ء میں اسرائیل نے اچانک عراق پر حملہ کرکے بغداد کا ایٹمی پلانٹ تباہ کردیا۔ ۱۹۸۲ء میں اسرائیل نے جنوبی لبنان اور بیروت پر بری، فضائی اور بحری حملے کرکے یاسر عرفات اور اُن کی "تنظیم آزادیٔ فلسطین" (الفتح) کو ہجرت کرا کے الجزائر رخصت ہونے پر مجبور کردیا اور پھر لبنان کے صابرہ وشاتیلا جیسے

مہاجر کیمپوں میں ہزاروں فلسطینیوں کا قتل عام کیا۔
بعد میں یاسر عرفات نے فلسطین میں اندرونی خود مختار ریاست (اتھارٹی) قائم کی تھی، جس کے صدر وہ خود رہے، ان کے بعد موجودہ صدر محمود عباس ہیں، عرفات کی تنظیم آزادی فلسطین (الفتح) کی طرح حرکۃ المقاومۃ الاسلامیۃ (حماس) کو بھی یہاں بڑی شہرت ملی ہے، جس کے بانی وسرپرست شیخ احمد یاسین اور ان کے نائب ڈاکٹر عبدالعزیز رنتیسی کو ٹارگٹ بنا کر اسرائیلی میزائل حملوں میں شہید کیا گیا، لیکن ۲۰۰۶ء کو ان کی تنظیم فلسطینی انتخابات میں جیت کر اسماعیل ھنیہ کی سرکردگی میں برسر اقتدار بھی آئی۔

اسرائیل کے تجارتی تعلقات زیادہ تر امریکا، جرمنی، اٹلی، برطانیہ، فرانس، نیدرلینڈ، جاپان اور بلجیم کے ساتھ ہیں، درآمدات کی نسبت زیادہ ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسرائیل کو دنیا بھر کے یہودیوں کی مالی واقتصادی مدد پہنچتی رہتی ہے، معیشت کا زیادہ تر دارومدار ماہی گیری، زراعت، معدنیات اور صنعت پر ہے، یہاں فی کس سالانہ آمدنی ۹۵۰ ڈالر ہے۔
اگرچہ اسرائیل اقوام متحدہ کا رکن ہے، تاہم چند ممالک کو چھوڑ کر اکثر اسلامی ممالک اوران کے حلیفوں نے اس کے ناجائز وجود کو تسلیم نہیں کیا، پاکستان بھی

ان مخالف ممالک میں شامل ہے اور عرب علاقوں پر اسرائیل کے غاصبانہ قبضے کے خاتمے
کے لیے شروع دن سے کوشاں ہے۔ گذشتہ سال جب اقوام متحدہ میں فلسطین بطور
ملک" ممبر بننے جارہا تھا، تو ہم نے پاکستان کے اقوام متحدہ میں مستقل نمائندے جناب"
عبد اللہ حسین ہارون سے ملاقات کرکے انہیں اپنے طور پر تفصیلی بریف کیا، خالد مشعل
کے ذریعے اپنا whatsapp کے نمائندے سے بات بھی کرائی۔ انہوں نے اسی وقت
میسج چلایا اور کہا، فلسطین کی ممبرشپ بحیثیت ملک یقینی ہے۔ اور ہو بھی گیا۔ اب سویڈن
اور برطانیہ نے بھی پچھلے دنوں منظوری دی ہے۔ امید ہے یہ سلسلہ آگے ہی کی طرف
بڑھے گا۔

عربی۔۔ایک گلوبل زبان

پچھلے دنوں روزنامہ ''جہان پاکستان''کے اسی ادارتی پیج پرایک فاضل کالم نگار نے اپنے تبصرے میں وزیر اعظم نواز شریف کی نئی تعلیمی پالیسی کے حوالے سے کمیٹی بنانے کا عمدہ تذکرہ کیا تھا،جہاں زبانوں کی فہرست میں صرف ایک انگلش ہی کی بات تھی، تسلیم ہے، کیونکہ انگریزی ایک استعماری، ٹیکنکل اور عالمی زبان ہے، لیکن اردو بطور قومی اور عربی بطور مذہبی،تاریخی، علمی،پڑوسی وعالمی زبان کب ہماری ترجیحات وتعلیمات کا حصہ بنیں گی؟کب طلبہ، عصری اداروں میں معلّمین وپروفیسرانِ عربی،ائمہ وخطباء اوروزارتِ خارجہ کے افسران وسُفراء کے لئے منعقدہ امتحانات میں لازمی واجباری ہوگی؟ حُجّاج ومعتمرین نیز عرب دنیا میں کام کرنے والے مسافر ومقیم اوربیرزپاکستانیوں کی بہتری کے لئے ہماری حکومتوں نے عربی شناسی کی کونسی خدمات متعارف کرائی ہیں؟عربی زبان وادب کے فروغ کے لئے 1973کے آئین کے مطابق ہم نے اب تک کیا اقدامات اٹھائے ہیں اور مستقبل میں کیا منصوبہ بندی ہے؟حفاظتِ دینی ورثہ کے علاوہ ہماری مذہبی جماعتوں اور دینی اداروں کے کیاکارہائے نمایاں ہیں؟ایک فلسطین کے سوا ہم نے عرب دنیا کا کب اور کونسا ساتھ دیاہے،یاتائید کی ہے؟ذوالفقار علی بھٹو مرحوم ہویا شریف ومشرف،ان کو تختۂ دار سے بچانے کے لئے بساط بھر عرب کاوشیں سب پر عیاں

ہیں، لیکن معاف کیجئے گا، عرب اقوام ورہنماؤں پر اگر کبھی مشکل وقت آیا توہمارا کیا کردار رہا؟ بانئ آل انڈیا مسلم لیگ سرآغاخان نے مملکتِ خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان کے لئے آخر عربی بطور قومی ودفتری زبان کی تجاویز کیوں دی تھیں؟ ذرہ سوچئے۔

ہر کوئی جانتا ہے کہ آج بین الاقوامیت، عالم گیریت اور گلوبلائزیشن کا دور ہے، پوری دنیا سمٹ کر ایک چھوٹے سے گاؤں کی طرح کیا بن چکی ہے 3gاور 4g موبائل ٹیکنالوجی کی بدولت ایک ہتھیلی پر آ گئی ہے، بین الاقوامی تیز تر ذرائع مواصلات واتصالات اور الیکٹرانک وسائلِ ابلاغ نے زبردست دھوم مچائی ہوئی ہے، تہذیبیں اور ثقافتیں اس لئے برسرپیکار ہیں کہ اختلاط وتلاطم کے اس محشر بپا طوفان میں ان کی زمانی ومکانی حدود وقیود ختم ہوگئیں ہیں، زبانیں بھی اس میدانِ کارزار میں باہمی دست وگریباں ہیں، کیونکہ تہذیب وتمدن کا ترجمان زبان ہوتی ہے، تعلیم انسانی معاشرے کی وہ اساس وبنیاد ہے، جس کے ذریعے بنی نوعِ بشری دیگر مخلوقات سے ممتاز وممیز ہوتا ہے

اور تعلیم میں بھی ریڑھ کی ہڈی زبان ہی ہے، چنانچہ تعلیمی تمدن وارتقا میں اصحاب، تعلیم کی زبانوں کا ارتقا مضمر ہوتا ہے، اسی لئے پڑھی لکھی اور مہذب وباشعور قومیں اپنی اولاد کیلئے ان زبانوں کو ترجیح دیتی ہیں، جو بقاو فنا کی اس جنگ میں فانی نہیں باقی رہ سکتی ہیں، انگریزی، عربی، چینی، فرانسیسی، پرتگیش اور

اسپینش وغیرہ عالمی سطح پر تہذیبوں کے تصادم والی اس نظریاتی جنگ میں مختلف اطراف میں بڑے زور و شور سے کمانڈ کررہی ہیں، اس وقت انگریزی 51، عربی 26 فرانسیسی 24، اسپینش 21، روسی 12، پرتگیش 11، چینی 4 ملکوں کو فتح کرچکے ہیں اور اگر اسلامی نقطۂ نگاہ سے دیکھا جائے تو پھر عربی کے اس وقت 58 ممالک ہیں، یہ تو جغرافیائی ممالک کی بات ہوئی، کچھ ''ممالک'' موجودہ دنیا کے عرفِ عام میں ریاستیں نہیں ہیں، لیکن وہ کسی بھی طرح بہت سے ملکوں سے زیادہ اثر و رسوخ رکھتے ہیں، ان میں سے بعض عالمی ادارے، ملٹی نیشنل کمپنیاں اور انٹرنیٹ کی دنیا کے عظیم ادارے مثلاً گوگل، فیس بک، ٹویٹر، یوٹیوب وغیرہ زیادہ قابلِ ذکر ہیں، فیس بک جیسے اداروں کو تو فرضی براعظم کا بھی درجہ دیا گیا ہے، لہٰذا مذکورہ جنگ یہاں بھی تھنک ٹینکز کی مدد سے پوری قوت و شدت کے ساتھ جاری و ساری ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے تو عالم اسلام تنزانیا سے قازاقستان اور مراکش سے انڈونیشیا تک دنیا کے سینے اور سینٹر میں متمرکز ہے تین اہم اور بڑے براعظموں، ایشیا، یورپ اور افریقہ کا ملتقیٰ و سنگم بھی ہے، بحر احمر، بحر عرب، بحر ابیض، بحر اسود، خلیج عرب اور صومالیہ کے پاس بحر ہند مرکزِ اسلام، عالمِ عربی) کی دامن میں ہیں، معدنی، زرعی اور آبی ذخائر سے بھی مالا مال ہے) اس کے ساتھ ساتھ اسلام جس کی مذہبی زبان عربی ہے، اپنے پیامِ انسانیت، وعالمینیت میں لچک کی وجہ سے چہار دانگِ عالم میں پھیل رہا ہے، لیکن فی الحال جدید دنیا کی ترقی میں دیگراں کے مقابلے میں مسلمان پیچھے

ہیں ، اس لئے ہم سمجھتے ہیں کہ اہلِ اسلام کو اگر دنیوی ترقی بھی کرنی ہے اور ترقی یافتہ اقوام کے شانہ بشانہ چلنا ہے ، تو انہیں اپنے دیرینہ زعم ''پدرم سلطان بود'' سے نکلنا ہوگا ، شدید محنت کرنی ہوگی ، بے تیغ لڑنے کی باتیں وہ مؤمن کیا کرتے تھے ، جو مضبوط ایمان رکھتے تھے ،اب لوگ کمزور ہو چکے ہیں ،زمینی حقائق سمجھنے ہوں گے خیالات وافکار کے افلاک سے اتر کر زمین پر چل کر دنیا کے سامنے اپنا تمدنی ، تہذیبی، تعلیمی اور ثقافتی مقام منوانا ہوگا، انسانیت کا عالم گیر پیغام لے کر آگے چلنا ہوگا، ہماری اس، حسین دنیا کو پر امن بقائے باہمی کی سخت ضرورت ہے ،اس میں امن وآشتی کا اپنا کردار ادا کرنا ہوگا، اور یہ سب چیزیں صراحت اور وضاحت کے ساتھ قرآن وحدیث کی فصیح و بلیغ عربی تعلیمات میں جتنی زیادہ اور مؤثر انداز میں ہیں اتنی اور کہیں نہیں ، ہم دنیا کے مشرق ومغرب اور شمال وجنوب میں گھوم چکے ہیں ،مڈل ایسٹ کے ممالک ہم دیکھ چکے ہیں ، تقریباً30 سال میڈیا سے وابستہ رہ چکے ہیں، پچھلے تین چار عشروں سے ہم اس نکتے پر غور کر رہے ہیں کہ پہلے ہم مسلمان اپنے آپ کو صحیح معنوں میں '' انسان دلبَر تو ثابت کریں ، بعد میں اسلام کی بات بھی ہو جائیگی ،بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ'' ہمارے علماء تک اسلام کے آفاقی پیغام سے نابلد ہیں کیونکہ وہ عربی زبان وادب نہیں جانتے ، کسی نے کیا خوب کہا ہے: عام مسلماں ہو یا عالم دین بغیر عربی زبان کے اس گاڑی کی طرح ہیں، جس کا دیگر ڈھانچہ تو مکمل موجود ہے، لیکن انجن اور گیئر بکس غائب ہیں ، تو

بھلا بتایئے گا، اب یہ گاڑی کیسے چلے گی ؟

نماز بُرائی سے روکتی ہے، لیکن نماز میں قرآن پڑھا جاتا ہے، عربوں کا لب و لہجہ تو درکنار اس کی عام عربی زبان تو 99 فیصد قراء، 95 فیصد علماء اور مفتی تقی عثمانی وغیرہ کے علاوہ کسی مفتی کو نہیں آتی، مفتی جمیل خان شہید ویسے کہنے کو تھے تو پٹھان، مگر پشتو ندارد، جب خان کے لاحقے کی وجہ سے ان سے کوئی پوچھتا، حضرت آپ کو پشتو آتی ہے، تو وہ مزاحیہ انداز میں کہا کرتے، مولویوں کو جتنی عربی آتی ہے بس اُتنی ہی مجھے پشتو آتی ہے۔ المیہ تو یہ ہے کہ یہ حضرات اپنے بچوں اور شاگردوں کو بھی عربی زبان نہیں سکھاتے، بلکہ کھاتے پیتے مولوی تو اپنی اولاد کو انگلش میڈیم سکولوں میں ایڈمیٹ کرتے ہیں، ایسے ہی ایک علامہ کی ہمارے سامنے ایک عرب وزیر سے ملاقات تھی، شیخ القرآن، شیخ الحدیث اور علامہ جیسے القاب رکھنے والے مولانا "فرعون شاہ" صاحب گونگے بہروں کی طرح اشارات کی زبان استعمال کرنے لگے، ہم نے ان سے پوچھا حضرت جی کو عربی نہیں آتی ؟ اپنے خاص مشیخانہ لہجے میں چبا چبا کر قلقلے کے ساتھ کہنے لگے، ارے مفتی صاحب عربی ہماری مادری زبان تھوڑی ہے۔ تو ہم نے کہا، اردو آپ کی کون سی مادری زبان ہے، وہ آپ کو کیوں آتی ہے، ان کے بیٹے نے جواباً آدھی اردو اور آدھی انگلش میں کچھ بولنا چاہا، تو ہم نے کہا، بیٹا جی عربی تو تمہاری مادری زبان نہیں ہے، کیا انگریزی تمہاری فادری زبان ہے ؟ آگے سے چپ

حالانکہ ہم خود اپنے بچوں کو حفظ اور اربک کے ساتھ ساتھ بہت اعلی قسم کی انگریزی بھی سکھارہے ہیں ، عالمی زبانیں سیکھنے کی پُرزور تأیید کرتے ہیں، اپنے متعدد تلامذہ اور متعلقین کو مختلف عالمی زبانوں میں ماہر بننے کے اہداف بھی دے رکھے ہیں ، ہم تو اکثر وہ لطیفہ سناتے ہیں کہ پٹھان نے کسی ہندو سے کہا کلمہ پڑھ ،اس نے کہا پڑھادو، پٹھان نے کہا ارے ہمیں تو خود نہیں آتا، اور اس کا انطباق ہم یوں کرتے ہیں کہ اہل اسلام ہندوستاں پر سینکڑوں برس حکمرانی بھی کرچکے ، اس کے بعد ان سے جنگیں بھی لڑ چکے ہیں ، متحدہ ہندوستان سے کنارہ کشی کرتے ہوئے دو قومی نظریہ بھی اپنالیاہے کہ مسلمان وہندو الگ الگ قومیں ہیں ، لیکن اب عالمگیریت سے کدھر بھاگیں گے ؟ارے ہم نے کبھی قرآن وحدیث کے تراجم وتشریحات اور تعلیمات ان کی زبان میں لکھ کردی ہیں انگریزوں نے مختصر سی مدت میں انہیں انگلش سکھادی ہے، تاج محل جیسی فضولیات پر، بے تحاشا قومی اموال خرچ کرنے والے نام کے عالمگیر وجہانگیر مسلم شہنشاہوں نے یہاں فارسی،ترکی ،اردو کے بجائے صحیح عربی اسلام کے لئے کچھ کیا ہے ؟ارے یہ تو چھوڑیئے،کیا ہند کے علماء میں ہندی زبان وادب کا کوئی مسلمان نامور عالم، سکالر یا دانش ور ہے ؟اگر ہے تو ان کے اس زبان میں کارنامے کیا اور کہاں ہے ، جو کہ مذہبی دعوت و تبلیغ اور قومی ڈائیلاگ میں ان کی گفتگو

از دل خیزد بر دل ریزد''کی طرح ہو،اور دلوں پر اثرانداز ہوکر'' پر نہیں طاقتِ پرواز مگر رکھتی ہو''؟

بے معجزہ دنیا میں ابھرتی نہیں قومیں
جو ضربِ کلیمی نہیں رکھتا وہ ہنر کیا؟

روس، چین اور ہندوستان میں کروڑوں مسلمانوں کے باوجود ان کی زبانوں میں اسلامی ورثہ اور لیٹریچر ناپید ہیں ،وہی ہوئی نابات ،وہ کہتے ہیں چلیں آپ ہمیں کلمہ پڑھاہی دیں اور زبان نہ جان کر گویا انہیں ہم یہ کہہ رہے ہیں ،ارے ہم کو خود نہیں آتا۔یہی معاملہ ہمارے پڑوسی دوستوں اہلِ چین کے ساتھ ہمارا ہے،یارِ من چینی و من چینی نمی دانم۔
بہرحال قرآن وحدیث کے نصوص کے علاوہ امام شافعی ،ابن تیمیہ شاہ ولی اللہ دھلوی اور علامہ بنوری جیسے بڑے علمائے دین اہلِ اسلام کیلئے عربی کو ضروری اور علماء اور مسلم اہلِ دانش کیلئے فرض قرار دیتے ہیں ، جبکہ ادھر حقیقت یہ ہے کہ عربی کی ترویج واشاعت میں سب سے بڑی رکاوٹ عصر حاضر کے ان پڑھ علامے شہلامے ہیں ، پچھلے دنوں میرٹ ہوٹل اسلام آباد میں ایک بین الاقوامی کانفرنس تھی، عربی اور انگریزی میں مقالے پیش کرنے تھے ،سب نے کانفرنس کی انتظامیہ کا یہ حکم بجالایا، مگر بڑا دکھ ہوتا،جب کوئی مولوی آتا اور غلط سلط عربی

بولتا،اور ان ہی میں کے ایک بہت بڑے مدارس نیٹ ورک کے منتظم تو شرماتے شرماتے اردو ہی میں شروع ہوگئے ، گویا خود بھی نہیں سیکھتے اور مدارس میں موجود لاکھوں طلبہ وطالبات کو بھی محروم رکھا ہوا ہے،، معلوم ہوتاہے،یہ لوگ "کھیلیں گے نہ کھیلنے دینگے "پر عمل پیرا ہیں ،الا ماشاء اللہ۔علامہ اقبال مرحوم نے ایسے ہی حضرات کے متعلق کیا خوب فرمایا تھا:

خدا تجھے کسی طوفاں سے آشنا کردے = کہ تیرے بحر کے موجوں میں اضطراب نہیں

ترقی کے اس دور میں پوری دنیا تیزی سے عالمی زبانوں کی طرف آ رہی ہے،اتفاق سے ان عالمی لیول کی بولیوں میں عربی وہ واحد زبان ہے جو مادیات کے علاوہ روحانیات کا بہت بڑا اصلی اور خالص مواد لئے ایک سربفلک مینارۂ نور کی مانند اپنے آب وتاب کے ساتھ قائم ودائم ہے، العربیہ نٹ کی 25 مئی 2012 کی ایک مفصل رپورٹ کے مطابق امریکی سکولوں میں عربی وچینی زبانیں پڑھائی جانی لگی ہیں ،العربیہ کے مطابق عربی کی طرف رجحان چینی سے بہت زیادہ ہے ، ہیملٹن ہائٹس سکول نیویارک نے اس حوالے سے خاصی شہرت بھی حاصل کرلی ہے۔روس ،چین ،امریکا،برطانیہ اور فرانس جیسے بڑے ممالک نے عربی کے ٹی وی چینل کھول دیئے ہیں،اس وقت عربی کے چینلوں کی تعداد سینکڑوں سے متجاوز ہو کر ہزاریوں میں محوِ سفر ہے،کیا اچھا ہوتا ہماری حکومت یامیڈیانیٹ ورک کے مالکان ایک ایک اخبار اورچینل عربی کا بھی چلاتے،کیااس کے لئے بھی محترم ملک ریاض صاحب ہی

کو آنا ہوگا۔اس وقت ''الماجد'' بچوں کا میگزین ،اربک کارٹون چینلز ''البراعم'' اور ج'' بچوں کے پسندیدہ چینل بن چکے ہیں، کچھ لوگ اسی کے ذریعے خود اور اپنے'' بچوں کو عربی زبان سے بڑی آسانی کے ساتھ روشناس کرا رہے ہیں۔

ہم تو دلیل اور منطق کی بات کرتے ہیں ،زمینی حقائق کی بات کرتے ہیں ، کرامات و معجزات کے منکر نہیں، لیکن انبیاؑ کے بعد سوائے قرآن کے کون ہے جو اس زمانے میں معجزے دکھا سکیں،اصحاب کرامات بھی کہاں ؟اس لئے عالمی حالات اور زمانے کی برق رفتاری کو محسوس کرتے ہوئے ہمیں یہ حقیقت تسلیم کرنا ہوگی کہ پاکستان میں سکول کالج کے تھکے ہوئے بے مایہ عربی معلّمین کو مستثنیٰ کرکے عربی زبان دنیا کے ہر ملک ، ہر یونیورسٹی اور ناظرۂ قرآن ، نماز، ذکر واذکار کی صورت میں ہر مسلمان کے دل ودماغ میں ہے ، اسی کو بنیاد بنا کر اقوام متحدہ نے ''18 دسمبر انٹرنیشنل اربک ڈے'' کی قرار داد پاس کی ۔ وی کی پیڈیا کے مطابق عربی کم از کم پونے دو ارب انسانیت کی زبان ہے ۔اور یہ قرآن کریم ہی کا تو معجزہ ہے ، کہ مشرق ومغرب میں پڑھے لکھے باشعور لوگ اس کے معانی ومطالب اور فصاحت وبلاغت سے متاثر ہو کر جوق درجوق حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے ہیں، قاری عبد الباسط مرحوم ومغفور اور امامِ حرم شیخ عبدالرحمٰن السدیس جیسے دیگر باصلاحیت وباکمال قراء وشیوخ کی نہایت شیریں و مترنم قراء توں وتلاوتوں سے

مسلمان ہونے والوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہورہا ہے، اور ہمارے یہاں لوگ صرف نام کے مسلمان رہ گئے ہیں، بے دینی اور بے راہ روی کا دور و دورہ ہے، پاکستانی بڑی ذہین قوم ہے ، یہ ارتقائی دوڑ کے مقابلوں میں دوڑ سکتی ہے ،اگر اس قوم کی نئی نسل عربی داں بن گئی ،تو دیگر اقتصادی مفادات کے علاوہ اللہ ورسول ﷺ کی مبارک تعلیمات سے بخوبی استفادہ کرکے وہ الحاد، زندقہ ، لسانیت اور فرقہ واریت جیسے ناسوروں سے از خود چھٹکارا پا سکتی ہے ، اضطراب وبے چینی کے اس عالم میں روحانیت کے اعلیٰ وارفع مقامات تک پہنچ سکتی ہے ، قرآنی دعاؤں، وظائف اور اذکار سے بذاتِ خود بھی مستفید ہو سکتی ہے، قرآن کریم کی عربی لے کی چاشنیوں سے ان کے دل ودماغ محظوظ ومعمور ہو سکتے ہیں، بے بسی، یا فراغت اور بڑھاپے میں وہ اپنے رب سے بعینہٖ اسی کے کلام یا اس کے اور ہم سب کے حبیب ﷺ کے پیارے پیارے ارشادات کے ذریعے بڑی آسانی سے ہمکلام اور اپنے پیارے پیغمبر ﷺ سے ہمدم اور ہم قدم ہو سکتی ہے، اندازہ لگایئے عربی سے بے بہرہ ہو کر ہم بحیثیت قوم کتنے بڑے بیش بہا خزائن سے محروم ہیں، کاش ہمارے یہاں عصری اداروں میں انگریزی کے ساتھ ساتھ عربی اور مدارس میں عربی کے ساتھ ساتھ انگریزی کی تعلیم لازمی قرار پاتی ۔

بتوں سے تجھ کو امیدیں، خدا سے نومیدی
مجھے بتا تو سہی، اور کافری کیا ہے؟

کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑادو

اسلامی دنیا میں جہاں مشنری اسکولوں اور رفاہی اداروں (NGOs) نے تباہی مچائی ہے، وہاں ان بے دین اداروں کی پروردہ خواتین نے مسلمان بچوں کی ذہنی تخریب اور نظریاتی پسماندگی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔ خلیج کے ممالک میں خاص کر کرسچن خادماؤں نے جو گل کھلائے ہیں، یا پھر افغانستان میں امدادی اداروں بالخصوص شیلٹر ناؤ سے وابستہ سسٹرز نے جو سیہ کاری کی ہے وہ واقفان حال خوب جانتے ہیں۔ بناء بریں بنین کے مدارس کے ہم رشتہ بنات کے باقاعدہ مدارس وجامعات کی ضرورت واہمیت سے کسی طور پر بھی انکار نہیں کیا جاسکتا۔ بنات کی تعلیم وتربیت کے متعلق مولانا محمد تقی عثمانی فرماتے ہیں:

''کسی بھی قوم کی خواتین کا اس قوم کی تعلیم وتربیت میں جو حصہ ہوتا ہے، وہ کسی تشریح و بیان کا محتاج نہیں، ماں کی گود بچے کی سب سے پہلی درسگاہ بھی ہے اور تربیت گاہ بھی، اور یہ ایسی مؤثر درسگاہ ہے کہ یہاں کا سیکھا ہوا سبق ذہن و قلب پر پتھر کے نقش سے بھی زیادہ دیرپا ہوتا ہے اور ساری عمر نہیں بھولتا۔ چنانچہ ملت مسلمہ کے لیے جتنی اہمیت مردوں کی دینی اصلاح کو حاصل ہے، خواتین کی دینی تعلیم وتربیت اس سے کسی طرح کم اہمیت نہیں رکھتی۔ ایک تو اس لیے کہ اسلامی احکام کا خطاب جس طرح مردوں کو ہے، اسی طرح عورتوں

کو بھی ہے بلکہ بعض احکام ایسے ہیں جو خواتین ہی سے تعلق رکھتے ہیں اور دوسرے اس لیے کہ ''خواتین کی تربیت باالآخر پوری قوم کی تربیت کا ذریعہ ثابت ہوتی ہے۔

سرکار دور عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا معمول بھی یہ تھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے عمومی خطابات میں تو مرد اور عورتیں دونوں ہی مخاطب ہوتی تھیں۔ لیکن کبھی کبھی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خاص طور سے خواتین کو خطاب کرنے کے لیے'' الگ مجلسیں''منعقد فرماتے تھے، تاکہ ان کے ذریعہ خواتین کی تربیت خصوصی اہمیت کے ساتھ ہوسکے، آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی اس سنت کی پیروی میں ہر دور کے علماء اور بزرگان دین نے بھی اپنے وعظ وخطاب اور تصنیف وتالیف میں خواتین کی اس خصوصی اہمیت کو ملحوظ رکھا......''

(تحفہ خواتین ص۱۹)

عثمانی صاحب کے ایک ایک لفظ پر آپ پھر سے نگاہ ڈالیے، اندازہ ہوگا کہ اسلام میں خواتین کی تعلیم جو باالآخر ''پوری قوم کی تعلیم وتربیت'' کا ذریعہ ہے کی کتنی بڑی اہمیت ہے اور حضرت معلم انسانیت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی اس اہمیت کو کس قدر ملحوظ رکھا! اس کے لیے ملاحظہ ہو صحیح بخاری، کتاب

العلم، باب عظة الامام النساء و تعلیمہن۔اور صحیح مسلم ،کتاب صلاۃ العیدین ،وکتاب البر والصلۃ۔

: نیز مولانا محمد عاشق الٰہی بلندی شہریؒ اس سلسلے میں یوں رقم طراز ہیں

دین کا علم و عمل جب مردوں اور عورتوں دونوں ہی فریق کے لیے ہے اور دین کا سیکھنا'' اور سکھانا سب کی ذمہ داری ہے، تو اپنے اس فریضے کو ادا کرنے کے لیے ہر مرد و عورت کو کوشاں رہنا از حد ضروری ہے۔ قرن اول کی عورتوں نے دین کو پھیلانے اور دین کا چرچہ کرنے میں بڑی بڑی قربانیاں دی ہیں، تاریخ کی گواہی ہے کہ سب سے پہلے دین اسلام قبول کرنے والی شخصیت عورت ہی کی تھی (حضرت خدیجہؓ)۔اور سب سے پہلے جس نے اسلام کے قبول کرنے کی سزا میں جام شہادت نوش کیا وہ بھی عورت ہی تھی حضرت سمیہؓ ام عمارؓ) یہ بھی مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر کے اسلام قبول کرنے کا) باعث ان کی بہن حضرت فاطمہؓ تھیں اور یہ بھی سیرت وتاریخ کی کتابوں میں موجود ہے کہ جب ہجرت کا سلسلہ شروع ہوا تو جہاں اپنے دین وایمان کی حفاظت کے لیے مردوں نے ہجرت کی تو عورتیں بھی ساتھ تھیں، پھر ان پاکیزہ خواتین نے جہادوں میں بھی حصے لیے اور دین کو سربلند دیکھنے کے لیے اپنے شوہروں اور بچوں کو جنگ کے میدانوں میں خوشی خوشی بھیجا کرتی تھیں، بلکہ تاریخ شاہد ہے کہ بعض عورتوں نے اپنے شوہر کو جہاد کے لیے اکسا کر اور طعنے دے کر میدان کارزار کے لیے روانہ کیا۔

کیا آج کل کی عورتیں اسلام کا دم نہیں بھرتی ہیں؟ کیا ان کو اسلام سے نسبت اور تعلق نہیں ہے؟ کیا ان کو حضور سرورکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی امت ہونے کا دعوی نہیں ہے؟ اگر دعویٰ ہے اور ضرور ہے، تو پھر اسلام کے سیکھنے سکھانے اور اپنے فرائض کو پہچان کر عمل پیرا ہونے کے لیے کیوں حرکت نہیں کرتی ہیں؟؟؟

مسلمان عورتوں کی گود میں سالانہ ہزاروں بچے پرورش پاتے ہیں، مگر (افسوس)...... ان بچوں کو نہ دین سکھایا جاتا ہے، نہ دین کے لیے بہادری پر ان کو اُبھارا جاتا ہے (جس کا نتیجہ ظاہر ہے کیا ہوگا؟)......یوں تو پورے ہی معاشرے کی اصلاح کی ضرورت ہے، لیکن خصوصیت کے ساتھ اصلاح نسواں پر زیادہ توجہ دینا ضروری ہے، کیونکہ ہر بچے کا سب سے پہلا مدرسہ ماں کی گود ہے، ماں صحیح مسلمان ہوگی تو بچے کو بھی اسلام سکھائے گی اور اسلام کے احکام وآداب کی تعلیم دے گی۔'' (از: ''تحفۂ خواتین باختصار''، ص ۲۵۔۲۶۔۲۷)

مذکورہ بالا اقتباس کی روشنی میں اسلامی تعلیمات کی ترویج واشاعت اور دینی مزاج و مذاق اپنانے میں خواتین کے کردار کی اہمیت روز روشن کی طرح واضح نظر آرہی ہے۔ دیکھیے مولانا تھانویؒ نے تو بچیوں کی تعلیم وتربیت کو ''واجب'' قرار دیا ہے فرماتے ہیں:

تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ مردوں میں علماء کا پایا جانا مستورات کی ضروریات...... ''
دینیہ کے لیے کافی وافی نہیں ہے، دووجہ سے : اولاً: پردے کے سبب، کہ وہ بھی اہم الوجبات ہے، توسب عورتوں کا علماء کے پاس جانا قریباً ناممکن ہے اور گھر کے مردوں کو اگر واسطہ بنایا جائے تو بعض مستورات کو تو گھر میں ایسے مرد بھی میسر نہیں ہوتے اور بعض جگہ خود مردوں ہی کو اپنے دین کا بھی اہتمام نہیں ہوتا، تو وہ دوسروں کے لیے سوال کرنے کا کیا اہتمام کریں گے۔ بس ایسی عورتوں کو دین کی تحقیق اربس دشوار ہے اور اگر اتفاق سے کسی کی رسائی بھی ہوگی، یا کسی کے گھر میں باپ، بھائی، بیٹا وغیرہ عالم ہیں تب بھی بعض مسائل عورتیں ان مردوں سے نہیں پوچھ سکتیں ، ایسی بے تکلفی شوہر سے ہوتی ہے، توسب کے شوہروں کا ایسا ہونا عادۃً ناممکن ہے، تو ان کی عام احتیاج رفع ہونے کی بجز اس کے کوئی صورت نہیں کہ کچھ عورتیں پڑھی ہوئی ہوں اور عام مستورات ان سے اپنے دین کی ہر قسم کی تحقیقات کیا کریں، پس کچھ عورتوں کو بطریق (متعارف تعلیم دینا ''واجب'' ہوا''۔ (''اصلاح انقلاب امت''۔ ص ۲۶۵

مدارس بنات کی اہمیت مذکورہ ارشادات کی روشنی میں کسی پر مخفی نہیں رہنی چاہیے، مگر پھر بھی کچھ حضرات مدارسِ بنات کے متعلق چہ میگوئیاں کرتے رہتے ہیں۔ ایسے حضرات کے لیے مندرجہ ذیل گذارشات پیش خدمت ہیں :

مدارس بنات پر آج کل ایک اعتراض زور وشور کے ساتھ تو یہ کیا جاتا ہے کہ امتحانات میں ان کی نگرانی کیسے کی جائے؟ کیونکہ موجودہ صورت حال میں تجربے سے ثابت ہے کہ انتہائی کوششوں کے باوجود بھی نقل کی شکایات مل جاتی ہیں۔

اس کے دو جواب ہیں۔ اولاً: نقل کی شکایات کا کسی نہ کسی طرح پایا جانا پریشان کن نہیں، اس لیے کہ اس کا بالکل خاتمہ ناممکن ہے، کم سے کم کاوشیں تو حصول نقل کی رہتی ہی ہیں اور پھر تجربے سے یہ بھی ثابت ہو رہا ہے کہ سال بہ سال تدریجاً بہتری آ رہی ہے۔ ثانیاً: یہ مشکل اس لیے ختم ہوتی نظر آ رہی ہے کہ ایک تو سند یافتہ خواتین بکثرت پائی جانی لگی ہیں اور پھر ملک کے طول و عرض میں قابل اعتماد دینی اداروں نے بنات کی کلاسیں شروع کرادی ہیں۔ جس سے معتمد عملے کا دستیاب ہونا قدرے آسان ہو گیا ہے اور آئندہ سالوں میں اس میں مزید بہتری کی امید ہے۔

عام طور پر یہ سننے میں آ رہا ہے کہ پڑھی ہوئی تو چار کلاسیں ہیں اور نام ہے عالمہ فاضلہ۔ رشتے کی بات ہو یا کہیں تعارف ہو رہا ہو تو فلانی عالمہ فاضلہ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔

یہ بات بھی اس لیے اہم نہیں ہے کہ عالمہ کا مقررہ کورس جب پڑھا جا چکا تو

انھیں عالمہ فاضلہ کا نام دینے میں کیا حرج ہے۔ رہی یہ بات کہ انہیں آتا جاتا بھی تو کچھ نہیں، تو یہ تو اہل علم خوب جانتے ہیں کہ یہ کورسز استعداد پیدا کرنے کے لیے ہوتے ہیں کہ ان کے پڑھ چکنے کے بعد اگر کوئی اپنے فن میں ماہر بننا چاہے تو ہو سکتا ہے۔ یہ مطلب ہر گز نہیں کہ اِدھر پڑھا اُدھر عالم حاذق، شیخ کامل یا ماہر فن بن گیا۔ بلکہ اس حوالے سے تو مشائخ فرماتے ہیں کہ عالم بننے کی ابتدا سند حاصل کرنے سے ہوتی ہے۔اور یہ بات بھی ہے کہ آگے چل کر اس میں عمدگی آہی جائے گی۔

اُدھر ایک نقص ہمارے معترضین میں بھی ہے کہ وہ عالمہ اور عالم کا تقابل کرا کے دونوں کو ایک مقام دینے کی کوشش کرتے ہیں، اور جب خواتین اس پر پوری نہیں اتر سکتیں تو اعتراضات کی بوچھاڑ...... حالانکہ یہ بات صریح البطلان اس واسطے ہے کہ خواتین مردوں کے برابر تو تب بھی نہیں ہو سکتیں جب وہ پورا نصاب پڑھ لیں، چہ جائیکہ مختصر نصاب پڑھ لینے سے وہ اس مقام پر آجائیں۔

مدارس بنات کے اندر خواتین کے انتظامی امور کے نقص کو اگر مورد اعتراض ٹھہرایا جائے تو یہ بھی خاص بات اس لیے نہیں کہ اچھے سے اچھے نظم و نسق اور بہتر سے بہتر کارکردگی کے لیے جدوجہد جاری رہنی چاہیے۔ اللہ جل شانہ کا وعدہ ہے کہ وہ کسی کی کوشش رائیگاں نہیں جانے دیں گے، تو اس میں بھی کامیابی

بشرطیکہ اخلاص وللہیت ہو، ہوہی جائیگی۔ ویسے ملک میں بنات کے بعض مدارس کا انتظام وانصرام اور بعض معلمات کا امتحانی نظم ونسق رفتہ رفتہ مثالی اور قابل تقلید بنتا جارہاہے اس لیے سب کو ایک ہی نگاہ سے دیکھنا صحیح نہیں ہوگا۔

مدارس بنات کے مدرسین کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اکثر وبیشتر اس مستوی ومعیار پر پورے نہیں اترتے جس پر انہیں ہونا چاہیے، بالخصوص ان میں وہ اساتذۂ کرام مورد الزام ٹھہرتے ہیں جن سے عالمیہ بنات کے اسباق منسوب ہوتے ہیں۔

اس بارے میں بھی حقیقت یہ ہے کہ کچھ تو غلو سے کام لیا جاتا ہے اور کچھ کے متعلق اس بات کو اگر صحیح بھی مان بھی لیا جائے تو اس میں بھی معترضین حضرات کو ایک مغالطہ ہوتا ہے اور وہ یہ کہ مدارس بنات (جن میں اب تک صحیح معنوں میں پختگی و بلوغ کا عنصر ناپید ہے) کے اساتذۂ عالمیہ کا مقابلہ و موازنہ مدارس عالمیہ بنین (جو برسہا برس سے میدان عمل میں ہیں) کے اساتذہ کرام سے کرایا جاتا ہے، جب کہ عالمیہ بنین میں مکمل صحاح ستہ کے علاوہ مؤطین وشرح معانی الآثار جیسی کتب پڑھائی جاتی ہیں، جس کے لیے اچھے خاصے مستعد مدرس کی ضرورت ہوتی ہے، جبکہ عالمیہ بنات کا نصاب اس سے بالکل مختلف

ہے۔ وہاں تو صرف برکت کے لیے بعض کتب کے منتخب ابواب پڑھائے جاتے ہیں اور اگر اسے بھی تسلیم کیا جائے کہ نہیں صاحب، دونوں میں یکساں استعداد کے مدرسین ہونے چاہییں تو پھر بھی یہ بات قابل غور ہے کہ ہر جگہ شیخ الحدیث "ابن حجر" تھوڑا ہی میسر ہیں؟

نیز اس قسم کے اعتراض کرنے والے لوگ مدرسین عالمیہ بنات کو مشائخ حدیث تصور کرکے اعتراض کرتے ہیں حالانکہ وہ شیخ الحدیث نہیں کہلاتے (اگرچہ وہ صحیح بخاری کا کچھ حصہ ہی کیوں نہ پڑھاتے ہوں) کیونکہ شیخ کے لیے ماہر فی الفن ہونا ضروری ہے جس کے لیے بڑے پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ لہٰذا ایسے حضراتِ اساتذہ کو زیادہ سے زیادہ استاذ حدیث کہا جاسکتا ہے۔ تو استاذ حدیث تو زادالطالبین اور ریاض الصالحین پڑھانے والا بھی کہلاسکتا ہے، جبکہ ہمارے یہاں ایسے اساتذہ قریباً اکثر ہی مبتدئین ہوا کرتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اُن اساتذہ حدیث کا موزانہ ان مبتدین سے کرایا جائے نہ کہ مشائخ حدیث سے، اس سے اس قسم کے اشکالات خود ہی رفع ہوجائیں گے۔ اس تفصیل کے ساتھ ساتھ یہ بھی ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ بعض حضرات ایسے اعتراض بعض مدارس کے متعلق ذاتی رنجشوں کی وجہ سے بھی کرتے ہیں، حقائق کی بنیاد پر نہیں جو نہایت نامناسب ہے۔

اخلاقی کمزوریوں کا تذکرہ ہوا کرتا ہے تو اگر ایسی کمزوریوں کو دیکھا جائے

اور تتبع کیا جائے تو اس سے تو مدارس بنین بھی خالی نہیں، یہ اور بات ہے کہ ہمارے مدارس بنین وبنات بالعموم عصری تعلیم گاہوں کے مقابلے میں عافیت گاہیں ہیں۔ لیکن کم سے کم بشری تقاضوں کے مطابق اگر ایسی کمزوریاں ہمارے مدارس میں ہیں، تو بنات وبنین کا کیا امتیاز ہے؟ لہٰذا پھر جو اعتراض بنات پر ہو سکتا ہے وہی بنین پر بھی۔ حالانکہ وہ ایسی کمزوریاں ہیں جنہیں ہمارے اکابر و مشائخ درگذر فرماتے رہتے ہیں اور ان پر چشم پوشی کرتے ہوئے ،ان کو اپنے رستے کا سنگ گراں نہیں گردانتے۔

وقرن فی بیوتکن، ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی) سے استدلال کرکے کچھ حضرات (قرار فی البیوت پر زور دیتے ہیں تو اس حوالے سے ایک بات یہ ہے کہ قرار فی البیوت واجب ہے اور تبرج جاہلیت اولی ممنوع ہے۔ یعنی شرعی لحاظ سے یہ قضیہ مانعۃ الخلو ہے۔ ا۔ دونوں کا جمع شریعت میں ممکن ہے: یعنی قرار ہو اور تبرج نہ ہو۔ ۲۔ دونوں کا انخلاء شریعت میں بالکل ناممکن (ناجائز) ہے: یعنی قرار فی البیوت نہ ہونے کے ساتھ تبرج جاہلیت اولی بھی ہو۔ ۳۔ قرار نہیں ہے لیکن تبرج بھی نہیں ہے۔ اس کا امکان شریعت میں ہے مثلاً حاجات ضروریہ کے لیے جانا۔ ۴۔ قرار ہے لیکن تبرج بھی ہے اس کا امکان بھی خاص صورتوں میں ممکن ہے، الہذا صرف قرار فی البیوت کو لے کر استدلال کرنا اس لیے صحیح نہیں کہ اس سے حرج عظیم لاحق ہونے کا خطرہ ہے، جبکہ دین میں اللہ جل شانہ نے

حرج کی گنجائش کو رد فرمایا ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ عصر حاضر کی نظریاتی جنگ ''الغزو الفکری'' میں عالمی سطح پر امت مسلمہ حالت اضطرار میں ہے۔ اس جنگ میں صرف مرد حصہ لے کر اسے جیت نہیں سکیں گے ۔ اس میں امہ کو اپنے جوان، بوڑھے، بچے، خواتین، دیسی، پردیسی غرض کل افراد کو اپنی اپنی استطاعت کے مطابق جھونکنا ہوگا، تو تب کہیں جاکر کامیابی کے امکانات ہو سکتے ہیں اور ملحوظ خاطر رہے کہ اس جنگ کا اسلحہ تعلیم ہے جو آگے جاکر میڈیا وار اور جدید ٹیکنالوجی پر منتج ہے جن میں سے ہر دو کا ہمارے پاس ذرہ برابر بھی توڑ نہیں۔ (وھو اظہر کالشمس فی نصف النہار)۔ حالانکہ حق سبحانہ و تقدس کا ارشاد واعدوالھم ...... '' اولاً حتی الوسع تیاری کے حوالے سے ظاہر باہر ہے، جو ثانیاً جاکر'' اِرھاب الاَعداء کا سبب ہو، تو کیا بد قسمتی سے امت آج کل کئی جگہ اس کے برعکس عمل پیرا نہیں؟؟؟ عرض کا منشا یہ تھا کہ بنات اور مدراس بنات کا تعلق تعلیم سے ہے اور تعلیم ہی اسلحہ ہے اور امہ حالت جنگ کی اضطراری کیفیت میں ہے۔ نتیجہ صاف ظاہر ہونا چاہیے۔ اور مدارس بنین پر تو یہود و ہنود و منافقین کی یلغار ہے ہی، تو کیا ہم بنات کے حوالے سے گومگو کا شکار ہوکر انھیں بھی محدود کریں؟؟؟

معترضین میں سے اہل علم کی خدمت میں گذارش ہے کہ وہ '' سورۃ عبس ''کے سبب

نزول پر بھی نگاہ فرمائیں کہ کہیں ایسا تو نہیں کہ ان کے وہ افراد (بنات) جو تزکی وتذکر کے خواہاں ہیں، انہیں ہم بظاہر ہی سہی نظر انداز کر رہے ہوں۔ جس پر تنبیہ کے بعد جناب سرور کائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، حضرت عبداللہ بن ام مکتومؓ کو یوں خوش آمدید فرماتے تھے: ''(مرحبًا بالذی عاتبنی فیہ ربی) اوکمال قال صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم''۔

اگست ۲۰۰۰ء کو ''دینی مدارس، درپیش چیلنجز'' کے عنوان سے انسٹی ٹیوٹ آف ۳/ پالیسی اسٹیڈیز کے تحت ایک مجلس مذاکرہ منعقد ہوا جس میں دیگر اہل علم و دانش کے علاوہ حضرت مولانا زاہد الراشدی صاحب بھی مدعو تھے، آخر میں اس مذاکرے کے حوالے سے مولانا کا مندرجہ ذیل اقتباس پیش خدمت ہے، جس سے عصر حاضر میں دینی مدارس بالعموم اور مدارس بنات بالخصوص کی طرف رجحان و میلان کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ فرماتے ہیں:

مجلس مذاکرہ میں دینی مدارس کے دائرہ میں وسعت اور پھیلاؤ کا بھی ذکر کیا گیا، کہ'' مختلف اطراف سے مخالفت کے باوجود دینی مدارس کی تعداد میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے اور طلبہ وطالبات کی تعداد بڑھ رہی ہے۔ ایک مقرر نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ ریاستی نظام تعلیم اپنے مقاصد کے حوالہ سے ناکام ہوچکا ہے، کیونکہ لاکھوں ڈگری یافتہ ادارے بے روزگاری کا شکار ہیں۔اس لیے اب نوجوان ادھر سے مایوس ہو کر دینی تعلیم کی طرف آرہے ہیں تاکہ اگر دنیا کا

فائدہ نہ ہو تو کم از کم دین تو ہاتھ میں رہے۔ انھوں نے کہا کہ خود ان کی زیر نگرانی ایک ہائی اسکول سے گذشتہ سال بیس طالبات نے میٹرک پاس کیا، جن میں سے پانچ طالبات کالج میں گئیں، جبکہ باقی پندرہ طالبات نے مزید تعلیم کے لیے دینی مدارس کو ''ترجیح دی۔

(دینی مدارس کی مثالی خدمات ''ص ۴۵'')

اس سے دینی مدارس خاص کر مدارس بنات کی طرف بھرپور رجوع کا اندازہ بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

چھوٹا منہ بڑی کی جسارت ہے لیکن میں بصد ادب وہزار احترامات عرض کروں گا کہ بنات کے لیے بنین ہی کا نصاب مقرر فرما کر ان کے معیار تعلیم کو خوب سے خوب تر بنایا جائے، نیز اس کام کے فریم ورک کو وسعت دیکر اسے مزید عمدہ بنایا جائے تو گھر گھر ایکٹروں، موسیقاروں، فلموں اور ڈائجسٹوں کے بجائے انبیاء کرام، بزرگان دین، مشائخ عظام اور علوم دینیہ، اصطلاحات عربیہ، تاریخ اسلامی، اسلامی کتب، رسائل و مجلات کا غلغلہ ہوگا، تاکہ درون خانہ اور ملکی سطح پر اس نظریاتی جنگ کے میدان کارزار میں بنات اور عالمی سطح پر اس میں بنین برسرپیکار رہیں، یوں اقبال کے آئندہ شعر میں اگر لفظ ''غریبوں'' کی جگہ ''عورتوں'' پڑھا جائے تو شاید بے جا نہ ہو:

گرماؤ غلاموں کا لہو سوزِ یقیں سے
کنجشکِ فرومایہ کو شاہیں سے لڑا دو

رائیونڈ کا اجتماع

گذشتہ ہفتے تبلیغی جماعت کا سالانہ اجتماع منعقد ہوا، کوئی اشتہار، نہ کوئی پوسٹر، حرمین شریفین کے بعد تبلیغی اجتماعات دنیا کے سب سے بڑے مجمعے ہوتے ہیں، غیر مسلموں میں دعوت و تبلیغ، مسلمانوں میں اصلاح اور تذکیر نیز عملی طور پر ضروریاتِ دین سیکھنے کے لئے چلّے، سات چلے، شبِ جمعات اور روزانہ کے گشت و تعلیم میں ان کے یہاں شریک ہونے والوں کی تعداد بھی کافی سے زیادہ ہوتی ہے، جن میں عام خواتین وحضرات سے لے کر طلبہ، مزدور، ملازمین، سیاسی لوگ غرض ہر طبقے کے افراد شریک ہوتے ہیں، "اللہ سے ہونے کا یقین، مخلوق سے نہ ہونے کا یقین" ان کی سب سے بڑی بات ہے، اپنی تعریفیں نہ غیروں پر تنقیدیں، حضرت مولانا الیاسؒ کی اس مجددانہ تحریک سے عالمی سطح پر کروڑوں انسان وابستہ وپیوستہ ہیں، فی زمانہ اطراف واکنافِ عالم میں تیزی سے اسلام کے پھیلنے میں دیگر عوامل کے ساتھ ساتھ ان لوگوں کا بہت بڑا حصہ اور اثر ہے، اتنی بڑی اور منظم جماعت ہونے کے باوجود کرسی، منصب، سیاست واقتدار اور فرقہ واریت ولسانیت کے تذکروں تک سے دور، ایمان وعمل کا حسین امتزاج، فضائل کا انتخاب اور رذائل سے اجتناب ان کا ماٹو ہے۔ میں ان دنوں اسلام آباد اور پختونخوا کے سفر پہ تھا، ہر شہر، علاقہ اور گاؤں گاؤں سے ٹولیاں نکل رہی تھیں، ایسے عام انداز سے کہ مارچ، جلوس اور

مظاہرے کی شکل اختیار کریں، نہ ہی کہیں ٹریفک کی روانی میں خلل اندازی ہو۔ یہ کون لوگ ہیں ؟ کیا چاہتے ہیں ؟ ان پر کیا اعتراضات ہیں ؟اور ان کے جوابات کیا ہیں ؟راقم نے بھی جماعت کے ساتھ وقت لگایا ہے اور اب بھی وقتاً فوقتاً جڑتا رہتا ہوں، لیکن ہمارے مشاہدات وتاثرات کے بجائے، آیئے ذرہ حضرت ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر کے ایک طویل مضمون کا اختصار وتسہیل کے ساتھ مطالعہ کرتے ہیں:

یہ بات سب کو معلوم ہے کہ تبلیغی جماعت میں عوام الناس کے ہر طبقہ کے لوگ شریک ہوتے ہیں ، علماء ، طلبہ ،تاجر ،ملازم ،کسان اور مزدور وغیرہ ،اب ان میں سے ہر ایک شخص تو ایسا نہیں ہوتا، جس کی کامل اصلاح اور تربیت ہو چکی ہو، اسی لئے بعض اوقات ان میں سے کسی سے جب کوئی نامناسب حرکت سرزد ہو جاتی ہے ،تو کچھ جذباتی حضرات فوراًاس فرد کی غلطی کو جماعت کی طرف منسوب کردیتے ہیں ، حالانکہ یہ انصاف کے خلاف ہے ،انصاف یہ ہے کہ غلطی اس فرد کی طرف منسوب کی جائے نہ جماعت کی طرف ، کیونکہ جماعت خود اسے غلط سمجھتی ہے۔

ایک صاحب کہنے لگے کہ یہ بات اس حدتک بالکل صحیح ہے، ہم نے بھی دیکھا ہے ، جو لوگ اس جماعت کے ساتھ جڑ جاتے ہیں ،ان پر صلاح و تقوی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں اور وہ منشیات یادیگر جرائم سے دور بھاگتے ہیں لیکن ہمیں جماعت سے دو شکوے ہیں

:

۱۔ یہ کہ جب کوئی ملازم پیشہ شخص ان سے متاثر ہو کر کچھ وقت ان کے ساتھ لگاتا ہے مثلاً ایک چلہ، تو بعض مرتبہ یہ دیکھنے میں آتا ہے کہ وہ شخص چلہ لگانے کے بعد اسی، جماعت کا ہو کر رہ جاتا ہے، اسے نوکری کی پرواہ ہوتی ہے اور نہ بیوی بچوں کی فکر، اِدھر دفتر والے پوچھ رہے ہیں، اُدھر گھر والے پریشان۔

۲۔ اسی طرح یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے، اسکول یا کالج کا جو طالب علم چھٹی کے دنوں میں جماعت کے ساتھ نکل جائے، تو وہ تعطیلات ختم ہونے کے بعد بھی جماعت کے ساتھ چلتا رہتا ہے اور وہ اسکول چھوڑ دیتا ہے، اسے تعلیم کی فکر ہوتی ہے اور نہ والدین کے احکام کی پرواہ۔

میں نے ان سے کہا بے شک اس طرح کے اِکّا دُکا واقعات ہمارے ہاں بھی پیش آتے ہیں لیکن یہ انفرادی کوتاہیاں ہیں، ان کا جماعت کی پالیسی سے کوئی تعلق نہیں، لہٰذا ان کو، تاہیوں کو ان افراد کی طرف منسوب کرنا چاہئے نہ کہ جماعت کی طرف، اس لئے کہ جماعت والے کسی ملازم پیشہ شخص یا طالب علم کو ہرگز نہیں کہتے کہ تم اپنی ملازمت چھوڑ دو، یا اسکول اور کالج کی تعلیم ترک کر دو اور جماعت میں لگ جاؤ، بلکہ وہ تو یہ کہتے ہیں کہ بھائی! رخصت کے ایام ہمارے ساتھ گزار دو، پھر اخلاص اور دیانتداری سے اپنا کام کرو۔

اصل بات یہ ہے کہ معاشرے کے ہر طبقہ میں اکا دکا جذباتی افراد ہوتے ہیں، جن

سے اس طرح کے غلط تصرفات صادر ہو جاتے ہیں ،آخر آپ نے بھی تو ایسے ملازمین کا تذکرہ سنا ہوگا ، جنھوں نے کسی دوسری وجہ سے جذبات میں آکر ملازمت چھوڑ دی یا ایسے طلبہ کا تذکرہ بھی سنا ہوگا جو اسکول یا کالج سے بھاگ گئے ہوں ، لہٰذا ایسے تصرفات کی نسبت ان افراد کی طرف کرنی چاہیے ، نہ جماعت کی طرف ۔

بعض مرتبہ ذہن میں شبہات اس لئے پیدا ہوتے ہیں کہ انسان شرعی احکام اور آداب سےبذاتِ خود ناواقف ہوتاہے۔

اسی طرح کاایک قصہ ہے کہ ایک عربی ملک میں مجھے ایک عرب نوجوان ملا ، جب تبلیغی جماعت کے بارے میں گفتگو شروع ہوئی تو وہ کہنے لگاکہ یہ جماعت بہت اچھا اور مفید کام کررہی ہے ، مگر اس میں کچھ بدعات ہیں ، جن پر مجھے اعتراض ہے ، میں نے اس نوجوان سے کہاکہ آپ مجھے کسی ایک بدعت کی نشاندہی کر دیجئے ،تاکہ میں جماعت کے ذمہ دار حضرات تک آپ کی بات پہنچا سکوں ۔کہنے لگے : جب کوئی جماعت دعوت کے لئے نکلتی ہے ، توکہتے ہیں : یہ ہمارا امیر ہے ، حالانکہ یہ بدعت ہے ، میں سمجھ گیا ، یہ اعتراض یا اشکال ،اس کی دینی معلومات کی کمی کی وجہ سے ہے ، میں نے ان سے پوچھا ، کیا ضرورت نہیں ہوگی کہ ان میں ایک شخص ایسا ہو جو سب کی نگرانی کرے ،ان میں نظم قائم کرے اوران کے حالت پر نظر رکھے ؟ جبکہ سفر میں اس کی ضرورت زیادہ ہے ، کھا نا ،پینا ، نماز پڑھنا ، سامان کی حفاظت

اور دعوت کی ترتیب وغیرہ، یہ امور مستقل منتظم کے متقاضی ہیں، آپ اس نگرانی کا نام امیر رکھ دیں یا مدیر، نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

اس نوجوان نے سرہلاتے ہوئے کہا: آپ نے صحیح کہا، مجھے مسئلہ سمجھنے میں غلطی ہوئی ہے، پھر میں نے اس سے کہا کہ امیر بنانا نہ صرف جائز اور مباح ہے بلکہ سنت اور آداب سفر میں سے ہے کیونکہ نبی کریم ﷺ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ جب ہم جماعت کی شکل میں سفر کریں تو اپنے لئے ایک امیر چن لیا کریں۔

بعض عوام اور غیر علماء سے دوران سفر ایک یہ اعتراض بھی سننے میں آیا کہ جماعت نے چھ نمبر متعین کرکے باقی دین کے شعبوں کو چھوڑ دیا ہے جب کہ دین زندگی کے سب شعبوں کو شامل ہے۔

یہ اعتراض بھی لاعلمی پر مبنی ہے، بیشک دین زندگی کے تمام شعبوں کو شامل ہے، لیکن اس کے ساتھ ساتھ تقسیم کار اور اس کے نمبر وار مراحل بھی ایک فطری اور شرعی قاعدہ ہے، چنانچہ جس طرح کچھ لوگ پڑھنے پڑھانے، کچھ جہاد اور کچھ دیگر شعبوں میں کام کررہے ہیں ٹھیک اسی طرح تبلیغی جماعت کے بزرگوں نے اپنی فراست اور تجربہ سے یہ چھ نمبر متعین کئے، ان سے امت کی اصلاح اور ان کی زندگی میں انقلاب آئے گا، جب امت کی تربیت اور اصلاح ہوگی، تو پھر اس کے

افرادزندگی کے جس شعبے میں بھی جائیں گے ،وہ دین کے احکام پر چلیں گے ۔

پھر یہ بات بھی یادرکھنی چاہئے کہ تبلیغی جماعت ایک کھلی ہوئی کتاب ہے ،جس میں کوئی چھپی ہوئی چیز نہیں ، ہر شخص قریب سے اس کتاب کو پڑھ سکتا ہے ،جس کو جماعت کے بارے میں شک وشبہ ہو ، اسے چاہیئے کہ جماعت کے مراکز میں جائے ، ان کے اجتماعات میں شامل ہو اور ان کے بیانات سنے کہ وہ کیا کہہ رہے ہیں ؟ ان کے ساتھ وقت لگائے اور دیکھے کہ وہ کیا کرتے ہیں؟ اسی طرح جماعت کے بڑوں سے ملے اور اگر کوئی اشکال یا اعتراض ہو ،تو ان کے سامنے پیش کرکے تسلی بخش جواب حاصل کرے ۔

یہاں میں مناسب سمجھتاہوں کہ اس سلسلے کی دوشہادتیں نقل کردوں :

۱۔ پہلی شہادت ایسے نوجوان کی ہے ، جس نے جماعت کے ساتھ غیر اسلامی ملکوں میں وقت لگایا اور اس جماعت کے نیک آثار دیکھ کر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

۲۔ دوسری ایک عرب عالم فاضل کی ہے، جس نے اپنے دوستوں کے ساتھ رائیونڈ کے سالانہ اجتماع میں شرکت کی اور وہاں جوکچھ دیکھا ،پایا،سُنا،اس کی رپورٹ اپنے ملک کے مفتی اعظم شیخ بن باز مرحوم کوارسال کی : ایک عرب نوجوان کی شہادت کے سلسلے میں عرض ہے کہ 1995ء میں امریکا کے ایک سفر کے دوران شکاگو کی ایک مسجد میں میری اس سے ملاقات ہوئی ۔ ہوایوں کہ میں نے اپنے ساتھیوں

کے ساتھ ایک مسجد میں عشاء کی نماز ادا کی ، مسجد نمازیوں سے کھچا کھچ بھری ہوئی تھی یہ دیکھ کر مجھے بہت خوشی ہوئی ، نماز کے بعد کسی نے بتایا کہ یہاں عربوں کی جماعت، آئی ہوئی ہے ، ہم ان سے ملنے گئے ، تعارف ہوا، جب امیر صاحب کو معلوم ہوا، ہمارا تعلق پاکستان سے ہے، تو انھوں نے میرا ہاتھ پکڑا اور الگ ایک جگہ بیٹھ گئے ، مجھ سے جماعت کے بارے میں سوالات کرنے لگے ، میں نے اپنے معلومات کے مطابق اس کو جوابات دیئے تو کہنے لگے : یا شیخ ! میرے ملک میں بعض لوگ اس جماعت کے خلاف باتیں کرتے ہیں ، لیکن حق یہ ہے کہ میں نے ان ملکوں میں اس جماعت کے جو اچھے اثرات دیکھے ہیں ، وہ اس بات کی کھلی اور روشن دلیل ہیں کہ یہ اہل حق کی جماعت ہے ، اس عرب نوجوان کا " اچھے اثرات " کہنے کا معنی یہ تھا کہ وہ اسلامی مظاہر ، جو ان ملکوں میں پائے جاتے ہیں ، یعنی باوجود اس کے کہ مسلمان اقلیت میں ہیں ، مگر ان کا دین کی طرف متوجہ ہونا ، اپنے اور اپنی نئی نسل کے ایمان واسلام کی فکر کرنا، اس کے لئے جگہ جگہ مساجد تعمیر کرنا اور مساجد میں قرآن کریم کے لئے مکاتب کا اجراء وغیرہ ، یہ اسی کی برکت ہے کہ اب وہ مسلمان خود بھی مساجد میں باجماعت نماز ادا کرتے ہیں اور اپنے بچوں کو بھی ساتھ لا کر مکاتب میں قرآن کریم کی اور دین کے بنیادی مسائل کی تعلیم دلواتے ہیں جب کہ اس سے پہلے وہ مغربی تہذیب اور وہاں کی مادی زندگی پر اس قدر فریفتہ ہو چکے تھے کہ انہیں اسلامی ملکوں سے علماء ، ائمہ ، خطبا اور مکاتب کے لئے حفاظ اور قراء لائے ، تاکہ وہ انہیں

دین اسلام سکھلائیں۔

ایک دوسری شہادت ایک بہت بڑے عالم دین کی ہے جن کا تعلق ایک عرب برادر ملک سے ہے، 1407ھ میں خود بنفس نفیس رائیونڈ کے سالانہ اجتماع میں شریک ہوئے اور پھر اس کی رپورٹ اپنے ملک کے مفتی اعظم کو پیش کی، یہ رپورٹ ایک کتاب : جلاء الاَذھان عما اشتبہ فی جماعۃ التبلیغ بعض اھل الایمان'' سے لی گئی ہے''

! السلام علیکم ورحمۃ اللہ ابرکاتہ۔۔۔۔امابعد

میری رخصت 1407/3/1ھ کو شروع ہوئی اور میں 1405/3/3ھ کو علماء اور طلبہ کی ایک جماعت کے ساتھ پاکستان کے سفر پر روانہ ہوا،ان علماء اور طلبہ کا تعلق مملکت کی مختلف جامعات سے تھا، یعنی مدینہ یونی ورسٹی، جامعۃ الامام محمد بن سعود الاسلامیہ اور جامعۃ الملک سعود وغیرہ۔اس سفر میں ہم نے عجائبات کا مشاہدہ کیا، جب ہم لاہور کے ہوائی اڈے پر پہنچے، ، تحیۃ المسجد ادا کرنے کے بعد ہم سب مل جل کر بیٹھ گئے، ہمارا تعلق مختلف ممالک سے تھا، اب ان میں سے ایک نوجوان اٹھا اور اس نے ایسا بیان شروع کیا، جو دلوں کو کھینچ رہا تھا، پھر گاڑیاں آگئیں اور ہمیں رائیونڈ لے گئیں، جہاں سالانہ اجتماع منعقد ہوتا ہے، وہ خوب صورت اجتماع جسے دیکھ کر دل میں خشوع پیدا ہوتا ہے اور آنکھیں ڈر، خوشی اور اللہ کے خوف سے بارش کی طرح آنسو بہاتی ہیں، یہ اجتماع

اہل جنت کے اجتماع سے مشابہ ہے، جہاں نہ کوئی شور و غل تھا اور نہ کوئی تکلف، نہ کوئی فضول بات، نہ لاقانونیت، اور نہ جھوٹ، صاف ستھرا ماحول، نہ کوئی بدبو اور نہ کوئی گندگی، ہر چیز ذہانت و سلیقہ سے ترتیب دی ہوئی تھی، نہ ٹریفک پولیس، نہ عام پولیس اور نہ کوئی چوکیدار، جب کہ اجتماع میں آنے والوں کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ ہے۔

ایک فطری اور پاکیزہ زندگی ہے، جہاں ذکر اللہ کی فضا پھیلی ہوئی ہے، دن رات ہر طرف علمی محاضرات، دروس اور ذکر اللہ کے حلقے لگے ہوئے ہیں، بخدا! یہ ایک ایسا اجتماع ہے جس سے دل زندہ اور ایمان چمکتا ہے اور اس میں اضافہ ہوتا ہے، کتنا بارعب اور کتنا خوب صورت اجتماع ہے جو آپ کے سامنے صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعین کی بولتی ہوئی تصویر پیش کرتا ہے، ہر طرف محنت، علم، ذکر، میٹھی گفتگو، خوب صورت اعمال، عمدہ اسلامی حرکات اور ایمان اور علم سے چمکتے ہوئے چہرے آپ کو ملیں گے آپ اس اجتماع میں صرف توحید، ذکر، تسبیح و تحمید، تحلیل و تکبیر، قرآن کریم کی تلاوت، السلام علیکم، وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ اور جزاکم اللہ خیرا جیسی باتیں سنیں گے۔ آپ کی نگاہ ایسی چیزوں پر پڑے گی جن سے آپ کو خوشی ہوگی اور آپ کا دل باغ باغ ہو جائے گا اور محمد ﷺ کی سنتوں کو تر و تازہ زندہ کرنا، جنہیں آپ ہر آن

اور ہر وقت دیکھ کر لطف اندوز ہوں گے ، یہ کتنا خوب صورت اور کتنا ہی عمدہ عظیم الشان اجتماع ہے ۔

حاصل کلام یہ ہے کہ یہاں آپ کو واضح طور پر قرآن کریم اور رسول اللہ ﷺ کی سنت کا عملی نمونہ نظر آئے گا، کیا ہی خوب پاکیزہ اور سعادت مند زندگی ہے ۔

میرے دل میں بار بار یہ آرزو پیدا ہوئی کہ کاش ! اس قسم کی دعوت کا اجتماع مملکت سعودی عرب میں بھی منعقد ہو ، اس لئے کہ ہر اچھے کام اسی مملکت کے ساتھ زیب دیتے ہیں اور اس لئے بھی کہ مرحوم ملک عبدالعزیزؒ کے ابتدائی تابندہ دور سے لے کر مملکت ہمیشہ ہر عمل خیر میں آگے آگے رہی ہے ۔

اس عظیم اجتماع میں اکٹھے ہونے والے افراد جن کا تعلق دنیا کے مختلف ملکوں سے تھا، سب کی ایک شکل ،ایک طبیعت ،ایک بات اور ایک ہدف ہے ، گویا وہ سب ایک باپ کی اولاد ہیں ،یا یہ سمجھیں کہ گویا اللہ تعالی نے ایک دل پیدا فرمایا اور ان سب میں تقسیم کر دیا ہے ، ان سب کا مقصد اور غرض اس کے سوا کچھ نہیں کہ دین کو مضبوطی سے پکڑا جائے اور مسلمان نوجوانوں کی اصلاح کی جائے اور غیر مسلموں کو اللہ تعالی کے راستے کی طرف رہنمائی کی جائے ، تعجب ہے کہ ایسے صالحین کے خلاف جھوٹی خبریں پھیلانے والے کیوں غلط بیانی سے کام لیتے ہیں ؟

ان حضرات کے بارے میں شیخ عبدالمجید زندانی نے کیا خوب فرمایا ہے " یہ تو آسمان کی مخلوق ہے جو زمین پر چل پھر رہی ہے "اس کے بعد ایسا بھی کوئی دل ہوگا جو ان کو برا بھلا کہے اور ایسی باتوں کی تہمت لگانے کی جرات کرے گا جو ان میں نہیں ہیں۔
میرا خیال یہ ہے کہ اس جماعت کا ہدف اور مقصد بھی وہی ہے جو ہماری مملکت کا ہے اور وہ ہے، دنیاکے انسانوں کی اصلاح اور زمیں کے چپہ چپہ پر امن وامان کی ترویج ،اب آپ ہی بتائیں کہ کون سی بات ان کی قابل گرفت ہے ؟؟
اب دوبارہ اجتماع کی طرف آیئے ! عشاء کے بعد جب بیان ختم ہوتا ہے تو دائیں بائیں نگاہ دوڑائیں، تو آپ کو مختلف علمی حلقے نظر آئیں گے ،ان میں جس حلقے میں بھی آپ بیٹھیں گے ،لطف اندوز ہوں گے اور وہاں سے کچھ نہ کچھ فائدہ اٹھا کر ہی اٹھیں گے ، پھر جب سونے کا وقت ہوجاتا ہے اور چاروں طرف خاموشی اور سکون طاری ہوجاتا ہے تو آپ ان کو دیکھیں گے ، گویا جگہ جگہ ستون کھڑے ہیں اور نماز میں مشغول ہیں او، رجب رات کا آخری وقت ہوتا ہے ،تو دیکھیں گے گویا شہد کی مکھیاں ہیں جو بھنبھنا رہی ہیں ،ہر طرف آہ وبکا او ررورو کے ہاتھ

اٹھائے دعا کر رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے اور تمام مسلمانوں کے گناہ معاف فرمائے ۔اللہ تعالیٰ ان کو اور ان کے تمام مسلمان بھائیوں کو جہنم کی آگ سے بچائے اور سب لوگوں کو ہدایت بخشے کہ محمد ﷺ کی سنتوں کو زندہ کریں۔

مختصر یہ کہ یہ ایک ایسا اجتماع ہے جس میں ہر عالم اور ہر طالب علم کو آنا چاہئے ،بلکہ ہر اس مسلمان کو آنا چاہیئے جو دل میں اللہ کا خوف اور آخرت میں جنت کی امید رکھتا ہے،اللہ تعالیٰ اس اجتماع کے ذمہ دار حضرات کو جزائے خیر دے ،ان کو ثابت قدم رکھے ، ان کی مدد فرمائے اور ان کے ذریعے مسلمانوں کو فائدہ پہنچائے ۔۔انہ سمیع مجیب۔

اب ان کے بارے میں سنیں جو اس اجتماع میں آنے والوں کی خدمت پر مقرر ہیں ، وہ سب کے سب قرآن کریم کے حافظ ہیں ، آٹا پیسنے والے کی زبان پر اللہ کا نام اور تسبیح وتکبیر جاری ہے ، آٹا گوندھنے والے کی زبان پر اللہ کا نام ، اللہ اکبر ، سبحان اللہ والحمدللہ جاری ہے اور روٹی پکانے والے کی زبان پر بھی اللہ کا نام ، اللہ کا ذکر ، تسبیح ، تحمید اور تکبیر جاری ہے اور یہ ہم نے اس وقت اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے ، سنا ، جبکہ ان کو ہمارے آنے کی پیشگی کوئی اطلاع نہیں تھی اور نہ ہی ان کو پتہ چلا کہ ہم دیکھ اور سن رہے ہیں ، پاک ہے وہ ذات جس نے ان پر بصیرت کے دروازے کھول دیئے ہیں اور اپنے ذکر کی توفیق

دی ہے اور انکو سیدھا راستہ دکھایا ہے جس کی ہر مسلمان تمنا کرتا ہے۔

سماحۃ الشیخ ! حقیقت یہ ہے کہ جو شخص بھی اس جماعت میں شامل ہوگا اور ان کی صحبت میں شامل ہوگا اور ان کی صحبت میں رہے گا وہ ضرور عملی طور پر داعی الی اللہ بن کر رہے گا۔ کاش ! میں جب جامعہ میں طالب علم تھا، اس وقت سے اس جماعت سے متعارف ہوتا تو آج میں دعوت اور تمام علوم میں علامہ ہوتا۔

بخدا ! میرا ان کے بارے میں یہ اعتقاد ہے اور قیامت کے روز کہ ''جس دن مال، اولاد اور کوئی چیز کسی کے کام نہ آئے گی'' اگر جبار مجھ سے پوچھیں گے تو میں یہی جواب دوں گا۔

فضیلۃ الشیخ !کاش وہ تمام داعی حضرات جو آپ کے مبارک شعبہ کے ماتحت کام کرتے ہیں، وہ اس اجتماع میں شریک ہوں اور جماعت کے ساتھ اللہ کی راہ میں نکلیں اور اخلاص اور دعوت کا انداز سیکھیں اور صحابہ کرامؓ، تابعینؒ اور تبع تابعینؒ کے اخلاق سیکھیں۔

آخر میں اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ہمیں حق کو حق دکھائے اور اس کی اتباع کی توفیق دے اور رشد وہدایت کی رہنمائی فرمائے اور اخلاص اور صحیح اعمال کی توفیق دے اور ہمیں ہمارے نفس، خواہشات اور شیطان کے شر سے بچائے اور اپنے

دین کی نصرت فرمائے اور کلمہ حق کو بلند کرے اور ہماری حکومت کو اسلام سے عزت دے اور اسلام کو اس کے ذریعے عزت دے اور وہی اللہ ہی اس کے ولی اور اس پر قادر ہیں۔

وصلی علی نبینا محمد والہ واصحابہ

صالح بن علی الشُویمان

نمائندۂ دعوت وارشاد

جواب میں سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز نے ان کو جو درج ذیل خط (نمبر 1007خ 17/8/1407ھ) لکھا:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عبدالعزیز بن باز کی طرف سے مکرم ومحترم فضیلۃ الشیخ صالح بن علی الشویمان کی جانب! آپ جہاں بھی ہوں، اللہ تعالی آپ کو مبارک بنائے، آمین۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، امابعد!

میں نے آپ کی رپورٹ جو آپ نے پیش کی ہے، پڑھی ہے، جس میں آپ نے اپنے اور اپنے ساتھ جانے والے علماء اور طلبہ، جن کا تعلق الجامعۃ الاسلامیہ، مدینہ منورہ، جامعۃ الامام محمد بن سعود اور جامعہ مالک سعود وغیرہ سے ہے، اس اجتماع میں شریک ہونے کی تفصیلات لکھی ہیں، جسے تبلیغی جماعت نے رائیونڈ میں ربیع الاول 1407ھ میں منعقد کیا ہے، اس رپورٹ کو میں نے پڑھا ہے اور اسے

کافی وشافی پایاہے،اس رپورٹ میں اس اجتماع کی ایسی باریک تصویر پیش کی گئی ہے جسے پڑھنے والے کوایک شوق پیداہوتاہے اور رپورٹ پڑھنے والاایسا محسوس کرتاہے، کہ جیسے وہ خوداس کا مشاہدہ کررہاہے۔ مجھے اس سے بھی بہت خوشی ہوئی کہ آپ سب حضرات نے اس اجتماع سے بہت سے فوائد حاصل کئے اورذمہ دار حضرات سے تبادلہ خیالات کیا۔ اللہ تعالی ان کو جزائے خیر دے اور اس قسم کے اجتماعات زیادہ سے زیادہ ہوں اور ان سے مسلمانوں کو اللہ تعالی نفع دے۔

بیشک اس وقت مسلمانوں کواس بات کی سخت ضرورت ہے کہ اس قسم کی پاکیزہ ملاقاتیں ہوں، جن میں اللہ تعالی کی ذات کاتذکرہ ہواور جن میں اسلام کو مضبوط پکڑنے، اس کی تعلیمات پر عمل کرنے اور توحید کو بدعات اور خرافات سے پاک رکھنے کی عادت ہو۔اللہ تعالی سے دعاہے کہ وہ تمام مسلمانوں کو، چاہے حاکم ہوں یا رعیت اس فرض کی کامل ادائیگی کی توفیق دے۔

انہ جواد کریم ۔۔۔۔ والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

الرئیس العام لادارۃ البحوث العلمیۃ والافتاء والدعوۃ والارشاد

المملکۃ العربیۃ السعودیۃ

☆☆☆☆☆

"قم شہر کا قاضی اور" گو نواز گو

شاہ ایران کے خلاف آیت اللہ خمینی کی تحریک کا مرکز، شمالی ایران کا ایک مشہور شہر، تہران سے ۷۵ میل جنوب میں دریائے ساوہ اور اصفہان کے درمیان عراقِ عجم میں واقع ہے۔ اس شہر کے نواح میں تیل کے چشمے ہیں، گل پائگان سے اس طرف ایک نہر نکلتی ہے۔ آیت اللہ گل پائگانی مشہور شیعہ عالم اسی کی طرف منسوب ہے اور یہیں پر جناب خمینی صاحب نے فلسفے کی تعلیم حاصل کی ہے۔

آیت اللہ گل پائگانی (جرباذکانی) کی برسی کی مناسبت سے یہاں ان دنوں ان کے قد آدم پورٹریٹ بھی جگہ جگہ آویزاں تھے۔ مولویوں کی حکومت میں ان بے تحاشا تصاویر پر بار بار نگاہ پڑنے سے دل ودماغ پر افسردگی سی چھا جاتی تھی، حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ تعالی عنہ نے یہ علاقہ ۲۳ھ/۶۴۴ء میں فتح کیا تھا۔ عباسی دورِ حکومت میں اہلِ قم نے دو مرتبہ (مامون اور معتز کے ادوار میں) بغاوتیں کیں، لیکن دونوں ہی مرتبہ ناکام ہوئیں۔ موجودہ دور میں یہاں کے قابل ذکر مقامات یہ ہیں:

۱۔مزار معصومہ، ۲۔مدرسہ امام خمینی، ۳۔ مرکز جہانی برائے علوم اسلامی، ۴۔ مرکز

تبلیغات اسلامی، ۵۔مکتبۂ مرعشی، ۶۔جامعہ امیر المؤمنین علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالی عنہ۔

قم کے قریب (تفریش) کا علاقہ بھی ہے، جہاں سے فارسی کے مشہور شاعر نظامی گنجوی کے آبا واجداد ہجرت کرکے گنجہ آئے تھے۔ پاکستان میں مارے جانے والے ایرانی سفارت کار صادق گنجی اسی گنجہ کی طرف منسوب تھے، نیز قم کے قرب وجوار میں نمک کے ذخائر بھی دریافت ہوئے ہیں۔

اسی شہر کے قریب مزدکیوں کا (قریۃ المجوس) بھی ہے، قم اہل تشیع کا اہم علمی ومذہبی مرکز سمجھا جاتا ہے، شیعوں کے آٹھویں امام علی بن موسیٰ الرضا رحمۃ اللہ علیہ کی ہمشیرہ اور ساتویں امام موسیٰ الکاظم رحمۃ اللہ علیہ کی دختر نیک اختر سیدہ فاطمہ معصومہ رحمۃ اللہ علیہا کا مزار بھی اسی شہر میں ہے۔ جس کی تعمیر ترکی النسل بادشاہ ناصر الدین قاچار نے کرائی تھی۔ اہل تشیع کا مشہور، تاریخی، تعلیمی ادارہ ''مدرسہ فیضیہ'' بھی اس مزار کے بالکل اغل بغل میں ہے، جہاں ۱۳۸۰ھ میں آقائی بروجردی کے انتقال کے بعد آیت اللہ خمینی باقاعدہ درس دینے لگے تھے، ان کے حلقۂ درس میں بیک وقت بارہ سو طلبہ شریک ہوتے تھے۔

رجب ۱۴۲۶ھ میں مفتی محمد تقی عثمانی اور مولانا فضل الرحمٰن کے اسفار

دارالعلوم زاہدان کے ختم بخاری شریف میں شرکت کے لیے ہوئے۔ مفتی صاحب نے زاہدان کے علاوہ ایران کے مختلف شہروں کا سیاحتی دورہ بھی کیا، جس میں وہ اصفہان اور قم بھی تشریف لے گئے۔ چناں چہ قم کے متعلق اردو انسائیکلوپیڈیا (ص ۷۶۲)، اسلامی انسائیکلوپیڈیا (ص ۱۲۵۹)، جہاں نما (ص ۳۰۵)، دائرہ معارف اسلامیہ پنجاب (ص ۴۰۴ ج ۱۶/جز ۲) اور علامہ یاقوت الحموی کی معجم البلدان (ص ۳۹۷۔۳۹۸/۶) میں جو/ کچھ ہے، ان سب کا جامع خلاصہ بمع مستزاد، مفید اور دل چسپ معلومات عثمانی صاحب کے سفرنامے میں ہیں، وہ یوں رقم طراز ہیں:۔

"قم کا علاقہ حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ کے عہد خلافت میں ۲۳ھ میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فتح کیا تھا۔ اس وقت یہ کوئی بڑا شہر نہ تھا۔ بلکہ چھوٹی چھوٹی سات بستیوں کا مجموعہ تھا۔ جن میں سے ایک نام کمندان تھا، ۸۳ھ میں جب عبدالرحمٰن بن الاشعث نے حجاج بن یوسف سے بغاوت کی تو اس کے لشکر کے کچھ افراد یہاں آکر مقیم ہوئے اور انہوں ان ساتوں بستیوں کو ملا کر ایک شہر آباد کر دیا۔ اور یہ ساتوں بستیاں اس شہر کے محلے بن گئے (اور اس کی باقاعدہ فصیل یعنی چار دیواری بھی قائم کی گئی، جو علی بن ہشام المروزی نے مامون کے دورِ خلافت میں بغاوت کچلنے کے لیے ڈھادی تھی) اس شہر کا نام کمندان سے مختصر اور معرب کر کے قم بنا دیا گیا۔ جن لوگوں نے یہ شہر آباد کیا تھا ان میں سب سے نمایاں شخص عبداللہ بن سعد تھا، اس کا ایک بیٹا کوفہ

میں پیدا ہوا تھا اور وہیں اہل تشیع کے ماحول میں اس کی تربیت ہوئی تھی۔ قم کے آباد ہونے کے بعد وہ کوفہ سے قم منتقل ہو گیا اور اس نے یہاں شیعہ مذہب کو فروغ دیا، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ یہ پورا شہر شیعہ ہو گیا۔ اور یہی وہ شہر ہے کہ جس کے بارے میں لطیفہ مشہور ہے کہ صاحب بن عباد نے (جو وزیر بھی تھا اور اعلیٰ درجے کا ادیب بھی) ایک مرتبہ یہاں کے قاضی کو خطاب کرتے ہوئے کہا تھا:

"ایہا القاضی بقم، قد عزلناک فقم".

قم کے معنی عربی زبان میں ہوتے ہیں: "کھڑے ہو جاؤ"۔ چناں چہ اس جملے کا مطلب یہ ہوا کہ "اے قم کے قاضی! ہم نے تمہیں معزول کر دیا ہے، لہٰذا (اپنی مسندِ قضا سے) کھڑے ہو جاؤ۔" اس کے بعد جب کبھی ان قاضی صاحب سے پوچھا جاتا کہ آپ کو کس لیے معزول کیا گیا؟ تو وہ جواب میں کہتے: "انا معزول السجع، من غیر جرم ولا سبب"۔ یعنی "مجھے کسی جرم یا کسی اور وجہ نے نہیں، صرف قافیہ بندی کے شوق نے معزول کیا ہے"۔

(معجم البلدان للحموی، ص: ۳۹۷،۳۹۸، ج:۶)

بہر کیف یہ شہر دوسری صدی کے آغاز ہی سے اہل تشیع کا مرکز بن گیا تھا۔ (اس لیے یہاں کے باشندے ہمیشہ ہی کٹر شیعہ رہے ہیں) اور یہاں سے مشہور شیعہ

علما بڑی تعداد میں پیدا ہوئے، اب بھی یہ شیعہ علما کی متعدد اعلیٰ سطحی درس گاہوں کا شہر ہے، یہاں قم کا مایۂ ناز کتب خانہ بھی ہے، جو اپنی نادر کتابوں کے لحاظ سے عالم اسلام کے گنے چنے کتب خانوں میں شمار ہوتا ہے، شیعہ امامیہ کے اصولوں پر تعلیم کے لیے جو درس گاہیں یہاں قائم ہیں وہ اپنے اعلیٰ معیار کی بنا پر مشہور ہیں۔

اس کے علاوہ ہمیں ایک ایسے بین الاقوامی مرکز میں بھی جانے کا اتفاق ہوا جو خاص طور پر اہل سنت کے لیے قائم کیا گیا ہے۔ اس میں دنیا کے مختلف حصوں سے اہل سنت طلبہ کو لایا جاتا ہے اور انہیں حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی فقہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اس مرکز کے ایک ذمے دار نے، جو ایک شیعہ عالم تھے، جب ہمیں یہ بتایا کہ اس مرکز میں تقریباً آٹھ ہزار طلبہ زیر تعلیم ہیں تو میں حیران رہ گیا۔ لیکن میرے رفیق مولانا محمد قاسم صاحب نے اس کی تصدیق کی اور بتایا کہ یہ تعداد اس سے بھی زیادہ ہو سکتی ہے، کیوں کہ اس مرکز کی شاخیں مشہد وغیرہ دوسرے شہروں میں بھی موجود ہیں۔ اب یہ اہل سنت کے لیے ایک لمحۂ فکریہ ہے کہ دنیا بھر سے اہل سنت طلبہ کی اتنی بڑی تعداد یہاں تعلیم پا رہی ہے!

ان تعلیمی مراکز کے علاوہ قم اس بنا پر بھی عوام کا مرجع بنا ہوا ہے کہ اس

میں حضرت علی رضا رحمۃ اللہ علیہ کی بہن سیدہ معصومہ کا مزار واقع ہے۔ جس پر بڑی عالی شان مسجد بھی بنی ہوئی ہے۔ اس مزار پر زائرین کا ہر وقت بے پناہ ہجوم رہتا ہے اور بزرگوں کے مزارات پر عوام میں جو بدعات وخرافات رائج ہو گئیں ہیں، وہ اپنی تمام فتنہ سامانیوں کے ساتھ یہاں بھی موجود ہیں۔'' (البلاغ/ رمضان المبارک ۱۴۲۶ھ)

ہماری معلومات کے مطابق ''المرکز العالمی للدراسات الاسلامیۃ بمدینۃ قم'' میں اہل سنت واہل تشیع دونوں ہی طلبہ تعلیم حاصل کرتے ہیں اور جو یہاں آٹھ دس ہزار طلبہ کی تعداد ہوتی ہے ان میں شیعہ سنی دونوں ہیں، ایران کے اپنے ایک دورے میں ہم نے یہی دیکھا اور محسوس کیا، جب کہ عثمانی صاحب کو یہ بتایا گیا ہے کہ یہ صرف اہل سنت طلبہ کے لیے ہے، جسے دیکھ کر ہمیں اس حوالے سے خلجان سا پیدا ہوا، چناں چہ اس بات کی تحقیق ومزید تنقیح کے لیے میں نے (المجمع العالمی للتقریب بین المذاہب الاسلامیۃ) کے جنرل سیکرٹری جناب آیت اللہ تسخیری صاحب کے دست راست حجۃ الاسلام مولانا میر آقائی صاحب سے فون پر بات کی، انہوں نے پھر سے اس کی تصریح کی، یہاں شیعہ سنی دونوں قسم کے طالب علم پڑھتے ہیں، نیز انہوں نے بتایا کہ یہاں ۹۶ ملکوں کے دس ہزار طلبہ اور ۴۰ ملکوں کی ایک ہزار طالبات زیر تعلیم ہیں۔

اس مرکز کا بروشر بھی میرے پاس موجود ہے، اس میں بھی کہیں اہل سنت کے لیے اس کے اختصاص کی بات نہیں ہے۔

مختلف ملکوں سے طلبہ وطالبات کی اتنی بڑی تعداد کی یہاں تعلیم کی غرض سے آمدیقینا خوش آئند ہے البتہ

تہ مفتی صاحب نے اسے اہل سنت کے لیے لمحۂ فکریہ قرار دیا ہے۔

بہر حال ایرانی انقلاب کے روح رواں جناب خمینی صاحب نے ایرانی قوم کو جو دو نعرے دیے تھے ''ایران را مدرسہ بسازید'' اور ''ایران را سرسبز بسازید'' پورے ملک کے اعتبار سے تو اول الذکر نعرے کو عملی جامہ نہیں پہنایا جا سکا، تاہم قم شہر کے تاریخی تسلسل کو برقرار رکھتے ہوئے اسے ایک تعلیمی شہر کی حیثیت سے خوب ترقی دی گئی اور ماضی قریب میں شاید برطانیہ، جس نے آکسفورڈ شہر کو ایک باقاعدہ ایجوکیشنل سٹی کے طور پر متعارف کرایا، کے بعد ایران دوسرا ملک ہے جس میں ایک مستقل شہر کو تعلیم وتعلم کے مرکز کی حیثیت حاصل ہے اور اس حوالے سے اس کی ایک شناخت اور باقاعدہ تاریخی تسلسل ہے، تاریخ میں اس سے قبل بھی اہل تشیع کو ہی اس طرح کے ایک اقدام کا کریڈٹ جاتا ہے۔ مصر کا جامعۃ الازہر علم ودانش کے حوالے سے ایک ایسا معتبر نام ہے کہ ہر طبقے اور ہر مسلک میں اسے قدر وعظمت کی نگاہ سے دیکھا اور ادب واحترام سے اس کا نام لیا جاتا ہے اور دنیا بھر میں رونما ہونے والے مختلف انقلابات

اور تغیر و تبدل احوال کے باوجود اس کی اس امتیازی پوزیشن اور جداگانہ شان میں کوئی فرق نہیں آیا ہے، اس جامعۃ الازہر کی بنیاد فاطمی دور حکومت میں رکھی گئی تھی، ابتدا میں یہ ایک مسجد تھی، جس کی بنیاد جوہر الکاتب الصقلی نے رکھی تھی اور اس کی تعمیر دو سال میں پایہ تکمیل کو پہنچی تھی، بعد میں یہ مسجد باقاعدہ ایک عظیم الشان بین الاقوامی یونی ورسٹی کی صورت اختیار کر گئی، یہاں تک کہ معاصر دور میں یہاں قریباً ایک لاکھ طالب علم مختلف شعبوں میں اپنی علمی پیاس بجھاتے ہیں اور الازہر کا شیخ بلحاظ عہدہ مصر کے وزیر اعظم کے برابر سمجھا جاتا ہے۔ عرض کرنے کا منشا یہ ہے کہ عالم اسلام کے اس مشہور و معروف مرکز کی بنیاد بھی اہل تشیع نے ہی رکھی ہے، اگرچہ اس کی تعمیر و ترقی اور توسیع میں سنی حکمرانوں کا کردار سینکڑوں گنا زیادہ ہے۔ نیز مذکورہ بالا تعلیمی شہر کے حوالے سے ''دیوبند'' اور مذہبی مرجعیت کے متعلق روم شہر کے ایک حصے ''ویٹی کن سٹی'' کے نام بھی لیے جا سکتے ہیں۔

کیا ہم ملائیشیا کے ڈاکٹر محاضر (مہاتیر) محمد، شاہ فیصل کے فکری و نظریاتی جانشین سمجھے جانے والے سعودی عرب کے شاہ عبداللہ اور جامعۃ الازہر کے فاضل دارالسلام برونائی) کے شاہ سلطان حسن البلقیہ سے اس طرح کے لازوال، تاریخی، تعلیمی) منصوبوں کی کوئی توقعات وابستہ کر سکتے ہیں؟؟؟...... علامہ اقبال نے کیا خوب فرمایا :

وہی جہاں ہے تیرا جس کو تو کرے پیدا
یہ سنگ وخشت نہیں جو تیری نگاہ میں ہے

بات لمبی ہو گئی، کہنا یہ تھا کہ کپتان کو ''گو نواز گو'' کی تجع اتنی پسند آئی ہے، کہ صرف ان الفاظ کی تطبیق کے خاطر وہ بے چارے نواز شریف کو وزاراتِ عُظمیٰ سے معزول کرنا چاہتے ہیں۔

کتابوں کا ہسپتال

حال ہی میں ہم اسلام آباد میں بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی اور بری امام گئے، جہاں یونیورسٹی کے قابلِ فخر صدر، ڈاکٹر احمد یوسف الدُّریویش، بری امام مزارات کے منتظم جناب علاءُ الدین اور صاحبزادہ سید امجد علی شاہ نے ہمیں مدعو کیا تھا، آخر الذکر میں توحید پر گفتگو کا موقع بھی ملا، دونوں اداروں میں لائبریریاں مناسب تھیں، ڈاکٹر صاحب کے مصغّر تخلص (الدُّریویش) کے عین مطابق درویشی میں وہ چھوٹے، تو علم ودانش کے میدانوں میں یہ درویشانِ بری امام فقیر نکلے، معزز قارئین کے لئے ان دونوں کے متعلق مفصل کالم ان شاء اللہ بعد میں پیش کرینگے، لیکن ہم ہر جگہ اپنی کم مائیگی کی وجہ سے کتب خانوں کی تلاش میں تھے، کیا کیجئے گا پاکستان میں کتب خانوں کا عمومی طور پر جو حال ہے، وہ ناگفتہ بہ ہے، دنیا نے اس حوالے سے بہت ترقی کی ہے، ہمارے یہاں ہر سطح پر اس رُخ پر کام کرنے اور اس پر توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے، برسبیلِ تذکرہ ہم یہاں ایک مثالی اور بعض شعبوں میں انوکھے مکتبے کا ذکر کرنا چاہیں گے۔

ایک مرتبہ ہم ایران کے شہر "قم" میں وارد تھے، اپنے ہوٹل سے جا کر عصر کے بعد "بیمارستانِ کتب" دیکھنے کا ارادہ تھا، یہ یہاں کا مشہور ومعروف

اورایک عجیب وغریب ہسپتال ہے، مغرب کے بالکل قریب کتب خانے کے ڈائریکٹر جنرل اور آیت اللہ مرعشی کے بڑے صاحب زادے وجانشین بھی تشریف لائے، وہ ہمیں کتابوں کے ہسپتال لے گئے، جو اسی تعمیر کے ایک حصے میں اپنے تمام جدید وقدیم دیو ہیکل تکنیکی آلات پر مشتمل تھا۔

یہاں وہ کتب جن کو دیمک وغیرہ لگ جائے ،یا کسی بھی ناگہانی آفت کی شکار ہوجائے، یا جنہیں قبل ازیں حصول کے وقت کچھ بیماریاں کاغذ کی، یا جلد کی، یا سیاہی کی لگ گئی ہوں، ایسی تمام کتب کے علاج کے لیے یہ ہسپتال قائم کیا گیا ہے، جہاں پہلے مرض کی تشخیص دوربینوں کی وساطت سے قابل دید ولائق ستائش آلات کے ذریعے ہوتی ہے، اس کے بعد ان کے لیے معالجے اور دوا کی تشخیص وتعیین ہوتی ہے، جہاں باقاعدہ آپریشن ، منتقلی اعضاؔ اور مرہم پٹی کا بھی بڑی باریک بینی کے ساتھ اہتمام ہوتا ہے، ہسپتال سے ڈسچارج شدہ کتابیں لائبریری میں دیگر کتب کے ساتھ شیلف میں بالکل جدید اور تروتازہ لگ رہی تھیں۔

اس نادر ہسپتال کے بازو میں ہم مطالعہ گاہ کی جانب بڑھے، جہاں شہر کے کونے کونے سے آئے ہوئے بلا مبالغہ 800 سے 1000 کے درمیان لوگ تحقیق وتدقیق اور مطالعہ وتکرار میں مصروف تھے، ہم میں سے کئی ساتھی ان کے درمیان تھوڑی دیر

کے لیے چکر لگاتے رہے۔

جاتے جاتے میں نے مرعشی صاحب کے جانشین صاحب زادے سے ایک سوال کیا کہ آیت اللہ مرعشی صاحب کو اس طرح کے مخطوطات کے مکتبے اور بیمارستانِ کتب کی فکر کیسے ہوئی؟

اس کے جواب میں انہوں نے کہا: فنڈنگ کے لئے انھوں نے حج بدل کی طرح شیعہ مسلک میں نمازِ بدل سے زیادہ استفادہ کیا، جس میں ان کے والد صاحب ساری ساری رات لوگوں کی نمازیں پڑھتے تھے، اور آمدہ رقوم کتب خانے میں لگاتے تھے، جہاں تک لائبریری کی فکر ان کو کیسے آئی، تو وہ جیسا کہ آپ کو معلوم ہوگا کہ گزشتہ ایک دو صدیوں میں عالم اسلام مختلف جابر و مستبد استعماروں کی زد میں رہا، جہاں استعمار نے مسلمانوں کو طرح طرح کے نقصانات پہنچانے کی کوششیں کیں، وہیں انہوں نے مسلم مفکرین کے فکری اثاثوں کو دریا برد کرنے اور جلانے کے علاوہ اپنے ملکوں میں منتقل کرنے کی نامسعود ونامبارک حرکتیں بھی کیں، میرے والدِ بزرگ، ان خطرناک سازشوں کو بھانپ گئے تھے، اس لیے انہوں نے اس نظریاتی اثاثے اور اسلامی ورثے کو محفوظ کرنے کی کاوشیں شروع کیں، وہ اب جیسی تیسی ہیں آپ حضرات کے سامنے ہیں۔

مولانا مرعشی کے صاحب زادے نے جو کہا، یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے، لندن کی انڈیا آفس لائبریری، آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری، ڈبلن کی چیسٹر بیٹی لائبریری ان سرقات وغصبات علمیہ کے حوالے سے بین الاقوامی شہرت رکھتی ہیں..... اس حوالے سے کسی نے اپنی بے کسی کا ماتم کیا خوب کیا ہے:

دیوار کیا گری میرے کچے مکان کی
لوگوں نے میرے صحن میں رستے بنا لیے

علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے بھی یورپ ہی میں اپنی تعلیم مکمل کی تھی، اس لیے ان کو یورپین لوگوں کی ان چیرہ دستیوں کا بخوبی علم تھا، چناں چہ جب وہ واپس ہوئے تو یہاں ان ہی مخطوطات پر مشتمل اپنے اسلاف واکابر کی کتب کے متعلق یہ دل سوز شعر کہا تھا ۔

وہ حکمت کے خزانے، وہ کتابیں اپنے آبا کی
جو دیکھیں جاکے یورپ میں تو دل ہوتا ہے سی پارہ

بہرحال قم کا ”کتب خانۂ بزرگ مرعشی“ اہل علم اور اہل تحقیق کے ساتھ ساتھ عصری تعلیم وتعلم کے میدانوں میں طالب علمانہ یا انتظامی خدمات سرانجام دینے والوں کے لیے قابل دید بھی ہے اور قابل تقلید بھی۔

جامعۃ الاَزہر اور ہمارے مدارس وجامعات

مصر کی ازہریونی ورسٹی میں کئی عشروں قبل ایک شعبہ " البعثۃ الاَزہریۃ" قائم کیا گیا تھا، جس کے زیر اہتمام تسلسل کے ساتھ پوری دنیا میں خواہ اسلامی ہو یا غیر اسلامی، عربی ادب ، عربی علوم اوراسلام کی دعوت و تبلیغ کے لئے علماء آج تک بھیجے جاتے ہیں، چنانچہ امریکہ سے پاکستان تک یہ سلسلہ جاری ہے، کراچی، جکارتہ، کوالالامپور، دلی ،ڈھاکہ، لاہور، کابل،اسلام آباد، پشاور تمام جگہ یہ اساتذہ عربی زبان وادب ، قرات اور بقیہ علوم سکھانے کے لئے موجود ہیں اور بعض ممالک میں تو اتنے علماء بھیجے گئے کہ ماشاء اللہ، صومالی لینڈ (صومالیہ) میں سو کے قریب عالم بھیجے، اس طرح ہزاروں کی تعداد میں ازہر مشن کے "مبعوثین" باہر کی دنیا میں بھاری مشاہرات سے بھیجے جاتے ہیں، اور اہل وعیال سمیت ان کے آنے جانے کے لئے ہوائی جہازوں تک کے تمام مصارف واخراجات حکومت.برداشت کرتی ہے۔ایک تحقیق کے مطابق 2035ء تک پاکستان اطرافِ عالم کو اساتذہ فراہم کرنے والا بہت.بڑا ملک ہوگا، مناسب ہوگا کہ پہلے اس کے لئے اہلِ مدارس ماہرین کی مختلف ٹیمیں تشکیل دے کر اس موضوع پر محققانہ کام کریں، پھر دنیا میں جس قسم واہلیت کے علماء اور عام پڑھے لکھے مسلمان کی طلب و ضرورت ہے،اس کے مطابق رسد کا معقول انتظام ہو،تاکہ زمان ومکان سے ہم آہنگ طلب ورسد میں مطابقت

وموافقت کے ساتھ یہ حضرات انتہائی خوش اسلوبی سے اپنی ذمہ داریاں نبھا سکیں، اسلامی اخلاق واقدار میں جبر کے بجائے ذوق ان کا شعار ہو، تاکہ وہ فرقہ واریت، تشدد، رنگ ونسل اور لسانیت سے کوسوں دور ترقی یافتہ اقوام میں سے آنے والے نومسلموں کی اسلامی آفاقیت، وسعتِ نظری اور وسطیت واعتدال کی روشنی میں رہنمائی کا فریضہ انجام دے سکیں، چنانچہ مدارس عربیہ کے لئے ''ایک بہترین لائحہ عمل کے عنوان تلے علامہ بنوریؒ رقمطراز ہیں'':

''1- عربی بولنے یعنی تکلم ومکالمہ کی قابلیت مقاصد میں شامل کرنی چاہیے، تین سال کے بعد تدریس کی زبان عربی ہونا چاہیے۔

2- عربی ادب پر خاص معیار سے توجہ دینی ہوگی، تقریر و تحریر کی تربیت دی جائے اوراس کے لئے بہت تفصیل طلب اور مہم تنبیہات کی حاجت ہے۔

3- ہر زمانہ کا ایک فن ہوتا ہے، اس زمانہ کا مخصوص فن، تاریخ وادب ہے، اس پر توجہ زیادہ کرنی ہوگی۔

4- قرآن کریم کا ترجمہ ابتداء سے شروع کرنا چاہیے اور تین چار سال میں ختم کرنا چاہیے بغیر کسی تفسیر کے، محض ترجمہ ابتداءً زیر درس ہونا چاہیے اور قابلیت بڑھانے کے لئے مخصوص اجزاء اور سورتوں کا انتخاب کرنا چاہیے اور لغوی وادبی تحقیق کے ساتھ پڑھانا چاہیے۔

5- طلبہ کے مطالعہ کے لئے ایک دارالمطالعہ مخصوص ہو، ان کے لئے مفید کتابیں

اور عربی مجلات وجرائد رکھنے چاہئیں۔

6- مدرسہ کے سالانہ بجٹ میں ایک رقم مستقل بسلسلۂ اصلاح نصاب اور تبدیلِ کتب علیحدہ کرنا ضروری ہو، یہ اس لئے کہ نصاب کی مشکلات میں سب سے زیادہ مشکل مرحلہ ہمارے غریب مدارس کے لئے قلتِ سرمایہ کا ہے۔

7- تین نصابوں کی اشد ضرورت ہے:

پہلا: سہ سالہ نصاب جس میں فقہ، قرآن وحدیث، تاریخ، صرف ونحو، معانی، عربی ادب، عقائد اور فرائض کی اصطلاحات شامل ہوں، تاکہ جو شخص صرف اپنی ضرورت کے لئے عالم بننا چاہتا ہو، وہ علم حاصل کرکے، تعلیم وتدریس کو پیشہ نہیں بنانا چاہتا ہو، بلکہ تجارت وغیرہ میں زندگی بسر کرنا چاہتا ہو۔ (الحمدللہ یہ نصاب دراسات دینیہ کی شکل میں عام مدارس نے جاری کردیا ہے)۔

دوسرا: مدرس وعالم بننے کے لئے نصاب زیادہ سے زیادہ ہشت سالہ ہو۔

تیسرا: نصاب درجہ تکمیل کا ہے، ایک سال کا اور دو سے تین سال کا، جس میں وقت کے تقاضوں کے مطابق مفتی، محدث، عربی ادیب، مؤرخ وغیرہ تیار کرنے کے چند شعبے ہوں۔"

اس کے ساتھ ساتھ عام لوگوں کے واسطے آن لائن ترجمۂ قرآن کریم، عربی زبان
وادب اور دینیات تک رسائی کے لئے شارٹ کورسز کا ایسا آسان اور مفید انتظام ہو کہ
تہذیبوں کے اس ہولناک جنگ میں وہ گھبرانے کے بجائے مرد میدان بن کر ابھرے
بصائر وعبر: ۲/۵٦٦-۵٦٧)۔)

وہ کیا مرد ہوگا جو ڈر جائے
حالات کے خونی منظر سے
جس دور میں جینا مشکل ہو
اس دور میں جینا لازم ہے

آکسفورڈ یونی ورسٹی

گذشتہ دنوں ہمارے ایک کالم میں برطانیہ کی ایجوکیشنل سٹی ''آکسفورڈ'' کا ضمناً تذکرہ آگیا تھا بہت سے قارئین کا سوال تھا کہ آکسفورڈ ایک شہر کا نام ہے یا یونی ورسٹی کا، وہاں میں نے عرض کیا تھا، کہ ایران کا شہر قُم اور یوکے کا آکسفورڈ دونوں بنیادی طور پر دنیا کے نقشے پر تعلیمی شہر ہیں، ان دونوں شہروں میں دانش گاہوں اور کالجوں کے جال ہیں، قُم کی تفصیلات اُس کالم میں آگئی تھیں، آکسفورڈ کے بارے میں مندرجہ ذیل معروضات پیش خدمت ہیں، چنانچہ اس شہر کے تعلیمی پس منظر پر مفتی محمد تقی عثمانی نے یوں روشنی ڈالی ہے:

''آکسفورڈ چھوٹا سا شہر ہے، مگر اس میں تین مسجدیں ہیں، ان میں مدینہ مسجد سب سے بڑی سمجھی جاتی ہے، جہاں بچوں کی تعلیم کا مدرسہ بھی ہے اور اسلامی مرکز بھی۔ اس کے سربراہ مولانا محمد جمیل سکھر کے باشندے اور جامعہ اشرفیہ سکھر کے فارغ التحصیل ہیں، وہ عرصۂ دراز سے یہاں خدمات انجام دے رہے ہیں۔ یہاں ایک سمپوزیم میں وہ بھی شریک تھے اور انھوں نے فرمائش کی کہ تھوڑی دیر کے لیے ان کی مسجد کی زیارت کی جائے، چناں چہ عصر کی نماز میں نے وہاں پڑھی، حاضرین کی فرمائش پر مختصر خطاب بھی ہوا۔ مرکز کی اپنی سرگرمیاں دیکھ کر مسرت ہوئی، واپسی پر مولانا جمیل نے آکسفورڈ شہر کا دورہ بھی کرایا۔

ہزار سالہ آکسفورڈ یونی ورسٹی شروع میں چرچ سے منسلک ایک مذہبی تعلیم کے ادارے کے طور پر شروع ہوئی تھی، لیکن رفتہ رفتہ اس میں تمام علوم کا انتظام ہوا اور سترہویں صدی کے بعد اس نے حقیقی ترقی شروع کی، یہاں تک کہ وہ عالمی شہرت میں صف اول کا ادارہ بن گیا، مگر یہ یونی ورسٹی اس لحاظ سے ایک منفرد یونی ورسٹی ہے کہ ہمارے یہاں کے تعلیمی بورڈز کے مانند اس کی اپنی کوئی عمارت یا کیمپس نہیں ہے، اس کے بجائے یہاں کالجوں کی بہتات ہے، یہ تمام کالج یونی ورسٹی سے ملحق ہیں اور ان کالجوں میں تعلیم پانے والے افراد کو ڈگری یونی ورسٹی کی طرف سے دی جاتی ہے۔ اس چھوٹے سے شہر میں تقریباً چوالیس کالج ہیں، جہاں دنیا بھر کے طلبہ تعلیم حاصل کر رہے ہیں، ان میں سے بیشتر کالج کئی سو سال پرانے ہیں، ان کی عمارتیں بھی قدیم ہیں اور ان کو قدیم روایتی ساخت پر برقرار رکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے، یہاں تک کہ عمارت کی بیرونی دیواروں پر مُرورِ ایام سے جو سیاہی آگئی ہے اسے بھی دور کرکے رنگ وروغن کرنے کا اہتمام نہیں کیا گیا، پرانی لکڑی کے خزاں دیدہ پھاٹک اسی حالت میں برقرار رکھے گئے ہیں۔

ملحقہ گلیوں میں اگر صدیوں پہلے پتھر کی سڑک بنی ہوئی تھی تو اب بھی وہ پتھر ہی کی ہے، جس کسی کالج میں دنیا کی مشہور شخصیتوں نے تعلیم پائی ، بعض

جگہ ان کی یادگاریں بھی قائم ہیں۔
آکسفورڈ کی وہ مشہور لائبریری ہے جس میں (Bodlian Library) (بوڈلین لائبریری
(عربی اور مشرقی مخطوطات کا بہت بڑا ذخیرہ ہے۔'' (دنیا مرے آگے، ص۲۷۰-۲۷۱
آکسفورڈ شہر کے متعلق مفتی محمد تقی عثمانی کے اس جان دار اور معلومات افزا اقتباس
سے قارئین کرام کو آکسفورڈ کا معتد بہ تعارف حاصل ہو گیا ہوگا.....ہمارے یہاں کے
بہت سے دانشوروں کے علاوہ دو نامور لیڈرز محترمہ بے نظیر بھٹو اور عمران خان بھی
آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ ہیں، البتہ راقم یہاں اتنا عرض کرے گا کہ آکسفورڈ کی اس
مدینہ) مسجد میں خدمات انجام دینے والے تین حضرات ہیں: مولانا محمد جمیل ،)
مولانا محمد نعیم اور امام عطاء اللہ خان۔ تعلیمی سطح پر آکسفورڈ ، کیمرج ، ہارورڈ اور ابلاغی
سطح پر بی بی سی، سی این این ، وال سٹریٹ جرنل جیسے ادارے ہی مغربی اقوام کے ماتھے
کے وہ جھومر ہیں، جن کے ذریعے انھوں نے دیگر اقوامِ عالم کو تہ دل سے مغرب کا غلام
بن جانے پر قائل کیا،آج بھی ترقی پذیر ممالک کے ساتھ سیکورٹی، ایجوکیشن، صحت اور
میڈیا کے میدانوں میں ان کا تعاون خالص اپنے مفادات کے لئے ہے،پاکستان میں او
لیول اور اے لیول کا نصاب تدریس اور نظامِ تعلیم دیکھیں، یا پھر عربی کے اختیاری
مضمون اور سورۂ انفال کی جہادی مضامین کے اخراج کا بنظر غائر

مطالعہ کریں، نیز انگریزی نچلی سطح سے بطور لازمی و اجباری مضمون کا معاملہ کسی سے چھیڑیں، سب کے پیچھے آکسفورڈ جیسے اداروں کے مالک ممالک کا ہاتھ کارفرما عیاں نظر آئے گا۔ یہاں اسلام آباد میں کچھ سفراء، وزراء اور ہائر ایجوکیشن کمیشن کے مسؤلین سے ملاقاتوں میں جب بھی ہم نے اس موضوع پر بات کی، سب کا کہنا ''ہماری مجبوری ہے سر'' تھا، وہ مجبوری کیا ہے، پیسہ ملے، تو اپنے دین، ایمان، نظریے اور نونہالوں کی قیمت لگاؤ۔

قومے فروختند و چہ ارزاں فروختند۔

18دسمبر۔۔ عربک ڈے

شاہ فیصل مسجد اسلام آباد سے منسلک اقبال آڈیٹوریم میں عربک ڈے کی مناسبت سے مرکز الدراسات العربیہ نے ایک پُروقار تقریب کا اہتمام کیا، جسمیں اسلامی یونی ورسٹی کے اساتذہ، عراقی سفیر ڈاکٹر رُشدی العانی اور دیگر مہمانوں کے ساتھ راقم بھی تھا، اپنے قارئین کے لئے یہاں پیش کی گئیں معروضات پیش خدمت ہیں:

"28 دسمبر 1973ء کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کی قرارداد نمبر 3190 کے مطابق ہر سال 18 دسمبر کی تاریخ بطور " انٹرنیشنل اربک لینگویج ڈے" منانے کا اعلان ہوا، عرب دنیا اور دیگر ترقی یافتہ ممالک کی جامعات، سفارت خانوں، قونصل خانوں، بین الاقوامی لیول کی سماجی تنظیموں، عرب لیگ، او آئی سی، خلیج تعاون کونسل، رابطۃ العالم الاسلامی، رابطۃ الآدب الاسلامی العالمیۃ، المجلس الدولی للغۃ العربیۃ، المجلس العالمی لعلماء المسلمین اور UN کی طرف سے عالمی سطح پر اپنے اپنے انداز میں یہ دن منایا جاتا ہے۔

اقوام متحدہ میں تحریر و تقریر کیلیے منظور شدہ زبانیں پانچ ہیں: عربی، انگریزی، چینی، روسی، اور فرانسیسی۔ گویا مذکورہ بولیاں عالم گیریت کے اس دور میں کسی قوم، منطقہ اور مذہب کے لئے مختص نہیں رہیں، بلکہ ساری انسانیت ان میں برابر کی شریک ہیں، اب چونکہ دنیا ایک گلوبل ویلج کی صورت

اختیار کر گئی ہے۔اقوام متحدہ اور عالمی لیبل کی حامل تمام اداروں ، تنظیموں اور اتحادوں کافرض بنتاہے کہ کرّہ ارض کے امن وسلامتی اور تعمیر وترقی کیلئے انسانیت کے عنوان تلے ان زبانوں کی ترویج و تعلیم کے انتظامات کرے ،تاکہ بنی نوع بشری نظریات ،افکار اور عقائد کے ساتھ ساتھ علم وادب ، تہذیب وتمدن اور صحافت وثقافت کے میدانوں میں ایک دوسرے سے بھرپور استفادہ کرکے اور ایٹمی ٹیکنالوجی سے مسلح آج کی دنیا جنگ وجدل ، اور تخریب وفساد سے دُور انسانیت کے ناطے سے محبت والفت، افہام و تفہیم دلیل ومنطق اور گفت و شنید سے اپنے معاملات حل کرکے اس چمنستانِ رنگ وبو کو امن وآشتی کا گہوارہ بنائے ۔

عبرانی اور سریانی زبانوں کے انحطاط کے دور میں یہودیت اور عیسائیت کی بنیادی تعلیمات بطور خاص مشرقی کلیساؤں کے معتقدات عربی ہی میں رہیں ،المجلس الیھودی الامریکی (american jewish committee) کی تمام تردینی قوانین وعقائد حاخام موسی بن میمون القرطبی کی تحریر کردہ عربی ہی میں ہیں ، موجودہ انگریزی بائبل کے قدیم تر اور مارکیٹ میں متوافر نسخے بھی اصلاً عربی کے ہیں ۔

اسلام کی توبنیاد ہی عربی پر ہے ، تمام تر اسلامی علوم وفنون ، عقائد وتاریخ کی

امہات الکتب اور اصل مراجع کا تعلق عربی ہی سے ہے، عربی زبان وادب کی اہمیت وضرورت توظاہر ہے ، قرآن حکیم عربی زبان میں ہے ، نماز کے تمام ارکان ازاول تا آخر عربی میں ہیں ، عیدین و جمعہ کے خطبے عربی زبان میں ہیں ، احادیث کا عظیم الشان ذخیرہ عربی میں ہے ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی نسباً ولغۃً عربی ہے عام اسلامی دعائیں ،اذکاراور درود شریف سب عربی زبان میں ہیں،اللہ تعالی کے، پیارے ننانوے مبارک نام عربی میں ہیں ، حجاز مقدس ،مکہ ، مدینہ ، لبنان ، شام ، مصر طرابلس ، الجزائر ، تیونس ، مراکش ، بحرین ، کویت ، وغیرہ چھوٹے بڑے کئی ممالک کی، زبان عربی ہے، ان سے تعلقات قائم رکھنے کے لئے عربی زبان کی شدید ضرورت ہے ان ممالک میں جو عربی لٹریچر دینی ، تیکنیکی ، اقتصادی اور سیاسی حوالوں سے ہزاروں، کتب، رسائل واخبارات سمعی بصری اور الیکٹرانک میڈیا میں شائع ہو رہے ہیں ان کا تو ٹھکانہ ہی کیا۔

ان ممالک کو معلموں ،انجنیئروں،ڈاکٹروں اور زندگی کے دیگر مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے ماہرین کی ضرورت وحاجت ہے ،ان ممالک میں تجارت کے ذرائع پیدا کرنے، کارخانے قائم کرنے ،اپنے ملکی اور ملی و سیاسی مقاصد ومفادات کی وہاں اشاعت ،کے لئے عربی زبان کی شناسائی نہایت ضروری ہے

امام شافعی کے مذہب میں تو کچھ نہ کچھ عربی سیکھنا فرض عین کا درجہ رکھتا ہے ، امام ابو حنیفہ ،امام مالک ،امام احمد بن حنبل ، علامہ ابن قیم اور

حافظ ابن تیمیہ جیسے اساطین علم و فضل کے نزدیک بھی عربی سیکھنا فرض کفایہ ہے۔
ادبی اعتبار سے بھی عربی زبان کی صفات و خصوصیات بے حد لطیف اور تفصیل طلب ہیں
کاش روز اول ہی سے ہمارے ملک میں یونیورسٹیز، کالجز، سکولز اور بالخصوص دینی،
مدارس وجامعات کے ارباب انتظام واختیار اس کے مقام اور مرتبے کو محسوس کرتے
ہوئے اس طرف توجہ دیتے، توعالم اسلام اور عالم عرب کے اتحاد اور قرآن و حدیث
کی تعلیمات کو باحسن وجوہ سمجھنے کے لئے یہ زبان ایک موثر ذریعہ ثابت ہو سکتی
تھی،اب بھی اگر ہمارے حکمراں دین کے لئے نہ سہی اپنے سیاسی اور دنیاوی مقاصد کے
لئے اس زبان پر توجہ دیں تو عالم اسلام میں پاکستان کی حیثیت کچھ اور بڑھ کر ہو۔
1973ء کے آئین کے مطابق حکومت کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ عربی زبان کی ترویج
واشاعت کی طرف توجہ دے،آئین کے باب دوم کے آرٹیکل نمبر31 شق 2 میں
مذکور ہے:

(2)The State shall endeavor,as respects the muslims of pakistan (a) to make teaching of Holy Quraan and islamiat compulsory,to encourage and facilitate the learning of Arabic language and secure corrct and exat

printing and publishing of the Holy Quraan.

(b) to promote unity and the observance of the Islamic morl standards;and (c) to sucure the proper organization of Zakat,Ushr auqaf and mosques."

یعنی ملک میں ایسے اقدامات اٹھائے جائیں گے ، جن کی وجہ سے مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی اسلام کے بنیادی عقائد کے مطابق گزار سکیں ،ملک میں قرآن کریم اور اسلامیات کی تعلیم لازمی قرار دی جائے گی ، نیز عربی زبان کی تعلیم وترویج کی حوصلہ افزائی کی جائے گی ، اور مملکت قرآن کریم کی طباعت و اشاعت کا بندوبست کرے گی

..........مذکورہ اقتباس سے عربی زبان کے فروغ اور نشر اشاعت کے متعلق ہمارے ملک کے آیئنی ودستوری فریضے کی طرف واضح اشارہ ملتا ہے۔

اللہ آپ تمام نوجوانوں کو اپنے ملک ، دین اورملت کا صحیح نگہباں بنائیں''۔

قیدیوں کے حقوق

پشاور کے غیر اسلامی، غیر انسانی، ہولناک اور نہایت سفاک دہشت گردانہ واقعے کے بعد آج کل ہمارے یہاں جمہوری قوتیں بھی فوجی عدالتوں کے حق میں ایک دوسرے پر سبقت کرنے میں جُت گئی ہیں، قیدیوں کے احوال ہمارے ملک میں پہلے ہی قابلِ رشک نہیں ہیں، اگر ہم دہشت گردی کا جواب ناانصافی اور زیادتی سے دیں گے، تو کل ہمیں انسانی حقوق اور سول سوسائٹیز کی تنظیمیں آڑے ہاتھوں لیں گی، سیکورٹی فورسز، حکومت اور عدالتیں شدید تنقید کے نشانے پر ہوں گی، ناسمجھ اور کسی حد تک محروم طبقے اغیار اور دشمنوں کے ورغلانے کے آسان شکار بن جانے کے خطرات کا مزید خانہ جنگی کی صورت میں اضافہ ہوگا، نیز جنیوا کنونشن کی بعض شقوں اور دفعات کی خلاف ورزی بھی ہوگی۔

پھر کچھ مسلم ممالک کے حالات آپ کے سامنے ہیں، جہاں خون کے سیلاب اور ظلم و ستم کی کتنی آندھیاں چل رہی ہیں، ایسا کب تک ہوتا رہے گا؟ کتنی عورتوں کی بے حرمتیاں کی گئیں؟ کتنے معصوم بچوں اور ضعیف بوڑھوں پر ظلم کے پہاڑ توڑے گئے؟ اور کتنے مردوں اور پردہ نشین عورتوں کے حقوق کو برباد کیا گیا، جن کا کسی بھی قسم کے جرم سے دور کا واسطہ بھی نہ تھا؟

بوسنیا میں جو وحشت و بربریت کا طوفان بد تمیزی برپا کیا گیا تھا، مسلمانوں پر مختلف انواع کے مظالم ڈھائے گئے تھے، باپردہ مسلمان خواتین کی جو عزتیں لوٹی گئیں تھیں، اس پر مستزاد یہ کہ مظلوم مسلمانوں سے نفرت اور ظالم عیسائیوں کے ساتھ مل کر یو این او کی افواج نے جو نہایت جانب دارانہ رویہ اختیار کیا تھا، اسے تاریخ کی آنکھ نے لمحہ بہ لمحہ محفوظ کر لیا ہے۔

مذکورہ بالا حقائق کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ ماضی میں جن ممالک نے خانہ جنگیوں کو اپنی بصیرتوں اور حکمتوں کے بجائے اندھا دھند طاقت سے دبانے کی کوششیں کیں، وہ ناکام ہوئیں، وہاں مسائل کا حقیقی حل تب نکلا جب عقلمندی اور دور اندیشی کو کام میں لایا گیا۔

: یہاں ہم جنیوا معاہدے کی چند دفعات کا ذکر کرتے ہیں جو حربی قیدیوں کے متعلق ہیں

دفعہ نمبر۴: دوران جنگ یا بعد تک حربی قوتوں کے شکنجے میں قید کوئی شخص جنگی قیدی کہلائے گا۔ محدود معنوں میں: وہ شخص جو منظم طور پر فوج سے تعلق رکھتا ہو، وسیع معنوں میں: وہ گوریلے اور عام شہری جو مسلح انداز میں برسرپیکار ہوں، جنگی قیدی کے زمرے میں آتے ہیں۔

دفعہ نمبر۱۲: جنگی قیدی کو تحویل میں رکھنے والی قوت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اس کا ہر طرح سے خیال رکھے۔

دفعہ نمبر۱۳: جنگی قیدی کے ساتھ نرمی اور شائستگی کا رویہ رکھا جانا چاہیے۔

دفعہ نمبر۱۵: اگر جنگی قیدی بیمار یا زخمی ہو تو تحویل میں رکھنے والی قوت کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اخراجات پر اس کا علاج کرائے۔

دفعہ نمبر۱۶: علاج اور دیگر امور کے حوالے سے ناروا سلوک نہ رکھا جائے بلکہ اسی نوعیت کی تکنیکی اور طبّی سہولتیں فراہم کرنی ناگزیر ہوں گی جو تحویل میں رکھنے والی قوت اپنے فوجیوں کو فراہم کرتی ہے۔

دفعہ نمبر۲۲: قیدیوں کی صحت کو مد نظر رکھتے ہوئے رہنے کے لئے صاف اور کشادہ جگہ فراہم کی جانی چاہیے اور انہیں کوٹھڑیوں میں ہر گز نہیں رکھنا چاہیے۔

دفعہ نمبر۲۵: اگر ہو سکے تو ان کو رہائش کے باقاعدہ کوارٹر مہیا کئے جائیں۔

دفعہ نمبر۲۶: جنگی قیدیوں کو مناسب مقدار میں غذا دی جانی چاہیے، اور تمباکو نوشی کے عادی قیدیوں کو اس کی اجازت دی جانی چاہیے۔

دفعہ نمبر۲۷: دیگر بنیادی ضرورتوں میں جنگی قیدیوں کے کپڑوں، جوتوں اور زیر جامہ کا خیال رکھنا چاہیے۔

دفعہ نمبر۲۸: جنگی قیدیوں کے ہر کیمپ میں کینٹین کی سہولت مہیا ہونی چاہیے۔

دفعہ نمبر۴۱: ہر قیدی کیمپ میں جنیوا کنونشن کا متن، ضمیمے اور کوئی دوسرا معاہدہ جو قیدیوں سے سلوک کے حوالے سے ہو، قیدیوں کو سمجھ میں آنے والی زبان

میں موجود ہونا چاہیے، تاکہ وہ اپنے لئے بنائے گئے بین الاقوامی قوانین کا مطالعہ کر سکیں۔

دفعہ نمبر ۷۷: جنگی قیدیوں کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے مقدمات کے سلسلے میں وکلاء سے بالمشافہ ملاقات کریں اور تحویل میں رکھنے والی ریاست کی یہ ذمہ داری ہے، کہ قیدیوں کو یہ سہولت فراہم کرے۔

مذکورہ بالا تمام دفعات جنیوا کنونشن کا حصہ ہیں، جو اقوام متحدہ کے دستور میں شامل ہے۔ امریکہ اور اس کے تمام حلیف ہمیشہ اس تنظیم کے قوانین، معاہدوں اور فیصلوں کو رکن ممالک میں نافذ کرنے کے لئے ڈھنڈورے پیٹتے رہتے ہیں، اگرچہ خود عمل کے لحاظ سے صرف صفر ہی نہیں، بلکہ انہیں روند ڈالنے میں کوئی کسر روا نہیں رکھتے، نیٹ میں کیوبا اور ابو غُریب کے قیدیوں پر گذرنے والے احوال کا مطالعہ و مشاہدہ فرمایئے، اندازہ ہوجائے گا کہ ان استعماری قوتوں کے قول و عمل میں کتنا بڑا زمین وآسمان کا تفاوت ہے۔ بہرحال 11/9 کے بعد ذرہ بنظرِ غائر واقعات کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ امریکہ پر اپنے تکبر اور غرور کے زعم میں ایک جنون سوار ہوچکا ہے۔ اس نے افغانستان جیسے پسماندہ، مصیبت زدہ اور زخموں سے چور چور ملک پر بغیر کسی دلیل کے حملہ کیا اور ہر قسم کے ہتھیار چاہے وہ کیمیاوی ہوں یا غیر کیمیاوی،

استعمال کئے اور دورانِ جنگ بنی نوعِ انسان میں کوئی بھی تمیز کی نہ ہی عسکری مقامات اور مساجد اور اسپتالوں میں کوئی فرق ملحوظ خاطر رکھا بلکہ اندھا دھند بمباری جاری رکھی۔ دورانِ جنگ تسلیم ہونے والے افراد کو جنگی قیدی بنایا اور تین سو کے لگ بھگ قیدیوں کو انتہائی بدتر حالت میں گوانٹانا موجزیرے میں منتقل کر دیا۔ امریکیوں نے ان قیدیوں کے پیروں میں بیڑیاں ڈالیں ان کی ڈاڑھیوں کو مونڈھا اور ان کے ہاتھوں کو پشت کی طرف سے باندھ دیا، ان کی آنکھوں پر کالی پٹیاں باندھ کر ان پر کالی عینکیں چڑھا دیں ان کے کانوں کو روئی سے بھر دیا اور پھر ان کو ایسے پنجروں میں رکھا جو طول وعرض میں بھی ان سے چھوٹے اور ناکافی تھے۔ نتیجتاً امریکہ کو پھر بھی شکست وہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا۔

بات یہ ہے کہ جب غصہ جنون میں تبدیل ہو جائے، وہاں عقل کی کوئی قیمت نہیں رہتی، پاگل پنے کی دہلیز پر تمام قاعدے کلیے اخلاقی اقدار بین الاقوامی قوانین، معاہدے اور دساتیر ذبح کر دیئے جاتے ہیں، یوں ان تمام معاہدوں کی دفعات اور شقیں کسی بھی معنی اور مقصد سے کھوکھلی ہو کر رہ جاتی ہیں۔

باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''تمہیں کسی قوم سے بغض وعداوت بے انصافی پر مجبور نہ کریں، انصاف کرو، وہی تقویٰ کے قریب تر ہے''۔

بادشاہت

وہ نظام حکومت جس میں تمام اختیارات کار تکار پارلیمنٹ یا مجلسِ شوریٰ کے بجائے فردِ واحد کی ذات میں ہو، یہ فرد یا حاکم بادشاہ، شہنشاہ، کنگ ،مِلِک ، سلطان، راجا یا امیر کہلاتا ہے، یہ کہنا مشکل ہے کہ دنیا کی پہلی بادشاہت کہاں قائم ہوئی، بہر حال عراق، یمن ،روم، بابل، مصر،شام،افغانستان، یونان، ایران ،مشرقی ممالک اور ہندوستانِ قدیم میں بڑے بڑے جابر و قاہر بادشاہ گزرے ہیں،ان میں سے اکثر اپنی رعایا کے مذہبی پیشوا بھی تھے، بادشاہت عموماً موروثی ہوتی ہے۔

ایسی بادشاہت جس میں بادشاہ کے اختیارات لامحدود ہوں، اس کا ہر حکم قانون کی حیثیت رکھے اور وہ کسی کے سامنے جواب دہ نہ ہو، مطلق العنان (ABSOLUTE) بادشاہت کہلاتی ہے،جس بادشاہت میں بادشاہ کے اختیارات محدود ہوں اور حکومت کا کاروبار عوام کے منتخب نمائندے چلاتے ہوں، وہ آئینی بادشاہت ہوتی ہے، ایسی بادشاہتیں سترھویں اور اٹھارویں صدی میں یورپ میں قائم ہوئیں،اسپین،برطانیہ، نیدرلینڈ (ہالینڈ)، سویڈن، ناروے، ڈنمارک اور لکسمبرگ میں بادشاہوں کی حیثیت آئینی ہے،اس قسم کی بادشاہتیں شرقِ اوسط کے بعض ملکوں اور خلیجِ عرب کی ریاستوں میں بھی قائم ہیں، تعجب کی بات یہ ہے کہ یورپ میں

توبادشاہ کو حکومت کے کاموں میں دخل دینے کا حق تک حاصل نہیں، انگریز فطرتاً شاہ پرست ہیں، لیکن اندازہ لگایئے ان کا بادشاہ اتنا بے بس ہے، کہ اگر دارالعوام اسے پھانسی دینے کا بل پاس کردے تو اسے بے چوں وچراں اس پر دستخط کرنے پڑیں گے۔

جمہوریت ایک طرزِ حکومت ہے، جو بنیادی طور پر شاہ پرستی کی ضد اور اس کا شدید مخالف ہے، مگر بدقسمتی سے دہشت گردی کی طرح اس کم بخت کی بھی حدودِ اربعہ کا صحیح تعین آج تک نہیں کیا جاسکا، یورپ میں جمہوریت نے بادشاہت کا انداز بڑی بڑی پارٹیوں اور ہمارے یہاں بڑے بڑے خاندانوں کی شکل میں اختیار کیا ہے، کہنے کو تو عوام اور جمہور کی حکمرانی ہے، لیکن حقیقت میں عوام سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا، عوام کے ساتھ جتنا سنگین مذاق جمہوری ملکوں میں میں دیکھنے کو ملتا ہے اتنا کہیں اور جگہ نہیں ہوتا، بس اتنی سی بات ہے کہ بادشاہت والا گھٹن یہاں نہیں ہوتا۔

سوشلزم اور کمیونزم نے ان دونوں طریقوں سے ہٹ کر مساوات کی بنیاد پر حکمرانی کا ایک تصور دیا، جس کا نعرہ شروع شروع میں خوب چلا، پر وقت نے اس کا بھی کھوکھلا پن طشت ازبام کردیا، لوگوں کے بنیادی حقوق پامال اور سلب کئے گئے، اغنیاء اور امراء کو بہت نقصانات ہوئے، ان کے اموال اور کارخانے سرکاری

تحویل میں لے لئے گئے،مذہب کا انکار کیا گیا،یا پھر کم از کم مذہبی لوگوں پر پابندیاں لگادی گئیں، بکریوں کے ریوڑھ کی طرح انسانوں کو چلانے کی ناکام کوششیں ہوئیں، چنانچہ آج ان ملکوں میں بھی بے چینی کی تلاطم خیز لہریں ہیں۔

ہمارے یہاں پچھلے دنوں دھرنوں والی سیاست نے بادشاہت کے خلاف خوب طبع آزمائی کی، بعض مذہبی لوگ تو بادشاہتوں کو کفر تک قرار دے دیتے ہیں، حالانکہ دنیا میں جہاں جہاں یہ سسٹم رائج رہا، یا آج بھی قائم ہے، وہاں قدرے سکون استقرار، پختگی، خوشحالی اور اطمینان دیکھنے کو ملتا ہے،آج بھی ہمارے لوگ شاہی، حکمرانوں کے ممالک میں جاکر نوکریاں کرتے ہیں اور تعلیم حاصل کرتے ہیں، خود بی بی مرحومہ اور عمران خان وغیرہ نے بھی یوکے میں اپنی تعلیم کی تکمیل کی ہے،اور وہیں کی مثالیں بات بات میں دیتے چلے آئے ہیں، خلیجی ممالک کے بادشاہ نہیں اگر ان کے سفیر بھی ہمارے قائدین کو کسی مناسبت میں بلالیں تو خوشی سے پھولے نہیں سماسکتے۔

لہٰذا مسئلہ عدل وانصاف کا ہے،قرآن حکیم نے اسی پر زور دیا

ہے، بادشاہت، جمہوریت، ملوکیت اورخلافت کے ناموں اور اصطلاحات کا

نہیں، بالخصوص خلافت تو اللہ کی دَین اور نعمت کبریٰ ہے، جیسے زکاۃ دینا فرض ہے، لینا

فرض

نہیں، اسی طرح خلافت دی جاتی ہے، لی نہیں جاتی، بادشاہوں میں خلافت آ سکتی ہے، حضرتِ داؤد علیہ السلام بادشاہ تھے،اللہ تعالیٰ نے ان کو ''خلیفہ'' کہاہے، حضرتِ سلیمانؑ بھی نبی ہو کر بادشاہ تھے،طالوت کو اللہ تعالیٰ نے بادشاہ بنا کر بھیجا، نیز بنی اسرائیل پر جب باری تعالیٰ اپنے احسانات جتلاتا ہے، وہاں ان میں بعض کو''ملوک'' بنانے کا تذکرہ کرتے ہیں۔

اسلام طرزِ حکمرانی کے بجائے حکومتی عدل وانصاف کے احکام بڑے زور و شور سے جاری کرتاہے،اسی لئے قرآن وحدیث کی نصوص میں شاہی، صدارتی، وزارتی، وفاقی امارتی اور خلافتی طرزہائے حکمرانی کی وضاحت نہیں ہے،کلیات بیان کرتاہے، جزئیات، عامۃ المسلمین پر ان کے مصالحِ زمان ومکان کے مطابق چھوڑتا ہے، کہ وہ جس بات پر اجماع واتفاق کرلیں، وہی ان کا دستور و منشور ہو۔چنانچہ جب سیدنا ابوبکر کی خلافت پر اجماع ہوگیا، تو وہ خلیفہ ہوگئے۔

بہرحال عرض یہ کرنا تھا کہ بادشاہت وملوکیت کفر نہیں ہے، سوشل میڈیا میں بے پڑھے مفتیوں سے گذارش ہے کہ ذرہ احتیاط۔

اے اہلِ نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ جانے وہ نظر کیا

للکار نہیں۔۔۔پیار

خون ریزی اور خانہ جنگی کی ایک گھناؤنی شکل وطنِ عزیز کے چپے چپے میں پھیلی ہوئی ہے، ''خانہ جنگی'' کا معنی ہی یہ ہے کہ گھر کے افراد ایک دوسرے سے دست و گریباں ہوتے ہیں ،ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے جنوں میں مبتلا اور خون بہانے کے بے لذت مشغلے کو اختیار کئے ہوتے ہیں ، یہ وہ بے مقصد اور بے خیر جنگ ہوتی ہے جس میں کسی کی فتح نہیں ہوتی ، بلکہ ہر فرد کی شکست ہوتی ہے ،اپنی ذات کی شکست ،اپنی وحدت کی شکست ،اپنی امت کی شکست اپنی اقدار کی شکست ، حوصلے کی شکست اور نہ معلوم کیاکیا شکستیں اس جنگ کے نتیجے میں ملتی ہیں اس شکست در شکست پر بھی منتہی نہ ہونے والی جنگ کے طوفان میں بد قسمتی سے ہم ایک طویل عرصے سے سرتاپا ڈوبے ہوئے ہیں، کبھی دست وپا زخمی ہیں، تو کبھی سینہ چھلنی ہے ، کبھی آنکھ پھوڑی جاتی ہے، تو کبھی دانت کٹے کئے جاتے ہیں ، کبھی سر بریدہ لاشیں ہیں، تو کبھی کلائی مروڑی جاتی ہے، کبھی ٹانگ کھینچی جاتی ہے تو کبھی دل پر حملہ ہوتاہے ، کبھی وسائل پر جھگڑا، تو کبھی مسائل پر اختلاف حدوں سے گزرتا ہے ، کبھی رنگ روغن، تو کبھی اب ولہجے کی بنیاد پر عدم برداشت کا نظارہ اور عدم تشدد کی پامالی نظر آتی ہے، ہر گھر کے جھگڑے میں ہمیشہ کی طرح یہاں بھی ہر فریق دوسرے پر بیرونی ایجنڈے کیلئے کام اور غیروں کے اشارے پر ناچنے کا الزام

لگتا ہے۔

ہمارے گھر (پاکستان) میں دائیں اور بائیں بازو کی سیاست تو خوب رہی ہے اور ادب وشاعری میں بھی ان بازوؤں کی زور آزمائی کے میلے سجتے رہے اور دفتر کے دفتر سیاہ کئے جاتے رہے ہیں، حق تو یہ ہے کہ لفٹ اور رائٹ میں قوم آج بھی تقسیم نظر آتی ہے پہلے روس اور امریکہ کا ایجنٹ ہونے کا الزام ایک دوسرے پر لگایا جاتا تھا، پھر شام اور ، ایران کیلئے کام کرنے کے اتہام کا بھی تبادلہ ہوتا رہا،اب ایک لڑائی ہے، جسے کوئی اسلام اور کفر کی لڑائی کہتا ہے ،تو کوئی حقانیت اور خارجیت کا معرکہ۔

اسکول وبازار بھی نشانے پر ہیں، ہسپتال بھی ٹارگٹ ہیں، چرچ پر بھی حملہ ہورہا ہے، مسجد ومدرسہ کا تقدس بھی پامال کیا جاتا ہے ،ڈاکٹر وپروفیسر بھی مارا جاتا ہے، عالم دین بھی قتل ہورہا ہے ، سرکاری اہلکار بھی، سویلین بھی ، کوئی محفوظ نہیں ، کسی کی خیر نہیں، جو ہورہا ہے اس پر ہر دل دکھی اور ہر آنکھ اشک بار ہے، تاہم اگر یہ درست ہے کہ سکول کا اس لڑائی میں کوئی کردار نہیں ہے اور تسلیم ہے کہ نہیں ہے، تو یہ بھی غلط نہیں ہے کہ مدارس کا بھی اس جنگ سے کوئی تعلق نہیں ، مگر بد قسمتی سے ہر دفعہ کی طرح اس مرتبہ بھی جب پشاور میں اسکول کا المناک واقعہ پیش آیا، تو اس کے تانے بانے دینی مدارس سے ملانے کی نامسعود کوششیں ہوئیں، اس واقعہ کی آڑ میں اداروں پر ہاتھ ڈالا جارہا ہے اور

ان سے وابستہ افراد پر عرصۂ حیات تنگ کیا جارہا ہے، جبکہ اس قسم کے اندوہناک واقعات میں ملوث عناصر کا آج تک کوئی باقاعدہ تعلق مدارس سے ثابت نہیں کیا جاسکا ہے اور نہ ہی مدارس میں تخریب کاری اور قتل وغارت کی تربیت دیئے جانے کا کوئی ثبوت پیش کیا جاسکا ہے۔

اسلامی جمہوریہ پاکستان ایک اسلامی نظریاتی ریاست ہے اور یہاں وطنیت کی جتنی تعلیم دی جانی اور جتنی ذہنیت ہونی چاہیئے ،اسلامیت بھی، قوم وملک میں مضبوط کرانا اوراسے تسلسل سے آگے بڑھانے کی ضرورت ہے ،مدارس دینیہ ازخود اس ملکی اورملی فریضہ کو تمام تربے غرضی کے ساتھ ادا کررہے ہیں ،دین کی تعلیم کے ساتھ اخلاق کی تعلیم بھی لازمی طور پر دی جاتی ہے۔ مگر ایک سوچی سمجھی ذہنیت یا نادیدہ قوتوں کی کارستانی ہے کہ مرض کی صحیح تشخیص کے بجائے ''مدرسہ'' مطعون ومعتوب ہے اور اسے تخریب ودہشت کی علامت قرار دیا جاتا ہے۔

ہمارے خیال میں نصف صدی سے زائد عرصے سے دینی تعلیم میں مصروفِ عمل ان اداروں نے بے شمار افراد تیار کئے ہیں اور وہ کسی نہ کسی دینی ،تدریسی یا دعوتی کام میں انہماک کے ساتھ مشغول ہیں۔۔۔ اب اگر مدارس کی اس ہیئت کو تبدیل کرنے او رمذہبی طبقے کو دیوار سے لگانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئ

مدارس کو محدود اور مسدود کرنے کی روش تدریجاً جاری رہی، تو بعید نہیں ہے کہ، مختلف مدرساتی کاموں میں لگے اور جتے ہوئے یہ لاتعداد لوگ فارغ کئے جانے کے بعد موقع کو غنیمت جان کر خانہ جنگی کے اس چھاؤ کا ایندھن نہ بن جائیں، پھر جو کچھ بھی ہوگا وہ بہت برا ہوگا اور بہت دیر تک رہے گا، بلکہ ہمیشہ تک رہے گا۔ لہٰذا اقتدار واختیار والے، عجلت میں کوئی ایسا فیصلہ اور اس پر عمل ہرگز نہ کریں، جو کسی بہت بڑے ملی حادثے یا دائمی ازمائش کا منحوس سبب بن جائے، للکار کے بجائے پیار سے کام لیا جائے، محرومیوں کا ازالہ کیا جائے، بدگمانیاں ختم کی جائیں، ناراض "گھر" والوں کی طرف سچی دوستی کا ہاتھ بڑے اخلاص سے بڑھایا جائے، آگ بجھائی جائے اور ملک وملت بچانے کی کوشش کی جائے، سعودیہ میں اس قسم کے گرفتار شدگان کی برین واشنگ کی گئی، جو بہت مفید اور کارآمد ثابت ہوئی ہے، ان سے ضرور استفادہ کیا جائے، ہر سطح پر عدل وانصاف کو یقینی بنایا جائے، دیرپا حل تلاش کئے جائیں، خدارا اپنے اوپر، اپنے بچوں اور ملک کے تمام باسیوں پر رحم کیجئے۔

گوریلے اور پاگل

کیوبا کے انقلابی رہنما ''فیڈل کاسترو'' نے ابتدائی تعلیم سانتیاگو میں حاصل کی، 1942 میں ہوانا گئے اور 1950 میں ہوانا یونیورسٹی سے قانون کی ڈگری لی، اسی اثناء میں کیوبا کے دو سو انقلاب پسند طالب علموں کا ایک گوریلا جتھا منظم کیا اور 26، جولائی 1953 میں سانتیاگو کی فوجی بیرکوں پر حملہ کرکے بہت سے فوجی ہلاک کر دیئے، شدید جنگ کے بعد انہیں گرفتار کر لیا گیا اور کیوبا کے مطلق العنان آمر '' باتستا'' کے حکم پر 15 سال قید کی انہیں سزا دی گئی، 1956 میں کیوبا کی پارلیمنٹ نے سیاسی قیدیوں کی معافی کا قانون منظور کیا، تو کاسترو اور ان کے ساتھی بھی رہا کر دیئے گئے، رہائی کے بعد پھر سے اس نے میکسیکو اور باتستا حکومت کے خلاف چھاپا مار جنگ کے لیے کیوبا کے نوجوانوں کی ایک مختصر سی فوج بنائی، 2، دسمبر 1956 کو یہ فوج، کاسترو کی زیر کمان، کیوبا کے صوبہ اورینٹ کے ساحل پر اتری، کیوبا کے ہزاروں نوجوان اس فوج میں شامل ہوتے گئے اور 1958 کے اواخر تک گوریلا جنگ نے باقاعدہ جنگ کی شکل اختیار کرلی، جنوری 1959 میں باتستا فرار ہوگیا اور کیوبا پر کاسترو کے زیر کمان کمیونسٹوں کا قبضہ ہوگیا۔

ڈاکٹر کاسترو نے کمال ہوشیاری سے شروع میں اپنے سیاسی نظریات پوشیدہ رکھے۔
امریکی سی۔آئی۔اے آخر دم تک انہیں کمیونسٹ انقلابی کی بجائے قوم پرست انقلابی سمجھتی رہی، اسی لیے اس وقت امریکا یہ فیصلہ نہ کرسکا، کہ اس خانہ جنگی میں کس کا ساتھ دے، فروری 1959 میں کاسترو جمہوریہ کیوبا کے وزیر اعظم مقرر ہوئے، میں کمیونسٹ پارٹی کے چیئرمین منتخب کیے گئے، 1963 ہی میں لینن امن انعام 1963 کے مستحق، آگے جاکر ہیرو آف دی سوویت یونین اور 1972 میں فیڈل کاسترو نے آرڈر آف لینن کا اعزاز حاصل کیا، اس گوریلا کمانڈر نے قریباً 50 برس تک امریکہ جیسی سپر طاقت کی ناک تلے کیوبا پر حکومت کرکے وہاں کا پورا نقشہ کچھ سے کچھ کردیا۔
اللہ رحم فرمائے، ہمارا گھر ''اسلامی جمہوریہ پاکستان'' پہلے اغیار کی ریشہ دوانیوں کی بدولت مذہبی ولسانی فسادات وہنگاموں کا شکار تھا، اب ملک میں خانہ جنگی کا باقاعدہ اعلان ہوچکا ہے، مشرقی ومغربی سرحدات پر پڑوسی ممالک بھی کبھی زبانی کلامی دھمکیاں اور کبھی سچ مچ ہماری سیکورٹی فورسز کے رعنا جوانوں کو شہید کردیتے ہیں، بارڈر کے قریب رہائش پذیر سویلین اور ان بے چاروں کے گھربار بھی آئے روز دشمن کے گولہ بارود کا شکار ہوجاتے ہیں، قبائلی علاقوں اور جنوبی پنجاب میں بہت سے پاگل، مفرور یا اغیار کے ایجنٹ افراد، امریکی جارحیت سے برسرپیکار طالبان ومجاہدین کے بھیس میں
اس

مملکتِ خداداد کے خلاف نبرد آزما ہیں۔

اُدہر امریکہ بھی ہمارے لئے کسی مصیبت سے کم نہیں،امداد بھی دیتا ہے اور اپنا کام بھی نکالنا چاہتا ہے،پیار بھی کرتا ہے، گوادر کے مسئلے میں ناراض بھی ہے، چین ہمارا دوست بھی ہے، مگر گوادر بھی لے چکا ہے، ماضی میں انڈیا کے ساتھ ہم ایک ہی کوکھ میں رہے،اب صرف غیر مسلم نہیں انڈین مسلمان تک ہمیں طعنے دیتے ہیں کہ اپنے پاؤں پے کھڑے ہونے کے قابل نہ تھے، تو بٹوارہ کیوں کیا؟ایران اپنی جگہ خفہ، سعودیہ اور افغانستان اپنی اپنی جگہ ناراض۔

خداوندا، ترے یہ سادہ دل بندے کدہر جائیں
کہ درویشی بھی عیاری ہے، سلطانی بھی عیاری

اب چین سپر پاور بننے جارہاہے،امریکہ کی خواہش ہے ،جو آپ کے ملک میں ہم نے مجاہدین تیار کئے تھے،انہیں چائنا میں استعمال کریں،جو ہم شاید کبھی بھی نہ کرکے ان شاء اللہ، وہ کہتا ہے اگر نہیں کر سکتے، تو پھر انہیں ماردو، ہمارے انکار پر سانحہَ پشاور جیسے ہولناک دہشت گردانہ حادثات کرائے گئے، اب خطرہ یہ ہے کہ کہیں بے اعتبار امریکہ کل کلاں خود ہی ان سے دوستی کا ہاتھ نہ بڑہائے، کہ افغانستان بھی دیتے ہیں اور خاکم بدہن اڑوس پڑوس میں کوئی چھوٹاسا ٹکڑا بغل بچہ بھی، عالمِ اسلام اور پوری دنیا میں تمہیں پیش رؤں کے

مانند" ہیرو" کا درجہ بھی دینے کو تیار ہیں، بس تم ہمارے کہنے پر اعلانِ جہاد کیا کرو، تو پھر یہی پاگل دنیا میں گوریلے اور مجاہدین کہلا ئینگے، پورا عالم انگشت بدنداں اور ہم کفِ افسوس مل رہے ہوں گے۔

کون سوچ سکتا تھا کہ فیڈل کاسترو ایک باغی سے گوریلا بن کر ملک پر قبضہ بھی کر لے گا، امریکہ کے چہیتے صدام حسین کے گلے میں ایک دن امریکن خود ہی پھندا لگا ئینگے، قذافی سے ایٹمی اثاثہ جات لے کر انہیں بر سر بازار امریکی ہی رسوا کرا ئینگے، لیکن یہ سب کچھ ہوا، لہٰذا ملک کے مستقبلیاتی فیصلوں میں بے پناہ دانشمندی، تدبّر اور نہایت باریک بین حکمت عملیوں کی اشد ضرورت ہے۔ الحکمہ الحکمہ، العقل العقل۔

ایک نئے عمرانی معاہدے کی ضرورت

صلحِ ''حدیبیہ'' بظاہر ذلت و مغلوبیت کی صلح نظر آتی ہے، شرائط صلح پڑھ کر بادی النظر میں یہی محسوس ہوتا ہے کہ تمام جھگڑوں کا فیصلہ کفار قریش کے حق میں ہوا، چنانچہ حضرت عمرؓ بھی صلح کی ظاہری سطح دیکھ کر سخت محزون و مضطرب تھے، وہ خیال کرتے تھے کہ اسلام کے چودہ پندرہ سو سرفروش سپاہیوں کے سامنے قریش اور ان کے طرفداروں کی جمعیت کیا چیز ہے، کیوں تمام نزاعات کا فیصلہ تلوار سے نہیں کردیا جاتا، مگر رسول اللہ ﷺ کی دور اندیش نگاہیں ان احوال و نتائج کو دیکھ رہی تھیں، جو دوسروں کی نگاہوں سے اوجھل تھے اور اللہ نے آپ ﷺ کا سینہ سخت سے سخت ناخوشگوار واقعات پر تحمل کرنے کیلئے کھول دیا تھا، آپ ﷺ بے مثال استغناء اور توکل و تحمل کے ساتھ ان کی ہر شرط پر صاد فرماتے رہے اور اپنے اصحاب کو ''اللہُ ورسولہ اعلم'' کہہ کر تسلی دیتے رہے، تاآنکہ سورۂ فتح نازل ہوئی اور خداوند قدوس نے اس صلح اور فیصلہ کا نام ''فتح مبین'' رکھا، لوگ اس پر بھی تعجب کرتے تھے کہ یارسول اللہ کیا یہ فتح ہے؟ فرمایا کرتے، جی ہاں یہ فتح مبین ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ صحابہ ﷺ کی بیعتِ جہاد اور معمولی چھیڑ چھاڑ کے بعد کفار

معاندین کا مرعوب ہو کر صلح کی طرف جھکنا اور نبی کریم ﷺ کا باوجود جنگ اور انتقام پر کافی قدرت رکھنے کے ہر موقع پر اغماض اور عفودرگزر سے کام لینا اور محض تعظیم بیت اللہ کی خاطر ان کے بیہودہ مطالبات پر قطعاً برافروختہ نہ ہونا، یہ واقعات ایک طرف اللہ کی خصوصی مددورحمت کے استجلاب کا ذریعہ بنتے تھے اور دوسری جانب دشمنوں کے قلوب پر اسلام کی اخلاقی اور روحانی طاقت اور پیغمبر ﷺ کی شان پیغمبری کا سکہ بٹھلارہے تھے۔ گو عہد نامہ لکھتے وقت ،ظاہر بینوں کو کفار کی جیت نظر آتی تھی، لیکن حضرتِ ابوبکر صِدّیقؓ کی طرح کچھ لوگ ٹھنڈے دل سے فرصت میں بیٹھ کر غور کرنے والے خوب سمجھتے تھے کہ فی الحقیقت تمام ترفیصلہ حضور ﷺ کے حق میں ہورہاہے، اللہ تعالی نے اس کا نام فتح مبین رکھ کر متنبہ کردیاکہ یہ صلح اس وقت بھی فتح ہے اورآئندہ کے لئے بھی آپ کے حق میں بے شمار فتوحات ظاہری وباطنی کا دروازہ کھولتی ہے، اس صلح کے بعد کافروں اور مسلمانوں کو باہم اختلاط اور بے تکلف ملنے جلنے کا موقع ہاتھ آیا کفار مسلمانوں کی زبان سے اسلام کی باتیں سنتے اور ان مسلمانوں کے احوال واطوار کو، دیکھتے، تو خود بخود ایک کشش اسلام کی طرف ہوتی تھی، نتیجہ یہ ہواکہ صلح حدیبیہ سے فتح مکہ تک ،یعنی تقریباً دوسال مدت میں اتنی کثرت سے لوگ مشرف بہ اسلام ہوئے کہ کبھی اس قدر نہ ہوئے تھے، خالد بن ولیدؓ اور عمرو بن العاصؓ جیسے نامور صحابہ اسی دوران میں اسلام کے حلقہ بگوش بنے ، جسموں کو نہیں دلوں کو فتح کرلینا اسی صلحِ حدیبیہ کی عظیم ترین برکت

تھی، اب جماعتِ اسلام چاروں طرف اس قدر پھیل گئی اور اتنی بڑھ گئی تھی کہ مکہ معظّمہ کو فتح کرکے ہمیشہ کے لئے شرک کی گندگی سے پاک کر دینا بالکل سہل ہوگیا تھا، حدیبیہ میں حضور اکرم ﷺ کے ہمراہ صرف ڈیڑھ ہزار جانثار تھے، لیکن دو برس کے بعد مکہ معظّمہ کی فتح عظیم کے وقت دس ہزار کا لشکرِ جرّار آپ ﷺ کے ہمرکاب تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف فتح مکہ اور فتح خیبر بلکہ آئندہ کی کل فتوحات اسلامیہ کیلئے صلح حدیبیہ بطوراساس وبنیاد اور زرین دیباچہ کے تھی اور اس تحمل وتوکل اور تعظیم حرمات اللہ کی بدولت جو صلح کے سلسلے میں ظاہر ہوئی، جن علوم ومعارف قدسیہ اور باطنی مقامات ومراتب کا فتح باب ہوا ہوگا اس کا اندازہ توکون کر سکتا ہے ہاں تھوڑا سا اجمالی اشارہ حق تعالی نے سورۂ فتح کی آیتوں میں فرمایا ہے۔یعنی جس طرح سلاطینِ دنیا کسی بہت بڑے فتح پر جنرل وکمانڈر کو خصوصی اعزاز واکرام اور تمغوں سے نوازتے ہیں خداوند قدوس نے اس فتح مبین کے صلہ میں آپ ﷺ کو جن چیزوں سے سرفراز فرمایا، ان میں پہلی چیز غفران الذنوب ہے ،ہمیشہ سے ہمیشہ تک کی سب کوتاہیاں جو آپ ﷺ کے مرتبۂ رفیعہ کے اعتبار سے کوتاہی سمجھی جائیں، بالکلیہ معاف کردی گئی ہیں ، یہ بات اللہ تعالی نے کسی اور بندے کے لئے نہیں فرمائی، مگر حدیث میں آیا ہے کہ اس آیت کے نزول کے بعد حضور اکرم ﷺ اس قدر عبادت اور محنت کرتے تھے کہ راتوں کو کھڑے کھڑے پاؤں

مبارک سوج جاتے تھے اور لوگوں کو دیکھ دیکھ کر رحم آتا تھا، صحابہؓ عرض کرتے یارسول اللہ !آپ اس قدر محنت کیوں کرتے ہیں ؟ اللہ تعالی تو آپ کی اگلی پچھلی، خطائیں معاف فرماچکا ہے ، فرماتے ! (افلا اکونَ عبداً شکوراً۔ تو کیا میں اس کا شکر گزار بندہ نہ بنوں ، ظاہر ہے کہ اللہ تعالی بھی ایسی بشارات اسی بندہ کو سنائیں گے جو سن کرنڈر نہ ہوجائے، بلکہ اور زیادہ خدا سے ڈرنے لگے ،شفاعت کی طویل حدیث میں ہے کہ جب مخلوق جمع ہو کر حضرت مسیح ﷺ کے پاس جائے گی، تو وہ فرمائیں گے کہ محمد ﷺ کے پاس جاؤ، جو خاتم النبیین ﷺ ہیں اور جن کی اگلی پچھلی سب خطائیں اللہ تعالی معاف فرماچکا ہے ،یعنی اس مقام شفاعت میں اگر بالفرض کوئی تقصیر بھی ہو جائے، تو وہ بھی عفو عام کے تحت میں پہلے ہی آچکی ہے ، گویا بجز ان کے اور کسی کا یہ کام نہیں ہوسکتا۔ (تفسیرِ عثمانی مع تغیر)۔

کیا حالت ہوتی ہوگی،جب آنحضرت ﷺ اور صحابہ کرامؓ مدینے سے مکہ عمرہ کا احرام باندھکر نکلے ہوں گے اور انہیں کفارِ قریش کی بے جا ضد وعناد کے بدولت اپنے احرام راستے ہی میں پیغمبرِ اسلام ﷺ کی موجودگی میں اتارنے پڑے ہوں گے، بغیر عمرہ کئے وہ اب یہود ومنافقین کو کیا منہ دکھائیں گے، مگر خون خرابے سے بچنے اور بیت اللہ کی حرمت کے خاطر یہ کڑوے گھونٹ پینے پڑے، بظاہر دشمن کے سامنے اپنی شکست تسلیم کرنی پڑی،ان کی بات رکھنی پڑی اور اپنا حق بجانب مُدعا ترک کرنا پڑا، آخر یہ سب کچھ کیوں؟ سیرتِ طیبہ میں یہی باتیں اور دروس غور کرنے

کی ہیں۔

فتح مبین کے واسطے عمرانیات کے اصول کے عین مطابق 60 سے زائد کالعدم تنظیموں والے ہمارے ملکِ خداداد (پاکستان) میں آج پر امن بقائے باہمی کے خاطر اپنے ہی بھائیوں سے نہایت خود اعتمادی اور خلوص کے ساتھ صلح حدیبیہ جیسی مصالحتوں کی ضرورت ہے، جہاں کسی کو نیچا دکھانے کے لئے نہیں، بلکہ دورانِ صلح ایک دوسرے کو خوب سمجھا جائے، ایک دوسرے کے نقطہائے نظر کو اچھی طرح ٹھنڈے دل سے پرکھا جائے، ''کچھ دو اور کچھ لو'' کو بنیاد بنایا جائے۔اغماض، تحمل، برداشت اور چشم پوشی کو بطورِ شعار اپنایا جائے، صلح کے دوران ہر قسم کی بدعہدی، بدنیتی، غدر، دھوکہ دہی خیانت اور اعتماد سازی کے متضاد عوامل سے مکمل احتراز واجتناب برتا جائے، بے تکلف، اختلاط اور ملنے جلنے کے مواقع تمام فریق کو بایک دیگر مہیاً کئے جائیں، نا سمجھ، کوتاہ بین، مفاد پرستوں اور اغیار کے واسطے مخصوص شیطانی ایجنڈوں پر عرصے سے کام کرنے والوں کی باتوں پر کان نہ دہرے جائیں، ان کے تیز و تند طعنوں اور اعتراضات کی طرف التفات نہ کیا جائے ،درخورِ اعتناء نہ رکھا جائے، ریحام خان کو عمران خان کا دیو بند کرنا مبارک ہو، لیکن نواز شریف صاحب اب کسی ''دیو بند'' کو نہ کھولا جائے، پھر دیکھیں ،کیا بہترین اور مثبت ثمرات ان مصالح ومعاہدوں سے برآمد ہوتے ہیں، ملکِ عزیز میں کتنی مثالی آشتی ، ہمہ گیر آسودگی ،امن ، خوشحالی

اور سلامتی آتی ہے، بس ایک نئے عمرانی معاہدے کی ضرورت ہے اور فتحِ مبین کی آمد آمد ہے۔

میں ان دونوں سے بے زار ہوں

مذہب کے نام پر دہشت گردی ہو، یا مذہب کو بدنام کرنے کیلئے خامخواہ دہشت گردی کا لیبل لگانا ہو، یہ دونوں حرکتیں قابلِ نفرت ہیں، ان دونوں سے بے زاری کا اعلان ہونا چاہئے، حال ہی میں پیرس کے ہفتہ وار میگزین ''چارلی ہیبڈو'' کے دفتر میں گھس کر توہین آمیز خاکے شائع کرنے والوں کو موت کے گھاٹ اتارا گیا، اس پر پوری دنیا میں غم وغصے کا اظہار کیا گیا، 50 کے قریب سر براہوں نے فرانس جاکر وہاں کے باشندوں کے ساتھ اظہار یکجہتی کیا، ہمدردی کا مظاہرہ کیا، مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک اس واقعے پر رپورٹنگ بھی ہوئی، تبصرے اور تجزیئے بھی ہوئے، کالم بھی لکھے گئے، اسے فرانس کا 11/9 بھی قرار دیا گیا، فرانسیسی صدر کی اعلی ظرفی دیکھئے، انہوں نے اس حرکت کو اسلام سے جوڑنے کے بجائے کھل کر علی الاعلان دہشت گردی سے اسے جوڑا۔

مسئلہ کیا ہے، چارلی ہیبڈو ایک طنزیہ میگزین ہے، جو تحقیر وتوہین کرکے معاشرے کے مشہور اقدار وعقائد کے ساتھ ساتھ، لوگوں کے دلوں میں جگہ کرنی والی شخصیات کا بھی تمسخر اڑھاتا ہے، لیبرل اقدار کو فروغ دینے کے ذہن میں

سرخ لائنوں کو بھی عبور کرتا ہے، یورپ میں رائے کی آزادی ہے، لیکن یہ میگزین اور اس کی طرح بے شمار نشریاتی ادارے اسے غلط استعمال کرتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ انسانیت میں امن وسکون برباد کردیتے ہیں، اخلاقیات کا جنازہ نکال کروہ کچھ قدروں کو ماننے والوں کو کئی بار بدغضب کرچے ہیں، ان کا مثبت کے بجائے منفی اندازِ صحافت پیشے سے منسلک تمام اداروں اور افراد کو سنگین خطرات میں ڈال دیتا ہے۔

ادھر اہل اسلام کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ دینِ اسلام اور اس کے عظیم المرتبت پیغمبر ﷺ پر تنقید کو تو برداشت کرلیتے ہیں، اعتراضات واشکالات کے جوابات دیدیتے ہیں، مگر سب وشتم اور توہین وتحقیر کا معاملہ ان کی برداشت سے باہر ہے، یہ ایسا ہی ہے جیسے آپ کسی کو گولی ماردیں اور وہ مرجائے، پھر آپ واویلا کرنا شروع کردے، کہ یہ گولی لگنے سے مرا کیوں، کیونکہ گولی جب بھی کسی انسان کے قلب وجگر کو پار کریگی، تووہ لازماً مرے گا، پیغمبر ﷺ کی شان میں گستاخی ان کے ماننے والوں پر گولیاں برسانے کی طرح ہے "مرتا کیا نہ کرتا" کے مطابق، وہ بھی جواباً کچھ کرہی دیتے ہیں، یورپ تو اس وقت انسانیت، انسانی حقوق اوراحترامِ آدمیت کا علمبردار ہے، وہاں کی سول سوسائٹیز، حکمرانوں اور میڈیا اینکرز ومیکرز کو خود ہی اپنے بنائے ہوئے اصول وقوانین پر عمل کرنا اور کرانا چاہئے، کسی کی دل آزاری نہیں کرنی چاہئے

جمہوریت پر انہیں ایمان ہے، تو جمہوری تقاضوں کے مطابق ہر کسی کو فکری و نظریاتی، آزادی دینا ان کا فرض بنتا ہے، اسلام کی اشاعت سے خائف ہو کر، یا آئے روز لاتعداد لوگوں کی اسلام کی حقانیت سے متاثر ہو کر حلقہ بگوش ہو جانے سے انہیں بو کھلاہٹ کا شکار نہیں ہونا چاہیے، اسلام اور مسلمانوں پر بے سروپا انتقادات کرکے اپنے ہی منہ پر نہیں تھوکنا چاہیے، اسلام کو بدنام کرنے کے لئے خود بے علم و عمل مسلمان بہت ہیں، جو اسلام کی آفاقیت اور ہمہ گیریت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے ہیں، تو پھر اوچھے ہتھکنڈوں کی ضرورت ہی کیا ہے؟

بہرحال ہم چارلی ہیبڈو اور اس طرز کے تمام ابلاغی اداروں کی ان نازیبا حرکتوں سے بے زار ہیں، کیونکہ مسلمانوں کیلیے پیغمبر ﷺ کی ذات اقدس "خطِ احمر" یعنی سرخ لکیر ہے، اس پر جائینگے، تو پھر دنیا کی کوئی طاقت اس کے رد عمل کی ذمہ داری سے بچانے کی سکت نہیں رکھے گی، عالم اسلام ہو یا کوئی اور۔

لہذا "اِنّا رسولَ اللہ" رسول اللہ کی شخصیت کی توہین ناقابل برداشت ہے، اسے خوب ذہن نشین کیا جائے، چارلی کی طرف سے دیدہ دلیری اور بے باکی کا نازیبا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے دوبارہ چھپوانے کے اعلان کو بھی ہم شدید نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

اور چارلی ہیبڈو پر حملہ کرنے والوں سے بھی بے زار ہیں، کیونکہ مسلمان جب اقلیت میں ہوتے ہیں، تو ان پر اسلامی حدود تک کی تنفیذ نہیں ہوتی، وہ جس ملک میں ہوتے ہیں، وہاں کے قوانین ودساتیر کے پابند ہوتے ہیں، چہ جائیکہ وہ وہاں کے غیر مسلموں پر اسلامی حدود کا نفاذ کرانا شروع کردے، مکے میں بعض شعراء آپ ﷺ کی شانِ اقدس میں گستاخیاں کرتے تھے، وہاں حضرت عباسؓ جیسے لوگ بھی مسلم اقلیت کا حصہ تھے، وہ فتح مکہ تک کیوں خاموش رہے، کوئی جواب دہی نہیں کی، کہ صرف حضرت عباسؓ نہیں بلکہ بہت سے مسلمان مستضعفین بھی مشرکینِ مکہ کے غیظ وغضب کا شکار ہو جاتے، ''کواشی'' یا کوچی برادران نے یورپ میں سارے مسلمانوں کو نہایت مشکل میں ڈال دیا، پہلے ہی اسلام اور مسلمانوں پر دہشت گردی کے لیبل چسپاں کئے جارہے تھے، اب اس میں بے انتہاء اضافہ ہوگا، اس لئے ہم جتنے چارلی ہیبڈو کی حرکت پر نالاں تھے، اتنے ہی ہم اس رد عمل سے بھی نالاں ہیں، اس عمل اور اس کے ردّ عمل کی چونکہ ہم سب مسلمان سکت نہیں رکھتے، اس لئے ہم ان دونوں سے بے زار ہیں۔

کیا القاعدہ ہی کو فتح ہوگی؟

زمینی طور پر تو سب ہی جانتے ہیں کہ القاعدہ مخالف قوتیں افغانستان، عراق ،صومالیہ، مالی اور یمن وغیرہ میں شکست کھاچکی ہیں، ایک فضائی محاذ ہے، جس کا کوئی توڑ القاعدہ کے پاس نہیں ہے، ماضیٔ قریب میں سوویت یونین کو شکست دینا کوئی معمولی بات نہیں ہے، چلیں ہم فرض کر لیتے ہیں کہ سوویت یونین کو مجاہدین نے نہیں امریکہ واتحادیوں نے ہزیمت سے دو چار کیا تھا، تو وہی امریکہ جو روس کو افغانستان میں شکست دے چکا تھا، آج اس نے نیٹو کو ساتھ لینے کے باوجود بھی اسی سرزمین افغان پر بے سروسامان مجاہدین کے ہاتھوں بہت بری شکست کھائی ہے، رشیااور چائنا سے بلاضرورت پنگے بھی پال رکھے ہیں، اب اگر ان دو قوتوں کی طرح کوئی طاقت القاعدہ کا ساتھ دیدے، تو پھر دنیا کا نقشہ وہ ہرگز نہیں ہوگا، جو موجودہ ہمارے سامنے ہے، آسٹریلیا، براعظم امریکہ اور ساؤتھ افریقہ کے دیسی باشندگان بھی برطانیہ سے برآمد شدہ ان پردیسیوں کو اپنے ملکوں سے ایسے ہی نکالنا شروع کریں گے، جیسے ہندوستان سے انہیں نکالا گیا، یا پھر اسپین سے مسلمانوں کو بے دخل کیاگیا، مسلمان دنیا کے چپے چپے پر پھیلے ہوئے ہیں، ہندوستان کی آدھی آبادی اگر مسلمان نہیں بھی ہے، تو کوئی اور بھی بالکل آدھا نہیں، حالیہ رشین فیڈریشن میں
انگوشتیا، ابخاریا، تاتارستان، چیچنیااور داغستان پانچ مسلم

اندرونی خود مختار جمہوریاؤں کے علاوہ بھی کروڑوں اہل اسلام بستے ہیں، چین کے بہت بڑے علاقے میں کروڑوں کٹر مسلمان آباد ہیں، فرانس،،برطانیہ اور دیگر بہت سے مغربی ممالک میں اسلام دوسرا بڑا مذہب بن چکا ہے،،براعظم افریقہ کا زیادہ تر حصہ مسلم اکثریتی ہے،آسٹریلیا اور شمالی وجنوبی امریکہ میں مسلمان معتدبہ تعداد میں موجود ہیں، نیزامریکن من حیث القوم یورپین کے مقابلے میں زیادہ روایت پسند نہیں ہیں،وہاں اگر کوئی کالے مسلمان کا کالا بیٹا بارک حسین اباما صدر بن سکتا ہے، تو کل کو رضا اصلان ''کے مانند کوئی خالص مسلمان بھی صدارت کی کرسی پر براجمان ہو'' سکتا ہے،وہ کیوں ہوگا؟ ۔۔شاید اس لئے کہ تاریخی طور پر یہودیوں کی جس قوم سے زیادہ پکی دوستی ہوتی ہے، انہیں پر ان کی انسانیت دشمن حرکتیں سب سے پہلے منکشف ہو تی ہیں، پھر رومیوں، عراقیوں،اور جرمنوں کی طرح وہی انہیں نیست ونابود کر دیتی ہیں،اس وقت سنجیدہ امریکنوں میں یہ سوچ پروان چڑھ رہی ہے، کہ اسرائیل سے جان چھڑائے بغیر امریکن دنیا میں اپنا امیج صاف نہیں کر سکتے، لہٰذا کوئی مسلمان ہو، جو اس نا ہنجار قوم سے ہماری جان چھڑائے، اب جا کر بعض مفکرین کی وہ رائے سمجھ میں کچھ نہ کچھ آتی ہے کہ اسرئیل کو خود امریکن ہی مارینگے۔

دوسری طرف اسلام اپنی حقانیت آفتاب وماہتاب کی طرح منوا رہا ہے،ہزاروں لوگ اطرافِ عالم میں حلقہ بگوشِ اسلام ہو رہے ہیں،ایک وقت تھا، مکّے کے لوگ

باہر سے آنے والوں کو آپ ﷺ سے بدظن کرنے کے لئے، نعوذ باللہ آنجناب ﷺ کی ہجو گوئی کرتے تھے، لیکن اس کا الٹا اثر یہ ہوتا تھا کہ جن کو آپ ﷺ کی آمد وبعثت کا پتہ تک نہ ہوتا تھا، وہ بھی آپ ﷺ کی تلاش میں لگ جاتے، اور ملاقات پر مشرّف باسلام ہوجاتے۔ آج بوکھلا کر اور حواس باختہ ہو کر مغرب کی دجالی میڈیا نے وہی روش اسلام اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کے خلاف اختیار کی ہوئی ہے، مسلمانوں کو بدنام کرنے کی عالمگیر سازشیں ہو رہی ہیں، گویا ایک نعرۂ بے ہودہ لگایا جارہا ہے: ''اسلام کو چھپاؤ ورنہ بغاوت پھیل جائی گی''۔ لوگ حقیقت کی تلاش میں سرگرداں ہیں، جلد یا دیر سے ہی سہی، حق نے روزِ روشن کی طرح واضح ہونا ہے اور باطل کو مٹنا ہے کیونکہ باطل کی فطرت میں مٹنا ہے، ایمن الظواہری کے ایک حکم پر خاکے والے خاک میں مل گئے، پسماندگانِ چارلی نے زہر کے وہی گھونٹ زیادہ مقدار میں نوش کر لئے ہیں، نتیجہ سب کے سامنے ہے۔ اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے۔۔ جتنا بھی دباؤ گے اُتنا ہی یہ اُبھرے گا۔

چند برس قبل القاعدہ میں مٹھی بھر لوگ تھے، زمان ومکان میں محدود تھے، ٹوین ٹاورز کی نامعقول حرکت اسلام پر وار کرنے کے لئے ان سے اگر کرائی گئی، تو صرف اس لئے کہ سوویت یونین کی شکست وریخت کے بعد کہیں یہ لوگ زمان ومکان کے حدود سے باہر نہ آئیں، دنیا میں مسلمان جہاں جہاں مغلوب ومقہور ہیں، ان کی داد رسی نہ کریں، پرانے حسابات چکانے شروع نہ کردیں، مگر ہوا وہی جو

ہونا تھا۔اب پاکستان یا دیگر کسی بھی اسلامی ملک کی اگر کلائی مروڑی جائی گی۔زبردستی انہیں غلام بنانے کی کوششیں ہوں گی۔ان کی جغرافیائی تقسیم کا تصور ہوگا۔ان میں جنگیں مسلط کی جائیں گی۔توخمیازہ استعماری قوتوں ہی کو بھگتناپڑے گا۔کیونکہ ہر عروج سے زوال اور ہر زوال سے عروج کی شروعات ہوتی ہیں۔

چارلی نہیں تم ابو جہل ہو

’’میں چارلی ہوں‘‘نہیں، نہیں، تم جہالت، حماقت، خرافات ، ضد، کینہ، جھوٹ، بہتان، افتراء، ہفوات، بد اخلاقی، بد تمیزی، کوتاہ بینی، کم ظرفی اور تنگ نظری کی جڑ ہو، تم ابو جہل ہو، تم انسانیت کو تباہی کے دہانے پر لے جانے کے مرتکب ہو رہے ہو، تم دہشت گردی کو ہوا دے رہے ہو، اسے غذاء دے رہے ہو، تم آزادئ اظہار سے بالکل غلط اور ناجائز فائدہ لے رہے ہو، تم چارلی اور ٹیری جونز ہو یا رشدی ملعون، بش ہو یا بلیئر، تمہاری ہی وجہ سے دنیا میں دہشت گردی پھیل رہی ہے، پھول رہی ہے، کیونکہ تم ناانصافی اور امتیازی سلوک کر رہے ہو، تمہارے آباء واجداد نے طاغوت بن کر لوگوں کو ماضی میں غلام بنایا، ان کے ساتھ انسانیت سوز حرکتیں کیں، ان کی خواتین کی عصمت دری کی، آسٹریلیا میں لاکھوں بچے چوری کئے، مختلف ممالک سے وہاں کے اموال لوٹے، ان کے شرفاء کو تہِ تیغ کیا، پھانسیاں دیں، جلاوطن کیا، ان کے عقائد واقدار پر حملے کئے، سازشیں کیں، لوگوں کو آپس میں لڑواکر حکمرانیاں کیں، فی زمانہ تمہارے پاس ہمہ گیر انسانیت کا حقیقی پیغام نہ ہونے کے باوجود خود ساختہ انسانی مساوات کے پیامبر بنتے گئے، کسی نے بھی اگر سمجھانے کی کوشش کی، وہ مفکر ہو یا حکمراں اسے راستے سے ہٹایا، اس کا تمسخر اڑایا۔ تمہاری یونی ورسٹیاں دنیا میں نمبر ایک کیسے بنیں، تمہارا معاشرہ اتنا ترقی یافتہ کیونکر

بنا، تمہارے ممالک اتنے مستحکم کیوں ہیں، یہ سب کچھ غریب ملکوں سے لوٹی ہوئی دولت سے، پسماندہ ممالک کے اعلیٰ دماغ تارکینِ وطن کی وجہ سے۔اور اس پر مستزاد تمہاری ر نگا رنگت چالاکیوں، خود غرضیوں اور مفاد پرستیوں کی وجہ سے۔ کیونکہ تم مہلک ہتھیار بناؤ تو وہ ایٹم بم اور ہم بنائے تو وہ اسلامی بم۔اٹلی، جرمن ،فرانس، اسپین اور خود امریکہ وبرطانیہ میں کتنے خونخوار مافیاز ہیں، دہشتگرد ہیں، منظم اور جدید تربیت یافتہ جرائم پیشہ ہیں،ان چرچیوں کے ساتھ تو کہیں بھی چرچ کا نام نہیں لگایا آپ نے، لیکن اگر تمہارے ہی یہاں انسانیت سیکھنے، تعلیم حاصل کرنے،پیٹ پالنے کے لئے کوئی مسلمان آیااور اس سے کوئی جرم سرزد ہوا، تو وہ'' اسلامی دہشتگرد'' ٹھرایاگیا، تمہاری خواتین حیا باختہ لباس زیبِ تن کریں ،تو ہم خاموش،ہماری معصوم بچیاں صرف دوپٹہ اوڑھ لیں تو تمہارے'' مہذب''معاشرے میں ان کے لئے چاقو و خنجر،ہمارے بچوں کے قاتل ریمنڈ) کو تو یہاں سے تم چھڑواکے لے جاؤاوراپنے قاتل (کانسی) کو بھاگ کر یہاں) بھی چھپنے نہ دو، تمہارے ہاں کی خاتون (ریڈلی) کو بہن بنائے اور ہماری بہن (عافیہ) کو تم نشانِ عبرت بنادو،پتہ چلا تمہارے معیار دہرے ہیں۔۔۔ہم بصد ادب عرض کرتے ہیں،خدارااپنے آپ سے اور اپنی آنی والی نسلوں سے انصاف کرو، مثبت رویئے اپناؤ، تمہارے منفی انداز کے جواب میں ہم تو شاید کچھ نہ کرسکیں، لیکن تمہارے ہی یہاں سے ظلم کے خلاف آوازیں اٹھ رہی ہیں،لوگ اٹھ رہے ہیں،ہمارے بہت سے بڑے خاندانوں نے اپنے جگر گوشوں کو تمہارے پاس کچھ سیکھنے

کے لئے بھیجا، تم انہیں مطمئن نہ کرسکے، تم دن کو رات اور رات کو دن کہتے رہے، وہ نہ مانے، تمہاری قلعیاں اور حقیقت نارسیاں بھی ان پر کھل گئیں، کوئی استاذ اگر اپنے شاگردوں کو قائل نہ کرسکے، تو اسے بخوشی اپنے منصب سے دست بردار ہوجانا چاہئے، القاعدہ اور داعش والے اگر دہشتگرد ہیں، تو تمہارے شاگرد ہیں، ہمارے تو نہیں، ہماری رائے کون مانتا ہے، ہمیں تو آپ نے دقیانس اور رجعت پسند ٹھہرایا ہوا ہے، میں ایک استاذ اور معلم ہوں، مختلف ملکوں میں موجود میرے تلامذہ مجھے اس لئے مانتے ہیں کہ میں ان کے والدین، اکابر اور اقوام کی تعریفیں کرتا رہتا ہوں، ان کے مہمان آتے ہیں، تو انہیں سر آنکھوں پر بٹھاتا ہوں، ان کی آراء اور معاشرتی اقدار کا احترام کرتا ہوں، تمہارے پاس ہمارے بچے آئے، تو ان کے والدین اور تاریخی شخصیات تو چھوڑیں، دلیل وبرہان سے یکسر ہٹ کر اوچھے انداز میں اعتقاد واعتماد کے آخری سہارے ان کے پیارے پیغمبر ﷺ تک آپ کے عاقبت نااندیشوں نے نہ بخشا، قرآن کریم کو جلا کر اسے بھی نہ بخشا، افسوس صد افسوس ان کے خالق ومالک رب العالمین تک نہ بخشا۔ ہمارے ملک پاکستان نے طالبان کو ظالمان، عرب ممالک نے القاعدہ کو البائدہ (تباہ) تمام مسلم مفکرین نے بیک زبان وقلم داعش کو فاحش قرار دیا، قید وبند کی صعوبتوں سے انہیں گذارا، بری طرح مارا، بھگایا، پھانسیاں دیں، ملکی اور عالمی سطح پر دہشتگردی کے خلاف تمہاری اعلان کردہ جنگ میں تمہارا ساتھ دیا، پھر بھی ہم اور ہمارے حکمراں وسیکورٹی فورسز وفادار نہیں، ارے کہیں ایسا تو نہیں کہ تم ہی دلدار

نہ ہو، منتوں پر منتیں کرتے کرتے ہم تھک گئے، اب ہم نے کہنا بھی چھوڑ دیا کہ بابا اندھا دھند ڈرون حملوں سے جہاں ہماری خود مختاری متاثر ہو رہی ہے، وہیں ان علاقوں اور دنیا بھر میں دہشتگردی کے خلاف جنگ میں ہمارے اور تمہارے دشمن کو شدید نقصان پہنچ رہاہے، ارے دنیا کے چمپیئن بنے ہوئے! شام کا مسلہ حل کرو، فلسطین کا مسلہ کرو، کشمیر کا مسلہ حل کرو، توہین آمیز خاکوں جیسی نازیبا حرکتوں پر پابندی لگاؤ، لیکن جناب ہماری ایک بھی نہ سنی گئی، تو چارلیو! ہونا کیا تھا: ظلم پھر ظلم ہے، بڑھتا ہے، تو مٹ جاتا ہے۔

تم سے توڑوں، تو کس سے جوڑوں؟

روحانی وظائف واعمال نیز دعائیں تب فائدہ دیتی ہیں جب انہیں ان کی شرطوں اور آداب کے مطابق پڑھا جائے ۔اگر شرطیں وآداب پورے نہ ہوں، تو محض وظائف پڑھنے اور اعمال میں جُت جانے سے کچھ نہیں ہوتا۔ ''باادب بانصیب ،بے ادب بے نصیب''۔

لوگ وظائف اور دعائیں پڑھتے یا عملیات کرتے وقت ان شرطوں وآداب کا لحاظ نہیں رکھتے اور پھر بد عقیدہ اور بد گماں ہو کر بیٹھ جاتے ہیں کہ ہماری دعائیں تو قبول ہوتی ہی نہیں، ہم تو بارگاہِ الٰہی میں مردود ہیں، ہم جو ٹھہرے گناہ گار وسیاہ کار، اپنے اوپر طرح طرح کے فتوے لگانا شروع کر دیتے ہیں، تب نفس وشیطان انہیں مزید برائیوں اور غلط کاموں میں ایسے مبتلا کر دیتے ہیں کہ واپس آنا بظاہر نا ممکن سا رہتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں واپسی کے راستے اور آپشنز ہمیشہ کے لئے کھلے رہتے ہیں، بس توبہ ہی اس کا علاج ہے ۔جی ہاں ، معافی کا کھلا شارعِ عام ''توبہ'' ہی ہے۔

نشاں یہی ہے زمانے میں زندہ قوموں کا
کہ صبح وشام بدلتی ہیں ان کی تقدیریں

کمالِ صدق و مروّت ہے زندگی ان کی
معاف کرتی ہے فطرت بھی ان کی تقصیریں۔

بہر حال دعاؤں اور روحانی وظائف واعمال کے کارگر ہونے کی چند شرائط وآداب یہ ہیں: (1) اعتقاداور یقینِ کامل کے ساتھ دعاء کریں، شک اور تردُّد عمل کو ضائع کر دیتا ہے۔ (۲) توبہ اور انابت الی اللہ کے ساتھ عمل کریں، لاپرواہی اور بے توجہی سے پڑھے جانے والے وظائف، عملیات اور دعائیں ہوا میں گم جاتی ہیں۔ (۳) رزقِ حلال کا اہتمام کریں، خالق مالک راضی ہوگا تو کام خود بخود ہی بنے گا۔ (۴) فرائض کا اہتمام کریں جو لوگ نماز اور دیگر فرائض کا اہتمام نہیں کرتے ان کے اعمال بے اثر رہتے ہیں۔ (۵)، ناجائزاور حرام کاموں سے بچیں، وہ کام جنہیں ممنوع اور حرام قرار دیا گیا ہے، ان کا ارتکاب روحانیت کو نقصان پہنچاتا ہے، عمل کارگر نہیں رہتا۔ (٦) عربی الفاظ کی تصحیح کا اہتمام کریں، انہیں غلط سلط پڑھنے سے معنی بدل جاتے ہیں۔ اتنی عربی زبان ہر مسلمان پر فرض ہے، جس سے نماز، اذکار، دعائیں اور قرآن وحدیث کو سمجھا جاسکے۔ (۷) طہارت کا اہتمام کریں، خود بھی ظاہری باطنی پاک ہوں، لباس اور جگہ بھی پاک صاف رکھیں۔ (۸) عاجزی اور آہ زاری کے ساتھ عمل کریں۔ (۹) دعاء سے پہلے اور بعد میں درود شریف کا اہتمام کریں (۱۰) بزرگوں ومتدین علمائے دین سے تعلق ضرور رکھیں۔

نیزاللہ تعالیٰ سے ناامیدی بھی صحیح نہیں اور نڈر بن کر بے خوف بھی نہیں ہونا چاہئے وہ رحمٰن ورحیم بھی ہیں اور جبار قہار بھی ہیں،وہی سب کچھ پر حقیقی قادر ہیں ،پوری، دنیا کی تمام طاقتیں اس کی طاقت کے سامنے ہیچ ہیں،اس سے مانگتے رہنا چاہئے، ان سے مضبوط رابطہ استوار رکھنا چاہئے،ان کے ساتھ توڑ کی نہیں جوڑ کی ضرورت ہے، دعاء اللہ پاک کو بہت پسند ہے، حدیث شریف میں دعاء کو عبادت کا مغز قرار دیا گیا ہے،اپنے مؤمن ہونے پر فخر کرنا سیکھئے،اس زمانے میں ایسے اولیاء تو شاید نہ ہوں جو ہواؤں میں اڑسکیں یا سمندروں پے مصلے بچھاکر نمازیں ادا کرسکیں،البتہ جیسی روح ویسے فرشتے جیسے عوام ویسے خواص،الایمان بین الخوف والرجاء کے مطابق باری تعالیٰ سے بے نیازی، اور غفلت بھی مناسب نہیں اور بیباک ہوکر اوٹ پٹانگ حرکتیں بھی نامناسب
ہیں،مؤمن کی اپنی ایک شان ہوتی ہے اہل ایمان کی مجالس وصحبتوں میں آمد ورفت سے ایمانی کیفیات سے بندہ آراستہ وپیوستہ ہوجاتاہے، کثرتِ تلاوت مع ترجمہ سے بھی ایمانیات میں بے پناہ اضافہ ہوتا ہے،احادیث سے مناسبت تو نور علیٰ نوراور اقبالیات سونے پر سہاگہ۔

آج امتِ مسلمہ من حیث المجموع اور ہم پاکستانی بالخصوص عالمی سازشوں کے گردابوں میں پھنسے ہوئے ہیں،ہر طرف ظاہری اسباب پر بات چیت ہورہی ہے،ارے

کبھی روحانی اسباب کو بھی ملحوظِ خاطر رکھا جائے، عسکری اور حکومتی سطحوں پر بڑی سنجیدگی کے ساتھ قنوتِ نازلہ و نوافل، ذکر و فکر اور دعاء و مناجاۃ کی مجالس کا اہتمام ہونا چاہیے،جب اللہ تعالیٰ نمرود کے مقابلے میں حضرتِ ابراہیمؑ کو،جالوت کے مقابلے میں طالوت کو اور فرعون کے مقابلے میں حضرت موسیٰؑ کو کامیابی سے سرفراز کر سکتے ہیں، تو وہی ذات آج اپنے دوستوں کو کمزوریوں کے باوجود غالب کر سکتی ہے،ذرہ ان کا در تو کھٹکھٹائیں جو یہ صدائیں دے رہا ہے۔ بازآ بازآ، ہر آں چہ ہستی بازآ، کہ ایں درگہِ ما، درگہِ نومیدی نیست۔

قرآن کریم میں ہے: ''ارے یہ شیطان ہی ہے جو اہل ایمان کو اپنے (شیطان پرست) دوستوں سے ڈراتا ہے، تو تم ان سے نہ ڈرو، مجھ ہی سے ڈرو،اگر تمہیں یقین ہے''۔ہماری افواج،حکومتوں اور عامۃ المسلمین کو کبھی بھی اہل شیطان کے کرّوفرّ اور ظاہری طمطراق سے نہیں گھبرانا چاہیے،لیکن بات وہی ہے کہ اپنی تیاری مکمل ہونا بھی ضروری ہے،یعنی خوف اور امید کے درمیان درمیان۔ابلیس اور ان کا ٹولہ خود آپ سے خائف ہیں،دیکھئے علامہ اقبال نے کس حسین انداز میں شیطان کی مجلسِ مشاورت کا نقشہ کھینچا ہے:

ہے مرے دستِ تصرف میں جہانِ رنگ و بو
کیا زمیں، کیا مہر و مہ، کیا آسمانِ تو بتو

دیکھ لیں گے اپنی آنکھوں سے تماشا غرب و شرق
میں نے جب گرما دیا اقوامِ یورپ کا لہو
کیا امامانِ سیاست، کیا کلیسا کے شیوخ
سب کو دیوانہ بنا سکتی ہے میری ایک ہو
کارگاہِ شیشہ جو ناداں سمجھتا ہے اسے
توڑ کر دیکھے تو اس تہذیب کے جام و سبو
دستِ فطرت نے کیا ہے جن گریبانوں کو چاک
مزدکی منطق کی سوزن سے نہیں ہوتے رفو
کب ڈرا سکتے ہیں مجھ کو اشتراکی کوچہ گرد
یہ پریشاں روزگار، آشفتہ مغز، آشفتہ مو
ہے اگر مجھ کو خطر کوئی، تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشکِ سحر گاہی سے جو ظالم وضو

کامیابی کیسے دستیاب ہو؟

آج کل ہر کوئی پریشان ہے، شخصی اور اجتماعی طور پر طرح طرح کی ناکامیوں کا تذکرہ ہے،ایک ناکام انسان یا معاشرہ کیسے کامیاب ہو سکتا ہے،آ یئے اس کا جائزہ لیتے ہیں،کامیابی کی بنیادی طور پر چار قسمیں ہیں:۱۔ انفرادی کامیابی۔۲۔ اجتماعی کامیابی۔۳۔ فانی کامیابی۔۴۔ابدی کامیابی۔یہ چاروں قسمیں آپس میں مل کر دو بھی بن سکتی ہیں۔ (۱) انفرادی کامیابی فانی یا ابدی، (۲) اجتماعی کامیابی فانی یاابدی، لہٰذا تعبیر کوئی بھی ہو، ہمیں مذکورہ اقسام کی کامیابیوں سے بحث کرنی ہے۔

۱۔ابدی کامیابی کا تعلق مذہب سے ہے،مذہب ۔برحق چونکہ اسلام ہی ہے، اس لئے کسی مسلمان کو یہ کامیابی اسلامی تعلیمات وارشادات پر عمل کئے بغیر ہرگز حاصل نہیں ہو سکتی، لہٰذا اس کامیابی کے لئے اولیاء اللہ۔بزرگانِ دین اور علمائے حق سے مرتبط ومتعلق ہو کر قرآن وسنت کی سمجھ کی سبیل پیدا کی جا سکتی ہے، بعد ازاں اس پر عمل پیرا ہو کر ہی آدمی فوز وفلاح اور نجات کی طرف گامزن ہو گا۔

فانی کامیابی کا تعلق دنیا ومافیہا سے ہے، اس کا کوئی متعین اور قطعی نصب العین نہیں، ۲ ہے، اس کے کوئی خاص اصول و مبادی بھی نہیں ہیں، اسی لئے عام طور پر لوگ اس طرح کی کامیابی کو قسمت کا کھیل کہتے ہیں، اگرچہ مختلف تجربات کی روشنی میں کچھ نہ کچھ خدوخال اس کے بھی ہیں، مگر وہ یقینی نتائج نہیں دے سکتے، البتہ اکثر اور عمومی طور پر مفید ہو سکتے ہیں۔

اب ان دونوں میں اس طرح موازنہ کیا جاسکتا ہے کہ ابدی کامیابی کے اصول وضوابط واضح ، متعین اور حتمی منتج ہونے کی وجہ سے اسے ''شاہراہ کامیابی'' کہاجاسکتا ہے۔ فانی کامیابی کے سبل متفرق ہیں، نصب العین مجربات ہیں، لیکن متعین اور حقیقی نتیجہ خیز نہیں ہیں ،اس لئے اسے کامیابی کی مختلف سروں والی ایک پر پیچ پگڈنڈی سے تعبیر کیا جاسکتا ہے، جس کا کوئی سرا کامیابی تک پہنچاتا ہے اور کوئی نہیں بھی پہنچاتا۔

۳۔ اجتماعی کامیابیاں بالفاظ دیگر ''جماعتی وملی کامیابی'' کا تعلق فرد کی بجائے معاشرے سے ہوتا ہے، فرد یہ سمجھتا ہے کہ میری کامیابی اس معاشرے کی کامیابی میں ہے اور میری ناکامی اس معاشرے کی ناکامی میں ہے، اجتماعی کامیابی دیرپا اور وسیع تر ہوتی ہے، اس کا حصول اگرچہ بظاہر مشکل نظر آتا ہے، مگر اجتماعیت کا عمل کرکے اسے آسان بنایا جاسکتا ہے، گروپنگ سسٹم، کمپنی

شیئرز، پارٹیز، پارٹنرز وغیرہ اس کی مثالیں ہیں۔ یہاں علامہ اقبال کا یہ شعر ضرور ملحوظ خاطر رہے:

فرد قائم ربط ملت سے ہے تنہا کچھ نہیں
موج ہے دریا میں بیرون دریا کچھ نہیں

۴۔ انفرادی کامیابی کا تعلق فرد سے ہے، کہ ایک فرد اپنے لئے فانی یا ابدی کامیابیاں کیونکر دستیاب کرسکتا ہے، دنیوی معاملات، گھر، کمپنی (ادارہ، ملازمت، کاروبار) اسکول، کالج وغیرہ کچھ بھی ہو انسان کامیابی ضرور چاہتا ہے، ہر دل میں خواہشیں اور تمنائیں کروٹیں لیتی ہیں کہ وہ اپنے ہم مشربوں، ہم چشموں اور ہم پیشہ لوگوں سے بڑھ جائے اور دوسروں کے مقابلے میں زیادہ پرسکون، آسودہ اور اطمینان بخش زندگی بسر کرے اس کامیابی سے ہمکنار ہونے کے لئے علامہ اقبال کا یہ کلام نہایت مختصر مگر تیر بہ ہدف، نسخہ ہے:

نگہ بلند، سخن دل نواز، جاں پر سوز
یہی ہیں رخت سفر میر کارواں کے لئے

بہر کیف انفرادی کامیابی ایک تصور ہے، حقیقت میں ممکن نہیں ہے، کیونکہ جب تک انسان کے متعلقین و مقربین بھی کامیابی سے ہم آغوش نہ ہوں، تنہا ایک فرد کی کامیابی کوئی معنی نہیں رکھتی، اسی لئے جناب رسالت مآب ﷺ کا ارشاد گرامی

ہے: تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے، اور ہر ایک سے اس کے ریوڑ کے بارے میں مناقشہ ہوگا، نیز یہ بات کسی بھی ذی شعور پر مخفی نہیں ہے کہ اجتماعی کامیابی بھی اس وقت تک ممکن نہیں ہے ،جب تک جماعت کی اکائیاں اس سے مستفید نہ ہوں، گویا کہ انفرادی کامیابی اور اجتماعی کامیابی میں باہمی"تلازم ہے کہ ایک کے بغیر دوسری کا میسر آنا اگر محال نہیں تو دشوار ضرور ہے، چنانچہ ہم یہاں دونوں ہی پر ایک مرتبہ پھر ذرہ نئے انداز سے تھوڑی روشنی ڈالیں گے۔

اجتماعی کامیابی میں اجتماعیت کا سب سے ‌بڑا مظہر چونکہ آج کے زمانے میں حکومتیں ہیں، اس لئے ہم یہاں ایک حکمران کی وصیت جو اپنے جانشین کو کی گئی ہے، پیش کریں گے :جس میں ان کی کامیابی کے اہداف متعین کرکے واضح کردیئے ہیں

خفیہ وصیت ظہیر الدین بابر بنام شہزادہ نصیر الدین ہمایوں.برائے استحکام واستقامت" سلطنت: اے پسر! سلطنتِ ہندوستان مختلف مذاہب سےپُر ہے، الحمدللہ کہ اس نے اس کی بادشاہت تمہیں عطافرمائی ہے، تمہیں لازم ہے کہ تمام تر تعصباتِ مذہبی لوح دل سے دھوڈالو اور عدل وانصاف پانے میں ہر مذہب وملت کے طریق کا لحاظ رکھو، جس کے بغیر تم ہندوستان کے لوگوں کے دلوں پر قبضہ نہیں کر سکتے، ملک کی رعایا مراحم خسروانہ اور الطاف شاہانہ ہی سے مرہون منت ہوتی

ہے، جو قوم یا امت قوانین حکومت کی مطیع اور فرمانبردار رہے، اس کے مندر اور مزار برباد نہ کئے جائیں، عدل و انصاف کرو کہ رعایا بادشاہ سے خوش رہے، ظلم و ستم کی نسبت احسان اور لطف کی تلوار سے اسلام زیادہ ترقی پاتا ہے، شیعہ سنی جھگڑوں سے چشم پوشی کرو، ورنہ اسلام کمزور ہو جائے گا، جس طرح انسان کے جسم میں چار عناصر مل جل کر اتحاد و اتفاق سے کام کر رہے ہیں، اسی طرح مختلف مذاہب کے رعایہ جات کو ملا جلا کر رکھو اور ان میں اتحادِ عمل پیدا کرو، تاکہ جسم یعنی سلطنت مختلف امراض سے محفوظ و مامون رہے۔ سرگزشت تیمور کو جو اتحاد و اتفاق کا مالک ہے، ہر وقت پیش نظر رکھو، تاکہ نظم و نسق کے معاملات پر پورا تجربہ ہو''۔ (تزک بابری)

اس وصیت کو کوئی بھی حکمراں، وزیر، منتظم، پارٹنر، ممبر یا کارکن اپنا نصب العین بنا کر اپنی زندگی میں کامیابی حاصل کر سکتا ہے، اس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرتِ انسان اپنی کامیابیاں اور کامرانیاں اس طرح حاصل کرے کہ وہ اس دوران کسی کے حقوق پر غاصبانہ قبضہ کئے بغیر اپنے مقصد حیات تک پہنچ جائے۔ اجتماعی زندگی میں کامیابیاں انتہائی نامساعد حالات کے باوجود جناب سرور کونین ﷺ نے کیونکر حاصل کی تھیں؟ اس کی بھی بنیادی طور پر تین وجوہات ہیں :

آقا کی سو فی صد اطاعت: یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری کوشش فرماتے رہے کہ پروردگار عالم کے سچے اور مطیع ہو کر ان کو اپنے سے خوش اور اپنے لئے دونوں جہاں میں مددگار اور آقا بنالیں اور ان کی توجہ اور عنایت کو اپنی طرف کھینچ لیں اور اس کے لئے پوری جماعت میں تعلقِ خلق باخالق پیدا فرماتے رہے، جس کی بناء پر آیت نازل ہوئی، جس کا ترجمہ یہ ہے: ''یہ اس لئے کہ خدا ایمان والوں کا آقا اور مددگار ہے، اور کافروں کا کوئی آقا اور مددگار نہیں ہے'' نیز ''جان لو کہ خدا تمہارا آقا اور مددگار ہے، پس کیا ہی اچھا آقا اور مددگار ہے''۔ یہ اور اس کی امثال نازل ہوئیں، جن میں پورا پورا یقین دلایا گیا کہ خداوند کریم اہلِ ایمان واطاعت والوں کا مددگار اور معاون ہے۔
اخلاق: کے ذریعے صرف اپنے متبعین ہی کی اخلاقی کیفیت درست نہیں کی گئی، بلکہ جملہ ہمسایہ گان اور مخالفین کو اپنا محب اور مطیع بنایا گیا، بہت تھوڑی مدت میں پورب، پچھم، اتر، دکھن (مشرق و مغرب، شمال و جنوب) جہاں جہاں وہم وگمان بھی نہ تھا، وہاں وہاں اسلام کا پرچم پوری آب وتاب سے لہرانے لگا۔
مادی اور ظاہری اسباب: یعنی ''واعدوالھم'' کے فارمولے کو مدنظر رکھ کر اسلامی سلطنت کو ظاہری طور پر ہر طرح تقویت دی گئی، جس کی تفصیل یہاں طول

کا سبب ہوگی۔ مختصر یہ کہ ان تینوں صفات کی بناء پر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو وہ کامیابیاں ملیں، جن کی نظیر ملنا ناممکن ہے، حتی کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''نُصرت بالرعب مسیرۃ شہر'' یعنی میں ایک ماہ کی مسافت تک رعب اور ہیبت سے مدد کیا ہوا ہوں۔

اب گلوبلائزیشن کے موجودہ دور میں ہم پوری دنیا کے مسلمانوں کی اجتماعی کامیابی کے کچھ نکات یہاں ذکر کرنا چاہتے ہیں:

نماز باجماعت کا اہتمام۔ -(۱)

احکامِ شرعیہ کی سختی سے پابندی۔ -(۲)

تعلیم کو جزوِ ایمان قرار دیا جائے۔ اعلیٰ تعلیم سے لے کر مکاتب تک جال پھیلائے -(۳)
جائیں۔

شادی وغمی کے لئے ایسے طریقے اختیار کئے جائیں جن میں فضول خرچیوں سے -(۴)
بچت ہو۔

مقدمہ بازی سے حتی الوسع احتراز کیا جائے۔-(۵)

جہیز کی لعنت سے ہٹ کر شریعت کے مطابق نوجوانوں کی شادیاں کرائی جائیں۔-(۶)

ہر قسم کے تجارتی شعبوں میں مسلمان آگے آئیں۔-(۷)

مسلمان جہاں ہوں، وہاں کی عسکری قوتوں پر اپنا وزن ضرور ڈالیں۔-(۸)

باہمی نفرتوں سے سخت گریز کیا جائے۔ عفو وصفح سے کام لیا جائے۔-(۹)

غیر مسلموں کی دست اندازیوں کو در گزر کیا جائے، یا پھر حکیمانہ انداز میں بھرپور۔ (۱۰)
قوت سے مدافعت کی جائے۔
بھٹکے ہوئے مسلمانوں کے ساتھ نہایت نرمی، حکمت اور موعظ حسنہ کا برتاؤ کرکے۔ (۱۱)
انہیں راہ راست پر لایا جائے۔
اسلام کی اشاعت کی ہر سطح پر کوشش کی جائے۔ مختلف اقوام وملل میں انہی کی۔ (۱۲)
زبانوں میں مؤثر وہمہ گیر دعوتی لٹریچر پہنچایا جائے۔
۔ عربی زبان عام وتمام کرنے کی کوششیں کی جائیں۔ (۱۳)
۔ میراث میں خواتین کے حقوق لازماً دیئے جائیں۔ (۱۴)
۔پیامِ انسانیت کو پوری دنیا میں بطور شعار اپنایا جائے۔ (۱۵)
(معارف مدنی بہ اختصار واضافہ)

انفرادی کامیابی کے لئے آپ اپنی ناکامیوں کو کامیابیوں میں، رنج وغم کو مسرتوں میں، چیلنجز کو چانس میں، پریشانیوں کو بے فکری میں، بے عملی کو عمل کے سانچے میں کیسے ڈھالیں؟ یہ گُر آپ نے اگر سیکھ لیا، تو آپ ایک ظفر مند اور بھرپور کامیاب انسان بن سکتے ہیں، اس کی ابتداء یہاں سے ہوگی کہ آپ اپنے مستقبل کی کامیابیوں کی منصوبہ بندی کے لئے سب سے پہلے اپنے ماضی وحال کا بے لاگ تجزیہ کریں اور اپنے اندر ماضی اور حال کے جائزہ لینے کا ایک عظیم حوصلہ پیدا کریں، تب جاکر آپ اپنے مستقبل کو کامیاب وکامران دیکھ سکتے

ہیں، اس کے لئے کچھ نکات کی ہم یہاں آپ کی سہولت کے خاطر وضاحت کئے دیتے ہیں
:

ا۔ آپ میں ایک ولولہ انگیز اور ان تھک ہمت کا وجود ضروری ہے کہ ہمت مرداں مدد خدا، حضرت امام شافعیؒ نے کیا ہی خوب فرمایا ہے:

انا إن عشت لست اعدم قوتا

واذا مت لست اعدم قبراً

همتي همة الملوك ، ونفسي

نفس حر ترى المذلة كفراً

واذا قنعت بالقوت عمري

فلما ذا اخاف زيداً وعمراً

"اگر اللہ نے زندگی دی تو رزق سے بھی محروم نہیں رہوں گا، اور اگر موت آئی تو قبر بھی مل ہی جائے گی۔ میری ہمت بادشاہوں کی ہمت ہے، اور میرا نفس ایک آزاد مرد کا نفس ہے، جو ذلت کو کفر سمجھتا ہے، اور جب ساری عمر قلیل ترین روزی (قوت لایموت) پر اکتفا کر سکتا ہوں، تو پھر مجھے زید عمرو سے کیا ڈر ہے؟"۔

۲۔ کامیابی حاصل کرنے کا ایک اہم اور بنیادی عنصر استقامت ہے، دین میں بھی استقامت ہی مطلوب ہے، قرآن وحدیث میں استقامت علی الدین کے ثمرات ونتائج اور

اس پر مرتب ہونے والے ثواب کا جابجا بیان کیا گیا ہے۔ عربی کی ایک مشہور ضرب المثل ہے کہ استقامت ہزار کرامتوں سے بہتر ہے۔ پشتو زبان کے لاہوتی شاعر رحمان بابا نے کیا خوب کہا ہے ۔

لکہ ونہ مستقیم پہ اخپل مکان یم

کہ خزان را باندے راشی کہ بہار

ترجمہ)''میں ایک مستقیم و مستقل شجر کی طرح اپنی جگہ قائم ہوں، خزاں آئے یا بہار) گویا مجھے بہار کی کامیابی اور خزاں کی ناکامی کی کوئی پرواہ نہیں)۔)

۳۔ محویت جسے عام طور پر یکسوئی اور ارتکازِ توجہ کہتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی پوری توجہ کسی کام کی تکمیل کے لئے لگادے اور اس کام میں اس کی محویت کا یہ عالم ہو کہ جب تک وہ اس میں کامیاب نہیں ہو جاتا، اس میں مجنونانہ انداز میں مگن رہے۔

۴۔ خود اعتمادی کی قوت کے ذریعے آپ کچھ بنیادی مشکلات کے خوف سے اپنے دل کو نکال سکتے ہیں، غربت و افلاس کا خوف، تنقید کا خوف، خرابیٔ صحت کا خوف، ناکامی کا خوف، بڑھاپے اور موت کا خوف۔ یہ اور اس طرح کے مختلف خوف اکثر و بیشتر انسان کو اپنے نصب العین اور ہدف کی طرف جانے کے سفر میں حائل ہو جاتے

ہیں، لیکن اگر خود اعتمادی کی سواری آپ کے پاس ہوگی، تو تمام رکاوٹوں کے یہ اسٹیشن آپ بہ آسانی پار کر سکیں گے۔

۵۔ درگزر کرنے کی عادت: انسان تب کامیاب ہو سکتا ہے جب اس میں صبر، عفو، چشم پوشی اور درگزر کی صفات ہوں۔ قرآن کریم میں ہے: (وجعلنا ھم ائمۃً یھدونا بأمرنا لما صبروا) ''اور ہم نے انہیں بڑا بنایا، وہ ہماری ہدایات کی تعمیل کراتے رہے، جب انہوں نے صبر کیا''۔

علامہ اقبال نے کیا خوب کہا ہے:

قہاری و غفاری و قدوسی و جبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلماں

مولانا اعزاز علیؒ نے بھی کیا دلچسپ بات فرمائی ہے:

ہل چل زمیں پہ مچ گئی افلاک ہل گئے
یا رب کسی کی آہ تھی یا نفخ صور تھا
عفو و صفح سے نہ لیا آپ نے بھی کام
اعزاز ورنہ صاحبِ عقل و شعور تھا

اس کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہیں، جن کا استیعاب واحاطہ یہاں مشکل ہے، لیکن

یہ بنیادی باتیں تھیں جو عرض کردی گئیں۔

انفرادی زندگی کے لئے تعینِ مقصد، لیاقت، قوت مخیلہ، جوش و خروش، معاوضے سے زیادہ کام کرنے کی عادت، جاذب نظر شخصیت، درستیٔ فکر، دوسروں سے تعاون لینا، رواداری، ناکامیوں اور کامیابیوں کا جائزہ..... ان سے آپ کے اندر ایسی قوت پیدا ہو گی جو آگے بڑھنے اور اپنے آپ کو سدھارنے کا جذبہ پیدا کرے گی۔ یہی جذبہ آپ کو کامیابیوں کے میدان میں فکر و عمل سے روشناس کرا کر منزل تک پہنچادے گا۔ اللہ تعالی ہم سب کو کامیاب ،کامران، سربلند و سرخ رو فرمائے، اللھم آمین۔

اسرائیل کا زوال شروع ہے

ایسے خام خیال ،ذہنی لحاظ سے تھکے ہوئے اور عزم و عمل کے چُور چور لوگوں کو آپ کیسے قائل کر سکتے ہیں، جنھوں نے بالغ النظر نہ ہونے کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے ، یہ پختہ نظریہ وعقیدہ خود سے اپنایا ہوا ہے کہ ''اسرائیل نا قابلِ شکست ہے''،وہ ایک سپر مین ہے، لہٰذاان سے لڑنے،دو دو ہاتھ کرنے اور انہیں زیر کرنے کا تصور ہی غلط ہے، اسی لئے ہمارے یہاں وقتاً فوقتاً یہ آوازیں اٹھتی ہیں کہ اسرائیل کو تسلیم کیا جائے۔شاید یہ لوگ یہ سوچتے ہیں کہ اگر اسرائیل کے ساتھ سفارتی تعلقات قائم کئے گئے ،تو یہودیوں کے اثر ونفوذ والے طاقتور ملکوں میں ہمیں بڑی پذیرائی مل جائیگی، یہ لوگ بھول جاتے ہیں کہ جن جن اسلامی ممالک نے اسرائیل کو تسلیم کر لیا ہے، انہیں سوائے رسوائی کے اور کیا ملا؟ مراکش کو کیا ملا؟ترکی اور مصر کو کیا ملا؟ بلکہ یہودیوں نے اپنی شہرۂ آفاق بدطینتی کی بناء پر ان کا احسان ماننے کے بجائے ان کو درخورِ اعتناء تک نہ سمجھا،ارے وہ اب یہ تک سوچنے پر آئے ہیں کہ ہمارے بڑوں نے غلطی کر کے اسرائیل کو تسلیم کیا۔

فتح وشکست کا تعلق اوزار سے نہیں، عزم وارادہ اور مورال سے ہے، اسی کی بنیاد پر لبنان وفلسطین کے رضا کار نوجوانوں نے حکمرانوں سے ہٹ کر اپنی مدد آپ کے

تحت اسرائیل کی مزاحمت جاری رکھی، صرف ان کی ثابت قدمی ہی کی وجہ سے
2006، اور 2008/2009 کے انتفاضوں میں اسرائیل کو یقین ہو گیا تھا کہ 2000
ان نوجوانوں کی تحریکِ مقاومت کو کسی بھی ہتھیار سے شکست دینا ممکن نہیں، آج بھی
وہ حیران ہیں کہ ان نوجوانوں نے اسرائیلی فوج کو اپنے اہداف تک کیسے پہنچنے نہ
دیا، ضرب وحرب کے کافی وسائل نہ ہونے کے باوجود انہوں نے ایک باقاعدہ منظم
تربیت یافتہ اور ترقی یافتہ فورسز کے بے رحمانہ تیز وتند حملوں کو سینہ سپر ہو کر کس،
طرح روکے رکھا، پھر ٹیلی ویژن کی سکرینوں پر دنیا نے دیکھا کہ کئی محاذوں میں سے
اسرائیلی فوجی دم دبا کر بھاگ رہے ہیں اور رو بھی رہے ہیں، جبکہ عرب نوجوان کٹ تو
سکتے ہیں، لیکن راہِ فرار اختیار نہیں کرتے، واویلا بھی نہیں کرتے ،اس صورتِ حال نے
جہاں عربوں میں بہت بڑا حوصلہ پیدا کیا، وہاں یہودیوں میں خوف وہراس نے آلیا، ان
کی ھیبت فلسطینیوں کے دلوں میں کم ہو گئی اور عربوں کا رعب ودہشت صہیونیوں کے
دماغوں پر سوار ہونے لگا، وہ سوچنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم دنیا کے کونے کونے سے یہاں
مجتمع ہو کر کہاں آکر پھنس چکے ہیں، بالخصوص 2008 اور 2009 کی جنگوں میں اسرائیل
نے بزدلانہ طریقے سے مد مقابل لڑاکا نوجوانوں کے بجائے شہری املاک، سویلین لوگوں
اور مفادِ عامہ کے منتصبات پر سارا غصہ نکالا، ان کی اس حواس باختگی اور جنگی جرائم سے
مقاومت کاروں نے یہ اندازہ لگایا کہ اسرائیلی فوج کی قوت ناقابل شکست نہیں، بلکہ
قابل شکست تھی اور ہے، جس کے لئے محض استقامت، استقرار

اور ثابت قدمی کی جتنی ضرورت ہے، بھاری بھر کم ہتھیاروں کی اتنی حاجت نہیں، نیز اسرائیلی فوج و عوام سب ہی نے اسی سے اندازہ لگایا کہ عرب کے جدید لڑاکا نوجوان اب تر نوالہ نہیں، بلکہ یہ گوریلا جنگ کے وہ ماہرین ہیں، جو تربیت یافتہ، پڑھے
لکھے، منضبط، باشعور، جنگی اخلاقیات کے علمبردار، عزیمت کے پہاڑ اور اچھی طرح مسلح ہیں، اس طرح اسرائیلی افواج کا مورال روز بروز گرتا چلا جارہا ہے،جب بھی وہ نئی جنگ چھیڑتے ہیں، مزید روبزوال ہوتے جاتے ہیں، وہ پریشان بھی ہیں، کیونکہ انھوں نے دنیا بھر کے یہودیوں کو اسرائیل لانے کے لئے یہ پروپیگنڈا کیا تھا کہ یہودیوں کو سوائے ارض موعود (یعنی فلسطین) کے کہیں اور امن وسکون نہیں مل سکتا،اب وہ انہیں یہ اطمینان نہیں دلا سکتے، کہ تمہارے لئے یہاں امن وسلامتی ہے، کہیں اور نہیں، اس لئے کہ عام یہودی شہری گذشتہ رمضان 2014 سے یہ سوچنے پر مجبور ہوگیا ہے، کہ ان کے لئے دنیا میں کہیں امن وسکون ہے یا نہیں، البتہ عربوں کی سرزمین فلسطین پر قابض جما کر ان کے لئے امن ، سکون اور سلامتی نام کی کوئی چیز یہاں نہیں ہے، وہ دیکھ رہے ہیں کہ اسرائیلی فوج تدریجاً 1965 کے مقابلے اس وقت غیر منضبط، حواس باختہ، ڈرے ہوئے اور فرار کی راہوں کے متلاشی ہیں، رشوت ستانی ، کمیشن خوری، شراب وکباب ، ناپائیدار مستقبل انسانیت کی حدوں سے گری ہوئی بدکرداری اور سہولت پسندی نے ان کا ستیا ناس کیا، ہوا ہے،اوپر سے مشکل یہ کہ وہ فوج میں ''جوب'' کے لئے آئے تھے، مستقبل بنانے آئے تھے، اپنی ایک خیالی دنیا بسانے آئے تھے،اب

انہیں ہر موڑ پر موت کا سامنا ہے، خواری اور رسوائی کا سامنا ہے، پوری دنیا نے انہیں محفوظ سرنگوں کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہوئے دکھایا، بھیڑیوں کو روتے ہوئے دکھایا، اُس وقت یوں لگ رہا تھا جیسے مزعومہ ارضِ موعود اُن کے لئے میدانِ ''تیہ'' بن چکا ہو، انہیں اب اپنی حکومت پر بھی اعتماد نہیں ہے، کہ اگر وہ کسی جنگ کا ایندھن بن کر مرکھپ گئے، تو انکے پسماندگان کا کیا بنے گا، ان کی دیکھ بھال یہ مفاد پرست ٹولہ کرے گا بھی یا نہیں، اس کے بالمقابل عرب رضاکار نوجوانوں کو شہادت درکار ہے، اپنے وطن پر قرباں ہونا اور فدا ہونا مطلوب ہے، انہیں اپنی تنظیموں پر ہر طرح کا اعتماد ہے، اسی لئے گذشتہ رمضان میں اسرائیل نے معصوم بچوں، خواتین اور نہتھے شہریوں کو بہیمانہ طور پر خون میں نہلا کر، نیز عام املاک کو تباہ وبرباد کرکے جب جنگی اہداف میں کسی بھی طرح فتح نہ پائی، اہلِ غزہ اور ان کے حماس کو قابو میں نہ لاسکے، تو لجاجت پر آ گئے، ناک رگڑ کر انکل سام اور مصر کی منت سماجت کی، خدارا درمیان میں پڑ جاؤ، مصالحت کراؤ، ہماری جان چھڑاؤ۔

یہی وہ صورتِ حال ہے جس کی وجہ سے فلسطین اب امریکہ واسرائیل کے علیٰ الرغم اقوامِ متحدہ کا باقاعدہ ایک ''رکن'' ملک بن چکا ہے، بین الاقوامی عدالتِ انصاف تک بھی اسے رسائی حاصل ہے، مسلم ممالک کے علاوہ بہت سے یورپین ملکوں کے پارلیمانوں میں اسے تسلیم کرنے کی قراردادیں بھی پاس ہو چکی ہیں، جس سے

امریکہ کاپروردہ وبغل بچہ اسرائیل اوران کے دیگر چاچے مامے پیچ وتاب میں ہیں،مزید برآں تین چار روز قبل لبنانی حزب اللہ نے اپنے شہید کارکنوں کا بدلہ 16 اسرائیلی فوجیوں کو جہنم واصل کرکے لیا،اس سے یہودیوں کو یہ بھی اندازہ ہواکہ حزب اللہ اگرچہ شام میں اپنے مسلمان بھائیوں سے مصروفِ جنگ اور برسرپیکارہے، لیکن اسرائیل کے دانت اب بھی کھٹے کرسکتاہے، وہ اب بھی اینٹ کا جواب پتھر سے دے سکتا ہے اوراب بھی یہودیوں کے چودہ طبق روشن کرسکتاہے، معلوم ہواکہ اسرائیل ناقابل شکست نہیں ہے،حال کی بات ہے ، کئ میدانوں اور محاذوں پے وہ ہزیمت سے ہمکنار ہواہے،اس کے غبارے میں سے ہواکانکلنا شروع ہواہے،بحیثیتِ مجموعی (قوم وفوج) ان کا مورال بہت زیادہ گرچکاہے،انہیں پتہ لگ گیاہے کہ عزم وایمان سے معمور چھوٹی چھوٹی تنظیمیں بھی انہیں خاک وخون میں لت پت کرسکتی ہیں اوردنیاپر یہ بھی اچھی طرح واضح ہواکہ بزدل اورمادہ پرست یہودی یہاں پُرامن نہیں ہیں،بلکہ کسی بھی طرح شکست وریخت سے آج یاکل دوچار ہوسکنے کے ڈرکی وجہ سے وہ ارض فلسطین خالی کرکے بھاگنے کو ہیں۔

ویسے تو دینی مدارس وجامعات کا جال دنیا کے چپے چپے پر بچھ چکا ہے، دنیا کے ہر شہر میں اگر نہیں تو کم سے کم ہر ملک میں کوئی نہ کوئی دینی مدرسہ، معہد، مکتب، مرکز، جامعہ ضرور موجود ہے، لیکن اس حوالے سے جو کرم واحسان اللہ رب العزت نے.برصغیر پاک وہند پر فرمایا ہے، اس کی نظیر دنیا میں ملنا محال نہیں تو دشوار ضرور ہے اور پھر .برصغیر کے حوالے سے پاکستان۔ الحمدللہ۔ ہند پر بھی باری لے گیا ہے۔

ظاہری وباطنی لحاظ سے.برصغیرپاک وہند کی تہذیب وثقافت کے علمبرداران مدارس نے اندرونی وبیرونی، حکومتی اور غیر حکومتی سازشوں سے دوچار ہو کر مادی ومعنوی نیز مالی وسیاسی مشکلات ومسائل کا بارہا سامنا بھی کیا، مگر ان کی ترقی، پھیلاؤ، اثرونفوذ، عالم گیریت، تسلسل اور استقامت میں کوئی فرق نہیں آیا، چناں چہ آج اس موضوع کو...... تاریخ، دستور، نظام تعلیم، کارنامے اور نتائج جیسے ابواب وفصول میں مبوّب ومفصّل بیان کرنے کے لیے دفتر کے دفتر چاہئیں، جس کا احاطہ کرنا ہر کس وناکس کا کام بھی نہیں اور یہاں اس کا مقام بھی نہیں ہے۔

پاکستان کے تمام دینی ادارے بالخصوص دیوبندی مدارس، فکری اور مسلکی حوالے سے دارالعلوم دیوبند سے منسلک ہیں، نظامِ ادارت، نظامِ تعلیم، نصابِ تعلیم، اورامتحانات و بعض دیگر شعبوں میں اسی سے مشابہ اور مماثل ہیں،چوں کہ،آج کل مختلف انداز کے بیانیوں میں ان مدارس اور ان کی علمی تاریخ پر بحثیں ہو رہی ہیں،اس لیے یہاں دارالعلوم دیوبند کا مختصر تعارف پیش خدمت ہے۔

دارالعلوم کی بنیاد 15 محرم1273ھ/1867ء کو دیوبند کی ایک قدیم مسجد چھتّا والی" میں مشہور عالم دین مولانا محمد قاسم نانوتوی (1248ھ/1832ء .....1297ھ/ ء)نے چند اہل فضل و تقویٰ بزرگوں کے تعاون اور مشورے سے رکھی تھی۔1880 جن میں مولانا فضل الرحمٰن عثمانی (علامہ شبیر احمد عثمانی کے والد) مولانا ذوالفقار علی دیوبندی (والدِ شیخ الہند) اور حاجی عابد حسین کے نام قابل ذکر ہیں۔اس درس گاہ کے پہلے مہتمم حاجی محمد احمد،پہلے مدرس ملا محمود دیوبندی، پہلے طالب علم مولانا محمود حسن، پہلے صدر المدرسین مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور پہلے سرپرست مولانا محمد قاسم نانوتوی مقرر ہوئے۔ بعد میں دارالعلوم کی نئی عمارت کا سنگ بنیاد مولانا احمد علی محدث سہارنپوری نے 1293ھ/1876ء میں رکھا،بنیادی طور پر یہ درس گاہ درجہ ذیل مقاصد کے پیش نظر قائم کی گئی تھی۔ا۔ آزادی ضمیر اور اعلائے کلمۃ الحق۔ ۲۔مسلمانوں کو ایک جمہوری عوامی تنظیم میں پرونے کی جدوجہد کرنا۔ ۳۔ حضرت شاہ ولی اللہ

دھلویؒ کے مسلک کی حفاظت واشاعت۔ ۴۔ مسلم معاشرے سے خود غرضی اور استبداد کا خاتمہ۔ ۵۔ علوم دینی کا احیاء، علوم عقلیہ کی صحیح ترتیب' دین میں مہارت کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم کے تقاضے پورے کرنے والے علماء تیار کرنا۔
درس گاہ کی مالی ضروریات کے سلسلے میں مولانا نانوتوی نے آٹھ اصول (اصول ہشتگانہ) مقرر کیے تھے، جن کا مقصد یہ تھا کہ حکومتِ وقت اور امراء و اغنیاء کے تسلط سے درسگاہ آزاد رہے۔ دارالعلوم دیوبند کے نظم و نسق کے لیے ایک مجلس شوریٰ ہے۔ ایک مجلس انتظامیہ ہے۔ ایک مہتمم (رئیس الجامعہ) ہے،اب کچھ سالوں سے نائب مہتمم کا منصب بھی شوریٰ نے منظور کیا ہے۔ شیخ الحدیث یا صدر المدرسین کا منصب ممتاز اہل علم و تقوی کو ملتا ہے۔ یہاں علمِ صرف و نحو، لغت و ادب ، علم المعانی، منطق، فلسفہ، فقہ، اصول فقہ، حدیث، تفسیر، علم الفرائض، علم العقائد، علم الکلام ، علم الطب، علم المناظرہ، علم ہیئت اور علم قراءت و تجوید کے علاوہ جدید عربی، اردو، انگریزی زبان وادب اور ریاضی کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، مبادیات کے بعد درسِ نظامی کا آٹھ سالہ نصاب ہے۔ اس درسگاہ میں دورۂ حدیث کی بڑی شان و شوکت ہے، جس میں دور دراز کے طالب درجات کی تکمیل کے بعد شریک ہوتے ہیں ۔ تیرہویں صدی ہجری/ انیسویں صدی عیسوی کے دوران دہلی، لکھنؤ اور خیرآباد میں تین مختلف النوع دینی ادارے موجود تھے۔ دہلی کے ادارے تفسیر اور حدیث کی تعلیم پر زور دیتے تھے، لکھنؤ

فقہ پر اور خیر آباد علم الکلام اور فلسفے کے لیے مخصوص تھا۔ دیو بند ان تینوں کے امتزاج کی نمائندگی کر رہا ہے۔ دیو بند میں بلاد اسلامیہ کے مختلف ملکوں وحصوں سے طلبہ آتے رہتے ہیں ۔ درس گاہِ حدیث میں پندرہ سو طلبہ کے قیام کا بندوبست ہے۔ دارالعلوم کی عمارت تین مساجد کئی دارالاقاموں، ایک کتب خانے اور حدیث ، تفسیر اور فقہ وغیرہ کے متعدد درسی کمروں پر مشتمل ہے۔ دیوبند کے کتب خانے کا شمار ہندوستان میں مخطوطات کے بڑے بڑے کتب خانوں میں ہوتا ہے۔ اس میں ستر ہزار کتابیں موجود ہیں۔ دیوبند کے اس سلسلۃ الذہب سے قیادت و سیاست، صحافت، خطابت، تصنیف وتالیف، درس وتدریس، تصوف وسلوک، دعوت و تبلیغ، اہتمام وانتظام اور جہاد و قتال کے لاتعداد عباقرہ پیدا ہوئے۔

مولانا محمد قاسم نانوتوی تین واسطوں سے حضرت شاہ ولی اللہ دھلویؒ کے شاگرد تھے دیوبند والے فقہی مذاہب میں سے امام ابو حنیفہؒ کے مقلد ہیں۔ قرآن وسنت پر سختی، سے عمل پیرا ہونے کے علاوہ ان کا تصوف سے بھی گہرا تعلق ہے۔ اکثر علمائے دیوبند روحانی مسلک کے لحاظ سے حاجی امداد اللہ کے حلقۂ ارادت میں شامل ہیں، جو نقشبندی چشتی ، قادری اور سہروردی چاروں سلسلوں سے منسلک تھے۔ عقائد وعلم الکلام میں ، امام ابوالحسن اشعریؒ کے مقلد ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت وعظمت پر ایمان رکھتے ہیں ۔ کثرتِ درود کو عین ثواب سمجھتے ہیں۔ دین میں غلو اور انتہا پسندی کے بجائے وہ اعتدال کے قائل اور اہل قبلہ

وعامۃ المسلمین کی تکفیر سے اجتناب واحتیاط لازم سمجھتے ہیں۔

دیوبندی علمائے کرام نے تحریک آزادی میں نمایاں حصہ لیا،آزادی ہند کے لیے 1857 کی جنگ میں قیادت مولانا قاسم نانوتوی کے پاس تھی، ریشمی رومال کی تحریک شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی نے منظم کی تھی۔ تحریک خلافت میں بھی دیوبندیوں نے بڑا حصہ لیا۔ تحریک پاکستان کی جدوجہد میں دیوبندی دو حصوں میں منقسم تھے ایک حصے نے آزادی متحدہ ہندوستان کے لیے جدوجہد کی اور دوسرے حصے نے تحریک، پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مولانا اشرف علی تھانوی، علامہ شبیراحمد عثمانی مولانا ظفراحمد عثمانی، مولانا مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع عثمانی اوران حضرات سے، نظریاتی منسلک خان عبدالغفار خان وغیرہ نے مسلم لیگ کے موقف کی حمایت کی۔ قیام پاکستان کے بعد دیوبندی علما کا علمی وروحانی مرکز بھارت میں رہ گیا اس لیے پاکستان کے مختلف مقامات پر علمی مراکز قائم کیے گئے۔ جامعہ اشرفیہ لاہور، جامعہ مدنیہ لاہور، مدرسہ عربیہ خیر المدارس ملتان، جامعہ قاسم العلوم ملتان، دارالعلوم ٹنڈوالہ یار، مدرسہ مظہر العلوم کھڈہ کراچی، دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک پشاور، جامعہ بنوری ٹاؤن کراچی، دارالعلوم کراچی، جامعہ فاروقیہ کراچی ،جامعہ مطلع العلوم کوئٹہ وغیرہ جیسی مشہور درس گاہیں دیوبندی مکتب فکر کی علمی یادگاروں کو زندہ رکھے ہوئے ہیں۔

"اسلامی انسائیکلوپیڈیا باختصار واضافات"

2020 میں امریکہ بھی پاش پاش ہو جائے گا

چارلی ایبڈو پر جس دن حملہ ہوا، اسی دن فرانس کے ایک مشہور ناول نگار نے پیش گوئی کی تھی کہ 2020 میں فرانس ایک مسلم جمہوریہ ہوگا جس کا صدر بھی مسلمان ہی ہوگا، کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ بوکھلا کر وہاں کے خفیہ اداروں نے اسلام اور مسلمانوں کو بدنام کرنے کیلیے 11/9 کی طرح یہ دہشتگردی کروائی، واللہ اعلم، لیکن اس بات کی تائید اس غیر مصدقہ خبر سے بھی کچھ نہ کچھ ہوتی ہے کہ کوچی برادران جن کو واقعے کا ذمہ دار ٹھہرا کر ہلاک کرنے کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ ایک سال قبل شام کی جنگ میں مارے جاچکے تھے۔

اسی طرح گذشتہ ہفتے جہانِ پاکستان کے اسی صفحے پر ہمارا کالم " اسرائیل کا زوال شروع ہے " چھپا، تو کئی دوستوں نے اسے ہماری خوش فہمی قرار دیا، ڈاکٹر خلیل بلیدی نے تو اس حوالے سے خاصا مناظرہ بھی کیا، وہ عرب دنیا کی موجودہ تشتت وانفکاک سے استدلال کر رہے تھے، جبکہ ہم اسرائیل کے زوال کو اندر گھر سے ثابت کر رہے تھے، ہمارے سامنے بین الاقوامی میڈیا بالخصوص الجزیرہ کی تفصیلات تھیں۔

آج جب ہم امریکہ کے زوال کا تذکرہ کر رہے ہیں، تو وہ بھی خارجی نہیں داخلی اسباب کی بناء پر کر رہے ہیں، بی بی سی کے مطابق امریکہ کے زوال کے پیش گوئیاں کوئی نئی بات نہیں ہے، جب روس نے خلانوردی میں امریکہ کو مات دی تھی اس وقت بھی ایسی قیاس آرائیاں شروع ہو گئی تھیں، لیکن حالیہ برسوں میں سیاسی جماعتوں اور مختلف امریکی ریاستوں میں بڑھتی ہوئی کشیدگی نے ایک بار پھر اس بحث کو زندہ کر دیا ہے، نیز امریکہ قرض میں بری طرح پھنس چکا ہے، جس کا قرض اربوں میں نہیں سینکڑوں کھرب ڈالر میں ہے، بتایا جاتا ہے کہ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ کبھی اتنا مقروض نہیں ہوا۔

بعض مبصرین کے خیال میں موجودہ قرضے ماضی کے قرضوں کی نسبت بڑے خطرناک ہیں، جو امریکی زوال کی ایک بڑی وجہ بن سکتے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ امریکی زوال کا آغاز اقتصادیات سے ہوگا، جو وہاں کی ہر چیز کو اپنی لپیٹ میں لے کر پوری تہذیب کو گرادے گا، امریکہ کی فارن ریلیشنز کونسل کے صدر رچرڈ ہاس کے مطابق امریکی زوال کا تعلق معیشت کی گرتی ہوئی صورت حال سے ہے، جبکہ امریکی مفکر فرانسیس فوکویاما کے خیال میں اس کا تعلق داخلی بداعتمادی سے ہے، ان کا کہنا ہے کہ امریکی قوم کی بندوقوں سے بڑھتی ہوئی محبت صرف ذاتی تحفظ کے لئے نہیں ہے، بلکہ ایک سیاسی عدم اعتماد کی فضا کی عکاس ہے، جس کی وجہ سے ملک میں کسی بھی معاملے پر اتفاق رائے ناممکن ہو چکا ہے، کولمبیا یونیورسٹی

کے پروفیسر جیفری سیکس کے مطابق سارا نظام امیر کو امیر تر کرنے کے اصول پر استوار ہے ،دونوں سیاسی جماعتیں کم ٹیکس ،کم اصلاحات اور امیروں کی حمایت کی پالیسی پر متفق ہیں ،جو امریکہ کے سب سے بڑے مسائل ہیں ،جبکہ کچھ مفکرین ایسے بھی ہیں جن کا کہنا ہے کہ امریکہ تعلیمی برتری اور ڈیجیٹل سائنس میں مہارت کی بدولت ٹوٹ پھوٹ سے بچ جائے گا۔

لیکن مغربی دنیا کے ممتاز سیاسی تجزیہ کار جان کالٹنگ ،جن کی ماضی میں بہت سی پیشین گوئیاں سچ ثابت ہوئی ہیں،نے اپنی کتاب "The fall of us Empire" میں امریکی زوال کے مسئلے کو پھر سے اٹھایا ہے اور 2020 کو ٹارگٹ کیا ہے وہ کہتے ہیں : امریکا بڑے عرصے سے ساری دنیا کی فتح کا خواب دیکھ رہا ہے ، کئی ممالک جاپان ،ویت نام روس ، لیبیا، فلسطین ، اردن، چین ، صومالیہ ،شام ، شمالی کوریا، مصر، سوڈان ،، انڈونیشیا، عراق اور افغانستان یا تو براہ راست امریکی جارحیت کا نشانہ بنے ہیں یا سیاسی مداخلت کے ذریعے امریکی مظالم کا شکار ہوئے ہیں ، خلیج ٹائمز میں چھپنے والی رپورٹ کے مطابق امریکا کے توسیع پسندانہ عزائم کی وجہ سے دنیا بھر کی آبادی کے چار حصے امریکی پالیسیوں سے نفرت کرتے ہیں ، امریکا کی اندرونی آبادی کا بڑا حصہ امریکا کے ظالمانہ جرائم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا۔

امریکا میں حالیہ علیحدگی پسند تحریکوں کا اٹھنا بھی امریکی پالیسیوں کا رد عمل ہے، جان کے مطابق 2020 تک یہ تحریکیں امریکہ کی جغرافیائی تبدیلیوں میں اہم کردار ادا کریں گی۔ 2012 میں اوباما کے دوبارہ صدر بننے پر لوزیانا ریاست کے 13 ہزار افراد نے امریکا سے علیحدگی کے لئے عدالت کو درخواست دی تھی،انھوں نے الگ ملک کے طور پر اپنے لئے ریاست کی علیحدگی کا مطالبہ کیا تھا، ان کے مطالبے کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا تھا کہ دیگر ریاستوں میں بھی آزادی کی آوازیں اٹھنے لگیں، عدالتوں کو درخواستیں دی جانے لگیں، اب تک وہائٹ ہاوس سے آزادی کا مطالبہ کرنے والی ریاستوں کی تعداد 27 ہو گئی ہے، امریکی آئین کے مطابق جو بھی ریاست آزادی مانگے اور ایک ماہ کے دوران اس ریاست کے 25 ہزار افراد آزادی کے مطالبے پر دستخط کردیں، صدر کی ذمہ داری ہے کہ ان کے مطالبے پر غور کرے۔اس شرط کو پورا کرنے کے لئے کوششیں جاری ہیں جن ریاستوں میں آزادی کی تحریکیں چل رہی ہیں، وہاں دستخطوں کی کمپین چل رہی ہے۔بڑی تعداد میں لوگ اپنی ریاستوں کی آزادی کے لئے ایک دوسرے کو تیار کررہے ہیں تاکہ آئندہ دستخطی مہم کا سلسلہ شروع کیا جاسکے۔یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ امریکہ کے اکثر لوگ حکومتی پالیسیوں کے مخالف ہیں، ان کا اعتراض ہے کہ امریکی حکومت بجائے اس کے کہ عوام کے پیسے عوام پر خرچ کرے، اسے دنیا پر قبضے اور جارحیت پر خرچ کررہی ہے، دوسری بات یہ کہ امریکی عوام کو ابلاغ اور دیگر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ امریکا دنیا کا مقروض ترین

ملک ہے، اس پر ڈیڑھ سو کھرب سے زیادہ ڈالر کا قرضہ ہے، جس کی وجہ سے امریکی معیشت زوال کا شکار ہے، اسی طرح امریکہ کی زیادہ توجہ اب تعلیم، صحت اور روزگار کے بجائے جنگوں پر ہے، ماضی کی بنسبت بے روزگاری کی شرح میں اضافہ ہوا ہے لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ صرف اپنی ریاستوں کے اندر اپنے مسائل کم کرنے کا سوچ رہے، ہیں، ساری دنیا پر حکومت کرنے کا بوجھ اپنے سروں پر سوار نہیں کرنا چاہتے، امریکی یہ بھی جانتے ہیں کہ ملکی پالیسیوں نے ساری دنیا کو آگ کا گولہ بنادیا ہے، کوئی امریکی شہری دنیا میں محفوظ نہیں ہے، دنیا بھر میں لوگ ان سے نفرت کرتے ہیں، عوام کا کہنا ہے کہ وہ اس سب کے بجائے اس بات کو زیادہ پسند کرتے ہیں کہ اپنی ریاستوں کو امریکہ سے آزادی دلائیں اور دنیا بھر کے لوگوں سے اپنے معمول کے رابطوں کا آغاز کریں تاکہ بااعتماد طریقے سے دنیا میں ہر شخص سے لین دین کرسکیں۔ سفید فام اور سیاہ فام کی پرانی رقابتیں ایک بار پھر تازہ ہونے لگی ہیں، فریقین کے مطالبات کے درمیان زمین وآسمان کا فاصلہ ہے، جو شاید عنقریب ایک بڑی خانہ جنگی پر منتج ہوجائے، اس کو دیکھتے ہوئے جان لکھتا ہے: امریکہ ایک ایسی بندگلی میں داخل ہوگیا ہے، جہاں سے اسے واپسی کا کوئی راستہ نہیں مل رہا۔۔۔ موجودہ حالات میں ایک جانب امریکہ میں آزادی پسندوں کا مطالبہ شدت پکڑ رہا ہے، آزادی پسند ریاستوں میں مضبوط تحریکی آثار نظر آرہے ہیں، جو لوگ وہائٹ ہاوس سے آزادی مانگ رہے ہیں، ان کے خلاف جوابی ردعمل بھی شروع ہوگیا ہے، جو لوگ آزادی

چاہتے ہیں ان کی شہریت منسوخ کرنے کی کوشش کی جاتی ہے، اس سے امریکیوں کے درمیان فاصلے بڑھ رہے ہیں، امریکہ میں بڑے پیمانے پر اسلحے کی خرید وفروخت جاری ہے، ذرائع ابلاغ کے مطابق صرف گذشتہ تین ماہ میں امریکیوں نے تین ملین ڈالر کا اسلحہ خریدا ہے، یہ اسلحہ مستقبل میں امریکی زوال کا ایک طاقتور طوفان اٹھائے گا اور اس بات کو یقینی بنائے گا کہ امریکی زوال کے لمحات اب قریب آ گئے ہیں، بقول جان 2020 کا انتظار کریں۔

دہشت گردی کا اصل شکار کون؟

مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار، مفتی عبد السمیع ، مولانا محمد یوسف لدھیانوی ، مولانا عنایت اللہ خان ، مولانا حمیدالرحمٰن ، مفتی محمد اقبال، ڈاکٹر مفتی نظام الدین شامزئی، ڈاکٹر عزیز الدین شامزئی ، مفتی محمد جمیل خان ، مولانانذیر تونسوی ، مفتی عتیق الرحمٰن ، مولاناانیس الرحمٰن درخواستی ، مولاناسعید احمد جلال پوری ، مولانا اسلم شیخوپوری، مولانا فخرالزمان ، حاجی عبدالرحمٰن، مولانا عبدالرحمٰن کولائی، مولانا ساجد اللہ حسن زئی ، مفتی عبدالمجید دین پوری ، مفتی صالح کاروڑی، مولانا مسعود بیگ، مولانا عبدالغفور ندیم ، ڈاکٹر خالد محمود سومرو، حافظ عبیداللہ المظفر،علامہ علی شیر حیدری ، مفتی عثمان یارخان ، علامہ عارف الحسینی ، محمد سلیم قادری ، محمد عباس قادری ،علامہ حسن ترابی ،ڈاکٹر سرفراز نعیمی ، علامہ احسان الٰہی ظہیر ،ڈاکٹر پرویز محمود، مولانا شبیر عالم فاروقی ، مفتی امان اللہ ،علامہ علی اکبر کمیلی ، مفتی عمران ، مولانا ارشاد اللہ عباسی ، قاری سیف اللہ ، خطیب محمد اسلم شاکر ،ڈاکٹر اوج ، پروفیسر ڈاکٹر صفدر علی کیانی ، ڈاکٹر اطہر علی ، مولانا نصیب خان مولانا صفی اللہ وغیرہ ، شہادتوں کی ایک طویل فہرست ہے۔ رحمہم اللہ جمیعاً۔ یہ سب وہ شہداء ہیں جن کا تعلق مذہبی حلقے سے تھا۔ نیز مولانا فضل الرحمٰن، مولانا محمد خان شیرانی ، مولانا

ابو عدنان ملک زر، حافظ مصباح محمود وغیرہ پر شدید قاتلانہ حملے اور جامعہ فریدیہ وجامعہ تعلیم القرآن پنڈی میں خون کی ہولیاں اس کے علاوہ ہیں، جعلی پولیس مقابلوں اور عقوبت خانوں کی ذلت آمیز اور ہولناک اذیتیں اس پر مستزاد ہیں، پھر بالخصوص ڈاکٹر خالد محمود سومرو کی سفاکانہ شہادت اور مولانا فضل الرحمٰن کو راستے کا سنگِ گراں سمجھ کر ہٹانے کی ناکام کوششیں چہ معنی دارد؟۔

جامعہ بنوری ٹاؤن، جامعہ فاروقیہ کراچی، جامعہ رحمانیہ، جامعہ احسن العلوم، جامعہ اشرفیہ، جامعہ بنوریہ اور نہ جانے کون کون سے عربی مدارس دہشت گردی کے عفریت کے زد میں ہیں، ان اداروں سے خون رس رہا ہے، دیواریں اور درسگاہیں نوحہ کناں ہیں، طالبان علومِ نبوت کی ان ماؤں کے آغوش میں آج خوف وہراس ہے، مسجد ومحراب میں آہ وفغاں ہے۔لاشیں اٹھااٹھا کر یہاں کے مکان ومکین تھک چکے ہیں، اندر بھی سہمے ہوئے ہیں، باہر بھی ان پر دہشت طاری ہے، ستم بالائے ستم یہ ہے کہ دہشت گردی کے یہ اصل شکار پاکستانی شہری آج قومی اداروں میں دہشت گرد ٹھہرائے جارہے ہیں بلکہ خاکم بدہن حقیقت یہ ہے کہ زبردستی انہیں جنگ میں دھکیلا جارہا ہے۔لمحہ فکریہ ہے کہ مذکورہ بالا تمام شہداء وحملہ شدگان خالص علمی، اصلاحی، ہم آہنگی اور پرامن بقائے باہمی کی خدمات میں مصروف ومشغول اور حلقۂ خواص وعوام میں معروف ومقبول تھے، پھر اصل وجہ

کیاہے کہ انہیں نشانہ بنایاگیا اور مزید بھی نشانے پر ہیں ؟

ہمارے ملک کے تمام سرکاری وغیر سرکاری بڑے اداروں کو جذبات نہیں دور اندیش عقل وفکر سے کام لے کر پورے خطے اور عالمی سطح پر اپنے ملک کے خلاف ہونی والی سازشوں کی تہِ تک جانا ہوگا۔ بنیادی اسباب و محرکات تلاش کرنے ہوں گے ، بیماری کی جڑ معلوم کرکے اس کا استیصال کرنا ہوگا ،یا پھر سدّباب کیلئے احتیاطی تدابیر پر نگاہ مرکوز کرنی ہوگی ،اگر بیماری کینسر کی طرح لاعلاج بھی ہے ،تو کم از کم اسے مفضی ومتعدی ہونے نہ دیاجائے ، اگراصلاح ممکن نہیں ہے جوکہ تیزی سے عالمی بدلتی صورتِ حال میں حقیقتاً جلدی ممکن نہیں ہے ، تو روک تھام کے عوامل کو بروئے کار لایاجائے ۔

میں توطالب بھی ہوں ، مولوی بھی ہوں ، عصری اداروں میں بھی رہاہوں ، پختونوں اور مہاجروں میں بھی رہاہوں ، میں نے تو کہیں فرقہ واریت ، تشدد، لسانیت اور نفرت کی باتیں یا افراد یہاں نہیں دیکھے ، پھر کون ہیں ، جو مذکورہ عناوین پر درس دے رہے ہیں ، قاتل تیار کررہے ہیں ، دہشت گرد تیار کررہے ہیں ، کہیں ہمارے خلاف ”پراکسی وار“ تونہیں چل رہی ، کہیں ہمارے اندر اغیار کے ایجنٹ تونہیں گھس آئے ، یا پھر کسی کے ساتھ امتیازی سلوک تو ماضی وحال میں نہیں ہوئے ، کہ وہ اب نالاں اور ناامید ہوکر تنگ آمد بجنگ پر اتر آئے ہیں ؟

یاد رکھنا چاہئے کہ قومیں کرائسس میں بنتی ہیں ۔ فی زمانہ ہماری قومی قیادت کے امتحان کا وقت ہے کہ نیٹو فورسز کے افغانستان سے انخلا ور خصتی کے موقع پر اپنے ملک وملت کو نقصان اور خسارے سے کیسے بچایا جائے ،اسٹر ٹیجک شعبوں میں کام کرنے والوں کو بہت محنت کرنی پڑیگی ،تب جا کر سُکھ کا سانس نصیب ہوگا،ملک میں ملٹری کورٹ لانے سے قبل دیکھنا یہ چاہئے تھا کہ آخر ہماری سول عدالتوں نے پچھلے 14 سال میں تقریباً 9000 ہزار مجرموں کو جو موت کی سزائیں سنائیں،ان پر سانحۂ پشاور سے پہلے ہی عمل درآمد کیوں نہیں ہوا؟ کون سی پس پردہ قوتیں تنفیذ میں حائل ہوئیں؟کالم میں مذکورہ شہداء اور ان کے علاوہ دیگر مظلومین کو بروقت انصاف کیوں نہیں ملا؟

جنابِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ’’ ارید من قریش کلمۃً تَدِینُ لھم بھا العرب‘‘ میں ’’تدین‘‘ سے مراد طاعت، اتباع اور فرماں برداری ہے اور ایک دوسری روایت ’’ اِنّہ علیہ السّلام کان علی دین قومہ‘‘ میں ’’دین‘‘ سے یا تو حج، نکاح، میراث وغیرہ احکامِ اسلام مراد ہیں، جو ملت ابراہیمیہؑ کی باقیات کے طور پر اب عہد نبوی ﷺ میں بھی موجود تھے، یہی بعض محققین کا قول ہے۔ اور یا سخاوت وشجاعت جیسے اقدار، عادات واخلاق اس سے مراد ہیں، جو کسی قوم کی خمیر میں فطرت وطبیعت کا حصّہ ہوتے ہیں، دونوں اقوال منقول ہیں۔ خوارج کے متعلق جو حدیث میں آیا ہے ’’یمرقون من الدین مروق السّھم من الرّمےّۃ‘‘ وہ دین سے ایسے نکلیں گے جیسے تیر شکار سے آرپار ہوتا ہے، اس میں بھی دین سے طاعت مراد ہے، کیونکہ ایک آدمی نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ سے پوچھا ’’ اَکفّارٌ ھُمُ؟‘‘کیا وہ لوگ کافر ہیں؟ تو انہوں نے فرمایا ’’من الکفرِ فرّوا‘‘ کفر سے تو وہ بھاگے ہیں اور دوسرا سوال تھا ’’افمنافقون ھُمُ؟‘‘ توکیا وہ منافق ہیں؟ فرمایا ’’اِن المنافقین لایذکرون اللہ اِلّا قلیلاً وھؤلاء یذکرون اللہ بکرۃً واصیلاً‘‘ منافق تو اللہ کو بہت کم ہی یاد کرتے ہیں جبکہ یہ لوگ صبح وشام اللہ کو یاد کرتے ہیں۔ ظاہر ہے بقولِ حضرتِ علیؓ جب خوارج کافر بھی نہیں ہیں اور منافق بھی نہیں،

تو یہی اس کا معنی اور اس سے مراد ہو سکتا ہے کہ وہ جنت سے بھی آگے کو نکل جانے والے متشدد دین، قرآن و سنت کے طاعت گزار وفرماں بردار نہیں ہوں گے، چنانچہ فرمایا ''قوم اصابتھم فتنۃ فعمُوا وصمُّوا'' فتنے میں پڑ گئے سو اندھے بہرے ہو گئے، راہِ حق سے بھٹک گئے، ضال اور بے راہ رو ہو گئے۔ اسی لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ لوگ جہاں بھی ملیں انہیں قتل کرو، ہمارے ایک بیان کے دوران ایک صاحب کھڑے ہو کر پوچھنے لگے، کیا کسی مسلمان کو بھی حاکم قتل کر سکتا ہے، ہم نے کہا، کیوں نہیں، اگر خدا نخواستہ وہ زانی ہے، باغی ہے، قاتل ہے، خارجی یا فتنہ پرور ہے۔

بہرحال ہر شخص، ہر قوم، ہر سوسائٹی، ہر ملک کا اپنا ایک دین ہوتا ہے، یعنی زندگی گزارنے کا ایک طریقہ، کچھ عادات، خیالات وغیرہ جو کبھی نسلی اور قومی بنیادوں پر استوار ہوتے ہیں جیسے سامی مذاہب، کبھی جغرافیائی تقسیم کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں جیسے آریائی اور منگولی مذاہب اور کبھی دوسری مختلف بنیادوں پر۔ اس طرح ابتدائے آفرینش سے اب تک کئی ایک ادیان وجود میں آئے ہیں، جن میں بہت سے تو حوادث زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں اور مرورِ ایام کے سبب آج ان کے نام تک سے کوئی واقف نہیں ہے، بہتوں کا صرف تاریخ میں تذکرہ ملتا ہے اور بہتیرے آج بھی کسی نہ کسی صورت دنیا کے نقشے پر موجود ہیں۔ نام کے تو یہ بھی دین ہی ہیں لیکن ان سب میں دینِ اسلام الہامی اور آسمانی

ادیان کے سلسلۂ ذھبیہ کی ایک کڑی اور ان سب کے لیے ناسخ اور خاتم دین، اللہ کے آخری پیغام کا نام ہے۔

اسلام ایک مسلمان کو یہ تو اجازت نہیں دیتا کہ وہ اللہ کے برحق دین کو اپنی ناقص عقل کی کسوٹی پر پرکھے اور جو اسے ٹھیک معلوم ہو، اسے لے اور جو دل کو نہ لگے، اسے چھوڑ دے۔ یا عقل پرستی کی رو میں بہہ کر اپنے جذبات اور مخصوص مزاج کے تناظر میں، دوسرے ادیان کے ساتھ اس کا محاکمہ کرے اور پھر اس پر کوئی اپنا من چاہا حکم لاگو کردے۔ تاہم قرآن وحدیث کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ تقلیدی ایمان سے تحقیق اور علیٰ وجہ البصیرت ایمان کی اسلام میں زیادہ اہمیت وفضیلت ہے، چنانچہ رانگ نمبر اور رائٹ نمبر معلوم کرنے کے لئے ''پی کے'' میں بھی اسی تلاش و جستجو کی دعوت دی گئی ہے۔ اور اسی لئے بدعت و خارجیت سے بچنے کے لئے اسلام اپنے ماننے والوں کو عقل سے کام لینے، دل کی آواز سننے، دیکھنے، سوجھ بوجھ اور فکر ونظر سے کام لینے، تحقیق کرنے، استنباط واجتہاد کرنے، سوچنے اور غور کرنے کے لیے کہتا ہے۔ شعور، احساس، تنبہ، تدبّر، تفکر، تیقظ اور تحرّی جیسی چیزوں کی تحسین کرتا ہے۔ گویا اسلام نقل وعقل میں اعتدال، وسطیّت (میانہ روی) اور بصیرت کو اختیار کرنے کی تحریض وترغیب دیتا ہے، بالفاظِ دیگر اسلام ان دونوں سے حصہ بقدرِ جثہ لینے کا داعی ہے۔

وہ اگر ایک طرف اندھوں بہروں، جاہلوں، حد سے نکلنے والوں، اندازے اور تخمینے لگانے والوں کے طرزِ عمل سے ڈراتا ہے اور اس کی مذمت کرتا ہے۔ آباء پرستی، رسوم پروری، گروہ بندی کی حوصلہ شکنی کرتا ہے اور راہِ حق کو بھی علی وجہ البصیرت اور ازراہِ انتخاب اختیار کرنے پر زور دیتا ہے، آباء واجداد سے توارُث و تقلید کی بنیاد پر، دیکھا دیکھی اور اندھا بہرا بننے کی نفی کرتا ہے..... تو دوسری طرف نری عقل پرستی سے بھی اپنے ماننے والوں کو منع کرتا ہے۔

پی کے'' کے تناظر میں جس طرح ہمیں ایک سچے اور برحق خدا کو تلاش کرنے کے'' لئے ایک سچے اور برحق دین ومذہب کے سہارے کی ضرورت ہے، اسی طرح اُس دین ومذہب کی صحیح اور معتدلانہ تعلیمات کی تلاش و تحقیق بھی اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی عقل ودانش کی وساطت سے ہمارا فریضہ ہے، ''الا بلا بر گردنِ ملا'' کا زمانہ اب نہ رہا، یہ دلیل اور عقل ومنطق کا دور ہے، تو کیا کوئی ہے جو دینی معاملات میں معقولیت کو بروئے کار لائے؟

فیض کے سنگ

قرآن کریم کے نزول سے قبل صرف دنیائے عرب ہی میں نہیں پورے عالم میں شعراء قادر الکلامی کے بادشاہ سمجھے جاتے تھے ، شعر کو ہر طرف نثر پر فوقیت حاصل ہوتی تھی ، نزول قرآن سے کچھ پہلے بیت اللہ تک پر بڑے بڑے عرب شعراء کے قصیدے معلّق کئے جاتے تھے ، گویا بیت اللہ کی دیواروں سے '' وال میگزین '' کا کام بھی جاہلیت کے زمانے میں لیا جاتا تھا ۔اسلام نے بھی اچھے شعر کی تحسین کی ہے ، عمدہ شاعری کی تعریف و تصویب قرآن و حدیث دونوں نے کی ہے ، لیکن شعر کا تعلق چونکہ زیادہ تر تخیل اور رومانویت سے ہے ، اس لئے عام طور پر شعر میں کذب بیانی اور مبالغہ آرائی سے کام لیا جاتا ہے ۔

بہر حال قرآن کریم نے آکر شعر کا طلسم توڑ دیا اور چیلنج کیا گیا کہ اگر کسی کو اپنے شعر وکلام پے زیادہ غرور ، گھمنڈ اور تفاخر ہے ، تو اس طرح کا کلام یا اس کا معمولی سا حصہ بنا کر دکھائے ، جو 14 صدیاں گذر جانے کے باوجود کوئی نہ کرسکا ، اور ایمانیات سے ہٹ کر اگر صرف بظاہر بھی دکھا جائے تو تا قیامت ممکن نہیں ہے ۔

ان سب کے باوجود شعراء اور شعر وشاعری کا اپنا مقام و مرتبہ اپنی جگہ پر

مسلّم ہے ،اگرچہ جدید زمانے میں کالم نویسی نے کچھ زیادہ ہی شعراء کے مفادات کو چیلنج کیاہے ، ماضی میں شعراء کے وظیفے سرکاری درباروں سے آتے تھے، اب وظیفہ خوری کا یہ ” مقدس کام ” کالم نویس انجام دیتے ہیں ،ماضی کے شعراء غریبوں کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، حال کے تجزیہ نگار بھی مفادات کے اسیر ہیں ، لیکن فیض احمد فیض نے ایسا نہیں کیا، وہ غریب نواز تھے،ان کا فیضان انسانی مساوات کے لئے تھا، کمیونزم وسوشلزم کا نعرہ انہوں نے اسلام کے خلاف نہیں لگایا، بلکہ غریب آدمی کی حمایت ودادرسی میں انہوں نے جیلیں کاٹیں ، قید وبند کی صعوبتیں برداشت کیں ، علامہ اقبال اور فیض کا استاذ ایک ہی مولانا شمس الحق تھے، دونوں کا خمیر بھی سیالکوٹ سے تھا، دونوں نے ہی اسلام اور وطن سے محبت کی ، علامہ اقبال بڑے آدمی تھے ،ان کا قرآن وحدیث کا بڑا گہرا مطالعہ تھا، مگر فیض نے بھی گورنمنٹ کالج لاہور سے عربی ہی میں ایم اے کیا تھا، حمد ونعت پر ان کی شاعری کو اگر دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ وہ نظریاتی طورپر اپنے ہم عصروں سے کسی طرح بھی کم نہ تھے، ان کی ولایتی بیگم ایلس کیتھرین نے اسلام قبول کیا تھا، اور اسلامی نام کلثوم پسند کیا تھا، البتہ جمائما کی طرح وہ اپنے اصلی نام سے ہی مشہور رہی ، سلیمہ اور منیزہ ان کی دونوں بیٹیاں بھی باپ کی طرح پختہ عقیدے پر کار بند تھیں ، پھر فیض کو مارکسزم سے کیوں جوڑا جاتاہے، اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ عشق میں ناکامی پر قنوطیت ان کے رگ وپے میں اتر گئی تھی،جوتاحیات ان کے دل ودماغ پر سوار رہی

مایوسی میں آدمی بعض مرتبہ دوسروں کو راستے سے ہٹا ہوا لگتا ہے، دوسری بات یہ، تھی کہ نچلے طبقے اور پسے ہوئے غریبوں کی حالت زار پر ترس نے ان کو روایتوں کے خلاف بغاوتوں پر ابھارا تھا، معاشرے میں امیر اور فقیر کے درمیان بے انتہا تفاوت نے ان کو مارکسزم کو بطور حل اپنانے پر مجبور یا مائل کیا تھا، چنانچہ ان کی مشہور نظم ''کتے'' اسی تناظر میں لکھی گئی ہے۔

یہ گلیوں کے آوارہ بے کار کتے
کہ بخشا گیا جن کو ذوقِ گدائی
زمانے کی پھٹکار سرمایہ اُن کا
جہاں بھر کی دھتکار ان کی کمائی
نہ آرام شب کو، نہ راحت سویرے
غلاظت میں گھر، نالیوں میں بسیرے
جو بگڑیں تو ایک دوسرے سے لڑا دو
ذرا ایک روٹی کا ٹکڑا دکھا دو
ہر ایک کی ٹھوکر کھانے والے
یہ فاقوں سے اکتا کر مر جانے والے

یہ مظلوم مخلوق گر سر اٹھائے
تو انساں سب سرکشی بھول جائے
یہ چاہیں تو دنیا کو اپنا بنالیں
یہ آقاؤں کی ہڈیاں تک چبالیں
کوئی ان کو احساسِ ذلت دلادے
کوئی ان کی سوئی ہوئی دُم ہلادے

مغرب بوکھلاگیا ہے

الشرق الاوسط کی ایک رپورٹ کے مطابق گذشتہ 30 جنوری کو مملکت سعودی عرب کے شہر احساء کے ایک دور دراز دیہات ''مبرز'' میں نماز جمعہ کے وقت نامعلوم افراد نے دو امریکی افراد پر فائرنگ کی، جن میں سے ایک معمولی زخمی ہوا، دوسرا محفوظ رہا، ہسپتال میں زخمی کی ٹریٹمنٹ کے بعد جب پولیس حکام نے ان سے یہاں بلاوجہ گھومنے کی وجہ پوچھی، توانہوں نے صرف اتنا بتایا کہ ہم یہاں احسائی کلچر بچشم خود مشاہدہ کرنے آئے تھے، ان کے جواب سے شرطہ اور موقعے پر موجود میڈیا پرسنز حیران پڑگئے، کہ سعودی عرب میں خارجیوں کو ویسے بھی ہر ہر شہر جانے کی اجازت نہیں ہوتی، پھر آخر بلااجازت ان لوگوں کو کیا پڑی تھی، کہ امریکی شہری ہو کر جو دنیا بھر میں مغضوب ہیں یہاں کیلئے قدم رنجائی کی۔

فرقہ واریت کے شکار ایک اور خلیجی ملک بحرین کے دار الحکومت منامہ کے قریب ''دروز'' نامی گاؤں سے بھی پچھلے دنوں 6 امریکی جاسوس پکڑے گئے، پوچھ گچھ کے دوران انہوں نے بھی یہ بتایا کہ وہ یہاں کا کلچر دیکھنا چاہتے تھے، ہمارے یہاں ایک امریکی دہشت گرد ''ریمنڈ دیوث'' بھی لاہور کی سڑکوں میں مٹر گشت کر رہے تھے، جب انہیں دو نوجوانوں پر شک ہوا کہ وہ ان پر حملہ کرنا چاہتے ہیں، تو اس نے خود ہی قانون ہاتھ میں لے کر انہیں بے دردی سے شہید کر دیا،

اسی طرح کراچی ایئرپورٹ پر ایک امریکن پکڑے گئے تھے، جس کے بیگ سے آتشیں اسلحہ برآمد ہوا تھا، عام پولیسی تفتیش کے تناظر میں میں اگر دیکھا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ان واقعات کی کڑیوں میں ذہنی اور فکری ارتباط کی وجہ سے ان حرکتوں کا سرچشمہ ایک ہی معلوم ہوتا ہے، جو احساء سے لے کر لاہور تک میں فرقہ واریت پھیلانے کیلئے زہر اُگل رہا ہے، کچھ رپورٹوں کو مد نظر رکھکر معلوم ہوتا ہے کہ اس کی باقاعدہ منصوبہ بندی کی گئی ہے، ہماری بے بسی اور بحثییت عوام وحکمراں کمزوری نے گویا اسے پالا ہے، مشہور مغربی مفکر برنارڈ لوئیس اپنے ایک بیان میں کہتا ہے: ''اسلامی بیداری کی تحریک کو روکنے کیلئے ہمیں مسلمانوں کا ''دوست'' بن کر ان کے اندر تفرقہ اور اختلافات کو پھیلانے کی کوشش کرنی ہوگی، انہیں مختلف فرقوں اور دھڑوں میں الگ الگ رکھ کر آپس میں لڑانا ہوگا، تب یہ تحریک رک سکتی ہے، لوئیس کا یہ بھی کہنا ہے کہ عرب ممالک اینگلو امریکن مفادات کیلئے شدید خطرہ بن سکتے ہیں، اس لئے انہیں کمزور قبائلی حکومتوں میں تقسیم کرنا ہوگا، ان کا کہنا ہے کہ اس طرح ان کے مختلف ذخائر کو لوٹنا بھی آسان ہوگا اور آئندہ کے لئے ان کا خطرہ بھی ٹل جائے گا، اس بدباطن کا یہ بھی کہنا ہے کہ مشرق اوسط کے تمام ممالک میں تفرقہ واختلافات کیلئے ''زہر'' کے الگ الگ نسخے تیار کرنے ہوں گے''۔

صرف شرق اوسط نہیں ہمارا ملک پاکستان بھی امریکن ویورپین تھینک ٹینکوں کی

زد میں ہے، کیونکہ پاکستان مستقبل میں اپنے محل وقوع، مضبوط نظریاتی افواج،افرادی کثرت وذہانت، معدنی وسائل اور حق پر مبنی دین کے علم بردار ہونے کی وجہ سے ایک ایسی پوزیشن میں آسکتاہے کہ دنیاکے فیصلے یہاں ہوں،اقوام کی تقدیریں یہاں بنتی ہوں اس لئے یہاں بھی جوکچھ ہورہاہے،فرقہ واریت، صوبائیت اور نسل پرستی یہ سب باہر، کے اشاروں پر ہورہاہے، ہمارے یہاں اس کا ایک ہی جواب دیاجاتاہے کہ بالفعل اور برسرزمین کرگذرنے والے تو ہمارے ہی لوگ ہیں،ارے بابا، منصوبہ اور پروجیکٹ اسی طرح کاہے، کہ حکمرانوں کی نالائقیوں نے توزمین ہموار کردی ہے،لہٰذاعوام میں غیظ وغضب ہے ہی، لہٰذااسے بروکار لایاجائے،باہر سے ایمنڈ دیوث کی طرح ایک دواتالیق ہی کافی ہیں، مستقبل فوج کشی کی ضرورت نہیں ہے۔

نیزپاکستان کے بارے میں وہ ہم سے زیادہ جانتے ہیں کہ یہ ملک خداداد نعمتوں سے مالامال ہے،اس قوم میں جان ہے، اسے مقروض رکھو،اسے بے نور رکھو،اسے بے سکون رکھو،اسے متفرق ومتحارب رکھو،ورنہ یہ ملک اور یہ قوم ہمارے ہاتھ سے نکل جائیں‌گے، لہٰذا بوکھلاکرانھوں ہمارے خلاف تانے بانے بُننے شروع کردیئے،ہمیں باہمی دست وگریباں کردیا، مساجد ومدارس کے جن انسانوں پر فرشتوں کو بھی رشک آتاتھا،انہیں بدنام کردیا، بے وقعت کردیا، میدان کارزار کے نوجوانوں کو دہشت گرد بنادیا، فوج کو مشکوک بنانے کی نامسعود حرکتیں ہورہی

ہیں ، قومی زعماء اور سیاتدانوں کو کہیں کا نہیں چھوڑا گیا، ہر طرف سازشوں کے جال بچھ رہے ہیں ، لیکن ہم اتنا بتا دینا چاہتے ہیں کہ ان سب چالاکیوں سے مسلمانوں کا بظاہر تو نقصان ہو سکتا ہے ، دین اسلام کا نہیں ، دینِ برحق پھیل رہا ہے ، پھول رہا ہے ، دنیا کے کونے کونے اور گوشے گوشے میں اپنی جگہ بنا رہا ہے۔

نور خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن
پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائے گا

گوادر بندگاہ کو فعال ہونے دیں ، جو چین اور براستہ افغانستان روس دونوں ہی کیلئے بین الاقوامی گرم آبی گذرگاہ تک رسائی کا ذریعہ ہوگا، پھر دیکھیں پاکستان کتنی اقتصادی ترقی کرتا ہے ، اور روس وچین کے بدولت کتنا محفوظ بنتا ہے ، بنیا تو یہ سوچ کر گھائل ہو رہا ہے کہ اگر پاکستان ان دو عظیم ملکوں اور تہذیبوں کا گیٹ وے بن جاتا ہے ، تو اس کے کشش کے سامنے قطر اور دبی بھی کچھ جاذبیت نہیں رکھیں گے ، اور امریکن یہودی شیطان عنصر بھی اس کو بخوبی سمجھ سکتا ہے ، اسی لئے انہوں نے اس کیلئے بہت پڑھت کی 217 (RAND Corporation) لکھت کر رکھی ہے ،امریکی سرپرستی میں ادارہ کے نام سے (Building Moderate Muslim Networks) صفحات پر مشتمل تیار کردہ پلان پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

مڈل ایسٹ کا موجودہ نقشہ تبدیل کرنے کے لئے عرب ممالک میں جاری فساد بھی انہوں نے کرائے ہے، عراق، شام، لبنان، فلسطین، اردن، یمن اور لیبیا کے بعد ان کا ہدف خلیجی ممالک اور مصر ہیں، بالخصوص مملکت سعودی عرب، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ اگر اسلامی دنیا کو لائق فائق اور ژرف نگاہ قیادت میسر آ گئی، جو اپنی بکھری قوت کو یکجا کرکے استعمال کرنے کا گُر جانتی ہو، تو وہ دن دور نہیں کہ مغرب کی بالادستی کا طلسم چکنا چور ہو جائے گا اور مسلم دنیا قیادت وجہاں بانی کی نئی بلندیوں تک بڑی آسانی سے پہنچ جائیگی، انہیں یہ بھی معلوم ہے کہ مغرب کے منصف مزاج پڑھے لکھے لوگوں کے دلوں میں اسلام نے اپنا رنگ جمالیا ہے، اس لئے وہاں شیطان صفت لوگوں کو اپنے پیروں تلے زمین کھسکتی ہوئی نظر آ رہی ہے، کیونکہ مسلمان اس وقت مغرب ومشرق کے تمام ممالک میں اپنے تہذیبی، تمدنی اور ریختہ مذہبی وجود کے ساتھ میدان میں ہیں، یہی وہ متعدد وجوہات ہیں جن کی وجہ سے ان میں اسلاموفوبیا (Islamophobia) کی لہر دوڑ گئی ہے۔

کتے کو مارنے سے پہلے اسے پاگل مشہور کرادو

مغربی دنیا کیلئے کمیونزم کی شکست وریخت کے بعد سب سے بڑے خطرے دو تھے، ''نیشنلزم'' اور ''اسلام''۔ قوم پرستی کے متعلق انہیں یقین ہے کہ انسانوں کی اختراع ہے، ہم اسے جب چاہیں مات دے سکتے ہیں، لیکن اسلام کے بارے میں انہیں معلوم ہے کہ اس کی روحانیت، ہمہ گیریت، آفاقیت اور انسانی سوسائٹی میں اسکا اثر ونفوذ ایسا ہے کہ دشمن اسے کبھی ہزیمت سے دوچار نہیں کرسکتا، ترتیب اور تدبیر جو انہیں آخر کار سمجھ میں آئی وہ یہ تھی کہ مشہور انگریزی کہاوت ہے ''کتے کو مارنے سے پہلے اسے پاگل مشہور کرادو'' اس کے مطابق انہوں نے بہت باریک بینی سے اہل اسلام پر دہشت گردی کا لیبل لگادیا، دہشت گردی کی ایک خانہ ساز تعریف کی گئی اور پھر پوری تندہی سے اس کے خلاف جنگ شروع کی گئی۔ ہمارے یہاں کے بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جنہیں ہم دہشت گرد قرار دیتے ہیں، صرف وہی مغرب کی نگاہوں میں بھی دہشت گرد ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ ان کے یہاں بلا تفریق سب مسلمان دہشت گرد اور قابل نفرت ہیں، صلیبی جنگوں اور استعماری ادوار میں مسلم ممالک میں عام بے گناہ اور ہر برے بھلے سے بے خبر مسلمانوں کے خون کے دریا بہانا اس کی بیّن دلیل ہے، عالم اسلام میں عدم مرکزیت، فواحش ومنکرات کا بے تحاشا پھیلاؤ، باہمی معمولی

اختلافات کو ہوا دینا، حقیقت اور ضرورت پر مبنی حقوق نسواں سے ہٹ کر نام نہاد حقوق وآزادی نسواں کے نعرے بلند کرنا اور اس سب کچھ کی آڑ میں مسلمانوں کو نشانہ بنانا ان کی جنگی حکمت عملی ہے۔ چنانچہ مسلمان میں احساسِ جرم پیدا کرکے اسے ذہنی طور پر سزا کے لئے آمادہ کیا جاتا ہے اور پھر اسی کے ہاتھوں اس کا گلہ گھونٹ دیا جاتا ہے۔

فلسطین، بوسنیا، برما، کشمیر، افغانستان، چیچنیا، صومالیہ اور شام میں انسانی حقوق کی پامالی سے توجہ ہٹاکر خوامخواہ کیلئے انسانی حقوق کے چیمپین بن کر وہ ایشوز چھیڑ رہے ہیں جن کی سنجیدہ انسانی سوسائٹی میں کبھی کوئی اہمیت نہیں رہی ہے۔

مجھے بذات خود ریڈ کراس اور اقوام متحدہ کے ماتحت کام کرنے والی دیگر تنظیموں کے اجلاسوں اور ورکشاپوں میں کئی بار شرکت اور گفتگو کا موقع ملا، وہاں جب بھی ہم نے ان سے مسلمانوں کیلئے انسانی حقوق، بچوں کے حقوق، خواتین کے حقوق اور قیدیوں کے حقوق پر بات کی، جواب ندارد۔

اسپین کی تباہی میں یہی تو ہوا تھا کہ وہاں کے حکمرانوں سے صلیبی لوگ لڑاکا نوجوانوں کی حوالگی کا مطالبہ کرتے تھے اور ''ڈومور'' پر اصرار کرتے تھے، ان سے کہتے تھے کہ ہم تمہارے دشمن نہیں ہیں، لیکن تمہارے یہ جو جنگجو ہیں یہ ہمارے لئے اور تمہارے لئے سنگین خطرہ ہیں، وہ حوالہ کرتے رہے، جب میدان

تقریباً صاف ہوگیا، تو فرڈی ننڈ اور ازابیلا نے پھر ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ دنیا کی تاریخ میں ایسی ہولناک نسلی تطہیر کی مثال نہیں ملتی جو اسپین میں کی گئی۔

بڑے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہمارے میں سے بہت سے نام نہاد مذہبی عناصر اور بہت سے کٹھ پتلی حکمراں اپنی حماقتوں اور عاقبت نااندیشیوں کی وجہ سے ان کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں، نا سمجھی اور جذباتیت میں یہ لوگ وہ سب کچھ کر رہے ہوتے ہیں جو مخالفین ان سے کرانا چاہتے ہیں، پھر ان میں خلیج اتنی بڑھ جاتی ہے کہ اگر کوئی درد دل رکھنے والا ان میں تقریب اور قربت کی کاوشیں کریں تو اسے بھی یہ دونوں فریقین اپنا دشمن تصور کرتے ہیں، ایسے میں ہوتا کیا ہے، احمقوں سے حرکتیں کروائی جاتی ہیں اور دشمن کی چالوں کو نہ سمجھنے والے اہل اختیار سے ان کی سرکوبی کا مطالبہ "ڈو مور"۔ نتیجتاً اہل اختیار کو بھی غدار قرار دلوا کر ان پر بھی خدا کی زمین تنگ کردی جاتی ہے، وہ بھی حامد کرزئی کی طرح جب اپنی بے بسی دیکھتے ہیں تو دشمنوں کے عطیات کھانے کے باوجود ان کے خلاف بولنے لگتے ہیں، تب وہ "کھلاڑی" قسم کے لوگ انہیں بھی بے وقوف احمق اور پاگل قرار دیدیتے ہیں۔

دشمنوں کی چالوں کو سمجھنا ہر کس و ناکس کا کام تھوڑی ہی ہوتا ہے، اکثریت تو

شور شرابے کی نذر ہو جاتی ہے، بد قسمتی سے آج شور شرابے کا کام میڈیا کے پاس ہے اور میڈیا میں سب سے بڑی چیز خبر رساں ایجنسیاں ہوتی ہیں، جو تقریباً تمام کے تمام، غیروں کے ہاتھوں میں ہیں، عالمی سطح پر وہ جو کچھ دکھانا اور کہلوانا چاہتے ہیں وہی دکھتا اور بولا جاتا ہے۔

لہٰذا ہم پہلے بھی ان ہی صفحات پر کئی بار یہ عرض کر چکے ہیں کہ مہاتیر محمد، ڈاکٹر عبدالقدیر، عمران، طیب اردوان، شاہ سلمان بن عبد العزیز، امیر قطر اور خامنئی صاحبان مل کر امت کو بھنور سے نکالنے کا سوچیں، جید علماء ومشائخ اہل سیاست، صحافت اور تُجّار کو ساتھ ملائیں، چین، روس، امریکہ، یورپ اور ہندوستان کے مسلمانوں سے بھی نمائندے لیں، اور سر جوڑ کر بیٹھیں، سب کو پاگل مشہور کرانے سے قبل یہ کام کرنے کے ہیں۔

شاید کہ اتر جائے کسی دل میں میری بات۔

الجواب

جناب حامد میر نے گذشتہ دنوں اپنے ایک کالم میں موجودہ قتل وغارتگری، دنگا وفساد، بھتہ خوری وڈکیتی، جنگ ولڑائی، لوٹ مار وعصمت دری، دہشتگردی، خون ریزی اوراغوا برائے تاوان کے روک تھام کے لئے تاریخی حوالوں کے تناظر میں علماء سے مشکل کی اس گھڑی میں اپنا بھرپور اور عام وتمام کردار ادا کرنے کی اپیل کی تھی، حکمرانوں اور تمام عوام وخواص کو چاہئے کہ ان کے اس پیغام کو نہایت سنجیدگی سے لیں، حالیہ دنوں مکہ مکرمہ میں بھی اسی حوالے سے رابطہ عالم اسلامی کے تحت چار روزہ بین الاقوامی کانفرنس ہورہی ہے، جس میں مسلم علماء ودانش ور اپنی قیمتی آراء پیش کرہے ہیں۔

ہمارے خیال میں اس کے لئے سب سے بہترین تجویز وہ ہے، جو مصر میں صدر مرسی کی برطرفی کے بعد خانہ جنگی کی سی صورت حال سے پرامن نمٹنے اور غیظ وغضب کی آگ کو ٹھنڈا کرنے کے لئے وہاں کے حکام نے فوری اور ہنگامی طورپر اپنائی تھی، وہ یہ تھی، کہ انہوں نے پورے ملک کے قراء، علماء، خطباء اور ائمہ سے اپیل کی، کہ وہ سب اپنی اپنی استعداد اوردائرہ کارکے مطابق قرآن کریم کی مندرجہ ذیل ترجمے کی آیات بار بار حسن قرآت، تشریح، تفسیر اور تفہیم کے ساتھ

عامۃ الناس کو پڑھائیں۔الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا میں بھی ہابیل و قابیل کے واقعے، اس پر مرتب اثرات، قتل نا حق، فساد فی الارض اور دنیا وآخرت میں انکی شدید سزاؤں پر کافی شافی عالمانہ اور محققانہ بحثیں ہوئیں، یوں وہ جنگ وجدال مصر میں بڑی آسانی سے کنٹرول ہو گئی، وہاں کے لوگ چونکہ عرب ہیں ،اس لئے زیادہ تر وہاں صرف حسن قرآت میں پوری بات انہیں سمجھائی گئی، ہمارے یہاں عربی دانی کمی کی وجہ سے علاقائی زبانوں میں ماہرین سے کام لینے کی ضرورت پیش آیگی ،اگر راء اور بلیک واٹر وغیرہ درمیان میں نہ ہو تو نسخہ ایک تریاق اور اکسیر ہے، فائدہ بے انتہاء ہوگا، ان شاء اللہ۔

اور (اے محمد) ان کو آدم کے دو بیٹوں (ھابیل اور قابیل) کے حالات (جو (27) بالکل) سچے (ہیں) پڑھ کر سنا دو، کہ جب ان دونوں نے باری تعالی (کی بارگاہ میں) کچھ نیازیں چڑھائیں، پس ایک (ھابیل) کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے (قابیل) کی قبول نہ ہوئی، (تب قابیل) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کردوں گا؛ (ھابیل) نے کہا کہ خدا پرہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے.

اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے میری طرف اپنا ہاتھ بڑھائے گا، تو میں تجھ (28) کو قتل کرنے کے لئے اپنا ہاتھ تمہاری طرف نہیں بڑھاؤں گا، مجھے تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے۔

میں چاہتا ہوں کہ تو میرے گناہ میں بھی ماخوذ ہو اور اپنے گناہ میں (29)

بھی، تب آپ اہل دوزخ میں سے ہو لےگےاور (یاد رکھئے)ظالموں کی یہی سزا ہے۔

مگر (وہ نہ مانا اور)اس کے (شیطان) نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی (30) ترغیب دی، چنانچہ انہوں نے اس (اپنے بھائی کو) قتل کر دیا اور (خود) تباہ و برباد ہو گیا۔

بدبخت قابیل اپنے بھائی کی لاش لئے جگہ جگہ پھرتا تھا، کفن دفن کا طریقہ معلوم نہ) تھا، رہنمائی ملی، تو اندازہ کیجئے، وہ بھی ایک کوّے سے، جو شاطر، غلاظت خور اور قابل نفرت ہونے میں مشہور و معروف ہے)۔

اب خدا نے ایک کوّا بھیجا جو زمین کریدنے لگا، تاکہ اس (مجرم و قاتل انسانیت (31) قابیل کو) دکھائے کہ وہ اپنے بھائی کی لاش کو کیسے (دفنا کر) چھپائے، کہنے لگا، ھائے میری تباہی، مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ (عقل و دانش میں)اس کوّے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش (دفن کرکے) چھپا دیتا، پھر (بھائی کو دفنانے کے بعد آخر کار جب اسے صحیح معنوں میں کچھ عقل آئی، تو اپنے سنگین جرم پر) وہ پشیمان ہوا، (مگر اب بھائی کو قتل کرنے کے بعد پشیمانی کا کیا فائدہ ؟؟)۔

اس (قتل ناحق، پھر کوے کا ماجرا ی اور آخرکار اس سنگین جرم پر ندامت (32) وپشیمانی) کی وجہ ہی سے ہم نے (پیشگی از اقدام قتل) بنی اسرائیل پر یہ حکم نازل کیا، کہ جو بھی قاتل اور مفسد فی الارض کے علاوہ کسی بھی شخص کو (ناحق) قتل کرے گا، تو اُس نے گویا تمام لوگوں کو قتل کیا اور جو اس کی

زندگانی کا موجب ہوا، تو گویا تمام لوگوں کی زندگانی کا موجب ہوا اور ان لوگوں کے پاس ہمارے پیغمبر روشن دلیلیں لا چکے ہیں (گویا بات کھل کر واضح ہو چکی ہے، لیکن۔۔۔) پھر بھی ان واضح احکامات کے بعد ان میں سے بہت سے لوگ روئے زمین پر زیادتیاں یعنی قتل ناحق اور فساد) کرتے رہتے ہیں۔)

لہٰذا ایسے خونخوار اور مفسدین فی الارض لوگوں کے متعلق ہمارا علی الاعلان) (33) حکم یہ ہے کہ) جو لوگ اللہ اور اس کے رسول سے جنگ اتر آئیں اور زمین میں فساد کرنے کو دوڑتے پھریں، ان کی سزا یہی ہے کہ وہ بے دریغ قتل کر دیئے جائیں، یا انہیں پھانسیاں دی جائیں، یا ان کے ایک ایک طرف کے ہاتھ اور ایک ایک طرف کے پاؤں کاٹ دیئے جائیں، یا جلا وطن کر دیئے جائیں، یہ تو دنیا میں ان کی رسوائی ہے اور آخرت میں ان کے لیے (کئی گنا زیادہ اور ہولناک) عذابِ عظیم ہے۔

ہاں جن لوگوں نے اس سے پیشتر کہ تمہارے قابو (گرفتاری) میں آ جائیں، (34) توبہ کر لی، تو جان رکھو کہ خدا بخشنے والا مہربان ہے، (تو تم بھی ان کے ساتھ مہربانی کا برتاؤ کرو)۔

اے ایمان والو! خدا سے ڈرتے رہو اور اس کا قرب حاصل کرنے کا ذریعہ (35) طریقہ) تلاش کرتے رہو اور اس کے راستے میں (ظالموں سے) جہاد کرو تاکہ تم) کامیابی پاؤ۔

جو لوگ (کوئی بھی بہانا بنا کر یا دنیوی مفادات کے پیچھے لگ کر) ہمارے (36)

احکام نہیں مانتے (تو معلوم ہے آخرت میں کیا ہوگا؟۔۔۔۔ذرہ دیکھ لو یہ ہوگا) اگر ان
کے پاس روئے زمین (کے تمام خزانے اور) سب مال ومتاع ہو اور اس کے ساتھ
ساتھ اسی قدر اور بھی ہوتا کہ قیامت کے روز عذاب (سے خلاصی حاصل کرنے) کا
بطور جرمانہ) بدلہ دیں، تو ان سے قبول نہیں کیا جائے گا اور ان کو المناك عذاب ہی)
ہوگا۔
جہنم میں جانے کے بعد یہ منکر ومجرم لوگ بہت) چاہیں گے کہ آگ سے) (37)
نکل جائیں، مگر اس سے (کسی طرح) نہیں نکل سکیں گے اور ان کے لئے (اسی دہکتی ہوئی
(آگ میں) ہمیشہ کا عذاب ہوگا۔ (سورۃ المائدہ .

جعلی علم دردِ سر

آج کل ایک طرف کچھ حضرات کی مدارس و علماء پر تنقید، دوسری طرف اسلام اور ریاست پر تحقیق نے جہان جمود میں ارتعاش پیدا کیا ہے، وہاں بعضوں کو بلاوجہ غضبناک کیاہے ،حالاں کہ یہ تو صدائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے ،آپ اسے درد سر کیوں سمجھتے ہیں، دلیل ومنطق کے آپ باکمال شہ سوار ہیں،تومیدان میں آئیں ،اس لئے کہ ہمارے جہاں پاکستان کی طرح قلم کا بھی ایک جہاں ہے ، جہان انسان، جہان ملائکہ، جہان دنیا اورجہان بالا وغیرہ ۔۔۔۔۔ کی طرح ایک جہان دگر ،اس جہاں میں بھی افراد واقوام ہیں وہ مرتے جیتے ہیں، ان کی طفولیت ہوتی ہے، توکہیں شباب اوربڑھاپاہوتاہے،زوروکمزوری ہوتی ہے، تو سیادت اورچاکری کا بھی چکر ہوتاہے ، بالکل جیسے عالم اجسام میں یہ سب کچھ ہوتاہے،ایساہی عالم اقلام بھی ہے۔
اور پھر دنیا میں بڑے بڑے عالم، عاقل، طبیب، فلسفی، حکمران، مفکر، مجتھد، مجدد، پہلوان اور مختلف میدانوں اور بے شمارفنون کے ماہرین آئے اور گئے، مگر ہم فقط ان ہی سے واقفیت وآگہی حاصل کر سکتے ہیں، جن کی زندگی کو قلم وقرطاس نے ضبط کیا، بالفاظ دیگر جواپنی خود نوشت کے ضمن میں اوریاپھرتاریخ کے دامن میں محفوظ ہیں
۔

ایک باشعور و باذوق صاحب علم وصاحب مطالعہ آدمی کا اسی لئے قلم وقرطاس سے تعلق
ناگزیر ہوتا ہے اور وہ کسی صورت اس سے مستغنی نہیں ہو سکتا کہ اس تعلق سے وہ
حیات جاوداں حاصل کر سکتا ہے۔ بصورت دیگر وہ زندہ ہونے کے باوجود
☆موت☆ سے دوچار ہو جائیگا۔ خصوصا جب اس کا ایک نظریاتی پس منظر اور فکری
تشخص بھی ہو، پھر تو وہ اپنی شخصیت سے زیادہ اپنے قیمتی اثاثے، اپنے مشن اور کار، اپنی
چیدہ وچنیدہ معلومات، مشاہدات وتاثرات، جذبات واحساسات، افکار وخیالات حتی کہ
امتیازات وتفردات کوانسانیت کی آنے والی نسلوں کی امانت سمجھ کر اسے محفوظ کرنے
کے لئے فکر مند ہوتا ہے اور قدرت کے آفاقی نظام کے بمقتضا ایسا ہی ہونا بھی
چاہیئے، اسی قانون قدرت اور انسانی جبلت کی طفیل آج ہم اگلوں کے لا محدود وانمول
علمی، تاریخ، فنی اور ثقافتی ورثے اور اثاثے سے تسکین ذوق کا ساماں پاتے ہیں، اسی کی
بنیاد پر ہر دور میں انسانیت کی تعمیر وتشکیل جدید ہو رہی ہے اور ہوتی رہے گی۔ اسی کے
ضمن میں پھر شخصیات واقوام اور تہذیبوں کی تاریخ مرور ایام اور ظہور حوادث سے
عبارت ہے، ہر ہزاریہ، ہر صدی ہر دھائی، ماہ وسال، شب وروز بلکہ ہر گھڑی ایک تاریخ
ہے اور اسے ہر صاحب نظر اپنی نگاہ سے دیکھ اور محسوس کر رہا ہے، انہی اصحاب کے ذوق
نظر سے ایک اقلیم دانش تشکیل پا رہا ہوتا ہے۔ دنیا میں جب بھی کوئی بڑا انقلاب
آیا ہے، چاہے وہ مادی واقتصادی بنیادوں پر ہو یا مذہبی وسیاسی نظریات کی بنیادوں
پر، اس کے پیچھے کچھ قوتیں

کارفرما ہوتی ہیں، جن میں تحریر بنیادی اور اساسی حیثیت رکھتی ہے، اس لئے تحریر اور کتابت کے ذریعے لوگوں کی ذہنی قدریں استوار ہوتی ہے، یہ کام زبان سے بھی لیا جاسکتاہے، لیکن تحریر کااثر اتنا ہی دیرپا ہوتاہے جتنی کہ خود تحریر ہے۔۔۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی لئے قرآن کریم اپنی نگرانی میں لکھوایا اور اپنی احادیث صرف اس نہیں تحریر کروائی کہ متن وشرح میں کل کلاں خلط مبحث نہ ہو۔ دین اسلام میں لئے ئی آیات سے قلم، تحریراورکتابت کو نمایاں مقام ومرتبہ حاصل ہے، سورہ قلم کی ابتدا اس کی اہمیت معلوم ہو سکتی ہے، حضرت معاذبن جبل کی ایک روایت ہے، جس میں علماء کی سیاہی کو خون شہداء کے مساوی ٹھرایاگیاہے، عظیم مجاہد عبداللہ عزام رقمطراز ہیں : " التاریخ یسطر سطورہ بمداد العلماء ودماء الشہداء " : کہ تاریخ کی سطریں علماء کی سیاہی اور شہداء کے لہو سے لکھی جاتی ہیں۔

لیکن قلم کی سیاہی کا صحیح استعمال نہ ہو، تو اس سے معاشرے کا فساد بھی ظاہر وباہر ہے، ادیب ولکھاری حضرات کا معاشرے اور سوسائٹی کی اصلاح اور افساد میں بڑا ہاتھ ہوتاہے اور قلمکار کی تحریر اس کی ذہنی سطح کی عکاس ہوا کرتی ہے، جو نظروفکر صفحۂ قرطاس پر وہ منتقل کرتاہے اسکو پڑھ کر قاری۔ خواہی نہ خواہی۔ لینے لگتاہے، ابتداء اسلام سے علماء امت نے اسلام کی ترویج واشاعت، عقائد صحیحہ کی نشرواشاعت اور عوام الناس کے رشدوہدایت میں تقریر

کارلایاہے، موجودہ ئےکے ساتھ ساتھ تحریر کو بھی ایک قسم کی عبادت سمجھ کر.برو
حالات میں اس کی اہمیت پہلے سے.بڑھ گئ ئی ہے.اس لئے کہ معاشرے کے فساداور
نوجوان نسل کو بے راہ روی کا شکار بنانے کے لئے اہل باطل اس میدان میں بے شمار
ہتھکنڈے استعمال کر رہے ہیں ، فحش لٹریچر کا طوفان ہے جو روز.بروز.بڑھتااور زور
پکڑتاجارہاہے.اس لئے علماء کی ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ تقریر کے ساتھ ساتھ تحریر میں
مہارت حاصل کرے،تاکہ امت مرحومہ کے رشدوہدایت کا سامان پیدا کریں۔
کیونکہ تحریر وتقریر میں کم مائیگی ، عربی استعداد سے شدید کے فقدان کے باوجود کچھ
لوگ حرفت وپیشے کے طور پر لکھاری بنتے ہیں،ایسے میں اصحاب استعداد اور رسوخ فی
العلم والے کاکیاکردار ہوناچاہیئے ؟ دیکھئے،علامہ بنوری کیافرمارہے ہیں :
امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کااس پر اجماع ہے کہ جو حکم شرعی قرآن وحدیث میں
واضح طور پر آگیاہے نہ اس میں اجتہاد کی گنجائش ہے نہ اس کی مخالفت کا امکان،اجتہاد کا
دائرہ وہ حوادث وواقعات ہیں جہاں کتاب وسنت خاموش ہوں،جوجدید مسائل پیش
آئیں، ان میں قرآن وسنت نے اجتہاد کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ اس کا حکم دیاہے
ان مسائل میں اجتہاد کا دروازہ قیامت تک کھلارہے گا.ان مسائل میں اجتہاد کو بند،
کرنا اسلام کو بدنام

کرنا ہے۔البتہ اجتہاد کے لئے " اہلیت اجتہاد " کی ضرورت ہوگی ، اس کے لئے کوئی وجہ جواز نہیں کہ جو شخص اجتہاد کا اہل نہ ہو وہ بھی اجتہاد کرے۔۔۔۔۔۔۔

افسوس کہ ہم ایک ایسے دور سے گزر رہے ہیں جس میں ارباب علم اپنے علمی تقاضوں کو نہیں پورا کر رہے ہیں اور ارباب جہل علمی مسائل میں دخل دے رہے ہیں، ہر صاحب قلم کو صاحب علم بننے کا دعوی ہے، کتابوں کے تراجم نے اس فتنے کو اور وسعت دی ہے ،اردو تراجم جہاں ایک اصلاحی مفید خدمت انجام دے سکتے تھے، افسوس کہ عصر حاضر میں " واثمہما اکبر من نفعہما " کا مصداق بنتے جا رہے ہیں، جن کا ضرر و نقصان، فائدہ و نفع سے کہیں بڑھ گیا ہے، دور حاضر جہاں مختلف اندھے فتنوں کی آماجگاہ ہے ، وہاں قلم کا فتنہ شاید سب سے سبقت لے جا رہا ہے ، علمی میدان ان حضرات کا نہ صرف بہت محدود اور تنگ ہے، بلکہ ہے ہی نہیں۔

عربی زبان ادب سے بے خبری کے عالم میں اردو کے کچھ سطحی معلومات حاصل کرکے ہر شخص دور حاضر کا مجتہد بنتا جا رہا ہے،اور " اعجاب کل ذی رای برایہ " کہ ہر شخص کو اپنی رائے پسند ہے،اس فتنے نے مزید " کریلا اور پھر نیم چڑھا " والی مثل صادق کردی ہے۔

اور ناشرین نے محض تجارتی مصالح کے خیال سے سستے داموں عالم نما جاہلوں سے تراجم
کرا کر فتنوں اور بڑھا دیا ہے، غرض کہ فتنوں کا دور ہے، ہر طرح کے فتنے اور ہر طرف
سے فتنے ہی فتنے آتے ہیں، ان فتنوں کے سدباب کے لئے مستقل اور بڑے پیمانے پر
سرکاری و نجی اداروں کی ضرورت ہے، جن کا اساسی مقصود صرف یہی ہو کہ ان تراجم
وافکار جدیدہ کا جائزہ لیا جائے اور اخبارات میں شائع ہونے والے مقالات کی نگرانی ہو،
تاکہ ارباب جرائد کا مقصد محض تجارت اور ارباب قلم کا مقصد محض شہرت یا کچھ
مادیت نہ ہو"۔

اگر "سرعام " جیسی ٹیمیں اجناس میں ملاوٹ والوں کا پیچھا کر سکتی ہیں، نیز جعلی عاملوں کا
بھانڈا پھوڑا جا سکتا ہے، تو جعلی عالموں کا کیوں نہیں ؟؟

اسلام اور گلوبلائزیشن

اسلام اور ایمان دونوں عربی زبان کے الفاظ ہیں، اسلام سلامتی سے ہے، ایمان امن سے ہے، گویا اسلام اور ایمان کی بنیادیں ہی امن وسلامتی پر رکھی گئی ہیں۔اسلام کا معنی ہے اپنے آپ کو خالق کے سامنے جھکا دینا، تابع اور فرماں بردار بنا دینا، فکر میں، عمل میں، روح میں اور جسم میں۔توایمان کا معنی ہے اپنے خالق پر اپنے تمام معاملات اور خیر وشر میں یقین رکھنا اور اس کی ذات بابرکات کو اپنی مخالفت، عصیان اور نافرمانی سے محفوظ رکھنا۔ اسلام کا تعلق ظاہر سے ہے، جب کہ ایمان کا تعلق قلب سے، یعنی اسلام اعم ہے ایمان کے مقابلے میں، کیوں کہ ہر مومن مسلم بھی ہے، لیکن ہر مسلم مومن نہیں ہے۔

دین اور مذہب، یہ دونوں بھی عربی زبان کے الفاظ ہیں، دین: جزا وسزا، حساب وکتاب، نیز ہر وہ نظامِ حیات جس میں الہام کا دعویٰ کیا گیا ہو۔مذہب: جدید دور میں دین کا مترادف ہے، قدیم میں اسلام کے مختلف فرقوں کے نقطۂ نظر کو مذہب کہا جاتا تھا، دین مذہب سے اعم ہے اور کثیر الاستعمال ہے، اور قدیم وجدید میں مذہب کے لئے لفظ دین استعمال ہوا ہے، جب کہ مذہب ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہے۔

پھر دین اسلام کے مقابلے میں اعم ہے، کیوں کہ دین کا اطلاق تمام الہامی طرز ہائے حیات پر کیا جاتا ہے، جب کہ اسلام اس کی ایک قسم اور نوع ہے۔ یہ اور بات ہے کہ اسلام تمام ادیان سماویہ وغیر سماویہ میں برحق وبرتر ہے، لیکن اپنی تقسیم کے اعتبار سے بمنزلۂ جز کے ہے کُل کے لئے۔ قرآن کریم کی آیت (اِن الدین عنداللہ الاسلام) کا یہی مطلب ہے کہ اسلام ہی اللہ کے یہاں صحیح معنوں میں دین کہلانے کا مستحق ہے، بقیہ ادیان موجودہ حالات میں اس حیثیت کے مستحق نہیں ہیں۔

اب ہم آتے ہیں گلوبلائزیشن، انٹرنیشلائزیشن، یا عربی زبان کے الفاظ العولمۃ، التدویل، یعنی عالمیت، عالم گیریت اور بین الاقوامیت کی طرف۔ مذکورہ بالا اصطلاح میڈیا کی زبان میں امریکنائزیشن یا اس کے مترادف الفاظ کو کہاجاتا ہے۔جب کہ لغوی طور پر یہ کسی بھی حوالے سے ہر اس سسٹم، پیغام، دین ومذہب، فکر، فلسفے یا تہذیب وتمدن کا نام ہے، جس کی پہنچ دنیا کے کونے کونے تک ہو۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جدید سائنس وٹیکنالوجی کے اس دور میں دنیا نے ایک گاؤں، ویلج یا قریہ کی صورت اختیار کرلی ہے، اور یہ بھی ماننا پڑے گا کہ آج کا انسان مذہبی، سیاسی، تجارتی، تہذیبی وغیرہ کسی بھی حوالے سے بین الاقوامی برادری سے الگ تھلگ، کٹ کر نہیں رہ سکتا، بلکہ بین الاقوامی

.برادری میں واقع پذیر قسم قسم کے احوال سے متاثر ہوئے بغیر بھی نہیں رہ سکتااور یہ بھی ایک زمینی حقیقت ہے کہ پوری انسانیت کی مڈ بھیڑ میں وہی ملک، قوم، معاشرہ یا فرد زندہ وتابندہ، شاد اور آباد رہ سکے گا، جس کے اصول، مبادی، تکنیک اور اسٹراٹیجی حقیقت اور واقعیت کے قریب تر ہو، جس کے پیغام اور منشور میں تزلزل، تذبذب اور تردد کے بجائے استقلال، استقامت واستقرار ہو۔ کیا ہی خوب فرمایا ہے علامہ اقبال نے

:

جب تک نہ زندگی کے حقائق پہ ہو نظر
تیرا زجاج ہو نہ سکے گا حریفِ سنگ

جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کائنات کے مختلف عالموں کے لئے ہے، انسانیت تو اس کا ایک جز ہے، جب آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی رسالت کائنات پر محیط ہوئی، تو پوری انسانیت پر اس کا احاطہ بطریق اولیٰ ہوگا۔اب آپ خود ہی تجزیہ کیجئے کہ اسلام ایک بین المللی، بین الاقوامی، عالم گیر اور جہاں گیر دین ہے یا نہیں؟ اور اس تناظر میں قرآن کریم، جو اسلام کی ایک مقدس آسمانی کتاب ہے، وہ پوری انسانیت کے لئے ہے یا نہیں؟ جناب رسالت مآب صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا اسوۂ حسنہ، جو سنت کی صورت میں ہمارے پاس موجود ہے، وہ سارے عالم کے فلاح وبہبود کے لئے ہے یا نہیں؟ اسلام دین فطرت ہے، فطرت کا تعلق بنی آدم کے ہر فرد، بلکہ کائنات کے

ہر جزو سے ہے، گویا فطرت میں عموم ہے تو اسلام میں عموم اور شمول ثابت ہوئے یا نہیں؟ نیز اسلام کے انسانی حقوق کا چارٹر، جو ''خطبہ حجۃ الوداع'' میں پیش کیا گیا، اس میں مسلم وغیر مسلم سب کے حقوق کا تذکرہ ہے یا نہیں؟ قرآن کریم میں جہاں جہاں حقوق و حدود کا ذکر ہے، جہاں جہاں سزاؤں کا ذکر ہے، کیا اس کا تعلق صرف اہل اسلام سے ہے یا اہل ذمہ غیر مسلمین کی بھی بھرپور رعایت رکھی گئی ہے؟کیا جناب محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت عربوں کے لئے تھی یا عجم کے لئے بھی ہے؟ گوروں کے لئے تھی یا حبشیوں کے لئے بھی؟ آزاد لوگوں کے لئے تھی یا غلاموں کے لئے بھی؟ مردوں کے لئے تھی یا خواتین کے لئے بھی؟ نوجوانوں کے لئے تھی یا بچوں اور بوڑھوں کے لئے بھی؟

مذکورہ بالا سوالات کا حقیقت پسندانہ اور علی وجہ البصیرت جواب اگر دیا جائے تو نتیجہ صاف اور واضح آجاتا ہے کہ جناب سرورکائنات صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پیغامِ اسلام گلوبل اور عالم گیر انداز میں ہے، ہمیں اسے کسی زبان یا مکان میں محدود نہیں کرنا چاہیے، کسی زبان یا لسان والوں سے خاص نہیں کرنا چاہیے، کسی طبقے یا سفید پوشوں ہی سے منسلک نہیں کرنا چاہیے۔ بلکہ گلوبلائزیشن کے اس دور میں، جس کی اسلام کو ضرورت تھی، آفاقیت کے اس عالم میں ، جہاں اسلام کا پیغام انتہائی آسانی اور سرعت سے انحائے عالم میں پہنچ سکتا ہے، ہمیں اپنا تن، من، دھن اور اپنے بچوں، نوجوانوں، بوڑھوں،

مردوں، خواتین، پڑھے لکھوں اور مزدوروں سب کو اسلام کی تبلیغ واشاعت، تعلیم وترویج کے لئے جھونک دینا چاہیے۔آج کے دن عالم گیریت کے اس میدان میں تمام تہذیبوں، ثقافتوں، ادیان، مذاہب اور افکار و نظریات میں گھمسان کی ایک دست بدست جنگ جاری ہے، کون غالب، کون مغلوب، کون فاتح، کون مفتوح ہوتا ہے؟ زمینی حقائق خود بخود اس نتیجے کو بھی آپ کے سامنے رکھ دیں گے، ہمیں یقین ہے کہ اس عالم گیر مسابقے، مقابلے اور دوڑ میں اسلام ہی فاتح، غالب اور سرخ رو ہوگا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

لیکن جیسا کہ بین البراعظمی مختلف قومیں، ممالک، ملتیں اور علاقے باہمی یونینز اور اتحادوں میں مصروف ہیں، ہمیں بھی اس حوالے سے اپنا مثبت اور فعال کردار ادا کرنا ہوگا۔

میں سمجھتا ہوں کہ اس دور میں دعوت و تبلیغ اور اسلام کی اشاعت وترویج کا کام مسلم اکثریتوں سے زیادہ مسلم اقلیات بحسن وخوبی انجام دے سکتی ہیں، اپنے عمل اور سیرت وکردار سے بھی، قول ولسان سے اور قلم قرطاس سے بھی، ان تینوں سطحوں پر جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت، اعتدال اور وسطیت کو مد نظر رکھ کر اس کو بہ خوبی انجام دیا جاسکتا ہے۔اگر ہر ایک مسلمان کم از کم ایک ایک غیر مسلم کے مشرف باسلام ہونے کا سبب بن جائے، تو

دنیا میں مسلمانوں کی تعداد کہاں سے کہاں پہنچ جائیگی، بلکہ سارا عالم ہی حلقہ بگوشِ اسلام ہوجائیگا، یوں گلوبلائزیشن کے اس چیلنج کو ہم امت مسلمہ کے لئے نہایت آسانی سے چانس میں تبدیل کرسکتے ہیں۔

اس کے لئے مسلم اقلیات کو :۱-اقتصادی مضبوطی، ۲- تعلیمی برتری، ۳-رفاہی خدمات، اپنے ممالک کی اکثریات واغلبیات کی خواتین سے ازدواجی تعلقات، ۵- تمام شعبوں۔۴ سے انسلاک، ۶-الأھم فالأھم، ۷- مختلف طبقات سے ارتباط، ۸-اور بالخصوص سیرت نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مکی حصے کو مشعلِ راہ بنانا ہوگا۔

اپنے آپ سے

منگل کے دن محترمہ ''لطیف جان کاکی'' کا انتقال ہوا، وہ سب کے یہاں بہت عزیز تھی ، عورتوں اور بچوں میں بہت محبوب تھی، وہ کسی مدرسے کی باقاعدہ عالمہ فاضلہ نہیں تھی، لیکن وہ اپنی ذات میں ایک مکمل مدرسہ بنی ہوئی تھی، سینکڑوں بچوں ، بچیوں اور بڑی عمر کی خواتین کو انہوں نے ناظرہ، نماز ، ذکر اذکار، بنیادی عربی اور اخلاقیات کی تعلیم دی تھی، ان کا گھر محلے کی مسجد کے پڑوس میں تھا، ہماری اس مسجد اور اس کے امام خاندان کی بھی عجیب برکات ہیں، اس کے عقب میں مرحوم ''شیخ کاکا'' اور انکل سلطانؒ کے گھر ہیں، جو صلاح و تقویٰ کے پہاڑ تھے، اوپر صدق وامانت کے پیکر میر صمدؒ بمبئی والے اور بابا فضل رحیمؒ تھے ، بغل میں ہمارے والد حاجی مظفر خاں مرحوم ومغفور تھے، مسجد کے جنوب میں نادر خان اور عطاء الرحمٰن کے دولت کدے تھے، مغرب اور جنوب مغرب میں شعیب چاچا، شیر علی خان صاحب اور تاج خاں کاکا رہائش پذیر ہیں، اس مسجد کے چاروں طرف ان تمام پڑوسیوں کے گھروں یا بھتیجے بھانجوں میں آج حفاظ، قراء ، علماء ، مفتیان اور پی ایچ ڈی لیول کی اولادیں ہیں، ان میں بہت سے اس وقت حرمین شریفین میں ہیں، وہاں متنوع خدمات پر مامور ہیں، یہ مکتب کا کمال ہے یا صحبت کا اثر کہ ان سب کی نیکی اور تعلیم میں لطیف جان کاکی، نیز تاج بی بی کاکیؒ، جامع مسجد اور مولانا عبد

الغفور عباسی مدنی کے خانوادہ کا بہت بڑا اپنا حصہ اور اجر ہے۔

بدھ کی رات میں جب بستر پر لیٹ گیا، تو تصورات و تخیلات کا ایک تلاطم خیز سمندر میری فکر و نظر پر چھا گیا، میں سوچتا رہا کہ ہمارے بہت سے علماء و مشائخ، ہماری حکومتیں اور ادارے، ہماری جماعتیں اور تنظیمیں میدانِ عمل کے کارزاروں میں کیوں پیچھے ہیں؟!

ہوس نے کر دیا ہے، ٹکڑے ٹکڑے نوع انساں کو☆اخوت کا بیاں ہو جا، محبت کی زباں ہو جا

اسی طرح کے تفکرات، سوچوں واندیشوں میں پیچاں وغلطاں میں دیر تک دم بخود اور بے چینی واضطراب کی کیفیت سے دوچار رہا! میرے ضمیر نے گویا مجھ پر سوالات کی بوچھاڑ کردی تھی،......کیا ہم جمود وانحطاط کا شکار ہیں؟ اگر ہاں! تو اس کے اسباب کیا ہیں؟ افکار وخیالات کی سطحیت؟ حوصلے کی پستی و شکستگی؟ مادیت پرستی؟ حقائق سے نظریں چُرانا اور حق کی عدم جستجو؟ محنت وریاضت کی کمی؟ جاہ طلبی؟ ضیاع وقت کی عادت؟ جسم وجاں کو بیدار کرنے، روح کو تڑپا دینے اور حیات جاودانی سے مالا مال کرنے والی آہِ سحر گاہی کا فقدان؟ گفتار و کردار میں اضمحلال، مشائخ وعارفین سے قطع ارتباط وعدم صحبت؟ اڑوس پڑوس کے حقوق کی پامالی؟ مسجد سے لاتعلقی......؟ یا وسائل عیش ونشاط کی فراوانی؟ تن

آسانی؟ فارغ البالی؟ سہولت پسندی؟ عزائم وہمتوں کا انحطاط؟ مطالعے کی قلت وبودا پن؟ باہمی تدابر وتحاسد؟ تباغض؟ تکاسل؟ تعارض......؟

یا اس انجماد وانحطاط کے علل واسباب اس سے بھی عمیق، گہرے، پر اسرار اور سنگین تر ہیں......؟ ''رہبان باللیل وفرسان بالنہار'' والی مبارک زندگی پر کیا ہم کبھی دوبارہ واپس آسکتے ہیں؟ جس کے متعلق مجذوب نے کیا خوب کہا تھا:

عمر بھر ہم دن میں بلبل، شب میں پروانہ رہے

حجاز ونجد، کوفہ وبصرہ، دمشق وشام، قدیم ہند وافغانستان، قرطبہ واشبیلیہ، بخارا وسمرقند اور عراق وایران جیسے مردم خیز ملکوں نے کیسے کیسے باکمال انسانوں کو پیدا کیا، وہ کون تھے، جنہوں نے دنیاوی اور اسلامی علوم وفنون میں اپنی مہارت، ذہانت، بالغ نظری اور عملیت پسندی سے عملی تحقیق کا وہ سکہ صدیوں تک جمائے رکھا، جس کی وجہ سے کئی نسلوں تک ان کا طوطی افق انسانیت پر بولتا رہا؟ صدیاں بیت گئیں، نسلیں گزر گئیں، لیکن ایسے عالم، ادیب، شاعر، مصنف، ریاضی دان، فلسفی، قائد اور رہنما کے نظارے پھر فلک کو دیکھنا نصیب نہیں ہوئے، ان سب نفوس قدسیہ کا اصل مقصد وپیغام ہر ایک کی بھلائی، محبت، اخوت اور بھائی چارا'' تھا، تو اللہ جل شانہ نے اپنی طرف'' سے زمین وآسماں والوں کے قلوب میں ان کی محبت وعقیدت بٹھادی، جیسا کہ حضراتِ انبیا علیہم

السلام کے لیے باری تعالی رہتی دنیا میں انسانوں کی زبانوں پر صلوۃ وسلام اور کلمات مدح جاری کیے ہوئے ہیں، آج عام لوگوں میں زمانے کی آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ایسی باکردار شخصیات کیوں پیدا نہیں ہوتیں؟ کیا بعد والوں کی قسمت میں آہیں اور حسرتیں ہی رہ گئیں......؟

پھر نہ اٹھا کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب وگلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی

اتنے میں اچانک میرے ذہن میں یہ آیت کریمہ وارد ہوئی: (والذین کفروا بعضھم اولیاء بعض، الا تفعلوہ تکن فتنۃ فی الارض وفساد کبیر) (سورۃ انفال، آیت نمبر: ۷۳)

ترجمہ: اور جو لوگ کافر ہیں وہ ایک دوسرے کے دوست ہیں، اگر تم (مسلمان اس طرح کی باہمی) دوستی نہیں کروگے، تو زمین میں فتنہ اور بڑی خرابی ہوگی۔ یہی آیت ہر مسلمان کو ازبر ہونی چاہیے، بس تا قیامت یہی کافی وشافی علاج ہے، اگر کسی کے دل میں دردِ ملت ہو، فتنہ وفساد سے اور بلاوجہ و بلا ضرورت باہمی دست وگریبان ہونے سے گریز چاہتا ہو، تو اس کے لئے یہی آیت کامل پیغام ہے۔ رات کے دو بج چکے تھے، سکوت طاری تھا، ہُو کا عالم تھا، مذکورہ بالا بزرگوں کے لئے دعائیں کرتے کرتے، مسجد کے حقیقی پیغام میں سوچتے سوچتے میں نے خاموشی کے ساتھ پلٹ کر کروٹ لی، تو علامہ اقبال کا یہ شعر بے ساختہ میرے خیالات کی اسکرین پر دیر تک آویزاں رہا۔

ہر اک چاہتا ہے کہ ہو اوج ثریا پہ مقیم
پہلے ویسا کوئی پیدا تو کرے قلب سلیم

نئے فضلاء کی خدمت میں

دینی مدارس میں تعلیمی سال اپنے اختتام کے قریب ہے اور طالب علم کیلئے آغاز اور اختتام سال نہایت اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ان دونوں مواقع پر اگر اس کا حس بیدار ہو اور وہ اپنے اہداف و مقاصد کا استحضاراور تعیین کرے تو اس کے دور رس اثرات سے نہ صرف وہ بلکہ پورا معاشرہ مستفید ہو سکتا ہے، خصوصا فارغ التحصیل ہونے والے حضرات کو اگر اپنی حساس حیثیت اور بھاری ذمہ داریوں کا احساس ہو تو وہ کس قدر انسانیت کے لیے مفید ثابت ہو سکتے ہیں اور بصورت دیگران کی غفلت و لاپرواہی کتنا بڑا المیہ ہے، اہل نظر کو ان ہر دو صورتوں کا بخوبی ادراک ہے، کسی نے کیا خوب کہا ہے:

اپنے من میں ڈوب کر پاجا سراغِ زندگی تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن ،اپنا تو بن

بڑی جامعات میں گذشتہ ایک عرصے سے یہ رسم چلی ہے، کہ ختم بخاری شریف کے موقع پر ایک عظیم الشان تقریب کا اہتمام کرتے ہیں، ہماری ایک برانچ ”جامعہ مفتوحہ شہداد کوٹ“ میں بھی امسال یہ جلسہ مغرب سے شروع ہو کر صبح صادق تک جاری رہا، بخاری شریف کا آخری درس اور اختتامیہ گذارشات راقم کے ذمے

تھیں، درسی گفتگو کو نقل کرنے کا یہاں موقع نہیں ہے البتہ عام علماء وفضلاء کی خدمت میں پیش کی گئیں گذارشات کچھ یوں تھیں:

طالب علمی کے مختلف مراحل طے کرنے کے بعد آج آپ اپنی زندگی کے ایک اہم دوراہے پہ کھڑے ہیں، آپ کی تعلیم رسمی طور پر پایۂ تکمیل تک پہنچ گئی، گویا دستار فضیلت آپ کے سروں پر بندھ گئی، یہ سب کچھ تمہیں ہزار بار مبارک ہو.....اس موقع پر یقینا آپ کا دل خوشی سے معمور، آپ کا دماغ فرط افتخار سے مخمور اور آپ کے جذبات واحساسات محوِ پروازِ رفعت ہوں گے، آپ میں سے بہت سوں کو تو اپنے سروں اور کندھوں سے ایک بوجھ سا اترتا محسوس ہوگا، اور وہ اپنے آپ سے یوں سرگوشی کر رہے ہوں گے کہ بہت ہو گئی یار، اب آؤ! ذرا ستالیں، ذرا خوش منظر کائنات کا کھل کر نظارہ کریں، کچھ سہانے ماحول اور پر فضا موسم سے محظوظ ہوں، اور برسوں کے تھکن وماندگی کے بعد عیش وطرب کے چند لمحے گذار دیں، پھر کچھ کارنامے انجام دینگے......اور آپ ہی میں سے یقینا کچھ ایسے بھی ہوں گے جو ہموم وافکار میں گھرے ہوں گے، انہیں یا تو اپنی محرومی اور بے بضاعتی کا احساس سوہانِ روح بن کر پریشان کر رہا ہوگا، اور یا فکرِ معاش اور غمِ روزگار ان کے اعصاب پر سوار ہوگا، اور وہ اس سوچ میں ہوں گے کہ اب عملی زندگی میں داخل ہو رہے ہیں تو کس ذریعہ معاش کو اختیار کیا جائے، اور نان جویں کیلئے کس راہ کا انتخاب کیا جائے......؟

یقین جانیئے یہی وہ مقام ہے جہاں آپ کی زندگی کی تشکیلِ جدید ہوتی ہے،اس موقع پر آپ کی حیات وممات کا فیصلہ ہوتا ہے،اور یہی وقت آپ کے روشن یا تاریک مستقبل کیلئے فیصلہ کن گھڑی کی حیثیت رکھتا ہے،آج گویا زمانہ آپ کو خبر دار کر رہا ہے کہ "...فیصلہ [illegible] : دل یا شکم" ۔

لہٰذا پہلی بات تو یہ یاد رکھیں کہ آج آپ عملی زندگی میں قدم رکھ رہے ہیں مگر آپ کی علمی بلکہ تعلیمی زندگی کا خاتمہ نہیں ہونا چاہئے،بظاہر آپ کی "طالب علمی" بھلے ختم ہو، مگر تعلیم بدستور جاری رہنی چاہئے،"اپ ڈیٹ "رہنا ضروری ہے، اور جب تک آپ باضابطہ پڑھ سکیں ضرور پڑھیں ،اور اگر آپ کے حالات آپ کو اس کی اجازت نہیں دیتے تو کتاب بینی اور کتاب خوانی کی عادت کم از کم نہیں چھوٹنی چاہیے ۔

دوسری بات یہ کہ بعد از فراغت آپ کا پہلا قدم ہی آپ کے مستقبل کا رخ متعین کرے گا،اس واسطے آپ " پہلا قدم" خوب سوچ سمجھ کر درست سمت میں اٹھائیں۔ اور مادے کو روح پر، دنیا کو دین پر ترجیح دینے کے خطرناک اقدام سے بچیں؛ کیوں کہ آپ کو مدرسے میں اول وآخر یہی سبق پڑھایا گیا کہ زندگی کے اس دلدل میں آپ کا معیار" فاظفر بذات الدین" والا ہونا چاہئے ۔

تیسری بات یہ کہ خوب غور وخوض سے اپنے آپ کا جائزہ لیں اور اپنی افتادِ طبع

واستعداد اور مزاج کو پرکھ کر اپنے لئے دین کے کسی ایک شعبے کا انتخاب کریں، اور پھر اپنے وسائل ،ذرائع اور صلاحیتوں کو اس کیلئے وقف کردیں، ہر لائن میں قسمت آزمائی کرنے سے آپ ضائع ہو جائیں گے اور آپ کی خدمت سطحی اور غیر مؤثر رہیگی۔

چوتھی بات یہ کہ تعقل ، سمجھداری ، مشاورت اور عواقب اندیشی کو زاد راہ بنائیں بالخصوص دین اور اہل دین کے خلاف علاقائی اور بین الاقوامی سازشوں ،دسیسہ کاریوں، اور چیرہ دستیوں پر عمیق اور مفصل نگاہ رکھتے ہوئے تفرد، تشتت ،توغل اور تصنع سے اجتناب کریں، نیز یاد رکھیں کہ دین کے ساتھ جذباتی وابستگی کافی نہیں، فکری اور نظریاتی رشتہ ہی آپ کے حسن عاقبت کا ضامن بن سکتا ہے۔

پانچویں بات یہ کہ اعمال صالحہ کے التزام اور اخلاق رذیلہ سے بچنے کا اہتمام کریں ؛کیوں کہ علم (دانستن) فی نفسہ کوئی خوبی کی بات نہیں ہے، مستشرقین بعض دفعہ تحقیق وتدقیق میں مسلمان اہل علم سے بھی آگے نکل جاتے ہیں مگر یہ علم ان کو فائدہ نہیں دیگا۔

پستی سے سربلند ہو اور سرکشی سے پست اس راہ کے عجیب نشیب وفراز ہیں

چھٹی بات یہ کہ معاملات میں خود بھی کوتاہی نہ کریں اور دوسروں سے بھی ناجائز رعایت نہ برتیں کہ معاملات میں ہی انسان کی اصلیت کا پتہ چلتا ہے اور اسمیں بڑے بڑے زہاد وعباد بسا اوقات پھسل جاتے ہیں، سورہ مطففین کی ابتدائی آیات کا کم از کم لغوی ترجمہ مد نظر رکھیں، جن میں آپ کو مادی و معنوی ہر طرح کے لین دین کا ایک ضابطہ کلیہ بتایا گیا ہے۔

ساتویں بات یہ کہ ملک، اسلام کے اور امت مسلمہ بلکہ خلق خدا کے اجتماعی مفاد کو نقصان پہنچانے والا کوئی کام ہرگز نہ کریں، یعنی خیر کی چابی اور شر کا تالا بننے کی ہمہ وقت کوشش کیا کریں۔

آٹھویں بات یہ کہ کسی اللہ والے سے رابطہ رکھیں، ان سے اصلاحی تعلق جوڑیں ورنہ اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کے آرزو ہی آرزو میں زندگی گذر جائیگی۔

نویں بات یہ کہ دین کا صحیح فہم پیدا کرنے کیلئے ہمیشہ فکر مند اور مصروف عمل رہیں، اور اس سے کبھی مستغنی نہ ہوں، طفلانہ تصورات اور روایات ہی سے چمٹے رہنے سے ایک عالم کی شان بہت بلند اور ماوراء ہے، تاہم شتر بے مہار کی طرح اصول دین اور مسلمات میں عقل کے گھوڑے نہ دوڑائیں، بلکہ تحقیق طلب

امور کو پہچانیں ،اور صحیح مصرف میں اپنی ذہنی اور عقلی صلاحیتیں استعمال میں لائیں،
تحقیق وتدبر کیلئے میدان کے انتخاب میں بڑوں بڑوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں اور یہی
سے ان کی بے راہ روی کا آغاز ہوا ہے ،قرآن کریم کی تعلیمات کو سمجھنے کے لیے مطالعہ
قرآن اور درس قرآن کا اہتمام کریں ، عربی زبان وادب کی تحصیل میں کسی قسم کی
کوتاہی نہ برتیں ،تاکہ کلام اللہ اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے الفاظ میں پنہاں
معانی ومطالب کے جواہر ویواقیت کا استخراج واستنباط آپ کے لیے ممکن ہو۔
تیرے ضمیر پر جب تک نہ ہو نزولِ کتاب گرہ کشا ہے رازی ،نہ صاحبِ کشّاف
دسویں بات یہ کہ خود اعتمادی، استقامت اور پختگی سے اپنے مشن پر کار بند رہیں کہ
حیات جاودانی مردان باہمت ہی کے قدم چومتی ہے۔

کنگ سلمان خان بن عبدالعزیز

پوری دنیا میں اس وقت سب سے زیادہ اگر کوئی علاقہ اندرونی وبیرونی کشیدگی کا شکار ہے ، تو وہ عالمِ عرب ہے ، جزیرۃالعرب میں یمن اس وقت شمال وجنوب میں بٹ چکاہے ،ایک طرف حوثیین ہیں ،تو دوسری طرف منتخب صدر ھادی منصور ہے ، بحرین میں فرقہ وارانہ مسئلہ عرصہ سے چل رہاہے ، کویت ، عراق،شام ،اردن اور مشرقی سعودی عرب میں دو خونخوار بڑے بڑے گروپ کھینچاتانی میں مصروف ہیں ،ایک طرف بشار الاسد اور اس کے حامی حزب اللہ وغیرہ ہیں، تو مدّمقابل میں داعش ہے ،جو اپنی خلافت کا اعلان کرچکے ہیں ،لبنان بھی پچھلے ایک سال سے بغیر صدر مملکت کے چل رہاہے ، حزب اللہ اور دیگر سنی جماعتوں کی جنگ اس پر مستزادہے ، فلسطین اسرائیل مسئلہ بھی پہلے سے زیادہ اس وقت گرم ہے ، کیونکہ اقوام متحدہ نے فلسطینی اتھارٹی کو بطور'' اسٹیٹ '' مان لیاہے ،جس کی تائید بھی دنیاکے نقشے پر موجود کئی ممالک نے کردی ہے ، اُدھر صومالیہ ،اریٹیریا، سوڈان ، مصر ، لیبیا، تیونس موریتانیااور الجزائر میں بھی حالات کوئی قابل رشک نہیں ہیں ،ایران اور ترکی بھی عالم عربی پر شاطرانہ اور استعمارانہ نگاہیں مرکوز کئے ہوئے ہیں ،دونوں کی خواہش ہے کہ ان کے اقتدار کا سایہ عرب دنیاپر پڑے ،ترکی کو خلافت عثمانیہ کی یاد ستاتی ہے،تو ایران کو ماقبل الاسلام ''پرشین امپائر'' کی پڑی

ہوئی ہے ، ترکی اخوان کی پشت پناہی کرکے ان کے عالمی نیٹ ورک سے استفادہ کرنا چاہتا ہے ، جبکہ ایران مسئلہ فلسطین کا چیمپئن بن کر پاسداران انقلاب اور القدس بریگیڈ کو جنرل قاسم سلیمانی کی سرکردگی میں یمن سے عراق ، شام ، لبنان اور فلسطین میں زمین پر اتار چکا ہے ، جو حزب اللہ ، حوثیین اور شیعہ ملیشیات کی کمانڈ خود کر رہا ہے ، ان تمام تر ناگفتہ بہ صورت حال میں ایک مملکت سعودی عرب ہی ہے ، جو ایک چٹان کی طرح کھڑی ہے ، اس نے مصر کو بھی سہارا دیا ہوا ہے ، متحدہ عرب امارات کو بھی ساتھ لے کر چل رہی ہے ، خلیجی اتحاد کو بھی آگے بڑھا رہی ہے ، تاکہ نسبتاً چھوٹے اور کمزور ریاستوں قطر ، کویت ، بحرین اور عمان کو مضبوط دفاع فراہم کرسکے ، اپنے ملک میں بھی ہر قسم کے خطرات کا سدّباب کررہی ہے ، کنگ عبداللہ مرحوم اپنے دور میں بڑے پر عزم اور بہادر سمجھے جاتے تھے ، انہوں نے ان تمام مسائل کو بھانپا تھا،اور ان سب کے سامنے ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی طرح کھڑے تھے ،آج سے 46 روز قبل وہ اللہ کو پیارے ہوگئے ،بڑی سادگی کے ساتھ انکی تدفین ہوئی ، ان کے بعد کنگ سلمان بن عبدالعزیز آل سعود، مملکت کے شاہ بن گئے ، شہزادہ مقرن بن عبدالعزیز ولی عہد اور ولی عہد دوم شہزادہ محمد نائف بن عبدالعزیز مقرر ہوگئے ، سب سے پہلے توانہوں نے امریکی صدر بارک ابامہ کا بڑے تپاک سے ریاض ایرپورٹ پر استقبال کیا، لیکن گاڑی میں بیٹھنے سے قبل وہیں پر عصر کی جماعت شروع ہوگئی ،توانہوں نے ابامہ سے معذرت چاہی کہ آپ تھوڑا سا رُک جایئے گا، میں ذرہ

شہنشاہوں کے شہنشاہ کے سامنے سجدہ ریز ہوکے آتا ہوں ،جس کی وجہ سے عام مسلمانوں میں ان کا قداور زیادہ بڑھ گیا ،پذیرائی میں بہت اضافہ ہوا،اگلے روز وہ عمرہ کرنے گئے تو بیت اللہ میں بغیر کسی سیکورٹی کے طواف کرنے لگے ،جہاں ہر خاص وعام ان سے مصافحہ کرتے اور خیر خیریت دریافت کرتے دیکھے گئے ، پورے ملک میں تمام سرکاری ملازمین کو دوماہ کے اضافی الاؤنس کا اعلان کرکے اس نے سعودیوں کے دل جیت لئے ، ہزاروں قیدیوں کو بھی رہا کروایا، اقتدار سنبھالنے کے 48 گھنٹے میں انہوں نے وزارتی اور انتظامی طور پر وہ فیصلے کئے اور اتنی بڑی تبدیلیاں کیں جو شاہ عبداللہ شاید اپنے دس سالہ حکومت میں بھی نہ کرسکے تھے ، جس سے نوجوانوں اور عام شہریوں میں یکدم ان کی حیثیت دس گنا بڑھ گئی ،ٹویٹر پر قوم سے براہ راست سوال وجواب کا ایسا سلسلہ شروع کیا کہ تمام ذمہ دارانِ مملکت کو بھی متنبہ ہونا پڑا،ہر شہری کا بادشاہ سے آن لائن ہونے کی وجہ سے حکومتی اہل کار کسی بھی ظلم وزیادتی کی صورت میں بادشاہ کے زیر عتاب آسکتے ہیں ، کیونکہ اس طرح بادشاہ تک سب کی رسائی ہے ،اس کے بعد انہوں نے عالمی رہنماؤں کو ریاض آنے کی دعوتیں دیں ، جن میں عرب میڈیا کے مطابق تین ملکوں کے حکمرانوں کی آمد اور ان سے خصوصی بات چیت بڑی اہمیت کی حامل ہے مصر،ترکی،اور پاکستان ، صدر سیسی ، صدر طیب اردگان اور وزیر اعظم نواز شریف سے ، الگ الگ حرمین شریفین کی حفاظت اور علاقائی وبین الاقوامی صورت حال ان ملاقاتوں کا موضوع سخن تھا ،لگتا ہے شاہ سلمان ان

تینوں بڑے اسلامی ممالک کو ملا کر عالم اسلام کو خوف اور رعب سے نکال کر ان میں ایک نئے ولولے کے ساتھ نئی روح پھونکیں گے ۔ مشکل حالات میں گویا انہوں نے اپنی بھاری ذمہ داریوں کا احساس کرکے امت مسلمہ کی قیادت کی ٹھانی ہے ، وزیر اعظم محمد نواز شریف اور جنرل عبدالفتاح سیسی ان کے ساتھ جب شانہ بشانہ کھڑے ہوں گے ، تو ترکی کے صدر طیب اردگان بھی حالات کی نزاکت کا ادراک کرکے اس صف میں آ شامل ہوں گے ،اقوام متحدہ کے جنرل سیکرٹری بان کی مون نے بھی کھلے دل سے شاہ سلمان کی صلاحیتوں کا اعتراف کر لیا ہے ، بعض مبصرین کا کہنا ہے کہ کنگ عبدالعزیز کے بعد اگر سعودی عرب میں ان کے پائے کا کوئی حکمران آیا ہے ،تو وہ سلمان بن عبدالعزیز ہے ، ابھی لگام مملکت سنبھالے ہوئے 50 دن بھی پورے نہیں ہوئے کہ شاہ سلمان نے اپنی داخلہ وخارجہ پالیسی کے خدوخال اور ایجنڈے کا اعلان کل رات کر دیا ہے ،وہ کہتے ہیں : ہم مکمل اور متوازن ترقی کے لئے کام کرینگے ، عرب اور اسلامی نصب العین کا ہر صورت میں دفاع کرینگے ،ہر عام وخاص کو بلا تفریق انصاف فراہم کرینگے ، تمام بے گھر سعودی شہریوں کیلئے مکانات کا فوری انتظام کیا جائے گا ، تعلیم کے میدان میں سب پر سبقت لے جانے کی کوششیں دن رات جاری رکھیں گے ، تیل ، گیس اور دیگر قدرتی وسائل کی دریافت اور انہیں نکالنے کیلئے کام جاری رہے گا ، کرپشن کسی بھی سطح پر قابل قبول نہیں ہے ، سدّباب کیلئے ہر ممکنہ طاقت استعمال کریں گے ، امن وامان پر کسی قسم کا سمجھوتہ نہیں کیا جائے گا، حکمت

اور دور اندیشی سے نقضِ امن کے اسباب کا خاتمہ کریں گے ۔انھوں نے کہا، تمام شہری حقوق اور فرائض میں برابر کے شریک ہیں، کنگ سلمان بن عبدالعزیز نے یہ بھی کہا، قوم وملک کے تحفظ کے لئے سیکورٹی فورسز کی صلاحیتوں میں اضافہ کیا جائے گا۔اس ضمن میں سعودی عرب اپنے تمام وعدوں کو پورا کرے گا، سعودی عرب ہر طریقے سے عرب اور مسلم نصب العین کا دفاع کرے گا اور وہ بذات خود عرب اور مسلم ممالک میں کشیدگی کے خاتمے کے لئے اپنا اثر ورسوخ استعمال کریں گے ۔شاہ سلمان نے یہ بھی کہاہے کہ سعودی عرب موجودہ عالمی دنیا کا حصہ ہے ،وہ اور ان کا ملک دنیا میں پیش آمدہ مشکلات کے حل کے لئے بھرپور اور فعال کردار ادا کرتے رہیں گے ۔

فریاد ز افرنگ و دل آویزیِ افرنگ

فریاد ز شیرینی و پرویزیِ افرنگ

عالم ہمہ ویرانہ ز چنگیزیِ افرنگ

معمارِ حرم باز بہ تعمیرِ جہاں خیز

از خوابِ گراں ، خوابِ گراں، خوابِ گراں خیز

از خوابِ گراں خیز۔

انشقاق القمر

آج کل پوری دنیا میں ایک نئی بحث سوشل میڈیا اور انٹرنیٹ پر چل رہی ہے، وہ یہ کہ ہماری اس دنیا کے چاند امسال نومبر 2015 میں ایک کے بجائے دو ہو جائیں گے، اس دوسرے چاند کا نیا نام "کروتھن" بھی منظر عام پر آگیا ہے، ناسا کے مطابق بتایا جاتا ہے کہ اسے ایک برطانوی سائنسداں نے 1986 میں دریافت کیا تھا، حقیقت کیا ہے، یہ تو علم الافلاک کے ماہرین ہی بتا سکتے ہیں، کچھ حضرات نے تو اسے ایک مفروضہ ہی قرار دیا ہے، مگر پھر بھی اس خبر کے تعاقب میں سرگرداں لوگوں نے چاند کے متعلق بحثیں شروع کر دی ہیں، جن کی وجہ سے معجزہ انشقاقِ قمر بھی زیر بحث آگیا ہے، سوال جواب میں نہایت بے سروپا مغالطات بھی سامنے آرہے ہیں، اس لئے ہم یہاں قدرے تفصیل سے واقعہ شق قمر ذکر کئے دیتے ہیں۔ معجزہ انشقاق القمر کا وقوع قرآن کریم، احادیثِ متواترہ اور اجماع امت سے ثابت ہے، علاوہ ازیں تاریخی مراجع سے اس کا مشاہدہ بھی ثابت ہے، ظاہر ہے کہ جس چیز کا ثبوت کلام اللہ، احادیث رسول ﷺ اور مشاہدہ سے ہو چکا ہو، اس کا انکار یا اس کی تاویل خلافِ عقل ہے، اہل اسلام کے لئے اس پر بلاتردد ایمان لانا لازم ہے، جس طرح قرآن کریم کی تصریحات کی وجہ سے جنت وجہنم پر ایمان لائے بغیر ایمان کا تصور نہیں کیا جاسکتا، اگر قرآنی تصریحات اور قطعیات میں تاویل کا دروازہ کھول دیا جائے، تو پھر

ایمان باالآخرۃ رہے گا اور نہ ہی جنت و جہنم کی حقیقت کا کوئی مسئلہ باقی رہ سکتا ہے، جس قرآن حکیم نے ہم کو قیامت جیسے عظیم الشان واقعہ کی خبر دی اور ہمارا اس پر ایمان ہے، اسی قرآن نے ہمیں انشقاقِ القمر کے واقعہ کی بھی خبر دی ،جب قیامت پر ایمان ہے تو شق قمر جو قیامت سے زیادہ کوئی عجیب یا عظیم شے نہیں ،اس پر ایمان لانے میں کیا تامل کیا جاسکتا ہے ،امام طحاویؒ اور حافظ ابن کثیرؒ نے اس وقعہ کے متعلق تواتر کا دعوی کیا ہے اور یہ دعوی دلائل قویہ سے ثابت ہے۔

کچھ فلاسفہ اور ملحدین نے شق القمر کو محال قرار دیتے ہوئے انکار کیا اور بعض لوگوں نے اس کی تاویل کی کہ یہ قیامت کے روز پیش آنے والے شق قمر کا ذکر ہے کہ جب قیامت آئے گی تو اس وقت چاند پھٹ جائے گا۔فلاسفہ اور ملحدین کا شق قمر کو محال قرار دینا خود خلاف عقل ہے ،یہ ایک محض دعوی ہے، جس پر ان کے پاس بھی کوئی ثبوت اور برہانِ قطعی نہیں ،اولًا تو یہ چیز قابل لحاظ ہے کہ چاند ہو یا سورج اور کوئی ستارہ وسیارہ یہ سب اجسام ہیں اور دلیل عقلی سے یہ بات لازم ہے کہ ہر جسم کا اجزاء کی طرف منقسم ہونا اور پھر اس کے اجزاء کاملاپ ممکن ہے ،اس میں کسی قسم کا استبعاد نہیں ،جس پروردگار نے اپنی قدرت کاملہ سے ان اجزاء کو جوڑ کر جسم مستنیر بنایا ہے ، وہ ان کو تقسیم کرنے اور ٹکڑے کرنے پر قادر ہے، علماء کے نزدیک جسم متصل کا منفصل

اور منفصل کا متصل ہونا ممکنات میں سے ہے، اس دلیل سے جہاں شق قمر کا ثبوت مل رہا ہے، اسی کے ساتھ وقوف شمس اور رد شمس کا معجزہ بھی ثابت ہوتا ہے ۔ اس پر بھی فلسفیانہ قسم کا کوئی اشکال باقی نہیں رہتا۔

حضرت یوشع بن نون علیہ السلام بنی اسرئیل کے ہمراہ جبارین سے جہاد کر رہے تھے ، بحکم خداوندی آفتاب ٹھہر گیا ، یہاں تک کہ جس روز وہ فتح کا مامور تھا ، اسی دن فتح واقع ہو گئی۔ اسی طرح آنحضرت ﷺ کے معجزات میں رد شمس کا واقعہ بھی ہے ، آپ ﷺ کی دعا سے سورج غروب ہونے کے بعد واپس ہوگیا، اس میں کوئی شبہ نہیں کہ چاند کے ٹکڑے ہو جانا یا آفتاب کا ٹھہر جانا اور لوٹ جانا فی نفسہ عظیم الشان امر ہے اور یہ امر معتاد اور معمولی بھی نہیں ہے ، لیکن عقلاً اس کو تسلیم کرنے میں کوئی وجہ تأمل نہیں، کیونکہ آفتاب وماہتاب کی حرکت طلوعی اور غروبی سب اللہ کے حکم اور اس کے قدرت سے ہے، گویا اصلاً محرک اللہ رب العزت کی ذاتِ اقدس ہے ، وہ جب چاہے ان اجرام کی حرکت کو روک دے ، اجرام علویہ ہوں یا اجرام سفلیہ ، آسمان ہو یا زمین ، بر وبحر سب کی حرکت وسکون اسی کے قبضۂ قدرت میں ہے، زمین کو متحرک مانو یا آسمان کو۔ بہر کیف اس امر پر مجبور ہونا پڑے گا کہ ہر شئ اور اس کی حرکت خدا کے ہاتھ میں ہے ، الغرض جو چیز وحی الہی ، اخبار متواترہ ، نیز مشاہدہ سے ثابت ہو، اس کا انکار یا اس میں تردد خلاف عقل ہے ، صحیح بخاری میں انس بن مالک ؓ سے مروی ہے کہ اہل

مکہ نے آپ ﷺ سے سوال کیا، کہ آپ کوئی نشانی دکھائیں ،تاکہ ہم آپ ﷺ کی نبوت مان لیں ، اس پر آپ ﷺ نے چاند کے دو ٹکڑے کرکے ان سے فرمایا، دیکھ لو اور گواہ رہو ، جبیر بن مطعمؓ کی روایت میں ہے کہ شق قمر پر قریش کے لوگ کہنے لگے ، محمد (ﷺ) نے تو ہماری آنکھوں پر جادو کردیا ہے ،اس کو سن کر بعض لوگ کہنے لگے کہ اگر ہماری آنکھوں پر جادو کردیا، تو یہ ممکن نہیں ہے کہ سب کی آنکھوں پر جادو کردیں اس کے بعد ان لوگوں نے مکہ سے باہر آنے والے قافلوں سے پوچھنا شروع کیا، تو ہر، قافلہ یہ بتاتا، ہاں ہم نے بھی یہ عجیب واقعہ دیکھا ہے ، یہ احادیث صحیحہ اور قرآن کریم کا واضح بیان بھی بتا رہا ہے کہ انشقاقِ قمر کا واقعہ ''معجزہ'' ہوچکا ہے۔

سورۃ قمر کی آیت مبارکہ (اقتربت الساعۃ) کے حوالے سے علامہ آلوسیؒ نے تفصیل کے ساتھ تفسیر روح المعانی میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن مسعودؓ جو بذاتِ خود وہاں موجود تھا) کی یہ روایتیں بیان فرمائی ہے ، ہجرت مدینہ سے تقریباً) پانچ سال قبل ایک مرتبہ کچھ مشرکینِ مکہ جمع ہو کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے، جن میں ولید بن مغیرہ ،ابو جہل ، عاص بن وائل ، عاص بن ہشام ، اسود بن عبد یغوث ،اسود بن المطلب ، ربیعہ بن الاسود ، نضر بن حارث وغیرہ اور یہ کہا، اگر آپ ﷺ اپنی نبوت میں سچے ہو، تو اس چاند کے دو ٹکڑے کرکے دکھلاؤ، رات کا وقت تھا اور چودھویں رات کا چاند طلوع کئے ہوئے تھا، آپ

ﷺ نے فرمایا، اچھا اگر یہ معجزہ دکھلادوں، تو ایمان بھی لے آؤگے۔ان لوگوں نے کہا، ہاں ! ہم ایمان لے آئیں گے ۔ حضور ﷺ نے حق جل شانہ سے دعا کی اور انگشت مبارک سے چاند کی طرف اشارہ کیا،اسی وقت چاند کے دو ٹکڑے ہوگئے ۔ ایک ٹکڑا جبل ابی قبیس پر تھا اور دوسرا جبلِ قیقعان پر تھا، دیر تک لوگ حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ حیرت کا یہ عالم تھا کہ اپنی آنکھوں کو کپڑوں سے پونچھتے تھے اور چاند کی طرف دیکھتے تھے تو صاف دو ٹکڑے نظر آتے تھے ۔ حضور ﷺ اس وقت یہ فرمارہے تھے ،"اشھدوا، اشھدوا" اے لوگو ! گواہ رہو،اے لوگو ! گواہ رہو، بعض کا نام لیکر آپ ﷺ نے، فرمایا:اے سلمہ بن اسود ،اے ارقم بن ارقم گواہ رہو۔ عصر اور مغرب کے درمیان جتنا وقت ہوتا ہے اتنی دیر تک چاند اسی طرح رہا اور اس کے بعد پھر ویسا ہی ہوگیا جیسے پہلے تھا، مشرکینِ مکہ نے کہا کہ محمد ﷺ نے تم پر جادو کردیا ہے ،بہتر یہ ہے کہ تم باہر سے آنے والے مسافروں کا انتظار کرو اور ان سے دریافت کرو ، کیونکہ یہ ناممکن ہے کہ محمد ﷺ تمام لوگوں پر جادو کردیں ، اگر وہ بھی اسی طرح اپنا مشاہدہ بیان کریں ،تو سچ ہے اور اگر یہ کہیں کہ ہم نے نہیں دیکھا ،تو سمجھنا کہ محمد ﷺ نے تم پر سحر کیا ہے ، چنانچہ اگلے دن آنے والے مسافروں سے دریافت کیا گیا ،ہر طرف سے آنے والے مسافروں نے اپنا مشاہدہ بیان کیا کہ ہم نے انشقاق قمر دیکھا ہے، مگر ان شہادتوں کے باوجود بھی معاندین ایمان نہ لائے اور یہ کہا کہ یہ سحر مستمر (دائمی اور ہمہ گیر) ہے ،اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی (اقتربت الساعۃ وانشق القمر وان

یروا آیۃ یعرضوا ویقولوا سحر مستمر) سورہ قمر۔

جیساکہ بیان کیا گیا کہ معجزہ شق قمر کا رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں واقع ہونا قرآن کریم، احادیث متواترہ اور اسانید صحیحہ وجیدہ سے ثابت ہے اور اسی پر تمام سلف اور خلف کا اجماع ہے، کسی شاذ ونادر نے جو (انشق القمر) بصیغہ ماضی کو بمعنی (سینشق القمر) لیا ہے، وہ سراسر ظاہر قرآن، احادیث صریحہ وصحیحہ اور تصریحات سلف وخلف کے خلاف ہے، قابل اعتبار نہیں اور اس صورت میں آگے کا مضمون (وان یروا آیۃ یعرضوا) بے معنی ہوجائے گا، اس لئے کہ قیامت کے واقع ہونے پر تو کسی کے اعتراض اور بے رخی کا امکان ہی نہیں رہتا، واقعہ شق القمر کی جو تفصیل ہم نے ذکر کی ہے، وہ البدایہ والنہایۃ للحافظ ابن کثیر: ۳/۱۸-۱۳۰اور فتح الباری: ۷/۱۳۸ باب انشقاق القمر سے لی ہے، حضرات اہل علم اصل کی مراجعت فرما سکتے ہیں۔

مخالفین اسلام اس معجزہ پر اعتراض کرتے ہیں کہ اول تو یہ بات محال اور ناممکن الوقوع ہے کہ چاند کے دو ٹکڑے ہوجائیں، دوسرے یہ کہ اس واقعہ کا کسی تاریخ میں ذکر نہیں جواب یہ ہے کہ آج تک کسی دلیل عقلی سے اس قسم کے واقعہ کا محال اور ناممکن، ہونا ثابت نہیں ہوا، اللہ تعالی ہر چیز پر قادر ہے، جس طرح اجسام سفلیہ میں کون وفساد عقلاً محال اور ناممکن نہیں، اسی طرح اللہ

تعالیٰ کی قدرت اور مشیت سے اجسام علویہ میں بھی کون فساد محال نہیں، خداوند ذوالجلال کی قدرت کے اعتبار سے آسمان اور زمین شمس اور قمر، شجر اور حجر سب برابر ہیں، جس خدانے شمس وقمر کو بنایا ہے، وہ خدا ان کو توڑ بھی سکتا ہے اور جوڑ بھی سکتا ہے، جو لوگ محض استبعاد کی بناء پر اس کو محال قرار دیتے ہیں، ان کو محال اور مستبعد کا فرق بھی معلوم نہیں، رہا یہ امر کہ اس واقعہ کا ذکر تاریخوں میں نہیں تو صد ہا اور ہزار ہا ایسے عجیب وغریب واقعات ہیں کہ جو وقوع میں آئے مگر تاریخوں میں ان کا ذکر نہیں، تورات اور انجیل میں بہت سے ایسے واقعات ہیں، جن کا کسی تاریخ میں کہیں نام ونشان نہیں، نیز شق قمر کا واقعہ رات کا واقعہ ہے، جو عموماً لوگوں کے آرام کا وقت ہے، وہ بھی صرف تھوڑی دیر کے لئے رہا، اس لئے اگر عام طور پر لوگوں کو اس کا علم نہ ہوا ہو، تو تعجب نہیں، بسا اوقات چاند اور سورج گرہن ہوتے ہیں اور بہت سے لوگوں کو علم بھی نہیں ہوتا، نیز اختلاف مطالع کی وجہ سے بہت سے مقامات پر اس وقت دن ہوگا اور کسی جگہ آدھی رات ہوگی، عموماً لوگ گھروں میں سوتے ہوں گے اور کھلے آسمان کے نیچے بھی ہوں، تو عادۃً یہ ضروری نہیں کہ سب لوگ آسمان کی طرف نظریں جمائے تک رہے ہوں اور زمین پر پھیلی ہوئی چاندنی پر کوئی فرق چاند کے ٹکڑے ہونے سے نہیں آسکتا، بارہا چاند گرہن لوگوں کو نظر نہیں آتا، بایں ہمہ تاریخ فرشتہ میں اس کا ذکر موجود ہے اور علامہ شبیر احمد عثمانیؒ نے اس کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا ہے

ہندوستان میں مہاراجہ،

مالیبار (شیر امین) کے اسلام کا سبب مؤرخین اسی واقعہ کو کہتے ہیں ،اگر عام تاریخوں میں یہ واقعہ مذکور نہیں ،تو اس سے اس واقعہ کی تکذیب کیسے ہو سکتی ہے ، یوں تو عام تاریخوں میں قوم عاد وثمود کے بھی واقعات نہیں ملتے ،نیز اس معجزہ سے مقصود فقط اہل مکہ کو دکھلانا اور ان پر حجت تمام کرنا تھا ، وہ مقصود حاصل ہوگیا، تمام عالم کو تو دکھلانا مقصود بھی نہ تھا ، نیز کسی شئ کا دیکھنا اللہ کے دکھلانے پر موقوف ہے ، اگر کوئی شے نظروں کے سامنے بھی ہو اور اللہ تعالی نہ دکھلانا چاہیں، تب بھی وہ شے نظر نہیں آتی ، پھر یہ کہ اس زمانہ میں رصدگاہیں نہیں تھیں کہ پہلے سے بذریعہ اخبار یامیڈیااطلاع ہوتی کہ فلاں دن انشقاقِ قمر کا معجزہ دکھلایا جائے گا،لہذا لوگ باخبر رہیں اور دیکھتے رہیں۔ (معارف القرآن للکاندھلوی مع تغیر واضافات)۔

مکتبۂ فکر

جسے ہم اردو میں مکتبۂ فکر کہتے ہیں، اسے عربی میں مدرسۃ الفکر کہتے ہیں اور انگریزی میں اسے سکول آف تھاٹ (school of thought) یا تھینک ٹینک (think tank) کہا جاتا ہے۔ دنیا میں قوموں کا عروج وزوال مکتبہائے فکر کے مرہونِ منت ہے۔ کہتے ہیں امریکی شہر واشنگٹن میں 35 ہزار تھنک ٹینکز ہیں۔ جو ملک اور قوم کی ترقی ،بالادستی اور اثرونفوذ کیلئے دن رات مختلف زاویوں سے مصروفِ عمل رہتے ہیں اقوام ، قبائل ، مما لک ،ادیان و مذاہب ،فرقوں ، مکاتب ، نظریات ، عقائد ،اداروں اور نظاموں سے لے کرایک ایک بااثر شخصیت تک کا تجزیہ کرتے ہیں۔ ان کے شرور سے اپنے ملک کو بچاتے ہیں اور ان کی صلاحیتوں سے اپنے لئے مفادات کشید کرنے کے متنوع طریقے تلاش کرتے ہیں۔ سرکاری سطح پر یہ کام بڑے پیانے پر ہو رہا ہے اور نجی شعبے میں بھی رپورٹیں تیار کرکے متعلقہ اداروں کو بیچے اور بھیجے جاتے ہیں۔ سادہ لوح اقوام یہ سمجھتی ہیں کہ امریکہ صرف اپنے ایک خفیہ ادارہCIA پر اعتماد کرتا ہے اور سی آئی اے کا ایجنٹ ہی امریکہ کا ایجنٹ ہوتا ہے۔ جب کہ یہ پوری حقیقت نہیں ہے۔ کیوں کہ امریکہ اور تمام طاقتور ملکوں کے شہری جس میدان میں بھی ہوں، بالخصوص میڈیا اور این جی اوز میں ،وہ جہاں اپنے فرائض کی انجام دہی میں مگن ہو

تے ہیں، وہیں بہت سے لوگوں کو باقاعدہ تنخواہ پر، یا کچھ اعزازیہ دے کر، یا مستقبل کی کوئی روشنی دکھا کر ان کے ذریعے مطلوبہ نتائج و حقائق تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں یوں یہ کبھی دانستہ اور کبھی نادانستہ ایجنٹی ہوتی ہے، گو کہ یہ بہت پُر پیچ، تہہ بہ تہہ اور لمبی کہانی ہے، لیکن مختصراً اس کو سمجھنے کیلئے اتنا سمجھنا کافی ہے کہ برطانوی استعمار نے جو کالونیز اور نوآبادیات قائم کی تھیں، یا سوویت یونین نے جن ملکوں کو اپنے ملک یا یونین میں ضم کیا تھا، وہاں ایک طرف ان اقوام و ممالک کے حقوق اور دفاع کا بوجھ تھا، تو دوسری طرف ان بڑی طاقتوں کے خلاف آزادی کی تحریکیں بھی چلتی تھیں، چنانچہ امریکہ نے اپنی استعماری بالادستی قائم رکھنے کیلئے فکر و نظر کی جنگ لڑی، نوآبادیات کا یا دوسرے ملکوں کو اپنے ملک میں ضم کرنے کا نہیں سوچا، اس حوالے سے فلسطین کی مثال سامنے ہیں، جہاں عرب عوام کی تحریکاتِ انتفاضہ سے امریکہ اور اسرائیل جان نہیں چھڑا سکتے، بدنامی بھی ہو رہی ہے، گویا فلسطین وہ ہڈی ہے، جو ان کے حلق میں اس طرح پھنسی ہوئی ہے کہ نگلنا و اُگلنا دونوں ہی مشکل ہے، اس لئے امریکی استعمار کے خد و خال بنیادی طور پر یہ تھے اور ہیں کہ بظاہر آپ آزاد اور آپ کا ملک آزاد لیکن چلے گی ہماری"، یعنی طاقت کے مراکز پر گرفت ان کی پالیسی ہے، اگر کہیں کوئی خود" سے اپنی ظاہری آزادی کو ملک و قوم کی حقیقی آزادی سمجھ کر انحراف کرتا ہے، تو اس سے ایسا سبق سکھا دیتے ہیں کہ وہ دو

سرں کیلئے نشانِ عبرت بن جاتا ہے۔اسی لئے امریکی سیاست کے لامحدود مکاتب فکر کی بدولت ان کا طریق واردات ہر کہترومہتر کے سمجھنے کا نہیں ہوتا۔

بہر حال جو بھی ہے، ہر ملک کو اپنے مفادات کے تحفظ کیلئے اس قسم کے اقدامات کرنے پڑتے ہیں، اب ہم مسلم مما لک یا صرف پاکستان اگر دنیا میں با عزت اور با وقار مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں، تو ہمیں اپنے یہاں مدرسہ َدرس کو'' مکتبہِ فکر'' میں تبدیل کرنا ہوگا، نیز مستقل سکولز آف تھاٹ اور تھنک ٹھنیکز قائم کرنے ہوں گے۔میڈیا اور این جی اوز کو بھی قدم بقدم نظریاتی وفکری اساس پر استور کرنا ہوگا،پائیدار حل کیلئے تکفیری عناصر ہوں یا تخریبی، تشکیکی ہوں یا لادینی،سب کو فکر و نظر کی جنگ میں شکست دینی ہوگی، ٹھوس حکمتِ عملی سے ان کے خلاف کام کرنا ہوگا،دلیل و منطق اور فلسفے کی زبان میں مذہب وریاست بیزار لوگوں کو قائل کرنا ہوگا،دیرپا اور حقیقی حلول تلاش کرنے ہوں گے، کہیں کہیں بظاہر ہی سہی،کچھ نہ کچھ ان کی باتوں کا لحاظ کرنا ہوگا،مسائل حل کرنے کے لئے ''کچھ لو اور کچھ دو'' کو سامنے رکھنا ہوگا۔

اکبر نے جب دینِ اکبری کی بنیاد رکھی،اپنا الگ کلمہ متعارف

کرایا، اسلام، ہندومت، سکھ مت اور مجوسیت کا اچار بناکے ایک نئے دھرم کو مسلم بر صغیر میں نافذ کیا، تو مجدد الف ثانی نے جنگ وجدل سے نہیں اپنے مکاتیب سے اس کا ایسا توڑ کیا کہ آج روئے زمین پر دین اکبری کا نام ونشان نہیں ہے۔ اس کے بعد جب یورپ بامِ عروج پر پہنچا، ان سے متاثر ہو کر ہندوستان کے بھی لیل ونہار بدلنے لگے، عقل کے تناظر میں فتنۂ شکوک وشبہات کا دور آیا، دینِ اسلام کے مقاصد پر عقل کا وار ہوا، الحاد وزندقے اور دہریت نے عقل کو بنیاد بناکر اسلامی شرائع واحکام کو خلافِ معقول قرار دلانے کی کوششیں کیں، وحی پر عقل کو جدید معتزلہ ترجیح دینے لگے، تو امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی نے اپنی لازوال تصنیف ''حجۃ اللہ البالغہ'' لکھ کر اس کا وہ توڑ کیا کہ عقل پرست اپنا سا منہ لے کر رہ گئے۔ پھر جب ہندوستاں میں مغربی اقوام کا داخلہ اور تسلط قائم ہوا، مشاہدات اور محسوسات کے تناظر میں فتنۂ تشکیک فی الدین کا ظہور ہوا، جدید سائنس نے عقل کے بجائے حواسِ خمسہ سے دین کی دیواروں کو ہلانا شروع کیا، تو مولانا قاسم نانوتوی اور دیگر تمام اہل حق نے جہاد چھوڑ کر اپنے اپنے مکتبہائے فکر کی بنیادیں رکھ دیں، افسوس اِن ہی مکتبہائے فکر، تھنک ٹینکز اور سکولز آف تھاٹ کو اُن کے پیروکاروں نے فرقوں یا صرف مدرسوں میں بدل دیا، آج پھر سے ہمیں فکر ونظر پر مبنی، حقیقی وتحقیقی مکاتبِ فکر کی ضرورت ہے۔

خطرہ

ایک دو روز قبل اخبارات میں کچھ برطانوی ججز کے حوالے سے یہ خبر چھپی کہ انٹرنیٹ پر فحش مواد مطالعہ کرنے اور دیکھنے کی بناپر ملازمتوں سے انہیں سبکدوش کر دیا گیا اور یہ کہ وہ حضرات ملک میں عدالتوں سے متعلقہ امور کیلئے آئندہ کسی بھی طرح نااہل ہوں گے۔ آزادی اظہار رائے اور مادر پدر آزاد ویب سائٹس و متعلقات کے مطالعے کے ایک علمبردار ملک برطانیہ میں اس قسم کی سزا سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہر رائے، نیز ہر چیز قابل اظہار اور قابل مطالعہ نہیں ہوتی۔ کہیں جا کر کچھ نہ کچھ حدود کا تعین اور پھر اُن حدود کی پاسداری ضروری ہوتی ہے، ورنہ یوں معاشرہ اخلاقی اور سماجی طور پر نہ صرف بے راہ روی بلکہ تعطل کا شکار ہو جائے گا، جہاں کے بھٹکے ہوئے لوگ نہ صرف اپنی ذات کے لئے مضر اور نقصان دہ ہوں گے، بلکہ دوسرے لوگ بھی اس کی اذیت میں مبتلا ہو سکتے ہیں، تاریخ انسانی پر نگاہ ڈالنے سے پتہ چلتا ہے کہ اجتماعی معاشرے کا تصور شروع شروع میں اسی لئے معرضِ وجود میں آیا تھا کہ کچھ مشترکات پر اتفاق کیا جائے اور کچھ منکرات سے بالاتفاق اجتناب و احتراز کیا جائے، ستم ظریفی دیکھئے کہ عقل کے بہت سے پیدل اور کچھ جہالت میں گریجویٹ لوگ پتھر کے زمانے سے طے شدہ اور پتھر پر لکیر کی طرح ان مستحکم معاشرتی اقدار کو آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی پرکاہ کی

حیثیت نہیں دیتے ،اسے دھڑلے سے نظر انداز اور پس انداز کر رہے ہیں، اسی لئے وہ انسان جس کو باری تعالی نے اشرف المخلوقات بنایااور اس کی تکریم و تعظیم کا وحی کے ذریعے اعلان کیا، یہ بے اعتدالی کے شکار لوگ جنہیں قرآن کی اصطلاح میں '' شیاطین الانس '' کہا گیا ہے،انٹرنیٹ پر اسی حضرتِ انسان کی تحقیر وتذلیل کا خطرناک سامان کر رہے ہیں، اگر پاکستان یا کسی اسلامی ملک میں فحش مواد کے دیکھنے پر اس قسم کی سزا ہو جاتی، تو ہمارے یہاں اندرون ملک اور بیرون دنیا کی سول سوسائٹی ، نام نہاد آزادی اظہار رائے اور فرد کی حریت کے ''بابو جی'' قسم کے لوگ آسمان سر پے اٹھا لیتے ، اتنا چیختے اور چلّاتے کہ بے چاری حکومت اپنا فیصلہ واپس لینے پر مجبور ہو جاتی۔

ہمیں تسلیم ہے کہ انٹرنیٹ کے فوائد ومنافع انگنت اور بے شمار ہیں، یہ معلومات کا سمندر ہے، یہاں کاروبار کے مواقع بہت ہیں، اس میں تعلیم اور تعلیمی مواد لا محدود ہیں، اس کے بغیر آج کی دنیا میں چارہ کار نہیں ہے، سہولت کی فراوانی ہے، رابطے میں آسانی ہے، بس ایک '' کلک ''پر آپ کروڑوں لوگوں سے مربوط ہو سکتے ہیں، ان کے خیالات اور افکار وآراء سے استفادہ کر سکتے ہیں، انہیں اپنا پیغام بہت جلد منتقل کر سکتے ہیں، یہاں ہر چیز کی معلومات، تعارف اور مندرجات وتفصیلات چند سیکنڈوں پر ہیں ، اتنی بڑی سہولت سے اب کسی کو روکنا ممکن بھی نہیں رہا اور قرینِ قیاس بھی نہیں ہے، ،لیکن کیا کیجئے گا

جتنی اس کی خوبیاں ہیں،اس سے کہیں زیادہ اس کے ضرر رساں پہلواور نقصانات بھی ہیں، وہ نقصانات فرد کیلئے بھی ہیں ،فیملیوں کیلئے بھی ہیں،عام معاشرے کیلئے بھی ہیں،ملکوں کے لئے بھی ہیں،جسمانی ،روحانی،ظاہری،باطنی،دنیاوی اور اخروی سب طرح کے امراض اور بیماریاں بھی یہاں بے تحاشا ہیں۔

اسی لئے نیٹ صارفین کو اعتدال اور میانہ روی کی راہیں اور نیٹ ٹریفک کنٹرول سسٹم تلاش کرنے کی ضرورت ہے ، کہ انٹرنیٹ کے ان مہلک خطرات سے خود بھی بچاجائے اور دیگراں کو بھی بچایاجائے ،فوائد سمیٹنے اور خسارے سے بچانے کی تدابیر اختیار کی جائیں ،لہٰذاملک دشمن،مذہب دشمن،سماج دشمن اور فرد دشمن مواد سے بچ بچاؤکیلئے والدین،اساتذہ،سرپرستوں ،حکومتوں اور اداروں کے مالکان کو یہ سمجھنے کی ضرورت ہے کہ انٹرنیٹ کے مختلف پروگرام چلانے کیلئے جیسے قسم قسم کے سافٹ ویر ہوتے ہیں اسی طرح ناپسندیدہ اور غیر معقول مواد کو روکنے اورblock کرنے کے بھی کئی سافٹ ویر مارکیٹ میں آچکے ہیں ،مثلاً (1)Net Nanny (2)Cyber sitter (3)Cyber petrol(4) Norton internet security (5) McAfee وغیرہ،اپنے کمپیوٹر میں ان سوفٹ ویر کو انسٹال کرنے کے بعدparental control ان کی سیٹینگ بھی کرنی ہوتی ہے، ممکن ہے اس سے ناپسندیدہ مواد مکمل اور پوری طرح بند نہ ہوجائے ،اس کی وجہ سیٹینگ میں مضمر ہوتی ہے،وہاں کئی آپشنز (options) ہوتے ہیں ، ماہرانہ انداز میں جب انہیں بروئے

کار لایا جاتا ہے، تو تقریباً بندش ہو ہی جاتی ہے۔ جیسے اپنے ماتحتوں، اولادوں اور شاگردوں کو اخلاق واقدار کی تعلیم اور کردار وگفتار کے اعلیٰ سلیقوں سے روشناس کرانا ہم سب کا فرض اولیں ہے، عین اسی طرح انہیں غلط راستوں پر چلنے اور شترِ بے مہار بننے کے تباہ کن اثرات سے واقف کرانا بھی ہم سب کے لئے لازمی اور ضروری ہے، باری تعالیٰ کا خاص تاکید کے ساتھ اہلِ ایمان کے واسطے فرمان ہے: ”اے ایمان والو! بچاؤ اپنے آپ کو اور اپنے اہل (یعنی گھر والوں اور متعلقین) کو ایسی آگ سے، جسمیں بطور ایندھن انسان اور پتھر استعمال ہوں گے۔اُس پر ایسے بڑے بڑے طاقتور فرشتے مقرر ہوں گے جو اللہ کے حکموں کی نافرمانی نہیں کرتے اور جو بھی انہیں حکم ہوتا ہے، کر گزرتے ہیں، (اُس دن جب نافرمان قسم کے لوگ مختلف اعذار اور بہانے تراش کر پیش کریں گے، تو یہ بھی اعلان کیا جائے گا): اے کافرو! مت بہانے بناؤ آج کے دن، تم وہی بدلہ پاؤگے جو کچھ آپ ماضی میں کرتے تھے“۔ (سورۃ التحریم، 7،6)۔

حضرتِ عبداللہ بن عمرؓ سے آپ ﷺ کا ارشاد منقول ہے: ”خبردار، تم میں سے ہر ایک چرواہا ہے اور ہر ایک سے اس کے ریوڑ کے متعلق سوال جواب ہوگا، پس حکمراں چرواہا ہے، اس سے اپنی رعایا کے حوالے سے پوچھ گچھ ہوگی، مرد اپنے گھر میں چرواہا ہے اس سے اپنے اہل خانہ کے بارے میں تفتیش ہوگی، خاتون چرواہن ہے اس سے شوہر کی گھریلو امانتوں اور اولاد کے حق میں باز پرس ہوگی، غلام چرواہا

ہے،اس سے اپنے آقاکے مال ومتاع کے مسؤلیت ہوگی، خبردا، پس تم میں سے ہر کوئی چرواہاہے اوراس سے اپنی رعایاکے متعلق سے جوابدہی ہوگی"، (متفق علیہ)۔

اللہ معاف فرمائے ،انٹرنیٹ کے حوالے سے نہ صرف مذکورہ بالا مسائل ومشکلات ہیں بلکہ ذاتی اور شخصی کے علاہ ادارہ جاتی، ملکی رازوں کی چوری بھی بہت بڑامسئلہ ہے، یاد، رکھیں، لیپ ٹاپئر،ٹی وی سکرینیں ، موبائل سیٹس اور سمیں جاسوسی کیلئے بھی استعمال ہوتی ہیں ،بڑے بڑے ہوٹل اور حساس علاقے بھی ہر طرف اندرون وبیرون کیمروں کے زد میں ہوتے ہیں ،دور درازسے بھی بعض کیمرے دوربینوں کی طرح فوکس کی ہوئی چیز کو قریب بالکل آنکھوں کے سامنے لا سکتے ہیں ، لیکن ان تمام میں سب سے بڑا خطرہ اس وقت ہماری نئی نسل کو انٹرنیٹ پہ بڑے پیانے سے دستیاب فحش مواد، مخربِ عقل ودانش مضامین ،ملک وملت کے لئے تباہ کن فلموں اورلیٹریچر کا ہے،ہماری نا تجربہ کار سرکاری اورنیم سرکاری اداروں کو اپنے ڈیٹا کی حفاظت کا بھی یہی مسئلہ ہے۔بہرکیف، سڑکوں پر سفرکے دوران جس طرح آتشگیر مادہ کے حامل ٹرکوں سے آپ دورہی رہنے کی کوشش کرتے ہیں، بالکل اسی طرح یہاں بھی سفر جاری رکھتے ہوئے آتشگیر اورزہریلا مواد سے احتیاط کیجئے، کیونکہ آگے "خطرہ" ہے۔

روحوں کی التجائیں

پی سی ہوٹل پشاور میں 18 مارچ کو آئی سی آر سی کی دعوت پر ''اسلام میں لاشوں کا احترام'' کے موضوع پر خطاب کا موقع ملا۔ رفاہی اداروں کے سرکردہ رجالِ کار کے علاوہ دیگر چنیدہ شخصیات بھی ہال میں محفلِ سامعین وسامعات کو رونق بخش رہی تھیں، ہم نے ڈیڈ باڈیز کے حوالے سے اپنی گذارشات کے ساتھ ساتھ آخر میں زندہ لوگوں پر فوت ہونے والوں کی روحوں کے حقوق پر بھی کچھ باتیں عرض کیں ۔مثلاً، میت کو غسل دینا، خوشبو لگانا ، کفن پہنانا، جنازہ میں میں شریک ہونا، قبر کھودنا، میت کے ساتھ قبر تک جانا، دفن کرنا،اعزہ واقرباء کا عام لوگوں کے چلے جانے کے بعد قبر کے پاس تھوڑی دیر کے لئے رک جانا، حفاظتِ قبر کے لئے مناسب تدابیر اختیار کرنا، یہ معاملات تو بطورِ فرض کفایہ لازمی ہیں ہی ، لیکن ان کے علاوہ بھی اپنے اموات ، عامۃ المسلمین اور بلا تفریق مقابر کے تمام باسیوں کیلئے دعائیں کرنا، استرحام واستغفار کرنا،ایصال ثواب کرنا ، ان کے حق میں صدقہ کرنا ، پس ماندگان کے لئے تین دن یا کم از کم تین وقت کھانے کا اہتمام کرنا،اُن کی تعزیت کرنا ،انہیں صبر کی تلقین کرنا،انہیں تسلی اور حوصلہ دینا،ان کی ہمت بڑھانا، وقتاً فوقتاً شروع میں ان کے پاس بیٹھ کر ان کی تنہائی دور کرنا،ان کی اولادوں کی صحیح پرورش کرنا ،ان کی خیر خواہی

کرنا، ان کے املاک، جائداد، آبروؤں اور عزتوں کی حفاظت کرنا، میت کے عیوب اور برائیاں بیان کرنے سے پرہیز کرنا، اگر ترکے میں بیوہ یا بوڑھے ماں باپ ہوں، تو ان کی دیکھ بھال کرنا، اگر قرضہ ہو، اس کی ادائیگی کرنا، ان کی جائز وصیتوں کو پورا کرنا، ان کے کئے ہوئے وعدوں اور معاہدات کی پاسداری اور ایفاء کرنا، ان کے دوستوں اور محبان کا خیال کرنا، ان دوستوں اور متعلقین سے گذرے ہوئے اپنے پیاروں کے طرز پر حسن سلوک کرنا، اگر فوت ہونے والے اساتذہ و مشائخ ہوں، تو ان کے نظریات وافکار کی۔بشرط صحیح ہونے۔ نشر واشاعت کرنا، گویا معاشرے کے لئے جو مفید اور نفع بخش چیزیں ہوں، ان کے اس مشن کو آگے کی طرف بڑھانا، اسے تقویت دینااور پروان چڑھانا، اگر وہ اداروں یا حکومتوں اور سیاست، ادارات اور انتظام میں کسی کے بڑے، بوس اور پیش پیش رہے ہوں، تو ماتحتوں کے لئے ضروری ہے، پسِ مرگ ان کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرکے ان کے لگائے گئے نظریاتی پودوں کی آبیاری کرنا، گلشن کی تعمیر کرنا، اسے ترقی دینا، ان کے قبروں پر جاکر ان کے لئے فاتحہ خوانی کرنا، ان کی قبروں اور عام قبرستانوں کو بے حرمتی سے بچانا، ان کے مزارات پر اخلاقی اور شرعی منکرات و قباحتوں کا سدّباب کرنا، کفن چوروں اور مردہ خوروں کے دست بُرد سے قبروں کی حفاظت کرنا، گذرنے والا جنازہ مسلم یا غیر مسلم کسی کا بھی ہو، اس کے لئے اپنی جگہ سے احتراماً کھڑے ہونا، مردوں کو گالیاں دینے سے اپنامنہ بند رکھنا، بلا ضرورتِ شدیدہ ان پر جرح و تنقید نہ کرنا، ایسی حرکتوں سے گریز

کرنا جن سے گذرے ہوؤں پر بھی لوگوں کو طعن و تشنیع کا موقع ملے، اگر آپ کے لئے نمونہ، آئیڈیل اور ماڈل اولیاء صلحاء اور انبیاء علیہم السلام ہوں، تو ان کے صحیح سلامت پیغام کی ترویج کرنا، اس کے لئے دامے درمے سخنے اپنی بساط کے مطابق مقدور بھر کوششیں کرنا، والدین کے لئے صدقات، دعاؤں اور خیراتوں کا سلسلہ جاری رکھنا، آپ ﷺ کے جنت البقیع، جنت المعلیٰ اور شہدائے احد کے مزاروں پے تشریف لے جانے کے تناظر میں جمعہ جمعہ اپنوں کی قبور پر جانا، آباء واجداد کی محبتوں کا لحاظ اور پاس رکھنا، ایصالِ ثواب کے واسطے ایسے دیرپا خیراتی منصوبے اختیار کرنا، جن سے لوگ قیامت تک یا مدتِ دراز تک استفادہ کر سکتے ہوں، اگر وہ آپ کے سیٹھ ہوں یا آپ ان کے سیٹھ ہوں تو پس ماندگان کے احوال کا حسبِ استطاعت پرسانِ حال کرنا، ان سے مالی، بدنی اور اخلاقی تعاون کرنا، انہیں اپنے پاس بلانا یا ان کی خدمتوں میں برابر حاضری دینا۔ یہ اور اس کی طرح مرنے والوں کے زندوں پر بہت سے حقوق، فرائض او رواجبات ہیں، کچھ ان میں سے آداب و مستحبات بھی ہیں، ان میں سے تقسیمِ میراث میں شریعت کے احکام کے مطابق اپنا کردار ادا کرنا، یہ ان حقوق میں سے " اوجب الواجبات " حق ہے، خاص کر بدبختی اور بدنیتی کی بنا پر خواتین میں سے ماؤں، بہنوں او ربچیوں کو ہمارے معاشرے میں عام طور پر میراث سے محروم کیا جاتا ہے، جو گناہ کبیرہ اور صریحاً ظلم وزیادتی ہے، جس کی نحوست اور شامت میت کے گھرانے اور وہاں اصحابِ کردار تمام لوگوں پر پڑتی ہے، افسوس..... صد

افسوس، مردانگی کی ایک نامعقول سطح یہ بھی ہے، جس کی وجہ سے بے چاری خواتین ساری زندگی روتی ہیں اور مردوں کے اس معاشرے میں پہلے سے دبی ہوئیں مردوں کی یک دم دست نگر بن کر مزید غلامی در غلامی کی زندگی گذارنے پر مجبور ہوتی ہیں۔ مرد ہیں، بہادر ہیں، غیرتی ہیں، تو اپنے جیسے برابر کے مردوں کے حقوق دبا کر دکھائیں، کمزوروں اور صنف نازک خصوصاً اپنی رشتے دار عورتوں پر ظلم جوانمرد کو قطعاً زیب نہیں دیتا، اسی لئے بعض بزرگ اور اللہ والے ایسے گھروں میں دعوت کھانے نیز ایسے لوگوں کے عطایا وہدایا ناجائز قرار دے کر قبول کرنے سے اجتناب کرتے ہیں،، گذشتہ سالوں پارلیمنٹ نے اس حوالے سے ایک بل بھی پاس کیا تھا، سعودیہ میں ان امور کے نفاذ کے لئے پچھلے دنوں ایک باقاعدہ ”حقوق الاَموات کمیشن“ قائم کر دیا گیا ہے، ہمارے یہاں ایک تنظیم ” تحریکِ احیائے میراث پاکستان“ اس حوالے سے کام کر رہی ہے، لیکن پھر بھی مسئلہ جوں کا توں ہے، اس جانب میں کوتاہی بہت ہو رہی ہے، حقوق اللہ توجب بھی اللہ پاک چاہیں گے، معاف کر دینگے، وہ رحیم و کریم ہیں، مگر یہ حقوق العباد ہیں، جو شہداء کو بھی معاف نہیں ہوتے، چہ جائیکہ عام انسانوں کو معاف ہوجائیں۔ ”جہانِ پاکستان“ کے ان صفحات کے توسط سے ہم گذارش کرینگے کہ اللہ ورسول ﷺ کے واسطے، یتیموں اور صنف نازک کے میراث میں حقوق کی انتہائی نگہداشت کی جائے، اس میں ہرگز کوتاہی نہ برتی جائے، یہ بڑی تباہی کی موجب بنتی ہے، ہمارے اپنے گھر میں اور کچھ جاننے والوں میں ہم نے دیکھا کہ میراث کی تقسیم جب صحیح معنوں میں

ہوئی اور بالخصوص خواتین کے حقوق کامل طریقے سے دیئے گئے، تو اللہ رب العزت نے ''اضعافًا مضاعفہ'' برکتوں سے ایسے نوازا کہ جس کا تصور بھی نہ تھا۔ اللہ تعالیٰ کی پاس سب کچھ کے بڑے بڑے خزائن ہیں، جن میں کمی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احکام بجا لانا اور شریعت کی پابندی بالخصوص حقوق العباد میں کوتاہی سے بچنے پر باری تعالیٰ کی رحمت جوش میں آتی ہے، پھر مانگ کر اور بن مانگے بھی بہت کچھ وہ اپنی بارگاہ سے عطا کرتے ہیں، وہ دینے پے آتے ہیں، تو چھپر پھاڑ کے دیدیتے ہیں، لہٰذا رحمتوں کا طالب اور متلاشی بننا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ کے عائد کردہ حقوق اور فرامین کو نظر انداز کرکے اُن کے غضب کو دعوت نہیں دی جانی چاہیئے۔ اپنے آپ اور اپنی آنی والی نسلوں کو رسوا نہیں کرنا چاہیئے، کیونکہ اللہ کی پکڑ بھی سخت ہوتی ہے۔ ایسے لوگ نشانِ عبرت بن جاتے ہیں، بعد میں کفِ افسوس ملنے اور ندامت وپشیمانی سے کچھ ہاتھ نہیں آتا اور کوئی فائدہ نہیں ہوتا۔ بروقت اپنے فرائض کی ادائیگی سے عہدہ براں ہونا ایک سلیم الطبع آدمی کی پہچان ہوتی ہے۔ اس فانی دنیا میں اپنی سلامتِ طبع کا ثبوت دینا چاہیئے، ورنہ کل قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اور اپنے ان پیاروں کو کیا منہ دکھائیں گے۔ حوضِ کوثر پر اپنے پیارے حبیب ﷺ سے کیسے سامنا کریں گے۔ اللہ پاک کو روز محشر کیا جواب دینگے۔

کس منہ سے کعبہ جاؤگے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

وزاراتِ عُلیاکے دور میں جناب اکرم خان درانی سے ہم نے کہا تھا،طالبان کے امیر المؤمنین مّلا عمر سے بھی گذارش کی تھی کہ پختونوں میں نظامِ میراث قائم کریں،شاید انہیں اللہ اپنے فضل وکرم سے ہمیشہ کی جنگوں اور لڑائیوں سے نجات دیں،نواز شریف اور مولانا فضل الرحمٰن بھی اللہ کرے ،کچھ اس طرف توجہ دیں،بہر کیف خرد مندی اور عقلمندی کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ دنیا بھی تباہ اور آخرت بھی برباد کی جائے ، بلکہ ان دونوں کو صحیح خطوط پر سنوارنا مطلوب ، مقصود، محمود اور مامور ہے،سننے اور دیکھنے کی سکت ہو،تو ہمارے اور آپ کے پیاروں کی روحیں مذکورہ امور کے لئے ہم اور آپ سے ہمہ وقت التجائیں کررہی ہیں۔

جدید سیاسیات میں فلسفے کی ضرورت ؟

موجودہ دور میں حکمرانی کا وہ تصور نہیں رہا جو ماضیِ بعید میں ہوا کرتا تھا،جب ایک بادشاہ کی ذات کے ارد گرد تمام سیاسیات گھومتی تھیں ، وہی عقل کُل ،وہی حاکم ، وہی سیاستداں ،وہی قاضی اور وہی جرنیل ،اب عدلیہ، مقننہ اور انتظامیہ تین بڑے شعبے ایک دوسرے سے آزاد لیکن باہم مربوط انداز میں کام کرتے ہیں ،پھر بھی کہیں عدلیہ ،کہیں مقننہ ، کہیں انتظامیہ پاور فل نظر آتی ہیں ،میڈیا نے بھی ایک ستون کی حیثیت حاصل کرلی ہے ، سیکورٹی فورسز،انٹیلی جنس ادارے ، بیوروکریسی اور اسٹبلیشمنٹ کی اپنی دنیا ہے ،صوبے اندرونی خود مختار علاقے اور لوکل گورنمنٹس میں انتظامی ، قانونی اور انتظامی ڈھانچے س کے علاوہ ہیں ، اوپر ملٹی نیشنل کمپنیاں ،ادارے ،تنظیمات ،اقوام متحدہ اور ورلڈ بینک وغیرہ اس پر مستزاد ہیں ، گوکہ بظاہر ممالک اور حکومتیں آزاد نظر آتی ہیں ، لیکن وہ بین الاقوامی حدود وقیود میں جکھڑی ہوتی ہیں ، ایسے میں عملی سیاست ایک مشکل مضمون بن گیا ہے ، جس کے لطائف ودقائق سمجھنے کے لئے فلسفے کی دانش بھی ضروری ہے ، فلسفے کی جو تعریفیں کی گئی ہیں ،ان میں سب سے جامع تعریف یہ ہے :" التفکیر فی التفکیر " یعنی افکار و نظریات میں غور وفکر۔ فلسفے کی تین قسمیں ہیں ،ان میں سے پہلی دونوں نظری ہیں۔ مشائیہ ،اشراقیہ اور عملیہ ، مشائین عقل

وادراک کے تناظر میں فکر ونظر کی تحقیق کرتے ہیں، اشراقیین مراقبے اور ریاضتیں کرکے مکاشفات والھامات سے استفادہ کرتے ہیں، چنانچہ قدیم یونانی مناطقہ، متکلمین فلاسفر اور اسلام میں باطنیہ مشائین ہیں۔ ہند کے قدیم فلسفی، نیز عام اسلامی صوفیاء، اشراقیین کے زمرے میں آتے ہیں۔ تیسری قسم اسلام میں ظاہریہ، یورپین اور دور جدید کے اکثر فیلسوف جو اشیاء میں ظاہری یا معنوی جوڑ توڑ کرکے نئ ایجادات کرتے رہتے ہیں، اسے عملی یا ظاہری فلسفہ کہا جا سکتا ہے، ہمارے پاس اس وقت ان تینوں فلسفوں میں بحیثیت فلاسفہ قحط الرجال ہے، امہ میں او آئی سی کی بنیاد بطور تھنک ٹینک اسی لئے رکھی گئی تھی، وہ مگر ''عنقا'' پرندے کی طرح ہے، جس کا نام ہے اور وجود ندارد۔

دین کا تعلق عشق سے ہوتا ہے کہ باری تعالی سے جذباتی تعلق ہو، اسی لئے دین عمومی طور پر قلوب اور دلوں کو مخاطب کرتا ہے، دین میں روحانیت اور نظام کی جامعیت ہے پیغمبر اس کا عملی نمونہ ہے، جبکہ فلسفے کا تعلق دماغی فکر و نظر سے ہے، نیز دینی احکام قطعی، اور یقینی ہوتے ہیں، جن میں احتمالِ خطاً نہیں ہوتا، فلسفے میں سفسطے اور اغلوطے کی بناء پر احتمالِ خطاً بہت ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ دینی احکام کے پیامبر کبھی سرگرداں وپریشاں فکر نہیں ہوتے، جبکہ فلاسفہ شعراء کی طرح ہمیشہ سرگرداں ہوتے ہیں، خیالات پر عمارت کھڑی کی ہوتی ہے، جہاں صدیوں میں بڑی مشکل سے کوئی ایک فلسفی اپنے بعض افکار میں

حقائق تک رسائی حاصل کرتا ہے، لیکن بزعمِ خویش ہر کوئی اپنے کو افلاطون سمجھتا ہے، علامہ اقبال مرحوم نے اسی لئے تو کہا ہے :

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے ۔۔ بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

حضراتِ انبیائے کرام علیہم الصلاۃ والسلام اسی لئے عقلی دلائل کے بجائے معجزات سے اپنے زمانے کے لوگوں کو قائل کرتے ہیں، وہ فنافی اللہ ہوتے ہیں ، عشقِ الٰہی میں وہ ظاہری اسباب کی پرواہ نہیں کرتے ،انہیں اپنے رب کے احکامات پر قلبی تیقّن، سکون ، اور اطمینان ہوتا ہے

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھئے :

بے خطر کود پڑا آتشِ نمرود میں عشق ۔ عقل ہے محوِ تماشائے لبِ بام ابھی ۔

بے عملی کی زندگی ہو ، اللہ رسول ﷺ سے عشق نہ ہو اور دعوے مشیخت اور دانائی وحکمت کے ہوں ، ایسوں کے متعلق اقبال نے کہا :

خرد نے کہہ بھی دیا لاالٰہ ،تو کیا حاصل ۔ دل و نگاہ مسلماں نہیں، تو کچھ بھی نہیں ۔

مردِ خدا کا عمل ، عشق سے صاحبِ فروغ ۔ عشق ہے اصلِ حیات ، موت ہے اس پر حرام

عشق دمِ جبرئیل ، عشق دمِ مصطفیٰ ۔ عشق خدا کا رسول ، عشق خدا کا کلام

عشق کے تقویم میں عصر رواں کے سوا ۔ اور زمانے بھی ہیں ، جن کا نہیں کوئی نام

عقل عیار ہے ، سو بھیس بدل لیتی ہے ۔ عشق بے چارہ ، نہ مّلا ہے نہ زاہد نہ حکیم

تازہ میرے ضمیر پر معرکۂ کہن ہوا ۔ عشق تمام مصطفیٰ ، عقل تمام بولہب

اقبال کے اس کلام سے ہر گز یہ نہ سمجھا جائے کہ وہ جہاں بانی میں عقل وخرد کو یکسر مسترد کررہے ہیں ،ایسا نہیں ہے ، بلکہ وہ امامِ غزالی اور شاہ ولی اللہ کے مانند یہ کہنا چاہتے ہیں کہ یہی دونوں ارتقا کی چوٹیوں پر ہیں ، بس الٰہیات میں وہ عقل کے بجائے عشق کو اس سے بلند وبرتر سمجھتے ہیں ،اسی سے کام لینے کا مشورہ دے رہے ہیں ، جس کی ایک جست سے سارا قصہ تمام ہو جاتا ہے ، یعنی جس فاصلے کو انسان لامحدود وبیکراں سمجھتا ہے ، عشق ایک ہی چھلانگ میں وہاں اسے عبور کرا دیتا ہے ، یاد رہے یہ ساری باتیں عشق حقیقی کی ہو رہی ہیں ، عشق مجازی یا عشق کاذب میں یہ صفات نہیں ہیں عشق مجازی کا تعلق زیادہ تر بصارت سے ہوتا ہے جبکہ عشق حقیقی کا تعلق بصیرت ، وادراک سے ہوتا ہے ،اقبال کا ارشاد ہے :

عالم ہے فقط مؤمن جانباز کی میراث ۔ مؤمن نہیں جو صاحب ادراک نہیں ہے

کوئی اندازہ کرسکتا ہے اس کے زورِ بازو کا۔ نگاہ مردِ مؤمن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں اقبالیات کے بہت سے ماہرین یہاں ''مردِ مؤمن'' سے کبھی اس بارے میں مولانائے روم کا تخیل مراد لیتے ہیں، کبھی مشکوَیہ کا، کبھی عبدالکریم الجیلی کا، اور کبھی جرمن فلاسفر نطشے کے ''سپرمین'' کا، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اقبال کا یہ تخیل قرآن وسنت کی تعلیمات سے مستعار ہے، کہیں اور سے نہیں، کیونکہ ان کا اس حوالے سے بہت عمیق اور وسیع وعریض مطالعہ تھا، اقبال اولاً عاشق ثانیاً فلسفی تھے،آج لوگ شیطان کی طرح پہلے فلسفی پھر عشق کا دعوا کرتے ہیں، بہرحال وہ خود ہی اپنے اس تخیل کی تعریف یوں کرتے ہیں :

اس کی امیدیں قلیل ،اس کے مقاصد جلیل
اسکی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز
نرم دمِ گفتگو، گرم دمِ جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل وپاکباز
ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق وباطل ہو تو فولاد ہے مؤمن
جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفان

ہر لحظہ ہے مؤمن کی نئی شان نئی آن
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان
قہاری وغفاری وقدوسی وجبروت
یہ چار عناصر ہوں تو بنتا ہے مسلمان

پاکستان میں ''اسلامی نظریاتی کونسل''بنیادی طور پر امریکن ''رینڈ کارپوریشن'' کے طرز کا ایک ادارہ تھا،جہاں ماضی میں بد قسمتی سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن اور خالد مسعود جیسے دین پر دنیاوی مفادات کو اور عشق پر عقلِ محض کو ترجیح دینے والے نام نہاد مفکرین براجمان رہے، جنھوں نے ادارے کی روح کو بری طرح مجروح کیا، فقہی پہیلیوں میں اسے الجھائے رکھا، نتیجہ یہ ہوا کہ اب اس موقرادارے کو اپنے قبلے تک کی صحیح معلومات نہیں ہیں،اللہ کرے موجودہ چیئرمین شیرانی صاحب کچھ کر جائے، ہونا یہ چاہئے کہ عقل کو نقل کے تابع کیا جائے ۔ نظریاتی فلسفے کو یقینیاتِ دین کا خادم بنایا جائے ۔ قیادت ، سیادت اور سیاست کے سپرمین حضرات میں مردِ مؤمن کی نگاہِ عشق ہو اور ان کے اِتباع میں چلنے والے ادارے اور رجالِ کار جدید سیاسیات کی جدید فلسفوں اور نظریوں سے مقارنہ کرکے نچوڑ اس کے سامنے پیش کیا کریں ، اس کی نگاہِ انتخاب جہاں ٹھہرے اس پر عمل درآمد ہو ۔ ملک وملت کے لئے 23 مارچ 1940 کو جو واضح نصب العین دیا گیا تھا،اسی کو ہمیشہ کے لئے روڈ میپ سمجھا جائے ،خامخواہ کے

جدلیاتی مباحث میں طے شدہ امور کو بار بار نہ ڈالا جائے، کلیات کا تعین پہلے سے ہو، جزئیات طے کرنے کیلئے زمان ومکان کی ضرورتوں کو مد نظر رکھا جائے، فلسفے اور نظرئے کے ساتھ ملک وملت کے خلاف دشمنوں کی سازشوں پر بھی گہری اورتاریخی نگاہ ہو، اگر ایسا ہوجائے، تو عین ممکن ہے کہ ہمارا یہ ملکِ خداد ''اسلامی جمہویہ پاکستان'' اور عالم اسلام تیز ترترقی کی راہوں پر گامزن ہوں۔

اولاد کی تربیت

قومیں تعلیم وتربیت سے بنتی ہیں،ترقی یافتہ اقوام کے ارتقاء کا راز ان کی تعلیمی پالیسیوں، تعلیمی کارکردگی اور ان کی دانش گاہوں میں فکر و نظر کی نشأو نما میں مضمر اور پنہاں ہوتا ہے،اعلی تعلیم کی بنیادیں بھی ابتدائی تعلیم وتربیت سے منسلک ہوتی ہیں،مادیت کے اس پُرفتن دور میں والدین وسرپرستان بچوں کی تعلیم وتربیت کو نظر انداز کررہے ہیں،اساتذہ اسے مشن کے بجائے پیشہ سمجھ کر تعلیم دے رہے ہوتے ہیں،بعض سکولوں کے مالکان اورکچھ مہتممانِ مدارس بھی نظریاتی جنگوں اور تہذیبوں کے تصادم والے اس زمانے میں نونہالانِ قوم کی کماحقہ اور صحیح پرورش کے بجائے تعداد کے اضافے پر نگاہ رکھتے ہیں، اسی لئے اخلاق اور مذہب سے بچے بے گانہ بنتے جارہے ہیں،پھرہمارے یہاں شرح خواندگی پہلے ہی بہت کم ہے، اوپر سے بقول فاروق قیصر ملکی تعلیمی ادارے افریقی ممالک سے بھی تباہی وپس ماندگی میں آگے بڑھ کر کرپشن میں پہلی پوزیشن پر ہیں،وزرائے تعلیم ایسے جاہل کہ جن کو سورہ فاتحہ اور سورہ اخلاص تک یاد نہیں، یہ صورتِ احوال کسی المیے سے ہرگز کم نہیں،دینی مدرسوں میں عربی (فی، مافی) اور عصری سکولوں میں انگریزی (یس،اوکے) کے سوا کسی کو نہیں آتی،معیشت اوراقتصادیات، جن کی بنیادیں حساب وریاضی پر استوار ہیں،ان میں ہماری حالت بہت کمزور ہے،بیرون

دنیا میں ہر کوئی اپنے لختہائے جگر کو بھیجنے کی سکت نہیں رکھتے اور جنھوں نے بھیجے ہیں،ان کی اخلاقی اور معاشی رپورٹیں دیکھ سن کر رونگٹے کھڑے ہوجاتے ہیں، خصوصاً بچیوں کے حوالے سے مسئلہ بہت نازک وسنگین ہے، پھر معمارانِ وطن وقوم کا معاملہ ہے،.ہروقت اسے نہایت سنجیدگی سے لینے کی ضرورت ہے،دوروز قبل اس موضوع کے متعلق وفاق المدارس العربیہ پاکستان کے صدر شیخ سلیم اللہ خان صاحب سے ہماری تفصیلی ملاقات بھی ہوئی، طلبہ میں استعداد وصلاحیت بڑھانے کے لئے وہ انتہائی متفکر تھے، نیز پچھلے دنوں دارِ ارقم فاؤنڈیشن کے تحت تقسیم انعامات کا پروگرام تھا، جہاں راقم کومدعو کیاگیا،اساتذہ اور والدین بطور خاص بلائے گئے تھے، تعلیم وتربیت کی اہمیت پرزور دینے اور نگاہ مرکوز رکھنے کے لئے کتاب وسنت کے علاوہ جن مشاہیر کے فرمودات ان کے سامنے اس وقت عرض کئے گئے ،افادۂ عام کے لئے ان میں سے کچھ اقتباسات یہاں گرانقدر ناظرین کی خدمت میں پیش ہیں :

۱۔امام غزالیؒ : بچوں کی تعلیم وتربیت انتہائی اہم امر ہے ،بچے والدین کے پاس امانت ہیں ،ان کا صاف دل ایسا سادہ اور پاکیزہ جوہر ہے ،جو ہر نقش ونگار سے پاک ہے اور ہر نقش کے قابل ہے ، جس طرف اسے مائل کریں ، اسی طرف جھک جائے گا، اگر اسے نیکی اور اچھائی کا عادی بنایا اور تعلیم دی گئی، تواس پر پرورش پائے گااور یوں دنیا وآخرت میں کامیابی وکامرانی اس کے قدم چومے گی ، اسے ملنے والے اجر وثواب میں والدین ، معلم اور ہر مؤدب شریک ہوگا، اگر

اسے شر کی تعلیم دی گئی اور چوپایوں کی طرح بے کار چھوڑ اگیا تو ناکامی اس کا مقدر رہے گی اور ہلاکت اس کا نصیب ،اس گناہ میں بچے کے نگران اور سرپرست دونوں شریک ہوں گے ۔ (اتحاف السادۃ المتقین ،ریاض النفس وتھذیب الاخلاق : ۸،۶۷۹)۔

۲۔حضرت شیخ الہندؒ نے مالٹا جیل سے واپس آنے کے بعد فرمایا: میں نے جہاں تک جیل کی تنہائیوں میں اس پر غور کیا کہ پوری دنیا میں مسلمان دینی اور دنیوی ہر حیثیت سے کیوں تباہ ہورہے ہیں، تو اس کے دو سبب معلوم ہوئے : ۱: قرآن کریم کو چھوڑ دینا۔ ۲: آپس کے اختلافات اور خانہ جنگی ۔اس لئے میں وہیں سے یہ عزم لے کر آیا ہوں کہ اپنی باقی زندگی اس کام میں صرف کروں کہ قرآن کریم کو لفظاً اور معنیً عام کیا جائے ، بچوں کے لئے لفظی تعلیم کے مکاتب ہر بستی میں قائم کیے جائیں ،بڑوں کو عوامی درس قرآن کی صورت میں اس کے معانی سے روشناس کرایا جائے ، قرآنی تعلیمات پر عمل کے لئے آمادہ کیا جائے اور مسلمانوں کے باہمی جنگ وجدال کو کسی قیمت پر برداشت نہ کیا جائے (وحدت امت : ص ۴۰)۔

۳۔علامہ اقبالؒ : ان مکتبوں (مدرسوں) کو اسی حالت میں رہنے دو، غریب مسلمانوں کے بچوں کو ان ہی مکتبوں میں پڑھنے دو ،اگر یہ ملا اور درویش نہ

رہے، تو جانتے ہو کیا ہوگا؟ جو کچھ ہوگا، میں اسے اپنی آنکھوں سے دیکھ آیا ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمان ان مکتبوں کے اثر سے محروم ہوگئے، تو بالکل اسی طرح ہوگا جس طرح اسپین میں مسلمانوں کی آٹھ سو برس کی حکومت کے باوجود آج غرناطہ اور قرطبہ کے کھنڈر اور قصر الحمراء کے سوا اسلام کے پیروؤں اور اسلامی تہذیب کے آثار کا کوئی نقش نہیں ملتا، ہندوستان میں بھی تاج محل اور دہلی کے لال قلعہ کے سوا مسلمانوں کی تہذیب کا کوئی نشان نہیں ملے گا۔ (خون بہا ۱۹۴۲ء)۔

۴۔ مولانا محمد میاںؒ: قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کے ارشادات مبارکہ نے جو ہمارا فرض مقرر کیا ہے، اس کے ادا کرنے کی سب سے اچھی صورت تو یہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کو خود پڑھائیں، اسلام کے احکام اور اس کے بتائے ہوئے آداب کے خود بھی پابند اور عادی ہوں اور بچوں کو بھی پابند اور عادی بنائیں، اس طرح ہم خود اچھے اور پکے مسلمان ہو جائیں گے اور ہمیں دیکھ کر ہماری اولاد بھی اچھائی اور بھلائی کے سانچے میں ڈھلے گی۔ ہمیں صرف پرورش کا ثواب نہیں ملے گا، بلکہ اخلاقی اور روحانی تربیت کا ثواب بھی ہمارے نامۂ اعمال کی زینت بنے گا اور جس طرح ہمارے نیک اعمال ہمارے لئے سرمایۂ آخرت ہوں گے، ہمارے بتائے ہوئے نیک کاموں پر جب تک ہمارے بچے عمل کرتے رہیں گے، جتنا ثواب ان کو ملے گا، اسی کے برابر ثواب ہمارے لئے بھی ذخیرہ سعادت بنتا رہے گا۔ بے شک

ہماری دلی آرزو رہتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ قیمتی عطیہ اپنی اولاد کو دیں اور جب اس دنیا سے رخصت ہوں، تو ان کے لئے دولت کے انبار چھوڑ کر جائیں، مگر ہمیں کبھی بھی یہ بات نہیں بھولنی چاہیئے کہ ہمارے رسول رحمۃ للعالمین ﷺ جو دنیا وآخرت کے بھیدوں سے واقف اور اپنی امت کے لئے رؤف ورحیم تھے، آپ ﷺ کی مشفقانہ وصیت یہ ہے: ''مانحل والدٌ ولداً من نحلٍ افضلَ من ادب حسن'' یعنی کسی باپ نے اپنی اولاد کو اچھی تعلیم وتربیت سے بہتر کوئی تحفہ نہیں دیا۔ (ترمذی، حدیث: ۱۹۵۲)۔ پس ہماری یہ تعلیم وتربیت، اپنی اولاد کے لئے بہترین عطیہ، سب سے زیادہ قیمتی ترکہ اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے والی بہت زیادہ جائیداد اور جاگیر ہوگی۔ ہر گاؤں بستی محلے میں ایک دو قرآن کریم پڑھنے والے دین دار افراد ہوتے ہی ہیں، اگر ایسے تمام افراد اپنی تفریح یا آرام کرنے کے وقت میں سے صبح یا شام کا صرف ایک ڈیڑھ گھنٹہ بچوں کی تعلیم وتربیت کے لئے مخصوص کرلیں اور کچھ آگے بڑھ کر اپنے بچوں کے ساتھ پڑوس کے بچوں کو بھی تعلیم وتربیت کے حلقے میں شامل کرلیں تو اس طرح ہر لکھے پڑھے مسلمان کا گھر تعلیم دین کا مکتب اور تربیت گاہ بن جائے گا اور بغیر پیسہ خرچ کئے مفت میں وہ کام ہو جائے گا جس کے لئے کروڑوں اربوں روپے کی ضرورت ہے۔ (طریقۂ تعلیم، ص ۲۳، ۲۴، ۲۵)۔

۵۔۔ مولانا اشرف علی تھانویؒ: سب سے پہلے مسلمان بچے کو قرآن کریم پڑھانا

چاہیئے، ضروریات دین کی تعلیم ہونی چاہیے، خواہ اردو میں ہو یا عربی میں، مگر انگریزی سے قبل ہو، یہ مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ آنکھ کھلتے ہی ان کو انگریزی میں لگادیا جائے، اول تو قرآن شریف پڑھاؤ۔ (تحفۃ العلماء : ۵۲،۵۳)۔

۶۔ قاری محمد طیب قاسمیؒ : ۱۸۵۷ء کے انقلاب کے بعد بھی اکابر امت اور نبض شناسانِ قوم کی یہی اعلی ترین سیاست تھی کہ وہ جابجا دینی مدارس قائم کرتے چلے گئے اور مسلمانوں کو مذہبی حیثیت سے سنبھال لیا، یہ مدارس آج بھی بحمداللہ کامیابی کے ساتھ جاری اور اپنے کام میں مشغول ہیں اور ان میں سے کتنے ہی مدارس مرکزی حیثیت رکھتے ہیں ۔۔۔ان مدارس کا مقصد جامع علماء تیار کرنا ہے، جو قوم کی ہدایت ورہنمائی کے فرائض انجام دیں، لیکن موجودہ دور اور اس کے حالات کے لحاظ سے ان مدارس کے علاوہ ایسے مکاتب کی بھی بہت زیادہ ضرورت پیش آ گئی ہے، جو مختلف پراگندہ، بلکہ گندہ لٹریچروں کے زہریلے اثرات سے مسلمان بچوں کو محفوظ رکھ سکیں، اگر مدارس دینیہ علماء تیار کریں، تو یہ مکاتبِ دینیہ پڑھے لکھے دین دار تیار کرسکیں، جو گو عالم نہ ہوں، مگر دین کی سمجھ رکھتے ہوں۔ (خطبات حکیم الاسلام : ج۵،۴۱۲)۔

۷۔ مولانا ابوالحسن علی ندویؒ : کسی ملک کے مسلمانوں کا خواہ وہاں مسلمان اکثریت میں ہوں یا اقلیت میں اولین اور اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ انہوں نے

بالغین کی دینی واقفیت اور بچوں کی دینی تعلیم کا کیا بندوبست کیا ہے؟ میں اپنے حدودِ مطالعہ اور دینی واقفیت کی بناء پر یہ عقیدہ رکھنے پر مجبور ہوں کہ یہ مسئلہ ان کے تمام قومی مسائل سے مقدم اور اہم ہے، یہ ان کی زندگی کا بنیادی مسئلہ ہے، یہ ابدی نجات یا اس کی ہلاکت کا سوال ہے، میں مسلمانوں کو یہ پیغام دیتا ہوں کہ اپنے بچوں کے ایمان کی حفاظت، دین وایمان کی معرفت اور پھر اس کی حفاظت اور پھر اس کی غیرت اور پھر اس پر زندگی گزارنے اور اس پر دنیا سے رخصت ہونے کے کام کو سب سے زیادہ اہمیت دیں یہ بات جتنی دل سے لگی ہونی چاہیے تھی، مسلمانوں کے دل سے نہیں لگی ہے، سارا، خطرہ اس بات کا ہے کہ اس کی جو اہمیت ہونی چاہئے تھی، وہ مسلمانوں میں نہیں ہے۔۔ ۔ قوموں کے اجتماعی فیصلوں نے دنیا کے نقشے اور قوموں کی تقدیریں بدل دی ہیں، آج جس چیز کی ہم سب کو ضرورت ہے اور جو تمام موانع اور رکاوٹوں پر غالب آسکتی ہے وہ ہمارا یہ فیصلہ ہے کہ ہم اپنے بچوں کی دینی تعلیم کو ہر تعلیم پر مقدم رکھیں گے اور، بغیر اس ضروری تعلیم کے جس سے وہ اپنے پیدا کرنے والے کو، اپنے پیغمبر ﷺ کو، اپنے عقیدے کو اور اپنے فرائض دینی کو پہچان سکیں، خالص رواجی یا معاشی تعلیم دلانا گناہ اور اپنے مذہب سے بغاوت سمجھیں، اگر ہمارا یہ فیصلہ ہے اور ہم اس میں سچے ہیں تو دنیا کی کوئی طاقت کوئی ترغیب کوئی مصلحت، کوئی تعزیر ہم کو صراط مستقیم سے نہیں، ہٹاسکتی اور ہماری نسلوں کو اسلام کی دولت سے محروم نہیں کر سکتی۔ (مکاتب کی اہمیت: ص: ۴)۔

۸۔ڈاکٹر حبیب اللہ مختارؒ۔اگر والدین یہ چاہتے ہوں کہ ان کا بچہ سچائی ،امانت ،پاک دامنی اور رحم جیسے اچھے اوصاف کا مالک ہو اور برائی سے دور رہے ،تو انہیں چاہئے کہ وہ خود اپنی ذات سے ان کے سامنے اچھائی کے کرنے ،برائی سے دور رہنے ، فضائل سے آراستہ ہونے ،برے کاموں سے بچنے ، حق کے اتباع ، باطل سے دور رہنے میں بہترین نمونہ پیش کریں اور ان کے لئے اپنے آپ کو مثال ثابت کریں ، جو بچہ اپنے والدین کو جھوٹ بولتا ہوا دیکھے گا، وہ ہر گز سچ نہیں سیکھ سکتا، جو بچہ اپنے والدین کو دھوکہ دیتے اور خیانت کرتے ہوئے دیکھے گا، وہ ہر گز امانت دار نہیں بن سکتا اور جو بچہ اپنے والدین سے گالم گلوچ سنے گا وہ شیریں زبانی ہر گز نہیں سیکھ سکتا۔بچہ اچھائی اور خیر کے اوصاف اسی وقت سیکھتا ہے اور اخلاق و شرافت کا پیکر اسی وقت بنتا ہے ،جب وہ اپنے والدین میں بہترین نمونہ پائے ،ورنہ دوسری صورت میں اگر والدین اس کے سامنے برا نمونہ پیش کریں گے ،تو لازمی طور سے بچہ آہستہ آہستہ وہی رخ اختیار کرے گا اور کفر و فسق اور نافرمانی کے راستے پر چلے گا۔صرف اتنی بات کافی نہیں کہ والدین خود اپنی ذات ہی سے بچے کے لئے بہترین نمونہ پیش کرکے یہ سمجھیں کہ انہوں نے اپنی ذمے داری پوری کردی، بلکہ یہ ضروری ہے کہ وہ اپنے بچوں کا تعلق ورابطہ دین کے ساتھ قائم کریں۔

اسلام اور تربیت اولاد : ۲؍۳۶)۔)

۹۔ مولانا محمد تقی عثمانی : بچپن میں ایک مرتبہ بچوں کو قرآن کریم ضرور پڑھاؤ، اس کے قلب کو قرآن کے نور سے منور کرو، اس کے بعد اس کو کسی بھی کام میں لگاؤ، ان شاء اللہ ثم ان شاء اللہ قرآن کے انوار وبرکات اس کے اندر شاملِ حال ہوں گے، جب قرآن اسے پڑھادیا، کان کے ذریعے ایمان کا بیج اس کے دل میں پیوست کردیا، تو تجربہ یہ ہے کہ جو بچے مکتب میں قرآن کریم پڑھ کر جاتے ہیں، وہ کسی بھی ماحول میں چلے جائیں، ایمان کا بیج ان کے دل کے اندر محفوظ رہتا ہے۔ اگر آپ نے شروع سے ہی بچے کو بسم اللہ، سبحان اللہ، الحمد للہ، کے بجائے کٹ پٹ سکھانا شروع کی، اس کے دماغ پر کتے اور بلی کو مسلط رکھا اور قرآن کے انوار وبرکات کو اس کے دل میں داخل ہونے نہ دیا، تو اس کے دل میں ایمان کہاں سے آئے گا؟ اس کے دل میں اسلام کی محبت کہاں سے آئے گی؟ اس کے دل میں آخرت کی فکر کیسے پیدا ہوگی، پھر تو وہی مادہ پرست انسان پیدا ہوگا، جو ہمیں چاروں طرف گھومتا ہوا نظر آرہا ہے، جس کو اللہ تعالی کے حضور کھڑے ہونے کا بھی احساس نہیں ہے، جو دوسروں پر ظلم ڈھاتا ہے، اگر اپنے بچوں کے مستقبل پر رحم کرنا ہے، تو خدا کے لئے انہیں جب تک قرآن کریم کی تعلیم نہ دلائیں اس وقت تک انہیں کسی اور کام میں نہ لگائیں۔ (اصلاحی خطبات : ج ۳، ۷۲)۔

۱۰۔ مولانا منظور نعمانیؒ : ہمیں محنتیں کرکے اور پیٹ کاٹ کر یہ مکاتب قائم کرنے ہوں گے اور ان کا بوجھ اٹھانا ہوگا، اللہ تعالی کی مدد بھی انھی کو حاصل

ہوتی ہے، جو خود بھی اس راہ میں قربانی دیں، مکاتب قائم کرنے کے ساتھ ہمیں ایک مہم بنا کر اس کے لئے بھی بہت بڑی جد وجہد کرنی ہوگی کہ مسلمان بچے ہمارے ان ہی مکاتب میں تعلیم حاصل کریں۔ (مکاتب کی اہمیت، ص ۱۱)۔

مکتب تعلیم القرآن ''کا یہ سٹم ساؤتھ افریقہ میں مستحکم ہے، کچھ دیگر ملکوں میں بھی'' اس پر تیزی کے ساتھ کام جاری ہے، ہمارے یہاں بھی اس میدان میں عرق ریزی کے ساتھ احباب جد وجہد کر رہے ہیں، ملائیشیا، انڈونیشیا اور ہندوستان تک میں عربی اور قرآنیات پر مختلف انداز میں کوششیں ہو رہی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ ان تمام ،مساعی وکاوشوں کو باہم مربوط اور ایک دوسرے سے مستفید کیا جائے

نیز ان اداروں کے طلبہ میں جدید علوم بالخصوص سائنس، ریاضی اور انگریزی کی تعلیم بھی شایانِ شان ہو، اس میں کسی قسم کی کوتاہی نہ ہو، کرپشن، دھوکہ دہی، انتظامی فساد نہ ہو، نقل کے مہلک جرثومہ سے بھی یہ ادارے کوسوں دور ہوں، تب جا کر یہاں ظاہری اور روحانی ترقی اور خوشحالی آئیگی۔

ہوش کی آندھی

سعودی عرب کی قیادت میں خلیجی ممالک ، مصر ،اردن ، مراکش ، سوڈان ،ترکی اور پاکستان نے یمن میں معزول صدر علی عبداللہ صالح اور ان کے اشاروں پر ناچنے والے حوثی فرقہ پرست باغیوں کے خلاف جمعرات کے 2 بجے شب ''عاصفۃ الحزم'' ہوش کی آندھی'' نامی بہت بڑے آپریشن کاآغاز کردیا ہے ، یہ آپریشن اتنی باریکی اور ٹیکنیک کے ساتھ مرتب کیاگیاکہ صرف 15 منٹ میں اس نے صالح اور حوثیوں کے ٹھکانے تباہ ، ان کے نیٹ ورک تہس نہس کرکے پورے یمن کی فضاؤں پر قبضہ کرلیا، ساتھ ہی یہ اعلان بھی کردیاگیاکہ یمنی فضائیں تاحکم ثانی نوفلائی زون رہیں گی ، نیز تین دن میں سرکاری عمارات خالی کرنے ،بھاری اسلحہ آئینی حکومت کو حوالہ کرنے ،مذاکرات کی میز پر آنے ،بحری ،بری اور فضائی تمام تر راستوں کی نگرانی ریاستی اداروں کو سپرد کرنے تک آپریشن جاری رکھنے کا بھی پیغام دیاگیا،ترکی صدر طیب اردگان نے اس موقع پر عراق، شام ،لبنان اور یمن سے ایرانی فورسز کے انخلاء کا بھی مطالبہ کیا۔ یمن میں یہ صورت حال اس وقت سے ہے ،جب سے علی عبداللہ صالح کے تقریباً 35 سالہ اقتدار کے خلاف وہاں کے عوام نے انقلاب کا نعرہ لگایا ، عوام حق بجانب تھے ، کیونکہ جزیرۃ العرب میں تمام ریاستیں اس عرصے میں ترقی کے منازل طے کرکے آسمانوں کو چھورہی تھیں ، جبکہ یمن علی عبداللہ

صالح کی غلط پالیسیوں اور بے معنی قیادت کی وجہ سے انگولا، کمبوڈیا اور مرونڈی کی تصویر بنا ہوا تھا، خلیجی ممالک خصوصاً سعودی عرب نے بیچ میں آ کر مصالحت کرائی ، علی عبداللہ صالح کو معزول کر کے ان کی پارٹی ختم نہیں کی گئی ، انہیں قذافی اور حسنی مبارک کے انجاموں سے دوچار نہیں کیاگیا، ان کے بیٹوں کو فوج میں اعلی عہدوں پر برقرار رکھاگیااور عوام میں جو تبدیلی کی خواہش تھی ، وہ بھی پوری ہو گئی ، مگر صالح کو عزت راست نہیں آئی ، اس نے اندر اندر حوثی فرقہ پرستوں کو اسٹریٹجک راز افشا کر کے انہیں اپنا ہمنوا بنالیا، وہ حوثی جواُن کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے تھے، اب اس کے ہراول دستے کا کام کر رہے تھے، انہوں صعدہ ، عمران اور دیگر شہروں پر آہستہ آہستہ چڑھائی کر کے دار الحکومت صنعاء تک رسائی حاصل کر لی ، باقاعدہ عوامی اور جمہوری طور پر منتخب صدر منصور ہادی اور اس کی کابینہ کو پہلے نظر بند کیا، پھر حوثی انقلاب کا نعرہ لگایا، اُدھر ایران جو پہلے ہی عرب دنیامیں اثرورسوخ کا خواہاں تھی ، اس نے عراق ،شام اور لبنان کو زیر کر لیا تھا، اب اس کی تمام تر توجہ یمن پر تھی ، صنعاء میں فارسی زبان کو ثانوی زبان قرار دیاگیا، طہران اور صنعاء میں ہوائی اور سمندری راستوں سے امدادوں کے پل لگ گئے ، صورتِ حال کی سنگینی سے تنگ آ کر صدر منصور ہادی عدن بھاگ گیا، لیکن حوثی باغیوں اور صالح گروپ نے عدن کی طرف پیش قدمی شروع کر دی ، سعودی عرب کو دھمکانے کیلئے اس کے 1300 کلو میٹر سرحد پر بھی فوجی دستے روانہ کر دیئے

اب،

بحر احمر اور باب المندب بھی ان کی زد میں تھا، جہاں سے سالانہ 2500 ہزار بحری جہاز گذرتے ہیں، عالمی امن کو بھی خطرات لاحق ہو گئے تھے، اس درمیان خلیجی ریاستوں نے ریاض اور دوحہ میں فریقین کے لئے مذاکرات کے میز سجا دیئے، لیکن حوثیوں اور صالح کے انکار کی وجہ سے وہ بھی نہ ہو سکے .آخر کار نہ چاہتے ہوئے بھی شاہ سلمان بن عبدالعزیز نے جزیرۃ العرب ، بحر احمر، بحر عرب اور باب المندب کی حفاظت کیلئے وہ کچھ کیا، جو شاہ فہد نے کویت اور شاہ عبداللہ نے بحرین کیلئے کیا تھا، عاصفۃ الحزم کے نام سے انہوں نے خطے میں توازن برقرار رکھنے ،ایران کے غیر ذمہ دارنہ رویے کو راہ راست پر لانے کیلئے اور انہیں گرم پیغام دینے کیلئے اتحادیوں کی ساتھ مل کر بہت بڑے آپریشن کا آغاز کر دیا، عرب ملکوں نے بھی بالاتفاق ان کی حمایت کر دی اور فوری طور پر عربوں کی تاریخ میں ایک ایسے فیصلے کا اعلان کیا گیا کہ آئندہ کیلئے عرب سرزمین کو کوئی میلی آنکھ سے نہ دیکھ سکے ، وہ نیٹو طرز کا ''عرب دفاعی قوت arab joint force'' کا اعلان ہے ، عرب لیگ کے سیکرٹری جنرل نبیل العربی نے جمعے کی رات کو اس کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ عرب لیگ کی تاریخ اور لیگ کی قیادت میں میری زندگی کا آج کا یہ فیصلہ تا قیامت یاد رکھا جائے گا، امید ہے کہ یمن کے آپریشن سے وہاں امن قائم ہوگا اور یمن ترقی کرے گا، سعودی عرب ، خلیجی ممالک کے لئے ہوش کی آندھی اور پاکستان کیلئے ضرب عضب اللہ کرے خیر کا باعث بنے اور دونوں مقاموں پر امن وسلامتی کا راج ہو ، اگر

ایسا ہوا تو شاہ سلمان بن عبدالعزیز اور جنرل راحیل و نواز شریف ہیرو بن جائیں گے
نیز خلیج کے حوالے سے ایران اور پاکستان کے حوالے سے عمران خان کو بہت پچھتانا،
پڑے گا، دیکھئے اور انتظار کیجئے ، ہوتا کیا ہے ۔

ایک شہزادے کی موت

عبداللہ بن الفرج بہت بڑے بزرگ گزرے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجھے گھر کچھ تعمیراتی کام کی ضرورت ہوئی، میں یومیہ اجرت پر کام کرنے والے مزدور کی تلاش میں نکلا تو مجھے ایک نوجوان نظر آیا جس کی رنگت زرد تھی ،اس نے ایک اونی جبہ اور اونی تہبند پہنا ہوا تھا۔اس کے سامنے ہتھوڑا اور دیگر آلات رکھے ہوئے تھے، میں نے اس سے کام کی بات کی، تو فوراً راضی ہوگیا۔اور جب میں نے اس سے مزدوری پوچھی تو اس نے ایک درہم اور ایک دانق (درہم کا چھٹا حصہ) اپنی مزدوری بتائی اور اس نے ایک شرط لگائی کہ جب اذان ہو جائے گی، تو میں جماعت سے نماز پڑھنے کے لیے مسجد میں چلا جاؤں گا۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ شرط منظور کرلی اور اس کو لے کر اپنے گھر آگیا اور اس کو کام سمجھادیا، وہ کام کرنے لگا،جب ظہر کی اذان ہوئی تو اس نے کام چھوڑ دیا اور مجھ سے اجازت لے کر مسجد چلا گیا۔ نماز کے بعد واپس آکر دوبارہ کام میں مشغول ہوگیا جب عصر کی اذان ہوئی تو حسب سابق نماز کے لیے چلا گیا اور واپس آکر کام میں مشغول ہوگیا۔ یہاں تک کہ دن ڈھلنے تک اس نے تمام کام اچھی طرح مکمل کرلیا اور مزدوری لے کر چلا گیا۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ مجھے کچھ دن بعد دوبارہ ضرورت پڑی ، میں اسی نوجوان کی تلاش میں نکلا،جب وہ مجھے بازار میں نظر نہ آیاتولوگوں سے پوچھنے پر معلوم ہواکہ وہ صرف ہفتہ کے دن آتاہے میں واپس گھرلوٹ آیااور ہفتہ کے دن دوبارہ اس کی تلاش میں نکلاوہ مجھے مل گیااس کواسی اجرت اوراسی شرط پرلے کرآیااورکام بتادیا،وہ اسی طرح کام میں لگ گیا،اوراذان ہوتے ہی مسجدچلاجاتااوردن ڈھلنے تک اس نے تمام کام بہترین طریقہ سے مکمل کرلیا،میں نے اس کواجرت زیادہ دینی چاہی، تووہ ناراض ہوکرچلاگیا۔میں اس کے پیچھے گیااوراس کومناکراس کی طے کردہ اجرت دی ،وہ راضی ہوگیااورچلاگیا۔

کچھ عرصہ بعدمجھے دوبارہ کام کی ضرورت ہوئی، تومیں ہفتہ کے دن نکلااوراس کوتلاش کیامگروہ نہ ملا،لوگوں سے پوچھنے پرمعلوم ہواکہ وہ ایک بوڑھی عورت کے گھرمیں ہے اوربیمارہے،میں اس بوڑھی عورت کے گھرگیااوراس نوجوان سے ملا،وہ لیٹاہواتھااوراس کے سرکے نیچے اینٹ رکھی ہوئی تھی،میں نے اس سے پوچھاتمہیں کسی چیزکی ضرورت ہے، تواس نے کہاکہ اگرقبول کروتوایک ضرورت ہے۔وہ یہ کہ جب میں مرجاؤں،تویہ ہتھوڑااورآلات بیچ کرمیراجبہ اورتہبنددھلواکراس میں مجھے کفن دینااورمیرے جبے کے گریبان میں ایک انگوٹھی سلی ہوئی ہے وہ نکال لینااورجس دن ہارون رشیدسوارہوکرنکلیں تویہ انگوٹھی

انہیں دے دینا، مگر یہ کام میرے دفن کے بعد کرنا۔

جب اس کا انتقال ہوگیا، تو اس کے کفن، دفن سے فارغ ہو کر میں خلیفہ کے انتظار میں بیٹھ گیا، جب خلیفہ ہارون رشید کی سواری گزرنے لگی تو میں نے خلیفہ کو مخاطب کر کے وہ انگوٹھی دکھائی، انگوٹھی دیکھ کر خلیفہ نے اپنے خدام کو حکم دیا اور وہ مجھے اپنے ساتھ لے کر خلیفہ کے گھر گئے، خلیفہ نے علیحدگی میں مجھے اپنے پاس بلایا اور پوچھا کہ تو کون ہے؟ میں نے بتایا کہ میں عبداللہ بن الفرج ہوں، پھر انہوں نے پوچھا کہ یہ انگوٹھی تمہارے پاس کیسے آئی؟ میں لینے سارا قصہ سنایا، وہ قصہ سن کر رونے لگے۔ اتنا روئے کہ مجھے ترس آیا۔ میں نے انہیں تسلی دی جب ان کی کچھ ڈھارس بندھی تو میں نے پوچھا کہ اس کا آپ سے کیا رشتہ تھا؟ انھوں نے بتایا کہ میرے خلیفہ بننے سے پہلے وہ پیدا ہوا تھا، جب بڑا ہوا، تو قرآن کا علم حاصل کیا اور جب میں خلیفہ بنا، تو وہ مجھے چھوڑ کر چلا گیا اور میری دنیا کی کسی چیز کو حاصل نہ کیا، میں نے یہ انگوٹھی اس کی ماں کو دی اور کہا کہ اپنے بیٹے کو دے دو، شاید یہ اس کے کام آجائے۔ ہ اپنی ماں کا بہت خیال کرتا تھا۔ اس لیے یہ انگوٹھی لے لی، جب اس کی ماں کا انتقال ہوگیا، تو اس کے بعد اس کا کچھ پتہ نہ چلا، سوائے اس کے کہ اس کی خبر جو تم لائے ہو۔ پھر مجھے کہا کہ جب رات ہو جائے، تو مجھے اس کی قبر پر لے جانا۔

عبداللہ کہتے ہیں کہ رات کو میں خلیفہ کو لے کر اس لڑکے کی قبر پر گیا، خلیفہ اس کی قبر پر جا کر بہت رویا، یہاں تک فجر طلوع ہو گئی ،وہ میرے ساتھ ہی واپس ہوا اور کہا کہ آئندہ آتے رہنا، تو میں ایک عرصہ تک رات کو خلیفہ کے گھر جاتا، پھر وہ اور میں قبر پر جا کر حاضری دیتے اور فجر کے وقت واپس ہوتے۔

عبداللہ بن الفرج کہتے ہیں کہ خلیفہ کے بتانے سے پہلے مجھے معلوم نہ تھا کہ وہ لڑکا ان کا بیٹا ہے۔

عرب بدل رہے ہیں

عرب نے اسلام کا آفاقی پیغام ایران و ترکی کو پہنچایا، سینٹرل ایشیا، بر صغیر، جنوبی ایشیا اور افریقہ کو بھی حلقہ گوشِ اسلام کیا، انہیں غلام نہیں بنایا، ان کے ملکوں کو نوآبادیات قرار نہیں دیا، انہیں اپنے بھائیوں کی طرح رکھا، اگر ان میں کوئی شخصیت قیادت کی لائق ہوئی تو اسکو اپنا قائد، رہبر اور رہنما تسلیم کیا، نام کی خلافت ''عباسی'' تھی، مگر اصل حکمران خراسانی فارسی تھے، یا پھر ترکوں نے یہ سیادت فارسیوں اور ایرانیوں سے چھین کر حکمران بن بیٹھے، یہاں تک کہ خلافت کا نام تبدیل کرکے عباسی سے ترکوں کے جدامجد عثمان کے نام پر خلافت عثمانیہ سے موسوم کی گئی، عرب پھر بھی خوش اور سر تسلیم خم تھے، قرآن وحدیث میں عربی زبان، عرب قوم اور بلاد عرب کے فضائل ومناقب کے باوجود انھوں نے کبھی بھی ہٹلر کی طرح نسلی تعصب، یا مسولینی کی طرح ارضیاتی تعصب اختیار نہیں کیا، نازازم اور فاشزم کے ادوار میں بھی عرب درویشوں کی زندگی گزارنے پر قانع تھے، ان سے متاثر نہیں ہوئے، 50 سال قبل عرب دنیا اور قوم پوری دنیا میں سب سے زیادہ غیر متمدن اور غیر ترقی یافتہ تھے، خراسانیوں نے اپنے ادوار میں فارسی اور ترکوں نے ترکی۔ جسکی بگڑی ہوئی شکل اردو ہے۔ مسلمانوں میں نافذ کی، نتیجہ یہ ہوا کہ فارسی چلی نہ ترکی، سیاسی طور پر خلافت

عثمانیہ کو مرد بیمار قرار دیا گیا، تو پھر بھی برصغیر سمیت تمام عجم مسلمانوں نے اس کی تائید برقرار رکھی ، جبکہ عرب فطری حکمت وبصیرت سے سمجھ چکے تھے کہ اب یہ پیرِ فرتوت قبر میں ہی جائے گا، اس سے بچانا ناممکن ہے ، توانہوں نے خلافت عثمانیہ کے دلدل سے باہر آنے کا فیصلہ کیا، اور اللہ تعالی نے انہیں کامیابی دی ، ایران نے خوزستان ،اھواز کے ساتھ ساتھ عرب امارات کے تین جزائر پر قبضہ کرلیا،جدید ترکی نے عرب علاقے دیار بکر کو ھڑپ کرلیا، مگر باقی عالم عربی نکلنے میں کامیاب ہوگیا، اب تقریباً پچاس سالوں میں عرب دنیا نے اپنے بل بوتے پر جو تعلیمی ، تہذیبی ، تمدنی اور سیاسی تیز ترترقی کی ،اس کی مثال ملنا دنیا کے دیگر علاقوں میں ناممکن ہے ،ترکی نے دشمنی پر اتر کر عربی حروف اور عربی رسم الخط پر پابندی لگادی ، عربی میں نماز، اذان اور خطبے کو جرم قرار دیا، آیا صوفیا مسجد کو پھر سے میوزیم بنادیا، وغیرہ وغیرہ ۔ایران نے ماقبل الاسلام ایرانی مذہب ، تہذیب وتمدن کو نئے انداز میں یا اسلامی لبادے میں لپیٹ کر عرب دنیا میں پھیلانے کی کوشش کی ، لبنان میں ،بحرین میں ، شام میں ، یمن ، سوڈان ،نائجیریا اور سعودیہ تک میں فرقہ پرستی کی بنیادیں رکھیں ، ان دونوں ملکوں نے عرب سرحدات پر واقع ہونے کے باوجود عربی زبان وادب اور تہذیب وثقافت سے نفرت کی اور آج بھی کررہے ہیں ، لیکن عرب خاموش تھے ، یہاں تک کہ ایران میں بعض تاریخی ادوار میں یہ اعلانات بھی ہوئے کہ خراسان میں جو بھی عربی بولنے والا ملے ،اسے قتل کردو

عرب نے ان کے مقابلے میں تنگ نظری یا تنگ ظرفی نہیں دکھائی، ان کو ہمیشہ سینے سے لگایا، محبت دی، مگر اب صبر کا پیمانہ لبریز ہوا چاہتا ہے، ترکی اور ایران تو چھوڑیں، وہ پاکستان جس میں عربوں کے دم سے دم ہے،اسے بھی شیعہ سٹیٹ بنانے کی باتیں ہو رہی ہیں۔

روس اور ایران کے آشیر باد سے تین لاکھ عرب شہزادے صرف شام میں مارے گئے ہیں، جہاں ترکی کو آگے بڑھکر کچھ سدباب کرنا چاہئے تھا، جیسے سعودی عرب نے یمن میں کیا۔ مگر اے بسا آرزو کہ خاک شد۔ عراق میں ابوبکر، عمر اور عثمان نام رکھنا بھی قابل گردن زدنی جرم ہے، لوگ نام تبدیل کروا رہے ہیں، بحرین، یمن اور پاکستان میں نفرتوں کا اژدھا منہ کھولے آگے آ رہا ہے، ان تمام میں ایران کا ہاتھ ہے، ایرانی ملک کا نہیں، ایرانی قوم کا نہیں، ایرانی انقلاب کا، لیکن کہتے ہیں سونار کے سو لوہار کے ایک ضرب کے برابر نہیں ہے " عاصفۃ الحزم " یا فیصلہ کن طوفان کے نام سے عربوں کا اقدام اب تمام حسابات برابر کرنے کیلئے اٹھایا گیا ہے، اس اقدام میں پاکستان کو شرکت سے نوازا گیا، پاکستان اچھی طرح سمجھ لیں کہ عرب کبھی بھی پاکستان کو تنہا نہیں چھوڑ سکتے، اسکو کبھی بھی شر کی قوتوں کے سامنے سرنگوں ہونے نہیں دینگے، وہ پاکستان اور اہل پاکستان سے محبت کرتے ہیں، لیکن قیادت خود کرینگے، اقوام متحدہ، انٹرنیشنل سیکورٹی کونسل اور پوری دنیا میں وہ فیصلہ کن کردار خود ادا

کرینگے ، وہ اب مشترکہ عرب فورس بھی بنا رہے ہیں ،اسلامی فورس کیوں نہیں بنا رہے، کیونکہ ایران اور ترکی کو اپنے پے غرور ہے ، یمن آپریشن عرب دنیا کی قوت کا آغاز ہے، امریکہ ویورپی یونین نے خود آکر ان کی تائید کی ، روس نے شروع میں مخالفت کرنے کی کوششیں کیں ، لیکن آج کی دنیا طاقتور کی دنیا ہے ، انھوں نے ایران کی منتوں وسماجتوں کے باوجود سلامتی کونسل میں عرب قرار داد کی خاموش حمایت کی، کیونکہ اسے پتہ ہے کہ ایران اور صرف ایک سعودی عرب اگر ہوں، تو پھر بھی زمین وآسمان کافرق ہے ، چہ جائیکہ خلیجی اتحاد یا پوری عرب دنیا مقابلے میں ہو، گویا عربوں کی طاقت زیادہ ہے،اس لئے روس نے اپنے مفادات کا حساب لگایا، تو وزن عرب دنیا کے پلڑے میں ڈال دیا اور یوں ایران تنہا رہ گیا ، ہمارے یہاں پختون معاشروں میں اولادوں کو نصیحت اور وصیت کی جاتی ہے کہ بڑے بھائی کے خلاف کسی کے کہنے پر کھڑے نہ ہونا، کیونکہ وہ غیر آپ کی تائید نہیں، بڑے بھائی کی تذلیل چاہتا ہوگا ،اور آپ کو تنہا کرکے وہ خود ہی مارے گا ، روس نے ایران کے ساتھ ہمیشہ یہی کیا ہے ،دنیائے عرب نرم پاور کی قائل تھی ، مگر تنگ آمد بجنگ آمد نے انہیں اب گرم پاور میں تبدیل کردیا ہے ، امریکہ نے بھی انہیں سمجھایا ہے ، کہ یوکرین کے معاملے کے بعد روس پھر سرچڑھ کر بول رہاہے ، جس کے مقابلے میں یورپی یونین کمزور ہے ، ہماری زیادہ تر توجہ وہاں ہے ، تم اپنے معاملے اپنے زور بازو کے ذریعے حل کرنے کیلئے مستقبل میں اپنا اتحاد بنا کر کھڑے ہوجاؤ، تاکہ تم کسی کے محتاج

نہ رہو، مسلم یا غیر مسلم اباما نے خود ہی یہ پیغام مرحوم کنگ عبداللہ اور اس کے بعد کنگ سلمان کو فارورڈ کیا ہے۔اس تمام تر صورت حال میں اب پاکستان کو اپنے مفادات سامنے رکھ کر فیصلے کرنے ہوں گے۔ شف شف کی زبان اونٹ کا گوشت کھانے والے عرب نہیں جانتے۔ وہ صاف صاف شفتالو کہتے ہیں

جُنید پہلوان اور ایٹمی پاکستان

کہتے ہیں کہ کسی زمانے میں بغداد میں جنید نامی ایک پہلوان رہا کرتا تھا، پورے بغداد میں اس پہلوان کے مقابلے کا کوئی نہ تھا۔بڑے سے بڑا پہلوان بھی اس کے سامنے زیر تھا، یہی وجہ تھی کہ شاہی دربار میں اس کو بڑی عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا اور بادشاہ کی نظر میں اس کا خاص مقام تھا۔ایک دن جنید پہلوان بادشاہ کے دربار میں اراکین سلطنت کے ہمراہ بیٹھا ہوا تھا کہ شاہی محل کے صدر دروازے پر کسی نے دستک دی، خادم نے آکر بادشاہ کو بتایا کہ ایک کمزور و ناتواں شخص دروازے پر کھڑا ہے جس کا بوسیدہ لباس ہے، اس نے یہ پیغام بھیجا ہے کہ جنید کو میرا پیغام پہنچادو کہ وہ کشتی میں میرا چیلنج قبول کرے، بادشاہ نے حکم جاری کیا کہ اسے دربار میں پیش کرو، اجنبی ڈگمگاتے پیروں سے دربار میں حاضر ہوا، وزیر نے اجنبی سے پوچھا تم کیا چاہتے ہو؟ اجنبی نے جواب دیا میں جنید پہلوان سے کشتی لڑنا چاہتا ہوں، وزیر نے کہا چھوٹا منہ بڑی بات نہ کرو، کیا تمہیں معلوم نہیں کہ جنید کا نام سن کر بڑے بڑے پہلوانوں کو پسینہ آجاتا ہے، پورے شہر میں اس کے مقابلے کا کوئی نہیں اور تم جیسے کمزور شخص کا جنید سے کشتی لڑنا تمہاری ہلاکت کا سبب بھی ہو سکتا ہے، اجنبی نے کہا کہ جنید پہلوان کی شہرت ہی مجھے کھینچ کر لائی ہے اور میں آپ پر یہ ثابت کرکے

دکھاؤں گا کہ جنید کو شکست دینا ممکن ہے، میں اپنا انجام جانتا ہوں آپ اس بحث میں نہ پڑیں بلکہ میرے چیلنج کو قبول کیا جائے، یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ شکست کس کا مقدر ہوتی ہے، جنید پہلوان بڑی حیرت سے آنے والے اجنبی کی باتیں سن رہا تھا،
بادشاہ نے کہا اس کا چیلنج قبول کر لیا جائے، بادشاہ کا حکم ہوا اور کچھ ہی دیر کے بعد تاریخ اور جگہ کا اعلان کر دیا گیا اور پورے بغداد میں اس چیلنج کا تہلکہ مچ گیا، ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ اس مقابلے کو دیکھے، تاریخ جوں جوں قریب آتی گئی لوگوں کا اشتیاق بڑھتا گیا، ان کا اشتیاق اس وجہ سے تھا کہ آج تک انہوں نے تنکے اور پہاڑ کا مقابلہ نہیں دیکھا تھا، دور دراز ملکوں سے بھی سیاح یہ مقابلہ دیکھنے کے لئے آنے لگے، جنید کے لئے یہ مقابلہ بہت پراسرار تھا اور اس پر ایک انجانی سی ہیبت طاری ہونے لگی، انسانوں کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر شہر بغداد میں امنڈ آیا تھا، جنید پہلوان کی ملک گیر شہرت کسی تعارف کی محتاج نہ تھی، اپنے وقت کا مانا ہوا پہلوان آج ایک کمزور اور ناتواں انسان سے مقابلے کے لئے میدان میں اتر رہا تھا، اکھاڑے کے اطراف لاکھوں انسانوں کا ہجوم اس مقابلے کو دیکھنے آیا ہوا تھا، بادشاہ اپنی سلطنت کے اراکین کے ہمراہ اپنی کرسی پر بیٹھ چکا تھا، جنید پہلوان بھی بادشاہ کے ہمراہ آ گیا تھا، سب لوگوں کی نگاہیں اس پراسرار شخص پر لگی ہوئی تھیں، جس نے جنید جیسے نامور پہلوان کو چیلنج دے کر پوری سلطنت میں تہلکہ مچا دیا تھا، مجمع کو یقین نہیں آ رہا

تھا کہ اجنبی مقابلے کے لئے آئے گا پھر بھی لوگ شدت سے اس کا انتظار کرنے لگے۔
جنید پہلوان میدان میں اتر چکا تھا، اس کے حامی لحہ بہ لحہ نعرے لگا کر حوصلہ بلند کر رہے تھے، کہ اچانک وہ "اجنبی" لوگوں کی صفوں کو چیرتا ہوا اکھاڑے میں پہنچ گیا، ہر شخص اس کمزور اور ناتواں شخص کو دیکھ کر حیرت میں پڑ گیا کہ جو شخص جنید کی ایک پھونک سے اڑ جائے اس سے مقابلہ کرنا دانشمندی نہیں، لیکن اس کے باوجود سارا مجمع دھڑکتے دل کے ساتھ اس کشتی کو دیکھنے لگا، کشتی کا آغاز ہوا دونوں آمنے سامنے ہوئے، ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے گئے، پنجہ آزمائی شروع ہوئی اس سے پہلے کہ جنید کوئی داؤ لگا کر اجنبی کو زیر کرتا اجنبی نے آہستہ مگر جلدی سے جنید سے کہا، جنید ! میں کوئی پہلوان نہیں ہوں، زمانے کا ستایا ہوا ہوں، میں آل رسول ﷺ ہوں، میرا ایک چھوٹا سا کنبہ کئی ہفتوں سے فاقوں میں مبتلا جنگل میں پڑا ہوا ہے، چھوٹے چھوٹے بچے شدت بھوک سے بے جان ہو چکے ہیں، خاندانی غیرت کسی سے دست سوال نہیں کرنے دیتی،.بڑی مشکل سے یہاں تک پہنچا ہوں، میں نے اس امید پر تمہیں کشتی کا چیلنج دیا ہے کہ تمہیں حضور اکرم ﷺ کے گھرانے سے عقیدت ہے، آج خاندانِ نبوت کی لاج رکھ لیجئے، میں وعدہ کرتا ہوں کہ آج اگر تم نے میری لاج رکھی تو کل میدان محشر میں اپنے نانا جان سے عرض کرکے فتح وکامرانی کا تاج تمہارے سر پر رکھواؤں گا، تمہاری ملک گیر شہرت اور اعزاز کی ایک قربانی خاندان نبوت کے سوکھے ہوئے چہروں کی شادابی کے لئے کافی ہوگی، تمہاری یہ قربانی کبھی

،بھی ضائع نہیں ہونے دی جائے گی

اجنبی شخص کے یہ چند جملے جنید پہلوان کے جگر میں اتر گئے۔ اس کا دل گھائل اور آنکھیں اشک بار ہو گئیں، سیدزادے کی اس پیش کش کو فوراً قبول کرلیا اور اپنی عالمگیر شہرت، عزت و عظمت آل رسول ﷺ پر قربان کرنے میں ایک لمحے کی تاخیر نہ کی۔ فوراً فیصلہ کر لیا کہ اس سے بڑھ کر میری عزت و ناموس کا اور کونسا موقع ہو سکتا ہے کہ دنیا کی اس محدود عزت کو خاندانِ نبوت کی اڑتی ہوئی خاک پر قربان کردوں، اگر سید گھرانے کی مرجھائی ہوئی کلیوں کی شادابی کے لئے میرے جسم کا خون کام آسکتا ہے تو جسم کا ایک ایک قطرہ تمہاری خوشحالی کے لئے دینے کے لئے تیار ہوں، جنید فیصلہ دے چکا، اس کے جسم کی توانائی اب سلب ہو چکی تھی، اجنبی شخص سے پنجہ آزمائی کا ظاہری مظاہرہ شروع کر دیا، کشتی لڑنے کا اندار جاری تھا، پینترے بدلے جا رہے تھے، کہ اچانک جنید نے ایک داؤ لگایا، پورا مجمع جنید کے حق میں نعرے لگاتا رہا جوش و خروش بڑھتا گیا جنید داؤ کے جوہر دکھاتا تو مجمع نعروں سے گونج اٹھتا، دونوں باہم گتھم گتھا ہو گئے یکایک لوگوں کی پلکیں جھپکیں، دھڑکتے دل کے ساتھ آنکھیں کھلیں تو ایک ناقابل یقین منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا، جنید چاروں شانے چت پڑا تھا اور خاندانِ نبوت کا شہزادہ سینے پر بیٹھے فتح کا پرچم بلند کر رہا تھا، پورے مجمع پر سکتہ طاری ہو چکا تھا، حیرت کا طلسم

ٹوٹا اور پورے مجمع نے سیدزادے کو گود میں اٹھا لیا، میدان کا فاتح لوگوں کے سروں پر سے گزر رہا تھا، ہر طرف انعام و اکرام کی بارش ہونے لگی، خاندان نبوت کا یہ شہزادہ بیش بہا قیمتی انعامات لے کر اپنی پناہ گاہ کی طرف چل دیا، اس شکست سے جنید کا وقار لوگوں کے دلوں سے ختم ہو چکا تھا، زندگی بھر لوگوں کے دلوں پر سکہ جمانے والا آج انہی لوگوں کے طعنوں کو سن رہا تھا، رات ہو چکی تھی، لوگ اپنے اپنے گھروں کو جا چکے تھے، عشاء کی نماز سے فارغ ہو کر جنید اپنے بستر پر لیٹا اس کے کانوں میں سیدزادے کے وہ الفاظ بار بار گونجتے رہے تھے. .آج میں وعدہ کرتا ہوں اگر تم نے میری لاج رکھی تو کل میدانِ محشر میں اپنے نانا جان سے عرض کر کے فتح و کامرانی کا تاج تمہارے سر پر رکھواؤں گا، جنید سوچتا، کیا واقعی ایسا ہو گا کیا مجھے یہ شرف حاصل ہو گا کہ حضور ﷺ کے مقدس ہاتھوں سے یہ تاج میں پہنوں؟ نہیں نہیں میں اس قابل نہیں، لیکن خاندانِ نبوت کے شہزادے نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، آل رسول ﷺ کا وعدہ غلط نہیں ہو سکتا یہ سوچتے سوچتے جنید نیند کی آغوش میں پہنچ چکا تھا نیند میں پہنچتے ہی دنیا کے حجابات نگاہوں کے سامنے سے اٹھ چکے تھے ایک حسین خواب نگاہوں کے سامنے تھا اور گنبدِ خضراء کا سبز گنبد نگاہوں کے سامنے جلوہ گر ہوا، جس سے ہر سمت روشنی بکھرنے لگی، ایک نورانی ہستی جلوہ فرما ہوئی، جن کے حسن و جمال سے جنید کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں، دل کیف و سرور میں ڈوب گیا، در و دیوار سے آوازیں آنے لگیں "الصلوۃ والسلام علیک یارسول اللہ" جنید

سمجھ گئے، یہ تو میرے آقا ہیں جن کا میں کلمہ پڑھتا ہوں، فوراً قدموں سے لپٹ گئے حضور اکرم ﷺ نے فرمایا، جنید اٹھو قیامت سے پہلے اپنی قسمت کی سرفرازی کا نظارہ کرو، نبی زادوں کے ناموس کے لئے شکست کی ذلتوں کا انعام قیامت تک قرض رکھا نہیں جائے گا، سر اٹھاؤ تمہارے لئے فتح و کرامت کی دستار لے کر آیا ہوں، آج سے تمہیں عرفان و تقرب کے سب سے اونچے مقام پر فائز کیا جاتا ہے، تمہیں اولیاء کرام کی سروری کا اعزاز مبارک ہو۔ان کلمات کے بعد حضور ﷺ نے جنید پہلوان کو سینے سے لگایا اور اس موقع پر حالتِ خواب میں جنید کو کیا کچھ عطا کیا گیا اس کا اندازہ لگانا مشکل ہے، اتنا اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ جب جنید نیند سے بیدار ہوئے تو ساری کائنات چمکتے ہوئے آئینے کی طرح ان کی نگاہوں میں آ گئی تھی ہر ایک کے دل جنید کے قدموں پر نثار ہو چکے تھے، بادشاہ وقت نے اپنا قیمتی تاج سر سے اتار کر ان کے قدموں میں رکھ دیا تھا،بغداد کا یہ پہلوان آج سید الطائفہ سیدنا حضرت جنید بغدادی کے نام سے سارے عالم میں مشہور ہو چکا تھا، ساری کائنات کے دل ان کے لئے جھک گئے تھے۔ تاریخی واقعہ)۔)

یہاں اس پُر لطف واقعے کے ذکر کرنے کا منشا یہ ہے کہ جنید پہلوان نے آل رسول ﷺ کی لاج رکھی، تو اللہ تعالی نے انہیں کہاں سے کہاں پہنچایا،اسی طرح ایٹمی پاکستان اگر ایران کے مقابلے میں خود دار اہل حرمین کی تائید میں لیت و لعل کے

بجائے کھل کر سامنے آتا، تو اس مملکت خداداد کو کیا کچھ ملتا، اس کا اندازہ لگانا اس وقت مشکل ہے، لیکن شریف خاندان کی کمبختیوں پر لکھنے کیلئے دفتر درکار ہیں، صرف اتنا عرض ہے کہ شہباز شریف سے سعودی وزیر خارجہ نے جدہ میں ملاقات اس لئے کی کہ ریاض آنے کی زحمت گوارانہ کریں، تاکہ وہ شاہ سلمان کے سامنے "عذر لنگ" پیش کرنے کا مرتکب نہ ہو۔

بمصطفیٰ برساں، کہ دیں ہمہ اوست

اگر باو نہ رسیدی، تمام بولہبی ست*

صلی اللہ علیہ وآلہ وصحبہ وسلم

دنیا میں جنگی اخلاقیات کی تنفیذ

یمن ، عراق ، شام، فلسطین اور افغانستان میں جنگیں ہو رہی ہیں ،جہاں جنگی اخلاقیات اورآداب کی کچھ جگہوں پر تنفیذ نہیں ہوتی۔جس کی وجہ سے وہاں المناک وقعات رونماہو رہے ہیں،ہم اس موضوع کوایک نئے زاویے سے لیتے ہیں ،شاید زاویہ بھی نیا نہ ہو ،البتہ اس کی طرف توجہ اور اہتمام نہ ہو ،اس پر فوکس نہ کیاگیا ہو۔وہ یہ کہ اسلام نے قرآن و سنت کی زبان میں پندرہ صدیاں قبل دشمن سے پیار ، جنگ میں امن ،یاجنگ برائے امن ،حالت غضب میں بھی برداشت، حلم وبردباری اور گردن زدنی (قصاص) میں سب کی حیات وزندگی کا تصور اوردرس دیاہے ، اسلام میں ناحق خون بہانے کی قطعاً اجازت نہیں دی گئی؛ بلکہ جو بالمقابل ہے اسی سے لڑو، لاشوں کو مثلہ نہ کرو، شب خون نہ مارو، اذیت دے کر قتل نہ کرو، راہبوں، گوشہ نشینوں، معذوروں، عورتوں، بچوں بوڑھوں کو نہ چھیڑو، عمارت نہ ڈھاؤ، پھلدار درخت نہ کاٹو، جو لوگ تمہارے قیدی بن جائیں ،ان سے حسن سلوک کا معاملہ کرو، ان کو کھانا کھلاؤاور لباس کا خیال رکھو۔ صلح پر کوئی قوم آمادہ ہو توتم بھی پیغام صلح قبول کرو۔قرآن نے قیدیوں کے کھانا کھلانے کو بہترین عمل قرار دیا ہے۔ پھر ارشاد ہوا ،آبادی کو نہ اجاڑو ، یہاں تک کہ فخر و غرور پر مشتمل نعرے باری سے بھی منع فرمایا۔ گویا اسلام نے جنگ کو مخالفین کے لئےایک

تادیبی عمل قرار دیا ہے اور حالت جنگ میں بھی اہل اسلام کو تقوی، خشیت، خوف خدا اور کثرت سے اللہ تعالی کی یاد کا حکم حیوانیت و نفسانیت کی واضح نفی کرتا ہے:

مومنو! جب (کفار کی) کسی جماعت سے تمہارا مقابلہ ہو تو ثابت قدم رہو اور (45) خدا کو بہت یاد کرو تاکہ مراد حاصل کرو۔

نیز خدا اور اس کے رسول کے حکم پر چلو اور آپس میں جھگڑا نہ کرنا کہ (ایسا (46) کروگے تو) تم بزدل ہو جاؤگے اور تمہارا اقبال جاتا رہے گا اور صبر سے کام لو۔ کہ خدا صبر کرنے والوں کا مددگار ہے.

اور ان لوگوں جیسے نہ ہونا جو اِتراتے ہوئے (یعنی حق کا مقابلہ کرنے کے لیے) (47) اور لوگوں کو دکھانے کے لیے گھروں سے نکل آئے اور لوگوں کو خدا کی راہ سے روکتے ہیں۔ اور جو اعمال یہ کرتے ہیں خدا ان پر احاطہ کئے ہوئے ہے۔ (الانفال)۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص روایت کرتے ہیں کہ آپ (ص) نے فرمایا: دشمن سے جنگ کی تمنا نہ کرو، ہاں جب سر پر آ جائے، تو پھر ڈٹے رہو اور اللہ کو یاد رکھو، اگر دوران کارزار دشمن شور و غل اور طبلے بجانا شروع کریں، تو تم خاموش ہی رہنا۔

حدیث میں ہے : اللہ تعالی کو تین مواقع پر خاموشی بہت پسند ہے،قرآن کی تلاوت دوران جنگ اور جنازے کے وقت۔

ایک اور جگہ مروی ہے: میرا مکمل بندہ وہ ہے جو دشمن سے مڈھ بھیڑ کے وقت بھی ہمیں یاد رکھے۔

یہ بطور اصول وکلیات اسلامی علوم وتاریخ کا حصہ ہیں، جن پر ایمان لانا ہر مسلمان کا فرض ہے ، جب اسلام نے ان درخشاں اصولوں میں پہل کی تھی،تب اس زمانے میں اورآداب icrc، کوئی اقوام متحدہ ، حقوق انسانی کمیشن ، بین الاقوامی عدالت انصاف القتال پر مشتمل کتب ومقالات کا تصور بھی نہ تھا، اب یہ سب کام ہو چکا ہے ، غیر مسلموں نے بھی ان کلیات کو اپنا لیا ہے ،اِن کی تعلیم دی جارہی ہے ، ان کی اشاعت ہو رہی ہے ، انہیں عام کیا جارہاہے ، پھر بھی جنگوں میں انسانی ، معاشرتی اور سماجی اخلاق اور حقوق کا جنازہ نکالا جاتاہے ،بڑی بے دردی سے ان قوانین کی دھجیاں اڑائی جاتی ہیں تعجب کی بات یہ ہے کہ آج کے مسلمان بھی ان کا خیال نہیں رکھتا اور اس سے زیادہ ، تعجب کی بات یہ ہے کہ دنیا میں مھذب کہلانے والی اقوام بھی من حیث الافراد و الاقوام ان اخلاقیات کو درخور اعتناء نہیں سمجھتیں ، دھڑلے سے ان اخلاقیات کوپامال کرتی ہیں ، غیر جنگی لوگوں کو ہدف بنایاجاتاہے ، بچوں اور خواتین

کو نہ صرف مارا جاتا ہے، بلکہ نشان عبرت بنایا جاتا ہے، بوڑھوں، بیماروں اور عام شہریوں کو ٹارگٹ کیا جاتا ہے، مساجد، مدارس، عبادت خانوں، ہسپتالوں، کارخانوں تک کو نشانہ بنایا جاتا ہے، آزادی اور جمہوریت لانے کے نام پر یہ سب کچھ کیا جاتا ہے، جب آپ نئی نسل کو مار دینگے، خواتین کو ظلم کا نشانہ بنا دینگے، اسکولوں، مدرسوں اور مساجد و معابد کو ویران کر دینگے تو آزادی کن کیلئے، حریت کن کیلئے، جمہوریت اور ترقی کن کیلئے ملکوں کو تباہ کرکے، ان میں شرفاء کو قید یا قتل کرکے وہاں جب آپ نو آبادیات یا، کٹھ پتلیاں قائم کر دینگے، وہاں کے ذخائر پر قبضہ جما دینگے، وہاں آپس میں نفرتیں اور کدورتیں بو دیں گے، وہاں دجالی انداز میں کسی کو تخت پر کسی کو دار پر لے آئینگے، تو یہ ڈیموکریسی کس بات کی؟

امریکہ نے ویت نام، افغانستان اور عراق میں، برطانیہ نے اپنے مستعمرات میں، فرانس نے مشرق عربی اور مالی میں، چین نے سنکیانگ اور تبت میں اور روس نے ماتحت جمہوریات، کریمیا، چیچنیا اور شام میں یہی تو کیا ہے اور تا حال ظلم و ستم کا یہ منحوس بازار گرم ہے، در حقیقت یہ جنگ نہیں بلکہ ظلم و عدوان اور انسانیت سوزی کی آخری شکل ہے، ان لوگوں کی سفاکیت کی مختصر روداد یہ ہے کہ ان کی دونوں عظیم جنگوں میں ایک محتاط اندازے کے مطابق چار کروڑ انسانی جانیں تلف ہوئیں، ستم ظریفی دیکھئے انہیں پھر بھی عقل نہ آئی۔

مسئلہ صرف یہ نہیں ہے کہ ان لوگوں یا ملکوں اور اان کی فواج کے سر براہوں کو اخلاقیات ضرب وحرب کا پتہ نہیں ہے ،یا انہیں معلوم نہیں ہیں ،زیادہ ترمسئلہ اپنے اوپر اور جارحیت کرنے والوں کے اوپر ان اخلاقیات کو لاگو کرنے کا ہے ، ان کی تنفیذاور نفاذ کا ہے ، اب بڑی اور بااثر طاقتیں کیا کرتی ہیں ، وہ اقوام متحدہ ،بین الاقوامی عدالت انصاف اور حقوق انسانی کمیشنز کے پلیٹ فارمزپر پہلے تو کسی جنگی جرم کا اعتراف نہیں کرتیں اور اگر کہیں کرلیتی ہیں ، تو پھر خودہی اپنی خطاؤں کی وکالت کرتی ہیں ، خود ہی وکیل بن جاتی ہیں ، چھوٹے لوگ غلطی کریں یا نہ کریں ،ان پر ناکردہ جرائم تھوپ دیے جاتے ہیں ،پھر یہ طاقتیں ان پر جج بن کر سراجمان ہو جاتی ہیں ، مدعی بھی خود اور جج وقاضی بھی خود، اب اے صاحبان عقل ودانش ،آپ ہی بتایئے گا ، کہ انسان جب اپنی وَں کا جج ، تو کیا فیصلے قانون اخطاء واغلاط کا وکیل بن جائے اور مخالفین کی غلطیوں وخطا وانصاف کے مطابق ہوں گے ،یا { انا } کے مطابق ، ظاہر سی بات ہے کہ عمومی طور پر انا کو ترجیح دی جاتی ہے ،اسی دوغلے پن سے چھوٹی قومیں بداعتمادی کا شکار ہوجاتی ہیں ، جنگل کا قانون دیکھ کر وہ بھی جنگل کے قانون پر اترآتی ہیں ، پھر دہشت گردی ہوتی ہے اور دہشت گرد پیدا ہوتے ہیں ،جب بھی معاشرے میں فصل بہار کے بجائے فصل خزاں کا راج شروع ہوتاہے اور لوگ فلسفۂ قانون واخلاق سے نکل کرلاقانونیت اوربد اخلاقی پر آتے

ہیں ،یا اس کے شکار ہوتے ہیں، اس کی بنیادی وجہ اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ وہاں مساوات ، عدل اور انصاف کا فقدان ہوتا ہے۔

بہر حال قانونِ اسلام یا احکامِ الٰہی میں سے ہر حکم کی بنیادی طور پر دو جہتیں ہیں: " مصالح کا حصول، مفاسد کا دفع۔ مثلاً کسب حلال کرو تو چوری ڈکیتی اور حرام کاری سے بچوگے۔ چوری ڈکیتی میں گرفتار ہوئے تو مستحق سزا۔

جس طرح انسانی زندگی میں معمولی مرض کا قبل از وقت علاج کیا جاتا ہے اور جب چھوٹی سی پھنسی جان لیوا پھوڑے کی صورت اختیار کرلیتی ہے ،تو اس حالت میں پورے جسم کو دائمی سکون پہنچانے کے لئے انسانی بدن کے اس حصہ پر نشتر لگانا ناگزیر ہوجاتا ہے، کبھی تو مریض خود یہ کام انجام دیتا ہے اور کبھی اس کی معاونت کے لیے پورے خاندان کی محنتیں اس کے ساتھ لگی ہوتی ہیں۔ انسانی معاشرہ کی مثال بھی جسم انسانی ہی کی سی ہے، اگر جسم صحت مند ہے تو سوچ، فکر اور عمل کی قوتیں بھی صحت مند رہیں گی ورنہ وہ چلتا پھرتا ہڈیوں کا ڈھانچہ کہلائے گا۔

انسان کی معاشرتی زندگی میں اس کے جان ومال، عزت وآبرو، ایمان واعمال وغیرہ کو جو چیز بھی آزمائش وخطرے میں ڈالے ،وہ فتنہ ہے اور اس کی زندگی

میں جو شئے ناہمواری پیدا کردے وہ فساد ہے، ان دونوں کا سدّباب ایک ایسا انسانی فریضہ ہے جس کا کوئی عقلمند انکار نہیں کرسکتا، اور اس کے لیے تگ و دو اور طاقت و قوت کا استعمال بھی عین فطرت کے مطابق ہے۔ قرآن کہتا ہے: فتنہ قتل سے بڑھ کر ہے۔ اس لیے کہ کسی کا قتل اس کی ذات سے متعلق ہوتا ہے، لیکن فتنہ کا تعلق اجتماعیت سے ہے اور اس سے پورے معاشرے کے خطرے میں پڑجانے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

غور و خوض کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ طاقت و ہتھیار کے صحیح استعمال پر اپنی انسانی زندگی کا مدار ہے۔ انسان اگر اپنی روزمرہ کی زندگی کا بنظر غائر مطالعہ کرے تو اس کا زاویۂ فکر اسی نقطہ پر پہنچے گا کہ ہر مثبت شے اپنے بالمقابل منفی شے سے آمادۂ جنگ اور برسرپیکار ہے، جیسے دوا کا استعمال جسمانی بیماریوں کے خلاف ایک جنگ ہے۔ اسی طرح تہذیب وتمدن کی دنیا میں جہالت وناشائستگی کا قلع قمع کرنے کے لیے تعلیم وتربیت سب سے بڑا ہتھیار ہے۔

اب اس تمہید کے مطابق جو جنگ فطرت کے موافق انسانی معاشرہ کے جانی ومالی اور اخلاقی تحفظ کے لیے فتنہ وفساد کی سرکوبی کرتی ہے اس کو فطری جنگ کہا جائے گا، اور اس کو جہاد اسلامی سے بھی تعبیر کیا جائے گا۔

اس کے ساتھ ساتھ تعلیمات نبوی سے ملنے والے اس اصول کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے کہ فطری جنگ کا اصل ہدف کیا ہے؟ اس کے مقاصد دولت و اقتدار کا حصول، جذبۂ انتقام کی تسکین، یا نفسانی خواہشات کی تکمیل اور نسل کشی نہیں، بلکہ اس کا ہدف اعظم صرف اور صرف انسانیت کی سربلندی، آدمیت کا قیام اور اخلاقی قدروں کی حمایت ہے

اور انسان کو اس کا پیدائشی حق "جیو اور جینے دو" فراہم کرنا ہے۔ درحقیقت اسلام کا پورا نظام ہی انسانی زندگی کی بقا اور اس کی شادابی کے لیے ہے۔

اسی کے ساتھ غیر اخلاقی جنگ کا منظرنامہ بھی دیکھتے جایئے، اس جنگ میں بہیمیت کا انتہائی گہرا رنگ ہوتا ہے، انسانی قدریں مفقود ہوتی ہیں اور حرص و ہوس، نفسانیت اور حصول اقتدار ہی کا غلبہ ہوتا ہے، پھر عورت کیا، بچے کیا، بوڑھے، معذور اور بیمار کیا ہر ایک کو تختۂ مشق بنایا جاتا ہے، ہر طرف خون خرابہ کا دور دورہ ہوتا ہے، وقت کی کوئی قید نہ حملوں کا کوئی اصول، اور نہ ہی کسی مقدس مقام کا کوئی احترام۔ اس کی بے ضابطگی کو قرآن نے انتہائی مدلل انداز میں ذکر کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے: (اگر مالک ارض وسما اور رب حکیم اخلاقی جنگوں کے ذریعے فسادیوں اور شرانگیزوں کو بیخ و بن سے اکھاڑ پھینکنے کا انتظام نہ فرماتے، تو نہ کوئی دیر و کلیسہ، چرچ و گرجا گھر، اور نہ

ہی کوئی عبادت گاہ و سجدہ گاہ محفوظ رہ پاتی اور یہ شر پسند لوگ زمین کی خوشگواریوں کو خاک میں ملا کر فتنہ وفساد سے اسے آلودہ کرڈالتے) یوں انسانیت میں امن وسلامتی تباہ وبرباد ہوجاتی"۔ (ملخص از ماہنامہ دارالعلوم دیوبند)۔

اس کے لئے کوشاں ہے، لیکن وہ توایک icrc ، ان اخلاقیات کی تنفیذ کیسے کی جائے واعظ اور مبلغ ادارہ ہے، کوئی قوت حاکمہ یا منفذہ نہیں ہے، ہاں اس کی آواز بازگشت مقتدر ایوانوں تک پہنچتی ہے، لہذا ہم بڑی طاقتوں کی خدمت میں چند تجاویز پیش کرنا چاہینگے، جو مندرجہ ذیل ہیں :

انسانی اخلاقیات کی تعلیم کا ہر سطح پر اہتمام۔ (1)

جنگی اخلاقیات کی تعلیم کا سیکورٹی اداروں میں بندوبست۔ (2)

عرب فلموں کی طرح میڈیا میں جنگی اخلاقیات پر فلمسازی ۔ (3)

مار دھاڑ اور خطرناک وخونخوار فلموں پر پابندی۔ (4)

بین الاقوامی عدالت انصاف میں حقیقی عدل وانصاف پر عمل درآمد۔ ()

اقوام متحدہ اور سیکورٹی کونسل میں بے لاگ اصلاحات ۔ ()

اخلاقیات جنگ پامال کرنے والے ممالک وشخصیات کی سخت گرفت۔ (7)

اخلاقیات جنگ کی رعایت نہ کرنے والوں پر بھاری بھر کم جرمانے اور سزائیں ۔ (8)

جاپانی حکومت کے طرز پر عام اخلاقیات کو تعلیم کا حصہ بنایا جائے۔ (9)

اخلاقیات جنگ کے متعلق شعور وآگہی کے لئے عالمی سطح پر کام۔ (10)

مذہب پر یقین رکھنے والے جنگوں وآپریشنوں سے قبل اپنے پیغبروں کا کردار (11)

تقوی صلاح، خشیت، خوف الہی اور فرامیں مذہب کا از خود استحضار و تجدید کریں،اور،

ورکشاپس وغیرہ کے ذریعے دوسروں کو بھی کرائیں۔

لادین تہذیب وثقافت کے تناظر میں یہ کام کریں۔ (12)

جنگ کو عبادت یا خدمت سمجھا جائے۔ (13)

ٹارگٹڈ تربیت کی جائے، بدن کے بیمار حصے کے کاٹنے کی طرح صرف دشمن ہدف (14)

ہو۔

احمقانہ جنگوں اور ان کے کرداروں پر مزاحیہ کارٹون بنائے جائیں۔ (15)

گر قبول افتد زہے قسمت۔

موت

انسان ازلی نہیں ہے لیکن ابدی ضرور ہے،ابتداءً نہیں تھا،البتہ انتہاءً مرنے کے بعد وہ ابد الآباد تک رہے گا،آج کے دور میں لوگ آخرت کو بھول چکے ہیں، موت سے بے خبر و بے خطر اسی زندگی کو سب کچھ سمجھ رکھا ہے،آئے روز جنازے اٹھائے جارہے ہیں،پر انسان ہے کہ غافل و مغفّل بنا ہوا ہے،خدا کا خوف نہ آخرت کی فکر،بس ''ھَل مِن مزید'' کے چکر میں اپنی دنیا و عُقبیٰ کی بربادی پر تُلا ہوا ہے،ارے فرعون ، ہامان ، نمرود، شداد، ہٹلر، مسولینی اور چاؤ شسکو کہاں ہیں، تجزیئے ، تبصرے اور فلسفے کے سورماؤ، شہرت کے پرستارو، سقراط، بقراط، افلاطون،ارسطواور کارل مارکس کہاں ہیں،جی آپ کی اطلاع کے لئے عرض ہے،یہ سب کے سب تھوڑی زندگیاں گذار کر مرچکے ہیں، مرنا ہی ایک ایسی حقیقتِ ظاہرہ وباہرہ ہے، جس میں کلام کی کوئی گنجائش نہیں ہے، انسانی معاشرے میں موت اوراس کی یاد بہت سے اصلاحات کا سبب بن سکتی ہیاور بہت قبائح کو دفع کر سکتی ہے، سورہ اعلیٰ میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ''بلکہ تم حیاتِ دنیاوی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت ہی زیادہ بہتراورزیادہ باقی رہنے والی ہے''، یہاں توکچھ ہی مدت کے لئے رہنا ہے، وہاں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے، گویا وہ منزلِ مقصود ہے، دانشمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اس کے لئے اچھی طرح سے تیاری کی جائے، کیونکہ جسے ہم فناء سمجھتے ہیں وہی

حقیقی حیات اور دائمی بقاء ہے، اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کثرت سے موت کو یاد کیا کرو، اس لئے کہ موت کا یاد کرنا گناہوں کو دور کرتا ہے، دنیائے مذموم، غیر مطلوب اور فضول سے بیزار کرتا ہے، یعنی جب انسان موت کو بکثرت یاد کرے گا، تو دنیا میں جی نہ لگے گا، طبیعت دنیا کے سامان سے نفرت کریگی، زاہد ہو جائیگا آخرت کی طلب، وہاں کی نعمتوں کی خواہش اور وہاں کے عذابِ دردناک کا خوف ہوگا، پس ضرور نیک اعمال میں ترقی کریگا، معاصی سے بچے گا، کیونکہ تمام نیکیوں کی جڑ زہد ہے، جس کا مطلب ہے، دنیا پر اعتماد نہ کرنا اور اس پر نہ ٹیک لگائے رہنا، اس کے پیچھے پاگل بن کر نہ بھاگنا۔ جب تک دنیا، اس کی زینت، اس کے عہدے، رنگ و نسل، فرقے و مذہب، مراتب و مناصب، شہرت اور جاہ وجلال سے تعلق ترک نہ ہوگا، پوری توجہ اللہ کی طرف نہیں ہو سکتی، ہاں عبادت کے لئے جو امور ضروریہ دنیاویہ ہیں، وہ مطلوب ہیں اور دین میں داخل ہیں، لہٰذا مذمت سے وہ خارج ہیں، بلکہ جس دنیا کی مذمت کیجاتی ہے، اس سے وہ چیزیں مراد ہیں، جو حق تعالیٰ، اس کے سول ﷺ، اس کی کتاب سے غافل کریں، گو کسی درجہ میں بھی سہی، جس درجہ کی غفلت ہوگی، اسی درجہ کی مذمت ہوگی، پس معلوم ہوا کہ موت کا تذکرہ، اس کی باتیں، اس کے متعلقات کی یاد، اس کا دھیان، اموات کے حقوق پاس داری، اس نازک و عظیم الشان سفر اور اس کے مابعد کیلئے توشہ تیار کرنا ہر عاقل بالغ و سمجھدار پر لازم اور ضروری ہے۔

ایک دوسری حدیث میں آیا ہے کہ بیس بار روزانہ موت کو یاد کرے، تو درجہ شہادت پاویگا، سو اگر تم اسکو یاد کروگے۔ تو انگری کی حالت میں۔ تو وہ اس دنیوی غِنا کو گرادیگا یعنی جب غنی آدمی موت کا دھیان رکھے گا، تو اس غنا کی اسکے نزدیک وقعت نہ رہیگی،، جو باعثِ غفلت ہے۔ کیونکہ یہ سمجھے گا کہ عنقریب یہ مال مجھ سے جدا ہونیوالا ہے، اس سے تعلق پیدا کرنا، کچھ نافع اور مفید نہیں، بلکہ مضر اور نقصان دہ ہے، ہاں وہ کام کرلیں جو وہاں کام آئے، جہاں ہمیشہ رہنا ہے۔ پس ان خیالات سے مال کا کچھ برا اثر نہ پڑیگا، اگر تم اسے فقر اور تنگی کی حالت میں یاد کروگے، تو وہ تم کو راضی کردیگا، تمہاری بسر اوقات سے۔ یعنی جو کچھ تمہاری تھوڑی سی معاش ہے، اس سے راضی ہوجاؤگے کہ چندروز قیام ہے۔ پھر کیوں غم کریں، اس کا عوض حق تعالی عنقریب نہایت عمدہ ساز وسامان مرحمت فرمائیں گے، یوں بندہ ''راضی بقضائے الٰہی'' ہوجائے گا جو اولیاء اللہ کا مرتبہ ہے۔

جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بیشک زمین پکارتی ہے ہر دن ستر بار، اے بنی آدم کھالو جو چاہو اور جس چیز سے رغبت کرو، پس خدا کی قسم میں ضرور تمہارے گوشت اور تمہارے پوست کھاجاؤنگی، اگر شبہ ہو کہ ہم تو آواز زمین کی سنتے نہیں، تو ہم کو کیا فائدہ جواب یہ ہے کہ جناب رسول کریم ﷺ کے ارشادِ عالی سے جب یہ معلوم ہوگیا کہ، زمین اس طرح کہتی ہے، تو جیسے زمین کی بالفعل آواز سے دنیا

کمانے کا جوش دل پر سرد اور ٹھنڈا ہو جاتا ہے۔اسی طرح اب بھی اثر ہونا چاہیئے، کسی چیز کے علم کے واسطے یہ کیا ضروری ہے، کہ اس کی آواز ہی سے علم ہو، بلکہ مقصود تو اس کا معلوم ہو جانا ہے، خواہ کسی بھی طریقے سے ہو، مثلاً، کوئی شخص دشمن کے لشکر کو آتا دیکھ کر جیسا گھبراتا ہے اور اس سے مدافعت کے سامان اختیار کرتا ہے، اسی طرح کسی معتبر کے خبر دینے سے بھی گھبراتا ہے، کیونکہ دونوں صورتوں میں اسکو دشمن کے لشکر کا آنا معلوم ہو گیا، جو گھبرانے اور مدافعت کے سامان کا باعث ہے، پھر کوئی مخبر جناب رسالۃ مآب علیہ افضل الصلاۃ والسلام سے بڑھ کر، بلکہ آپ ﷺ کے برابر بھی نہیں ہو سکتا، پس جب اور لوگوں کے کہنے کا اعتبار کیا جاتا ہے، تو آپ ﷺ کے فرمودہ کا تو بطریق اولی اعتبار ہونا چاہیئے، کیونکہ آپ ﷺ ''الصادق الامین''یعنی نہایت سچے ہیں، حدیث میں ہے، کَفٰی بالموتِ واعظاً وبالیقینِ غنًا۔ ترجمہ: کافی ہے موت باعتبار واعظ ہونے کے، یعنی موت کا وعظ کافی ہے کہ جو شخص اسکی یاد رکھے اسکو دنیا سے بے رغبت کرنے کے لئے اور کسی چیز کی حاجت نہیں، اور کافی ہے یقین روزی ملنے کا باعتبار غنا کے، یعنی جب انسان کو حق تعالی کے وعدہ پر یقین ہے، کہ ہر ذی روح وحیات کو اس اندازہ سے جو اس کے حق میں بہتر ہے، رزق ضرور دیا جاتا ہے، تو یہ کافی غِنا ہے، ایسا شخص پریشان نہیں ہو سکتا، بلکہ جو مال سے غنا حاصل ہوتا ہے، اس سے یہ یقین والاغِنا اعلی ہے، کہ اس کو فنا نہیں اور مال کو فنا ہے، کیا معلوم ہے کہ جو مال اس وقت موجود ہے، وہ کل کو بھی باقی

رہیگا یا نہیں اور خداوند کریم کے وعدہ کو بقا ہے، جس قدر کہ رزق موعود ہے ضرور ملے گا۔

حدیث: جو شخص پسند کرتا ہے حق تعالی سے ملنا تو حق تعالی بھی اس سے وصال چاہتے ہیں اور جو حق تعالی سے ملنا پسند نہیں کرتا اور دنیا کے مال وجاہ اور ساز و سامان سے جدائی نہیں چاہتا، تو اللہ تعالی بھی اس سے ملنا پسند نہیں فرماتے، ظاہر ہے کہ بغیر موت کے خدائے تعالی سے ملاقات غیر ممکن ہے، پس چونکہ موت ذریعۂ ملاقاتِ محبوب حقیقی ہے، لہٰذا موت مؤمن کو محبوب ہونی چاہئے اور ایسے سامان پیدا کرے جس سے موت ناگوار نہ ہو، یعنی نیک اعمال کرے، تاکہ بہشت کی خوشی میں موت محبوب معلوم ہو اور معاصی سے اجتناب کرے، تاکہ موت مبغوض نہ معلوم ہو، کیونکہ گنہگار کو خوفِ عذاب شدید کی وجہ سے موت سے نفرت ہوتی ہے، اس لئے کہ موت کے بعد عذاب ہوتا ہے، اور نیک بخت کو بھی گو عذاب کا خوف ہوتا ہے اور جنت کی بھی امید ہوتی ہے، مگر تجربہ ہے کہ نیک بخت کو باوجود اس دہشت کے موت سے نفرت نہیں ہوتی اور پریشانی نہیں ہوتی اور امید اکثر بمقابلہ خوف کے غالب ہوجاتی ہے اور اسی طرح یہ بھی تجربہ ہے کہ کافر و فاسق پر اکثر امید غالب نہیں ہوتی، اسلئے وہ موت سے نہایت گھبراتا ہے۔

حدیث: جو نہلاوے میت کو پس ڈھک لے اس کو، چھپالے گا اللہ تعالی اس کے گناہ یعنی آخرت میں گناہوں کی وجہ سے اس کی رسوائی نہ ہوگی۔ اور جو کفن دے مردے، کو تو اللہ تعالی اس کو سندس جو ایک باریک ریشمین کپڑے کا نام ہے وہ پہنا ویگا آخرت میں اسے۔ بعض جاہل مردے کی خدمت سے ڈرتے ہیں اور اس کو منحوس سمجھتے ہیں یہ سخت بیہودہ بات ہے کیا ان کو مرنا نہیں، چاہیئے کہ خوب مردے کی خدمت کو انجام دے، ثواب جزیل حاصل کرے اور اپنا مرنا یاد کرے کہ اگر ہم سے بھی لوگ ایسے ہی بچیں، جیسے ہم بچتے ہیں، تو ہمارے جنازہ کی کیا کیفیت ہوگی اور عجب نہیں کہ حق تعالی بدلہ دینے کو اس کو ایسے ہی لوگوں کے حوالے کریں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، جو غسل دے مردے کو اور اسے کفن دے، اسکے حنوط لگائے، حنوط ایک قسم کی مرکب خوشبو کا نام ہے آج کل اسکے بجائے کافور بھی استعمال ہوتا ہے، اٹھاوے اس کے جنازے کو، اس پر نماز پڑھے اور نہ افشا کرے اس کی کوئی بری بات جو دیکھے اس سے، دور ہوجائے گا اپنے گناہوں سے اس طرح جیسے کہ اس دن جبکہ اس کی ماں نے اس کو جنا تھا، یعنی جیسے گناہوں سے اس دن پاک صاف تھا۔

حدیث: میں یہ بھی ہے، جو نہلاوے مردے کو، پس چھپالے اس کے عیب کو، تو اس کے چالیس کبیرہ گناہ معاف کردیئے جائینگے اور جو اسے کفن دے، اللہ تعالی اس کو جنت کا سندس ور استبرق پہناوے گا اور جو میت کیلئے قبر کھودے، پس اس کو

اس میں دفن کرے، جاری فرمائے گا اللہ تعالی اس شخص کے لئے اس قدر اجر جو مثل اس مکان کے ثواب کے ہوگا جس میں قیامت تک اس مردے شخص کو رکھتا ہے، یعنی اسکو اس قدر اجر ملے گا، جتنا کہ اس مردے کو رہنے کے لئے قیامت تک مکان عاریت دینے کا اجر ملتا ہے۔

حدیث: پہلا تحفہ مومن کا یہ ہے کہ گناہ بخش دیئے جاتے ہیں، اس شخص کے جو میت کے جنازے کی نماز پڑھتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کوئی مسلمان ایسا نہیں ہے کہ وہ مرجائے اور اس کے جنازے پر تین صفیں مسلمانوں کی نماز پڑھیں، مگر واجب کرلیا اسنے جنت کو یعنی اس کی بخشش ہوجاوے گی۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: نہیں ہے، کوئی ایسا مسلمان کہ وہ مرجائے، پس کھڑے ہوں، یعنی نماز پڑھیں اس کے (جنازے) پر، چالیس مرد ایسے جو شرک نہ کرتے ہوں خدا تعالی کے ساتھ، مگر یہ کہ ان نماز پڑھنے والوں کی شفاعت قبول کی جائی گی، اس مردے کے حق میں، یعنی جنازے کی نماز جو حقیقت میں دعا ہے میت کے لئے، وہ قبول کرلی جائے گی اور اس مردے کی بخشش ہوجاوے گی۔ آپ ﷺ کا ارشاد ہے: کوئی مسلمان ایسا نہیں جس کے جنازے پر ایک جماعت نماز پڑھے، مگر یہ کہ ان لوگوں کی شفاعت قبول کی جائی گی، اس میت کے بارے میں۔ آپ ﷺ سے مروی ہے: نہیں ہے کوئی مردہ کہ اس پر ایک جماعت مسلمانوں کی نماز پڑھے، جو عدد میں سو ہوں، پس سفارش کریں وہ اسکے لئے مگر یہ کہ وہ سفارش میں قبول کئے جائینگے، مردے کے بارے میں یعنی ان کی دعا قبول ہوگی اور اس مردے کی مغفرت ہوجاوے گی۔ روایت میں یہ بھی آتا ہے: جو

اٹھاوے چاروں اطراف چارپائی (جنازے) کی، تو اکے چالیس کبیرہ گناہ بخشش دیئے جائینگے۔

ایک حدیث میں ہے، افضل ترین آدمی اہل جنازہ میں سے ،یعنی جو جنازے کے ہمراہ ہوتے ہیں ان میں سے، وہ ہے جو ان میں بہت زیادہ ذکر کرے اس جنازے کے ساتھ اور جو نہ بیٹھے یہاں تک کہ جنازہ زمین پر رکھدیا جائے اور زیادہ پورا کرنے والا پیانہ ثواب کا وہ ہے، جو تین بار اس پر مٹھی بھر خاک ڈالے ،یعنی ایسے شخص کو خوب ثواب ملے گا۔

حدیث میں ہے ،اپنے مردوں کو نیک قوم کے درمیان دفن کرو، اس لئے کہ بیشک مردہ اذیت پاتا ہے بوجہ برے پڑوسی کے ،یعنی فاسقوں یا کافروں کی قبروں کے درمیان ہونے سے مردے کو تکلیف ہوتی ہے اور صورت اذیت کی یہ ہے کہ فساق وکفار پر جو عذاب ہوتا ہے اور وہ اس کی وجہ سے روتے چلاتے ہیں اس واویلا کی وجہ سے تکلیف ہوتی ہے، جیسا کہ اذیت پاتا ہے زندہ بوجہ برے پڑوسی کے۔

حدیث میں ہے ،جنازے کے ہمراہ کثرت سے لا الہ اللہ پڑھو ،جنازے کے ہمراہ اگر ذکر کرے ،تو آہستہ کرے، اس لئے کہ زور سے ذکر کرنا علماء نے مکروہ لکھا ہے۔

صحیح حدیث میں ہے، جس کو حاکم نے روایت کیا ہے کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، میں نے تم کو منع کیا تھا قبروں کی زیارت سے، ایک خاص وجہ سے جو اَب باقی نہیں رہی، آگاہ ہو جاؤ، پس اب زیارت کرو، ان کی، یعنی قبروں کی اسلئے کہ وہ زیارتِ قبور، دل کو نرم کرتی ہے، دل کی نرمی سے نیکیاں عمل میں آتی ہیں، رلاتی ہیں ہر آنکھ کو، یاد دلاتی ہے آخرت کو اور تم نہ کہو کوئی غیر مشروع بات قبر پر۔

حدیث میں ہے، میں نے تم کو منع کیا تھا قبروں کی زیارت سے پس (اب) ان کی زیارت کیا کرو، اس لئے کہ وہ زیارت بے رغبت کرتی ہے دنیا سے اور یاد دلاتی ہے آخرت کو۔ زیارت قبور سنت ہے اور خاص کر جمعہ کے روز، حدیث میں ہے کہ جو ہر جمعہ والدین کی یا والد یا والدہ کی قبر کی زیارت کرے تو اس کی مغفرت کی جائے گی اور وہ والدین کا خدمت گذار لکھ دیا جائے گا، مگر قبر کا طواف کرنا، بوسہ لینا منع ہے خواہ کسی نبی کی قبر ہو یا ولی کی یا کسی کی ہو، اور قبروں پر جا کر اول اس طرح سلام کرے: ”السلام علیکم یا اھل القبور من المؤمنین والمسلمین یغفر اللہ لنا ولکم، انتم سلفنا ونحن بالاثر“، جیسا کہ ترمذی اور طبرانی میں اموات کے لئے یہ الفاظِ سلام آئے ہیں قبلہ کی طرف پشت کرکے اور میت کی جانب منہ کرکے قرآن مجید پڑھے، جس قدر، ہو سکے، حدیث میں ہے کہ جو قبروں پر گذرے اور سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر مردے کو بخشے تو

مطابق شمار مردوں کے اس کو بھی ثواب دیا جائے گا، نیز حدیث میں ہے کہ جو قبرستان میں داخل ہو پھر سورہ الحمد، سورۂ اخلاص اور سورۂ تکاثر پڑھ کر اس کا ثواب اہل قبرستان کو بخشے، مردے اسکی شفاعت کرینگے اور نیز حدیث میں ہے کہ جو کوئی سورۃ یٰسین کو قبرستان میں پڑھے تو مردوں کے عذاب میں اللہ تعالیٰ تخفیف فرمائے گا اور پڑھنے والے کو بشمار مردوں کے ثواب ملے گا۔

حدیث میں ہے کہ نہیں کوئی شخص کہ گذرے کسی ایسی میت کی قبر پر جسے وہ دنیا میں پہچانتا تھا، پھر اس پر سلام کرے، مگر یہ بات ہے کہ وہ میت اس کو پہچان لیتا ہے اور اس کو سلام کا جواب دیتا ہے، گو اس جواب کو سلام کرنے والا نہیں سنتا۔ قبرستان پر سے گذرتے ہوئے دعائیہ سلام کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ (بہشتی زیور مع تغیرات واضافات)

۔مزارات اور اموات کے حوالے سے بدعات کا بازار بہت گرم ہے، جو نہ کرنے کے امور ہیں، وہ بڑی پابندی کے ساتھ انجام پاتے ہیں، جو کرنے کے ہیں، ان سے اغماض برتا جاتا ہے، سندھ کے سہون اور اسلام آباد میں بری امام جانے کا اتفاق ہوا، اولیاء اللہ کے مراقد پر منکرات، مکروہات، بدعات، محرمات اور فواحش وقبائح کا ایسا طوفان کہ، الامان الحفیظ، یہ وہ سب لوگ ہیں جو دنیا کے عیش وعشرت میں ایک کھلی ہوئی حقیقت کو بھول چکے ہیں یا بھلا چکے ہیں، وہ حقیقت کیا ہے، وہ موت ہے موت۔

(اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے (1

آل انڈیا مسلم لیگ کا دو قومی نظریہ قرآن وسنت کے مطابق ہے، جب تک دنیا میں اسلام ہے، مسلم قومیت کا یہ نظریہ کبھی ختم نہیں ہو سکتا، مسلم اور غیر مسلم قومیتوں پر مبنی دو قومی نظریہ کے مخالف ناپختہ وغیر متبحر دانشور، ناسمجھ یا بد نیت لوگ ہی ہو سکتے ہیں، اسلام نے مسلمانوں کو ایک امہ وملت اور تمام کفر کو ایک دوسری ملت قرار دیا ہے، جبکہ اہلِ اسلام کو مسلم قومیت کا نام بھی قرآن ہی نے دیا ہے (مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ،هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ)، یہ اور بات ہے کہ آج کے دور میں قومیں اوطان سے بنتی ہیں، لیکن یہ کسی ادارے میں ایک ساتھ کام کرنے والے کارکنوں کے مانند بطور ورکنگ ریلیشن شپ ایک جغرافیائی یا ادارتی تقسیم ہے، جس کا نظریہ واعتقاد سے کوئی تعلق نہیں ہے، چنانچہ بعض اقوام مختلف جغرافیائی سرحدوں میں ہونے کے باوجود وسیع تر معنوں میں ایک ہی قوم کہلاتی ہیں، نیز کسی ملک کا اسلامی ہونا غیر مسلموں کے حقوق کی نفی نہیں کرتا، بلکہ ان کے حقوق اور واجبات کی مکمل تائید وحمایت کرتا ہے ،اسی طرح اسلامی خلافت، جمہوریت یا ملوکیت کی نفی کرتی ہے نہ اثبات، مسلم حکمران حضرتِ داؤد وسلیمان علیہما السلام اور امیر معاویہؓ وہارون الرشید کی طرح بادشاہ بھی ہو تب بھی خلیفہ ہے اور جمہوری حاکم ہو تب بھی، دونوں صورتوں

میں وہ ایک شوریٰ کا پابند ہوتا ہے، آخری اور فیصلہ کن رائے انہی خلیفہ کی ہوتی ہے، نام میں کیا رکھا ہے، بالا دستی تو اکثریت یا طاقتور ہی کی ہوتی ہے، انڈیا بظاہر ایک سیکولر ملک ہے، مگر وہاں وہی ہوتا ہے جو ہندو چاہتے ہیں، پاکستان نام کا اسلامی جمہوریہ ہے، پر یہاں اسلامی احکام واقدار کی تنفیذ کتنی ہے، سب کو معلوم ہے، سیاسی پارٹیوں میں مکمل بادشاہت ہے، اہل اقتدار بشمول بیوروکریسی واسٹبلیشمنٹ میں بھی ہر جگہ سن کوٹہ کارفرما ہے ۔علامہ اقبال موجودہ تصورِ قومیت کے خلاف ہیں جس کی بنیاد رنگ، نسل زبان یا وطن پر ہو، کیونکہ یہ حد بندیاں ایک وسیع انسانی برادری قائم کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے، ان کی قومیت کے اجزائے ترکیبی وحدت مذہب، وحدت تمدن و تاریخ ماضی اور پر امید مستقبل ہیں، جہاں تک مذہب کا تعلق ہے اسلام اسی ملت کی اساس ہے، اور اسلام کا سب سے بڑا اور بنیادی اصول ''توحید'' ہے، جو ملی وحدت کا ضامن ہے، اس کا دوسرا رکن ''رسالت'' ہے اور یہی دونوں اساسِ ملت ہیں، نہ کہ وطن جو انسانیت میں جنگ وجدل اور ملک گیری کی ہوس پیدا کرتا ہے۔ وہ فرماتے ہیں :

قوم مذہب سے ہے، مذہب جو نہیں، تم بھی نہیں
جذبِ باہم جو نہیں، محفلِ انجم بھی نہیں
ایک ہوں مسلم، حرم کی پاسبانی کے لئے
نیل کے ساحل سے لے کر، تا بخاکِ کاشغر

ہندوستان میں دو قومی نظریے کا پس منظر در حقیقت یہ ہے، کہ انگریزوں نے ہندوستان پر قبضہ جمانے کے بعد 1835ء میں فارسی کو ہٹا کر اردو کو پورے ہندوستان کی سرکاری زبان بنایا، اس وقت اردو زبان میں موجود عربی رسم الخط اور عربی زبان کے الفاظ کی موجودگی کی کسی ہندو نے مخالفت نہیں کی، لیکن 1857ء کی جنگِ آزادی کے بعد ہندوؤں نے اردو زبان میں عربی زبان کے اثر کی مخالفت کے مسئلے کو شد ومد سے لا کھڑا کیا، یہ جھگڑا ہندی اردو 1867ء کے نام سے موسوم ہے، جبکہ اصل جھگڑا اردو زبان میں عربی زبان اور سنسکرت زبان کے اجارہ داری کا تھا، مسلمان اردو کو عربی کی ایک شاخ اور ہندو اسے دیوناگری کی شاخ بنانا چاہتے تھے، گویا بنیادی جھگڑا عربی اور دیوناگری کا تھا، افسوس کی بات یہ ہے کہ آج بھی اردو کو عربی کے مقابلے میں مستقل حیثیت دلانے والے حضرات دانستہ یا نادانستہ دریائے اردو کو عربی کے بحرِ بیکراں سے محروم کرنے پر تُلے ہوئے ہیں۔

کہتے ہیں اسلام کو ابو جہل خوب سمجھا تھا کہ یہ صرف ایک لا الہٰ کا مسئلہ نہیں، پورے نظام کی تبدیلی کا معاملہ ہے، مگر جہل بمعنی ضد نے اسے روکے رکھا، ہمارے یہاں ہندو بھی سمجھے کہ یہ صرف مسلم یا غیر مسلم کی بات نہیں، بلکہ پوری تہذیب وثقافت کی بات ہے، جو زبان وادب اور اصطلاحات میں پنہاں ہوتی ہیں، اسی وجہ سے انگریز بھی جہاں گیا، اپنی زبان، تہذیب اور

اصطلاحات کے ساتھ گیا، یہ صرف نارسیدہ مسلمان ہے، جو فقط نام کی مسلمانیت پر اکتفا کئے ہوئے ہے، ناموں اور اصطلاحات کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ یہاں جزوی طور پر اسے زیر بحث لانا اس موضوع کے ساتھ زیادتی ہے، اللہ نے چاہا تو تفصیل سے اس پر آئندہ کبھی روشنی ڈالنے کی کوشش کریں گے۔ بہر حال 1867ء میں بنارس کے ہندوؤں نے لسانی تحریک شروع کر دی، جس کا مقصد اردو کی جگہ ہندی کو سرکاری اور عدالتی زبان کے طور پر رائج کرنا تھا اور عربی رسم الخط کی جگہ دیوناگری رسم الخط کو اپنانا تھا، اس جنونی اور لسانی تحریک کا صدر دفتر الہ آباد میں قائم کیا گیا، جبکہ پورے ملک میں ہندوؤں نے کئی ایک ورکنگ کمیٹیاں تشکیل دیں، تاکہ پورے ہندوستان کے تمام ہندوؤں کو اس تحریک میں شامل کیا جائے اور اس کے مقاصد کے حصول کو ممکن بنایا جائے۔

اگر غیر جانبداری سے دیکھا جائے تو اردو کے خلاف ہندوؤں کی تحریک ایک ناقابل فہم اور غیر دانشمندانہ اقدام تھا، کیونکہ اردو کو جنوبی ایشیا میں نہ صرف متعارف کرانے اور ہر دلعزیز بنانے بلکہ اسے بام عروج تک پہنچانے کے لیے انہوں نے وہی کردار ادا کیا تھا، جو خود مسلمانوں کا تھا.

یہاں جب یہ اعتراض ہوا کہ ہمارا رسول ﷺ تو عربی ہے اور ہم عجم ؟تو اس کا جواب یہ دیا گیا کہ اب تم مسلمانوں کی گلوبل زبان ایک ہی ہے اور وہ عربی ہے،آپ ﷺ نے فرمایا: جو بھی عربی بولے گا وہ عرب شمار ہوگا،ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم اب تک اپنے آپ کو قومِ رسولِ ہاشمی ﷺ کہلانے سے کتراتے ہیں، عربوں کی فضیلت کا انکار کر بیٹھتے ہیں، عرب و عجم قانون کی نگاہ میں برابر ہیں، مگر عرب قوم، زبان اور بلاد کے فضائل سے انکار نہیں کیا جاسکتا،اگر کسی کو بھی یہی فضائل درکار ہیں، تو وہ عربوں سے نفرت کے بجائے ان میں ضم ہو جائے، بعض لوگ ترک وایرانیوں اور عربوں میں پڑوس کی چپقلش کی وجہ سے مخمصے کا شکار ہو جاتے ہیں، کہ کس کو ترجیح دی جائے، عرض ہے کہ ایران کا عجم ہونا اگر کوئی بڑا مسئلہ نہیں بھی ہے،تو اپنی مجوسی ثقافت پر فخر اور اس کے لئے عربوں سے جھگڑے کرنا ایک مسئلہ تو ہے،یہی بیماری ترکوں کی بھی ہے، اللہ کرے ہم پاکستانی اس زعم میں مبتلا نہ ہوں۔

’’بعض لوگوں کو (بِلِسَانِ قَومِہ) کے لفظ سے خصوصِ بعثت کا شبہ ہوگیا اور یہ وہم ہوگیا کہ آپ ﷺ کی نبوت صرف عرب کے لئے تھی، جیسا کہ بعض یہود کہتے

تھے کہ آپ ﷺ فقط قوم عرب کے لئے مبعوث ہوئے ہیں، یہ بیان اور خیال قطعاً غلط ہے،اس لئے کہ بے شمار آیاتِ قرآنیہ اور احادیث متواترہ سے یہ امر ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ عرب وعجم اور تمام عالم کے لئے مبعوث ہوئے ہیں۔آنحضرت ﷺ چونکہ تمام اقوام عالم کی طرف مبعوث ہوئے اس لئے یہ تو مناسب نہ تھاکہ ہر قوم کی زبان میں علیحدہ علیحدہ قرآن اترتا، اس صورت میں نزاع اور اختلاف کا دروازہ کھل جاتا اورہر قوم اپنی زبان کے اعتبار سے ایسے معنی کی مدعی بنتی جسے دوسری قوم نہ سمجھ سکتی اورآنحضرت ﷺ چونکہ قوم عرب میں مبعوث ہوئے اور لغت عرب تمام لغات عالم میں سب سے اشرف اور اکمل اور افصح اور ابلغ ہے اس لئے آپ ﷺ پر عربی زبان میں کتاب الٰہی کا نزول اَولی اور انسب ہوااور حضورپُرنور ﷺ چونکہ اشرف الرسل اور اکمل الرسل ہیں، اس لئے آپ ﷺ پر کتاب اسی زبان میں نازل کی گئی، جو تمام لغات میں سب سے اشرف اور اکمل ہے، کسی زبان میں عربی زبان جیسی نہ لغات تھیں اور نہ صرف ونحو اور نہ بلاغت ہے،کافیہ اور تلخیص المفتاح کا توکیا ذکر کروں،امریکہ اور برطانیہ کے پاس انگریزی زبان کے قواعد کی میزان منشعب اور پنج گنج اور نحو میر بھی اگر ہے، تولائے اور دکھلائے۔ (معارف القرآن کاندھلویؒ)۔

بہر کیف،اللہ تعالیٰ نے قرآن میں امت اور قوم کو ہم معنی لفظ بھی استعمال کیا ہے،مثلاً: ثُمَّ اَرۡسَلۡنَا رُسُلَنَا تَتۡرَا كُلَّ مَا جَآءَ اُمَّةً

رَسُولُهَا كَذَّبُوْهُ فَاَتْبَعْنَا بَعْضَهُمْ بَعْضاً ، وَجَعَلْنَا هُمْ اَحَادِيْثَ فَبُعْداً لِّقَوْمٍ لَّا يُوْمِنُوْنَ (۲۳ مومنون)، پھر ہم پے در پے اپنے رسول بھیجتے رہے، جب کسی ''امت'' کے پاس اس کا: رسول آتا تھا، تو وہ اسے جھٹلا دیتے تھے ۔تو ہم بھی بعض کو بعض کے پیچھے لاتے رہے اور ان اقوام کو احادیث (تاریخی حکایات وکہانیاں) بناتے رہے، پس جو ''قوم'' ایمان نہیں لاتی ۔ان پر لعنت ہو۔ وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ (۱۰: یونس) اور ہر ''امت ''کے لئے ایک رسول ہے۔ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ (۳: رعد) اور ہر ''قوم'' کے لئے ایک ہدایت کرنے والا رہنما (پیغمبر) ہے۔ یعنی ان آیات کے مطابق قوم اور اُمت تھوڑے سے فرق کے ساتھ ہم معانی الفاظ ہیں، پھرظاہر سی بات ہے جب نبوت کا سلسلہ اپنے اختتام کو پہنچا، توآخر میں پوری انسانیت کے لئے ایک ہی رسول جنابِ محمد عربی ﷺ کی بعثت ہوئی۔

عربی لفظ قوم کا اصل مادہ (ق۔و۔م۔) ہے جس کے معنی کھڑے ہونا، متوازن ہونا، کسی جگہ پر ٹھہر جانا، رک جانا کے ہیں، اسی مادہ سے لفظ (قِوام) بنیاد ، عدل اور توازن، قامۃ) آدمی کا قد، (قیامت) کھڑے ہونا، (مستقیم) سیدھا، درست راستہ وغیرہ نکلے ہیں ، (قوم) کے معنی وہ گروہ ہے، جو ایک جگہ ایک ساتھ رہائش پذیر ہوں، جن کی زبان اور ثقافت ایک ہوجائے ،وہ گروہ ''قوم'' کہلاتا ہے،امت لفظ کا مادہ (ا۔م۔م۔) ہے ،جس کے معنی اِرادہ، اَساس، بنیاد

مرجع، مرکزی اور اصل کے ہیں اور اسی مادہ سے لفظ (اُمّ) ماں، (امام) آگے، سامنے، مستقبل، (امام) جو شخص آگے ہو، (اِمامۃ) آگے ہونا، (اُمی) اُم القریٰ (بستیوں کی ماں، مکہ مکرمہ) کے رہنے والے، سب قوموں سے آگے قوم، مادرزاد اَن پڑھ، کوئی بھی ان پڑھ وغیرہ نکلے ہیں، (اُمت) کے معنی وہ گروہ ہے، جن کی تمام بنیادی اَساس شروع سے ایک ہو، یعنی دین، تہذیب و تمدن، ثقافت، زبان وغیرہ، مسلمین کا گروہ اس تعریف پر پورا اترتا ہے، جن کی مائیں قرآن نے ''اَزواج الرسول ﷺ'' کو قرار دیا ہے۔ وَاَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ (۳۳:احزاب) آپ ﷺ کی بیبیاں مسلمین کی مائیں ہیں، گو کہ بظاہر رشتہ مجازی ہے، مگر بالکل حقیقی جیسا ہے: وَلَاۤ اَنْ تَنْكِحُوْۤا اَزْوَاجَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖۤ اَبَدًا (۳۳ احزاب) کہ ازواج مطہراتؓ سے اپنی حقیقی ماؤں کی طرح آپ ﷺ کے بعد کوئی بھی نکاح نہیں کرسکتا، عبد اللہ ابن مسعودؓ کی ایک روایت میں آپ ﷺ کو پوری امت کا باپ قرار دیا گیا ہے: (وَهُوَ اَبٌ لَّهُمْ)، اب آپ ہی بتایئے کہ جب آپ ﷺ اور ازواج مطہراتؓ امت کے ماں باپ ہوئے، تو لا محالہ ہم ایک ہی قوم ہوئے اور ہماری اپنی بولیوں کو اپنی حالت پر باقی رکھکر بھی ہماری مذہبی اور عالمی زبان عربی ہوئی، اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم عربی کے علاوہ کوئی اور زبان بول سکتے ہیں نہ سیکھ سکتے ہیں، بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ عربی ضروری ہے باقی کی اجازت ہے۔

قرآن میں مسلمین کے لئے ''قوم'' کا لفظ بھی آیا ہے، وَقَالَ الرَّسُوْلُ یٰرَبِّ اِنَّ قَوْمِیَ اتَّخَذُوْا ھٰذَا الْقُرْآنَ مَھْجُوْراً (۲۵: فرقان) اور رسول ﷺ کہیں گے، اے میرے رب! بیشک میری قوم نے اس قرآن کو مہجور (متروک) کیا ہوا ہے، یعنی قرآن سے ہدایت نہیں لیتے ہیں، جبکہ قرآن میں ہے: '' ھُدًی لِّلنَّاس'' (۲:البقرہ:۱۸۰) ''قرآن تمام انسانوں کے لئے ہدایت ہے۔'' اگر قرآن میں رسول ﷺ کی مخاطب ''میری قوم'' تمام مسلمین ہے، تو گلوبلائزیشن کے اس دور میں لازمی طور پر تمام مسلمین کو عالمی سطح پر بھی قرآن کے مطابق ایک ہی قوم بننا اور ماننا ہوگا اور جب یہ ثابت ہوگیا کہ مسلم ایک ہی قوم کا نام ہے، تو ان کے ملک کو اسلامی کہنے میں کیا حرج ہے۔

اسی لئے اقبال کے نزدیک اسلامی قومیت کی بنیاد اسلام پر ہے، ملک و نسب، نسل یا وطن وجغرافیا پر نہیں، اس تصور کی انہوں نے عمر بھر شدومد سے تبلیغ کی، ہر مسلمان اسی تصور کو تسلیم کرتا ہے اور اس کی سچائی سے انکار ہرگز نہیں کیا جاسکتا، لیکن مسلم ریاستوں کے اتحاد اور دنیا کے تمام مسلمانوں کے ایک قوم بن جانے کا حوصلہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا، جب تک وطنیت اور قومیت کے مغربی نظریہ کی گرفت کمزور نہیں پڑجاتی، قریب قریب سارا عالم اسلام کافی عرصہ تک مغربی اقوام کا محکوم رہا ہے اور جدید اسلامی ریاستوں میں سے بہت سی ایسی ہیں، جن کی تشکیل ہی مغربی نظریہ قومیت کی بنیاد پر ہوئی ہے، اس

طرح انہیں مغربی نظریات کے سحر سے آزاد ہونے میں کچھ عرصہ لگے گا، لیکن امید کی جا سکتی ہے کہ اقبال کے اس خواب کی تعبیر بھی ایک نہ ایک دن ضرور پوری ہوگی اور دنیا کے تمام مسلمان ملت واحدہ کی شکل اختیار کرکے ایک عالمگیر برادری کی شکل میں ڈھل جائیں گے، بلکہ او آئی سی کی کمزور صورتِ حال کے باوجود اب بھی مسلمان مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک ایک ہی برادری میں ڈھلے ہوئے ہیں۔

اقبال اس نتیجے پر پہنچے تھے کہ نسلی ، جغرافیائی ، لسانی حوالے سے اقوام کی تقسیم لفظ خلافت وجہاد'' سے شدید خوف زدہ مغربی لوگوں کا چھوڑا ہوا شوشہ ہی نہیں ایک'' منظم پلاننگ بھی ہے، جس کا مقصد صرف اور صرف مسلمانوں کو تقسیم کرنا ہے، اگر بنظرِ غائر دیکھا جائے ، توسب سے پہلے پاکستان ،سب سے پہلے مصر،سب سے پہلے اردن وغیرہ یہی چکر ہے، فرقہ واریت کا عفریت بھی یہیں سے آیا، اہل حدیث سعودیہ کو ، شیعہ ایران کو، دیوبندی بریلوی ہندوستان کو، کچھ لوگ خوارج کو، جماعتی اخوان کو اور تجدد پسند مغرب کو فالو کرتے ہیں اور ان کے لئے باہم لڑتے ہیں، جغرافیائی وطنیت سے قبل یہ فرقے آپس میں اتنے شدید دشمن نہیں تھے، حالانکہ سورۂ حجرات میں اللہ پاک نے فرمایا کہ قبائل اور شعوب میں تمہاری تقسیم صرف تعارف کے لئے ہے، لڑنے جھگڑنے کے لئے نہیں ہے، اس لئے علامہ مرحوم نے دنیا بھر کے مسلمانوں کو اپنے '' نظریۂ ملت سے''

ایک ہونے کا پیغام دیا اور وطنیت کی قمیص کو مذہب کا کفن قرار دیا، تاکہ مغرب کی ان سازشوں کو ناکام بنایا جاسکے اور مسلمان اقوامِ عالم مں اپنا کھویا ہوا مقام ایک بار پھر حاصل کر سکیں۔آیئے سب مل کے ان کے ساتھ ان کا یہ شعر بھی گنگناتے ہیں:

بازو ترا توحید کی قوت سے قوی ہے

اسلام ترا دیس ہے، تو مصطفوی ہے

تو مصطفوی مصطفوی مصطفوی ہے

تو مصطفوی ہے

حرمین شریفین کو کیا خطرہ تھا؟

سعودی عرب کا رقبے کے لحاظ سے عالم اسلام کے بڑے ملکوں میں شمار ہوتا ہے، اس کا دار الحکومت ''ریاض'' اور مکہ مدینہ میں تقریباً اتنا فاصلہ ہے جو گلگت اور کراچی میں ہے، ریاض شمال مشرق میں ہے، تو جدہ اور حرمین شریفین جنوب مغرب میں، ریاض کے قریب دوحہ، منامہ، کویت، دبئ، ابوظبی اور مسقط ہیں، تو جدہ اور حرمین کے قریب یمن کا صنعا اور عدن ہیں، گویا سعودی اور دیگر خلیجی ریاستوں کے مراکزِ حکومت اگر جزیرۃ العرب کے ایک کنارے پر ہیں، تو حرمین شریفین دوسرے کنارے پر، نیز اگر ریاض خلیجِ عرب پر ہے، تو حرمین کا محل وقوع بحرِ احمر پر ہے، ریاض مملکت سعودی عرب کا سیاسی مرکز ہے، تو حرمین شریفین روحانی مراکز ہیں، ریاض اور حرمین کے درمیان دور دراز تک ریت کا شہرۂ آفاق سینکڑوں کلومیٹر پر پھیلا ہوا بے آب وگیاہ ریگستان (الصحراء الکبریٰ) ایک خلیج کی طرح حائل ہے، ایسی صورتِ حال میں ظاہر ہے حرمین شریفین خلیجی ریاستوں بشمول سعودی عرب سے الگ تھلگ ہمارے کراچی کے مانند ایک کونے میں واقع ہیں، یمن خلیجی ریاست نہیں ہے، وہ اور اس کے بڑے شہر دیارِ مقدسہ کے قریب تر ہیں، بحرِ احمر کو اگر ایک وسیع دریا تصور کیا جائے، جس کے لبوں پر جدہ اور حرمین شریفین ہیں، تو اس کے اُس پار جو ریاستیں واقع ہیں، وہ خود ٹوٹ پھوٹ کے شکار ہیں، غربت، خانہ جنگیوں اور

بیرونی مداخلتوں نے وہاں تباہی مچائی ہوئی ہے، مثلاً صومالیہ میں خانہ جنگی، جیبوتی میں غربت، ایتھوپیا میں عیسائیت، ارٹیریا میں کٹر عیسائی آمریت، سوڈان میں خانہ جنگی اور ملک کی دولختگی، مصر میں شورش، خلیج عقبہ پر سعودی سرحد کے ساتھ مصری صحرائے سینا یا وادی سینا اور کوہِ طور میں داعش ،اب آپ مصر سے غزہ کی طرف آئیں، یہاں ''فتح وحماس'' رسہ کشی جوبن پر، اوپر سے اسرائیل کا عفریت اس پر مستزاد، پڑوسی لبنان میں حزب اللہ کی یلغار، خون ریزی اور دنگا وفساد، مملکت سعودی عرب سے سینکڑوں میل متصل سرحد والا اردن 3 میں نہ 13 میں، یہ وہ تمام علاقے ہیں جو بحری، یا بری یا فضائی حرمین تک قریب ترین رسائی رکھتے ہیں، یمن اور جدہ بحرِ احمر اور باب المندب کے بھی نزدیک ترین ہیں، جو بین الاقوامی سمندری راستے ہیں، یمن کے پڑوس میں سلطنتِ عُمان ہے، جو مذہباً خوارج ہیں، ایران سے ان کے قریبی تعلقات ہیں، یمن کے معاملے میں وہ لا تعلق ہے، خلیج تعاون کونسل کو ایک مستقل اور فعال اتحاد بن جانے کے راستے میں وہ خاموش رکاوٹ ہے۔

دوسری طرف عراق میں سعودی اور خلیجی ممالک نے استحکام بخشنے کے لئے صدام حسین کی دامے ،درمے اور سخنے ہر طرح مدد کی، مگر وہ پلٹ کر کویت پر حملہ آور ہوا، سعودیہ کو بھی دھمکانے لگا، پھر اپنے آپ کو سنبھال سکا نہ اپنے ملک کو، اس کے زوال کے ساتھ ہی ایران نے نجف وکربلا کی حفاظت کے نام پر وہاں

قدم جمالئے، فرقہ واریت پھیلائی، دیرینہ انتقامات لینے شروع کر دیئے، صدام کو ایک آمر کے بجائے ایک سُنّی ظالم حکمراں کے طور پر پیش کیا، اس سے مسائل پیدا ہوئے، متحدہ عراق کو نوری مالکی نے شیعہ، سنی اور کُرد میں تقسیم کردیا، یہاں کچھ پیر جم جانے کے بعد ایران نے بحرین کا رُخ کیا، وہاں کی بادشاہت تبدیل کرنے کے درپے ہوگیا، یہاں تک کہ بحرین کو اپنا ایرانی ایک صوبہ قرار دے دیا، اس دوران شام میں بشار الاسد کے خلاف انقلاب شروع ہوگیا، توایران نے اسے بھی اپنا صوبہ قرار دیا، وہاں اپنی فوجیں بھیجیں، حزب اللہ کو بھی بلالیا، پاکستان اور افغانستان کے شیعوں کو بھی اسی راہ پر لگادیا، دونوں طرف لاکھوں شامی مارے گئے، اور دسیوں لاکھ پناہ گزین ہوگئے۔بربادی بھی بہت بے تحاشا ہوئی، تحریک پھر بھی چلتی رہی، تو عراقی میلشیا کو بھی میدان میں اتار دیا گیا، وقفے وقفے سے ایران یہ اعلانات بھی کرتا رہا، کہ اب عالم عربی کے اتنے اور اتنے دارالخلافے ہمارے کنٹرول میں ہیں، بغداد ہمارے ''پرشین امپائر'' کا مرکز ہے، عراق اور یمن میں فارسی بھی نافذ کی گئی، حرمین شریفین میں عنقریب جمعے پڑھانے کے بھی اعلانات ہوتے رہے، پاکستان میں طاہر القادری کے توسط سے بہت کچھ ہونے کا تھا، اتنا سمجھنا کافی ہوگا کہ قادری پاکستان کا حوثی تھا، القاعدہ رہنماؤں کی ڈوریاں بھی ایران سے ہلائی جارہی تھیں، سوڈان اور ارتیریا میں بھی بڑے بڑے مراکز قائم ہوگئے تھے، نائجیریا تک اس بلا کے لپیٹ میں آنے کو تھا۔

سُنی اسلام کو طالبان، داعش اور بو کو حرام کے ذریعے بدنام کرکے انہیں مارنے اور تباہ کرنے کے منصوبوں میں افغان جہاد کے زخم خوردہ روس جیسے ممالک بھی شامل تھے، عرب اسپرنگ سے وہاں کے نوجوانوں میں خوشی کی لہریں دوڑیں، مگر عرب اسپرنگ کے مرکز مصر میں حکومت اخوان کی بنی، جنھوں نے ایرانی انقلاب کو ماڈل تسلیم کرنا شروع کیا، احمدی نژاد کو ازہر کا دورہ کرایا گیا، ایرانیوں کے ساتھ ویزوں میں نرمی فری انٹری ”تک کر دی گئی، اُدھر عربوں اور مسلمانوں پر صدیوں خلافت کے نام سے“ ناکام حکومت کرنے والے عثمانی ترکوں کے پوتے جناب طیب اردگان کو لیڈر ماننے لگے، امارات اور سعودی میں اخوان کو منظم کرنے لگے، مرسی ایران کے دوروں پر جانے لگا، ادہر سعودی اور خلیجی فورسز کو شام و عراق کے دواعش کے خلاف باقاعدہ محاذ میں الجھایا گیا، اس تمام تر ”سیناریو“ میں علی عبداللہ صالح نے ایران کے تعاون سے اپنے ہم مسلک زیدی شیعوں کو خوب مستحکم کیا، تاکہ نجران اور جازان کے قریب تر راستوں سے حرمین شریفین کا محاصرہ کیا جائے، بحر احمر کے اُس پار بھی پیش بندی کی گئی تھی، سوڈان، صومالیہ، جیبوتی، اریٹیریا اور حبشہ (ایتھوپیا) میں ماحول سازگار تھا، لبنان، فلسطین، اردن اور مصر میں بھی حالات یا تو مخدوش تھے، یا محاصرے کے حق میں تھے، ایران خلیجِ عُمان اور بحرِ عرب کے راستے بہت قریب تھا، حوثیوں کی ہر قسم کی مدد جنرل سلیمانی کے ذریعے ممکن ہو گئی تھی، امریکہ بھی صرف

تماشا دیکھ رہا تھا۔

یہ وہ جیو سیاسی خطرات تھے، جو حرمین شریفین کے آس پاس منڈلا رہے تھے،اس لئے سب سے پہلے خلیج والوں کی جانب سے مصر میں ان فوجیوں کی حمایت کی گئی جو ایران و ترکی کے تسلط کے خلاف ہیں، مرسی سے کوئی دشمنی خلیجیوں کی نہیں تھی، مصر کو خانہ جنگی اور گرنے سے بچانا بھی مقصود تھا،وہاں جب کافی حد تک استقرار آیا،اور یمن میں بے استقراری کی انتہا ہونے لگی، تو اب وقت آگیا تھا کہ پاکستان سے مشاورت کرکے اور اپنے قریبی ملکوں کو ملا کر یمن کو گرنے سے بچایا جائے اور اندر جو لاوا پک رہا ہے اسے بجھا دیا جائے،تو ایک ''فیصلہ کن طوفان'' کے نام سے وہاں کی قانونی حکومت بحال کرنے اور عاقبت نااندیش باغیوں کو راہِ راست پر لانے کا اعلان کیا گیا،اس جنگ میں پاکستان نے خلیجیوں کی مدد کی یا نہ کی، یہ ان کی ذمہ داری تھی یا نہ تھی، یہ سب باتیں مستقبل میں ملک وقوم کے حوالے سے تاریخ بتائے گی،البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ شاہ سلمان بن عبد العزیز نے اس دوٹوک عملی پیغام کے ذریعے اپنے خلیجی دوستوں کے ساتھ ملکر نہ صرف حرمین شریفین و مملکت سعودی عرب، بلکہ مصر،شام، سوڈان لبنان، فلسطین،اردن اور عراق سمیت پاکستان کو بھی حوثی نما باغیوں سے بچالیا۔

اگر اردو کا کوئی قصور تھا بھی ، تو صرف اتنا کہ اس زبان میں عربی رسم الخط اور عربی زبان کے الفاظ کی کثرت تھی ،اس زبان نے اہلِ ہند کے شاندار ماضی ،ان کے بہادروں ، عالموں اولیاء کرام اور سپہ سالاروں کے کارناموں اور کرداروں کو اپنے نثری وشعری اصناف اور داستانوں میں محفوظ کیا ہوا ہے، اس موقع پر کئی مسلمان رہنماؤں نے ہندوؤں کو سمجھانے کی کوششیں کیں ،ان پر واضح کیا گیا، کہ اردو انڈو اسلامک آرٹ کا ایک لازمی جزو بن گئی ہے، کوئی لاکھ بار چاہے، تو بھی جنوبی ایشیا کی ثقافتی ورثے سے اس انمول ہیرے کو نکال باہر نہیں کر سکتا، مگران دلائل کا متعصب اور تنگ نظر ہندوؤں پر کوئی اثر نہ ہوا۔

سر سید احمد خان بھی اپنی تمام تر مصالحتی کوششوں میں بری طرح ناکام رہے ، کیونکہ سر سید ہی کے قائم کردہ سائنٹیفک سوسائٹی آف انڈیا کے ہندو اراکین بھی عربی والی اردو کے خلاف تحریک میں پیش پیش تھے، ہندی اور اردو کے درمیان اس قضیے کا نتیجہ بڑے پیانے پر ہندو مسلم فسادات کی صورت میں برآمد ہوا، طرفہ تماشا یہ ہوا کہ اس موقع پر ثقافتوں وتہذیبوں کے اس ٹکراؤ نے سر سید کے خیالات وافکار میں بھی ایک نیاانقلاب برپا کر دیا۔ سر سید احمد خان ہندی اردو جھگڑے

سے پہلے ہندو مسلم اتحاد کے بڑے علمبردار تھے اور متحدہ قومیت کے حامی تھے، لیکن اس پھڈے کے باعث ان کو اپنے سیاسی نظریات یکسر تبدیل کرنا پڑے، ہندو مسلم اتحاد کی بجائے اب وہ انگریز مسلم اتحاد کے داعی بن گئے اور متحدہ قومیت کے بجائے ہندوستان میں مسلمانوں کے جداگانہ تشخص کے عظیم پیامبر بن کر ابھرے، چنانچہ سرسید نے وقت کی ضرورت کو تو محسوس کرتے ہوئے انگریزی تعلیم پر زور دیا اور مسلمانوں کے لئے اس کا انتظام کیا، نیز ان کا مشرکین کے مقابلے میں اہل کتاب سے یہ اتحاد قرآن وسنت کے مزاج کے مطابق تھا، لیکن اس کے ساتھ چونکہ مسلمانوں کو اپنے ثقافتی ورثے سے منسلک رکھنے کے اقدامات مؤثر نہیں کئے گئے تھے، اس لئے آہستہ آہستہ مسلمان اپنی تہذیب کو بھولتے گئے ،اہل اسلام واہل عرب سے ہٹ کر مغربی تہذیب اور انگریزوں کا طور طریقہ اپنانے میں فخر محسوس کرنے لگے ، یہاں سے جسمانی و جغرافیائی کے بجائے صحیح معنوں میں مسلمان تہذیبی، نظریاتی ، ذہنی اور فکری طور پر غلام بننا شروع ہوئے، حیف ہے کہ پاکستان بننے کے بعد بھی اس اہم پہلو کی طرف توجہ نہیں دی گئی۔ دوسری طرف علمانے جس نصاب کو اپنایا ، وہ صحیح معنوں میں رمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں تھا اور اب بھی نہیں ہے، اس میں بہت کچھ تبدیل کرنے کی شدید ضرورت ہے، اگرچہ وہ قوم کے ایک بڑے حصے کو مغربی ذہنیت سے بچانے میں تو کامیاب رہے، مگر اسلامی تہذیب کے اصل سرچشمے (عربی) پر لے جانے کے بجائے وہ قوم اور ان کے نونہالوں کو عجمی شاخوں کے میدان تیہ میں

سر گرداں پھراتے رہے،آپ نے دیکھا ہوگا، کیسا پسینہ آتا ہے ہمارے مولویوں کو اگر کسی عرب سے بات کرنے کا بد قسمتی سے موقع آجائے۔

بہر حال بات کچھ لمبی سی ہو گئی، لیکن یہ تھا وہ جھگڑا جس نے ہندو مسلم اتحاد کی حقیقت کو طشت از بام کا، حقیقت یہ ہے کہ ہندی اردو جھگڑے کی صورت میں ہم ان دونوں مختلف ثقافتوں کا ٹکراؤ دیکھتے ہیں، جو باوجود اس حقیقت کے کہ صدیوں تک ایک ہی خطے میں پروان چڑھی تھیں، لیکن ریل کی دو پٹریوں کی طرح یا بجلی کے ایک ہی کیبل کے اندر دو تاروں کی طرح اور یا پھر ندی کے دو کناروں کی طرح نہ کبھی ماضی میں آپس میں گھل مل گئے اور نہ کبھی مستقبل میں ان کے گھل مل جانے کا کوئی امکان ہے۔

اب مسلم قومیت قرآن وسنت کے تناظر میں کیاہے،ذرہ ملاحظہ ہو: اِنَّ هٰذِهٖٓ اُمَّتُكُمْ اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّاَنَا رَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْنِ۔ وَتَقَطَّعُوْٓا اَمْرَهُمْ بَيْنَهُمْ كُلٌّ اِلَيْنَا رٰجِعُوْنَ (۲۱:انبیاء) "بے شک (مسلمانوں) یہ تمہاری اُمت / قوم، ایک اُمت / قوم ہے اور میں تمہارا رب ہوں تو تم میری ہی بندگی کرو۔ پس انھوں نے اپنے امر (یعنی مسلم قومیت) کو باہم ٹکڑے، ٹکڑے کردیا (تو) وہ سب ہماری طرف رجوع کرنے والے ہیں (گویا اس بارے میں ہم ان سے ضرور پوچھ گچھ کرینگے)۔یعنی اب تمام مسلمین ایک ہی

اسلامی ثقافت کی حامل ایک اُمت اور قوم ہے اور اس اُمت کی علاقائی نہیں بھی سہی قومی اور بین الاقوامی زبان عربی ہی ہے۔ چونکہ ''زبان'' امت کے تمدن، ثقافت اور، تہذیب کی آئینہ دار ہوتی ہے۔ بلکہ ثقافت اور تمدن کو پیدا کرنے، نیز بیدار رکھنے کے لئے ایک معاون کی حیثیت بھی رکھتی ہے اور قومی تشخص پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔
اس گروہ کو '' Nation\ تمام مسلمین ایک قوم ہے۔ عربی کی لغت / قاموس میں ''قوم کہا جاتا ہے، جن کی زبان اور ثقافت مشترک ہو اور'' اُمت'' اس گروہ کو کہا جاتا ہے، جس کی ثقافت، تمدن، زبان، دین، لباس، تاریخ اور تہوار وغیرہ مشترک ہوں۔
قرآن مجید کے مطابق بھی قوِم کے لئے ایک زبان کا ہونا ضروری ہے۔ وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ لِيُبَيِّنَ لَهُمْ (۴: ابراھیم) اور ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا، مگر اس رسول کی قومی زبان کے ساتھ، تاکہ انہیں (احکام الٰہی) کھول کھول کر بتائے۔ یعنی ماضی میں ہر قوم اور ہر زبان میں اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول بھیجے ہیں، ہمارا رسول ﷺ عالمی اور ابدی ہے، اس لئے ان ﷺ کو ایک عالمی زبان عربی کے ساتھ مبعوث فرمایا، اسلام کو لینا اور عربی کو چھوڑ دینا، ایسا ہی ہے کہ کوئی لاالہٰ الا

اللہ کو تو مانے اور محمد رسول اللہ سے انکار کرے۔

عورت کا بنیادی کردار

اسلامی تعلیمات اور قرآن وحدیث کی تصریحات واشارات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ عورت کی خلقت کا" معاشرتی" مقصد یہ ہے کہ وہ مرد کی وہ ضرورت پوری کرے جس سے اسکی اپنی ضرورت کی بھی تکمیل ہوتی ہے اور اسمیں مطلوب حد یہ ہے کہ دونوں عفت کی زندگی گذاریں، کسی بھی ذہنی، سماجی نفسیاتی کنفیوژن سے بچیں اور راحت وطمانیت، خوشی وشادمانی اپنے تمام معانی کے ساتھ انہیں حاصل ہو۔

یہ کسی خاتون کی شخصی زندگی بھی ہے اور ازدواجی بھی، ذاتی بھی خانگی بھی، اس کا ایک لازمی حصہ یہ بھی ہے کہ وہ توالد وتناسل کی بشری ذمہ داری اور طبعی خواہش کی بھی تکمیل کرے، اس عمل کو رغبت، دانشمندی، انبساط اور اعتماد کے ساتھ اختیار کرے اور شجر وثمر کی پرورش ونگہداشت کی ایسی مثال قائم کرنے کی کوشش کرے، جس سے سوسائٹی میں اس کا ایک مقدس امیج بنے، نسل انسانی کی افزائش وفہمائش کے نئے قرینے اور مثالی نمونے دیکھنے کو ملیں۔

اگر کوئی عورت بہترین شریک حیات اور کامیاب ماں ثابت ہوتی ہے اور توحید، نماز،

روزے کے اہتمام کے بعد اس کا اسکے علاوہ کوئی کردار نہیں ہے تو دین الہی اور عقل انسانی کی رو سے وہ ایک قابل ستائش ہستی ہے۔ بصورت دیگر اسکی بے پناہ انتظامی صلاحیتوں، تخلیقی کارناموں اور دیگر محیر العقول صلاحیتوں کو اسکی اضافی خوبیوں کی فہرست میں ضرور جگہ ملے گی مگر یہ ساری خوبیاں اسکی اصلی اور خلقی ضروت کا بدل ہرگز نہیں ہو سکتیں۔

عورت کی ازدواجی اور مادری حیثیت کا تمسخر اڑانے والے حتی کہ اسکو ثانوی مرتبہ دینے والے بھی اسکی حقیقی عزت وعظمت کو مجروح کرتے ہیں، اس ذہنیت کے حامل عناصر فطرت انسانی اور حکمت خداوندی سے بغاوت کرتے ہیں، جس کی کوکھ سے پھر طرح طرح کی معاشرتی برائیاں جنم لیتی ہیں اور عورت اپنی تسکین و تفریح کی ضرورت اوچھی اور نازیبا دھندوں سے پوری کرنے پر مجبور ہو سکتی ہے یا دوسرے اسے اپنی زندگی میں اور اپنے خاص ماحول میں غیر ضروری عنصر سمجھ کر اس کو بے وقعت اور اذیت کا نشانہ بنا سکتے ہیں اور اسکی مصنوعی ترقی، نام نہاد تہذیب اور بے عنوان و بے ہنگم آزادی بھی اسے بے وقعتی اور بے حرمتی کی اتھاہ گہرائی میں جا پہنچاتی ہے، ہاں اعلی درجے کی سلجھی ہوئی، بلند اخلاقی تربیت سے مالامال خاتون کی ازدواجی اور مادری زندگی کی سوچ ایسی پاکیزہ اور بلند پایہ ہو سکتی ہے کہ اس کی بدولت وہ محض پیدائش وافزائش کی مشین نہیں لگتی بلکہ اپنی تابندہ ودرخشندہ سرگرمیوں، اعلی وارفع طرز عمل کی بدولت وہ

ایک ایسے معمار کا روپ دھار لیتی ہے جسکی کاریگری خود اس کے لازوال رول کا اشتہار اور افتخار بنتی ہے۔اور یہیں سے اس کے ایک اجتماعی کردار کی بنیاد پڑتی ہے جس کا دائرۂ اثر اسکی قابلیت اور قبولیت کے حساب سے کم یا زیادہ ہو سکتا ہے اور وہ پھر اس کے ثمرات اپنی ذھانت و رغبت ،اور اوقات واحوال کے مطابق کشید کر سکتی ہے ، دینی تعلیم کی حامل اور فاضل عورت کا یہ بھی ایک قابل ذکر ولائق اعتبار کردار ہے کہ وہ اچھی بیوی اور بہترین ماں بنے ،تاہم بہتری سے مراد یہ ہے کہ افراد خانہ کی سیرت و کردار پر بہتر اور انمٹ اثرات ڈالے اور حسب فراغت واستطاعت اپنی تعمیری سوچ اور فلاحی جدوجہد کا دائرہ وسیع کرے، دیگر خواتین کو ان کے فرائض کی طرف راغب کرنا ان میں اخلاقی اور دینی اقدار کو فروغ دینا اور مثالی معاشرے کی تشکیل میں ممکنہ کردار ادا کرنے پر آمادہ کرنا بھی ایک آئڈیل کردار ہے۔ سوسائٹی کیلئے ایسی گھریلو خاتون کی جزوقتی اور ثانوی درجے کی جدوجہد کی افادیت میں کوئی شک نہیں کر سکتا۔ اس سے کافی فائدوں کی توقع ہے ،اور کافی مسائل حل ہونے کی امید ہے۔

دینی مدرسے کی ایک طالبہ نے اگر بہت محنت کی اور زمانہ طالب علمی میں بے شمار اعزازات ، تعریفات اور نوازشات سمیٹیں مگر رشتہ ازدواج سے منسلک ہو کر اگر اس نے شریک حیات کو ایک مناسب رفیقۂ حیات فراہم کی اور پھر بچے پیدا

کرکے ان کو پالنے میں لگ گئی ،اس طالبہ کو غلط کوئی نہیں کہے گا، اسے قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا، اگراس نے اپنی تعلیمی سرگرمی مزید آگے بڑھانے ہے، تو اس کے کچھ آداب ہیں :

گھر والوں کو اعتماد میں لیکر قائل کرلیں اور ان کی مدد وتعاون سے آگے بڑھیں۔ (1)
خود تعلیم گاہوں یا تربیتی مراکز سے رابطہ استوار کرنے میں حجاب ،آداب (2)
اوراحتیاط کو لازمی طور پر ملحوظ رکھے ۔ (3) جو تعلیم اس کے مقاصد کیلئے ضروری ہو وہی حاصل کرے شوقیہ برائے نام اور نام نمود کیلئے تعلیم زہر قاتل ہے یا کم از کم ضیاع وقت ومال ہے یا پھر احساس تفاخر یا احساس کمتری کا سبب۔ (4) مشرقی لڑکی کے لئے سب سے اہم مرحلہ رشتۂ ازدواج میں منسلک ہونا ہے، مسلمان عورت کو اس میں صبر اور استقامت اور خوب سوچ بچار کے بعد ایسی جگہ کو ترجیح دینی چاہیئے جو تعلیم ،تربیت دعوت وغیرہ کا جو بھی میدان آپ نے منتخب کیا ہے اس میں مدومعاون ہو، یا آپ کسی مشنری شخص کی مددگار بنیں یا کوئی سلجھا ہوا آدمی آپ کے لئے ایک طرح کا سہولت کار بنے ۔ (5) رشتۂ ازدواج میں بھی نباہ مقصود ہو، اسے اپنا نصب العین بنایا جائے۔

آج کی ایک فاضل عالمہ کیلئے فنِ تحریر، اور تصنیف تالیف سے وابستگی بہت ضروری ہے کہ عورت کیلئے سب سے بہتر راستہ اسلامی تعلیمات کے فروغ کا قلمی جہاد ہے ، مختلف کتب جرائد ومجلات کے مطالعہ سے کام کی نئی جہتیں سامنے آئیں،

گی ،اور ان کے نہج پر کام کا مزاج وانداز آئے گا۔ اور پھر علی وجہ البصیرت جو بھی قدم اٹھے گا، وہ کارآمد ہوگا۔ گھر کے کسی اہم فرد جو آپ کو مناسب مشورہ دے سکے، صحیح رہنمائی کرسکے ۔ اپنے اموراور سرگرمیوں میں ان سے ہمیشہ رجوع کرکے رہنمائی لیا کریں۔ بہتر مشیر اور مناسب ماحول ہی سے خیر کی توقع ہے۔

دینی مدرسے کی فاضلات عزم وہمت اور خلوص نیت کے ساتھ قرآن کی تلاوت، مسنون اعمال، دینی شخصیات کی سیرت کا مطالعہ لازمی طور پر کریں۔ سلف صالحین کا اسوۂ حسنہ کامیابی کی کلیداور بلندی کا زینہ ہے۔

فضول تعلقات اور ضیاعِ وقت کا سبب بننے والی ملاقاتوں اور نشستوں سے گریز کریں ہمارے دینی طلبہ کو ضیاع وقت اور بے معنی گپ شپ جیسے گناہ بے لذت سے بچنے کی بالکل فکر نہیں ہوتی۔حالانکہ یہ زہر قاتل سے کم نہیں۔

مراقبہ اور محاسبہ کا عمل روزانہ کرنا چاہیئے اگرچہ مختصر وقت کیلئے ہو، کہ اپنے احتساب کے بغیر کسی بھی لائین میں خوبیوں کا تسلسل اور خامیوں کا ازالہ ناممکن ہے۔

نوافل ،تلاوت ، ادعیہ اور ذکر اذکار سے برکت آتی ہے ،اور علمی کام کیلئے گھر کی مصروفیات کو دیکھ کر ایک نظام الاوقات بنایا جائے اور مقدار متعین کرکے خود کو اس کا پابند بنائیں ،کام میں تسلسل اور استقلال کی برکت مسلم ہے۔

ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبری ، حضرت عائشہؓ ، حضرت فاطمہؓ کی سیرت ، سیر الصحابیات ، خواتین اسلام پر لکھی گئی مستند کتابیں پڑھیں ، العلماَ العزاب ، الرسول المعلم شیخ عبد الفتاح ابو غدہ) ،العبقریات (عقاد)نساَ من التاریخ (خلیل جمعہ) ، رجال من) التاریخ ،ذکریات (علی طنطاوی) ، صفحات من صبر العلماَ (ابو غدہ) ،المسلمون فی الھند ،ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین ،تاریخ دعوت وعزیمت (علی ندوی) ،لاتیأس لاتحزن (عائض القرنی) ، اسعد فتاۃ فی العالم ،استمتع بحیاتک (عریفی) تحفۃ العلماَ، تھانوی) ، جیسی کتابیں پڑھیں ، عربی میں پختگی کے لئے الجزیرہ یا العربیہ روزانہ ایک) گھنٹہ دیکھا کریں۔

مرد کی طرح عورت کی بھی ان سے سیرت وشخصیت بنتی ہے ،اس کی گفتگو میں شستگی ، جستجو میں پختگی اور برتاؤ میں شائستگی آتی ہے اور وہ کوئی بھی سماجی کردار اپنے محدود دائرے میں رہ کر ادا کرسکتی ہے ، انسانی تاریخ میں اس کی بہت ساری مثالیں ہیں

عظیم شخصیات کے قافلے اور وقیع کتب کے میلے سے جڑے رہنے میں خیر ہے، اور خیر کے ان ہر دو سلسلوں سے وابستگی باعث خیر ہے مگر کتاب کی تو بات ہی کچھ اور ہے کہ اکی ہم نشینی میں آپ کو کبھی کوئی تکلف ہوگا، تکلیف ہوگی، نہ ادنی مشکل۔ (جامعہ جویریہ للبنات کراچی میں ختم بخاری کے موقع پر پیش معروضات)۔

دلیل واثبات کی ضرورت نہیں ۔ انسانی شعور اور عُرفِ عام کہتا ہے کہ ایک اچھے مطب اور بہترین طبیب کی علامت یہ ہوتی ہے کہ اس سے مریض کو شفایابی ہو، گو کہ اس کا محل وقوع مناسب نہ ہو، ماحول بھی جاذب نظر نہ ہو، بناوٹ بھی دیدہ زیب نہ ہو، نظم ونسق بھی شایانِ شان نہ ہو، اشتہار بھی زیادہ نہ ہو ، رکھ رکھاؤ میں بھی مبالغہ نہ ہو، معالج کی تعلیمی اور فنی قابلوشں کی فہرست بھی طویل نہ ہو، پر جو مریض آیا ، اس خستہ حال عمارت میں اسے اپنی نشست وبرخاست اور گردوپیش سے بے نیاز ایک ایسا معالج میسر آیا، جو آنے والوں کیلئے جگہ کی تنگ دامنی کے باوجود دیدہ ودل فرشِ راہ کیے ہوئے ہیں، جو اپنے کام و مقصد سے بے انتہا مخلص ، بیماروں کے دکھ درد میں شریک اوران کے دکھوں کے مداواکے لیے بے کل ہے،ان کی دیکھ بھال اور صحت کی بحالی کے لیے سرگرداں وپریشاں ہے، ایسا سراپا رحمت طبیب جب تشخیصِ مرض کیلئے مریض کی نبض ٹٹولتاہے ،تو اس کی انگلیوں کی برودت سے ہی رنجور کی حرارتِ بخار میں کمی آجاتی ہے ، پھر جب اس کا دستِ شفقت مریض کی جبینِ ناز کو چھوتاہے، تو وہ گویااس کی نسوں میں پھیلی ہوئی بیماری کو جذب کرلیتاہے ، سینے پر ہاتھ رکھتا ہے توجسم سے اٹھنے والی ٹیسیں دستِ طبیب کی برقی لہر کے ساتھ تیلار ہوجاتی ہیں ، بیماری کی شناخت کے بعد لبوں پر ایک

حوصلہ افزا مسکراہٹ بکھیر کر جب وہ ہمدردی کے دو میٹھے بول بولتا ہے، تو اس رسیلے کلام کے نشاط افزا جھونکے سے مریض کی مردہ رگوں اور جمے ہوئے لہو میں زبردست تازگی پیدا ہو جاتی ہے۔

وہ زائل شدہ صحت کے نقصان کی سنگینی بھی بیان کرتا ہے اور اس کی تلافی اور تدارک کی صورتیں بھی بتاتا ہے، مریض کے توازنِ صحت کو برباد کرنے والی چیزوں کے نکتے پن کو ہی وجہ قرار دے کر وہ ان سے آئندہ کے لئے پرہیز کا حکم دیتا ہے، اور جس خوراک کی اجازت دیتا ہے یا اسے تجویز کرتا ہے اس کی افادیت کو مریض کے عقیدے سے منتھی کر دیتا ہے، مریض شفاخانے سے اٹھتا ہے تو خود کو طبیب کا گرویدہ پاتا ہے اور وہ مطب اس کے دل میں ایسا گھر کر جاتا ہے، جیسے کوئی برگزیدہ شخصیت یا مقدس مقام، یوں از راہِ تقدیس اس کے گنبدِ خاطر میں وہ بسیرا کرتا ہے۔

خلق کے غمگساری میں جب طبیب کی توانائیاں آزمودہ نسخوں کا معیار برقرار رکھنے کے ساتھ ساتھ علاج کی نت نئی شکلوں کی دریافت اور سلسلۂ علاج کی وسعت میں صَرف ہوتی ہیں، تب خلوص اور محنت کی مٹی اور ہمت واستقامت کے پانی سے اُگنے والی یہ طبابت رفتہ رفتہ لوگوں کے دلوں کی دھڑکن بن جاتی ہے، اور پھر کبھی خدا نخواستہ اگر اس طبیب یا اس کے مطب پر برا وقت آتا ہے، یا اس

کا وجود خطرے میں پڑتا ہے، تو یہاں سے برسہابرس سے تندرستی کی دولت سمیٹنے والے بے شمار لوگ اس کے دفاع اور بچاؤ کیلئے اٹھ کھڑے ہوتے ہیں، وہ کسی بھی بلاکا رخ موڑ دیتے ہیں اور سلسلۂ طبابت پر بالکل بھی آنچ نہیں آنے دیتے۔

مریض اور معالج کا اٹوٹ رشتہ ہے، جو زمانے کے بڑے سے بڑے طوفان کا مقابلہ کرسکتاہے، ہوشیار معالج کسی بھی حیلے وسے لع کو اس رشتے کا متبادل سمجھنے کی غلطی نہیں کرسکتا، وہ کبھی کھوکھلے نعروں اور بلند بانگ دعوؤں پر یقین نہیں رکھے گا۔

میرے دیس اور گرد وپیش کے دینی ادارے بھی شفاخانوں کی مانند ہیں، یہ مدعی کا کوئی اپنا ذہنی اختراع نہیں، بلکہ یہ ایک ابدی سچائی ہے، کتابِ حق کہتی ہے کہ ''شافی'' رب کی صفت ہے، '' شفا'' کتاب خداوندی کی خاصیت ہے اور رب کے عصیاں میں مبتلا نافرماں لوگ عناد ونفاق کے مریض ہیں، تو پھر مسجد ومدرسے ہی وہ شفاخانے ٹھرے،، جہاں اس نسخۂ شفاکی دستیابی ممکن ہے۔

آج روحانی معالج (عالمِ دین) دوائے دل دے رہاہے اور مریضوں کو خاصا فائدہ بھی ہورہاہے، مگر اُدھر نت نئے امراض رونما ہورہے ہیں، جبکہ یہاں بات دوانوشی اور شفافروشی سے آگے نہیں بڑھ رہی، ادھر معالج میں وہ ہمدردی اور غمگساری

باقی ہے نہ نرمی اور دلداری، بلکہ وہ بے رحمانہ طریے س سے فاسد موادکے اخراج کیلئے فرسٹ اسٹیج میں ہی دل دہلانے والے عملِ جرّاحی پر اتر آتا ہے، اور پھر مجروح کی دیکھ بھال کی ضرورت محسوس کرتا ہے نہ زخم کے اندمال میں دلچسپی لیتا ہے، تب دھول اُڑتی ہے ، کہیں پانی کے چھینٹے پڑتے ہیں، کئی ایک موذی جرثومے اس کے رِستے زخموں کے دھانے پر جا پہنچتے ہیں اور اسے زخم خوردہ عضوکے بگاڑکے اذیت ناک مرحلے سے گزرنا پڑتاہے، اس پر مستزاد یہ کہ معالج کی ترش روئی مریض کی شکستہ طبیعت کو مزید پژمردہ کردیتی ہے۔

معالج کی زبوں حالی اورنارسائی کا یہ عالم ہے کہ اس نے قصرِ سلطانی کی داغ بیل رکھنے اورفنِ تعمیرکے نادرنمونے پیش کرنے کو مسیحائی کی معراج سمجھاہےاور ہوس کے اَسپِ تازی پر بیٹھ کرتاریخ ساز اسلاف کے ہراول دستے میں شامل ہونے کا خواب دیکھاکہ ہے، انسانوں کی بستی میں دل والوں کی کمی نہیں ہوتی، چناں چہ جہاں اہل نظر کرتے ہیں تازہ بستیاں آباد۔۔۔ وھاں جاگیر دار کو بھی کوئی قطعہَ اراضی شفاخانے کیلئے وقف کرکے اپنے کالے دہن کو سفید کرنے یا کم سے کم اوقات سےزیاد ہاتھ لگے اثاث کو ہضم کرنے کی تدبیر سوجھتی ہے، سرکار کو بھی بھی آل اولاد کی خیر اور عزت منصب کی بقاکیلئے کسی صاحبِ آستانہ کی دعائیں درکار ہوتی ہیں، کسی گدی نشین کی آشیر باد کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بہت کچھ ایواں کے نام کرنے میں سعادت سمجھتاہے۔

تب سچائی کے لبادے میں دستِ قدرت کا مار، اور نگاہِ خلقت سے گرا ہوا کوئی دریوزہ صفت وارد ہوتا ہے ،کچھ ادائے دل نواز اور نوائے جاں فزا ہو، تو کاسۂ گدائی لبالب بھرتا چلا جاتا ہے ، اور ایک روز پھر اس بوریہ نشیں کے زیرِ نگیں دنیا تعجب سے دیکھتی ہے کہ ایک فلک بوس و ناپیدا کنار سلطنت جگمگاتی ہے، جدّی پشتی تہی دست کی دست رس میں آج قدرت کا دیا سب کچھ ہوتا ہے۔

کوئی اسے صلۂ عمل کہتا ہے، تو کوئی منزلِ مراد، کوئی ہمتِ گدائی اور فنِ گنج بخشی کا کرشمہ تو کوئی حوصلۂ ملامت کا اثر۔ کسی دانائے راز کی "عقلِ زرخیز" کو یہ راہ سوجھتی ہے پھر، چراغ سے چراغ جلتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے شفا خانوں کی ایک دنیا آباد ہو جاتی ہے، جن میں بظاہر مرضِ جہل کا علاج ہوتا ہے، فسادِ نظر کی دوا ملتی ہے ، علیل طبیعتوں کی اصلاح کی کوشش ہوتی ہے ، بعض کیمیا اثر "نسخوں "سے کام لے کے مریضوں کی رگِ عاطیت پھڑکانے کی یک گونہ مخلصانہ سعی ہوتی ہے ، لہٰذا ایک مفید سلسلہ بھی چل جاتا ہے ،اس طرح کسی نہ کسی کا تو فائدہ ہو ہی جاتا ہے، یہ بھی کیا کم ہے کہ کچھ گھرانے دینی اور دنیاوی لحاظ سے خود کفیل ہو جاتے ہیں ،اور عزتِ نفس کا محرمِ راز بنتے ہیں ، نو مسلم کے ایمان کی طرح نو دولتوں کا مال بھی کمال کی تاثیر رکھتا ہے، کہیں کسی فیلڈ میں تو صلاحیتوں کا لوہا منوا دیا ، ان طبیبوں کا

قبیل اپنی بستی کی بقا، اور باسیوں کے مفاد کیلئے بعض اوقات اٹھ کھڑا ہونے میں حق بجانب ہے، زمانے کو مگر شفاخانے کے تحفظ کا خیال جب ہی آئے گا، جب وہ ملت کے حفظانِ صحت کو اولین ترجیحات میں رکھے گا، بصورتِ دیگر وہ اپنے وجود کا جواز ہی کھودے گا، کیوں کہ زمینی سچ یہی ہے کہ شفاخانے کا اثاثہ صحت پانے والے مریض ہوتے ہیں، نہ کہ معمار، حصے دار، تیمار دار اور دیگر نمک خوار، اگر مرکزِ شفا صحت جیسی ہزار نعمت کا ضامن ہے، تو یہی اس کی نیک نامی ہے اور اسی میں اس کا سامانِ بقا ہے، ورنہ ظاہری رعب ودبدبے اور ثروت وخطابت کے زور پر اس کے لئے بیرونی ہمدرد وجانثار تلاش کرنا عبث اور ناپائیدار عمل ثابت ہوگا۔

عمومی طور پر روحانی معالج میں ماضی کی طرح کامل بے غرضی ہے نہ واضح مقصدیت ہے، وہ انگریزی دوا کے مثل مرض زائل کرنے کے بجائے دبانے چھپانے کا کام کرتا ہے وہ نادار ولاچار بیمار کے ساتھ حاکمانہ اکھے تیھے اور کامل بے رُخی سے، جبکہ خوشحال و متنعم مریض سے آپ، جناب اور خادمانہ مسکراہٹوں کے لہجے میں مخاطب ہوتا ہے، یہیں سے وہ ایک طبقاتی امتیاز میں منقسم سماج میں اپنا مقام متعین کر دیتا ہے، وہ درحقیقت نادار کو نہیں خود ہی کو فریب دیتا ہے، دو عملی ثابت کر کے اپنے ہی پاؤں پر کلہاڑی مارتا ہے، ادھر نئی دنیا میں دریافتوں کی بھرمار ہے اور میرا معالج ابھی تک پرانی گلی سڑی ترکیبوں اور قرونِ وسطی کے

ٹوٹکوں کو ماہرِ آثارِ قدیمہ کی طرح سینے سے لگائے بیٹھا ہے، پھر روشن دماغ اور جہاں دیدہ شہری، اور ترقی یافتہ سماج کو اس کا طرزِ عمل کیسے بھا سکتا ہے۔ لامحالہ اس کا مطب پسماندگاں و تنزل زدگاں کی آماجگاہ بن جائے گا، جو بیشتر طور پر خام خیال اور کوڑھ مغز ہوتے ہیں، جن کے کیسہَ دانش میں نفیس جواہرات سما ہی نہیں سکتے۔ پھر جب خوراک میں بھی خستت اور ماحول میں سڑاند ہو، تو خون بھی لازماً گدلا ہی پیدا ہوگا، اور پھر اس سے جنم لینے والے تخیل و ادراک میں بھی ژولیدگی ہوگی۔ سوچئے، ایسوں کو آگے جا کر کوئی کیمیااثر معالج بھی کتنا اور کیسے روبصحت کر سکتا ہے ؟؟

سبق اس حکایتِ دراز کا فقط اتنا ہے کہ سماج کو شفاخانوں کی ضرورت کل بھی تھی اور آج بھی ہے، پر یہ مسیحا کی شکم سیری، تعیش اور خود نمائی کا ذریعہ نہیں۔ بیمار سوسائیا کی نبض پر ہاتھ رکھ کر اس کی خرابیوں کی تشخیص اور پھر ان میں دلداری کے ساتھ صحت ہزار نعمت کی خوشیاں بانٹنے کا ذریعہ ہے اور کچھ نہیں۔ اس ہدف کا خوش اسلوبی سے حصول ہی اس میدان میں ترقی کہلاتا ہے۔

ظالم سماج یا کچھ اپنے اور پرائے دشمنانِ صحت، شفاخانے کی لغزشیں اچھال کر بندش کا بے جا مطالبہ کرتے ہیں اور ادھر ہمارے شفاخانے کا غافل و نارَسا مسیحا بھی منزل سے بھٹکا ہوا راہی ہے، جو ''شفا'' کو بھول کر خالی خانے کی

تقدیس کی ثنا خوانی میں شکوۂ بے جا کرکے عصری شعور سے عاری ہونے کا ثبوت دے رہا ہے، یہ رونا توان کا رویا جاتا ہے جو قرآن کریم کو ''شفاءٌ لما فی الصدور'' سمجھتے اور گردانتے ہیں، غلطی سے ان کی ساری توانائی انسانیت کی تعمیر پر نہیں بلڈنگوں کی تعمیرات پر صرف ہوتی ہے۔ان کا کیا کیجئے گا جنھوں نے اس کتابِ مقدس کو صرف ظاہری و بدنی امراض کا تریاق سمجھا اور پھر اس کے لئے کار خانے کھول کر بیٹھے ہیں، کتاب کا اصل پیغام کیا ہے، انہیں خبر نہیں۔

اس علاج وشفا کے طے شدہ اور مجرب طریقوں کے ساتھ اس کی تاثیر کے جدید ترین اور غیر مضر، نت نئے اسباب و عوامل کو بروئے کار لانے کی حاجت ہے، کیونکہ خوب سے خوب تر کی ضرورت سب کے یہاں مسلّم ہے ۔بہتر سے بہترین کی طرف سفر نیک نامی کا یقینی ضامن ہے ۔اس کارگاہِ حیات کے قاضی کا ازل سے فیصلہ ہے، کہ ناقد کی انگلیاں اٹھتی ہیں، بے خبر کے کان کھڑے ہوتے ہیں، دل کی دھڑکن تیز ہوتی ہے، آنکھیں نشانہ لیتی ہیں ، پھر کہیں جا کر راست قدم اٹھتے ہیں اور کامیابیاں قدم چومتی ہیں ۔ گویا مسیحائی کے دعوے دار کی حقیقی منزل ابھی نہیں آئی ہے ۔اس کا بہت کام باقی ہے ادب کا انجکشن اور علم کی گولیاں دینا ہی اس کی ذمہ داری نہیں ، علمِ ابدان کے ماہرین، جس طرح ابتدائی طبّی امداد اور مکمل علاج کا فرق ملحوظ

رکھتے ہیں، کمپاؤنڈر اور اسپیشلسٹ کا دائرہ کار متعین کرتے ہیں، ری ایکشن اور سائڈ ایفیکٹس سے نمٹنا جانتے اور بتاتے ہیں، دوا کے ساتھ غذا میں توازن کی ہدایات دیتے ہیں، ماحولیاتی آلودگی سے بچاؤ، قوتِ مدافعت کی بڑھوتری، حفظانِ صحت کے اصول اور صحت و مرض کے حوالے سے شعور وآگہی پیدا کرنے کی سعی کرتے ہیں، اسی طرح یا اس سے بھی بڑھ کر ایک روحانی معالج بھی جب ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل چاھتاہے، تو اس کا خاکہ یا نصب العین یہ ہوتا ہے کہ وہاں فکرونظر میں اعتدال ہو ماحولیاتی رنگارنگی ہو، معاشرتی احترام وانبساط ہو، چُوک جانے والے کی رحملانہ، مدد ہو، سائل کی تشفی کی فکر ہو، کانوں میں رس گھولنے کا ہنرِ گفتگو ہو، مہلک اخلاقی ومعاشرتی جراثیم کی قلع قمع کی گہری جستجو ہو۔

مثبت ارتقا اور مفید اجتماعیت کے لئے سازگار مواد کا فروغ ہو، اعلیٰ مثالی معاشرے کی تیل کیلیے ضروری عناصر کی تخم ریزی ہو اور اس کارخانۂ عالم میں ہر طرف روشنیوں کو عام وتام کرنے کی مہم جوئی جوبن پر ہو، تب جا کر یہ روحانی علاج کے نام پر بننے والے خانے حقیقی شفا خانے کہلائینگے، توفیق یارب۔

لیئے پھرتی تھی بلبل چونچ میں گل

حضرت شیخ الحدیث مولانا عبدالمجید لدھیانوی صاحب مرحوم ومغفور عنوان بالا کے عین مطابق اپنی ہمہ جہت گفتگو میں پھول برساتے تھے ،ایسی میٹھی اور شیرین باتیں جیسے کانوں میں رس گھول رہے ہو، پھر حسن صورت وسیرت کی جامعیت اس پر مستزاد تھی۔ وفاق المدارس کے اجلاسوں سے قبل وبعد ہمیشہ میری ان سے ایک الگ علمی نشست ہوا کرتی تھی ، منٹوں میں سالوں کے اسباق دے جاتے ، تعلیم وتربیت کی ایسی مہارت کہ شاید وباید ، کئی مرتبہ میں صرف ان کی خدمت میں اور ان کے ادارے میں ایک دودن رہنے کیلئے اسلام آباد وکراچی سے رختِ سفر باندھ کر حاضر ہوا، اللہ تعالی کا فضل وکرم دیکھئے ، مجھے دیکھکر اکثر ساتھی کہا کرتے تھے کہ حضرت بلا توقف گہری علمی اور نظریاتی گفتگو کے سمندر میں غوطہ زن ہوجاتے ہیں ، اور گھنٹوں بلا تکان لگے رہتے ، آہا۔۔۔کیا انداز تخاطب اور کیسی موتیوں کی رسات ہوتی !

ایک مرتبہ میں نے عرض کیا کہ حضرت جی ، آپ کی گفتگو سے ہم جیسوں کے بہت سے دیرینہ اشکالات توحل ہوجاتے ہیں ، لیکن اپنی علمی کم مائیگی کا اتنا شدت سے

احساس ہوتا ہے کہ مایوسی تک بات جا پہنچتی ہے، فرمانے لگے، مایوسی تو کفر ہے، ارے ہم پر کونسی وحی نازل ہوتی ہے، یہ تو مجلس کی برکت ہے، باقی یہ کہ تحصیل علم میں لگے رہو، فکر و نظر میں گہرائی تسلسلِ تحصیل سے آتی ہے، یہ سلسلے منقطع ہو گئے، تو سطحیت آجائیگی۔

کیا ہی پتے کی بات کردی حضرت والا نے، اسی کو حرزِ جاں بنایا جائے، تو بہت سے علما کل کو محققین کی صفوں میں شامل ہو جائینگے۔

وہ وفاق المدارس، جامعہ باب العلوم کہروڑ پکا، عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت اور جمعیت علمائے اسلام کے ساتھ ساتھ دیگر کئی سلسلوں اور تحریکوں میں بیک وقت فعال و متحرک تھے، ان کا نمایاں وصف اصلاح کا تھا، مصالحت صلح اور اصطلاح کے عناصر ان کی طبیعت میں خود بخود آتے رہتے، پاکیزہ رخ کے ساتھ ساتھ پاکیزہ قلب و دماغ کی یہ شخصیت ہمیشہ دوسروں کیلئے متاثر کن ہی رہی، انہوں نے کبھی کسی عہدے کی لالچ نہیں کی، عہدے اور مناصب ہاتھ باندھ کر ان کے سامنے کھڑے ہو کر قبولیت کا التماس کرتے ہوئے اہل نظر کو دکھائی دیتے، بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر شفقت ان کی خمیر کا حصہ تھا، مجھے اچھی طرح معلوم ہے کہ حضرت خواجہ خان محمد صاحب مرحوم و مغفور اور حضرت صدر وفاق کے سامنے جتنے باادب رہتے، اس سے کہیں زیادہ کو دکان پر اپنی اولاد اور ارشد

تلامذہ کی طرح مشفق ہوتے، ہمارے یہاں اسلاف واکابر کی مدح ثنائی تو کی جاتی ہے مگر ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق کسی کسی کو ہوتی ہے، اللہ کرے امت کے اس، انحطاط کے دور میں ابنائے دیوبند اکابر دیوبند کے نقش قدم پر علم وعمل کی راہوں میں گامزن ہوں۔

اللھم وفقنا یارب

امیر معاویہؓ، بنو امیہ اور تاریخ کا ظلم

22رجب حضرت امیر معاویہ بن ابی سفیان الاُمویؓ کا یوم وفات ہے، ہمارے یہاں بعض حلقے اس دن کو بطور "یوم امیر معاویہؓ" مناتے ہیں، جو ایک مستحسن اقدام ہے، لیکن اس طرح کے ایام صرف سڑکوں پر منانے سے امت نئی مشکلات کا شکار ہو جائیگی، کیونکہ ان کی طرح کی بزرگ اور مقدس ہستیوں کے ایام اسلامی معاشرے میں جہاں بھی منائے جاتے ہیں، وہاں عوام الناس کو گوں ناگوں مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے،

ہونا یہ چاہیے کہ 22رجب اور اس کے مانند دیگر تاریخی ایام کو مقررہ تاریخ سے کچھ دن قبل، بعد اور عین اس دن سیمینارز، کانفرنسز اور مقالات و مضامین کے عنوان بنا کر، ان پر عدل وانصاف کی نگاہوں کے عین مطابق تحقیق، تدقیق، سیر حاصل بحث اور گفت وشنید کی جائے، پھر ان بحوث ودراسات کا نچوڑ اور نتائج مرتب کئے جائیں، ان شخصیات کی سیرتوں، کرداروں، میدانوں اور متعلقہ موضوعات میں ان کی بلند وبالا تاریخی دور سے اپنے مستقبل کے اہداف کے تعین میں روشنی حاصل کی جائے، ان سے استفادہ کیا جائے، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہم اپنے سے کئی گنا بڑے حضرات کے درمیان محاکے کرتے ہیں، ان کی سیرت وحیاتِ طیبہ کو ایک امتحانی پیپر کے طور پر چیک کرتے ہیں، پھر ان کو اعلی، اوسط، ادنی، اور فیل کے خانوں میں درج کرتے ہیں، یہ نہیں سوچتے کہ کیا ہم اس لائق ہیں کہ ان کے

ممتحن بن بیٹھیں، مگر بزعم خویش ہم خود بخود ان کے پرچوں کیلئے امتحانی کمیٹی کا رکن بن جاتے ہیں، پھر صد افسوس اس پر کہ چیف ایگزامیز (ممتحن اعلیٰ) یعنی ہم سے بڑا کوئی محقق اگر ہمیں ہمارے دیئے ہوئے نمبرات پر کوستا ہے، کہ پرچے آپ نے صحیح چیک نہیں کئے، لہٰذا نمبر بھی غلط لگا دیئے، یا پھر آپ ان پرچوں کی چیکنگ کی صلاحیت واستعداد نہیں رکھتے، اس لئے آپ کو اس عمل سے سبکدوش کیا جاتا ہے، تو ہم ان کے نہ صرف اس فیصلے بلکہ ان کے عہدے اور منصب کو بھی چیلنج کرنا شروع کر دیتے ہیں اور اپنے فیصلوں پر ہٹ دھرمی اور ضد پر اڑ جاتے ہیں۔

یہی کچھ سیدنا امیر معاویہؓ، خلافتِ امویہ اور ان کے قبیلے بنو امیہ کے ساتھ ہمارے یہاں ہو رہا ہے، منانے والوں کو صحیح منانے کا طریقہ آنا چاہیئے، سید مودودی، ڈاکٹر رضوان ندوی اور ان کے اس تاریخی سہو میں شریک اہل سلف مؤرخین میں سے اکثر یا تو خود مستند نہیں ہیں، یا پھر اپنے سابقین کی چکنی چوپڑی باتوں سے متاثر ہیں، خوارج اور باطنیہ میں سے اول الذکر تو عقل کے پیدل ہیں، ان کے بارے میں کچھ نہ کہنا کہنے سے بہتر ہے، کیونکہ وہ "دلیل اور ذلیل" میں نقطے کے فرق کے منکر ہیں، پس ظاہر پر ہی جاتے ہیں، ثانی الذکر کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ ہر نص اور ہر واقعہ میں باطن پے جاتے ہیں، اس کے رموز کی تلاش میں سرگرداں پھرتے ہیں، بال کی کھال اتارنے کی کوششوں میں

صدیوں سے لگے رہتے ہیں، پہلے والے بصیرت نہیں مانتے، دوسرے والے بصارت نہیں مانتے، لیکن دونوں فرقوں کی تحقیق اگر اخلاقی اقدار کے مطابق ہو، تو ہم سمجھتے ہیں یہ اختلاف رحمت کے زمرے میں آجائے گا، اللہ کرے ان سب کے اکابر یکجا ہو جائیں،، باہم مل بیٹھ کر علم الکلام کے اس طرح مباحث کو امام غزالی کی کتاب ''اِلجام العوام عن علم الکلام'' کے تناظر میں حل کریں، تو امید کی جاسکتی ہے کہ اتحاد واتفاق کی کچھ کرنیں اور راہیں نظر آجائیں۔

امیر معاویہ کاتب وحی ہیں، ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ کے بھائی ہونے کے ناتے امت کے ماموں ہیں، عمرۃ القضاء کے موقع پر فتح مکہ سے قبل مشرف باسلام ہوئے ہیں، ان کے والد ماجد حضرت ابو سفیانؓ نہ صرف ایک صحابی بلکہ جلیل القدر اسلامی کمانڈر ہیں جنگ یرموک میں ان کے اور ان کی بیگم حضرت ہندؓ جو حضرت امیر معاویہ کی والدہ، محترمہ ہیں کے کارنامے سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہیں، ان کے بھائی حضرت یزیدؓ بن ابی سفیانؓ اسلامی جیوش کے عظیم سپہ سالار کے طور پر معروف ومشہور ہیں، ان کے دست راست حضرت مروان بن الحکمؓ بھی ایک عظیم صحابی اور امیر الامراء ہیں حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ دونوں کے یہاں امیر معاویہؓ امیر شام اور معتمد خاص، رہے ہیں، حضرت سیدنا علی بن ابی طالبؓ کے ساتھ ان کا اختلاف قصاص عثمانؓ پر تھا، خلافت یا امارت پر نہیں تھا، کاش یہ اختلاف نہ ہوتا، لیکن اس اختلاف کی بنیادیں

مشیئت ایزدی سے اس وقت پڑچکی تھیں جب مجوس اور نصاری یعنی اہل فارس، اوراہل روم کی جنگ ابتدائے اسلام میں ہوئی تھی، نصاری چونکہ اہل کتاب تھے، اس لئے سورہ روم کی ابتدائی آیات رومیوں کے فی الحال مغلوب ہونے اور بعد میں غالب آنے کے متعلق ہیں، مسلمانوں کی ہمدردیاں اہل کتاب کے ساتھ تھیں، مشرکین اور بت پرست مجوسیوں کے حامی تھے،انھوں نے اہل عرب اور اہل اسلام کو دشمن کے دوست قرار دیا تھا، اسی لئے اسلام کو روکنے میں مجوسیوں نے خطرناک جنگیں صحابہؓ سے لڑیں، جن میں آخر کار وہ شکست کھا گئے، توانھوں نے ابن سبا جیسے یہودیوں سے ملکر سازشوں کے تانے بانے بُنے، حضرت عمر فاروقؓ کو ابولؤلوہ مجوسی کے ذریعے شہید کروایا، حضرت عثمان غنیؓ کے خلاف شورشیں برپا کیں، حضرت علی مرتضیؓ اور حضرت امیر معاویہؓ کے درمیان اختلافات پیدا کئے، جن کے نتیجے میں جنگ جمل اور جنگ صفین کے واقعات رونما ہوئے، پھر ان جنگوں کو انتہائی مبالغہ آرائی، اور دروغ گوئی کے آمیزے کے ساتھ بیان کرنے لگے، نوبت یہاں تک پہنچائی کہ حضرت حسن بن علی بن ابی طالبؓ نے جب آپ ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق مصالحانہ کردار ادا کرتے ہوئے اختیارات حضرت امیر معاویہ کے سپرد کئے، تو ان شورشیوں نے ان کے اس فیصلے کو دل سے تسلیم نہیں کیا، بعد میں حضرت امام حسینؓ کے واقعے میں اہل عراق کا ہاتھ نظر آتا ہے، یزید، بن زیاد اور حجاج بن یوسف کی حرکتیں بھی نظر آتی ہیں، لیکن بحیثیت مجموعی اگر امیر معاویہ کے کردار اور ان کی خلافت کا دور دیکھا جائے، نیز

بنو امیہ کی خلافت کو اگر دیگر خلافتوں کے مقابلے میں نظر انصاف سے پرکھا جائے، تو معلوم ہوگا یہ دور متعدد جہتوں سے امتیاز ریں ہے کہ ان پر مثبت انداز میں نئی تحقیق کی شدید ضرورت ہے۔مثلاً حضرت معاویہؓ کی سیاسی بصیرت کی وجہ سے عالم اسلام متحد و منظم ہوا، رقبہ وجغرافیائے اسلام میں بے تحاشا اضافہ ہوا، قرآنِ کریم میں نقطوں اور حرکات کا عمل ہوا، نئی دفتری زبان فارسی و رومی کے بجائے پورے عالم اسلام میں عربی قرار پائی، خلافت ان ہی کے دور میں دنیاکے سپرپاورکے طورپر پہچانی جانے لگی امن ،استقرار ،سلامتی ، خوشحالی اور استحکام کا پھریرا لہرانے لگا، حضرت امیر معاویہؓ ، کے علاوہ مروان بن الحکم ، عبدالملک بن مروان ، ولید بن عبد الملک ہشام بن عبدالملک جیسے عظیم خلفاء، سلاطین اور حکمراں مسلمانوں کو نصیب ہوئے ، محمد بن قاسم ،طارق بن زیاد، یوسف بن تاشفین اورقتیبہ بن مسلم جیسے عمائدینِ جہاد میسر آئے، جن کے ادوار میں موجودہ ہند، موجودہ چین ، موجودہ روس ، موجودہ فرانس ،اسپین وپرتگال تک کے کچھ حصے زیر نگینِ اسلام ہوئے، افریقہ کا تو مسلم حصہ پوراکا پورا اسی دور میں یا صرف مصر حضرت عمرو بن العاصؓ کے دور میں مشرف باسلام ہوا، جامع مسجد اموی ، مسجد نبوی ﷺ ،جامع قرطبہ ،قبۃ الصخرہ کی تعمیرات ان کی شاہ کار ہیں ،برید (ڈاک)،دفتری نظام اور باقاعدہ پولیس وسیکورٹی فورسز کا کریڈٹ بھی انہیں کو جاتا ہے ،بحری بیڑے اور سمندری فوج بھی حضرت معاویہؓ کا ہی کارنامہ ہے ،اندلس میں سینکڑوں سال تک ایک مستقل

اور مثالی اسلامی خلافت کا سہرا بھی امویوں کے سر ہے۔ جس کے متعلق علامہ اقبال مرحوم فرماتے ہیں:

ہسپانیہ تو خونِ مسلماں کا امیں ہے۔ مانندِ حرم پاک ہے تو میری نظر میں
پوشیدہ تری خاک میں سجدوں کے نشاں ہیں۔ خاموش اذانیں ہیں تیری بادِ سحر میں

امام الہند شاہ ولی اللہ الدھلویؒ کا شمار امت کے مجددین میں ہوتا ہے، تجدید دین کا کام امامت فی الدین سے بھی بڑھ کر ہے، دین کی اصل صورت مرورِ زمانہ کے بعد امت کے سامنے پیش کرنا ہر کسی کا کام نہیں ہے، بعض لوگ معلومات کی دیوار پر تجدید دین کی چھت ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، مگر انہیں شاید نہیں معلوم کہ معلومات اور علم میں بڑا باریک فرق ہے، معلومات اگر زیادہ ہی کچھ ہیں، تو پھول کے ظاہری پتے ہیں، جبکہ علم ان پتوں میں چھپی خوشبو ہے، رسوخ فی العلم نہ ہو تو تجدید کے دعوے بے سود ہیں، امام الہند کا ادبی مقام ان کے مذہبی مقام کی وجہ سے پس منظر میں چلا گیا ہے، ان کی کتاب " اطیب النَّغَم فی مدح سید العرب والعجم ﷺ " کا اگر عربی رثائی اور منقبتی ادب کے شہ پاروں سے موازنہ کیا جائے، تو ہمارے خیال میں یہ امرؤالقیس اور لبیدؓ وغیرہ کی "سبع معلقات" کے پائے کی شاعری ہے، اب اس تناظر میں اگر ان کی ادبی شخصیت کا مطالعہ کیا جائے، تو انہیں عربی زبان وادب کا بھی امام کہا جاسکتا ہے، ہمارے خیال میں "شاہ فیصل ادبی ایوارڈ" اگر شاہ صاحب کے زمانے میں ہوتا، تو وہ اس کے اولین مستحق قرار پاتے۔ آپ کو عربی ادبیات کا ذوق اگر ہے اور پھر آپ " اطیب النَّغَم " پڑھتے چلے جائیں، تو بعید نہیں ہے کہ اسی نتیجے پر آپ بھی پہنچ جائیں، جس

کا ہم دعوی کررہے ہیں۔

اب آپ ''اطیب النّغم'' کے مترجم وشارح شہید اسلام حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ کا ان مشکل ترین اشعار پر دقیق کام دیکھیں، ترجمہ کی باریکی ملاحظہ فرمائیں، مختصر مگر جامع تشریحات، جو جابجا ہیں، وہ پڑھیں، اس سے آپ کو حضرت لدھیانوی کا تبحر علمی اور عربی زبان وادب کی گہری شناوری کا بخوبی اندازہ ہوجائے گا، کچھ لوگ تراجم وتشریحات کی مدد سے کوئی کتاب پڑھالیتے ہیں، بعض لوگ عربی محاورات، تعبیرات واستعارات کا رٹہ لگالیتے ہیں، اور جاوبے جا استدلال کرتے ہوئے باور کراتے ہیں کہ ہم عربی کے بے مثل ماہر ہیں، شاید ہوتے ہوں گے، لیکن دنیا صرف اسے نابغہ مانے گی، جس نے ضرورت کے مطابق کارنامہ انجام دیا ہو، موصوف ان رجال میں سے تھے کہ جب ضرورت پڑتی، وہ میدان میں آتے اور حسب ضرورت نبوغ اور کمال دکھاتے۔ میں نے حضرت شہید کے کئی مضامین ومؤلفات پر کام کیا، ہر جگہ اندازہ ہوا کہ اِعراب میں، ترجمہ میں، تعبیر میں بوئے گل (علمیت) کام دکھارہی ہے، گہرے سمندر کی تہہ میں جاکر یکتا موتی ہاتھ میں لیئے نمودار ہوتے ہیں، اسی لئے میری ذاتی رائے میں وہ امام الہند کی طرح اپنے زمانے کے ایک ممتاز عربی دان تھے، ان کی متعدد تصنیفات اس کی شاہدِ عدل ہیں، اور میں اپنی یہ رائے ان کے عربی زبان وادب میں ''مہارت کی بنیاد پر قرآن وحدیث، فقہ وعقائد میں ان کی تیر بہدف اور'' سہلِ ممتنع

عبارتوں کی وجہ سے قائم کرنے پر حق بجانب ہوں، علمی رسوخ کے بغیر اپنے آپ یا اپنے بزرگوں کے حق میں مجددیت اور امامت کا زعم و دعویٰ عُجب اور حسنِ ظن تو ہو سکتا ہے، حقیقت ہرگز نہیں۔اور علمی رسوخ کا پتہ چلتا ہے عربی زبان وادب میں تبحر واستغراق سے۔گویا معاملہ کچھ اس طرح ہے۔

در سخن مخفی منم چوں بوئے گل در برگِ گل
ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

اسی بوئے گل کو بھانپتے ہوئے حضرت بنوریؒ نے انہیں اپنا ''ہم نام وہم کام'' اور ڈاکٹر عبدالحہ عارفی مرحوم نے ''سخن داں'' کا خطاب دیا تھا۔

ختمِ نبوت کے حوالے سے علامہ انورشاہ کشمیریؒ کی مایہ نازاور لطیف فارسی تصنیف ''خاتم النبیینﷺ'' کے اردو ترجمے کا معاملہ جب نابغۃ الأدب العربی حضرت بنوری کے سامنے آیا، تو ان کی نگاہِ انتخاب انہی پر ہی آکر کیوں ٹھہری، ذرہ دیکھیئے وہ کیا فرماتے ہیں: ''کہ اس کتاب سے علومِ انوری کے جواہر اپنی پوری تابانی کے ساتھ ظاہر ہوں، ہر شخص نہ اس کی تہوں تک پہنچ سکتا تھا اور نہ یہ علوم اسکے قبضے میں آسکتے تھے، اس کے لئے حسبِ ذیل امور کی ضرورت تھی:

عام فہم شستہ اردو زبان میں ترجمہ کیا جائے۔(2) مترجم ذکی و محقق عالم ہو، (1) علمی اشارات ولطائف کو بخوبی سمجھتا ہو۔(3) حضرت امام العصرؒ کے طرز

تحریر سے مناسبت رکھتا ہو، اور اس کے سمجھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہو۔ (4) قادیانیت کے موضوع سے دلچسپی رکھتا ہو اور قادیانی مذہب کے لٹریچر سے پوری طرح باخبر ہو۔ (5) علمی دقائق کی تشریح پر اردو میں قادر ہو اور قلمی افادات سے عوام کو مستفید بنانے کی قابلیت رکھتا ہو۔ (6) تالیفی ذوق رکھتا ہو، تصنیفی ملکہ حاصل ہو تاکہ مناسب عنوانات سے مضمون کو آسان کرسکتا ہو۔ (7) حضرت امام العصرؒ سے، انتہائی عقیدت ومحبت ہو کہ مشکلات حل کرنے میں گھبرانہ جائے اور غور وخوض سے اکتانہ جائے۔ (8) محنت وعرق ریزی کا عادی ہو دردِدل رکھتا ہو، قادیانیت سے بغض ہو۔ (9) اپنے علمی کاموں میں محض رضائے حق کا طالب ہو، حب جاہ وثناً سے بالاتر ہو۔ (10) عام علمی مہارت اور دینی ذوق کے علاوہ ’’خصوصیت کے ساتھ عربیت وبلاغت کے سمجھنے کی قابلیت رکھتا ہو، اور معانی وبلاغت‘‘ کے نکتہ سنجیوں سے واقف ہو۔ عرصہ دراز سے احساس تھا کہ اسکے ترجمہ وتشریح کی ضرورت ہے، جس وقت شباب تھا اور فرصت بھی تھی، دماغ میں تازگی تھی اور عہد انوری کی صحبتوں کی یاد تازہ تھی اس وقت توجہ نہ کرسکا اور اس سعادت سے محروم رہا، حالانکہ ’’نفحۃ العنبر‘‘ میں لکھ چکا تھا کہ خدا کی قسم! انوری علوم کے باغ وبہار اور وہبی علوم کا نمونہ اگر دیکھنا ہو تو رسالہ ’’خاتم النبیین ﷺ‘‘ ملاحظہ کیا جائے۔ الحمدللہ کہ یہ سعادت میرے ہم نام اور میرے ہم کام میرے مخلص رفیق کار مولانا محمد یوسف لدھیانوی کے حصہ میں ،آئی، جو اس ’’عشرۂ کاملہ‘‘ سے متصف وباکمال ہیں

اور اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ وہ اس ترجمہ وتشریح کے فرض سے نہایت کامیابی کے ساتھ عہدہ برآ ہوئے اور اس علمی ودینی خدمت کا حق ادا کردیا ہے" (مقدمۂ خاتم النبیین ﷺ باختصار)۔

ارے زر کی قدر زرگروں ہی کے پاس ہوتی ہے، کوئی سمجھے تو حضرت بنوریؒ کی یہ تحریر جہاں لدھیانوی صاحب کے جامعِ کمالات ولطائف ہونے کی شہادت ہے، وہیں پر یہ ان کے لئے عربی زبان وادب کے عمیق سمندر میں تبحر، مہارت اور نبوغ کی ایک سندِ عالی بھی ہے، جس کو عصرِ حاضر کی بہت سی روایتی پی ایچ ڈیاں سلامِ عقیدت پیش کرتی ہیں۔ مکتبۂ لدھیانوی کی طرف سے جدید اور شایانِ شان طباعت کے موقع پر میں اللہ تعالیٰ کا شکرگذار ہوں کہ اس نے ان ہر دو متون وشروح پر مجھے نظرِ ثانی کی توفیق دی، جس سے ان اہل اللہ کی روحانی مجالس میں گویا شرکت نصیب ہوئی۔

بوئے گل لے گئی بیرون چمن رازِ چمن
کیا قیامت ہے کہ خود پھول ہیں غمازِ چمن

حجاز و نجد کے عرب قبائل اور ایران کا معاملہ ایسا ہی ہے، جیسے ہمارے یہاں کے پختون قبائل اور ہندوستان ، ہندوستان ایک بہت بڑا اور وسیع و عریض جغرافیے اور تہذیب و تمدن کا ملک ہے ،،بڑے بڑے لشکر ، قلعے اور عہد قدیم سے آج تک عظیم الشان بادشاہوں اور چھاؤنیوں پر مشتمل یہ سرزمین ان سب کچھ کے باوجود پاک افغان بارڈر پر آرپار بسنے والے قبائل کے سامنے ہمیشہ بے بس رہا ہے ، غزنوی ،ابدالی ، درانی ، خلجی ، سوری کی تواریخ اور کشمیر میں سدوزئی قبیلے کی آبادکاری یہی بتاتی ہیں ، کچھ ایسی ہی صورت حال فارس و عرب کی ہے ،قرآن کریم کی سورہ روم کی شان نزول جس فارسی رومی جنگ کے متعلق ہے ، اس میں بھی جنگ کے دونوں فریقین نے عرب کے قبائل کو ساتھ دینے کی درخواستیں کی تھیں ، فارس نے اپنے طور پر اور روم نے اپنے طور پر ، مگر عرب قبائل نے غیر جانب داری کا فیصلہ کیا تھا، روم نے اس جنگ میں میدانِ '' اذرعات ''میں شکست کھائی تھی ، پھر بھی روم کو عربوں پر اتنا غصہ نہیں آیا ،جتنے اہل فارس اُن پر سیخ پا ہوئے تھے ، کیونکہ وہ ایک دور دراز یورپی ملک اٹلی کے رہنے والے تھے ، شام جس میں فلسطین ،اردن ، سوریا اور لبنان واسرائیل واقع ہیں، میں وہ قابضین تھے، اصلاً تو یہ عربوں کے علاقے تھے ، بالکل ایسا ہی جیسے ہندوستان پر انگریز قابض تھا، حکومت

انگریز کی تھی، مگر عوام ہندوستانی تھے، فارس چونکہ قریب ترین اور پڑوسی ملک تھا، عرب علاقے اہواز اور عراق ویمن میں اس کا ہمیشہ کچھ نہ کچھ عمل دخل رہتا تھا، نیز ایرانی شہزادے تخت شاہی کے استحقاق کیلئے عرب قبائل کے یہاں حرب وضرب کے فنون سیکھنے کیلئے جاتے تھے، باہمی تجارت بھی تھی، تہذیب وثقافت میں بھی قربت تھی، زبان وادب میں بھی بمقابلہ رومیوں کی نسبتیں زیادہ تھیں، عرب کے "مناذرہ" اور ایران کے ساسانی سرکاری تقریبات میں ایک دوسرے کو مدعو کرتے تھے، اور سب سے بڑھ کر فارس میں مجوسیت، آتش پرستی، نجوم پرستی اور ثنویت کا عقیدہ تھا، تو عرب بھی مشرک تھے، سمندر میں بھی خلیج عرب، بحر عُمان اور بحر عرب میں بھی گویا ایک قسم کا مشارکہ تھا، پھر ایرانی روم کو شکست دے کر کچھ زیادہ ہی گھمنڈ میں آگئے تھے، اس لئے ایرانی بادشاہ نے عربوں کے قبائلی برائے نام بادشاہ نعمان بن منذر کے خلاف وقتاً فوقتاً بہانے ڈھونڈنے شروع کردیئے، مثلاً (الف) تم نے رومیوں کے خلاف جنگ میں ہمارا ساتھ کیوں نہیں دیا، (ب) مجھے ایک عمدہ اور بے مثال عربی گھوڑا بھیجیں، ج) تمھاری صاحبزادی کے حسن کے چرچے ہیں، وہ ہماری ازدواجیت میں دیدیں۔) یادرہے عراق ایران سرحد پر العبادی، عرب قبیلہ نعمان بن منذر کا مخالف تھا، جن کے سردار کو بن منذر نے ایک بغاوت میں قتل کردیا تھا، آج کے عراقی

وزیر اعظم ڈاکٹر حیدر العبادی بھی اسی قبیلے کے چشم وچراغ ہیں، اس زمانے کے العبادی قبیلے کے کچھ لوگ مثلاً زید بن عدی العبادی، اور عمرو بن عدی العبادی کسری کو نعمان بن منذر اور ان کے تائید کنندہ قبائل جیسے بنو بکر، بنو شیبان اور بنو ذہل وغیرہ کے خلاف اُکساتے بھی رہتے تھے، بہر حال جب نعمان نے بیٹی دینے سے انکار کردیا، تو شاہ ایران خسرو پرویز بن ہرمز نے ان قبائل اور ان کے بادشاہ نعمان کے خلاف جنگ کی تیاریاں شروع کردیں ۔۔ نعمان نے اپنے بال بچوں، تقریباً 800 زرہوں وگھوڑوں اور مال متاع کو بنی بکر وشیبان کے پاس رکھوایا، اور تحفے تحائف لے کر اپنی قوم کو جنگ کے مصائب سے بچانے کیلئے عذر معذرت کرنے کسری پرویز کے پاس پہنچ گیا، جس پر اس نے حماقت کرکے پہلے اسے قید کردیا، پھر قتل بھی کردیا اور اعلان جنگ کرتے ہوئے بلاد عرب کی طرف بڑھنے لگا، ادھر بنو شیبان کے پاس ابوبکر صدیقؓ آپ ﷺ کا پیغام لے کر آگئے تھے اور یہ درخواست کی تھی، کہ ہمیں مکے سے آپ کی طرف ہجرت کرنی ہے، ہمارا ساتھ دو، انہوں نے کہا کہ ہم اہل فارس کے ساتھ جنگ کرنے جارہے ہیں اس سے فارغ ہوجائیں، اور اندازہ ہوجائے کہ ہوتا کیا ہے، تو پھر آپ کے معاملے پر، غور کرینگے، بہرکیف خسرو پرویز نے بھی اپنے حلیف عرب قبائل کو ساتھ دینے کیلئے مدعو کیا، اور بنو شیبان، بنو بکر، اور بنو طے نے بھی تمام عرب علاقوں اور قبیلوں میں اپنے آدمی بھیجے، چنانچہ دونوں طرف موجودہ کوفہ شہر، نجف اور کربلا جو پہلے ایک بے آب وگیاہ ریگستان تھے، کے

قریب بنو بکر اور بنو شیبان نے میدان'' ذی قار'' میں پڑاؤ ڈال دیئے ، جہاں تک ایرانی عساکر بھی آکر مجتمع ہوگئیں تھیں، عرب قبائل نے اپنے لئے پانی کا بندوبست پہلے سے بڑی مقدار میں تقریباً ایک ماہ کیلئے کردیا تھا، صفیں آمنے سامنے ہوگئیں،ایرانی لشکر میں سے ایک'' سورما'' نے آگے بڑھ کر مبارزت کیلئے نعرہ لگایا، ایک دیہاتی عرب اس کے مقابلے میں کودا اور ایک ہی وار میں اس کو ماردیا، جس پر نہ صرف کمانڈروں کو بلکہ خود شہنشاہ خسرو پرویز کو ناز تھا، پھر کیا تھا، طبل و بگل بجائے گئے اور گھمسان کی جنگ شروع ہوئی ، شام کو اندھیرا چھاجانے تک دونوں لشکروں سے ہزاروں لڑاکا جوان مارے گئے ، ہزاروں زخمی ہوئے ، اور اگلے دن طلوعِ آفتاب پر دوبارہ میدان سجانے کے اعلانات ہوئے ، تو عربوں نے دشمن کے لشکر میں حلیف عرب قبائل سے راتوں رات رابطہ کیا، کہ تم ہمارا ساتھ دو، ہمارا پلہ بھاری ہے ، ان کو بھی پتہ چل گیا تھا کہ قبائل کا جنگی وزن زیادہ ہے ،انہوں نے کہا کہ کل عین جنگ میں ہم بھاگنا شروع کردینگے ،تو فارسیوں کا لشکر حواس باختہ ہوکر تتر بتر ہوجائے گا، چنانچہ اگلے دن منصوبے کے مطابق ایرانیوں کے حلیف عرب قبائل نے فرار کا راستہ اختیار کیا، تو لشکر فارس میں ایسی مردنی چھاگئی کہ عرب قبائل اگلے دو دن تک اُن کا پیچھا کرتے ہوئے دن رات صرف انکی گردن زدنی میں لگے رہے ، خسرو پرویز بھاگ گیا، اور دیگر تمام بڑے کمانڈر مارے گئے ، لاشوں کے ڈھیر لگ گئے ، زخمی بھی تیمارداری نہ ہونے کی وجہ سے موت کے گھاٹ اتر گئے ،

چہار دانگ عالم میں فارسیوں کی شکست اور عرب قبائل کی فتح کی خبریں گونجنے لگیں، 609 عیسوی کی یہ تاریخی جنگ ''ذی قار'' سے مشہور و معروف ہے، اس کے کچھ ہی سالوں بعد قرآن کریم کی پیشین گوئی کے مطابق روم نے حملہ کرکے ایران کی رہی سہی طاقت بھی تہس نہس کردی۔

اتفاق سے روم کی یہ فتح اور بدر کے مقام پر مسلمانوں کی فتح تقریباً ایک ہی دن کے واقعات ہیں۔ تفصیل کے لئے مسلسل ذی قار اور مسلسل زیر سالم دیکھیئے۔

مچھلی والے

حضرت یونس بن متی علیہ السلام اللہ ربّ العزت کے جلیل القدر انبیاء کرام میں سے تھے۔قرآن کریم میں جا بجا آپ کا ذکر آیا ہے۔ایک مستقل سورت ''سورۂ یونس ''آپ کے نامِ گرامی سے موسوم ہے۔اللہ ربّ العزت نے آپ کو عراق کے
مشہور شہر ''نینوا''جس کا موجودہ نام موصل ہے، حسنِ اتفاق کہیئے یا سوءِ اتفاق کہ یہی شہر آج داعش کا دار الخلافہ ہے، کی طرف مبعوث فرمایا،آپ اپنی قوم کو ایک طویل مدت تک توحید کی دعوت دیتے رہے ،مگر آپ کی قوم نہایت سر کش اور نافرمان تھی، جو آپ کی مسلسل تکذیب اور استہزاء کرتی رہی، بالآخر آپ نے قوم کے حق میں بد دعا فرمائی اور انہیں شدید عذاب کی نوید سنا کر، وحی کے ذریعے خروجِ اذن الٰہی کا انتظار کئے بغیر شہر سے نکل گئے ،آپ سمندر کے کنارے تشریف لائے اور کشتی میں سوار ہو گئے ،ابھی کشتی کچھ دور ہی گئی تھی کہ کشتی بھنور میں پھنس جانے سے ڈولنا شروع ہو گئی،ان کشتی والوں کے عقیدے کے مطابق جب کشتی اس طرح ڈولنے لگتی ہے، تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کشتی میں اپنے آقا سے کوئی بھاگا ہوا غلام سوار ہوا ہے،تو وہ اسے سمندر میں پھینک دیتے ہیں۔حضرت یونس علیہ السلام کو ان کے عقیدے کا علم تھا،اس لیے جیسے ہی کشتی نے ڈولنا شروع کیا،تو آپ نے فرمایا کہ کشتی میں ایک غلام اپنے مالک کی اجازت کے بغیر بھاگ آیا ہے ،تو لوگوں کے پوچھنے پر آپ نے فرمایا کہ وہ غلام میں

ہوں، اس لیے تم لوگ مجھے سمندر میں پھینک دو، اور نجات حاصل کرو۔ لوگوں نے آپ کی عزت و تکریم کے خاطر پھینکنے سے انکار کیا، مگر حضرت یونس علیہ السلام اپنی اسی بات پر اصرار کرتے رہے، بالآخر آپ نے مشورہ دیا کہ قرعہ ڈال لو، جس کا نام آئے اس کو سمندر میں پھینک دو، یہ تجویز سب نے پسند کی اور اس پر کئی بار عمل کیا گیا، مگر ہر دفعہ آپ کا ہی نام آتا تھا۔ بادل نخواستہ آپ کو لوگوں نے اٹھایا اور سمندر کے حوالے کر دیا، جیسے ہی آپ کو سمندر کے حوالے کیا ایک مچھلی پہلے سے ہی اللہ کے حکم سے منہ کھولے موجود تھی، اس نے آپ کو نگل لیا اور سمندر میں غائب ہو گئی۔

اُدھر بستی والوں نے جب عذاب کے آثار دیکھے تو سمجھ گئے کہ عذاب آنے والا ہے، ان تمام لوگوں نے صدق دل سے توبہ کی اور حضرت یونس علیہ السلام کی تلاش میں نکل گئے، حضرت یونس علیہ السلام چالیس دن تک مچھلی کے پیٹ میں رہے، ذکر کرتے رہے اور اپنی لغزش کی اللہ سے معافی مانگتے رہے، ''لا الٰہ الا انتَ سبحانک انی کنتُ من الظالمین'' کا وِرد کیا کرتے، آخر کار ارحم الراحمین نے مچھلی کو حکم دیا کہ ان کو زمین پر اُگل دو، اس مچھلی نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل کی، اور آپ کو اُگل دیا، جب آپ مچھلی کے پیٹ سے باہر آئے، تو بہت کمزور ہو گئے تھے، اور جس جگہ پر مچھلی نے آپ کو اُگلا تھا اس جگہ کوئی سایہ بھی نہ تھا، اللہ رب العزت کے حکم سے وہاں پر ایک کدو یا انگور کی بیل اُگ آئی اور آپ کو سایہ فراہم کیا نیز ایک

پہاڑی بکری یا ہرنی کہہ لیں، آتی، جس کے تھنوں سے دودھ ٹپک رہا ہوتا، آپ روزانہ اس کے دودھ سے اپنی بھوک مٹاتے اور اس درخت کے سایہ میں آرام فرماتے۔ مچھلی کے اس واقعے کی وجہ سے آپؑ کو ذوالنون اور صاحب الحوت یعنی مچھلی والے کا لقب اللہ تعالٰی کی طرف سے دیا گیا ہے، نون اور حوت دونوں کا معنی مچھلی ہے، آج کی جدید سائنس نے بھی اور عام انسانی مشاہدے نے بھی اتنی بڑی دیو ہیکل مچھلیوں کی تصدیق کردی ہے، مثلاً ''وہیل'' مچھلی کی جسامت چار سے سو فٹ اور وزن سو سے ڈیڑھ سو پاؤنڈ کے درمیان ہوتا ہے، اس کی دم ہوائی جہاز کی دم کی طرح ہوتی ہے، جس کا ایک سرا اوپر اٹھا ہوا ہوتا ہے، اس کی جلد شفاف اور چکنی ہوتی ہے، جبکہ منہ کے قریب مونچھوں کی طرح لمبے لمبے بال ہوتے ہیں، وہیل کے دانت یکساں اور ایک ہی قطار میں ہوتے ہیں، اسے شکار پکڑنے کی بھی ضرورت پیش نہیں آتی، تیرتے ہوئے اس کا منہ کھلا ہوتا ہے، آبی جانور اور دیگر مچھلیاں اپنے آپ اس کا چارہ بننے کے لئے چلے آتی ہیں، اس کی زبان کا وزن چھ پاؤنڈ کے برابر ہوتا ہے، وہیل گینڈے کی طرح پیٹو ہوتی ہے، مسلسل کچھ نہ کچھ کھاتی رہتی ہے، اس کا منہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ بیس سے پچیس افراد ایک ساتھ بآسانی اس میں کھڑے ہو سکتے ہیں، مال گاڑی کا ایک ڈبہ اس کے منہ میں آسکتا ہے، کلکتہ کے عجائب گھر میں وہیل کے گال کے دو حصے ہیں، جو پچیس سے تیس ہاتھ لمبے ہیں، وہیل کا جسم جتنا لمبا ہوتا ہے، اس کی ایک تہائی کے برابر اس کا منہ ہوتا ہے، اس کا حلق بہت فراخ اور وسیع ہوتا ہے، جس سے یہ لحیم وشحیم

انسانوں جیسی مخلوق کو بآسانی نگل سکتی ہے،اور بعد میں خاص حالات میں انہیں اُگل کر باہر پھینک سکتی ہے،اس کے حلق کے نیچے کئی جھریاں (folds) بھی ہوتی ہیں،جب اسے معمول سے زیادہ کوئی بڑی چیز نگلنا پڑ جائے،تو اس کا حلق ان جھریوں کے سبب کھل کر وسیع تر ہو سکتا ہے،اس وقت وہ انسان سے بھی بڑی اشیاء کو سہولت نگلنے کی قابل ہو جاتی ہے،اس کے پیٹ میں سانس لینے کے لئے آکسیجن بھی مہیاً ہوتی ہے،اس کے پیٹ میں ایک انسان کو اتنی گرمی لگتی ہے جو بخار کی حالت میں ہوتی ہے،ڈاکٹر امروز جان ولسن،فیلو،کوئنز کالج،آکسفورڈ (dr.imroz john wilson fellow queen college oxford) نے حضرت یونسؑ کے مچھلی کے پیٹ میں زندہ رہنے کے متعلق ایک تحقیقی اور شاندار مقالہ تحریر کیاہے،جو پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔موجودہ زمانے میں بھی کچھ افراد کو بڑی مچھلیوں کے نگل جانے کے دلچسپ واقعات نیٹ میں مرقوم ہیں،جنہیں دیکھ پڑھ اور سن کر دنیا میں بہت سے لوگ مسلمان ہوئے ہیں،آپ بھی تحقیق کی اس دنیا میں جایئے،اور ان حکایات کے مزے لیتے رہیئے،علم میں اضافے کے ساتھ ساتھ ایمانی پختگی مفت میں حاصل کریں۔

بہر حال جب حضرتِ یونسؑ کی حالت بہتر ہو گئی اور کمزوری دور ہو گئی تو ایک دن اللہ رب العزت کے حکم سے سورج کی تیز روشنی سے وہ بیل جل گئی،حضرت یونس علیہ السلام نے یہ معاملہ دیکھا،تو آپ کو شدید رنج ہوا اور آپ اس غم میں رونے لگے،اللہ

تعالی نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو بھیجا اور انھوں نے آکر فرمایا: آپ ایک درخت کے لیے روتے ہیں، جس کو اللہ نے آپ کے لیے اگایا تھا، مگر ان ایک لاکھ سے زائد انسانوں کے لیے نہیں روتے جن کی ہلاکت کی آپ نے بد دعا کی تھی۔

اس پر حضرت یونس علیہ السلام کو سخت پشیمانی ہوئی اور آپ نے گڑگڑا کر اللہ سے معافی مانگی اور اللہ تعالی نے آپ کو معاف کر دیا۔ آپ علیہ السلام دوبارہ اپنی قوم میں تشریف لائے، تو قوم آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی، پوری کی پوری مؤمن ہو گئی، اور آپ کی ہر بات ماننے لگی۔

نظریاتی کونسل اور مسئلۂ خلع

بیوی کا اسلامی شریعت کے مطابق شوہر کی ازدواجی زندگی سے خلاصی حاصل کرنا فقہ میں" خلع" کہلاتا ہے۔ اس کا جواز سورۂ بقرہ کی 229ء ویں آیت میں موجود ہے کہ عورت کچھ بدلہ رقم کی صورت میں شوہر کو ادا کرکے اس سے چھٹکارا حاصل کر لے۔ یہاں ہم پوری بحث کو سمجھنے کے لئے سورۂ بقرہ کی متعلقہ آیات کا ترجمہ پیش کئے دیتے ہیں:

"جو لوگ اپنی عورتوں کے پاس جانے سے قسم کھالیں ان کو چار مہینے تک انتظار کرنا چاہیئے۔ اگر (اس عرصے میں قسم سے) رجوع کرلیں تو خدا بخشنے والا مہربان ہے (226) ۔ اور اگر طلاق کا ارادہ کرلیں تو بھی خدا سنتا (اور) جانتا ہے (227) ۔ اور طلاق والی عورتیں تین حیض تک اپنی تئیں روکے رہیں، اور اگر وہ خدا اور روز قیامت پر ایمان رکھتی ہیں، تو ان کے لئے جائز نہیں کہ خدا نے جو کچھ ان کے رحم (پیٹ) میں پیدا کیا ہے، اس کو چھپائیں، اور ان کے خاوند اگرِ اصلاح (احوال) پر آمادہ ہوں، تو اس (مدت) میں وہ ان کو اپنی زوجیت میں لے لینے کے زیادہ حقدار ہیں، اور عورتوں کا حق (مردوں پر) ویسا ہی ہے جیسے دستور کے مطابق (مردوں کا حق) عورتوں پر ہے، البتہ مردوں کو عورتوں پر فضیلت ہے، اور خدا غالب (اور) صاحب حکمت ہے (228)۔ طلاق (صرف) دوبار ہے (یعنی جب دو دفعہ طلاق دے دی جائے تو) پھر (عورتوں کو) یا تو

بطریق شائستہ (نکاح میں) رہنے دینا یا بھلائی کے ساتھ چھوڑ دینا، اور یہ جائز نہیں کہ جو مہر تم ان کو دے چکے ہو، اس میں سے کچھ واپس لے لو۔'' ہاں اگر میاں بیوی کو خوف ہو، کہ وہ خدا کی حدوں کو قائم نہیں رکھ سکیں گے، تو اگر عورت (خاوند کے ہاتھ سے) رہائی پانے کے بدلے میں کچھ دے ڈالے، تو دونوں پر کوئی گناہ نہیں، یہ خدا کی مقرر کی ہوئی) حدیں ہیں ان سے باہر نہ نکلنا، اور جو لوگ خدا کی حدوں سے باہر) نکل جائیں گے، وہ گنہگار ہوں گے (229)''۔ پھر اگر شوہر (دو طلاقوں کے بعد تیسری) طلاق عورت کو دے دے، تو اس کے بعد جب تک عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح نہ کرلے، اس (پہلے شوہر) پر حلال نہ ہوگی، ہاں اگر دوسرا خاوند بھی طلاق دے دے اور عورت اور پہلا خاوند پھر ایک دوسرے کی طرف رجوع کرلیں، تو ان پر کوئی گناہ نہیں، بشرطیکہ دونوں کو یقین ہو کہ اللہ کی حدوں کو قائم رکھ سکیں گے اور یہ خدا کی حدیں ہیں ان کو وہ ان لوگوں کے لئے بیان فرماتا ہے جو دانش رکھتے ہیں۔ (230) ۔اور جب تم عورتوں کو (دو دفعہ) طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہوجائے، تو انہیں یا تو حسن سلوک سے نکاح میں رہنے دو، یا بطریق شائستہ رخصت کردو، اور اس نیت سے ان کو نکاح میں نہ رہنے دینا چاہئے، کہ انہیں تکلیف دو اور ان پر زیادتی کرو، اور جو ایسا کرے گا وہ اپنا ہی نقصان کرے گا، اور خدا کے احکام کو ہنسی (اور کھیل) نہ بناؤ اور خدا نے تم کو جو نعمتیں بخشی ہیں اور تم پر جو کتاب اور دانائی کی باتیں نازل کی، ہیں، جن سے وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے، ان کو یاد

کرو۔ اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ خدا ہر چیز سے واقف ہے (231)۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے چکو اور ان کی عدت پوری ہو جائے، تو ان کو دوسرے شوہروں کے ساتھ جب وہ آپس میں جائز طور پر راضی ہو جائیں، نکاح کرنے سے مت روکو، اس (حکم) سے اس شخص کو نصیحت کی جاتی ہے، جو تم میں خدا اور روز آخرت پر یقین رکھتا ہے۔ یہ تمہارے لئے نہایت پاک وصاف ہونے کی بات ہے اور خدا جانتا ہے اور تم نہیں جانتے (232)''۔ نیز اس اس مسئلے میں احادیث بھی کثرت سے موجود ہیں۔

ائمہ فقہ اور جمہور اہل علم کا اس بات پر فتویٰ، اجماع اور اتفاق ہے کہ خلع کیلئے میاں بیوی دونوں کی رضامندی ضروری ہے، البتہ چند مخصوص صورتوں میں جہاں عورت پر ظلم ہو رہا ہو، یا باہمی حقوق نہ نبھانے کے خدشات ہوں، یا نفرتِ شدیدہ پائی جاتی ہو، عدالت اور قاضی اپنے خصوصی اختیارات استعمال کرتے ہوئے میاں بیوی کے درمیان عقدِ نکاح کی تنسیخ یا فسخ کا اعلان کر سکتے ہیں،، جہاں از روئے شریعت شوہر کی رضامندی ضروری نہیں ہوتی ، خلع اور تنسیخ نکاح دو مستقل اور الگ الگ چیزیں ہیں، اس لئے اسلامی نظریاتی کونسل کا فیصلہ بالکل بجا اور درست ہے، کہ عدالت کو مخصوص حالات میں شوہر کی رضامندی کے بغیر تنسیخِ نکاح کا حق ہے، لیکن خلع کا نہیں۔ البتہ ہمارے یہاں اکثر لوگ اس بنیادی فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے مذکورہ بالا فیصلے کی روشنی میں یہ سمجھ

بیٹھتے ہیں، کہ خلع کی درخواست لے کر عدالت جانے والی عورت کو کسی صورت میں خلع نہیں مل سکتی، یوں اسے عدالت سے جو تنسیخِ نکاح کی ڈگری ملتی ہے، اُن کے خیال میں اس کا فتوے کے لحاظ سے کوئی اعتبار نہیں ہے۔اگر شوہر کی رضامندی کے بغیر خلع کی ڈگری جاری کی گئی ہو، تو بے شک اس کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔لیکن اگر خلع کے راستے پر چلتے ہوئے بات اَن بَن پر منتج ہوجائے۔اور عدالت دیگر لوازمات وشرائط کے بعد اپنے اختیارات استعمال کرکے ''تنسیخِ نکاح وائے خلع ''کی ڈگری جاری کردے، تو ایسی صورت میں عورت شوہر کی قید سے آزاد ہوجائی گی، عدت کے بعد کسی بھی مرد سے حتیٰ کہ سابقہ شوہر سے بھی اگر چاہے نکاح کرسکتی ہے۔آج کل عدالتوں سے جو ڈگریاں ملتی ہیں، وہ یہی ہیں۔اسی لئے ان تفصیلات سے باخبر مفتی وعلماحضرات اسی کے مطابق فتویٰ دیتے ہیں۔اور ایسی خواتین کا نکاح بھی جب کسی اور مرد سے طے ہوجائے، وہ پڑھا دیتے ہیں جیسے مفتی محمد تقی عثمانی، مفتی منیب الرحمٰن اور ڈاکٹر عبدالرزاق اسکندر، ہاں جن کو عدالت کی اس ڈگری (جس میں لفظِ خلع کے علاوہ تمام الفاظ انگریزی میں ہوتے ہیں)، یا اس مسئلے میں عدالتی باریکیوں کے متعلق علم نہیں ،وہ یہ سمجھتے ہیں کہ عدالتیں شوہروں کی رضامندی کے بغیر خلع کی ڈگریاں دیتی ہیں، تو وہ اسے خلافِ شرع باور کرکے ناجائز قرار دے دیتے ہیں۔ فقہی مسائل میں تہ تک جانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ بلا تحقیق وتدقیق کسی کو کوئی مسئلہ نہ بتانا، بتانے سے بہت بہتر ہے۔

جاتا تو طے ہے

گاؤں دیہات کی کچی مسجد کی بوسیدہ سی چٹائی پر بیٹھ کر قرآن یا حدیث کا درس دینا تو دنیا میں کہیں بھی کوئی زیادہ حیرت وندرت والی بات نہیں ہے؛ کہ دین اسلام کی بعثت بحر وبر، شہر وقریہ سب کے لئے ہوئی ہے، اس کی تعلیمات اللہ کی کتاب اور رسول ﷺ کی سنت سے پھیلی ہیں، لامحالہ اسکا حامل بھی ہر جگہ اور ہر طرح سے اسکی جدوجہد کریگا، کچھ غیر معمولی شخصیات مگران معمولی وضع قطع کے لوگوں میں ایسی ہوتی ہیں، جو سب کی طرح مگر سب سے الگ ہوتی ہیں، دریائے سندھ کی دونوں طرف پھیلی ہوئی کوہستانی طرز زندگی کی حامل پشتون قوم میں وقتاً فوقتاً پہلو میں بہتے بحر گہربار کے ذوقِ اضطراب سے نادرہ َروزگار ہستیوں نے جنم لیا ہے۔

کابل گرام نامی گاؤں میں اخوند خیل برادری میں بیسویں صدی کے وسط میں جنم لینے والے شیخ ولی اللہ نے بھی ایک عام مدرسے میں پڑھا، یہ مولانا حسین احمد مدنی اور مولانا حسین علی کے صف اول کے تلامذہ کا دور تھا اور ملک میں ہر طرف انہی کا طوطی بولتا تھا، کراچی کے دارالعلوم اور صوابی کے دار القرآن میں گرد ونواح کے ہزاروں طالبانِ علم نے آکر کسب فیض کیا، مگر شیخ ولی اللہ

نے ان کے پاس وہ سبق پڑھا، جس سے انہوں نے امت کی امامت کیلئے نشانِ راہ کا کام لینا تھا، شیخ ولی اللہ کی تخلیق کسی نوبل کام کیلئے ہوئی تھی اور انہیں اس کا ادراک تھا، فراغت کے بعد اسی لئے انہوں نے اظہارِ اعتماد اور پیشکش کے باوجود یہ کہہ کران اساتذہ کے اداروں میں پڑھانے سے معذرت کی کہ ''میں نے اپنے علاقے میں کام کرنا ہے''۔

خود شناسی کا یہ وہ مقام ہے جس پر قدم جمانے والے کی لافانی حیثیت میں شبے کی گنجائش نہیں ہوتی، شیخ ولی اللہ صاحب اپنے آبائی گاؤں میں بیٹھ گئے اور تعلیم الکتاب کا وہ سلسلہ شروع کیا، جس میں کبھی مشیخت کا تاج سرپر بندھنے کی نوبت آتی ہے، نہ تلمذ و تبرک کے طعبہ دست بوسی کیلئے لائنیں لگاتے ہیں، نذرانوں سے دامن بھرنے والے آتے ہیں نہ مدح وثنا کے قصیدے گوش گذار کرنے کیلئے بزم سجائی جاتی ہے، یہ ادب کے قرینوں اور رعایتِ منازل کے تکلفات سے کوسوں دور عوام کو کتابِ ہدایت سے جوڑنے کی سادہ سی جدوجہد تھی، ذات پات کے گنبد میں بسیرا کرنے والوں کیلئے جس میں کوئی کشش نہ تھی، مال ومنفعت کے دام میں گرفتار کرکے رام کرنے کا کسی کو موقع دینا بھی مولانا کے مزاج میں نہ تھا، پھر کیا تھا شیخ صاحب نے توحید وسنت کا درس دیا، لوگوں کو ہمنوا اور گرویدہ بنانے کے لئے نہیں رضائے حق اور ادائے فرض کی خاطر، کسی نے کان دھرا کسی نے اڑان بھری، کوئی ساتھ ہو لیا، کسی نے ٹھکرادیا، مگر انہوں نے

اپنی راہ ورسم نہیں بدلی، کسی بااثر کے رعب داب میں آئے نہ ہمراہوں کے وفاداری بدلنے کے خوف سے ان کے پائے استقامت میں لغزش آئی۔

شیخ ولی اللہ ایک جماعت کے رہنما بھی تھے، جس سے دوسرے بے شمار لوگوں کی طرح مجھے بھی اختلاف ہو سکتا ہے، مگر شیخ اپنی ذات میں ہی ایک انجمن تھے اور ان کی ذاتی حیثیت شاید جماعتی مقام سے ماورا تھی، مجھ جیسے طالب علم کا ان سے تاثر بھی ذاتی نوعیت کا ہے، جماعتی وابستگی کے حوالے سے نہیں ،اور ان کے نام لیواؤں خصوصاً خونی ناتے کا دم بھرنے والوں کو بھی شیخ کی جماعتی خدمات کی بجائے ان کی علمی اور اصلاحی مساعی کو بلاکم وکاست محفوظ کرکے اسکی اشاعت پر توجہ دینی چاہیے۔

شیخ کا تاریخی مقام اور دینی رُتبہ کیا تھا،اس کا فیصلہ اب نہیں کیا جاسکتا، مستقبل کا مؤرخ اور مبصّر اس حوالے سے اپنے فیصلے کا حق محفوظ رکھتا ہے،ہماری تعدیل اور تنقید سے ابھی شیخ مرحوم بے نیاز ہیں، تاہم اتنا کہنے میں حرج نہیں ہے کہ ان کی عملی اور اصلاحی خدمات مسلّم ہیں، نظریاتی نہج میں بھی ان کے پیش رو اور پیروکار کم نہیں ہیں، مگر آتشیں مزاجی اور افراطِ حمیّت نے انہیں کچھ وقتی اور علاقائی حرکات وتنظیمات سے منتھی کردیا، یہ سلسلہ بھی غالباً اتفاق سے شروع ہو کر اختصاص کی انتہا پر جا پہنچا اور

خود شیخ شخصی یا جماعتی لحاظ سے اس سطح ذہنی کے متحمل نہ تھے کہ کسی موڑ پر" کیا کھویا کیاپایا" کے معیار پر اپنی سرگرمیاں جانچتے یا مسلّم ومعروف میزانِ اعتدال میں اپنے افکار کا وزن ملاحظہ فرماتے۔

سید احمد شہید اور شاہ اسماعیل شہید سے وہ بہت متاثر تھے،اکثر وبیشتر ان کے کارناموں کا تذکرہ کرتے رہتے،اسی لئے مصلحت بینی اور عاقبت اندیشی ان کے آئینِ جوانمردی میں عذرِ گناہ کے مترادف تھی، فکری قلاشوں اور نظری خانماں بربادوں کا وہ لشکر جس کے نعروں کی گونج میں شیخ کی شعلہ فشانی کو نمود و عروج ملا، ایک ایک کرکے اس کے تارو پود پر افتاد آپڑی اور پھر تقدیر کے قاضی نے کسمپرسی کے عالم میں ان کو جرمِ ضعیفی کی سزا سنائی، موت بسترِ مرگ پر آجائے، یاکال کھوٹری میں، میدانِ کارزار میں، یا کسی قدرتی حادثے میں شخصیات کے حوالے سے اسکی زیادہ اھمیت نہیں ہوتی کہ جانا تو طے ہے ایک ذرا ڈھنگ کا فرق ہوتا ہے۔

شیخ ولی اللہ کے جانے سے پیدا ہونے والاخلا تا دیر محسوس ہوگا، کہ درس قرآن جس سے اہلِ علاقہ کی عملی اخلاقی اور معاشرتی اصلاح کی ضرورت پوری ہوتی تھی، وہ اس مؤثر انداز میں بازیاب ہو، اسکی کوئی گارنٹی نہیں ہے۔کاش وہ سماج کو اس خسارے سے بچانے کیلئے ادارے میں رجال سازی کی کوئی ایسی صورت ڈھونڈ

نکالتے جس سے ان کا درجۂ حرارت بڑھانے والوں کو مایوسی ہوتی مگر درس قرآن اور محافلِ وعظ وتذکیر اجڑنے کی نوبت نہ آتی، کیا ہی اچھا ہوتا۔

میں ان کے دروس میں جاتا رہا، ریکارڈ شدہ دروس سننے کا اتفاق بھی ہوا، وہ ایک بحر زخار تھے، جہاں مطالعے کی گہرائی تھی، معلومات کی وسعت تھی، فصاحت کی روانی تھی اور طعن وطنز کی اٹھتی ہوئیں لہریں تھیں، امواج تنقید کی بے رحمی تھی، نگاہِ تشخیص کا اجلاپن تھا۔

اس بحرِ متلاطم نے خشک ہوکر تشنگانِ علم ومعرفت کو تپتے صحرا میں بوند بوند کیلئے ترستا چھوڑدیا، اللہ تعالی شیخ رحمہ اللہ کی خدمات کو قبول فرمائے اور ان کا بدل قوم وملت کو عطا کرے۔

رویت ہلال - چند گذارشات

رویت ہلال کمیٹی میں چند سالوں تک ہم بھی سندھ کی طرف سے بطور ممبر کے شریک ہوئے ، اکثر وبیشتر اجلاسات مفتی منیب الرحمٰن کی سربراہی میں محکمۂ موسمیات کراچی میں منعقد ہوئے ، عصر کے بعد مغرب سے کچھ دیر قبل تا مابعد المغرب رؤیت کے سلسلے میں ایک بیٹھک کا اہتمام ہوتا، زونل کمیٹیوں ، عوامی فون کالز اور خاص کر جامعۃ الرشید کراچی کے شعبۂ فلکیات سے آمدہ معلومات کے علاوہ، موسمیات والی بلڈنگ اوپر لگی ہوئی دوربین پر بھی باری باری کمیٹی کے ارکان حاضر ہوتے اور ہلال کے مشاہدے کی کوشش فرماتے ، اس کے بعد چئیرمین موصولہ اطلاعات کی روشنی میں اپنا فیصلہ سناتے اور کانفرنس روم جاکر اعلان ہوجاتا، ہمیں یہ ریہرسل عجیب سی لگتی ، بار بار عرض کرتے : حضرت ، آپ پشاور میں مفتی شہاب پھوپھلزئی کے یہاں اجلاس کیوں منعقد نہیں کرتے، تاکہ وہیں پر شہادتوں اور اطلاعات کی جانچ پڑتال ہو، دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو، یا اراکین میں سے دوچار کو پہ ٹماسک کیوں نہیں دیتے، تاکہ وہاں سے آپ ہی کے نمائندے آپ کو صحیح صورت حال سے باخبر رکھ سکیں، کیونکہ چاند دیکھنے کے دعوے وہاں ہوتے ہیں، گویا شہادتیں پھوپھل زئی صاحب کو موصول ہوتی ہیں، اور ہم یہاں صرف سادہ سی معلومات پر ہی اکتفا کرتے ہیں۔

رؤیت ہلال کمیٹی کے چیئرمین کا فرض منصبی بنتا ہے کہ وہ پہلے سے ''مائنڈ سیٹ'' سے ہٹ کر، رؤیت کی جتنی بھی اور جہاں سے بھی شہادتیں ہوں ، ان سب کا بنظر غائر جائزہ لیں ، مدعیان رؤیت اور مدعیان عدم رؤیت کے ثبوتوں کی تحقیق کریں ،پھر جو فیصلہ حق بجانب ہو، اس پر سب کو مائل اور قائل کریں ، اگر ان سے تنہا مسئلہ سنبھل نہ رہا ہو، تو دیگر علماء ومشائخ اور حکام بالا کے ذریعے انہیں مطمئن کریں ، میڈیا کے سامنے اس مسئلے کو فوری طور پر نہ لائیں ،تاکہ رؤیت ہلال پر فرقہ واریت، صوبائیت ، سیاست بازی اور شخصی تشہیر نہ ہو ، یوں اگر مسئلہ حل نہ ہو، تو اگلے چند ماہ تک اس مسئلے پر ملک بھر اور عالم اسلام کے معتمد اور مقتدر علمائے کرام ،ماہرین فلکیات اور متعلقہ حکام پر مشتمل سیمینارز اور کانفرنسز بلائیں ،تاکہ اندازہ ہو، کہ محکمہ یا کمیٹی کا ذمہ دار مفوضہ امور میں دلچسپی لے رہاہے اور راس حوالے سے سرگرم ہے ، اس سے ان کی مساعی ، کاوشیں ، جہد مسلسل اور وسعتِ آگاہی سب لوگوں کے سامنے ہوگی، اس میدان کے مختلف شعبوں ،اطراف اور کونوں کے ماہر اور رہر لحاظ سے باخبر شخصیت کے وہ مالک ہوں گے ، چنانچہ اس کے بعد ان کی رائے میں وزن اور توازن دونوں ہی آجائینگے ، بنابریں متعلقہ مسئلے میں ان کا قول اور فتوی بھی معتبر سمجھا جائے گا۔

لیکن اگر اپنے شعبے کا کام کوئی بھی سرسری لے گا، وقتی طور پر ان پر بحث ومباحثہ کرکے اس کا کوئی مستقل یا دیرپا حل تلاش نہیں کرے گا، اجلاسات بھی ''نشستند، خوردند اور برخاستند'' تک محدود ہوں گے، تو وہ شعبہ ایک بد نصیب یتیم کی طرح کبھی پھل پھول نہیں سکے گا، اس کے پودے کبھی پھل دار درخت نہیں بن سکینگے، وہ شعبہ عوام میں ایک مسخرہ اور مضحکہ بن جائے گا، یہاں قابل توجہ بات یہ ہے کہ صرف وہ شعبہ تباہ نہیں ہوگا، بلکہ اس کے سربراہ سے لے کر نیچے تک تمام ذمہ دار بھی اپنی اپنی بھاری بھرکم شخصیتیں کھو جائینگے، متنازع ہو جائینگے، ان کا فیض بھی محدود ہوگا، شعبہ جتنا اہم مشہور اور عام لوگوں کی توجہ کا مرکز ہوگا، اتنا ہی اس میں قاعدے سے کام کرنے سے، شعبہ اور اس کے منتظمین نیک شہرت کے حامل ہو جاتے ہیں، اگر قاعدہ قانون شورائیت، علمیت، غور وتدبر سے کام نہ لیا جائے، تو متعلقہ شعبہ اور اتنی ہی اس کی انتظامیہ عوام وخواص میں بدنامی، خجالت اور شرمندگی سے دوچار ہو جاتے ہیں۔

اپنی ذاتی تجربے کی بنیاد پر میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں کہ اگر سنجیدگی اور دانشمندی کے ساتھ اس مسئلے کو حل کرنے کی عمدہ کوششیں کی گئیں، تو یہ مسئلہ عقدۂ لاینحل نہیں ہے بلکہ قابل حل ہے اور سو فیصد قابل حل ہے، افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ اسے ذاتی اور مسلکی ''انا'' کا مسئلہ بنایا گیا ہے

یہاں بلاوجہ ہر بات میں وہابیت اور سعودیت پر قدغن شروع ہوجاتی ہے، علمی اور فنی، حوالے سے بات ہی نہیں ہوتی،اسی لئے ہم نے تحریری استعفاء دیئے بغیر ہی اجلاسوں میں جانا چھوڑ دیا، مفتی صاحب ،اپنی ذات میں کریم اور شریف آدمی ہیں، ہمیں بذات خود کئی بار فون کئے ، مگر چونکہ اس مسئلے میں وہ وہی کرتے ہیں ، جو ان کی سمجھ میں آئے ، اور اسی دلیل و منطق کیلئے سمع خراشی فرماتے ہیں جوان کے قائم کردہ معیار کے مطابق ہو،ورنہ عدم التفات۔

سب سے بڑی دلیل ان کے ساتھیوں کی یہ ہوتی ہے ، کہ حضرت امیر معاویہؓ کے دور میں رمضان کا چاند جمعرات اور جمعے کی درمیانی شب دیکھا گیا، حضرت کریبؒ کسی کام سے شام کے سفر پر تھے ، وہ جب مدینہ منورہ آئے ،تو پتہ چلا کہ یہاں تو جمعے ہفتے کی درمیانی شب چاند دیکھا گیا، وہ حضرت ابن عباسؓ کے پاس گئے ،اور ان سے رویت کا واقعہ ذکر کیا، حضرت ابن عباسؓ نے پوچھا تم نے خود چاند دیکھا تھا؟ حضرتِ کریب نے کہا، ہاں میں نے خود چاند دیکھا ، حضرت امیرِ معاویہؓ نے بھی دیکھا ،شام کے سب لوگوں نے دیکھا اور سب نے جمعہ کو پہلا روزہ رکھا، حضرت امیرِ معاویہؓ نے بھی جمعہ کو پہلا روزہ رکھا، حضرت کریبؒ نے جناب امیر معاویہؓ کا ذکر بطور خاص اس لئے کیا، کہ وہ اس وقت مسلمانوں کے امیر تھے ، حضرت ابن عباسؓ نے کہا، ہم نے ہفتہ کا روزہ رکھا ہے ؓ ہم یا تو تیس روزے پورے کریں گے ،یا پھر ہمیں چاند نظر آجائے ، حضرت کریب ،

نے کہا، کیا امیر معاویہؓ کا چاند دیکھنا اور روزے رکھنا آپ کے لئے کافی نہیں ؟ ابن عباسؓ نے فرمایا ''نہیں '' کیونکہ ہمیں جناب رسول ﷺ نے یونہی حکم دیا ہے۔ (صحیح مسلم)

۔

یہاں مناظروں اور مباحثوں کی نہیں، تھوڑی سی دیر کے لئے مسئلے کی نوعیت کو ''خالی الذہن'' ہو کر سمجھنے کی ضرورت ہے ، وہ یہ کہ حضرت ابن عباسؓ کو اگر بروقت پتہ چل جاتا اور مذکورہ شہادتیں موصول ہو جاتیں کہ اہل شام نے چاند جمعرات جمعے والی شب میں دیکھا ہے ، تو کیا وہ پھر بھی ہفتے تک روزہ مؤخر کرتے ؟ اور تمام اہلِ شام کی شہادتیں رد کرتے ؟ ہر گز نہیں ، پتہ نہ چلنا اور بات ہے اور پتہ چل جانے کی صورت میں عامۃ المسلمین ، حضرات صحابہؓ اور بالخصوص وقت کے امیر المؤمنین کی شہادت کو تسلیم نہ کرنا اور بات ہے، آج کے زمانے میں تو پھوپھلزئی صاحب ہی کیا ، پوری دنیائے عرب چاند دیکھنے کے اعلانات ذرائع ابلاغ میں دھوم دھام سے کرتی ہے، گویا ہمارے یہاں صرف پھوپھل زئی کو نہیں کروڑوں مسلمانوں کی شہادت کو مسترد کر دیا جاتا ہے، جس سے مسلمانوں کی ایک ہی عید کا تصور بھی مجروح ہو جاتا ہے، اسلامی تاریخ، تقویم اور کیلنڈر میں یکسانیت نہیں رہتی ، روزے متاثر ہو جاتے ہیں، عیدین اور صلواتِ عیدین مشکوک ہو جاتے ہیں ، حج اور ایامِ حج تہ و بالا ہو جاتے ہیں، شعائر اللہ کی تضحیک ہو جاتی ہے، اس کے علاوہ بھی کئی قباحتیں لازم آ جاتی ہیں۔ اللہ کرے

موجودہ رمضان کا چاند اس علمی، عمومی اور عوامی پریشان کن مسئلے کے حل کا باعث ہو۔

چغل خوری اور غیبت ۔۔ایک عام بیماری

ایک مرتبہ ایک صاحب نے کسی اللہ والے سے آ کر کہا، حضرت فلاں آدمی آپ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا، آپ سن کر خاموش ہو گئے، کچھ جواب نہیں دیا، جب مجلس ختم ہو گئی، تو گھر تشریف لے گئے اور ایک بہت بڑا تحفہ تیار کر کے اس برائی کرنے والے کے گھر بھیج دیا، لوگوں نے کہا کہ حضرت وہ تو آپ کو بُرا بھلا کہہ رہا تھا اور آپ نے اس کے پاس تحفہ بھیجا ہے، انہوں نے جواب میں فرمایا: وہ تو میرے محسن ہیں، اس لئے کہ اس نے بُرائی کر کے میری نیکیوں میں اضافہ کر دیا ہے، یہ اس کا مجھ پر احسان تھا کہ آخرت میں میری نیکیاں بڑھا دیں، تو میں نے دنیا میں اس کے بدلے میں ہدیہ بھیج دیا۔ اللہ تعالی کا ایک مشرک، بے ایمان اور چغل خور کے متعلق فرمان ہے: ''ولا تطع کل حلّاف مھین، ھمّاز مشاء بنمیم، مناع للخیر معتد اثیم، عُتُلّ بعد ذلک زنیم'' (ترجمہ) اور تو کہا مت مان کسی بھی قسمے کھانے والے کمینے کا، طعنے دیتا ہے، چغلیاں کھاتا پھرتا ہے، خیر سے روکنے والا ہے حد بڑھا ہوا گنا ہگار ہے، اُجڈ اور پھر حرامزادہ بھی ہے، (القلم 10.11.12.13.)۔ حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالی کا قول ہے کہ ''زنیم'' سے مراد وہ حرامی، ولد الزنا ہے، جو کسی کی کوئی بات نہیں چھپاتا۔

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے: "لا یدخل الجنتہ قتات" (ترجمہ) چغل خور جنت میں نہیں جائے گا (متفق علیہ)۔

رمضان المبارک میں اپنی اصلاح کی شدید ضرورت ہے، دیگر امراض کے ساتھ بطورِ خاص اس اخلاقی برائی کی بیخ کنی پر توجہ دینا چاہیئے، کیونکہ اس کا تعلق حقوق العباد سے ہے اور روزہ کی معنویت اس سے ختم ہوجاتی ہے، ہمارے یہاں کے سیاستدانوں اور صحافتی برادری کا تو کام ہی یہی ہے، پلیز رمضان میں کم از کم احتیاط۔۔ معلوم ہونا چاہیئے، کہ ہر اس بات کو ظاہر کرنا چغلی ہے جس کو چھپانا چاہیئے، چاہے اس کا اظہار زبان سے ہو یا عمل سے یا قلم سے یا اشارے سے، چاہے اس کا تعلق قول سے ہو یا علم سے، چاہے وہ کوئی عیب ہو یا نہ ہو، یہ سب چغلی میں داخل ہے۔

گزشتہ زمانوں کی بات ہے، ایک آدمی بازار گئے، کوئی ایک غلام خرید کے لے آئے، بیچنے والے نے یہ بتادیا کہ وہ غلام تو بڑا اچھا ہے، بڑا خدمت گزار ہے، بڑے کام کرتا ہے لیکن اس میں ایک خرابی ہے، ایک عیب اس میں ہے، پوچھا، کیا عیب ہے؟ کہا: یہ چغل خوری کرتا ہے، لینے والے نے کہا: مجھے چغل خوری سے کیا غرض ہے، میں نے تو کام کروانا ہے، گھر کا سامان لے کے آنا ہے، سودا بازار سے لے کے آنا ہے، دیگر تمام کام کرنے ہیں۔ خیر یہ لے کے جب گھر میں آگئے، چند دن گھر میں گزارنے کے بعد، ایک دن اس کو موقع مل گیا، تو اپنے آقا کی بیوی سے یوں کہنے

لگا، کہ تمہارے شوہر کو تم سے کوئی محبت نہیں ہے، وہ تو دوسری شادی کرنا چاہتے ہیں، عورت تو ہوتی ہی ہے کچے ذہن کی، فوراً تسلیم کر لیا، عورت نے پھر اسی غلام سے پوچھا، پھر کیا ہونا چاہیئے، اس پریشانی کا ازالہ کیسے ہو، اس نے کہا: ازالہ یہ ہے کہ آپ نے مجھے اپنے میاں کے سر کے چند بال دینے ہیں اور ان بالوں پر میں کچھ منتر پڑھوا کر لے آؤں گا اور وہ بال تم اپنے پاس رکھ لینا، تو پھر تمھارے میاں تم سے بے انتہا محبت کرنے لگیں گے۔

عورت اپنے معاملے میں بے چاری مخلص تھی، اس کی یہ تمنا تھی کہ شوہر کی توجہ مجھے حاصل ہو، اور یہ ہر بیوی کی خواہش ہوتی ہے کہ شوہر کی محبت حاصل ہو، چنانچہ عورت نے کہا کہ میں کرلوں گی، رات کو جب شوہر پاس آیا پہلے سے اس نے استرا اپنے پاس رکھ لیا تھا کہ چند بال جب یہ لیٹے گا، میں آہستہ سے کاٹ لوں گی، گویا اس ارادے سے قینچی، چھری یا استر وغیرہ ارکھ لیا، دوسری طرف یہ منافق چغل خور اس کے شوہر کے پاس گیا، اسے جا کے کہنے لگا: تمہیں معلوم ہے تیری بیوی تجھ سے محبت نہیں کرتی، اس کا غیر سے تعلق ہو گیا ہے، اور وہ تجھے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے اور کسی بھی وقت تجھے قتل کر دے گی، خبر دار رہنا، ہوشیار رہنا، شوہر جب رات کو گیا، وہ پہلے سے ہوشیار ہو کر گیا اور پھر جیسے ہی وہ جاتا ہے، تو وہ آلہ وہاں پاتا ہے، جس آلہ سے بال کاٹے جاتے ہیں اور جن آلات سے آدمی کو ذبح کیا جاتا ہے، جب وہ اسے ملے اور اس نے دیکھے تو وہ سمجھ گیا کہ ہاں وہ بات جو مجھے

بتائی گئی تھی، وہ سچی تھی، یہ آلات بیوی نے خود لاکے رکھے ہیں، یہ میرا بندوبست کرنا چاہ رہی ہے اور مجھے راستے سے ہٹانا چاہتی ہے، تو اس نے وہ چھری نکال کر عورت کو ذبح کردیا۔ اور چغل خوری کی وجہ سیا چھا خاصا ہنستا مسکراتا گھر تباہ و برباد ہوگیا۔ لہٰذا رمضان میں یا غیرِ رمضان میں چغل خوری کرنے، یا چغل خور کا ساتھ دینے اور انہیں اپنے پاس بٹھانے یا جاکر اُن کے پاس بیٹھنے سے اَلحذَر.. اَلحذَر۔

ڈاکٹر ولی خان المظفر

عربی مشاہیر علماء کی نظر میں

امام شافعی: میں نے عربی کے ذریعے فقہ کو پہچانا۔

علامہ سیوطی: عربی زبان کی تعلیم و تعلّم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ابن تیمیۃ: عربی زبان دین کا حصہ ہے اس کو سیکھنا فرض ہے۔

ابن مبارک: جس شخص کی عربی مضبوط نہیں اس کا علم مضبوط نہیں۔

امام رازی: قرآن وحدیث کے علوم کے لیے عربی ادب بطور کنجی ہے۔

مجاہد: عربی سے نا آشنا شخص پر قرآن کے متعلق لب کشائی حرام ہے۔

خوارزمی: عربی میں اپنی مذمت فارسی میں تعریف سے اچھی لگتی ہے۔

ابن قیم الجوزیہ: قرآن کے فضائل و محاسن عربی کا ماہر ہی جان سکتا ہے۔
علامہ شوکانی: اجتھاد کی شرائط میں سے ایک بنیادی شرط عربیت ہے۔
علامہ شاطبی: علمی بحث یا تو عرب کریں یا جو اُن کی طرح عربی جانتا ہو۔
امام الہند دہلوی: امام ابو حنیفہ عربی الاصل والنسل تھے۔
حاجی امداد اللہ: میں نے اپنے شوق سے اولاً عربی کی تعلیم لی پھر تفسیر.....
ابوالکلام آزاد: عربی میری مادری زبان ہے،اردو سیکھی ہے۔ احمد حسن زیات: عربی ادب تمام زبانوں کے ادب سے زیادہ کامل ہے۔ علامہ ابن نجیفی: عربی سے ناواقف مجتہد ''ضلّ واضلّ'' کا مصداق ہے۔ علامہ کشمیری: قرآن کے لیے سب سے زیادہ ضرورت لغت کی ہے۔
مولانا اعزاز علی: عربی ادب کا علم تمام علوم کا مجموعہ ہے۔
مفتی محمد شفیع: انسانیت کی سب سے پہلی زبان عربی زبان ہے۔
علامہ بنوری: اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی رشتہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔
مفتی محمود: تفقہ فی الدین کے لیے عربی ادب ضروری ہے۔
ابوالحسن علی ندوی: عربی کو کبھی بطور زبان پڑھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔
خواجہ خان محمد: علمی استعداد عربی کے بغیر ممکن نہیں۔
مفتی احمد الرحمٰن: علماء عربی زبان میں ضرور مہارت حاصل کریں۔

مولانا لدھیانوی شہید: قرآن وحدیث میں مہارت عربیت پر موقوف ہے۔
مفتی شامزئی شہید: رسوخ فی العلم کے لیے رسوخ فی العربیہ شرط ہے۔
علامہ حیدری شہید: صرف عربی ہی نہیں عربوں سے بھی محبت ضروری ہے۔ علامہ احسا
ن الٰہی ظہیر شہید: مسلمان پر عربی زبان بقدر ضرورت فرض ہے۔
ڈاکٹر ذاکر حسین خان: عربی ساری انسانیت کی زبان ہے۔
سر آغا خان: پاکستان کی سرکاری زبان عربی ہونی چاہیے۔
قاضی حسین احمد: اربک لینگویج انٹرنیشنل ڈے کا بھرپور اہتمام کیا جائے۔
علامہ عبدالغنی شہید: علوم دین کی عمارت عربیت پر قائم ہے۔
مولانا بجلی گھر: اس مولوی کو عالم نہیں مانتا جس کو عربی نہیں آتی۔
حضرت شیخ سلیم اللہ خان: عربی زبان کا ماہر عالم سونے کی چڑیا ہے۔
مولانا عبدالمجید لدھیانوی: علوم عربیہ کی عمارت عربی زبان پر استوار ہے۔
حضرت حکیم اختر: عربیت پر قادر علماء کی قدر کرتا ہوں۔
شیخ الاسلام محمد تقی عثمانی: علماکا عربی پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔
ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر: عوام کیلیے ایمۂ مساجد عربی کی تعلیم کا اہتمام کریں۔

شیخ مغفوراللہ: سلف نے عربی اسلوب وطرزِ تکلم کے لیے دور کے اسفار کیے۔
مولانا فضل الرحمٰن: پاکستان میں عربی لازمی مضمون کر دیں گے۔
محترمہ بینظیر بھٹو: میرا خاندان یمنی الاصل عرب ہیں۔
مولانا محمد احمد لدھیانوی: کارکنوں کو عربی سیکھنے کا حکم دیتا ہوں۔
جنرل حمید گل: عربی زبان اسلام کی اساس ہے۔
مولانا شیرانی: ملک میں عربی زبان لازمی قرار دینا آئین کا تقاضا ہے۔
ڈاکٹر شیر علی شاہ: عرب ممالک ویزے کے لیے عربی زبان شرط بنائیں۔
حافظ حسین احمد: دو قومی نظریے کے مطابق مسلم قوم کی زبان عربی ہے۔
سید سلمان ندوی: علماء کے لیے عربی فرض عین ہے۔
مولانا طارق جمیل: ہم نے اپنے یہاں بول چال عربی میں لازم کی ہے۔
ڈاکٹر امجد: بچوں کو شروع ہی سے عربی زبان مکمل سکھادینا ضروری ہے۔
شیخ شفیق بستوی: علوم دینیہ میں مہارت عربی ادب میں پختگی پر موقوف ہے۔ شیخ یوسف القمر: عربی عالمِ اسلام کی سرکاری زبان ہونی چاہیے۔
عمران خان: پاکستان میں اردو انگریزی کی طرح عربی بھی سرکاری زبان ہونی چاہیئے۔
ڈاکٹر خالد سومرو: علومِ شریعت میں پختگی عربیت پر موقوف ہے۔
مولانا رفیق اللہ خان: عربی اور اسلام دونوں مربوط ہیں۔
قاری حنیف جالندھری: عربی اسلام اور علم کی زبان ہے۔

مفتی منیب الرحمٰن: عشقِ مصطفیٰ میں عربی سیکھنا فرض ہے۔

مفتی فیروز الدین ہزاروی: پاکستان میں عربی کی ترویج ضروری ہے۔

مولانا ادریس سومرو: عربی زبان کے بغیر دینِ سلام کا صحیح فہم مشکل ہے۔

محمود شام: اہلِ پاکستان عصرِ حاضر میں عربی پر توجہ دیں۔

حاجی مسعود پاریکھ: عربی زبان سیکھنا مسلمانوں پر فرض ہے۔

شیخ محمود سامرائی: اگلی صدی اسلام اور عربی کی صدی ہے۔

یحییٰ پولانی: عربی اور انگریزی فی زمانہ میں مسلمان کے لیے ضروری ہے۔

غنی خان: عربی تحریر و تقریر میں مجھے پشتو کی طرح کوئی تکلف نہیں ہوتا۔

حاجی ہارون: عربی بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ زبان ہے۔

ڈاکٹر عبد الرشید: عربی کی طرف عالمی سطح پر رُجحان بڑھ رہا ہے۔

ڈاکٹر محسن نقوی: علوم دینیہ کے لیے عربی ادب بلاشک وشبہ ضروری ہے۔

ڈاکٹر دانش: عربی کے لیے اب ٹھوس پلاننگ کی شدید ضرورت ہے۔

ڈکٹر عامر لیاقت: عربی کی اہمیت کو میڈیا میں مؤثر طریقے اٹھانا ہوگا۔

ڈکٹر قبلہ ایاز: عصری جامعات میں عربی کو فروغ دیا جائے۔

آسیہ عارف: میں اپنی زندگی عربی کے لیے وقف کرتی ہوں۔

جاوید چودھری: قرآنی اصطلاحات کی تہ تک رسائی بغیر عربی کے ممکن نہیں۔

شیخ سمیع اللہ عزیز: مدارس کے بجائے عوام میں عربی کے لیے کام کیا جائے۔

مولانا عبدالہادی: انگریزی کی طرح عرَبک لینگویج سینٹرز کی حاجت ہے۔

شیخ موسی العراقی : عرب لیگ و خلیج اتحاد کو عربی زبان پر بھی توجہ دینی چاہیے۔

عظمت علی رحمانی: پاکستان عربی تہذیب علَم بردار دوسرا مصر بن سکتا ہے۔

رعایت اللہ فاروقی :برصغیر میں عربی کے فروغ کے لیے مربوط کام کرنا ہوگا۔

خلیل بُلیدی: عصرِ حاضر کی عربی شاعری بھی نصاب میں شامل ہو۔

خالد حجازی: جدید عربی کے لیے جدید ذرائع اِبلاغ کی طرف جانا ہوگا۔

آئینِ پاکستان: عربی کو فروغ دینے کے لیے حکوت اقدامات کریگی۔

اقوامِ متحدہ: عرَبی ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے توسط سے عالمی زبان ہے۔

(رب کا پیغام عرب کے نام (1

خدا کا کوئی شریک نہیں ہے، وہ خدائی کی طرح اپنی ہر صفت میں یکتا ہے، ارض و سما میں اس کی کوئی مثال نہیں، اور ہو بھی کیسے سکتی ہے، کہ موجوداتِ ارض و سما کو ہی اسی نے وجود بخشا ہے، اور پھر اس میں ایک خلقت بسائی اور کچھ کو زیب و آرائشِ موجودات کی خلعتِ فاخرہ دے کر ہی منظورِ نظر بنا دیا، سو پروردگار کی کاریگری کو اس کی ذات سے برابری کی کیا مجال، حضرتِ انسان مگر اس کارخانے کا منیجر ہے، جس کو مالک سے بہت قربت حاصل ہے، اور مالک نے اسے اس کارخانے کا ناظم ہی نہیں اپنا نائب بھی کہا ہے۔

حق کا متلاشی انسان جو کسی منکرِ خدا اور الحاد زدہ فلاسفر کے نتائجِ فکر یا مکتبۂ خیال کو نہیں جانتا، مگر عقل کی نعمت اور فکر کی دولت کے بل بوتے پر جب اسلام کی اصطلاحات و محاورات کے تناظر میں سوچتا ہے تو اسے کچھ یوں لگتا ہے اور ممکن ہے آپ کو بھی لگتا ہو اور بعید نہیں کہ بات بھی خدا لگتی ہو۔

اس کی دانست کہتی ہے کہ خدا کی ساری خدائی میں وہی شخص اس کے زیادہ قریب ہوتا ہے جس میں اسکی صفاتِ کمال و جمال کا انعکاس زیادہ ہو، خدا کی صفات ہیں

علیم و حکیم، لطیف و خبیر، سمیع وبصیر، رؤوف ورحیم، ، صبور و شکور، حلیم ورشید، قوی و متین ۔۔۔۔۔ اور وہ بندوں میں بھی انہی صفات کے حامل کو پسند کرتے ہیں، اور کچھ صفات وہ ہیں جو اللہ کی خاص صفات ہیں جو وہ بندوں میں دیکھنا گوارا نہیں کرتے، یکتائی اور کبریائی خدا ہی کی ذات کو زیبا ہے جس کو اس نے اپنی چادر کہا ہے، اور لازوال و بے نیاز ہستی بھی اسی کی ہے، عزت اور ذلت کی تقسیم بھی اس نے اپنے دست قدرت میں رکھی ہے۔

اسلامی دنیا کی مسلّمہ اور متفقہ حقیقت ہے کہ برگزیدہ انسانوں کے سلسلۂ ذھبیہ (سنہری زنجیر) کی آخری کڑی، جن پر جہاں کے سارے کمالات ختم ہیں وہ ھستی ہیں سرزمین عرب کے سپوت، بطحا کے فرزند، قریش کا گلِ سرسبد و خانوادۂ بنی ہاشم کے چشم و چراغ محمد عربی ﷺ، جن کی بدولت نوعِ آدمیت کو شرف حاصل ہے۔ عربوں کو بھی ان کی طفیل قوموں میں وہ رتبۂ بلند ملا جو اور تو کیا بنی اسرائیل جیسے آل بیتِ نبی کے حصے میں بھی نہ آیا۔

عربوں کو محمد کی طفیل عزت ملی ہے، یہ تو ایک بلاغتی تعبیر ہے مگر منطقی ترکیب یوں ہے کہ پیغمبر آخر الزمان کیلئے قدرت نے جو کمالات بچائے رکھے ان میں ایک عربی نسبت بھی ہے یعنی عربی ہونا ایک شرف واعزاز تھا جو رب نے سارے نبیوں میں عظیم امتیاز بنا کر آپ کو دیا، محمد عربی ایک ستائشی ترکیب

ہے جس کا معنی یہ ہے کہ مصطفیٰ کی طرح عربی ہونا بھی آقا کا ایک وصفِ کمال ہے، کمال پہلے سے کمال تھا جب محمد کے دامن میں آیا تو لازوال بنا، عربی نسبت اصالت وشرافت بلندی وپاکیزگی کا استعارہ تھی جو آپ ﷺ کی طفیل ایک ابدی حقیقت بن گئی۔

پیغمبر اسلام کے عہد میں غیر عرب بڑی قوموں میں یونانی، رومی، اسرائیلی اور فارسی نسلی گروہ موجود تھے، جن میں رومی تو نصرانی دین کی شناخت رکھتے تھے، اسرائیل نسل پر یہودیت کی، اور فارسی نسل پر مجوسیت اور آتش پرستی کی چھاپ تھی۔ ان سب میں محمد کو عربوں کے نبی کے حوالے سے دیکھا گیا اور اسی بنیاد پر آپ کو قبول کرنے سے انکار کیا گیا، اب دین اسلام میں ان تینوں میں ایک فریق کی حیثیت سے اور عربوں میں دوسرے فریق کی حیثیت سے کچھ فرق رکھا گیا۔

چناں چہ اسلامی ریاست کے قیام سے قبل تو پیغمبر کی ساری کاوشیں عربوں کی اصلاح کیلئے ہو رہی تھی، پھر جب سالہا سال کی مسلسل اصلاحی جدوجہد کے بعد مدنی معاشرے کی صورت اسلامی ریاست کا قیام عمل میں آیا، جبکہ ادھر آپ کے متروکہ شہر میں اندر سے عربوں کا جاہلی معاشرہ بالکل کھوکھلا ہو چکا تھا، ہر گھر میں کوئی نہ کوئی اہم فرد حلقہ بگوش اسلام ہو گیا تھا، تب رسالتمآب نے بچی کھچی عرب بت پرستی پر پے در پے بے رحمانہ وار کیا، ان کی کمر توڑ دی اور

ایک دن پھر فاتحانہ انداز میں بستیوں کی ماں (امّ القریٰ) پر چڑھائی فرمائی اور وہاں اسلام کے جھنڈے قیامت تک کیلئے گاڑ دیئے ۔ نبی آخر الزمان عربی تھے اور اولاً عربوں کو اللہ کے دین میں لانے کیلئے آپ کی بعثت ہوئی تھی ، رب کا فیصلہ تھا کہ عرب یا تو اسلام میں آئیں اور نہیں آئیں گے ، تو پھر انہیں برسرِ زمین زندہ رہنے کا کوئی حق نہیں چنانچہ عرب یا اسلام کے قلعے میں آ گئے یا پھر موت کے گھاٹ اتار دیئے گئے ، جبکہ ، دوسروں کو جنگ کے آخری آپشن کے علاوہ یہ بھی اختیار تھا کہ اگر وہ اس کی بالادستی قبول کریں، تو بھی ان سے کوئی تعرّض نہیں کیا جائے گا، پیغمبر نے واضح کیا کہ جزیرۃ العرب کو اسلامی عقائد خصوصاً توحید ورسالت سے روگردانی کرنے والوں سے پاک رکھا جائے ، یہ دین محمدی کا گہوارہ اور اپنا مرکز ہو ،اور باقی دنیا جب تک اسلامی ریاست کے زیر نگیں نہیں آ جاتی ہے اس سے مصالحت ومعاھدات اور بقائے باہمی کی بنیاد پر تعلقات کا تصور ہو اور اسلام کا حصہ بننے کے بعد اس کے عجمی باشندوں کو قبول اسلام کے علاوہ حکومت وریاستِ اسلام تسلیم کرکے جینے کا بھی حق ہو ،تاریخ کے مختلف ادوار میں پوری دنیا میں ایسا ہوتا چلا آ رہا ہے ، تاہم یہ بھی اسلامی تاریخ کا ایک انوکھا واقعہ ہے کہ رومی ، مصری، افریقی ، ہندی اور دیگر قوموں میں تو لڑ کر اسلام قبول کرنے اور یا پھر تسلیم ہونے کا تصور تھا، جبکہ سرزمینِ فارس نے اسلام کو ایک نئی اور خطرناک آزمائش سے دوچار کیا ، بظاہر تسلیم ہونے والوں نے ریاستِ اسلام کی جڑیں کھوکھلی کرنے، اس کی

مضبوط عمارت میں رخنے ڈالنے اور موقع پاکر اس کی پیٹھ میں خنجر گھونپنے کی مہم کو عمار گٹ بنادیا ، اور بظاہر اسلام قبول کرنے والوں نے اسلام کے عربی ایڈیشن کو دبی زباں میں نا قابل قبول کہا اور جہاں موقع اور ماحول ملا بر ملا بھی اس کا اظہار کیا ، خاتم النبیین کی طفیل پروردگار عالم نے عربوں کو جو وقعت ، شرافت اور نجابت عطا فرمائی تھی ،اس کا اہلِ فارس نے انکار کیا، عربوں سے یہودیوں کی رقابت تو معقول تھی کہ اولادِ اسرائیل (ابن اسحاق) اپنی بابرکت دھرتی (ارضِ مبارکہ) اور باسعادت برادری میں وحی الہی اور نبوت کے صدیوں پر مشتمل سلسلے کی آخری کڑی بھی دیکھنا چاہتے تھے، جو اللہ نے ان کے کزنوں کو عطا کی، تو ان میں رقابت و عصبیت کا جذبہ انگڑائیاں لینے لگا جو بالآخر عداوت پر منتج ہوا، مگر فارسی جو فارس بن علم بن سام بن نوح کی طرف اپنی نسبت کرتے ہیں وہ تو اپنی پوری ہسٹری میں کوئی زمینی یا نسلی نجابت ثابت نہیں کر سکتے، پیامبری کیلئے ان کی مٹی میں صلاحیت ہی نہیں رکھی گئی، پھر وہ کیوں ناحق برتری کے گھمنڈ میں مبتلا ہوئے۔

بے بنیاد احساس برتری کے جوش نے فارسیوں کی بیمار رگِ حمیت میں ایسا گدلا خون دوڑا دیا کہ انہوں نے پیغمبر آخرالزمان کے مبارک خون کا تقدس بھی ماننے سے انکار کیا، آقائے عربی کی نسبت سے آپ کی سواری بننے والے گھوڑوں ، گدھوں کو عظمت ملی بیٹھنے سے شجر و حجر کو رفعت ملی، قدم رکھنے سے مٹی کو برکت ،

ملی، چھونے سے لوہے لکڑی کو عزت ملی، اوڑھنے سے لحاف اور کملی کو سعادت ملی، خورد ونوش سے۔برتنوں کو مدحت ملی، غرض ہر ذرہ کائنات جس کو آقا سے نسبت ملی، اسکی سرفرازی کو دوام ملا اور اسکی قسمت پر شمس وقمر اور ارض و فلک رشک کرنے لگے

۔

مگر سرکش انا کے بیماروں اور حسد کی آگ میں جلتے آتشیوں نے ستم کی حد کردی کہ آقا کے نسبی وصہری شجرہ کے کسی۔برگ وشاخ کو بخشا، نہ مضبوط تنے اور پاکیزہ جڑ کو معاف کیا، ہر ایک کے حوالے سے ناروا ہرزہ سرائی کی۔

(رب کا پیغام عرب کے نام (2

آسمانِ نبوت کے ہر دمکتے تارے کو اپنے ناپاک تھوک سے پیوندِ زمین کرنے کی کوشش کی ، باغِ نبوی کے ہر پھول کو بے دردی سے مسلنے کی ناکام سعی کی، لیکن اس تمام تر جلن اور چبھن کے باوجود اگر وہ خالص اجنبی اور بیرونی جرثومے کی شکل میں جسد اسلام پر حملہ آور ہوتے، تو یقیناً ان کی شناخت بھی آسان ہوتی اور ان سے نجات بھی ،اسلئے کمالِ عیاری سے رسالتمآب ﷺ کے ایک قریبی عزیز کے پاک دامن سے چپک گئے ،اس پر اپنے وجود کا ناپاک داغ لگانے میں کامیاب ہوگئے، شیرِ خدا اپنی مخصوص حیثیت سے ان کے فائدہ اٹھانے کی شرارت بھانپ گئے تھے اور ان سے دامن چھڑانے کی بہت کوشش کی، حقیقی دامن تو ان کے ہاتھ نہیں آیا مگر جھوٹی دامن گیری سے ان کو کوئی کہاں روک سکتا تھا، اس بیت مصطفیٰ کے رکن رکین کی نام نہاد جانثاری کو انھوں نے حبِّ آل بیت کا عنوان دے کر صاحب البیت کے مکمل مشن کو ہائی جیک کرنے کی کوشش کی۔ آقا کی ۲۳ سالہ جد جہد پر پانی پھیرنے کیلئے زبان درازی او ردست درازی کا ایسا طوفان بپا کیا کہ جن سنگ دل اور حمیت کی آگ میں جلتے عربوں کو اسلام کے چشمہ شفا سے آب حیات پلا کر آقا نے شیر وشکر بنا دیا تھا ان میں پھر سے قبائلی دشمنی کی بجھی ہوئی آگ کے شراروں کو پھونک پھونک کر بھڑکانے کی کوشش شروع کردی، مگر جب نیت میں فتور اور دل میں کھوٹ ہو تو قدم

قدم پر باتوں اور دعووں کا تضاد نظر آتا ہے۔ عقل کے اندھوں نے پیغمبر کے دادا کے والد'' ھاشم '' صاحب سے خانوادۂ نبوی کو نیک وبد میں تقسیم کیا، بنو ہاشم کو خیر کا سرچشمہ اور بنو امیہ کو برائی کی جڑ کہا، اور دھڑلے سے کہہ دیا کہ دونوں میں سیادت کا جھگڑا ہے جبکہ دونوں بنی عبد مناف، دونوں قصی اور لوئ کے چشم وچراغ اور عدنانی عربی، اسماعیلی اور ابراھیمی تھے، پیغمبر مطلبی بھی تھے، ھاشمی بھی تھے مگر اوپر کے آباواَجدادِ امجاد کی طرف بھی آپ کی فخریہ نسبت ہوئی ہے، امیہ میں کیا برائی تھی، حرب میں کیا خرابی تھی صخر (ابوسفیان) میں کیا خاندانی کمی تھی ؟یقینا کچھ بھی نہیں، کہ یہ ہاشم ہی کی طرح ان کے دادا عبد مناف کی اولاد ہیں، بنو ہاشم اور بنو امیہ ایک شجر کی دو جڑواں شاخیں تھیں مگر یہاں تو اسلام کے تناور اور مضبوط شجر کو کاٹنا مقصود تھا جس کے لئے کسی کو تو برا کہنا تھا سو اس کے لئے ''امیہ'' سے زیادہ موزون شکار فارس والوں کے لئے کون ہو سکتا تھا جن کی اولاد کے اسلام اور نبوت کے ساتھ گہرے مراسم اور حق کی سربلندی کے لئے ناقابل انکار کردار تھا، اس پورے دھڑ کو مجروح کرنے سے جسد اسلام کے درپے آزار عناصر کو کامیابی کی کتنی امید ہوتی ہوگی اہل بصیرت کے لئے اس کا اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں اور ہاشم کی بجائے عبد مناف کی طرف رسول کی نسبت سے اسلئے سازشی ٹولہ گریزاں تھا کہ رسالت اسلام کے دست وبازو کی حیثیت رکھنے والے یارانِ غار ومزار پر بھی حملہ ایجنڈے کا حصہ تھا سو جہاں وہ اس شجرہ نبوی سے

جڑتے تھے اسکو یکسر نظر انداز کیا گیا کہ انہیں خیر کے سرچشمے سے بید خل کیا جاسکے۔
نیچے آکر جب پیغمبر کی حیثیت سے سیدہ فاطمہ مدح وثنا کی مستحق ٹھری تو باقی تینوں ہمشیراؤں کے وجود تک سے انکار کیا گیا تاکہ ''امیہ'' کا کوئی قریشی بیٹا ذوالنورین ماننے کی نوبت نہ آئے، سورج کی کرنوں کو ٹیڑھی انگلیوں سے چھپانے کی مضحکہ خیز کوشش کی گئی، آلِ رسول بھی فاطمہ کے ہی فرزند بنے، باقی کوئی نہیں اسلئے کہ ان کے نام تین تاروں کے نام نامی تھے، ابوبکر، عمر، عثمان شیر خدا کے تین بیٹے تھے، حسنین میں بھی بڑے کو چھوٹے سے پیچھے رکھا گیا تھا کیوں کہ ان کے عمل (صلح) سے آل امیہ کی تائید ہوتی تھی تو انہیں ''عار المؤمنین'' تک کہا گیا، کیوں کہ ''جانثاروں'' کے منہ پر طمانچہ رسید کیا۔
عرب اور اسلام لازم ملزوم ہیں، اللہ کی کتاب اور پیغمبر کے خطاب میں اس حقیقت کو مختلف اسالیب کے ساتھ بیان کیا تھا، جزیرۃ العرب کو شرپسندوں سے پاک کرنے کی ھدایت، مدینۃ الرسول میں کسی مفسد کے پنپنے کی نفی، امامت کو قریش کا حق قرار دینا حرم مکی میں غیر مسلموں کی آمد کی ممانعت، یہ عربوں کی ذاتی اور مکانی فضیلتیں ہیں، جو ظھور اسلام یا فتح اسلامی کے بعد سے

آج تک بدخواہوں کے علی الرغم بلا توقف چلی آرہی ہیں۔ میلی آنکھوں سے دیکھنے والوں نے عربوں سے ان کا دین و وطن جس سے ان کا خونی رشتہ ہے چھیننے کی نامسعود آرزو میں نسلیں کھپادیں اور صدیوں سے اپنے زہریلا پروپیگنڈے کے ہر داو و پیچ کو نامرادی سے دوچار ہوتا دیکھا مگر مارِ آستین کا کردار ادا کرنے اور لومڑی کی چالیں چلنے سے باز نہیں آئے، عربوں کی جغرافیائی چادر کو سمیٹنے لپیٹنے بلکہ اس کے بخیئے ادھیڑنے کی عنکبوتی سازشیں بڑی رازداری اور ذمہ داری سے کرتے رہنے کو کل وقتی مشغلہ بنایا۔

جابجا راستے میں گڑھے کھودنا اور ہر جگہ روڑے اٹکانے جیسی اوچھی حرکتوں سے اب آگے بڑھ کر رعب جھاڑنے اور سینہ زوریوں پر اتر آئے تھے، عربوں نے بالآخر اپنے طبعی و روایتی صبر و حلم کی بجائے قہر و جبر کے روپ میں آنے کی ٹھانی۔ کہ حضرتِ انسان خلیفۃ اللہ کو سرکش دماغوں سے ہزار نرمی کے بعد پروردگار کی صفت جباریت و قہاریت کا مظہر بننا پڑتا ہے کہ اس کے بغیر اس باؤلے جانور کا کوئی علاج ممکن نہیں رہتا۔

ارضِ حرمین کے ارد گرد گیدڑ بھبھکیوں سے اللہ کے شیروں کو ڈرانے والوں کی مجوسی مٹی پلید ہونے کا وقت آگیا ہے۔

حلم وکرم کے پیکر عربوں سے .بزدلانہ چھیڑ خانی کرنے والے عجموں کے چودہ طبق روشن کرنے کیلیۓ آج کی ''سلمانی'' لشکر کشی عربوں کے اس جلال کی ایک جھلک ہے جو اُن کی روایتی.بردباری کی سرحدات ختم ہونے کے بعد شروع ہوتا ہے ، یہ جلال دجل کے مریضوں کیلیۓ ایک خدائی نشترثابت ہوگا، یہ سکون کے تالاب کو گدلا کرنے کیلیۓ ٹرّانے والے بے موسم مینڈکوں کیلیۓ طوفان ثابت ہوگا، اور امن کی فضا مکدر کرنے والے کیڑے مکوڑوں کا خاتمہ کرنے والا جراثیم کُش اسپرے ثابت ہوگا، بہت جلد حق کا بول بالا اور ناحق کا منہ کالا ہونے والا ہے ، حق پرست بھی ششں وپنج سے نکل آئیں ، خدشوں اور مخمصوں میں رہنے کی گنجائش نہیں ، اپنا کردار ادا کرنے کا وقت ہے جو اور کچھ نہیں تو حق ''کے حق میں آواز بلند کی صورت بھی ممکن ہے ۔''

حسن بن صباح مرا نہیں

حوثی، قرمطی اوراسماعیلی فرقے کی ایک دہشت ناک اور خفیہ جماعت ''حشاشین یا حشیشیین اور باطنیین'' کا بانی ابن عطاش کا تلمیذ خاص حسن بن صباح ایران کے ''قم'' شہر میں پیدا ہوا، باپ کوفے کا باشندہ تھا، 1071ء میں مصر گیا اور وہاں سے فاطمی خلیفہ المستنصر کی خلافت کا داعی بن کر فارس آیا۔یزد، کرمان، طبرستان میں فاطمیوں کے حق میں پروپیگنڈے میں مصروف ہوگیا۔ کہتے ہیں کہ نظام الملک، امام غزالی اور عمر خیام کا ہم سبق تھا۔ مگر بعد میں نظام الملک سے اختلاف ہوگیا تھا۔ چنانچہ ملک شاہ اول نے اس کو گرفتار کرنے کا حکم دے دیا۔ اس نے 1090ء میں ایک مضبوط پناہ گاہ ''قلعہ الموت'' پر قبضہ کرکے اس میں پناہ لی، جو قزوین کے قریب تھا،اس کے بعد کئی دوسرے قلعے بھی باطنیوں کے قبضے میں میں آگئے۔ 1094ء میں مصر کے اسماعیلیوں سے قطع تعلق کرلیا۔ اپنے آپ کو "شیخ الجبل" نامزد کیا اور قلعہ الموت کے پاس کے علاقے میں چھوٹی سی آزاد ریاست ''الدولۃ الباطنیۃ'' قائم کر لی۔ پھر اپنے شیخ کے کہنے پر باطنی پیروکاروں کا ایک سلسلہ ''باطنیہ'' بھی شروع کیا۔ اس سلسلے میں داعی اور فدائی بہت مشہور ہوئے۔ فدائیوں کا کام تحریک کے دشمنوں کو خفیہ طور پر خنجر سے ہلاک کرنا تھا، یا پھر ان کے خلاف ایسی

خطرناک سازشیں کروائی تھیں، جن کی وجہ سے وہ اپنوں ہی کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اتر جائیں۔ چنانچہ خواص و عوام میں سے بہت سے مسلمان فدائیوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ دہشت انگیزی کی یہ تحریک اتنی منظم تھی کہ مشرق قریب کے سب ہی بادشاہ اس سے کانپتے رہتے تھے۔ مسلم حکمرانوں کے خلاف اُن کے دشمنوں کا ہمیشہ سے حسن بن صباح نے ساتھ دیا، اُن کے خلاف تباہ کن سازشیں بھی کیں، صلیبیوں کو ساری اسٹراٹیجک معلومات یہیں سے ملتی تھیں، حسن بن صباح اپنے فدائیوں کو حشیش بھنگ ''پلا کر بیہوش کر دیتا تھا اور پھر انھیں اپنی بنائی ہوئی جنت کی سیر کراتا تھا۔ جو اس'' نے وادی الموت میں بنائی تھی۔ جب حسن بن صباح کا فتنہ بہت بڑھ چکا، تو سلجوقی سلطان ملک شاہ نے اس کے خلاف لشکر کشی کا فیصلہ کیا۔ لشکر کشی سے پہلے ایک قاصد کو یہ پیغام دے کر بھیجا گیا کہ حسن بن صباح خود کو سلطنت کے حوالے کر دے اور اپنی منفی سرگرمیاں ختم کر دے ورنہ اُس کے قلعہ پر چڑھائی کر دی جائیگی۔ ایلچی نے یہ پیغام قلعہ الموت میں جا کر حسن بن صباح کو سُنایا۔ "میں کسی کی اطاعت قبول نہیں کرتا" حسن بن صباح نے کہا، "اور ملک شاہ کے وزیر باتدبیر نظام الملک سے کہنا کہ میں بچپن کی دوستی کے تحت تمہیں مشورہ دیتا ہوں کہ یہاں کا رُخ مت کرنا ورنہ تمہاری فوج کا انجام بہت بُرا ہوگا"۔ ایلچی یہ پیغام لے کر جانے لگا تو حسن بن صباح نے اُسے روک لیا۔ ٹھہرو، شاید تم میری باتوں کا یقین نہ کرو، میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں"۔ اس کے" بعد حسن بن صباح کے حکم سے کچھ فدائین قطار بنا کر

وہاں کھڑے ہوگئے۔اس نے ایک فدائی کو بُلا کر خنجر پکڑایا اور کہا، "اِسے اپنے سینے میں اُتار لو"۔اُس فدائی نے بلند آواز میں نعرہ لگایا "یا شیخ الجبل تیرے نام پر" اور خنجر اپنے دل میں اُتار لیا۔اس کے بعد ایک دوسرے فدائی کو بلا کر حکم دیا کہ بلندی پر جا کر سر کے بل چھلانگ لگا دو۔وہ خاموشی سے گیا اور چھت سے چھلانگ لگا دی اور اپنی گردن تڑوا بیٹھا۔ایسے ہی ایک فدائی کو پانی میں ڈوبنے کو کہا گیا اور اُس نے بخوشی اپنے آپ کو پانی کی تُند و تیز لہروں کے حوالے کر دیا۔اس ایلچی نے جا کر یہ تمام واقعات سلطان اور نظام الملک کو گوش گزار کر دیے۔نظام الملک خواجہ حسن طوسی یہ سن کر جذبہ ٔایمانی کے غصے سے لبریز ہوگئے اور سلطان کو فوراً لشکر کشی کا مشورہ دیا، جسے سلطان نے قبول کرتے ہوئے اپنے فوجوں کا رُخ قلعہ الموت کی طرف کر لیا۔ حسن بن صباح نے یہ سُنا تو زیر لب مسکرایا اور کہا، " حسن طوسی کو قتل کر دو" بس اتنا ہی کہنا تھا اور ادھر بغداد کے قریب خواجہ حسن طوسی کو قتل کر دیا گیا، اور عظیم الشان لشکر راستے سے ہی واپس ہو لیا۔بعد میں سلطان ملک شاہ کو بھی قتل کر دیا گیا۔ قتل کرنے کا طریقہ بڑا سادہ ہوتا تھا۔فدائی مطلوبہ شخصیت تک کسی بھی طریقے سے پہنچتا تھا اور اس کو قتل کر کے ایک بلند نعرہ لگاتا تھا "یا امام الجبل حسن بن صباح ! تیرے نام پر تیری جنت سے اللہ کی جنت میں جا رہا ہوں" اور اپنے دل میں خنجر اُتار لیتا تھا۔ایسے ہی حسن بن صباح نے اعلیٰ شخصیات اور وقت کے بہترین علماے کرام کو قتل کروایا۔ حتیٰ کہ

اپنے آخر دور میں یہ فدائی باقاعدہ کرائے کے قاتل بن گئے اور عیسائیوں کے کہنے پر انہوں نے سلطان صلاح الدین ایوبی پر بھی تین قاتلانہ حملے کیے مگر اللہ کے فضل وکرم سے ایوبی سلامت رہا۔

حسن بن صباح نے طویل عمر پائی ۔ اس جماعت کا خاتمہ ہلاکو خان کے ہاتھوں ہوا۔ جس نے قلعہ الموت کو فتح کرکے حسن بن صباح کے آخری جانشین رکن الدین کو گرفتار کرلیا اور ہزاروں فدائیوں کو بڑی بے رحمی سے قتل کر دیا۔آج عالمِ اسلام کو ایک مرتبہ پھر اس قسم کے خطرات ہر جگہ لاحق ہیں۔اغیار کے کہنے پر فانی دنیا میں نام اور دولت کمانے کے لئے بہت سے لوگ ایمان وملت فروشی کے مذموم کاروبار میں لگے ہوئے ہیں۔اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کو سمجھنے اور سازشوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

عربی زبان مشاہیر کی نظر میں

عربی جنت کی زبان ہے، قرآن کی زبان ہے، رسول اللہ ﷺ کی زبان ہے اور بلاد الحرمین (مکہ مدینہ) واولی القبلتین (القدس) کے رہنے والوں کی زبان بھی عربی ہے، حضرت علی، حضرت فاطمہ، حضراتِ حسنَین، جمیع صحابہؓ، اولیاء اور صلحاء نیز علوم اسلامی کی زبان بھی عربی ہے، اسلئے اسکی فضیلت میں مشاہیر عالم نے اپنے اپنے تاثرات کچھ یوں بیان کئے ہیں:

امام شافعی: میں نے عربی کے ذریعے فقہ کو پہچانا۔

علامہ سیوطی: عربی زبان کی تعلیم و تعلّم ہر مسلمان پر فرض ہے۔

ابن تیمیۃ: عربی زبان دین کا حصہ ہے اس کو سیکھنا فرض ہے۔

ابن مبارک: جس شخص کی عربی مضبوط نہیں اس کا علم مضبوط نہیں۔

امام رازی: قرآن وحدیث کے علوم کے لیے عربی ادب بطور کنجی ہے۔

مجاہد: عربی سے ناآشنا شخص پر قرآن کے متعلق لب کشائی حرام ہے۔

خوارزمی: عربی میں اپنی مذمت فارسی میں تعریف سے اچھی لگتی ہے۔

ابن قیم الجوزیہ: قرآن کے فضائل و محاسن عربی کا ماہر ہی جان سکتا ہے۔

علامہ شوکانی: اجتھاد کی شرائط میں سے ایک بنیادی شرط عربیت ہے۔

علامہ شاطبیؒ: علمی بحث یا تو عرب کریں یا جو اُن کی طرح عربی جانتا ہو۔
امام الہند دہلوی: امام ابو حنیفہ عربی الاصل والنسل تھے۔
حاجی امداد اللہ: میں نے اپنے شوق سے اولاً عربی کی تعلیم لی پھر تفسیر.....
ابوالکلام آزاد: عربی میری مادری زبان ہے،اردو سیکھی ہے۔ احمد حسن زیات: عربی ادب تمام زبانوں کے ادب سے زیادہ کامل ہے۔ علامہ ابن نجیفی: عربی سے ناواقف مجتہد ''ضلّ واضلّ'' کا مصداق ہے۔ علامہ کشمیری: قرآن کے لیے سب سے زیادہ ضرورت لغت کی ہے۔
مولانا اعزاز علی: عربی ادب کا علم تمام علوم کا مجموعہ ہے۔
مفتی محمد شفیع: انسانیت کی سب سے پہلی زبان عربی زبان ہے۔
علامہ بنوری: اسلام اور عربی زبان کا جو باہمی رشتہ ہے وہ محتاج بیان نہیں۔
مفتی محمود: تفقہ فی الدین کے لیے عربی ادب ضروری ہے۔
ابوالحسن علی ندوی: عربی کو کبھی بطور زبان پڑھانے کی کوشش نہیں کی گئی۔
خواجہ خان محمد: علمی استعداد عربی کے بغیر ممکن نہیں۔
مفتی احمدالرحمٰن: علماء عربی زبان میں ضرور مہارت حاصل کریں۔
مولانا لدھیانوی شہید: قرآن وحدیث میں مہارت عربیت پر موقوف ہے۔
مفتی شامزئی شہید: رسوخ فی العلم کے لیے رسوخ فی العربیہ شرط ہے۔

علامہ حیدری شہید: صرف عربی ہی نہیں عربوں سے بھی محبت ضروری ہے۔ علامہ احسا ن الٰہی ظہیر شہید: مسلمان پر عربی زبان بقدر ضرورت فرض ہے۔

ڈاکٹر ذاکر حسین خان: عربی ساری انسانیت کی زبان ہے۔

سر آغا خان: پاکستان کی سرکاری زبان عربی ہونی چاہیے۔

قاضی حسین احمد: اربک لینگویج انٹرنیشنل ڈے کا بھرپور اہتمام کیا جائے۔

علامہ عبدالغنی شہید: علوم دین کی عمارت عربیت پر قائم ہے۔

مولانا بجلی گھر: اس مولوی کو عالم نہیں مانتا جس کو عربی نہیں آتی۔

حضرت شیخ سلیم اللہ خان: عربی زبان کا ماہر عالم سونے کی چڑیا ہے۔

مولانا عبدالمجید لدھیانوی: علومِ عربیہ کی عمارت عربی زبان پر استوار ہے۔

حضرت حکیم اختر: عربیت پر قادر علماء کی قدر کرتا ہوں۔

شیخ الاسلام محمد تقی عثمانی: علما کا عربی پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے۔

ڈاکٹر عبدالرزاق سکندر: عوام کیلیے ایمہ مساجد عربی کی تعلیم کا اہتمام کریں۔

شیخ مغفوراللہ: سلف نے عربی اسلوب وطرزِ تکلم کے لیے دور کے اسفار کیے۔

مولانا فضل الرحمٰن: پاکستان میں عربی لازمی مضمون کر دیں گے۔

محترمہ بینظیر بھٹو: میرا خاندان یمنی الاصل عرب ہیں۔
مولانا محمد احمد لدھیانوی: کارکنوں کو عربی سیکھنے کا حکم دیتا ہوں۔
جنرل حمید گل: عربی زبان اسلام کی اساس ہے۔
مولانا شیرانی: ملک میں عربی زبان لازمی قرار دینا آئین کا تقاضا ہے۔
ڈاکٹر شیر علی شاہ: عرب ممالک ویزے کے لیے عربی زبان شرط بنائیں۔
حافظ حسین احمد: دو قومی نظریے کے مطابق مسلم قوم کی زبان عربی ہے۔
سید سلمان ندوی: علماء کے لیے عربی فرض عین ہے۔
مولانا طارق جمیل: ہم نے اپنے یہاں بول چال عربی میں لازم کی ہے۔
ڈاکٹر امجد: بچوں کو شروع ہی سے عربی زبان مکمل سکھا دینا ضروری ہے۔
شیخ شفیق بستوی: علوم دینیہ میں مہارت عربی ادب میں پختگی پر موقوف ہے۔ شیخ یوسف القمر: عربی عالمِ اسلام کی سرکاری زبان ہونی چاہیے۔
عمران خان: پاکستان میں اردو انگریزی کی طرح عربی بھی سرکاری زبان ہونی چاہیئے۔
ڈاکٹر خالد سومرو: علومِ شریعت میں پختگی عربیت پر موقوف ہے۔
مولانا رفیق اللہ خان: عربی اور اسلام دونوں مربوط ہیں۔
قاری حنیف جالندھری: عربی اسلام اور علم کی زبان ہے۔
مفتی منیب الرحمٰن: عشقِ مصطفیٰ میں عربی سیکھنا فرض ہے۔
مفتی فیروز الدین ہزاروی: پاکستان میں عربی کی ترویج ضروری ہے۔

مولانا ادریس سومرو: عربی زبان کے بغیر دینِ سلام کا صحیح فہم مشکل ہے۔
محمود شام: اہلِ پاکستان عصرِ حاضر میں عربی پر توجہ دیں۔
حاجی مسعود پاریکھ: عربی زبان سیکھنا مسلمانوں پر فرض ہے۔
شیخ محمود سامرائی: اگلی صدی اسلام اور عربی کی صدی ہے۔
یحیٰی پولانی: عربی اور انگریزی فی زمانہ میں مسلمان کے لیے ضروری ہے۔
غنی خان: عربی تحریر و تقریر میں مجھے پشتو کی طرح کوئی تکلف نہیں ہوتا۔
حاجی ہارون: عربی بین الاقوامی طور پر تسلیم شدہ زبان ہے۔
ڈاکٹر عبد الرشید: عربی کی طرف عالمی سطح پر رُجحان بڑھ رہا ہے۔
ڈاکٹر محسن نقوی: علوم دینیہ کے لیے عربی ادب بلاشک وشبہ ضروری ہے۔
ڈاکٹر دانش: عربی کے لیے اب ٹھوس پلاننگ کی شدید ضرورت ہے۔
ڈکٹر عامر لیاقت: عربی کی اہمیت کو میڈیا میں مؤثر طریقے اٹھانا ہوگا۔
ڈکٹر قبلہ ایاز: عصری جامعات میں عربی کو فروغ دیا جائے۔
آسیہ عارف: میں اپنی زندگی عربی کے لیے وقف کرتی ہوں۔
جاوید چودھری: قرآنی اصطلاحات کی تہ تک رسائی بغیر عربی کے ممکن نہیں۔
شیخ سمیع اللہ عزیز: مدارس کے بجائے عوام میں عربی کے لیے کام کیا جائے۔
مولانا عبد الہادی: انگریزی کی طرح عرَبِک لینگویج سینٹرز کی حاجت ہے۔
شیخ موسیٰ العراقی: عرب لیگ و خلیج اتحاد کو عربی زبان پر بھی توجہ دینی

چاہیے۔

عظمت علی رحمانی: پاکستان عربی تہذیب علَم بردار دوسرا مصر بن سکتا ہے۔

رعایت اللہ فاروقی: برصغیر میں عربی کے فروغ کے لیے مربوط کام کرنا ہوگا۔

خلیل بُلیدی: عصرِ حاضر کی عربی شاعری بھی نصاب میں شامل ہو۔

خالد حجازی: جدید عربی کے لیے جدید ذرائعِ اِبلاغ کی طرف جانا ہوگا۔

آئینِ پاکستان: عربی کو فروغ دینے کے لیے حکوت اقدامات کریگی۔

اقوامِ متحدہ: عرَبی ڈیڑھ ارب مسلمانوں کے توسط سے عالمی زبان ہے۔

اب آپ سب سے پہلے "نیا پختونخوا" بنایئے

گزشتہ دنوں ہم اسلام آباد سے۔براستہ نوشہرہ پشاور گئے، وہاں مولانا ضیاًالرحمٰن کے ہاں قیام کے بعد اگلے دن شبقدر میں معہدِ عثمانؓ کی جامع مسجد ابوبکرؓ کی افتتاحی تقریب میں شرکت کرنی تھی، جہاں سندھ، پنجاب اور بلوچستان سے دیگر حضرات بھی مدعو تھے۔ان میں مولاناڈاکٹر منظور مینگل، مفتی حبیب حسین ،علامہ سعید الحسینی اور پیریاسر عرفات خصوصی مہمانوں میں سے تھے، شبقدر کی یہ اپنی مثال آپ مسجد ومدرسہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی، علاقے کے مشہور اور قابل ترین عالمِ دین شیخ شعیب کا حسنِ انتظام تعمیر وتعلیم میں باعثِ سرور تھا،بطورِ خاص عربی زبان وادب کے لئے ان کی خدمات بالکل نمایاں تھیں،ان کا اخلاص دیکھئے ، میں نے سماحۃ الامام حضرت شیخ سلیم اللہ خان صاحب زید مجدہم سے مسجد کے سنگِ بنیاد کے متعلق درخواست کی ، حضرت نے جانے سے معذرت کی ، پر ساتھ ہی ایک اینٹ پر کچھ پڑھ کر فرمایا ، یہ اُس کی اساس میں رکھ دیں، وہ اینٹ انہوں نے بنیاد میں رکھدی ، یوں سنگِ بنیاد حضرت کے دستِ مبارک سے پڑگیا، بہر حال بیان کرنے کے بعد ہم چارسدہ کے علاقے تنگی گئے، جامعۃ التسلیم کے اساتذہ مفتی احمد جان، مولوی حسنین اور مولانا آدم خان کے یہاں کچھ دیر کے لئے رکے ، رختِ سفر باندھا، توترنگزئی باباؒ کے مزار پر فاتحہ پڑھ کر، سخاکوٹ، درگئی، مالاکنڈ ،

بٹخیلہ اور شموزئی سے ہوتے ہوئے مینگورہ پہنچے، سوات سیاحوں کا مرکز بنا ہوا تھا، بارش ہو رہی تھی، ہم بھی فضاگٹ گئے، دریائے سوات کے کنارے کچھ دیر سیر و تفریح کے بعد کارواں نے چارباغ، اور خوازہ خیلہ سے شانگلہ کا رُخ کیا، پورن میں عبدالعلیم خان اور ایم پی اے حاجی منعم نے روک لیا، ماحضر تناول کیا، گفت و شنید بھی ہوئی، مارتونگ میں اسم با مسمیٰ شیر علی خان نے خوب خاطر مدارات کی، مولانا قطب الدین، مولانا معراج مولانا بشیر، مولانا صباح الدین، ڈاکٹر شیر بہادر اور حکیم ولی اللہ سے علیک سلیک، ہوئی، شیخ الحدیث والتصوف والمنطق مارتونگ باباجیؒ کی قبر پر فاتحہ خوانی کا شرف حاصل ہوا، مارتونگ کے مولانا امداد اللہ کے تو کیا کہنے، ظاہری و باطنی ہر طرح نستعلیق وباوقار ہیں، اشاڑو سر کے عزیز خان صحیح معنوں میں ہر دلعزیز ہیں، کانڈئی کے مولانا فدا سے ان کے والد گرامی کی رحلت پر کچھ دیر محوِ غم ہوئے، کاراؤ سر میں پیر یاسر عرفات کے بڑے بھائی عبد الظاہر خان صاحب نے تو دیدہ و دل فرشِ راہ کئے ہوئے تھے، ان کے والدین مرحومَین کے مزارات پر دعاَ ہوئی۔ مانگا کنڈؤ سے ہو کر شیر عالم خان کی والدہ کی تعزیت کے سلسلے میں چکیسر پہنچے، شیخ عزیز عظیمی، مولوی گل محمد تالونی اور قاری عثمان والوں کے یہاں جانے کا ارادہ تھا، مگر پیدل جانے کی ہمت نہ ہوئی اور مولانا جمشید نے اپنے گھر دعوت کی، تو خوشی سے پھل کاٹتے ہوئے اپنی نرم و نازک انگلیاں ہی کاٹ دیں، ان سب مقامات پر کچھ کچھ دیر قیام کے بعد ضلع تور

غر کے مرکز جُدبا کے مزے علامہ سعید اور محمد المظفر نے خوب لئے، ہمارے بھانجے اور نو منتخب تحصیل ناظم مولانا اکرم خان نیز مفتی عزیز اللہ سے بھی حال احوال لئے، دیدل میں جناب گل سعید شاہ کے نوجوان صاحبزادے کے انتقال پر دُکھی اور رنجیدہ باپ سے تعزیت کی، چورانوں میں ڈاکٹر گل امین لطیف، قاری ابراہیم شریف، تخی خان، نذیر عمر سید، انکل محمد عمر اور غث دادا محمد عثمان سے ملے، البتہ یکدم زندہ دل اور نہایت مہمان نواز خان رحیم خان کاکا کی کیا بات ہے! گبین خان باچا کی وفات پر ان کے لئے دعائے مغفرت کرائی۔ گیر میں والدہ ماجدہ کی خدمت میں کچھ دن رہے، چھوٹے بھائی آکا نظام خان المظفر، عیسیٰ، اسامہ، عدنان، حمزہ، طفیل، ادریس، بختِ روان خان، مولانا شریف الرحمٰن، محمد ایوب، سلیم اللہ اور مولانا اکرام نصیب کے تو ساتھ ہی

رہے، تیمتوالان میں اورنگ زیب خان کے صاحبزادے اور نو منتخب نائب ناظم فیصل زیب سے بھی ملاقات ہوئی، ڈی سی او صاحب کے برادرِ خورد اور نو منتخب ناظم عزیز بھائی سے ٹیلیفونک سلام دعاً ہوئی، اورنگ زیب خان کی اس علاقے میں عظیم الشان اور تاریخی خدمات ہیں، وہ ایک نڈر، بے باک اور ایماندار شخصیت کے مالک ہیں۔ وہاں سے براستہ بُنیر، کڑاکڑ، مردان، صوابی وجہانگیری، اٹک وحضرو، پنڈی اسلام آباد میں اپنے ڈاکٹر یوسف مرزا صاحب کے ہاں قرآن کمپلکس آگئے، اس سفر میں پیرپاسر کی وجہ سے پی ٹی آئی کے مفتی سعید خان اور اعجاز چودھری نے میرٹ اسلام آباد میں ہماری پُر تکلف دعوت بھی کی، جامعۃ الازہر

کے سابق پروفیسر اور ایم کیو ایم کے سینیٹر ڈاکٹر عبد الخالق پیرزادہ سے بڑی عالمانہ وفاضلانہ صحبت وہمکلامی کا شرف حاصل ہوا۔

ان تمام جگہوں میں سیاسی، سرکاری، تعلیمی، حکومتی، علاقائی اور قبائلی عمائدین و عامۃ الناس سے بالمشافھہ گفتگو اور ملاقاتیں ہوئیں، زیادہ تر موضوعِ سخن تحریکِ انصاف، کپتان اور صوبائی حکومت رہا، ان کی حکومتی کارکردگی پر جتنی باتیں ہوئیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ تعلیم، صحت، پولیس، عدلیہ اور پٹوار میں اِن کی اصلاحات قدر کی نگاہوں سے دیکھی جارہی ہیں، اپنے اور مخالف دونوں ہی اِن میدانوں میں کپتان کی تعریف کر رہے ہیں، ایسے سکولز بھی اب آباد ہوگئے ہیں، جہاں برسوں سے تعینات اساتذہ نے کبھی قدم رنجائی کی زحمت گوارا نہیں کی تھی، سکول کی تعمیرات پر قوم کا پیسہ خرچ کرکے اسے بااثر لوگوں نے ذاتی اغراض کے لئے اپنے استعمال میں رکھا ہوا تھا، بغیر میرٹ کے لاکھوں روپے لے کر ایم پی ایز، ایم این ایز نے اپنے چہیتوں کو صرف سیلری وصول کرنے کے لئے بھرتی کیا ہوا تھا، سکول اور ٹیچر کے یہ مردہ اور علامتی ڈھانچے نہ ہوتے، تو لوگ بھی آس لگائے اپنے نونہالوں کو آج نہیں تو کل، اس سال نہ سہی تو اگلے سال، ان کے انتظار میں نہ بٹھاتے، انہیں دور دراز کسی دینی مدرسہ ہی میں بھیج دیتے، یا خود ہی یہ بچے کسی کے پاس کم از کم ہنر سیکھنے چلے جاتے، قوم کے نام پر سیاست وسیادت کرنے والے ظالموں نے خیبر پختونخوا کے پھول

جیسے بچوں کو کہیں کا نہ رہنے دیا، پھر جن سرکاری سکولوں میں تعلیم کا سلسلہ جاری ہوچکا تھا، وہاں مک مکاؤ کرکے اساتذہ باریاں لگاتے تھے، دو ایک ہفتے یا مہینے کے لئے، تو دو اس سے آگے کے لئے اور بقیہ دو اس سے بھی آگے کے لئے، بہت بری صورتِ حال تھی، حرام خوری کی ایک چھوٹی قسم یہ ہے کہ کوئی کسی کا مال چُرائے اور کھا بیٹھے، لیکن اس بڑی حرام خوری میں سب کے سامنے دھڑلے سے قوم کا مستقبل چوری ہو رہا تھا، گویا تعلیم یا تو سرے سے دی ہی نہیں جارہی تھی، یا پھر اس طرح کہ اس سے جہالت بہتر تھی، بد قسمتی سے اس وقت ہمارے ملک بالخصوص پختونخوا میں بیشتر تعلیم یافتہ کچھ اسی قسم کے ہیں، بزعم خویش وہ تعلیم یافتہ ہیں، مگر گردن میں سریا اور ناپختہ فکر و نظران کی جہالت کی غمازی کر رہے ہوتے ہیں، اس کیفیت میں تعلیم کے نام پر صنعتیں لگانے والے نجی سکولز مالکان کی چاندی ہوجاتی ہے، اِدھر غریب نان نفقے کے لئے ترس رہا ہوتا ہے، تو اُدھر آنجناب کے لامتناہی نخرے بچوں کے والدین سے مطالبوں پر مطالبے کر رہے ہوتے ہیں، بہر حال کپتان نے اس میدان میں اس حد تک پختونخوا میں کامیابی حاصل کی ہے کہ لوگ اب اپنے بچے نجی سکولوں سے نکال کر سرکاری سکولوں میں داخل کر رہے ہیں، سکولوں میں کم سے کم حاضری طلبہ تو اساتذہ دونوں کی ہو رہی ہے اور غیر حاضری پر اچھی خاصی سرزنش اور پوچھ تاچھ ہوجاتی ہے۔

محکمۂ پولیس میں بھی پہلے کی طرح رشوت خوری ،گالم گلوچ اور غُرّانا عام وتام نہیں ہے، سیکورٹی فورسز کا اب ولہجہ بھی سندھ پنجاب والوں کے مقابلے میں قدرے بہتر ہے، پولیس حکام سے ایک دو جگہ ملاقاتوں میں اندازہ ہوا کہ اخلاقیات کا پہلو کچھ نمایاں ہوا ہے۔ پٹواری عام لوگوں کی کھال اتارنے پر تُلے ہوتے تھے، ان میں بھی حلال خوری کی جستجو پیدا ہوئی ہے، یا یوں کہہ دیجئے کہ حرام خوری سے وہ اب تھوڑے سے خائف اور گھبرائے ہوئے نظر آتے ہیں۔ سننے میں آیا کہ عدلیہ میں بھی انصاف کی جھلکیاں نظر آتی ہیں، تاخیر جو ہوتی تھی اب اُتنی نہیں ہوتی، با اثر حضرات کا بلا وجہ مخالفین کو اب پسِ زنداں کرنا اُتنا آسان نہیں ہے جتنا پہلے ہوا کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ سب کو محفوظ رکھے، صحت کے شعبے کا برا حال تھا، بڑے ہسپتالوں میں ڈاکٹر اتنے چکر لگواتے تھے کہ مریض تو مریض ہے، تیماردار کا کلیجہ بھی منہ کو آجاتا تھا، ذاتی کلینک میں اِن کی خوش اخلاقی اور سرکاری ہسپتال میں اِن کی بد تمیزی دیدنی ہوتی ہے، پھر یہاں کی نرسیں اور کمپاؤنڈر، بڑے میاں تو بڑے میاں، چھوٹے میاں سبحان اللہ۔ چھوٹے ہسپتالوں اور گاؤں دیہات میں یکدم اَن پڑھ یا کہیں نرسنگ کا نامکمل کورس کئے ہوئے ''بیطار ڈاکٹر'' لوگوں کا جو حشر کرتے تھے، وہ ناقابلِ دید ہوتا، بغیر سُن کئے جب وہ کسی کا دانت نکالتے، یا ٹوٹے ہوئے ہاتھ پاؤں کو جوڑتے، یا ظاہری زخم کی وجہ سے کسی کے چمڑے کو سیتے، تو ہمارے جیسے کمزور دل صرف دیکھنے سے ہی بے ہوش ہو جاتے، اگر کہیں نا

موافق یا اکثر وبیشتر آوٹ آف ڈیٹ دوا کی وجہ سے ری ایکشن ہو جاتا، تو مریض کو تو چھوڑیئے ''ڈاکٹر جی ''کے اپنے ہاتھ پیر کانپنے لگتے۔اب حکیم جی کا دور آتا ،تو وہ ایک دو خوراک ہی سے مریض کا کام ''تمام'' کر دیتے۔

اس طرح کی اصلاحات کے نام پر بہت کچھ ہوا ہے ، اس پر بھی اللہ کا شکر ہے، مگر کپتان صاحب ! یہ سب آٹی فیشل کام ہوا ہے، سر سری یا ہنگامی طور پر یہ اصلاحات کی گئی ہیں، بالکل اسی طرح جس طرح کہتے ہیں کہ ایم ایم اے کی حکومت میں اصل بیماری کی پہچان نہ ہونے کے باعث سائن بورڈز پر لڑکیوں کی بغیر نقاب والی تصویروں پر کالک مل دی جاتی تھی،یا مسافر بسوں میں ٹیپ ریکارڈر چلانے پر چالان ہو جاتا تھا۔اب 2013 کے انتخابات شفاف قرار دیئے جانے کے بعد آپ کو اگر ''نیا پاکستان ''پھر بھی بنانا ہے اور اس نعرے میں آپ واقعی مخلص ہیں،توخدارا ، پختونخوا کی اس نرسری پر توجہ دیجئے،ادہر اپنی صلاحیتیں بروئے کار لایئے، نمل یونی ورسٹی کے مانند کالج اور یونی ورسٹیوں کا یہاں جال پھیلایئے،آغاخان یونی ورسٹی ہسپتال کی طرح پشاور میں '' شوکت خانم یونی ورسٹی ہسپتال'' بنایئے،ڈیموں اور سڑکوں کا بندوبست کیجئے، تعلیمی اداروں میں عربی اور انگریزی کو فروغ دیجئے، صوبے کی سیاسیات میں اخلاقیات متعارف کرائیں۔۔۔۔گویا قوم عرض گزار ہے کہ پہلے ''نیا پختونخوا'' بنادیجئے،تب پوری قوم آپ اور آپ کی ٹیم کی صلاحیتوں کی معترف ہوجائیگی اور یوں

اگلے مرحلے میں آپ کو پورا ملک دے دیگی، طیب اردگان نے جب استنبول میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوایا، تو تُرک قوم نے پھر کہیں جا کر اسے پورا ملک دے دیا اور ایک بار نہیں بار بار دیا۔

قرآن کریم کے تدریجی نزول کی حکمتیں

اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ پر اپنی معجز (آسمانی کتابوں میں سے سب سے آخری) کتاب نازل کرکے اسے عزت بخشی، تاکہ یہ اس کے لیے دستور حیات اس کے مسائل کا حل اس کی بیماریوں اور امراض کے لیے شفا بخش مرہم اور اس امت کو مقدس ترین پیغامات خداوندی کے تحمل کے لیے چننے اور منتخب کرنے پر عظمت اور افتخار کی علامت ہو، جہاں اللہ نے سب سے افضل کتاب نازل کرکے ان کو عزت بخشی اور مخلوقات میں سے سب سے معزز ہستی محمد ﷺ کے ساتھ انہیں وابستہ کرکے ممتاز مقام عطا کیا، وہیں پر قرآن کے نزول کے ساتھ ہی پیغامات سماویہ کی لڑی مکمل ہوئی، اور اس نور نے پوری کائنات پر ضوافشانی کی، عالم پر اس کی روشنی چمک اٹھی اور اللہ کی ہدایت مخلوق تک جا پہنچی اور یہ نزول امین السماء جبریئل علیہ السلام کے واسطے سے ہوا، جو اسے لے کر آپ ﷺ کے قلب مبارک پر اترتے تاکہ آپ علیہ السلام کو پیغام خدا وندی پہنچا دیں اور اسی کے متعلق اللہ جل جلالہ کا فرمان ہے: (اس کو امانت دار فرشتہ اتار لایا ہے آپ کے قلب پر، صاف عربی زبان میں، تاکہ آپ منجملہ ڈرانے والوں کے ہوں)۔

قرآن کریم کے دو نزول ہیں: لوح محفوظ سے آسمان دنیا کی طرف (یکبارگی) شب

قدر میں نازل ہونا۔ آسمان دنیا سے زمین کی طرف تئیس سال کے عرصہ میں (کچھ کچھ) بتدریج نازل ہونا۔ پہلی مرتبہ اس کا نزول زمانہ کی تمام راتوں میں سب سے مبارک رات میں ہوا، (جسے شبِ قدر کہا جاتا ہے) اس رات میں پورا قرآن آسمان دنیا میں (بیت العزۃ) کی طرف نازل کیا گیا جس پر مندرجہ ذیل متعدد نصوص قرآنیہ دلالت کرتی ہیں: اور قسم ہے اس واضح کتاب کی کہ ہم نے اس کو (لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر) ایک برکت والی رات (یعنی شب قدر) میں اتارا ہے ہم آگاہ کرنے والے تھے۔ (سورۃ دخان).

اللہ جل شانہ کا فرمان ہے: بے شک ہم نے قرآن کو شب قدر میں اتارا ہے (شوق بڑھانے کے لیے فرمایا) اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شب قدر کیسی چیز ہے؟۔ (سورۃ قدر)۔

اللہ تعالی کا قول ہے: ماہ رمضان ہے جس میں قرآن مجید بھیجا گیا ہے جس کا (ایک) وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لیے (ذریعہ) ہدایت ہے اور (دوسرا وصف) واضح الدلالت ہے منجملہ ان کتب کے جو کہ (ذریعہ) ہدایت (بھی) ہیں ، اور (حق وباطل میں) فیصلہ کرنے والی ہیں۔ (سورۃ بقرہ)۔

یہ تینوں آیات دلالت کرتی ہیں کہ قرآن ایک ہی رات میں نازل ہوا جسے مبارک

سے متصف کیا جاتا ہے اور جسے شب قدر کہا جاتا ہے اور یہ ماہِ رمضان کی راتوں میں سے ایک رات ہے اور اس نزول کا اول ہونا متعین ہو جاتا ہے ۔جو آسمان دنیا میں موجو بیت العزۃ کی طرف ہوا، کیوں کہ اگر اس سے نزول ثانی جو کہ آپ علیہ السلام پر ہوا مراد ہو تو یہ نزول ایک ہی رات اور ایک ہی ماہ میں ہونا ٹھیک نہیں ہو گا کیوں کہ آپ ﷺ پر قرآن ایک طویل عرصہ میں نازل ہوا اور وہ بعثت نبوی کی تئیس سالہ مدت ہے نیز رمضان کے علاوہ بھی بلکہ تمام مہینوں میں نازل ہوا، تو ثابت ہو گیا کہ اس سے مراد (نزول) اوّلی ہے اور احادیث صحیحہ (بھی) اس کی تائید کرتی ہیں مثلاً:

حضرت ابن عباسؓ سے مروی ہے انہوں نے فرمایا: ”قرآن کو ذکر (لوح محفوظ) سے علیحدہ کرکے آسمانِ دنیا میں موجو بیت العزۃ میں رکھا گیا۔ چناں چہ جبرئیل امین اسے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کرتے رہے“۔ (رواہ الحاکم)

اور حضرت ابن عباسؓ ہی سے روایت ہے: ”قرآن کو یکبارگی آسمان دنیا کی طرف نازل کیا گیا، اور وہ نزولِ آیات کے وقوع کے زمانوں کے ساتھ ملا ہوا تھااور اللہ اسے اپنے رسول پر تھوڑا تھوڑا کرکے نازل کرتے رہے“۔ (رواہ الحاکم والبیہقی)

اوان ہی سے منقول ہے: (قرآن کو ماہِ رمضان میں شب قدر میں یکبارگی آسمانِ دنیا کی طرف نازل کیا گیا، پھر بتدریج اس کا نزول ہوا“۔ (رواہ الطبرانی)

ان تینوں روایتوں کو علامہ سیوطیؒ نے اپنی کتاب " الاتقان فی علوم القرآن" میں ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ تمام صحیح روایات ہیں، اسی طرح علامہ سیوطی نے حضرت ابن عباسؓ سے یہ روایت بھی نقل کی ہے کہ عطیہ بن اسود نے اُن سے سؤال کیا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد (شھر رمضان الذی انزل فیہ القرآن) اور اس کے فرمان (إنا انزلنہ فی لیلۃ القدر) نے میرے دل میں شک ڈال دیا ہے اس لیے کہ قرآن تو شوال، ذی القعدہ، ذی الحجہ، محرم، صفر، ربیع الاول کے مہینوں میں (بھی) نازل کیا گیا ہے
توحضرت ابن عباسؓ نے فرمایا: اسے رمضان المبارک میں شبِ قدر میں یکبارگی نازل کیا گیا، پھر اسے قسطوں میں (مختلف مواقع میں) آرام آرام سے دنوں اور مہینوں میں نازل کیا گیا۔
مواقع النجوم اور رِسلًا سے مراد یہ ہے کہ: اسے متفرق طور پر تھوڑا تھوڑا کرکے اتارا گیا، بعض حصہ بعض کے بعد آیا آہستگی اورآرام کے ساتھ۔ علامہ قرطبیؒ رنے قرآن کے لوح محفوظ سے بیت العزۃ کی طرف (جو آسمان دنیا میں ہے) مکمل نازل ہونے پر علما کا اجماع نقل کیا ہے، قرآن کریم کے اس نزول کی حکمت شاید قرآن اور جس ہستی پر قرآن نازل ہوا ہے اس کی عظمت شان کو واضح کرنا مقصود ہے کہ ساتوں آسمانوں کے باسیوں کو یہ بتائے " کہ یہ آخری کتاب ہے جو آخری نبی پر بہترین امت کے لیے ہم نے اسے ان کے قریب کر لیا ہے تاکہ ہم اس

"کتاب کو ان پر نازل کریں

علامہ سیوطی فرماتے ہیں: اگر حکمتِ الٰہیہ اس کتاب کے لوگوں تک تھوڑا تھوڑا کرکے احوالِ حوادث کے مطابق پہنچنے کا تقاضہ نہ کرتی تو اسے پہلے نازل کی گئی کتابوں کی طرح ایک ہی مرتبہ اتار دیا جاتا، لیکن اللہ نے اس کے اور پہلی کتب سماویہ کے (درمیان کامل نزول پھر Œ فرق کر دیا اور اس کے نزول کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا۔ منزل علیہ (محمد صلی اللہ علیہ وسلم) کے اعزاز واکرام کی بناء پر متفرق طور پر نزول۔

(الاتقان 42)

اور دوسری مرتبہ اس کا نزول آسمان دنیا سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک پر تیئیس سال کے عرصہ میں تھوڑا تھوڑا کرکے ہوا اور یہ مدت بعثت نبوی سے لے کر آپ علیہ السلام کی وفات تک ہے اور اس نزول اور اس کے متفرق طور پر نازل ہونے پر دلیل سورۃ اسراء میں اللہ تعالی کا ارشاد ہے:

اور قرآن میں ہم نے جابجا فصل رکھا، تاکہ آپ اس کو لوگوں کے سامنے ٹھہر ٹھہر) "کرپڑھیں اور ہم نے اس کو تدریجاً اتارا

اور اللہ تعالی کا فرمان سورہ فرقان میں ہے: " اور کافر لوگ یوں کہتے ہیں کہ ان پیغمبر) پر یہ قرآن یکبارگی کیوں نہیں نازل کیا گیا، (جواب یہ ہے)

کہ) اس طرح (تدریجاً) اس لیے (ہم نے نازل کیا) ہے تاکہ ہم اس کے ذریعے سے آپ کے دل کو قوی رکھیں اور (اسی لیے) ہم نے اس کو بہت ٹھہر ٹھہر کر اُتارا ہے"۔

روایات میں آتا ہے کہ یہود اور مشرکین نے قرآن کے متفرق طور پر نازل ہونے کی وجہ سے آپ علیہ السلام کا مذاق اڑایا اور مطالبہ کیا کہ ایک ہی مرتبہ پورا نازل کیا جائے، (یہاں تک کہ) یہود نے آپ علیہ السلام سے کہا: اے ابوالقاسم ! اس قرآن کو ایک ہی مرتبہ کیوں نازل نہیں کیا گیا جیسا کہ موسیٰ (علیہ السلام) پر تورات کو نازل کیا گیا؟ تو اللہ تعالیٰ نے ان کے جواب میں یہ دو آیتیں نازل کیں۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے کتب سماویہ کے ایک ہی مرتبہ پورے نازل ہونے کے اس دعوے میں ان کی تکذیب نہیں کی، بلکہ انہیں قرآن کے متفرق طور پر نازل ہونے کی حکمت کے بیان کے ساتھ جواب دیا اور اگر آسمانی صیحفوں کا نزول متفرق طور پر ہوتا جیسا کہ قرآن کا ہوا تو اللہ تعالیٰ جواب میں ان کی تکذیب فرماتے اور اعلان کرتے کہ ٹکڑے ٹکڑے کرکے نازل کرنا اللہ کی پہلے انبیاء پر نازل کیے گئے صحیفوں میں (بھی عادت رہی ہے) جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے ان پر رد کیا جب انہوں نے آپ علیہ السلام پر طنز اور اعتراض کیا اور کہا (" اس رسول کو کیا ہوا کہ وہ (ہماری طرح) کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے"؟) تو اللہ نے انہیں جواب میں فرمایا: (" اور ہم نے آپ

سے پہلے جتنے پیغمبر بھیجے سب کھانا بھی کھاتے تھے اور بازاروں میں بھی چلتے پھرتے تھے۔" (مناھل العرفان: 46)

قرآن کریم کے قسط وار نازل ہونے کی بڑی بڑی حکمتیں اور متعدد سربستہ راز ہیں، جنہیں اہل علم جانتے ہیں اور اہل جہل ان سے نابلد ہیں، ہم ان کا خلاصہ اور نچوڑ درج ذیل الفاظ میں کر سکتے ہیں:

مشرکین کی تکالیف کے سامنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو مضبوط کرنا اور اطمینان دلانا۔

وحی کے نزول کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مہربانی اور نرمی برتنا۔

احکام سماویہ کی قانون سازی میں بتدریج آگے بڑھنا۔

قرآن کریم کے یاد کرنے اور سمجھنے کو مسلمانوں پر آسان کرنا۔

حادثات وواقعات کے ساتھ چلنا اور ان کے اوقات ہی میں ان پر متنبہ اور آگاہ کرنا۔

قرآن کریم کے سرچشمہ اور اس کے حکیم اور قابل ستائش ہستی کی طرف سے نازل ہونے کو بتانا۔

آیئے! ان چند حکمتوں کی جن کا ہم نے ابھی خلاصہ ذکر کیا ہے تفصیل بیان کرتے ہیں۔
پہلی حکمت (آپ علیہ السلام کے قلب مبارک کو مضبوط کرنا)، آیت کریمہ میں مشرکین کے رد کے ذیل میں اس حکمت کو بیان کیا گیا ہے جب انہوں نے قرآن کے ایک ہی دفعہ پورا نازل ہونے کا مطالبہ کیا جیسا کہ گزشتہ آسمانی کتابیں نازل کی گئیں تھیں تو اللہ نے ان کا جواب دیا اور فرمایا: (کذلک نثبت بہ فؤادک ورتلناہ ترتیلاً) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو مضبوط کرنا اللہ کی طرف سے خصوصی حمایت وتوجہ اور آپ کے دشمنوں کے آپ کو جھٹلانے اور آپ علیہ السلام اور آپ کے ماننے والوں کو سخت تکلیف دینے والوں کے سامنے، اپنے پیغمبر کی تائید تھی۔جب بھی مصیبتیں اور تکالیف پیش آتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی، دعوت کے راستے میں آگے بڑھنے میں آپ کی ہمت کو ابھارنے اور آپ کے قلب مبارک کو مضبوط کرنے کے لیے آیات کریمہ نازل کی جاتیں۔لہذا اللہ تعالی نے اس کے ذریعے آپ کی نگرانی اور حفاظت فرمائی، جو آپ کے مصائب اور دکھوں کو ہلکا کرے، چنانچہ جب بھی تکلیف آپ پر سخت ہو جاتی تو آیات آپ علیہ السلام کی تسلی اور جو (غم) آپ کو لاحق ہوتا اس کو ہلکا کرنے کے لیے نازل ہو جاتیں۔اور یہ تسلی کبھی رسولوں اور نبیوں کے واقعات کو ذکر کرکے دی جاتی تاکہ آپ ان کے صبر اور مجاہدے میں ان کی پیروی کریں، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: " اور بہت سے پیغمبر جو آپ سے پہلے ہوئے ہیں، ان کی بھی تکذیب کی جاچکی ہے سو انہوں نے صبر کیا،ان کی تکذیب کی گئی اور ان کو

ایذائیں پہنچائی گئیں یہاں تک کہ ہماری امداد ان کو پہنچی'' اور اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: تو آپ صبر کیجئے جیسے ہمت والے پیغمبروں نے کیا'' اور اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: '' اور'' آپ اپنے رب کی تجویز پر صبر سے بیٹھے رہیئے کہ آپ ہماری حفاظت میں ہیں''۔اور باری تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات کو بیان کرنے کی حکمت بیان فرمائی ہے، چناں چہ ارشاد پاک ہے: '' اور پیغمبروں کے قصوں میں سے ہم یہ سارے قصے آپ سے بیان کرتے ہیں جن کے ذریعے سے ہم آپ کے دل کو تقویت دیتے ہیں اور ان قصوں میں آپ کے پاس ایسا مضمون پہنچا ہے جو خود بھی راست ہے اور مسلمانوں کے لیے نصیحت ہے اور یاددہانی ہے'' اور تسلی کبھی مدد کے وعدہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تائید سے دی گئی، جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے (اور اللہ آپ کو ایسا غلبہ دے گا جس میں عزت ہی عزت ہو) اور اسی طرح فرمایا: (اور ہمارے خاص بندوں وپیغمبروں کے لیے ہمارا یہ قول پہلے ہی سے مقرر ہو چکا ہے کہ بے شک وہی غالب کئے جاویں گے اور (ہمارا تو قاعدہ ہے کہ) ہمارا ہی لشکر غالب رہتا ہے'') اور کبھی تسلی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کی شکست اور ہارنے کی خبر دے کر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد میں ہے: (عنقریب (ان کی) یہ جماعت شکست کھاوے گی اور پیٹھ پھیر کر بھاگیں گے'') اور ان کا فرمان ہے: ('' آپ ان کفر کرنے والوں سے فرما دیجئے کہ عنقریب تم (مسلمانوں کے ہاتھ سے) مغلوب کئے جاؤگے اور (آخرت (میں) جہنم کی طرف جمع کرکے لیجائے جاؤگے اور وہ (جہنم

ہے۔برا ٹھکانہ'' اس کے علاوہ بھی رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب مبارک کو تسلی دینے اور حوصلہ افزائی کرنے کے طریقوں کے مختلف انداز ہیں۔اس میں کوئی شک نہیں کہ نزول وحی کے متجدد ہونے اور جبرئیل امین علیہ السلام کا ان واضح آیات کو جن میں آپ علیہ السلام کے لیے تسلی، مدد، حمایت اور تائید کا ذکر ہے لے کر بار بار اترنے میں آپ علیہ السلام کی مضبوطیٔ قلب کے لیے دعوت کے تسلسل اور پیغام الٰہی کی تبلیغ کو جاری رکھنے کے واسطے بہت بڑا اثر تھا، کیوں کہ اللہ تعالی ان کے ساتھ ہے اور کیا وہ شخص ناکامی اور اضمحلال محسوس کر سکتا ہے جس کا اللہ کے لطف و کرم نے احاطہ کیا ہو اور اس کی ذات ان کی نگہداشت کرتی ہو؟

دوسری حکمت نزول کے وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نرمی برتنا ہے۔ اور یہ قرآن کی شان وشوکت اور رعب کے سبب تھا جیساکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:
ہم تم پر ایک بھاری کلام ڈالنے کو ہیں (مراد قرآن مجید ہے)۔ پس قرآن (واقعی) اللہ کا معجز کلام ہے۔

وہ جس کا جلال، وقار اور رعب وشان ہے اور یہ وہ کتاب ہے، اگر اسے پہاڑ پر نازل کیا جاتا تو وہ اس کی ہیبت اور جلال کی وجہ سے پھٹ جاتا اور ریزہ ریزہ ہو جاتا جیساکہ فرمانِ الٰہی ہے (اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر نازل کرتے

تو (اے مخاطب) تو اس کو دیکھتا کہ خوفِ خدا سے دب جاتا اور پھٹ جاتا)'' تو پھر کیا حال ہو گا آپ علیہ السلام کے نرم دل کا؟ کیا ان کے لیے تمام قرآن کو وصول کرنا بغیر تاثر کے، اضطراب کے اور قرآن کے رعب وجلال کے ممکن ہے؟

سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نزول قرآن کے وقت کی حالت اور جو وہ قرآن کے اثر کی وجہ سے خوف اور گھبراہٹ محسوس کرتے اس کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ آپ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: اور میں نے سخت سردی کے دن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتے دیکھی ہے (ایسی سردی میں بھی) جب وحی کا سلسلہ ختم ہو جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک پسینہ سے شرابور ہو چکی ہوتی تھی'' اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کی شدت اور بوجھ کی بناء پر ہوتا تھا۔

تیسری حکمت: ''احکام کی قانون سازی میں بتدریج آگے بڑھنا'' اور یہ حکمت ایک ظاہری اور یقینی بات ہے، اس لیے کہ قرآن کریم انسانیت اور بالخصوص عربوں کو حکمت کے ساتھ لے کر چلا، چناں چہ انہیں شرک سے چھڑایا اور ان کے دلوں کو ایمان کی روشنی کے ذریعے زندہ کیا اور ان کے سینوں میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت، دوبارہ اٹھنے اور یوم جزاء پر ایمان کا بیج بویا، پھر انہیں اس مرحلہ یعنی ایمان کے ستونوں کو مضبوط کرنے کے بعد عبادت

کی طرف پھیرا، ہجرت سے پہلے ان سے نماز کا آغاز کروایا، پھر دوسری ہجری میں روزہ اور زکوۃ دونوں کو ملادیا، پھر چھٹی ہجری میں حج کے حکم کے ساتھ (اس مرحلہ کو) مکمل کیا اور اسی طرح موروثی رسم ورواج میں بھی یہی طریقہ اپنایا، پہلے انہیں کبائر سے روکا، پھر صغائر سے کچھ نرمی کے ساتھ منع کیا اور شراب، سود اور جوا وغیرہ جو ان کے دلوں میں جڑیں پکڑ چکے تھے، قرآن نے انتہائی حکمت کے ساتھ آہستہ آہستہ اسے حرام کیا، اس طرح قرآن کریم کے لیے شر وفساد کو بالکل جڑ سے اکھاڑنا ممکن ہوا۔ ہم ایک مثال اس دانش مندانہ قانون سازی پر ذکر کرتے ہیں، جس کے اختیار کرنے میں قرآن کریم کو کامیابی حاصل ہوئی، اجتماعی بیماریوں کے علاج کرنے میں شراب کی تحریم ہے جو عربوں میں ایک عام اور سنگین بیماری تھی اسے مٹانا اور ختم کرنا اسلام کے لیے کیسے ممکن ہوا؟

قرآن کریم نے اس کی تحریم کا نصاب چار مراحل میں مرتب کیا، جیسا کہ سود کے حرام کرنے میں طریقہ اپنایا گیا۔ پہلے قرآن نے اس سے بالواسطہ نفرت دلائی اور اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان اترا: '' ومن ثمرات النخیل والاعناب تتخذون منہ سکراًورزقاً حسناً'' اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم لوگ نشہ کی چیز اور عمدہ کھانے کی چیزیں بناتے ہو''۔ سو اللہ نے بتایا کہ اس نے ان دو درختوں (کھجور اور انگور) سے لوگوں پر انعام کیا کہ وہ ان دونوں سے مُسکر یعنی

نشہ آور شراب اور رزق حسن یعنی وہ ماکولات ومشروبات جن سے لوگ نفع پاتے ہیں، حاصل کرتے ہیں۔ اللہ نے دوسری شئ کی مدح بیان کی اور کہا کہ وہ رزق حسن ہے اور پہلے کے بارے میں بتایا کہ وہ سکر ہے یعنی ایسی چیز ہے جو نشہ آور اور انسان کی عقل کو خراب کرنے والی ہے اور اسی تبائن کے بیان سے ہر عقل مند شخص کے سامنے دونوں چیزوں کے درمیان ایک بڑی خلیج ظاہر ہو جاتی ہے۔

دوسرا مرحلہ: بلاواسطہ دو چیزوں کے درمیان عملی ملاپ کے ذریعے نفرت دلائی گئی: ایک چیز جس میں معمولی دنیوی فائدہ ہے اور ایک شئ جس میں جسم، صحت اور عقل کا بہت بڑا نقصان ہے اور اس میں ان عظیم نقصانات کے ساتھ ساتھ مزید انسان کا گناہ کبیرہ میں پڑ کر ہلاک ہونا ہے، اللہ کے اس ارشاد کو غور سے سنئے! (لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں۔ آپ فرمادیجئے کہ ان دونوں (کے استعمال) میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی ہیں اور لوگوں کو (بعضے) فائدے بھی ہیں اور (وہ) گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں۔ آیت میں منافع سے مراد: وہ مادی منافع ہیں جو عرب لوگ شراب فروشی اور اس کی تجارت سے حاصل کرتے تھے اور تجارت نفع بخش رہتی جیسا کہ وہ قمار اور جوے کے ذریعے نفع کماتے، اور قرآن نے اس آیت میں شراب اور جوئے کو جمع کیا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جوئے میں نفع صرف مادی اور دنیوی تھا کہ بعض جوئے باز اس سے نفع پاتے اور یہی بات شراب میں بھی تھی۔ علامہ قرطبی

رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اللہ کے ارشاد: (ومنافع للناس) کی تفسیر کے ذیل میں ذکر کیا ہے کہ '' شراب میں تجارت کا نفع تھا، اس لیے کہ وہ لوگ شراب کو شام سے سستے داموں لے کر آتے اور پھر حجاز میں اسے نفع کے ساتھ بیچتے'' اور یہ قول شراب کے نفع کے بارے میں سب سے صحیح ہے۔ اور ان دو چیزوں کے درمیان موازنہ سے ظاہر ہوا کہ اسلام نے شراب سے اس کے عظیم جسمانی نقصانات بیان کرکے نفرت دلائی، لیکن اسے حرام نہیں کیا۔ اس آیت کے سبب نزول کے متعلق منقول ہے:

مسلمانوں کی ایک جماعت جس میں عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ بھی تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! ہمیں شراب کے حکم کے بارے میں بتایئے؟ کیوں کہ وہ عقل کو لے جانے والی، مال کو ضائع کرنے والی، جسم کو کمزور ولاغر کرنے والی ہے؟ تو اللہ نے یہ آیت (یسئلونک عن الخمر والمیسر...... الخ) نازل کی۔

تیسرا مرحلہ: اللہ کے فرمان (اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو'' کے نازل ہونے سے شراب حرام ہو گئی، لیکن یہ تحریم جزئی تھی، اللہ نے ان پر شراب کو صرف نماز کے وقت حرام کر دیا، تاکہ وہ نشہ میں مدہوش نہ ہوں اور نماز کے اوقات میں بیدار رہیں، مسلمان رات کو اور نماز کے اوقات کے علاوہ شراب پیتے تھے۔

چوتھا مرحلہ: اس آخری مرحلہ میں جب اللہ کا ارشاد" اے (ایمان والو! بات یہی ہے کہ شراب، جوا، بت وغیرہ اور قرعہ اندازی کے تیر یہ سب گندی باتیں اور شیطانی کام ہیں، سوان سے بالکل الگ رہو تاکہ تم کو فلاح حاصل ہو۔ شیطان تو یوں چاہتا ہے کہ شراب اور جوئے کے ذریعے تمہارے درمیان عداوت اور بغض ڈال دےاوراللہ تعالی کی یاد سے اور نماز سے تم کو باز رکھے، سو اب باز آؤگے؟نازل ہوا تو یہ تحریم کلی، قطعی اور مانع ہو گئی۔ اس طرح بتدریج شراب مکمل طور پر حرام ہوئی، اس میں ایک عظیم الشان حکمت تھی جسے اسلام نے ان اجتماعی بیماریوں کے علاج کے لیے اختیار کیا۔

علامہ زرقانی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب "مناہل العرفان" میں صراحت کے ساتھ ذکر کیا ہے: " اسلام نے ان چیزوں کو جوان کے دلوں میں جڑیں پکڑ چکی تھیں جیسے شراب نوشی انتہائی حکمت کے ساتھ بتدریج حرام کی (جس کے نتیجہ میں) اسلام کی مراد برآئی آخر کار شراب نوشی کے بھوت سے انہیں نجات دلائی، اسلام اس شان دار پالیسی کے، اپنانے میں انتہائی دور اندیش سیدھے راستہ پر گامزن قانون سازی میں کام یاب اور سیاست میں فائدہ مند ثابت ہوا، ان متمدن اور مہذب قوموں کے مقابلہ میں جو اپنی عوام پر شراب کی پابندی میں بری طرح ناکام ہوئی ہیں اور انہیں شکست کے سخت کڑوے گھونٹ پینا پڑے ہیں امریکا کا

شراب پر پابندی کا غیر سنجیدہ انداز زیادہ دور کی بات نہیں۔ کیا یہ (شراب کا حرام کرنا) قوموں کی سیاست اور جماعتوں کے سنوارنے میں اسلام کا معجزہ نہیں!

چوتھی حکمت: " قرآن کریم کے حفظ کرنے، سمجھنے اور اس میں غور و فکر کرنے کو مسلمانوں کے لیے سہل اور آسان بنا دینا " ہے۔ عرب امی تھے یعنی پڑھنا اور لکھنا نہیں جانتے تھے اور قرآن کریم نے ان کے متعلق امی ہونے کو اللہ کے فرمان: " وہی ہے جس نے (عرب کے) ناخواندہ لوگوں میں ان ہی (کی قوم) میں سے (یعنی عرب میں سے) ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں) میں محفوظ کر دیا ہے۔ اسی طرح آپ علیہ السلام بھی امی تھے، ارشاد پاک ہے: (الذین یتبعون الرسول النبی الامی......) " جو لوگ رسول نبی امی کا اتباع کرتے ہیں..... " پس اللہ کی حکمت متقاضی تھی کہ ان پر اپنی بزرگ و برتر کتاب کو بتدریج نازل کیا جائے، تاکہ مسلمانوں کیلیۓ اس کا یاد کرنا آسان اور سہل ہو کیوں کہ وہ لوگ اپنے حافظہ پر اعتماد کرتے تھے۔ پس ان کے سینے ان کے صحیفے ہوتے تھے، جیسا کہ امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں وارد ہوا ہے۔ اور کاتبوں کے کمیاب ہونے کے ساتھ ساتھ کتابت کے آلات بھی انہیں میسر نہ تھے، اگر قرآن ایک ہی مرتبہ اتار دیا جاتا تو وہ اس کے یاد کرنے سے عاجز آجاتے نیز اس میں غور و فکر کرنے اور سمجھنے میں بھی بے بس ہو جاتے۔

پانچویں حکمت: '' حادثات اور واقعات کے ساتھ چلنا اور ان کے وقوع پذیر ہونے کے زمانے میں ان کی غلطیوں پر آگاہ کرنا '' اس لیے کہ یہ نفس انسانی میں زیادہ مؤثر اور اس سے عبرت اور نصیحت حاصل کرنے میں بطور درس عملی زیادہ داعی ہے۔ پس جب بھی کوئی نیا معاملہ پیش آتا تو اس کے موافق قرآن کی آیات اتر جاتیں اور جب بھی اصلاح کی ضرورت ہوتی تو قرآن نازل ہو جاتا جو انہیں بتاتا اور آگاہ کرتا کہ کس چیز سے بچنا مناسب اور کس کام کا طلب کرنا ضروری ہے، ان کی نشاندہی کرتا اور ان پر متنبہ کرتا۔ آپ غزوہ حنین کی مثال لے لیجئے! (اس غزوہ میں مسلمانوں کی کثرت کی وجہ سے) مسلمانوں کے دلوں میں کچھ بڑائی کا خیال آگیا اور جب انہوں نے دیکھا کہ ان کی تعداد مشرکین سے زیادہ ہے تو بڑائی والی باتیں کرنے لگے، اس وقت ان میں عُجب پیدا ہوا، انہوں نے کہا: کہ آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہیں ہوں گے نتیجۃً انہوں نے میدان جنگ سے پیٹھ پھیر لی اور شکست وہزیمت سے دو چار ہوئے، اسی بارے میں قرآن کریم کا ارشاد ہے: '' (تم کو بہت سے مواقع میں غلبہ دیا) اور حنین کے دن بھی جب کہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت کی وجہ سے غرور ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کام نہ آئی اور تم پر زمین باوجود اپنی فراخی کے تنگ ہو گئی پھر (آخر کار) تم پیٹھ دے کر بھاگ کھڑے ہوئے ''۔ اگر قرآن ایک ہی مرتبہ پورا نازل ہو جاتا تو اصلاح پر اس کے وقت میں تنبیہ ممکن نہ ہوتی، اس لیے کہ مؤمنین اور

ان کے عجب کے متعلق آیات کے نزول کا تصور کیسے ممکن ہو سکتا ہے جبکہ غزوہ یا وہ واقعہ ابھی تک رونما نہ ہوا ہو۔ یہی حال جنگ بدر کے قیدیوں سے فدیہ لینے کے متعلق بھی ہے کہ ان کے بارے میں بہترین آسمانی نصیحت اتری: (وماکان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض..........). " نبی کی شان کے لائق نہیں، کہ ان کے قیدی باقی رہیں (بلکہ قتل کر دیئے جائیں) جب تک کہ وہ زمین میں اچھی طرح (کفار کی) خونریزی نہ کریں"۔

چھٹی حکمت: " قرآن کریم کے سرچشمہ اور اس کے حکیم اور قابل ستائش ہستی کی طرف سے نازل ہونے کے متعلق بتانا" اس جلیل القدر حکمت کے متعلق علامہ محمد عبدالعظیم الزرقانی نے جو عمدہ اور شاندار کلام اپنی کتاب " مناھل العرفان" میں کیا ہے اس کا نقل کرنا ہمارے لیے انتہائی مناسب ہے۔" (قرآن کے متفرق طور پر نازل ہونے کی حکمت) قرآن کے مأخذ اور اس کا صرف اللہ تعالی کے کلام ہونے کے متعلق بتاتا ہے اور اس کا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اس کے علاوہ مخلوق میں سے کسی کا کلام ہونا ممکن نہیں اور اس کی تفصیل یہ ہے کہ: ہم قرآن کریم کو شروع سے آخر تک پڑھتے ہیں، تو وہ مستحکم ترتیب، دقیق بناوٹ، قوی اسلوب، مضبوط ربط، اپنی سورتوں، آیتوں اور جملوں میں ایک دوسرے کے ساتھ (دلچسپ) ملاپ میں (نظر آتا) ہے الف سے یاء تک مکمل قرآن میں اعجاز رواں ہے، گویا کہ وہ ایک ہی سانچے میں ڈھلا ہوا ہے اس کے اجزاء

کے درمیان پھوٹ اور رخنہ ممکن نہیں، گویا وہ یکتا لڑی اور منفرد ہار ہے جو آنکھوں کی بینائی اچک لیتا ہے، اس کے حروف اور کلمات منظم اور اس کے جملے اور آیتیں مربوط ہیں اور یہاں ہم پوچھتے ہیں کہ: قرآن کی یہ معجز تالیف کیسے پوری ہوئی؟ اور یہ حیرت انگیز یکسانیت کیوں کر ممکن ہوئی؟ حالاں کہ وہ ایک ساتھ پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ بیس سال سے زائد عرصہ میں واقعات اور حوادث کے متفرق ہونے کی وجہ سے علیحدہ علیحدہ اور متفرق طور پر نازل ہوا؟

جواب یہ ہے کہ ہم یہاں اعجاز کے رازوں میں سے ایک نیا راز دیکھتے ہیں اور ربوبیت کی نشانیوں میں سے ایک نادر نشانی کا مشاہدہ کرتے ہیں اور قرآن کے ماخذ اور جزاوسزا کے مالک اور اکیلے اللہ کے کلام ہونے پر روشن دلیل پڑھتے ہیں: (اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یہ لوگ اس میں بکثرت تفاوت پاتے) اور اگر یہ بات نہیں تو خدارا مجھے بتایئے کہ آپ میں اتنی سکت ہے؟ یا تمام مخلوق میں اتنی استطاعت ہے کہ وہ ایک ایسی کتاب لے کر آجائے جو (باہمی) ربط و تعلق میں مضبوط، آراستگی اور ترتیب میں قوی، ابتداء اور اختتام میں متناسب ہو: نیز وہ تألیف میں ایسے خارجی عوامل واسباب کے ماتحت وپابند ہو جو انسان کی قدرت سے باہر ہوتے ہیں اور وہ زمانہ کے واقعات اور حوادث ہیں، جن کے مطابق اس کتاب کا ہر جز نازل ہوتا اور ان کے متعلق بتاتا ہے اور ان کے یکے بعد دیگرے اسباب اور پے در پے دواعی و عوامل کی خبر دیتا

ہے، باجود اس اختلاف کے جوان عوامل کے درمیان اور اس تغایر کے جواُن اسباب کے درمیان پایا جاتا ہے۔ نیز باوجود اس کتاب کی تالیف کے وقفے اور قرآن ہی کے اجزاء کی مدت کے بیس سال سے زیادہ طویل ہونے کے۔اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ انفصال زمانی اوران دواعی کے درمیان وہ قابل توجہ اختلاف عام طورپر رخنہ اورپھوٹ کو مستلزم ہوتے ہیں اور یہ دونوں اس کلام کے اجزاء کے درمیان کوئی ربط واتصال کا راستہ نہیں چھوڑتے۔ قرآن کریم نے اس پہلو سے بھی عادت کو توڑ ڈالا، جدا جدا، قسطوں میں نازل ہوتا رہالیکن اس کی تکمیل ایک مضبوط ومربوط کلام کی صورت میں ہوئی، کیا یہ روشن دلیل نہیں ہے کہ یہ قوتوں اور قدرتوں کے پیدا کرنے والے، اسباب کے مالک، مخلوق وکائنات کے منتظم، زمین وآسمان کے محافظ، ماضی ومستقبل پر علم رکھنے والے اور زمانہ اور اس میں رونما ہونے والے واقعات سے باخبر ذات کا کلام ہے؟

یہ بھی سمجھ لیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی ایک آیت یا چند آیتیں نازل ہوتیں توآپ علیہ السلام فرماتے کہ ”اسے فلاں سورت میں فلاں مقام پر رکھ دو“ اور وہ انسان تھے طبعی طور پر وہ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ ایام کیا لے کر آتے ہیں ؟اور وہ نہیں جانتے تھے کہ زمانہ مستقبل میں کیا ہوگا؟کیا حوادث وواقعات رونما ہوں گے ؟ چہ جائیکہ انہیں ان واقعات کے متعلق کہ اللہ کیانازل کرے گا،اس کا علم ہو اور اسی طرح ایک لمبی عمر گزر

گئی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسی حالت پر رہے جبرئیل امین علیہ السلام ان کے پاس قرآن تھوڑا تھوڑا لاتے رہے، حتی کہ اس لمبی عمر کے بعد پورا قرآن مکمل وتمام ہوا اور وہ منظوم ومربوط، متناسب اور ملا ہوا اور اس میں تھوڑا سا بھی رخنہ اور تفاوت نہ تھا، بلکہ اس نے تمام مخلوق کو اپنی ہم آہنگی، یکسانیت اور تال میل کی وجہ سے عاجز کر دیا: ''یہ (قرآن) ایک ایسی کتاب ہے کہ اس کی آیتیں (دلائل سے) محکم کی گئی ہیں، پھر (اس کے ساتھ) صاف صاف (بھی) بیان کی گئی ہیں (وہ کتاب ایسی ہے کہ) ایک حکیم باخبر (یعنی اللہ تعالیٰ) کی طرف سے (ہے)'' جب آپ سمجھ لوگے کہ اس طرح کی ترتیب ویکسانیت کی کوشش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام میں اور نہ ہی فصیح وبلیغ لوگوں کے کلام میں اس اسلوب وانداز پر جس پر قرآن نازل کیا گیا ہے یا اس اسلوب کے قریب ہونا ہرگز ممکن نہیں ہے، تو آپ پر اس اعجاز کا راز منکشف ہو جائے گا،مثال کے طور پر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال کو لے لیجئے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف مواقع میں متبائن اسباب کی وجہ سے طویل عرصہ میں صادر ہوئے اور جو اپنی شان وشوکت، فصاحت، نکھار اور بلندی میں ہونے کے باوجود کیا آپ اور پوری انسانیت مل کر اتنی استطاعت رکھتی ہے کہ اس ٹکڑوں میں بٹے ہوئے کلام اور بیان کو اس میں نقصان وزیادتی اور تصرف کے بغیر ایک ایسی کتاب میں مرتب کرسکیں جو تسہیل اور ہم آہنگی سے آراستہ ہو؟ یہ ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ ہی ایسا ہونا ممکن ہے۔ اور جو اس کا

ارادہ کرے گا تو یقیناً ایک لایعنی اور عبث کام کرے گا اور لوگوں کے لیے پیوندزدہ لباس اور ایسا من گھڑت کلام لائے گا جو باہم ربط ویکسانیت میں معیوب اور وحدت و تسہیل میں ناپید اور کانوں اور ذہنوں پر ناگوار ہوگا۔ تو معلوم ہوا کہ قرآن پاک کا قسط وار نازل ہونا دلالت کرتا ہے کہ وہ تنہا اللہ کا کلام ہے۔ اور وہ جلیل القدر حکمت ہے جو قرآن کے منبع کے بارے میں مخلوق کی صحیح راستہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے!! "آپ کہہ دیجئے کہ اس (قرآن) کو تو اس ذات نے اتارا ہے جس کو سب چھپی باتوں کی خواہ وہ آسمانوں میں ہوں یا زمین میں خبر ہے، واقعی اللہ تعالیٰ غفور رحیم ہے"۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو کیسے حاصل کیا؟ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو امین الوحی جبرئیل علیہ السلام کے توسط سے حاصل کیا اور جبرئیل علیہ السلام نے اسے رب العزت (جل جلالہ) سے حاصل کیا اور جبرئیل امین علیہ السلام کا اللہ کے کلام کو پہنچانے اور اسے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف وحی کرنے کے سوا کوئی دوسرا کام نہ تھا۔ پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب کو اپنے آخری نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم) پر امین الوحی جبرئیل علیہ السلام کے ذریعے نازل کیا، اور) جبرئیل علیہ السلام نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی تعلیم دی، رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنی امت تک پہنچایا اور اللہ نے جبرئیل کے متعلق فرمایا کہ وہ وحی کے متعلق

امین ہے اور اسے (رسول علیہ السلام تک) پہنچاتا ہے جیسا کہ اس نے اللہ سے سنا ہے: ''واقعی یہ قرآن (اللہ کا) کلام ہے۔ایک معزز فرشتہ (یعنی جبرئیل علیہ السلام) کالایا ہوا۔جو قوت والا ہے(اور) مالکِ عرش کے نزدیک ذی رتبہ ہے(اور) وہاں یعنی آسمانوں میں) اس کا کہنا مانا جاتا ہے''۔اللہ نے یہ بھی فرمایا: '' اس کو) امانتدار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ کے قلب پر صاف عربی زبان میں تاکہ آپ بھی منجملہ) ڈرانے والوں کے ہوں''۔ بہر حال قرآن کی حقیقت یہ ہے کہ وہ رب) العالمین کا نازل کردہ کلام ہے، جیسا کہ اللہ کا فرمان ہے'' اور آپ کو بالیقین ایک بڑی حکمت والے ،علم والے کی جانب سے قرآن دیا جارہا ہے'' ۔آپ علیہ السلام نزول قرآن کے وقت بہت سختی برداشت کرتے ،اپنے آپ کو قرآن کے یاد کرنے کے لیے مشقت میں ڈالتے اور جبرئیل علیہ السلام جب ان پر قرآن پڑھتے تو وہ ان کے ساتھ ساتھ دہراتے رہتے تاکہ بھول نہ جائیں یا اس میں سے کچھ ضائع نہ ہو جائے،تو اللہ نے انہیں جبرئیل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت خاموش رہنے اور غور سے سننے کا حکم دیا اور انہیں اطمینان دلایا کہ وہ اس قرآن کو آپ کے سینے میں خود ہی محفوظ کر دیں گے ،آپ اس بارے میں جلدی نہ کریں اور اپنے نفس کو اس کے وصول کرنے میں مشقت میں نہ ڈالیں : ''اور قرآن (پڑھنے) میں قبل اس کے کہ آپ پر اس کی وحی پوری نازل ہو چکے، عجلت نہ کیا کیجئے اور آپ یہ دعا کیجئے کہ اے میرے رب میرا علم بڑھا دیجئے'' اور رہا یہ کہ اللہ نے آپ علیہ السلام کو یاد کروانے کی ذمہ

داری اپنے اوپر لی، تو اس کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے: ” (اور) اے پیغمبر آپ (قبل وحی کے ختم ہو چکنے کے) قرآن پر اپنی زبان نہ ہلایا کیجئے تاکہ آپ اس کو جلدی جلدی لیں (کیوں کہ) ہمارے ذمہ ہے (آپ کے قلب میں) اس کا جمع کر دینا (اور آپ کی زبان سے) اس کا پڑھوا دینا۔ (اگر یہ ہمارے ذمہ ہے) تو جب ہم اس کو پڑھنے لگا کریں یعنی ہمارا فرشتہ پڑھنے لگا کرے) تو آپ اس کے تابع ہو جایا کیجیئے پھر اس کا بیان) کرا دینا (بھی) ہمارا ذمہ ہے“۔ اور جبرئیل علیہ السلام ماہِ رمضان میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ قرآن کا دور کرتے، پس جبرئیل علیہ السلام نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے اور ان سے قرآن سنتے، تو رسول علیہ السلام ان کے سامنے قرآن سنتے اور وہ سناتے اور (پھر) جبرئیل علیہ السلام پڑھتے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم سنتے اور اسی طرح جبرئیل علیہ السلام ہر رمضان میں جو قرآن میں سے نازل ہو چکا ہوتا ایک مرتبہ آپ علیہ السلام کے ساتھ اس کا دور کرتے اور آپ علیہ السلام کی وفات سے پہلے جبرئیل علیہ السلام رمضان میں دو مرتبہ (خلافِ معمول) آئے اور آپ علیہ السلام سے قرآن کا دور ومذاکرہ کیا، یہاں تک کہ آپ علیہ السلام نے جبرئیل کے (اس مرتبہ) دوبار نازل ہونے کی وجہ سے اپنے انتقال کے قریب آنے کو محسوس کر لیا تھا اور عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: ” جبرئیل مجھ پر رمضان میں اترتے اور ایک مرتبہ مجھ سے قرآن کا دور کرتے اور اس سال وہ دو مرتبہ آئے ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ میرے انتقال کا وقت قریب آ چکا

ہے"۔اور یہی ہوا اور اسی سال آپ علیہ السلام اپنے رب کے جوارِ رحمت کی طرف کوچ کر گئے اور وحی کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

صلیٰ اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم۔

ملّا عمر کب مرے ہیں؟

بیسویں صدی کے غروب کی آخری سانسوں اور اکیسویں صدی کے طلوع کی ابتدائی انگڑائیوں پر مشتمل پندرہ بیس برسوں کی تاریخ کو اگر آج اٹھا کر پڑھا جائے، تو اب اور جب کے مابین کوئی نسبت ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتی۔ اُس وقت جبر واستبداد اور اس سے برسرِپیکار قوتوں کا ایک اور طرح سے تذکرہ کیا جاتا اور جائزہ لیا جاتا تھا، اور ارضِ افغان کے غیور سپوتوں کے تاریخی اور روایتی کردار کو دینی حلقوں اور آزادی کی تحریکات کے لئے تو بہر حال مشعلِ راہ کے طور پر پیش کیا جاتا تھا۔
مگر پھر رفتہ رفتہ' نائن الیون' سے دنیا کا نقشہ بدلنے کا خواب دیکھنے والوں نے اپنے خواب کو حقیقت بنانے میں بڑی حد تک کامیابی حاصل کر ہی لی، انقلابات اور مزاحمتوں کے نام نہاد ہیروز چند لمحوں میں دھڑام سے زیرو پوائنٹ پر آ گرے، اور استعمار کے ایوانوں میں لرزہ پیدا کرنے کے بلند بانگ دعوے دار بادِ مخالف کے دو چار ہلکے سے جھونکوں سے زمین بوس ہونے لگے۔
آہن و آھنگ کے ذریعے زمین پر خدائی جمانے والوں کے ناقابل شکست ہونے کے ثبوت اور وجوہ گنوانے میں سب سے پیش پیش وہی نکلے جو کل تک ان کی شکست وریخت کی

پیش گوئیاں کرتے نہ تھکتے تھے، جبکہ سامراجی ھیبت سے مبہوت یا مغرب کے جعلی خدوخال کی بلائیں لینے والے بزدل تو اول و آخر استعمار کے سامنے سجدہ ریز تھے اور اسی کو بچاؤ کا واحد راستہ سمجھتے تھے۔

افغان سرزمین کے غیور سپوت مگر کسی کروفر سے مرعوب ہونے والے نہ تھے، انہوں نے ان سخت ترین حالات کو ہمت و استقامت سے جھیلنے اور اپنوں پرایوں کی کوئی ترغیب وترھیب ان کے پائے استقامت کو ڈگمگا نہ سکی، پختون میزبان اور عرب مہمان نے نصرت وہجرت کی مصطفوی تاریخ دوہرانے کی ٹھانی تھی اور پندرہ سال کی تاریخ میں پندرہ صدیوں کی ایمانی اور جہادی ہسٹری کا مکھن تاریخِ انسانی کی میز پر رکھ کر تاریخِ عزیمت کی تجدید کیلئے جاں جانِ آفریں کے سپرد کردی، اسامہ کی طرح اب عمر بھی اس جہاں میں نہیں رہے مگر سامراج اور اسکے ایجنٹوں کو یہ حقیقت کبھی بھی فراموش نہیں کرنی چاہیئے، کہ غاروں میں بسیرا کرنے والے جن شیروں کے نحیف وضعیف جسموں نے امتِ جہاد کو پندرہ برس تک علَمِ جہاد بلند کرنے کا حوصلہ دیا، وہ اب قبروں میں لیٹ کر بھی صدیوں تک خونِ مسلم میں ایمانی حرارت پیدا کرتے رہیں گے، سوچیئے ضرور، کہ سوچنے سے سمجھ کے بند دریچے کھلتے ہیں۔

مؤرخ کا کام ہوتا ہے احوالِ واقعی کو ضبط کرنا اور مبصر کا فرض ہوتا ہے

ماضی کے حالات وواقعات کا ایسا تجزیہ جس سے مستقبل میں درست راہِ عمل کے تعین میں مدد ملے۔ نقطۂ نظر کا اختلاف انسانی سوسائٹی کا حسن ہے مگر اس کو خوش اسلوبی کی بجائے بد سلوکی سے نمٹانا عالم انسانی کا المیہ ہے۔ ضروری نہیں ہے کہ ان سطور کا کاتب اپنے جذبات وآرا میں صائب ہو، مگر یہ بہر حال ایک حقیقت ہے کہ ملت اسلام کو پائے رعونت سے مسلنے کا خواب دیکھنے والے بس خوابوں ہی کی دنیا میں رہ رہے ہیں اور حق وحقیقت سے وہ آج بھی اتنے ہی دور ہیں جتنے وہ جبر کا آغاز کرنے کے پہلے روز تھے۔ میری پاک دھرتی کے رکھوالے مجھے بہت عزیز ہیں اور میں ان کی آبرو کو کوئی بھی گزند پہنچنے کا قطعاً متحمل نہیں ہوں۔ عالمی سیاست کی باگ ڈور جن کے ہاتھ میں ہے اور ملکی سیاست کے سیاہ وسفید کے جو مالک ہیں ان سب کی نیت شک وشبہے سے بالاتر قرار دی جاسکتی ہے مگر ان کی حکمتِ عملی میں کھلا تضاد اور صاف ناکامی عیاں ہے۔ چشم بینا ہو تو کھلے بندوں اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ سو عرض ہے کہ حقیقی طالبان آج بھی ایک حقیقت ہیں اور ان کے وجود وکردار کے بارے میں کوئی غلط اندازہ مستقبل میں مزید المیوں کو جنم لے سکتا ہے لہٰذا ان کی قدرت وحقیقت کا صحیح اندازہ لگایا جائے اور ان کے جائز وجود کو جائز حد تک تسلیم کر لیا جائے اور ان کے ساتھ بقائے باہمی کی بنیاد پر از سر نو مناسب تعلقات استوار کئے جائیں اور قلندر کے یہ الفاظ اپنے پلو میں باندھ رکھیئے کہ ملا عمر کی موت سے آپ کو کوئی فائدہ پہنچنے کی ذرہ بھی امید نہیں۔ وہ آج بھی زندہ

ہیں اور زندہ رہیں گے کیوں کہ ملا عمر اب ایک فرد نہیں بلکہ مزاحمت کی علامت کے طور
پر ہر دل میں زندہ رہیں گے۔

طالوت جالوت کا، ابراہیم نمرود کا، موسیٰ فرعون کا، محمد قیصر و کسریٰ کا، فاروق روم
و فارس کا، ایوبی صلیبیوں کا، شامل روسیوں کا، عمر المختار اٹالین کا، ٹیپو انگریزوں کا اور
بن لادن و عمرِ ثالث امریکیوں کا کیا ہر فرعونِ زمان کا آج بھی پیچھا کر رہے ہیں اور تا
قیامت یہ سب اپنے اپنے کردار سے زندہ رہ کر اپنے ماننے والوں کو اِس حوالے سے تازہ
بتازہ ولولہ فراہم کرتے رہینگے۔

کوئی مانے یا نہ مانے ،ملّا عمر اسلامی و عالمی تاریخ کے عمرِ ثالث ہی ہیں، عِنادی مخالفین تو
عمر بن خطابؓ اور عمر بن عبد العزیزؒ کے بھی روزِ اول سے امروز تک کچھ نہ کچھ پائے
جاتے ہیں، مگر جیسے اُن کی مخالفت اپنے ہی منہ پر تھوک ہے، اسی طرح تعصب کی عینک
لگا کر بلاوجہ عمرِ ثالث کی مخالفتیں بھی اپنے ہی منہ پر تھوک ثابت ہوں گی، افغانستان،
جہاد و مجاہدین، طالبان، القاعدہ، حکمرانی، مزاحمت، نیٹو، خلافت
و امارت، پختون، مدارس، حتیٰ کہ امریکہ و یورپی یونین تک کی تاریخیں اب ملّا عمر کے
تذکرے کے بغیر ناقص اور ادھوری رہیں گی، وہ کچھ اس ادا سے اپنی حیاتِ

مستعار گذار گئے ہیں کہ اب وہ کبھی بھی نہیں مریں گے، کیونکہ دنیا کی تارخ میں ایسی شخصیت کہاں جو مشرق و مغرب اور شمال و جنوب کے اپنے اور پرایے تمام فرعونانِ وقت کا مطلوب ہو، کروڑوں ڈالروں میں اُن کے سر کی قیمتیں لگی ہوں، تیز ترین،برق رفتار اور نہایت ترقی یافتہ ٹیکنالوجی اُن کی کھوج میں ہو، پھر بھی وہ ناکام اور یہ اپنی موت تک کامیابی سے اپنی راہ پر مستقل مزاجی کے ساتھ اور کسی کو خاطر میں لائے بغیر گامزن ہو، گویا پوری دنیا کے لاؤ و لشکر میدانِ کارزار میں جنہیں جھکا نہیں سکے اور وہ اپنے مقررہ طبعی موت کے عین مطابق داعیٔ اجل کو لبیک کہتے ہوئے رخصت ہوئے، تو ما و شما جیسے قلمکار، رپورٹر و کالم نگار اور مؤرخ اُنکی تعریفیں کرکے انہیں کیا دے سکتے ہیں، یا تنقید کرکے اُن کا کیا بال بیکا کرلینگے ! کیا خوب کہا ہے :

ہر گز نمیرد ہرکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوامِ ما

خود احتسابی کی ضرورت

خود کو زیادہ سے زیادہ صالح، مفید اور کامیاب بنانے کے لیے کیا خود احتسابی سے بہتر کوئی نسخہ ہے ؟یقیناً نہیں ! یہ دنیا مکافاتِ عمل کی ہے یہاں کسی بھی انسان کا کوئی بھی عمل ایسا نہیں ہوتا جس پر قدرت اور معاشرے کی طرف سے اچھا یا برا رد عمل ظاہر نہیں ہوتا، مکافات سے بچنے کی قدرت کے قانون میں کوئی گنجائش ہے اور نہ فطرت کے اصولوں میں اس کے لیے کوئی رعایت ہے جو کوئی اسے نہیں مانتا وہ محض خود فریبی کا شکار ہوتا ہے اور اسے جلد یا بدیر اپنی غلط فہمی کا احساس ہو جاتا ہے مگر جب تک پانی سر سے گزر چکا ہوتا ہے اور حساب کا عمل شروع ہو چکا ہوتا ہے۔ کامیابی کی راہ پر گامزن اور درست طریق کار کے دعویدار اگر خود احتسابی کے عمل سے استغنا اور لاپرواہی برتتا ہے اور اسے صرف بھٹکے ہوؤں کا علاج قرار دیتا ہے تو یہ ایک مضحکہ خیز مفروضے سے زیادہ کچھ نہیں ہے اور دنیا مفروضوں اور خوش گمانیوں پر نہیں تلخ حقائق پر قائم ہے۔ ہم جب دینی تعلیم کے ماضی، حال اور مستقبل کا اس تناظر میں جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کو بھی مختلف ادوار واطوار سے سابقہ پڑا ہے،۔برصغیر پاک وہند کے دینی مدارس کی موجودہ شکل جو زیادہ پرانی نہیں ہے ان کی ابتداء ہندوستان میں فرنگی عہد حکومت میں وجود میں آنے والے دارالعلوم دیوبند سے

ہوا ہے یہ 1857 کی جنگ آزادی کے ٹھیک دس سال بعد کی بات ہے، اس مدرسے میں ایک عبوری نصاب تعلیم مقرر کیا گیا جو درس نظامی کہلاتا ہے اور اس وقت شاید اس سے بہتر نظام ممکن بھی نہ تھا چنانچہ ہندوستان کی تاریخ کے بڑے بڑے علماء اور مفکرین دینی و سیاسی قائدین اس نصاب و نظام تعلیم نے پیدا کیے، ان عظیم شخصیات اور نابغۂ روزگار علماء کے مجاہدانہ کردار اور مخلصانہ تعلیمی و تربیتی خدمات نے پورے خطے پر گہرے اثرات مرتب کر دیے اور دینی تعلیم کا یہ سلسلہ مزید پھیلا اور اس طرز تعلیم نے خوب قبولیت اور پذیرائی حاصل کر لی اور آج صرف ڈیڑھ صدی بعد ایشیا میں دارالعلوم دیوبند طرز کے مدارس کی تعداد اتنی بڑھ گئی ہیں کہ کوئی قابل ذکر شہر اور دیہات ان سے خالی نہیں ۔ان مدارس نے معاشرے پر گہرے مثبت اثرات ڈالے ہیں اور سوسائٹی کو اسلامی اصول اور مذہبی رجحانات سے روشناس کرایا۔ برصغیر کے ان دینی مدارس کی بلاشبہہ ایک وسیع تاریخ ہے ۔انہی مدارس نے بیش بہا تعلیمی ،تربیتی تبلیغی اور سیاسی خدمات انجام دی ہیں، مختلف اسلامی تحریکات کو یہیں سے تازہ دم خون اور فریش دماغ ملتا رہا اور ان ہی مدارس کے دم سے اسلام کے تمام شعبوں کو زندگی ملی ہے ۔ان کارناموں اور کامیابیوں کی اپنوں کے علاوہ غیروں کی بھی ایک دنیا معترف ہے تاہم اتنی ہی بلکہ اس سے کہیں بڑی دنیا ان مدارس کی نقاد ہے یہ دنیا مدارس دینیہ کو تخریب وارھاب کے مراکز سمجھتی ہے اور اس خیال میں مغرب کے غیر مسلموں کے ساتھ ہمارے اپنے مغرب نواز اور مذہب بیزار

عناصر بھی بڑی تعداد میں شامل ہیں۔یہ مدارس دینیہ اول روز سے اپنے وجود وبقا کی جنگ لڑ رہے ہیں اور سرد جنگ کے خاتمے کے بعد تو جیسے مدارس دینیہ ہی ہماری حکومتوں ،ایجنسیوں اور ان کے بیرونی آقاؤں کے لیے سب سے بڑا مسئلہ رہے ہوں جن کی "اصلاح" کے لیے وہ ہر وقت فکر مند رہتے ہیں اور ہمہ وقت نئے نئے اصلاحی پیکیجز کی تیاری میں مصروف رہتے ہیں، اس مدارس مخالف مہم اور مدارس سے متعلق اس منفی طرز عمل نے مدارس میں بھی رد عمل اور اشتعال کی کیفیت اور محرومی کا احساس پیدا کر دیا اور یوں ایک طرف اگر مدارس کے ناقدین مدارس کو فساد کی جڑ، شر کا محور، دہشت گردی کی نرسریاں اور فرسودگی کی علامت قرار دیتے رہے تو دوسری طرف اہل مدارس بھی اپنی خوبیاں گنتے نہیں تھکتے ،ان کا خیال یہ ہے کہ مدارس میں اصلاح کی کوئی گنجائش نہیں ہے اور مدارس پر کسی بھی حوالے سے تنقید کرنے والے اسلام دشمن یا اسلام دشمنوں کے ایجنٹ ہیں اور ان کی تنقید میں کوئی معقولیت اور معنویت نہیں ہے۔انصاف کی بات یہ ہے کہ دونوں فریق دوانتہاؤں پر ہیں۔

مدارس دینیہ کی افادیت ،خدمت اور مثبت کردار کا انکار آفتابِ نیم روز کے انکار سے کم عجیب وحیرت انگیز نہیں ہے۔یہ جو برصغیر میں اسلامی معاشرت ،اسلامی اخلاقیات اور دینی اقدار کی پاسداری اور ان سے وابستگی کی فضا ہے۔؛دین داری کی وقعت واہمیت ہے اور دین بیزاری اور اس حوالے سے کوتاہی کو

موجب نقصان وخسران سمجھا جاتا ہے یہ ذہنیت یہ نفسیات ورجحانات ایک طویل جد جہد کا اثر اور مسلسل محنتوں کا ثمر ہیں اور دینی مدارس کے فیض یافتہ گان کے علاوہ کہیں کوئی بھی اس سلسلے میں کوئی قابل ذکر کردار نہیں رکھتا۔ جو کچھ ہے انہی مدارس کی بدولت ہے۔ دینی مدارس نہ صرف یہ کہ اسلامی تعلیمات کے فروغ واشاعت کا بیڑا اٹھائے ہوئے ہیں بلکہ وسائل سے محروم طبقے کو تعلیم کے زیور سے آراستہ کرنے اور جہالت وناخواندگی کے خلاف جہاد میں بھی ان کا بڑا کردار ہے۔ جہاں تک دہشت گردی کا تعلق ہے تو آج تک کوئی مثال بھی دہشت گردی کی ایسی پیش نہیں کی جا سکی ہے جس میں دینی مدارس ملوث ہوں، یہ محض مبنی بر عناد مفروضہ ہے جس کا حقیقت اور انصاف سے کوئی تعلق نہیں تاہم اہل مدارس کا یہ خیال بھی مبالغہ آمیزی پر مبنی ہے کہ ان کے نصاب ونظام میں کسی تبدیلی اور اصلاح کی گنجائش نہیں ہے۔ ایک ادارے اور مخصوص سلسلے کی حیثیت سے دوسرے اداروں کی طرح دینی مدارس میں بھی بہت ساری خامی وکمزوریاں ہیں اور مختلف حوالوں سے ان میں بہتری لانا ضروری ہے ان کمزوریوں سے چمٹے رہنا ان کی اصلاح سے اغماض برتنا اور خامیوں کو خوبی قرار دینے پر اصرار محض خود فریبی اور خود کشی کے مترادف ہیں۔ یہ ایک کامن سینس اور عقل عام کی بات ہے کہ پانچ سو سالہ پرانا انسانی ساخت کا تدریسی مواد اور علمی لیٹریچر آج کے سائنٹیفک اور ٹیکنکل دور میں جوں کے توں کیسے کارآمد اور افادیت وضرورت کا حامل ہو سکتا ہے؟ آج کا انسان ایک صدی قبل کے انسان سے کس قدر ترقی

یافتہ ہے یہ تو ایک بدیہی حقیقت ہے اور معاشرے افراد سے بنتے ہیں۔ پھر ایک ترقی یافتہ معاشرے کی ضرورت غیر ترقی یافتہ ذہنیت اور پسماندہ سوچ کے تیار کردہ مواد سے کس طرح پوری ہو سکتی ہے۔ اس طبعی اور قدرتی بات کو بعض لوگ مذہبی جذباتیت کی نذر کر دیتے ہیں اور اصلاح کے لیے اٹھنے والی کسی بھی آواز کو نہ صرف دبادیتے ہیں بلکہ اسے باغیانہ وگستاخانہ جسارت قرار دے کر موجبِ الحاد وزندقہ ثابت کردیتے ہیں۔ بلکہ اس سلسلے میں بعض مدعیان دانش وبینش سے تو یہاں تک سنا گیا ہے کہ ”دین میں تبدیلی اور اصلاح کیوں کر ہو سکتی ہے“ جب کہ اصلاح کی بات کرنے والے اسلامی علوم وفنون سے نہیں ان کے قرون وسطی میں مخصوص تعبیر واسلوب اور تشکیل و انتخاب سے اختلاف کرتے ہیں اور یہ مسائل ووسائل کی نئی نئی دریافتوں اور علوم وفنون میں آئے روز ہونے والی تہذیب، تبدیلی وترقی اور حوادث کی نئی نئی شکلوں کا لازمی تقاضہ ہے۔ چنانچہ آج کے سائنسی دور میں کتاب العتاق کی لمبی چوڑی بحثیں غلامی کے مسئلے اور غلاموں کی مثالیں، جزء لایتجزی کی معرکہ آرائیاں، اجرامِ فلکیہ میں خرق والتئام کے اختلافات، یونانی عقل کی قصیدہ خوانی، حریری لفاظی کو حرزِ جاں بنانا کیا معنی رکھتی ہیں اور معاصر طرزِ معاشرت ومعیشت، سیاسیات وعمرانیات، ریاضی وٹیکنالوجی طبعیات ونفسیات طب اور قانون، لسانیات وابلاغیات سے یکسر محرومی یا انتہائی،

سطحی اور واجبی واقفیت نے دورِ حاضر کے عالِم کو معاشرے کا کیسا عضوِ معطل غیر پیداواری عنصر اور ناکارہ شے بنا دیا ہے ؟اس حوالے سے قدیم وجدید صاحبِ مطالعہ فضلاء مدارس کے نہایت تلخ تجربات اور بڑے دکھی احساسات ہیں مگر انہیں اپنے بزرگوں نے یہ سبق پڑھا دیا ہے کہ ''جینا ہو تو پھر جرءتِ اظہار نہ کرنا'' چنانچہ وہ اس ڈر سے خاموش ہیں کہ کہیں توہین کے مرتکب اور محرومی سے دوچار نہ ہو جائیں ۔اور دوسری طرف مدارس کے مالکان اور ان کے مقرب و مصاحب بعض مدرس ہیں جو مدارس کو ذاتی پراپرٹی اور ایک ایسے نفع بخش کاروبار کی حیثیت سے اپنائے ہوئے ہیں جس میں بقولِ کسے صرف نفع ہی نفع ہے گھاٹا بالکل نہیں ۔یہ لوگ نہ تو مسائل ومشکلات سے دوچار ہیں اور نہ ان سے باخبر........ اوریا ان سے اس بنا پر تجاھل برتتے ہیں کہ ان کی خیر مدارس کی قدامت پسندانہ طرز اور غیر ضروری تصلب میں ہے ۔اس کے باوجود الحمد للہ آج بھی مدارس سے بعض نہایت قابل شخصیات پیدا ہو رہی ہیں گو کہ وہ مدارس کی تعداد اور یہاں کی جانے والی محنتوں کی حساب سے بہت کم ہیں اور ان شخصیات کی غیر معمولی شخصیت میں عموماً نصاب نہیں بلکہ خاص توفیق الہی مخصوص ماحول ،خاندانی پس منظر ، کسی صاحب نظر کی صحبتِ دیرینہ ،قدرتی ذہن، وحافظہ اورخداداد ذوق جیسی چیزیں کارفرما ہوتی ہیں۔ایسی بہت سی شخصیات اپنی اپنی بساط کی مطابق بڑے حزم واحتیاط کے ساتھ دینی تعلیم کے سلسلے میں تعمیری اور اصلاحی کوششیں کر رہے ہیں اور اس کا بڑا فائدہ بھی محسوس ہو

رہا ہے۔اللہ کرے نقار خانے میں طوطی کی یہ آواز سنی جائے اور حالات سے بے خبر اور تقدیر کے نام پر تدبیر کا خون کرنے والے ،زمانے کے تقاضوں سے اغماض برتنے والے ،روایت کی اسیر اور مشکلات ومصائب کو گناہوں کی سزا سمجھ کر برداشت کرنے والے یہ مقتدر لوگ اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جائیں اور قدیم نافع کے ساتھ جدیدِ صالح سے بھی استفادہ کی شکلیں عام ہوں اور دینی مدارس صالح ، معتدل ، متمدن اور ترقی یافتہ معاشرے کی تشکیل میں فعال کردار ادا کرنے کے قابل ہوں۔ اصحابِ نظر اور باخبر احباب گذشتہ چند سالوں سے یقینا محسوس کر رہے ہوں گے کہ مسلم معاشرے اور مولوی میں زبردست خلیج پیدا ہوا ہے اور وہ آئے روز وسیع اور گہرا ہوتا جا رہا ہے علماء کی عدم فعالیت ظاہر ہو رہی ہے اور ان کے کھپت کے مواقع ومواضع کم بلکہ ناپید ہوتے جا رہے ہیں۔

عام آدمی کو تو پہلے ہی مولوی کی کوئی حاجت وضرورت محسوس نہ ہوتی تھی المیہ یہ ہے کہ اب علماء کے حلقۂ اثر میں بھی یہ احساس جنم لیکر زور پکڑ رہا ہے کہ دین کا عالِم جیسا ہونا چاہیے اب ایسا نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مولوی صرف معاصر زبانوں ،مادی علوم ،جدید وسائلِ علم اور ذرائعِ ابلاغ سے ہی ناواقف نہیں بلکہ خالص دینی علوم میں بھی اب اس پر انحصار ختم ہوتا جا رہا ہے ،قرآن وحدیث ، فقہ ، عقائد ، اخلاق ، اقتصادیات اور سیاسیات وغیرہ کے دروس ومواعظ

کے غیر عالم افراد کے ہاں سلسلے شروع ہیں اور ان میں اکثریت علمی لحاظ سے نااہلوں
اور فکری حوالے سے نامعتبروں کی ہے۔ پڑھالکھا اور باشعور طبقہ عموماً ان کے سحر میں
مبتلا اور کے دام ہم رنگ زمین کا شکار ہے۔اور اس میں روایتی علماء کے قدیم لہجے
اور اسلوبِ کہن کا بڑا دخل ہے۔ یہ موضوع بڑا دقیق اور حساس ہے ہم نے مرض اور
علاج کا نہیں فقط بعض علامات مرض کا ذکر کیا ہے۔ صاحب بصیرت علماء اگر بیداری اور
ذمہ داری کا ثبوت دیکر اس کے لئے سنجیدگی سے باہمی مل بیٹھ کر سوچیں گے تو تشخیص
اور علاج کی راہیں بھی کھلیں گی۔

طلبِ علم

اللہ کا شکر ہے، ہم مسلمان ہیں اور دین کی پہلی وحی ''اقرا'' ہے، ما قبل الاسلام زمانے کو قرآن نے دورِ جاہلیت کہا ہے، تو گویا اسلام دورِ علمیت ہے، اسی لئے اسلام نے علم کے حصول کو فرض قرار دیا ہے، قرآنِ کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: کیا برابر ہو سکتے ہیں وہ جو اہلِ علم ہیں اور وہ جو بے علم ہیں ؟ایک اور مقام میں فرمایا: اللہ تعالیٰ تم میں سے مؤمنین کو بلند کرتے ہیں اور جنکو علم سے نوازا گیا اُن کو درجاتِ عالیہ پر فائز کرتے ہیں، نیز فرمانِ الٰہی ہے: کیوں نہ چل پڑے ہر جماعت میں سے ایک گروہ، دین میں سمجھ بوجھ (تفقہ) حاصل کرنے کے لئے ،تاکہ ڈرائے اپنی قوم کو، جب لوٹ کر آئیں۔ رسولِ اکرم ﷺ نے فرمایا: طلبِ علم ہر مسلمان مرد و عورت کا فریضہ ہے۔آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: حصولِ علم کا سلسلہ پنگھوڑے سے قبر تک جاری رہنا چاہیئے، یعنی مسلسل اپڈیٹ رہنا چاہیئے۔ایک روایت میں ہے: اللہ تعالیٰ جس کی بھلائی چاہتے ہیں، اُسے دین کا فقیہ بنا دیتے ہیں۔ایک اور روایت بہت مشہور ہے: علم تلاش کرو اگرچہ چین جانا پڑے۔امامِ ترمذیؒ نے اپنی جامع میں سب سے آخری روایت یہ بیان کی ہے: علم کا دوسرا نام دین ہے، اچھی طرح دیکھلو کہ یہ آپ کو کن سے حاصل کرنا چاہیئے۔

ان تمام فرامین کے تناظر میں انسان کا اولین کام یہ ہے کہ وہ بذاتِ خود علم حاصل کرے، جان مال اور وقت کی قربانی دے، مشقتیں اور صعوبتیں جھیلیں، اگر علم و معرفت کا حصول آسان کام ہوتا، تو نبی کریم ﷺ جیسی شخصیت کو اس کے لئے غارِ حرا کے چکر کیوں کاٹنے پڑتے، دن رات وہاں گوشہ نشینی کیوں اختیار کرنی پڑتی۔ طالبِ علم کو اپنی راہوں میں بہت سی مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جن کی وجہ سے کئی لوگ تلاشِ علم سے بے زار ہو کر بھاگ جاتے ہیں، اسی لئے بطور تسلی و حوصلہ افزائی آپ ﷺ نے فرمایا: جو شخص تلاشِ علم میں کسی بھی راہ یا حکمتِ عملی کا انتخاب کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے اس طالبِ علم کے لئے جنت کی راہ آسان کر دینگے۔ اور دیگر لوگوں کو آپ ﷺ نے حکم دیا: جب تمھارے پاس متلاشیانِ علم آجائیں، تو ایک دوسرے کو اُن کے متعلق بھلائی کا کہا کرو۔ حضرتِ عبداللہ بن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ایک انصاری سے کہا، آنحضرت ﷺ وفات پا گئے ہیں، مگر آپ ﷺ کے اصحاب زندہ ہیں، چلو ان سے علم حاصل کریں۔ انہوں نے کہا: اے ابن عباسؓ! تم پر حیرت ہوتی ہے، تم دیکھتے ہو کہ لوگ علم میں خود تمہارے محتاج ہیں، پھر تم دوسروں کے پاس جاتے ہو، آپؓ نے یہ جواب سن کر ان کو چھوڑ دیا اور تنہا جہاں کہیں سراغ ملتا کہ فلاں شخص نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث سنی ہے، فوراً مشقت اُٹھا کر اس کے پاس پہنچتے اور اطلاع دیتے، وہ گھر سے نکل آتا، تو آپؓ کہتے، تم نے آنحضرت ﷺ سے کوئی حدیث

سن ہے، وہ کہتے: ابن عم رسول ﷺ! آپ نے کیوں زحمت گوارہ کی کسی دوسرے کو بھیج دیا ہوتا، کہتے، یہ میرا فرض تھا،اس طریقے سے عرب کے گوشہ گوشہ سے ایک ایک دانہ چن چن کر خرمنِ علم کا انبار لگایا۔ جب ان کے فضل و کمال کا چرچا زیادہ ہوا، اس وقت ان انصاری نے جنھوں نے ساتھ چلنے سے انکار کردیا تھا، ندامت کے ساتھ اقرار کیا کہ ابنِ عباسؓ ہم سے زیادہ عقل مند تھے۔ (سیر الصحابہ: 2/۔259) ۔

امام ذہبی نے سیر اعلام النبلاَ میں لکھا ہے: علی بن احمد خوارزمی نے فرمایا کہ ابن ابی حاتم نے ہم سے بیان کیا کہ ہم لوگوں نے مصر میں سات مہینے تک شوربہ تک نہیں کھایا، دن میں شیوخ سے سماع کرتے اور شب میں اسے لکھتے تھے، اور دوسرے نسخے سے مقابلہ کرتے، ایک روز کی بات ہے: میں اور میرا ایک ساتھی شیخ کے پاس آیا، کہا گیا کہ وہ بیمار ہیں، چنانچہ ہم لوگ لوٹ رہے تھے کہ راستے میں ایک مچھلی دیکھی، اچھی لگی، اس لیے اسے خرید لیا، جب گھر پہونچے تو دوسرے شیخ کی مجلس کا وقت ہوگیا، چنانچہ ہم لوگ نکل گئے، تین دن تک مچھلی رکھی رہ گئی، قریب تھا کہ بدبودار ہوجائے، بالآخر ہم لوگوں نے اسے بغیر پکائے یونہی کھالیا کیوں کہ بنانے کی فرصت نہ مل سکی تھی۔ پھر کہا: حصول علم جسمانی راحت کے ساتھ ممکن نہیں۔

اللہ تعالٰی نے امام نوویؒ کو 40 سال کی عمر ہی میں دار بقا کی طرف بلالیا، اتنی مختصر مدت کے باوجود انہوں نے جس قدر اپنی تصنیفات کا ذخیرہ چھوڑا ہے، انہیں دیکھ کر بے ساختہ ہماری زبان سے نکل پڑتا ہے:

ایسی چنگاری بھی یارب اپنی خاکستر میں تھی

ان کی بابت مورخین لکھتے ہیں کہ جب وہ بچے تھے تو محلے کے بچے ان کے پاس آتے اور انہیں کھیلنے پر مجبور کرتے تھے جس کی وجہ سے وہ بھاگتے اور رونے لگتے تھے، لیکن ایسی حالت میں بھی قرآن پڑھنا نہیں بھولتے تھے، یعنی زبان پر قرآن کی سورتیں ہوتی تھیں۔

ابن العماد نے شذرات الذہب میں لکھا ہے کہ وہ پڑھنے میں اس قدر مشغول رہتے تھے کہ رات و دن میں ایک ہی بار عشاء کی نماز کے بعد کھانا کھاتے تھے اور کہتے: میں ڈرتا ہوں کہ مبادا لحیم و شحیم ہوجاؤں اور نیند کا غلبہ آنے لگے۔

امام نووی رحمہ اللہ خود اپنے طلب علم کی شروع زندگی کی بابت لکھتے ہیں: میں نے دو سال تک زمین پر اپنا پہلو نہیں ٹیکا۔

اور بدر بن جماعہ کہتے ہیں کہ ہم نے ان کی نیند کے حوالے سے ان سے دریافت کیا تو انہوں نے کہا کہ جب ہم پر نیند کا غلبہ ہوتا تو تھوڑی دیر تک کتابوں

پر ٹیک لگا لیتا پھر متنبہ ہو جاتا۔

بدر کہتے ہیں کہ جب میں امام نووی رحمہ اللہ کی زیارت کرنے آتا تو وہ اپنی بعض کتابوں کو بعض پر رکھ کر ہمارے بیٹھنے کے لیے جگہ بناتے تھے۔

ان کے کثرت انہماک کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ وہ ایک دن میں بارہ بارہ درس میں حاضر ہوتے تھے، اور یہ ان کے روزانہ کا معمول تھا، کہتے ہیں: میں ان تمام مادوں کے مشکل الفاظ کی شرح، گنجلک عبارت کی وضاحت اور کسی لفظ کی تشکیل کتابوں پر چڑھا لیا کرتا تھا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے وقت میں.برکت عطا فرمائی اور ہماری اعانت کی۔

امام نووی رحمہ اللہ کی سادگی کا یہ عالم تھا کہ کوئی اجنبی آدمی انہیں دیکھتا تو سمجھتا کہ کوئی دیہاتی فقیر ہے اور انہیں کوئی عزت نہیں دیتا لیکن جب ان کا درس یا ان کی بات سنتا تو ہکا بکا رہ جاتا۔

ابھی چند ہی روز قبل قمری سال کا ماہِ رمضان اور شمسی سال کا جولائی کا مہینہ دونوں ہاتھ میں ہاتھ ڈالے گذر کر ماضی کا حصہ بن گئے ہیں تو اب ایک طرف موسم گرما کے بعد انگریزی سکولز کے بچوں کے اسباق نئے سرے سے شروع ہو رہے ہیں جبکہ دوسری طرف عربی مدارس میں تعلیمی سال کا آغاز ہو رہا ہے،

دونوں قسم کے اداروں کے اساتذہ وطلبہ نئے شوق وجذبے اور عزم وولولے کے ساتھ اپنے طلبِ علم کے مبارک سفر کو جاری رکھیں اور ناخواندگی کے عفریت پر کاری ضرب لگا کر امت اور انسانیت کو فلاح وبہبود سے روشناس کرنے اور اس کرۂ ارضی کو علم ودانش کے نور سے منور کرنے کیلئے کمربستہ ہوں۔

قومِ لوط

قصور میں بے قصوروں اور معصوم کلیوں کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے،اس کے تذکرے سے ہی دست و قلم میں ارتعاش ہے،جان سے مار دینا اتنا بڑا ظلم نہیں جتنا بڑا ظلم یہ ہوا ہے، ظلم بالائے ظلم یہ ہے کہ حرکت اجتماعی ہوئی ہے،اسے فلمایا بھی گیا ہے، عالمی مارکیٹ میں اسے بیچا بھی گیا ہے،اس کے ذریعے خاندان کے دیگر افراد کو بلیک میل بھی کیا گیا ہے، کسی محکمے میں مظلوموں کی دادرسی بھی نہ ہونے دے گئی، کئی سالوں سے یہ دھندا تسلسل کے ساتھ چلتا رہا ہے،اس سے نہ صرف قصور ، پنجاب، پاکستان، یا عالمِ اسلام کی رسوائی ہوئی ہے بلکہ یہ پوری انسانیت کی تذلیل ہے،آپ ذرہ تھوڑی دیر کے لئے گردن جھکا کر غور فرمائیں ،ایک معصوم بچہ سکول سے تھکا ہوا، بھوکا پیاسا،ڈرا ہوا، سہما ہوا آرہا ہے،اس پر یہ درندے ہاتھ ڈالتے ہیں، کتنا وہ بھاگا ہوگا، کتنا چلّایا ہوگا، کتنا رویا ہوگا، پھر ان ملعونوں کی گرفت میں جب آیا ہوگا، تو کیا کیا گذری ہوگی،اس کا تصور بھی کوئی نہ کرے تو بہتر ہے، اتنا بدترین کردار ہے کہ اس پر اللہ کا عذاب سب سے زیادہ قہرناک اور غضبناک ہوکر نازل ہوتا ہے،لوط علیہ السلام جس قوم کی طرف مبعوث کئے گئے تھے، وہ اس شرمناک عمل کے تخلیق کنندہ تھے،ان پر جو عذاب آیا تھا، اس کی تفصیلات کتبِ تفسیر میں اور ان کی بستیوں کے آثار نیٹ میں دیکھ کر رونگٹے

کھڑے ہو جاتے ہیں، لوط علیہ السلام نے ایک مرتبہ ان سے پریشان ومایوس ہو کر فرمایا تھا: کیا تم لوگوں میں ایک بھی شریف آدمی نہیں ہے؟۔

اور لوط علیہ السلام کو ہم نے پیغمبر بنا کر بھیجا، پھر یاد کرو جب اس نے اپنی قوم سے کہا: ''کیا تم ایسے بے حیا ہو گئے ہو کہ وہ فحش کام کرتے ہو جو تم سے پہلے دنیا میں کسی نے نہیں کیا؟ تم عورتوں کو چھوڑ کر مردوں سے اپنی خواہش پوری کرتے ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ تم بالکل ہی حد سے گزر جانے والے لوگ ہو۔ مگر اس کی قوم کا جواب اس کے سوا کچھ نہ تھا 'نکالو ان لوگوں کو اپنی بستیوں سے، بڑے پاکباز بنتے ہیں۔ آخر کار ہم نے لوط علیہ السلام اور اس کے گھر والوں کو، بجز اس کی بیوی کے جو پیچھے رہ جانے والوں میں تھی، بچا کر نکال دیا اور اس قوم پر برسائی (پکے پتھروں کی) ایک بارش، پھر دیکھو کہ ان مجرموں کا کیا انجام ہوا۔'' (سورۃ الاعراف۔ آیات 80 تا 84)۔

حضرت لوط علیہ السلام کی اردن کے علاقے '' سدوم '' کی طرف بعثت ہوئی تھی، قوم کی شرمناک بیماری کا روحانی علاج کرنے کے لئے، مگر وہ لوگ ایسے عادی مجرم ہو گئے تھے، جن کی اصلاح ناممکن ہو گئی تھی، لوط علیہ السلام حضرت حضرت ابراہیم خلیل اللہ کے بھتیجے ہیں جو ان کے ساتھ عراق سے ہجرت کرکے ملک شام میں تشریف لائے اور خدا کی طرف سے سدوم اور اسکے گردونواح کی بستیوں کی طرف

مبعوث ہوئے ،تاکہ ان کی اصلاح فرمائیں اور انہیں گندے ،خلاف فطرت اور بے حیائی کے کاموں سے باز رکھیں، جن میں وہاں کے لوگ مبتلا تھے۔ نہ صرف مبتلا بلکہ اس بے حیائی کے موجد تھے ،ان سے پیشتر پورے عالم میں اس بیماری سے کوئی واقف نہ تھا، اولاً یہ ملعون حرکت شیطان نے سدوم والوں کو سجھائی اور وہیں سے دوسرے مقامات میں پھیلی ، حضرت لوط علیہ السلام نے اس ملعون و شنیع حرکت کے عواقب پر متنبہ کیااور اس اخلاقی گندگی کو دنیا سے مٹانا چاہا۔

لوطؑ نے اُن سے فرمایا: صرف یہ ہی نہیں کہ ایک گناہ کے تم مرتکب ہورہے ہو بلکہ اس خلاف فطرت فعل کا ارتکاب اس کی دلیل ہے کہ تم انسانیت کی حدود سے بھی باہر نکل چکے ہو۔

جس کے جواب میں انہوں نے یہ بات کہی کہ جب ہم سب کو آپ گندہ سمجھتے ہیں اور خود پاک بننا چاہتے ہیں، تو گندوں میں پاکوں کا کیا کام ؟ لہٰذا باہمی مشاورت سے وہ کہنے لگے ،انہیں اپنی بستی ہی سے نکال دینا چاہیے کہ یہ روز روز کی رکاوٹ ختم ہو، خیر ! وہ ملعون تو کیا نکالتے ، ہاں ! حق تعالے نے لوط علیہ السلام اور ان کے متعلقین کو عزت وعافیت کے ساتھ صحیح وسالم ان بستیوں سے نکال لیا اوران بستیوں پر عذاب مسلط کردیا بہرحال عذاب ان سب پر آیا جو اس مہلک مرض میں مبتلا تھے اور نہایت ڈھٹائی کے ، ساتھ نبی کا مقابلہ اور

تکذیب کرتے تھے یا جو کفر وفواحش کے اس سسٹم میں ان کے معین ومددگار تھے۔
چنانچہ پہلی ایک خطرناک چیخ نے انہیں آلیا، پھر پتھروں کی بارش ہوئی، پھر بستیاں جڑوں سے اکھاڑ کر، بہت اوپر لے جاکر، الٹادی گئیں، چنانچہ نتیجے میں وہاں اس بہت بڑے کھڈے سے ایک چھوٹا سا سمندر وجود میں آگیا، جو آج بھی موجود ہے، اور بحیرہ "مردار سے مشہور ومعروف ہے، عبرت کے لئے صرف اس بحر میت کیا سرچ کریں، اندازہ" ہوجائے گا تمام قضیئے کا، اسی لئے اسلام میں بھی اس قسم کے ملعون کی سزا یہ ہے کہ پہلے اسے ایک سخت بدبودار گندی جگہ میں مقید کیا جائے، جب مقدمہ چلنے پر جرم ثابت ہوجائے، تو پھر کسی پہاڑ وغیرہ، یا بلند مقام سے اسے گرایا جائے اور اوپر سے پتھر مارے جائیں، اس کا کوئی جنازہ بھی پڑھایا نہ جائے، اس کی کوئی قبر بھی نہ بنائی جائے، بلکہ جس کھڈے میں اسے گرایا گیا ہو، وہاں اس پر اتنے پتھر برسائے جائیں کہ وہ خبیث الفطرت ان میں مدفون ومقبور ہوجائے، اس کے حوالے سے کوئی تعزیت بھی نہ کی جائے۔
انسانیت سے گرے ہوئے آدمی کو گناہ کرتے وقت اس کا بدانجام سامنے نہیں آتا، نفس وشیطان کے ورغلانے سے اس کی بصارت وبصیرت ختم ہوجاتی ہے، بس شہوت ولذت کے غلبہ میں وہ بات کر گزرتا ہے جو عقل وانسانیت کے خلاف ہے، لیکن عقل مند کو

چاہیے کہ دوسروں کے واقعات سن کر عبرت حاصل کرے اور بدی کے انجام کو ہمیشہ پیش نظر رکھے۔

بندوں کے حقوق کی رعایت اور معاملات باہمی کی درستی جس کی طرف ہمارے زمانے کے پرہیزگاروں کی بھی بہت کم توجہ ہوتی ہے ،خدا کے نزدیک اس قدر اہم چیز ہے کہ اگر ان حقوق کو پامال کیا جائے تو اللہ تعالی کی طرف سے اایسا المناک عذاب آدمی کو گھیر لیتا ہے، جس سے بچاؤ کی پھر کوئی راہ نہیں ہوتی اور مبتلا شخص موجودہ زمانے میں اور آئندہ نسلوں کے لئے تاریخ کے اوراق میں نشانِ عبرت بنجاتا ہے۔

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں

دانش و بینش کے جس زاویئے سے بھی دیکھا جائے، اور جہانِ ذکر و فکر کی جتنی بھی راہ نوردی کی جائے، دوسرے ادیان سماویہ کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی امتِ اسلام کی اول و آخر کامیابی عبادت گاہ یعنی مسجد سے جڑی ہوئی معلوم ہوگی۔ اسلام کی تبلیغ و ترویج اور مسلمانوں کی فلاح۔ بہبود کے علمبردار ہمیشہ سے یہ کہتے اور سمجھتے بتلاتے اور سمجھاتے چلے آرہے ہیں، کہ جب اہلِ اسلام کی مسجدیں ویران ہوں گی اور ان کے گھر آباد ہوں گے۔ عیش و آرام روزافزوں اور محفلیں پر رونق ہوں گی، تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا، کہ تباہی ان کی بستی کو چاروں طرف گھیر چکی ہے اور بہت جلد کسی ناگہانی حادثے کے نتیجے میں وہ اپنا سارا کچھ کھودیں گے۔ ایسے مسلمان یوں تقدیر کے قاضی کے ہاتھوں بے دست و پا ہوکر تباہی کے سیلابِ بلاخیز کی بے رحم موجوں کی نذر ہو جائیں گے۔

اس نظریئے کا عنوان، کبھی یہ ہوتا ہے مسجد اقصی پر یہودیوں کے دھاوا بولنے اور ھندؤں کی بابری مسجد پر چڑھائی دراصل اسلام کی روح اور مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر کو پاؤں تلے روندنے کے مترادف ہے اور مسلمان اگر اس کیلئے

کھڑے نہیں ہوں گے، تو گویا وہ اپنی تاریخی اور ملی موت کے پروانے پر دستخط کر رہے ہیں۔

کبھی اس قضیے کا سرنامہ یہ ہوتا ہے، کہ مسلم معاشرے میں اور غیر مسلم ملکوں کی مسلم کمیونیٹیوں میں مساجد کے قیام سے غفلت یا ان کی شایانِ شان تعمیر وانتظام سے پہلو تہی فکری، اخلاقی اور ثقافتی وتہذیبی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کے حیاتِ اجتماعی سے اسلام کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔

کبھی اس نظریئے کی شہ سرخی یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی صبح اور جمعے کے نمازیوں کی تعداد جب تک برابری کی سطح پر نہیں آئے گی اسلام اور مسلمانوں کیلئے فتح اور عروج کا خواب نرا خواب ہی رہے گا۔

بہر حال قضیہ ایک ،اور اس کے عنوانات درجنوں ہیں۔

معاملہ اہم بھی ہے اور نہایت پیچیدہ بھی ۔ دیہاتوں اور گوٹھوں کو چھوڑ یئے، پاکستان بلکہ اسلامی دنیا کے اس بہت بڑے شہر کراچی کی مسجدیں چھان ماریں، ہماری تو اس گلستاں سے بڑی پرانی یاری ہے اور تاحیات ہم استواری سے اسے نبھانے کے متمنی ہیں سوائے ہر شجر، ہر سمت پھیلی بیل بوٹیوں کے سوکھے

اور تازہ پتوں سے ہمیں کسی حد تک شناسائی ہے۔
یقین جانیئے کہیں بھی صورت حال قابل رشک نہیں، بہت ہی اگر کہیں بہتری ہے تو گزارے کی حد تک ہی ہے۔
سرکار کو تو ایسی مسجدوں سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے جہاں آمدنی کا معقول اور پائیدار بندوبست نہ ہو۔اوقاف نامی نکمے اور بے قدر محکمے کے پاس تو صرف مزارات اور ان کی مساجد ہیں جہاں فواحش، خرافات ، منشیات اور دنیا جہاں کے اخلاق باختہ دھندوں کی بھر مارہے ،اور اربابِ اختیار مال بنانے کیلئے ان کی تزئین وآرائش اور تنظیم وترقی کیلئے کوشاں ہیں ،جس کا مطلب یہ ہے کہ اوقاف کے زیر اثر مزارات ومساجد اب رشدوہدایت نہیں معاذاللہ گمراہی کے اڈے بنے ہوئے ہیں۔
اس کے علاوہ عمومی طور پر مسجدیں یا توفکری و عملی میدانوں ییں انتہائی فرسودہ قسم کے افراد پر مشتمل کمیٹیوں کے پاس ہیں ،یا علاًنہیں مولوی صاحبان کے ہاتھوں اسیر ہیں، یاجائز وناجائز اموال کے ذخیرہ اندوز کسی متمول سیٹھ صاحب کے انڈر میں ہیں ،یاپھر مختلف جماعتوں اور فرقوں کے زیرِاثر ہیں، ان سب کے ہاں بھی اپنے منظورِ نظر یاسفارش اور تعلقات کی بنیاد پر اکثر ایسے پردیسی امام بھرتی کئے جاتے ہیں ،جوان مسجدوں کو محض کمائی کے

ذریعے کے طور پر اختیار کرتے ہیں ،بہت سے علمی اعتبار سے کورے ہوتے ہیں ،امامت بطورِ پیشہ اختیار کئے ہوتے ہیں،اخلاق اور کردار بھی ان کا نہایت شرمناک حد تک گراوٹ کا شکار ہوتا ہے۔

یہاں امام کے تقرر وانتخاب کے اصول میں سرفہرست اس کی'' کوالٹی'' ہے۔ اگر وہ ذرا فربہ جسم کا ہے، شکل سے اللہ میاں کی گائے لگتا ہے ،چاپلوس ہو،دوٹکے کی کمیٹی کی ہتک آمیز شرطوں اور جہل وحماقت کی عکاس من مانیوں پر دل وجاں سے راضی ہے اور ہر حال میں طاعت کے جذبے سے سرشار ہے ،تو وہی اہل ٹھہرے گا قوموں کی امامت کا۔ ایسوں کو پھر امامت،خطابت اور درس قرآن ،تربیت واصلاح عوام کا ڈھنگ تو کیا آئے گا، قرأت بھی اس کی خانہ ساز طرز کی اور بالکل دیسی ٹائپ کی ہوتی ہے۔ عموماً کسی' کنویں کے مینڈک' طرز کے استاد کے عجمی لَے میں پڑھنے کو ٹھیک اور حرمین شریفین کے ائمہ کی قرائت کو غلط قرار دینے کے خبط میں مبتلا ہوتے ہیں،مؤذنین کا حال ان سے بھی ابتر ہے،جب وہ اِللے ے ے ے ہو آکِبر جیسے غلط ادائیگی کے ساتھ اذان کی صدا لگاتے ہیں تو بجائے سننے کے آپ کانوں میں انگلیاں دے لینگے۔

سو حقیقت یہ ہے کہ مسجد کا معاملہ اچھا نہیں ہے اور دور دور تک اسکے لئے کوئی فکر منداو راس کی اہلیت سے بہرہ ور شخص یا ادارہ بھی نظر نہیں آ رہا،امامت

قوموں کی ہو یا نمازیوں کی، ہے تو بہر حال ایک عظیم منصب اور صلاح و فسادِ امت کا محوری نقطہ۔ اس کو ذاتی مفادات اور نفسانی اغراض کی بھینٹ چڑھانا، اپنے گھروں کا خوب خیال رکھنا اور اللہ تعالیٰ کے گھر کو نا اہلوں کے ہاتھوں ایک بے وقعت پیشہ بنانا ہمارا المیہ ہے اور اس المیے کے سارے کردار ہمارے قومی اور ملی مجرم ہیں ، وہ ہماری اجتماعی اور انفرادی تباہی کے ذمے دار ہیں اور اس منصبِ عظیم کی بازیابی اور درست استعمال ہم سب کا اجتماعی فریضہ ہے۔

کیا ہم اس حوالے سے سوچنے کو تیار ہیں ؟ مسلماں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ نمازی ہو ، بے نماز ہونا بہت بڑی کوتاہی ہے، پھر بظاہر نمازی ہو کر حقیقی معنوں میں نمازیوں کے اوصافِ حمیدہ سے بہرہ ور نہ ہونا اس سے بھی بڑی کوتاہی ہے، علامہ اقبال نے بہت پہلے امت کی اس بیماری کی تشخیص کی تھی، کہا تھا :

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

جی ہاں حجازی اوصاف والے اہلِ مساجد ۔آج بھی ہمارے مسائل میں نماز اور مسجد کا مسئلہ سب سے اہم اور ہنوز لا ینحل ہے۔ اس کا پائدار اور قابلِ قبول حل سوچنے کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے، حکومتیں یا تو صلاۃ کمیٹیاں بناتی

ہیں، یا پھر سب جگہ بیک وقت جماعت کرانے کے لئے اسکیمیں بناتی ہیں، نماز اور اہل نماز کے اوصاف و صفات کیا ہوں، اس پر کوئی نہیں سوچتا، لہٰذا مسلمانوں کی حقیقی بہی خواہ خود سے آگے آئیں اور اپنا تعمیری کردار ادا کریں۔ اگر گمراہی اور تباہی کے اسباب بڑھ رہے ہیں، تو خیر وصلاح کے اس مرکزی وسیلے کے حوالے سے مجرمانہ غفلت برتنے کی بھی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔

وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

دانش و بینش کے جس زاویئے سے بھی دیکھا جائے ،اور جہانِ ذکر و فکر کی جتنی بھی راہ نوردی کی جائے ،دوسرے ادیان سماویہ کے مقابلے میں کچھ زیادہ ہی امتِ اسلام کی اول و آخر کامیابی عبادت گاہ یعنی مسجد سے جڑی ہوئی معلوم ہوگی ۔ اسلام کی تبلیغ وترویج اور مسلمانوں کی فلاح ، بہبود کے علمبردار ہمیشہ سے یہ کہتے اور سمجھتے بتلاتے اور سمجھاتے چلے آرہے ہیں، کہ جب اہلِ اسلام کی مسجدیں ویران ہوں گی اور ان کے گھر آباد ہوں گے ، عیش وآرام روزافزوں اور محفلیں پر رونق ہوں گی، تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا، کہ تباہی ان کی بستی کو چاروں طرف گھیر چکی ہے اور بہت جلد کسی ناگہانی حادثے کے نتیجے میں وہ اپنا سارا کچھ کھودیں گے. ایسے مسلمان یوں تقدیر کے قاضی کے ہاتھوں بے دست وپا ہو کر تباہی کے سیلابِ بلاخیز کی بے رحم موجوں کی نذر ہوجائیں گے۔

اس نظریئے کا عنوان ، کبھی یہ ہوتا ہے مسجد اقصیٰ پر یہودیوں کے دھاوا بولنے اور ھندؤں کی بابری مسجد پر چڑھائی دراصل اسلام کی روح اور مسلمانوں کے اجتماعی ضمیر کو پاؤں تلے روندنے کے مترادف ہے اور مسلمان اگر اس کیلئے کھڑے نہیں ہوں گے، تو گویا وہ اپنی تاریخی اور ملی موت کے پروانے پر دستخط

کر رہے ہیں۔

کبھی اس قضیے کا سرنامہ یہ ہوتا ہے، کہ مسلم معاشرے میں اور غیر مسلم ملکوں کی مسلم کمیونیٹیوں میں مساجد کے قیام سے غفلت یا ان کی شایانِ شان تعمیر وانتظام سے پہلو تہی فکری، اخلاقی اور ثقافتی وتہذیبی لحاظ سے ہی نہیں بلکہ ہر لحاظ سے مسلمانوں کے حیاتِ اجتماعی سے اسلام کا جنازہ نکالنے کے مترادف ہے۔

کبھی اس نظریئے کی شہ سرخی یہ ہوتی ہے کہ مسلمانوں کی صبح اور جمعے کے نمازیوں کی تعداد جب تک برابری کی سطح پر نہیں آئے گی اسلام اور مسلمانوں کیلئے فتح اور عروج کا خواب نِرا خواب ہی رہے گا۔ بہر حال قضیہ ایک ،اور اس کے عنوانات درجنوں ہیں۔ معاملہ اہم بھی ہے اور نہایت پیچیدہ بھی ۔دیہاتوں اور گوٹھوں کو چھوڑ یئے، پاکستان بلکہ اسلامی دنیا کے اس بہت بڑے شہر کراچی کی مسجدیں چھان ماریں، ہماری تو اس گلستاں سے بڑی پرانی یاری ہے اور تاحیات ہم استواری سے اسے نبھانے کے متمنی ہیں سو اسکے ہر شجر، ہر سمت پھیلی بیل بوٹیوں کے سوکھے اور تازہ پتوں سے ہمیں کسی حد تک شناسائی ہے ۔یقین جانیئے کہیں بھی صورت حال

قابل رشک نہیں، بہت ہی اگر کہیں بہتری ہے تو گزارے کی حد تک ہی ہے۔

سرکار کو تو ایسی مسجدوں سے کوئی سروکار ہی نہیں ہے جہاں آمدنی کا معقول اور پائیدار بندوبست نہ ہو۔اوقاف نامی بے قدر محکمے کے پاس تو صرف مزارات اور ان کی مساجد ہیں جہاں اہل اللہ کے اجسامِ پاک آس پاس نعوذ باللہ خرافات ، منشیات اور دنیا جہاں کے عجیب وغریب دھندوں کی بھر مار ہے،اور اربابِ اختیار مال بنانے کیلئے ان کی تزئین وآرائش اور تنظیم وترقی کیلئے کوشاں ہیں،جس کا مطلب یہ ہے کہ اوقاف کے زیر اثر مزارات ومساجد اب رشد وہدایت کے بجائے معاذاللہ محض تفریح کے اڈے بنے ہوئے ہیں، بہت سے لوگ حاضری دے کر نماز پڑھے بغیر نکل جاتے ہیں،اِلا ماشاَ اللہ۔

اس کے علاوہ عمومی طور پر مسجدیں یا کمیٹیوں کے پاس ہیں ،یا مولوی صاحبان کے ہاتھوں اسیر ہیں،یا کسی متمول سیٹھ صاحب کے انڈر میں ہیں ،یا پھر مختلف جماعتوں اور فرقوں کے زیرِ اثر ہیں، ان سب کے ہاں بھی اپنے منظورِ نظر یا سفارش اور تعلقات کی بنیاد پر اکثر ایسے امام بھرتی کیئے جاتے ہیں ،جو ان مسجدوں کو محض پیشے کے طور پر اختیار کرتے ہیں ،کچھ تو علمی اعتبار سے کورے ہوتے ہیں۔

یہاں امام کے تقرّر وانتخاب کے اصول میں سرفہرست اس کی'' ظاہری کوالٹی'' ہے۔بد قسمتی سے اگروہ ہرحال میں طاعت کے جذبے سے سرشار ہے، تو وہی اہل ٹھہرے گا قوموں کی امامت کا۔حالانکہ امامت،خطابت اور درس قرآن ،تربیت واصلاح عوام کا ڈھنگ دیکھا جانا چاہیئے، قرأت بھی اس کی خانہ ساز طرز کی اور بالکل دیسی ٹائپ کی نہ ہو۔عموماً کسی' کنویں کے مینڈک' طرز کے استاد کے عجمی لَے میں پڑھنے کو ٹھیک اور حرمین شریفین کے ائمہ کی قرائت کو غلط قرار دینے کے خبط میں مبتلا اگر کوئی ہے تو اس کا انتخاب نہ ہو، عربی زبان سے واقف ہو،تاکہ جمعہ وعیدین وغیرہ کے خطبے بغیر سمجھے رٹے رٹائے کسی گیت یا منتر کی طرح پڑھنے کی وجہ سے یہ اہم اور ضروری پیغامات، بے معنی اور بے فائدہ ہوکر نہ رہے۔ مؤذنین کا حال بھی ابتر نہ ہو،ایک دو جگہوں پر تو مشاہدے میں آیا ہے کہ وہ غلط ادائیگی کے ساتھ اذان کی صدا جب لگاتے ہیں تو بجائے سننے کے آپ کانوں میں انگلیاں دے لینگے۔

سو حقیقت یہ ہے کہ مسجد کا معاملہ بہت اہم ہے، مستقل طور پر اسکے لئے کوئی فکر مند او راس کی اہلیت سے بہرہ ور شخص یا ادارہ بھی نظر نہیں آرہا،امامت قوموں کی ہو یا نمازیوں کی، ہے تو بہر حال ایک عظیم منصب اور صلاح وفسادِ امت کا محوری نقطہ۔اس کو ذاتی مفادات اور نفسانی اغراض کی بھینٹ چڑھانا،اپنے گھروں کا خوب خیال رکھنا اوراللہ تعالیٰ کے گھروں کونا ایک بے

وقعت پیشہ گردانا ہمارا اجتماعی المیہ ہے۔اس منصبِ عظیم کی بازیابی اور درست استعمال ہم سب کا فریضہ ہے۔

کیا ہم اس حوالے سے سوچنے کو تیار ہیں ؟ مسلماں کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ نمازی ہو ۔بے نماز ہونا بہت بڑی کوتاہی ہے، پھر بظاہر نمازی ہو کر حقیقی معنوں میں نمازیوں کے اوصافِ حمیدہ سے بہرہ ور نہ ہونا اس سے بھی بڑی کوتاہی ہے۔علامہ اقبال نے بہت پہلے امت کی اس بیماری کی تشخیص کی تھی، کہا تھا:

مسجدیں مرثیہ خواں ہیں کہ نمازی نہ رہے
یعنی وہ صاحبِ اوصافِ حجازی نہ رہے

جی ہاں حجازی اوصاف والے اہلِ مساجد۔آج بھی ہمارے مسائل میں نماز اور مسجد کا مسئلہ سب سے اہم اور ہنوز لا ینحل ہے۔ اس کا پائدار اور قابلِ قبول حل سوچنے کی ضرورت پہلے سے زیادہ ہو گئی ہے، حکومتیں یا تو صلاۃ کمیٹیاں بناتی ہیں، یا پھر سب جگہ بیک وقت جماعت کرانے کے لئے اسکیمیں بناتی ہیں، نماز اور اہلِ نماز کے اوصاف و صفات کیا ہوں، اس پر کوئی نہیں سوچتا، لہٰذا مسلمانوں کی حقیقی بہی خواہ خود سے آگے آئیں اور اپنا تعمیری کردار ادا کریں۔ اگر گمراہی اور تباہی کے اسباب بڑھ رہے ہیں، تو خیر وصلاح کے اس مرکزی وسیلے

کے حوالے سے مجرمانہ غفلت برتنے کی بھی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔اس حوالے سے کوئی بھی مفید تجویز یا مشورہ ہو، تو خیر کے کام میں مددگار بن کر ضرور کہیں نہ کہیں شیئر کیا کریں۔

آخرت کی فکر

کہیں پڑھا تھا کہ کسی ملک میں یہ دستور تھا کہ ہر پانچ سال بعد وہ اپنا بادشاہ تبدیل کر لیتے تھے۔ اور بادشاہ کی تبدیلی کا طریقہ کار یہ ہوتا کہ مقررہ دن جو بھی شخص علی الصبح شہر میں سب سے پہلے داخل ہوتا وہ بادشاہ قرار پاتا۔
سابقہ بادشاہ کو وہ لوگ ایک ایسی اندھیر کوٹھری میں ڈال آتے جو ہر طرح کی آسائش اور سہولت سے خالی ہوتی اور وہاں پر بادشاہ اگلی ساری زندگی ایک بھکاری کی طرح گزارتا اور پھر اُسی کسمپرسی کی حالت میں دم توڑ جاتا۔
ایک بار ایسے ہی بادشاہ کے منتخب کرنے کا دن آن پہنچا تو اُس دِن جو شخص علی الصبح شہر کے سب سے بڑے داخلی دروازے کی طرف بڑھا، وہ نہایت عقلمند اور زیرک انسان تھا۔ جیسے ہی وہ شہر میں داخل ہوا، وزراء اور مشیروں نے بڑی گرم جوشی سے اُس کا استقبال کیا۔ اُسے شاہی سواری میں بیٹھا کر ایک جلوس کی شکل میں محل تک لیجایا گیا اور بڑی عزت اور مرتبے کے ساتھ اُسے شاہی لباس پہنا کر تخت پر بیٹھایا گیا۔

پھر اُسے وہ دستور پڑھ کے سنایا گیا کہ، "کیسے پانچ سال کے دوران تو اُس) بادشاہ (کی ہر جائز اور ناجائز خواہش کو پورا کیا جائے گا، لیکن اُس کے بعد اُسے اندھیر کوٹھری میں بالکل بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔"

نیا بادشاہ یہ شاہی فرمان سن کر کچھ سوچ میں پڑ گیا پھر اُس نے سب سے پہلا شاہی فرمان جاری کرتے ہوئے کہا "میں حکم دیتا ہوں کہ اُس اندھیر کوٹھری کو ایک خوبصورت محل کی شکل دی جائے اور وہاں پر زندگی کی ہر وہ سہولت مہیا کی جائے جو ایک عام انسان کے لیے ضروری ہے۔۔۔! "

تمام وزیر اور مشیر بادشاہ کے اِس پہلے اور انوکھے فرمان سے حیران رہ گئے۔ کیوں کہ اب تک جتنے بھی بادشاہ آئے تھے، کسی نے بھی ایسا حکم صادر نہیں کیا تھا۔ لیکن پھر بھی یہ شاہی حکم تھا تو شاہی معمار کام میں جُت گئے اور یوں دھیرے دھیرے پانچ سال کا عرصہ بھی اپنے اختتام کو پہنچ گیا اور وہ اندھیر کوٹھڑی بھی ایک عالی شان محل کی شکل اختیار کر گئی۔

تبدیلی کا دِن آیا تو بادشاہ نے خود اعلان کیا کہ "آؤ اور مجھے اُس جگہ چھوڑ آؤ جہاں تم مجھ سے پہلے بادشاہوں کو بے یار و مددگار چھوڑ کے آتے تھے۔۔! "

تبھی ایک وزیر آگے بڑھا اور بولا، "بادشاہ سلامت ! آپ سے پہلے جتنے بھی بادشاہ آئے وہ اپنی بیوقوفی اور نااہلی کی بدولت اپنے دردناک انجام سے بے خبر، حکومت کے نشے میں مست رہ کر وقت گزارتے اور پھر اگلی پوری زندگی اندھیر کوٹھڑی میں ایڑیاں رگڑ رگڑ کے دم توڑ جاتے، لیکن آپ نے تو نہایت دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پہلے ہی دن سے اپنے انجام کی فکر کی اور اُس اندھیر کوٹھری کو ہر قسم کے خطرات سے پاک کر کے اپنے رہنے لائق بنالیا، ہمیں آپ جیسے سمجھدار بادشاہ کی ہی ضرورت تھی۔اِس لیے ہم سب نے فیصلہ کیا ہے کہ آپ چاہے اِس محل میں رہیں یا اُس نئے محل میں قیام کریں، آپ کی مرضی ہے۔ لیکن ہم آئندہ کے لیے بھی آپ ہی کو اپنا بادشاہ منتخب کرتے ہیں۔۔۔۔"

اللہ کے نیک متقی اور پرہیزگار بندے اُس سمجھدار بادشاہ کی طرح ابھی سے اپنے انجام کی فکر کرتے ہوئے اُس اندھیر کوٹھری (قبر) کو ایک شاہی محل بنانے کی فکر میں جُت جاتے ہیں، اور دراصل یہی لوگ کامیاب ہیں اور یہی لوگ جنتی ہیں۔"

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اپنی مشہور کتاب " انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر" میں لکھتے ہیں :

" انگریزی عملداری کی ابتدا کا واقعہ ہے کہ ضلع مظفرنگر کے قصبہ کاندھلہ

میں ایک جگہ پر ہندو اور مسلمانوں میں تنازعہ ہوا کہ یہ ہندوؤں کا معبد ہے یا مسلمانوں کی مسجد ؟ انگریز مجسٹریٹ نے فریقین کے بیانات سننے کے بعد مسلمانوں سے تخلیہ میں پوچھا کہ کیا ہندوؤں میں کوئی ایسا شخص ہے جس کی صداقت پر آپ اعتماد کر سکتے ہیں اور جس کی شہادت پر فیصلہ کردیا جائے ؟ انہوں نے کہا : "ہمارے علم میں ایسا کوئی شخص نہیں ، ہندوؤں سے پوچھا تو انہوں نے کہا : " یہ بڑی آزمائش کا موقعہ ہے ، معاملہ قومی ہے ، لیکن پھر بھی ایک مسلمان بزرگ ہیں جو کبھی جھوٹ نہیں بولتے ، شاید وہ اس موقعہ پر بھی سچی ہی بات کہیں "یہ بزرگ مفتی الہی بخش صاحب (تلمیذ حضرت شاہ عبد العزیز صاحب خلیفہ حضرت سید احمد شہید کے خاندان کے ایک بزرگ تھے ،

مجسٹریٹ نے ان کے پاس چپراسی بھیج کر عدالت میں طلب کیا ، انہوں نے فرمایا کہ : " میں نے قسم کھائی ہے کہ فرنگی کا منہ کبھی نہ دیکھوں گا " مجسٹریٹ نے کہا " آپ میرا منہ نہ دیکھیں ، لیکن تشریف لے آئیں ، معاملہ اہم ہے ، اور آپ کے یہاں تشریف لائے بغیر فیصلہ نہیں ہو سکتا " وہ بزرگ تشریف لائے اور پیٹھ پھیر کر کھڑے ہو گئے ، معاملہ ان کی خدمت میں عرض کیا گیا اور دریافت کیا گیا کہ آپ کا اس بارے میں کیا علم ہے ؟، ہندوؤں اور مسلمانوں کی نگاہیں ان کے چہرے پر ہیں اور کان ان کے جواب پر لگے ہوئے تھے ، جس پر اس اہم معاملے کا فیصلہ ہونا ہے ۔ ان خداترس اور آخرت کی فکر کرنے والے بزرگ نے فرمایا کہ : " صحیح بات تو یہ ہے کہ جگہ ہندوؤں کی ہے ، مسلمانوں کا اس

سے کوئی تعلق نہیں۔" عدالت کا فیصلہ ہوگیا، جگہ ہندوؤں کو مل گئی، مسلمان مقدمہ ہار گئے، لیکن اسلام کی اخلاق فتح ہوئی، صداقت اور اسلامی اخلاق کے ایک مظاہرے نے چند گز زمین کھو کر بہت سے غیر مسلم انسانوں کے ضمیر اور دل ودماغ جیت لیے، (بہت سے ہندو اسی دن ان کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے۔" (صفحہ 360

افسوس فکر آخرت کی یہ تابناک مثالیں کتابوں میں ہی باقی رہ گئی ہیں، رہا مسلم معاشرہ، تو وہ "مسلمانی در کتاب و مسلمانان در گور" اسلام کتابوں میں اور مسلمان قبروں میں "کی زندہ مثال بن کر ساری دنیا میں زوال وذلت کی انتہا کو پہنچ چکا ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

روس میں تعمیر مساجد کی طرف رجحان

روس موجودہ دنیا میں ایک بڑا ملک ہے، بین الاقوامی اثر ورسوخ بھی اچھا خاصا رکھتاہے،اگرچہ سوویت یونین بظاہر بکھرگیا ہے مگر سابقہ یونین میں شامل اور اس کے علاوہ بہت سے ممالک میں روسی عمل دخل آج بھی دیکھنے میں آتا ہے، عالمی مسائل ومشکلات میں روس اپنے طور پر کاوشیں کرتا رہتاہے،اصل میں سوویت یونین کے انہدام کے بعد روس کو اپنی بقاٗ کی پڑ گئی تھی،پر ولادیمیر پوٹن کی شکل میں اسے ایک ایسا قائدمل گیا،جس نے ملک کے گرتے ہوئے مردِ بیمار کو سہارا دیا،اور اس میں نئی روح پھونک کراس کی تقدیر بدل دی،یوکرائن کے علاقے کرئمیہ پر دن دیہاڑے حملہ ،پھر اسے باقاعدہ اپنے ملک میں ضم کرنا بین الاقوامی قوتوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کرپوٹن کی ایک ایسی جرات اور جسارت تھی جو وہی کرسکتا تھا،چنانچہ وہ کرگیا،شام میں پوری دنیا کی مخالفت کے علی الرغم انقلابیوں کے مقابلے میں ایک خونخوار حاکم کی مستقل حمایت اور اسے اسلحہ سپلائی حالیہ دور میں روس کی کسی مہم جوئی سے کم نہیں
تھی،لیکن روس نے عرب ممالک اور مسلم دنیاکے ساتھ ساتھ امریکہ ویورپ کو بھی خاطر میں لائے بغیر یہ مہم جوئی بڑی ڈھٹائی سے جاری رکھی، یمن کے مسئلے میں بھی ٹانگ اڑانے کی ناکام روسی دوڑدھوپ کوئی

ڈھکی چھپی بات نہیں ہے۔البتہ وہاں ان کی ایک نہ چلی۔

اس وقت روس پاکستان کے ساتھ بھی دوستانہ تعلقات قائم کرنے کی کوششیں کررہاہے،پاکستان کو بھی آگے بڑھ کر دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہیئے تھا،جو یہ دونوں ممالک پچھلے کچھ عرصے میں کرچکے ہیں، لیکن ابھی ابتدائیات وشروعات ہیں،اُتنا نہیں ہوا ہے جتنا امریکن میڈیا نے اچھالا ہے، ان کا کہنا تو یہ ہے کہ پاکستان عالمی معاملات میں اب امریکن کے بجائے رشین بلاک کے قریب تر ہے،ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ خود روس گزشتہ کچھ مہینوں سے مسلم امہ کی قربتیں چاہتا ہے، مسلمان جو روس میں دوسری بڑی اکثریت ہےاور 18 سے 20 زبانوں والی اقوام پر مشتمل ہے چیچنیا، داغستان ،ابخاریا، انگوشتیا، کریمیہ اور تاتارستان جیسی اندرونی خود مختار مسلم، جمہوریات کے علاوہ پورے ملک بشمول موسکو میں یہ مسلمان پھیلے ہوئے ہیں، روسی مسلمانوں میں مہاجرین نہ ہونے کے برابر ہیں، ان کی اکثریت یہاں کی قدیم آبادیوں میں سے ہیں، روس کیمونزم کی وجہ سے دہریت، الحاد وزندقے کا مرکز ہے، مگر پھر بھی یہاں آرتھوڈوکٹ عیسائی اور مسلمان بہت ہیں، بس سب سے بڑا مسئلہ یہاں کا اور چین کا یہ ہے کہ یہ دونوں ممالک بند ڈبے کی طرح ہیں، اِدہر اندرونی کیا ہورہاہے، کیا خاصیات ہیں، کیا قبائح ہیں اس کا پتہ باہر کو کم ہی ہوتاہے، اوپننگ نہ ہونے کی وجہ سے ان سے استفادہ کرنا قدرے مشکل ہے، یورپ اور امریکہ دیگر ممالک کے

صحافیوں، سیاستدانوں اور معاشرے کے فعال کرداروں کو اپنے یہاں بلاتے ہیں، انہیں سیر و تفریح اور شکم سیری بھی کراتے ہیں، اپنا نقطۂ نظر بھی سمجھاتے ہیں، جبکہ یہ لوگ قندھاریوں کی طرح لین دین کے سوا کچھ کرتے کراتے نہیں ہیں، جس کی وجہ سے عالمی برادری میں ہوتے ہوئے بھی روس چین الگ تھلگ جزیرے ہیں، گلوبلائزیشن کے اس دور میں بھی یہ صحیح معنوں میں گلوبل نہیں ہیں، اِلا یہ کہ ان کے مفادات کو کہیں خطرہ ہو، تو وہاں ان کی رونمائی ہوتی ہے، حالانکہ ان کی جغرافیائی، اقتصادی اور سیاسی حیثیتوں کا تقاضا تھا کہ یہ بھی اگر قیادتِ عالم کا خواب اپنے سینے میں رکھتے ہیں، تو پہلے دنیا کو بڑی باریکی سے سمجھے اور اپنا آپ بھی تفصیل سے سمجھا دیں، اندھیرے میں تو کوئی ان کے قریب برضا و رغبت ہر گز نہ جائے گا، یہ اور بات ہے کہ کوئی گرتا ہوا انجانے میں ان کی جھولی میں جا گرے۔

شاید روس کو کچھ نہ کچھ یہ بات سمجھ میں آگئی ہے، انہوں نے اندرونی طور پر اقلیات کے ساتھ حسن سلوک کا ہاتھ بڑھایا ہے اور بیرونی طور پر ان کے ہم مذہبوں سے قریب ہونے کی مساعی شروع کر دی ہیں، پاکستان اور عالم عربی کے بارے میں روسی وِژن میں تبدیلی نظر آرہی ہے، شام کے مسئلے میں بھی وہ اپنی انا اور ضد (بشار الاسد) کو چھوڑ کر قوم کی چاہتوں کی طرف دھیرے دھیرے قدم بڑھا رہا ہے، اندرونی لحاظ سے روس نے مسلمانوں کے مفتیٔ اعظم کو ایک اتھارٹی تسلیم

کرلیا ہے، گویا مسلم پرسنل لَا کو قانون کا ایک حصہ قرار دیا ہے،اور اب موسکو جیسے بڑے اور گنجان شہر میں جہاں مسلمانوں کے لئے صرف چار (4) مساجد انتہائی ناکافی تھیں،لوگ سڑکوں،گلیوں اور پارکوں میں مسجد کے آس پاس نماز پڑھنے پر مجبور تھے،جس سے خود نمازی بھی تکلیف میں تھے اور عامۃ الناس کو بھی اشکالات تھے،وہاں نہ صرف روس بلکہ پورے یورپ کی سب سے بڑی مسجد تعمیرات کے اختتامی مرحلے میں داخل ہوچکی ہے،جس کی افتتاحی تقریب میں خود روسی صدر پوٹن بطورِ مہمانِ خصوصی شرکت فرمائینگے،عین ممکن ہے کہ اس موقعے پر وہ مسلمانوں کے لئے مزید مراعات کے بھی اعلانات کرینگے،عالمگیریت کے اس دور میں یہی روس اور اس جیسے دیگر ممالک کے مفاد میں ہے۔

ایک اور بالکل البیلا قدم یہاں روس میں یہ اٹھایا گیا ہے کہ شہری علاقوں میں پہلے تاتارستان کے دارالحکومت قازان میں اور اب موسکو میں موبائل مسجدوں کا تصور دیا گیا ہے،ایسی خوبصورت بسیں چلائی گئی ہیں کہ شاید وباید،جن میں استنجاَ خانے،وضو خانے اور امام و مقتدیوں کے لئے حسین وجمیل جائے نمازوں کا بندوبست کیا گیا ہے،اس کے لئے جگہیں مختص کر دی گئی ہیں،ان کے فون نمبر بھی متعارف کرائے گئے ہیں،مارکیٹ میں جن لوگوں نے نماز پڑھنی ہے،وہ فون کرکے مسجد منگوالیتے ہیں،یہ بالکل نیا اور جدید انداز اپنایا گیا ہے،وہاں کے کچھ مفتیوں نے شروع میں اس جدت سے خائف ہوکر اس پر

اعتراضات کئے، مگر مسلم عوام کی سہولت دیکھ کر اب وہ خاموش ہو چکے ہیں، لگتا ہے اسلام اب بھی اپنے آپ کو منوا رہا ہے، اللہ کرے مسلمان بھی اپنے آپ کو منوانے میں کامیاب ہوں۔

بہرحال روس میں یہ تبدیلیاں بڑی عالمی سطح کی تبدیلیوں کا پیش خیمہ ہے، اہل پاکستان مسلم مفکرین اور اہل علم ودانش کو چاہئیے کہ روسی مسلمانوں کی طرف متوجہ ہوں،، وہاں مساجد ومدارس کا یہ عمل تیزی سے آگے بڑھنا چاہیئے، روسی زبان میں اسلامی لٹریچر بھی بڑے پیمانے پر آنا ضروری ہے، اور اس پورے خطے کو اسلام اور مسلمانوں سے ہم آہنگ کرنے کے لیئے عربی زبان کے فروغ کی بھی بڑی ضرورت ہے، مسلم مفکرین، علماَ اور تاجروں کو بھی روسی علاقوں کے دوروں کا اہتمام کرنا ہوگا۔اس حوالے سے ان حضرات سے مدد لینے کی بھی ضرورت ہے جنہوں نے پاکستان میں تعلیم حاصل کی ہے یا ان کے ہمارے علماَ، مفکرین اور مصلحین سے تلمذ واسترشاد کا تعلق ہے اور ایسے حضرات کم نہیں ہیں۔

نفاذِ اردو۔۔۔ ویلڈن نواز شریف

وزیر اعظم جناب میاں نواز شریف صاحب نے ایک دو دن قبل اسلامی جمہوریہ پاکستان میں نفاذِ اردو کی طرف جو قدم اٹھایا ہے،اس کی تحسین کی جانی چاہیئے۔ بیورو کریسی اور اسٹبلیشمنٹ کے ذمہ داروں کی اب اس میں کوئی کوتاہی مناسب نہیں ہوگی، کیونکہ یہ پوری قوم کا دیرینہ مطالبہ ہے، خبر کی تفصیل کچھ یوں ہے: ’’وزیر اعظم نواز شریف نے تمام وزارتوں کو ریکارڈ انگلش سے اردو میں تبدیل کرنے کے لئے بیس دن کا وقت دے دیا ہے، وزارت اور سیز پاکستانیز وسمندر پار نے اپنے تمام ذیلی اداروں کو روزمرہ کے عام کام چھوڑ کر ریکارڈ کو انگلش سے اردو میں تبدیل کرنے کی ہدایت کرتے ہوئے کہا ہے کہ جلد از جلد تمام ریکارڈ فوری طور پر اردو میں تبدیل کرکے پندرہ دن میں رپورٹ وزارت کو دی جائے۔ذرائع کے مطابق وزیر اعظم نے تمام وزارتوں کو اپنے حکم میں کہا ہے کہ اردو زبان کو نافذ کرنے کے لئے کسی بھی قسم کی کوتاہی یا سستی برداشت نہیں کی جائی گی‘‘۔

اسی طرح کی ایک اچھی خبر کچھ ماہ پہلے بھی نشر ہوئی تھی، جو وزارت مذہبی امور اور بین الاقوامی اسلامی یونی ورسٹی کے درمیان عربی زبان کے فروغ کے

حوالے سے تھی، عربی ہو یا اردو یہ دونوں ہم پاکستانیوں کے لئے اس لئے اہم ہیں، کہ ایک ہماری مذہبی زبان ہونے کے ساتھ ساتھ عالمی سطح پر ہر فورم میں منظور شدہ ہے، اور دوسری ہماری قومی زبان ہے، کلمات اور جملوں کی ترکیب میں یہ دونوں متشابہ بھی ہیں، اصطلاحات بھی بیشتر طور پر ایک جیسی ہیں، دونوں دائیں سے بائیں کی طرف لکھی جاتی ہیں، حقیقت یہ کہ ان دونوں میں باہمی تلازم کا مضبوط رشتہ ہے، صدر ممنون حسین صاحب کے حکم پر چونکہ یہ خوش گوار اقدام کیا گیا تھا اس لئے وہ بذات خود اور موجودہ حکومت اس پر مبارکباد کے مستحق ہیں، اس دوسری خبر کی تفصیل بھی ملاحظہ ہو: ''

بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی کے شعبہ عربی نے وزارت مذہبی امور کے اشتراک سے پاکستان میں عربی زبان کے فروغ کے واسطے اساتذہ کیلئے تربیتی پروگرام کا اجرا کر دیا، عربی زبان کے فروغ کا یہ پروگرام صدر مملکت ممنون حسین کی تجویز پر شروع کیا گیا ہے۔ اس اقدام کیلئے صدر اسلامی یونیورسٹی ڈاکٹر احمد یوسف الدراویش اور وزیر مذہبی امور سردار محمد یوسف نے ایک جامع پروگرام تشکیل دیا ہے، جس میں یونیورسٹیز، کالجز، دینی مدارس اور سکولوں کے عربی اساتذہ کو عربی زبان کے فروغ کیلئے تربیت دی جائیگی۔ اس کورس کے دوسرے ہفتے کے تربیتی سیشن کے ریسورس پرسنز سعودی عرب کے ادارے \" عربی سب کے لئے \ العربیۃ للجمیع "سے ہوں گے۔ کورس کی افتتاحی تقریب میں وزیر مذہبی امور کے مشیر سجاد قمر، نائب صدر اعلی تعلیم و تحقیق اسلامی یونیورسٹی پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر منصوری،

ڈین فیکلٹی آف عربی ڈاکٹر محمد بشیر، فیکلٹی ممبران اور کورس کے شرکاء بھی موجود تھے .ڈاکٹر طاہر منصوری نے اپنے کلمات میں اس اقدام کو سراہتے ہوئے کہا کہ یونیورسٹی پاکستان میں تعلیم کے شعبے میں اہم کردار ادا کر رہی ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہر مسلمان کے لیے لازم ہے کہ عربی زبان سیکھے اور یہ اقدام عربی زبان کے فروغ میں نہایت معاون ثابت ہوگا۔ سجاد قمر نے اظہار خیال کرتے ہوئے زور دیا کہ حکومت پاکستان عربی زبان کے معیار کو بہتر بنانے اور کلاس اول سے میٹرک تک عربی کا لازم مضمون کے طور پر منصوبہ بندی کر رہی ہے۔ انہوں نے یونیورسٹی کے تجربہ کار اساتذہ کی مدد کو اس منصوبے کی تکمیل میں اہم سنگ میل قرار دیا۔ ڈاکٹر محمد بشیر نے اس ضمن میں اپنے مکمل تعاون کا اظہار کیا۔ اس موقع پر ڈاکٹر عبدالتواب، ڈاکٹر معید فادل، ڈاکٹر ظہیر احمد نے بھی شرکا سے خطاب کیا''۔ اللہ کرے مذکورہ موقر ادارے اس منصوبے کو فوری بنیادوں پر بروئے کار بھی لائیں۔

یہاں اصطلاحات کے تذکرے سے یاد آیا، گذشتہ مہینے وزیر اعظم نواز شریف صاحب کا ایک اور حکمنامہ بھی جاری ہوا تھا، جس میں انہوں نے میڈیا اور سرکاری اہل کاروں کو کہا تھا کہ وہ اسلامی اصطلاحات جب بھی اردو میں استعمال کریں تو اس کا اردو یا انگلش ترجمہ نہیں اصل عربی لفظ بولا اور لکھا کریں، یہ حکم اُن کا اللہ، رسول، توحید، ،شرک، ایمان، اسلام، قرآن، حدیث، فقہ، نور، بشر، حکمت

علم، فن، ادب، صوم، صلاۃ، رکوع، سجدہ، رمضان، مسجد، عید، کفر، فسق، نفاق، ارتداد، جہاد، زکاۃ، جنازہ، وغیرہ جیسے الفاظ و اصطلاحات کے متعلق تھا، جو ادبی اور علمی حلقوں میں بنظرِ استحسان دیکھا گیا۔

یہاں مسئلہ یہ ہے کہ بڑے بڑے محقق قسم کے لوگ بھی عربی الفاظ کے استعمال میں غلطی کر جاتے ہیں، مثلاً: لفظ (اللہ) کا ترجمہ خدا سے کر دیتے ہیں، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ ہی خدا ہے، اور خدا کہلانے کا مستحق صرف اللہ ہی ہے، لیکن اللہ کا ترجمہ خدا اور خدا کا ترجمہ اللہ نہیں ہے، اللہ ایک ذاتِ واجب الوجود کا نام ہے، جو اسمِ عَلم ہے، یعنی ایک ہی فرد کا نام ہے، جبکہ (خدا) الٰہ اور معبود کے معنی میں ہے، جس کو انگریزی میں گاڈ) اور ہندی میں (بھگوان) کہتے ہیں، اس کو یوں سمجھا جاسکتا ہے کہ لفظِ (محمد) ایک) شخص کا نام ہے، اس کا ترجمہ انسان سے نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ منطق کی اصطلاح میں انسان ایک نوع ہے، جس کے متعدد افراد کا خارج میں وجود ممکن ہے، جبکہ محمد رسول اللہ ﷺ ایک ہی فرد (فصل) ہے، متعدد نہیں، ترجمہ چونکہ ایک مستقل فن ہے، جس کے اپنے اصول و قواعد ہیں، لہٰذا ترجمے کی دنیا میں انسان کا لفظ جہاں آجائے وہاں محمد ﷺ سے ترجمہ نہیں کیا جائے گا، اب آپ کلمۂ توحید کو لے لیں، لاالٰہ اِلا اللہ کا ترجمہ یہ ہے، اللہ کے سِوا کوئی خدا نہیں ہے، اگر لفظِ اللہ کا ترجمہ خدا سے کرینگے، تو یوں ہوگا، خدا کے سِوا کوئی خدا نہیں

ہے، مرادی معنی نہیں، ترجمے کے اعتبار سے یہ ترجمہ صحیح نہیں ہے، اس میں بھی کوئی شک نہیں ہے کہ حقیقی معبود اور خدا تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں، مگر اس سے بھی انکار نہیں ہے کہ دنیا میں معبودانِ باطلہ بھی ہیں، لیکن اللہ ہونے کا دعویٰ کسی نے نہیں کیا، یہاں تک کہ فرعون نے بھی خدا اور رب (پالنے والا) ہونے کا اعلان کیا تھا، بہر کیف یہ بحثیں مشکل بھی ہیں، اخبارات کا موضوع بھی نہیں ہیں، یہ خالص علمی اور تحقیق وتدقیق ابحاث ہیں، وزیر اعظم نے اچھا کیا اس طرف توجہ کی، کہ یہ انتہائی ضروری تھا، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صحیح فہم وفراست نصیب فرمائے، تاکہ ہم اپنا اور اپنے ملک وملت کا قبلہ اعتدال، تحمل اور وسعتِ ظرفی کے ساتھ درست کر سکیں۔

رجال ساز

استاذ جی عربی سیکھنا چاہتا ہوں اسکے لیے کسی جگہ کی راہنمائی فرمائیں، میں نے الوداعی ملاقات کے موقع پر استاد محترم سے سوال کیا تو فرمانے لگے کہ برنس روڈ پہ ایک مولوی صاحب کے ہاں کورس ہوتا ھے وہاں داخلہ لے لو، اور ہو سکتا ھے کہ یہیں کچھ شروع کر لیا جائے.

یہ اس وقت کی بات ھے جب دورہ حدیث سے فراغت کے بعد میں اساتذہ کرام سے الوداعی ملاقاتیں کر رہا تھا اور ان سے مستقبل کے حوالہ سے مشورہ کر رہا تھا.

ویسے تو سبھی اساتذہ آنکھوں کے تارے ہیں، لیکن استاذ جی کیساتھ ایک خاص لگاؤ، بے تکلفی اور دوستانہ مزاج تھا.

استاذ جی کے منتخب کردہ کورس میں شمولیت کے لیے معلومات حاصل کیں تو پتہ چلا کہ اب وہاں عربی کا کورس نہیں ہوتا، اور چونکہ کسی بھی جگہ کوئی کورس نہیں ہو رہا تھا اس لیے بادل نخواستہ شوقِ عربیت کو پس پشت رکھنا پڑا، اور

. کسی دوسری مصروفیت کی تلاش میں چل پڑا، لیکن قسمت کو کچھ اور ہی منظور تھا
میں تھکا ہارا گھر پہنچا، پنکھے کی گرم ہوائیں میرے پسینہ کو سوکھنے نہ دے رہی تھیں اور
میں مستقبل کی سوچوں میں گم تھا کہ اچانک موبائل کی تیز چنگھاڑتی آواز نے مجھے
جھنجھلا دیا، دیکھا تو رفیقم عبدالجبار کا فون تھا، علیک سلیک کے بعد پہلا سوال ہی اس نے یہ
داغا کہ سنا ھیکہ جامعہ فاروقیہ میں استاذ جی کے اشراف میں تخصص فی الأدب شروع ہو
گیا ھے ؟ میں اس کے سوال پہ چونکا، لیکن خبر سے بے خبر تھا اس لیے کوئی جواب نہ دے
. سکا

اگلے دن علی الصبح اس خبر کی تصدیق کے لیے استاذ محترم کے پاس پہنچا تو انہوں نے
تصدیق فرمائی، میرے لیے یہ بہت ہی خوشی کا لمحہ تھا کہ امید بر آئی تھی اور عربی سیکھنے
کے لیے ایک اچھا موقع فراہم ہو گیا تھا، اور جامعہ فاروقیہ میں تخصص فی الأدب العربی
. دو سالہ کے آغاز کا اعلان لگ چکا تھا

اِن دو سالہ تخصص کے واقعات قلم بند کرنا مجھ جیسے ناکارہ کے بس میں تو نہیں، البتہ
. چند جھلکیاں پیش کرنا چاہوں گا

اگرچہ تخصص فی الادب میں ھم نے ادب عربی کی امہات الکتب پڑھیں، پڑھانے والے سبھی اساتذہ اپنی بھرپور صلاحیتوں کے ساتھ اپنا فن نفوس طلبہ میں جاگزیں کرتے رہے، تکلم اور خطابت کے شہنشاہ مولانا عبداللطیف طالقانی صاحب اپنی تمام تر صلاحیتوں کو بروئے کار لاتے ہوئے طلبہ کے اندر تکلم وخطابت کے جوہر پیدا کرتے رہے، فکر و ادب کے حسین موتیوں سے مزین مولانا عزیز الرحمٰن العظیمی صاحب سے فن شعر و شاعری و اوزان سیکھنے کا موقع ملا، مولانا ساجد الصدوی صاحب، مولانا حبیب زکریا صاحب جیسے ماہرین فنون سے بھی مستفید ہوئے.

لیکن تخصص میں ان سب امتیازات و خصوصیات کے علاوہ ایک ایسی خصوصیت تھی جو باقی سب خصوصیات کے لیے انجن کا کام کرتی تھی.

درحقیقت طالب علم کے اندر چھپے کسی ادیب، خطیب، مدرس، مفکر کو باہر لانا یہ ایک مشکل کام ہوتا ھے، جس کو بخوبی انداز میں استاذ محترم نے انجام دیا.

تخصص فی الادب میں میری پڑھائی کا پہلا دن وہ تھا جب داخلہ کے لیے عربی میں درخواست لکھ کر استاذ جی کو دی جو کہ تخصص کے مشرف بھی تھے، درخواست پڑھتے

ہی انہوں نے حیرت سے میری طرف دیکھا اور پوچھا کہ یہ تم نے لکھی ھے؟ میں نے کہا جی... مجھی سے لکھی گئی ھے، فرمانے لگے واہ تم نے تو کمال کر دیا، بس تم پاس ہو اور اب تمھارے تقریری امتحان کی ضرورت نہیں، اوپر جاؤ مولانا عبداللطیف صاحب سے کہو کہ درخواست پہ سائن کر دیں.

اب آپ خود ہی سوچیں کہ جس شخص نے ڈرتے ڈرتے درخواست لکھی ہو کہ پتہ نہیں کیا ہو گا، کبھی لکھی تو ھے نہیں، کہیں فیل ہی نہ کر دیا جاؤں،،، ایسے ناکارہ شخص کو جب ایسا اچھا رسپاؤنس ملے تو اسکی خوشی کا کیا عالم ہو گا؟

پھر یہی وہ رسپاؤنس، شاباشی، حوصلہ افزائی ہی اصل تربیت کرتی رہی، جب کبھی کوئی چھوٹا سا مضمون لکھ دیا وہیں عبقری و مجدد، حجازی و طنطاوی کے لقب ملنا شروع ہو گئے، اور حقیقت یہ ہوتی تھی کہ شاید معہد میں ثانیہ وثالثہ کا طالب علم بھی اس سے اچھی عربی لکھ لے، درحقیقت استاذ جی کی حوصلہ افزائی ایسی شامل حال رہتی کہ ھم خود کو عربی کے ادیبِ زماں و خطیب بے زمام سمجھ رہے ہوتے تھے.

ھمارے مقالات عربی و اردو کے استاذ جی خود اصلاح کے بعد الفاروق و دیگر رسائل و اخبار میں شائع کروا دیتے تھے، اور مضمون شائع ہونے پہ بہت زیادہ مبارک باد دیتے، کہ جس سے ھمارے اندر کا مردہ لکھاری یا جاگ جاتا یا وجود

پایا جاتا، حالانکہ کچھ ہی عرصہ بعد ھم جب اپنے سابقہ مقالات کو پڑھتے تو اپنے اوپر ھنسی آتی اور استاد جی کی حوصلہ افزائی اس وقت صحیح یاد آتی.

کلاس میں آنے والے مہمانوں سے طلباء کا اتنا بلند مقام تعارف کرواتے کہ ھم استاد جی کی مدح سرائی اور اپنی صفرانہ استعداد کے سبب شرم سے پانی پانی ہو جاتے، اور مہمان ایسے معتقد کہ تمنا کرتے کہ یہ فراغت حاصل کرنے کے بعد ھمارے ھاں خدمات انجام دیں.

کبھی کسی کو ڈانٹا نہیں، تنبیہ کی بھی تو ھنستے مسکراتے، البتہ راقم کو ایک مرتبہ اپنی سستی لا زوال کے سبب استاد محترم کا جلال دیکھنا نصیب ہوا تھا، جسکا دورانیہ آٹھ سے دس سیکنڈ ہو گا، لیکن یقین جانیے کہ ایسا محسوس ہوا کہ پاؤں تلے زمیں اور درون جسم روح نکل گئی ھو.

وہ بات بھی بھولتی نہیں جب ایک ساتھی نے تخصص کے منہج کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا اور ساتھیوں میں قلّت استعداد کا شکوہ کیا، یہ وہ زمانہ تھا کہ جب راسم نے تازہ تازہ فیز ٹو میں تقریر کی تھی، استاد محترم نے راسم کی طرف اشارہ کرکے کہا کہ: انظر إلی جدك ہذا، کیف خطب فی الحفلۃ، وواللہ لو ما خطب ہذا لفشلت الحفلۃ کلھا.

سبق کی تشریح اپنی عربی تعبیرات و ادبی انداز میں کرتے، اور ایجادات حدیثہ سے متعلق عربی جملے بتاتے، استاد محترم کی گفتگو میں ایسی مٹھاس اور ادب کی چاشنی ہوا کرتی کہ دل یہ کرتا کہ متن بھی استاد ہوں اور شرح بھی.

گھنٹوں ھمارے ساتھ بیٹھے یوں گپ شپ لگاتے کہ لگتا ہی نہیں تھا کہ استاذ سے باتیں کر رہے ہیں یا کسی لنگوٹیے دوست سے، لیکن یہ سب گپ شپ عربی میں ہوتی تھی، جس کے لیے کوئی خاص وقت نہ تھا، استاد جی دن ہو یا شام، رات ہو یا سحر جب موقع ملتا ھمارے ساتھ مجلس بنا لیتے اور عربی میں گپ شپ کا سلسلہ شروع ہو جاتا، کوئی اپنے سفر کا قصہ سنا رہا ھے، کوئی کسی عربی شاعر کی نقالی کرکے استاذ کو اسکے اشعار سنا رہا ھے، کوئی خطیب بنا ہوا ھے، کوئی نشید سنا رہا ھے تو کوئی کیا تو کوئی کیا، لیکن اس سب بے تکلفی کے باوجود استاذ جی کا ایسا رعب رہتا تھا کہ طلباء انکی موجودگی میں کبھی کوئی ناشائستہ حرکت نہ کرپاتے.

یہ ادبی مجالس کبھی بھلائی نہ جا سکیں گے، جو ھماری فکری و تعلیمی تربیت کی اصل کتاب تھیں.

ھمارے تخصص فی الاَدب اور معھد کا ہر ساتھی جو استاذ محترم کا فیض یافتہ رہا، فراغت کے بعد اعلی دینی خدمات کے لیے قبول ہوا، اور ملک پاکستان میں پھیل کر عربی کا ایک ایسا کام شروع کر دیا کہ ہر طرف سے عربیت کی صدا بلند ہوتی دکھائی دی اور یہ سلسلہ پھیلتا ہی چلا جا رہا ھے، وللہ الحمد.

استاذ جی کی انہیں خصوصیات کیوجہ سے ھم مکتب ساتھی اس بات پہ متفق تھے کہ اگر صانع الرجال/رجال ساز کسی کا لقب ہونا چاہیے تو وہ استاد جی ہیں.

آپ حضرات یقیناً یہ سوچ رہے ہونگے کہ مضمون تو ختم ہو گیا لیکن استاد جی کا نام ذکر نہیں ہوا، تو عرض کروں کہ اول تو یہ اوصاف پڑھنے کے بعد آپ خود ہی جان گئے ہونگے کہ استاد جی سے میری مراد کون ہیں، اور اگر نہیں جانے تو اس کا مطلب یہ ھے کہ آپ کو کبھی بھی استاد محترم سے ملاقات کا شرف حاصل نہیں ہوا، ورنہ ایک ملاقات ہی ان اوصاف کے موصوف کو جاننے کے لیے کافی ہوتی، تو آیئے پھر ان سے ملیے، یہ ہیں ھمارے دلگیر ہر دلعزیز شیخ الاَدب مولانا ولی خان المظفر صاحب دامت برکاتھم العالیہ.

نوٹ: یہ چند لکیریں محض اپنے ماضی کی یادوں میں کھو کر کھینچ دی ہیں، انہیں استاد محترم کی سیرت کا عنوان نہ دیا جائے، کیونکہ استاد محترم کی سیرت اس

. ے کہیں بلند و بالا ہے

مبشر البسام

تاتارستان سونے کی چڑیا

چنگیز خان کے مظالم تو آپ نے بہت پڑھے اور سنے ہوں گے، لیکن کیا ان کی اولادوں کے عظیم الشان کارناموں سے بھی آپ واقف ہیں، کیا یہی کوئی کم ہے کہ تاریخ میں ان پر کئے جانے المناک واندوہناک مظالم کے باوجود ان کی نسل آج بھی اسلام سے وابستہ و پیوستہ ہیں، اس سے جہاں ان کی استقامت کا پتہ چلتا ہے، وہیں اسلام کی حقانیت اور ابدیت کا بھی راز کھلتا ہے، بہر حال تاتارستان روس کی ایک اندرونی خودمختار جمہوریہ ہے۔ اس کا رقبہ 68 ہزار مربع کلومیٹر اور آبادی 38 لاکھ ہے۔ تاتارستان کا دارالحکومت مشہور تاریخی شہر قازان دنیا کے حسین ترین شہروں میں سے ایک ہے فیس بک، (https://www.facebook.com/urdu.sputnik/videos/535891259764540/) پر روسی ری پبلک تاتارستان کے دارالحکومت کازان کے بارے میں ایک مختصر تعارفی ڈاکومینٹری پیش کی گئی ہے۔ یہ بہت دلچسپ اور معلوماتی ہے، امید ہے کہ یہ فلم جو انگریزی زبان میں ہے، دیکھنے والوں کو پسند آئے گی۔ ویسے سوویت اتحاد کے خاتمے کے بعد ہی شہر ترقی کی راہ پر آ سکا۔ شہر کے تاریخی مرکز کو از سر نو تعمیر کیا گیا، جن میں سب سے نمایاں قل شریف مسجد ہے، جو اب روس کی سب سے بڑی اور مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی خوبصورت مساجد میں سے ایک ہے۔

تاتارستان روس کے یورپی علاقے کے مرکز میں ماسکو سے 8 سو کلومیٹر دور مشرق میں واقع ہے۔ یہ دریائے وولگا اور دریائے کاما کے درمیان اور مشرق میں کوہ یورال پہاڑی سلسلے تک پھیلا ہوا ہے۔

بلاد ماوراًالنہر میں واقع تاتارستان کے زیادہ تر لوگ تاتاری قومیت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور ان کی آبادی 20 لاکھ سے زیادہ ہے اور یہ کل آبادی کا 53 فیصد ہیں۔ تقریبا 39 فیصد آبادی یعنی 10 لاکھ لوگ روسی قومیت کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ ساڑھے 3 فیصد چواش، 0.5 فیصد ماری اور 0.64 فیصد ادمرت بھی تاتارستان میں رہتے ہیں اور تاتاری زبان بولتے ہیں۔ اس کے علاوہ قازاق، ازبک، باشکیر، لزگین، یوکرینی اور آذربائیجانی بھی آباد ہیں۔تاتارستان کی تاتاری آبادی کا مذہب اسلام ہے اور زیادہ تر لوگ سنی ہیں۔

آج کے تاتارستان کی سرحدوں میں سب سے پہلی معلوم ریاست وولگا بلغاریہ تھی، جو 700ء سے 1238ء تک قائم رہی۔ وولگا بلغاروں کی ریاست ایک ترقی یافتہ تاجر ریاست تھی۔ جس کے تجارتی تعلقات اندرونی یوریشیا، شرق اوسط اور بحیرہ بالٹک کے علاقوں سے تھے۔ اس ریاست نے اپنی آزادی کو کیویائی روس، قبچاق اور خزاری سلطنت کے دباؤ کے باوجود برقرار رکھا۔ تاتارستان میں

اسلام ابن فضلان کے اس علاقے میں 922ء میں سفر کے دوران بغداد کے مبلغین کے ذریعے پہنچا۔ وولگا بلغاریہ کو منگول فوجوں نے 1230ء کی دہائی کے آخر میں فتح کیا۔ وولگا بلغاریہ کے باشندے منگول فاتح باتوخان کی قائم کی ہوئی ریاست " اردوئے طلائی کے ترک منگول سپاہیوں اور آبادکاروں کے ساتھ گھل مل گئے ، جو قبچاق زبان " بولتے تھے اور ولگا بلغار بھی قبچاق تاتار زبان بولنے لگے اور وولگا تاتار کے نام سے پکارے جانے لگے ۔ ایک دوسرے نظریئے کے مطابق اس عرصے میں کوئی نسلی تبدیلی نہیں ہوئی ، بلکہ بلغار صرف قبچاقی تاتار زبان بولنے لگے ۔ 1430ء میں یہ علاقہ دوبارہ " خانان قازان یا خانیتِ قازان " کی شکل میں آزاد ریاست بن گیا اور اس کا صدر مقام قازان دریائے وولگا کے کنارے بلغاروں کے پرانے دارالحکومت بلغار شہر کے کھنڈرات سے 170 کلومیٹر شمال میں بنایا گیا۔

تاتارستان کو 1550ء میں زار روس ایوان چہارم (روسی زبان میں ایوان گروزنی یعنی ایوان خوفناک) کی فوجوں نے فتح کیا اور 1552ء میں قازان کا سقوط عمل میں آیا۔ اس کے ساتھ ہی روسیوں نے مسلمانوں پر مظالم کے پہاڑ توڑ دیے ، تاتاری مسلمانوں کی آبادی کے تیسرے حصے کو تہ تیغ کر دیا ، کچھ کو بزور شمشیر عیسائی بنا لیا گیا۔ بچے ہوؤں کو سائبیریا کے یخ بستہ صحراؤں کی طرف ہجرت پر مجبور کیگیا، قازان شہر میں گرجے بنا دیے گئے ، اس علاقے کی تمام

مساجد کو گرادیا گیا اور روسی حکومت نے مساجد کی تعمیر پر پابندی لگادی۔ زار روس ایوان چہارم نے تاتار مسلمانوں کے نشان ہلال کو گرجا گھروں میں صلیب کے نیچے یا پیروں میں لگانے کا حکم دیا اور اس کو مسلمانوں پر عیسائیوں کی فتح کا نشان قرار دیا۔ آج بھی روس کے تمام پرانے اور بہت سے نئے گرجا گھروں میں صلیب کے نیچے چاند دیکھا جاسکتا ہے۔ اور یہاں کے رہنے والے اکثر تاتاری مسلمانوں کو صلیب کے نیچے چاند لگانے کی وجہ معلوم نہیں، کیونکہ روسیوں نے تاریخ کو مسخ کرکے پیش کیا ہے۔

تاتارستان کے علاقے اور سائبیریا میں 15ویں صدی کے وسط سے 20 ویں صدی کے وسط تک دسیوں لاکھوں مسلمانوں کا قتل عام کیا گیا، لیکن تاریخ اس کے بارے میں خاموش ہے اور مقامی مسلمان بھی اس سے بے خبر ہیں کیونکہ روسی سلطنت اور سویت اتحاد نے ان حقاق کو دنیا کی نظروں سے چھپاکے رکھا ہے۔ اب اس بارے میں یہاں کے مقامی مسلمانوں میں شعور بے دار ہو رہا ہے اور یہاں سے چھپنے والے ان کے چند ایک اخبارات میں اس بارے حقائق شائع ہو رہے ہیں۔ تاتارستان کے کریملن میں قائم قل شریف مسجد شہید کرکے یہاں گرجا قائم کر دیا گیا تھا اور تاتارستان میں مساجد تعمیر کرنے پر پابندی 18ویں صدی تک رہی اور اس پابندی کو ملکہ کیتھرائن دوم نے ختم کیا اور پہلی مسجد 1770ء -1766ء میں کیتھرائن دوم کی سرپرستی میں بنائی گئی۔ سویت اتحاد کے خاتمے کے بعد تاتارستان اک نیم خودمختار جمہوریہ بنا تو قازان شہر کی کریملن میں ایک قابلِ دید اور شان

وشوکے والی یہ قل شریف مسجد دوبارہ تعمیر کردی گئی۔ یہاں کا کریملین اور یہاں کا قلعہ بھی بہت تاریخی اہمیت کا ہے، اسی لئے یونیسکو نے اس سے ثقافتی ورثے میں سرِ فہرست رکھا ہوا ہے۔

تاتارستان 19 ویں صدی میں صوفی اسلام کا مرکز بنا رہا اور تاتاری مقامی مذہبی روایات کی وجہ سے پوری روسی سلطنت میں دوسرے لوگوں سے دوستانہ تعلقات کی وجہ جانے جاتے تھے۔ تصوف زیادہ درآنے کی وجہ یہ ہے کہ یہاں کے مذہبی لوگوں نے زیر زمین پوشیدہ طور پر اپنے پاس بچی ہوئی محدود اسلامی تعلیمات حالت اضطرار میں سینے سے لگائے رکھیں، کتب بھی ناپید تھیں اور محقق رجالِ دین بھی۔ لیکن 1917ء کے انقلاب روس یا کیمونسٹ انقلاب کے بعد ان مذہب پسندوں کو پھر سے دبا دیا گیا۔ 1918ء سے 1920ء کی روسی خانہ جنگی کے دوران تاتار قوم پرستوں نے " ادیل یورال " کے نام سے ایک آزاد ریاست قائم کرنے کی کوشش کی۔ جس میں انہیں عارضی کامیابی ملی، مگر انقلاب میں کامیابی ملنے کے بعد ظالم وجابر بالشویکوں نے اس ریاست کو ختم کر دیا اور 27 مئی 1920 ء کو تاتار خودمختار سویت جمہوریہ کے قیام کا اعلان کیا، جب کہ وولگا تاتاروں کی اکثریت اس ریاست کی حدود سے باہر تھی۔

افغان جہاد کے بدولت سویت یونین کی شکست وریخت کے بعد دیگر اندرونی ریاستوں کی طرح 30 اگست 1990ء کو تاتارستان نے بھی اپنی آزادی کا اعلان کیا اور

1992ء میں وفاق روس سے آزادی کے لئے ریفرینڈم کروایا گیا، جس میں 62 فیصد لوگوں نے آزادی کے حق میں ووٹ دیا۔ مگر 15 فروری 1994ء میں تاتارستان کی حکومت اور روسی وفاقی حکومت کے درمیان ایک معاہدے پر دستخط ہوئے، جس میں تاتارستان کو فیڈریشن کا حصہ بنایا گیا، البتہ اس معاہدے کی رو سے تاتارستان دوسرے ملکوں کے ساتھ اقتصادی تعلقات قائم کر سکتا ہے۔ یہ معاہدہ وفاق روس کی طرف سے تاتارستان کی آزادی کو عارضی طور پر ماننے کے مترادف ہے، کیونکہ اس معاہدے میں تاتارستان کے اقتدار اعلی کو تسلیم کیا گیا ہے۔

تاتارستان معدنی اور قدرتی وسائل سے مالا مال ہے، اس کے قدرتی وسائل میں تیل، قدرتی گیس، جپسم اور کئی دوسرے معدنیات شامل ہیں۔ ایک اندازے کے مطابق تاتارستان کے تیل کے ذخائر ایک ارب ٹن سے زیادہ ہیں۔ تاتارستان چیچنیا کے مانند وفاق روس کے امیر ترین اور حسین ترین علاقوں میں سے ایک ہے۔ اس کی بنیادی وجہ اس کی تیل کی صنعت ہے۔ 1960ء کی دہائی میں تاتارستان، سویت اتحاد کا سب سے زیادہ تیل مہیا کرنے والا علاقہ تھا۔ صنعتی مصنوعات تاتارستان کی جی ڈی پی کا 45 فیصد پیدا کرتی ہیں۔ بہت زیادہ ترقی یافتہ صنعتوں میں پیٹروکیمیکل اور ہیوی ٹرک (کماز) بنانے کی صنعت ہے۔ 2006ء میں تاتارستان کی جی ڈی پی 24 ارب امریکی ڈالر تھی۔ ریاست کا آمد ورفت کا نظام بہت جدید ہے، جس میں سڑکیں، شاہراہیں، ریلوے لائنیں (راہ آہن) اور

جہاز رانی کے قابل دریا، دریائے کاما (تاتاری: چلمان) دریائے ویاتکا (تاتاری: نوفرت) اور دریائے بیلائیا (تاتاری: آغ ادیل) اور تیل وگیس کی پائپ لائنیں شامل ہیں۔ تاتارستان کے علاقوں سے گیس کی بڑی بڑی پائپ لائنیں گذرتی ہیں، جن کے ذریعے گیس اورنگوئے اوریامبرگ سے مغربی روس اور یورپ کے بہت سے علاقوں کو پہنچائی جاتی ہے اور اس کے علاوہ بڑی بڑی پائپ لائنوں کے ذریعے تیل بھی روس کے علاقوں اور یورپ کو مہیا کیا جاتا ہے۔

گذشتہ دنوں تاتار صدر رستم مینی خانوف نے ترکی کا دورہ کیا، جس کے بعد روسی جمہوریہ تاتارستان میں ترک سرمایہ کاری میں ہر گزرتے دن کے ساتھ بہت اضافہ ہو رہا ہے، اس دورے میں تاتارستان کے صدر جناب رستم مینی خانوف ترکی کی ضلع ڈینیزلی تشریف لائے، جہاں انہوں نے صنعتی علاقے کا دورہ کیا اور ٹیکسٹائل ملوں کا جائزہ لیا، دورے کے دوران ترکی کے وزیر اقتصادیات نہات زیبک چی مہمان صدر کے ہمراہ تھے، دورے کے دوران انہیں ڈینیزلی کے کاروباری حضرات کی تاتارستان میں سرمایہ کاریوں کے بارے میں مفصل معلومات فراہم کی گئیں، اس موقع پر نہات زیبک چی نے ڈینیزلی کے سرمایہ کاروں سے بھی تاتارستان میں سرمایہ کاری کرنے کی اپیل کی، زیبک چی نے کہا کہ خواہ روس کے ساتھ ہو یا روس کے اندر کے اس (درخشاں ستارے) یعنی تاتارستان کے ساتھ ہو تجارت میں اضافہ کیا جائے گا، لگتا ہے ترکی، روس اور تاتارستان اب کے بعد باہم سب سے زیادہ

کمانے والے ممالک ہوں گے۔

اسی طرح ایک دو ماہ قبل سعودی نائب ولی عہد شہزادہ محمد بن سلمان نے جب روس کا دورہ کیا، تو اس وقت انھوں نے تاتاری صدر رستم بھی ملاقات کی، دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی، اقتصادی اور تعلیمی ودعوتی امور پر خاصا گفت وشنید ہوئی، باہمی روابط بڑھانے پر بھی اتفاق کیا گیا۔اس سے پہلے ۱۷ جون کو قازان میں او آئی سی اور تاتارستان کے اشتراک سے ساتویں تجارتی سربراہی کانفرنس منعقد ہوئی تھی، جس کا افتتاح صدر رستم اور اسلامی ترقیاتی بینک کے سربراہ ڈاکٹر احمد محمد علی نے کیا تھا،اس میں عالم اسلام بطورِ خاص خلیجی ممالک اور مقامی حکومت کے درمیان کئی معاہدوں پر دستخط بھی ہوئے، عجیب بات یہ ہے کہ اس وقت نہ صرف تاتاری حکومت بلکہ رشین فیڈریشن بھی چاہتاہے کہ مسلمان ہمارے قریب ہوں اور ہم ایک دوسرے سے استفادہ کریں۔

گذشتہ مئی میں تاتارستان اور امارات کی حکومتوں کے درمیان کئی سائنسی اور ٹیکنکل اور دوسری (tida) معاہدے ہوئے، جس میں بنیادی کردار ایک طرف تاتاری کمپنی کا تھا،اس موقع پر دونوں طرف سے مستقبل میں ایک (tgic) طرف سے اماراتی کمپنی دوسرے کے مزید قریب آنے پر گفتگو ہوئی، حقیقت میں اس سب کا کریڈٹ تاتاری صدر کو جاتاہے، جس نے چار سال قبل ملک کی باگ ڈور سنبھالنے کے بعد

اپنے ملک کو نہ صرف روس میں بلکہ پوری دنیا میں ایک باعزت اور باوقار مقام دلایا۔ یہاں یہ نہایت قابل ذکر ہے کہ چنگیز خان مطلق العنان اور ایک بہت بڑا حکمران تھا، مگر اس نے کوئی جائداد و دولت کبھی بھی جمع نہیں کی۔

کیا ہمارے حکمران، دانشور اور علماَ تاتاریوں سے کچھ یکھنا چاہیں گے، کہ ملک وملت کی حفاظت کیسے کی جاتی ہے،اور اسے ترقی کی شاہراہوں پر کیسے گامزن کیا جاتا ہے، تاتاری مسلمان اور جمہوریہ تاتارستان اہل اسلام کی وہ گم گشتہ متاع تھی، جو اب بازیافت ہوئی ہے،ان کا دارالحکومت سونے کی چڑیا اور ایک انمول موتی ہے کیا ہے کوئی، جو اس موتی کو حاصل کرسکے ؟۔

سورۂ مزمل ومدثر

از: سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان

(1) اے چادر اوڑھنے والے

(2) قیام کرو رات کو، مگر تھوڑا سا

(3) آدھی رات، یا اس سے (بھی) کچھ کم

(4) یا اُس پر کچھ بڑھا کر، اور پڑھا کرو قرآن کو ٹھہر ٹھہر کر

(5) یقیناً ہم عنقریب ڈالنے والے ہیں آپ پر ایک بھاری فرمان (کا بوجھ)

(6) بے شک رات کا اٹھنا (نفس) کو اچھی طرح روندنے والا ہے اور بالکل سیدھی بات کہنے کا (وقت ہے)

(7) واقعی آپ کی مصروفیت دن میں طویل ہوتی ہے

(8) اور آپ اپنے رب کے نام کا ذکر کرو اور اسی کی طرف سب سے کٹ کر یکسُو ہو جاؤ

(9) مشرق اور مغرب کا رب، کوئی خدا نہیں، صرف وہی ہے، تو اسی کو پکڑ لے کارساز

(10) اور صبر کرو اس پر جو کچھ یہ یہ لوگ کہتے ہیں، اور الگ رہو ان سے

اچھے انداز سے

اور چھوڑیئے مجھے اور ان جھٹلانے والے دولتمندوں کو (نپٹنے کیلئے) اور ان کو (11)
مہلت دے دو تھوڑی سی

بے شک ہمارے پاس بیڑیاں ہیں اور دوزخ ہے (12)

اور کھانا ہے گلو گیر،اور المناک عذاب ہے (13)

جس دن زمین لرزنے لگے گی اور پہاڑ (بھی)، اور ہو جائیں گے پہاڑ پھسلتے (14)
ہوئے ریت کے ٹیلے

بلاشبھہ ہم نے بھیجا ہے تمھارے پاس ایک رسول گواہی دینے والا تمھاری (15)
باتوں) پر، جس طرح ہم نے فرعون کے پاس ایک رسول بھیجا تھا)

سو نافرمانی کی فرعون نے اُس رسول کی، تو ہم نے اس کو پکڑا وبال والی پکڑ (16)
میں

تو تم کیسے بچوگے ،اگر مؤمن نہ ہوئے، اُس دن سے جو بچّوں (بھی) کو بوڑھا (17)
کر دے گا

آسمان جس کی وجہ سے پھٹ جائے گا۔ اس کا وعدہ ہو کر رہے گا (18)

یقیناً یہ نصیحت ہے۔ سو جو چاہے اختیار کرلے اپنے رب کی طرف راستہ (19)

یقیناً تیرا رب جانتا ہے کہ آپ قیام کرتے ہیں ،دو تہائی رات کے (20)

قریب،اورآدھی رات،اور تہائی رات، اور کچھ لوگ اُن میں سے جو تمھارے ساتھ
(ہیں۔ اور اللہ درجہ بندی کرتا ہے رات اور دن کا۔ وہ جانتا ہے کہ تم اس کو گن (نباہ

نہ سکو گے ،تو اس نے تم پر مہربانی کی۔ پس پڑھ لیا کرو جتنا آسان ہو قرآن میں سے۔ وہ جانتا ہے کہ تم میں بعض بیمار ہوں گے اور بعض سفر کرتے ہوں گے زمین میں،تلاش کا فضل طلب کرتے ہوئے، اور بعض لڑتے ہوں گے اللہ کی راہ میں ۔ تو پڑھ لیا کرو جتنا اس میں یَتَسَر ہو۔ اور نماز پڑھتے رہو،اور زکاۃ ادا کرتے رہو ،اور قرض دیتے رہو اللہ کے بندوں) کو قرضِ حسن۔ اور جو تم اپنے لئے آگے بھیجو گے نیکی، اسے پاؤ گے اللہ) کے پاس، وہ زیادہ اچھا اُس سے اور اجر میں بڑا۔ اور بخشش مانگتے رہو اللہ سے۔ بے شک اللہ بخشنے والا ہے مہربان ہے

مدثر

اے کپڑا اوڑھنے والے (1)

کھڑے ہو جاؤ اور ڈرادو (2)

اور اپنے رب کی تو بڑائی بول (3)

اور اپنے کپڑوں کو تو پاک رکھ (4)

اور ناپاکی سے تو دور رہو (5)

اور احسان نہ کرو زیادہ کی طلب میں (6)

اور اپنے رب کے لئے تو صبر کرو (7)

پس جب پھونکا جائے گا صور میں (8)

تو اُس دن ایک مشکل دن ہوگا (9)

کافروں پر نہ ہوگا آسان (10)

چھوڑ یئے مجھے اور اُس کو جسے میں نے تنہا پیدا کیا (11)

اور کردیا میں نے اُس کا مال پھیلا یا ہوا (12)

اور بیٹے حاضر باش (13)

اور میں نے وسعت دی اسے ہر طرح کی (14)

پھر خواہش رکھتا ہے کہ اور زیادہ دوں (15)

ہر گز نہیں ، یہ دشمن بنا پھرتا ہے ہماری آیتوں کا (16)

اب اسے مشکل میں ڈالوں گا ایک چڑھائی پر (17)

اس نے سوچا اور اندازہ کیا (18)

سَو غارت ، ہو کیسا اندازہ لگایا19

پھر سے غارت ہو ، کیسا اندازہ لگایا (20)

پھر دیکھا (21)

پھر چیں بجبیں ہوا اور ناک چڑھائی (22)

پھر پیٹھ دیدی اور تکبر کیا (23)

پس کہنے لگا، کہ یہ تو کوئی جادو ہے منقول (24)

یہ تو انسان ہی کا کلام ہے (25)

اب اسے ڈالوں گا سقر میں (26)

اور آپ کو کیاپتہ، سقر کیا ہے؟ (27)

نہ باقی رکھے گی اور نہ چھوڑے گی (28)
چلانے والی ہے جسموں کو (29)
اس پر اُنیس ہیں (30)
اور ہم نے نہیں بنائے دوزخ کے داروغے مگر فرشتے ہی۔ اور ہم نے نہیں بنایاان کی تعداد کو مگر کافروں کے لئے ایک آزمائش، تاکہ اہل کتاب یقین کریں اور مؤمنوں کا ایمان زیادہ ہو، اورتاکہ اہل کتاب اور مومن شک نہ کریں۔ اورتاکہ کہیں وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے اور کفار، کہ مراد کیا ہے اللہ کی اس مثال سے؟ اسی طرح گمراہ کرتا ہے اللہ جس کو چاہتاہے اور ہدایت کرتا ہے جسے چاہتا ہے، اور کوئی نہیں جانتا تیرے رب کے لشکروں کو مگر وہ خودہی۔ اور نہیں ہے یہ مگر انسان کے لئے ایک نصیحت ہے (31)
بالکل نہیں، چاند کی قسم (32)
اور رات کی قسم جب پھرنے لگے (33)
اور صبح کی قسم جب روشن ہو (34)
یقیناًیہ بڑی باتوں میں سے ایک ہے (35)
ڈرانے والا ہے بشرکے لئے (36)
اس کے لئے جو تم میں سے آگے بڑھنا چاہے یا پیچھے ہٹنا چاہے (37)
ہر شخص اپنے کئےکے بدلے گروی ہے (38)
مگر داہنی طرف والے (39)

باغوں میں ہوں گے، مل کر پوچھتے ہوں گے (40)
گنہگاروں سے (41)
کیا چیز تمہیں دوزخ لے آئی؟ (42)
وہ کہیں گے، ہم نمازیوں میں سے نہ تھے (43)
اور نہ مسکین کو کھلاتے تھے (44)
اور ہم باتیں بناتے رہتے باتیں بنانے والوں کے ساتھ (45)
اور ہم جھٹلاتے تھے روزِ جزا کو (46)
حتیٰ کہ ہمیں یقین آگیا (47)
تو فائدہ نہ دے گی انہیں سفارشیوں کی سفارش (48)
تو ان کو کیا ہوا ہے، نصیحت سے منہ موڑتے ہیں (49)
گویا وہ کچھ گدھے ہیں بدکنے والے (50)
بھاگے ہیں کسی شیر سے (51)
بلکہ چاہتا ہے ہر شخص ان میں سے کہ اسے کھلی ہوئی کتاب دی جائے (52)
ہرگز نہیں۔ بلکہ یہ آخرت سے نہیں ڈرتے (53)
بے شک یہ نصیحت ہے (54)
تو جو چاہے اسے یاد رکھے (55)
اور یاد بھی تب ہی رکھیں گے جب اللہ چاہے۔ وہی ڈرنے کے لائق ہے اور (56)
بخشش کا مالک ہے

الملک

از: سماحة الامام الشیخ سلیم اللہ خان

(1) بہت برکت والا ہے وہ جس کے ہاتھ میں ملکیت ہے ،اور وہ ہر چیز پر قادر ہے

(2) جس نے پیدا کیا موت اور زندگی کو، تاکہ تمہیں آزمائے، (کہ) تم میں کون بہتر عمل والا ہے۔ اور وہ زبردست ہے، بخشنے والا ہے

(3) جس نے پیدا کئے سات آسمان اوپر تلے ،تو نہیں دیکھے گا رحمٰن کی تخلیق میں کچھ نقص ، پس لوٹا کر نگاہ کر، بھلا تو دیکھتا ہے کوئی توڑ پھوڑ ؟

(4) پھر سے لوٹادے نظر کو دو مرتبہ، لوٹ آئیگی تیری طرف نظر ذلیل ہو کر، اور وہ تھکی ہوئی ہوگی

(5) اور بے شک ہم نے زینت دی قریب کے آسمان کو کچھ چراغوں سے، اور اُنہیں بنایا سنگ باریاں شیطانوں کے لئے ، اور ہم نے تیار کر رکھا ہے ان کے لئے دہکتی آگ کا عذاب

(6) اور اُن کے لئے جنھوں نے اپنے رب کا انکار کیا، جہنم کا عذاب ہے،اور وہ بری منزل ہے

(7) جب وہ ڈالے جائیں گے اُس میں، تو سنیں گے اُس کی آہیں، اور وہ جوش

مار رہی ہو گی

لگتا ہے پھٹ پڑے گی غصے سے ۔ جب بھی ڈالی جائے گی اس میں کوئی جماعت، (8)

پوچھیں گے ان سے اُس کے داروغے، کیا نہیں آیا تھا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا ؟

وہ کہیں گے، کیوں نہیں، بے شک آیا تھا ہمارے پاس ایک ڈرانے والا، پس ہم (9)

نے اس کو جھٹلا دیا، اور ہم نے کہا، اللہ نے تو کوئی چیز نازل ہی نہیں کی۔ تم تو ہو کسی

بڑی غلطی میں

اور کہیں گے ،اگر ہم سنتے یا عقل سے کام لیتے، تو ہم نہ ہوتے دوزخ والوں (10)

میں

پس وہ اقرار کرلیں گے اپنے گناہ کا، سو ہلاکت ہو دوزخ والوں کے لئے (11)

جو لوگ ڈرتے ہیں اپنے رب سے بن دیکھے، ان کے لئے بڑی بخشش ہے اور (12)

اجر عظیم ہے

اور تم چھپ کے بات کرو یا کھول کر اُسے، بے شک وہ خوب جانتا ہے سینوں (13)

کے راز

بھلا وہ نہ جانے جس نے پیدا کیا؟ وہی باریکیوں کا جاننے والا ہے اور خوب (14)

باخبر ہے

وہی ہے جس نے کیا تمہارے لئے زمین کو تابعدار، تو چلو اس کے کاندھوں میں (15)

اور کھاؤ اللہ کی دی ہوئی روزی، اور تم کو اسی کے پاس جی اُٹھنا ہے،

کیا تم بے خوف ہو گئے اس سے جو آسمان میں ہے، کہ دھنسا دے تم کو زمین (16)
میں، پس وہ اس وقت ہلنے لگے
کیا تم نڈر ہو اس سے جو آسمان میں ہے، کہ تم پر چھوڑ دے کوئی ہوا کنکر باری (17)
والی۔ سو تم عنقریب جان لوگے کہ میرا ڈرانا کیسا ہے
اور بے شک تکذیب کی تھی ان سے پہلوں نے، سو کیسی تھی میری سزا (18)
کیا انہوں نے نہیں دیکھا اُڑتے ہوئے پرندوں کو اپنے اوپر، پروں کو پھیلائے (19)
ہوئے اور ان کو سکیڑ بھی لیتے ہیں۔ کوئی نہیں تھام سکتا اِنکو رحمٰن کے سوا۔ بے شک وہ
ہر چیز کو دیکھ رہا ہے
ایسا کون ہے، جو وہی آپکی فوج ہو کر تمہاری مدد کرکے رحمٰن کے سوا۔ کافر تو (20)
دھوکے میں ہیں
بھلا کون ہے جو تمہیں رزق دے اگر وہ اپنا رزق بند کرلے ؟ بلکہ یہ جا گھسے (21)
ہیں سرکشی اور نفرت میں
بھلا جو شخص چلتا ہوا منہ کے بل گر پڑتا ہے وہ زیادہ راہ پانے والا ہے، یا وہ (22)
جو چل رہا ہے ٹھیک، سیدھی راہ پر؟
کہو، یہ وہ ہی تو ہے جس نے تم کو پیدا کیا، اور بنائے تمہارے کان اور آنکھیں (23)
اور دل، تم کم ہی شکر کرتے ہو
کہہ دو، وہ وہی ہے جس نے تم کو زمین میں پیدا کیا اور اسی کی طرف تمہارا (24)
حشر ہوگے

اور یہ کہتے ہیں، یہ وعدہ کب کا ہے اگر تم سچوں میں سے ہو؟ (25)
کہہ دو، اس کا علم تو اللہ ہی کو ہے، اور میں تو بس ایک ڈرانے والا ہوں واضح (26)
سو جب دیکھیں گے اسے قریب آتا ہوا، برے ہو جائیں گے کافروں کے چہرے (27)
اور کہدیا جائے گا کہ یہ وہی ہے جس کے تم طلبگار تھے،
کہو، بھلا دیکھو تو سہی، اگر ہلاک کر دے اللہ مجھے اور میرے پاس والوں کو، یا (28)
ہم پر مہربانی کرے۔ تو کون پناہ دے گا کافروں کو المناک عذاب سے؟
کہہ دو، وہی رحمٰن ہے، ہم اس پر ایمان لائے ہیں اور اسی پر توکل کرتے ہیں۔ (29)
جلد تم جان لوگے، کہ کون صریح گمراہی میں تھا
کہو، بھلا دیکھو تو سہی، اگر ہو جائے تمہارا پانی اندر کو جاتا ہوا، تو کون لائے گا (30)
تمہارے لئے پانی پھوٹتا ہوا

مولانا فضل الرحمٰن کی جمعیت نے حالیہ دنوں ایک شایانِ شان 'اسلامی تہذیب کانفرنس' بڑے دھوم دھام سے منعقد کی، وہ اس سے کچھ لوگوں کو پیغام دینا چاہتے ہیں کہ مغربی تہذیب کے مقابلے میں اسلامی تہذیب کو اجاگر کیا جائے گا، تہذیب، تمدن اور ثقافت کا تعلق زبان سے ہے، اسی لئے ان کی کوششوں سے موجودہ حکومت نے اردو زبان کے نفاذ کا بیڑا اٹھایا ہے، نصف صدی سے بھی زیادہ مدت کے بعد وزیر اعظم نواز شریف کی طرف سے احکامات بھی آگئے ہیں اور مختلف وزارتوں وسفارتوں میں تعمیل حکم بھی جاری ہے، لیکن ہماری ستم ظریفی دیکھئے کہ قوم کے اس اجماعی مطالبے اور اجتماعی خواہش کی طرف پیش قدمی کو میڈیا میں مختلف مواقع پر ہدفِ تنقید وتنقیص بنایا جارہا ہے، لسانیات میں محاوروں، کہاوتوں، اعلام، اصطلاحات، ضرب الامثال، تشبیہات، استعاروں اور کنایوں کے لطائف وقواعد سے بجا طور پر خبر نہ رکھنے والے یہاں عجیب وغریب مثالیں دے کر اس اہم مسئلے کی تخفیف کررہے ہیں، ایسے حضرات کی خدمت میں مؤدبانہ عرض ہے کہ یہاں مذکورہ نگارشات کے ساتھ ساتھ لسانیات کے موضوع کو کچھ وقت دے کر اسے سمجھا جائے اور پھر اس پر عالمانہ وماہرانہ لب ولہجے میں تعمیری گفتگو کی جائے، تو شاید یہ ہم سب اور ملک وملت کے حق میں بہت بہتر ہوگا۔ آیئے ہم

اس پُر لطف موضوع پر آپ کو لئے چلتے ہیں۔

محاورہ عربی زبان کا لفظ ہے اس میں " محور" شامل ہے جس کے معنی ہیں مرکزی" نقطۂ فکر و عمل۔ جس کے گرد دائرے بنائے جاتے ہیں۔ یہاں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ محاورہ زبان کا مرکزی نقطہ ہوتا ہے یعنی وہ دائرہ جو مختصر ہونے کے باوجود اپنے گرد پھیلی ہوئی بہت ساری حقیقتوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ ہمارے محاورات ہمارے مُشاہدوں اور طرح طرح کے تجربوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے انہیں کہیں عام معاشرتی انداز فلسفیانہ اور کہیں شاعرانہ انداز سے سامنے لایا جاتا ہے۔ اس میں گاہ گاہ پیشہ وارانہ انداز بھی شامل رہتا ہے۔ اور طبقہ وارانہ بھی اس میں ہمارے قدیم الفاظ بھی محفوظ ہیں اور قدیم روز مرّہ بھی یہ عمومی زبان اور عام لب و لہجہ سے قریب ہوتا ہے اور ایک حد تک اِس میں تخیل اور تجربہ کا اور تجزیہ کا آمیزہ بھی پایا جاتا ہے۔

زبان " کے آگے بڑھنے میں سماج کے ذہنی ارتقاء کو دخل ہوتا ہے۔ ذہن پہلے کچھ " باتیں سوچتا ہے، اُن پر عمل درآمد ہوتا ہے، اور وہیں سے اُس سوچ یا اُس عمل کے لئے الفاظ تراشے جاتے ہیں۔ اور پھر اُن میں سے کچھ فقرہ اور جملے محاورات کے سانچے میں ڈھلتے ہیں۔ اور ایک طرح سے محاورہ کی اِس حیثیت پر ہم نے کوئی کام نہیں کیا۔ اب تک یہ تو ہوتا رہا کہ محاورہ کی صحتِ استعمال پر زور دیا گیا۔ اُس کی نوکِ پلک دُرست رکھی گئی۔ اور اِس طرح کی کتابیں بھی

بعد کے زمانے میں تحریر ہوئیں کہ محاورے کے معنی یہ ہیں اور اِس کا استعمال یہ ہے۔ یہ کام تدریسی نقطہ نظر کی سطح پر ہوا۔ یا پھر زبان کے ایک بڑے حصّے کو محفوظ کرنے کی غرض سے اسے انجام دیا گیا۔ چرنجی لال کی لغت مخزن المحاورات اسی کا ایک اہم نمونہ ہے اور قابلِ تعریف کام ہے۔ جس کو اب ایک طویل عرصہ گزرنے پر ایک یادگار عملی کام قرار دیا جا سکتا ہے۔

مگر اِس ضمن میں محاورے پر اس پہلو سے غور و فکر نہیں کیا گیا کہ اُس نے ہماری زبان و بیان، تہذیبی رویوں اور معاشرتی تقاضوں سے کس طرح کے رشتہ پیدا کئے۔ اُن کو زبان و ادب اور معاشرت کا آئینہ دار بنایا۔ جب کہ محاورات کے سلسلے میں یہی سب سے اہم پہلو تھا اس لئے کہ زبان اور ادب کا ایک "اٹوٹ" اور "گہرا رشتہ" تہذیب سے ہوتا ہے۔ اور تہذیبی رشتہ وہ ہوتا ہے جو ہمارے معاشرتی رویوں کو سمجھنے اور سمجھانے میں مدد دیتا ہے بلکہ اُن کے لئے روشنی اور رہنمائی کے طور پر کام آتا ہے۔

تہذیبی مطالعہ ایک الگ سلسلۂ فکر و نظر ہے اور اخذِ نتائج کے لئے ایک جُداگانہ زاویہ نگاہ (Angle) ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ اس پہلو سے محاورے پر ہنوز کوئی کام نہیں ہوا۔ کیونکہ الفاظ و صوتیات ہوں یا پھر لغت و قواعد کے دائرہ میں آنے والی کچھ خاص اور اہم باتیں ہوں، اُن کو کلیتاً عصری تہذیب

اور دواری دائرہ ہائے فکر و عمل سے آزاد نہیں کر سکتے۔ نیز بولی کو سامنے رکھ سکتے ہیں کہ شہری زبان کے ساتھ قصبہ و دیہات کی زبان میں بھی فرق آیا ہے۔ اورایک زبان نے دوسری زبان کو متاثر بھی کیا ہے اوراِس نے تاثر بھی قبول کیا ہے۔

زبان میں محاورہ کی حیثیت بنیادی کلمہ کی بھی ہے اور زبان کو سجانے اور سنوارنے والے عنصر کی بھی اس لئے کہ عام طور پر اہلِ زبان محاورہ کے معنی یہ لیتے ہیں کہ ان کی جس کے لیے پروفیسر Basic structure زبان کا جو اصل ڈول اور کینڈا ہے یعنی مسعود حسن خاں نے ڈول اور کینڈا کا لفظ استعمال کیا ہے، جو اہلِ زبان کی لبوں پر آتا رہتا ہے۔ اور جسے نسلوں کے دور بہ دور استعمال نے سانچے میں ڈھال دیا ہے۔ اسی کو صحیح اور دُرست سمجھا جائے۔ اہلِ دہلی اپنی زبان کے لئے محاورۂ بحث خالص استعمال کرتے تھے۔ اوراس محاورہ بحث کو ہم میر کے اس بیان کی روشنی میں زیادہ بہتر سمجھ سکتے ہیں کہ میرے کلام کے لئے یا محاورہ اہلِ دہلی ہے یا جامع مسجد کی سیڑھیاں یعنی جو زبان صحیح اور فصیح دہلی والے بولتے ہیں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر یا اُس کے آس پاس اس کو سُنا جا سکتا ہے۔ وہی میرے کلام کی کسوٹی ہے۔

ہم ذوق کی زندگی میں ایک واقعہ پڑھتے ہیں کہ کوئی شخص لکھنؤ یا کسی دوسرے شہر سے آیا اور پوچھا کہ یہ محاورہ کس طرح استعمال ہوتا ہے۔ انھوں نے

بتلایا۔ مگر پوچھنے والے کو ان کے جواب سے اطمینان نہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اس کی سند کیا ہے۔ ذوق ان کو جامع مسجد کی سیڑھیوں پر لے گئے۔ انہوں نے جب لوگوں کو وہ محاورہ بولتے دیکھا تو اس بات کو مان گئے اور اس طرح معلوم ہو گیا کہ جامع مسجد کی سیڑھیاں کس معنی میں محاورہ کے لئے سندِ اعتبار تھیں۔ میر انشاء اللہ خاں نے اپنی تصنیف دریائے لطافت میں جو زبان و قواعد کے مسئلہ پر اُن کی مشہور تالیف ہے، اُن محلوں کی نشاندہی کی ہے جہاں کی زبان اُس زمانہ میں زیادہ صحیح اور فصیح خیال کی جاتی تھی شہر دہلی فصیل بند تھا اور شہر سے باہر کی بستیاں اپنے بولنے والوں کے اعتبار سے اگرچہ زبان اور محاورہ میں اس وقت اصلاح و اضافہ کے عمل میں ایک گوناگوں Contribution کرتی تھیں لیکن اُن کی زبان محاورہ اور روز مرّہ پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا۔ اِس کا اظہار دہلی والوں نے اکثر کیا ہے۔

میر امن نے باغ و بہار کے دیباچہ میں اِس کا ذکر کیا ہے کہ جو لوگ اپنی سات پشتوں سے دہلی میں نہیں رہتے وہ دہلی کے محاورے میں سند نہیں قرار پا سکتے کہیں نہ کہیں اُن سے چُوک ہو جائے گی ۔اور وہی صحیح بولے گا جس کی "آنول نال" دہلی میں گڑی ہو گی اِس سے دہلی والوں کی اپنی زبان کے معاملہ میں ترجیحات کا اندازہ ہوتا ہے۔ محاورے بھی ہے اور زبان و بیان کی اپنی ادائے محاورہ کے Proverb سے مراد انگریزی میں دو معنی ہیں ایک محاورہ با معنی

بھی۔ Setting اور دوسرا محاورہ زبان و بیان کا سلیقہ طریقہ اور لفظوں کی Proverb اس کے مقابلہ میں لکھنؤ والے اپنی زبان پر اور اپنے شہر کے روزمرہ اور محاورے کو سند سمجھتے تھے رجب علی بیگ سرور نے 'فسانۂ عجائب' میں میرامن کے چیلنج یا دعوے کا جواب دیا اور یہ کہا کہ لکھنؤ کی شہریت یہ ہے کہ باہر سے کوئی کیسا ہی گھامڑ اور کندۂ نا تراش آتا ہے بے وقوف جاہل اور نامہذب ہو اور ہفتوں مہینوں میں ڈھل ڈھلا کر اہلِ زبان کی طرح ہو جاتا ہے یہ گویا میرامن کے مقابلہ میں دوسرا معیار پیش کیا جاتا ہے۔ ہماری زبان میں ایک رجحان تو یہ رہا ہے اور ایک پُر قوت رجحان کے طور پر رہا کہ شہری زبان کو اور شرفاء کے محاورات کو ترجیح دی جائے اور اسی کو سندِ اعتبار خیال کیا جائے اور اِس کی کسوٹی محاورۂ اہلِ دہلی قرار پایا۔

اس سلسلہ میں ایک اور رجحان رہا جو رفتہ رفتہ پُر قوت ہوتا چلا گیا کہ زبان کو پھیلایا جائے اور دوسری زبانوں اور علوم و فنون کے ذریعہ اس میں اضافہ کیا جائے، کہ زبان سکڑ کر اور ٹھٹھر کر نہ رہ جائے، شہری سطح پر امتیاز پسندی آ جاتی ہے تو وہ لوگ اپنی تہذیب کو زیادہ بہتر اور شائستہ سمجھتے

ہیں۔ اور اپنے لب و لہجہ کو دوسروں پر ترجیح دیتے ہیں اور امتیازات کو قائم رکھتے ہیں۔ لکھنؤ اور دہلی نے یہی کیا۔ اس کے مقابلہ میں لاہور کلکتہ اور حیدر آباد کا کردار دوسرا رہا۔ شاید اس لئے کہ وہ اپنی مرکزیت کو زیادہ اہم خیال نہیں کرتے تھے۔ اور اُس پر زور نہیں دیتے تھے اور نتیجہ یہ ہے کہ وہ آگے بڑھتے گئے، انہوں نے اضافہ سنئے اور نئ تبدیلیوں کو قبول کیا۔ زمانہ بھی بدل گیا تھا نئے حالات نئے خیالات اور نئے سوالات پیدا ہو گئے تھے۔

محاورہ کی ایک جہت ادبی ہے اور ایک معاشرتی۔ یعنی زبان کے استعمال کی صحیح صورت جب دہلی والے اپنے محاورہ کی بات کرتے ہیں تو اُن کی مراد صرف Proverb سے نہیں ہوتی، بلکہ اُس روز مرّہ سے ہوتی ہے۔ جس میں بولی ٹھولی کا اپنا جینئیس (Genius) چھُپا رہتا ہے اسی لئے دہلی والے ایک وقت اپنے محاورہ پر بہت زور دیتے تھے۔ اب وہ صُورت تو نہیں رہی مگر محاورے کی ادبی اور تہذیبی اہمیت کو پیشِ نظر رکھا جائے، یہ مسئلہ اب بھی اہم بلکہ یہ کہئے کہ غیر معمولی طور پر اہم ہے اس لئے کہ محاورہ زبان کی ساخت اور پرداخت پر بھی روشنی ڈالتا ہے اور زبان کے استعمال کی پہلوداریوں کو بھی سامنے لاتا ہے۔ دہلی والے جامع مسجد کی سیڑھیوں کو اپنے محاورہ کی کسوٹی قرار دیتے تھے۔ اُس کی اپنی لِسانی ادبی تاریخی اور معاشرتی پہلو داریاں ہیں۔ جن کو اِن خاص علاقوں میں بولے جانے والی زبان اور اندازِ بیان نے اپنے ساتھ خصوصی

طور پر رکھا ہے اور اس طرح کئی صدیوں کے چلن نے اسے سندِ اعتبار عطا کی ہے۔ زبان اور بیان کی روایتی صورتوں کو الفاظ کلمات اور جملوں کو ایک خاص شکل دیتا ہے۔ اس میں روایت بھی شامل ہوتی ہے اور بولنے والوں کا اپنا ترجیحی رو یہ بھی۔ کہ وہ کس بات کو کس طرح کہتے اور سمجھتے ہیں۔ محاورہ میں آنے والے الفاظ تین پانچ کرنا یا نو دو گیارہ ہونا تین تیرہ بارہ باٹ یہ ایک طرح سے محاورے بھی ہیں اور جملے کی وہ لفظی کا اندازہ رکھتی ہے۔ Setting اور ترکیبی ساخت بھی جو اپنا ایک خاص

اِن دو جہتوں کے ماسوا محاورہ کے مطالعہ کی ایک اور بڑی جہت ہے جس پر ہنوز کوئی توجہ نہیں دی گئی یہ جہت محاورہ کے تہذیبی مطالعہ کی ہے اور اُس کے ذہنی زمانی انفرادی اور اجتماعی رشتوں کو سمجھنے سے تعلق رکھتی ہے اس تعلق کو اُس وقت تک پورے طور پر نہیں سمجھا جا سکتا، جب تک اُن تمام نفسیاتی سماجیاتی اور شخصی رشتوں کو ذہن میں نہ رکھا جائے جو محاورہ کو جنم دیتے ہیں۔ اور لفظوں کا رشتہ معنی اور معنی کا رشتہ معنویت یعنی ہمارے سماجیاتی پس منظر اور تاریخی و تہذیبی ماحول سے جوڑتے ہیں یہ مطالعہ بے حد اہمیت رکھتا ہے اور اُس کے ذریعہ ہم زبان اُس کی تہذیبی ساخت اور سماجیاتی پرداخت کا صحیح اندازہ کر سکتے ہیں۔

عام طور پر ہمارے ادیبوں، نقادوں اور لسانیاتی ماہروں نے اِس پہلو کو نظرانداز کیا اور اِس کی معنویت پر نظر نہیں گئی۔ اِس کے لئے ہم ایک سے زیادہ محاوراتی صورتوں کو پیشِ نظر رکھ سکتے ہیں''۔

(اردو محاورات کا تہذیبی مطالعہ۔از ڈاکٹر عشرت ہاشمی، مع تغیر واضافات)

کسی بھی زبان کا منظوم ادب ہو یا نثری اسالیب، محاورہ ادب کی ان دونوں شاخوں'' میں بڑی اہمیت رکھتا ہے۔

لسانیات اور ادبیات کے باب میں محاورہ کی ہمہ گیریت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اگر کسی زبان سے اس کے محاورات الگ کرلیے جائیں تو جو کچھ باقی بچے گا وہ شاید ایک بے روح جسم کے علاوہ اور کچھ نہ ہو۔ محاورہ اپنی ہیئت ترکیبی اور معنوی گہرائی کے اعتبار سے زبان کی ایک خوبصورت فنی پیداوار ہوتا ہے۔ عام طور پر محاورہ تشبیہ، استعارہ اور کنایہ جیسی اصناف بلاغت کے حسین امتزاج سے تشکیل پاتا ہے اور عوام و خواص کا بے تکلف اور برجستہ استعمال اس کی فصاحت، بلاغت، ہمہ گیریت اور مقبولیت پر مہر تصدیق ثبت کردیتا ہے۔

ڈاکٹر یونس اگاسکو کے بقول اردو میں محاورہ '' الفاظ کے ایسے مجموعہ کو کہتے ہیں جس سے لغوی معنی کی بجائے ایک قرار یافتہ معنی نکلتے ہوں۔ محاورہ میں عموماً علامت مصدر '' نا'' لگتی ہے جیسے آب آب ہونا، دل ٹوٹنا، خوشی سے

پھولے نہ سمانا۔ محاورہ جب جملے میں استعمال ہوتا ہے تو علامت مصدر '' نا'' کی بجائے فعل کی وہ صورت آتی ہے جو گرامر کے اعتبار سے موزوں ہوتی ہے جیسے دل ٹوٹ گیا۔ دل ٹوٹ جاتے ہیں، دل ٹوٹ جائے گا وغیرہ'' (اردو کہاوتیں اور ان کے سماجی و لسانی پہلو ص: ۴۵)۔

جدید عربی میں محاورہ کو '' التعبیر الاصطلاحی (Idiomatic Expression)'' کہتے ہیں۔اس کے علاوہ بعض لوگوں نے اس کے لیے ''التعبیر الأدبي'' یا '' العبارۃ الماثورہ'' یا'' القول السائر'' جیسے الفاظ بھی استعمال کیے ہیں۔ عربی میں '' التعبیر الاصطلاحی'' کا مفہوم اردو میں محاورہ کے مفہوم سے تھوڑا وسیع ہے۔ اردو میں ہم محاورہ، روزمرہ اور اصطلاح تین قسمیں کرتے ہیں اور ان تینوں کے درمیان لفظی و معنوی اعتبار سے فرق کیا جاتا ہے مگر عربی میں التعبیر الاصطلاحی اپنے وسیع تر مفہوم میں ان تینوں کو شامل ہے مثلاً، ''مگرمچھ کے آنسو'' اردو میں محاورہ نہیں بلکہ اصطلاح کے تحت درج کیا جائے گا، مگر عربی میں '' دموع التمساح'' التعبیر الاصطلاحی کہلائے گا۔

یہاں اس بات کی طرف بھی اشارہ کرنا ضروری ہے کہ عام طور پر محاورہ اور کہاوت یا التعبیر الاصطلاحی اور ضرب المثل کے درمیان خلط ملط کردیا جاتاہے۔ یہ غلطی ایسی '' عامۃ الورود'' ہے کہ عوام تو عوام بہت سے خواص بھی اس

کا شکار ہوگئے ہیں۔ مثال کے طور پر پروفیسر محمد حسن کی کتاب ''ہندوستانی محاورے'' میں آدھے سے زیادہ ضرب الامثال یا بالفاظ دیگر کہاوتیں درج کردی گئی ہیں۔ اسی طرح منشی چرنجی لال دہلوی نے ''مخزن المحاورات'' کے نام سے جو ذخیرہ جمع کیا ہے اس میں کثرت سے امثال روز مرہ اور اصطلاحات کو شامل کرلیا ہے۔ منیر لکھنوی کی مشہور لغت ''محاورات نسواں'' میں ایک بھی محاورہ نہیں ہے بلکہ حقیقت میں یہ ضرب الامثال اور کہاوتوں کا مجموعہ ہے۔

پنڈت برج موہن دتاتریہ کیفی نے اپنی مشہور کتاب ''کیفیہ'' میں دسواں باب محاورہ کے لیے خاص کیا ہے مگر اس میں بھی ۳۰۰ سے زائد کہاوتیں درج کردی ہیں۔ دراصل یہ خلط مبحث محاورہ اور مثل کی متفقہ جامع و مانع تعریف وضع نہ کیے جانے کا شاخسانہ ہے۔ مثال کے طور پر ''فرہنگ آصفیہ'' کے مصنف نے اصطلاح کی جو تعریف کی ہے اس کو کسی حد تک محاورہ کی تعریف تو کہا جاسکتا ہے مگر ان کی بیان کردہ محاورہ کی تعریف دراصل نہ محاورہ پر صادق آتی ہے نہ ضرب المثل پر۔ محاورہ کی تعریف میں انہوں نے یہ جملہ لکھ کر مسئلہ کو اور پیچیدہ کردیا کہ ''عین مستورات کی زبان کو محاورہ کہتے ہیں'' دلچسپ بات یہ ہے کہ محاورہ کی مثال میں مصنف نے میر کا یہ شعر نقل کیا ہے:

ہم ہوئے تم ہوئے کہ میر ہوئے
سب ان کی زلف کے اسیر ہوئے

اس میں غالباً ''زلفوں کا اسیر ہونا'' کو تو محاورہ کہا جا سکتا ہے مگر یہ مسئلہ تحقیق طلب ہے کہ یہ '' عین مستورات کی زبان'' کیونکر قرار پایا۔

محاورہ اور ضرب المثل کی متضاد تعریفوں اور غیر متعین حدود اربعہ ہی کا نتیجہ ہے کہ جن مخصوص تراکیب کو فیروز اللغات میں محاورہ قرار دیا گیا ہے ان تراکیب کو فرہنگ آصفیہ میں صرف '' مصدر'' کہا گیا ہے۔ اور صاحب فرہنگ نے جن تراکیب کو محاورہ لکھا ہے وہ فیروز اللغات میں ضرب المثل کے تحت درج ہیں۔

اسی قسم کا خلط مبحث عربی میں نظر آتا ہے۔ مثلاً ابن عمر السدوسی کا رسالہ '' کتاب الامثال'' دراصل محاورات یا بالفاظ دیگر التعبیر الاصطلاحی کا مجموعہ ہے۔ ابن سلمہ نے '' الفاخر'' میں محاورات اور امثال کو آپس میں گڈمڈ کر دیا ہے۔ البتہ الثعالبی نے '' فقہ اللغۃ'' میں محاورات کو امثال سے الگ رکھتے ہوئے ان کو '' فصل فی الاستعارہ'' کے تحت درج کیا ہے۔ ان متقدمین کا دفاع کرتے ہوئے ڈاکٹر کریم حسام الدین نے لکھا ہے کہ دراصل اس وقت زبان اور اس کے قواعد و ضوابط اپنے ارتقائی مراحل میں تھے۔ اور اصطلاحات کی تعریفات یا ان کے مفاہیم کے حدود اربعہ متعین نہیں ہوئے تھے اس لیے اس وقت

مثل اپنے وسیع مفہوم کے تحت محاورات کو بھی شامل تھی۔ یہ دفاعی دلیل کسی حد تک قابل قبول ہے مگر آخر ان متاخرین یا معاصرین کے بارے میں کیا تاویل کی جائے گی جو مثل اور محاورہ میں اصطلاحی طور پر فرق متعین ہونے کے باوجود دونوں کو ایک دوسرے میں خلط ملط کیے ہوئے ہیں۔ مثلاً سلیمان فیاض کی '' معجم الماثورات اللغویہ والتعابیر الادبیۃ'' میں ۹۰ فیصد امثال ہیں اور '' التعابیر الادبیۃ'' برائے نام ہی ہیں۔ دور حاضر کے ممتاز ادیب و ناقد اور ماہر ادبیات ڈاکٹر شوقی ضیف نے اپنی کتاب '' الفن ومذاھبہ فی الشعر العربی'' میں محاورات یا بالفاظ دیگر ''التعبیر الاصطلاحی'' کو'' مثل'' ہی کے تحت رکھا ہے، مزید الجھاؤ اس وقت پیدا ہوا جب انھوں نے مات حتف انفہ اور حمی الوطیس جیسے محاوروں کو کل الصید فی جوف الفرا جیسی مثل کی صف میں کھڑا کردیا ص: ۷۵)۔)

المنجد میں بھی بے شمار محاورات کو مثل کے کھاتے میں ڈال دیا گیا ہے۔دراصل محاورہ اور مثل میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ مثل ہمیشہ جوں کی توں استعمال کی جاتی ہے اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی جاسکتی۔ مثلاً اردو کی کہاوت ہے ''کھسیانا بلی کھمبا نوچے'' اب ایسا نہیں ہے کہ آپ اس کو مرد کے لیے استعمال کریں تو ''کھسیانا بلا'' کردیں۔ اسی طرح عربی کی مثل ہے'' بلغ السیل الزبی''، یہ ہمیشہ اسی طرح استعمال ہوگی، اس میں تبدیلی کرکے لم

یبلغ یا سوف یبلغ وغیرہ نہیں کہا جاسکتا۔ اس کے برخلاف محاورے میں تذکیر وتانیث واحد وجمع اور ماضی وحال و مستقبل کے اعتبار سے حسب ضرورت اور حسب موقع صیغہ میں تبدیلی کی جاتی ہے، مثلاً شرم سے پانی پانی ہوگیا، ہوگئے، ہو گئی، ہوجاؤگے وغیرہ، ۔اسی طرح عربی میں بھی شمر عن ساعد الجد شمرت، شمروا، لم یشمر وغیرہ

ایک فرق یہ بھی ہے کہ محاورہ عبارت کا جزبن کر اس میں جذب ہوجاتا ہے مگر مثل یا کہاوت عبارت میں اپنی الگ شناخت رکھتی ہے۔ مثلاً ناچ نہ جانے آنگن ٹیڑھا یا پھر ''لا ۔عطر بعد العروس'' یہ عبارت میں الگ سے پہچان لیے جائیں گے

اردو یا عربی امثال کا ایک بڑا ذخیرہ وہ ہے جس کو ہم '' شعری ضرب الامثال'' کہتے ہیں۔ امثال کی یہ قسم یا تو کسی شعر کا ایک مصرعہ ہوتی ہے جو اپنی برجستگی اور کثرت استعمال کے سبب مثل کے درجہ کو پہونچ جاتی ہے۔ یا پھر اتفاقیہ طور پر کوئی مثل کسی عروضی وزن پر ہوتی ہے۔ اردو کی مثل ہے...ع ... ''اس عاشقی میں عزت سادات بھی گئی''، اسی طرح عربی کی مثل ہے '' ماھکذا یا سعد تُورَد الابل'' مگر محاورہ ابتدائً فاعلاتن فاعلن کی بھول بھلیوں میں کبھی قید نہیں ہوتا بلکہ اس کو حسب ضرورت شعر ۔میں استعمال کیا جاتا ہے

محاورہ خواہ کسی زبان کا ہو اس سے ہمیشہ حقیقی معنی کی بجائے مجازی معنی مراد ہوتا ہے، اہل زبان تو اپنے محاورات کے مجازی معنی خوب سمجھتے ہیں، مگر غیر زبان والے کو ان کا معنی سمجھنا دشوار ہوتا ہے، یہ معنی تو کبھی سیاق و سباق سے سمجھ میں آجاتا ہے اور بعض وقت سیاق و سباق بھی اس مجازی معنی کے فہم میں غیر معاون ثابت ہوتے ہیں۔ اردو کے محاورے میں ہم کہتے ہیں '' اس کا دل باغ باغ ہوگیا'' اس کا معنی ہم سمجھتے ہیں کہ یہ فرحت و انبساط میں مبالغہ کے لیے استعمال ہوتا ہے یعنی '' وہ بہت خوش ہوا'' اگر آپ اس کا عربی میں لفظی ترجمہ کردیں تو یہ ہوگا کہ '' اصبح قلبه حديقةً حديقةً'' ظاہر ہے کہ عربی کا بڑے سے بڑا ادیب بھی اس کا معنی سمجھنے سے قاصر رہے گا۔ اسی طرح عربی کا محاورہ ہے '' مات حتف انفه'' اہل زبان اس کا مجازی معنی سمجھتے ہیں، یعنی '' بغیر کسی ظاہری سبب یا مرض کے اس کا انتقال ہوگیا'' لیکن اگر اس کا لفظی ترجمہ کردیں، تو یہ ہوگا کہ '' وہ اپنی ناک کی موت مرگیا'' ، یہ اردو میں بالکل بے معنی ہے۔

ہاں کچھ محاورے ایسے ہیں جو دونوں زبانوں میں مشترک ہیں۔ ایسے محاوروں کو سمجھنے میں دقت نہیں ہوتی۔ کسی ایسے عربی محاورہ کا لفظی ترجمہ اگر ہم لغت میں دیکھیں تو فوراً ہمارا ذہن اس کے مجازی معنی کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔

کیونکہ بعینہٖ انہی الفاظ میں وہ مخصوص مجازی معنی ہماری زبان میں موجود ہے۔ مثلاً عربی کا محاورہ ہے "اقتلعہ من جذورہ" اس کا ترجمہ یہ ہوا کہ " اس کو جڑ سے اکھاڑ پھینکا" بالکل یہی اردو کا محاورہ بھی ہے، لہذا ہم فوراً سمجھ جاتے ہیں کہ عربی کے اس محاورہ کا مجازی معنی یہ ہوا کہ "اس کا صفایا کردیا"، اسی طرح اردو کا ایک محاورہ ہے" ہاتھ مانگنا" اس کا مجازی معنی ہے کہ کسی سے رشتہ کی بات کرنا یا شادی کا پیغام دینا۔ اس کا لفظی ترجمہ اگر عربی میں کردیا جائے، تو یہ ہوگا "ان یطلب یدھا" یہ عربی کا محاورہ بھی ہے اور اسی معنی میں مستعمل ہے جس میں اردو میں مستعمل ہے لہذا کسی عربی کو اس کا معنی سمجھنے میں دشواری نہیں ہوگی۔

کچھ محاورے ایسے ہیں جو بعینہٖ تو نہیں لیکن تھوڑی بہت تبدیلی کے ساتھ دونوں زبانوں میں ہیں۔ مثال کے طور پر اردو کا محاورہ ہے "الٹی چھری سے ذبح کردیا" اس کا مطلب ہے بہت اذیت اور تکلیف پہنچائی۔ اسی معنی میں عربی کا محاورہ ہے " ذبحہ بغیر سکین" یعنی بغیر چھری کے ذبح کردیا۔ اسی طرح اردو کا محاورہ ہے " دکھتی رگ پر ہاتھ رکھ دیا" اس کا مطلب ہے کسی کی کمزوری پکڑلی یا معاملہ کے سب سے اہم پہلو کی گرفت کی۔ اسی معنی میں عربی کا محاورہ ہے "وضع اصبعہ علی الجرح "یعنی زخم پر انگلی رکھ دی۔

کچھ محاورے ایسے ہوتے ہیں جن کا کوئی تاریخی پس منظر ہوتا۔ یہ محاورے کسی

واقعہ یا حادثے کے بطن سے جنم لیتے ہیں اور رفتہ رفتہ اصل واقعہ فراموش ہو جاتا ہے مگر محاورہ سکہ رائج الوقت کی طرح بازار ادب میں چلتا ہے۔ ہم میں سے کون نہیں کہتا کہ ''میں نے اس کام کا بیڑا اٹھایا ہے'' یعنی اس کو کرنے کا پختہ ارادہ اور عزم کر لیا ہے یا اس کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے، مگر کم ہی لوگ جانتے ہوں گے کہ دراصل اس محاورہ کے پس منظر میں ایک راجپوتانہ رسم ہے۔ جب کسی سردار یا راجہ کو کوئی اہم کام یا مہم درپیش ہوتی تھی تو وہ دربار میں ایک تخت پر ایک تلوار، شربت کا پیالہ اور ایک پان کا بیڑا رکھوا دیا کرتا تھا اور پھر مصاحبین اور خواص سے اس اہم کام کا ذکر کرتا تھا۔ ان میں سے کوئی سورما آگے بڑھ کر تلوار کمر سے باندھتا تھا، شربت پیتا تھا اور پان کا بیڑا اٹھا کر منھ میں رکھ لیا کرتا تھا۔ گویا اس نے مہم کو سر کرنے کی ذمہ داری اپنے سر لے لی ہے، چنانچہ یہ محاورہ بن گیا، اسی طرح عربی کے بہت سے محاورے اپنے پیچھے کوئی تاریخی واقعہ یا تہذیبی و سماجی پس منظر رکھتے ہیں، مثلاً ایک محاورہ ہے '' رفع عقیرتہ'' اس کا پس منظر یہ ہے کہ عرب کے ایک شخص کی ٹانگ کٹ گئی۔ اس نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ اٹھا کر چیخنا چلانا شروع کر دیا، چونکہ کٹے ہوئے عضو کو ''عقیرۃ'' کہتے ہیں لہذا چیخنے چلانے اور شور مچانے کے لیے یہ محاورہ بن گیا۔ (لسان العرب مادۃ عقر)

۔

رفع عقیرتہ یعنی اس نے اپنی کٹی ہوئی ٹانگ اٹھالی بالفاظ دیگر اس نے شور مچایا اب مجاز در مجاز کی چوٹ کھاتا ہوا یہ محاورہ جدید عربی میں اس طرح استعمال ہوتا ہے ''رفع عقیرتہ ضد فلان'' یعنی فلاں کے خلاف آواز اٹھائی۔

جب تک کسی زبان کے محاورات پر گہری نظر نہ ہو، اس وقت تک اس زبان میں اچھی انشاپردازی نہیں کی جاسکتی۔ اور اگر آپ ایک زبان کا ترجمہ دوسری زبان میں کررہے ہیں، تو محاوروں کی اہمیت اور بڑھ جاتی ہے۔ ایسی صورت میں ضروری ہے کہ آپ دونوں زبانوں کے محاورات سے بخوبی واقف ہوں تاکہ محاورہ کا ترجمہ محاورہ میں کیا جاے۔ اسی کو ''با محاورہ ترجمہ'' کہتے ہیں، اگر آپ محاورہ کا لفظی ترجمہ کردیں گے تو یا تو وہ بے معنی ہوجائے گا یا کم از کم غیر فصیح ہوگا۔ سواے ان محاورات کے جو لفظ و معنی میں یکسانیت کے ساتھ دونوں زبانوں میں ہیں مگر ایسے محاورے کم ہی ہیں - یہ ایسا نازک مقام ہے کہ یہاں اچھے اچھوں کی قابلیت غوطہ کھا جاتی ہے۔ ہمارے یہاں آج بھی ''ذھب ابو حنیفۃ الی کذا'' کا ترجمہ ''ابو حنیفہ اس طرف گئے ہیں'' کیا جاتا ہے۔ یہ ترجمہ نہ صرف یہ کہ غیر فصیح ہے بلکہ اردو محاورہ کے اعتبار سے بھی غلط ہے دراصل سلیس اور با محاورہ ترجمہ کرنا بھی ایک فن ہے جو محض زبان کے قواعد رٹ لینے اور مفردات کو حفظ کرلینے سے نہیں آتا بلکہ اس کے لیے ذوق سلیم اور ادبی شعور بھی ضروری ہے۔ شاید اسی ذوق سلیم اور ادبی شعور کے فقدان کا نتیجہ ہے

کہ ہمارے یہاں اگر " فقد قال زید" کا ترجمہ " پس تحقیق کہ کہا زید نے" نہ کیا جائے تو بعض "کافیہ بردوش" قسم کے علامہ چیں بجبیں ہو جاتے ہیں - اس قسم کے ترجمے درسگاہوں میں اگر نحو و صرف کی کتابوں میں دی گئی مثالوں تک محدود رہیں تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں مگر حیرت اس وقت ہوتی ہے جب اسی قسم کے نحوی و صرفی ترجمے عام مذہبی، ادبی اور تاریخی کتابوں میں روا رکھے جاتے ہیں، ان کو دیکھ کر سوائے اس کے اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ " شعر مرا بمدرسہ کہ برد" یہ تو عربی سے اردو ترجمہ کی بات تھی اسی سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اردو سے عربی ترجمے اپنے جلو میں کیسے کیسے ادبی جواہر پارے اور محاوراتی شاہکار رکھتے ہوں گے-

ایک بڑی دشواری یہ بھی ہے کہ عام طور پر عربی سے اردو یا اردو سے عربی لغات میں محاورات بہت کم شامل کیے گئے ہیں، اور جو ہیں بھی ان کے یا تو لفظی معنی درج کر دیئے گئے ہیں یا پھر اپنی طرف سے کوئی ایسی تعبیر گڑھ دی گئی ہے جس سے اہل زبان نا آشنا ہیں-

اب تک کوئی ایسی کتاب بھی دیکھنے میں نہیں آئی جس میں عربی محاورات کو یکجا کر کے اردو میں ان کا متبادل محاورہ دیا گیا ہو- پاکستان سے شائع شدہ ایک دو کتابیں ضرور نظر سے گذریں مگر ان میں یا تو محاورات کے نام پر ضرب الامثال جمع کر دی گئی ہیں یا پھر تعبیرات کے نام پر عرب کے مستند ادبا کی

۔کتابوں سے شگفتہ اور عمدہ جملے یکجا کردیۓ گۓ ہیں

جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا کہ با محاورہ ترجمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ آپ کو دونوں زبانوں کے محاورات سے واقفیت ہو، مثال کے طور پر اگر عربی میں یہ ہو کہ ضرب عصفورین بحجر'' تو اس کا ترجمہ یہ نہیں ہوگا کہ اس نے ایک پتھر سے دو چڑیاں'' ماریں بلکہ یہ ہوگا کہ اس نے ایک تیر سے دو شکار کیے۔ اسی طرح اگر یہ ہو کہ ''جعل الحبۃ قبۃ'' تو اس کا ترجمہ یہ نہیں ہوگا کہ اس نے دانے کا گنبد بنادیا بلکہ یہ ہوگا کہ اس نے رائی کا پہاڑ بنادیا۔ اسی طرح اگر اردو میں یہ ہو کہ اس نے خود اپنے پیر پر کلہاڑی ماری تو اس کا ترجمہ عربی میں یہ نہیں ہوگا کہ ''ضرب علی رجلہ بالفأس'' بلکہ یہ ہوگا کہ ''بحث عن حتفہ بظلفہ'' یعنی اس نے اپنے ہاتھ اپنی قبر کھود دی۔۔۔۔ ''

عربی اور اردو محاورات کا تقابلی جائزہ۔ علامہ اُسید الحق بدایونی ۔جام نور، جولائی)
(مع تغییر واضافات ۲۰۰۴

بہر حال اس موضوع پر بھاری بھرکم کام کی شدید ضرورت ہے،البتہ اسلامی تہذیب وتمدن اور لسانیات کے عروج وزوال پر کافی دسترس رکھنے والے ماہرین کی نگرانی میں اس تحقیق کو آگے بڑھایا جاۓ، پھر کہیں جاکر لوگوں کو اردو کی

تنقیدکے حوالے سے سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔

عفو اور صفح

ہمارے معاشرے میں بگاڑ کا سب سے بڑا عنصر یہ ہے کہ ہم نے بطور اخلاقیات کے عفو اور صفح کو اجتماعی وانفرادی زندگیوں میں پس پشت ڈال دیا ہے، ذرہ ذرہ سی بات کو ہم انا کا مسئلہ بنادیتے ہیں اور پھر اُس پر ہر طرح سے مر مٹنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں، گھر برباد ہوگئے، ادارے تباہ ہوگئے، ملک وملت بدنامی کے دہانے پر ہیں، بس ہم ہیں جو اپنی انا کو تسکین پہنچانے کے واسطے کسی معاملے میں ایک انچ بھی پیچھے ہٹنے کو گوارا نہیں کرتے، عجیب تماشا ہے، کسی کو سمجھائیں، تو طرف داری کا لیبل لگادیتے ہیں، ہمارے پاس آئے روز اس قسم کے معاملات آتے ہیں، روز کا تجربہ ہے کہ اگر ایک فریق تھوڑا سا تحمل ، برداشت اور صبر سے کام لے، تو سارا قضیہ خود بخود رفع دفع ہو جائے، لیکن مجال ہے کہ کوئی اپنی ضد چھوڑ دے۔ایسے میں ثالث بھی حیران وپریشان ہو جاتا ہے، کہ اب کیا کیا جائے،ایک کی منت سماجت کرتا ہے، دوسرے کو منانے کی کوشش کرتا ہے، مگر ہر ایک ایسی ایسی باتیں کرتا ہے، کہ جیسے وہ سب سے بڑا طورم خان ہے، تو درخواست یہ ہے کہ ثالث کو بھی تھوڑی سی رعایت دی جائے،اس کے پاس بھی الجھے مسئلے کے حل کا کوئی پیمانہ نہیں ہوتا، وہ اپنی رائے اور عقل ودانش کو بروئے کار لاکر ایک درمیانی راہ نکالتا ہے،اب اگر وہ کسی ایک فریق پر کچھ بوجھ ڈالے، تو وہ برداشت کرے،

کیونکہ بعض اوقات باعزت حل کے لئے کچھ کھونا پڑتا ہے۔

اسلام نے قرآن وسنت اور سیرتِ طیبہ کی صورت میں ایسے بے شمار اور بیش بہا انمول موتی مسلمانوں کو دیئے ہیں، جن سے الجھنوں کو بڑی آسانی سے سلجھایا جاسکتا ہے، مثلاً معاف کردینا،اس کا مطلب یہ ہے کہ غلطی ہوئی ہے، تب ہی معاف کیا جاتا ہے ، ورنہ معافی (مٹانا) کا پھر مطلب کیا ہے، چشم پوشی کرنا، درگزر کرنا بھی ہمیں اسلام سکھا تا ہے، بہادر اور بڑے دل والے ہی یہ کام کر سکتے ہیں، دل چھوٹا کرکے یہ کام نہیں ہوسکتے، گھر کا معاملہ ہو، یا عام اجتماعی مسائل ہوں ، معاف کر دینے کو رواج دیا جائے، چشم پوشی اور درگذر کرنے کو اپنا شعار بنایا جائے، برکتیں بھی نازل ہونگی، سکون بھی ملے گا۔

نبی کریم ﷺ ایک غزوے سے واپسی کے موقع پر کیکر کے درخت کے نیچے قیلولہ فر مارہے تھے، کوئی کافر آیا اور درخت کے ساتھ آپ ﷺ کی لٹکی ہوئی تلوار لے کر آپ ﷺ کو مخاطب کرکے کہنے لگا، آپ کو کون بچائے گا مجھ سے ،آپ ﷺ نے فرمایا، اللہ۔ تلوار اس کے ہاتھ سے یکدم گر گئی ، اب آپ ﷺ نے وہی تلوار سنبھالی اور فرمایا، بتا تیرا کو کون بچائے گا، اس نے ڈر کر کہا، مہربانی کا معاملہ فرمائیو،آپ ﷺ نے اسے معاف کردیا، کیونکہ آپ ﷺ تو تھے ہی رحمۃ للعالمین، یقیناً وہ شخص مسلمان ہوگیا ہوگا۔

مکے کو فتح کرنے کا موقع آیا، آپ ﷺ نے فرمایا، اے اہل مکہ تمھارا کیا خیال ہے، میں تمھارے ساتھ کیا کرنے والا ہوں؟ ابو سفیانؓ نے کہا، اخ کریم وابن اخ کریم، آپ ﷺ اور آپ کا خاندان کریم ہے، کرم چاہتے ہیں، آپ ﷺ نے فرمایا، لاتثریب علیکم الیوم، آج تمھارا کوئی مؤاخذہ نہیں ہوگا، میں تمہیں معاف کرتا ہوں۔ اندازہ لگا یئے، جنہوں نے آپ ﷺ کو ہمیشہ اذیتیں دیں، آپ ﷺ کو شہید کرنے کی نامسعود کوششیں کیں، مکہ مکرمہ سے نکالا، ہجرت پر مجبور کیا، مدینہ منورہ میں بھی آپ ﷺ کو چین سے نہ رہنے دیا، صحابہؓ کے ساتھ زیادتیاں کیں، تذلیل اور مذاق کی کوئی کسر نہ چھوڑی، ایسوں کو ہمارے پاک نبی ﷺ معاف کرتے ہیں، اور ہم معمولی معمولی باتوں کی رنجشوں کو تاحیات دل میں بسائے رکھتے ہیں، کیا یہی محبتِ رسول ﷺ کا تقاضا ہے۔

ایک یہودی آتا ہے، مسجد نبوی ﷺ میں آپ ﷺ سے نہایت بد تمیزی سے اپنے قرض کا مطالبہ کرتے ہیں، حضرتِ عمرؓ اور دیگر صحابہؓ موجود ہیں، وہ سب برآفروختہ اور غضبناک ہوتے ہیں، لیکن میرے آقا ﷺ بڑی نرمی اور خوش اخلاقی کے ساتھ ان سے یہ معاملہ کرتے ہیں، کہ حضرتِ عمر کو حکم ہوتا ہے، جاکر اس کا جتنا حق ہے وہ اسے دیدو، اور بیس سیر زیادہ دینا، کیونکہ ان کو اپنے ہی حق کے لئے جھگڑنا پڑا ہے، اور پھر اپنے صحابہؓ کی طرف متوجہ ہو کر فرماتے ہیں، جس کا حق بنتا ہو

وہ کچھ سنا بھی سکتا ہے۔اللہ اللہ کیا کہنے ! یہ ہیں اسلام کے اخلاقِ عالیہ ومثالیہ۔ان اخلاق کو ہم اپنے معاشرے میں اپنے اوپر نافذ کرینگے، تو ہمارے آدھے جھگڑے ختم ہو جائینگے۔بقیہ آدھے قرآن وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں بہت آسانی سے حل ہو سکتے ہیں، مگر کوئی ہو جو مسلم (تابعدار)۔ہمارا مسئلہ یہ ہے کہ ہم نام کے مسلم اور کام کے منتقم انتقام لینے والے) ہیں۔)

اسلامی تاریخ انبیا،اولیا اور اہل اللہ کے اخلاقِ کریمانہ کے کارناموں سے بھری پڑی ہے، خود بھی اور اپنی اولاد کو بھی ان حقائق تک رسائی دی جائے، مطالعہ کیا جائے، نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے،اپنے غصے اور انتقامی جذبے کا روحانی علاج کیا جائے، تاکہ آپ اور آپ کاماحول پُرسکون ہو جائے، تقویٰ کے حصول میں بہترین اور قریب ترین چیز معافی ہے، عفو کو اپنایا جائے، بچوں کو بھی اس کی تربیت دی جائے، بچوں کو معاشرے کا ایک اہم فرد اسی وقت بنایا جاسکتا ہے جب ذہنی طور پر ان کی نشو نما بہتر ماحول میں اچھائیوں کی طرف کی جائے۔ اعمال قبیحہ کے اظہار کے موقع پر ان کی سرزنش بھی کی جائے اور بعد میں پیار و محبت سے سمجھا بھی دیا جائے تو اس عمل سے بچہ بہت کچھ سیکھ لیا کرتا ہے۔ ذہنی طور پر سب بچے ایک طرح کے نہیں ہوا کرتے۔ ادنی، متوسط اور کمزور تینوں طرح کے بچوں سے والدین اور اساتذہ دونوں کو واسطہ پڑتا رہتا ہے۔ کمزور بچوں کا مذاق اڑانا انہیں بزدل بنا دیتا ہے۔ وہ ہر کام میں ڈرے ڈرے اور سہمے سہمے سے رہنے لگتے ہیں۔ جس بچے کو ہر وقت

تنقید کا سامنا ہو وہ کسی چیز کو قبول نہیں کر سکتا ہے۔ جس بچے کی اچھے کاموں پر حوصلہ افزائی کی جائے، انہیں دینی ماحول مہیا کیا جائے۔ احکامات الٰہی پر عمل کرنے کی ترغیب اور برائیوں سے دور رکھنے کی ذہن سازی انتہائی ضروری ہے۔ آج کل اولادیں حد بلوغ کو پہنچ جاتی ہیں لیکن ضروری دینی احکامات سے تہی دامن رہتی ہیں۔ اولاد کے حقیقی خیر خواہوں کے لئے لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے آپ کو اسلامی اخلاقیات میں رول ماڈل بنایا جائے۔ بالخصوص معافی تلافی میں۔

شام کا انسانیت کُش بحران

کل ہی کی تازہ خبر ہے، یونان کے سمندری پانیوں میں ۳۴ شامی مہاجرین ڈوب کر ہلاک ہو گئے ہیں، ان میں سے ۱۵ معصوم بچے ہیں، ننھی سی کلی عیلان عبداللہ کردی کی ساحلِ سمندر پر تیرتی ہوئی لاش نے پوری دنیا کو ہلا کر رکھ دیا تھا، لگتا تھا، اب اس کے بعد ترکی، مغربی عرب اور مشرقی یورپ کی حکومتیں شامی پناہ گزینوں کو بے یار ومددگار نہیں چھوڑے گی، کم از کم انہیں ہجرت کرنے کے لئے پرامن اور باسہولت راستوں کا بندوبست ہو جائے گا، مگر ایسا اب تک کچھ صحیح معنوں میں نہیں ہوا، عیلان عبداللہ کی شہادت سے جرمنی چانسلر انجیلا مارکل اور ترکی کے طیب اردگان بڑے دل گرفتہ نظر آرہے تھے، ان دونوں نے شامی پناہ گزینوں کو ہر قسم کی مدد فراہم کرنے کے اعلانات بھی کئے، لیکن ترکی کے سمندر سے غیر معیاری کشتیوں کے ذریعے یہ نقل وحمل اب بھی جاری ہے، لوگ "ہار یا پار" کی نیت کرکے سمندر کی بے رحم موجوں میں کود جاتے ہیں، ماں باپ، بیوی بچے اور شوہروں تک کو کھو جاتے ہیں، پانی اتنا کردیتا ہے کہ ان کی رگوں میں میں دوڑتے ہوئے خون کو منجمد کرکے، زندگی کا کرنٹ بجھادینے کے بعد ان کی لاشوں کو کنارے پر اس خاموش پیغام کے ساتھ ڈال دیتا ہے، کہ کسی ملک کے اپنے حکمران جب انسانی اخلاق سے عاری ہو کر اپنے ہی عوام کے لئے خونخوار بھیڑیئے بن جائیں، اور آس پاس

کے طاقتور ممالک اپنے مخصوص مفادات یا بے حسی کی چادریں اوڑھ لیں، تو وہاں کے لوگوں کو مکمل قرار آنے کا واحد راستہ یہی ہے، کہ وہ دنیا میں کہیں اور جانے کے بجائے اپنے رب کے پاس چلے جائیں۔

عیلان کی طرح ان لوگوں میں سے شام کا پھول سا بچہ چھوٹا سا عمر بھی ہے، جو جنگ کی حالت میں سکول چھوڑ کر سڑک کے کنارے ٹافیاں بیچ کر اپنے تین بھائیوں اور اپنی ماں کی کفالت کرتا تھا، دمشق کے مشرقی گوٹھ پر کچھ دن قبل اپنے ہی ملک کے ظالم حکمران بشار الاسد کی کیمیائی بمباری سے ایک سو دیگر بے گناہ افراد کے ساتھ تڑپ تڑپ کر شہید ہو گیا،اس کی نہایت کبیدہ خاطر ماں اس دن شام کو العربیہ ٹی وی کو بتا رہی تھی کہ اب مجھے عمر کی شہادت کے بعد احساس ہوا کہ میں بیوہ اور عمر کے تینوں بھائی یتیم ہیں۔

اس سے پہلے جب سکول کے ایک بچے حمزہ کو دیوار پر بشار مخالف نعرہ لکھنے کی وجہ سے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنا کر بشاری فورسز نے قتل کیا تھا اس وقت یہ مہذب دنیا کہاں تھی،اس کے بعد جب پورے ملک کو آتش و آہن کا ڈھیر بنایا گیااور پُر تشدد تنظیموں داعش وغیرہ کو یہاں مقابلے میں جمنے دیا گیا، مشرق و مغرب کے مختلف فورمز پر جیش حر کی دُہائی" کوئی ہے جو اس ظلم و ستم کو روک سکے؟"کو ان سُنی کیا گیا، یہ اور اس طرح کے کئی سوالات ہیں جن کے جوابات آئندہ تاریخ کے اوراق میں مہذب دنیا کے ذمے واجب ہیں۔

ستم ظریفی یہ ہے کہ آج بھی شام میں کیمیائی ہتھیار استعمال ہو رہے ہیں، دھماکہ خیز بارودی ڈرمز جنگی جہازوں سے پھینکے جارہے ہیں، جس سے بے پناہ تباہی ہو رہی ہے، املاک اور جانوں کا بے تحاشا نقصان آئے دن کا معاملہ ہے، نوجوان انقلابی قیدیوں کے ساتھ عجیب قسم کا بے رحمانہ سلوک ہو رہا ہے کہ ان کے چور چور جسموں سے خون نکال کر بشاری فوج کے زخمیوں کو چڑھایا جارہا ہے، فلسطینی پناہ گزین کیمپ کو انقلابیوں کی حمایت کی وجہ سے پچھلے تین سالوں سے محاصرے میں لیا گیا ہے، وہاں لوگ جان بچانے والی ادویات ، کھانے پینے اور شیر خوار بچوں کے دودھ کے لئے ترس چکے ہیں، یہ تمام صورت احوال پوری دنیا دیکھ رہی ہے، امریکہ ، یورپی یونین، چین وروس اور فرانس جیسی طاقتیں صرف مذمتی قرارداد یں پاس کرکے انسانیت پر اس بربریت کے متعلق اپنے اپنے ضمیر کو طفل تسلیاں دے رہی ہیں، حالانکہ سب کو معلوم ہے کہ یہ مسئلے کا حل نہیں ہے، نہ ہی مسئلے کا حل شامیوں کا اپنے ملک اور گھربار سے ہجرت کرنا ہے، نیز مسئلے کے حل کے نام پر روس کا ایران اور حزب اللہ کی طرح بشار الاسد کی تقویت کے لئے زمینی ،بری اور فضائی افواج بھیجنا حل تو کُجا، جلتی پر تیل چھڑکنا ہے، ایسی گمبھیر صوراتِ حال میں آخر مسئلے کا حل کیا ہے؟

اگر شام کی تقسیم بڑی طاقتوں کی میز پر درونِ خانہ سازشوں کا حصہ

نہیں، فلسطین کے مانند شام سے عربوں کا انخلا اور غیر عربوں کو بسانا، یا سنیوں کی یہاں تعداد کم کرکے دیگر طوائف کی تکثیر مقصود نہیں، اقلیتوں کو اکثریت اور اکثریت کو اقلیت میں بدلنا مطلب نہیں، تو پھر مسئلے کا حقیقی حل یہ ہے کہ ایران، روس اور حزب اللہ پر دباؤ ڈالا جائے تاکہ وہ بشار کی حمایت فی الفور ترک کردیں، کیونکہ بحران کی بنیاد اور اصل جڑ بشار کی آمرانہ، ظالمانہ، سفاکانہ، جابرانہ اور خونخوار حکومت اور اس کی انسانیت کُش ملیشیا ہیں، داعش کو یہاں آنے میں اصل سبب بھی بشار ہی ہے، جب تک بشار برسرِ اقتدار رہے گا، تب تک یہاں ظلم وستم کا بازار یوں ہی گرم رہے گا، لوگ مزید ہجرت ومہاجرت پر مجبور ہوں گے، عیلان، عمر اور حمزہ جیسے معصوم بچوں کی لاشیں جو روز گرتی ہیں، مستقبل میں اور بھی گریں گی۔

مسئلے کا حل بہت آسان اور سادہ ہے، یہاں کے لوگ صرف اور صرف بشار کی فضائی بمباری سے پریشان ہیں، جس کا نشانہ وہ خود اور ان کی معصوم خواتین وبچے بن رہے ہیں، لہٰذا شام کو نو فلائی زون قرار دیا جائے، اگلے ہی دو دن میں یا تو بشار کی بلاجواز حکومت کا دھڑن تختہ ہوگا، یا کم از کم ملک سے کوئی راہِ فرار اختیار نہیں کرے گا، پناہ گزینوں کا مسئلہ بھی حل، داعش کا بھی خاتمہ اور غیر ملکی لڑاکا لوگوں کا بھی خروج اور اخراج ہوجائے گا۔ بصورتِ دیگر یہ اظہر من الشمس ہے کہ بشار اور اس کی ملیشیا ہر طرح کے حل میں رکاوٹ اور مزید المیوں کے باعث ہوں گے۔ کیا پوٹن، حسن روحانی اور حسن نصر اللہ کو انسانیت

کا کوئی رشتہ اپیل کرسکتا ہے، کیا اوبامہ، کیمرون اور ہولانڈ کو مالی، لیبیا، عراق وافغانستان میں ظلم و بربریت کے علاوہ بشار کی یہ انسان کُشی بھی نظر آسکتی ہے، کیا ترکی، پاکستان اور مصر اپنے اپنے سروں میں عالمِ اسلام کی لیڈر شپ کے خواب لئے اس بحران کے حل میں کوئی بھی معقول کردار ادا کرسکتے ہیں؟

یمن کی ملکۂ سبأ

یمن میں ۱۲۰۰ق م سے لے کر ۲۷۵ء تک مملکت سبأ قائم رہی، جو باب المندب سے خلیج عرب، عراق اور شام کے کچھ حصوں پر قائم تھی، دارالحکومت (مأرب) تھا، جو آج کل شدید لڑائی کی زد میں ہے، یہاں بے مثال سرسبز وادیوں اور باغات کا ایک طویل سلسلہ تھا، اسی مأرب کے مقام پر دنیا کا سب سے پہلا ڈیم بنایا گیا تھا، قرآن کریم نے بڑے دلچسپ انداز میں اس مملکت، اس کے ڈیم اور اس کے لامتناہی باغات کا تذکرہ سورۂ سبأ میں کیا ہے، ۷۰۰ ق م میں یہاں کی ملکہ بلقیس کو حضرتِ سلیمانؑ کا مراسلہ اور اس کے جواب میں بلقیس کا اپنی پارلیمنٹ سے مشاورت ، پھر حضرت کی خدمت میں حاضری، ان کے پہنچنے سے قبل ان کے تخت کا آموجود ہونا اور وہاں جاکر کانچ کے ایک محل کا عجیب نظارہ، یہ سب ہر کسی کے لئے دلچسپی سے خالی نہیں، سورۂ نمل میں اس شیش محل کو (صرحٌ ممرّدٌ منٰ قواریر) کہا گیا ہے، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے: مجلس میں جب حضرت سلیمان کو ملکۂ بلقیس کی آمد کا علم ہوا تو آپؑ نے تمام ارکان کو مخاطب فرمایا، تم میں سے کون ہے جو ملکۂ بلقیس کے تخت کو مجلس برخاست ہونے سے قبل یہاں لے آئے ؟ یہ سنتے ہی ایک جن (عِفریت) آگے بڑھا اور گویا ہوا، حضور! آج کا یہ دربار برخاست ہونے سے قبل میں ان کا تخت میں آپ کے قدموں میں لاکر ڈال سکتا ہوں ۔ حضرت سلیمان علیہ

السلام فرمانے لگے، نہیں، تب تو بہت دیر ہو جائیگی۔ مجھے تو اس سے بھی بہت پہلے ملکہ کا تخت یہاں چاہئے۔" ملکہ کے تخت کے بارے میں مختلف کتب میں مختلف روایات آئی ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے کہ یہ وہی تخت ہے جو (ہدہد) نے دیکھا تھا اور واپس آ کر حضرت سلیمان کو یہ پوری کہانی بتائی تھی، اس کا فاصلہ حضرت سلیمان کی حدود مملکت بیت المقدس (فلسطین) سے تقریباً ڈیڑھ ہزار میل کے فاصلے پر تھا، اس تخت کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ اس کا طول 80 ہاتھ اور عرض 40 ہاتھ تھا اور اس کی اونچائی 30 ہاتھ تھی، اس میں سرخ یاقوت، سبز زمرد اور کئی اقسام کے موتی جڑے ہوئے تھے فتح القدیر)، تفسیر ابن کثیر میں لکھا ہے کہ اس کا تخت نہایت ہی شان دار تھا، جس پر) وہ جلوہ افروز ہوتی تھی، سونے سے منڈھا ہوا ہے اور جڑاؤ ہوا، مروارید کی اس پر کاری گری کی گئی تھی، یہاں 600 عورتیں اس کی خدمت کیلئے ہمہ وقت کمربستہ رہتی تھیں، اس کا یہ دیوانِ خاص جس میں یہ تخت رکھا ہوا تھا، بہت بڑا محل تھا، بلند و بالا، کشادہ و فراخ، پختہ و مضبوط اور نہایت صاف سُتھرا، جس کے شرقی حصے میں 360 طاق تھے اور اتنے ہی مغربی حصے میں بھی تھے، اسے اس مہارت سے بنایا گیا تھا کہ ہر دن سورج ایک طاق سے نکلتا اور اسی کے مقابل کے طاق میں غروب ہوتا، اہل دربار صبح وشام سورج کو یہاں سے سجدہ کرتے تھے، حکمراں اور رعایا سب آفتاب پرست تھے، توحید پرست ان میں کوئی ایک بھی نہ تھا۔ اس عظیم الشان تخت کو حضرت سلیمان کے دربار میں لانے کی ذمے داری ایک نیک بندے

نے لی، اجازت ملتے ہی آصف بن برخیاہ پلک جھپکتے ملکۂ بلقیس کا تخت اٹھا لایا اور حضرت سلیمان کی خدمت میں پیش کر دیا، اس کا ذکر قرآن حکیم میں تفصیلاً موجود ہے، جس شخص کے پاس کتاب کا علم تھا وہ بولا، میں آپ کی پلک جھپکنے سے پہلے اسے لا دیتا ہوں۔ جوں ہی سلیمان نے وہ تخت اپنے پاس رکھا ہوا دیکھا، فوراً بول اٹھا، یہ میرے رب کا فضل ہے۔'' (سورہ النمل آیت 39) ابن عباسؓ کا قول ہے، کہ وہ آصف تھے جو سلیمان کے کاتب تھے۔ ان کے والد کا نام برکیا یا برخیاہ تھا، ایک اور روایت میں تخت لانے کا نام برخیاہ لکھا ہے، ایک جگہ انہیں ولی اللہ لکھا ہے جو اسم اعظم بھی جانتے تھے۔ مجاہد کہتے ہیں کہ ان کا نام اسطوم تھا، بعض کہتے ہیں، کہ ان کا لقب ذوالنور تھا۔ واللہ اعلم۔

جب تخت آ گیا تو حضرت سلیمان نے حکم دیا کہ اس کے تخت میں کچھ تبدیلی کر دو، تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ راہ پا لیتی ہے یا ان میں سے ہوتی ہے جو راہ نہیں پاتے۔ النمل آیت 41) ،اس آیت کی تشریح کرتے ہوئے مفسرین لکھتے ہیں کہ تخت کے) '' رنگ، روپ اور ہیئت میں تبدیلی کی بناء پر وہ اپنے تخت کو پہچان پاتی ہے یا نہیں ،جب وہ آئی اور اس نے اس تخت کو دیکھا، تو ان سے پوچھا گیا، کیا اسی طرح آپ کا تخت ہے ؟ طبیعیاتی تبدیلی ہو جانے کی وجہ سے اس نے صاف الفاظ میں اس کے اپنے ہونے کا اقرار بھی نہیں کیا اور اپنے ہونے کی نفی بھی

نہیں کی ، بلکہ یہ کہا ، ’’گویا وہی ہے ‘‘ اس میں اقرار ہے نہ نفی ، بلکہ نہایت محتاط اور درمیانہ جواب ہے ۔ اصل الفاظ قرآن حکیم کے مطابق یہ ہیں ۔ ’’پھر جب وہ آ گئی تو اس سے کہا گیا ، ایسا ہی تیرا تخت ہے ؟ اس نے جواب دیا (کَاَنَّہٗ ھُوَ) ، یہ تو گویا وہی ہے اور حضرتِ سلیمان کے بارے میں مزید کہا ، ہمیں اس سے پہلے ہی معلوم ہو چکا تھا اور ، ہم مسلمان ہو چکے ہیں ‘‘ (آیت 42 ا) ۔ اس سے اگلی آیت میں فرمایا گیا : ’’اسے انہوں نے روک رکھا تھا جن کی وہ اللہ کے سوا پرستش کرتی رہی تھی ۔ یقیناً وہ کافر لوگوں میں سے تھی ۔ ‘‘ (النمل آیت 43) ۔ حضرت سلیمان نے ملکۂ بلقیس کی مہمان نوازی کے طور پر جنات سے ایک محل تعمیر کروایا جس کا فرش شفاف شیشے کا تھا اور شیشے کے نیچے پانی سے بھرا وسیع و عریض نہر جاری تھا ۔ اس پر چلنے والا یہ امتیاز نہیں کر سکتا تھا کہ وہ درحقیقت شیشے کے فرش پر چل رہا ہے ۔ چنانچہ یہی مغالطہ بلقیس کو بھی ہوا ، اور اس پر چلتے ہوئے انہوں نے اپنے پائینچے اوپر کر لیے ، جیسے وہ پانی پر سے گزر رہی ہو اور اپنے لباس کو گیلا ہونے سے بچا رہی ہو ، قرآن حکیم میں ارشاد ہے ۔ ’’اس سے کہا گیا کہ محل میں چلی چلو ، اسے دیکھ کر یہ سمجھ کر کہ یہ نہر ہے ، اس نے اپنی پنڈلیاں کھول دیں ، فرمایا ، یہ تو شیشے سے منڈھی ہوئی عمارت ہے ۔ کہنے لگی ، میرے پروردگار ! میں نے اپنے آپ پر ظلم کیا ، اب میں سلیمان کے ساتھ اللہ رب العالمین پر ایمان لا کر فرماں بردار بنتی ہوں ۔ ‘‘ (سورۃ النمل (آیت 44) ۔

تواریخ میں ہے کہ ان کا اور حضرتِ سلیمان کا عقد نکاح ہوا، یوں بعد میں ان کی حکومت حبشہ اور قریبی تمام علاقوں میں قائم ہو گئی تھی، یمن کی موجودہ صورتِ حال کے پیش نظر ہم کچھ کالموں میں یمن کے بادشاہوں تبع (تبابعہ) اور حمیر وغیرہ کا تذکرہ کرنا چاہیں گے،تاکہ تاریخی حوالوں یمن کی اہمیت اور یہاں کی حکمرانی کا اندازہ ہو،ان شاء اللہ۔

مأرب میں دنیا کا سب سے پہلا ڈیم

عرب مورخین لکھتے ہیں کہ یمنی پہلے انسان ہیں جنہوں نے ملاقات کے وقت ہاتھ ملانے کی رسم کا آغاز کیا تھا، یہ روایت یمنیوں کی خوش طبعی،آدابِ معاشرت، تواضع وانکساری، دوستی اور خوش اخلاقی اجاگر کرتی ہے، سیدنا نوح علیہ السلام کے بیٹے سام کی نسل میں ایک شخص قحطان تھے جو یمن میں آباد ہوئے اور یہاں ان کی نسل خوب پھلی پھولی، قحطان کے پڑپوتے سبابن یشجب بن یعرب تھے جن کے نام پر ان کا ملک ''سبا'' کہلایا۔ جہاں تک حضر موت کا تعلق ہے، سیدنا ہود علیہ السلام کو حضر موت ہی میں دفن کیا گیا تھا۔ حضر موت کے شمال میں وادی احقاف تھی جہاں قوم ہود آباد تھی اور یہاں اس نافرمان قوم پر اللہ کا عذاب نازل ہوا تھا۔ چنانچہ حضر موت میں کئی کھنڈر ایسے ہیں جو دارِ عاد کہلاتے ہیں ، یہاں ایک جگہ قبر ہود بھی ہے،اس وسیع وعریض علاقے کے نام کے بارے میں آتا ہے کہ عامر بن قحطان کی اس علاقے میں اس قدر شہرت تھی کہ وہ جس جنگ میں شریک ہوتا، کشتوں کے پشتے لگا دیتا، چنانچہ جہاں بھی جاتا، لوگ کہتے: حَضَرَ مَوتٌ (موت آ گئی)۔ یوں لوگ اس خطہ زمین ہی کو حضر موت کہنے لگے، اسی طرح جب اہل حبش نے صنعاء پر قبضہ کیا، تو وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ یہ بلند وبالا عمارتوں، خوبصورت باغات و دالانوں اور کشادہ راستوں پر مشتمل شہر گارے کے بجائے

پتھروں سے بنایا گیا ہے، تو وہ بے اختیار بول اٹھے: ھٰذہ صنعۃ (یہ تو کاریگری ہے)۔ اس وجہ سے اس شہر کا نام صنعاء پڑ گیا۔

سبا کے دو بیٹوں کہلان اور حمیر کے ناموں سے دو بڑے قبیلے مشہور ہوئے، بنو حمیر میں قضاعہ، اسلم، کلب، جہینہ، عذرہ مشہور یمنی قبیلے تھے، جبکہ بنو کہلان میں کندہ، ہمدان، لخم، جذام، مذحج، خولان، اشعر، عنس، طے، جُعفی، نخع، مراد طے، خزاعہ، مصطلق، ازد، جفنہ، اسلم، غافق، بجیلہ، غامد، بارق اور اوس و خزرج نے شہرت پائی۔ یمنی قبائل اسلامی فتوحات کے ساتھ مصر اور اندلس میں بھی جا بسے تھے۔

اہل یمن کی فضیلت اس سے ظاہر ہے کہ جب اللہ کے حکم سے سیدنا ابراہیم نے حج کی فرضیت کا اعلان کیا، تو ان کی پکار پر سب سے پہلے لبیک کہنے والے اہل یمن تھے۔ ابوہریرہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ یمن والے آ گئے ہیں، یہ لوگ نہایت نرم دل اور کمزور دل ہیں ایمان بھی یمنی اور حکمت بھی یمنی اور مسکینی بکری والوں میں اور فخر و غرور شور مچانے والے دیہاتیوں میں جو مشرق کی طرف رہتے ہیں، (صحیح مسلم۔ حدیث نمبر: ۱۸۸)۔

ق م میں احقافِ یمن میں سلطنت معین قائم ہوئی تھی، ان ہی لوگوں کی حالت 1600

سورۂ احقاف میں بیان ہوئی ہے، جو خلیج عدن سے حجاز تک پھیل گئی تھی، اس کا صدر مقام معین یا القرن صنعاء کے شمال مشرق میں تھا، پھر مملکت سبا 1000 ق م کے لگ بھگ یا اس سے دو ڈھائی صدی پہلے قائم ہوئی، یہ اللہ کے نبی اور فلسطین کے بادشاہ سیدنا داؤد کا دور تھا، مملکت سبا کے کتبات میں خدائے واحد کو (آسمانوں کا مالک بادشاہ) لکھا گیا ہے۔ شاہان سبا ''مکارب/مقارب'' یا ''مکرب/مقرب'' کہلاتے تھے،ان مکاربین سبا کا پایہ تخت صرواح تھا، جس کے کھنڈر صنعاء اور ماٰرب کے درمیان ملتے ہیں،آج کل یہاں حوثی باغیوں کے سرکاری اور عرب اتحادی فوجیوں میں صرواح پر قبضے کے لئے زبردست لڑائی جاری ہے۔ قوم سبا نے وادی اذینہ میں 800 ق م کے لگ بھگ سدماٰرب تعمیر کیا تھا، جو انسانی تاریخ میں پہلا آبی ڈیم تھا اور یہ تیرہ چودہ صدیوں تک کارآمد رہا حتیٰ کہ ابرہۃ الاشرم (نکٹا) کے زمانے 542ء اور 570ء سیل عرم یعنی ''بند کے سیلاب'' نے اسے تباہ کر دیا۔ قرآن کریم میں اس کا ذکر یوں ہوا ہے: ''(اہل) سبا کے لئے ان کے مقامِ بودوباش میں ایک نشانی تھی (یعنی) دو باغ (ایک) داہنی طرف اور (ایک) بائیں طرف۔ اپنے پروردگار کا رزق کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔ (یہاں تمہارے رہنے کو یہ) پاکیزہ شہر ہے اور (وہاں بخشنے کو) رب غفور۔ تو انہوں نے (شکرگزاری سے) منہ پھیر لیا، پس ہم نے ان پر زور کا سیلاب چھوڑ دیا اور انہیں ان کے باغوں کے بدلے دو ایسے باغ دیئے جن کے میوے بدمزہ تھے اور جن میں کچھ تو جھاؤ تھا اور تھوڑی سی بیریاں۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری

کی ان کو سزا دی۔ اور ہم سزا ناشکرے ہی کو دیا کرتے ہیں۔اور ہم نے ان کے اور شام کی) ان بستیوں کے درمیان جن میں ہم نے برکت دی تھی (ایک دوسرے کے متصل) دیہات بنائے تھے جو سامنے نظر آتے تھے اور ان میں آمد ورفت کا اندازہ مقرر کردیا تھا کہ رات دن بے خوف وخطر چلتے رہو۔ تو انہوں نے دعا کی کہ اے پروردگار ہماری مسافتوں میں بُعد (اور طول پیدا) کردے اور (اس سے) انہوں نے اپنے حق میں ظلم کیا تو ہم نے (انہیں نابود کرکے) ان کے افسانے بنادیئے اور انہیں بالکل منتشر کردیا۔ اس میں ہر صابر وشاکر کے لئے نشانیاں ہیں۔اور شیطان نے ان کے بارے میں اپنا خیال سچ کر دکھایا کہ مومنوں کی ایک جماعت کے سوا وہ اس کے پیچھے چل پڑے۔اور اس کا ان پر کچھ زور نہ تھا مگر (ہمارا) مقصود یہ تھا کہ جو لوگ آخرت میں شک رکھتے ہیں ان سے ان لوگوں کو جو اس پر ایمان رکھتے تھے متمیز کردیں۔ اور تمہارا پروردگار ہر چیز پر نگہبان ہے۔" (سورۂ سباٗ، 15 سے 21)۔ بہرحال آج بھی نیٹ پر جاکر آپ تفصیل سے دوبارہ ترمیم وتعمیر کے بعد اس ڈیم کا نظارہ کر سکتے ہیں۔

مملکت سبا اپنے عہدِ عروج (650 ق م تا 115 ق م) میں افریقی ممالک جیبوتی، صومالیہ، ارِٹیریا وایتھوپیا تک پھیل گئی تھی۔ اس دور میں شاہانِ سبا نے ملک کا لقب اختیار کر لیا اور مأرب کو دارالسلطنت بنایا۔ اس کا دوسرا نام شہر سبا بھی تھا۔ اس کے کھنڈر صنعاء سے 60 میل مشرق میں ملتے ہیں اس

وقت مأرب موجودہ یمن کا ایک سٹراٹیجک صوبہ ہے، اسی لئے عرب اتحاد کی فوجی سعودی کمانڈ میں صنعاً سے قبل مأرب پر قبضہ کرنے کے لئے تگ ودو کررہی ہے۔ سبا کی بندرگاہوں میں چین کا ریشم، انڈونیشیا اور ہندوستان کے گرم مسالے، ہندوستان کے کپڑے اور تلواریں، افریقہ کے زنگی غلام، بندر، شتر مرغ کے پر اور ہاتھی دانت پہنچتے تھے اور یمن سے یہ اشیاء مصر، شام، یونان و روم کی منڈیوں میں جاتی تھیں، ادھر یمن کی پیداوار سے لوبان، عود، عنبر، مشک اور مر کی تجارت ہوتی تھی، عدن اور حضر موت کے تجارتی راستے مأرب پر ملتے تھے جہاں سے ایک شاہراہ نجران و جازان سے ہوتا ہوامکہ، یثرب، وادی القریٰ، تبوک، ایلہ سے ہو کر شام کو جاتی تھی اور ایک تجارتی راستہ ساحل پر سے مصر کو نکلتا تھا۔

آل سبا میں بنو حمیر کی تاریخ 100 ق م کے لگ بھگ شروع ہوتی ہے۔ حمیری سلاطین کا لقب ''ملک سبا و ذو ریدان'' تھا۔ ان (ذو) امراء کا پایہ کسی زمانے میں تخت ظفار تھا، جس کے آثار صنعاء کے جنوب میں ملتے ہیں۔ حمیری بادشاہ ظفار کے متصل قلعہ ریدان میں رہتے تھے۔ اسی دور میں حمیری علاقے کے لئے پہلی بار ''یمنت'' اور یمنات'' کا استعمال شروع ہوااور رفتہ رفتہ اس پورے خطے کا نام یمن ہو گیا، جو عسیر'' سے عدن اور باب المندب سے حضر موت تک واقع ہے، پہلے شمالی اور جنوبی یمن سوویت یونین کی ایماَ پر الگ الگ ملک بن

گئے تھے، نوے کی دہائی میں دونوں ایک ہوئے تھے، جو آج تک ایک ہیں، البتہ خان جنگی نے اس کا برا حال کیا ہوا ہے، اللہ کرے یمن ایک مرتبہ متحد اور پر امن ہو کر ترقی کی شاہراہ پر گامزن ہو۔

تُبّع شاہِ یمن

''تبع'' یمن کے بادشاہوں کا ایک عمومی لقب تھا، جس طرح ایران کے بادشاہوں کو کسریٰ، ترک سلاطین کو خاقان، مصر کے بادشاہوں کو فرعون اور روم کے شہنشاہوں کو قیصر کہا جاتا تھا، یمن کے حمیری بادشاہ تُبّع حارث الرائش (280ء تا 315ء) نے اکسومی حبشیوں کو حضر موت سے نکال باہر کیا اور وہ ''ملک سبا و ذُو ریدان و حضر موت'' کہلایا، حمیری سلاطین کے اس دوسرے طبقے کو عرب مورخین تُبَّع (جمع تابعہ) کہتے ہیں۔ چونکہ لوگ ان کی ''اتباع'' کیا کرتے تھے، یا پھر اس لئے کہ وہ کئی پشتوں تک یکے بعد دیگرے برسر اقتدار آتے رہے اس لئے ان کو'' تُبّع '' کہتے تھے، قرآن کریم میں ان کا تذکرہ دوبار وارد ہوا ہے: (الف) بھلا یہ اچھے ہیں یا تُبّع کی قوم اور وہ لوگ جو تم سے پہلے ہو چکے ہیں۔ ہم نے ان (سب) کو ہلاک کر دیا۔ بے شک وہ گنہگار تھے۔ سورۂ دُخان (37)---(ب) ان سے پہلے نوح کی قوم اور کنوئیں والے اور ثمود جھٹلا چکے ہیں (12) اور عاد اور فرعون اور لوط کے بھائی (13) اور بن کے رہنے والے اور تُبّع کی قوم۔ (غرض) ان سب نے پیغمبروں کو جھٹلایا تو ہمارا وعید (عذاب) بھی پورا ہو کر رہا۔ سورۂ ق (14) ۔ یہاں اکثر مفسرین کا یہ نظریہ ہے کہ وہ بذات خود حق طلب اور صاحب ایمان شخص تھا، انھوں نے قرآن مجید کی ان آیات سے استدلال کیا ہے، کیونکہ قران

پاک کی مذکورہ آیات میں اس کی ذات کی مذمت نہیں کی گئی، بلکہ اس کی قوم کی مذمت کی گئی ہے، پیغمبر اسلام ﷺ سے نقل کی جانے والی روایت بھی اسی بات کی شاہد ہے، آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں: ''تبع'' کو برا مت کہو کیونکہ وہ ایمان لاچکا تھا''۔

تبع اسعد ابو کرب بن کلیکرب جب مدینہ منورہ سے گزرا، تو اس کے ہمراہ بڑی تعداد میں یہودی علماء تھے، انھوں نے مدینہ ہی میں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی کہ ان کی کتابوں میں لکھا ہے کہ آخری اور عظیم ترین نبی جن کا نام احمد ہو گا، ہجرت کر کے اس شہر میں آئیں گے، کچھ حضرات نے لکھا ہے کہ پہلے یہاں کے باشندوں سے ان کی جنگ ہوئی مگر یہ دیکھ کر وہ حیران ہوگیا کہ یہ عجیب لوگ ہیں دن کو ہم ہی سے لڑ تے ہیں اور شام کو ہماری مہمان نوازی بھی کرتے ہیں، تو ان کے تعجب کرنے پر علماَ نے مدینہ (یثرب) والوں کی یہاں آپ ﷺ کی آمد کے انتظار کی تفصیل بتائی، ایک اور روایت میں اسی داستان کے ذیل میں یہ بات بھی بیان ہوئی ہے کہ اس نے اوس''اور''خزرج''کے بعض یمنی قبائل کو جو اس کے ہمراہ تھے حکم دیا کہ وہ اسی شہر'' میں رہ جائیں اور جب پیغمبر موعود ظہور کریں تو وہ ان کی امداد کریں اور اپنی اولاد کو بھی وہ اسی بات کی وصیت کرتا رہا، نیز اوس وخزرج کے لئے اسی وقت یہاں چار سو مکانات تعمیر کرانے کا بھی تذکرہ ملتا ہے۔ گویا تبع نے ان سب کے لئے وہاں گھر بار

بنا دیئے، پھر ایک مکتوب لکھا، جس میں اپنے قبول اسلام کا ذکر کر کے اس پر سونے کی مہر لگائی اور سب سے بڑے عالم سموئل کے سپرد کرتے ہوئے کہا کہ اگر وہ اس نبی کا زمانہ پائے تو انہیں یہ خط دے دے اور اگر نہ پائے، تو اس کے بیٹے یا پوتے یہ کام انجام دیں، اس نے نبیؐ کے لئے دو منزلہ ایک مکان تعمیر کرایا، تاکہ آپ ﷺ جب مدینہ منورہ تشریف لائیں تو اس میں قیام فرمائیں، وقت گزرنے پر اس مکان کے مالک ابو ایوب انصاریؓ بنے جو اسی عالم کی اولاد میں سے تھے، اسی لئے آپ ﷺ کی اونٹنی اللہ تعالیٰ کے حکم سے یہیں پر آکر بیٹھ گئی تھی (وفاء الوفاء)۔جب اسی گھر کے سامنے حضور ﷺ کی اونٹنی جا کر ٹھہر گئی۔ لوگوں نے ابو لیلیٰ کو بھیجا کہ جاؤ حضور ﷺ کو شاہ یمن تبع کا خط دے دو، جب ابو لیلیٰ حاضر ہوئے تو آپ ﷺ نے اسے دیکھتے ہی فرمایا، تو ابو لیلیٰ ہے؟ یہ سن کر ابو لیلیٰ حیران ہو گیا۔ حضور اکرم نے فرمایا میں محمد رسول اللہ ہوں، شاہ یمن کا جو خط تمھارے پاس ہے لاؤ وہ مجھے دو، چنانچہ ابو لیلیٰ نے وہ خط دیا، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پڑھ کر فرمایا، صالح بھائی تُبّع کو آفرین و شاباش ہے۔ (المواہب اللدنیہ)

بہر حال 'تبع' یمن کے عالمگیر بادشاہوں میں سے تھا، جس نے ہندوستان تک فوج کشی کی تھی اور اس نے ایشیا کی تمام حکومتوں کو اپنی زیر نگرانی کر لیا تھا، اپنی فوج کشی کی ایک مہم کے دوران میں وہ مکہ معظّمہ بھی پہنچا تھا، بارہ

ہزار عالم اور حکیم اور ایک لاکھ بتیس ہزار سوار، ایک لاکھ تیرہ ہزار پیادہ اپنے ہمراہ لئے ہوئے اس شان سے پہنچا کہ جہاں بھی جاتا اس کی شان و شوکت دیکھ کر مخلوق خدا چاروں طرف نظارہ کو جمع ہو جاتی تھی، لیکن تُبّع جب دورہ کرتا ہوا مکہ معظّمہ پہنچا تو قبائل مکہ میں سے کوئی اسے دیکھنے نہ آیا، بادشاہ حیران ہوا اور اپنے وزیر سے اس کی وجہ پوچھی تو اس نے بتایا کہ اس شہر میں ایک گھر ہے جسے بیت اللہ کہتے ہیں، اس کی اور اس کے خادموں کی جو یہاں کے باشندے ہیں تمام لوگ بے حد تعظیم کرتے ہیں اور جتنا آپ کا لشکر ہے اس سے کہیں زیادہ دور اور نزدیک کے لوگ اس گھر کی زیارت کو آتے ہیں اور یہاں کے باشندوں کی خدمت کرکے چلے جاتے ہیں، پھر آپ کا لشکر ان کے خیال میں کیوں آئے، یہ سن کر بادشاہ کو غصہ آیا اور قسم کھا کر کہنے لگا کہ میں اس گھر کو کھدوا دوں گا اور یہاں کے باشندوں کو قتل کروا دوں گا، یہ کہنا تھا کہ بادشاہ کے ناک منہ اور آنکھوں سے خون بہنا شروع ہو گیا اور ایسا بدبودار مادہ بہنے لگا کہ اس کے پاس بیٹھنے کی بھی کسی کو طاقت نہ رہی اور سارے اطبّاً اس کے علاج سے عاجز آگئے۔اس کے ہمرکابوں میں کچھ اہل علم بھی موجود تھے جن کا سرپرست '' شامول '' نامی ایک حکیم تھا،اس نے کہا:آپ کی بیماری کا اصل سبب کعبہ کے بارے میں بُری نیت ہے

تبع'' اپنے مقصد سے باز آگیا اور نذر مانی کہ وہ خانہ کعبہ کا احترام کرے گا اور صحت '' یاب ہونے کے بعد خانہ کعبہ پر یمانی چادر کا غلاف چڑھائے گا،دوسری تاریخوں میں بھی خانہ

کعبہ پر غلاف چڑھانے کی داستان منقول ہے جو تواتر کی حد تک پہنچی ہوئی ہے، یہ فوج کشی اور کعبہ پر غلاف چڑھانے کا واقعہ جابجا کتب تواریخ میں وقوع پذیر ہے،اب بھی مکہ مکرمہ میں ایک جگہ موجود ہے جس کا نام ''دارالتبابعہ'' ہے۔

تحریر:الشیخ ولی خان المظفر حفظہ اللہ تعالی

یمن کا ہولو کوسٹ

سورۂ بروج کی شانِ نزول کے بارے میں حضرت صہیب رومیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم سے پہلے ایک بادشاہ تھا، جس کے پاس ایک جادوگر تھا، جب وہ جادوگر بوڑھا ہوگیا، ، اس نے بادشاہ سے کہا، اب میں بوڑھا ہوگیا ہوں، آپ میرے پاس ایک لڑکا بھیج دیں، کہ میں اسے جادو سکھا سکوں، بادشاہ نے ایک لڑکا جادو سیکھنے کے لئے جادوگر کے پاس بھیج دیا، جب وہ لڑکا اس کے یہاں آنے جانے لگا، تو راستے ہی میں ایک عیسائی راہب کے پاس سے اس کی گذر ہوتی، لڑکا اس راہب کے پاس بیٹھتا اور اس کی باتیں سننے لگتا، جو کہ اسے پسند بھی آتیں، گویا جب بھی وہ جادوگر کے پاس آتا اور راہب کے پاس سے گذرتا، تو اس کے پاس بیٹھتا، اس کی باتیں سنتا اور جب وہ لڑکا جادوگر کے پاس آتا، تو وہ جادوگر اس لڑکے کو دیر سے آنے کی وجہ سے مارتا پیٹتا، ایک دن اس لڑکے نے اس کی شکایت راہب سے کی، تو راہب نے کہا، اگر تجھے جادوگر سے ڈر ہو، تو کہہ دیا کرو، مجھے میرے گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب تجھے گھر والوں سے ڈر ہو، تو کہہ دیا کرو، مجھے جادوگر نے روک لیا تھا۔ایک دن اسی آمد و رفت کے دوران ایک بہت بڑے درندے نے لوگوں کا راستہ روک لیا،جب لڑکا اس طرف آیا، تو اس نے کہا میں آج جانتا چاہوں گا،جادوگر افضل ہے یا راہب ، ایک پتھر پکڑا اور کہنے لگا، اے

اللہ اگر تجھے جادوگر کے معاملہ سے راہب کا معاملہ زیادہ پسندیدہ ہے، تو اس درندے کو مار دے تاکہ لوگوں کا آنا جانا ممکن ہو جائے، اور پھر وہ پتھر اس درندے کو مار کر اسے قتل کر دیا اور لوگ گذرنے لگے۔اس کے بعد وہ لڑکا راہب کے پاس آیا اور اسے اس کی خبر دی، راہب نے اس لڑکے سے کہا، بیٹا، آج تو مجھ سے افضل ہے، کیونکہ تیرا معاملہ اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ تو عنقریب ایک مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے گا، دیکھ اگر تو کسی مصیبت میں مبتلا کر دیا جائے ،تو کسی کو میرا نہ بتانا اور وہ لڑکا مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو بھی صحیح کر دیتا تھا، بلکہ لوگوں کا ہر طرح کی بیماری سے علاج بھی کر دیتا تھا، اتنے میں بادشاہ کا ایک ہم نشین درباری اندھا ہوگیا، اس نے لڑکے کے بارے میں سنا، تو وہ بہت سے تحفے لے کر اس کے پاس آیا اور اسے کہنے لگا، اگر تم مجھے شفا دے دے، تو یہ تحفے جو میں یہاں لے کر آیا ہوں، سارے تمہارے ہیں ،اس لڑکے نے کہا میں تو کسی کو شفا نہیں دے سکتا، شفاء تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے، اگر تو اللہ پر ایمان لے آئے، تو میں اللہ تعالیٰ سے دعا کروں گا، وہ تجھے شفاء دے دے گا، پھر وہ شخص اللہ پر ایمان لے آیا، اللہ تعالیٰ نے اسے شفاء عطا فرما دی، پھر وہ آدمی بادشاہ کے پاس آیا اور اس کے پاس بیٹھ گیا، جس طرح کہ وہ پہلے بیٹھا کرتا تھا، بادشاہ نے اس سے کہا، کس نے تجھے تیری بینائی واپس لوٹا دی، اس نے کہا، میرے رب نے، اس نے کہا، کیا میرے علاوہ تیرا اور کوئی رب بھی ہے؟ ،اس نے کہا میرا اور تیرا رب اللہ ہے،جب

بادشاہ اسے پکڑ کر عذاب دینے لگا،اس نے بادشاہ کو لڑکے کے بارے میں بتادیا،تب وہی جادوگر کے پاس بادشاہ کا بھیجا ہوا لڑکا آیا، تو بادشاہ نے اس سے کہا، بیٹے! کیا تیرا جادو اس حد تک پہنچ گیا ہے،آپ تو مادر زاد اندھے اور کوڑھی کو بھی صحیح کرنے لگ گئے ہیں اور واہ جی مختلف قسم کی بیماریوں کاعلاج بھی کرتے ہیں! لڑکے نے کہا، میں تو کسی کو شفا نہیں دیتا، بلکہ شفاء تو اللہ تعالیٰ دیتا ہے، بادشاہ نے اسے پکڑ کر عذاب دیا، یہاں تک کہ اس نے راہب کے بارے میں بادشاہ کو بتا دیا ،راہب آیا،اس سے کہا گیا کہ تو اپنے مذہب سے پھر جا، راہب نے انکار کردیا، پھر بادشاہ نے ایک آرا منگوایا اور اس راہب کے سر پر رکھ کر اسے سر سے نیچے تک چیر کر اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، پھر بادشاہ کے اسی ہم نشین کو لایا گیا اور اس سے بھی کہا گیا، تو اپنے مذہب سے پھر جا، اس نے بھی انکار کردیا، بادشاہ نے اس کے سر پر بھی آرا رکھ کر بدن کو دو ٹکڑے کروا دیا گیا، پھر اس لڑکے کو بلوایا گیا، وہ آیا،اس سے بھی یہی کہا گیا،اپنے مذہب سے پھر جا، اس نے بھی انکار کردیا، بادشاہ نے اس لڑکے کو اپنے کچھ ساتھیوں کے حوالے کرکے کہا، اسے فلاں پہاڑ پر لے جاؤ، اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھاؤ،اگر یہ اپنے مذہب سے پھر جائے، تو اسے چھوڑ دینا اور اگر انکار کردے تو اسے پہاڑ کی چوٹی سے نیچے پھینک دینا، چنانچہ بادشاہ کے ساتھی اس لڑکے کو پہاڑ کی چوٹی پر لے گئے، تو اس لڑکے نے کہا، اے اللہ تو میرے لئے ان کے مقابلے میں کافی ہے، جس طرح تو

چاہے، مجھے ان سے بچالے۔ اس پہاڑ پر فوراً ایک زلزلہ آیا، جس سے بادشاہ کے وہ
سارے ساتھی گر کر مر گئے اور وہ لڑکا چلتے ہوئے بادشاہ کی طرف آگیا، بادشاہ نے اس
لڑکے سے پوچھا، تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا؟ لڑکے نے کہا، اللہ پاک نے مجھے ان سے بچا
لیا ہے، بادشاہ نے پھر اس لڑکے کو اپنے دیگر کارندوں کے حوالے کرکے کہا، اسے ایک
چھوٹی سی کشتی میں لے جا کر سمندر کے درمیان میں پھینک دینا اگر یہ اپنے مذہب سے نہ
پھرے۔ بادشاہ کے ساتھی اس لڑکے کو لے گئے،اس لڑکے نے کہا، اے اللہ تو جس طرح
چاہے مجھے ان سے بچالے، پھر وہ کشتی بادشاہ کے ان ساتھیوں سمیت الٹ گئی اور وہ
سارے کے سارے غرق ہوگئے، لڑکا چلتے ہوئے بادشاہ کی طرف آگیا، بادشاہ نے اس
لڑکے سے کہا، تیرے ساتھیوں کا کیا ہوا ؟ اس نے کہا، اللہ تعالیٰ نے مجھے ان سے بچالیا
ہے، پھر اس لڑکے نے باشاہ سے کہا، تو مجھے قتل نہیں کرسکتا، جب تک کہ اس طرح نہ
کرو جس طرح کہ میں تجھے حکم دوں، بادشاہ نے کہا، وہ کیا؟ لڑکے نے کہا، سارے
لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کرو اور مجھے سولی کے تختے پر لٹکاؤ، میرے ترکش سے
ایک تیر پکڑو، پھر اس تیر کو کمان کے چلہ میں رکھو اور کہو، اس اللہ کے نام سے جو اس
لڑکے کا رب ہے، اس کے بعد مجھے تیر مارو، اگر تم اس طرح کرو، تو مجھے قتل کرسکتے ہو،
بادشاہ نے لوگوں کو ایک میدان میں اکٹھا کیا اور اس لڑکے کو سولی کے تختے پر لٹکا
دیا،اس کے ترکش میں سے ایک تیر لیا، اس تیر کو کمان کے چلہ میں رکھ کر کہا، اس اللہ
کے نام سے جو اس لڑکے

کا رب ہے، یوں وہ تیر اس لڑکے کو مارا، تو وہ تیر اس لڑکے کی کنپٹی میں جا گھسا، تو لڑکے نے اپنا ہاتھ تیر لگنے والی جگہ پر رکھا اور مر گیا، تو سب لوگوں نے بیک زبان نعرہ لگایا، ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے ہیں، ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے ہیں، ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے ہیں، بادشاہ سے کہا گیا، تجھے جس بات کا ڈر تھا، اب وہی بات آن پہنچی، لوگ ایمان لے آئے، بادشاہ نے گلیوں کے دھانوں پر خندقیں کھودنے کا حکم دیا، خندقیں کھودی گئیں اور ان خندقوں میں آگ جلا دی گئی، بادشاہ نے کہا، جو آدمی اپنے مذہب سے باز نہیں آئے گا، میں ہر اس آدمی کو ان خندقوں میں ڈلوا دوں گا، لیکن کوئی بھی باز نہ آیا، تو انہیں دہکتی ہوئی خندقوں میں ڈال دیا گیا، یہاں تک کہ ایک عورت آئی، اس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ بھی تھا، وہ عورت خندق میں گرنے سے گھبرائی، تو اس عورت کے معصوم بچے نے کہا، امی جی صبر کریں، کیونکہ تو حق پر ہے۔ (صحیح مسلم: حدیث نمبر 3010)۔

حضرتِ عمرؓ کے دور میں جب کسی ضرورت کی بنا پر ایک قبر کھول دی گئی، تو قبر کے اندر عبداللہ بن تامر اپنی کنپٹی پر ہاتھ رکھے، بیٹھے ہوئے تھے، کسی نے ان کے کان سے ہاتھ ہٹایا، تو بہت خون جاری ہوا اور جب ہاتھ اپنی جگہ پر رکھا گیا، تو خون بند ھوا، انکے ہاتھ میں ایک انگوٹھی بھی تھی، جس پر "اللہ ربی" کندہ تھا، گورنر یمن نے یہ حالت سیدنا عمر کو لکھ دی، تو انہوں نے

انکو لکھا کہ انکو انگوٹھی سمیت بالکل اسی حالت میں دفن کیا جائے۔ (صحیحین)۔

ماہرین آثار نے یہاں بڑی کھدائیاں کی ہیں، یہ سب خندقیں اور دیگر چیزوں کے ساتھ راکھ کے ڈھیر ملے ہیں، ان کا کہنا ہے کہ مزید تحقیق پر کئی سال لگ سکتے ہیں، گویا جرمنی کے ہٹلر سے کئی صدیاں قبل ہولوکوسٹ کا بانی مؤسس اور تخلیق کار یہ بادشاہ جس کا ذکر اس قصہ میں ہے ملک یمن کا "یہودی بادشاہ" ہی تھا، جو روسی یہودیوں کی طرح دہری ہوگیا تھا، جس کا نام حضرت ابن عباس کی روایت میں یوسف ذونواس تھا، اس کا زمانہ نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت سے ستر سال پہلے کا تھا اور یہ لڑکا جس کو کاہن یا ساحر کے پاس اس کا فن سیکھنے کے لئے بادشاہ نے مامور کیا تھا اس کا نام عبداللہ بن تامر ہے اور راہب عیسائی مذہب کا عابد وزاہد ہوتا ہے، اس زمانے میں چونکہ دین عیسیٰؑ ہی دین حق تھا اس لئے یہ راہب اس وقت کا سچا مسلمان تھا۔ (تفاسیر القرآن، سورۃ البروج)۔

کعبے سے نفرت کرنے والا ابرہہ

کعبے سے نفرت کرنے والا ابرہۃ الأشرم

عربوں اور بیت اللہ سے اغیار کا حسد کوئی نئی بات نہیں ہے، یمن، ہند، ایران اور ویٹیکن وروم جیسے بہت سے علاقوں کے لوگ حسد کی یہ آگ اپنے سینوں میں لئے مرے ہیں، مٹے ہیں، اور آیندہ کے لئے بھی حرمین اور اہل حرمین کے بد خواہوں کا انجام نوشتۂ دیوار ہے، جو بھی کسی بھی عنوان سے حرمین شریفین سے یہ من جانب اللہ استحقاق و مرجعیت چھننے کی کوشش کرے گا، یقیناً منہ کی کھائے گا، لیکن احمقوں کی جنت میں بسنے والے بدقسمتی سے تاریخ کے بجائے اپنے انجامِ بد کے واسطے اپنے ہی اوپر تجربات کرتے رہتے ہیں، جن سے وہ خود اور ان کی قومیں آنے والی نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بن جاتے ہیں، تُبّع اور ذونواس کا تذکرہ پچھلے کالموں میں ہم کر چکے ہیں، آیئے ان تباہ وبرباد شدہ اقوام کی ایک اور جھلک آج آپ کو دکھاتے ہیں: چنانچہ ابرہہ یمن کا ایک عاقبت نا اندیش حاکم تھا، اشرم (نکٹا) یعنی ناک کٹے سے مشہور تھا، کیونکہ دوبدو اور دست بدست کی ایک لڑائی میں جب اس نے شکست کھائی تھی، تو اس کی ناک بھی کاٹ دی گئی تھی، اس لئے اس کے بعد وہ ابرہۃ الأشرم کہلایا، اس نے صنعائے یمن میں ایک عبادت خانہ بنوایا اور وہ چاہتا تھا کہ لوگ آیندہ خانہ کعبہ کے بجائے

اس خانہ ساز مَعبَد کا حج، طواف اور زیارت کیا کریں،تاکہ اس علاقے کو ایک محوری اور مرکزی حیثیت حاصل ہو، حجاز کے لوگوں کو یہ بات ناگوار گزری، قبیلہ بنو کنانہ کے ایک شخص نے موقع پا کر اس جعلی ''کعبے وحرم'' کو آگ لگا دی، جس سے وہ راکھ کا ڈھیر بن گیا،آج بھی اس کی باقیات،اثرات اور کھنڈرات موجود ہیں،نیٹ پر اس کی تفصیلات ہیں، اتفاق کہیئے یا منصوبہ، گزشتہ دنوں حوثیوں نے اس مقام کو حفظانِ آثارِ قدیمہ کے نام سے سرکاری تحویل میں لے کر اسکے لئے سیکورٹی وغیرہ کے حوالے سے بارڈر لگا کر،چار دیواری کرکے اور صفائی ستھرائی کے عنوان سے بڑی رقم بھی مختص کی ہے، یہ وہ جگہ ہے جس کے تباہ کرنے پر ابرہہ کو بہت طیش آیا تھا، اور اس نے بیت اللہ کو ڈھانے کی قسم کھائی تھی، اس ناپاک ارادے سے وہ اپنا لشکر لے کر روانہ ہوا، جس میں بہت سے ہاتھی تھے اور ان کا پیش رو ایک عظیم کوہ قامت ہاتھی تھا، جس کا نام محمود تھا۔ مؤرخین نے لکھا ہے کہ ابرہہ راستہ بھول کر طائف پہنچ گیا تھا،جب اسے پتہ چلا کہ یہ مکہ مکرمہ نہیں ،تو اس نے وہاں مکے تک کیلئے رہبر تلاش کیا،ابو رغال نامی عرب قوم کا خائن وغدار اس کو مل گیا، وہ اغیار کو اپنوں کے خلاف لشکر کشی کے لئے دیارِ مقدسہ لے کر آیا، یہ ننگِ قوم ،ننگِ دیں ،ننگِ وطن بھی آگے چلکر اسی انجام سے دوچار ہوا، جو دشمنانِ کعبہ وحرم کا منتظر ومقدر تھا،اطرافِ مکہ میں راستے ہی پر آج بھی اس غدار کی علامتی قبر موجود ہےاور تمام عوام وخواص گزرنے والے بطورِ نفرت اس شیطان پر بھی جمَرات کی طرح

کنکریاں برساتے ہیں۔ بہر حال ابرہہ کے لشکر نے مکہ مکرمہ کے قریب پہنچ کر مکہ والوں کے جانور پکڑ لیے، ان میں دو سو اونٹ آپ ﷺ کے جد امجد حضرت عبدالمطلب کے بھی تھے، حضرت عبدالمطلب ابرہہ کے پاس آئے، وہ ایک بارونق اور نہایت وجیہ شخص تھے، ابرہہ نے ان کی بہت تعظیم کی اور ان کے آنے کا مقصد پوچھا، آپ نے فرمایا، میں اس لئے آیا ہوں کہ میرے اونٹ واپس کئے جائیں۔ابرہہ نے کہا، مجھے بہت تعجب ہے کہ میں بیت اللہ کو ڈھانے آیا ہوں اور وہ تمہارا اور تمہارے آبا واجداد کا مقدس، معظم اور محترم مقام ہے، تم اس کے لئے تو کچھ نہیں کہتے اور اپنے اونٹوں کا مطالبہ کرتے ہو۔آپ نے فرمایا، میں اونٹوں کا مالک ہوں۔ اس لئے ان کے لئے کہتا ہوں اور رہا کعبہ، تو (اِنّ للبیتِ ربًا یحمیہ) اس کا مالک اللہ تعالیٰ ہے، وہ خود اس کی حفاظت فرمائے گا۔

حضرت عبدالمطلب کو ابرہہ نے اونٹ واپس کر دیئے۔آپ نے آکر قریش کو حال سنایا اور حکم دیا کہ مکہ سے نکل کر پہاڑوں کی گھاٹیوں میں پناہ گزین ہوں، قریش نے ایسا ہی کیا، آپ خود بیت اللہ گئے اور وہاں یہ دعا کی: ''اے اللہ! ہر کوئی اپنے گھر کی حفاظت کرتا ہے، تو ان سے اپنے حرم کی حفاظت فرما، بے شک اس گھر کا دشمن تیرا دشمن ہے، انہیں اپنی بستی کو اجاڑنے سے روک دے''۔اس دعا کے بعد آپ بھی پہاڑوں کی طرف چلے گئے، اگلی صبح ابرہہ نے اپنی فوج کو حملہ کے

لئے تیار کیا، اس نے اپنے دیوپیکر ہاتھی محمود کو اٹھانا چاہا، مگر وہ نہ اٹھا اور بیت اللہ کی طرف نہ چلا، جب اس کا منہ دوسری طرف کیا جاتا، تو وہ اٹھ کر تیز چلنے لگتا، لیکن جب اس کا رخ مکہ کی طرف کیا جاتا، تو وہ پھر بیٹھ جاتا، ایک عربی شاعر اسی کے متعلق کہتا ہے:

وَمِن صُنعِهِ یومَ فِیلِ الحُبُوش۔۔۔اِذ کلما بعثوہ وَزَم

اور اہل حبشہ کے فیل والے دن، قدرتِ الٰہی کے عجیب کرشموں میں سے یہ ہے کہ وہ'' لوگ جتنا اس کو اٹھاتے تھے، اتنا ہی وہ بیٹھا جاتا تھا۔''

مَحَاجِنُہُم تحتَ اَقرابِہ۔۔۔۔ وقد کَلَمُوا انفَہ فانخَرَم

اُن کے آنکس (ٹیڑھی لاٹھیاں) اُس کی کمر اور پیٹ کے نچلے حصے کو زخمی کر رہے تھے'' اور اُنھوں نے اُس کی سونڈ بھی زخمی کر ڈالی تھی۔''

اسی دوران اللہ تعالیٰ نے سمندر کی جانب سے چھوٹے چھوٹے پرندے (ابابیل) بھیجے، ہر پرندے کے پاس تین تین کنکریاں تھیں، ایک ایک چونچوں میں اور دو دو پنجوں میں، پرندے وہ کنکریاں گرانے لگے، جس شخص پر وہ کنکریاں گرتیں، اس کے آہنی خود کو توڑ کر سر سے ہوتی ہوئی، جسم کو چیر کر ہاتھی میں سے گزر کر زمین میں دھنس جاتیں، اس طرح ابرہہ کا لشکر تباہ و برباد ہوگیا، ابرہہ پگل پگل کر مرا، اور اسی واقعہَ فیل کے پچاس دن بعد آپ ﷺ کی ولادت باسعادت ہوئی، بعد میں قرآنِ کریم نے اصحابِ فیل کا تذکرہ یوں کیا ہے: ''نہایت

مہربان، رحم کرنے والے اللہ کے نام سے۔ کیا آپ نے نہ دیکھا، تمہارے رب نے ہاتھی
والوں کے ساتھ کیا کیا، کیا ان کے چال تہس نہس نہیں کی، ان پر پرندوں کی ٹولیاں
فوجیں) بھیجیں، انہیں کنکر کے پتھروں سے مارتے، تو انہیں کر ڈالا جیسے کھائی کھیتی کی)
بھوس''۔

سورہ یٰسین

از: سماحۃ الامام الشیخ سلیم اللہ خان

(1) یٰسٓ۔

(2) قسم ہے، قرآنِ حکیم کی۔

(3) یقیناً آپ رسولوں میں سے ہی ہیں۔

(4) سیدھی راہ پر ہیں۔

(5) (یہ قرآنِ حکیم) زبردست مہربان کا نازل کیا ہوا ہے۔

(6) تاکہ آپ ڈرادو، ایک ایسی قوم کو، جن کے باپ دادا کو نہیں ڈرایا گیا، پس وہ غافل ہیں۔

(7) بلاشبہہ حجت تمام ہو چکی ہے، ان میں سے اکثر پر، سو وہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

(8) بے شک ہم نے ڈال رکھے ہیں، ان کی گردنوں میں ایک طرح کے طوق، سو وہ ٹھوڑیوں تک ہیں، تو ان کے سر اُوپر کو اٹھائے گئے ہیں (گویا طاعت کے لئے جھک ہی نہیں سکتے)۔

(9) اور ہم نے بنا دی ان کے سامنے ایک بڑی دیوار اور ان کے پیچھے ایک بڑی دیوار، پھر ہم نے ڈھانک دیا ان کو، چنانچہ وہ دیکھ نہیں پا رہے ہیں۔

اور برابر ہے ان کے لئے، آپ ڈرائے ان کو، یا نہ ڈرائے انہیں، وہ ایمان (10)
نہیں لانے کے۔
آپ تو بس اس ہی کو ڈرا سکتے ہیں، جو ذکر کی پیروی کرے اور ڈرے رحمٰن (11)
سے غائبانہ، سو اسے بشارت دو مغفرت اور باعزت اجر کی۔
بے شک ہم ہی اموات کو زندہ کریں گے اور ہم لکھتے ہیں جو کچھ وہ پہلے کر چکے (12)
ہیں اور (پیچھے رہنے والے) ان کے نشانات، اور ہر چیز، خوب شمار کیا ہے ہم نے
اسے، ایک واضح اصل (لوح محفوظ) میں۔
اور بتا دیں انہیں ایک مثال، گاؤں والے، جب وہاں پیغمبر آئے۔ (13)
جب ہم نے بھیجے ان کی طرف دو (پیغمبر)، تب انہوں نے جھٹلایا ان دونوں (14)
کو، پس ہم نے تقویت دی ایک تیسرے (پیغمبر) سے، سو انہوں نے کہا، ہم تمہاری
طرف پیغمبر بنائے گئے ہیں۔
بولے وہ (گاؤں والے)، تم (کچھ) نہیں مگر انسان ہو ہماری طرح، اور نازل (15)
نہیں کی رحمٰن کوئی شئے، تم تو جھوٹ ہی بولتے ہو۔
ان (رسولوں) نے کہا، ہمارا رب جانتا ہے، بے شک ہم تمہاری طرف (پیغام (16)
دے کر) بھیجے ہی گئے ہیں۔
اور ہمارے ذمے تو صرف صاف صاف تبلیغ ہے۔ (17)
بولے وہ (اہل قریہ)، ہم برا فال (شامت) لیتے ہیں تم سے، اگر تم باز نہ (18)
آئے، تو ہم تمہیں سنگسار ہی کر دیں گے، اور یقین جانیئے، تم کو پہنچے گا

ہماری طرف سے المناک عذاب۔
انہوں نے کہا کہ تمہاری بدفالی تمہارے ساتھ ہے،کیا اس لئے کہ تمہیں (19)
نصیحت کی گئی، بلکہ تم ایک ایسی قوم ہو جو زیادتی پر اتر آئے ہو۔
اور آیا شہر کے آخری علاقے سے ایک شخص دوڑتا ہوا، کہنے لگا، اے میری قوم (20)
اتباع کروان رسولوں کی۔،
اتباع کروایسوں کی، جو نہیں مانگتے تم سے کوئی اجرت،اور وہ راہ پائے ہوئے (21)
ہیں۔
اور کیا ہوگیا ہے مجھے (کہ) عبادت نہ کروں اس کی، جس نے مجھے پیدا کیا اور (22)
اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤگے۔
کیا میں پکڑوں اس کے علاوہ کچھ معبودوں کو؟ اگر رحمٰن مجھے کوئی ضرر پہنچانا (23)
چاہے، تو کچھ بھی فائدہ نہ دے سکے مجھے،ان کی سفارش اور نہ ہی وہ مجھ کو بچا سکیں۔
یقیناً میں تب واضح گمراہی میں ہی ہوں گا۔ (24)
بے شک میں تمہارے رب پر ایمان لایا ہوں ، سو میری سنو۔ (25)
اسے) کہا گیا،جنت میں داخل ہوجا، وہ بولا، اے کاش ! میری قوم جان سکتی۔) (26)
کہ میرے رب نے میری مغفرت کرلی، نیز ٹھہرادیا مجھے عزتمندوں میں سے۔ (27)
اور نہیں اتاری ہم نے اس کی قوم پر اس کے بعد کوئی فوج آسمان (28)

سے،اور نہ ہی ہم اُتارا کرتے ہیں (کیونکہ اللہ کو ظاہری لشکروں کی کیا ضرورت ہے؟)۔
وہ تو صرف ایک (ہیبت ناک) چیخ تھی، سوا تنے میں وہ (مرکر) بجھے (29)
ہوئے تھے۔
ہائے افسوس بندوں پر! نہیں آتا ان کے پاس کوئی رسول، مگر وہ اس سے (30)
استہزاء کرتے رہتے ہیں۔
کیا نہیں دیکھا انھوں نے، کتنے ہی ہلاک کیے ہم نے، ان سے پہلے بہت (31)
سے طبقات کو، کہ وہ ان کی طرف نہیں آیا کرتے لوٹ کر۔
اور نہیں کوئی بھی، مگر سب کے سب ہمارے پاس حاضر کیے جائیں گے۔ (32)
اور ایک نشانی ان کے لئے مردہ زمین ہے، ہم نے زندہ کیا اسے اور نکالے اس (33)
سے مختلف دانے (غلّے)، تو (یہ) اس میں سے کھاتے رہتے ہیں۔
اور بنائے اس میں (مختلف) باغات کھجوروں اور انگوروں کے، اور پھوٹ (34)
دیئے اس میں (پانی کے) چشمے۔
تاکہ یہ کھائیں اس کے پھل میں سے، اور نہیں بنایا اسے ان کے ہاتھوں نے، (35)
تو کیا یہ شکر نہیں کریں گے؟
پاک ہے وہ جس نے پیدا کئے سب جوڑے، اُن (اشیا) سے جن کو اگاتی ہے (36)
زمین، اور اُن کی جانوں میں سے، اور اُن (چیزوں) میں سے (جنہیں) وہ نہیں جانتے۔

اور ایک نشانی ان کے لئے رات ہے، ہم کھینچ لیتے ہیں اس میں سے دن، تو (37)
اس وقت وہ اندھیرے ہو جاتے ہیں۔
اور سورج چلتا رہتا ہے اپنے جائے قرار (مستقر) میں، یہ زبردست اور دانا کی (38)
مقرر کی ہوئی)ترتیب ہے۔)
اور چاند، ہم نے طے کر دی ہیں اس کی منزلیں، حتیٰ کہ (گھٹتے گھٹتے)وہ ہوا (39)
چاہتاہے) کھجور کی پرانی شاخ کی طرح۔)
نہ ہی سورج کے لئے ممکن ہے کہ چاند کو جاپائے،اور نہ ہی رات دن پر سبقت (40)
کرسکتی ہے۔ اور سب ایک دائرے میں تیر رہے ہیں۔
اور ایک نشانی ان کے لئے یہ ہے، کہ ہم نے سوار کیاان کی اولاد کو، بھری (41)
ہوئی کشتی میں۔
اور پیدا کیں ان کے لئے ویسی ہی اور چیزیں، جن پر وہ سوار ہوتے ہیں۔ (42)
اور اگر ہم چاہیں، تو غرق کردیں ان کو، پھر نہ تو ان کا کوئی فریاد رس ہو،اور (43)
نہ ہی وہ بچائے جائیں۔
مگر ہماری رحمت اور کچھ استفادہ ایک مدت تک۔ (44)
اور جب کہا جائے ان سے، ڈرو اس سے جو تمہارے آگے ہےاور جو تمہارے (45)
پیچھے ہے،تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔
اور نہیں آتی ان کے پاس کوئی نشانی، ان کے رب کی نشانیوں میں سے، مگر (46)
اس سے منہ پھیرے ہوتے ہیں۔

اور جب ان سے کہا جائے، خرچ کرو اس میں سے، جو رزق اللہ نے تم کو دیا (47)
ہے، تو کہتے ہیں کافر مومنوں سے ، کیا ہم کھانا کھلائیں ان لوگوں کو، جن کو اگر اللہ چاہتا
تو خود کھلا دیتا، تم تو بس صریح ضلالت میں ہو۔
اور کہتے ہیں، کب (پورا) ہوگا یہ وعدہ، اگر تم سچے ہو؟ (48)
یہ انتظار نہیں کرتے مگر ایک چنگھاڑ کا، جو ان کو اس حال میں آ پکڑے گی کہ یہ (49)
باہم جھگڑ رہے ہوں گے۔
پھر نہ کوئی وصیت کر سکیں گے اور نہ ہی اپنے گھر والوں میں واپس جا سکیں (50)
گے۔
اور جب صور پھونکا جائے گا، تو یکدم وہ قبروں سے (نکل کر) اپنے رب کی (51)
طرف دوڑ پڑیں گے۔
کہیں گے ، ہائے ہماری کم بختی، کس نے ہمیں ہماری قبروں سے اُٹھایا؟ یہ وہی تو (52)
ہے جس کا رحمٰن نے وعدہ کیا تھا اور رسولوں نے سچ کہا تھا۔
صرف ایک چیخ ہوگی، کہ سب کے سب ہمارے پاس حاضر کر دئے جائیں گے۔ (53)
تو آج ظلم نہیں کیا جائے گا کسی نفس پر کچھ بھی، اور تم کو بدلہ نہیں ملے گا، مگر وہ (54)
جو تم کام کرتے تھے۔
بے شک اہل جنت آج (عیش ونشاط کے) مشغلوں میں مزے اُڑائیں گے۔ (55)
وہ بھی اور ان کی بیویاں بھی، سایوں میں، تختوں پر تکیے لگائے ہوں گے۔ (56)

ان کے لئے اس میں قسم قسم کا میوہ ہوگا، اور ان کے لئے ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ (57)
سلام " کہا جائے گا، رب مہربان کی طرف سے۔" (58)
اور تم الگ ہو جاؤ آج، اے مجرموں۔ (59)
کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا اے آدم کی اولاد، کہ شیطان کو نہ پوجنا، وہ (60)
تمہارا کھلا دشمن ہے۔
اور یہ کہ میری عبادت کرنا، یہ سیدھا راستہ ہے۔ (61)
اور بے شک اس نے تم میں سے بہت سی خلقت کو گمراہ کر دیا تھا، تو کیا تم (62)
عقل نہیں رکھتے تھے؟
یہی وہ جہنم ہے جس کا تم سے وعدہ کیا جا رہا تھا۔ (63)
داخل ہو جائیں اس میں آج، اس کے بدلے جو تم کفر کرتے رہے ہو۔ (64)
آج ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے، اور (بجائے منہ کے) بات کریں (65)
گے ہم سے ان کے ہاتھ اور ان کے پاؤں گواہی دیں گے اس کا جو (یہ لوگ دنیا میں)
کمائی کرتے تھے۔
اور اگر ہم چاہیں، تو ان کی آنکھوں پر سے بینائی کو ہٹا دیں، پھر یہ رستے کو (66)
دوڑیں، تو کیسے دیکھ پائے؟
اور اگر ہم چاہیں، تو ان کی جگہ پر ان کی شکلیں مٹا دیں، پس نہ آگے جا سکیں (67)
اور نہ لوٹ سکیں۔

اور جسے ہم بڑی عمر (بڑھاپا) دیتے ہیں، اسے خلقت میں اوندھا کر دیتے ہیں، تو (68)
کیا یہ سمجھتے نہیں ؟
اور ہم نے نہیں سکھائی اِن (پیغمبر) کو شعر گوئی، اور نہ انہیں مناسب ہے، یہ تو (69)
محض نصیحت اور دو ٹوک قرآن ہے۔
تاکہ ڈرائے اس شخص کو جو زندہ ہو اور حجت ثابت ہو جائے کافروں پر۔ (70)
کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ہم نے پیدا کر دیئے ان کے لئے اپنے ہاتھوں سے (71)
بنائی ہوئی چیزوں میں سے بہت سے مویشی، اور یہ ان کے مالک ہیں۔
اور ان (مویشیوں) کو قابو میں کر دیا ان کے، تو کچھ ان میں سے ان کی سواری (72)
ہے اور کچھ کو یہ کھاتے ہیں۔
اور ان کے لئے ان (حیوانات) میں کچھ فوائد اور کچھ پینے کی چیزیں ہیں۔ تو (73)
کیا یہ شکر بجا نہیں لائیں گے ؟
اور یہ بنا چکے ہیں اللہ کے سوا، کئی معبود، کہ شاید ان کی مدد کی جائے۔ (74)
حالانکہ) وہ طاقت نہیں رکھتے ان کی مدد کی، اور یہ (مشرک لوگ) ان کی) (75)
فوج ہو کر حاضر کیے جائیں گے۔
تو غمناک نہ کر دیں آپ کو ان کی بات، بلاشبہہ ہم جانتے ہیں، جو کچھ چھپاتے (76)
ہیں یہ لوگ اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔
کیا نہیں دیکھا انسان نے، کہ بے شک ہم نے پیدا کیا اسے ایک نطفہ سے، پس (77)

تب ہی وہ کھلم کھلا جھگڑنے والا ہے۔

اور بیان کر دی ہمارے بارے میں ایک مثال، اور بھول گیا اپنی پیدائش کو (78)
کہا اس نے، کون زندہ کرے گا ہڈیاں، درانحالیکہ وہ بوسیدہ ہو گئی ہوں ؟۔

کہہ دو، وہی زندہ کرے گا ان کو، جس نے ان کو پہلی بار ایجاد کیا، اور وہ ہر (79)
طرح کی تخلیق کو خوب جاننے والا ہے۔

وہ جس نے پیدا کی تمہارے لئے سبز درخت سے کچھ آگ، پس جب ہی تم اس (80)
سے آگ سُلگاتے (جلاتے) ہو۔

کیا نہیں ہے وہ (ذات) جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو، قادر اس پر کہ (81)
پیدا کر دے انہیں کی طرح، کیوں نہیں، اور وہ بہت علم والا بڑا پیدا کرنے والا ہے۔

بس ان کا حکم (صرف اتنا ہی) ہے، جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے، تو اس (82)
سے فرما دیتا ہے، ''ہو جا''، تو وہ ہو جاتی ہے۔

تو پاک ہے وہ (ذات) جس کے ہاتھ میں ہے ہر چیز کی ملکیت (اختیار)، اور اسی (83)
کی طرف تم لَوٹائے جاؤ گے۔

جنگی اخلاقیات کی تطبیق اسلامی تاریخ میں

حربی اخلاقیات اور اسلام

16 ستمبر کو کراچی موون پیک اور 14 اکتوبر کو رمادہ اسلام آباد میں icrc نے ہمیں مذکورہ بالا عنوان پر دو الگ الگ محاضروں کے لئے مدعو کیا، اللہ تعالی کا شکر ہے ،دونوں جگہ شرکا وسامعین کی طرف سے خوب پذیرائی ملی،ان معروضات کا خلاصہ قارئین کے لئے پیش ہے:

سب سے پہلے اخلاق کو سمجھنے کی ضرورت ،انسانیت کی معراج حسن اخلاق ہے، ہمارے پیارے پیغمبر ﷺ کی سب سے بڑی ڈگری خُلُقِ عظیم ہے،آپ نے فرمایا: کامل ترین مؤمن وہ ہے جس کے اخلاق اچھے ہوں، مسلم یا غیر مسلم ہونا بعد کی بات ہے،انسان ہونا سب سے پہلے ہے اور انسان ہونے کے لئے انسانیت یعنی بلند اخلاق پر فائز ہونا،تاکہ آپ کے قول و عمل میں انصاف، عدل اور باہمی مساوات ہو،آپ ضد، عناد، تنگ نظری اور رعونت کی بیماریوں سے دور ہو،آپ جب فطرتِ سلیمہ کے مالک ہوجائیں گے تب آپ کا فہم کسی کی بات کو سمو سکے گا۔

لہٰذا ایمان اور اسلام دونوں الفاظ میں غور کرنے سے یہ بات معلوم ہو سکتی

ہے، کہ ان کا مَاخذ امن وسلامتی ہے، یہ دونوں عنوان اس بات کا دعوی ہے کہ یہ مذہب نہ صرف انسانی معاشرہ بلکہ پوری کائنات میں امن وامان اور سلامتی وخیر سگالی کا داعی ہے، کیاآپ نے کبھی غور نہیں کیا کہ اس دین کی پانچوں بنیادیں بنی نوع بشری میں تفرق کے بجائے اجتماعیت اور توڑ کے بجائے جوڑ کے مظاہر ہیں، کلمہ طیبہ، اقامت صلاۃ، ادائے زکاۃ، صیام رمضان اور حج بیت اللہ میں سے ہرایک معاشرے میں امن سلامتی، اجتماعیت، جوڑ، خیر سگالی، الفت، محبت اور مودت پر شاہد عدل ہیں۔ میں، سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی سلیم الفطرت انسان اسلام کے ان ارکانِ خمسہ کا جائزہ لے کر اس دین کے امن وسلامتی کے دعوے کو مبنی بر حقیقت ہونے کا دو اور دو چار کی طرح نتیجہ نکال سکتاہے، توکیا کوئی قلبِ سلیم رکھنے والا دانش ور، تجزیہ نگار اور مؤرخ ہے جو دنیاکے سامنے اس حقیقت کو طشت ازبام کردے؟

جہاد اسلام کے بنیادی ارکان خمسہ میں سے نہیں ہے، یہ ایک ضرورت ہے، یہ ایک اضطراری حالت ہے، بالفاظِ دیگر یہ ایک رد عمل کانام ہے، ظاہر سی بات ہے کہ جب آپ اپنے مکان، ادارے، محلے، شہر، ملک اور کل کائنات میں امن، سلامتی، حسن اخلاق، حسن معاشرت، حسن سیرت وکردار کے داعی ہیں، رحمۃ للعالمین پیامبرﷺ کے وارث ونائب ہیں، آپ ایک مثالی اور ماڈل معاشرہ تشکیل دینا چاہتے ہیں، آپ اور، آپ کے اسلاف نے اس کے لئے جانی ومالی بیش بہا قربانیاں بھی دی ہیں

لیکن کچھ افراد، اقوام، ممالک، گروپنز اور کچھ افکار و نظریات آپ کے اس مشن کو سبوتاژ کرنا چاہتے ہیں، اس میں رخنہ ڈالنا چاہتے ہیں، تو کیا آپ ہابیل کی طرح قابیل کے سامنے ہاتھ پر ہاتھ دھرے کھڑے رہینگے، یا پھر اپنے تعمیر کردہ چمن زار و گلستاں کو بچانے کے لئے جان و مال کی پرواہ کئے بغیر میدان میں کود پڑینگے، کیا اس نقطۂ نظر کو پیش رکھکر آج چودہ سو سال کے بعد مہذب اقوام نے ان کے گردانہ کارروائیوں کے مقابلے کے لئے ''گرم تعاقب'' کے نام سے یہی تکنیک نہیں اپنائی ؟ کیا اس میں دفاعی اور اقدامی سب شامل نہیں ہیں، تو اگر انسانی عقل اپنی نارسی سے اس نکتے تک صدیوں اور ہزاریوں میں پہنچ سکتی ہے، تو وحی اور نبوت کی شکل میں دینی نقل اگر پہلے ہی اس تک پہنچ گئی، تو اس میں تردد اور تذبذب کیوں ؟؟

یاد رکھیئے ایمان امن چاہتا ہے، اسلام سلامتی چاہتا ہے لیکن اس میں کوئی شک نہیں کہ زمین اور کائنات میں اضطراب اور بے راہ روی روکنے کے لئے اسلام میں اقدامی اور دفاعی دونوں طرح کے جہاد ہیں، اسلام کفر و کافر کو تخریب، نقض امن اور دنگا و فساد سے جب بھی روکتا ہے، اسے جہاد کہتے ہیں، چنانچہ کفر اور کافر جہاں بھی پر امن ہیں، انسانیت کی تباہی کے چکروں میں نہیں ہیں، اسلام اور ایمان ان سے تعرض نہیں کرتے، اس کی مثال آپ اسلامی حدود اور قصاص سے سمجھئے کہ کسی کا قتل و جرائم سے کوئی تعلق نہیں ہے، تو حدود و قصاص

کا اس سے کیا تعلق ؟ گویا جہاد کفر واہل کفر اور بغاوت و اہل بغاوت کی موجودہ زمانے میں تخریبی عمل اور مستقبل میں تخریبی سوچ کا رد عمل ہے، اسی لئے مجاہد حسب حالات کبھی دفاع اور کبھی اقدام پر مجبور ہوتا ہے۔ بہر حال یہاں ہم اس حوالے سے اسلام کے چند زرین قوانین پیش کرتے ہیں:

نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنگ کا مقصد دشمن کا جسمانی طور پر خاتمہ کرنا نہیں ہے، جدید بین الاقوامی انسانی فلاحی قوانین بھی یہ کہہ کر کہ جنگ کا مقصد دشمن کی جنگی طاقت اور جنگی استعداد کو کمزور کرنا ہونا چاہئیے، اسی نتیجے پر پہنچے ہیں کہ جونہی دشمن کی جنگی استعداد کمزور ہو جائے، حملوں کو روک دینا چاہیے۔

جنگ کے اصول و قوانین میں اسلام نے جو بنیادی اصلاحات کی ہیں وہ یہ ہے کہ طاقت کے استعمال کو صرف شریک جنگ تک محدود کیا جائے۔

اسلام کے قانون جنگ کا دوسرا بنیادی اصول یہ ہے کہ قانونی طور پر تسلیم شدہ سیاسی حکومت کی اجازت کے بغیر طاقت کے استعمال کی اجازت نہیں ہے۔

اسلام کے قانون جنگ کا تیسرا اصول عملی طور پر جنگ میں حصہ نہ لینے والے افراد سے متعلق ہے، طبّی امداد دینے والے اور اسی قبیل کے دوسرے افراد، حتی

کہ اگروہ جنگجوؤں اور حملہ آوروں کو مدد بھی فراہم کررہے ہوں، انہیں جنگ میں شریک افراد کا حصہ نہیں سمجھا جاتا، رعایت نہ صرف طب سے متعلقہ لوگوں کو دی گئی ہے، بلکہ دوسرا امدادی عملہ جن میں نرسیں، خدمت گار، کھانا پکانے والے، شہری ضروریات کی فراہمی کرنے والے، بہت عمر رسیدہ سپاہی اور وہ بوڑھے افراد جو جنگ میں حصہ نہ لے رہے ہوں، بھی اس رعایت میں شامل ہیں ان سب افراد کو قتل سے مستثنیٰ قرار دیا گیاہے۔

چوتھا اصول یہ ہے کہ کوئی ایسا کام نہ کیا جائے جس میں دھوکہ دہی کا عنصر شامل ہو، قرآن پاک کی بہت سی آیات ہیں جن میں دھوکہ دہی اور کسی چیز کو، حتیٰ کہ دشمن کے سامنے بھی غلط انداز میں پیش کرنے سے منع کیا گیا ہے۔

☆ بنو نظیر نے ایامِ صلح میں معاہدۂ امن کے باوجود پیغمبرِ اسلام ﷺ کو شہید کرنے کی ناپاک کوشش کی، جس کے رو سے ان کو مدینہ میں رہنے کی گنجائش ختم ہوئی، تو انہیں صرف جلا وطن کیا گیا۔ بنو قریظہ نے حالت جنگ میں اس طرح کا غدر کیا، اور تمام مسلمانوں کو نیست و نابود کرنے کی سازباز کی، چنانچہ ان کے صرف مردوں کو ان کے مقرر کردہ حَکَم سعد بن معاذ کے کہنے پر تہِ تیغ کیا گیا۔ ''گرم تعاقب'' کی اصطلاح میں اگر دیکھا جائے تو یہ عین انصاف ہے، اس شریر قوم سے تنگ آکر ہٹلر نے کیا کیا تھا، وہ آپ کے سامنے ہے۔

☆ حضرت ابو بصیر اور حضرت ابو جندل کے واقعات مشہور و معروف ہیں، آپ ﷺ نے

حربی معاہدات کی پاسداری کی ایک عظیم الشان مثال قائم کرکے ان دونوں واپس کیا۔

☆ حضرت علیؓ کا مشہور واقعہ ہے کہ غزوۂ خندق میں ایک موقع پر جب وہ اپنے مد مقابل انتہائی طاقتور دشمن (عمرو بن عبد وَدالعامری) کو پچھاڑ چکے، تو انہوں نے حضرت علیؓ پر نیچے سے تھوک دیا، تو وہ ان سے یکدم پرے ہٹ گئے، کسی نے پوچھا، حضرت اس وقت تو آپ ان کا کام بڑی سے تمام کر سکتے تھے؟ فرمایا، میری ان سے ذاتی کوئی دشمن نہیں ہے، نہ ہی ہم اپنی ذات کے لئے کسی سے انتقام لیتے ہیں۔ (دلائل النبوۃ ج ۳، ۴۳۲)
اسی واقعہ کے ذیل میں بعض مؤرخین نے حضرت علی کا اس جنگ میں ایک اور عجیب وغریب واقعہ بھی نقل کیا ہے کہ انہوں نے اپنے ایک مبارز کو انجام تک پہنچایا، اورانکی تلوار، ڈھال اور زرہ لئے بغیر خالی ہاتھ لوٹے، نبی کریم ﷺ یا حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر بتایا، ان کی شرمگاہ کھل گئی تھی، میں شرم کے مارے سب کچھ چھوڑ کر واپس چلا آیا۔۔۔ یقیناً دنیا کی تاریخ کسی بھی گھمسان کی جنگ میں حسنِ اخلاق کے اس کردار کا نمونہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔

☆ دوسرے خلیفہ راشد کے زمانے میں، مسلمانوں اور ایرانیوں کے مابین جنگ ہو رہی تھی، ایک ایرانی درخت پر چڑھ گیا اور اسکی چوٹی پر پناہ لے لی، ایک مسلمان سپاہی نے اسے پالیا اور فارسی میں اسے کہنے لگا، مترس، یعنی مت

ڈرو، ایرانی فوجی یہ سمجھا کہ شاید اسے پناہ اور تحفظ دے دیا گیا ہے، چنانچہ وہ نیچے اتر آیا تاہم مسلمان فوجی نے اسے قتل کر ڈالا۔ حضرت عمرؓ کو اس معاملے کی خبر دی گئی ، ، انہوں نے ایک پالیسی بیان جاری کیا جس میں انہوں نے یہی فارسی اصطلاح استعمال کرتے ہوئے اعلان کیا کہ اگر کوئی شخص دشمن فوجی کو '' مترس '' اور بعد میں اسے قتل کرتے پایا گیا، تو اس پر قتل کا مقدمہ چلایا جائے گا اور وہ سزائے موت کا حق دار ہوگا، ایسے عمل کو دوسرے خلیفہ راشد نے قتل کے برابر گردانا صرف اس وجہ سے کہ ارادے کو غلط انداز میں پیش کیا گیا ۔ یہاں دھوکہ دہی کو اس کے لغوی معنوں سے کہیں زیادہ وسیع کر کے منع کر دیا گیا۔

☆ مسلمان حکومت نے جدید ترکی اور مصر کی سرحدوں کے قریب کہیں آباد غیر مسلم لوگوں سے معاہدہ کرلیا، یہ لوگ مسلمانوں کے لئے مشکلات پیدا کیا کرتے تھے ۔ خاص طور پر وہ تجارتی قافلے جو عرب اور یورپ کے درمیان سفر کرتے تھے یہ انہیں لوٹ لیا کرتے ۔ حضرت امیر معاویہؓ نے ان کے خلاف قدم اٹھانے کا فیصلہ کیا،تاہم مسلمانوں نے ان سے جو معاہدہ کر رکھا تھا اس میں وقت کی پاسداری ضروری تھی اور اس معاہدے میں ہر سال توسیع کر دی جاتی تھی ۔ ان کے خلاف قدم اٹھانے کے لئے خلیفہ نے انتظار کیا، یہاں تک کہ یہ معاہدہ ختم ہونے کو آ گیا ۔ اس معاہدے کے ختم ہونے سے ایک ماہ قبل ، انہوں نے تیاری کی

اور اپنی کمان میں فوج کو حکم دیا کہ وہ اس علاقے کی جانب پیش قدمی کریں جہاں یہ مشکلات پیدا کرنے والے لوگ رہائش پذیر تھے۔ ان کا خیال تھا کہ وہ معاہدے کی آخری تاریخ تک انتظار کریں گے اور پھر معاہدے میں توسیع کرنے کے بجائے، اگلی ہی صبح ان لوگوں کو سزا دیں گے۔ تکنیکی لحاظ سے، قانونی، آئینی اور آج کی زبان میں بین الاقوامی قانون کی روسے ان کا یہ قدم جائز ہوتا، وہ اپنے ہی علاقے میں نقل و حرکت کر رہے تھے اور معاہدے کے عرصے میں ان کے خلاف کوئی قدم بھی نہیں اٹھا رہے تھے، لیکن یہ خلیفہ کی ذاتی رائے تھی اور اس پر دوسروں سے مشاورت نہیں کی گئی تھی، ایک صحابی رسول ﷺ عمر بن انباسہؓ گھوڑے پر سوار ہو کر تیزی سے اس جانب بڑھے جس سمت مسلمان فوج پیش قدمی کر رہی تھی، خلیفہ کو خبر دی گئی کہ کوئی شخص نزدیک آرہا ہے، جب وہ قریب آئے تو دیکھا گیا کہ وہ صحابی رسول ﷺ عمر بن انباسہؓ ہیں، جب حضرت عمرؓ نے مسلمان فوج کو جالیا وہ زور وشور سے چلا رہے تھے "وفاء لا غدر" اپنا وعدہ پورا کرو، دھوکہ دہی کے مرتکب نہ ہو"۔

خلیفہ تک پہنچنے کے بعد انہوں نے معاہدے کے متعلق اپنے فہم اور تعبیر کو واضح کیا اور یہ کہ خلیفہ کا یہ قدم کیسے دھوکہ دہی میں شامل ہے، حضرت عمرؓ نے کہا کہ جب ایک مسلمان ریاست کچھ افراد کے ساتھ کوئی معاہدے کر بیٹھتی ہے تو اس کا تقاضا ہے کہ باوجود اس کے کہ ان کے ارادے دشمنی کی جانب مائل ہوں

پر امن رہا جائے طرفین کو جذباتی طور پر پر امن رہنا چاہئے ، یہ حقیقت کہ ایک ، مسلمان حکمران نے معاہد قوم کے خلاف فوجی کارروائی کا سوچا اور اس ارادے کے ساتھ اپنی فوجوں کو حرکت بھی دی اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ معاہدے کی اصل روح یعنی معاہدے کے عرصے میں پر امن رہنے کے عزم کے خلاف ایک حرکت کے مرتکب ہوئے۔

چنانچہ مسلمانوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ اگر وہ معاہدے کو ختم کرنا چاہیں تو انہیں اپنے ارادے کا اعلانیہ اظہار کرنا چاہیے تاکہ دشمن موجودہ حالت کے بارے میں آگاہ ہو جائے اور اسے پتہ چل جائے کہ مسلمان ان کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں چنانچہ وہ بھی اسی طرح تیار رہیں، صرف اسی صورت میں مسلمان ان کے خلاف کوئی قدم اٹھا سکتے ہیں جن کے ساتھ ان کا امن کا معاہدہ تھا، حضرت معاویہؓ سمیت مسلمان فوج نے اس تشریح کو قبول کیا اور فوراً ہی اپنے اقدامات کو ختم کرکے ، دمشق واپس روانہ ہو گئے۔

☆ ۱۰۵ھ اور ولید ابن عبد الملک کا عہد تھا، جب اسلامی فوجیں سمرقند میں فاتحانہ داخل ہوئیں ، دیکھتے ہی دیکھتے سمرقند اسلامی ریاست کا حصہ بنا دیا گیا، عدلیہ سمیت تمام محکمے وجود میں آ گئے ، ابھی مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ سمرقند کے مقامی مذہبی پیشوا، اسلامی عدالت کے روبرو پیش ہوئے اور

موقف اختیار کیا کہ سمرقند میں قائم ہونے والی اسلامی حکومت خود اسلامی قانون کی روسے ہی ناجائز اور غیر قانونی ہے، لہٰذا عدالت اس حکومت کو ختم کرکے مسلم فاتحین کو سمرقند سے نکل جانے کا حکم جاری کرے۔ قاضی نے انہیں اپنے موقف کے حق میں دلائل پیش کرنے کو کہا، تو ان کی پہلی ہی دلیل آخری اور حتمی بھی ثابت ہوئی، مذہبی پیشواؤں کا استدلال تھا، آپ کے مذہب کے قانون کے تحت مسلم افواج کے کمانڈر پر لازم ہے کہ کسی ریاست پر حملہ کرنے سے قبل وہ دعوت اسلام دے، اگر یہ دعوت رد کردی جائے، تو پھر وہ جزیئے کی شرط کے ساتھ سرنڈر کا حکم دے، اگر یہ مطالبہ بھی رد کردیا جائے، تو تب مسلم افواج اس ریاست پر حملہ آور ہو سکتی ہیں، قاضی نے تصدیق کی کہ بالکل ایسا ہی ہے، تو ان مذہبی پیشواؤں نے انکشاف کیا، کہ فتح سمرقند کے موقع پر مسلم فاتحین نے اس قانون کو مکمل طور پر نظر انداز کیا، نہ تو دعوت اسلام دی گئی اور نہ ہی جزیئے کی شرط کے ساتھ سرنڈر کا مطالبہ کیا گیا، قاضی کے چہرے کا رنگ متغیر ہوا، اس نے فوری طور پر سمرقند کے فاتح نامور سپہ سالار قتیبہ بن مسلم کو عدالت میں طلب کرلیا، قاضی نے قتیبہ بن مسلم سے صرف ایک سوال کیا، کیا واقعی ایسا ہی ہوا ہے، جیسا یہ مذہبی پیشوا بیان کر رہے ہیں؟ قتیبہ بن مسلم نے ان کے بیان کی تصدیق کرتے ہوئے کچھ وضاحتیں اور وجوہات پیش کرنی شروع کردیں، عدالت نے تمام وضاحتیں مسترد کرتے ہوئے پہلی ساعت پر تاریخ ساز فیصلہ صادر کردیا، مسلم عدالت نے سمرقند پر اسلامی حکومت کو ناجائز اور

غیر قانونی قرار دیتے ہوئے ،نہ صرف اس کے خاتمے کا حکم دیا، بلکہ بلاتاخیر سمرقند سے نکل جانے کا حکم دیا، فیصلہ سناتے ہی قاضی نے اپنا قلمدان سمیٹا اور کمرہ عدالت خالی کردیا، مسلم لشکر نے سمرقند سے کوچ شروع کیا، تو شہر کے باہر وہی مقامی مذہبی پیشوا ایک بار

پھر قاضی اور قتیبہ بن مسلم کے سامنے آگئے ،انہوں نے ان کے گھوڑوں کی لگامیں پکڑ کر کہا، سمرقند نے اپنی تاریخ میں ایسا منصف فاتح کبھی دیکھا اور نہ ہی مستقبل میں کبھی دیکھ سکے گا، خدارا ہمیں چھوڑ کر نہ جائیں اب یہ ہماری ہی خواہش ہے کہ آپ ہی ہم پر حکومت کریں ،یوں سمرقند پر اسلامی حکومت قائم ہو گئی ، یہی واقعہ اہل سمرقند کے قبول اسلام کا بھی سبب بنا۔

☆تاریخ شاہد ہے صلیبی جنگوں کے دوران مسلم عوام اور حکمرانوں کے ساتھ مغربی غارت گروں نے کیا ناروا سلوک کیا ، اور اہل اسلام کے ہاتھوں ان حملہ آور فوجیوں اور بعض مقامات پر یورپی بادشاہوں کی قید وبند کی حالت میں کتنا عجیب حسن سلوک کا معاملہ کیا گیا۔

☆ عجب خان آفریدی نے انگریز کمانڈر کی بیٹی کو جنگ کے دنوں اغوا کیا، اپنے پاس گھر کی عورتوں میں رکھا،جب اس کی رہائی ہوئی،تو پتہ کہ اسے کسی قسم کے تشدد کا نشانہ نہیں بنایا گیا،اس پر مستزاد یہ کہ اس نے اپنے والد سے مطالبہ کیا کہ مجھے عجب خان آفریدی کی ازدواجیت میں دیا جائے، والد نے

انکار کیا، تو اس نے بائبل کی قسم کھائی کہ کسی سے شادی نہیں کریگی، اگر کسی کو شک ہو تو وہ خاتون آج بھی زندہ ہیں اور لندن میں رہائش پذیر ہے، استطاعت رکھنے والے خود جا کر حقیقتِ حال معلوم کر سکتے ہیں۔

☆ فی زمانہ ایوان ریڈلی اور ان جیسے بہت سے مغربی قیدیوں کے واقعات میڈیا نے کھل کر بیان کئے ہیں ، مجاہدین انہیں اذیتیں دے سکتے تھے ، انہیں بھوکا پیاسا رکھ سکتے تھے خواتین قیدیوں کے ساتھ جنسی تشدد کے امکانات موجود تھے ، لاشوں کی بے حرمتی ، ممکن تھیں ، لیکن سب کچھ اگر کسی نے کیا تو وہ ان لوگوں نے کیا جو مہذب کہلاتی ہیں ، عافیہ صدیقی کے ساتھ ظالمانہ سلوک ، مساجد ومعابد اور سکول ہسپتالوں کو نشانہ بنانا، ڈرون حملوں میں معصوم لوگوں کو ہدف کرنا، باگرام ،ابو غُریب اور گوانتانا موبے میں انسانیت کی لرزہ خیز تذلیل ، قرآن کریم کی بے حرمتی کے متعدد واقعات ، لاشوں پر پیشاب ، پورے مذہب کو بدنام کرکے اسلاموفوبیا کا ہوا کھڑانا ، قانون بین الاقوام میں ممنوع انگنت اقسامِ اسلحہ استعمال کرنا، یہ کس کے کارنامے ہیں ، افسوس سے کہنا پڑتا ہے یہ ان لوگوں کے کارنامے ہیں ، جو دنیا کو تہذیب وتمدن ، حقوقِ انسانی اور بین الاقوامی ، قوانین کی پاسداری سکھاتے ہیں ، ہم مغربی اقوام کا احترام کرتے ہیں ، ان کی ترقی کو سلام کرتے ہیں، مگر کاش ،ان اقوام کو بحیثیتِ اقوام عقل وہوش آجائے، کہ ان کے حکمرانوں اور ان کے اہل اقتدار نے انہیں دنیا میں کتنی نفرت دلائی ، انہیں کس قدر بدنام اور رسوا

کیا، ان کے دامن کو کس حد تک داغدار اور تار تار کر دیا۔

☆ اب ایک جھلک یہ بھی ،طالبان کے جیلر بابا جیلانی سے میں نے ایک موقع پر پوچھا آخر کیا وجہ ہے کہ یہ نیٹو سپاہی تمھارے ہاتھوں جسمانی قیدی بننے کے بعد آپ کے، روحانی قیدی بن جاتے ہیں، کہیں ،برین واش تو نہیں کرتے آپ لوگ ، وہ ہنستے ہوئے کہنے لگا، نہیں جی،،برین واش نہیں کرتے ، شکم واش کرتے ہیں، خود روکھی سوکھی کھاتے ہیں ، انہیں بادام ، پستہ ، مکھن اور دودھ و گھی میں توڑی ہوئی روٹی کھلاتے ہیں،ان کی عزت کرتے ہیں،احترام کرتے ہیں، مہمان کی طرح رکھتے ہیں،ان کے خاندانوں سے ان کے رابطے کراتے ہیں،ان کے لئے اور ان کی اقوام کے لئے دعائیں کرتے ہیں، نتیجہ آپ کے سامنے ہے۔

ایک جرمن خاتون صحافی نے مجھ سے میرے آفس میں انٹرویو کے درمیان پوچھا،یورپ میں خواتین کے حقوق کا بہت خیال رکھاجاتاہے ، مسلمانوں کے یہاں اس حوالے سے کوتاہی کی بات کی جاتی ہے، آپ کیا کہینگے ؟ میں نے کہا، اس کا جواب عافیہ اور ریڈلی کی صورت میں پوری دنیاکے سامنے موجود ہے۔

☆ فلسطین میں مسلمان بچوں ، بوڑھوں ، نوجوانوں ، قیدیوں اور مساجد ورہائشی بستیوں میں کیاہورہاہے، کیایہ حالات آج کے کسی ذی شعور سے مخفی ہیں ، کیا

ان سب کچھ میں صہیونیوں کو یورپ اور بالخصوص امریکہ کا آشیر باد حاصل نہیں ہے؟

☆ لیبیا کے کرنل معمر قذافی کے خلاف کارروائی ہو یا مالی کے بے چارے طوارق افغانستان کی امارت اسلامیہ ہو یا صومالیہ کے کمزور قبائل، عراق کے لیڈر صدام، حسین ہو، یا چیچینیا کے رشین فیڈریشن میں محصور رہنما جوہر دوودایف، ان تہذیب یافتہ کہلانی والی اقوام نے بھوکے بھیڑیوں کی طرح ان پر کس بے رحمانہ، بے باکانہ بے ترسانہ اور توہین آمیز انداز میں یلغار کی، یہ آیندہ نسلوں کے لئے ایک سوہانِ روح، اور غمناک تاریخ ہے۔

☆ بوسنیا میں جب تک خون کی ندیاں نہ بہائی گئیں، عزتیں نہ لوٹی گئیں، نسلی تطہیر کی شرمناک کردار ادا نہ کئے گئے، اس وقت تک ان طاقتور اقوام کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی، آج جب وہی تاریخ مکمل طور پر شام میں اور ایک حد تک برما میں دھرائی جارہی ہے، تاریخ انسانی کا ایک المناک سانحہ رقم کیا جارہا ہے، ان متمدن اقوام پر مشہور ضرب المثل سو فیصد منطبق ہو رہی ہے کہ ”خوئے بد را بہانہ بسیار“۔

☆ ابھی کل کی بات ہے روس نے بلا جواز شام میں اندھے بموں کا بے دریغ استعمال کیا ہے اور امریکن فورسز نے قندوز میں اطبًا بلا حدود کے ایک ہسپتال کو وحشیانہ بمباری نشانہ بنایا جس سے درجنوں مریض اور ڈاکٹرز ہلاک

ہوئے۔ گویا مسئلہ اخلاقیات اور انسانیت کا ہے یہ اخلاق اور انسانیت کے عظیم تر اوصاف سے عاری ہو گئے ہیں، پہلے انسان بنانا یا بنانا پڑے گا پھر کہیں جا کر اسلامی اخلاقیات ضرب وحرب کی تفصیلات انہیں بتانی ہوں گی۔

بہر حال للہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اہل اسلام نے یہاں ان بدترین حالات میں بھی حق اور سچ کا دامن تھامے رکھا، کوئی سچا واقعہ جو ان حق پر ستوں کے لئے آئندہ کی انسانی تاریخ یا قانون بین الاقوام میں باعث شرم وخجالت ہو، دنیا کی کوئی طاقت پیش نہیں کر سکتی، کیا اس "صورۃ منتزعۃ" اور مجموعی صورتِ حالات سے مسلح تصادم میں اسلامی اخلاقیات کے نفاذ کی چمکدار اور خیرہ کن کرنیں نہیں پھوٹتیں ؟